قائداعظم کا دست راست

سوانح حیات

چوہدری سر محمد ظفراللہ خان اوّل وزیر خارجہ پاکستان
جج عالمی عدالت انصاف و صدر جنرل اسمبلی اقوام متحدہ

مرتبہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

حضرت مصلح موعودؓ - چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ - چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

قائداعظم کا دستِ راست

(چوہدری سر محمد ظفراللہ خانؓ احباب کی نظر میں)

ایک ذہین معمار پاکستان

مرتبہ

راناعبدالرزاق خان۔لندن

نام کتاب	قائداعظم کا دستِ راست
مرتبہ	راناعبدالرزاق خان
ناشر	قندیل پبلیشر ،لندن
مقام اشاعت	لندن
سال اشاعت اوّل	اکتوبر2024ء
تعداد	200
قیمت	20پاؤنڈ

کتاب ملنے کا ایڈریس

14 Woburn Road SM 5 1RT

Carshalton Surrey London

E-mail:ranarazzaq52@gmail.com

(M) 00447886304637

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَحۡمَدَ الۡمَوۡعُوۡدِ

فہرست مضامین

سرظفر اللہ خان صاحب کے اہم انٹرویوز

حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان علمی وسیاسی خدمات

ملکی وغیر ملکی اخبارت میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی وفات کی خبریں

تعارف مصنف

نام: راناعبدالرزاق خاں

تخلص: عاصی صحرائی

قوم: راجپوت گھوڑے واہ (والدین کا اصل وطن کاٹھ گڑھ ہوشیار پور پنجاب انڈیا)

قلمی نام: اے آر راجپوت، رجل خوشاب، ابنِ لطیف ۔اے آر خاں

تاریخ پیدائش: 13۔اپریل 1951ءکلی نو،شورکوٹ جھنگ پنجاب پاکستان

ٹی آئی ہائی سکول ربوہ سے میٹرک، ٹی آئی کالج ربوہ سے 1970ء میں ایف اے کیا۔تعلیم بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور(1975ء) اُردو فارسی سپیشل مضامین تھے۔ ملازمت۔سپروائزر پیپر بورڈ ملز پیکیجز لمیٹڈ لاہور(1 مئی 1972ءتا 16 ستمبر 1975ء)۔ 17/ستمبر 1975ءتا یکم مارچ 1984ءتک بحرین عربین گلف(دیوان الامیری بطور ایگریکلچر اسسٹنٹ (سلطان البحرین عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ)۔ مارچ 1984ءتا جولائی 2008ءنمبر دار چک نمبر 2 ٹی ڈی اے خوشاب پنجاب پاکستان۔لندن یو کے آمد 29/اکتوبر 2005ءٹوٹنگ وانڈز ورتھ لندن۔

پاکستان میں 1991ء سے روزناموں میں مختلف شخصیات کے تعارف لکھتا رہا۔لندن میں آکر 2009ء میں فراغت ملنے پر ''بزم شعروسخن'' تشکیل دی۔ پہلا مشاعرہ 2009ء میں منعقد کیا۔جس میں مبارک صدیقی، سید نصیر احمد شاہ، عامر امیر، عبدالمجید ظفر، نورالجمیل نجمی، جواد عالم، سہیل لون، آدم چغتائی اور دیگر بہت سے شعراء شامل ہوئے۔اب تک بیس عدد کامیاب مشاعرے کرواچکا ہوں۔جس میں لندن کے نامور شعراء نے حصہ لیا ہے۔ارشد لطیف، باسط کانپوری، سوہن راہی، ایوب اولیاء، آدم چغتائی محمود، ہارون الرشید، اقبال مرزا، پاکستان سے ڈاکٹر نکہت افتخار، فرحت عباس شاہ، لئیق عابد، محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب (ایم بی ای) جرمنی سے وسیم احمد طاہر اور اسحاق اطہر بھی شامل ہوئے۔

2011ء میں یو کے ٹائمز میں بھی کالم لکھنے شروع کئے۔اور گوشہ اَدب کی ادارت سنبھالی۔جنوری 2013ء سے ''قندیلِ اَدب انٹرنیشنل لندن'' سے آن لائن میگزین نکال رہا ہوں جو کہ ساری دنیا میں لاکھوں قارئین تک بذریعہ ای میل اور ویب سائٹ پہنچتا ہے۔ پاکستان، لندن، امریکہ، آسٹریلیا، انڈیا کے مختلف جرائد میں چارصد سے زائد مختلف عناوین پر سیاسی، علمی، مذہبی، اور اُردو پر مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ پانچ کتب بھی زیرطبع ہیں۔جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں۔

(1)۔کاٹھگڑھ کی ڈائری۔(2)۔دانشکدہ عظیم۔(3)۔قندیل علم۔(4)۔قندیل حق (5) سپوتِ ایشیاء۔(6) نافلہ مہدی۔(7) موسیقار دربار خلافت (8) قائداعظم کا دستِ راست (9) سیرت سوانح بہادر شیر صاحب کاٹھگڑھی

1۔قندیل صحرائی (مجموعہ کلام)

2۔ پاکستان، امریکہ، آسٹریلیا، انڈیا۔انڈیا کے مختلف اخبارات میں میرے آرٹیکل شائع ہوتے رہتے ہیں۔

3۔''بزم شعروسخن وانڈز وَرتھ'' جو کہ 2009ء سے قائم ہے۔

پیش لفظ

مجھے یہ جان کر بہت خوشی محسوس ہوئی کہ لندن کے مایہ ناز ادیب، شاعر، مصنف اور قلم کار رانا عبدالرزاق صاحب، ایشیا اور خاص طور پر عالم اسلام کے جلیل القدر سپوت حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کامیاب وکامران اور واقعات سے بھرپور زندگی پر کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے کتاب کا مسودہ بھجوایا کہ میں اس کی پروف ریڈنگ کردوں۔ چنانچہ پروف ریڈنگ کے دوران راقم نے ایک ایک لفظ، سطر اور مضمون بڑی باریکی کے ساتھ پڑھا۔ ہر مضمون کتاب میں وجد آفریں، ایمان افروز اور سبق آموز ہے۔

کتاب میں مختلف احباب، رشتہ داروں، دوستوں، سیاست دانوں، اخباروں کے مدیران کے (سرظفر اللہ خاں کے بارے میں) آراء کو دیا گیا ہے۔ اور ہر کسی نے ان کی ذات والا صفات کے روشن پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت ممدوح اتنی گوناگوں اعلیٰ صفات والے مگر عاجز انسان تھے کہ ان کی یاد میں جتنا لکھا جائے یا شائع کیا جائے وہ کم ہے۔

اگرچہ کتاب میں دیئے اکثر مضامین اس سے پہلے رسالہ خالد ربوہ میں شائع ہو چکے تھے مگر اب قریب 33 سال بعد ان کی دوبارہ اشاعت قندِ مکرّر کے طور پر ہے۔ میٹھی چیز کھانے کو دل بار بار کرتا ہے۔ اور یہ سوانح بھی میٹھی چیز سے کم نہیں اس کو بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ روزنامہ اخبار کی زندگی ایک روز ہوتی، ماہناموں کی زندگی تیس روز ہوتی جبکہ کتاب کی زندگی لازوال ہوتی ہے۔ اس لئے ان مضامین کو دوبارہ کتاب کی صورت میں شائع کرکے بجا طور پر اس تاریخ ساز شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو سر محمد ظفر اللہ خاں کی رُعب دار شخصیت کو نہیں جانتے ان کے علم میں اضافہ کیلئے ہم یہاں ہندوستان کے ممتاز انشاء پرداز حسن نظامی کا لکھا شخصی خاکہ پیش کرتے ہیں تا اندازہ ہو سکے کہ سرزمین پنجاب نے کیسے کیسے لعل و گہر پیدا کئے ہیں جو بین الاقوامی سطح پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

’’دراز قد اور بھاری جسم، عمر چالیس سال سے زیادہ، گندمی رنگ، چوڑا چکلا چہرہ، فراخ چشم، فراخ علم، فراخ عل، قوم مسلمان عقیدہ قادیانی۔۔۔ چپ رہتے ہیں۔ اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر، اور بہت احتیاط کے ساتھ پورا تول کر بولتے ہیں۔ سیاسی عقل ہندوستان میں ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم، وزیر ہند، اور وائسرائے اور سب انگریز ان کی قابلیت کے مداح ہیں۔ ہندو لیڈر بھی بادل نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانش مند حریف اور بڑا ہی کاریگر حریف ہے۔۔۔ گول میز کانفرنس میں ہر ہندو، ہر مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ۔۔۔ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا اور جدید زمانے کی پالیٹکس کو سمجھتا ہے۔۔۔ تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے۔ ظفر اللہ خاں ہر انسانی عیب سے پاک اور بےلوث ہے۔‘‘

چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کا کہنا ہے: "(چوہدری صاحب) کی طبیعت میں شگفتگی بھی تھی اور مذاق بھی بہت کرتے تھے۔ اور یہ پرانے لوگوں کی خاصیت تھی۔ اُصول کا پکا ہونا، منکسر اور عاجز ہونا اور اسکے باوصف کسی ایسی شخصیت کے ساتھ جس طرف عام طور پر ذہن نہ جائے جذبات کو وابستہ رکھنا ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ پھر ماں کے ذکر پر ان کی آنکھیں کیوں نہ ڈبڈبا جاتیں۔ وہ جابر و قاہر قسم کے بزرگ نہ تھے بلکہ

بڑے حلیم الطبع اور شگفتہ مزاج تھے۔''

پاکستان کے مشہور و معروف مؤرخ اور متعدد کتابوں کے مصنف پروفیسر خورشید کمال عزیز نے اس مقتدر اور رفیع الشان انسان سر ظفر اللہ خاں کی جاذب اور مقناطیسی شخصیت کو اتنے عمدہ اور من موہنے الفاظ میں موتیوں کی طرح پرویا ہے کہ انسان رَطب اللسان ہوجاتا اور عش عش کر اٹھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سر ظفر اللہ کو مبدءِ فیض سے وہ ذہانت ودیعت ہوئی تھی جو مکر و ریا کی بناوٹوں، قانونی چالبازیوں، سیاسی دوغلے پن، اور سفارتی حیلہ جوئیوں کے سامنے اساری ہوئی دیواروں کو چیر کر حقیقت تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کا ذہن شیشہ کی طرح صاف تھا اور ان کی سوچ کی صداقت اس میں منعکس ہوتی تھی۔ ان کی بے پناہ محنت کے آگے پیچیدہ مسائل یا وقت کی کمی کے عذر محض ہیچ تھے۔ عدالت ہو یا دستور ساز اسمبلی، یا کوئی اور عالمی ادارہ اپنے مؤقف کے حق میں اپنے دلائل کو قدم بہ قدم بڑھاتے، ایک کے بعد دوسری دلیل پیش کرتے، اور اپنے مؤقف کو مضبوط تر کرتے چلے جاتے تھے۔ وہ ایک چابک دست معمار کی طرح دلائل کی اینٹ پر اینٹ جماتے ہوئے ایک خوب صورت اور کلاسیکی عمارت کھڑی کر دیتے تھے۔ وہ اپنے دلائل و استدلال کی عمارت یوں اُستوار کرتے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ زبان و بیان کی روانی ان کے استدلال میں قوت پیدا کر دیتی تھی۔۔۔ ان کے منہ سے پھول جھڑتے اور ان کے اشارات ہمیشہ بامعنی ہوتے تھے۔۔۔ ان کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ حقائق کی منطق کو بحث و اختلاف کی منطق کے ساتھ آمیز کرنا جانتے تھے۔ مسائل کو گفت و شنید کے ذریعہ حل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ وہ زندگی بھر شہرت اور اور آسودگی کی چکا چوند میں رہے مگر ان کی چال میں نرمی، تواضع اور انکساری نمایاں رہی۔ کامیابیوں کامرانیوں کی خوشبوانہیں کم دماغ نہ بنا سکی۔ دنیاوی مراتب کی شان وشوکت اور آن بان سے ان کے ذاتی وقار پر کوئی حرف نہ آیا۔ نہ ان کی وضع میں کوئی خلل آیا اور نہ ہی ان کی انسانیت مسموم ہوئی۔ ظفر اللہ نے ساری عمر محنت اور یکسوئی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنے ملک کی خدمت اور ملک بنانے والی تحریک کی خدمت کی۔ ہم پاکستانی مسلمانوں نے انہیں اپنے مذہب سے تو نکال باہر کیا مگر ہمیں انہیں اپنے ذہنوں سے محو نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ جو قومیں اپنے عظیم آدمیوں کو فراموش کر دیتی ہیں ان میں رفتہ رفتہ عظیم آدمی پیدا ہونے ہی بند ہوجاتے ہیں۔''

اب دیکھیں حضرت چوہدری صاحب اپنے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

''دین کی غیرت اور خدا کا خوف خاکسار نے ماں کے دودھ کے ساتھ پیا۔ ہر چند خاکسار نہایت عاجز اور تقصیروار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کی چنگاری سے خاکسار کا دل ہمیشہ روشن اور گرم رہا ہے۔''

راقم عاصم کو چوہدری صاحب نے لاہور سے اپنے خط مؤرخہ میں 29 نومبر 1969ء میں لکھا: آپ کا گرامی نامہ میرے لئے خوشی کا باعث ہے اور پریشانی کا بھی۔ میں ایک نہایت عاجز پر معاصی پر تقصیر انسان ہوں۔ آپ کا حسن ظن میرے لئے طبعاً خوش کن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ پریشانی اس وجہ سے ہے کہ جب آپ مجھے اپنے تصور کے مطابق نہیں پائیں گے تو یہ امر آپ کیلئے باعث صدمہ ہوگا۔ التجا ہے کہ آپ دردمندانہ دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و احسان اور کمال ذرّہ نوازی سے اس عاجز کی خطاؤں سے درگذر فرمائے۔''

کتاب میں زیادہ تر آپ کی روحانی اور دینی زندگی کے کئی روشن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً آپ کا توکل علی اللہ، رسول مقبول

صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی اظہار، تمام ارکان اسلام پر مکمل یقین، قرآن مجید سے مجنونانہ عشق، قرآن مجید کی حسین اور پاک تعلیم کی عملی تصویر، نمازوں میں آپ کا گہرا شغف، دعا کی قبولیت پر آپ کا مکمل اور راسخ یقین، بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ذات سے آپ کا عشق، خلفائے احمدیت کی احکامات کی پیروی اور ان سے بے انتہا لگاؤ۔

آپ کی ذات میں اتنے کمالات تھے کہ بعض ایک تو صحیح رنگ میں بیان نہیں کیا گیا جیسے آپ ہندوستان کے چوٹی کے قانون دان، جج اور پھر عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ بہ حیثیت وکیل آپ نے جن مقدمات کی پیروی ان میں سے ایک دو کا ذکر ہوتا، بہ حیثیت جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا آپ نے جو فیصلے کئے ان میں سے کسی کا ذکر ہوتا، بہ حیثیت جج عالمی عدالت انصاف جن ممالک کے درمیان قضیوں کا آپ نے فیصلے کیا اس کا ذکر ہوتا۔ آپ کی سیاسی فراست کا کہیں تفصیل سے ذکر ہوتا تو انسان پر واضح ہو جاتا کہ آپ کو قائداعظم محمد علی جناح نے بجا طور پر اپنا سیاسی فرزند کہا تھا۔ آپ ایک عالمی مدبر، منجھے ہوئے سیاست دان اور عالمی بساط پر ہونے والی سیاست کے داؤ پیچ سے بخوبی واقف تھے۔ کچھ اس کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا۔

اس غیر معمولی دلچسپ کتاب میں آپ کی زندگی کے کئی ایمان افروز اور سبق آموز واقعات درج ہیں۔ ان میں سے چند ایک نمونہ کے طور پر یہاں دئے جاتے ہیں:

(1) چیف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال (ابن علامہ سر محمد اقبال) اقوام متحدہ کے ضمن میں ایک یادگار واقعہ بیان کیا ہے: ایک دفعہ اقوام متحدہ کا اجلاس اتنا طویل ہو گیا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ اور چوہدری صاحب جیسے عادت تھی جب رات زیادہ ہو جاتی تو چلے جایا کرتے تھے گھر جا کر نمازیں ادا کر سکیں اور صبح جلدی اُٹھنا ہوتا تھا۔ وہ مجھے اپنی جگہ بٹھا گئے۔ میں نے سوچا تقریریں ہو رہی ہیں آرام سے سنتے رہیں گے اور اگلے روز چوہدری صاحب کو تفصیل بتا دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد روسی مندوب نے ایک مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم پاکستان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ نتائج کا ذمہ دار ہوگا۔ میں نے صاحب صدر سے جواب دینے کیلئے اجازت چاہی اور یہ میرا پہلا موقعہ تھا کہ میں اس طرح جواب دے رہا تھا۔ روسی مندوب بڑا تجربہ کار تھا اور مجھے خوف تھا کہ سوویت یونین سپر پاور ہے کہیں جواب دیتے ہوئے زیادہ سخت الفاظ نہ استعمال کر جاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کو جواب دیا۔ روسی مندوب پھر تقریر کی اور پھر میں نے اس کا جواب دیا۔ تین چار دفعہ ایسا ہوا تو صدر اجلاس نے مکالمہ بند کروا دیا۔ رات مجھے پریشانی میں نیند نہ آئی کہ شاید چوہدری صاحب اس کا جواب زیادہ اچھے طریقے سے دیتے۔ اگلے دن چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی پیشتر اس کے کہ میں اپنے تذبذب کا اظہار کرتا (وہ صورت شناس بہت تھے) فوراً بھانپ گئے اور کہنے لگے کہ رات کو ٹیلی ویژن پر یو این او کی کاروائی کی تفصیل کے دوران تمہاری تقریر سنی اور مجھے بے حد پسند آئی۔ میرے لئے ان کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا اور تسلی ہو گئی۔

(2) سابق چیف جسٹس آف پاکستان انوار الحق، عزت مآب چوہدری صاحب کے اخلاق و کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب ہم ان سے بات چیت کرتے تو وہ ہمیشہ وزنی دلائل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کی تشریح کرتے، تحکمانہ انداز نہیں ہوتا تھا کہ جو میں نے کہہ دیا وہی درست ہے اس پر عمل کرو۔ ان کا یہ طریق بھی نہ تھا کہ نوجوانوں کو کم عقل سمجھ کر ان سے تفصیل سے بات چیت نہ کی جائے۔ ایک اور

چیز جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ ان کی یادداشت زبردست تھی۔حقائق، اعداد وشمار، واقعات، دن، تاریخ اور لوگوں کے نام جن کے ساتھ ان کو واسطہ پڑا تھا یہ سب چیزیں ان کو یاد رہتی تھیں۔اورلندن میں تو ان کے ساتھ اکثر یہ مذاق رہتا کہ میں انہیں اپنے بیٹے کے گھر سے فون کیا کرتا اور ان سے کہتا میرا فون نمبر نوٹ کرلیں۔تو فرماتے تمہارا نمبر وہی ہے جو کہ پچھلے سال تھا، اور پھر وہ نمبر بھی بتا دیتے۔جبکہ مجھے وہ نمبر نوٹ بک سے دیکھنا پڑتا تھا۔‘‘

(3) حافظ قدرت اللہ صاحب (سابق مشنری انچارج ہالینڈ) کا کہنا ہے:

’’ایک دفعہ جب سعودی عرب کے پرنس فیصل جو ریاض کے مئیر تھے ہماری جماعت کی دعوت پر ہماری مسجد میں تشریف لائے تو اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی موجود تھے۔ بلکہ لارڈ مئیر چوہدری صاحب کی موجودگی اور آپ سے ملاقات پر بہت ہی خوش تھے۔خاکسار نے ان کی خدمت میں عربی میں ایڈریس پیش کیا اور تحفہ میں کچھ کتابیں بھی پیش کیں۔اسی طرح ملائشیا کے وزیر اعظم تنکوعبدالرحمن جب تشریف لائے اور پھر ایک اور موقعہ پر نائیجیریا کے وزیر اعظم تشریف لائے تو ان مواقع پر بھی چوہدری صاحب کی موجودگی معزز مہمانوں اور ہمارے لئے بہت ہی مسرت اور شادمانی کا باعث ہوئی تھی۔۔۔اسی طرح ایک اور موقعہ بھی ہم سب کے لئے لطف کا باعث بنا تھا یعنی 1960 جب پاکستان کی چمپئین ہاکی ٹیم اولمپک گولڈ میڈل جیتنے کے بعد ہالینڈ سے گزری تو جماعت احمدیہ نے ان کے اعزاز میں پارٹی دی اور ایڈریس پیش کیا تھا۔‘‘

(4) انیس الرحمن بنگالی کہتے ہیں:

ہم نے اپریل 1979 میں انگلستان کا اجتماع بریڈفورڈ میں منعقد کروایا جس میں شرکت کیلئے چوہدری صاحب کو دعوت دی۔اپریل میں ہر سال ایسٹر کی تقریب کی مناسبت سے ملکہ برطانیہ ارکان پارلیمنٹ، اور ملک کے معززین کو خاص ڈنر پر بلاتی ہیں اور چوہدری صاحب کو بھی اس شاہی دعوت میں شرکت کیلئے دعوت موصول ہوئی تھی۔جب میں نے اجتماع میں شرکت کیلئے ان کو دعوت دی تو فرمایا اگلے روز فون پر اطلاع دوں گا۔چنانچہ 12، اپریل کو فون پر اطلاع دی کہ چونکہ تمہارا دینی پروگرام ہے اس لئے میں ملکہ معظّمہ کی دعوت کو چھوڑتا ہوں اور اجتماع میں شریک ہوں گا۔چنانچہ اگلے روز مکرم انور احمد کاہلوں، مکرم چوہدری صاحب کے ہمراہ لندن سے قریب تین سو میل کا سفر کر کے اجتماع میں شریک ہوئے۔

(5) پنجاب میں 1953 کے اینٹی احمدیہ فسادات کی تحقیقات کے دوران ایک وکیل اپنے ساتھیوں کے سامنے بڑ مارا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خاں کو عدالت میں بیان دینے کے لئے آنے دو، میں ایک ہی سوال میں اس کو ایسا پھانسوں گا کہ وہ راہ فرار تلاش نہیں کر سکے گا۔جب چوہدری صاحب عدالت میں حاضر ہوئے تو وکیل نے کہا میں آپ سے ایک سیدھا سوال کرتا ہوں: آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ جواب ملا جو آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ اس مسکت اور دنداں شکن جواب کے بعد اس چالباز وکیل نے کوئی اور سوال نہ کیا۔

(6) پاکستان بننے سے قبل شام کی چائے پر چند دوست آیا کرتے تھے جن میں عموماً میجر جنرل نذیر احمد، چوہدری بشیر احمد، شیخ اعجاز احمد ہوتے تھے۔ان کے ساتھ یہ بات طے ہوتی تھی کہ جو بھی فقرہ بولا جائے پورا فقرہ اسی زبان میں ادا کیا جائے۔پنجابی کے فقرے میں تمام الفاظ پنجابی ہوں، انگریزی کے فقرے میں تمام انگریزی ہوں۔جو کوئی کسی دوسری زبان کا لفظ بولے گا اس کو دو روپیہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔باباجی کو کبھی بھی جرمانہ ادا نہیں کرنا پڑا تھا۔

(7)ایک دفعہ پاکستان کے مشہور مؤرخ آپ کو(چوہدری صاحب) کو ملنے آئے جو آپ کے مداح اور عقیدت مند تھے۔باتوں باتوں میں وہ ایسی بات کہہ گئے جس سے سرور کائنات ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔آپ فوراً غصہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اوران سے کہا آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔میں کسی ایسے شخص سے ملنے پر تیار نہیں جو رسول مقبول ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو۔یہ کہہ کر آپ کمرے سے نکل گئے۔ایک لمبے عرصے تک اس کو معافی مانگنے پر ملنے پر تیار نہیں ہوئے۔آخر کار اس کے بار بار معافی مانگنے پر آپ نے اس کو معاف کردیا۔

(8)حضرت مصلح موعودؓ کی وفات پر ایک خط میں لکھا:

میری کیا حیثیت اور میرے قلم میں کیا طاقت ہے کہ اس بہار حسن واحسان کے اوصاف شمار کرنے کی جسارت کروں۔وہ روحانی آسمان کا درخشندہ ستارہ، میں زمین کے چہرے پر ایک سیاہ داغ۔وہ پاکیزگی،تقویٰ اور طہارت کا ستون میں گرفتار ہوا و ہوس اور عصیان کا مرکب، وہ ظاہری و باطنی علوم کا بحر ذخار، میں نادانی اور جہالت کی ظلمات میں اسیر۔چہ نسبت خاک را با عالم پاک

(9)امام مسجد لندن بشیر احمد رفیق لکھتے ہیں:

آپ ناشتہ سے لے کر شام کے کھانے تک پورا لباس زیب تن کئے بغیر کھانے کی میز پر تشریف نہیں لاتے تھے۔میں نے ایک دومرتبہ عرض کیا کہ آپ ریٹائرمنٹ میں بھی کیوں اس طرح لباس کا تکلف کرتے ہیں؟ فرمایا میں نے زندگی کا ایک اصول مقرر رکھا ہے کہ صبح اُٹھ کر پورا لباس پہن کر ہی کام شروع کرنا ہے۔خواہ کہیں باہر جانا ہو یا نہ ہو۔اس چیز سے طبیعت میں رغبت پیدا ہوتی،چستی آجاتی اور کام کرنے کیلئے جس موڈ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی میسر آجاتا ہے۔

(10)برطانیہ کے مشہور مستشرق کینیتھ کراگ کی کتاب Call of the Minaret_Kenneth Cragg نے دنیا بھر سے خراج تحسین حاصل کیا۔ایک دن میں چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہؤا تو ان کے ہاتھ میں یہ کتاب تھی۔آنکھیں پرنم میرے دریافت کرنے پر فرمایا اس شخص نے باوجود عیسائی ہونے کے اس کتاب میں قرآن کریم کو جو خراج پیش کیا ہے اور رسول کریم ﷺ کا ذکر جس پیارے انداز میں کیا ہے اسے پڑھ کر میں اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا۔فرمایا مسٹر کراگ سے میری ملاقات کا انتظام تو کروادو۔چنانچہ وہ کھانے پر آئے تو چوہدری صاحب نے ان سے پوچھا باوجود عیسائی ہونے کے آپ نے آنحضور ﷺ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔جواب میں انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ نے دنیا کی اصلاح کیلئے عظیم کام کیا ہے اگرچہ مجھے عقیدۃً ان کی بعض تعلیمات سے اختلاف ہے لیکن میں آپ کی بڑائی کا دل سے قائل ہوں۔

(11)برطانیہ کے بادشاہ جارج ہشتم کی والدہ سے لندن میں اپنی ملاقات کے بارے میں چوہدری صاحب نے لکھا: لندن پہنچنے کے دوسرے روز کوئین میری نے مجھے بطور شاہی مہمان کے دعوت دی کہ میں ان کے مہمان کے طور پر قصر ہملٹن جو گلاسٹر شائر میں ہے حاضر ہو جاؤں۔کسی ہندوستانی کیلئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔میں قصر ہملٹن میں حاضر ہو گیا۔محل میں پہنچنے پر لارڈ کلاڈ ہملٹن نے ملکہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب پر لیکچر دیا اور کہا گھڑی کو دیکھنا سخت بے ادبی میں شامل ہے۔کمرے میں بیٹھا ہی تھا تو ملکہ تشریف لائیں،گفتگو شروع ہوئی اور

ملاقات خلاف معمول لمبی ہوگئی۔دوران ملاقات خیال آیا عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے اس لئے ملکہ سے نظر بچا کر گھڑی کو دیکھ لیا۔ملکہ نے ایسے کرتے ہوئے مجھے دیکھ لیا اور پوچھا تمہیں کسی اور سے ملنا ہے۔میں نے مؤدبانہ عرض کیا ملکہ سے بڑی اور کون سی ملاقات ہو سکتی ہے لیکن یہ گستاخی اس لئے کی ہے کہ مجھے مالک کائنات کے دربار میں بھی حاضری دینی ہے جس کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ملکہ نے فرمایا بے شک اپنے خالق کی عبادت ہم سب پر فرض ہے۔ملکہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے سکرٹری کو ہدایت کی کہ ظفراللہ خاں سے اس کی نمازوں کے اوقات معلوم کر کے مجھے مطلع کرو۔ملکہ سے رُخصت ہو کر اپنے کمرے میں آیا اور نماز عصر ادا کی۔اس کے بعد جب بھی کبھی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بار بار پوچھتیں نماز کا وقت تو نہیں ہو گیا۔(12) قیام پاکستان کے وقت جب چوہدری صاحب نے نواب آف بھوپال سر حمیداللہ خاں کی پیشکش کو قبول فرمایا کہ آپ ان کے مشیر کے طور پر کام کریں تو نواب صاحب نے بطور معاوضہ کے آپ کو اطلاع دی کہ تنخواہ چالیس ہزار روپے ہوگی جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا۔رہائش کیلئے محل کا ایک خاص حصہ مخصوص کر دیا ہے اور آپ کیلئے کھانا شاہی مطبخ میں تیار ہوگا۔اس کے ساتھ چھ گاڑیاں ہوں گی۔ کچھ دنوں بعد جب میں کراچی میں تھا قائداعظم نے فرمایا تم بھوپال سے اپنا تعلق ختم کر کے جلد یہاں آ جاؤ۔چنانچہ انہوں نے مجھے وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔بھوپال میں میری تنخواہ چالیس ہزار تھی یہاں کراچی میں چار ہزار جس پر ٹیکس دینا تھا۔نواب صاحب کے محل میں میری رہائش یہاں ایک ہوٹل کے دو کمروں میں ایک لمبے عرصہ تک قیام رہا۔وہاں چھ کاریں یہاں ایک کار میری تحویل میں تھی۔باوجود ان نامساعد حالات کے میں نے پاکستان کی خدمت کا عزم کیا۔یہ چند ایک ایمان افروز واقعات یہاں پیش کئے گئے ہیں تا کہ قاری کو اندازہ ہو سکے کہ یہ کتنی شیریں، اور حلاوت سے بھرپور کتاب ہے۔یہ کتاب محسن پاکستان، سپوت ایشیا، جج، عالمی قانون دان، مدبر، مصنف، ترجمہ نگار کی زندگی پر ہے۔اس عظیم مگر نہایت سادہ اور مطمئن انسان کو خراج تحسین ہے جو اپنے اصولوں کا پکا تھا۔جس نے دین کو ہمیشہ دنیا پر مقدم رکھا کوئی لالچ کوئی عہدہ اسکے پائے ثبات میں لغزش نہ لا سکا۔دنیا کے چمن میں ایسے دیدہ ور بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں جن کی یاد ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے۔ظفراللہ خاں ایک شخص نہیں بلکہ ایک کثیر الجہات بندہ نواز کا نام تھا۔اس نور مینارے سے یہ دنیا بڑی دیر تک روشن رہے گی۔

احقر العباد ۔زکریا ورک۔ ٹورنٹو

28۔اکتوبر 2018

تعارف۔محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب

سب سے پہلے تو میں صاحب صدر اور حاضرین مَجلِس اور مُنتَظِمین جلسہ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمتہ اللہ کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔اس سے پہلے کہ میں محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کے متعلق کچھ بیان کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جلسہ کے مُنعَقِد کرنے والوں کی تحسین کی جائے۔ڈاکٹر سرافتخار ایاز اکیڈمی یو کے کے رُوحِ رَواں جناب سرافتخار اَیاز صاحب ہیں۔ادبی دنیا میں نام پیدا کرنے والوں کی قدر ومَنزِلَت کرنے اور حوصلہ افزائی کے لئے جناب اَیاز صاحب نے اکیڈمی کی بنیاد رکھی ہے۔سرافتخار اَیاز صاحب جو خود بھی ایک درجن کتابوں کے مصنف ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں،اچھی طرح جانتے ہیں کہ ادبی دنیا میں قدم جمانے کے لئے کس قدر مَصائِب سے گزرنا پڑتا ہے۔سوچ کے سمندر میں غوطے لگا کر ادبی تخلیق کے لئے موتی چننا کس قدر دشوار ہے۔کسی ادبی تخلیق کار کی تعریف وتوصیف کرنے میں یہ دنیا نہایت کنجوس واقع ہوئی ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

ہر کوئی بنا ہے اپنے خیال میں　　　اِک عالم جسے افلاطون کہتے ہیں

بہر حال یہ عاجز سرافتخار ایاز صاحب اور ان کی ساری ٹیم کو اس اکیڈمی کے قائم کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔

آج کا یہ جلسہ محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی ادبی خدمات کے اِعتراف کے لئے مُنعَقِد کیا جارہا ہے۔رانا عبدالرزاق خاں صاحب کے آباءواجداد کا تعلق ضلع ہوشیار پور کی تحصیل گڑھ شنکر کے ایک چھوٹے سے گاؤں کاٹھ گڑھ سے ہے۔موصوف کی پیدائش لکی نوشور کوٹ جھنگ میں ہوئی۔ٹی آئی کالج یعنی تعلیم السلام کالج سے ایف اے اور پنجاب یونیورسٹی سے بی اے پاس کیا۔نو سال تک بحرین میں بطور اگریکلچرل اسسٹنٹ کام کیا۔بعد ازاں پاکستان میں اپنے گاؤں 2 ٹی ڈی اے کے نمبردار بنادیے گئے۔ان میں لیڈرانہ خصوصیات نمبرداری کے دَور سے موجود ہیں،نمبرداری کے دور میں رانا صاحب نے بہت کام کیے،اگر کوئی غلط کام کرتا تو اس کی ٹھکائی بھی کر دیتے تھے۔لندن آنے کے بعد جماعتی خدمت کے ساتھ ساتھ باقاعدہ طور پر ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔موصوف نے مختلف اَخبارات میں لکھنا شروع کیا اور 2009ء میں مُشاعِروں کا آغاز کیا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔اب تک تین سو سے زائد مُشاعِروں کا اِہتمام کر چکے ہیں اور ان مشاعروں میں بہت سارے گمنام شُعَراء کو منظر عام پر لانے کا سہرا بھی رانا صاحب کے سر پر سجا ہے۔2013ء میں ماہنامہ قندیل ادب شروع کیا جو بے حد مقبول ہوا۔اس ادبی رسالے نے سینکڑوں شعراء اور کالم نگاروں کو متعارف کروایا۔کچھ عرصہ بعد 2018ء میں مذہبی مضامین کے لئے سہ ماہی رسالہ قندیل حق شروع کر دیا۔ان کے پانچ صد کالموں کا مجموعہ قِندیلِ عِلم کے نام سے چھپ چکا ہے۔اس کے علاوہ دانشکدہ عظیم،سپوت ایشیا،اور تاریخ کاٹھ گڑھ نامی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ان کی تین کتابیں سیرت ایم ایم احمد،تَعارُف تین صد شعراء ادب،سوانح ناصر احمد صاحب بہادر شیر صاحب زیر ترتیب ہیں۔جناب رانا صاحب شعر بھی کہتے ہیں۔صرف غزل ہی کہتے ہیں کسی اور صنف میں کچھ نہیں کہا اس ضمن میں یہ عاجز کہنا چاہے گا کہ رانا صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کیونکہ وہ اچھی غزل کہہ لیتے ہیں۔مجھے اپنے کہے پر تھوڑی شرمندگی سی محسوس ہو رہی ہے کہ یہ کیوں کہا تھا کہ۔

اچھی　غزل　کہے　کیسے　کوئی

گرد　پڑی　ہے　شبابوں　پر

راناصاحب خوش قسمت ہیں کہ انہیں نکھرے شباب مانند مہکتے گلاب ہرجا مل جاتے ہیں۔راناصاحب کی غزل کاایک شعر ہے کہ۔

اے ماہِ بےمِثال، تجھ سے پیار ہے   اے نازشِ غزال، تجھ سے پیار ہے

ان کی جماعتی خدمات کے ضمن بتا تا چلوں کہ لندن آمد کے فوراً بعد موصوف نے دفتر انصاراللہ میں بطور نائب قائد عمومی کام کیا۔اَخبار احمدیہ یوکے کے اِدارَتی بورڈ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈینٹس ایسوسی ایشن کی عاملہ میں بھی شامل ہیں۔موصوف المنار رسالے کے بھی چھ برس ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ معزز حاضرین!راناعبدالرزاق خاں صاحب سے بہت پہلے بھی ایک لکھنے پڑھنے والا وجود مسعود ان کے خاندان میں پیدا ہو چکا ہے۔کاٹھ گڑھ میں 37 صَحابہ تھے اور 13 صَحابیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھیں۔ان صحابہ میں ایک مولوی عبدالسلام رضی اللہ عنہٗ بھی تھے۔انہوں نے بھی ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے ہمارا شفیع کون ہے؟ بجواب ہمارا شافع کون؟ ان کے مضامین الفضل قادیان میں شائع ہوتے رہتے تھے۔معزز حاضرین لکھنے پڑھنے والی شخصیات نابغۂ روزگار ہوتی ہیں، خاندانوں اور قبیلوں میں ایسی ہستیاں بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔لکھنے پڑھنے والے لوگ ایک چراغ کی مانند ہوتے ہیں جن کی روشنی جہالت کے اندھیروں کو دور کرتی ہے۔بلاشبہ مولوی عبدالسلام رضی اللہ عنہ اگر کاٹھ گڑھ کے آفتاب ہیں تو مجھے کہنے دیجیے کہ راناعبدالرزاق خاں صاحب اس خاندان کے اپنے قبیلہ کے چاند ہیں۔

اس عاجز کا تعَارُف عبدالرزاق خاں صاحب سے 2010ء میں ہوا تھا ان دنوں اس عاجز کی دو کتابیں وارثان ابوجہل اور آوارگان امت نامی شائع ہوئی تھیں۔راناعبدالرزاق خاں صاحب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مجھے مبارک باد دی اور نہایت شاندار الفاظ میں تحسین کی۔ان کی یہ خوبی ہے کہ بلاتعصب دل کھول کر شُعراء اور مصنفین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ان کے رسائل نئے لکھنے والوں کے لئے نعمت سے کم نہیں۔ اللہ انہیں شاد رکھے،سلامت رکھے۔آخر میں یہ عاجز حضرت مرزا بشیر احمدؓ کا ایک اقتباس پڑھ کر اجازت چاہے گا۔پس اے عزیزو! اور اے دوستو! اپنے فرض کو پہچانو اور سُلطان القَلَم کی جماعت میں ہو کر اسلام کی قلمی خدمت میں وہ جوہر دکھاؤ کہ اَسلاف کی تلواریں تمہاری قلموں پر فخر کریں۔تمہارے سینوں میں اب بھی سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید اور عمرو بن عاص اور دیگر صحابہ کرام اور قاسم اور قتیبہ اور طارق اور دوسرے فِدایانِ اسلام کی روحیں باہر آنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔انہیں رستہ دو کہ جس طرح وہ قُرُونِ اُولیٰ میں تلوار کے دھنی بنے اور ایک عالَم کی آنکھوں کو اپنے کارناموں سے خیرہ کیا۔اسی طرح وہ تمہارے اندر سے ہو کر (کیونکہ خدا اب بھی انہی قدرتوں کا مالک ہے) قلم کے جوہر دکھائیں اور دنیا کی کایا پلٹ دیں۔پس اے احمدی نوجوانو! آؤ اور اس چمنستان کی وادیوں میں گھوم کر دنیا کو نئے علوم سے شناسا کرو۔آؤ اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی تعمیر میں حصہ لے کر اقوامِ عالَم کو علم وعرفان کے وہ خزانے مہیا کرو کہ حجاز اور بغداد اور قُرطُبَہ اور قُدس اور مصر کی یادگاریں زندہ ہو جائیں۔تا دنیا تم پر فخر کرے اور آسمان تم پر رَحمت کی بارشیں برسائے اور آنے والی نسلیں تمہاری یاد سے امنگ اور ولولہ حاصل کریں۔اے کاش! کہ ایسا ہی ہو۔(الفضل 26 دسمبر 1958ء)

چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل لندن رانا محمد حسن خاں

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

مکرم ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز۔لندن

حضرت چوہدری صاحب کے بارہ میں کچھ لکھنا ایک عظیم سعادت اور آپ کے اوصاف حمیدہ کی اشاعت کارِ ثواب ہیں۔ مَیں اُن خوش قسمت لوگوں میں شامل ہوں جنہیں اُن کی صحبت سے روشنی حاصل کرنے کی توفیق ملی اور اُنہیں قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ سبحان اللہ والحمدللہ۔ آپ عجیب وغریب قابلیتوں اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ اگر چہ ہر لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت اور اور بلند شخصیت کے مالک تھے لیکن انہوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا آدمی نہ سمجھا۔ اور نہایت فروتنی اور بڑی خاکساری کے ساتھ اپنی زندگی گزاری اُن کی صورت فرشتوں جیسی اور اُس کی سیرت ولیوں جیسی تھی۔ وہ نہایت ہنس مکھ، نہایت ملنسار، نہایت خوش گفتار اور نہایت خوش اخلاق انسان تھے۔ جو شخص ایک مرتبہ اُن سے مل لیتا تھا وہ ہمیشہ کے لئے اُن کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اُن کی باتوں میں مٹھاس اور ایسی شیرینی تھی کہ دل بے اختیار اُن کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔ وہ اپنے اعلیٰ اوصاف اور اپنی بہترین عادات کے لحاظ سے سلف صالحین کا ایک بہت ہی دلکش نمونہ تھی۔ ہمدردی خلائق اور بہبودی مسلمین اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ نیکی اور شرافت احسان ومروّت کا وہ ایک مجسمہ تھے۔ عقل ودانش اور فہم وفراست میں اس حدیث نبوی کہ مصداق تھے کہ **اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ** اُن کے پاس بیٹھنے اور اُن کی پُرحکمت کلمات سُننے سے جو روحانی سرور حاصل ہوتا تھا اُن کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی ہوسکتی۔ اُن کا انداز بیان نہایت دلچسپ اور اُن کی گفتگو نہایت پُرلطف ہوتی تھی۔ پارسائی اور پرہیزگاری اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ زہد واتقا کی حسین کرنیں اُن کے حسین چہرہ سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی تھیں اور اُن کی شفاف پیشانی **سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ** کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ طبیعت نہایت سادہ پائی تھی اور ضرر اور تکبر نام کو بھی نہ تھا۔ وہ جس والہانہ طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے کرام کا نام لیا کرتے تھے اُنہیں سُن کر دل چاہتا تھا کہ یہ سلسلہ گفتگو کبھی ختم نہ ہو۔

میرے اُن سے تعلق کی بنیاد میرے والد محترم چوہدری مختار احمد ایاز صاحب مرحوم ومغفور کا اُن سے تعلق تھا۔ 1920ء یا 1921ء میں جب حضرت چوہدری صاحب لاء کالج لاہور میں لیکچرار تھے تو میرے والد صاحب اسلامیہ کالج میں پڑھتے تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے احمدی طلباء کی ایک اپنی تنظیم تھی اور حضرت چوہدری صاحب طلباء کی مجلس میں کبھی کبھی تشریف لاتے اور نصائح فرماتے۔ خاص طور پر نمازیں باجماعت ادا کرنے کی طرف اور باقاعدہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کی طرف توجہ دلاتے اور طلباء کو تلقین کرتے کی بار بار قادیان جائیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مجالس میں شریک ہوں۔ اس طرح میرے والد کا حضرت چوہدری صاحب سے ایک ذاتی تعلق بن گیا۔ اور اس کی عملی صورت اس طرح سامنے آئی کہ میرے دادا جان مرحوم حاجی جلال الدین صاحب مرحوم ومغفور اپنے علاقہ میانی ہیرہ کی معروف شخصیت تھے کئی سال تک کمیٹی کی صدر بھی رہے لیکن جب بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئے تو شدید مخالفت شُروع ہوگئی۔ پھر دھمکیوں اور طعنہ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چند مرتبہ مخالفین نے اُن پر لاٹھیوں سے حملہ بھی کیا اور پھر اُن پر ایک فوجی کیس بھی بنا دیا اُس کے لئے اُن کو سرگودھا تاریخوں پر جانا

پڑتا تھا۔اس کیس کا والد نے حضرت چوہدری صاحب سے ذکر کیا اور دعا کے لئے کہا تو چوہدری صاحب خود دادا جان کی طرف سے کورٹ میں پیش ہونے کے لئے تیار ہوگئے۔ چنانچہ اس غرض سے وہ میرے والد صاحب کے ساتھ دو مرتبہ لاہور سرگودھا گئے اور وہاں کورٹ میں پیش ہوئے اور کیس کا ایسی عمدگی سے دفاع کیا کہ وہ کیس خارج ہوگیا۔ 1930.31ء میں میرے والد صاحب راولپنڈی آرسنل میں ملازم تھے اور جماعت کے جنرل سیکریٹری بھی تھے۔اُس زمانہ میں حضرت چوہدری صاحب مسلم لیگ کے صدر تھے اور اس سلسلہ میں پنڈی آنا جانا رہتا تھے۔ جب وہ پنڈی آتے تو اُن کی رہائش کے لئے سہولت کے لئے اچھا سرکاری انتظام ہوتا تھا لیکن آپ احمدیہ مسجد کے اوپر ایک کمرہ میں رہنا پسند کرتے تا کہ فجر کی نماز جا جماعت ادا کرسکیں۔ 1935ء میں میرے والد صاحب ملازمت چھوڑ کر قادیان آگئے اور صدر انجمن احمدیہ میں خدمت پر مامور ہوئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تحریک جدید کے تحت آپ کو تبلیغی وفود کا امیر مقرر فرماتے اور آپ وفود لے کر مکیریاں ہوشیار پور جایا کرتے تھے۔اُن دنوں حضرت چوہدری صاحب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔آپ قادیان آتے جاتے رہتے تھے ایک دفعہ جب والد صاحب مکیریاں وفد کے ساتھ آئے اور حضرت چوہدری صاحب سے ملے تو آپ نے سارے وفد کو اپنے رہائش گاہ میں آنے کی دعوت دی اور تبلیغ کے سلسلہ میں زرّیں نصائح سے نوازا۔ اُس میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ محظ دلیل و دلائل سے تبلیغ نہ کریں حسن اخلاق سے تبلیغ کریں۔ 1937ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر میرے والد صاحب مشرقی افریقہ تشریف لے گئے لیکن مَیں اپنی والدہ مرحومہ مغفورہ کے ساتھ چند سال قادیان میں ہی رہا۔اس دوران جب حضرت چوہدری صاحب قادیان ریل سے تشریف لائے تو اُن کا خاص ڈبہ سٹیشن پر کھڑا رہتا ہم بڑے شوق سے اُسے دیکھنے جایا کرتے تھے۔ مَیں بہت چھوٹا سا تھا لیکن یاد ہے دو مرتبہ میں اپنی والد کے ساتھ حضرت چوہدری صاحب کے رہائش گاہ پر گیا۔سلام کیا آپ نے میرا نام پوچھا اور کہا کہ چوہدری مختار احمد صاحب کے بیٹے ہو اور تو کوئی بات یاد نہیں البتہ یہ یاد ہے کہ انہوں نے مجھے کھانے کے لئے پھل دیا۔اور سنگترہ اور ایک کیلا تھا۔ پھر ہم مشرقی افریقہ چلے گئے۔ساٹھ کی دہائی کی شروع میں شیخ عمری عبیدی صاحب مرحم و مغفور تنزانیا کے منسٹر آف جسٹس تھے۔ مَیں بھی اُن دنوں دارالسلام میں منسٹری آف ایجوکیشن میں کام کرتا تھا۔مکرم شیخ صاحب اپنی انتہائی مصروفیت کے وجہ سے اپنی اکثر ذاتی ڈاک جواب لکھنے کے لئے مجھے دے دیتے تھے۔اس ڈاک میں کبھی کبھی حضرت چوہدری صاحب کے خطوط بھی ہوتے تھے۔ایک دفعہ مَیں نے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور جب اس کا جواب آیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی خاص طور پر اس بات کی خوشی تھی کہ اُنہوں نے مجھے پہچان لیا اور دعائیں دیں اور میرے ابا جان کی خدمت میں السلام علیکم کا تحفہ بھجوایا۔ پھر آپ تنزانیہ کے مختصر دورہ پر تشریف لائے۔ بہت سارے سرکاری پروگرام تھے اور سرکاری ملاقاتیں تھیں لیکن لگتا تھا کہ آپ سارا وقت مسجد اور مشن ہاؤس میں گزارنا چاہتے ہیں۔مبلغین سلسلہ کے ساتک کمال شفقت اور اُن کا احترام و اکرام دیکھ کر اپنے اور غیر سب متاثر ہوئے۔ ہر ایک سے بہت پیار سے ملے۔سرکاری حلقوں میں اُن کی سادگی خاکساری اور اعلیٰ اخلاق اور افریقہ کے لئے خدمات کا جو اثر ہوا اُس سے جماعت کی عظمت و وقار کا تادیر اثر قائم رہا۔

1966ء میں مَیں انگلستان میں تعلیمی سہولیات کے لئے جائزے کے لئے سرکاری دورے پر آیا تھا۔اس دوران علم ہونے پر آپ لندن آئے ہوئے ہیں۔ مَیں خاص طور پر ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔اور اُن کو اپنے مشن کے بارہ میں بتایا۔آپ نے بتایا کہ ڈسپلن اور اطاعت

میں ٹریننگ تعلیم کا حصہ ہونے چاہییں۔اور ہر مذاہب کی تعلیم کے بارہ میں بھی خیالات کا اظہار فرمایا۔اس میں خاص بات رواداری کا جذبہ اور ہر مذہب کا احترام تھا۔ 1973ء میں کامن ویلتھ فیلوشپ کے تحت میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان آیا اور مجھے داخلہ نیوکانسل یونیورسٹی میں ملا۔اُس وقت حضرت چوہدری صاحب مستقل رہائش کے لئے لندن تشریف لا چکے تھے۔لندن پہنچنے کے دو تین بعد میں مسجد فضل میں آیا۔آپ ظہر کی نماز کے لئے اپنے فلیٹ سے باہر آرہے تھے۔مَیں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔اُنہوں نے مجھے پہچان لیا۔اور اس بات کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔مَیں نے اپنے پروگرام کا بتایا اور دعا کے لئے کہا۔پھر میں نیوکانسل چلا گیا۔اور جب بھی لندن آنا ہوتا آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کرتا۔لیکن ایک ملاقات میں آپ نے فرمایا کہ ایک قرآن کریم یونیورسٹی کی لائبریری میں رکھوادیں۔اسی طرح تبلیغی لٹریچر ساتھ لے جائیں اور اپنے کمرے میں اس طریق سے رکھیں کہ آنے والوں کی اس پر نظر پڑے۔اس طرح کچھ لٹریچر لائبریری میں بھی رکھوادیا کریں۔اسی طرح ایک اور ملاقات میں فرمایا کہ جب ممکن ہو نماز کھلی جگہ پر پڑھیں جہاں لوگ آپ کو دیکھ سکیں۔اس طرح لوگوں کے دِلوں میں آپ سے مذہبی گفتگو کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور تبلیغ کے راستے کُھل جاتے ہیں۔

دو سال بعد مَیں لندن آگیا اور میری تقرری کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ میں بطور انچارج افریقہ سیکشن ہوئی۔جب مَیں نے حضرت چوہدری صاحب کو بتایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ افریقہ کی خوب مدد کریں یہ ہمارا براعظم ہے۔پھر حضرت مصلح موعودؓ کے افریقہ کے بارہ میں ارشادات بیان فرمائے۔ 1976ء میں مجھے لندن یونیورسٹی میں ایم۔اے کرنے کے لئے داخلہ مل گیا۔میرا مضمون لِسانیات تھا۔حضرت چوہدری صاحب کو بتایا اور دعا کے لئے کہا۔ایک دن آپ مجھے اوپر فلیٹ میں لے گئے۔آپ کا قریباً سارا وقت تصانیف و تراجم کے کاموں میں گزرتا تھا۔مجھے میرے یونیورسٹی کے کورس کے بارہ میں پوچھتے رہے اور فرمایا کہ شیخ محمد احمد مظہر صاحب نے اس مضمون پر تاریخی حیثیت سے تحقیق کی ہوئی ہے۔آپ اُسے ضرور پڑھیں اور اس تحقیق کو جاری رکھیں۔عربی زبان کو اُمّ الالسنات ثابت کرنے کی کوشش جاری رہنی چاہیے۔پھر آپ نے سیرت خاتم النبیین ﷺ کے چند صفحات انگریزی میں ترجمہ کے لئے دئے اور جب میں نے ترجمہ کرنے کے بعد آپ کو دیا تو آپ نے تسلی کا اظہار کیا اور فرمایا جب موقع ملے انگریزی میں ترجمہ کے کاموں میں شریک ہوں۔الحمد للہ یہ اُن کی خواہش تھی اور دعائیں بھی تھیں اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی کتب کے تراجم اور دیگر متعدد کتب سلسلہ کے انگریزی تراجم کی توفیق عطا فرمائی۔اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ایک اور ملاقات میں مَیں آپ کے پاس آپ کے فلیٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔اور آپ کسی کتاب کا ترجمہ کر رہے تھے کہ نیچے سے پیغام آیا کہ حضور نے آپ کو بلایا ہے۔اُن دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔چنانچہ مَیں نے دیکھا کہ آپ جو لفظ لکھ رہے تھے وہ پورا بھی نہیں کیا اور فوراً تشریف لے گئے۔مجھے یہ بھی جذبۂ اطاعت دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب دلی جانے کا ارشاد موصول ہوا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر روانہ ہو گئے۔سبحان اللہ کیا تھے وہ لوگ۔! ایک اور بہت پیاری ملاقات کا واقعہ یاد آیا ہے۔ 1954ء میں مَیں تعلیم السلام کالج لاہور میں پڑھتا تھا اور کالج یونین کا سیکریٹری تھا۔اس سال جلسہ تقسیم اسناد کی تقریب پر آپ کو بلایا گیا۔چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس جلسہ سے آپ نے خطاب فرمایا بحیثیت سیکریٹری اس جلسہ کے انتظامات کی ذمہ داری میرے سپرد تھی اور پھر آپ کے ساتھ ساتھ رہنے اور گفتگو کا شرف بھی حاصل ہوا۔مکرم کنور ادریس صاحب یونین کے صدر تھے اور حضرت چوہدری محمد علی مضطر مرحوم و مغفور منتظم اعلیٰ تھے۔ 1977ء میں مَیں واپس تنزانیہ آ گیا

اور حضرت چوہدری صاحب سے لندن میں ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ البتہ خطوط کے ذریعہ رابطہ رہا۔ پھر 1983 کے آخر میں پتہ چلا کہ آپ واپس پاکستان تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس واپسی کے سفر میں معیت کا سفر میرے پیارے دوست مکرم منصور احمد بی ٹی صاحب کو حاصل ہوا۔ آپ پی آئی اے میں ملازم تھے اور چوہدری صاحب کے اکثر سفروں کی بکنگ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ اور اس سفر کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مکرم منصور احمد بی ٹی صاحب نے ایک بات بتائی جسے سن کر حضرت چوہدری صاحب کی عظمت اور سادگی کی انتہا میں دل بھر آیا۔ منصور صاحب نے بتایا کہ ہوائی جہاز میں کھانے اور نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد مَیں نے حضرت چوہدری صاحب کے لئے سیٹ پر جس قدر اچھا اور نرم بستر بنایا جا سکتا تھا بنا دیا۔ بستر دیکھ کر حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا۔ میرے لئے نرم بستر بنا رہے ہو؟ منصور کہنے لگے کہ اللہ کرے کہ بستر واقعی نرم ہو۔ اس پر حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں پتھروں پر بھی سویا ہوں اور پھر اس واقعہ کے ذکر میں فرمایا کہ بہت پرانی بات ہے۔ مَیں نے گجرانوالہ سے رات کی گاڑی پکڑنی تھی گاڑی کا وقت غالباً رات بارہ بجے تھے۔ جب سٹیشن پر پہنچا تو معلوم ہوا گاڑی چار پانچ گھنٹہ کے بعد آئے گی۔ چنانچہ میں نے رات وہیں گزار دی۔ اور بغیر بستر کے پلیٹ فارم کی سلیٹوں یعنی پتھر کے فرش پر لیٹ گیا۔ اللہ اکبر۔ پھر مارچ 1985ء میں طوالو جاتے ہوئے میں اپنی والدہ مرحومہ کو ملنے ربوہ گیا تو لاہور حضرت چوہدری صاحب کے دیدار کے لئے حاضر ہوا۔ آپ کی طبیعت کافی خراب تھی۔ آپ کے پلنگ کے پاس کھڑے ہو کر آپ کے لئے دعا کی اور آنسوؤں کی جھڑی کے ساتھ وہاں سے رُخصت ہوا۔ اُن کا درخشندہ رُوحانی چہرہ پُرحکمت باتیں ناصحانہ انداز محبت و شفقت میرا سرمایہ حیات ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

افتخار احمد ایاز

30 جنوری 2019ء

مختصر سوانحی خاکہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

1893ء	6 فروری کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔
1897ء	سے چھ سال تک میونسپل بورڈ سکول میں تعلیم حاصل کی۔ ساتویں سال امریکن مشن ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔
1907ء	امریکن مشن سکول سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔
	16 ستمبر دستی بیعت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ بعد نماز ظہر مسجد مبارک قادیان
1908ء	26 مئی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے جسد خاکی کے ساتھ لاہور سے قادیان تک سفر کیا۔
	27 مئی بیعت حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحبؓ قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل
1909ء	گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف اے پاس کیا۔
1911ء	بی اے کے امتحان میں اوّل درجے میں کامیابی حاصل کی اور مزید تعلیم کیلئے انگلستان روانگی

	لندن میں ورود 16 ستمبر 1911ء
1914ء	ایل ایل بی کا امتحان یونی ورسٹی میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔
	قدرت ثانیہ کے مظہر ثانی کی بیعت بذریعہ خط (مارچ)
	یکم نومبر انگلستان سے واپس ممبئی تشریف لائے۔
1915ء	جنوری سے اگست تک سیالکوٹ میں پریکٹس
1916ء	23 اگست انڈین کیسز کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر تقرر
1917ء	سے 1935ء تک چیف کورٹ میں پریکٹس
1918ء	اپریل میں جماعت احمدیہ لاہور کی امارت آپ کے سپرد ہوئی
1919ء	لاء کالج لاہور میں بطور لیکچرار تقرر
1924ء	حضرت فضل عمرؓ کے ہمراہ سفر یورپ (12 جولائی)
1925ء	کشمیر کا پہلا سفر
1926ء	2 ستمبر والد صاحب کی وفات
	ستمبر پنجاب کونسل کے انتخاب میں کامیابی
1927ء	برطانوی ارکان پارلیمنٹ کے سامنے مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ پیش کرنے کی غرض سے سفر انگلستان
1930ء	پنجاب کونسل کیلئے بلا مقابلہ انتخاب
	نومبر 1930ء تا جنوری 1931ء پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت
1931ء	ستمبر تا دسمبر دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت
	26,27 دسمبر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس دہلی کی صدارت
1932ء	وسط جون تا اکتوبر وائسرائے کی کونسل میں عارضی تقرر
	17 نومبر تا دسمبر تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت
1933ء	7 ستمبر کامن ویلتھ کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت
1935ء	مئی وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تجارت اور ریلوے
1938ء	16 مئی والدہ صاحبہ کی وفات
1939ء	دوسری عالمی جنگ میں محکمہ سپلائی کا چارج
	اکتوبر میں ڈومینین کانفرنس لندن میں شرکت

	لیگ آف نیشنز کے اجلاس میں بطور نمائندہ ہند شرکت
1940ء	فروری وائسرائے کی کونسل میں دوبارہ تقرر
1941ء	ستمبر تا 10 جون 1947ء فیڈرل کورٹ آف انڈیا میں بطور جج
1942ء	جون تا اکتوبر چین میں بطور ایجنٹ جنرل تقرر
	Pacific Relation Conference میں بطور نمائندہ ہندوستان شرکت
1947ء	جون تا 22 دسمبر آئینی مشیر نواب آف بہاولپور
	22 ستمبر تا 8 دسمبر اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت
	25 دسمبر 1947ء سے 30 جون 1956ء تک قائداعظم کی خواہش پر پاکستان کے وزیر خارجہ
1954ء	20 جنوری ریل کے خطرناک حادثہ سے محفوظ رہنا۔
	مئی سندھ تاس منصوبہ کے سلسلہ میں عالمی بینک سے کامیاب مذاکرات
	30 جون وزارت خارجہ سے استعفیٰ
	7 اکتوبر سے 5 فروری 1961ء تک بین الاقوامی عدالت کی رُکنیت
1955ء	حضرت فضل عمرؓ کے ساتھ سفر یورپ
1958ء	بطور نائب صدر بین الاقوامی عدالت
	مارچ عمرہ کی سعادت۔شاہی مہمان
1961	12 اگست تا 5 فروری 1964ء اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی
1962ء	اقوام متحدہ کے سترھویں اجلاس کی صدارت
	مراکش کا اعلیٰ ترین اعزاز
1963ء	جون اقوام متحدہ کی اسمبلی کے خاص اجلاس کی صدارت
1964ء	6 فروری تا 5 فروری 1973ء عالمی عدالت کی رُکنیت کیلئے دوبارہ انتخاب
1967ء	مارچ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی
1970ء	18 فروری تا 5 فروری 1973ء عالمی عدالت کی صدارت
1973ء	6 فروری تا 1983ء لندن میں قیام اور خدمت دین
1985ء	وفات یکم ستمبر ساڑھے بانوے سال کی عمر میں

مختصر آپ بیتی۔سر محمد ظفر اللہ خان

محمد طفیل مرحوم ایڈیٹر ''نقوش'' کی درخواست پر لکھی گئی آپ بیتی نمبر کے لئے مختصر آپ بیتی

نیو یارک 23 ستمبر 1963   مکرم جناب ایڈیٹر صاحب نقوش   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ارشاد مورخہ 9 ستمبر کی تعمیل میں گذارش ہے کہ خاکسار بنام ظفر اللہ خان سیالکوٹ میں 6 فروری 1893ء کو مشیتِ ایزدی سے خلعتِ حیات کے ساتھ نوازا گیا۔ فالحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہوا کہ خاکسار کے والدین سادہ مزاج منکسر المزاج اور خصوصاً مساکین کے ہمدرد اور خادم تھے۔ شرک سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے اور اُس سے ڈرنے والے اپنے فرائض دینی اور دنیاوی بجا آوری میں مستعد۔ میری والدہ بفضل اللہ صاحبہ رؤیا و کشوف تھیں۔ دین کی غیرت اور خدا کا خوف خاکسار نے ماں کے دودھ کے ساتھ پیا۔ ہر چند خاکسار نہایت عاجز اور تقصیروار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے عشق کی چنگاری سے خاکسار کا دل ہمیشہ روشن اور گرم رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك

اس نحیف عاجز ناتواں پُر عاصی پر اللہ تعالیٰ کے افضال و انعامات کی پیہم بارش کا ایک جاذب سبب خاکسار کی والدہ کی پُر درد و پُرسوز دعائیں بھی ہیں۔ سچ تو یہ ہے رسول مقبول ﷺ کے فرمان اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتُكُمْ کی حقیقت کو اپنی والدہ کے قدموں میں شناخت کیا۔ والدہ صاحبہ کے متواتر رؤیا کشوف کے ذریعے ہی خاکسار کو سب سے بڑی سعادت نصیب ہوئی یعنی 12/14 سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دست مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ سے وابستگی نصیب ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذالك

اب ستّر سال کی عمر میں زندگی کی آخری منازل طے ہو رہی ہیں۔ دل کی حالت بیم و رجا کی ہے۔ اپنی خطاؤں اور تقصیروں کے تصوّر سے روح کانپتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں غفران و رحمت کے وعدوں سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عفو چشم پوشی اور ذرّہ نوازی پر بھروسے کئے ہوئے شیرازی کا ہمنوا ہوں۔

ایں جانِ عاریت کہ بحافظ سپردِ دوست
روز رُخش بینم و تسلیم وے کُنم

والسلام   خاکسار ظفر اللہ خان

ترجمہ شعر از ناقل: یہ مانگی ہوئی جان، جو دوست نے حافظ کے سپرد کی ہے۔ ایک دن اُس کا چہرہ دیکھ کر اُسی کے حوالہ کر دوں گا۔

تعارف حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب

6 رفروری 1893ء کو ضلع سیالکوٹ پاکستان کے ایک قصبہ ڈسکہ میں ایک معزز زمیندار خاندان کے ایک گھرانہ میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ظفر اللہ خاں رکھا گیا۔ اس کے والد حضرت چوہدری نصر اللہ خاں ایک قابل وکیل تھے اور ایک صاحب علم اور خدا ترس آدمی تھے اور والدہ حضرت حسین بی بی صاحبہ ایک نیک اور

پاکباز خاتون تھیں۔حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا بحیثیت امام مہدی ظہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ اور بہت سے سعید فطرت لوگوں کی طرح اس گھرانہ کو بھی نورنبوت کو پہچاننے کی توفیق ملی اوردونوں میاں بیوی حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی بننے کی سعادت پا گئے۔ان کے ہاں پیدا ہونے والا یہ بچہ جس کا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے بچپن میں کافی لمبا عرصہ آشوب چشم (آنکھوں کی ایک تکلیف دہ بیماری) کی وجہ سے بیمار رہا جس کی وجہ سے اس بات کا گمان بھی محال تھا کہ یہ بچہ عملی زندگی میں کوئی کامیاب وجود بن سکے گا۔لیکن اس کے بزرگ والدین کی دعائیں اوران سے بھی بڑھ کر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام اورآپ کے مقدس خلفاء کی دعائیں اس وجود کے حق میں دربارِ الٰہی میں کچھ اس طرح شرف قبولیت پا گئیں کہ وہ وجود بہت سارے ایسے اعزازات کا حامل ہوا جن میں اسے انفرادیت اورخاص امتیاز حاصل ہے۔مثلاً آپ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ نامزد کئے گئے اور مسلسل سات سال تک اس عہدہ پر فائز رہنے والے واحد وجود بھی تھے، عالمی عدالت انصاف کے پہلے پاکستانی جج ،نائب صدر اور پھر صدر، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پہلے پاکستانی صدر، پہلے فرد جنہوں نے عالمی عدالت انصاف اوراقوام متحدہ دونوں کی سربراہی کا اعزاز حاصل کیا۔اس کے علاوہ بھی ان گنت اعزاز اس شخص کے سینے پر سجے۔دراصل یہ وجود حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی الہامات کا مصداق ٹھہرا اورآپؑ کی کئی پیشگوئیوں کا ظہور اس کی ذات میں ہوا۔تو یقیناً آپ جان گئے ہوں گے کہ یہ وجود دنیائے احمدیت کے بطلِ جلیل حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خاں صاحب ہیں۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم شہر سیالکوٹ سے حاصل کی اور میٹرک کے بعد لاہور چلے آئے۔ یہاں گورنمنٹ کالج لاہور جیسے بلند پایہ علمی درسگاہ سے انٹرمیڈیٹ اور پھر گریجوایشن مکمل کی۔اسی دوران ایک عظیم الشان شرف جو آپ کو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ گو آپ 3ر ستمبر 1904ء کو حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف دوران لیکچر لاہور حاصل کر چکے تھے اوراسی دن سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی اورحضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی پر مکمل ایمان رکھنے والا سمجھتے تھے اور بعد میں اپنی والدہ محترمہ اوروالد محترم کی بیعت کے وقت بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے لیکن 1907ء میں حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کے تحریک فرمانے پر ماہ ستمبر میں قادیان حاضر ہوئے اور 16ر ستمبر 1907ء کو بعد نماز ظہر حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس ہاتھ پر بیعت کی سعادت پائی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تعلق اور وابستگی کا گہرا رشتہ جو آپ کا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ سے قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس وفا اور اخلاص کے ساتھ اسے نبھانے کی توفیق بخشی آیئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی زبان مبارک سے اس کا کچھ تذکرہ سنتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ BBC کے نمائندہ نے انٹرویو لیتے ہوئے اچانک آپ پر سوال کیا کہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے۔بے تکلف سوچنے کے لئے ذرا بھی تردّد نہ کرتے ہوئے آپ نے فوراً یہ جواب دیا کہ میری زندگی کا سب سے بڑا واقعہ وہ تھا جب میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت (بانیٔ سلسلہ احمدیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ کے مبارک چہرے پر نظر ڈالی اورآپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھما دیا۔اس دن کے بعد پھر وہ ہاتھ آپ نے کبھی واپس نہیں لیا۔مسلسل ہاتھ تھمائے رکھا ہے اور جو عظمتیں بھی آپ کو ملی ہیں اس وفا کے نتیجہ میں ملی ہیں۔اس استقلال کے

نتیجہ میں ملی ہیں، نیکی پر صبر اختیار کرنے کے نتیجہ میں ملی ہیں، ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت (بانیٔ سلسلہ احمدیہ) کے تابع فرمان کے طور پر زندہ رکھا۔ ہر میدان میں، ہر علم کے میدان ہر جدو جہد کے میدان میں ہر اندرونی تجربے کے میدان میں آپ پر یہ احساس غالب رہا کہ مَیں نے اللہ کے ایک مامور کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے اور جہاں تک میرا بس چلتا ہے جہاں تک مجھے خدا کی طرف سے توفیق عطا ہوتی ہے مَیں اس کے تقاضے پورے کرتا رہوں گا اور خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ نہایت عمدگی کے ساتھ نہایت ہی اہلیت سے ان تقاضوں کو پورا کیا۔‘‘(خطبہ جمعہ فرمودہ 6 ستمبر 1985ء بحوالہ ماہنامہ خالد صفحہ 918 دسمبر جنوری 1985-86ء)

گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن مکمل کرنے کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے خود بھی دعا کی اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کو بھی دعا کی درخواست کی اور بارگاہ خلافت سے اجازت کے بعد آپ نے یہ سفر اختیار فرمایا۔قبل از سفر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے آپ کو نہایت کارآمد اور مفید نصائح سے بھی نوازا۔حضرت چوہدری صاحب نے انگلستان قیام کے دوران نہ صرف قانون کی اعلیٰ تعلیم بارایٹ لاء کو اعزاز کے ساتھ مکمل کیا بلکہ تبلیغ کرنے کی بھی سعادت حاصل کرتے رہے۔نومبر 1914ء میں تکمیل تعلیم کے بعد آپ ہندوستان لوٹ آئے اور سیالکوٹ میں قانون کی پریکٹس شروع کر دی۔اس دوران بعض اہم جماعتی مقدمات میں بھی خدمت کی توفیق پائی۔تھوڑے ہی عرصہ بعد لاہور تشریف لے آئے اور وہاں قانون کی پریکٹس کے ساتھ ساتھ ایک لمبا عرصہ بطور امیر جماعت احمدیہ لاہور خدمت کی توفیق پائی۔آپ کے والد محترم حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب کو بھی جماعت کی اعلیٰ خدمات کی توفیق ملتی رہی ہے۔آپ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی اور جماعت کے قدیم خدمتگار تھے۔پہلے پہل بطور وکیل خدمت کی توفیق پاتے رہے اور جب مستقل وقف کر کے قادیان حاضر ہوئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے آپ کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کا پہلا ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا۔آپ نے 1926ء میں وفات پائی۔4رستمبر 1926ء کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں خاص قطعہٴ (صحابہ) میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔آپ کی والدہ محترمہ حضرت حسین بی بی صاحبہ بہت نیک، پارسا اور صاحب کشف والہام بزرگ تھیں۔آپ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کا شرف حاصل کرنے میں اپنے خاوند محترم سے سبقت لے گئیں تھیں۔آپ خلافت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے ساتھ بہت گہری وابستگی اور اخلاص ووفا کا تعلق رکھتی تھیں۔اسی طرح اپنے بیٹے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کے ساتھ بھی گہری محبت تھی۔آپ کے متعلق تفصیل کے ساتھ ذکر حضرت چوہدری صاحب نے اپنی کتاب ’’میری والدہ‘‘ میں کیا ہے اور یہ مضمون بہت جاذب اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔حضرت چوہدری صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات کے ماتحت تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن کے طور پر بھی عظیم الشان خدمات انجام دیں جن میں سے ایک بطور صدر آل انڈیا مسلم لیگ کام کرنے کی توفیق پانا ہے۔قائداعظم محمد علی جناح آپ پر خاص اعتماد کیا کرتے تھے اور آپ ان کے خاص رفقاء میں شامل تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر باؤنڈری کمیشن (پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کی تعیین کے لئے حکومت انگلستان کا قائم کردہ کمیشن) کے سامنے بھی مسلمانوں کا کیس آپ کو پیش کرنے کے لئے کہا اور آپ نے کشمیر کی پاکستان میں شمولیت کی کئی بار اقوام متحدہ میں بہت عمدہ رنگ میں وکالت کی۔ اسی لئے قائداعظم نے قیام پاکستان کے بعد مملکت پاکستان کے دو نہایت وقیع عہدے آپ کے سامنے رکھے کہ جس کو چاہیں قبول فرمائیں۔

(1)چیف جسٹس آف پاکستان (2)وزیر خارجہ

چنانچہ حضرت چوہدری صاحب نے وزیر خارجہ بننا قبول کیا اور بطور وزیر خارجہ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کروانے کے علاوہ مقبوضہ کشمیر کے لئے بھی نہایت احسن رنگ میں خدمات کی توفیق پائی۔آپ نے مسلسل سات سال یعنی 1954ء تک بطور وزیر خارجہ اپنے فرائض منصبی نہایت ایمانداری محنت اور خلوص کے ساتھ ادا کئے۔بطور وزیر خارجہ اپنے فرائض سے سبکدوشی کے بعد ایک اور نہایت اعلیٰ اعزاز آپ کے حصہ میں آیا،آپ کو1954ءتا1961ءتک بطور جج اور نائب صدر عالمی عدالت انصاف (انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس) میں خدمات کی ادائیگی کی توفیق ملی۔1961ء میں عالمی عدالت انصاف سے سبکدوشی کے بعد حکومت پاکستان نے اقوام متحدہ کے دفاتر واقع نیویارک میں آپ کو اپنا سفیر اور مستقل مندوب (نمائندہ) مقرر کیا جہاں 1964ء تک آپ نے اس حیثیت میں فرائض ادا کئے۔اسی دوران اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس منعقدہ1962ء،1963ء کی صدارت کے اعزازات بھی آپ کے حصہ میں آئے۔اب اگر حضرت چوہدری صاحب کی جماعتی خدمات پر نظر ڈالی جائے تو حضرت چوہدری صاحب کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حسنات سے نوازا اور مندرجہ بالا عالمی اعزازات عطا کئے اسی طرح دینی حسنات سے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا اور مقبول خدمات دینیہ کے بھی بے پناہ مواقع حضرت چوہدری صاحب کے حصہ میں آئے جن میں سے صرف چند کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو بطور جماعت احمدیہ لاہور مقرر فرمایا چنانچہ آپ 1919ءتا1935ء یہ خدمات بجالاتے رہے۔اسی دوران جون 1921ء میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کی خدمت میں جماعت احمدیہ کا سپاسنامہ پڑھنے کیلئے آپ کو مقرر کیا گیا۔فروری 1922ء میں ڈیوک آف ونڈسر شہزادہ ویلز کی لاہور تشریف آوری کے موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعود نے ان کو پیغام حق پہنچانے کی غرض سے ایک رسالہ ''تحفہ شہزادہ ویلز'' کے نام سے تصنیف فرمایا۔اس رسالہ کو پرنس آف ویلز کو پیش کرنیوالے جماعت احمدیہ کے وفد میں آپ کو بھی شامل ہونیکی توفیق ملی۔1924ء کی مجلس مشاورت کے موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعود کی بطور سیکرٹری معاونت خدمت کی توفیق ملی اور اسی طرح17 دیگر مواقع پر بھی یہ سعادت حضرت چوہدری صاحب کے حصہ میں آئی۔

1924ء ہی میں سیدنا حضرت مصلح موعود نے مذاہب عالم کانفرنس ویمبلے لنڈن میں شرکت کے لئے سفر یورپ اختیار فرمایا۔اس دوران ویمبلے ہال لندن میں مذاہب عالم کانفرنس میں سیدنا حضرت مصلح موعود کا معرکۃ آلاراء مضمون بعنوان ''احمدیت'' پڑھ کر سنانے کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی جس پر حضرت مصلح موعود نے خاص خوشنودی کا اظہار فرمایا۔سیدنا حضرت مصلح موعود کے اس پہلے سفر یورپ کے دوران آپ نے حضور کے سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔1927ء میں اخبار ''مسلم آؤٹ لک'' کے مقدمہ توہین عدالت کی مسلمانان پنجاب کے وکلاء کی طرف سے بطور نمائندہ وکالت کی توفیق بھی آپ کو ملی۔آپ نے ناموس رسول ﷺ کے دفاع کا حق ادا کیا۔اس طرح ہمارے پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی شان کی عظیم خدمت کی توفیق پائی۔اس موقع پر تاریخ صحافت میں جماعت احمدیہ کے مخالف مولوی ظفر علی خان بھی اپنے جذبات کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے اور فرط جذبات میں آکر آبدیدہ ہوگئے اور آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور آپ کو گلے سے لگالیا۔ماہ اپریل 1931ء میں بمقام دہلی لارڈ ارون وائسرائے ہند کی حکومت میں پیغام حق پر مشتمل سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تالیف کردہ کتاب ''تحفہ لارڈ ارون'' پیش کرنے کی سعادت بھی حضرت چوہدری صاحب کے حصہ میں آئی۔1934ء میں آپکی والدہ محترمہ

حضرت حسین بی بی صاحبہ وفات پا گئیں۔آپ نے مرحومہ کے حالات زندگی اور ان کے اخلاص و وفا اور جماعت اور حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ساتھ محبت اور تقویٰ شعار زندگی کے بارہ میں متعدد واقعات پر مبنی ایک کتابچہ ''میری والدہ'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔موصوفہ احمدیت کے حق میں ننگی تلوار اور بہت باغیرت خاتون تھیں۔سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دست مبارک سے ان کے کتبہ کی عبارت تحریر فرمائی اور قادیان میں بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص (صحابہ) میں اپنے خاوند محترم حضرت چوہدری نصراللہ خاں صاحب کے ساتھ آپ کی تدفین عمل میں آئی۔1939ء میں جماعت احمدیہ میں خلافت ثانیہ کے قیام پر پچیس سال پورے ہو گئے۔اس موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعود کی اجازت سے آپ نے احباب جماعت احمدیہ کو اس مبارک موقع پر ایک معقول رقم بطور نذرانہ اپنے محبوب امام کی خدمت میں پیش کرنیکی تحریک فرمائی تا حضور اس کو جس طرح چاہیں اشاعت اسلام کی مہماتِ عظیمہ میں استعمال فرمائیں۔چنانچہ دسمبر 1939ء میں جلسہ سلور جوبلی قادیان کے موقع پر آپ نے بطور نذرانہ 3 لاکھ روپے کی خطیر رقم حضور اقدس کی خدمت میں پیش فرمائی اور اپنی طرف سے بطور نذرانہ 10 ہزار روپے بھی پیش کئے۔حضرت چوہدری صاحب کا وجود گویا سراپا قربانی تھا، بلکہ مجسمۂ ایثار و وفا تھا۔چنانچہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے جون 1944ء میں جب احباب جماعت کو وقف جائیداد کی تحریک فرمائی تو اُس وقت اِس جاں نثار دین حق و احمدیت نے اپنی تمام جائیداد اپنے محبوب امام کے قدموں پر نچھاور کرتے ہوئے وقف کے لئے پیش کر دی۔ایک غیر مسلم مؤرخ کے اصرار پر اپنوں اور غیروں میں سیدنا حضرت مصلح موعود کی ذات بابرکات کا تعارف کروانے کیلئے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کتاب ''حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد'' 1942ء میں تالیف فرمائی۔سیدنا حضرت مصلح موعود اور حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب دونوں کا آپس کا تعلق بے پناہ پیار و محبت، اخلاص و وفا اور دلی وابستگی پر مشتمل تھا اور اس شعر کا عملی مصداق تھا کہ

الفت کا تب مزا ہے کہ دونوں ہوں بےقرار دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

چنانچہ ایک طرف اگر حضرت چوہدری صاحب اپنے محبوب امام کے لئے ہر وقت جذبہ محبت و وفا اور دلبستگی سے پُر رہتے تھے اور ہمہ وقت مشغول دعا ہوتے تھے تو دوسری طرف سیدنا حضرت مصلح موعود بھی اپنے اس جاں نثار غلام اور فدائی خادم سے بہت پیار اور محبت کرتے تھے۔چنانچہ اسی تعلق کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے 17 یا 18 نومبر 1953ء کو اپنے مقدس خلیفہ سیدنا حضرت مصلح موعود کو حضرت چوہدری صاحب کے بارہ میں قبل از وقت ایک رؤیا دکھائی۔ اس رویاء کے ظہور کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

''17، 18 نومبر 1953ء کی بات ہے کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک جگہ ہوں۔میاں بشیر احمد صاحب اور درد صاحب میرے ساتھ ہیں۔کسی شخص نے مجھے ایک لفافہ لا کر دیا اور کہا کہ یہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا ہے۔میں نے اس لفافہ کو کھولے بغیر یہ محسوس کیا کہ اس میں کسی عظیم الشان حادثہ کی خبر ہے جو چوہدری صاحب کی موت کی شکل میں پیش آیا ہے یا کوئی اور بڑا حادثہ ہے۔میں نے درد صاحب سے کہا لفافہ کو جلدی کھولو اور اس میں سے کاغذ نکالو۔درد صاحب نے لفافہ کھولا۔اس میں بہت سے کاغذ نکلتے آتے تھے۔لیکن اصل بات جس کی خبر دی گئی تھی نظر نہیں آتی تھی آخر کار لفافہ میں صرف ایک دو کاغذ رہ گئے لیکن اصل خبر کا پتہ نہ لگا۔میاں بشیر احمد صاحب نے کہا پتہ نہیں چوہدری صاحب کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے وہ ایک اہم خبر لکھتے ہیں لیکن اچھی طرح بیان نہیں کرتے۔میں نے کہا گھبراہٹ میں ایسا ہو جاتا

ہے۔اس پر لفافہ میں جو دو کاغذ باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک کاغذ کو میں نے باہر کھینچا تو ایک فہرست تھی لیکن اصل واقعہ کا اس سے پتہ نہیں لگتا تھا۔اس فہرست میں ایک نام سے پہلے مَلک لکھا تھا اور آخر میں محمد لکھا تھا۔درمیانی لفظ پڑھا نہیں جاتا تھا۔اس سے اتنا تو پتہ لگتا تھا کہ واقع میں کوئی اہم خبر ہے لیکن اصل واقعہ کا پتہ نہیں چلتا تھا۔پھر لفافہ میں سے ایک اور شفاف کاغذ نکلا جو tracing paper تھا۔میں اسے دیکھنے لگا اور میں نے کہا یہ خبر ہے جو چوہدری صاحب نے ہم تک پہنچانی چاہی ہے مگر بجائے کوئی واقعہ لکھنے کے اس کاغذ پر ایک لکیر کھینچی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہوائی جہاز ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا ہے۔آگے جا کر وہ لکیر یکدم اُریبوی (آڑا۔ترچھا) صورت میں نیچے آجاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جہاز یکدم نیچے آگیا ہے۔اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ نیچے کچھ جزیرے ہیں مجھے نیچے کی طرف عملاً سمندر نظر آتا ہے۔اس میں ہلکی ہلکی لہریں ہیں۔میں خواب میں کہتا ہوں کہ نہ معلوم چوہدری صاحب کو تیرنا آتا ہے؟ خدا کرے اس حادثہ کی خبر معلوم کر کے کسی حکومت نے ہوائی جہاز یا کشتیاں بچانے کے لئے بھیج دی ہوں تا کہ چوہدری صاحب اور دوسرے لوگ بچ جائیں۔''

حضور نے اس رؤیا کی یہی تعبیر فرمائی کہ''کوئی حادثہ سخت مہلک چوہدری صاحب کو پیش آنے والا ہے اور خدا تعالیٰ انہیں اس سے بچا لے گا کیونکہ وہ خود اس حادثہ کے متعلق تبھی خبر دے سکتے ہیں جب وہ محفوظ ہوں۔''چوہدری صاحب اس وقت نیو یارک میں تھے۔حضور نے انہیں اس منذر خواب سے اطلاع دی اور خود بھی کثرت سے دعاؤں اور صدقات کا سلسلہ جاری رکھا۔یہاں تک کہ چوہدری صاحب خیریت سے کراچی پہنچ گئے۔وہاں سے پنجاب آئے تو یہ سفر بھی بخیریت گزر گیا لیکن جب کراچی واپس گئے تو ریل گاڑی کو جھمپیر کے مقام پر ایک خوفناک حادثہ پیش آیا جس نے ملک بھر میں صف ماتم بچھا دی۔مگر حضرت چوہدری صاحب حضور کی رؤیا کے مطابق خارق عادت طور پر محفوظ رہے۔حضور فرماتے ہیں ۔''جس جگہ پر یہ واقعہ ہوا چوہدری صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دس دس میل دور تک کوئی پکی سڑک نہیں ہے صرف ریل کی پٹڑی گزرتی ہے۔اس لئے امداد کے لئے اس جگہ تک موٹر نہیں آسکتی تھی۔اس طرح وہ جگہ جزیرے کی مانند تھی۔میں سمجھتا ہوں کہ رؤیا میں ہوائی جہاز کا دکھایا جانا اور واقعہ ریل میں ہونا اور پھر یہ گاڑی بھی مشرق سے مغرب کو جا رہی تھی۔اس طرح دوسری سب باتوں کا ہونا بتاتا ہے کہ یہ ایک تقدیر مبرم تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو سن کر اس حادثہ کو بجائے ہوائی جہاز کے ریل میں بدل دیا۔ہوائی جہاز میں ایسا حادثہ پیش آجائے تو اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن یہی حادثہ اگر ریل میں پیش آجائے تو اس سے کسی انسان کا بچ جانا ممکن ہے اور پھر وہ ریل مشرق سے مغرب کو جا رہی تھی۔جب میں نے یہ واقعہ پڑھا تو میں نے محسوس کیا کہ میری وہ خواب پوری ہوگئی ہے۔میں نے میاں بشیر احمد صاحب سے اس کا ذکر کیا جن کو میں یہ خواب اسی وقت بتا چکا تھا جب یہ آئی تھی۔انہوں نے بھی کہا کہ واقعہ میں وہ خواب پوری ہوئی ہے۔لیکن میں نے اخبار میں یہ واقعہ پڑھ کر چوہدری صاحب کو یہ لکھنا پسند نہ کیا کہ میری رؤیا پوری ہوگئی ہے کیونکہ رؤیا میں انہوں نے پہلے اطلاع دی تھی اس لئے میں نے یہی پسند کیا کہ وہ اطلاع دیں تو میں لکھوں گا۔چنانچہ دوسرے ہی دن چوہدری صاحب کی تار آگئی کہ آپ کی رؤیا پوری ہوگئی ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے اس حادثہ سے بچا لیا ہے۔یہاں رؤیا کا سوال نہیں کہ وہ پوری ہوگئی بلکہ یہ ایک تقدیرِ مبرم تھی جو دعاؤں سے بدل گئی۔رؤیا میں خدا تعالیٰ نے مجھے ہوائی جہاز دکھایا تھا لیکن وہ واقعہ اسی جہت میں اور اسی شکل میں ریل میں پورا ہوا۔معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہونا تقدیر مبرم تھا لیکن خدا تعالیٰ

نے کہا چلوان کی بات بھی پوری ہوجائے اوراپنی بات بھی پوری ہوجائے واقعہ ہم ریل میں کرادیتے ہیں اس سے ہماری بات بھی پوری ہوجائے گی اوران کی دعا بھی قبول ہوجائے گی۔پس یہ واقعہ ہمارے لئے زائد یقین اورایمان کا موجب ہے۔''(المصلح 18رفروری 1954 بحوالہ ماہنامہ خالدحضرت چوہدری ظفراللہ خاں نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 13،14)

آپ کے حصہ میں ایک اورسعادت یہ بھی آئی کہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے قاتلانہ حملہ کے بعدعلاج کی خاطر جب ماہ جولائی ،اگست اور ستمبر 1955ء میں دوسرا سفر یورپ اختیار فرمایا تو اس میں آپ کو بھی حضور کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوااور زیادہ تر رہائش و دیگر انتظامات کرنے کی خدمت وسعادت آپ ہی کے حصہ میں آئی۔اس کے علاوہ اس سفر کے دوران متعدد مواقع پر حضور کی ترجمانی کے فرائض بھی آپ نے ادا کئے۔دوران سفر حضرت چوہدری صاحب نے جس اخلاص و وفا اور جذبۂ عشق ومحبت کے ساتھ اپنے محبوب امام اورافراد قافلہ کی خدمت کی توفیق پائی آیئے اس کا کچھ ذکر حضرت سیدہ مہر آپا حرم سیدنا حضرت مصلح موعود (جو شریک سفرتھیں) کی زبانی سنتے ہیں۔آپ بیان فرماتی ہیں:''حضرت فضل عمر کے سفر یورپ میں آپ تمام وقت حضور کے ساتھ ساتھ رہے۔حضور کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔آپ کا سامان خود اٹھاتے رہے کیونکہ وہاں ہمارے ہاں کی طرح سامان اٹھانے کے لئے قلی وغیرہ عام نہیں ہوتے۔اول تو وہ لوگ اس قدر سامان سفر میں ساتھ رکھتے نہیں۔یہاں سے روانگی سے قبل بھی چوہدری صاحب بڑے اصرار سے باربار یہی پیغام بھجواتے رہے۔سامان تھوڑا لے جائیں وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔مگر تھوڑا تھوڑا کر کے بھی سامان اچھا خاصا ہوگیا۔دوران سفر جب وینس (اٹلی) پہنچے تو وہاں نہ کوئی قلی تھا نہ مزدور۔ حضرت چوہدری صاحب نے تمام سامان اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر کار سے گنڈولے((Gondola)وینس شہر کی نہروں میں چلنے والی کشتیاں) تک پہنچایا اور مسکراتے ہوئے فرمایا: دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس قدر سامان نہ لے جائیں۔خیر بیبیوں کو پتہ تھا ظفراللہ ساتھ ہے خود ہی سامان اُٹھاتا پھرے گا۔چوہدری صاحب نے تو مزاحاً یہ بات کہی تھی مگر مجھے بہت احساس ہوا کہ ان پر یہ اتنا بوجھل کام آن پڑا ہے۔وہ تو اپنے حبیب حضرت فضل عمر کے عشق ومحبت میں اپنی ذات سے بے نیاز ہوکر سب کام کررہے تھے۔اس زمانہ میں کسی کو دو چار پیسے مل جائیں یا اعلیٰ تعلیم حاصل کرلے تو وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے مگر چوہدری صاحب کو کمال سلیم فطرت ملی ہوئی تھی۔آپ کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اتنی بڑی شخصیت اورانکسار کا یہ عالم۔''(رسالہ خالد حضرت چوہدری ظفراللہ خاں نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 32،33)

مارچ 1958ء میں حضرت چوہدری صاحب کو حجاز مقدس کے بابرکت سفر کی توفیق ملی اور آپ نے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ روضۂ رسولؐ پر حاضری اور دعا کی سعادت بھی پائی۔اپنے اس سفر کے دوران آپ کی عظیم المرتبت شخصیت کے اعزاز میں سعودی فرمانروا جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے نہ صرف آپ سے ملاقات کی بلکہ شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا۔مارچ 1967ء میں حضرت چوہدری صاحب کو حج بیت اللہ کی سعادت بھی ملی اوراس دوران خانۂ خدا بیت اللہ کے طواف اور دیگر مناسک حج کی ادائیگی کے علاوہ روضۂ رسولؐ پر حاضری اور دعا کی سعادت بھی میسر آئی۔اس سفر حج کے عشق ومحبت سے لبریز حالات اور واقعات حضرت چوہدری صاحب کی خودنوشت ''تحدیث نعمت''میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔قرآن کریم سے عشق بھی حضرت چوہدری صاحب کی حیات کا ایک زرّیں باب ہے۔آپ کو خدمت قرآن کا ایک نہایت اہم موقع اس طرح میسر آیا کہ حضرت مصلح موعود نے انگریزی خواں طبقہ تک علوم قرآن کو پہنچانے اورقرآنی معارف ان کی

زبان میں میسر کرنے کی تحریک فرمائی تو آپ نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا۔ایک طویل محنت شاقہ کے بعد اس کام کو1970ء میں مکمل کرلیا۔گو جماعتی تاریخ میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اس سے قبل بھی کیا جاچکا تھا لیکن حضرت چوہدری صاحب کے ترجمہ قرآن کی خوبی یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود نے حضرت چوہدری صاحب کو ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کو تفسیر صغیر کے ترجمہ کے اسلوب پر ڈھال دیا جائے۔چنانچہ حضرت چوہدری صاحب نے اسی اسلوب پر ترجمہ قرآن کو مکمل کیا اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسکے ابتدائی حصہ پر نظر ثانی قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے اور حضرت مولوی محمد دین صاحب نے فرمائی تھی۔حضرت چوہدری صاحب کی یہ عظیم خدمتِ قرآن ایک صدقہ جاریہ ہے اور جب تک لوگ اس ترجمہ قرآن سے مستفید ہوتے رہیں گے حضرت چوہدری صاحب کو اجر عظیم ملتا چلا جائیگا اور ان شاء اللہ العزیز یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔فروری1970ء میں ہالینڈ کے شہر ہیگ(HAGUE) میں واقع بین الاقوامی عدالت انصاف(International Court of Justice) کا آپ کو صدر یعنی چیف جسٹس مقرر کیا گیا اور عہدہ کی مقررہ میعاد کے مطابق 3 سال آپ نے یہ فرائض بخیر و خوبی سرانجام دیئے۔اس عہدہ پر آپ کا منتخب ہونا ایک خدائی بشارت کا ظہور اور کئی نشانات کا ظہور میں آنا تھا۔چنانچہ اس واقعہ کی تفصیل کے بارے میں حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں:''عالمی عدالت کے پندرہ ججوں میں سے پانچ کی نوسالہ میعاد ہر تیسرے سال 5 فروری کو ختم ہوتی ہے۔اس میعاد کے ختم ہونے سے قبل اقوام متحدہ میں ان پانچ ججوں کی نشستیں پُر کرنے کے لئے انتخاب ہوتا ہے۔جب نئے جج اپنے فرائض 6 فروری سے سنبھال چکتے ہیں تو عدالت کا پہلا کام صدر کا انتخاب ہوتا ہے۔صدارت کے عہدے کی میعاد تین سال ہے۔یہ انتخاب خفیہ رائے شماری کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔1970ء میں اس انتخاب کے لئے 18رفروری کا دن تجویز ہوا۔صدارت کے لئے دو اور ججوں کے ساتھ میرا نام بھی تجویز ہوا تھا۔انتخاب کے لئے آٹھ آراء کی تائید ضروری ہے۔انتخاب کی کارروائی دو دن ہوتی رہی۔آخر کار مطلوبہ کثرت سے زائد آراء میرے حق میں پائی گئیں اور بفضل اللہ میں صدر منتخب ہوا۔فالحمدللہ۔میں ایک ضعیف عاجز پُرتقصیر انسان ہوں۔اپنے اندر کوئی خوبی نہیں دیکھتا۔میرے دوسرے دونوں رفیق جن کے اسمائے گرامی انتخاب کی کارروائی میں سامنے آتے رہے کئی اعتبار سے مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔اللہ تبارک تعالیٰ اپنی مصلحتوں کو خود ہی جانتا ہے کوئی اور ان کا احاطہ نہیں کرسکتا۔وہ فضل کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں بن سکتا اور اگر اس کا فضل شامل حال نہ ہو تو کوئی کوشش کوئی تدبیر کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوسکتا۔اس وقت تک اس عدالت کے آٹھ صدر رہ چکے ہیں۔دو لاطینی امریکن، ایک شمالی امریکن، چار یورپین، ایک آسٹریلین، میں پہلا ایشیائی صدر ہوں اور ایشیائی بھی وہ جو مغربی تہذیب اور ثقافت کی اقدار سے بیزار ہے اور جس کی یہ بیزاری اس کے عمل سے ظاہر ہے لیکن اگر اُس کی مشیّت نے ایک ناکارہ ہی کا انتخاب چاہا تو

نیست از فضل و عطائے او بعید　　کور باشد ہر کہ از انکار دید

قادر است و خالق و رب مجید　　ہر چہ خواہد مے کند عجزش کہ دید؟

اس کی قدرتوں کی انتہا نہیں۔اس انتخاب سے 36 سال قبل میری والدہ صاحب مرحومہ نے ایک مبشر خواب دیکھا تھا، جو ان کی وفات کے 32 سال بعد اس انتخاب سے پورا ہوا۔فالحمدللہ۔جس رات انہوں نے خواب دیکھا اسی صبح کو مجھ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سیالکوٹ کے مکان کے فلاں کمرے میں ہوں اور اس کمرے کی کھڑکی کے باہر ایک نہایت دل لبھانے والا کرّہ نور آہستہ آہستہ کھڑکی

کی ایک جانب سے دوسری جانب حرکت کر رہا ہے۔ جب کھڑکی کے عین وسط میں پہنچا تو ایک پرشوکت آواز آئی ''ہوگا چیف جسٹس ظفراللہ خاں نصراللہ خاں کا بیٹا۔'' اور خفیف سے وقفے کے بعد پھر اسی طرح یہ الفاظ دہرائے گئے ''چیف جسٹس ظفراللہ خاں نصراللہ خاں کا بیٹا۔'' والدہ صاحبہ بفضل اللہ صاحبۂ رؤیا و کشوف تھیں اور ہم سب کئی بار دیکھ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے انہیں اس رنگ میں نوازتا ہے۔ وہ خود بھی جانتی تھیں کہ رؤیا اور کشوف تعبیر طلب ہوتے ہیں اور ان کی اصل حقیقت اپنے وقت پر ہی جا کر آشکار ہوتی ہے۔ 1947ء میں میں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کا سینئر جج تھا اور اگر تقسیم ملک کے بعد میں ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کرتا تو غالب قیاس یہی تھا کہ آزادی کا اعلان ہونے پر سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہوتا۔ 3/جون 1947ء کو برطانوی وزیراعظم مسٹر اٹیلی نے تقسیم ملک کے طریق کار کا اعلان کیا اور اس پر میں نے فیڈرل کورٹ کی ججی سے استعفیٰ دے دیا جو 10/جون سے عمل پذیر ہوا۔ اسی سال دسمبر کے تیسرے ہفتے میں جب میں اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت سے واپس لوٹا تو قائداعظم کی ہدایت کے ماتحت بھوپال جانے سے پہلے نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا۔ انہوں نے جن امکانات کا ذکر فرمایا ان میں پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا عہدہ بھی تھا لیکن ساتھ ہی انہوں نے فرمایا قائداعظم چاہتے ہیں کہ تم وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالو۔ پاکستان کی سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس میاں عبدالرشید صاحب مقرر ہوئے۔ جب ان کی میعاد اختتام کے قریب پہنچی تو انہوں نے از راہ نوازش پہلے ٹیلیفون پر اور پھر بالمشافہ مجھے رضامند کرنے کی کوشش کی کہ میرا نام بطور اپنے جانشین کے تجویز کریں لیکن میں بوجوہ رضامند نہ ہوا۔ 1963ء کے عدالتی انتخابات میں جب مجھے دوبارہ عالمی عدالت کی رکنیت کے لئے منتخب کیا گیا اس وقت عدالت کے اراکین میں سے کئی دوبارہ منتخب شدہ اور دوسہ بارہ منتخب شدہ تھے لیکن ان کے انتخاب بلافصل ہوئے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک رکن اپنی میعاد ختم کر کے عدالت سے علیحدہ ہو چکا ہو اور وہ علیحدگی کے بعد وقفہ سے پھر منتخب کر لیا جائے۔ یہ صورت اب تک صرف میرے متعلق ہی پیدا ہوئی ہے۔ عدالت کی رکنیت پر دوبارہ فائز ہونے پر میرا درجہ میرے پرانے رفقاء کے لحاظ سے پھر سب سے نیچے تھا۔ اب جو غور کرتا ہوں تو میرا عدالت کی صدارت پر منتخب ہونا ضرور ایک اچنبھا ہے اور اس بشارت کو پورا کرنے والی ہے جو انتخاب سے 36 سال پہلے میری والدہ صاحبہ کو دی گئی تھی۔ والدہ صاحبہ نے خواب میں جو الفاظ سنے ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت مرکوز تھی۔ اول بطور تسلی اور تصدیق آواز پُر شوکت تھی۔ پھر وہی الفاظ دہرائے گئے۔ اور الفاظ کی ابتداء ہی میں لفظ ''ہوگا'' ظاہر کرتا ہے کہ حالات خواہ موافق نظر آئیں یا نہ یہ ہمارا فیصلہ ہے اور ہو کر رہے گا۔ پھر میرے نام کے ساتھ والد صاحب مرحوم کا نام ''نصراللہ خاں'' شامل ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بخشش اس کی نصرت کا نشان ہوگی انسانی کوشش کا اس میں دخل نہیں ہوگا۔ فسبحان اللہ وبحمدہٗ'' (تحدیث نعمت صفحہ 730 تا 732) فروری 1973ء میں عالمی عدالت انصاف سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے اپنے تئیں خدمت دین کے لئے وقف کر دیا اور حسب ارشاد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ مسجد فضل لندن کی ملحقہ عمارت میں رہائش پذیر رہے اور 1983ء تک وہیں قیام پذیر رہے۔ دوران قیام آپ نے احباب جماعت ہائے احمدیہ انگلستان کی تربیت اور دعوت اِلی اللہ کی مساعی میں بہت راہ نمائی فرمائی اور تربیتی مساعی کے دوران آپ نے انگلستان اور بیرون انگلستان متعدد دورہ جات بھی فرمائے۔ اس دوران وسط نومبر تا وسط مارچ پاکستان میں قیام فرماتے اور جلسہ سالانہ میں شرکت کے علاوہ تصنیف اور دیگر علمی و جماعتی مصروفیات میں وقت گزرتا۔

ماہ جون 1982ء میں جماعت احمدیہ کو جب اپنے محبوب امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی رحلت کا قیامت خیز دن دیکھنا پڑا تو اس موقع پر مجلس انتخاب خلافت کے اجلاس میں حضرت چوہدری صاحب نے بھی بفضل اللہ شمولیت کی اور پھر جب حسب منشائے الٰہی سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ منتخب ہوئے تو مجلس انتخاب کی بیعت لینے سے قبل حضورؒ نے سب سے پہلے حضرت چوہدری صاحب کو اصحاب حضرت مسیح موعود کی نمائندگی میں اپنا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھنے کا ارشاد اپنی اس خواہش کی تکمیل میں فرمایا کہ ''سب سے پہلے بیعت کرنے والا تو وہ ہو جس نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مبارک ہاتھوں کو چھوا ہوا ہو۔'' چنانچہ حضرت چوہدری صاحب کو یہ عظیم الشان خوش نصیبی اور سعادت بھی میسر آ گئی۔ 6/نومبر 1983ء میں انگلستان سے مستقل پاکستان واپسی کے بعد آپ کا زیادہ تر قیام اپنی کوٹھی واقع خورشید عالم روڈ شمالی چھاؤنی لاہور میں رہا۔ اس عرصہ میں آپ کو ضعف اور نقاہت بہت ہوگئی تھی لیکن ان ایام میں بھی نماز باجماعت کا بہت پابندی کے ساتھ التزام فرماتے رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے بہت عشق اور محبت کا تعلق تھا۔ آپ کی سیرت اور حالات بیان کرتے ہوئے کثرت سے آپ کے قریبی عزیزوں نے جو اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں ان میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اکثر شدید بیماری میں بھی حضورؒ کے بارہ میں دریافت فرمایا کرتے۔ حضور کی خیریت کے بارہ میں دریافت کرتے اور اپنی دعاؤں میں بکثرت حضرت امام جماعت اور جماعت احمدیہ کے لئے دعائیں کیا کرتے۔ یکم ستمبر 1985ء کو احمدیت کا یہ بطل جلیل، سرزمین پاکستان کا نامور سپوت، کئی نشانات کا مورد اور کئی الہامات کا مصداق عظیم الشان وجود 92 سال کی نفع رساں عمر پا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ آپ کا لمبی عمر پانا بھی اس ارشاد خداوندی کی تصدیق اور اس کی عظمت کا ثبوت ہے کہ ''اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے تو وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔'' (سورۃ الرعد آیت نمبر 18) چنانچہ آپ جیسے نفع رساں اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر سے نوازا۔ کئی قوموں بلکہ ایک دنیا نے آپ سے استفادہ کیا اور برکت پائی۔ یقیناً بین الاقوامی شہرت کی حامل آپ کی شخصیت ایک بہت ہی نافع الناس وجود ثابت ہوئی۔ آپ کی مالی قربانی اور دیگر نیکیاں آپ کے لئے صدقہ جاریہ کی صورت میں انشاء اللہ ہمیشہ آپ کے اجر میں اضافہ کرتی چلی جائیں گی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کی وفات پر آپ کا جو ذکرِ خیر فرمایا اس کی کچھ جھلکیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

''آپ کے حق میں حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ) کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو بار بار اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی اور اس بار بار عطا ہونے میں بھی ایک کثرت کا نشان تھا جو آپ کو دیا گیا فرماتے ہیں: ''خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلے کو تمام دنیا میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور بشارتوں کی رو سے وہ سب کا منہ بند کریں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔'' یہ پیشگوئی مختلف رنگ میں مختلف وجودوں کی شکل میں پوری ہوتی رہی مگر چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو خصوصیت کے ساتھ ظاہری طور پر بھی اس کو پورا کرنے کا اس رنگ میں موقع ملا کہ آپ نے اپنی سچائی کے نور اپنے

دلائل اور نشانوں کی رو سے بسا اوقات سب کے منہ بند کر دیئے ۔سیاست کے میدان میں بھی، وکالت کے میدان میں بھی اور تبلیغ کے میدان میں بھی ایسی عمدہ نمائندگی کی توفیق آپ کو عطا ہوئی کہ اپنے تو اپنے دشمن بھی بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس بطل جلیل نے بلا شبہ غیروں کے منہ بند کر دیئے ۔'''' خدا تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسے مقام پر پہنچایا جہاں واقعۃً ہر قوم نے اس سرچشمہ سے پانی پیا یعنی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی آپ کو صدارت نصیب ہوئی اور وہ دور اقوام متحدہ کی تاریخ میں اگر کسی ایک تعریف کے ساتھ یاد کیا جائے تو یونائیٹڈ نیشنز کی تاریخ کا اخلاقی دور کہلائے گا۔'''' ویسے تو بکثرت ایسے احمدی ہیں جن سے قوموں نے فائدے اٹھائے لیکن وہاں ایک ذات میں ساری باتیں اکٹھی ہو گئیں ۔ایک سرچشمے سے جو حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ) کی غلامی پر فخر کیا کرتا تھا تمام اقوام عالم نے فائدہ اٹھایا اور سیراب ہوئیں اور پھر قوموں کی بھرپور خدمت میں آپ کو خدا تعالیٰ نے ایسے ایسے مواقع نصیب فرمائے جبکہ نئی تاریخ کی شکلیں بن رہی تھیں اور جدید تاریخ کی نبیادیں ڈالی جا رہی تھیں ۔''

'' یہ وہم دل سے نکال دیں کہ ایک ظفر اللہ خاں ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے تو آئندہ کے لئے ظفر اللہ خاں پیدا ہونے کے رستے بند ہو گئے ۔بکثرت اور بار بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے عظیم الشان غلاموں کی خوشخبریاں دی گئیں جو ہمیشہ آتے چلے جائیں گے اور ایک گزرے گا تو دوسرا اس کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھے گا ۔آپ اپنی ہمتوں کو بلند کریں، ان تقویٰ کی راہوں کو اختیار کریں جو چوہدری صاحب اختیار کرتے رہے ۔ان وفا کی خصلتوں سے مزین ہوں جن سے وہ خوب مزین تھے ۔'''' جماعت احمدیہ کو اس وصال پر صدمہ تو ہے، بڑا گہرا صدمہ ہے لیکن اس صدمے کے نتیجہ میں مایوسی کا اثر نہیں ہونا چاہئے ۔خدا تعالیٰ کی رحمتیں بے شمار ہیں، وسیع ہیں ۔اس کی عطا کے دروازے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جن راہوں میں وہ کھلتے ہیں وہ لامتناہی راہیں ہیں اس لئے آپ ۔۔۔۔۔اولاد در اولاد کو یہ بتاتے چلے جائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک نہیں، دو نہیں بکثرت ایسے غلام عطا فرمائے گا ۔۔۔۔۔جو عالمی شہرت حاصل کریں گے جو بڑے بڑے عالموں اور فلسفیوں کے منہ بند کر دیں گے اور قومیں ان سے برکت پائیں گی ۔ایک قوم یا دو قومیں ہی نہیں کل عالم کی قومیں ان سے برکت پائیں گی ۔خدا کرے کہ بکثرت اور بار بار ہم حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ) کی اس پیشگوئی کو پورا ہوتا دیکھیں ۔دوسروں میں ہی نہیں اپنوں میں بھی ۔غیروں کے گھروں میں نہیں اپنے گھروں میں بھی ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس عظیم پیشگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھیں ۔(آمین)'' سیدنا حضرت مصلح موعود نے بھی کئی مرتبہ آپ کو کلمات خوشنودی سے نوازا ۔ایک مرتبہ تو یہاں تک فرمایا کہ '' عزیزم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ساری عمر دین کی خدمت میں لگائی ہے اور اس طرح میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا ہے ۔''

(بحوالہ ماہنامہ خالد حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 9،10)

اولاد۔حضرت چوہدری صاحب کی واحد اولاد آپ کی صاحبزادی مکرمہ ومحترمہ امۃ الحیٔ بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی حضرت چوہدری صاحب کے بھتیجے چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب ابن حضرت چوہدری عبداللہ خاں صاحب سے ہوئی جو ایک لمبے عرصہ سے امیر جماعت احمدیہ ضلع لاہور کے علاوہ بطور صدر فضل عمر فاؤنڈیشن بھی خدمات کی توفیق پا رہے ہیں ۔مکرمہ ومحترمہ امۃ الحیٔ بیگم صاحبہ نے نومبر 2004ء میں وفات پائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئیں ۔حضرت چوہدری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مال سے نوازا لیکن آپ جیسا سراپا قربانی وجود صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے ۔کئی اعلیٰ مناصب پر فائز رہنے کے باوجود ایسا نادر روزگار سخی تو کم ہی دیکھنے میں ملتا ہے جس نے اپنی

ذات کو ہمیشہ نظر انداز کر کے خدا اور اس کے رسول کے دین کی اشاعت کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو کمر بستہ رکھا۔ اپنا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کے قدموں پر قربان کر دیا۔ بقول آپ کے بھتیجے مکرم چوہدری ادریس نصر اللہ خان صاحب ''حضرت بابا جی انتہائی درجہ کے سخی تھے لاکھوں اور کروڑوں روپے کمائے لیکن اپنی ذات کے لئے محض ضروریات کی حد تک رکھ کر باقی سب کچھ ضرورتمندوں کی بھلائی اور خدمت میں صرف کرتے رہے۔ آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اپنی ضروریات کے لئے 60 یا 70 پونڈ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ باقی آمدنی کو ذہنی طور پر اپنی آمدنی کا حصہ ہی تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ سامانِ تعیش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آسائشوں کے معاملہ میں بھی بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ موٹر کار جیسی چیز جسے آجکل کی ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے تھے اور لمبا عرصہ یورپ میں بغیر گاڑی کے گزارا کرتے رہے۔ 1963ء سے لے کر اپنی وفات تک آپ نے کبھی کار نہیں رکھی۔ آپ کا قیام 1963ء سے 1974ء تک بطور جج عالمی عدالت انصاف ہالینڈ میں اور فروری 1974ء سے لیکر نومبر 1983ء تک انگلستان میں رہا گویا یورپ میں رہتے ہوئے بھی اپنی تن آسانی کے لئے یہ خرچ ان کو گوارا نہ ہوا۔ پیدل دفتر تشریف لے جاتے اور بس پر واپسی ہوتی۔ انہیں دنوں میں آپ نے لاکھوں روپے کے خرچہ سے لندن مشن ہاؤس کی موجودہ عمارت بنوانے کا اعزاز حاصل کیا اور لاکھوں روپے کے وظائف بیوگان اور یتیموں کی امداد کے طور پر دینے کی سعادت حاصل کی۔ آپکی کفایت شعاری اور انفاق فی سبیل اللہ کے واقعات تو پرانے زمانے کی محیر العقول داستانیں معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ حقیقت اور امر واقعہ ہے جس کے بے شمار لوگ عینی شاہد ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا مگر اطمینان وسکون اور رضائے الٰہی کی لازوال دولت اسے میسر تھی۔ ہزاروں گھروں میں اسی کے دم سے چراغ جلتے تھے۔ ان کی دعائیں ہی اس بے نفس وجود کا سرمایہ اور جائیداد تھی۔ تو جہاں تک مجھے علم ہے اس سخی کی وفات کے وقت اس کی کوئی ظاہری جائیداد نہ تھی۔''

(ماہنامہ خالد حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نمبر دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 129، 130)

وفات کے بعد حضرت چوہدری صاحب کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے خاص ارشاد کے ماتحت بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ خاص میں سپرد خاک کیا گیا۔ حضورؒ نے آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی اور خطبہ جمعہ میں آپ کو خاص طور پر شاندار خدمات دین پر بہترین خراج تحسین پیش فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت چوہدری صاحب کی روح پر اپنی بے پایاں رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا چلا جائے اور ان کی نیکیوں کو ان کی آئندہ نسلوں میں ہمیشہ جاری رکھے اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو جسے حضورؑ نے اپنے درختِ وجود کی سرسبز شاخیں قرار دیا ہے ہمیشہ کثرت سے حضرت چوہدری صاحب جیسے نفع رساں وجود عطا فرماتا چلا جائے۔ اور ہم سب کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ حضرت چوہدری صاحب کی زندگی سے سبق سیکھتے ہوئے ان کی نیکیوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔ نامور احمدی ادیب اور شاعر جناب ثاقب زیروی صاحب نے حضرت چوہدری صاحب کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار ایک نظم کی صورت میں کیا جس میں حضرت چوہدری صاحب کے سیرت اور اوصاف کا بڑے خوبصورت الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

کیا شخص تھا کہ بانٹنے آیا تھا رنگ و نور	تاریکیوں کا نام جہاں سے مٹا گیا
گفتار میں تھا کھِلتی بہاروں کا بانکپن	رفتار سے ہواؤں کو چلنا سکھا گیا

دین خدا کی آبرو تھی مقصدِ حیات	پہنچا جہاں بھی پیار کا دریا بہا گیا
لگتا تھا دیکھنے میں جو انسان کم سخن	جب بولنے پہ آیا زمانے پہ چھا گیا
تھی اس کی ذات مشعل انوار آگہی	جینے کا زندگی کو قرینہ سکھا گیا
ظفراللہ خاں! قائداعظم کا دستِ راست	عالم پہ اپنی دھاک بٹھا کر چلا گیا

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی بابرکت زندگی

پیدائش سے وفات تک کے حالات: ترتیب وار۔مرزا خلیل احمد قمر

6 فروری 1893 کو سیالکوٹ کے محلہ نخا میں پیدا ہوئے۔ء1 جون 1897 یعنی چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں میونسپل بورڈ سکول جانا شروع کیا۔چھٹی کلاس تک تعلیم پائی۔ساتویں کلاس میں امریکن مشن سکول میں داخل ہوئے۔3 ستمبر 1904 کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔26 مئی 1908 مئی کو حضرت بانی سلسلہ کے جنازہ کے ساتھ لاہور سے قادیان گئے۔27 مئی کو قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ اوّل حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ صاحب کی بیعت کی۔1909 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف۔اے کیا۔

1911 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ہی فرسٹ ڈویژن میں بی۔اے کیا۔اور تقسیم انعامات کے موقع پر لیفٹیننٹ گورنر سر لوئی ذین نے اپنی تقریر میں چوہدری صاحب کا نام لے کر ہر مضمون میں اوّل آنے پر مبارک باد دی۔یکم ستمبر کو قانون کی تعلیم کے سلسلہ میں انگلستان جانے کے لئے بمبئی سے روانہ ہوئے۔1913 جولائی کالج موسمِ گرما کی تعطیلات میں روس، فن لینڈ اور سویڈن کی سیر کی اور روس کے حالات کی بناء پر اور ڈاکٹر آرنلڈ کی تحریک پر آپ نے یہ پروگرام بنایا کہ ہم روس جائیں اور کئی ماہ قیام کر کے وہاں کے اعلیٰ مسلم طبقہ سے رابطہ پیدا کریں۔لیکن جنگ عظیم شروع ہو جانے کے باعث اس میں روک پیدا ہوگئی۔1914 میں قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثانی حضرت فضل عمر کو بیعت بذریعہ خط کی۔کالج میں موسم گرما کی تعطیلات میں فرانس، بیلجیئم، ہالینڈ، اور جرمنی کی سیر کی۔جون میں لنکنز اِن سے بیرسٹری کی سند لی۔اکتوبر میں کنگز کالج لندن سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور لندن یونیورسٹی میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔یکم نومبر کو انگلستان سے واپس بمبئی تشریف لائے۔واپسی پر حج کرنے کی خواہش تھی۔مگر جنگ عظیم شروع ہو جانے کی وجہ سے سفر کرنا مشکل ہوگیا۔دسمبر میں پریکٹس کا لائسنس ملا اور چیف کورٹ کے ایڈووکیٹ ہو گئے۔جنوری 1915 میں آپ نے اپنے والد چوہدری نصراللہ خان صاحب جو سیالکوٹ کے مشہور وکیل تھے، کے ساتھ پریکٹس شروع کی۔مارچ میں مبلغین کی اعلیٰ کلاس میں عورتوں کے حقوق کے موضوع پر تقریر فرمائی۔3 مارچ 1916 کو دارالسلطنت دہلی میں عظیم الشان جلسہ میں تقریر کی۔23 اگست کو لاہور منتقل ہو گئے۔اور قانون کے رسالہ انڈین کیسیز کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔آپ کی رہائش ریلوے روڈ پر سیّد ممتاز علی ایڈیٹر تہذیبِ نسواں کے ہاں تھی۔دسمبر میں پٹنہ ہائی کورٹ میں پہلے کیس کی پیروی کی جو مونگھیر جماعت احمدیہ کی بیت الذکر کے قبضہ کا کیس تھا۔چیف جسٹس نے آپ کی نسبت بہت تعریفی کلمات کہے تھے جن کو اخبارات نے شائع کیا۔مقدمہ آپ نے جیت لیا۔دسمبر میں آپ

کومہاراجہ محمود آباد نے کھانے پر مدعو کیا اور ملاقات کا شرف بخشا۔دسمبر میں آپ لکھنو میں ڈاکٹر علی نقی صاحب ولد شمس العلماء مولوی میر حسن صاحب) جو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے استاد تھے (کے ہاں ٹھہرے۔ 1917ء فروری میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور آپ نے لاہور میں کامیاب تقاریر کے موضوع پر تقریر فرمائی۔لاہور میں قانونی پریکٹس کی۔اپریل میں پہلی مرتبہ چیف کورٹ میں پیش ہوئے۔ 15 نومبر کو وزیر ہند مانٹیگو سے جماعت احمدیہ کے وفد نے ملاقات کی اس موقع پر آپ نے ترجمانی کے فرائض انجام دئے۔حکومت پنجاب کی قائم کردہ پبلسٹی کمیٹی کے اجلاس میں جماعت احمدیہ کی نمائندگی کی۔ 1918ء اپریل میں جماعت احمدیہ لاہور کی امارت آپ کے سپرد ہوئی اس کے ساتھ ساتھ آپ صدر انجمن احمدیہ کے مشیر قانونی تھے اور جماعتی مقدمات میں بھی اکثر جایا کرتے تھے۔

23 فروری 1919ء کو آپ کی صدارت میں حضرت فضل عمر نے اسلام اور تعلقات بین الاقوام کے موضوع پر تقریر فرمائی۔یکم اپریل کو ڈیوس روڈ لاہور پر رہائش اختیار کی۔مارشل لاء ٹربیونلز میں سردار حبیب اللہ اور سید حسین شاہ کے مقدمات کی پیروی کی۔موسم گرما کی تعطیلات کے بعد 1924ء تک لاء کالج لاہور میں بطور لیکچرار ضابطہ فوجداری اور رومن لاء پڑھاتے رہے۔اکتوبر میں لاہور میں بازار جج محمد لطیف کی حویلی نواب محبوب سبحانی میں رہائش اختیار کی۔ 12 دسمبر کو حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر جماعت احمدیہ کا ایک وفد گورنر پنجاب سر ایڈورڈ میکلگین سے ملا آپ نے وفد کی طرف سے خیر مقدم کا ایڈریس پیش کیا۔ 13 فروری تا 27 فروری 1920ء حضرت فضل عمر کے قیام لاہور اور تقاریر کے موقعہ پر انتظامات کئے۔یکم جون کو الہ آباد میں خلافت کمیٹی کیا جلاس میں حضرت فضل عمر کا مضمون معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ تقسیم کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ 4 مارچ 1921ء کو حضرت فضل عمر کی لاہور تشریف آوری اور قیام طعام کے انتظامات انجام دیئے۔ 3 2 جون کو جماعت کا ایک وفد جس میں آپ شامل تھے وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ سے شملہ میں ملا جس میں ترکی اور حجاز کے حقوق کی حفاظت کی طرف حکومت کو توجہ دلائی گئی 22 فروری تا 2 مارچ 1922ء حضرت فضل عمر کے قیام لاہور کے موقعہ پر آپ کو قیام طعام و دیگر انتظامات کی سعادت ملی۔ 27 فروری کو جماعت احمدیہ کی طرف سے شہزادہ ویلز کی خدمت میں حضرت فضل عمر کی کتاب تحفہ شہزادہ پیش کی گئی جس کا انگریزی ترجمہ آپ نے کیا تھا۔ 27 فروری کو لاہور میں آپ کی زیر صدارت حضرت فضل عمرؓ نے روحانی نشاۃ ثانیہ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ 28 فروری کو حضرت فضل عمر کی دیال سنگھ کالج کے پرنسپل سے گفتگو کے موقع پر ترجمانی کے فرایض سرانجام دیئے۔اسی سال آپ نے قانون کے ایک رسالہ انڈین کیسیز کی ادارت سے علیحدگی اختیار کر لی۔آپ نے اپنی رہائش نسبت روڈ مجیٹھیہ ہاؤس میں منتقل کر لی۔ 1923ء تحریک شدھی میں آپ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب نہ ہو سکے۔پہلی مرتبہ جماعت احمدیہ کی مجلس مشاورت میں شرکت کی۔نومبر میں حضرت فضل عمر کے لاہور کے قیام اور انتظامات کی توفیق ملی۔آپ نے اخبار پیغام صلح کے مقدمہ کی رضا کاران پیروی کی۔ 6 جون تا 2 جولائی 1924ء ویمبلے کانفرنس کے لئے لکھے جانے والے حضرت فضل عمر کے مضمون احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا انگریزی ترجمہ کیا۔ 12 جولائی کو انگلستان جانے کے لئے حضرت فضل عمر کے ساتھ قادیان سے روانہ ہوئے۔ 23 اگست تا 25 اکتوبر حضرت فضل عمر کے ساتھیوں کے قیام لندن کے انتظامات آپ کے سپرد تھے۔ 4 ستمبر کو مولوی نعمت اللہ کی کابل میں شہادت کے بعد آپ نے کابل جا کر دین کی خاطر جان قربان کرنے کی پیشکش کی۔ 05 ستمبر کو افغان سفیر متعینہ فرانس کو اس شرمناک واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خدا تعالیٰ سے ڈرنے کے متعلق قرآنی

آیات پر مشتمل خط لکھا۔اکتوبر میں پہلی دفعہ ہوائی جہاز پر سفر کیا۔13اکتوبر تا18 نومبر پیرس تک سفر کے انتظامات حضرت فضل عمرؓ نے آپ کے سپرد فرمائے۔آپ کی امارت میں بیت الذکر دہلی دروازہ۔کی تعمیر شروع ہوئی اور 1925ء میں مکمل ہوئی۔16۔17جون 1925ءکو امرتسر میں مسلم پارٹیز کانفرنس میں حضرت فضل عمر کا مضمون تقسیم کیا۔گرمیوں میں کشمیر کا پہلا سفر کیا۔1926ءآپ پنجاب کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔25۔26فروری تا05مارچ 1927ءکو جماعت احمدیہ کا ایک وفد جداگانہ نیابت کی تائید میں وائسرائے ہند سے ملا۔آپ نے وفد کی طرف سے ایڈریس پیش کیا۔26۔فروری تا 5۔مارچ کے حضرت فضل عمرؓ کے قیام لاہور کے انتظامات اوراہم شخصیات کی ملاقات کا انتظام کیا۔فسادات لاہور کے موقعہ پر مسلمانوں کی امداد کے سلسلہ میں نمایاں کام کیا۔ ورتمان کے مضمون مسلم آوٹ لک کے احتجاج کے مقدمہ کی آپ نے نہایت شاندار پیروی کی جس کو ملک بھر کے مسلمان اخبارات نے سراہا۔ اکتوبر۔برطانوی ارکان پارلیمنٹ کے سامنے مسلمانوں کا نقطہ نگاہ پیش کرنے کے لئے آپ انگلستان گئے۔1928ءمارچ میں سائمن کمیشن کے سامنے جماعت احمدیہ کا وفد پیش ہوا۔آپ اس کے رکن تھے۔17جون کو حضرت فضل عمر کی سیرت النبی کے جلسوں کی تحریک پر ایک جلسہ میں آپ نے تقریر کی۔نومبر میں آپ نے سائمن کمیشن کے سامنے پیش ہوکر پنجاب کونسل کے رُکن کی حیثیت سے شہادتوں پر جرح کی۔الفضل کے مقدمہ کی پیروی کی۔15جنوری 1929ءکو آپ نے حضرت فضل عمرؓ کے اعزاز میں سٹفل ہوٹل لاہور میں چائے کی دعوت دی جس میں معززین لاہور کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔25جون 1930ءکو آپ نے سردار سکندر حیات کے ایما پر حضرت فضل عمر کو شملہ میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں شرکت کی درخواست کی آپ پنجاب کونسل کے بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔گورنر پنجاب سر جیفرے کی طرف سے آپ کو ہائی کورٹ کی ججی کی پیش کش کی گئی۔پنجاب میں وزارت کی پیشکش کی گئی۔21نومبر تا جنوری 1931ءگول میز کانفرنس میں آپ بطور مسلمان نمائندہ شرکت شریک ہوئے۔1931ء پریوی کونسل میں پہلی دفعہ کیس کی پیروی کی۔اپریل تا 1932ءآپ نے دہلی سازش کیس میں سینئر وکیل کے فرائض انجام دئے۔ستمبر تا دسمبر آپ نے دوسری گول میز کانفرس میں بحیثیت مسلمان نمائیندہ شرکت کی۔26۔27دسمبر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی کی بحیثیت صدر مسلم لیگ صدارت کی۔

1932ءیکم جنوری کو ایک حادثہ میں زخمی ہوئے۔گول میز کانفرنس کی مشاورتی کمیٹی میں شمولیت۔مارچ۔مجلس مشاورت میں تجویز کہ نظارت تعلیم وتربیت احمدیہ یونیورسٹی کا ڈھانچہ پیش کرے اور آپ کو اس کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا۔وسط جون تا اکتوبر فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں عارضی تقرر۔وائسرائے کی کونسل میں عارضی تقرر کے وقت آپ پنجاب کونسل سے مستعفیٰ ہو گئے تھے۔پھر آپ دوبارہ بلا مقابلہ پنجاب کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے 17 نومبر تا دسمبر تیسری گول میز کانفرنس میں مسلمان نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔1933ء19جنوری کو آپ تیسری گول میز کانفرنس سے واپس بمبئی پہنچے۔اپریل تا جولائی گول میز کانفرنس کے نتیجہ میں ہندوستانی آئین کی اصلاحات کی تجاویز کے سلسلے میں کمیٹی میں آپکی شمولیت 29اگست تا07 ستمبر ٹورنیٹو میں ہونے والی برٹش کامن ویلتھ ریلشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی 09 دسمبر برطانیہ کی پارلیمنٹ کی مشترکہ کمیٹی کے سامنے شہادت دے کر واپس دہلی تشریف لائے۔1934ء چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ سرشادی لال کی طرف سے ہائی کورٹ کی ججی کی پیش کش۔سرشادی لال کی ریٹائرمنٹ پر وائسرائے ہند کی طرف سے پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ کی پیشکش کی گئی 26 مارچ کو جماعت احمدیہ کے وفد کے رکن کی

حیثیت سے وائسرائے ہندلارڈ ولنگڈن سے ملاقات کی۔ جولائی تا نومبر اپنے خرچ پر لندن گئے تاکہ مسلمانوں کے مطالبات انگلستان کے اراکین پارلیمنٹ کے سامنے رکھے جائیں 1935ءمئی وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تجارت اور ریلوے بنے اور رہائش 2 کنگ ایڈ وڈ روڈ دہلی میں اختیار کی۔ 12 اپریل کو قادیان میں اپنی کوٹھی بیت الظفر کی بنیاد حضرت فضل عمر سے رکھوائی۔ 14 دسمبر 1936ء کو حضرت فضل عمر سے گفتگو کر کے قادیان میں ٹیلی فون کا افتتاح کیا۔ 1937ءمئی میں شاہ جارج پنجم کی تخت نشینی کی تقریبات میں برطانوی ہند کی نمائندگی کی۔ کامن ویلتھ وزرائے اعظم کی کانفرنس میں شمولیت۔ اٹاوہ ٹریڈ ایگریمنٹ کے سلسلہ میں سے محروم ہوجانے کے خدشہ سے معذرت کردی۔ 23 اپریل کو جماعت احمدیہ کے سامنے خلافت جوبلی کی تحریک کی خصوصیت اور اہمیت واضح کی۔ 1939ء کے دوران قادیان کے ماحول میں تبلیغی مہم میں حصہ لیا اور مالی امداد دی۔ 27 مارچ کو ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں قائداعظم نے آپ کے کام کی تعریف کرتے ہوئے آپ کو اپنا بیٹا قرار دیا۔ اپریل مشاورت میں خلافت جوبلی کے انتظامات کرنے والی کمیٹی کا صدر آپ کو قرار دیا گیا۔ مئی میں قانون کی وزارت بھی آپ کے سپرد کی گئی۔ محکمہ دار سپلائی بھی آپ کے سپرد کردیا گیا۔ نومبر ڈومینین منسٹرز کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ لیگ آف نیشنز کی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ 28 دسمبر حضرت فضل عمر کی خدمت میں خلافت جوبلی کے موقع پر جماعتہائے ہندوستان کی طرف سے ایڈریس پیش کیا۔ 29 دسمبر کو 02 لاکھ ستر ہزار کی رقم کا جوبلی فنڈ کا چیک حضرت فضل عمر کی خدمت میں پیش کیا۔ 05 فروری تا 07 فروری 1940ء آپ کو دلی میں حضرت فضل عمرؓ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ فروری وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں دوبارہ تقرر۔ 22 فروری۔ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے نام خط تقسیم ہندوستان کی تفصیل پہلی بار بیان کی۔ 19 مارچ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تقسیم انعامات کی تقریب کی صدارت۔ 29 مارچ آپ نے نواب بہادر یار جنگ کی قادیان میں مہمان نوازی کی۔ 16 اپریل فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے چیف جسٹس سر مارس گوائر آپ کے ہاں قادیان آکر ٹھہرے۔ تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت میں نمایاں حصہ لینے والوں میں آپ سرفہرست تھے۔ 1941ء ستمبر تا 10 جون 1947ء فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج رہے۔ 1942ء جون تا اکتوبر چین میں انڈیا کے ایجنٹ کے فرائض انجام دیئے۔ چین سے ہی وائسرائے ہند کو آزادی ہند کی تجویز بھجوائی۔ پیسفک ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ صدر امریکہ روز ویلٹ سے ملاقات میں ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے چرچل پر زور دینے کی ترغیب۔ 1943ء لندن میں بمباری کی وجہ سے دو ماہ قیام۔ شاہ جارج ششم کی والدہ ملکہ میری کے ہاں دعوت اور قصر بیڈ منٹن میں ایک روز قیام۔ لندن سے ہندوستان کو آزادی دینے کے سلسلہ میں وائسرائے ہند کو ایک تجویز۔ برطانوی وزیراعظم چرچل سے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے جانشین کے بارہ میں گفتگو۔ 21 مارچ بروز جمعہ بعد نماز عصر جامع احمدیہ لیگوس کا سنگ بنیاد رکھا۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کا قیام اور اس کی صدارت۔ 1944ء 23 مارچ کو لدھیانہ کے جلسہ فضل عمر میں تقریر کی۔ 27۔ اکتوبر کو حضرت فضل عمر کی تحریک پر ایک زبان میں ترجمہ کا خرچ اپنے ذمہ لیا۔

17 فروری 1945ء کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستان کی آزادی کے حق میں تقریر۔ 22 فروری انگلستان میں ہندستان سٹینڈرڈ کے نمائندہ کو انٹریو۔ مارچ میں برطانوی ریڈیو پر ہندوستان کی آزادی کے لئے اہم تقریر فرمائی۔ 15 مارچ رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل کانفرنس کے مندوبین کی دعوت کے موقعہ آزادی ہند کی تائید میں زبردست تقریر کی۔ مئی میں ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے لئے انگلستان

تشریف لے گئے۔مئی میں پنڈت نہرو کی طرف سے اقوام متحدہ کے اجلاس میں ہندوستان کی نمائندگی کرنے کی پیشکش۔1946ء جنوری حکومت ہند کی طرف سے عدالتِ انصاف میں نامزدگی مگر آپ منتخب نہ ہوسکے۔15۔اپریل کو تعلیم الاسلام کالج کی لیبارٹری کی بنیادی اینٹ رکھی۔05 مارچ 1947ء کو آپ کی کوششوں سے وزیراعظم پنجاب خضر حیات ٹوانہ نے مسلم لیگ کی راہ ہموار کرنے کے لئے استعفیٰ دے دیا۔10 جون کو انڈیا کی فیڈرل کورٹ کے جج سے مستعفی ہوگئے۔جون تا 22 دسمبر تک نواب آف بھوپال سر حمیداللہ کے آئینی مشیر رہے۔جون میں قائداعظم نے آپ کو پنجاب باونڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کو کہا۔ وسط جون تا 16 جولائی بھوپال کے کیس کے سلسلہ میں انگلستان رہے۔ 28 تا 31 جولائی پنجاب باونڈری کمیشن ریڈ کلف ایوارڈ کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کیا۔ اگست تا وسط ستمبر بھوپال میں رہے۔22 ستمبر تا 08 دسمبر قائداعظم کی ہدایت پر اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کی اور فلسطین کے مسئلہ پر عالم اسلام کی تاریخی خدمات انجام دیں۔09 دسمبر وزیراعظم لیاقت خان نے آپ کو وزیراعلیٰ پنجاب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور وزیر خارجہ پاکستان کے عہدوں کی پیشکش کی اور ساتھ ہی کہا کہ قائداعظم آپ کو وزیر خارجہ بنانا چاہتے ہیں۔25 دسمبر کو وزیر خارجہ پاکستان کے عہدے کا حلف اُٹھایا۔04 جنوری 1948ء کو برما کے جشن آزادی میں پاکستانی نمائندے کے طور پر شرکت کی۔1948 تا 1954 وزارت خارجہ کے دوران لیبیا۔اریٹریا۔مالی۔ سینیا۔صومالیہ۔سوڈان۔تونس،مراکش،الجزائر وغیرہ ممالک کی آزادی کے لئے نمایاں جدوجہد کی۔1951ء ترکی،لبنان اور شام کے ممالک کا دورہ کیا۔02 مارچ 1952ء مصر اور عراق کے مالک کا دورہ کر کے واپس کراچی پہنچے۔1952ء مئی میں وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے کہا کہ آپ جماعت احمدیہ کراچی کے جلسہ میں تقریر نہ کریں۔آپ نے کہا میں وعدہ کر چکا ہوں۔آپ کو پسند نہ ہو تو میرا استعفیٰ حاضر ہے۔ 18 مئی کو کراچی میں جماعت احمدیہ کے شعبے میں اسلام زندہ مذہب ہے کے عنوان پر تقریر کی۔1953ء دمشق ایران اور اردن کے ممالک کا دورہ کیا اور سربراہوں سے ملاقات کی۔ 1954ء 20 جنوری کو کراچی سے لاہور آتے ہوئے ریل کے حادثے میں زخمی ہوگئے۔حادثے کے وقت آپ تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے۔1954ء 28 فروری تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی تقسیم انعامات کی تقریب کے مہمان خصوصی بنے۔مئی میں سندطاس کے منصوبہ کے سلسلہ میں عالمی بینک سے کامیاب مذاکرات کئے۔ستمبر سیٹو کانفرنس میں پاکستان کی طرف سے نمائندگی کی۔07 اکتوبر بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج منتخب ہوئے۔جس کے نتیجے میں آپ نے وزیر خارجہ کے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔07 اکتوبر 1954ء تا 05 فروری 1961ء تک بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج رہے۔30 اپریل 1955ء کو حضرت فضل عمرؓ کے سفر یورپ بسلسلہ علاج کے موقعہ پر خدمت کی سعادت حاصل کی۔09 دسمبر کو ہیگ ہالینڈ میں جماعت احمدیہ کے تعمیر کردہ خانہ خدا کا افتتاح کیا۔22 جون 1957ء ہمبرگ جرمنی میں خانہ خدا کا افتتاح کیا۔1957ء بین الاقوامی عدالت انصاف کے نائب صدر منتخب ہوئے۔

18 مارچ کو عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔12 مارچ کو سعودی عرب کے شاہ سعود سے ملاقات ہوئی۔1960ء اکتوبر کو تفسیر صغیر کا انگریزی ترجمہ تقریباً 09 ماہ کی مدت میں مکمل کیا۔آخر میں ہیگ سے کیمرج میں رہائش اختیار کی۔ وزیر خارجہ پاکستان کی طرف سے صومالیہ میں اقوام متحدہ کے نمائندہ کے عہدہ کی پیشکش 1961ء بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج کے انتخاب میں کامیاب نہ ہوسکے۔1961ء تا 1962ء مجلس افتاء کے صدر رہے بعد میں تا وفات اعزازی رکن رہے۔1961ء مارچ حکومت سپین کے ایک تنازعہ کے سلسلہ میں قانونی مشورہ کے

واسطے میڈرڈ گئے۔جولائی میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے کے عہدے کی پیشکش۔ 12 اگست کو نیو یارک میں پاکستان کے مستقل نمائندے کا چارج سنبھال لیا۔ٹرینیڈاڈ کے جشن آزادی میں بطور نمائندہ پاکستان شرکت کی 1962ء 19 ستمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سترھویں اجلاس کے صدر رہوئے۔نومبر امریکی صدر کینیڈی سے ملاقات اور مسئلہ کشمیر پر بات چیت۔ 1963ء صومالیہ، کینیا، ٹانگانیکا ۔یوگینڈا۔سوڈان۔طرابلس۔تونس۔الجزائر۔مراکش وغیرہ ممالک کا دورہ کیا۔جون میں روس کا دورہ کیا اور روسی لیڈر خروشیف سے ملاقات کی اور مسئلہ کشمیر کے حل پر زور دیا۔ 21 جون کو بیعت محمود زیورچ کا افتتاح کیا۔ 05 فروری 1964ء اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کے عہدے سے مستعفی ہوئے۔ 06 فروری 1964ء کو عالمی عدالت انصاف کے دوسری بار جج منتخب ہوئے۔ 1965ء نومبر جزائر فجی اور نیوزی لینڈ کا دورہ کیا۔ 09 نومبر 1965ء کی رات کو جماعت احمدیہ کے تیسرے نومنتخب امام کی عمر خواب میں بتائی گئی۔آپ نے بذریعہ خط حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی بیعت کی 1966ء آپ کو فضل عمر فاونڈیشن کا تاحیات صدر مقرر کیا گیا۔ 1967ء مارچ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا۔ 18 فروری 1970ء کو عالمی عدالت انصاف کے چیف جسٹس منتخب ہوئے۔ 05 فروری 1973ء کو عالمی عدالت انصاف کی صدارت سے سبکدوش ہوئے۔ 02 فروری کو ایک مبشر خواب کی بنا پر تمام دنیاوی اُمور ترک کر کے بقیہ زندگی خدمت دین میں صرف کرنے کی غرض سے ہیگ سے احمدیہ مشن ہاؤس لندن میں منتقل ہو گئے اور 1983ء تک کے عرصہ میں متعدد کتب وتراجم کا کام کیا۔جس میں ایک اہم ترین کام حضرت بانی سلسلہ کی منتخب تحریرات کا تین جلدوں میں انگریزی ترجمہ ہے۔ 1974ء کے پر آشوب دور میں قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے آپ کو بیرون پاکستان کی جماعتوں کا نگران مقرر فرمایا۔ 1978ء لندن میں کسر صلیب کانفرنس میں مقالہ پڑھا اور ایک اجلاس کی صدارت کی۔ 27 دسمبر 1980ء جلسہ سالانہ پر آخری تقریر ''حضرت مصلح موعود کے متعلق میری یادیں'' کے موضوع پر کی 10 جون 1982ء جون قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی وفات پر پاکستان آئے اور نئے امام جماعت کے انتخاب کی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کی۔ نئے امام کے انتخاب کے بعد جماعت احمدیہ کے چوتھے امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے آپ کے ہاتھ کو جماعت کے درمیان واسطہ بنا کر جماعت احمدیہ سے بیعت لی۔ 10 ستمبر مسجد البشارت سپین کی افتتاحی تقریب میں شامل ہوئے۔ 1983ء لندن سے مستقل طور پر لاہور منتقل ہوئے اور وفات تک صاحبِ فراش رہے۔یکم ستمبر 1985ء آپ ایک کامیاب زندگی گزار کر قریباً ساڑھے بانوے سال کی عمر میں صبح پونے نو بجے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گئے۔(ماہ نامہ انصار اللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 10 تا 14)

حضرت مصلح موعودؓ کے رؤیا وکشوف حضور کے اپنے الفاظ میں

1۔اخلاص کی شہادت

''میں نے ایک دن خاص طور پر دعا کی تو دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب آئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

اور میں قادیان سے باہر پرانی سڑک پر اُن سے ملا ہوں اور وہ ملتے ہیں پہلے مجھ سے بغلگیر ہو گئے ۔اس کے بعد نہایت جوش سے انہوں نے میرے کندھوں پر اور سینہ کے اوپر کے حصہ پر بوسے دینے شروع کر دئے اور نہایت رقت کی حالت اُن پر طاری ہے اور بوسے بھی دئے جاتے ہیں اور یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میرے آقا میرا جسم اور روح آپ پر قربان ہوں کیا آپ نے خاص میری ذات سے قربانی چاہی ہے یا کہا کہ خاص میری ذات قربانی چاہی ہے اور میں نے دیکھا کہ ان کے جسم پر اخلاص اور رنج دونوں قسم کا اظہار ہو رہا ہے اور میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ اول تو اس میں چوہدری صاحب کے اخلاص کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ انشاء اللہ جس قربانی کا ان سے مطالبہ کیا گیا خواہ کیسے ہی حالات ہوں وہ اس قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور دوسرے یہ کہ ظفر اللہ خان سے مراد اللہ تعالیٰ کی آنے والے فتح ہے ۔اور ذات سے قربانی کی اپیل ہے اور متی نصر اللہ کی آیت مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کی اپیل کی گئی تو وہ آ گئی اور سینہ اور کندھوں کو بوسہ دینے سے مراد علم اور یقین کی زیادتی اور طاقت کی زیادتی ہے اور آقا کے لفظ سے مراد فتح اور ظفر مومنوں کے غلام ہوتے ہیں ۔اور اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا اور جسم اور روح کی قربانی جسمانی قربانیاں اور دعاؤں سے نصرت ہے جو اللہ اپنے بندوں اور اس کے فرشتوں کی طرف سے ہمیں حاصل ہوں گی ۔''(الفضل 18 نومبر 1934ء)

2-روحانی بیٹا حضور فرماتے ہیں (1936ء ۔1937ء کا ایک خواب)''ایک دو سال ہوئے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوں اور میرے سامنے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور 11 ۔12 سال کی عمر کے معلوم ہوتے ہیں کہنی پر ٹیک لگا کر کھڑا کیا ہوا ہے اور اس پر سر رکھا ہوا ہے ان کے دائیں بائیں عزیزم چوہدری عبد اللہ خان صاحب اور چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ۔ان کی عمریں آٹھ آٹھ نو نو برس کے بچوں کی معلوم ہوتی ہیں تینوں کے منہ میری طرف ہیں اور تینوں مجھ سے باتیں کر رہے ہیں اور بہت محبت سے میری باتیں سن رہے ہیں اور اُس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں میرے بیٹے ہیں اور جس طرح گھر میں فراغت کے وقت ماں باپ اپنے بچوں سے باتیں کرتے ہیں اسی طرح میں ان سے باتیں کرتا ہوں ۔'' (الفضل 22 مئی 1938ء)

چوہدری صاحب کی عظیم قومی خدمات ''میں نے رؤیا میں دیکھا کہ پاکستان کی حکومت نے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی بہت ہی تعریف کی گئی ہے اتنی تعریف ہے کہ اس کو پڑھ کر حیرت آتی ہے اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ چوہدری صاحب نے اپنے اس کام سے پاکستان کی جڑھیں مضبوط کر دیں ہیں اس کو بین الاقوامی صفِ اوّل میں لا کھڑا کیا ہے ۔میں اس وقت سمجھتا ہوں کہ یو این او میں یا برطانوی یا امریکی حلقوں میں چین کے متعلق (روس کے بڑھتے اثر کو روکنے کے لئے) کوئی خدمت ہندوستان کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس فیصلہ کہ نتیجہ میں ہندوستان کو بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی تھی اور پاکستان کی حیثیت گر جاتی تھی لیکن چوہدری صاحب نے معاملہ کی اہمیت کو بھانپ لیا کہ یو این او اور امریکی اور برطانوی حکومتوں پر (یہ تعین یاد نہیں رہی کہ آیا یو این او مراد تھی یا برطانوی یا امریکن حکومتیں اس سے مراد تھیں)واضح کیا کہ پاکستان اس خدمت میں بہت بڑا حصہ لے سکتا ہے اور یہ کہ کم سے کم ایک حصہ اس خدمت کا ایسا ہے جسے صرف پاکستان ہی بجا لا سکتا ہے اور ایسے زور سے معاملہ کو پیش کیا اور اتنے زبردست دلائل دئے کہ حکومتوں کو ان کے دعویٰ کی صداقت تسلیم کرنی پڑی اور بجائے اس کے کہ وہ خدمت کلّی طور پر ہندوستان کے سپرد ہو جاتی اس کا ایک حصہ پاکستان کے بھی سپرد کیا یا جسے کامیاب طور پر کرنے کی صورت میں

پاکستان کو بہت بڑی اہمیت حاصل کرلے گا اور دنیا کی سیاست میں صفِ اوّل پر آجائے گا۔' (الفضل 25 جنوری 1950ء) اس رؤیا کا ایک پہلو 27 نومبر 1954ء کو پورا ہو چکا ہے جب کہ عزت مآب حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب عالمی عدالت کے جج منتخب ہوئے۔ یاد رہے کہ چوہدری صاحب جس نشست سے منتخب ہوئے وہ ہندستان کے سر بینگل نرسنگ راؤ کے انتقال کی وجہ سے خالی ہوئی تھی اور اس کے لئے بھارت نے اپنے نمائندہ مسٹر گوپال کو منتخب کرنے کی زبردست کوشش کی تھی۔لیکن سلامتی کونسل کی خفیہ رائے شماری میں بھارتی نمائندہ کو شکست ہوئی اور حضرت چوہدری صاحب کامیاب ہو گئے۔اس طرح دنیا کے بین الاقوامی ادارہ میں خدا کے ایک عظیم الشان نشان کا ظہور ہوا۔''

پاکستان میں ریل کے خوفناک حادثہ (جھمپیر) کے متعلق حیران کن رؤیا

17 یا 18 نومبر 1953ء کی بات ہے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک جگہ پر ہوں۔میاں بشیر احمد صاحب اور درد صاحب میرے ساتھ ہیں۔کسی شخص نے مجھے ایک لفافہ لاکر دیا اور کہا کہ یہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا ہے۔میں نے اس لفافہ کو کھولے بغیر یہ محسوس کیا کہ اس میں کسی عظیم الشان حادثہ کی خبر ہے جو چوہدری صاحب کو موت کی شکل میں پیش آیا ہے یا کوئی اور بڑا حادثہ ہے۔میں نے درد صاحب کو کہا لفافہ کو جلد کھولو اور اس میں سے کاغذ نکال لو۔درد صاحب نے لفافہ کھولا۔اس میں بہت سے کاغذ نکلتے آتے تھے لیکن اصل بات جس کی خبر دی گئی تھی نظر نہیں آتی تھی۔آخر کار لفافہ میں صرف ایک دو کاغذ رہ گئے لیکن اصل خبر کا پتہ نہ لگا۔میاں بشیر احمد صاحب نے کہا پتہ نہیں چوہدری صاحب کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے وہ ایک اہم خبر لکھتے ہیں لیکن اچھی طرح بیان نہیں کرتے۔میں نے کہا گھبراہٹ میں ایسا ہو جاتا ہے اس پر لفافہ میں جو دو کاغذ باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک کاغذ کو میں نے باہر کھینچا تو وہ ایک فہرست تھی لیکن اصل واقعہ کا اس سے پتہ نہیں لگتا تھا اس فہرست میں ایک نام سے پہلے ملک لکھا تھا اور آخر میں محمد ﷺ لکھا تھا درمیانی لفظ پڑھا نہیں جاتا تھا اس سے اتنا تو پتہ لگتا تھا کہ واقع میں کوئی اہم خبر ہے ۔لیکن اصل واقعہ کا پتہ چلتا تھا۔پھر لفافہ میں سے ایک اور شفاف کاغذ نکلا جو Tracin Paper تھا۔میں اسے دیکھنے لگا اور میں نے کہا یہ خبر ہے جو چوہدری صاحب نے ہم تک پہنچانی چاہی ہے مگر بجائے کوئی واقعہ لکھنے کے اس کاغذ پر ایک لکیر کھینچی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہوائی جہاز ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا ہے۔آگے جا کر وہ لکیر یکدم اُریبوی صورت میں نیچے آجاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جہاز یکدم نیچے آگیا ہے اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ نیچے کچھ جزیرے ہیں۔مجھے نیچے کی طرف عملاً سمندر نظر آتا ہے اس میں ہلکی ہلکی لہریں ہیں۔میں خواب میں کہتا ہوں خدا کرے کہ نہ معلوم چوہدری صاحب کو تیرنا آتا ہے۔خدا کرے اس حادثہ کی خبر معلوم کر کے کسی حکومت نے ہوائی جہاز یا کشتیاں بچانے کے لئے بھیج دی ہوں تاکہ چوہدری صاحب اور دوسرے لوگ بچ جائیں۔''

حضور نے اس رؤیا کی یہ تعبیر فرمائی کہ ''کوئی حادثہ سخت مہلک چوہدری صاحب کو پیش آنے والا ہے اور خدا تعالیٰ انہیں اس سے بچائے گا کیونکہ وہ خود اس حادثہ کے متعلق تبھی خبر دے سکتے ہیں جب وہ محفوظ ہوں۔'' چوہدری صاحب اس وقت نیویارک میں تھے۔حضور نے انہیں اس منذر خواب سے اطلاع دی اور خود بھی کثرت سے دعائیں اور صدقات کا سلسلہ جاری رکھا۔یہاں تک کہ چوہدری صاحب خیریت سے کراچی پہنچ گئے۔وہاں سے پنجاب آئے تو یہ سفر بھی بخیرت گزر گیا لیکن جب کراچی واپس گئے تو ریل گاڑی کو جمپیر کے مقام پر ایک خوفناک حادثہ پیش آیا جس نے ملک بھر میں صفِ ماتم بچھا دی۔مگر حضرت چوہدری صاحب حضور کی رؤیا کے مطابق خارق عادت طور پر محفوظ

رہے۔حضور فرماتے ہیں۔’’جس جگہ یہ واقعہ ہوا چوہدری صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دس دس میل دور تک کوئی پکی سڑک نہیں ہے صرف ریل کی پٹڑی گزرتی ہے اس لئے امداد کے لئے اس جگہ تک موٹر نہیں آسکتی تھی اس طرح وہ جگہ جزیرے کی مانند تھی۔میں سمجھتا ہوں کہ رؤیا میں ہوائی جہاز کا دکھایا جانا اور واقعہ ریل میں اور پھر یہ گاڑی بھی مشرق سے مغرب کو جارہی تھی۔اس طرح دوسری سب باتوں کا ہونا بتاتا ہے کہ یہ ایک تقدیر مبرم تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو سن کر اس حادثہ کو بجائے ہوائی جہاز کے ریل میں بدل دیا۔ہوائی جہاز میں ایسا حادثہ پیش آجائے تو اس سے بچنا مشکل ہوجاتا ہے لیکن یہی حادثہ اگر ریل میں پیش آجائے تو اس سے کسی انسان کا بچ جانا ممکن ہے اور پھر وہ ریل مشرق سے مغرب کو جارہی تھی۔جب میں نے یہ واقعہ پڑھا تو میں نے محسوس کیا کہ میری وہ خواب پوری ہوگئی ہے۔میں نے میاں بشیر احمد صاحب سے اس کا ذکر کیا جن کو میں یہ خواب اسی وقت بتا چکا تھا جب یہ آئی تھی۔انہوں نے بھی کہا کہ واقعہ میں وہ خواب پوری ہوئی ہے لیکن میں نے اخبار میں یہ واقعہ پڑھ کر چوہدری صاحب کو یہ لکھنا پسند نہ کیا کہ میری رؤیا پوری ہوگئی ہے کیونکہ رؤیا میں انہوں نے پہلے اطلاع دی تھی اس لئے میں یہی پسند کیا کہ وہ اطلاع دیں تو میں لکھوں گا۔چنانچہ دوسرے ہی دن چوہدری صاحب کی تار آگئی کہ آپ کی رؤیا پوری ہوگئی بلکہ یہ ایک تقدیر مبرم تھی جو دعاؤں سے بدل گئی۔رؤیا میں خدا تعالیٰ نے مجھے ہوائی جہاز دکھایا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے کہا چلو ان کی بات بھی پوری ہوجائے اور اپنی بات بھی پوری ہوجائے۔واقعہ ہم ریل میں کرا دیتے ہیں۔اس سے ہماری بات بھی پوری ہوجائے گی اور ان کی دعا بھی قبول ہوجائے گی۔پس یہ واقعہ ہمارے لئے زائد یقین اور ایمان کا موجب ہے۔‘‘(المصلح 18 فروری 1954ء)

5۔اللہ کا نور حضور نے یہ رؤیا سفر یورپ 1955ء کے دوران دیکھی۔فرمایا:

’’میں واپسی کے وقت غالباً زیرک میں تھا کہ میں نے خواب دیکھی کہ میں ایک رستہ پر سے گزر رہا ہوں کہ مجھے اپنے سامنے ایک ریوالونگ لائٹ (Revolving Light) یعنی چکر کھانے والی روشنی نظر آئی جیسے ہوائی جہاز کو راستہ دکھانے کے لئے منارہ پر تیز لیمپ لگائے ہوتے ہیں جو گھومتے رہتے ہیں۔میں نے خواب میں خیال کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔پھر میرے سامنے ایک دروازہ ظاہر ہوا جس میں پھاٹک نہیں لگا ہوا بغیر پھاٹک کے کھلا ہے۔میرے دل میں خیال گزرا کہ جو شخص اس دروازے پر کھڑا ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کا نور گھومتا ہوا اسکے اوپر پڑے تو خدا تعالیٰ اس کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔تب میں نے دیکھا کہ میرا لڑکا ناصر احمد اس درواز کے دہلیز پر کھڑا ہوگیا اور وہ چکر کھانے والا نور گھومتا ہوا اس دروازے کی طرف مڑا اور اس میں تیز روشنی نکل کر ناصر احمد کے جسم میں گھس گئی۔پھر میں نے دیکھا کہ ناصر احمد دہلیز سے اتر آیا اور منور احمد نے اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جس وقت مرزا منور احمد اس دہلیز کی طرف بڑھ رہا تھا میں نے دیکھا اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے دایاں ہاتھ دائیں طرف اور بایاں ہاتھ بائیں طرف اور اس کے ساتھ ساتھ پہلو میں عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جا رہے تھے۔مرزا منور احمد بڑھ کر اس دروازے کی دہلیز پر کھڑا ہوگیا اور پھر پہلے کی طرح روشنی چکر کھا کر اسکی طرف آنی شروع ہوگئی اور اس کے جسم پر پڑنے لگی اس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے بھی اس کا ہاتھ پکڑا ہوا ہو تو اس میں سے ہوکر خدا کا نور ان میں بھی داخل ہوجائے۔تب میں نے ذرا سامنہ پھیرا اور دیکھا کہ عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے عزیزم مرزا منور احمد کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔اس پر میں نے دل میں کہا الحمد للہ کہ چوہدری صاحب نے عین موقعہ پر مرزا منور احمد کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔اس میں انشاء اللہ مرزا منور احمد میں

سے ہوتے ہوئے الٰہی نور چوہدری صاحب کے بھی سارے جسم میں گھس گیا ہوگا اور اس پر میری آنکھ کھل گئی۔''(الفضل 8 اکتوبر 1955ء)

6۔خطرہ ٹل گیا ''خواب میں دیکھا کہ میں ایک شہر میں ہوں جس میں ایک بڑی عمارت کے سامنے ایک چوک ہے جس میں بہت سی سڑکیں آکر ملتی ہیں۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ میری طرف آرہا ہے اور میں نے اس کے آنے کو بُرا محسوس کیا۔اس وقت میرے ساتھ کوئی پہرہ دار نہیں۔ میں فوراً پاس والی عمارت کے پھاٹک کی طرف مڑا اور پھاٹک میں سے ہوکر اندر چلا گیا اور اس عمارت کے چاروں طرف لوہے کی چپٹی چپٹی سلاخوں کا کٹہرا ہے جیسا کہ اہم سرکاری عمارتوں میں ہوتا تھا۔ جب اندر گیا تو میں نے دیکھا کہ اس عمارت کے وسطی حصّہ کے سامنے جو مسقّف ہے حضرت (بانی سلسلہ احمدیہ) بیٹھے ہیں۔ آپ نے مہندی لگائی ہوئی ہے اور آپ کے چہرہ کا رنگ اور مہندی کا رنگ خوب روشن ہے جو اب تک میری آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ میرے اندر جانے پر آپ کٹہرے کی طرف آئے گویا یہ دیکھنا چاہتے ہیں باہر کون کون لوگ ہیں ۔میں وسطی حصہ کے گرد چکر لگا کر پیچھے کی طرف چلا گیا اور میں نے دیکھا کہ جہاں حضرت (بانی سلسلہ) کرسی پر بیٹھے تھے اس کی پشت کی عمارت کے پیچھے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کھڑے ہیں۔ جیسے کوئی احترام یا حفاظت کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اتنے میں حضرت (بانی سلسلہ) کٹہرے کے پاس جا کر اور تسلی کر کے واپس آ گئے اور یوں معلوم ہوا جیسے کوئی خطرہ یا تو تھا ہی نہیں یا جاتا رہا۔''(الفضل 4 اکتوبر 1954ء)

قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ کے رؤیا و کشوف
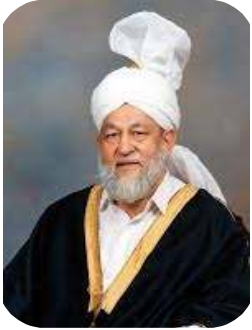
7۔فتح وظفر کا وعدہ 16 نومبر 1984ء کو حضور نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:''تقریباً دو ہفتے پہلے شاید اچانک میں نے ایک نظارہ دیکھا کہ اسلام آباد جو اس وقت انگلستان میں ہمارا یورپین مرکز ہے۔ وہاں میں داخل ہو رہا ہوں اس کمرے میں جہاں ہم نے نماز پڑھی تھی اور سب دوست صفیں بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں اسی طرح انتظار میں تو عین۔ مصلّے کے پیچھے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی اس عمر کے ہیں نظر آرہے ہیں جو 15/ 20 سال پہلے کی تھی اور رومی ٹوپی پہنی ہوئی ہے، وہ جو پرانے زمانہ میں پہنا کرتے تھے اور نہایت ہشاش بشاش عین امام کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نماز کی خاطر اٹھ کر کھڑے ہوئے اور میں ان کی طرف بڑھنے لگا کہ پوچھوں چوہدری صاحب آپ کب آگئے، آپ تو بیمار تھے اچانک کیسے آنا ہوا؟ تو وہ نظارہ جاتا رہا۔ آنکھیں کھلی تھیں اور جو منظر سامنے ویسے تھا وہ سامنے آگیا۔''

8۔کام کا ایک سال 6 ستمبر 1985ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا: ان کے ساتھ مجھے خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تعلق عطا ہوا تھا۔

جب خلافت کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے پہلا کشف دکھایا ہے تو تعجب کی بات نہیں کہ پہلے کشف میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہی دکھائے گئے اور وہ بھی ایک عجیب کشف تھا میں حیران رہ گیا کیونکہ اس قسم کی باتوں کی طرف انسان کا ذہن عموماً جا ہی نہیں سکتا۔ ایک دن یا دو دن خلافت کو گزرے تھے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کو خلیفہ بننے کے بعد کوئی الہام کوئی کشف وغیرہ ہوا ہے میں نے کہا مجھے ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا بس میں گزر رہا ہوں جس طرح بھی خدا تعالیٰ سلوک فرما رہا ہے، ٹھیک ہے۔ تو اس کے چند دن کے بعد ہی میں نے صبح کی نماز کے بعد کشفاً بڑے واضح طور پر ایک نظارہ دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں اور میں وہ باتیں سن رہا ہوں اور فاصلہ بھی ہے۔ مجھے یہ علم ہے کہ لیٹے لندن میں ہوئے ہیں لیکن جس طرح فلموں میں دکھا دیا جاتا ہے قرب کہ ٹیلیفون کہیں دور سے ہو رہے ہیں

اور سن رہا ہے گویا کہ اس قسم کے مزے کیمرہ ٹرک سے ہو جاتے ہیں۔تو کشفاً یہ دیکھ رہا تھا کہ چوہدری صاحب اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کچھ باتیں کر رہے ہیں اور میں سن بھی رہا ہوں اور اس کے ساتھ ایک ذہنی تبصرہ بھی ہو رہا ہے لیکن گویا میری آواز وہاں نہیں پہنچ رہی۔اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب سے یہ پوچھا کہ آپ کا کتنا کام باقی رہ گیا ہے تو چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ کام تو چار سال کا ہے لیکن اگر آپ ایک سال بھی عطا فرما دیں تو کافی ہے۔یہ سن کر مجھے بہت سخت دھکا سا لگا اور میں چوہدری صاحب کو یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ چار سال مانگیں خدا تعالیٰ سے یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ایک سال بھی عطا ہو جائے تو کافی ہے۔مانگ رہے ہیں خدا سے اور کام چار سال کا بیان کر رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ایک سال ہی کافی ہے۔مجھے اس سے بے چینی پیدا ہوئی لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس نظارے میں میں اپنی بات پہنچا نہیں سکتا تھا صرف سن رہا تھا کہ یہ گفتگو ہو رہی ہے۔وہ میں نے پھر دوسرے دن ہی چوہدری حمید نصر اللہ صاحب اور ان کی بیگم کو لکھ کے بھیج دیا اور مجھے اس سے تشویش پیدا ہوئی کہ ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ لمبی زندگی نسبتاً دے دے لیکن کام کا صرف ایک سال ہی ملے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔1983ء میں آپ پر شدید بیماری کا حملہ ہوا اور اس وقت تک جو وہ کام کر سکے ہیں عملاً اس کے بعد پھر رفتہ رفتہ ان کو کام سے بالکل الگ ہونا پڑا یعنی بھرپور کام صرف ایک سال توفیق ملی ہے۔پھر آپ کو بیماری کی وجہ سے پاکستان جانا پڑا اور اس کے بعد پھر طبیعت گرتی چلی گئی ہے کمزور ہوتی چلی گئی ہے، پھر آخر پر صرف مطالعہ پر آ گئے تھے۔

9۔زندگی کا وعدہ اس کشف کے دو سال کے بعد دوبارہ ہوا ہے یعنی 82ء میں جب میں کراچی تھا تو فروری میں یہ مجھے اطلاع ملی کہ ابھی لاہور سے فون آیا ہے کہ اب تو کوئی بچنے کی صورت بظاہر نہیں رہی۔اس وقت مجھے یہ یقین دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا دعا بھی میں نے کی لیکن پھر رات رویاء میں خدا تعالیٰ نے دکھایا کہ ایک خط آیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چوہدری صاحب کی اس بیماری کے متعلق میں پڑھ رہا ہوں اور صرف ایک فقرہ ہے جس پر نظر جمی ہوئی ہے اور اس فقرے کا مفہوم یہ ہے کہ میں زندہ بھی کرتا ہوں اور بوجھ بھی اتار دیتا ہوں، مہیا بھی کر دیتا ہوں۔یعنی یُحْیِیْ کا مضمون تھا۔دونوں معنوں میں دوسری 'ہ' کے ساتھ بھی کہ میں مہیا بھی کرتا ہوں اور زندہ بھی کرتا ہوں۔تو مجھے یہ خیال آیا کہ چوہدری صاحب کو ایک فکر دامن گیر ہے خدا تعالیٰ نے ساتھ اس کی بھی خوشخبری دے دی ہے اور یہ فکر تھی کہ انہوں نے جو صد سالہ جوبلی کے لئے چندہ لکھوایا تھا اس میں سے دو لاکھ پاؤنڈ ابھی ان پر قرض تھا، واجب الادا تھا۔ان کا جو سرمایہ تھا وہ ایک ظالم نے قبضہ میں لے لیا اور بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ اب اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔اس کا یہ کہنا تھا کہ نقصان ہو چکا ہے میں ادا نہیں کر سکتا۔بعض لوگوں کو بدظنی تھی کہ بہانہ بنایا گیا ہے چوہدری صاحب کی سادگی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور کافی بڑی رقم اس کے پاس ضائع ہونے کا خطرہ تھا اور چوہدری صاحب توقع رکھ رہے تھے کہ وہاں سے پیسہ ملے تو میں یہ چندہ ادا کروں۔چنانچہ جب میری آخری ملاقات ہوئی ہے اس وقت بھی اس کا طبیعت پر بہت بوجھ تھا۔جب میں کراچی جانے لگا ہوں اس وقت بھی مجھ سے ذکر کیا علیحدگی میں کہ اس کے لئے دعا کریں کہ میری طبیعت پہ بہت ہی بڑا بوجھ ہے۔تو اس رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مضمون بتایا اس سے مجھے یہ بھی یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک تو یہ کہ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں مارے گا اور جب تک وہ بوجھ نہیں اترتا اس وقت تک خدا تعالیٰ ضرور زندہ رکھے گا۔چنانچہ خدا تعالیٰ نے غیر معمولی زندگی عطا فرمائی۔پھر کئی خطرات پیدا ہوئے۔کئی بحران آئے اور ڈاکٹروں کی نظر میں تو وہ ہر دفعہ یہی کہہ دیتے رہے کہ بس اب بچنے کی امید نہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچاتا

رہا۔ پھر میرا یہاں آنا ہوا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ پھنسی ہوئی رقم جس کے متعلق سب اس کو write off کر چکے تھے کہتے تھے اس کے نکلنے کی کوئی امید نہیں اس سلسلے میں کچھ کوشش کی توفیق عطا ہوئی اور ہمارے ماموں زاد بھائی ہیں رفیع الدین ایڈووکیٹ ان کو بھی خدا تعالیٰ نے کراچی سے یہاں بھجوا دیا اور بڑے قابل وکیل ہیں اور ان باتوں میں بڑے ماہر گفت وشنید کا فن بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کمپنی کے ذریعے جب وہ گفت وشنید ہوئی تو قانونی طور انہوں نے اس طرح ان کو قابو کر لیا کہ دو لاکھ سے کچھ زائد رقم ان سے مل گئی اور یہی وہ دو لاکھ تھا جو ان کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ چنانچہ چند مہینے پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ الحمدللہ نہ صرف یہ کہ رقم ہمیں مل جائے گی کی بات نہیں وہ عمارت جو دو لاکھ سے زائد کی ہے وہ اب خدا کے فضل سے ہمارے قبضہ میں آ گئی ہے۔ اس خوشخبری میں یہ دونوں باتیں اکٹھی بیان ہوئی تھیں۔ تو پہلا دھڑکا تو مجھے اس بات کا خفیف سا ہوا کہ یہ کام تو ہو گیا ہے اب لیکن بہر حال خدا پھر بھی زندگی دیتا رہا اور جب تک چوتھے سال میں داخل نہیں ہوئے اس وقت تک خدا نے نہیں بلایا۔ چار سال مکمل تو نہیں ہوئے لیکن ان چار سال میں داخل ہو کر تیسرے مہینے میں تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو واپس بلا لیا۔ آپ کی زندگی اپنے اندر کئی قسم کے نشان رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ سلوک تھے جو براہ راست ان پر ہمیشہ نازل ہوتے رہے کچھ خدا نے دوسروں کو بھی دکھایا، مجھے بھی دکھایا کہ میں اس شخص سے پیار کرتا ہوں۔

حضرت چوہدری صاحب کی والدہ محترمہ کی رؤیا

10۔ چیف جسٹس ظفراللہ خان حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں ''1934ء کے وسط میں میری والدہ نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ جس کمرے میں ہیں اس کی کھڑکی میں سے بہت تیز روشنی آ رہی ہے دیکھتے دیکھتے ایک قبہ نور کھڑکی کے باہر دائیں طرف سے بائیں طرف کو آہستہ آہستہ حرکت کرتا نظر آیا جب کھڑکی کے وسط میں پہنچا تو بڑی پر شوکت آواز میں یہ الفاظ سنائی دئے۔ ''ہووئے گا چیف جسٹس ظفراللہ خان نصراللہ خان دا بیٹا۔'' جب یہ قبہ نور کھڑکی کی بائیں حد تک پہنچ گیا تو اس کی حرکت پھر دائیں طرف شروع ہو گئی اور کھڑی کے وسط میں پہنچنے پر پھر ویسی ہی پُرشوکت آواز میں دوسری بار وہی الفاظ سنائی دئے۔ ''ہوئے گا چیف جسٹس ظفراللہ خان نصراللہ خان دا بیٹا۔'' (میری والدہ صفحہ 92)

11۔ خیر ہے۔ حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں

'' یکم جنوری 1932ء کو میں قریباً گیارہ بجے قبل موٹر میں لاہور سے دلی کی جانب روانہ ہوا۔ دو بجنے میں بیس منٹ پر کرتار پور اور جالندھر کے درمیان موٹر کی ٹکر ایک چھکڑے کے ساتھ ہو گئی اور میرے چہرے پر شدید چوٹیں آئیں اسی حالت میں مجھے جالندھر کے ہسپتال میں لے جایا گیا۔ شام کے وقت ٹیلیفون پر لاہور اطلاع کی گئی والدہ صاحبہ اسی وقت روانہ ہو کر 11 بجے کے قریب جالندھر پہنچ گئیں۔ میری حالت کے متعلق تفاصیل معلوم کرنے کے بعد فرمایا کل جو میں اس قدر افسردہ تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے پرسوں رات کو ایک خواب دیکھا تھا جس کا میری طبیعت پر اثر تھا کہ سیاہ بادل اٹھا ہے جس سے بالکل اندھیرا ہو گیا ہے۔ پھر بجلی گری اور ساتھ ہی مطلع صاف ہو گیا ہے لوگ کہتے ہیں کہ خیر گزر گئی نقصان نہیں ہوا البتہ ساتھ کے مکان والوں کا نقصان ہوا ہے میں نے دیکھا ہے کہ تمہارے کمرے کے باہر کی دیوار پر جہاں بجلی گری تھی ایک سیاہ لکیر سی رہ گئی ہے اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔ میں نے اس خواب دیکھنے کے بعد صدقہ دیا۔ لیکن طبیعت میں اطمینان نہیں تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے تمہاری جان بخش دی۔'' (میری والدہ صفحہ 68۔69)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا وکشوف

12۔پاکیزہ زندگی جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بیرسٹری کی تعلیم کے لئے لنڈن گئے۔سفر پر روانگی سے پہلے آپ حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے عرض کیا۔حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ لندن جا رہے ہیں۔لندن شہر دنیا کی زیب وزینت کے اعتبار سے مصر سے بھی بڑھ کر ہے۔آپ ہر صبح سورہ یوسف کی تلاوت کرتے رہنا۔اور ہر شہر میں شرفاء کا طبقہ ہوتا ہے اپنے ہم جلیس شریف لوگوں کو بنانا۔حضور کی ان نصائح پر عمل کرتے ہوئے جناب چوہدری صاحب نے لندن میں تعلیم کا زمانہ گذارا اور قریباً ہر روز سورہ یوسف کی تلاوت کرتے رہے۔ان دنوں خواجہ کمال الدین صاحب ووکنگ مسجد میں تھے۔انہوں نے حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب رضی اللہ عنہ والد ماجد جناب چوہدری صاحب کی خدمت میں لندن سے خط لکھا کہ لندن شہر اس وقت زیب وزینت اور دلکشی میں مصر سے بڑھا ہوا ہے لیکن چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح تقویٰ اور طہارت کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔(حیات قدسی حصہ پنجم صفحہ 100) **13۔میرا یوسف** جب جناب چوہدری صاحب ہندوستان کے مرکزی حکومت کے رکن کی حیثیت میں دہلی میں مقیم تھے تو میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحبؓ آپ کے کوٹھی کے برآمدہ میں کھڑے ہو کر قرآن کریم سے سورہ یوسف تلاوت فرما رہے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں کہ میرا یوسف۔میرا یوسف۔اور اشارہ اپنے صاحبزادہ یعنی چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرف کرتے ہیں۔اس رؤیا سے میں نے جناب چوہدری صاحب کو اطلاع دے دی تھی۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

14۔اعلیٰ اعزازات مجھے کئی دفعہ آپ کی نسبت بشارات ملی ہیں۔جب آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہوئے تو اس سے پہلے مجھے بتایا گیا کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے۔اسی طرح آپ کے فیڈرل کورٹ کے جج بننے سے پہلے بھی میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر پر ایک ایسی کلاہ رکھی گئی ہے جس کے کئی گوشے ہیں اور سب اطراف سے تعلق رکھتے ہیں۔اس رؤیا کا تعلق آپ کے بعد کے رفیع المنزلت عہدوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح جب آپ دہلی میں قیام فرما تھے تو میں نے آپ کی کوٹھی میں خواب دیکھا کہ آپ کے والد ماجد حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ برآمدہ میں کھڑے ہیں اور ہاتھ میں قرآن کریم لے کر سورہ یوسف تلاوت کر رہے ہیں اور بار بار یہ فقرہ دوہراتے ہیں ''میرا یوسف۔میرا یوسف''۔اس خواب سے میں نے جناب چوہدری صاحب کو اطلاع دے دی تھی۔اور مجھے یقین تھا کہ آپ وزارت کے عہدہ پر ضرور فائز ہوں گے۔فالحمدللہ علیٰ نعمہٖ (حیات قدسی جلد 4 صفحہ 15)

عالمی عدالت انصاف کا جج بننے کی بشارت ''یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب عالمی عدالت میں ججی کی ایک اسامی خالی ہوئی تو جناب چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی اس کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوئے۔اس تعلق میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے بعض صحابہ کو جس میں خاکسار حقیر خادم بھی شامل تھا۔بوساطت سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی دعا اور استخارہ

کرنے کا ارشاد موصول ہوا۔ خاکسار بھی اس بارہ میں متواتر دعا اور استخارہ کرتا رہا۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے الہاماً فرمایا گیا:۔
فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ الْمَلِکِ الْمَلِیْکِ الْمُقْتَدِرِ یہ الہام اپنے مفہوم کے لحاظ سے کامیابی کی بشارت دیتا تھا اور اس سے یہ اشارہ پایا جاتا تھا کہ آپ کی یہ کامیابی دینی و دنیوی اعتبار سے بہت بڑی عظمت اور شان رکھے گی لفظ ''صدق'' سے کامیابی یقینی طور پر ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ''الملک'' کے لفظ سے دنیوی بادشاہت کی نسبت سے اعزاز اور ''الملیک المقتدر'' کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدوس اور ذوالاقتدار ہستی کی نصرت اور برکت کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ چنانچہ محترم چوہدری صاحب ممدوح اس بشارت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے مقدسوں کی برکت سے عالمی عدالت کے جج کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اور آپ کو دنیوی اعزاز و مرتبہ کے علاوہ اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد خاص طور پر دینی خدمات سرانجام دینے کی بھی توفیق ملی۔ ''(حیات قدسی جلد 4 صفحہ 158)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے بارے میں۔
حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات

افغانستان میں احمدیوں کے قتل کے واقعات کے سلسلے میں ایک بار جب حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب کے قاتل کی اطلاع پہنچی تو حضرت فضل عمر نے کابل میں احمدیت کا نام پھیلانے ذکر کیا۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ازخود یہ پیشکش کی کہ میں کابل جا کر احمدیت پھیلانے اور اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔
حضور اجازت دیں حضرت فضل عمر نے احباب جماعت کے نام رقم فرمودہ خط مورخہ 11 ستمبر 1924ء میں اس کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا: ''میں نہائت خوشی سے اعلان کرتا ہوں کہ بغیر کسی تجویز کے علم کے چوہدری ظفر اللہؐ خان صاحب نے اپنے نام کو اس کے لئے پیش کیا اور لکھا ہے کہ میں صرف نام دینے کے لئے ایسا نہیں کرتا بلکہ پورا غور کرنے کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا چاہئے''۔ (الفضل 4 اکتوبر 1924ء) حضرت فضل عمر نے مجلس مشاورت 1927ء میں امیر جماعت لاہور کی حیثیت سے حضرت چوہدری صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس کا امیر بھی ایک ایسا شخص ہے جس سے مجھے تین وجہ سے محبت ہے ایک تو ان کے والد کی وجہ سے جو نہائت مخلص احمدی تھے۔ میں نے دیکھا ہے انہوں نے دین کی محبت میں اپنی انانیت اور ''میں'' کو بالکل ذبح کر دیا تھا۔ اور ان کا اپنا قطعاً کچھ نہ رہا تھا سوائے اس کے کہ خدا راضی ہوجائے ایسے مخلص انسان کی اولاد سے مجھے خاص محبت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں ذاتی طور پر بھی اخلاص ہے آثار اور قرائن سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین کی خاطر ہر وقت قربانی کے لئے تیار رکھتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں علم عقل اور ہوشیاری دی ہے اور وہ زیادہ ترقی کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ (رپورٹ مجلس مشاورت 1927ء صفحہ 14،15) جلسہ سالانہ کے موقع پر مکانیت کی تنگی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت فضل عمر نے فرمایا: ''ہمارے گھر میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اترا کرتے ہیں وہ اچھے امیر آدمی ہیں دو تین ہزار ماہوار آمد فی رکھتے ہیں۔ مگر ان کے خاندان کے دس بارہ آدمی ایک ہی چھوٹی سی کوٹھڑی میں گذارہ کر لیتے ہیں''۔ (الفضل 25 دسمبر 1923ء) حضرت فضل عمر نے ایک بار فرمایا: ''بعض لوگ مالی لحاظ سے غریب ہوتے ہیں اور بعض دل کے غریب

ہوتے ہیں اور دل کے غریب دہ ہوتے ہیں جو کہ محسوس نہ کریں میں نے بیسیوں تحریکیں اپنی خلافت کے زمانہ میں کی ہیں مگر کئی اُمرا اور علماء ہماری جماعت کے ایسے ہیں کہ انہوں نے ان میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے اس لئے جو اُمراء دینی تحریکات میں حصہ لیتے میں ان کو بھی میں غرباء میں ہی شامل کرتا ہوں کیونکہ وہ دل کے غریب ہیں تحدیث نعمت کے طور پر میں چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم کی اکثر اولاد بالخصوص چوہدری ظفر اللہ خان صاب کا ذکر کرنا ہوتا ہوں۔ میں نے آج تک کوئی تحریک ایسی نہیں کی جس میں انہوں نے حصہ نہ لیا ہو۔خواہ وہ تحریک علمی تھی یا جسمانی یا مالی یا سلوک کی خدمت تھی۔انہوں نے فوراً اپنا نام اس میں پیش کیا اور پھر خلوص کے ساتھ اسے نباہا محب میں نے ریز رو فنڈ کی تحریک کی تھی تو کئی لوگوں نے اپنے نام دیئے۔مگر ان میں سے صرف چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہی ہیں جنھوں نے اسے پوری طرح نبھایا اور ہزاروں روپے جمع کر کے دیا۔حالانکہ اس وقت ان کی پوزیشن ایسی نہ تھی۔جیسی اب ہے کوئی خیال کرے کہ اپنے اثر سے روپیہ جمع کرلیا ہوگا''۔(الفضل 3دسمبر 1934ء)حضور نے جلسہ سالانہ 1946ء پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا مولوی محمد علی صاحب (سربراہ غیر مبایعین) مطالبہ مباہلہ کے متعلق بہت پراپیگنڈہ کر رہے ہیں میں شرائط مباہلہ کے طے کرنے کے لئے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو اپنا نمائندہ مقرر کرتا ہوں ممکن ہے اس طریق سے جلد کوئی فیصلہ کی راہ نکل آئے''۔(الفضل 3مئی 1947ء) یہاں کی جماعت اپنی جدوجہد اور قربانی کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کچھ اس میں اس بات کا بھی دخل ہے کہ اللہ تعال اپنے فضل سے بعض خاندانوں کو دین کی خدمت کا موقع عطا فرما دیا ہے اور ان کی وجہ سے جماعت ترقی کرتی جاتی ہے سترہ اٹھارہ سال کی بات ہے میں نے رویاء میں دیکھا کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوں اور میرے سامنے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور گیارہ بارہ سال کی عمر کے معلوم ہوتے ہیں ان کے دائیں بائیں چوہدری عبداللہ خاں صاحب اور چوہدری اسداللہ خان صاحب بیٹھے ہیں اور ان کی عمریں بھی آٹھ آٹھ نو نو سال کے بچوں کی سی معلوم ہوتی ہیں۔تینوں کے منہ میری طرف ہیں اور تینوں مجھ سے باتیں کر رہے ہیں اور بڑی محبت سے میری باتیں سن رہے ہیں۔اس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں میرے بیٹے ہیں اسی طرح میں ان سے باتیں کر رہا ہوں۔۔۔۔چنانچہ اس رویائکے بعد اللہ تعالی نے چوہدری ظفر اللہ خان صاب کو جماعت کا کام کرنے کا بڑا موقع دیا اور لاہور کی جماعت نے ان کی وجہ سے خوب ترقی کی۔اس کے بعد چوہدری عبداللہ خان صاحب کو اللہ تعالی نے کراچی میں کام کرنے کی توفیق دی اور چوہدری اسداللہ خان صاحب آج کل لاہور جماعت کے امیر ہیں۔(الفضل 6اپریل 1960ء)

1955ء میں حضرت فضل عمر علاج کے لئے یورپ تشریف لے گئے اسی سفر کے دوران حضرت چوہدری صاحب کی خدمت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب کے نام خط میں حضرت فضل عمر نے تحریر فرمایا:''چوہدری صاحب ساری رات مجھے کمبلوں سے ڈھانکتے رہے۔۔۔۔میں نے چوہدری صاحب کی طرف دیکھا تو ان کا چہرہ مجھے نڈھال نظر آیا''۔(الفضل(10مئی 1955ء) حضرت فضل عمرؓ نے اپنی تار میں کئی بار چوہدری صاحب کے سلسلہ میں فرمایا:''(چوہدری صاحب) روم تک ہمارے ساتھ آئے۔۔۔ان کا ساتھ خدا کے فضل سے ایک نعمت ثابت ہوا''۔(الفضل 11،12،15،18،19مئی و10جون 1955ء)

حضرت مصلح موعودؓ نے 22مئی 1955ءکو زیورچ سے جو پیغام جماعت کے نام ارسال فرمایا اس میں حضور نے حضرت چوہدری صاحب کے متعلق تحریر فرمایا:''سالہا سال کی بات ہے میں نے خواب دیکھی تھی اور وہ اخبار میں کئی بار چھپ بھی چکی ہے میں نے دیکھا کہ میں کرسی پر بیٹھا

ہوں اور سامنے بڑا قالین ہے اور اس قالین پر عزیزم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور عزیزم چوہدری عبداللہ خان صاحب اور عزیزم چوہدری اسداللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور میں دل میں کہتا ہوں کہ یہ تینوں میرے بیٹے ہیں۔عزیزم چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے ساری عمر دین کی خدمت میں نکالی ہے اوراس طرح میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا۔میری بیماری کے موقع پرتو اللہ تعالی نے صرف ان کو اپنے بیٹا ہونے کوثابت کرنے کا موقع دیا بلکہ میرے لئے فرشتہ رحمت بنا دیا وہ میری محبت میں یورپ سے چل کر کراچی آئے اور میرے ساتھ چلنے اور میری صحت کا خیال رکھنے کے ارادے سے آئے چنانچہ ان کی وجہ سے سفر بہت اچھی طرح کٹا اور بہت سی باتوں میں آرام رہا۔آخر کوئی انسان پندرہ بیس سال پہلے تین نوجوانوں کے متعلق اپنے پاس سے کس طرح ایسی خبر دے سکتا تھا۔دنیا کا کونسا ایسا مذہبی انسان ہے جس کے ساتھ محض مذہبی تعلق کی وجہ سے کسی شخص نے جو اتنی بڑی پوزیشن رکھتا ہو جو چوہدری ظفراللہ خان صاحب رکھتے ہیں اس اخلاص کا ثبوت دیا ہو۔کیا یہ نشان نہیں؟ مخالف مولوی اور پیر گالیاں تو مجھے دیتے ہیں مگر کیا وہ اس قسم کے نشان کی مثال بھی پیش کر سکتے ہیں کیا مخالف اور پیر نے 20 سال پہلے کسی ایسے مولوی اور پیر کی خدمت کا موقع خدا تعالی نے کسی ایسے شخص کو دیا جو چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی پوزیشن رکھتا تھا اللہ تعالی ان کی خدمت کو بغیر معاوضہ کے نہیں چھوڑے گا اوران کی محبت کو قبول کرے گا اور اس دنیا اور اگلی دنیا میں اس کا ایسا معاوضہ دے گا کہ پچھلے ہزار سال کے بڑے آدمی اس پہ رشک کریں گے کیونکہ وہ خدا شکور ہے اور کسی کا احسان نہیں اُٹھاتا۔اس نے ایک عاجز بندہ کی محبت کا اظہار کیا اور اس کا بوجھ خود اُٹھانے کا وعدہ کیاں۔اب یقیناً جو اس کی خدمت کرے گا خدا تعالیٰ خدمت قبول کرے گا۔خدا تعالیٰ اس کی خدمت کو قبول کرے گا اور دین و دنیا میں اس کو ترقی دے گا وہ صادق الوعد ہے اور رحمان و رحیم ہے۔“1965ء میں خلافت ثانیہ کے خلاف بعض لوگوں نے فتنہ بپا کرنے کی کوشش کی اوراسی دوران حضرت فضل عمر اور چوہدری صاحب کے اختلاف کی خبریں بڑے تواتر کے ساتھ شائع کروائی گئیں جس کے جواب سے حضور نے اس بارہ میں تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم برادران! السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

فتنہ پرداز لوگ عزیزم ظفر اللہ خان صاحب پران کے خاندان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کررہے ہیں مگر چوہدری صاحب کو خصوصاً اوران کے خاندان کی عموماً خدمات ایسی شاندار ہیں کہ مجھے یا کسی اور کو اس بارے میں لکھنے کی ضرورت نہ تھی لیکن ہر احمدی چونکہ نہ چوہدری صاب سے واقف ہے نہ ان کے خاندان سے اور چونکہ ایک مخلص دوست نے کراچی سے لکھا ہے کہ چوہدری صاحب کے بارے میں جلدی اعلان ہونا چاہیئے تھا دیر ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے دلوں میں شبہات پیدا ہورہے ہیں اس لئے میں عزیزم چوہدری صاحب کا خط بادلِ نخواستہ الفضل میں شائع کرتا ہوں۔بادل نخواستہ اس لئے کہ چوہدری صاحب اور ان کے والد مرحوم کی قربانیاں خلافت کے بارہ میں ایسی ہیں کہ ان کی برائت کا اعلان خواہ ان ہی کے قلم سے ہو مجھ پر گراں گزرتا تھا لیکن دشمن چونکہ اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آیا ہے اور جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں۔اس لئے میں چوہدری صاحب کا خط الفضل میں شائع کرواتا ہوں۔جن لوگوں کے دلوں میں منافقوں کے جھوٹے پراپیگنڈے کی وجہ سے چوہدری صاحب کے بارے میں کوئی شک یا تردد پیدا ہوا تھا۔وہ استغفار کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔چوہدری صاحب کا یہ شکوہ بجا ہے کہ کیوں نہ میں نے عہد وفاداری کے طلب کرتے ہی خود اپنی طرف سے لکھ دیا کہ میں چوہدری صاحب کے پوچھے بغیر ہی ان کی

وفاداری کا اعلان کرتا ہوں۔بے شک ان کا حق یہی تھا میں ان کی طرف سے ایسا اعلان کردیا تا لیکن منافق اس پر پروپیگنڈہ کرتا کہ چوہدری صاحب اتنی دور بیٹھے ہیں پھر بھی یہ شخص جھوٹ بول کر ان کے منہ میں الفاظ ڈال رہا ہے اور ہم لوگ اس جھوٹ کا جواب دینے کی مشکل میں مبتلا ہوجاتے۔چوہدری صاحب دور بیٹھے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اس وقت جس دشمن سے ہمارا واسطہ پڑا ہے وہ کتنا جھوٹا ہے ہزاروں آدمیوں کی طرف سے وفاداری کا اعلان ہورہا ہے مگر ''نوائے پاکستان'' یہی لکھے جارہا ہے کہ ہمیں معتبر ذرائع سے خبر ملی ہے کہ مرزا محمود کی جماعت زیادہ سے زیادہ متحد ہوتی جارہی ہے کہ ان کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پیش کرے۔پس چوہدری صاحب کا اپنا خط چھپنا ہی مناسب تھا اس خط سے جتنے دشمن کے دانت کھٹے ہونگے میرے اعلان سے اتنے کھٹے نہ ہوتے بلکہ وہ شور مچاتا کہ اپنے پاس سے بنا کر جھوٹے کے اعلان کر رہے ہیں۔خاکسار(مرزا محمود احمد)(الفضل26اگست1956ء)

حضور کو ستمبر 1965ء میں ذیل کے رویاء سے اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب کے جذبہ احترام وحفاظت احمدیت سے مطلع فرمایا حضور نے بیان فرمایا:خواب میں دیکھا کہ میں ایک شہر میں ہوں جس میں ایک بری عمارت کے سامنے ایک چوک ہے جس میں بہت سی سڑکیں آکر ملتی ہیں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ میری طرف آرہا ہے اور میں نے اس کے آنے کو بُرا محسوس کیا اس وقت میرے ساتھ کوئی پہرہ دار نہیں میں فوراً پاس والی عمارت کے پھاٹک کی طرف مڑا اور پھاٹک میں سے ہوکر اندر چلا گیا اس عمارت کے چاروں طرف لوہے کی مضبوط چپٹی چپٹی سلاخوں کا کٹہرہ ہے جیسا کہ اہم سرکاری عمارتوں میں ہوتا ہے جب میں اندر آ گیا تو میں نے دیکھا کہ اس عمارت کے وسطی حصہ کے سامنے جو مسقّف ہے(حضرت بانی سلسلہ۔ناقل)بیٹھے ہیں آپ نے مہندی لگائی ہوئی ہے اور آپ کا چہرہ کا رنگ اور مہندی کا رنگ خوب روشن ہے جواب تک میری آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے میرے اندر جانے پر آپ کمرے کی طرف آئے گویا یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ باہر کون کون لوگ ہیں۔میں وسطی حصہ کے گرد چکر لگا کر پیچھے کی طرف چلا گیا اور میں نے دیکھا کہ جہاں(حضرت بانی سلسلہ۔ناقل)کرسی پر بیٹھتے تھے اس کی پشت کی عمارت کے پیچھے چوہدری ظفر اللہ خان کھڑے ہیں جیسے کوئی احترام یا حفاظت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اتنے میں(حضرت بانی سلسلہ۔ناقل) کٹہرے کے پاس جا کر تسلی کر کے واپس آ گئے اور یوں معلوم ہوا جیسے کوئی خطرہ یا تو تھا ہی نہیں یا جاتا رہا۔(الفضل2اکتوبر1965ء)حضرت فضل عمر فرماتے ہیں:۔کسی زمانہ میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب لاہور کی جماعت کے۔امیر تھے اور میں جب کبھی یہاں آتا تھا تو انہی کے گھر ٹھہرتا تھا۔مجھے یاد ہے کہ ان دنوں جب بھی میں یہاں آتا تھا۔ ملنے والوں کا برابر تانتا بندھا رہتا تھا۔لوگ میری باتیں سننے کے لئے آجاتے تھے اور یہ بہرحال چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سنجیدگی کا اثر تھا کہ لوگ ان کی باتیں سنتے تھے اور جب کبھی میں یہاں آتا تھا تو ان کے دوستوں کو خیال آتا تھا کہ وہ مجھ سے مل لیں۔(الفضل28جنوری1965ء)

کلمۃ اللہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی وفات پر ان کا ذکر خیر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی وفات پر آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر خصوصاً خطبہ جمعہ میں فرمایا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ نے اس خطبہ جمعہ میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب کی سیرت وسوانح کا کئی پہلوؤں سے جائزہ لیا اور اور آپ کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔احباب کے لئے حضور کا یہ خطبہ جمعہ پیش خدمت ہے۔(مرتبہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى (الکھف:108۔111)

اور پھر فرمایا: قرآن کریم کی جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں یہ سورۃ کہف سے لی گئی ہیں اور سورۃ کہف کی آخری چند آیات ہیں۔ ان آیات میں جو تین آیات ہیں ان میں بظاہر ایک مضمون کا دوسرے سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ سرسری نظر سے دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ہر آیت میں ایک مختلف بات کی گئی ہے۔ حالانکہ ایک مسلسل مضمون ہے اور بڑا گہرا رابطہ رکھتا ہے۔ پہلی آیت میں مومنوں کا ذکر ہے وہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنات فردوس بطور مہمانی کے عطا ہوں گی۔ وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ان میں رہیں گے اور کبھی بھی ان سے الگ نہیں ہوں گے۔ یعنی اس کا معنی محض جسمانی طور پر الگ ہونا نہیں بلکہ کبھی ان سے اکتائیں گے نہیں، کبھی ان جنتوں سے ان کا پیٹ نہیں بھرے گا، ان کی نظر نہیں بھرے گی اور ہمیشہ ان میں ان کے لئے لذتوں کے سامان رہیں گے، ان جنتوں سے وہ چمٹے رہیں گے، نہ نکالے جائیں گے نہ خود نکلنا چاہیں گے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ اعلان کردے کہ اگر میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جاتے تو سمندر تو خشک ہو جاتے لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے تھے خواہ ہم ان ختم ہوئے سمندروں کی مدد کے لئے ویسے ہی اور سمندر لے آتے۔ یہ ایک اور مضمون ہے۔ اور ایک تیسرا مضمون یہ ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی اعلان کردے کہ میں بھی تو تمہارے ہی جیسا ایک بشر تھا، یعنی بشر ہوں بھی اس کا معنی ہے لیکن مضمون کے ایک پہلو کے لحاظ سے یہ ترجمہ زیادہ درست بنتا ہے کہ یہ اعلان کر دے کہ میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہی تو تھا۔ اور دیکھو وحی نے میری کیسی کایا پلٹ دی۔ تم جیسے انسانوں میں سے نکلا اور خدا کی وحی کا مورد بن گیا اور کس عظیم الشان مقام تک جا پہنچا لیکن یہ فضل الٰہی صرف میری ذات پر نہیں ہر کسی کے لئے ایک کھلی دعوت ہے، ایک صلائے عام ہے لیکن پھر میرے جیسا بننا پڑے گا۔ جو کچھ میں نے کیا ہے تم بھی وہی کرو اور وہ کیا ہے اگر مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں بھی تمنا پیدا ہوئی ہے کہ ہم بھی ان بلند مقامات کو حاصل کر سکتے، ہم بھی اپنے رب کی لقا کو پا جاتے تو پھر تم بھی عمل صالح کر کے دکھاؤ اور خدا کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہ مضمون بھی ایک الگ مضمون ہے اور بظاہر ان تینوں مضامین میں کوئی تعلق نظر نہیں آرہا لیکن ان تینوں میں سے جو مرکزی آیت ہے اس کے مضمون پر زیادہ گہری نظر ڈالی جائے تو پھر دائیں اور بائیں کی آیات کا مضمون خوب کھل کے سامنے آجاتا ہے۔

قرآن کریم اللہ کے کلمات کا ذکر فرمارہا ہے کہ خدا کے کلمات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور اس سورۃ کا تعلق عیسائیت کے رد کے ساتھ ہے خصوصاً اس کی پہلی آیات اور اس کی آخری آیات عیسائیت سے ہی تعلق رکھتی ہیں اور عیسائیت کے رد کے مختلف پہلو ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن کریم میں کلمہ کہا گیا گویا اس بات کی تصدیق کی گئی کہ وہ کلام تھا لیکن کلام کن معنوں میں تھا اس پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عیسائی تو کلام ان معنوں میں لیتے ہیں کہ وہ ایک منفرد حیثیت تھی جو خدا کی خدائی میں شریک تھا اور وہی کلام تھا اس کے سوا کوئی کلام نہیں تھا۔ قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ کہہ کر بات کو واضح فرما دیا کہ خدا کے بے شمار کلمات ہیں ان کلمات میں سے ایک کلمہ مسیح بھی تھا۔ اور

خدا کے کلمات نہ ختم ہونے والے ہیں اور مختلف رنگ میں کلمات کا اطلاق کر کے قرآن کریم نے بتایا کہ کلمہ کا مضمون بہت ہی وسیع مضمون ہے۔ ہر کلام جو کسی نبی پر نازل ہوتا ہے وہ بھی کلمات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر وہ نیک شخصیت جو اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ لیتی ہے اور ثبات قدم اختیار کرتی ہے اس کی شاخیں آسمان تک دراز ہوتی ہیں اور وہ خدا سے فیض پا کر نئے نئے روحانیت کے پھل خود بھی کھاتی ہے اور دنیا کو بھی دیتی ہے، اس کو بھی کلمہ فرمایا گیا۔تو سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کلمہ اگر اس کو انسانی معنوں میں لیا جائے تو وہ ایک ہے دو ہیں یا تین ہیں یا کس حد تک کلمات ہیں، پہلے تھے اور اب عطا ہونے بند ہو گئے ہیں یا آئندہ بھی جاری رہیں گے اور اسی طرح کلمہ ہر کلام الٰہی کے ہر جزو پر بھی صادق آتا ہے اور اس کے ہر معنی پر بھی لفظ ''کلمہ'' صادق آتا ہے۔ کلام میں خصوصیت کے ساتھ قرآن کریم کا بھی ذکر ہے اور قرآن کریم کو تو ایک دوات نہ سہی دو یا تین دواتوں میں یا درجن سیاہی کی دواتوں میں لکھا جا سکتا ہے۔تو پھر یہ کہنا کہ کلام الٰہی کو اگر لکھنا شروع کرو تو سمندر خشک ہو جائیں اور پھر اور سمندر ہم لے کر آئیں اور وہ بھی خشک ہو جائیں اور کلام الٰہی ختم نہیں ہوگا۔کلمات الٰہی ختم نہیں ہوں گے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی یہی بنتے ہیں کہ ہر کلمہ کے اندر بے انتہا کلمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نشانات ہیں اور وسیع مضامین ہیں۔ اگر مضامین کے اعتبار سے کھولا جائے تو لامتناہی کلمات ہو جاتے ہیں۔تو کلام الٰہی کے بعد انبیاء کی ذات بھی کلمات کہلاتی ہے اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بلکہ ہر نبی ایک کلمہ تھا اور خدا کے تمام نیک بندے کلمات ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں جن مومنین کا ذکر ہے کہ ان کو جنات الفردوس عطا ہوں گی وہ ہمیشہ ہمیش ان میں رہیں گے نہ وہ کبھی ان سے تھکیں گے، نہ کبھی ان کو خدا کی طرف سے باہر نکالا جائے گا۔ یہ وہی کلمات ہیں جن میں کچھ کلمات کی وضاحت اگلی آیات میں کی گئی ہے اور خوشخبری حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو یہ دی جا رہی ہے کہ عیسائی تو ایک کلمے کے اوپر فخر کر رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ منفرد تھا، ہم نے مسیح کو تو کلمہ کہا لیکن تجھے ہم کلمہ گر بنا رہے ہیں۔ تجھ سے بے شمار کلمات وجود میں آئیں گے اور وہ سارے مومنین جن سے لامتناہی جنتوں کے وعدے کئے جا رہے ہیں، نہ ختم ہونے والی جنتوں کے وعدے کئے جا رہے ہیں، وہ سارے کلمات الٰہی ہوں گے جو تجھے نصیب ہوں گے۔پس یہ اعلان کہ میرے رب کے کلمات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔اس کثرت سے اللہ تعالیٰ تجھے کلمات طیبات عطا فرمائے گا کہ ان کا پیدا ہونا بھی ختم نہیں ہوگا اور ان میں سے ہر وجود کے اندر معانی کے سمندر ہوں گے اور نیکیوں اور تقویٰ کے سمندر ہوں گے۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی متابعت کے نتیجہ میں ان کو یہ نصیب ہونا تھا۔ چنانچہ اس طرف توجہ مبذول فرمانے کی خاطر تیسری آیت میں یہ اعلان کروایا گیا ہے کہ کلمہ گر تو میں ہوں تمہارے جیسا ہی بشر تھا، تمہاری ہی طرح کا ایک عام انسان تھا مگر جب مجھ سے تعلق جوڑا جائے۔ جب تم میری پیروی کرو اور جیسے نیک اعمال میں نے کئے ہیں ویسے تم بھی کرنے لگو اور جیسا توحید کو میں نے مضبوطی سے تھام رکھا ہے اس طرح تم بھی توحید کے ساتھ چمٹ جاؤ تو پھر یہ وحی الٰہی کی نعمت جو کلمہ بناتی ہے وہ تمہیں بھی نصیب ہونی شروع ہو جائے گی اور میں اس نعمت کو محض اپنی ذات تک محدود کرنے کے لئے نہیں آیا۔ میں تو اس نعمت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آیا ہوں تا کہ مجھے دیکھو اور تم میں شوق پیدا ہو اور تم میں محبت پیدا ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق کی تمنا پیدا ہو اور اس کے نتیجے میں تم نیک اعمال کرو، میری پیروی کرو، میری طرح موحد بن جاؤ یعنی جس حد تک تمہارے لئے ممکن ہے اور پھر دیکھو کہ خدا کے کلمات لامتناہی ہیں اور یہ کلمات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتوں کی عطا کا سلسلہ ہے یہ بند نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں اسی آیت کے ایک زندہ نشان کے طور پر پیش فرمایا اور حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسیہ نے اس زمانے میں بھی اثر دکھایا اور اس زمانے میں بھی آپؐ کی قوت نے ایک کلمہ گر پیدا کر دیا اور وہ سلسلہ جو بظاہر بند ہوتا دکھائی دے رہا تھا وہ خدا تعالیٰ نے پھر جاری فرما دیا پھر اس مقدس صحبت کے نتیجے میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے منعکس ہوئی پھر بہت سے کلمات پیدا ہونے شروع ہوئے۔عظیم الشان صحابہ ہیں جن میں سے ہر ایک کا وجود ایک کلمہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ایک کا وجود اپنے اندر اتنی گہرائی رکھتا ہے کہ عام انسانی نظر اس گہرائی کو پا سکے یا نہ پا سکے لیکن حقیقت میں ان کے باطن میں جو لازوال حسن اللہ تعالیٰ کی محبت کا جھلک رہا ہے وہ ایک نہ ختم ہونے والا سمندر ہے اور بسا اوقات یہ باتیں باطن ہی میں مخفی رہتی ہیں اور دنیا کی نظر میں سوائے اس کے کہ کوئی مجبوراً خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور مجبور ہو اظہار پر ورنہ اکثر ایسے لوگ خاموشی کے ساتھ آتے بھی ہیں اور گزر بھی جاتے ہیں اور انسانوں کی نگاہوں کا مرکز بھی نہیں بنتے اور یہ سلسلہ دیگر کلمات کے علاوہ اپنی ذات میں نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے۔مکرم ومحترم حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جن کا وصال یکم ستمبر کو ہوا۔میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات میں سے ایک کلمہ تھے اور ایک عظیم الشان مقام خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تقویٰ کا نصیب ہوا۔جب میں یہ کہتا ہوں تو میں اس رنگ میں کہتا ہوں کہ گویا یہ میری دعا ہے اور جب خدا کے مومن بندوں کو اپنے فوت شدہ احباب اور بزرگوں کا ذکر خیر کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ بھی فتوے کے رنگ میں نہیں بلکہ دعا کے رنگ میں۔کیونکہ جہاں تک آخری فیصلے کا تعلق ہے نیکی اور تقویٰ کا فیصلہ کرنا صرف خدا کا کام ہے۔وہی عالم الغیب ہے،وہی عالم الشہادۃ ہے۔وہ فرماتا ہے(النجم:33) کہ تم نہ اپنے آپ کو متقی گردانا کرو نہ اپنے ساتھیوں اور احباب کے متعلق فتوے دیا کرو کہ وہ یقیناً متقی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ان کا خیر کے ساتھ ذکر کیا کرو،حسن ظن کے ساتھ ذکر کیا کرو۔تو ان دونوں میں تضاد تو کوئی نہیں ہوسکتا۔کلام الٰہی اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں کوئی تضاد نہیں۔مراد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائیوں،اپنے بزرگوں،اپنے دوستوں کا حسن ظن کے ساتھ ذکر کرو،خیر کے ساتھ ذکر کرو۔ان معنوں میں کہ تم اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھتے ہو کہ ان کے بارے میں تمہارے اندازے سچ ہوں گے۔اور اگر وہ سچ نہ بھی ہوں تو ان کے لئے مجسم دعا بن جاؤ اور اس طرح ذکر کرو کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کی نظر پڑے اور تمہارے حسن ظن کو ان کی ذات میں سچا کر دکھائے۔پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں یقین رکھتا ہوں تو ایک دعا کے رنگ میں کہتا ہوں،جہاں تک میرا علم ہے اس علم کے اظہار کے طور پر کہتا ہوں۔لیکن فتویٰ دینے کا نہ مجھے حق ہے نہ آپ کو حق ہے لیکن جہاں تک انسانی نظر کام کرتی ہے جہاں تک دور سے میں نے ان کی ذات کو دیکھا اور قریب سے ان کی ذات کو دیکھا،اس ذات کے متعلق علم حاصل کیا جو میری پیدائش سے پہلے بھی موجود تھی اور زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار چکی تھی اور اس ذات کے متعلق بھی غور کیا جس نے میری زندگی کا وہ حصہ پایا جو ہوش کا زمانہ کہلاتا ہے اور علمی لحاظ سے بھی آپ کا جائزہ لیا،آپ کی کتب کا مطالعہ بھی کیا،آپ کے متعلق لکھنے والوں کی تحریروں کا بھی جائزہ لیا،آپ کے متعلق خدا تعالیٰ کے بندوں کے تاثرات کو بھی سنا اور بعض دفعہ آپ کی ایسی خوبیوں میں جھانکنے کا بھی موقع ملا جو عموماً لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں،خط و کتابت کا بھی موقع ملا اور ایسی حالت میں ان کو دیکھا جب کہ عموماً انسان نظروں سے تو شرماتا ہے لیکن خط لکھتے وقت اپنی اندرونی کیفیات کو خود ظاہر کر دیا کرتا ہے تو ان سب جائزوں کے بعد میں یہ یقین رکھتا ہوں اور میں اس یقین کو خدا کے حضور ایک عاجزانہ عرض کے طور پیش کر

تا ہوں کہ وہ ہمارے اس یقین کو سچا کر دکھائے کہ یہ ہمارے بہت ہی پیارے وجود، بہت ہی بزرگ ساتھی جو چند دن ہوئے ہمیں حزیں بنا کے رخصت ہوئے ہیں، یہ اللہ کی نظر میں بھی متقی ٹھہریں خدا کی بھی محبت اور پیار کی نظر ان پر پڑ رہی ہو یہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے ہوں۔

آپ بھی قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق اور ان تمام غلامانِ محمد مصطفی ﷺ کے گروہ کے جو اپنی اپنی جگہ یہ گواہی دیتے رہے کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقینا کلمہ گر تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نور پایا جو فیض آپ کو عطا ہوا وہ بھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی رحمت اور برکت کے نتیجے میں ہوا اور آپ کو بھی اسی فیض سے سیراب ہو کر آگے جاری کرنے پر مامور فرمایا گیا اس لحاظ سے نیابت رسول میں آپ بھی کلمہ گر بنائے گئے اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو جو فیوض عطا ہوئے ان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے نشان جھلکتے ہیں اور اس بات کا سب سے بڑھ کر آپ کو احساس تھا اتنا شدید احساس تھا کہ وہ احساس ہر وقت ذہن پہ حاضر رہتا تھا۔ میں نے مختلف حیثیتوں سے آپ کا جائزہ لے کر دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عشق اس احسان کے احساس کے ساتھ کہ میری زندگی کی کایا پلٹ دی ہے ہر وقت آپ کے ذہن پر سوار رہتا تھا۔ یہ انگلستان کی بات ہے کہ برمنگھم میں ایک دفعہ BBC1 کے نمائندے نے انٹرویو لیتے ہوئے اچانک آپ سے سوال کیا کہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے؟ بے تکلف سوچنے کے لئے ذرہ بھی تردد نہ کرتے ہوئے آپ نے فوراً یہ جواب دیا کہ میری زندگی کا سب سے بڑا واقعہ وہ تھا جب میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے مبارک چہرہ پر نظر ڈالی اور آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھما دیا۔ اس دن کے بعد پھر آپ نے وہ ہاتھ کبھی واپس نہیں لیا، مسلسل ہاتھ تھمائے رکھا ہے اور جو عظمتیں بھی آپ کو ملی ہیں اس وفا کے نتیجے میں ملی ہیں، اس استقلال کے نتیجے میں ملی ہیں، نیکی پر صبر اختیار کرنے کے نتیجے میں ملی ہیں۔ تو دیا ہوا ہاتھ تھا پھر کبھی واپس نہیں آیا۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع فرمان کے طور پر زندہ رکھا۔ ہر میدان میں، ہر علم کے میدان میں، ہر جدوجہد کے میدان میں، ہر اندرونی تجربے کے میدان میں آپ پر یہ احساس غالب رہا کہ میں نے ایک اللہ کے مامور کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے اور جہاں تک میرا بس ہے، جہاں تک میرے اندر خدا کی طرف سے توفیق عطا ہوتی ہے میں اس کے تقاضے پورا کرتا رہوں گا اور خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ نہایت ہی عمدگی کے ساتھ نہایت ہی اہلیت کے ساتھ ان تقاضوں کو پورا کیا اور آپ کے حق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو بار بار اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی اور اس بار بار عطا ہونے میں بھی ایک کثرت کا نشان تھا جو آپ کو دیا گیا۔ فرماتے ہیں: ’’خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام دنیا میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنے سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے‘‘۔ (تجلیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 409) یہ پیشگوئی مختلف رنگ میں مختلف وجودوں کی شکل میں پوری ہوتی رہی ہے مگر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب مرحوم کو خصوصیت کے

ساتھ ظاہری طور پر بھی اس کو پورا کرنے کا اس رنگ میں موقع ملا کہ آپ نے اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے بسا اوقات سب کے منہ بند کر دیئے۔ سیاست کے میدان میں بھی، وکالت کے میدان میں بھی اور تبلیغ کے میدان میں بھی۔ ایسی عمدہ نمائندگی کی توفیق آپ کو عطا ہوئی کہ اپنے تو اپنے دشمن بھی بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس بطل جلیل نے بلاشبہ غیروں کے منہ بند کر دیئے ہیں۔

مذہبی دنیا میں جو آپ کو تبلیغ کے علاوہ خدمت کی توفیق ملی اس میں جماعت کے بہت سے اہم مقدمات کو آپ نے اس عمدگی کے ساتھ چلایا، اس عمدگی کے ساتھ ان کی پیروی کی کہ بسا اوقات ایسے مشکل مقدمات تھے جن سے نکلنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ گویا بعض موقعوں پر جماعت کے بعض افراد یوں لگتا تھا کہ مقدمے کے چنگل میں پھنس چکے ہیں لیکن بڑی حکمت، بڑی فصاحت و بلاغت بڑی قابلیت کے ساتھ آپ نے نمائندگی کے حق ادا کئے اور اس میدان میں عظیم الشان سہرے جیتے ہیں۔ پھر سیاست کی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات سرانجام دینے کا موقع عطا فرمایا اور ہندوستان کی جو وکالت آپ نے انگریزی حکومت کے سامنے کی ہے وہ بھی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھی جائے گی اور کوئی مورخ جو تقویٰ اور دیانت سے کچھ بھی حصہ پا چکا ہو وہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان خدمات کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ گول میز کانفرنس میں، اس کے علاوہ بہت سے مواقع آئے میں نے لسٹ تیار کروائی تو بہت لمبی ہوگئی تھی۔ اس لئے یہ تو اس چھوٹے سے خطبہ میں ممکن نہیں ہے۔ چوہدری صاحب کی ایک وسیع اور طویل اور بھرپور زندگی کے سارے پہلوؤں کا ذکر کر دیا جائے۔ میں توضمناً چند باتیں بیان کر رہا ہوں جو آپ کو دعا کی تحریک کے طور پر اور اس تحریص کے طور پر یاد دلا رہا ہوں کہ آپ میں سے بھی ویسے پیدا ہوں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان آیات میں لامتناہی ترقی کے رستے کھولے گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے بڑھ کر کوئی وجود متصور ہو ہی نہیں سکتا اور فرمایا اپنا ذکر کرنے کے بعد یہ بتا کر کہ خدا تم پر وحی نازل فرما رہا ہے سب کو صلائے عام دے دو اور کہہ دو کہ اب تم میں ہمت ہے تو آؤ ان رستوں کو اختیار کرو جن پر میں دوڑا تھا اور آؤ اور مجھے پکڑ کے دکھاؤ اور آؤ اور میری پیروی کر کے دکھاؤ اور یہ لامتناہی رستے ہیں کوئی روک نہیں ہے۔ کوئی مصنوعی حدیں ایسی نہیں ہیں جو تمہارے لئے حد فاصل ثابت ہوں اس لئے دوڑنے کی تمہیں اجازت ہے اور دوڑنے کی تمہیں دعوت ہے۔ لیکن ترقیوں کے لئے ان رستوں پر چلنا پڑے گا جو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے طے کر کے دکھائے ہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھنے کی بھی کھلی اجازت ہے اور حد امکان کے لحاظ سے کوئی روک نہیں ہے اگر چہ یہ بھی بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ کبھی ایسا ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی شخص آنحضور ﷺ کے پیچھے چلتے ہوئے آپ سے آگے نکل جائے لیکن روکا نہیں گیا بلکہ بلایا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مقام کے آخری ہونے کو مایوسی کے لئے استعمال نہیں فرمایا بلکہ دعوت عام کے طور پر استعمال کیا ہے، تحریص کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔ تو آپ سے ادنیٰ جتنے بھی بندے ہیں ان کے رستوں پر چل کر ان سے آگے نکلنے کے تو امکان بھی موجود ہیں۔ تو امت محمدیہ کو کتنی عظیم خوشخبری دے دی گئی کہ اگر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عظمت بھی تمہیں ان رستوں پر دوڑ کر جدوجہد سے روک نہیں رہی تو چھوٹے چھوٹے، ادنیٰ، ادنیٰ غلام اس کے ان کو تم کیسے آخری سمجھو گے، کیسے تم مایوس ہو جاؤ گے کہ یہ اتنی بلندیوں تک جا پہنچے ہیں کہ ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ فرمایا یہ کھلا ہوا رستہ ہے اور جہاں تک کلمات بننے کا تعلق ہے محمد مصطفی ﷺ چند کلمات بنانے نہیں آئے تھے۔ ایک یا دو یا تین یا چار یا دس عشرہ مبشرہ دے کر چلے جانے والے وجود نہیں تھے جو کلمات آپؐ کو عطا کرنے کی صلاحیت بخشی گئی ہے اگر تم اپنے حصہ کے حق ادا کرتے رہو تو یہ

صلاحیت لامحدود ہے۔ کہ اے محمدؐ! یہ اعلان کر کہ میرے رب کے کلمات جو مجھے عطا کئے جا رہے ہیں میرے رب کے کلمات اتنے وسیع ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی طاقتیں اتنی لامحدود ہیں، یہاں کلمات کے معنی طاقتیں بھی بن جاتا ہے، خدا کے پاس ایسے لامحدود خزانے ہیں کہ اگر تم لینے والے بنو تو وہ خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ گویا لامتناہی ترقیات کے رستے تمہارے لئے کھلے ہیں۔

تو میں اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ جہاں ایک طرف آپ کے دل میں دعا کی تحریک پیدا ہو وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی پر نظر کرتے ہوئے جو میں نے پڑھ کے سنائی ہے۔ اور اس منبع فیض کی طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے جنہیں خدا تعالیٰ نے محمدؐ کا نام آسمان سے عطا فرمایا تھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس مبداء فیض کی طرف نگاہ کرتے ہوئے جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے اور جس کے کلمات بھی نہ ختم ہونے والے ہیں آپ مایوسی کا کوئی خیال دل میں نہ آنے دیں۔ یہ وہم دل سے نکال دیں کہ ایک ظفر اللہ خان ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے تو آئندہ کے لئے ظفر اللہ خان پیدا ہونے کے رستے بند ہو گئے ہیں۔ بکثرت اور بار بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسی عظیم الشان غلاموں کی خوشخبریاں دی گئی ہیں جو ہمیشہ آتے چلے جائیں گے اور ایک گزرے گا تو دوسرا اس کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھے گا۔ آپ اپنی ہمتوں کو بلند کریں۔ ان تقویٰ کی راہوں کو اختیار کریں جو حضرت چوہدری صاحب اختیار کرتے رہے، ان وفا کی خصلتوں سے مزین ہوں جن سے وہ خوب مزین تھے، وہ صبر اور وہ ہمت پیدا کریں جو آپ کی ذات کے خاصہ تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور پیار میں اسی طرح رنگین ہو جائیں بلکہ اس سے بڑھ کر رنگین ہونے کی کوشش کریں جس طرح چوہدری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے خاص رنگ عطا فرمائے تھے۔ جماعت کے لئے تو ترقی کے کوئی رستے بند نہیں ہو سکتے۔ کسی ایک وصال کے بعد کوئی نہیں جو یہ کہہ سکے کہ اب آئندہ ایسا پیدا نہیں ہوگا۔ وہ ایک ہی تھا جس جیسا پیدا نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے نہ ہوگا اور وہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں لیکن ایک ہونے کے باوجود لامتناہی کلمات پیدا کرنے کی صفات آپ کو بخشی گئی ہیں۔ پس ان کلمات میں سے آپ بھی تو بننے کی کوشش کریں۔ چوہدری صاحب کی ذات کے جو مختلف پہلو میں بیان کرنے چاہتا تھا وہ اتنے زیادہ وسیع نکلے کہ پھر مجھے ان میں سے بھی چند کا انتخاب کرنا پڑا اور جو چند کا انتخاب کیا ہے وہ بھی پوری طرح غالباً اس چھوٹی سی مجلس میں بیان ہو نہیں سکتے۔ آپ کو ایسی خدا تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی تھی کہ جتنے بھی منصب آپ کو ملتے تھے وہ منصب ہمیشہ آپ سے چھوٹے نظر آتے تھے اور وہ منصب کبھی آپ کو چھوٹا نہیں دکھا سکے۔ آپ کی ذات میں حوصلہ تھا، وسعت تھی اور کسی منصب پر بیٹھ کے یہ نہیں لگتا تھا کہ اس منصب نے آپ کو اونچا کر دیا ہے بلکہ حقیقت میں آپ ہمیشہ ان مناصب کو اونچا کرتے رہے۔ ان کے معیار کو بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ منصب جب آپ نے چھوڑے تو پہلے سے زیادہ بلند مقام پر دکھائی دیا کرتے تھے اور یہ خصوصیت عجز کے نتیجہ میں انسان کو عطا ہوا کرتی ہے۔ اگر گہری نظر سے آپ غور کریں تو عجز اور حوصلہ کی وسعت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ایک جاہل اور کم فہم سرسری نگاہ رکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ سر اونچا کرنے کے نتیجہ میں بلندیاں بھی عطا ہوتی ہیں اور وسعتیں بھی عطا ہوتی ہیں لیکن فطرت انسانی سے واقفیت رکھنے والا جس نے قرآن کریم سے فطرت انسانی کے راز سیکھے ہوں وہ اس حقیقت کو خوب جانتا ہے کہ عجز ہی میں بلندی ہے اور عجز ہی میں وسعتیں ہیں اور یہ دونوں مضامین روزانہ پانچ وقت کی نماز کی ہر رکعت ہمیں بتاتی ہے۔ پہلے عجز کا اظہار ہم رکوع کی صورت میں کرتے ہیں اور وہاں سبحان ربی العظیم پڑھتے ہیں یعنی وسعتوں کی طرف خدا تعالیٰ ہمارے ذہن کو منتقل فرما دیتا ہے کہ تم جھکے ہو تو تمہیں وسعتیں نصیب ہوں گی کیونکہ رب عظیم کے سامنے تم جھکے ہو اور دوسری

حرکت جو ہم انکسار کی طرف کرتے ہیں جوان حرکتوں کا وہ منتہا ہے سجدے کی حرکت ہے۔اور وہاں خدا تعالیٰ ہمیں یہ سکھا تا ہے سبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان ربی الاعلیٰ تم جھکے ہوتو بلندیوں کی طرف جھکے ہو کیونکہ رب الاعلیٰ کی طرف جھکے ہو۔

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب عملاً ان دونوں باتوں سے،ان دونوں رازوں سے خوب واقف تھے۔چنانچہ ان کی عظمتیں اوران کی رفعتیں دونوں ان کو عجز کے نتیجے میں نصیب ہوئیں اور بے پناہ ان کے اندر خدمت دین کا جذبہ تھا اور کوئی دنیا کا منصب اس سے ان کو روک نہیں سکتا تھا۔اور دنیا کے منصب کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو کبھی ایسا بلند سمجھتے ہی نہیں تھے کیونکہ ہمیشہ منصب دنیاوی ان کو چھوٹا نظر آیا کرتا تھا کہ اس کے مقابل پر دین کی خدمت نسبتاً ادنیٰ نظر آئے۔یعنی وہ عجز جو عارف باللہ کا عجز ہوتا ہے، وہ عجز ہے جس کی بات میں کر رہا ہوں۔چنانچہ دین کی خدمت میں آپ اپنی بلندی دیکھتے تھے، دین کی خدمت میں ہی آپ کی ساری عظمتیں تھیں۔چنانچہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ 1941ء میں آپ کو جب فیڈرل کورٹ آف جسٹس انڈیا کا جج مقرر کیا گیا ہے تو اسی زمانے میں حضرت مصلح موعود نے تحریک کی تھی کہ مضافات قادیان (اردگرد جو دیہات ہیں) ان میں تبلیغ کے لئے لوگ اپنے آپ کو پیش کریں تو فیڈرل کورٹ کا جسٹس 41ء اور 42ء میں اردگرد دیہات میں تبلیغ کے لئے باقی سب مبلغین کے ساتھ مل کے جایا کرتا تھا اور ایک لحظہ کے لئے بھی اس کو خیال نہیں آیا کہ میری اتنی بڑی شان ہے ،میرا اتنا بڑا مقام ہے،کوئی دیکھے گا یا سنے گا تو کیا کہے گا یہ کیا کر رہا ہے۔یعنی چھوٹے چھوٹے گاؤں ڈپئی اور بھینی اور اٹھوال اور بے شمار چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جن میں ایک عام خادم احمدیت کے طور پر شامل ہوا کرتے تھے اور فخر کے ساتھ،اس احساس کے ساتھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سعادت نصیب ہو رہی ہے اور یہ تمنا محض ایسی خدمات کے لئے نہیں تھی جو عام حالات میں سہولت کے ساتھ ادا ہو سکتی ہے بلکہ نہایت خطرناک خدمات کے لئے بھی اسی قسم کی تمنا آپ کے دل میں تڑپا کرتی تھی۔جب کابل میں 1924ء میں حضرت نعمت اللہ خان صاحب کو شہید کیا گیا تو حضرت مصلح موعودؓ نے ان لوگوں کے نام طلب کئے جو تمام خطرات کو اچھی طرح بھانپتے ہوئے پھر وہ اس بات کا عہد کریں کہ وہ کابل میں جائیں گے اور ایک شہید کی بجائے وہ لوگ خدمات سرانجام دیں گے جو وہ شہید شہادت کی بنا پر مزید سرانجام نہیں دے سکا اور اس سلسلے کو ٹوٹنے نہیں دیں گے۔یہ تھی اس کی روح اور جو نام پیش ہوئے اس وقت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاہور کے امیر تھے، نام پیش ہونے والوں میں سب سے پہلا آپ کا نام ہے جو الفضل میں شائع ہوا۔اس نام کو پیش کرتے ہوئے آپ نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں جو خط لکھا ہے وہ خط ایسا خط ہے چونکہ وہ اپنے امام کو لکھ رہے تھے اس لئے باوجود طبیعت کی روکوں کے جن کا خود ذکر کر رہے ہیں نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ کھل کر اپنی قلبی کیفیات کو ظاہر کر سکتے تھے۔ایسے موقع پر آپ کی ذات کے اندر جھانکنے کا موقع ملتا ہے۔تقویٰ کی کن راہوں سے آپ گزر رہے تھے؟ کیا آپ کے قلبی جذبات اور کیا آپ کی کیفیات تھیں؟ جب آپ نے اپنے نام کو پیش کیا ہے اور کس طرح پھر تنقیدی نظر ڈالی ہے اپنی زندگی پر، اپنی اندرونی کیفیات پر تجزیہ کیا ہے اس خوف کیساتھ کہ کہیں میں ریا کاری کا مظاہرہ تو نہیں کر رہا۔یہ ساری باتیں اس خط سے آپ کو نظر آئیں گی یعنی اس خط کے آئینے میں آپ کو نظر آئیں گی۔وہ لکھتے ہیں: ’’سیدنا و امامنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔میری زندگی آج تک ایسی ہی گزری ہے کہ سوائے اندوہ وندامت کے اور کچھ حاصل نہیں‘‘۔بڑی کامیاب زندگی آپ گزار رہے تھے سیاست میں بھی آپ کو دخل ہو چکا تھا، آپ کی قابلیت کا شہرہ ہندوستان میں بھی پھیل رہا تھا اور ہندوستان کے مسلمان باشعور حلقوں کی نگاہیں آپ

کی طرف اٹھ رہیں تھیں اس ساری زندگی میں سے گذرتے ہوئے جو ماحصل تھا آپ کے اپنے ذاتی تجزیہ کا اپنے آپ کو کس مقام پر دیکھ رہے تھے اس کا اظہار ہوتا ہے ’’سوائے اندوہ وندامت کے اور کچھ حاصل نہیں ۔ میں اکثر غور کرتا ہوں کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ سوائے روزی کمانے کے کسی اور کام کی فرصت نہ ملے‘‘ ۔حالانکہ امارت لاہور کے بھی بھرپور فرائض سرانجام دے رہے تھے اس وقت۔’’اور دنیا کے دھندوں میں پھنسا ہوا انسان طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا رہے آج یہ ایک خوش قسمت کہ محبوب حقیقی کے ساتھ وصال کی خبر آئی تو جہاں دل میں ایک شدید درد پیدا ہوا وہاں یہ بھی تحریک ہوئی کہ تمہارے لئے یہ موقع ہے کہ اپنی ناکارہ زندگی کو کسی کام میں لاؤ اور اپنے تئیں افغانستان کی سرزمین میں حق کی خدمت کے لئے پیش کرو۔ پھر میں اچانک رکا کہ کیا یہ محض میرے نفس کی خواہش نمائش تو نہیں کہ اس یقین پر کہ مجھے نہیں بھیجا جائے گا اپنے تئیں پیش کرتا ہوں اور میں نے اپنے ذہن میں ان مصائب اور مشکلات کا اندازہ کیا جو اس رستے میں پیش آئیں گی اور اپنے تئیں سمجھایا کہ فوری شہادت ایک ایسی سعادت ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی اور کیا تم محض اس لئے اپنے تئیں پیش کرتے ہو کہ جاتے ہی شہادت کا درجہ حاصل کرو اور دنیا کے افکار سے نجات حاصل کرلو۔ یا تمہارے اندر یہ ہمت ہے کہ ایک لمبا عرصہ زندہ رہ کر ہر روز اللہ تعالیٰ کے رستے میں جان دو اور متواتر شہادت سے منہ نہ موڑو۔ حضور انور میں کمزور ہوں، سست ہوں، آرام طلب ہوں لیکن غور کے بعد میرے نفس نے یہی جواب دیا ہے کہ میں نمائش کے لئے نہیں، فوری شہادت کے لئے نہیں، دنیا کے افکار سے نجات کے لئے نہیں بلکہ گناہوں کے لئے توبہ کا موقع میسر کرنے کے لئے، اپنی عاقبت کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے تئیں اس خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اگر مجھ جیسے نابکار گنہگار سے اللہ تعالیٰ یہ خدمت لے اور مجھے یہ توفیق عطا فرمائے کہ میں اپنی زندگی کے بقیہ ایام اس کی رضا کے حصول میں صرف کردوں تو اس سے بڑھ کر میں کسی نعمت اور کسی خوشی کا طلب گار نہیں۔ حضور میں مضمون نویس نہیں اور حضور کی بارگاہ میں تو نہ زبان یارا دیتی ہے نہ قلم جیسے کسی نے کہا ہے

بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

یہ حسرت موہانی کا شعر ہے جو آپ نے quote کیا) اس لئے اسی پر بس کرتا ہوں کہ جس وقت حضور حکم فرماویں افغانستان کو روانہ ہونے کے لئے تیار ہوں اور فقط حضور کی دعاؤں اور اللہ کی رضا کا طلبگار رہوں ۔ والسلام حضور کا ادنیٰ ترین غلام۔ خاکسار ظفر اللہ خان 8 ر نومبر 1924ء۔‘‘ یہ آپ کا انکسار تھا یہ آپ کا جذبہ خدمت تھا اور اللہ کی ذات کے ساتھ محبت تھی، دراصل خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف کہ جو آپ کے سر پہ سوار رہا کرتا تھا اور خدا تعالیٰ کے پیار کے حصول کی خواہش یہ وہ دو جذبات تھے جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو ساری عمر ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں رکھتے رہے۔ یہ وہ قوت تھی جس سے آپ نے تمام عمر حرکت حاصل کی ہے۔ توانائی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی محبت تھی اور یہ سرچشمہ جس کو نصیب ہو جائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لامتناہی نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر قدم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کا خوف ان معنوں میں کہ خدا کی محبت سے محروم ہونے کا خطرہ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی حرص ان معنوں میں کہ کچھ ایسے کام کرنے کی توفیق ملے کہ اللہ تعالیٰ محبت اور پیار سے ہمیں دیکھنے لگے۔ یہ دو بنیادی قوتیں ہیں جن سے مومن کو ہر ترقی نصیب ہوتی ہے اس کی دعائیں بھی اسی زور کے ساتھ اوپر اونچی بلند ہوا کرتی ہیں، اس کے کاموں کو رفعتیں ملتی ہیں، اس کی کوششوں کو پھل نصیب ہوتے ہیں۔ خطرات سے وہ بچایا جاتا ہے اور غیر معمولی تائید الٰہی کے نشان اس کو عطا کئے جاتے ہیں اور خدا کی راہ میں قربانی کے

جومختلف مظاہر ہیں خواہ اس کا نام آپ چندہ رکھ لیں،خواہ اس کا نام وقت کی خدمت، جان کی قربانی،عزت کی قربانی۔یہی دوجذبے ہیں حقیقت میں جن کا نام تقویٰ ہے اوراسی تقویٰ سے یہ ساری نیکیاں پیدا ہوتی ہیں تبھی حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کوخدا تعالیٰ نے الہاماً بتایا''اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہاہے''۔(اخبار الحکم 31/اگست 1901ء،ملفوظات جلد 1 صفحہ 536) آپ نے ایک شعر کہنے کے لئے ایک مصرعہ کہا کہ ہراک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے۔ایسا پیارا معرفت کا نقطہ تھا ابھی آپ دوسرا مصرع کہہ نہیں پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا مصرعہ الہام ہوا''اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہاہے''۔تو جہاں تک میں نے جائزہ لیاہے چوہدری ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقویٰ کی جڑ سے ساری عمر اس طرح چمٹے رہے ہیں کہ (ابراہیم:25) کا مضمون دکھائی دیتا تھا۔جڑوں کے لحاظ سے مضبوط تھے،ثابت قدم تھے،وفادار تھے۔جو بات کہی اس پر قائم رہے۔طبیعت میں کوئی دوغلہ پن نہیں تھا، زبان سے کچھ اور عمل سے کچھ اور، اس قسم کے تضاد کا آپ کی ذات میں کلیۃً فقدان تھا۔چنانچہ اس کے بعد جو آپ کو خدمات کی توفیق ملی ہے وہ اس کا ایک طبعی نتیجہ تھا اس کو کسی اور جستجو کی ضرورت نہیں رہتی جس کو یہ دو چیزیں نصیب ہوجائیں یعنی تقویٰ کا یہ ماحصل مل جائے کہ خدا کی محبت کھونے کا خوف اوراس کی محبت حاصل کرنے کی تمنااس کے لئے باقی سب چیزیں آسان ہوجاتی ہیں۔باہر سے دیکھنے والوں کولگتا ہے کہ بڑی قربانی ہورہی ہے، بڑا زور ماررہاہے،قدم قدم پہ اس کی تمناؤں کا خون ہورہاہے،مصیبتوں اوردکھوں میں مبتلا ہے لیکن ایساانسان اندرونی کیفیت خود جانتا ہے کہ بس وہ پہلی دو چیزیں تھیں جومشکل تھیں۔فی الحقیقت تقویٰ کے مفہوم کو سمجھ کراسسے چمٹ رہنا یہ ہے سب سے مشکل مقام بعد میں پھر سب منازل آسان ہوجاتی ہیں۔

حیرت انگیز زندگی ہے اتنی بھر پور ہے کہ چنددن ہوئے ہیں ایک MP ملنے کے لئے آئے، چوہدری صاحب کا افسوس کررہے تھے۔تو میں نے ان سے کہا کہ آپ تو ایک ذات کا افسوس کررہے ہیں۔وہ تو ایک ذات کے طور پر زندہ نہیں رہے، ان کے اندر تو کئی شخصیتیں زندہ تھیں بیک وقت انہوں نے بہت سی زندگیاں گزاریں ہیں اور پھر خدا کے فضل سے لمبے عرصہ تک مسلسل کئی شخصیتیں ان کے اندر بھرپور زندگی گزارتی رہی ہیں۔لوگ ان کو ایک خشک سیاست دان کے طور پر بھی دیکھتے رہے اور ساری عمر یہی سمجھتے رہے اوراس لحاظ سے بھی وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے بھرپور زندگی گزاری ہے لیکن کچھ لوگوں نے ان کو ایک صاحب دل کے طور پر، ایک نہایت ہی نازک جذبات رکھنے والے انسان کے طور پر بھی دیکھا، ایسا انسان جس کے اندر یہ طاقت نہیں تھی کہ کسی غریب کا دکھ برداشت کرسکے۔جس کے حوصلے بلند ہونے کے باوجود یہ حوصلہ نہیں تھا کہ انسانیت کو سسکتا ہوا دیکھے اور بے حسی سے گزر جائے۔ان پہلوؤں سے حوصلے کا قد بہت ہی چھوٹا تھا بلکہ زمین کے ساتھ بچھا ہوا تھا اور روحانی اصطلاح میں اور اسلامی اصطلاح میں عجز کے ایک یہ بھی معنی ہیں کہ جہاں تک دنیا کے دکھوں کا تعلق ہے ان کے احساس کے لحاظ سے اپنے حوصلوں کو پست کردو تا کہ تم بھی رحمت للعالمین بن سکو۔اس جہت میں جتنی بھی نیکیاں عطا ہوتی ہیں وہ اس قسم کے حوصلوں کی پستی سے عطا ہوتی ہیں۔چنانچہ حیرت کی بات ہے کہ آپ نے جتنے خدمت خلق کے کام کئے ہیں دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ ان کا شمار اگر کیا جائے تو میرے خیال میں ایک بھی انسان اس وقت ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے وہ سارے شمار کر لئے ہیں کیونکہ کچھ ظاہر بھی تھے اور کچھ مخفی بھی تھے اور آپ کی خدمت کے کام اس کثرت کے ساتھ مختلف جہتوں میں پھیلے ہوئے تھے کہ عملاً کسی کے لئے اس وقت ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ شمار کرسکے۔ان کا کاغذات میں ذکر نہیں ملتا ان کا ان ٹرسٹس میں ذکر نہیں ملتا جو ٹرسٹس انہوں نے قائم کئے تھے۔اس کثرت کے ساتھ آپ نے غرباء کی خدمت

کی ہے کہ ضمناً جب بعض اوقات مجھے واسطہ پڑتا تھا اس وقت یہ معاملہ دکھائی دیتا تھا۔یعنی بعض ایسے غرباء تھے جنہوں نے خود آکر ضمناً ذکر کیا کہ اس مصیبت، اس تکلیف میں مبتلا تھے چوہدری صاحب کو صرف اطلاع بھیجی اور اس کے نتیجے میں اس کے بعد پھر اس معاملے میں ہمیں کوئی فکر نہیں ہوئی۔غرباء، یتامیٰ، غریب مزدور، غریب کسان، مفلوج لوگ، بعض بیماریوں میں مبتلا، ہونہار طالب علم جو غریب تھے غرضیکہ اتنی جہتوں کے ساتھ آپ نے خدمت خلق کا کام کیا ہے اور اتنی جہتوں میں آپ نے خدمت خلق کا کام کیا ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ اداروں کو بھی کھلے ہاتھ سے دیا کرتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری زندگی کی کمائی ادھر خرچ ہو رہی ہے۔اور پھر جب آپ جماعتی چندوں پہ نگاہ ڈالتے ہیں اور جماعتی خدمات پر نظر کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری کمائی اس کے سوا کہیں خرچ ہی نہیں ہو رہی۔ایسی وسیع حوصلگی کے ساتھ آپ نے چندے دیئے ہیں۔اس وقت جولنڈن مشن کی ساری عمارتیں ہیں یہ ان کی ذاتی کوشش سے کلیۃً ذاتی آمد سے آپ نے یہ سارے مصارف ادا کئے ہیں۔ یہ مشن ہاؤس، یہ ہال یہ چھوٹا ہال عورتوں کے لئے یہ عمارت رہائشی یہ ساری خدا کے فضل کے ساتھ ان کو توفیق ملی۔اور اپنے لئے ایک چھوٹا سا کمرہ رکھا ہوا تھا، بس اسی میں ان کی گزر اوقات تھی اور وہ بھی آخر وقت تک نہیں رہی۔جب جماعت کو ضرورت پیش آئی ہے آخر پہ یا شاید اس لئے کہ وہ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے تھے زیادہ تو بہر حال وہ بھی چھوڑ کے چلے گئے تھے۔اور اس کے علاوہ بھی مختلف وقتوں میں جب تحریکات ہوئی ہیں خصوصاً حضرت مصلح موعود کے زمانے میں جب ساری جائیداد پیش کرنے کی تحریک ہوئی اس وقت آپ ساری جائیداد پیش کرنے میں اولین میں سے تھے اور جس طرح کہ ان کے اندر تقویٰ اور نیکی تھی صاحب عزم تھے۔اس خط سے بھی ظاہر ہے جو میں نے پڑھ کے سنایا ہے۔جب آپ نے وقف کیا تھا تو مراد یہی تھی کہ ایک پائی کی جائیداد بھی میں اپنے لئے نہیں رکھوں گا اور وہ اس بات کے لئے تیار تھے۔جن خطرات کے پیش نظر حضرت مصلح موعودؓ نے تحریک کی وہ خطرات پیش نہیں آئے۔اس لئے وہ جائیداد نہیں لی گئی یہ مجھے علم ہے لیکن اس کے علاوہ بھی جب بھی جتنی ضرورت پیش آئی ہے کبھی ایک لمحہ کا بھی تردد آپ نے محسوس نہیں کیا بلکہ کوشش یہ ہوتی تھی کہ حضرت مصلح موعودؓ خود معین کر دیں اس طرح لے لیں جیسے آپ کی چیز ہو یہ کیفیت تھی آپ کے چندوں میں جو ہمیشہ اسی طرح رہی۔اور سیاست کی بھرپور زندگی تو اتنی وسیع زندگی ہے کہ اس میں سے ساری باتوں کا ذکر تو ویسے ہی ممکن نہیں۔قوموں پر جو احسان کرنے کی خدا تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ کثرت سے دوسرے بھی برکت حاصل کریں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی۔

خدا تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسے مقام پر پہنچایا جہاں واقعۃً ہر قوم نے اس سرچشمے سے پانی پیا۔یعنی United Nations کی آپ کو صدارت نصیب ہوئی اور وہ دور United Nations کی تاریخ میں اگر کسی ایک تعریف کے ساتھ یاد کیا جائے تو وہ United Nations کا اخلاقی دور کہلائے گا۔تمام اسلامی، اخلاقی قدروں کو آپ نے وہاں نافذ کیا ہے۔اور وہ ایک دور تھا جبکہ دہریہ سیاست دان بھی جو United Nations میں حصہ لیا کرتے تھے وہ بھی احترام سے اور سنبھل کر بیٹھا کرتے تھے اور کوئی بدخلقی کی بات نہیں کیا کرتے تھے۔یہ جو Booing یا تماشہ بینی اور تحقیر کے الفاظ استعمال کرنا، غصہ میں آپے سے باہر ہو جانا یہ ساری حرکتیں اس وقت United Nations میں مفقود تھیں اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور قرآن کریم سے استنباط کرنا اور اخلاقی تعلیم دیتے چلے جانا قطع نظر اس کے کہ کوئی مانتا بھی ہے کہ نہیں آپ کو یا قرآن کریم کو یہ آپ کا شیوہ تھا۔ایسی جرات خدا نے عطا فرمائی تھی اور بات میں ایسی عظمت تھی کردار کے نتیجے میں کیونکہ بات کو عظمت تو کردار سے نصیب

ہوا کرتی ہے لفاظی سے نہیں ہوا کرتی کہ اس کے نتیجہ میں غیروں پر بھی رعب بیٹھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ چوہدری صاحب نے مجھ سے خود ذکر کیا بے تکلفی کی باتیں ہو رہی تھیں کھانے پر کہ حیرت ہوتی تھی کہ وہ لوگ جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں، مذہب سے کوئی تعلق نہیں، میرے ساتھ خدا تعالیٰ نے ان کو اچھا سلوک کرنے کا پابند فرما دیا کیونکہ وہ ہر بات اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے تھے اس لئے ذکر ہمیشہ اسی رنگ میں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہے احسان ہے کہ اس نے ان کے دل میں ایک رعب سا ڈال دیا تھا اور وہ میری باتوں کو مانتے تھے حالانکہ بظاہر کوئی حق نہیں تھا میرا اس طرح ان کو آداب کے پابند کرنے کا۔ پریذیڈنٹ کی حیثیت معلوم ہے معروف ہے لیکن سیاست کی دنیا میں جو توقعات کی جاتی ہیں ایک پریذیڈنٹ کے رعب داب کے متعلق وہ عملاً نہیں ہوا کرتا۔ آزاد ممالک ہیں، طیش میں آئیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ کون بیٹھا ہے، نظم وضبط کیا ہوتا ہے اور وقت کی پابندی کروانا یہاں تک بھی آپ کو وہاں آداب سکھانے پڑے اور بلاشبہ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام ایک ذات میں بھی پورا ہوا ہے۔ ویسے تو بکثرت ایسے احمدی ہیں جن سے قوموں نے فائدے اٹھائے ہیں لیکن وہاں ایک ذات میں یہ ساری باتیں اکٹھی ہوگئیں۔ ایک سرچشمے سے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی پر فخر کیا کرتا تھا تمام اقوام عالم نے فائدہ اٹھایا اور سیراب ہوئیں۔ اور پھر قوموں کی بھرپور خدمت میں آپ کو خدا تعالیٰ نے ایسے ایسے مواقع نصیب فرمائے کہ وہ وقت ایسا تھا جبکہ نئی تاریخ کی شکلیں بن رہی تھیں۔ یہ جو آج کی جدید تاریخ ہے اس کی بنیادیں ڈالی جارہی تھیں۔ اس دور میں جب کہ آپ کو United Nations میں پیش ہونے کا موقع عطا فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک ممبر کی حیثیت سے، ایک نمائندے کی حیثیت سے یا بعد ازاں ایک صدر کی حیثیت سے۔ چنانچہ ایک لمبے دور تک جب آپ پاکستان کے وزیر خارجہ بنے ہیں اُس وقت سے United Nations کی صدارت تک پہنچنے کے درمیان تک کا جو عرصہ ہے یہ عرصہ ایک بہت ہی اہم عرصہ ہے جس میں نئی تاریخ بن رہی تھی۔ چنانچہ آپ کو موقع ملا عربوں کی خدمت کا فلسطین کے معاملے میں اور ایسی عظیم الشان خدمت کی توفیق ملی کہ عرب اٹھ اٹھ کر آپ کے ہاتھ چومتے تھے، بڑے بڑے سربراہ اور اپنے اپنے ممالک میں بڑی عظمتوں کے مالک اور اس بات پر فخر کرتے تھے۔ اس قدر محبت تھی، اتنا پیار تھا کہ جو ان میں سے وفادار تھے۔ انہوں نے آخر دم تک اس کو نبھایا ہے۔ صرف فلسطین کا معاملہ نہیں تھا۔ مورا کو (مراکش) کی خدمت کی توفیق ملی، Tunisia (تیونس) کی خدمت کی توفیق ملی، Jordan (اردن) کی خدمت کی توفیق ملی اور اس کے علاوہ بکثرت دیگر ممالک تھے، سوڈان کی خدمت کی توفیق ملی۔ بکثرت تھے صرف مسلمان ممالک ہی نہیں بلکہ بہت سے دیگر ممالک بھی جن کے حق میں آپ نے باتیں کہیں، جن کے حق حاصل کرنے میں آپ نے مدد کی۔ مسلمان ممالک میں آپ کو انڈونیشیا کی خدمت کی بھی توفیق ملی۔

United Nations میں آپ کی تقاریر کا جو ریکارڈ ہے وہ دو سال قبل میں نے بڑی محنت سے کوشش کر کے وہ حاصل کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدا نے ایک سبیل بنا دی اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے ذریعے وہ سارا ریکارڈ مجھے مل گیا ہے کیونکہ خواہش یہ تھی کہ چوہدری صاحب کی ان تاریخی خدمات کو وقتاً فوقتاً دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا رہے کیونکہ بعض لوگ تو خیر بھول جاتے ہیں بعض لوگ نئی الٹی باتیں ایجاد کر لیا کرتے ہیں۔ یعنی جہاں مسلمان ممالک کی خدمت کی ہے وہاں یہ الزام لگانے والے بھی بدقسمت ہیں کہ مسلمان ممالک کے مفاد کے خلاف کوشش کی نعوذ باللہ من ذالک تو میں نے تو اس نیت سے اس کو اکٹھا کیا تھا لیکن اب جب اس کو وقتاً فوقتاً دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملے

گا تو جو اپنی معصومیت میں بھولے ہوئے ہیں ان کو بھی یاد تو آئے گا کہ کوئی ایک ایسا انسان ایک درویش صفت خدا کا بندہ تھا جس نے ملکوں اور قوموں کی بے لوث خدمتیں کی ہیں۔ بہرحال یہ تو بہت ہی ایک لمبی فہرست ہے اور لمبا ذکر ہے۔ میں اپنے ذاتی تاثرات بیان کر رہا تھا اور وہ میں اسی پر پھر بات ختم کرنی چاہتا ہوں کہ چوہدری صاحب کے ساتھ میری خط و کتابت بھی بہت رہی ہے اور میں جانتا ہوں کہ بہت ہی نرم دل تھا، اللہ تعالیٰ کی خشیت تھی اور خشوع و خضوع تھا۔ مجھے آپ کے ساتھ اکٹھے نماز پڑھنے کی بھی توفیق ملی ہے۔ کبھی میں لاہور جاتا تھا تو ہمیشہ بڑی محبت سے بلایا کرتے تھے اور کبھی یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ لاہور میں ہوں اور میں ملے بغیر یا آپ کے ساتھ کھانا کھائے بغیر یا آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارے بغیر واپس جاسکوں کیونکہ مجھ میں ان کے شکوے کی ہمت نہیں تھی اور وہ اس بات پر یقینا بہت شاکی ہو جاتے تھے۔ اس لئے جب ہم نماز پڑھتے تھے تو مجھے کہا کرتے تھے کہ تم نماز پڑھاؤ اور اس وقت جو ان کی کیفیت ہوتی تھی قریب سے وہ صرف سننے کا سوال نہیں وہ محسوس ہونے لگتی تھی۔ عجیب خشوع و خضوع تھا ان کی نمازوں میں اور ہر لفظ جو ادا کرتے تھے ایک ایک لفظ موتی کی طرح سجا کر خدا کے حضور پیش کیا کرتے تھے۔ گویا التحیات للہ کے مفہوم سمجھ رہے ہیں جانتے ہیں کہ عبادت تبھی قبول ہوگی اگر تحفہ کے طور پر پیش کریں گے ورنہ بے معنی ہو جائے گی۔ پھر وہ پرائیویٹ مجلسوں میں جو گفتگو ہوا کرتی ہے۔ مختلف پہلوؤں سے ان کی طبیعت میں جھانکنے کا موقع ملا۔ پھر خط و کتابت کے ذریعے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ان کے خطوط ایسے ہیں بڑے سنبھال کے میں نے رکھے ہوئے ہیں لیکن چونکہ ان کا مزاج نہیں تھا کہ لوگوں کو ان کی بعض اندرونی کیفیات کا پتہ چلے۔ صرف چند دوستوں کے ساتھ چند آدمیوں سے وہ خطوں کے وقت بے تکلف ہو جاتے تھے اور ہر خط میں ان کی انکساری کا پہلو اتنا حیرت انگیز ہے کہ جو خط پڑھنے والے کو شرمندہ کر دیا کرتا تھا۔ بے حد عجز اور انکساری اسی وجہ سے ان کے ساتھ مجھے خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تعلق عطا ہوا ہوا تھا۔ جب خلافت کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے پہلا کشف دکھایا ہے تو تعجب کی بات نہیں کہ پہلے کشف میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہی دکھائے گئے اور وہ بھی ایک عجیب کشف تھا میں حیران رہ گیا کیونکہ اس قسم کی باتوں کی طرف انسان کا ذہن عموماً جا ہی نہیں سکتا۔ ایک دن یا دو دن خلافت کو گزرے تھے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کو خلیفہ بننے کے بعد کوئی الہام کوئی کشف وغیرہ ہوا ہے میں نے کہا مجھے ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا بس میں گزر رہا ہوں جس طرح بھی خدا تعالیٰ سلوک فرما رہا ہے، ٹھیک ہے۔ تو اس کے چند دن کے بعد ہی میں نے صبح کی نماز کے بعد کشفاً بڑے واضح طور پر ایک نظارہ دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں اور میں وہ باتیں سن رہا ہوں اور فاصلہ بھی ہے۔ مجھے یہ علم ہے کہ لیٹے لندن میں ہوئے ہیں لیکن جس طرح فلموں میں دکھا دیا جاتا ہے قرب کہ ٹیلیفون کہیں دور سے ہو رہے ہیں اور سن رہا ہے گویا کہ اس قسم کے مزے کیمرہ ٹرک سے ہو جاتے ہیں۔ تو کشفاً یہ دیکھ رہا تھا کہ چوہدری صاحب اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کچھ باتیں کر رہے ہیں اور میں سن بھی رہا ہوں اور اس کے ساتھ ایک ذہنی تبصرہ بھی ہو رہا ہے لیکن گویا میری آواز وہاں نہیں پہنچ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب سے یہ پوچھا کہ آپ کا کتنا کام باقی رہ گیا ہے تو چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ کام تو چار سال کا ہے لیکن اگر آپ ایک سال بھی عطا فرما دیں تو کافی ہے۔ یہ سن کر مجھے بہت سخت دھکا سا لگا اور میں چوہدری صاحب کو یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ چار سال مانگیں خدا تعالیٰ سے یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ایک سال بھی عطا ہو جائے تو کافی ہے۔ مانگ رہے ہیں خدا سے اور کام چار سال کا بیان کر رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ایک سال ہی کافی ہے۔ مجھے اس سے بے

چینی پیدا ہوئی لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس نظارے میں میں اپنی بات پہنچا نہیں سکتا تھا صرف سن رہا تھا کہ یہ گفتگو ہو رہی ہے۔

وہ میں نے پھر دوسرے دن ہی چوہدری حمید نصر اللہ صاحب اور ان کی بیگم کو لکھ کے بھیج دیا اور مجھے اس سے تشویش پیدا ہوئی کہ ہوسکتا ہے خدا تعالیٰ لمبی زندگی نسبتاً دے دے لیکن کام کا صرف ایک سال ہی ملے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔1983ء میں آپ پر شدید بیماری کا حملہ ہوا اور اس وقت تک جو وہ کام کر سکے ہیں عملاً اس کے بعد پھر رفتہ رفتہ ان کو کام سے بالکل الگ ہونا پڑا یعنی بھر پور کام صرف ایک سال توفیق ملی ہے۔ پھر آپ کو بیماری کی وجہ سے پاکستان جانا پڑا اور اس کے بعد پھر طبیعت گرتی چلی گئی ہے کمزور ہوتی چلی گئی ہے، پھر آخر پر صرف مطالعہ پر آ گئے تھے۔ اور چار سال تو اس وقت کے بعد نہیں ملے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ جو شدید بیماری کا حملہ ہوا ہے جس پہ ڈاکٹروں نے کہا کہ بچنے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ یہ اس کشف کے دو سال کے بعد دوبارہ ہوا ہے یعنی 82ء میں جب میں کراچی تھا تو فروری میں یہ مجھے اطلاع ملی کہ ابھی لاہور سے فون آیا ہے کہ اب تو کوئی بچنے کی صورت بظاہر نہیں رہی۔ اس وقت مجھے یہ یقین دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا دعا بھی میں نے کی لیکن پھر رات رویاء میں خدا تعالیٰ نے دکھایا کہ ایک خط آیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چوہدری صاحب کی اس بیماری کے متعلق میں پڑھ رہا ہوں اور صرف ایک فقرہ ہے جس پر نظر جمی ہوئی ہے اور اس فقرے کا مفہوم یہ ہے کہ میں زندہ بھی کرتا ہوں اور بوجھ بھی اتار دیتا ہوں، مہیا بھی کر دیتا ہوں۔ یعنی یُحْیِ کا مضمون تھا۔ دونوں معنوں میں دوسری 'ہ' کے ساتھ بھی کہ میں مہیا بھی کرتا ہوں اور زندہ بھی کرتا ہوں۔ تو مجھے یہ خیال آیا کہ چوہدری صاحب کو ایک فکر دامن گیر ہے خدا تعالیٰ نے ساتھ اس کی بھی خوشخبری دے دی ہے اور یہ فکر تھی کہ انہوں نے جو صد سالہ جوبلی کے لئے چندہ لکھوایا تھا اس میں سے دولاکھ پاؤنڈ ابھی ان پر قرض تھا، واجب الادا تھا۔

ان کا جو سرمایہ تھا وہ ایک ظالم نے قبضہ میں لے لیا اور بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ اب اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ نقصان ہو چکا ہے میں ادا نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں کو بدظنی تھی کہ بہانہ بنایا گیا ہے چوہدری صاحب کی سادگی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور کافی بڑی رقم اس کے پاس ضائع ہونے کا خطرہ تھا اور چوہدری صاحب توقع رکھ رہے تھے کہ وہاں سے پیسہ ملے تو میں یہ چندہ ادا کروں۔ چنانچہ جب میری آخری ملاقات ہوئی ہے اس وقت بھی اس کا طبیعت پر بہت بوجھ تھا۔ جب میں کراچی جانے لگا ہوں اس وقت بھی مجھ سے ذکر کیا علیحدگی میں کہ اس کے لئے دعا کریں کہ میری طبیعت پہ بہت ہی بڑا بوجھ ہے۔ تو اس رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مضمون بتایا اس سے مجھے یہ بھی یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک تو یہ کہ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں مارے گا اور جب تک وہ بوجھ نہیں اترتا اس وقت تک خدا تعالیٰ ضرور زندہ رکھے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے غیر معمولی زندگی عطا فرمائی۔ پھر کئی خطرات پیدا ہوئے۔ کئی بحران آئے اور ڈاکٹروں کی نظر میں تو وہ ہر دفعہ یہی کہہ دیتے رہے کہ بس اب بچنے کی امید نہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچاتا رہا۔ پھر میرا یہاں آنا ہوا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ پھنسی ہوئی رقم جس کے متعلق سب اس کو Write off کر چکے تھے کہتے تھے اس کے نکلنے کی کوئی امید نہیں اس سلسلے میں کچھ کوشش کی توفیق عطا ہوئی اور ہمارے ماموں زاد بھائی ہیں رفیع الدین ایڈووکیٹ ان کو بھی خدا تعالیٰ نے کراچی سے یہاں بھجوا دیا اور بڑے قابل وکیل ہیں اور ان باتوں میں بڑے ماہر گفت وشنید کا فن بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کمپنی کے ذریعے جب وہ گفت وشنید ہوئی تو قانونی طور انہوں نے اس طرح ان کو قابو کر لیا کہ دولاکھ سے کچھ زائد رقم ان سے مل گئی اور یہی وہ دولاکھ تھا جو ان کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ چنانچہ چند مہینے پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ الحمدللہ نہ صرف یہ کہ رقم ہمیں مل جائے گی کی بات نہیں وہ عمارت جو دولاکھ سے زائد کی ہے وہ اب خدا کے فضل سے ہمارے قبضہ میں

آ گئی ہے۔تو وہ ایک چونکہ اس خوشخبری میں یہ دونوں باتیں اکٹھی بیان ہوئی تھیں ۔تو پہلا دھڑکا تو مجھے اس بات کا تھوڑا سا خفیف سا ہوا کہ یہ کام تو ہو گیا ہے اب لیکن بہر حال خدا پھر بھی زندگی دیتا رہا اور جب تک چوتھے سال میں داخل نہیں ہوئے اس وقت تک خدا نے نہیں بلایا۔ چار سال مکمل تو نہیں ہوئے لیکن ان چار سال میں داخل ہو کر تیسرے مہینے میں تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو واپس بلا لیا۔ آپ کی زندگی اپنے اندر کئی قسم کے نشان رکھتی تھی ۔اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ سلوک تھے جو براہ راست ان پر ہمیشہ نازل ہوتے رہے کچھ خدا نے دوسروں کو بھی دکھایا ، مجھے بھی دکھایا کہ میں اس شخص سے پیار کرتا ہوں ۔اس لئے جب میں یقین سے کہتا ہوں تو کچھ یہ پہلو بھی ہے یقین کا کہ (النجم :33) خدا تو بہر حال تقویٰ کو جانتا ہے۔وہ جب یہ سلوک فرماتا ہے کہ غیروں کو بھی اس کے تقویٰ کے نشان دکھانے لگے اور اپنی محبت اور پیار کے نشان دکھانے لگے تو پھر یہ امید اور یہ حسن ظن کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت اور پیار کا سلوک کرے گا ایک اور منزل میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے اوپر اللہ تعالیٰ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ان کی اولاد پر، ان کی نسلوں پر، ان کے عزیزوں پر، ان سب پر جو آپ کو پیارے تھے اس رنگ میں بھی رحمتیں نازل فرمائے کہ ان کی خوبیاں اختیار کرنے کی توفیق بخشے ۔ جماعت احمدیہ کو اس وصال پر صدمہ تو ہے بڑا گہرا صدمہ ہے لیکن اس صدمے کے نتیجے میں مہمیز کا سا اثر ہونا چاہئے مایوسی کا اثر نہیں ہونا چاہئے۔خدا تعالیٰ کی رحمتیں بے شمار ہیں وسیع ہیں اس کی عطا کے دروازے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جن راہوں میں وہ کھلتے ہیں وہ لامتناہی راہیں ہیں ۔اس لئے آپ کو اگر خدا ظفر اللہ خان نہیں بنا سکتا تو اپنی اولاد کو بنانے کی کوشش کریں اور اولاد در اولاد کو یہ بتاتے چلے جائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک نہیں دو نہیں بکثرت ایسے غلام عطا فرمائے گا جو عالمی شہرت حاصل کریں گے ۔جو علم وفضل کے مضامین میں حیرت انگیز ترقیات حاصل کریں گے جو بڑے بڑے عالموں اور فلسفیوں کے منہ بند کر دیں گے اور قومیں ان سے برکت پائیں گی ۔ایک قوم یا دو قوم بھی نہیں کل عالم کی قومیں ان سے برکت پائیں گی ۔تو خدا کرے کہ بکثرت اور بار بار ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھیں ۔دوسروں ہی میں نہیں اپنوں میں بھی ، غیروں کے گھروں میں نہیں اپنے گھروں میں بھی ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس عظیم پیشگوئی کو پورا ہوتا دیکھیں ۔

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا: ابھی انشاء اللہ جمعہ کے بعد حضرت چوہدری صاحب کی نماز جنازہ ہوگی۔اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔آپ کو تو ہر وقت یہ لگن رہتی تھی کہ میں کب اپنے ان پیاروں کے پاس حاضر ہوں جو دوسری دنیا میں ہیں ۔یہ ذہن میں میرے ایک بات آئی تھی وہ اس وقت پہلے خطبہ میں بیان کرنی بھول گیا۔ یہ بھی ایک بڑا نمایاں حصہ تھا کردار کا کہ موت کے لئے ہر وقت تیار تھے اور اس ذکر سے ذرہ بھر بھی جذبات میں ہیجان پیدا نہیں ہوتا تھا۔Matter of fact ایک روزمرہ کا واقعہ جس طرح ہوتا ہے ہر صبح ہر شام ہر دو پہر کو تیار ہوا کرتے تھے ہر رات کو تیار سوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ مجھے تو خیال ہی نہیں آتا کبھی کہ یہ کوئی ایسی بات ہے جس کا کوئی انسان فکر کرے۔لوگ خوابیں دیکھتے ہیں مجھے بتاتے ہیں میں کہتا ہوں ٹھیک ہے جب بلائے اچھا ہے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میرے تو اکثر پیارے ادھر بیٹھے ہیں جن سے ملنے کی تمنا ہے۔تو اس میں ڈرنے کی کون سی بات ہے۔یقین کامل اور پھر یہ واقعہ کہ جن سے سب سے زیادہ آپ کو عشق اور محبت تھا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اور اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پھر والدہ جو بہت ہی بزرگ عظیم عورت تھیں اور وہ والد بھی ۔ذاتی اور روحانی تعلقات میں یہی ان کی محبتوں کا خلاصہ تھا اور یہ اس دنیا کے لوگ تھے ۔وہ تو یہاں رہتے ہوئے بھی

ایک عالم بقا میں رہ رہے تھے۔اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔وہ تو خوش ہیں اور خوش رہیں گے۔انشاء اللہ ہمیں خدا کے گھر سے یہی امید ہے۔اللہ پسماندگان کو بھی خوش رکھے اور ان کو بھی وہ نعمتیں عطا فرمائے۔آمین۔

(بحوالہ خطبات طاہر خطبہ جمعہ فرمودہ 6ستمبر 1985ء بمقام بیت الفضل لندن)

سادگی ،میانہ روی اور انکساری کی منفرد شان ۔قدرت ثانیہ کے ناظم سے مثالی وابستگی اور اطاعت کا مثالی نمونہ

(حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ کے قلم سے)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے۔سلسلہ عالیہ احمدیہ کی محبت اور اس کی خاطر قربانی کا جذبہ تو کوٹ کوٹ کر ان کے اندر بھرا تھا۔قدرت ثانیہ کے تمام مظاہر سے بے انتہا عشق رکھتے تھے۔جماعت کے لئے انتہائی غیرت وحمیّت کے ساتھ مخلوقِ خدا کی ہمدردی اور بے لوث خدمت بھی ان کا طُرہ امتیاز تھی۔آپ بلا امتیاز تمام حاجت مندوں کا بہت خیال رکھنے والی عظیم شخصیت تھے۔ان کے متعلق جو واقعات مجھے یاد ہیں وہ لکھ رہی ہوں۔ہمارے مستقل طور پر قادیان آنے سے بہت پہلے کی بات ہے ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے برحسب ِمعمول ہم لوگ چار پانچ دن کے لئے قادیان آئے ہوئے تھے۔جلسہ کے پروگرام کے دوسرے یا تیسرے دن جب ابّا جان حضرت سیّد عزیز اللہ شاہ صاحب گھر آئے تو برسبیل تذکرہ فرمانے لگے کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو سٹیج کے ٹکٹوں اور حلقہ خاص کی ٹکٹوں کے لئے بڑی جدّ جہد کرتے ہیں اور عذرِ لنگ یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں چونکہ پروگرام اچھی طرح سنائی نہیں دیتا اس لئے ہمیں ضرور سٹیج پر یا حلقہ خاص میں جگہ ملنی چاہئے وغیرہ وغیرہ۔لیکن میں نے آج دیکھا ہے کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جلسہ گاہ میں سٹیج کے سامنے نیچے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر صرف پرالی بچھی ہوئی تھی اور وہ پورے انہماک سے جلسہ کی کاروائی سُن رہے تھے۔اِس واقعہ سے ان کی اِنکساری کی شان اور نظامِ سلسلہ کے احترام کی رُوح اور فدائیت کا جذبہ خوب آشکار ہوتا ہے۔آپ کی قدرتِ ثانیہ کے آسمانی نظام سے وابستگی مثالی تھی اور ائمہ ِسلسلہ احمدیہ سے محبت بھی مثالی اور نہ صرف دینی امور میں آپ ان سے راہنمائی حاصل کرتے اور اس کما حقہ عمل پیرا ہونے کو فلاح دارین کے لئے ضروری سمجھتے بلکہ عام دنیوی معاملات میں بھی سیدنا حضرت فضل عمر سے اکثر مشورہ کرتے رہتے۔جب آپ کے ہم وطن مخالفین نے انصاف کا خون کرتے ہوئے آپ کے خلاف زبان طعن دراز کرنے میں انتہا کر دی اس وقت بھی آپ حضرت فضل عمر کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے مشورہ اور راہنمائی کے طلبگار ہوتے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حد نوازا اور موسلا دھار بارش کی طرح باران رحمت کا آپ پر نزول ہوا۔یہ آپ کے اُس ایمان اور یقین اور محبت وخلوص کا نتیجہ تھا جو آپ کو خدا تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں سے تھا۔آپ بے حد سادہ طبیعت کے مالک تھے۔باوجود بے حساب مال ومنال عطا ہونے کے کبھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا اور نہ ہی کبھی دینی مفاد پر دنیوی مفاد کو ترجیح دی۔جہاں بھی اور جس قدر بھی جائیداد بنائی وہ سلسلہ کو ہی دے دی۔قادیان میں بھی انکی کوٹھی تھی پھر ربوہ میں بھی آپ نے کوٹھی بنوائی۔ان کے بنانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ بیرونی دنیا سے جو لوگ سلسلہ احمدیہ کی تحقیق سے آتے ہیں ان کے مناسب حال رہائش کے لئے یہ عمارتیں کام آئیں۔اپنی زبان اور اپنے تمدن سے انکو گہرا تعلق اور لگاؤ تھا۔سادگی بہت پسند تھی۔اپنے وطن کا لباس پہننے میں انکو خاص خوشی اور طمانیت محسوس ہوتی تھی۔جب کبھی اپنے ہم

وطنوں کو دوران گفتگو انگریزی اردو اور پنجابی ملا کر بولتے ہوئے سنتے تو وہیں ٹوک دیتے فرماتے ''میاں! سیدھی طرح اپنی زبان میں بات کرو۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ دو لفظ انگریزی کے اور دو پنجابی یا اردو کے لئے اور ایک نئی زبان بنا ڈالی۔ آپ خاص طور پر نوجوانوں کو سمجھانے کی غرض سے ضرور ٹوکتے۔ آج کل اکثر لوگ اپنی زبان میں بات کرتے کرتے بلاضرورت انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اس بات کو فیشن میں داخل سمجھتے ہیں۔ مگر حضرت چوہدری صاحب کو یہ طریق بالکل پسند نہ تھا۔ کھانے پینے میں بڑی سادگی تھی۔ اوّل تو ذیابطیس کی بیماری کی وجہ سے غذا ویسے ہی مختصر تھی مگر آپ اس معاملہ میں پھر بھی سختی سے پرہیز کرتے۔ اپنی کوٹھی تعمیر ہونے سے قبل جب کبھی آپ حضرت فضل عمر سے ملاقات کے لئے آتے اور مرکز سلسلہ میں قیام فرماتے تو اپنے جس گھر میں حضور کی باری ہوتی آپ بھی اسی گھر کے مہمان ہوتے۔ جب کبھی مجھے آپ کی میزبانی کا موقعہ ملتا میں آپ کی بیماری کے مدّنظر غذا تیار کرواتی۔ ایک دفعہ آپ نے حضور سے کہا ''کہ مہر آپا میرے کھانے کا بہت تکلف سے اہتمام کرتی ہیں۔ صرف ایک آدھ ڈش اور سلاد ہی میرے لئے کافی ہوتی ہے۔ جب حضور نے اندر آکر مجھے بتایا تو میں نے کہا جب انکی خراک صرف WHITE MEAT تک محدود ہے تو پھر اس میں کچھ نہ کچھ تنوع تو ضرور ہونا چاہئے۔ حضرت فضل عمر کے سفر یورپ میں آپ تمام وقت حضور کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ آپ کا سامان خود اُٹھاتے رہے کیونکہ وہاں ہمارے ہاں کی طرح سامان اُٹھانے کے لئے کُلی وغیرہ عام نہیں ہوتے۔ اوّل تو وہ لوگ اس قدر سامان سفر میں ساتھ رکھتے ہی نہیں۔ یہاں سے روانگی سے قبل بھی چوہدری صاحب بڑے اسرار سے یہی پیغام بھجواتے رہے سامان تھوڑا لے جائیں وہاں اسکی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ مگر تھوڑا تھوڑا کر کے بھی سامان اچھا خاصا ہو گیا۔ دوران سفر جب وینس (اٹلی) پہنچے تو وہاں نہ کوئی کلی تھا نہ مزدور۔ حضرت چوہدری صاحب نے تمام سامان اپنے کندھوں پر اُٹھا اُٹھا کر کار سے ''گنڈولے'' تک پہنچایا۔ اور مسکراتے ہوئے کہا ''دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس قدر سامان نہ لے جائیں۔ خیر بیبیوں کو پتہ تھا کہ ظفر اللہ خان ساتھ ہے خود ہی سامان اُٹھا تھا پھرے گا۔ چوہدری صاحب نے تو یہ بات مزاحاً کہی تھا مگر مجھے یہ احساس ہوا کہ ان پر یہ اتنا بوجھل کام آن پڑا ہے۔ وہ تو اپنے حبیب حضرت فضل عمر کے عشق و محبت میں اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر سب کام کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں کسی کو دو چار پیسے مل جائے یا اعلیٰ تعلیم حاصل کر لے تو وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ مگر چوہدری صاحب کو کمال سلیم فطرت ملی ہوئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اتنی بڑی شخصیت اور انکسار کا یہ عالم! سارے سفر یورپ کے دوران میں نے گوشت کو ہاتھ نہ لگایا چاہے وہ گوشت (یہودیوں کا ذبیحہ) ہی ہو جن کا کھانا شرعاً جائز ہے۔ روزانہ چوہدری صاحب ہم لوگوں کے متعلق پوچھتے کہ ہر ایک کیا چیز کھانا پسند کرے گا تا کہ وہی چیز منگوا لی جائے۔ میں نے ایک دفعہ کہہ دیا کہ میرے لئے تو صرف مچھلی یا کوئی سبزی کافی ہے گوشت میں قطعی طور پر نہیں کھاؤنگی۔ آپ نے اسی وقت فارسی کا ایک شعر پڑھا۔ شعر بہت عارفانہ تھا جس سے میری حد سے زیادہ احتیاط بے معنی ہو کر رہ جاتی تھی۔ میں نے کہہ تو دیا کہ میں کوشش کرونگی مگر طبیعت نہ مانی اور میرا اسی طرح گزارہ ہوتا رہا۔ آخر اس احساس کے تحت کہ میں گوشت کی کوئی چیز نہیں کھا رہی چوہدری صاحب نے حضور سے کہا کہ حضور'' میں حسب سابق شرع کو ملحوظ رکھتے ہوئے مہر آپا کے لئے ایک خاص ڈش کا انتظام کرتا ہوں۔ انکو وہ ضرور پسند آجائے گی۔ یہ کہہ کر آپ نے اُس ڈش کا آرڈر دیا جب وہ ڈش تیار ہو گئی تو چوہدری صاحب نے حضور سے کہا یہ خاص طور پر مہر آپا کے لئے بنوائی گئی ہے۔ ان سے کہیں کہ اب تو کھالیں۔ ڈش دیکھنے میں خوش منظر تھی مگر میرا دل کسی طور پر راضی نہ ہوا اور میں نے ڈش چپکے سے چھپا دی۔ اسی طرح آسٹریا میں ایک دفعہ

کھانے کا وقت ہوا تو ہم ہوٹل میں گئے چوہدری صاحب نے میرے لئے بھی انڈوں کا سوپ منگوایا۔انہیں معلوم نہ تھا کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔جب چوہدری صاحب کو پتہ چلا کہ میں وہ نہیں پی رہی تو آپ نے خود وہ پیالہ اپنے پاس منگوالیا۔اور ''زرمی خورم'' کہتے ہوئے وہ پی لیا۔مطلب یہ تھا کہ آخر اس پر رقم اٹھی ہے وہ کیوں ضائع ہو۔آپ کو ضیاع اور فضول خرچی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ایک بار وینس میں چوہدری صاحب نے ہم مستورات کے لئے کھلے سمندر کے سیر کا انتظام کیا۔مقصد یہ تھا کہ ہماری ذہنی تھکاوٹ دور ہو۔کیونکہ ہم لوگ سارا وقت ہی حضور کی بیماری کی وجہ سے بڑے دباؤ کا شکار رہتے تھے۔بہر حال صاحبزادی امۃ الجمیل،امۃ المتین اور مَیں سیر کے لئے گئے۔سیر کے دوران چوہدری صاحب بہت سے اہم تاریخی مقامات دکھاتے چلے گئے۔اور ساتھ ساتھ ان کا تاریخی پس منظر بھی بتاتے چلے گئے۔اس تاریخی سفر میں چوہدری صاحب نے جس طرح اپنے آقا کی خدمت کی اس کا اجر تو خدا کے پاس ہے مگر ہمارے دلوں میں بھی انکی قدر اور عظمت بہت بڑھ گئی۔بڑے بے نفس انسان تھے،بےلوس اور بے ریا۔اللہ تعالیٰ انہیں حضور کے قدموں میں جگہ دے۔اور انکی روح کو سکون بخشے۔آمین۔

(بحوالہ ماہانہ خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 31 تا 33)

خلوص و عشق و وفا کا نکھار حضرت بابا جی ظفر اللہ خان مثالی رضائی باپ کی مثالی محبت و شفقت

محترمہ صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ بنت حضرت فضل عمر

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب میرے رضائی والد تھے اور مَیں انہیں بابا جی کہا کرتی تھی۔وہ یقیناً ایک مثالی باپ تھے اور میرے ساتھ ان کی شفقت اور پیار کا تعلق شہد کی طرح شیریں اور سمندر کی طرح گہرا تھا۔انکی دل موہ لینے والی محبت ہمیشہ مجھ پر نچھاور ہوتی رہی۔

آقا اور غلام کا پُرخلوص تعلق

ابا جان حضرت فضل عمر اس پیار کے تعلق سے خوب واقف تھے اور اس رضائی رشتے کا بھی بہت احترام کرتے تھے۔ایک دفعہ مجھ سے فرمایا ''یہ بچے بہت عظیم والدہ کی بہت عظیم اولاد ہیں اور سب کا احترام تم پر لازم ہے''۔پھر فرمایا ''بے جی (والدہ حضرت چوہدری صاحب) بڑے بلند مقام کی حامل تھیں۔جب وہ تشریف لاتی تو مَیں احتراماً کھڑا ہوجاتا۔'' پیار اور محبت کی یہ آگ دونوں طرف بھڑکی ہوئی ہوتی تھی اور بابا جی بھی پورے دل اور پورے جان سے حضور پر فدا تھے۔آقا اور غلام کا یہ سچا،پُرخلوص اور نکھرا نکھرا تعلق اس الٰہی جماعتوں ہی کا خاصہ ہے۔ایک دفعہ حضرت بابا جی حضرت فضل عمر کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے۔آموں کا موسم تھا۔حضور آموں کی کاشیں چکھ کر بابا جی کے پلیٹ میں رکھ رہے تھے اور فرمایا کہ ''چوہدری صاحب آپ کو شوگر ہے میں یہ نہیں چاہتا کہ میری خواہش کی وجہ سے آپ کی صحت پر برا اثر پڑے۔میں عمدہ قسم کی آم کی کاشیں آپ کی پلیٹ میں رکھ رہا ہوں آپ صرف وہی کھائیں۔حضرت بابا جی نے صرف وہی چند کاشیں کھائیں جو حضور نے آپ کی پلیٹ میں رکھیں۔میں نے حضرت ابا جان کو اور حضرت بابا جی کو ایک پلیٹ میں کھاتے ہوئے بھی دیکھا۔اس کا میری طبیعت پر بہت گہرا اثر ہوا کہ حضرت ابا جان کو حضرت بابا جی کے ساتھ کس قدر محبت ہے۔اس محبت کی جہ سے میں نے بھی آپ سے بے انداز محبت کی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے کئی بار دونوں کو کھانا کھلانے کا موقعہ دیا۔جب بھی حضرت بابا جی تشریف لاتے تو حضرت ابا جان مجھے بلوا کر کہتے کہ آج چوہدری

صاحب کھانے پر آئیں گے۔کھانا تم پیش کرنا۔اس طرح اللہ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے دونوں پیاروں کی خدمت کرنے کا موقعہ دیا۔جب آپ حضرت فضل عمر کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے تو حضرت فضل عمر نے فرمایا چوہدری صاحب آج ہم گھوڑے پر سیر کریں گے۔شام کو گھوڑا تیار کر کے پہنچا دیا گیا۔حضرت باباجی بھی وہاں موجود تھے۔حضور جب گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو آپ نے پاؤں رکاب میں نہ ڈالا بلکہ کاٹھی کو پکڑ کر سوار ہونے لگے تو حضرت باباجی نے عرض کی کہ ''حضور آپ نے پاؤں رکاب میں نہ ڈالا''۔حضرت اباّ جان نے فرمایا میں نے پاؤں رقاب میں کبھی نہیں ڈالا۔میں تو کاٹھی پکڑ کر سوار ہوتا ہوں۔اور اس کے ساتھ ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے۔اتنے میں حضرت باباجی نے بلند آواز میں دعائیں پڑھنی شروع کر دیں۔آپ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ کو کچھ گھبراہٹ ہے۔حضرت اباّ جان حضرت باباجی سے مخاطب ہوئے تو آپ نے نگاہ اُٹھا کر کے حضور کی طرف دیکھا اور بہت بلند آواز میں کئی بار الحمدللہ الحمدللہ پڑھا۔اور حضرت فضل عمر سے عرض کی کہ حضور کے گھوڑے پہ سفید ساٹن ہے۔بہت احتیاط لازم ہے۔

مزاج شناسی کا خصوصی وصف۔حضرت باباجی حضور کے مزاج اور طبیعت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔جب حضرت اباّ جان علاج کی غرض سے یورپ تشریف لے گئے تو حضرت باباجی سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ایک روز لندن میں دوپہر کے کھانے پر حضرت اباّ جان نے حضرت باباجی سے فرمایا چوہدری صاحب بیماری کی وجہ سے بھاری کپڑے استعمال نہیں کر سکتا۔آپ جمیل کو ساتھ لے جائیں اور میرے لئے ایک ہلکا سوئٹر اور ایک ہلکا اور کوٹ خرید لائیں۔حضرت باباجی نے عرض کہ ''حضور!ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہو۔حضرت ابا جان نے فرمایا''جی چوہدری صاحب فرمائے''۔حضرت باباجی نے اپنا سوئٹر اُتارا اور فرمایا''حضور یہ سوئٹر بہت ہلکا ہے۔اگر آپ اسے پسند فرمائیں تو اسے استعمال کریں۔'' حضرت ابا جان نے فوراً یہ سوئٹر پہن لیا اور فرمایا''چوہدری صاحب یہ تو بہت آرام دہ سوئیٹر ہے۔''جب حضور نے سوئٹر پہن لیا تو حضرت باباجی کے چہرہ کی خوشی الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔انہوں نے عرض کیا''حضور یہ سوئٹر جب آپ نے کسی کو دینا ہو تو مجھے واپس دے دیجئے۔''حضرت اباّ جان نے فرمایا''چوہدری صاحب بہت اچھا۔''(غالباً حضرت اباّ جان نے استعمال کے بعد حضرت باباجی کو ہی دیا)۔پھر میں حضرت باباجی کے ساتھ اور کوٹ خریدنے کی غرض سے بازار چلی گئی۔بہت تلاش کے بعد ایک جگہ سے حضور کی حسب خواہش ایک اور کوٹ مل گیا۔لیکن اسکی قیمت بہت زیادہ تھی۔اور باباجی اس قیمت پر لینے کے لئے تیار نہ تھے۔انہوں نے مجھ سے فرمایا''اس قیمت پر حضرت صاحب یہ کوٹ کبھی استعمال نہیں کریں گے۔'' مگر میرے بہت اسرار پر حضرت باباجی نے کوٹ خرید لیا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ قیمت کے بارے میں آپ خود حضور کو جواب دہ ہوں گی۔جب اور کوٹ حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضور نے اسکی عمدگی اور ہلکے پن پر خوشنودگی کا اظہار کیا اور پھر باباجی سے اس کی قیمت کے بارے میں پوچھا تو حضرت باباجی نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ جواب دیں۔جب میں نے کوٹ کی قیمت بتائی تو حضور بہت ناراض ہوئے اور حضرت باباجی سے فرمایا''چوہدری صاحب آپ یہ کوٹ اُتار لیں میں اسے استعمال نہیں کروں گا۔اس رقم میں کسی یتیم بچے کی تعلیم یا کسی بیوہ کے گھر کا خرچ چل سکتا ہے''۔آپ کی صحت کی وجہ سے مجھے خیال تھا کہ آپ بوجھل چیز استعمال نہیں کر سکتے۔مَیں نے حضرت ابا جان سے کہا کہ آپ یہ کوٹ واپس نہ کریں۔آپ نے بڑے غصہ میں فرمایا''میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دونگا۔کہ مَیں نے اتنا قیمتی کوٹ استعمال کیا''۔حضرت باباجی کے چہرے پہ جب میری نگاہ پڑی تو میں نے محسوس کیا کہ حضرت باباجی حضرت اباّ جان کی ناراضگی کی وجہ سے بہت تکلیف

محسوس کررہے ہیں۔اس پر میں نے بہت اسرار سے یہ اور کوٹ حضور کو پہنا دیا اور یہ عرض کی کہ ابّا جان آپ کو تندرستی حاصل ہوگی تو انشاء اللہ بہت سے یتیم تعلیم حاصل کریں گے اور بیواؤں کے گھر چلتے رہیں گے۔ چنانچہ آپ وہ اور کوٹ اپنے استعمال میں لے آئے اور وہی کوٹ میرے ایک خواب کی بنا پر میرے کندھوں پر ڈالا۔(الحمد للہ یہی اور کوٹ قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے جلسہ سالانہ 1982ء،1983ء کے دوران استعمال فرمایا۔)

میانہ روی اور فضول خرچی میں حدِّ فاصل۔یورپ کے سفر دوران جب حضرت باباجی نے دیکھا کہ میں حضرت اباجان سے کسی چیز لینے کی خواہش کرتی ہوں تو اس بات کو ناپسند فرماتے۔ایک دکان پر ایک ہینڈ بیگ مجھے بہت پسند آیا میں نے حضرت ابّا جان سے اسے خریدنے کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے بہت پسند ہے لے دیں۔حضور نے فرمایا کہ لے لو۔آپ جب جیب سے رقم نکالنے لگے تو حضرت باباجی نے فرمایا حضرت یہ ہینڈ بیگ بہت قیمتی ہے جمیل نہیں لے گی۔ایک طرف میرا شوق اور دوسری طرف حضرت باباجی کا روکنا، کچھ دیر تو حضور کھڑے رہے پھر فرمایا چوہدری صاحب اس قیمت پر لینا پسند نہیں کرتے میری طرف سے تو اجازت ہے لیکن تم ان کی خواہش کا احترام کرو اور اسے مت خریدو۔ مجھے نہ لینے کا افسوس تو بہت ہوا مگر میرے پیارے حضرت اباجان کا حکم تھا کہ تم چوہدری صاحب کی خواہش کا احترام کرو۔ بے انتہا پیار کرنے والے باپ نے اپنی بیٹی کی خواہش کا تو احساس نہ کیا لیکن چوہدری صاحب کی مرضی کو مقدّم رکھا۔اپنے پیارے ظفر کے لئے کس قدر پیار اور احترام آپ کے دل میں تھا۔میری دلی دُعا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اِس جہان میں انکی دوستی، پیار و محبت وشفقت اور اعتماد کو قائم رکھا اگلے جہان میں بھی دونوں ایک ساتھ ہوں۔اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت باباجی اولاد کی بہتر تربیت اور سادگی پر گفتگو فرما رہے تھے۔آپ کُرسی سے اُٹھے الماری سے اپنا ایک سُوٹ نکالا اور مجھے فرمایا یہ دیکھو یہ دو سُوٹ میں نے 1936ء میں بنوائے تھے اس پر میں نے کہا باباجی یہ سُوٹ تو عمر میں مجھ سے بھی ایک سال بڑا ہے، میں نے کہا کہ آپ نیا سُوٹ کیوں نہیں لے لیتے ؟ آپ نے فرمایا کہ انسان کے پاس صرف ضرورت کی چیزیں ہونی چاہئیں فالتو اشیاء فضول خرچی میں شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ بھی اسے پسند نہیں فرماتا۔**نہایت پیاری اور قابل رشک دوستی**۔لندن میں حضرت اباجان نے کئی بار فرمایا کہ کریلے گوشت کھانے کو جی چاہتا ہے۔ برادرم مکرم عبداللطیف خان مرحوم جو سفر میں حضور کے ہمراہ تھے بہت کوشش کے بعد کریلوں کا ایک ڈبّہ لے آئے۔اُسی روز میں نے کریلے گوشت تیار کئے۔ جب کھانا میز پر چُنا گیا تو اس کی اطلاع حضرت ابّا جان اور حضرت باباجی کو دی گئی آپ دونوں تشریف لے آئے۔ جب کھانا شروع ہوا تو حضور نے پہلا نوالہ لے کر کھانا چھوڑ دیا۔حضرت باباجی نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ حضور آج کریلے گوشت ہیں آپ نے کھانا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ حضور نے حضرت باباجی سے فرمایا پہلا نوالہ لینے پر مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کو تیار کرنے میں میری مریم (امّ طاہر حضرت مریم بیگم صاحبہ) کے ہاتھ لگے ہیں کریلوں کا مزہ بالکل انہیں ہاتھوں کا ہے۔ جب مجھے یہ باتیں یاد آتی ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ حضرت اباجان ہر قسم کی باتیں حضرت باباجی سے کرتے تھے۔اپنے گھر کی باتیں بھی آپ سے کہہ دیتے۔حضرت اباجان کو حضرت باباجی پر بھرپور اعتماد تھا۔اپنے دل کی تمام باتیں آپ سے کہہ دیتے۔ بہت ہی پیاری اور قابل رشک دوستی تھی آقا اور درویش مرید کے درمیان۔**وقت کی پابندی کا ایک سبق**۔پھر حضور زیورچ تشریف لے گئے۔حضرت باباجی نے بعد میں آنا تھا۔جب ان کے آنے کا وقت قریب آیا تو حضرت اباجان نے مجھے بُلا کر فرمایا کہ چوہدری صاحب پہنچ رہے ہیں کمرے کی چابی لے جاؤ اور اس کو درست

کرو۔میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک دو منٹ بعد حضرت باباجی تشریف لے آئے۔سلام کے بعد آپ نے فرمایا کہ آپ کیا کر رہی ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت ابا جان نے فرمایا تھا کہ کمرہ درست کرو اور چیک کرو کہ ضرورت کی تمام چیزیں موجود ہیں۔حضرت باباجی نے میرا یہ جواب سن کر فرمایا کہ مَیں تو پہنچ گیا ہوں اور آپ اب کمرہ درست کر رہی ہیں۔میں نے عرض کی کہ کمرہ تو تیار ہی تھا صرف حضرت ابّا جان کے حکم کے مطابق آئی ہوں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ کام وقت پہ ہونے چاہئے۔حضرت باباجی کی بات سے مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ وقت کی پابندی کا ایک سبق ہے۔مَیں نے اوپر جا کر حضرت ابّا جان کی خدمت میں عرض کی کہ کمرہ تو صاف تھا آپ نے مجھے بھجوا دیا۔مگر حضرت باباجی نے مجھے یہ فرمایا ہے۔مجھے باباجی کا یہ کہنا کچھ بُرا بھی محسوس ہوا جس کا اظہار میں نے حضرت ابّا جان سے کیا۔حضرت ابا جان نے فرمایا کہ تمہیں محسوس نہیں کرنا چاہئے جیسا میں تمہارا باپ ہوں ویسا ہی وہ بھی تمہارے والد ہیں۔**رضائی رشتہ کی اور زیادہ قریبی رشتہ میں تبدیلی**۔میری بیٹی عزیزیہ سعدیہ کا رشتہ حضرت باباجی کے بڑے نواسے عزیزم محمد فضل صاحب کے ساتھ ہوا۔اس کی وجہ زیادہ تو حضرت ابا جان اور حضرت باباجی کا باہمی پیار و محبت و دوستی تھی۔اللہ تعالیٰ نے میرے رضائی رشتہ کو اور زیادہ قریبی رشتہ میں تبدل کر دیا۔الحمدللہ آپ دونوں کے پیار و محبت کو اللہ تعالیٰ نے بھی قبول فرمایا اور حضرت باباجی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہشتی مقبرہ میں بھی اپنے پیارے کے قدموں میں جگہ عطا فرمائی۔الحمدللہ۔

دعاؤں کا مستحق خوش نصیب۔ایک جلسہ کے دنوں میں ہمارے یہاں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔جلسہ کے دوران ظہر کے وقفہ میں جب مہمان کھانا کھانے آئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ بی بی مبارک ہو میں نے خیر مبارک ہو کہنے کے بعد ان سے پوچھا بات بھی تو بتائیں اس پر انہوں نے کہا کہ آج حضرت باباجی اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔جب آپ فارغ ہو کر اسٹیج سے اترے تو ایک نوجوان حضرت باباجی کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے لئے خصوصی دعا کی درخواست کی۔آپ نے اس نوجوان سے اس کا نام پوچھا اور کہا کہ ان شاءاللہ دعا کروں گا اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مشکلات دور فرمائے۔مَیں الفضل میں دعا کی درخواستیں پڑھتا ہوں مگر ہر ایک کا نام لے کر دعا کرنا مشکل ہے۔اس لئے میں مجموعی طور سب کے لئے دعا کرتا ہوں اس مَیں آپ کو بھی یاد رکھوں گا۔پھر آپ ایک قدم آگے بڑھے اور فرمایا ہاں ایک انسان ایسا ہے جس کا نام لے کر اس کو اس کے بچوں کو ہمیشہ ہر نماز اور سجدہ میں یاد رکھتا ہوں۔جب باباجی نے یہ کہا تو جو مہمان آپ کے ہمراہ تھا اُس نے آگے بڑھ کر پوچھا وہ کون خوش نصیب ہے۔آپ نے فرمایا امۃ الجمیل اور ان کے بچے۔اُس مہمان نے واپس آکر مجھے کہا کہ میں نے حضرت باباجی سے یہ سوال اس لئے پوچھا کہ مجھے یقین تھا کہ وہ خوش نصیب مَیں ہوں گا لیکن حضرت باباجی کی زبان سے آپ کا اور آپ کے بچوں کا نام نکلا۔**اصول پسندی کی انتہا**۔دس بارہ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت باباجی جلسہ کے لئے ربوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔آپ میرے گھر بھی تشریف لائے بیٹھنے کے کمرے میں سلام دعا اور خیریت معلوم کرنے کے بعد مَیں آپ کی اجازت سے کافی لینے کے لئے باہر نکلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ بھی باہر تشریف لے آئے تو میں نے عرض کی کہ باباجی کہاں جا رہے ہیں۔آپ نے کہا بی بی بیٹھنے کے بعد میری نظر بورڈ پر پڑی جس میں لکھا تھا ''ضروری التماس! جُوتے اتار کر تشریف لائیں۔'' یہ بورڈ ہماری گیلری میں پڑا ہوا تھا میں نے کہا باباجی یہ بورڈ آپ کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ تو اُن لوگوں کے لئے ہے جو مٹی والے جوتے لے کر کمروں میں آجاتے ہیں۔آپ تو گاڑی میں تشریف لائے ہیں۔میرے اصرار کے باوجود آپ نے جوتے اتار دئے۔اور فرمایا اصول سب کے لئے ایک ہونا چاہیے۔میں نے عرض کی کہ آپ کو

جوتے پہنتے ہوئے تکلیف ہوگی مگر آپ نے یہ بات پسند نہیں فرمائی اور جُوتے اتار کر کمرے میں تشریف لائے۔آپ کے اس عمل سے میری طبیعت پر بڑا بوجھ محسوس ہوا مگر آپ نے پسند نہ فرمایا کہ آپ اپنے اور کسی دوسرے فرد میں کسی قسم کا فرق رکھیں۔آپ تمام بنی نوع انسان کو برابر سمجھتے تھے۔خدا تعالیٰ نے آپ کو زندگی میں اس قدر درجات عالیہ عطا فرمائے لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی بیٹی کے گھر ایک تختی پہ لکھے ہوئے اصول کے خلاف عمل کرنا پسند نہ فرمایا۔**ایک دیرینہ خواہش اور اس کی پذرائی**۔جب آپ نومبر کے وسط میں پاکستان تشریف لاتے تو آپ کا قیام لاہور میں اپنی پچھلی کوٹھی میں ہوتا۔مَیں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی اور دعا کی درخواست کرتی اور جب مارچ میں آپ کی واپسی ہوتی تو پھر ایک بار اللہ تعالیٰ آپ سے ملاقات کا وقت عطا فرماتا۔1982ء میں مَیں نے آپ سے فون پر ملاقات کے لئے وقت دینے کی درخواست کی۔ تو آپ نے شام پونے چار بجے ملاقات کا وقت دیا۔میں اپنی بڑی بیٹی عزیزہ یاسمین کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہم دونوں وقتِ مقررہ پر پہنچیں۔سلام کے بعد دعا کی درخواست کی جی میں کچھ باتیں تھیں جو عرض کیں۔تین منٹ کے بعد واپسی کی اجازت چاہی۔فرمایا''نہیں آپ بیٹھئے،ایک پیالی کافی میرے ساتھ پیجئے۔''میں نے عرض کی باباجی چائے تو مَیں پی کر آئی ہوں۔آپ میرے جواب پر مسکرائے اور فرمایا میرے ساتھ نہیں اُدھر میں نے عرض کی نہیں باباجی مجھے آپ کے ساتھ پی کر زیادہ خوشی ہوتی مگر اس وقت طبیعت نہیں چاہ رہی۔'' مجھے اُن کے معمورالاوقات ہونے کا پورا احساس تھا۔مَیں نے پھر واپسی کی اجازت چاہی۔آپ نے فرمایا نہیں اور بیٹھیے۔کافی دیر آپ نے گفتگو فرمائی اس دوران آپ آنحضرت ﷺ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی باتیں کرتے رہے اور اولاد کی تربیت کے بارے میں بہت کچھ فرمایا۔مَیں نے وقت دیکھا تو کوئی آدھہ یا پون گھنٹہ گذر چکا تھا مَیں نے آپ سے پھر اجازت چاہی اور کہا کہ آپ کے قیمتی وقت کا احساس ہے اب جانے کی اجازت فرمائیں۔حضرت باباجی کھڑے ہوگئے اُن کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہوگئے۔میں نے حضرت باباجی کی خدمت میں عرض کیا باباجی مَیں نے کبھی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا اگر اجازت ہو تو کروں۔آپ نے فوراً فرمایا کہیے؟ میں نے عرض کی دعا تو آپ ہمیشہ ہی ہمارے لئے کرتے ہیں لیکن میری بڑی خواہش ہے کہ آپ میرے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیریں اس لئے کہ آپ کے ہاتھ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ہاتھوں میں کئی دفعہ گئے ہوں گے۔اس پر باباجی نے میری بیٹی یاسمین کو اپنے سینہ سے لگایا اس کے سر پر پیار دیا اور کافی دیر تک لگائے رکھا۔مَیں آپ کے چہرہ کی طرف دیکھ رہی تھی آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے یعنی یہ کہ آپ ساتھ ہی دعا بھی کر رہے تھے۔پھر آپ نے میرے ماتھے اور سر پر پیار کیا۔میرے دونوں ہاتھ کافی دیر تک اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھے اور اس دَوران مسلسل دعا کرتے رہے۔ دروازہ پر پہنچ کر حضرت باباجی نے خود دروازہ کھولنا چاہا مَیں نے عرض کی باباجی یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ میرے لئے دروازہ کھولیں۔آپ نے فرمایا کہ آپ کو علم نہیں کہ آپ کس کی پوتی اور کس کی صاحبزادی ہیں میرے اصرار کے باوجود آپ نے خود دروازہ کھولا اور بڑے پیار سے رخصت کیا۔جب کار مڑنے لگی تو مَیں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ حضرت باباجی اُسی جگہ پر کھڑے تھے جہاں سے اپنی بیٹی کو رخصت کیا تھا۔

مُول سے بیاج پیارا۔ایک دفعہ شام کے وقت میں کوٹھی گئی ہوئی تھی۔واپسی پر امۃ الحئی میری بیٹی عزیزہ سعدیہ کو حضرت باباجی سے ملوانے کے لئے لے گئی۔مَیں عزیزہ عائشہ سے جو آپ کی نواسی ہے باتیں کر رہی تھی جب سعدیہ واپس آئی تو مَیں نے عزیزہ عائشہ سے کہا کہ ابّا کو سلام اور پیار کہنا اور کہنا کہ خالہ نے کہا ہے کہ آپ اپنی بیٹی کی بہو کو تو ملے اور اپنی بیٹی کو نہیں بلایا۔عزیزہ عائشہ نے اپنی امی کو یہ پیغام دیا کہ خالہ جاتے

ہوئے ابّا جان کو یہ پیغام دے گئی ہیں۔امۃ الحیٔ نے ابّا کو یہ بات بتائی اس پر آپ نے فرمایا کہ جمیل سے کہنا کہ ''مُول نالوں بیاج پیارا۔'' امۃ الحیٔ نے کہا کہ جمیل تو دارالذکر چلی گئیں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ پیغام فون پر دے دو۔امۃ الحیٔ نے بتایا کہ فون دفتر میں ہوتا ہے اس وقت بند ہے اس پر عزیزہ عائشہ کو ابّا کا یہ پیغام دے کر دارالذکر بھیجا۔عزیزہ عائشہ سے سُن کر مَیں نے کہا کہ ابّا سے کہنا کہ مَیں آپ کے ایک پیارے کا مُول اور ایک کا بیاج ہوں۔جب میرا یہ پیغام پہنچا تو اگلے روز مجھے بلوایا اور اپنے پاس بیٹھنے کا موقعہ دیا۔الحمدللہ۔

آخری علالت۔آپ جب لندن سے پاکستان مستقل تشریف لائے تو میری بہن نے فون پر آپ کی آمد کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ آپ بہت کمزور نظر آتے ہیں۔چند روز بعد مَیں آپ سے ملنے کے لئے گئی۔مَیں نے آپ کو دیکھا تو میری صحت پر آپ کی کمزوری صحت کا بڑا اثر ہوا۔ بعد میں اکثر ربوہ سے فون پر آپ کی صحت کے بارے میں دریافت کرتی رہی۔اللہ تعالیٰ نے آخری بیماری کے دوران تین راتیں حضرت بابا جی کے پاس رہنے کا موقع عطا فرمایا۔ابّا کے پاس مَیں اور امۃ الحیٔ رات دن بیٹھتے تھے۔جب ہم دونوں کافی رات کے بعد کمرے میں سونے کے لئے جاتے تو نصیب اللہ کمرے میں بابا جی کے پاس آجاتے۔مَیں اپنے بستر سے بار بار اٹھ کر جاتی اور بابا جی کو دیکھتی یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو جاتا۔حضرت بابا جی جب آرام فرماتے تھے تو سانس بہت آہستہ لیتے تھے۔کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ کوئی سو رہا ہے۔اس وجہ سے مَیں کئی بار یہ دیکھنے کے لئے کے سانس ٹھیک آرہا ہے اپنا ہاتھ آپ کے ناک کے قریب کر کے سانس محسوس کرتی۔میری طبیعت بہت زیادہ حساس ہو چکی تھی کیوں کہ مَیں اپنے پیارے ابّا کا دُکھ دیکھ چکی تھی اور بار بار یہی دعا کرتی تھی کہ الٰہی میری بہن کو اس غم سے دُور رکھیو۔یہ وقت تو ہر انسان پر آتا ہے لیکن کوئی انسان اپنے پیارے کے لئے کبھی یہ نہیں چاہتا۔مجھے جتنی بھی دعائیں یاد تھیں وہ تمام پڑھ کر مَیں بار بار آپ پر پھُونکتی اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا، گڑ گڑا کر یہ دعا کرتی اے اللہ ان کی زندگی اور صحت میں برکت عطا فرما یہ تو حضرت مسیح موعود کے صحابہ میں سے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتی کہ اے اللہ ان کو اور حضرت اقدس کے صحابہ کو سلامتی کے ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائیو تاکہ یہ ہستیاں صد سالہ جوبلی کی رونقوں میں مزید رونق و رعنائیاں پیدا کریں۔اور یہ ہستیاں امام جماعت کے دائیں و بائیں بیٹھ کر حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے پیارے واقعات اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمائیں۔میں نے آپ کی تمام بیماری کے دوران صرف اور صرف ایک بات سُنی اور وہ یہی کہ ''نماز کا وقت ہو گیا۔''؟ ''مجھے نماز پڑھا دو۔'' ہمیشہ باجماعت نماز پڑھنی پسند فرمائی۔میرے دیکھنے میں یہ بات بھی آئی کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ ہمیشہ باوضو رہیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے گھر میں نماز باجماعت کا نہایت مناسب انتظام تھا۔(بحوالہ ماہانہ خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 31 تا 33)

میں بیان نہیں کر سکتی کہ ان کی مسکراہٹ کتنی دلکش ہوتی تھی

باپ بیٹی کے پیار میں گندھے ہوئے تعلقات کی دلگداز داستان

محترمہ امۃ الحیٔ صاحبہ بنت حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا خصوصی انٹریو

سوال: آپ نے بحیثیت باپ حضرت چوہدری صاحب کو کیسا پایا۔؟

جواب: خدا تعالیٰ نے گیارہ سال کی عمر میں میرے پیارے ابّا کو حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی زیارت کی سعادت عطا کی۔اور یوں

احمدیت میں ایک معصوم بچے کے عشق کا آغاز شروع ہوا۔اور ایک ایسی زندگی شروع ہوئی جس کا عنوان یہ عہد تھا کہ مَیں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ مجھ سے یا بچوں سے کسی سے تقریباً روز خواہ کتنا ہی مصروف دن کیوں نہ گذرا ہو فرمایا کرتے تھے کہ ''دیکھو ہوتا بس وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے انسان کی کوئی حقیقت نہیں'' اور پھر کوئی واقعہ سنا دیتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ ''زندگی ایک تیز دھار کی مانند ہوتی ہے۔خدا تعالیٰ بڑا رحم کرنے والا ہے چاہے تو آسان بنادے ہر حالت میں رضائے الٰہی پر رہنا چاہیے اور تقویٰ کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہیے۔دعاؤں میں ہر وقت لگے رہنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسے جیسے اپنے خدا کو دیکھو گے سارے معاملے خدا خود ہی سلجھا تا چلا جائے گا۔یہ بہت فرماتے تھے، بچوں سے کہ، دیکھو اپنی سوچ کو غلط طرف نہ جانے دو۔غلط سوچ کو فوراً وہیں کچل دو۔اگر ایسا ہو جائے تو سمجھو کہ آدھا عمل تو ہو گیا۔سارے دن میں انہیں آدھہ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ ہی صرف اپنے لئے ملتا۔تو خواہ کسی بھی موضوع پر بات ہو رہی ہوتی آخر دین ہی دنیا پر غالب آتا تھا۔خدا تعالیٰ نے اس عاجز درویش بندے کو دین و دنیا کے بہترین نعمتوں سے نوازا،عشقِ الٰہی میں فنا ہونا سکھلایا تو پھر ذرا سوچئے کہ ایسا شخص جب اپنی اولاد سے محض اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر محبت کرے تو کیسی عجیب محبت ہوگی۔بخدا ایک پیار کی نظر ایک چھوٹا سا فقرہ یا ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہی دیوانہ بنا دینے کے لئے کافی ہوتی تھی اور مَیں دل ہی دل میں درود پڑھتی رہتی تھی۔

سوال: حضرت چوہدری صاحب کی بیماری کے آخری ایام کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: آخری بیماری میں ایک دن مجھ سے بڑی سنجیدگی سے مگر بہت ہی پیاری باتیں کر رہے تھے۔میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا ''اے کاش میرے دل کا یہ حال نہ ہوتا آپ کے بغیر جینا مشکل ہو جائے گا۔فوراً بولے DARLING COMPLETE YOUR STATEMENT مَیں نے فوراً توبہ اور استغفار کیا اور کہا ''اللہ میرے لئے کافی ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا دوست ہے۔مَیں ذرہ حقیر اور اُس کے بے شمار فضل مجھ پر میرا وہ مطلب نہیں تھا۔آپ نے فوراً فرمایا I KNEW BY THE GRACE AND MERCY OF ALLAH ایک مہینہ اور دس دن کی اس بیماری میں پہلے پانچ دن تو آپ مکمل بے ہوش رہے پھر جب ہوش میں آئے تو ظہر کا وقت تھا۔میاں محمد سلمہ کو آواز دی۔میاں محمد سلمہ پاس ہی تھا کہا ''جی ابّا السلام علیکم آپ کی کیسی طبیعت ہے؟'' فرمایا ''کیا وقت ہے۔'' میاں محمد سلمہ نے بتایا تو کہا کہ مجھے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھا دو۔اس دوران میں ہم سب اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔چنانچہ عزیزم محمد میاں سلمہ نے انہیں نمازیں پڑھا دیں۔یہ محض اللہ تعالیٰ نے آسمان سے صبر اتارا تھا بلکہ ان کی گرتی ہوئی صحت بلکہ ٹمٹماتی ہوئی زندگی نے ان کے کمرے کا جو ماحول بنا رکھا تھا اس کے برداشت کرنا میرے لئے ناممکن ہو رہا تھا۔پھر اُس دن کے بعد عجیب دور شروع ہوا۔میرے ابّا کے وصال سے کوئی سات آٹھ گھنٹہ قبل ہر روز کئی کئی دفعہ انہیں مکمل ہوش آجاتا۔وہ گرمئ عشقِ الٰہی سے پگھل رہے ہوتے تھے۔آنکھوں سے آنسوؤں کی مکمل برسات جاری ہوتی تھی وہ سمجھتے تھے کہ جو وہ دیکھ رہے ہیں وہ مَیں بھی دیکھ رہی ہوں لیکن ایسا تو نہیں تھا سوائے ایک دفعہ کے۔یہ لکھواتے ہوئے بھی میری جان پگھل رہی ہے۔مَیں بیان نہیں کر سکتی اُن کی ایک مسکراہٹ کو کہ وہ کیسی دلکش تھی جب انہوں نے سامنے دیکھتے ہوئے فرمایا ''تو چلئے'' میری طرف دیکھا اور فرمایا ''نہیں بٹھاؤ میری تیاری مکمل ہے۔'' مَیں نے کہا ''جی'' پھر بے اختیار میرے آنسو جاری ہو گئے۔بے شمار دفعہ فرماتے تھے کہ محمد میاں سلمہ سے کہو حضور سے اجازت لے کر میرے پاس چلے آئیں۔میاں محمد سلمہ جو پاس ہی ہوتے کہتے ''ابّا مَیں آپ کے پاس ہی ہوں دیکھیں میری طرف یہ رہا۔مصطفیٰ

میاں سلمہ اور عائشہ بیگم سلمھا کو بھی بہت پیار کرتے اور پھر حددرجہ شفقت سے اُن سے باتیں کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ پھر بے ہوشی شروع ہو جاتی۔ایک دن فرمایا محمد میاں سلمہ سعدیہ کہاں ہے؟ مَیں نے کہا ابّا محمد میاں کی دلہن تو اکثر وقت آپ کے پاس رہتی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت خدمت کرنے کی اُس کو توفیق مل رہی ہے۔اس کے لئے دعا کریں آپ پڑنانا بننے والے ہیں فوراً جواب دیا YES I KNEW اللہ فضل فرمائے۔

تقریباً ہر روز ابراہیم میاں سلمہ کو بلاتے بہت پیار کی باتیں اس سے کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ اس سے کہا کرتے تھے کہ تم میرے لئے دعا کرو کیوں کہ مجھے تمہارے لئے بہت دعائیں کرنے کی توفیق ملتی ہے۔آخری دن تو ابراہیم سلمہ سارا دن کے لئے اُن کے کمرے میں اُن کی پلنگ پر ہی رہے۔مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب بھی آخری وقت ہم سب کے ساتھ ہی رہے۔اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بہت عظیم خدمت کا موقعہ عطا فرمایا اور وہ گویا ابّا کی اولاد میں شامل ہو گئے۔میرے ابّا اُن کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین۔احمدیت سے ڈاکٹر صاحب کو بہت محبت تھی۔اور ماشاء اللہ وہ اپنے علم میں بھی کمال مہارت رکھتے ہیں۔اپنی آخری بیماری میں جب پانچ دن کی متواتر بے ہوشی کے بعد ابّا کو ہوش آیا تو اُسی دن کی بات ہے۔ڈاکٹر صاحب نے السلام علیکم کہا اور طبیعت پوچھی۔ابّا نے ہاتھ آگے بڑھایا اور مصافحہ کیا اور فرمایا ''آپ نے میری بڑی خدمت کی ہے۔جزا کم اللہ احسن الجزا فی امان اللہ۔'' مَیں محترم ڈاکٹر صاحب کی بےلوث خدمات کی وجہ سے اُن کو اپنی عاجزانہ اور درمندانہ دعاؤں میں بفضلہٖ تعالیٰ کبھی نہیں بھُولتی آگے بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے گا۔میرے ابّا کا کلمہ طیبہ کا بیج جواُن کے پُرنور سینہ میں رات دن لگا رہتا تھا۔(اور میری بے شمار یادیں اس سے وابستہ ہیں۔) وہ مَیں نے ڈاکٹر صاحب کو ابّا کی وفات کے ایک ماہ بعد دے دیا تھا۔یہ عظیم تبرک مَیں اپنے لئے رکھنا چاہتی تھی مگر وہ ڈاکٹر وسیم صاحب کے لئے مقدر تھا۔اللہ تعالیٰ انہیں مبارک کرے۔ آمین۔مرض الموت کے آخری ہفتہ میں آپ بہت سنجیدہ ہو گئے اور چہرے پر ایسا اثر رہنے لگ گیا اگر بیہوش بھی ہوتے تو کچھ کہنے سے پہلے ہم لوگوں کو گھبراہٹ ہوتی کہ کہیں ہوش آ گیا تو طبیعت پر ناگوار نہ گذرے۔اس عرصہ میں جب بھی ہوش آیا تو صرف حضور کے بارے میں پوچھا کرتے۔میری طرف دیکھتے رہتے مَیں اُنہیں بوسہ دیتی مگر کچھ نہ کہتے۔عائشہ کی عادت بھی میری طرح تھی۔ایک دن میں نے عرض کی کہ مَیں ترس گئی ہوں خدا کے لئے کچھ تو کہیے تو فرمایا Darling the century is over پھر اشارے سے مجھے قریب کیا اور میرے رخسار پر پیار کیا۔میں نے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے نہ کہ میں احمدیت کے عظیم الشان قافلہ کی ایک مشت غبار بھی نہیں ہوں پھر باپ بیٹی کا ضبط کچھ دیر کے لئے ٹوٹ گیا۔ابّا کے وصال سے چار یا پانچ دن پہلے ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت تھا۔مکمل بے ہوشی تھی ہم سب شدید پریشان تھے۔سب اُن کے پاس ہی تھے کہ اُنہوں نے اچانک بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا مگر آنکھیں نہیں کھولیں۔وہی کیفیت بے ہوشی قائم تھی۔مَیں نے جگانے کی کوشش کی مگر حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔میاں محمد سلمہ اور عائشہ سلمھا نے بلڈ پریشر، بلڈ شوگر، اور عملِ تنفس فوراً چیک کیا بفضلہٖ تعالیٰ سب کچھ ٹھیک تھا۔عجیب وقت تھا مجھے گذشتہ باتیں یاد آ رہی تھیں کہ ایک دن مئی کے مہینہ میں مجھے بُلایا اور فرمایا ''یا چار دن یا چار ہفتے یا چار مہینے اس سے زیادہ وقت اب نہیں۔'' اور بعد میں مجھ سے بہت سی باتیں کرتے رہے۔مَیں اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتی رہی اور اُن کے پیروں میں بیٹھ گئی۔میں نے کہا آپ کو یاد ہے اللہ تعالیٰ نے جو میرے دل میں القا کیا تھا ''تیرے قدموں کے نیچے میری جنت ہے۔'' آپ دعا کر رہے تھے کرتے رہے اور اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھا ہوا تھا۔

آخری لمحات۔ یکم ستمبر کی صبح جب اللہ جلّ شانہ کی منشاء پوری ہونے کا وقت قریب آ رہا تھا اُس وقت پلنگ کے بائیں طرف ڈاکٹر وسیم احمد صاحب اور میاں محمد صاحب سلمہ کھڑے تھے۔ پاؤں کی طرف مصطفیٰ سلمہ اور میری پیاری امیّ اور قریب ہی کمرہ میں نصیب سلمہ اللہ بھی کھڑے تھے اور دائیں طرف عائشہ سلمہا اور محمد میاں کی دلہن اور زہرہ بیگم جو میری عزیز ترین سہیلی اور میری رشتہ دار بھی ہیں کھڑے تھے۔ ابّا بالکل سامنے دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دو تیز روشنیاں نظر آ رہی ہیں۔ چہرہ پر نور کا یہ عالم تھا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ مَیں نے نبض دیکھنی چاہی تو محترم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے کہا نبض نہیں ہے۔ مَیں آنکھوں میں دیکھ رہی تھی کہ میرے دل میں اتنی شدّت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں اُن کے مُنہ کے ساتھ اپنا مُنہ لگا کر دعائیں کرلوں تا کہ یہ سانس بھی خالی نہ جائیں ایک ایک سانس درود اور اپنے رب کی کبریائی اور عظمت میں لپٹ جائے۔ میرے رب نے مجھے ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ابّا کی سانسوں کو مَیں اپنے منہ پر محسوس کر رہی تھی وہ احساس یک لخت ختم ہو گیا۔ مَیں نے اپنا مُنہ ہٹایا اور مکرم ڈاکٹر صاحب سے پوچھا ''کیا اللہ کی رضا پوری ہوگئی۔''؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔''جی ہوگئی ہے۔ ہم سب نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا راضی ہیں اُسی میں جس میں تیری رضا ہو۔ صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ جو حضرت فضل عمر کی صاحبزادی اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی چھوٹی بہن ہیں اور کمترین کی رضائی بہن بھی ہیں انہیں ابّا سے بے پناہ محبت تھی اور ہے جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور میرے ابّا گھر سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے کے کوئی بیس منٹ پہلے ان کے پاس پہنچ گئیں ورنہ عمر بھر بے قرار رہتیں۔

سوال: حضرت چوہدری صاحب نے آپ کی شادی پر آپ کو کیا نصیحت کی تھی۔؟

جواب: میرے رخصتی والے دن میرے ابّا نے مجھ سے فرمایا کہ ''دیکھو اگر تمہاری طبیعت میں کسی بات کی وجہ سے کوئی بوجھ پیدا ہو جائے تو مجھے کچھ نہ بتانا۔ میرے سامنے ایسی ہی ہشاش بشاش نظر آنا۔ تم تو جانتی ہو مَیں تمہاری تکلیف برداشت نہیں کرسکتا اور پھر ہم دونوں نے مختلف بشری پریشانیوں اور زندگی کے نشیب و فراز کے فلسفہ پر کافی باتیں کی ہوئی ہیں تم میرے خیالات جانتی ہو اور مَیں تمہارے خیالات سے واقف ہوں۔ ہم دونوں کا ایک ہی بات پر ایمان ہے کہ ہر مشکل کا علاج صرف دعا ہی ہے۔ ایک بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو بہت سننے والا ہے مَیں نے تمہارے لئے بہت دعائیں کی ہیں اور دعائیں کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ ہر قسم کے حاجت مندوں کو مَیں نے اپنی دردمندانہ اور عاجزانہ دعاؤں میں الگ الگ تقسیم کیا ہوا ہے۔ ایک گروپ کے لئے جب دعا کر لیتا ہوں تو پھر اپنے رب سے عرض کرتا ہوں ایک تیرا یہ بندہ جو کہ ایسا ہے، ایسا ہے اس کی اک بیٹی ہے اس کی ایک بیٹی ہے لاہور چھاونی میں رہتی ہے نام ہے امۃ الحئی۔۔۔۔۔۔''

سوال: حضرت چوہدری صاحب آپ کے پاس جب مستقل رہائش کے لئے لاہور تشریف لائے تو کوئی خاص ہدایات اگر دی ہوں تو بیان فرمایئے۔ جواب: جی ہاں میرے ذمہّ دو نہایت اہم ذمہ داریاں کی ہیں۔ اللہ کے فضل سے اُنہیں کے الفاظ میں بیان کرتی ہوں۔''میرے پاس آیئے بیٹھے۔ بہت قریب ہو کے بیٹھئے۔ دو باتیں مَیں آپ کے سپرد کرنے والا ہوں۔ مَیں نے بہت دعا بھی کی ہے خدا تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور آپ کو بہترین توفیق عطا فرمائے کہ نہایت خوش اسلوبی سے اور وفا سے جب تک مَیں ہوں اپنے فرض نبھا سکیں۔ آمین یا رب العالمین۔ **پہلی بات:** میری نمازوں کی ادائیگی ہے۔ اوّل وقت پر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا انتظام کیجئے۔ میری جو حالت ہے وہ تو آپ دیکھ رہی ہیں۔ اِس وقت کے بعد یہ کلیۃً آپ کی ذمہ داری ہوگی کہ میری نمازیں بروقت ادا ہوں جب تلک میرے ہوش سلامت رہیں

نمازوں کا وقت آپ مقرر کردیں۔ **دوسری بات:** مَیں ایک ایک دن گن گن کر گذارتا رہا ہوں کہ کب تمہارے گھر جاؤں گا۔ الحمدللہ دیکھو اللہ تمہارے ابّا کو لے آیا۔ اب تم پر لازم ہے کہ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی اور جتنا ممکن ہو سکے اپنا وقت میرے پاس گذارو گی۔ اور کبھی کسی بہت ہی ضروری کام سے باہر جانا ہو تو کم ازکم تین دن پہلے مجھے اطلاع دینی ہوگی تا کہ مَیں اپنے آپ کو تمہاری جدائی کے لئے تیار کرلوں۔ مصطفیٰ میاں سلمہ اور عائشہ بیگم سلمھا جب کالج سے واپس آئیں تو ہوم ورک میرے کمرے میں ہی کیا کریں۔ ہم سب اکٹھے دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا کھایا کریں گے۔ انشاءاللہ۔ ابراہیم میاں سلمہ جب چاہے میرے پاس آسکتا ہے اور جتنی دیر وہ چاہے ٹھہر سکتا ہے۔'' میری اماّں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ''اگر آپ بھی اس پروگرام میں شامل ہو جائیں تو یہ مجھ پر بڑی عنایت ہوگی۔'' اس عرصہ میں ایک محتاط اندازے کے مطابق مَیں صرف پانچ دفعہ گھر سے باہر گئی ہوں جبکہ ایک دفعہ اُنہوں نے گاڑی بھیج کر مجھے واپس بلالیا۔ اللہ کے فضل سے نہایت تسلّی بخش انتظام ہوگیا۔ نمازیں پڑھانی تو مصطفیٰ میاں سلمہ کے سپرد کردیں۔ وہ اللہ کے محض فضل وکرم سے 14 نومبر 1983ء سے لے کر 17 ستمبر 1984ء تک بڑے سنوار کر اور مستعدی سے یہ فرض ادا کرنے کی توفیق پاتے رہے۔ میرے ابّا کی صحت اتنی خراب رہنے لگ گئی کہ مصطفیٰ میاں سلمہ نے تقریباً رات اور دن علاج معالجہ کے تمام ممکنہ فرائض ادا کرنے شروع کردئے۔ نصیب اللہ سلمہ میرے پاس 1974ء سے رہتے ہیں وہ میرے بچوں کی طرح ہی ہیں۔ انہیں بھی مصطفیٰ میاں سلمہ کے ساتھ ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔ میرے ابّا کا دیرنہ خاص ملازم محمد اسماعیل بھی حاضر رہتا تھا اور یہ عاجزہ بھی جتنا وقت دن کو ممکن تھا ابّا کی خدمت میں رہتی۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو پھر میرا معمول بن گیا کہ ابّا کے پاس سارا وقت گذارا کرتی تھی۔ نرسنگ کے بعض فرائض مَیں نے اپنے ذمہّ لے رکھے تھے۔ وہ آخری وقت تک میں سرانجام دیتی رہی۔ 17 ستمبر 1984ء کو مصطفیٰ میاں سلمہ جب اپنی تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہوئے۔ نمازوں کی ادائیگی کے فرائض نصیب اللہ سلمہ کے سپرد کردیئے گئے اور ادویات میرے سپرد ہوگئیں اور نرسنگ کے فرائض بھی میرے اور نصیب اللہ سلمہ کی ذمہ داری ہوگئے۔ اسماعیل کے ذمہ کھانا کھلانے کا کام رہ گیا۔ تقریباً ہر کھانے کے وقت مَیں موجود ہوتی تھی یا پھر میری امی عائشہ کے سپرد بلڈ پریشر، شوگر کا ٹیسٹ اور انسولین کے ٹیکے لگانے کی ذمہ داری ہوئی۔ بلڈ شوگر کا ٹیسٹ روزانہ دو دفعہ کرنا ہوتا تھا سوائے اسکے کہ رات کو ضروت پڑ جائے جو تقریبا روزانہ کا معمول تھا۔ نصیب اللہ سلمہ کی غیر حاضری میں عائشہ سلمھا ابّا کے پاس رات کو ہوتی تھی اور نمازیں اس کے ابوّ پڑھاتے تھے۔ ابا کا کھانا اماّں سامنے تیار کرواتی تھیں۔

سوال: **حضرت چوہدری صاحب کے قیام لاہور کے دوران اس نے ملاقات کے لئے کیا طریقہ رائج تھا؟**

جواب: جب لاہور گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو ملاقاتوں کے تعیین اور وقت مقرر کرنا میرے اور میرے میاں کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ جب آپ مستقل طور پر یہاں گھر میں تشریف لے آئے تو طبیعت چونکہ ناساز رہتی تھی اس لئے یہ انتخاب کرنا کہ کن صاحب سے ملاقات خرابی صحت کے باوجود بھی ضروری تھی یہ ذمہّ داری میری تھی۔ یہ بڑے مشکل فیصلے ہوا کرتے تھے کسی کو انکار کرنا (خصوصاً اُن لوگوں کو جن کے بارے میں شک نہیں ہوسکتا تھا کہ کسی دنیاوی فائدہ کے لئے ملنا چاہتے ہیں بلکہ صرف بانئ سلسلہ احمدیہ کے ایک صحابی کی صرف ایک بار زیارت کرنا چاہتے ہیں۔) ناممکن ہوجاتا تھا۔ خدا کے بے شمار فضل وکرم ہوں میرے ابّا اپنے گھر میں عاجز اور محبت کرنے والی اولاد میں موجود ہوں اور ان کی ذاتی خدمت کرنے والوں میں اُن کی بیٹی داماد (جو اُن کے بھتیجے بھی ہیں) اور اُن کے نواسے اور نواسی کے علاوہ متعدد ملازمین پر مشتمل

سٹاف اور بعض عزیز و اقارب جو قریباً تمام دن حاضر رہا کرتے تھے سب موجود تھے تو پھر خدا تعالیٰ کی اُن عظیم مہربانیوں میں کسی باہر کے آدمی کو تکلیف دی جاتی۔اس کی گنجائش ہی نہیں تھی۔الحمدللہ۔کلیۃً خود افرادِ خانہ کو یہ فرض ابّا جان کی خواہش کے مطابق سرانجام دینے کی توفیق ملی۔

سوال: اپنی جائیداد کے بارے میں حضرت چوہدری صاحب نے آپ سے کیا فرمایا؟

جواب: 1963ء میں ایک دن لندن میں تھی کہ ایک دن ابّا مجھ سے ملنے تشریف لائے تو اُن کے چہرے پر عجیب اثر تھا میں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔عرض کیا کیا بات ہے؟ فرمایا تخلیہ میں تم سے خاص بات کرنی ہے چنانچہ ہم دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔فرمایا ''وہ جو ہوتے ہیں نا جن کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہوتے ہیں اور بالوں میں دھول ہوتی ہے وہ اللہ کے بڑے لاڈلے ہوتے ہیں۔مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت مال و دولت عطا کی مگر مَیں نے اپنے لئے یا تمہارے لئے کچھ نہ رکھا۔مَیں آج تم سے یہ اجازت لینے آیا ہوں کہ آئندہ بھی اپنے اللہ سے ایسا ہی کرنے کی توفیق مانگتا رہوں گا۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں اے جانِ ظفر کچھ نہ ملے گا۔مَیں نے تمہیں اور بچوں کو اللہ کے سپرد کیا اور وہ بہت کافی ہے کیا تمہیں منظور ہے؟'' میں اُن سے لپٹ گئی اور بہت پیار کیا پھر ضبط ٹوٹ گیا۔۔۔۔۔مَیں نے عرض کیا ''میری جان! مجھے ہر رنگ میں منظور ہے بس اپنے رحم سے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو آخری سانس تک یہ توفیق ملتی چلی جائے۔میرا رزّاق میرا رب ہے اور وہ میرے لئے کافی ہے۔''

سوال: حضرت چوہدری صاحب کے قدرت ثانیہ سے محبت کا کوئی ایک واقعہ بیان کریں۔

جواب: ہم باپ بیٹی میں اس فلسفہ پر تقریباً روزانہ ہی بات ہوا کرتی تھی کہ درحقیقت ساری رحمتیں نبوت کے سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں اور اسی کے تابع قدرتِ ثانیہ کا نظام اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے اور اس کی کمال اطاعت اور فرمانبرداری ہی لازم ہے۔یہی قادر و کریم کا حکم ہے۔اب مَیں اس ضمن میں ابّا کی قدرتِ ثانیہ سے وابستگی کا ایک واقعہ بیان کرتی ہوں۔حضرت فضل عمر نے ایک بار میری پیاری اماّں سے فرمایا کہ اب امۃ الحیٔ کی شادی کر دینی چاہیے کیونکہ بعض لوگوں کی وجہ سے میری طبیعت پر بڑا بوجھ ہے۔بعض اصرار کرتے ہیں کہ اس رشتہ کی اگر اجازت دے دیں تو ہماری بات بن سکتی ہے۔چوہدری صاحب کے پاس جب جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ میری امۃ الحیٔ کی شادی تو ہو چکی ہے احمدیت سے۔فلاں لوگ آئے تھے پہلے بھی کئی بار آ چکے ہیں۔اب کی بار آئے تو مَیں نے کہا اگر تو آپ نے میری بیعت کی ہے تو مَیں حکم دیتا ہوں امۃ الحیٔ سے نہیں بلکہ اُس کی خالہ زاد بہن طلعت جو جنرل نذیر احمد صاحب کی بیٹی ہے اپنے لڑکے کی شادی کر لیں۔جہاں تک امۃ الحیٔ کا سوال ہے اگر مَیں چاہوں تو مَیں آپ کو یہ بھی کر کے دکھا سکتا ہوں۔یہ پہر دار جو اس دروازہ کے باہر کھڑا ہے مَیں اپنی امۃ الحیٔ کی شادی اس سے کر دوں کیوں کہ امۃ الحیٔ نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔ابّا کو جب یہ بات اماں نے بتائی تو فوراً ابّا نے فرمایا ''تو پھر کر دینی تھی۔'' اطاعت کا کیسا دلفریب نظارہ ہے۔

سوال: حضرت چوہدری صاحب کے تجہیز و تکفین کے انتظامات کی کچھ تفصیل بیان کریں؟

جواب: جس کمرہ میں ابّا جان کی وفات ہوئی یہ کمرہ امی جان کا ہے اِس کا نقشہ مَیں نے 1960ء میں بنایا تھا۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ حضرت خالہ جان منصورہ بیگم صاحبہ آخری سات سال میں جب بھی لاہور تشریف لاتے تو اسی کمرے میں قیام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بہت خوبصورت جگہ ہے۔پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی کمرہ میں ایک اور خوبصورت چاند جلوہ افروز ہوا یعنی حضرت

مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ بمع حضرت آپا آصفہ صاحبہ تشریف لائے اور قیام فرمایا۔اس کمرہ کا کل رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع فٹ ہے اور یہ تین حصوں پر مشتمل ہے ایک بڑی لاؤنج ،ایک چھوٹی لاؤنج اور پھر بیڈ روم ۔میرے ابّا امی اور مَیں نے اس کمرے کا ابّا کی رہائش کے لئے انتخاب کیا اور یوں ابّا گیسٹ ہاؤس سے بڑی حویلی کے اس کمرے میں منتقل ہوئے ۔اسی کمرے کی تاریخ میں یکم ستمبر 1985ء کی صبح بھی آئی ۔مَیں نے محمد میاں سلمہ،مصطفیٰ میاں سلمہ مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نصیب سلمہ اور عبدالمالک صاحب کو ابّا کے اس آخری غسل دینے کے فرائض سونپے ۔مَیں نے مکرم طاہر احمد ملک صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کو پیغام بھیجا کہ وہ جلد از جلد اس عاجز سے ملنے کے لئے تشریف لے آئیں ۔مَیں پردہ کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کتنا سامان ہے ۔آپ میرے ابّا کا پلنگ بیڈ سائڈ میزیں اور اُن کے لیمپ اور باقی تمام سامان جو آپ کی طرف حصہ میں رکھا ہوا ہے ۔اسے ہمارے گیسٹ ہاؤس میں اپنی نگرانی میں حفاظت سے رکھوادیں اور قالینوں کو بھی ۔ملک صاحب نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں یہ کام میں فوراً کروانا شروع کر دیتا ہوں چنانچہ انہوں نے وہ انتظام کروا دیا ۔جزاك الله ۔غسل کا انتظام بھی کمرہ میں ہی ہوا ۔جس لاؤنج میں میرے ابّا ابدی نیند سو رہے تھے اُس کمرے میں ادویات اور کرسیاں پہلے سی ہی نہایت قرینے سے رکھی ہوئی تھیں ۔یہ سارا سامان میری سہیلی زہرہ بیگم اور ایک خادمہ نے مجھے معلوم نہیں کتنے لوگوں کے ساتھ مل کر وہاں سے ہٹایا اور میرے گرمیوں کے استعمال والے کمرے کو جانے والی گلی میں رکھوا دیا ۔مَیں نے صرف اپنے ابّا کی ٹوپی ،گھڑی ،کنٹیکٹ لینز کی ڈبیہ اور مُشک کے عطر کی شیشی اور قرآن کریم اور اُن کی ایک گدی خود اپنے کمرہ میں جا کر رکھی ۔سلیپر میں پہلے ہی بھجوا چکی تھی ۔الماری جو 14 فُٹ چوڑی ہے اُس میں امی کی چیزیں ہوا کرتی تھیں اور ایک چھوٹے سے حصہ میں میرے ابّا کا سامان ہوا کرتا تھا اُس حصہ کو سربمہر کر دیا گیا ۔مَیں سارا وقت وہیں رہی محمد میاں سلمہ اور مصطفیٰ سلمہ نے میرے ابّا کے کپڑے جو انہوں نے اُس وقت پہن رکھے تھے وہ مجھے لا کر دئے ۔دونوں بچوں کی آنکھوں کا رنگ سُرخ ہو رہا تھا لیکن ذرّہ ذرّہ اپنے رب کی رضا پر راضی تھا ۔ساری تیاری مکمل ہوگئی حضور کے حکم کے ماتحت تدفین کے وقت کا فیصلہ بھی ہو گیا اور لاہور سے ربوہ لے جانے کے انتظامات بھی ہو گئے ۔شفامیڈیکوز لاہور کی تین ائیر کنڈیشنڈ ایمبولینس گاڑیوں میں سے جس گاڑی میں میرے پیارے ابّا کا جسدِ عنصری لاہور سے ربوہ لے جایا گیا اُس گاڑی میں میرے دونوں بیٹوں محمد میاں اور مصطفیٰ میاں کے علاوہ شفامیڈیکوز کے مالک چوہدری سمیع اللہ صاحب بھی موجود تھے ۔جو خود اس گاڑی کو چلا کر لے گئے تھے ۔اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یہ سعادت نصیب فرمائی ۔جزاک اللہ ۔اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے میرے جن عزیز ومحترم بھائیوں کو اپنے اس عاجز پیارے بندے کی دن رات دل جان سے خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی وہی سمیع وبصیر خدا اُنہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے ۔آمین یا رب العالمین ۔خاکسار ان سب کی نہایت ہی ممنون ہے بفضل اللہ 1974ء سے ان سب کے لئے دعاؤں کی توفیق مل رہی ہے اور دعا گو ہوں کہ آئندہ بھی ایسے ہی توفیق ملتی رہے جب تک مجھے رہنا ہے ۔آمین ۔خاکسار مختلف انتظامات کی توفیق پانے والوں کی بھی بہت ممنون ہے ۔

میں ابّا کے بارے میں بہت سے موضوعات پر بفضلہٖ تعالیٰ بہت کچھ کہہ سکتی ہوں لیکن وقت کی کمی کے پیش نظر صرف چند دنوں کی کچھ باتیں بتائی ہیں تا کہ اُن کی گھریلو زندگی اور آخری ایّام کی ایک جھلک میرے وہ عزیز بھائی اور بہنیں اس انٹرویو کو پڑھ کر دیکھ سکیں اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ۔آمین ۔(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 43 تا 51)

میری خوش نصیبی کی ایک درخشندہ علامت

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے اثر و جذبات میں ڈوبے ہوئے تاثرات

خوش بختی کی علامت کے طور پر مجھے اپنی زندگی میں جن عظیم الشان شخصیتوں سے متعارف ہونے کا شرف حاصل ہوا ان میں سے ایک حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تھے۔ میں نے چوہدری صاحب موصوف کو پہلی مرتبہ 1933ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر دیکھا۔ اُس وقت میری عمر آٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ اُن کی اُس وقت کی شکل وصورت اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ اور ذہنی طور پر اب بھی میرے آنکھوں کے سامنے ہے۔ اُن کی مَن موہنی شخصیت میں بَلا کی جاذبیت تھی۔ میرا خیال ہے کہ چوہدری صاحب کو پہلی مرتبہ مجھ سے جان پہچان اُس وقت ہوئی جب والد محترم نے میرے مستقبل کے بارے میں بذریعہ خط اُن سے مشورہ طلب کیا۔ اُن کا جواب آیا کہ میں عزیز کے لئے دعا کروں گا اور ساتھ ہی خط میں تین نصیحتیں بھی تحریر فرمائیں۔ پہلی نصیحت یہ تھی کہ مجھے اپنی صحت کا دھیان رکھنا چاہیے کیوں کہ ترقیات کا سارا دارومدار صحت پر ہے۔ دوسری نصیحت حصول تعلیم سے متعلق تھی اور وہ یہ کہ کلاس میں اگلے روز جو لیکچر دئے جانے متوقع ہوتے ہیں ان سے کما حقہ مستفید ہونے کے لئے ایک دن پہلے ہی اپنے طور پر بھی ان کے بارے میں تسلی کر لینی چاہیے۔ اور یہ کہ جو کچھ بھی دن بھر پڑا گیا اُسے اُسی روز دہرا لینا چاہیے تا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ذہن میں محفوظ ہو جائے۔ تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ مجھے اپنے ذہن میں وسعت پیدا کرنی چاہیے۔ جب کبھی کسی تعلیمی سفر پر جانا ہو یا سَیر وتفریح کے لئے سفر کا موقع پیدا ہو ذہنی وسعت کے تعلق میں پیش آمدہ سفر سے ضرور اسفاتدہ کرنا چاہیے کیونکہ مختلف مقامات کے سفر میں انسان کو دلچسپیوں کے دائرہ میں وسعت پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ذاتی طور پر میرا پہلا رابطہ ان سے اُس وقت ہوا جب اکتوبر 1946ء میں مَیں نے کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان کا سفر اختیار کیا۔ ہمارا جہاز جس کا نام پی اینڈ فرینکو نیا تھا لورپول میں لنگر انداز ہوا۔ وقت صبح کا تھا۔ شدید سردی اور کہر ہر طرف چھائی ہوئی تھی، ایسے وقت اور ایسے موسم میں چوہدری صاحب اپنے بھتیجے سے ملنے کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے جو فرینکونیا جہاز میں میرا ہم سفر تھا۔ اُس زمانہ میں چوہدری صاحب ہندوستان کے وفاقی عدالت کے جج تھے۔ جب ہم جہاز سے اُترے تو ہمارے بھاری بکس جس میں مَیں نے حساب کی بھاری کتابیں بھر رکھی تھیں، کسٹم والوں کے شیڈ میں پڑے ہوئے تھے۔ جنگ کے حالات کی وجہ سے وہاں اُن دنوں قلی ناپید تھے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے مجھے سے کہا کہ بکس کو ایک طرف سے تم پکڑو اور دوسری طرف سے مَیں پکڑتا ہوں۔ ہم مل کر اس کو ٹرین تک لئے چلتے ہیں جو مسافروں کی منتظر ہے۔ ایک ناچیز طالب علم کے لئے یہ بہت حیران کُن استقبال تھا کیونکہ اُسے اس سے قبل اتنی عظیم شخصیت کی طرف سے اپنے مرتبہ ومقام سے اس درجہ بے نیازی کے مظاہرے کا پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔

ہم نے لندن تک اکٹھے ہی سفر کیا۔ سفر کے دوران وہ مجھے بتلاتے رہے کہ انگلستان کہ دیہی علاقہ میں کیا حُسن پنہا ہے۔ وہ برطانیہ کے دیہی علاقوں کے قدرتی مناظر کے بے حد دلداہ تھے۔ موسم سرد تھا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سردی کے زیر اثر مجھے کسی قدر کپکپی طاری ہے۔ اپنا ایک گرم کوٹ جو بہت دبیز اور موٹا تھا مجھے عنایت کیا۔ یہ کوٹ چالیس سال تک زیر استعمال رہنے کے باوجود آج بھی گھر کے اندر قابل استعمال حالت

میں موجود ہے۔میری دوسری ملاقات ان سے 1951ء میں ہوئی جب وہ پاکستان کے وزیر خارجہ تھے اور پرنسٹن انسٹی ٹیوٹ میں جو اعلیٰ تعلیم کی ایک درسگاہ ہے تشریف لائے تھے۔میں اُس وقت اس ادارے کا فیلو تھا۔مَیں نے ان کی صحبت میں دو دن گذارے۔وہ اُس وقت اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔مجھے اُس وقت اُن کی معیت میں مشرقی ساحل پر بعض تاریخی مقامات دیکھنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔اقوام متحدہ کے فورم میں فلسطین کے عربوں، لیبیا، مراکش، اور کشمیر کی حمایت میں ان کے جوزبردست معرکے انتہائی بلند پایہ حریفوں سے ہورہے تھے ان کے پیشِ نظر میرے ذہن میں جو غالب تصوران کے بارے میں اُس وقت اُبھرا وہ یہ تھا کہ وہ ایسے شخص نہیں جو ہنسی خوشی زک پہنچانے کا کوئی موقع حریفوں کے ہاتھ آنے دیں۔ان کی شخصیت کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع اُس وقت ملا جب 1973ء میں وہ بین الاقوامی عدالت کے صدر کی حیثیت سے ریٹائر ہو کے مسجد فضل لندن کے احاطہ میں رہائش پذیر ہوئے۔میری رہائش بھی قریب کی کیمپین روڈ پر تھی۔ انہوں نے ازراہِ نوازش میری یہ پیشکش منظور کرلی تھی جب مَیں لندن میں ہوں تو اتوار کے دن وہ ناشتہ میرے ساتھ کریں۔ناشتہ کی دعوت بس ناشتہ تک ہی محدود ہوتی تھی کیونکہ وہ دن بھر قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ اور دیگر گراں مایہ دینی کتب کے انگریزی تراجم کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ان کے روزمرہ کے کام کا آغاز بڑی باقاعدگی سے صبح نو بجے شروع ہو جاتا تھا۔اتوار کو بھی وہ کام کرتے تھے اور ان کے کام میں کوئی مداخلت ممکن نہ تھی۔

ناشتہ پر ہونے والی یہ ملاقاتیں بڑی یادگار نوعیت کی تھیں۔ان مواقع پر انکی زندگی کے بعض واقعات کا تذکرہ چھڑ جاتا تھا۔جن کو انہوں نے اپنی کتب اور ان میں سے بھی بالخصوص اپنی آخری تصنیف ''سرونٹ آف گاڈ'' میں بڑی خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے قلمبند کیا ہے لیکن اس کتاب میں وہ تفاصیل موجود نہیں جو ان مواقع پر بیان کرتے تھے۔مثال کے طور پر کتاب مذکورہ کے صفحہ 67 تا 69 میں مسٹر چرچل کے ساتھ معرکہ آرائی کی کہانی بیان کرتے ہیں لیکن کہانی کی ابتدائی حصوں کا انہوں نے ذکر نہیں کیا جب کہ انڈین پارٹی کے سردار بُوٹا سنگھ نے عجیب ترنگ میں آکر مسٹر چرچل پر جرح کی اور اس کے نتیجہ میں تفنن طبع کا مواد پیدا ہوا۔اُس کی طرف بھی اُنہوں نے کوئی اشارہ نہیں کیا اُن کی طرز نگارشات میں جو عجیب حلاوت پائی جاتی ہے اُس کو واضح کرنے کے لئے میں اس جگہ بطور مثال ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جو ان کی کتاب میں مذکور ہے۔وہ لکھتے ہیں:'' جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے پبلک اجلاس میں 1933ء میں موسم بہار میں شروع ہوئے۔اس کمیٹی کے سامنے مختلف نوعیت کے بہت سے گواہ پیش ہوئے۔جن میں ہندوستانی اور انگریز سب ہی شامل تھے اور وہ مختلف نقطہ ہائے نظر اور مفاد کی نمائندگی کرتے تھے۔کمیٹی نے ان کے بیانات سُنے اور ان پر جرح کی۔اس کمیٹی کی کارروائیوں میں شمولیت نہایت ہی معلومات افزا ثابت ہوئی۔کمیٹی کے سامنے جو گواہ پیش ہوئے ان میں سب سے زیادہ ممیز وممتاز مسٹر (بعدازاں سر) ونسٹن چرچل تھے۔ان پر جرح کا سلسلہ چار روز تک جاری رہا۔قرطاس ابیض میں جو تجاویز پیش کی گئی تھیں وہ ان کے سخت مخالف تھے اور مکمل طور پر ان کو رد کرنے کے حق میں تھے۔ان کے نزدیک یہ تجاویز برطانیہ پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے پہلو تہی تھیں۔اس سلسلہ میں سوالات کی جو بوچھاڑ اُن پر کی گئی اس کے نتیجہ میں وہ اپنے مؤقف سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے۔اس کارروائی کے دوران کبھی اُن کی آنکھوں میں خاص قسم کی چمک پیدا ہوتی اور کبھی مسکراہٹ کھیلتی کبھی وہ اپنے سگار کو ایک خاص انداز سے جُنبش دیتے۔ہر چند کہ اندازِ تخاطب ایسا تھا کہ لفظ لفظ سے تہذیب وشرافت ٹپکتی تھی لیکن کیا مجال کہ جو اپنے مؤقف سے بال برابر بھی اِدھر

اُدھر ہوئے ہوں۔سوالات کرنے والے اپنے مطلب کی کوئی بات ان کے مُنہ سے نہ کہلوا سکے۔تمام جرح کرنے والوں کے بالمقابل وہ اپنے نقطہ نظر پر مضبوطی سے جمے رہے۔ پورے ایک دن یہ ڈرامہ دیکھنے کے بعد مسلم لیگ کے مندوب نے محسوس کیا کہ مسٹر چرچل جیسے زبردست مدّ مقابل پر جرح کرنے کا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔دوسرے دن سیکریٹری آف سٹیٹ نے میٹنگ شروع ہونے ہونے سے قبل برسبیل تذکرہ اس مندوب (یعنی چوہدری محمد ظفر اللہ خاں سے پوچھا''کیا آپ کا ارادہ ہے کہ مسٹر چرچل سے کوئی سوالات پوچھیں۔''؟اس نے جواباً کہا''نہیں جناب ایسا کرنا سعی لاحاصل کے مترادف ہوگا۔''مندوب نے سوچا مسٹر چرچل یو این او کے سب سے زیادہ ہوشیار مفرور مناظر ہیں ان کی مبالغہ تقریروں کے حوالہ سے جس میں انہوں نے ہندوستان کو ڈومنین سٹیٹ (نوآبادی کا درجہ) دئے جانے کی حمایت کی ہے اُن پر گرفت کرنے کی کوشش بے فائدہ ہوگی۔کیا آج دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح ایسے سوالوں سے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔ٹھیک ہے وہ ڈومنین سٹیٹ کے حامی ہیں لیکن ڈومنین کا درجہ الگ چیز ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہونا اور اختیارات کو عملی جامہ پہنانے کا اہل قرار پانا الگ بات ہے۔ہندستان کو نوآبادی کا درجہ تو پہلے ہی حاصل ہے پیرس کی امن کانفرنس میں اس نے وفد بھیجا۔معائدہ ورسائی پر اس کے دستخط ثبت ہیں۔ لیگ آف نیشنز کا بھی وہ رُکن ہے۔یہ تو ہوا سٹیٹس لیکن ان کے نزدیک ہندوستان ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ وہ ایک نوآبادی کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھال کر انہیں ادا کر سکے۔ان کا خیال ہے کہ ہندستان ہنوز ابھی اُسی حال میں ہے جس حال میں وہ اُس وقت تھا جب وہ (مسٹر چرچل سوبالٹرن سیکنڈ لیفٹیننٹ) کے طور پر بنگلور میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

مسلم لیگی مندوب سے اس صورت حال پر غور کیا۔اس کی جرح کرنے کی باری شام کے اجلاس کا وقت ختم ہونے سے ایک گھنٹہ قبل آئی (جرح کرتے ہوئے) اس کا انداز مؤدبانہ تھا۔لہجہ بھی تعظیم وتکریم کا آئینہ دار اور یوں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ معذرت خواہانہ لہجہ میں بات کر رہا ہے۔مسٹر چرچل بہت محتاط تھے۔کبھی کبھار بادل ناخواستہ ایک آدھ رعایت دینے پر آمادہ نظر آتے لیکن اس کے ساتھ اگر مگر اور بشرطیکہ کی حد بندیاں لگا کر بچاؤ کی صورت پیدا کر لیتے۔جب مسٹر چرچل نے دیکھا کہ انہیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ کسی طرح وہ اپنے مؤقف سے ہٹ جائیں تو وہ سوالوں کے براہ راست جواب سے گریز کرنے لگے۔اس کے نتیجہ میں سوال کو دوبارہ زیادہ محتاط انداز میں پیش کرنے کی ضرورت پیدا ہوجاتی۔ ایک دفعہ جب ان پر سوال کیا گیا تو ان سے بچنے کے لئے طرح دے کر نئی سمت میں نکل گئے۔اور جب سوال گھما پھرا کر زیادہ محتاط طریقہ سے دُہرایا گیا تو وہ بڑی ہوشیاری سے دوسری جانب نکل گئے۔اس پر سوال کرنے والے کے انداز میں پہلے سے زیادہ نرمی اور خوش خلقی پیدا ہوگئی بلکہ وہ عاجزانہ رنگ اختیار کرگئ اور اس نے مسٹر چرچل سے کہا''میں معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے ایک مشکل درپیش ہے۔انگریزی میری مادری زبان نہیں ہے۔مَیں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں دومرتبہ ناکام رہا ہوں۔آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ایک کوشش اور کر دیکھوں۔؟'' فراخدلانہ جواب ملا''ضرور ضرور''۔تیسری بار سوال اس رنگ میں کیا کہ بچ نکلنا محال تھا۔اس کے بعد سوال کرنے والا اور گواہ دونوں محتاط ہو گئے۔اتنے میں کمیٹی کا وقت ختم ہوگیا اور اجلاس برخاست ہوگیا۔اگلے دن صبح پھر سوالات کا سلسلہ شروع ہوا اور قریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔سوال کرنے والے نے ممتاز گواہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی جرح ختم کی تو اس گواہ نے کہا''مائی لارڈ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ مسٹر ظفر اللہ خان کے بارے میں مَیں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انہیں انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے کوئی دقت پیش آئی ہو۔''جب چوتھے روز کے اختتام پر مسٹر

چرچل پر جرح پایہ تکمیل کو پہنچی تو کمیٹی نے جس رنگ میں تالیاں بجائیں وہ نعرہ تحسین کا رنگ رکھتی تھیں۔مسٹر چرچل اپنی جگہ سے اٹھے اور مسلم سوال کنندہ کے پاس آئے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور ایک خاص انداز سے غرّاتے ہوئے کہا۔''تم نے کمیٹی کے سامنے مجھے دو گھنٹہ بڑی مشکل میں ڈالے رکھا۔''سوال کنندہ نے ان کے غرّانے کو بنظر استحسان اس طرح قبول کیا کہ گویا اسے اعزاز کے رنگ میں شاباش کا سزاوار گردانا جارہا ہے۔اس نے اسے دوستی کی علامت سمجھا۔کمیٹی کے آئندہ کے اجلاسوں میں جب بھی عظیم المرتبت وزیراعظم سے ملاقات ہوتی تو وہ ہر بار اپنے خطوط یا تقریروں پر مشتمل ایک عدد جلد عنایت کرتے۔ان کتابوں پر جو الفاظ وہ اپنے قلم سے رقم کرتے ان کا سلسلہ کچھ اس طرح شروع ہوا۔'' برائے ظفراللہ خان منجانب ڈبلیو ایس چرچل'' پھر اس ترقی پذیر انداز میں تبدیلی آئی اور لکھا جانے لگا کہ'' ظفراللہ خان کے نام منجانب ڈبلیو ایس چرچل''،'' میرے دوست ظفراللہ کے لئے منجانب ڈبلیو ایس چرچل''،'' ظفراللہ کے لئے اس کے دوست ڈبلیو ایس چرچل کی طرف سے''منجملہ بہت سی خوبیوں کے اس عظیم المرتب وزیراعظم کی ذات فراخ دلی کے وصف سے بہمہ وجہ مزین تھی۔''سب سے حیران کُن بات یہ تھی کہ چوہدری صاحب کا حافظہ کسی بھی غلطی سے یکسر مبرّا تھا۔جو واقعات پچاس ساٹھ سال قبل اُن کے ساتھ گزرے ہوتے ان کے بارے میں نہ صرف اشخاص اور افراد کے ناموں کی حد تک بلکہ تاریخ دن اور معین وقت کے متعلق بھی ان کی یادداشت بالکل درست ہوتی۔مجھے یاد ہے کہ بڑی مسرت ہوتی کہ وہ کس طرح لیبیا، مراکش تیونس اور الجیریا کی آزادی کے حصول کے سلسلہ میں اقوام متحدہ میں بڑی طاقتوں سے اپنی جھڑپوں کے واقعات سُنایا کرتے تھے۔(تفصیل ان کی کتاب''سرونٹ آف گاڈ''کے صفحہ 179 تا 182 پر درج ہے) اسی طرح جب وہ شاہ فیصل کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے حج کرنے مکہ مکرمہ گئے تو اس واقعہ کی دلوں کو گرما دینے والی تفصیل ہماری درخواست پر کئی مرتبہ انہوں نے بیان کی۔اُن کی اپنی زندگی کے ان واقعات کو دُہرانے میں جو چیز نمایاں ہو کر سامنے آئی تھی وہ ہے اُن کی روحانی عظمت، اُن کی حُبِّ رسول ﷺ جو غایت درجہ احترام کی آخری حدود کو پہنچی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُن کی مشیت پر کامل بھروسہ اور توّکل۔اسی طرح سے فارسی اشعار بالخصوص مولانا رومی کے صوفیانہ کلام سے جو دیوان شمس تبریز کی شکل میں موجود ہے ان کا دلی لگاؤں کا اظہار ہوتا تھا۔وہ اس دیوان کے بہت سے اشعار بغیر کسی دقّت کے زبانی سُنا سکتے تھے۔چوہدری صاحب کو آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکت سے جو عشق تھا اُس کا ایک مثالی واقعہ میں سُنائے دیتا ہوں۔ایک مرتبہ اُن کو کمر درد کی شکایت ہوگئی اور وہ وانڈز ورتھ کے ہسپتال میں صاحبِ فراش ہونے پر مجبور ہوگئے۔مَیں اُن سے ملنے کے لئے ہسپتال میں گیا اور اپنے ساتھ امام ترمذی کی لکھی ہوئی کتاب شمائل ترمذی لے گیا جس میں آنحضور ﷺ کی روزمرّہ کی زندگی، خدّوخال، لباس روزانہ کی مصروفیت اور حضور کی دعائیں اور پبلک زندگی کے حالات درج ہیں۔مَیں نے اُن کو کہا کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو مَیں کسی وقت اِس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔مَیں نے وہ کتاب ان کے پاس چھوڑ دی اور ٹریسٹے چلا گیا۔

قریباً دو ماہ گذرنے کے بعد مَیں واپس انگلستان آیا اور چوہدری صاحب سے ملنے کے لئے ان کی رہائش گاہ گیا تو انہوں نے شمائل ترمذی کے انگریزی ترجمہ کی ایک مطبوعہ جِلد مجھے پیش کی۔یہ ترجمہ دو ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل ہو کر طبع بھی ہوگیا تھا اور ازراہ نوازش اس کا انتساب میرے نام کے ساتھ کیا گیا۔جس تیز رفتاری سے چوہدری صاحب نے یہ کام سرانجام دیا اس پر مجھے بڑی حیرت ہوئی میں نے غایت درجہ نرمی سے کسی قدر احتیاط سے کہا مَیں خود اس کا ترجمہ کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ سعادت میری مغفرت کا موجب بن سکے۔اس پر انہوں نے کہا''شاید مستقبل

قریب میں تمہیں اس کام کے لئے وقت نہ ملتا اس لئے میں نے خیال کیا کہ جب تک ہسپتال میں رہنے پر مجبور ہوں میرے وقت کا بہترین مصرف یہ ہوسکتا ہے کہ میں اِس کتاب کا ترجمہ کرڈالوں۔'' مجھے آخری باراُن کا ہمسفر ہونے کا موقع اُس وقت ملا جب اُنہیں مملکت مراکش کی اکیڈمی کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کے لئے اکیڈمی کے مستقل سیکریٹری ڈاکٹر احمد تابئی بن ہمانے مدعو کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چوہدری صاحب دعوتِ طعام کے موقع پر شاہ حسن کے پہلو میں ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔اوراس کے بعدایک اورتقریب میں مَیں نے دیکھا کہ شاہ موصوف بذاتِ خود چوہدری صاحب کی طرف ایسے انداز میں ذاتی توجہ دے رہے تھے کہ کسی اور کی طرف مَیں نے اس انداز سے شاہ موصوف کومتوجہ ہوتے نہیں دیکھا۔ یہی نظارہ سیاست دانوں،فوجی جرنیلوں طلباء اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ملاقات کے دَور میں دیکھنے میں آیا جواُن کا نام سُن کراُن کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے کھنچے چلے آتے تھے۔ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ چوہدری صاحب حاجتمندوں کے لئے بہت فراخدل تھے بلکہ ان کی فراخدلی قابلِ اعتراض حد تک پہنچی ہوئی تھی۔شاید لوگوں کواس بات کو پوراعلم نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعدانہوں نے زندگی بھر کا اندوختہ رفاہی کاموں کے لئے وقف کردیا تھا۔اس کا بڑا حصہ مسجد فضل کے امام اور دیگر رہائشی فلیٹس کی ازسرِنوتعمیراورمحمود ہال کےتعمیر پرصرف کیا گیا۔بقیہ حصہ جو پانچ لاکھ ڈالر کے قریب تھاانہوں نے ایک رفاہی فاؤنڈیشن قائم کی جو''ساؤتھ فیلڈ ٹرسٹ'' کے نام سے موسوم ہے۔اورتعلیمی اغراض کے لئے روپیہ صرف ہوتا ہے۔ ایک اتوار کو جب اُنہوں نے ناشتہ کی دعوت قبول فرماتے ہوئے ہمیں میزبانی کا شرف بخشا میرے بھائی نے ان سے شکوہ کیا کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات کوعمومی طور پرنظرانداز کررہے ہیں تو انہوں نے فرمایا''مَیں نے ہدایت دی ہے کہ میری سالانہ پینشن جوقریباً بتیس ہزار ڈالر ہوتی ہے اس فاؤنڈیشن کے اکاؤنٹ میں براہ راست جمع کرادی جائے جو مَیں نے قائم کیا ہے۔اس پینشن کا کوئی حصہ مَیں اپنے پاس نہیں رکھتا۔البتہ میں نے اس ٹرسٹ سے یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ وہ مجھے ذاتی اخراجات کے لئے سات پونڈ ہفتہ وارادا کرے گا نیز سال میں ایک بار جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے پاکستان جانے کا اکانومی کلاس کا کرایہ بھی دے گا۔''اس کے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا''مَیں جانتا ہوں کہ اللہ کی عنایت سے مَیں ایک اچھا ایڈووکیٹ ہوں لیکن ایک عدالتی مقدمہ میں مَیں ہمیشہ ہار جاتا ہوں اور وہ مقدمہ ہوتا ہے جس میں مَیں اپنی ذات کے لئے خود وکالت کی کوشش کرتا ہوں۔'' ان کے دل میں دین محمد ﷺ کے لئے محبت کا اتنا شدید جذبہ موجزن تھا اور وہ اس کے ناموس کے لئے اس قدر غیرت رکھتے تھے کہ کوئی شخص ان کی محفل سے اس جذبہ سے سرشار ہوئے بغیر نہیں اٹھ سکتا تھا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال قرآن کریم، احادیث کی بیس جلدوں اور بانی سلسلہ عالیہ کی کتب کے تراجم میں صرف کردئے اوراس طرح یک وتنہا انگریزی زبان میں قرآن علوم کی ایک لائبریری تیار کر ڈالی۔ یہ سب جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ اس لئے ممکن ہوا کہ درجہ بدرجہ ماہ وسال کے گزرنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی کا شعور محض ایمانی کیفیت کی بجائے ایک تجرباتی حقیقت کے طور پر پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا۔انہیں اپنی والدہ ماجدہ سے جومدّت ہوئی فوت ہوچکی ہیں جس قدر محبت تھی اس کا اور جوسبق انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھے ان کا وہ ہمارے سامنے اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی کتاب صفحہ 297 پراپنی والدہ کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ''جس آدمی کو ہم پسند کرتے ہیں اس سے مہربانی کوئی نیکی نہیں ہے نیکی یہ ہے کہ ہم ان لوگوں سے مہربانی کا سلوک کریں جن کو ہم ناپسند کرتے ہیں۔''اس طرح وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ''دوستی، وہ ہے جو ہمیشہ قائم رہے وقتی دوستی دوستی نہیں ہوتی۔'' وہ خود اکثر یہ بات

کہا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کو ذہن میں لاؤ جس میں فرمایا: اگر تم میری نعمتوں کو نفع بخش کام میں صرف کرو گے تو مَیں یقیناً انہیں کئی گنا بڑھاؤں گا لیکن اگر تم ان کا غلط استعمال کرو گے ان سے لاپرواہی برتو گے تو میری سزا بھی یقیناً سخت ہے۔'' (8/14)
میرے پاس اس نوٹ کو ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ مَیں اُن کی کتاب ''سرونٹ آف گاڈ'' کے آخری حصہ کا ایک مؤثر اقتباس پیش کروں جہاں وہ اپنے متعلق کہتے ہیں ''خادمِ عوام (پبلک سرونٹ) ہونے کی حیثیت سے اس کی کاروباری مصروفیات کا خاتمہ اس وقت ہوا جب بین الاقوامی عدالت میں اس کی دوسری معیاد اختتام کو پہنچی۔اس نے بار ایٹ لاء 21 سال کی عمر میں کیا۔ پھر وکیل کی حیثیت سے 21 سال کام کیا۔ ہندوستان اور پاکستان میں 14 سال انتظامی عہدوں پر فائز رہا۔قومی اور بین الاقوامی عدالتوں میں 21 سال جج کے فرائض ادا کئے۔تین سال سفارتی کام کئے۔اس کو بہت سے اعزازات ملے لیکن وہ اعزاز جو اسے اب حاصل ہوا ہے وہ سب سے زیادہ قابل احترام ہے۔اور اس کے لئے سب سے زیادہ اطمینان کا موجب بھی۔ وہ اب صرف خدا کا خادم ہے اور اس کی عزّت کے لئے سب تعریف خدا تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔اس کی ایک ہی تمنا اور ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا مہربان آقا اس سے راضی ہو جائے اور اُس وقت تک کہ وہ اسے اپنی نوازش اور مہربانی سے اِس دنیائے دوں میں رکھنا پسند کرے اُسے ایک موقع فراہم کرتا رہے جن کے ذریعہ سے اسے اس کی مخلوق کی خدمت بجالانے کی توفیق ملے اور اسے وہ صلاحیت اور قوّت عطا کرے جس سے وہ خدمت اس رنگ میں ادا ہو جو اس کی جناب میں قبول کے لائق ہو۔اس کے پاس تو اپنی کوئی ایسی چیز نہیں جو اس (خدا) کی خدمت میں لگائی جاسکے۔ یہ زندگی، صلاحیتیں، قابلیتیں، ذرائع، رشتہ دار، دوست احباب سب کچھ اسی کی عطا ہیں۔ وہ تمام خداداد عطایا کو اس کی خدمت میں صرف کرسکے اس کی رضا حاصل کرسکے اور بنی نوع انسان کی سچی خدمت کرسکے۔اپنی ذات کے لئے اس کی صرف یہی خواہش ہے کہ وہ اپنے مہربان خالق و مالک کو پالے۔اس کو اپنے ربّ کریم سے رحم، بخشش اور درگذر کی اُمید ہے۔خدا کرے کہ وہ اس کی بے شمار خطاؤں، کوتاہیوں، کمزوریوں، بُرائیوں، گناہوں، نافرمانیوں اور زیادتیوں کو اپنی رحمت کی چادر میں چھپائے رکھے اور دُنیا و آخرت کی ذلّت سے بچالے۔خدا کرے کہ اُس کی تمام ناپاکیاں دُور ہو جائیں تاکہ وہ (رب العزّت) جب پیغام اجل بھیجنا پسند کرے تو موت اس بے حقیقت دُنیا سے حقیقی زندگی میں باسہولت منتقلی کا ذریعہ ثابت ہو اور اعتقادی ایمان حق الیقین اور انتہائی طاقت میں تبدیل ہو جائے۔ آمین و الحمدللہ رب العالمین۔'' (بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 53 تا 60)

محبتوں، مروتوں اور شفقتوں کے چند واقعات

جناب ثاقب زیروی صاحب۔مدیر ہفت روز ''لاہور'' لاہور

میں اسے اپنے رب کا فضل سمجھتا ہوں کہ مجھے بھی مرحوم و مغفور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان نوّراللہ مرقدہ کو قریب سے دیکھنے کی سعادت ہوئی۔ پنجابی کی ایک معروف ضرب المثل ہے کہ ''راہ'' پئے جانیئے یا ''واہ'' پئے جانیئے۔یعنی کسی انسان کی صحیح پہچان یا تو اس کے ساتھ لمبا سفر کرنے پر ہوتی ہیں یا کوئی معاملہ پڑنے پر۔اور

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ حضرت چوہدری صاحب کی شخصیت ان دونوں معیاروں پر 52 تولے پورا اترتی تھی۔ان کے علم وفضل، ان کی نیکی اور ان کی نیک وکاری، ان کی مبسوط ودلنشیں خطابت اور ان کے دنیاوی مقام ومرتبہ سے کون انکار کرسکتا ہے۔لیکن ان تمام روحانی، اخلاقی، دینی اور دینوی رفعتوں اور بلندیوں کے باوجود ان میں نہ غرور علم تھا، نہ غرور سجدہ تھا اور نہ غرور مرتبہ ان کی شخصیت اور ذات احمدیت کی پہچان بلکہ چلتی پھرتی احمدیت تھی۔ان کی محبتوں،مرتوں اور شفقتوں کے درجنوں واقعات قلب وذہن پر نقش ہیں جن کی یاد روح کو انبساط ہی نہیں ایک خاص قسم کی طمانیت عطا کرتی ہے جن میں سے آج دو تین ہی کے بیان پر اکتفا کروں گا۔

تحدیث نعمت۔یوں تو زندگی میں سینکڑوں بار مصافحہ کرنے اور خیر وعافیت دریافت کرنے کے مواقع ملتے رہے لیکن اس ناچیز کو اس عظیم انسان کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع 1970ء میں اس وقت نصیب ہوا جب موصوف عالم عدالت انصاف (ہیگ) کے پریزیڈنٹ تھے اور مجھے ''انٹرنیشنل فرینڈشپ ایسوسی ایشن'' کی دعوت پر واٹرلو ہوٹل (بلیک برن) میں منعقدہ ایک تقریب ''ثاقب کے ساتھ ایک شام'' میں شرکت کے لئے انگلینڈ جانا پڑا۔میں 1970ء کے اوائل میں لندن پہنچا اور ابھی وہیں تھا کہ حضرت چوہدری صاحب کا بیت الفضل لندن کے امام بشیر احمد خان صاحب رفیق کو فون آیا۔''مجھے حضرت امام جماعت احمدیہ کے مکتوب گرامی سے معلوم ہوا ہے کہ ثاقب زیروی صاحب لندن آئے ہوئے ہیں میں نے انہیں 'یو۔کے' کے بڑے بڑے شہر دکھانے کا پروگرام بنایا ہے۔میں پرسوں صبح پہنچ جاؤں گا آپ ان سے کہہ دیں کہ سفر کے لئے تیار رہیں۔''امام صاحب کی زبانی یہ پیغام سن کر میں دم بخود سارہ گیا اور ان سے عرض کیا کہ میں ایک نہایت کم مایہ اور تر دامن انسان ہوں اللہ تعالیٰ کی ستار العیوبی سے بھرم بنا ہوا ہے میں اس نیک وکار کے ساتھ مسلسل آٹھ دس دن چوبیس گھنٹے کیونکر گزار سکوں گا براہ کرم کوشش کریں کہ یہ پروگرام منسوخ ہوجائے۔حضرت چوہدری صاحب زحمت نہ فرمائیں۔ناجانے کیوں اپنی تر دامنی کے باعث مجھے اس سفر کے بارہ میں انشراح صدر نہیں۔مگر امام صاحب نے کہا کہ وہ تو چوہدری صاحب کو نہیں روک سکتے اور پھر تیسری صبح کو حضرت چوہدری صاحب عین معین وقت پر اس کمرے میں آوردہوئے جس میں میں فروکش تھا۔مجھے چاروناچار سفر کے لئے تیار ہونا پڑا۔گو میں ابھی بھی کسی لطیفہ غیبی کے انتظار میں تھا جو اس پروگرام میں تبدیلی کا موجب بن سکے۔لندن سے ہڈرز فیلڈ کو روانہ ہونے سے قبل میں نے آپ سے دریافت کیا''حضرت سنا تھا آپ اپنی زندگی کے حالات اور یادداشتیں ترتیب دے رہے ہیں۔یہ ترتیب وتدوین کس مرحلہ میں ہے؟''

فرمایا''میں نے (اپنی طرف سے) مسودہ مکمل کر کے شیخ اعجاز احمد اور چوہدری بشیر احمد صاحبان کو بھجوا دیا ہے۔کتاب کی کتابت اور طباعت پاکستان میں ہی ہوگی''''کتاب کا نام کیا تجویز ہوا ہے؟'' میں نے عرض کیا۔فرمایا'بے کم وکاست''''بے کم وکاست'' میرے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہی میرے چہرے پر ایک مایوس کن حیرت بکھر گئی۔فرمایا:''نام سن کر آپ خاموش کیوں ہوگئے؟''بڑے تامل کے ساتھ عرض کیا اس لئے کہ اہل ادب کے ایک طبقہ کے نزدیک بے کم وکاست، گفتنی ناگفتنی اور رطب ویابس کا مترادف بھی ہے۔ میرا یہ گستاخانہ جواب سن کراب کے بار حضرت چوہدری صاحب خاموش ہوگئے اور ان کی اس گہری خاموشی نے مجھے اپنی گستاخی کے قرض میں مبتلاء کردیا۔بحر حال سفر شروع ہوا کہ کوئی ستر اسی میل کے سفر میں ہم میں باہم کوئی گفتگو نہ ہوئی۔حتی کہ ہڈرز فیلڈ پہنچ گئے۔نمازوں کے بعد حضرت چوہدری صاحب نے احباب جماعت سے کوئی ایک گھنٹہ تک تربیتی گفتگو فرمائی، میں نے تعمیل ارشاد میں دو نعتیں سنائیں۔اور پھر ہم بریڈفورڈ کے لئے روانہ ہوگئے۔

جہاں ''الیگزینڈر اہوٹل'' میں ہمارے کمرے (پہلے سے) بک تھے۔کھانے کے بعد ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔کوئی ساڑھے نو بجے شب کے قریب حضرت میرے کمرے میں وارد ہوئے اور فرمایا'' آپ کے پاس پڑھنے کے لئے کوئی اردو کی کتاب ہے؟'' عرض کیا کہ میرے پاس ''شہاب ثاقب'' کا ایک نسخہ ہے جو آپ ہی کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہے۔میں نے وہ نسخہ نکالا اور اس پر انتساب کی چندہ سطور لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا صبح ناشتہ پر اکٹھے ہوئے تو حضرت چوہدری صاحب کے چہرے پر ایک خاص قسم کی پرسکون بشاشت محسوس کی۔ناشتے کے بعد فرمایا۔''شہاب ثاقب'' میں جو ابتدائیہ، دیباچہ یا ''پیش لفظ'' آپ نے لکھا ہے جس میں آپ نے نیاز محمد خاں (این ایم خان) عبداللہ خاں (بھائی جان ابو حمید ظفر) اور عبدالمجید سالک صاحب کی اپنے ساتھ مروّتوں اور محبتوں کا تذکرہ کیا ہے مجھے اس کا عنوان بہت پسند آیا ہے۔کیا آپ کی مراد ''تحدیث نعمت'' کے عنوان سے ہے (میں نے عرض کیا)۔فرمایا 'ہاں' اور میں نے یہ سنتے ہی پہلے تو

دل ہی دل میں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس کے فضل نے میری گستاخی میں سے بھی ایک ''خیر'' کا پہلو نکال دیا تھا۔ پھر عرض کیا: حضرت ! سچ یہ ہے کہ آپ کی زندگی جو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں افضال واکرام کا مجموعہ ہے اس کے تذکرہ کے لئے اس سے بہتر نام اور کوئی نہیں ہوسکتا فرمایا: اجازت دیں تو میں یہ نام رکھ لوں۔عرض کیا میں گزارش کروں گا کہ ضرور یہی نام رکھیں۔اور یوں آپ کی خودنوشت سوانح حیات کا نام حتمی طور پر ''تحدیث نعمت'' طے پا گیا۔ہن تسیں شروع کرو۔اور اب اسی سفر کا یک اور واقعہ بھی سماعت فرمایئے جس کا میرے قلب و ذہن پر کئی دنوں تک اثر رہا اور جسے ہر دفعہ دوہراتے وقت مجھے ایک خاص قسم کی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔جماعت احمدیہ پریسٹن (یو۔کے) کے افراد (مرد وخواتین) حضرت شیخ محمد عمر صاحب کے ہاں جمع تھے۔حضرت چوہدری صاحب ''جماعتی نظام کی اہمیت'' کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے کہ پچاس ایک منٹ کے بعد میں نے لکھ کر ''غسل خانے'' جانے کی اجازت چاہی۔حضرت نے خطاب روک دی اور حضرت شیخ صاحب نے اُٹھ کر مجھے غسل خانہ دکھایا۔میں چند منٹوں کے بعد واپس آ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ اب سلسلہء کلام شروع ہوتا ہے۔اب ہوتا ہے۔آخر میں نے گزارش کی کہ رُشد و اصلاح کا وہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو تو حضرت چوہدری صاحب نے بڑے بشاشت آفریں لہجے میں فرمایا:'' ثاقب صاحب تو اُڈے غسل خانے جان دے بعد جہیڑی میرے نال ہوئی اے اوہ تواُنوں معلوم نئیں ایہہ سارے دوست تے بہناں میرے گل پے گئیاں کہ چوہدری صاحب تسیں تاں چوتھے پانچویں مہینے فیر آ جانا ایں پر ایہہ بندہ فیر کدوں؟ ساڈے ٹیپ ریکارڈاں تے ای کجھ ترس کھاؤ۔ایس واسطے میں بس ہن تسیں اپناں کم شروع کرو۔'' اللہ اللہ یہ حسن اخلاق اور اندازِ دلجوئی مجھ ناچیز کے لئے دوستوں کے کہنے پر اپنی تقریر دلپذیر وہ شخص منقطع کر رہا تھا جسے بار بار سننے اور سنتے رہنے کے لئے خود میں سرتاپا اشتیاق تھا۔ دینی، دنیوی، اخلاقی، روحانی اعتبار سے جس سے اس ناچیز کو کوئی نسبت ہی نہ تھی جبکہ چھوٹے چھوٹے افسروں اور معمولی معمولی مقرروں کی رعونت، تکبر کا یہ عالم ہے کہ اِک ذرا ٹوکئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

دلجوئی کا انداز: حضرت چوہدری صاحب کو اپنے سے چھوٹوں کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی سے حقیقی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ یاد آیا۔میرے وہاں قیام کے آخری دنوں میں بی بی سی لندن اور برمنگھم ٹی وی والوں نے مجھے انٹرویو کے لئے بک کیا حضرت چوہدری صاحب بھی ان دنوں میں لندن ہی میں تھے۔بی بی سی پر میرا پروگرام کوئی 5.7 منٹ کا تھا تین منٹ کی گفتگو (جو جناب اطہر علی صاحب سے ہوئی) اور ساڑھے چار

منٹ میں ایک تازہ ترین غزل ''ہم بش ہاؤس'' جانے کے لئے تیار ہوئے تو حضرت چوہدری صاحب نے امام صاحب سے دریافت فرمایا ''کس راستے سے جائیں گے'' امام صاحب نے روٹ بتایا تو فرمایا اس روٹ سے تو آپ وقت مقرر سے آدھ پون گھنٹہ بعد پہنچیں گے کیونکہ اب دفاتر کو چھٹی ہوگئی ہے اور سڑکوں پر بے حد رش ہوگا اور پھر ایک کتاب لے کر اگلی سیٹ پر تشریف فرما ہوگئے کہ مجھے ایک ''شارٹ کٹ'' معلوم ہے چلئے میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں اور یوں چوہدری صاحب کی راہنمائی میں ہم وقت سے کوئی دس منٹ پہلے پہنچ گئے۔ بش ہاؤس پہنچ کر میں نے اتر کر دروازہ کھولا تو فرمایا ''آپ ہو آیئے ہم دونوں نیچے ہی رہیں گے'' بلکہ محترم امام صاحب نے اشارے سے مجھے تاکید کی کہ اوپر حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی کا ذکر نہ کیا جائے مجھے خدشہ تھا کہ وہاں پاکستانی دوست مجھے روک لیں گے اور وہی ہوا گو پروگرام ساڑھے سات منٹ کا تھا لیکن مجھے وہاں کوئی 35 منٹ تک رکنا پڑا۔ اطہر صاحب کے اسرار پر وہاں چائے بھی پینا پڑی۔ جب اس سب کچھ کے بعد میں نیچے اترا تو حضرت نے لپک کر مجھ سے بے ساختہ معانقہ فرمایا اور کہا ''ثاقب صاحب مبارک ہو'' عرض کیا ''خیر مبارک'' مگر کس بات کی مبارک؟ فرمایا ''آپ پہلے احمدی ہیں جن کا انٹرویو بی بی سی سے نشر ہوگا۔'' عرض کی حضرت آپ کے تو نہ جانے کتنے انٹرویو نشر ہو چکے ہونگے۔ فرمایا ''خبریں شاید نشر ہوئی ہوں انٹرویو کبھی نہیں ہوا۔'' فرط تشکر سے میری آنکھیں نمناک ہوگئیں کہ اللہ کے نیک بندے کس طرح معمولی معمولی باتوں سے خیر و برکت کے پہلو نکال لیتے ہیں۔ پھر واپسی پر نہ صرف وہ گفتگو سنی بلکہ وہ غزل بھی سنی جس کے تین چار شعر مجھے آج بھی یاد ہیں۔

آنکھوں سے اس خمار ستم کو اتار بھی	ظالم کبھی نگاہ محبت شعار بھی
پھولوں سے اُٹھ رہا ہے دھواں فرط رنگ سے	تپنے لگا ہے سایۂ ابر بہار بھی
پتھر کی خامشی سے بھی آواز آئے گی	پہلے کسی کو دل کی زباں سے پکار بھی
اہل جنوں میں ہدیۂ تبریک بن گئے	ملتے نہیں ہیں جیب و گریباں کے تار بھی

بے بے جی کی اُداسی: اور اب آخری میں اس درد کی بات بھی سن لیجئے جس نے انہیں اس دنیا کو چھوڑ جانے کے لئے مضطرب کر رکھا تھا۔ میں پاکستان کو واپسی کے لئے تیار ہوا اور سلام کے لئے حاضر ہوا تو اُٹھ کر از راہ کرم گستری مجھے معانقہ سے نوازا۔ میری پیشانی پر بوسہ دیا اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں بصد ادب ہدیۂ ''سلام علیک'' نذر کرنے کے لئے کہا میں نے معانقہ کے دوران (سرگوشی کے سے انداز میں دعائیہ رنگ میں) کہا ''اللہ آپ کو لمبی صحت والی اور برکتوں اور مسرتوں بھری زندگی عطا فرمائے آپ ک شفقتوں نے میرے اس سفر کو ایک یادگار و ایمان افروز سفر بنا دیا۔'' فرمایا ''جزاک اللہ احسن الجزاء'' لیکن لمبی زندگی کی دعا نہ کیجئے وہاں بے بے جی بہت اداس ہیں۔

روح کو آواز دے کر لے گئے روحِ ارم درد کا سیلاب جسم ناتواں کو لے گیا

(بحوالہ رسالہ انصار اللہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 156 تا 158)

دو لا زوال نقش۔مکرم ثاقب زیروی صاحب

سچ تو یہ ہے کہ حضرت چوہدری صاحب جیسی برگزیدہ شخصیت پر کچھ لکھنا تو دراصل اپنی ہی عزت افزائی ہے ورنہ وہ مجھ جیسے کوتاہ فہم کی تعریف وتوصیف کے محتاج نہیں۔یہ لکھنا تو دراصل دُنیا والوں اور احمدیت کی آئندہ نسلوں کو یہ بتانے کے لئے ہے کہ خدائے عزّوجل نے شجر احمدیت کو کیسے کیسے نفیس ایمان اور ایقان کی حلاوت و لذّت اور محبت وشفقت کی مٹھاس سے بھرپور پھل عطا کئے تھے جن کی خوشبو نے ایک عالم کو مہکا دیا۔

میرادین۔ستمبر 1974ء میں جماعت احمدیہ کے بارے میں آئین میں ترمیم کا اعلان ہو چکا تھا۔دل از حد بوجھل تھا اور چاہتا تھا کہ معاملہ گومگو نہ رہے۔جماعت کے بنیادی واقعات اہل وطن کے سامنے جامع و مانع صورت میں آنے ضرور چاہئیں۔مگر یہ مقالہ کون لکھے؟اور کس کے قلم سے نکلے؟ دیر تک سوچنے کے بعد دھیان جماعت کے مقتدر اور واجب التعظیم بزرگ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرف گیا جو خوش قسمتی سے ان دنوں پاکستان میں ہی تھے۔مَیں نے اپنی خواہش اور تجویز کا ذکر برادرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں سے کیا۔انہوں نے میری تجویز پسند کی اور حضرت چوہدری صاحب نے ہمارے دو ایک دفعہ کے بالواسطہ و بلاواسطہ تذکروں کے بعد حامی بھر لی اور فرمایا ''مگر لکھے گا کون مَیں خود تو اب لکھ نہیں سکتا۔بعض اوقات ایک لمبا خط لکھنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔آپ مسلسل کتنی دیر لکھ سکتے ہیں۔مَیں اُملاء کرا دوں گا۔'' عرض کیا'' مجھے گیارہ گھنٹے مسلسل لکھنے کا تجربہ تو ہے'' فرمایا تو کل چار بجے آجائیں۔مَیں آپ کا انتظار کروں گا۔اور مَیں اگلے دن بعد دوپہر پونے چار بجے بنگلہ پر پہنچ گیا اور میرے پہنچتے ہی حضرت کے خادم خاص اسماعیل نے اندر اطلاع کر دی۔

ایک لطیفہ بھی۔اتنے میں مجھے یاد آیا کہ مَیں اپنے ساتھ پان نہیں لایا۔اور یہ نشست لمبی ہوگی۔ویسے بھی لکھتے وقت ''پان'' میری کمزوری ہے۔مَیں نے ڈیوٹی پر موجود خادم عبدالمالک صاحب سے پان مہیا کرنے کے لئے کہا جو مُسکرا کے پاس سے گذر گئے اور جا کر عزیزہ محترمہ امۃ الحئی صاحبہ سے کہہ دیا کہ ثاقب صاحب نے پان منگوائے ہیں۔اُنہوں نے کچھ پان لگوا کر بھجوا دیئے۔عبدالمالک صاحب کی مسکراہٹ کا راز اگلے دن کھلا جب معلوم ہوا کہ ایک دن پہلے چوہدری صاحب ڈیوٹی پر موجود خدام سے تربیتی گفتگو کے دوران انہیں نہ صرف سگریٹ سے باز رہنے کی تلقین کر چکے تھے بلکہ پان خوری سے اجتناب کا مشورہ بھی دیا تھا۔ٹھیک چار بجے مَیں کاغذ قلم سنبھال کر اور حضرت چوہدری صاحب شیلف سے نکال کر قرآن مجید اپنے سامنے رکھ دینے کے بعد لکھنے لکھانے کے لئے تیار ہی ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور کوٹھی کا خادم کابل خاں ہاتھوں میں پانوں کے تھیلیاں لئے اندر داخل ہوا اور آتے ہی کہا'' لیجئے ثاقب صاحب پان'' اس منظر نے ایک لمحہ کے لئے مجھے چکرا ہی تو دیا تھا تاہم مَیں نے اس بات کو لطیف بنانے کے لئے کہا'' کابل خان پہلے حضرت چوہدری صاحب کو پیش کرونا۔'' حضرت یہ سُن کر متبسم ہوئے اور فرمایا'' ثاقب صاحب! یہہ تھوڑا اے کہ پان میرے کمرے وچ آ گئے نے۔'' مَیں نے عرض کیا مَیں تو خیر لڑکپن سے ہی عادی ہوں اور لکھتے وقت مجھے پان کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ویسے کبھی کبھار اس کا شوق فرما لینے میں کوئی حرج بھی نہیں اس کا پتّا دل کو تقویت دیتا ہے۔سُپاری منہ کی رطوبتیں زائل کرتی ہے۔کتھا گلے کو صاف کرتا ہے اور چُونا۔۔۔۔ مُسکرا کر فرمایا'' اچھا جناب مَیں سمجھ گیا ہاں کہ تُسی لکھدے وقت پان کھان دے عادی اُو پر ہُن تبلیغ نہ فرماؤ۔تُسی کھاندے جاؤ میں دیکھدا رہواں گا۔'' اور شاید اس لئے وہ میری اس کمزوری کو قابل معافی سمجھتے تھے اس کے بعد

جب کبھی بھی مجھے چائے یا کھانے پر یاد فرمایا برادرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب خود ہی فرما دیتے تھے کہ ’’لیجئے ہم نے کھانا کھلا دیا ہے باقی آپ کے ذمہ ہے۔‘‘ اس لطیفہ کے بعد کوئی چار بج کر پانچ منٹ پر حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب املاء کے لئے لَب کُشا ہوئے اور فرمایا اس مضمون کا عنوان ہوگا ’’**میرا دین**‘‘ جس کے بعد مسلسل چار گھنٹہ اِملاء کا سلسلہ جاری رہا اور برجستگی اور نستعلیق پن کے ساتھ کہ حضرت بہ دَوران اِملاء نئے پیروں کے بارے میں بھی بتاتے کہ اب نیا پیرا شروع کیجئے۔ یُوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی ایسا مضمون لکھوا رہے ہیں جو اُن کے نوک بر زبان ہے۔ نہ کوئی فقرہ دوبارہ لکھوایا نہ کسی ’’لفظ‘‘ کو تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ سارے عرصہ میں ایک دفعہ بھی دریافت فرمایا کہ پہلے کیا لکھا تھا۔ مضمون ابتداء میں جس رفتار کے ساتھ لکھوانا شروع کیا تھا اُس رفتار میں آخر تک ذرا جھول نہ آیا۔ اِملاء کروانے کی رفتار صرف اُس وقت دھیمی ہوتی تھی جب کوئی آیت کریمہ لکھوانی ہوتی تھی کیونکہ آپ آیت قرآنی اور اُن کو ترجمہ با قاعدہ قرآن مجید سے دیکھ کر لکھواتے تھے۔ اس اِملاء کے وقت صرف دو مواقع ایسے آئے کہ مَیں نے لکھتے لکھتے آپ کی طرف ’بھویں‘ اُٹھا کر دیکھا جس پر آپ نے دونوں دفعہ فرمایا۔ اس وقت تو آپ یہی لفظ لکھ لیجئے مضمون کو صاف کرتے وقت بے شک بدل دیجئے گا۔

دیدہ باید۔ لکھنے لکھوانے کا یہ سلسلہ ختم ہوا تو ہم کھانے کی میز پر آ گئے۔ کُرسی پر بیٹھتے ہی فرمایا کہ مَیں تو تین چار دن میں واپس جانے والا ہوں۔ آپ اسے اسی ہفتہ عشرہ میں صاف کر ہی لیں گے۔ ضمنی عناوین بھی خود ہی لگا لیں۔‘‘ مَیں نے کہا ’’حضرت مَیں نے زیر ترتیب شمارے کی کاپی صرف اس مضمون کے لئے رکوا کر رکھی ہے اور مضمون کاتب کو آپ کی آخری توثیق کے بعد ہی دیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز اس کا مسودہ کل صبح ناشتہ کے وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ میری یہ بات سُن کر ایک نا قابل یقین تاثر کے حامل تبسم کے ساتھ فرمایا ’’دیدہ باید‘‘ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا اس کے بعد کچھ ’’حالات حاضرہ‘‘ پر باتیں ہوتی رہیں۔ جب محفل برخواست ہوئی اور مَیں نے مصافحہ کے ہاتھ بڑھایا تو ’’مصافحے‘‘ سے نوازتے ہوئے فرمایا ’’اس وقت گیارہ بجے ہیں‘‘ ’’جی ہاں‘‘ مَیں نے عرض کیا مگر فوری طور پر میرا دھیان اس طرف نہ گیا کہ آج حضرت نے ’’وقت‘ کا ذکر کیوں فرمایا ہے۔ مَیں گھر پہنچتے ہی لکھنے بیٹھ گیا۔ ضمنی عنوان دیئے۔ جن ’’الفاظ‘‘ پر مَیں نے لکھتے وقت بَھوں اٹھائی تھی اُن کے نیچے لکیر کھینچ کر متبادل الفاظ بھی لکھ دئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز فجر سے کوئی آدھ گھنٹہ قبل مضمون مکمل ہو گیا اور اسی صبح کو ناشتہ کے وقت حضرت چوہدری صاحب کے ہاتھوں میں تھا۔ آپ نے متبادل الفاظ کو پسند فرمایا اور لکیروں کے اُوپر لکھے الفاظ قلم زن فرما دئے اور بغیر کسی اور تبدیلی کے ’’اوکے‘‘ لکھ کر واپس فرما دئے اور مضمون مجھے واپس بھجوا دیا۔ یہ مضمون حضرت چوہدری صاحب کی پاکستان موجودگی میں ہی ’’لاہور‘‘ میں شائع ہو گیا جس کے بعد جماعتی جرائد و رسائل نے اپنے اوراق میں دُہرایا۔ بعض جماعتوں نے اس خوشنما و مصوّر پمفلٹ بھی شائع کئے اور یوں یہ آواز پاکستان کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ حضرت چوہدری صاحب لندن روانہ ہونے لگے تو مَیں نے مضمون کے حامل شمارے کی 30 کاپیوں کا ایک پیکٹ احباب انگلستان کے استفادہ کے لئے ساتھ کر دیا۔ جہاز پر سوار ہونے سے قبل احباب سے مصافحہ فرماتے ہوئے (جب میری باری آئی) تو اس عاجز کو معانقہ سے نوازتے ہوئے فرمایا ’’اب تو مَیں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ثاقب صاحب بس واجبی سا سوتے ہیں۔ اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔‘‘

دوسری بے چین رات۔ اور اب جو اُس کریم النفس کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو اس کی اس عاجز پر شفقت اور محبت کا ایک اور واقعہ بھی سماعت فرما

لیجئے۔''لاہور'' میں ستمبر 1974ء تک پاکستان بھر میں جماعت احمدیہ کے ارکان پر توڑے جانے والے مظالم کا ''روزنامچہ'' شائع ہونے پر بھٹو حکومت نے پبلیشر ''لاہور'' (اس عاجز) اور لاہور کے ''پرنٹر'' کے خلاف ''ڈیفنس آف پاکستان رولز'' کے تحت تھانہ قلعہ گوجر سنگھ (لاہور) میں دو مقدمات رجسٹر کروا دیئے۔ جن میں دونوں کو 24۔24 سال کی سزا ہوسکتی تھی۔ ہم نے پتہ لگنے پر ہائی کورٹ میں ضمانت قبل از گرفتاری کیلئے رِٹ درخواست دائر کر دی جو ایک ڈیویژن بینچ میں لگ بھی گئی مگر ہائی کورٹ کے پاس ''ڈی پی آر'' کے تحت قائم کئے جانے والے مقدمات میں ضمانت منظور کرنے کا اختیار باقی نہ رہا تھا۔ جج صاحب ہر تاریخ پر ایڈووکیٹ جنرل سے ہمیں گرفتار نہ کئے جانے کی یقین دہانی حاصل کر کے ہمیں اگلی تاریخ دیتے۔ یہاں تک کی اُن کی مروّت کا مزید امتحان لیتے رہنے کے بجائے ایک دن ہم نے اپنی درخواست واپس لے لی اور معاملہ اپنے رب پر چھوڑ دیا۔ اب مقدمات بھی قائم تھے اور گرفتاری بھی نہیں ہوئی تھی مگر اس کا خدشہ ہمہ وقت ہمرکاب رہتا تھا۔

گرفتاری کے لئے۔ 11 فروری 1977ء کو دوپہر کے وقت تین چار پولیس افسر ایک دم دفتر میں دَر آئے اور بتایا کہ آج ہم ایک خصوصی بالائی حکم کے تحت آپ کو گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مَیں اُن کے ساتھ ہولیا۔ منشی صاحب کو مَیں نے چند احمدی وکلاء کے نام لکھوا دئے تھے کہ اگر اچانک ایسی اُفتاد آن پڑے تو اُن میں سے جو بھی مل جائے اُسے مطلع کریں۔ راستے میں پرنٹنگ پریس سے جناب محمد شفیع کو بھی ساتھ لینا تھا کیونکہ بطور پرنٹر وہ بھی میرے رفیق ملزم تھے۔ انہیں لے کر جب ہم تھانہ میں پہنچے تو چوہدری اعجاز نصر اللہ خان، مرزا نصیر احمد، چوہدری ادریس نصر اللہ خاں، جناب لطیف مبشر اور قریشی محمود احمد صاحب مرحوم پہلے ہی تھانہ میں پہنچ چکے تھے۔ ایس ایچ اُو صاحب نے بتایا کہ چونکہ تھانہ قلعہ گوجر سنگھ میں کوئی حوالات نہیں ہے اور آپ کو سول لائنز کے تھانے میں بھجوایا جائے گا اس لئے گرفتاری مغرب کے بعد ڈالی جائے گی لیکن نہ جانے یہ ان کی اپنی کوئی ہدایت تھی یا مزید کوئی ہدایت کے مغرب کے وقت انہوں نے ہم سے کہا کہ ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ آج کی رات اپنے اپنے گھر میں گذاریں اور کل صبح ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیاں خود ہی تھانے آجائیں ہمارے اہل کار آپ کے گھروں میں گئے تو سو باتیں بنیں گی اور بے شک آنے سے قبل ٹریبونل میں ضمانت وغیرہ بھی دیتے آئیں۔'' تھانے سے واپسی پر راستہ میں مَیں نے ''شاہنواز میڈکل سٹور'' سے برادرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب کو فون کیا تا کہ اگر ممکن ہو تو وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں دعا کی درخواست کر دیں لیکن جانے فون میں کیا خرابی تھی مَیں نے تین چار دفعہ فون کیا ہر دفعہ وہ عقبی بنگلہ میں جا ملتا اور جواب میں مَیں حضرت چوہدری صاحب کی آواز سُن کر چونگا رکھ دیتا جب کہ چاروناچار پانچویں مرتبہ مَیں نے معذرت کے بعد مجملاً حضرت چوہدری صاحب کو ساری رام کہانی سُنائی جس کے بعد مجھے یُوں آواز آئی کہ اُن کے لرزتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور گر گیا۔ ساری رات لاہور کا اگلا شمارہ تیار کرنے میں گزر گئی۔ پرچہ کی تکمیل کے بعد نوافل کے دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے طمانیت عطا فرمادی اور مَیں نماز فجر کے بعد ایسا سویا کہ سوا آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ 9 بجے کے قریب مکرم و محترم محمد شفیع صاحب بھی پہنچ گئے۔ کار میں بستر اور دیگر سامان رکھ کر لیکن مَیں نے ان کے اصرارِ بیجد کے باوجود اپنے ساتھ ایسا کوئی سامان لے جانا اپنے رب پر بے اعتمادی کے مترادف سمجھا۔ راستہ میں انہوں نے اشارۃً دو ایک دفعہ کہا کہ ''تمہیں کوئی خواب آ گئی ہو گی اور تم اُس پر جمے ہوئے ہو''، مَیں نے کہا بھائی جان خوابوں کے علاوہ بھی کئی مختلف انداز ہیں مولا کریم کے اپنے بندوں کو سکون بخشنے کے۔ ہوسکتا ہے کہ ''میری تفہیم'' درست نہ ہو۔ پھر بھی مجھے اُس جلیل وقدیر پر بے اعتمادی کی جرائت نہیں۔ بھیجنا تو اُنہوں نے ہمیں خیر سول لائنز کے تھانہ میں ہی ہے نہ۔ اگر

ضرورت پڑ ہی گئی تو کسی کے ہاتھوں پیغام بھجوا کر گھر سے بستر منگوا لوں گا۔ ہمارے پریس میں پہنچنے کے پانچ منٹ بعد ہی برادران مرزا نصیر احمد صاحب اور چوہدری اعجاز نصر اللہ خاں پہنچ گئے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ آپ جا کر ایس ایچ اُو صاحب سے پوچھ آئیں کہ ہم حاضر ہو جائیں؟ دونوں بھائی گئے اور جب واپس آئے تو اُن کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ایک ڈبہ اور ہونٹوں پر یہ خوشخبری تھی کہ ''گرفتاری نہیں ہوگی انسپکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ آج ساڑھے آٹھ بجے بھٹو صاحب کے سیاسی مشیر (جناب محمد حیات تمن) کا فون آ گیا ہے کہ گرفتار نہ کیا جائے۔ فالحمدللہ'' مَیں کوئی ساڑھے دس بجے کے قریب دفتر پہنچا تو منشی صاحب نے بتایا کہ آپ کے آنے تک ''شاہنواز میڈکل سٹور'' سے ایک پٹھان چپراسی تین دفعہ آ چکا ہے تیسری دفعہ ہو کر گیا ہے۔ مَیں نے کہا تو مَیں میڈیکل سٹور سے ہو آؤں۔ کہنے لگے کہ دس پندرہ منٹ انتظار کر لیں میرا خیال ہے وہ پھر آئے گا اور واقعی عجائب خان پندرہ منٹ بعد پھر آ گیا اور کہا کہ بڑے چوہدری صاحب کا ہر بیس منٹ کے بعد فون آتا ہے کہ جا کر دیکھو کیا ثاقب صاحب دفتر آ گئے ہیں؟ مَیں نے کہا'' جا کر میری طرف سے عرض کرنا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاملہ ٹل گیا ہے مَیں ان شاء اللہ شام کو حاضر ہو کر تمام تفاصیل عرض کروں گا۔'' مَیں کوئی چار بجے کے قریب دفتر سے اُترا تو نیچے حضرت کا ڈرائیور کھڑا تھا اُس نے کہا کہ ''بڑے چوہدری صاحب نے کہا ہے کہ آج شام کا کھانا آپ اُن کے ساتھ کھائیں گے۔ مَیں نے کہا'' بہت اچھا مَیں آ جاؤں گا۔'' کہنے لگا۔ ''نہیں جی مَیں آپ کو ساڑھے چھ بجے خود لینے آؤں گا یہ بھی انہی کا حکم ہے۔'' مجھے کار گھر سے اٹھا کر عقبی بنگلے کے دروازے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تو گاڑی کی آواز سُنتے ہی وہ سراپا شفقت و محبت انسان بنگلے سے باہر آ گیا اور میرے کار سے اُترتے ہی مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا'' زندگی میں یہ دوسری بے چین رات تھی جب میں اطمینان سے سو نہ سکا اور رات بھر اپنے رب سے یہی کہتا رہا کہ مولا کریم! ثاقب نے صرف یہی تو کیا ہے کہ تیری جماعت پر توڑے جانے والے مظالم کی تفصیل چھاپ دی ہے دُنیا والوں اور احمدیت کی آئندہ نسلوں کی آگہی کے لئے۔'' مَیں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو اُس کریم النفس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں عرض کیا مولا کریم نے آپ کی دعائیں قبول تو فرما لیں اب یہ آنسو کیسے؟ فرمایا'' یہ تشکر کے آنسو ہیں۔'' اللہ کروڑ کروڑ جنت نصیب کرے اپنے اس اطاعت گزار بندے کو جو اپنے سے چھوٹوں سے اور مجھ جیسے تر دامنوں سے بھی بلا استحقاق بے پناہ محبت کرتا تھا۔ ان کی باتوں میں بھی حلاوت تھی مگر اُس کے ذکر خیر میں بھی کچھ کم شیرنی نہیں۔ (رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 61 تا 65)

ایک ہمدمِ دیرینہ کی یادوں کے چند خوش رنگ پھول۔ شیخ اعجاز احمد صاحب

(محترم شیخ اعجاز احمد صاحب محترم شیخ عطا محمد صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے حقیقی بھتیجے تھے۔ آپ کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی شاگردی ہی کا نہیں بلکہ ہمدم دیرینہ ہونے کا خصوصی شرف بھی حاصل ہے۔ آپ نے ادارہ خالد کی درخواست پر جو اپنی حسین یادوں کے پھول عنایت کئے ہیں وہ قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

دادوستد کے کھرے۔ حضرت چوہدری صاحب لین دین کے بہت کھرے تھے۔ ان کی طبیعت کسی کا ایک پائی بھی زیر بار احسان ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔ برسوں کے بے تکلف دوستوں کو بھی اگر کسی کام کے انصرام کے لئے فرماتے تو اس سلسلہ میں کچھ خرچ ہوا ہوتا تو اصرار کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ میرے ساتھ تو حساب چلتا رہتا تھا کیوں کہ میرے ذریعہ ایک فرد کی مالی مدد کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ پاکستان واپس آنے پر میرا

حساب دیکھ کر فرمایا اس حساب میں ایک فروگزاشت ہے۔ کراچی سے جاتے ہوئے مَیں نے تمہیں کچھ خطوط پوسٹ کرنے کے لئے دئے تھے۔ ان میں کچھ ڈاک خرچ آیا ہوگا وہ اس حساب میں شامل نہیں۔ مجھے تو یاد بھی نہیں تھا کہ وہ کتنے خطوط تھے اور اُن پر کتنا خرچ آیا تھا لیکن وہ مُصر تھے کہ ان پر جو کچھ خرچ آیا ہوا ہے وہ حساب میں شامل کیا جائے۔ مَیں نے عرض کیا مجھے تو یاد نہیں کتنے خطوط تھے۔ آپ کا حافظہ ماشاءاللہ بلا کا ہے اگر اس معمولی رقم کی ادائیگی پر آپ کو اصرار ہے تو آپ ہی یاد کریں کہ کتنے خطوط تھے اور ان کا حساب کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔

قدرت کا عطا کردہ کمپیوٹر۔ ان کا حافظہ واقعی حیرت انگریز تھا۔ ان کی خودنوشت سوانح عمری تحدیث نعمت اس کا بیّن ثبوت ہے کیوں کہ اس کا تقریباً ایک ہزار سے زائد صفحہ کا مسودہ چوہدری صاحب نے محض اپنی یادداشت سے قلم برداشت لکھا ہے۔ ان کے ایک بے تکلف ملنے والے کو جب ایسا باور کرنے میں تامّل ہوا تو فرمایا ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ کتاب میں سے کسی ایک واقعہ کے متعلق دریافت کر کے آزمالیں۔ مَیں اس کی تفاصیل زبانی بیان کردوں گا چنانچہ وہ صاحب تجربہ کرنے کے بعد قائل ہوگئے۔ حافظہ اور یادداشت کا کمال کے گذشتہ واقعات کی تفصیل واقعہ کی تاریخ اور متعلقہ اشخاص کے ناموں تک محدود نہ تھا بلکہ اُن کے دماغ میں تو قدرتی کیمرہ یا کمپیوٹر لگا معلوم ہوتا تھا۔ اس کمپیوٹر کی کارگزاری کی دو مثالیں جو یاد آتی ہیں بیان کردیتا ہوں۔

آواز کے ذریعہ شناخت۔ عملی زندگی کی ابتدا میں بیرسٹری کی پریکٹس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دو تین سال لاء کالج لاہور میں جز وقتی لیکچرار کا کام بھی کیا۔ مَیں ان دنوں لاء کالج میں پڑھتا تھا۔ چوہدری صاحب جب ہمیں رومن لاء پڑھاتے تھے کلاس میں ڈیڑھ دوسو طالب علم تھے۔ لیکچر شروع کرنے سے پہلے لیکچرار طلباء کی حاضری نوٹ کرتے ہیں جس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ یہ اس کے امتحان میں شمولیت کے لئے ضروری تھا کہ طالب علم ہر مضمون کے لیکچروں میں ایک مقررّہ تعداد میں حاضر رہا ہے۔ بایں وجہ طالب علم حاضری لگوانے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ دوسرے اساتذہ کے لیکچروں میں حاضری لگوانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی اگر ''زید'' کسی دن لیکچر میں حاضر نہیں تو اس کا نام پکارے جانے پر اس کے دوست ''بکر'' present کہہ دیتا لیکچرار کی نظر رجسٹر پر ہوتی ہو presnet کا لفظ سن کر زید کا حاضر ہونا نوٹ کر لیتا تھا۔ چوہدری صاحب کی کلاس میں ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ شروع شروع میں کوشش کی گئی جو کامیاب نہ ہوئی۔ ان کی کلاس میں اگر زید کی بجائے بکر present کہہ دیتا تو جیسے وہ ہر ایک کی آواز پہچانتے ہوں فرماتے well zaid please stand up (مہربانی فرما کر زید کھڑے ہو جائیں) اب زید صاحب وہاں ہوں تو کھڑے ہوں زید کی غیر حاضری کا بھانڈا پھوٹ جاتا تھا۔ دو چار بار ایسا ہوا تو سمجھ لیا گیا کہ اس لیکچرار کے ساتھ یہ حربہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ **کے آمدی و کے پیر مرشدی۔** ابتدا میں اقوام متحدہ کے اجلاس نیویارک سے کچھ میل فاصلہ پر باہر لیک سکس میں ہوتے تھے۔ جب چوہدری صاحب اقوام متحدہ کے اجلاس کے لئے جاتے تو ان کا قیام نیویارک میں ہوتا۔ اس لئے اجلاس میں شمولیت کے لئے ہر روز لیک سکس موٹر پر جانا ہوتا۔ پاکستان مشن کی موٹر کار کی ڈرائیور ایلمو نامی ایک حبشی تھا۔ ایک دن لیک سیکس جاتے ہوئے ایلمو نے ایک غلط موڑ کاٹا۔ چوہدری صاحب نے ایلمو کو اس کی غلطی کی طرف توجہ دلائی۔ وہ نیویارک کا رہنے والا عرصہ سے وہاں ڈرائیونگ کرنے والا بھلا راستوں سے ناواقفیت کو کیسے تسلیم کر لیتا۔ بڑے فخر سے کہنے لگا Mr.Minster i know my job (منسٹر صاحب میں اپنا کام خوب جانتا ہوں) مطلب تھا کہ آمدی و کے پیر شدی۔ مَیں ان راستوں سے بخوبی واقف ہوں۔ آپ میرے کام میں دخل اندازی نہ کریں۔ کچھ دور جا کر

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو کھسیانی ہنسی سے کہنے لگا Sorrey Mr Minster i was wrong (مسٹر منسٹر صاحب افسوس ہے مَیں غلطی پر تھا۔) **مرتا کیا نہ کرتا۔** چوہدری صاحب کو وقت کی پابندی کا بڑا احساس تھاَ خود بھی وقت کے سخت پابند تھے اور دوسروں سے بھی پابندی کراتے۔شروع شروع میں تو اس اچھی عادت پر عمل پیرا ہونے میں مجھے بہت کوفت محسوس ہوتی۔اب پابندی وقت کی عادت ہوگئ ہے اور بعض دفعہ اس عادت پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے خفت اٹھانی پڑتی ہے۔قیام دہلی کا واقعہ ہے کہ چوہدری صاحب نے کسی معاملہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی مَیں اس کا ایک رکن تھا۔سردیوں کے دن تھے۔کمیٹی کے ایک اجلاس میں چوہدری صاحب نے دوسرے اجلاس کے لئے صبح کے آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا۔مَیں نے ذرا تاخیر سے وقت مقرر کرانے کے لئے پوچھا ''یہ وقت تبدیل نہیں ہوسکتا۔'' فرمایا ''کیوں نہیں ہوسکتا۔'' اور صبح کے آٹھ بجے کے بجائے سات بجے کا وقت مقرر فرمادیا۔مرتا کیا نہ کرتا صبح سات بجے پرانی دہلی سے نئ دہلی آنا پڑا۔

جوانوں کے جوان۔ چوہدری صاحب کو جوانی میں ذیابطیس کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔خدا کے فضل سے 93 سال کی عمر پائی۔آخری ڈیڑھ سال کے باوجود ذیابطیس کے باجود ان کی صحت قابل رشک تھی۔جن کی وجہ اُن کی باقاعدگی کی عادت تھی۔معالج دوا یا خوراک کے سلسلہ میں جو ہدایات دیتے۔وہ ان پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے۔ 90 سال کی عمر تک چاک و چوبند رہے۔ 1963ء میں خاکسار عالمی ادارہ خوراک و زراعت سے منسلک تھا۔اس ادارہ کی ایک کانفرنس کے موقع پر واشنگٹن جانے کا اتفاق ہوا۔کانفرنس کے اختتام پر تین چار ہفتوں کی چھٹیاں لے کر نیویارک گیا۔ چوہدری صاحب اس وقت اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندہ تھے۔مَیں اُن کے یہاں ٹھہرا۔ اُن کی رہائش ایک اپارٹمنٹ میں تھی جو پاکستانی مشن سے دو تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہ ہر صبح پارک میں دو تین میل سیر کرتے ہوئے پیدل دفتر میں جاتے۔ میرے لئے پیدل چلنا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ناچار مجھے بھی ساتھ پیدل چلنا پڑتا۔وہ تیز چلنے کے عادی تھے۔صحت کے نقطہ نظر سے بھی اُنہیں روز Brisk Walk کرنا ہوتی تھی۔میرے لئے ان کے ساتھ چلنا دہری مصیبت ہوتی تھی۔مشن کے دفتر پہنچے۔ان کا کمرہ تیسری منزل پر تھا۔ انہوں نے سیڑھیوں کا رُخ کیا۔مَیں پہلے ہی ہانپتے کانپتے پہنچا تھا۔ان کو سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا اس عمارت میں کوئی لفٹ نہیں؟ ہنس کر فرمایا۔''ہاں ہے۔اُس کونوں میں بوڑھوں کے لئے۔تم اُس میں آجاؤ۔'' یہ کہہ کے وہ تو سیڑھیاں چڑھ گئے اور مَیں نے لفٹ میں سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ سڑھیاں چڑھنے کی زحمت سے بچ گیا۔ **دعاؤں کی فہرست۔** چوہدری صاحب کو جلد سو جانے کی عادت تھی کیونکہ نماز تہجد کے لئے اٹھنا ہوتا تھا۔ان کی تہجد کی نماز بہت وقت لیتی تھی اس لئے کہ دعاؤں کی فہرست بہت لمبی ہوتی تھی اور وہ دن بدن اور لمبی ہوتی جارہی تھی۔کسی سے دعا کرنے کا وعدہ کر لیتے تو جب تک دعا کی قبولیت کی خبر نہ مل جاتی دعا جاری رکھتے۔ایک صاحب نے اُن سے اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی۔ یہ اُن کے لئے دعا کرتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی لیکن ان صاحب نے چوہدری صاحب کو مطلع نہ کیا۔ پانچ چھ سال بعد ان صاحب کے کوئی عزیز انہیں ملنے آئے۔ چوہدری صاحب نے اُن سے پوچھا کہ اُن صاحب کے یہاں اولاد ہوئی یا نہیں؟ تو بتلایا گیا کہ اللہ کے فضل سے ان کے دو بیٹے ہیں۔اس پر آپ نے اس شخص کا قصہ سنایا کہ جس کی بیوی نے بھینس دوہتے وقت بھینس کے سامنے کھڑا رہنے کو کہا تا کہ محبت مادری میں بھینس زیادہ دودھ اتارے بیوی دودھ لے کر چلی گئی اور فرمانبردار شوہر تعمیل حکم میں کٹا پکڑے بیٹھے رہے۔فرمایا ہم تو کٹا پکڑے بیٹھے رہتے ہیں۔جب تک دعا کے لئے کہنے والے شخص اطلاع نہ دیں کہ دعا قبول ہوگئی۔ایسے دعا گو بزرگوں کی دعاؤں سے اب

ہم محروم ہو گئے ہیں۔آیئے ہم سب بارگاہ ربّ اعزت میں چوہدری صاحب کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کریں اور کرتے رہیں۔(رسالہ خالد ربوہ دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 67 تا 70)

اللہ تعالیٰ کا عبد شکور۔محترم چوہدری محمد ظہور احمد صاحب باجوہ

حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کو قادیان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر دور سے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔قریب سے دیکھنے کا پہلا موقع اس طرح ملا کہ مَیں گورنمنٹ کالج فیصل آباد کا طالب علم تھا اور چوہدری صاحب وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے وہاں تشریف لے گئے۔مَیں بھی تھا۔سرکاری افسران اور سیاسی لوگ جمع تھے۔چوہدری صاحب نے سب سے ہاتھ ملایا۔مغرب کی نماز کے لئے تشریف لائے اور نماز کے بعد احباب جماعت قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔چوہدری صاحب نے سب کے ساتھ مصافحہ کیا۔میرے ساتھ ایک دوست کھڑے تھے۔ان سے پوچھا کہاں کہ رہنے والے ہیں؟انہوں نے بتایا تو فرمایا اپنے ماموں زاد بھائی کی برات میں جاتے وقت ہم لوگ آپ کے گاؤں میں ٹھہرے تھے۔مکئی کا موسم تھا بھٹّے کھانے یاد ہیں۔پھر پوچھا یہاں کیا کرتے ہیں؟جواب دیا گورنمنٹ کالج میں پڑھتا ہوں۔آپ نے فرمایا زمینداروں سے لوہار ترکھان کا مستقبل زیادہ روشن ہے۔کوئی کام سیکھیں اُس وقت کالج کے لڑکوں نے چوہدری صاحب کا یہ مشورہ دل سے ناپسند کیا مگر مَیں تھوڑی سی زرعی اراضی کا مالک ہونے کی حیثیت میں چوہدری صاحب کی آج سے پچاس سال پہلے کہی ہوئی بات کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ایک طبقہ چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور دوسرا گروہ اپنی بقاء کی خاطر تحفظات کے بھیک کے لئے سرگرداں ہے۔ **درود شریف کی برکت سے۔** حضرت چوہدری صاحب کو اور قریب سے دیکھنے کا موقعہ اس طرح میسر آیا کہ مَیں دسمبر 1945ء میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انگلستان گیا۔حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب وہاں موجود تھے۔چوہدری صاحب اپنے چھوٹے بھائی محترم چوہدری عبداللہ خاں صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ کراچی کو ٹانگ کے اپریشن کے لئے وہاں لائے تھے۔چوہدری صاحب کا قیام اپنے دیرینہ جرمن دوست ڈاکٹر آسکر برونلر (DR.Oscar Bronnler) کے ہاں تھا۔مگر ان کے بھائی ہمارے پاس رہے۔جنگ عظیم کے بعد کا زمانہ تھا۔بے شمار انگریز فوجی زخمی ہو کر آ رہے تھے۔چوہدری صاحب نے اپنے دوستوں سے رابطہ پیدا کر کے کسی ہسپتال میں داخلہ کی کوشش کی مگر منزل قریب نظر نہ آئی۔چوہدری عبداللہ خاں صاحب کو تکلیف زیادہ تھی۔ایک دن چوہدری صاحب غیر متوقع طور پر تشریف لائے۔انتہائی خوش تھے۔بار بار اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے تھے۔محترم شمس صاحب نے پوچھا کہ اس خوشی کی وجہ کیا ہے۔؟فرمایا رات مایوسی کی حالت میں بہت دعا کا موقع ملا۔مَیں نے سُن رکھا تھا کہ روہمپٹن (Roehampton) میں ہسپتال ہے جہاں ٹوٹے ہوئے اعضاء کا اعلاج ہوتا ہے اور مصنوعی اعضا بھی لگائے جاتے ہیں۔مَیں بغیر واقفیت کے وہاں چلا گیا۔سارا راستہ بس درود شریف پڑھتا رہتا۔وہاں جا کر انچارج ڈاکٹر کو ملا۔اپنا تعارف کرایا۔عبداللہ خان کی کیفیت بیان کی اور اب تک علاج کی رپورٹ دکھائی۔ڈاکٹر رپورٹ پڑھ رہا تھا اور مَیں آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھ رہا تھا۔ڈاکٹر نے سر اٹھایا اور کہا Sir Zafrulla although hard pressed i will admit you مَیں نے شکریہ ادا کیا اور کمرہ سے باہر نکل کر لان میں سجدہ شکر بجا لایا۔پھر بھائی سے کہا کہ عبداللہ خاں تیار ہو جا ہسپتال آرام دہ نظر نہیں آتا مگر ہمیں تو علاج سے غرض ہے۔چوہدری

عبداللہ خاں صاحب کا اس ہسپتال میں اپریشن ہوا گھٹنہ کے جوڑ میں پن ڈال کر ٹانگ سیدھی کر دی۔ پھر وہ ٹانگ جھکا نہیں سکتے تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جو تکلیف میں نے سالہا سال دیکھی ہے اس کے مقابلہ میں جنت میں ہوں۔ اس کے بعد ایک لمبا عرصہ تک بڑی مصروف زندگی گزاری۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب جب صحت یاب ہو کر وطن واپس آ گئے تو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کچھ دیر اور انگلستان میں رہے۔ آپ دوستوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے طور پر اپنے بھائی کے ہسپتال میں داخلہ کا واقعہ سنایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ دوستوں کا سہارا کام نہ آیا مگر آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کی برکت سے مشکل مرحلہ آسان ہو گیا۔ کئی دفعہ خطبات جمعہ میں بھی احباب کو تلقین کیا کرتے تھے کہ انسان کام میں مصروف ہوتے ہوئے بھی زبان سے درود بھیج سکتا ہے لیکن اگر زبان بھی مصروف ہو تو فارغ اوقات میں آنحضرت ﷺ پر درود و سلام سے بڑھ کر کوئی عبادت اللہ کے یہاں قبول نہیں۔

نصف پینس بچانے کے لئے۔ ان دنوں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ اکثر چوہدری صاحب کے برادر چوہدری عبداللہ خان صاحب کی عیادت کے لئے ہسپتال جایا کرتے تھے۔ جو بس ایک طرف جایا کرتی تھی اس کے مشن ہاؤس کے قریب دو سٹاپ تھے ایک لٹن گروLytton Grove اور دوسرا West Hill۔ پہلا نسبتاً قریب تھا اگرچہ فاصلہ میں نہایت معمولی فرق تھا۔ پہلے سٹاپ سے کرایہ دو پینس تھا اور دوسرے سے ڈیڑھ پنس ہم عموماً لٹن گرو کے بس سٹاپ سے سوار ہوتے تھے۔ چوہدری صاحب اگر مشن ہاؤس سے ہو کر ہسپتال جا رہے ہوں تو ویسٹ ہل بس سٹاپ سے سوار ہوتے تھے کیونکہ نصف پینس کی بچت ہوتی تھی۔ ہسپتال میں جب بھی اکٹھے ہوتے تو چوہدری صاحب ہمیں نصیحت کرتے کہ تھوڑے الاؤنس میں کفایت شعاری سے رہنا سیکھو۔ ہسپتال میں عموماً اکھٹا ہونے سے چوہدری صاحب دریافت کرتے کہ کون سے بس سٹاپ سے بس لی۔ ان کے سوال کرنے پر ایک دن صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے کہا کہ لٹن گرو بس سٹاپ سے سوار ہونے کی وجہ فضول خرچی نہیں بلکہ محض اس لئے کہ شہر جاتے ہوئے اسی سٹاپ سے سوار ہونے کی عادت ہے اس لئے غیر ارادی طور پر ادھر کا رخ ہو جاتا ہے۔ ویسے آدھے آدھے پینس کا حساب بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ چوہدری صاحب کی اپنی رائے دھونسنے کی عادت نہ تھی محض توجہ ہی دلایا کرتے تھے۔ صرف اتنا کہا کہ عادت کا غلام نہیں ہونا چاہیے۔ چوہدری صاحب کا حافظہ بلا کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات اُن کو بھولتی نہ تھی۔ عموماً جن راہوں پر ان کا آنا جانا ہوتا تھا۔ ان راستوں پر بسوں کے کرایہ کا ان کو علم ہوتا تھا۔ یہ بھی کہ کہاں کہاں تک زمیں دوز ریلوے سے سفر کرنا ہے اور کہاں بس میں بلکہ کرایہ کی بچت کی پیش نظر ریلوے اور بس کا سفر ملا کر کیا کرتے تھے۔ جس دن ان کی وفات کی خبر آئی مَیں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ ڈیڑھ دو پنس والی بات یاد ہے۔ ایک سہانے خواب کی طرح وہ زمانہ یاد آ گیا اور چوہدری صاحب کی بے تکلّف مجالس بھی۔

نعمائے الٰہی کی قدردانی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب لندن میں اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے راشننگ کا نظام جاری تھا اور ایک ہفتہ کے لئے صرف ایک کلو دودھ ملتا تھا۔ ایک دفعہ مشن ہاؤس میں کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ ہر چیز موجود تھی سوائے دودھ کے چائے پلانے والا پریشانی کی عالم میں اندر باہر آ جا رہا تھا۔ محترم مولانا شمس صاحب نے پوچھا کیا بات ہے۔ چائے میں کیا دیر ہے؟ جواب آیا دودھ پھوٹ گیا ہے۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہاں ہے وہی لے آؤ۔ جواب ملا پھینک دیا ہے چوہدری صاحب نے فرمایا انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی

نا قدری کرتا ہے۔ پھٹے ہوئے دودھ اور دہی میں فرق کیا ہے۔یہی نہ کہ ایک میں انسان کا عمل دخل ہے دوسرے میں نہیں۔مگر انسان ایک کو ضائع کر دیتا ہے اور دوسرے کو شوق سے کھاتا ہے۔ پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ مَیں چند دن کے لئے لندن سے باہر گیا ہوا تھا۔اس دوران میرے میز بان ڈاکٹر آسکر برونلز کو باہر جانا پڑا وہ باہر جانے سے پہلے گھر میں رکھی اشیائے خوردنی کی ایک فہرست میز پر رکھ گئے۔ مَیں واپس آیا تو دیکھا کہ دہی پر اُلّی لگی ہوئی ہے۔مَیں نے وہ ہٹا کر کھالی۔ جو دوست چائے پلا رہے تھے۔انہوں نے حیرت سے کہا چوہدری صاحب آپ نے اُلّی لگی ہوئی دہی کھالی۔محترم چوہدری صاحب نے بڑے پیار سے جواب دیا ہاں کھالیا اگر ڈاکٹر فلیمنگ وہی چیز آپ کو پنسلین کے نام سے پیش کرے تو آپ بھی بڑے شوق سے کھالیں گے۔ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحب کے کھانے میں اور دوستوں کے ساتھ مَیں بھی تھا۔اور چوہدری صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔کوئی چیز چوہدری صاحب سے گرگئی۔مگر اسی اثناء میں انہوں نے گری ہوئی چیز اٹھالی۔مَیں نے کہا یہ رہنے دیں یہاں سے اور لے لیں۔فرمایا کیا یاد نہیں بچپن میں اگر کوئی کھانے کی چیز گر جاتی تھی تو مائیں کہا کرتی تھیں کہ اٹھا کر پھونک مار کر کھالو اور ہم بچپن میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔اب اللہ کی نعمت کیوں پھینک دی جائے۔ ہمیشہ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ کے نتیجہ میں ملنے والے فضلوں کے حصول کی خواہش کرنا چاہیے۔ **اکرامِ ضیف**۔1970ء میں جماعت احمدیہ کے تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب یورپ اور مغربی افریقہ کے دروہ پر تشریف لے گئے۔ مجھے بھی حضور کے قافلہ میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ چوہدری صاحب ان دنوں بین الاقوامی عالمی عدالت کے صدر تھے۔ ہیگ میں مجھے اور چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم السلام ہائی کالج کو چوہدری صاحب کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا۔مشن ہاؤس میں رات کے کھانے سے فارغ ہوکر چوہدری صاحب کے ساتھ ان کے فلیٹ کے لئے روانہ ہوئے۔منزل پر پہنچ کر چوہدری صاحب نے کار سے اتر کر جلدی سے ہمارے بیگ اٹھالئے۔ چوہدری محمد علی صاحب نے کہا کہ یہ کیا آپ نے کمال کر دیا۔ہم آپ کے بچوں کی طرح ہیں فرمایا ''بس اتنی بات ہے کیا اَکۡرِمُوۡا اَوۡلَادَکُمۡ کا ارشاد رسول بھول گئے اور مجھے اکرامِ ضیف سے بھی محروم کرنا چاہتے ہو۔دیر کافی ہو چکی تھی چوہدری صاحب نے ہمیں ہمارا کمرہ دکھایا اور پوچھا ناشتہ میں کیا پسند ہے اور ناشتہ کس وقت کرتے ہیں؟ مَیں نے کہا آپ فکر نہ کریں ہم خود کرلیں گے۔ چوہدری صاحب نے کہا اس وقت مَیں میز بان ہوں۔ یہ میرا فرض ہے۔پھر چوہدری صاحب اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے۔صبح میری آنکھ کھلی تو مَیں نے آہستہ سے چوہدری محمد علی صاحب سے کہا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔وضو کرلیں۔ چوہدری صاحب نے اسی طرح سرگوشی کے عالم میں کہا کہ مَیں رات کو دو دفعہ غسل خانہ جانے کے لئے اٹھا ہوں۔ چوہدری صاحب کو عبادت کرتے ہی دیکھا ہے۔خدا معلوم سوتے کب ہیں؟ رات کو ہم نے ناشتہ کے لئے جو وقت بتایا تھا۔عین اُسی وقت چوہدری صاحب نے دستک دی اور فرمایا ناشتہ تیار ہے ناشتہ کرلیں۔ مَیں کورٹ کے لئے تیار ہوں۔ہم نے ناشتہ کیا تو چوہدری صاحب تشریف لے آئے اور فرمایا تیار ہو جاؤ۔ مَیں اٹھ کر برتن دھونے لگا تو چوہدری صاحب نے آگے ہو کر میرے ہاتھ پکڑ لئے اور فرمایا آپ مہمان ہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ یورپ مَیں تو مہمان میز بان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ مَیں سالہا سال سے اکیلا رہا ہوں۔ مجھے علم ہے مگر مَیں یورپین نہیں ہوں اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔کیا آنحضرت ﷺ کا بستر دھونا یاد نہیں؟ چوہدری صاحب نے اصرار سے ہمارے برتن خود صاف کئے۔اور دو تین سینڈوچ لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ کر کہا That will do for my lunch یہ میرا دوپہر کا کھانا ہے اور ہمیں ساتھ لے کر عدالتِ

انصاف کی طرف روانہ ہو گئے۔

سچی خیر خواہی۔ محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب مرحوم سنایا کرتے تھے کہ ان کے بھائی محترم چوہدری شکراللہ خان صاحب مرحوم ایک دفعہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہو گئے۔ بڑے بھائی جان یعنی چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب ان دنوں ملک سے باہر تھے ان کو اطلاع دی گئی۔ ہم پُر امید تھے کہ وہ کسی بڑے افسر کو اشارہ کر دیں گے تو بھائی کی خلاصی ہو جائے گی۔ بڑی انتظار کے بعد ان کا خط آیا کہ آپ کے خط سے بڑی تکلیف ہوئی۔ شکراللہ خان مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ مَیں اس کے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔ اگر فی الواقع اس نے جرم کیا ہے تو میری محبت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ اُس کو اِس کی سزدنیا میں ہی مل جائے۔ اس کی بخشش کا سامان ہو جائے۔ مَیں آخرت کے حساب اور کتاب اور سزا کے تصور سے بھی ڈرتا ہوں۔ اس جرم کا حساب اللہ تعالیٰ اُس جہاں میں نہ لے۔ آپ سب دعائیں کریں۔ مَیں بھی دعا کرتا رہوں گا۔ شکراللہ بھی اللہ کے حضور گڑگڑائے اور اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی طلب کرے۔ بعض اوقات کسی اور وجہ سے انسان پکڑا جاتا ہے۔ چوہدری عبداللہ صاحب نے بتایا کہ مقدمہ کی سماعت کے دوران ہی بھائی جان ملک واپس تشریف لے آئے حالات دریافت کئے مگر کوئی قانونی یا دوسرا مشورہ نہ دیا سوائے دعا کے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا بھائی جان شکراللہ صاحب نے اس مصیبت سے مخلصی پائی۔ مَیں نے ایک بار چوہدری صاحب سے آٹوگراف کی درخواست کی۔ چوہدری صاحب نے کاپی میں یہ تحریر فرمایا عاشقِ جوز یار شوئے عاشق مہر پار نہ Zafrulla 23.10.46 یا ارحم الراحمین تو اپنے اس عبد شکور کو، جس کا نام ماں باپ نے ظفراللہ خان رکھا اور تو نے اپنے بے پایاں فیض سے اسے ہر لحاظ سے اس دنیا میں ظفرمند کیا اب جب کہ وہ تیرے حضور حاضر ہو چکا ہے۔ اپنے احسان، فضل اور رحمت سے نجات یافتہ گروہ میں شامل فرما۔ آمین ثم آمین۔

درختِ وجود کی ایک سرسبز شاخ۔ مکرم جناب راجہ غالب احمد صاحب

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب سے خاکسار کی پہلی ذاتی ملاقات 1935ء میں ہوئی۔ میری عمر اس وقت سات سال کے قریب تھی۔ مَیں اپنے والد محترم راجہ محمد علی صاحب اور حضرت نواب محمد دین صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہمراہ حضرت چوہدری محمد علی صاحب کے دیدار سے مشرف ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب والد صاحب نے میرا تعارف کروایا تو چوہدری صاحب نے والد صاحب سے فوراً ایک سوال کیا۔ ’’راجہ صاحب آپ نے ان کا یہ نام کیسے رکھا۔ آپ نے رکھا ہے یا حضور نے۔؟‘‘ محترم والد صاحب نے قدرے تامل اور جھجک کے ساتھ صرف اتنا کہا کہ چوہدری صاحب مَیں نے یہ نام اپنی ایک خواب کی بناء پر حضور کی خدمت میں تجویز کیا تھا اور حضور نے اسے منظور فرما لیا تھا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفات ’’غالب‘‘ کا حضور کی بعثت سے ایک گہرا تعلق ہے۔

نو سال بعد۔ میری ذاتی ملاقات حضرت چوہدری صاحب سے 1944ء میں نو سال کے عرصہ کے بعد ہوئی۔ خاکسار اس وقت تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان کا طالب علم تھا۔ اور بورڈنگ ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ موسم سرما کی ایک دوپہر کو قریباً تین بجے چند ہم عمر طلباء ایک کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مَیں بھی اُن میں شامل تھا۔ اتنے میں حضرت چوہدری صاحب اپنی مخصوص ترکی ٹوپی پہنے ایک جوان کے ساتھ اچانک ہمارے کمرے میں داخل ہوئے۔ کچھ طالب علم ہراساں ہو گئے۔ بہر حال حضرت چوہدری صاحب نے اپنا تعارف کروایا۔ پھر اپنے

ساتھی جن کا نام شاید مسٹر وید تھا اور چوہدری صاحب کے زیر تربیت تھا، کا تعارف کروایا۔ پھر ہم طلباء سے فرداً فرداً نام پوچھنے لگے خاکسار نے جب اپنا بتایا تو فوراً بتایا کہ آپ سے پہلے بھی ملاقات ہو چکی ہے لاہور میں آپ کے والد صاحب اور نواب محمد دین صاحب کے ساتھ۔'' خاکسار کا محترم چوہدری صاحب کی یادداشت کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ یہ سُن کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ شخص جو بے پناہ منہمک رہتا ہے وہ ایک سات سال بچہ سے ملاقات کا واقعہ جس کو گزرے ہوئے بھی نو سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔ اپنی ''شعوری یادداشت'' میں محفوظ رکھے۔ اور بغیر یاد کروائے از خود روزمرہ کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ یہ یادداشت اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے جو حضرت چوہدری صاحب کی زندگی میں ان کی ذاتِ باری کی طرف سے مسلسل بارش کی طرح برستی رہیں ایک نعمتِ خاص تھی جس سے ان کی قوت شعور و تعقّل اور استدلال و تدبّر کی تشکیل و تعمیر ہوئی اور اسی یادداشت نے حضرت چوہدری صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں ایک بنیادی کردار ادا کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت چوہدری صاحب کی یادداشت کے طفیل ان گنت معلومات واقعات حادثات تعلقات اور امکانات اور ان کے بے شمار باہمی روابط چوہدری صاحب کے حضور دست بدست غلاموں کی طرح ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ اور چوہدری صاحب اپنی بے پناہ حاضر دماغی کی بدولت اپنی وکالت، سیاست اور بلاغت و دعوت الی اللہ کے شعبوں میں ان سے وہ کام لیتے تھے جو ہر عام و خاص کے لئے کسی طرح ممکن نہیں۔ ایں سعادت بروز بازنیست ہاں تو جب چوہدری صاحب نے موجودہ طلباء سے ذاتی تعلق فرداً فرداً حاصل کر لیا تو پھر ہم سے مخاطب ہوئے کہ آپ لوگوں نے ہمارے یہاں آنے پر کوئی چیز اچانک چھپا دی تھی وہ کیا تھا؟ ہم سب حیران تھے کہ چوہدری صاحب نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی یہ کس طرح مشاہدہ کر لیا کہ ہم نے کوئی چیز چھپائی ہے۔ فی الواقع جب حضرت چوہدری صاحب تشریف لائے تھے تو ہم سب طلباء تازہ گاجریں کھا ہی نہیں رہے تھے بلکہ چر رہے تھے۔ اور وہ گاجروں کا تھبہ ہم نے جلدی سے بستر میں چھپا دیا تھا۔ حضرت چوہدری صاحب نے فوراً بستر کی تلاشی لی اور گاجروں کا تھبہ برآمد کر لیا اور فرمانے لگے کہ انہیں چھپانے کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی یہ تو آپ لوگوں کی صحت کے لئے بہت اچھی ہیں اور پھر ہماری حوصلہ افزائی کے لئے ایک گاجر کا ٹکڑا توڑ کر کھایا اور ایک مسٹر وید کو دیا اور ہمیں کہا کہ '' آپ اپنی گاجروں سے انصاف کریں اور ہمیں اب اجازت دیں کیوں کہ مَیں نے وید صاحب کو ابھی اور قادیان کے کئی مقامات دکھانے ہیں۔'' یہ تھا حضرت چوہدری صاحب کا مشفقانہ رویہ۔ **تمہیں حیرت کیوں ہے؟**۔ اسی شام ہوسٹل میں خاکسار کی ملاقات محترم خلیل احمد ناصر صاحب سے ہوئی۔ مَیں نے اُن سے چوہدری صاحب سے ملاقات اور دوپہر کے واقعہ کا ذکر کیا۔ اور ان کی یادداشت پر اپنی حیرت کے اظہار کے ساتھ اس بات کا بھی ذکر کیا کہ مسٹر وید کمیونسٹ ہیں ان کو جماعت احمدیہ سے دلچسپی کس طرح پیدا ہو گئی۔؟ دوسرے دن نماز مغرب خاکسار حسب معمول مسجد مبارک میں حضرت مصلح موعود کی امامت میں ادا کر کے جب فارغ ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اس عاجز کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے مسٹر وید کے قادیان آنے پر تمہیں حیرت کیوں ہے؟ تمہاری اس حیرت کا کل رات خلیل احمد ناصر نے ذکر کیا تھا اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں یہ بتا دوں ہم نے ہر ایک کو دعوت دینی ہے۔ اس میں کسی مفروضے کی بنا پر ایک طبقہ سے پرہیز کر لینا واجب نہیں۔ اس واقعہ سے خاکسار نے اور بھی سبق سیکھے۔ لیکن ایک شدید اثر دل اور دماغ پر یہ تھا کہ ہمارے بزرگ ہم سے کس قدر محبت اور شفقت اور اخلاص بھرا تعلق نہ صرف قائم کرتے ہیں بلکہ اس کو نبھانے کے لئے تردد بھی کرنا پڑے تو کرتے ہیں۔ محترم چوہدری

صاحب نے خاکسارکو'' مسجد مبارک'' کے انبوہ کثیر میں تلاش کر کے خاکسار کی ایک دماغی الجھن کو دور کرنے کے لئے اس شام محض للہ تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں بہترین رنگ میں اس کی جزا دے آمین۔ ورنہ خاکسار کی بساط کیا تھی جماعت نہم کا تعلیم الاسلام سکول کا ایک حقیر سا طالب علم ہی تو تھا اور تو کچھ نہ تھا پھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی کی نظرِ شفقت نے خاکسار کو اُس شام مسجد مبارک میں مغرب کی نماز کے بعد ایک خاص شام اور حسن واحسان سے نوازا۔

رفاقت کی شام۔ یہ شام خاکسار کو اس لئے بھی ہمیشہ یاد رہے گی کہ جب خاکسار سے حضرت چوہدری صاحب گفتگو فرما رہے تھے تو ان کو دیکھ کر حضرت مولانا شیر علی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ حضرت چوہدری صاحب نے خاکسار کا تعلق از خود حضرت مولانا شیر علی صاحب سے تعارف کروایا اور بتایا کہ مَیں راجہ محمد علی کا بیٹا ہوں حضرت مولانا کمال شفقت سے خاکسار سے بغل گیر ہو گئے۔ اور اس طرح حضرت چوہدری صاحب ایک طرح سے مولانا شیر علی صاحب کے سپرد کر کے خود وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اس شام حضرت مولانا نے خاکسار سے کہا کہ اگر تم عشا کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں ٹھہر سکتے ہو تو چند منٹ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد مجھ سے ایک حدیث یاد کر لیا کرو اور حدیث کا سیاق وسباق بھی مَیں تمہیں بتا دیا کروں گا۔ یہ وہ رفاقت کی شام تھی جس نے اس ناچیز کو حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے دو نہایت ہی ممتاز اور جلیل القدر صحابہ سے نہ صرف ملوایا بلکہ ان کے فیضان صحبت سے مشرف ہونے کی خاص سعادت بخشی۔ محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کا احسان تھا۔ حضرت مولانا کے درس حدیث کا یہ سلسلہ محض حضرت چوہدری صاحب کے شفقت کی وجہ سے رونما ہوا اور حسن واحسان کی ایک مشعل دوسری مشعل سے روشن ہوئی یہ وہ ستارے تھے جو اپنے مدار پر ہر لحظہ سرگرم عمل رہتے تھے اور جن اجسام اور وجود پر ان کی نگاہِ نور روالتفات بظاہر حادثاتی طور پر یا واقعاتی طور پر پڑ جاتی تھی ان کی کایا پلٹ کا سلسلہ بھی اسی لمحہ شروع ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ ستارے تھے جن پر چودھویں کے چاند کی چاندنی چاروں طرف برس چکی تھی۔ اور اسی چاندنی میں اُن کی ڈوبی ہوئی نظریں جب ہم جیسے رُوسیاہ پر پڑتی تھیں تو نور وقلب نظر میں ہیئتی تبدیلی کا ہونا بہرحال مقدر ہوتا تھا۔ **اجازت لیناضروری ہے۔** تیسرا واقعہ جس کا ذکر کرنا یہ عاجز ضروری خیال کرتا ہے وہ اغلباً 1966ء کا ہے۔ خاکسار کے سب سے چھوٹے بھائی عزیزم کرنل راجہ باسط احمد صاحب کی شادی لاہور میں ہونا قرار پائی۔ موسم سرما میں حضرت چوہدری صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ محترم والد صاحب (محترم علی محمد خان صاحب) بھی لاہور میں خاکسار کے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ والد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ایک دعوت نامہ حضرت چوہدری صاحب کو مَیں بھجوا دوں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اگر آپ مناسب خیال کریں تو خاکسار یہ دعوت نامہ خود محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں جا کر پیش کر دے۔ والد صاحب نے فرمایا نہیں اس کی ضرورت نہیں نہ جانے اُن کی کیا مصروفیات ہوں اور تمہارے جانے سے شاید یہ تاثر پیدا ہوا کہ ہم سب ہر رنگ میں ان کی شمولیت ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور کوئی صورت تکلّف کی نکل آئے جس میں ان کے لئے تکلیف کا پہلو ہو۔ تم یہ دعوت نامہ بذریعہ ڈاک بھجوا دو۔ اتنا ہی کافی ہے خاکسار نے حسب ارشاد تعمیل کر دی۔ جس شام دعوتِ ولیمہ تھی اُسی شام خاکسار کو قریباً پانچ بجے حضرت چوہدری صاحب نے فون کیا اور ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہوں گے جن کو آپ کی طرف سے شمولیت کی دعوت تو نہیں لیکن ان کو اس شام مَیں نے کھانے پر بُلایا ہوا ہے تو کیا مَیں انہیں بھی دعوتِ ولیمہ میں اپنے ساتھ لا سکتا ہوں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ آں مکرم کا تشریف لانا اور اپنے مہمان کو ساتھ لانا اس سے بڑھ کر اعزاز ہمارے لئے اور

کیا ہوگا فرمانے لگے اجازت لینا بہر حال ضروری تھا۔حضرت چوہدری صاحب سے خاکسار کو ملاقات کی شرف یابی 1976ء کے بعد 1985ء تک ہر سال ایک یا دو دفعہ ضرور میسر آجاتی تھی۔

اُلجھن سے رہائی۔ خاکسار کی بیٹی کی شادی فروری 1979ء میں ہوئی۔حضرت چوہدری صاحب حسب معمول موسم سرماں میں لاہور میں قیام فرما تھے۔خاکسار نے مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب کی وساطت سے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں شادی کی تقریب میں شمولیت کی درخواست کی جو آپ نے محض ازراہ شفقت قبول فرمائی اور شادی کی تقریب میں شمولیت اختیار فرمائی۔خاکسار نے یہ بھی درخواست کی ہوئی تھی کہ حضرت چوہدری صاحب اس تقریب میں دعا کروائیں گے۔اس شادی میں کسی حد تک غیر متوقع طور پر حضرت بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک جلیل القدر پوتے نے بھی محض شفقت اور اپنے مخصوص خاندانی حسن واحسان کو ملحوظ رکھتے ہوئے شمولیت فرمائی۔جب دعا کا وقت آیا تو خاکسار اس الجھن میں تھا کہ مَیں نے تو حضرت چوہدری صاحب سے دعا کے لئے کہا ہوا تھا اور اب ایک نئی صورت درپیش ہے۔اس کا ذکر میں نے مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب سے بھی کر دیا۔آپ نے کہا کہ کوئی حرج نہیں آپ محترم صاحبزادہ صاحب سے دعا کے لئے کہہ دیں۔لیکن خاکسار کی طبیعت میں کچھ حجاب ہی رہا۔تھوڑی دیر بعد حضرت چوہدری صاحب کے پاس سے گزرا تو حضرت چوہدری صاحب نے ازخود حضرت میاں صاحب کی طرف اشارہ کیا۔اور خاکسار کی الجھن کو بغیر کہے سُنے نہایت حکیمانہ انداز میں دور فرما دیا۔ہاتھ سے ایک خوبصورت مگر خفی سے اشارہ سے لفظوں اور جملوں کے تکلف کے بغیر نہایت ہی احسن طور پر رہائی دے دی۔دعا کے بعد خاکسار کو اشارہ سے بلایا اور میرے ایک غیر از جماعت دوست سے متعارف کروانے کے لئے کہا۔خاکسار نے عرض کیا وہ تو آپ سے اچھی طرح متعارف ہیں۔فرمایا نہیں آپ انہیں اپنے حوالہ سے متعارف کروائیں۔خاکسار نے اس ارشاد کی تعمیل کی ان سے مل کر فرمانے لگے اب آپ سے ایک نیا تعارف ہوا ہے اور انشاءاللہ اس کے نتائج نیک ہوں گے۔وہ دن اور آج کا دن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس غیر از جماعت دوست کی اس دن سے عملی اور اخلاقی حالت اور جماعت کے ساتھ روابط کا ایک نیا دور شروع ہو گیا اور اب تک اس میں خیر و برکت کا پہلو ہی نکلا ہے۔انشاءاللہ آئندہ بھی ہوگا۔

ایک خواب۔ اُسی شام ایک دوست نے اپنا ایک خواب مجھے سُنایا جو حضرت چوہدری صاحب کو ایک دن پہلے سنا چکا تھا۔اُس مخلص احمدی دوست کا خواب کچھ یوں تھا کہ حضرت چوہدری صاحب اپنا ایک فاؤنٹین پن اس احقر کو عطا فرما رہے ہیں۔اس خواب کا جب حضرت چوہدری صاحب سے ذکر ہوا تو بقول اُس دوست کے حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا ممکن ہے راجہ صاحب (اس احقر) کو بھی سلسلہ کی خدمت کا کوئی موقع مل جائے۔اس خواب کے شاید ایک سال بعد تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے ازراہِ شفقت فضل عمر فاؤنڈیشن کا ایک ممبر بنایا تو خاکسار نے خیال کیا کہ اس فاؤنڈیشن کے صدر حضرت چوہدری صاحب ہیں اور یہ خواب اسی رنگ میں پورا ہو گیا ہے۔لیکن اس خواب کا ایک اور رنگ ابھی پورا ہونا مقدّر تھا۔حضرت چوہدری صاحب کے آخری علالت کے ایام میں اور وفات سے متعلق ایک آدھ کام میں خاکسار کو بھی شرکت کی توفیق نصیب ہوئی جس سے اس خواب کے مبشر اور صادق ہونے کی تصدیق ہوگئی۔اس پچاس سال کے عرصہ میں خاکسار نے جس حد تک حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی زندگی کا مطالعہ اور تجزیہ اپنے ذاتی مشاہدہ سے کیا۔اس کا ماحاصل یہ ہے کہ آپ حضرت بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سدا بہار درختِ وجود کی ایک سرسبز شاخ تھے جو نہایت پیوستگی کے باعث خوب پھلی پھولی۔جس کے خوش رنگ

پھولوں اوران کی مسحور کن مہک نے تمام اکنافِ عالم میں بسنے والی اقوام اورملل کے مشامِ جاں کواس شان سے معطرکیا کہ وہ فرطِ مسرت سے جھوم اٹھیں اوراس کی تعریف میں رطب اللسان ہوئے بغیر نہ رہیں۔اللہ تعالیٰ اُن کی اولاد کو بھی ہر رنگ میں وہی سرسبزی اور شادابی نصیب فرمائے اور وہی سرفرازی بخشے۔آمین۔(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 76 تا 80)

محترم جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ کا خراج عقیدت

وہ میرے بہت شفیق بزرگ تھے۔انہوں نے عالمی ایوانوں میں مجھے اعتماد کے ساتھ بولنے کی تربیت دی

انٹرویو:۔عبدالسمیع خان صاحب

سوال: چوہدری صاحب سے آپ کے تعلقات کا آغاز کب ہوااوران کے ساتھ آپ کے کیسے مراسم تھے؟

جواب: میری ان سے جان پہچان تو بچپن سے ہی تھی کیونکہ وہ میرے والد کے Colleague رہ چکے تھے۔پھر میرے ایک اورعزیز ہیں شیخ اعجاز صاحب۔وہ ان کے بہت قریبی دوست تھے۔اِس وجہ سے میری ان سے بچپن سے ہی صاحب سلامت تھی اور وہ مجھ سے ہمیشہ بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتے رہے۔ان کے اور میرے تعلقات اس قسم کے تھے جیسے ایک بزرگ کے تعلقات اپنے جونیئرز کے ساتھ ہوتے ہیں۔میرے ان کے ساتھ ذاتی مشورے بھی ہوتے رہتے تھے۔یوں کہہ لیجئے کہ میرے لئے وہ ایک شفیق بزرگ کی طرح تھے یا جیسے ایک چچا کی حیثیت ہوتی ہے۔میرے کالج کے زمانے کی بات ہے وہ کبھی شملہ جاتے تو مجھے بلوا بھیجتے اور احوال پوچھتے کہ پڑھائی کیسی ہورہی ہے۔ **سوال: آپ چوہدری صاحب سے آخری ایّام میں بھی ملتے رہے ہیں ان دنوں میں کوئی خاص بات اُن سے ہوئی ہو؟** جواب: جی ہاں۔چوہدری صاحب آخری ایّام میں جب کبھی بھی لاہور تشریف لاتے (جب تک وہ صحت مند رہے)ان کا یہ معمول تھا کہ ایک دفعہ دوپہر کا کھانا ضرور میرے ساتھ کھاتے تھے یا مجھے بلوا بھیجتے عموماً رات کے کھانے پر میں ان کے ہاں جاتا تھااور یہ معمول کئی سال تک برقراررہا یہاں تک کہ آخری دور میں وہ بیمار تھے تو میں پتہ کرواتا رہا کہ کیا چوہدری صاحب کی صحت اجازت دیتی ہے کہ وہ تشریف لاسکیں مگر وہ بہت کمزور ہوگئے تھےاوران کے لئے میری دعوت قبول کرنا ممکن نہ تھا۔

سوال: بحیثیت وکیل اورجج چوہدری صاحب کے متعلق آپ کی کیارائے ہے؟ جواب: چوہدری صاحب اپنے زمانے کے ایک بہت ہی اہم وکیل تھےاوراسی طرح وہ فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج بھی رہے۔اس حیثیت سے بھی ان کا اپنا مقام تھا۔عالمی عدالت کے جج بھی رہے مگران کو بحیثیت جج کے اتنے قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا اورنہ مَیں وکالت میں ان کا ہم عصر تھااورنہ ہی کبھی ان کی عدالت میں پیش ہوا کیوں کہ اس وقت تو میں کم سِن تھا۔میں ان کے اس دور سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔مگران کا نام اس ضمن میں بہت معروف ہےاوروہ ہمارے EMINENT(ذی مرتبت وذی شان)ججز میں سے ایک تھےاور قانون پران کی گہری نظرتھی۔اقوامِ متحدہ میں انہوں نے اسلامی ممالک کی آزادی کے لئے جوکردارادا کیا وہ ایک وکیل ہونے کی حیثیت سے تھا۔باقی مقررین تو اب بھی لکھ کرتقریریں کرتے تھےاور پندرہ منٹ سے

زیادہ کوئی بولتا نہیں مگر چوہدری صاحب چار چار پانچ پانچ گھنٹے نوٹس کی مدد سے تقاریر کرتے رہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں اور شاید ایک سیاستدان ایسا نہ کرسکتا ہو جب تک کہ وکیل کے طور پر اس کی ٹریننگ نہ ہو۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ان کی اصل شخصیت ایک بہت قابل وکیل کی تھی۔ **سوال: چوہدری صاحب کے کسی خاص فیصلہ کا ذکر کرنا آپ پسند کریں گے؟** جواب: اِس وقت تو ان کا کوئی خاص فیصلہ میری نگاہ میں نہیں ہے۔ اصل میں اس کے فیصلے انڈین فیڈرل کورٹ سے متعلق ہیں اور بعد کے مسائل اتنی الگ نوعیت کے تھے کہ ہمیں اِس زمانے میں اتنے پُرانے کیسز کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں کہ ان کی EMINENCE (امتیازی شان) نہیں ہے۔ وہ ایک EMINENT جج تھے لیکن اس وقت میری نگاہ میں ان کا کوئی مخصوص فیصلہ نہیں ہے۔

سوال: آپ کو اقوامِ متحدہ میں چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے اس دور کی کوئی قابلِ ذکر بات بیان فرمائیں؟

جواب: 1960ء سے لے کر 1963ء تک میں پاکستان کے مندوب کی حیثیت سے اقوامِ متحدہ میں کام کرتا رہا۔ اس دوران دو مرتبہ ایسی صورت ہوئی یعنی 1961ء، 1962ء میں جبکہ چوہدری صاحب ہمارے سفیر تھے کہ انہوں نے مجھے اپنا ALTERNATE (متبادل) بنایا ہوا تھا جس وقت وہ کسی اہم مصروفیت کی وجہ سے اپنی سیٹ پر نہیں ہوتے تھے تو مَیں اُن کی جگہ پر بیٹھتا تھا۔ عالمی عدالت کے جج کی حیثیت سے ان کے دوسری دفعہ انتخاب کے وقت بھی میں وہیں تھا اور ہم نے ان کے حق میں مہم چلائی۔ پھر وہ دور آیا جب انہوں نے جنرل اسمبلی کے سربراہ کی حیثیت سے کام کیا۔ اس وقت بھی ہم نے ان کے حق میں لابنگ کی۔ اقوامِ متحدہ میں میرے قیام کے دوران انہوں نے یقینی طور پر کوشش کی کہ عالمی معاملات میں مجھے GROOM (یعنی ان کے نشیب وفراز اور رموز ونکات سے بہرہ ور) کیا جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب جو میرا بہت سارا وقت باہر کے ممالک میں گزرتا ہے کانفرنسز کے سلسلہ میں یا یہ کہ میں بعد میں اقوامِ متحدہ میں بھی جاتا رہا ہوں تو اس قسم کے بین الاقوامی اداروں میں اعتماد کے ساتھ بولنا اور بغیر نوٹس کے بولنا اس کی مجھے انہی سے تربیت ملی۔ اب مجھے نہ نوٹس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی مجھے کوئی ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ **سوال: وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری صاحب نے کیسی خدمات سرانجام دیں؟** جواب: ان کا اور میرا تعلق اس زمانہ میں محض اسی قسم کا تھا جیسے ایک بزرگ کی ایک بچے کے ساتھ شفقت یا مناسبت ہوتی ہے۔ تحریک پاکستان سے ان کا جو تعلق تھا اس کے بارہ میں مَیں زیادہ نہیں جانتا کیونکہ میں اس دور سے شناسا نہیں ہوں البتہ یہ ضرور ہے کہ جب وہ پاکستان کے وزیر خارجہ بنے تو اس حیثیت سے ان کی خدمات اپنی جگہ پر ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس دور میں پاکستان کی پالیسی یہ تھی کہ اقوام متحدہ میں ہم ایسا طریق کار اختیار کریں کہ جتنے محکوم مسلم ممالک ہیں اس کو سامراجی طاقتوں سے آزادی حاصل ہو جائے۔ اور دوسری پالیسی یہ تھی کہ اگر دو مسلم ممالک کے آپس میں اختلافات ہوں تو اس میں ہم اپنا رویہ متوازن رکھیں۔ اور یہ اس دور کی بات ہے جب قریباً سارے کے سارے عرب ممالک بالخصوص شمالی افریقہ کے مسلم ممالک فرانسیسی استبداد یا اطالوی استبداد کے پنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ سن ساٹھ کے لگ بھگ کی بات ہے جس میں مَیں چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔ انہوں نے الجزائر، مراکش تیونس وغیرہ کی آزادی کے لئے جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس اعتبار سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو عملی جامہ پہنانے میں اُن کی بڑی خدمات ہیں۔ اس وقت اقوامِ متحدہ میں بڑی لمبی لمبی تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ چوہدری صاحب اور کرشنا مینن کا لمبی تقاریر کرنے کا ریکارڈ تھا۔ چوہدری صاحب نوٹس کی مدد سے بولتے تھے کبھی انہوں نے لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر نہیں

سنائی۔ان کی تقریر چار گھنٹے بھی چل سکتی تھی اور چھ گھنٹے بھی۔اسلامی ممالک کی آزادی میں انہوں نے بڑی CONTRIBUTION کی ہے۔وہ اقوامِ متحدہ میں ایک بہت معروف شخصیت تھے۔

سوال: چوہدری صاحب کے اخلاق وکردار کے متعلق آپ کے مشاہدات کیا ہیں؟ جواب: چوہدری صاحب بڑے با اخلاق اور اصول کے پکے تھے اوران کے اصول اس قسم کے تھے کہ مثلاً طوفان ہو، آندھی ہو، بارش ہو، کسی بھی قسم کا موسم ہو وہ صبح کی سیر ضرور کرتے تھے اور سیر کرتے ہوئے اتنی تیز چلتے تھے کہ میں اگران کے ساتھ ہوتا توان کے ساتھ قدم ملانا مشکل ہوجاتا تھا۔انہیں جوانی میں ذیابطیس کی تکلیف ہوگئی تھی۔ان کے معالج نے انہیں کہا کہ اگرتم اپنی زندگی کومنظم کرلوگے تو پھر تمہارے لئے یہ بیماری مشکل کا باعث نہیں بنے گی لیکن اگرمعمول کوئی نہ رہا تو نقصان اُٹھاؤ گے۔چنانچہ انہیں جوانی کے ایّام سے ہی پابندیٔ وقت کی عادت پڑ گئی تھی۔وہ رات کودس بجے معمول کے دفتری کام ختم کر کے آرام کرتے تھے۔اسی طرح وہ دفتر میں سب سے پہلے پہنچتے تھے۔اگرمیٹنگ نو بجے رکھی ہوئی ہے تو نو بجنے میں ایک منٹ پر وہ مقررہ جگہ پر پہنچ جاتے تھے۔دیگر معاملات میں سادگی ان کا مخصوص شعار تھی۔میرا خیال ہے کہ انہوں نے جتنے منصب سنبھالے ہیں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے اتنی ساری ذمہ داریاں بیک وقت اٹھائی ہوں۔پھر اتنی لمبی عمر پائی ہو۔مختلف اَدوار بھی دیکھے ہوں اور مختلف مناصب پر بھی فائز رہے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کے جاننے والوں کو یہ علم ہے کہ وہ کتنے منکسر المزاج تھے ان کی انکساری اوران کا عجز اپنی جگہ ایک مثال تھا۔

سوال: کیا آپ کو چوہدری صاحب کے ساتھ کسی سفر کا موقع ملا۔کوئی خاص امر بیان فرمائیں؟ جواب: میرے ان کے ساتھ طویل سفر تو نہیں ہوئے جیسے پاکستان سے امریکہ۔البتہ یہ ہوتا تھا کہ ہم جن ایّام میں امریکہ میں تھے یعنی یو۔این۔او میں، تو اگر وہ کہیں مدعو ہوتے اور کوئی اہم شخصیت میزبان ہوتی اور وہ جگہ نیویارک سے دو تین گھنٹے کے فاصلہ پر ہوتی تو مجھے ساتھ لے جاتے۔سفر کے دوران ایک خصوصی بات یہ ہوتی کہ حالتِ سفر میں وہ گاڑی میں بھی مقررہ عبادت ضرور بجالاتے اوراس کے بعد ہرموضوع پر گفتگو کرتے تھے۔اپنی جوانی کے دور کی باتیں کرتے تھے۔اپنی والدہ سے انہیں بڑی محبّت تھی۔ماں کا ذکر کرتے ہوئے عمر رسیدہ ہونے کے باوجود ہمیشہ جذباتی ہوجاتے تھے۔ان کی طبیعت میں شگفتگی بھی بہت تھی مذاق کرتے تھے۔اور یہ پُرانے لوگوں کی ایک خاصیّت تھی۔اصول کا پکّا ہونا، انکسار اور عجز ہونا اوراس کے باوصف کسی ایسی شخصیت کے ساتھ جس طرف عام طور پر ذہن نہ جائے جذبات کو وابستہ رکھنا، ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔پھر ماں کے ذکر پران کی آنکھیں کیوں ڈبڈبانہ آتیں وہ جابر قاہر قسم کے بزرگ نہ تھے بلکہ بڑے حلیم الطبع اورشگفتہ مزاج تھے۔

سوال: علامہ اقبال کے ساتھ چوہدری صاحب کے کیسے تعلقات تھے؟ جواب: اِس کا ذکر میں نے علامہ کی سوانح عمری میں کیا ہے جو میں نے تین جلدوں میں لکھی ہے۔ان کا ساتھ صرف ایک گول میز کانفرنس میں ہوا ہے۔چوہدری صاحب نے اپنی سوانح عمری، تحدیث نعمت، خود مجھے بھیجی تھی۔میرے پاس اس کا پہلا ایڈیشن ہے۔لیکن فی الاصل ان کی خودنوشت سوانح عمری اتنی زیادہ طویل ہوگئی تھی کہ اس کا اختصار کرنا پڑا اصل مضمون کئی ہزار صفحات پر پھیلا ہوا تھا اس میں سے چوہدری بشیر احمد صاحب اور شیخ اعجاز احمد صاحب نے بعض حصّوں کا انتخاب کیا لیکن پھر مزید اختصار کرنا پڑا۔بہرحال اس میں بھی چوہدری صاحب نے علامہ کے ساتھ اپنے تعلق اور وابستگی کا ذکر کیا ہے۔علامہ کے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب ان کے بہت عزیز اور قریبی دوست تھے بلکہ عقیدۃً بھی انہی کے مدرسہ فکر کے تھے تو اس لئے بھی وابستگی تھی۔

سوال: چوہدری صاحب کے ساتھ آپ کو کوئی یادگار واقعہ پیش آیا؟ جواب : ایک واقعہ میرے ذہن میں آ رہا ہے۔وہ ایسا خاص تو نہیں مگر میرے لئے بڑا اہم تھا۔واقعہ یہ ہوا کہ اقوام متحدہ کا ایک اجلاس اتنا طویل ہو گیا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے اور چوہدری صاحب کی جیسے عادت تھی جب رات زیادہ ہو جاتی تھی تو چلے جایا کرتے تھے تا کہ معمول کی عبادت کے بعد آرام کر سکیں کیونکہ انہیں صبح جلد اُٹھنا ہوتا تھا۔وہ مجھے اپنی جگہ بٹھا گئے۔مَیں نے سوچا تقریریں ہو رہی ہیں آرام سے سُنتے رہیں گے اور اگلے روز چوہدری صاحب کو تفصیل بتا دیں گے فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا۔تھوڑی دیر بعد ایک رُوسی مندوب نے ایک مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم پاکستان کو تنبیہہ کرتے ہیں اور یہ کہ نتائج کا ذمہ وار پاکستان ہوگا۔میں نے ریکارڈ صاف رکھنے کے لئے صاحب صدر سے جواب دینے کی اجازت چاہی اور یہ میرا پہلا موقع تھا کہ مَیں اِس طرح جواب دے رہا تھا۔روسی مندوب بڑا تجربہ کار تھا۔مجھے خوف یہ تھا کہ روس سُپر طاقت ہے اس کو جواب دیتے ہوئے کہیں میں زیادہ سخت زبان استعمال نہ کر جاؤں۔چنانچہ میں نے اس کا جواب دیا۔رُوسی مندوب نے پھر اس پر تقریر کی اور میں نے پھر اس کا جواب دیا۔تین چار دفعہ کے بعد صدر نے یہ مکالمہ بند کروا دیا مگر اس کے بعد بھی اور ایک بڑی طاقت کو شاید ایسا جواب دینا مناسب نہ ہو۔رات مجھے اسی پریشانی میں نیند بھی نہ آئی کہ چوہدری صاحب اس کا جواب زیادہ مناسب طور پر دیتے۔اگلے دن صبح جب میں چوہدری صاحب سے ملا تو پیشتر اس کے کہ میں اپنے تذبذب کا اظہار کرتا (وہ صورت شناس بہت تھے) فوراً بھانپ گئے اور مجھے کہنے لگے کہ رات کوٹی وی پر یو۔این۔او کی کاروائی کی تفصیل کے دوران تمہاری تقریر سُنی اور مجھے بیحد پسند آئی۔میرے لئے ان کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا اور مجھے تسلّی ہو گئی کہ میں نے درست جواب دیا تھا۔یہ بھی تعجّب کی بات ہے کہ وہ رات کو اپنے اس فرض سے بھی غافل نہ تھے اور اپنے کمرے میں ہی ٹی۔وی پر جواب سُنتے رہے۔ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت شکریہ!(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 91 تا 95)

ان سے مل کر یہی تاثر ذہن میں ابھرتا تھا کہ اس شخص کی تعظیم ہم پر واجب ہے۔

سابق چیف جسٹس پاکستان محترم جسٹس انوارالحق صاحب کی طرف سے تعظیم و احترام کے جذبات کا پُرخلوص اظہار

چوہدری صاحب موصوف کی یادداشت، پابندی وقت، شفقت، شگفتہ مزاجی اور دوسری قابل رشک صفات کا تذکرہ۔انٹرویو: فہیم احمد لاہور

سوال: چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے آپ کی پہلی ملاقات کب ہوئی۔کیا اس ملاقات نے آپ پر کوئی خاص تاثر چھوڑا؟

جواب: چوہدری صاحب سے میری پہلی ملاقات 1948ء میں ہوئی جب میں راولپنڈی میں ڈپٹی کمشنر تھا۔مجھے کراچی سے دفتر خارجہ نے مطلع کیا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اسلامی ممالک کا دورہ کرنے کے بعد مری آ رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اہل علم و دانش کے سامنے اپنے دورہ کے تاثرات بیان کریں۔چنانچہ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے میں نے مری کے ایمبیسڈر ہال میں ایک

تقریب کا اہتمام کیا اس میں چیدہ چیدہ اور نمایاں حیثیت کے افراد مدعو تھے۔ چوہدری صاحب نے قریباً دو گھنٹے بغیر نوٹس کے بہت ہی شستہ اردو میں تقریر کی۔ اوران جملہ اسلامی ممالک کے متعلق (جن کا وہ دورہ کر کے آئے تھے) اپنے تأثرات بیان کئے اور تفصیل سے بتایا کہ کس طرح انہوں نے ان اسلامی ممالک کو پاکستان کے قیام اور اس کے محرکات وعوامل سے آگاہ کیا تا کہ وہ اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر اور دوسرے مسائل پر پاکستان کی حمایت کریں۔ اس وقت چوہدری صاحب کی شخصیت، لیاقت اور انکی شفقت کا جو اثر میرے قلب وذہن پر مترسم ہوا وہ آخر وقت تک قائم رہا۔

سوال: بعد میں چوہدری صاحب سے آپ کے تعلقات کیسے رہے؟ جواب: وقتاً فوقتاً جب وہ باہر سے پاکستان آتے تو لاہور میں کسی تقریب میں اکثر ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ بار ایسوسی ایشن یا کسی دوسری تنظیم کی طرف سے ان کو ڈنر وغیرہ پر بلایا جاتا تھا۔ وہاں بھی ملاقات کا موقع مل جاتا۔ کئی دفعہ نجی محفلوں میں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ کبھی وہ مجھے ٹیلیفون کر دیتے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور انکی بزرگی کا تقاضا بھی یہی تھا اور اگر کبھی میں لندن گیا اور وہ وہاں موجود ہوتے تو ہمیشہ یہ دستور رہا کہ میں ٹیلیفون کے ذریعہ انہیں اطلاع دیتا کہ میں لندن آیا ہوا ہوں اور ملاقات کرنا چاہتا ہوں وہ اکثر اس بات پر زور دیتے کہ میں ان کے ساتھ کھانا کھاؤں۔ آخری سالوں میں چونکہ وہ ضعیف ہو گئے تھے اور علیل بھی رہتے تھے اس لئے وہ کسی مشترکہ دوست کے ہاں کھانے کا انتظام کرتے تھے اور ہم لوگ وہاں جمع ہوتے تھے چوہدری صاحب ہمیشہ میرے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے رہے۔

سوال: چوہدری صاحب کے اخلاق وکردار کا کوئی نمایاں پہلو جس کا آپ کو بطور خاص تجربہ ہوا ہو؟ جواب: ایک تو ان کی شفقت اور محبت کا تأثر ہے وہ عمر میں مجھ سے پچیس سال بڑے تھے۔ اس دوران ایک نسل کا فرق پڑ جاتا ہے باپ بیٹے کا بھی بسا اوقات اتنا ہی فرق ہوتا ہے۔ اس کے باوجود جب ہم ان سے بات چیت کرتے تو وہ ہمیشہ وزنی دلائل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کی تشریح کرتے تھے تحکمانہ انداز نہیں ہوتا تھا کہ جو میں نے کہہ دیا وہی درست ہے اسے تسلیم کر واس پر عمل پیرا ہو۔ ان کا یہ طریق بھی نہ تھا کہ نوجوانوں کو کم عقل سمجھ کر ان سے تفصیلی بات نہ کی جائے ایک اور چیز جو میں نے ان میں دیکھی وہ یہ تھی کہ انکی یادداشت بہت زبردست تھی۔ حقائق، اعداد وشمار، واقعات ، دن، تاریخ اور ان لوگوں کے نام جن کے ساتھ ان کو واسطہ پڑا ہو یہ سب چیزیں انہیں تفصیل کے ساتھ یاد رہتی تھیں۔ اور لندن میں تو اکثر اوقات ان کے ساتھ یہ مذاق رہتا تھا کہ میں انہیں اپنے بیٹے کے گھر سے ٹیلیفون کیا کرتا اور ان سے کہتا کہ آپ میرا فون نمبر نوٹ کر لیں تو فرماتے کہ تمہارا وہی نمبر نہیں جو پچھلے سال تھا۔ اور پھر وہ نمبر بتا دیتے۔ حالانکہ وہ نمبر خود مجھے اپنی نوٹ بک سے دیکھنا پڑتا تھا۔ وہ چھوٹوں کو بھی اپنے مذاق میں شامل کرتے تھے۔ چنانچہ ایک ہمارے مشترکہ دوست تھے S.M.BURQ وہ عمر میں مجھ سے کافی بڑے تھے انکی سروس کے دوران چوہدری صاحب سے انکے مراسم تھے۔ چوہدری صاحب نے انہیں پیش کش کی کہ بہت سے لوگ فارن سروس میں آ گئے اور سفیر بن کر ریٹائر ہوئے۔ چوہدری صاحب کے ساتھ بھی ان کے تعلقات دیر تک قائم رہے۔ جب میں اور چوہدری صاحب لندن میں اکٹھے ہوتے تو برق صاحب کو ضرور شامل کرتے اور چوہدری صاحب باوجود عمر میں بڑے ہونے کے برق صاحب سے مذاق کرتے رہتے تھے۔ شگفتگی اور مزاح کی حس ان میں ہمیشہ قائم رہی۔ ایک اور چیز وقت کی پابندی تھی جو بھی وقت دیتے اس پر پہنچ جاتے۔ ایک دفعہ لندن میں مجھے آپ کے ساتھ کہیں

جانا تھا وہ میرے مکان پر مجھے لینے کے لئے آ گئے۔ چوہدری صاحب انور کاہلوں صاحب کے ساتھ کار میں تھے۔ میں نے کہا چوہدری صاحب آپ نے کیوں تکلیف کی ہم خود آپ کے پاس پہنچ جاتے تو کہنے لگے تم میرے مہمان کی حیثیت سے آ رہے تھے تو میں نے سوچا کہ مَیں خود آ کر آپ کو اپنے ہمراہ لے چلوں۔ انور کاہلوں صاحب کہنے لگے آپ کو پتہ نہیں ہمارا پونے آٹھ بجے پہنچنے کا پروگرام تھا چوہدری صاحب نے سات بجے سے مجھے کہنا شروع کر دیا کہ تم مجھے لیکر انوار صاحب کے پاس پہنچو وقت کی پابندی کے متعلق میری عمر بھر کی روایات تم آج مجھے لیٹ کروا کر توڑ دو گے۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو کس طرح منظم کیا ہوا تھا اس عمر میں اگر وہ تھوڑا سا لیٹ بھی ہو جاتے تو کوئی حرج نہیں تھا مگر انہوں نے اسے بھی گوارا نہ کیا۔

سوال: تحریک پاکستان میں چوہدری صاحب کی خدمات کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ جواب: قائد اعظم نے چوہدری صاحب پر بہت اعتماد کیا اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ قائداعظم اس اعتماد میں حق بجانب نہ ہوں۔ قائداعظم نے چوہدری صاحب کو باؤنڈری کمشن کے سامنے کیس پیش کرنے کے لئے منتخب فرمایا اور مسلم لیگ کے بہت بنیادی اہمیت کے معاملات میں ان پر بھروسہ کیا اور چوہدری صاحب نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اب یہ تو انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت تھی کہ انہوں نے گورداسپور کی ایسی تقسیم کر دی کہ کشمیر کی قسمت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

سوال: وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری صاحب نے پاکستان کے لئے کیسی خدمات سرانجام دیں؟ جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل زندگی عطا کی اور ہر قسم کی قابلیت سے نوازا۔ تقسیم ہندوستان کے وقت وہ فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے اور اگر وہ اسی شعبہ سے متعلق رہتے تو شاید وہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس ہوتے۔ مگر قائداعظم نے اپنی بصیرت یا اپنی ضروریات کے مدّنظر ان کے سپرد وزارت خارجہ کا قلم دان کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اقوام متحدہ میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے انکار رکھاؤ اور کردار بہت شاندار تھا۔ وہ ہمارے مستقل نمائندے بھی رہے اور جنرل اسمبلی کے صدر بھی۔ انہوں نے اسلامی ممالک اور تیسری دنیا کے ممالک میں پاکستان کو متعارف کرانے کے لئے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح کشمیر کے کیس کے لئے وہ سالہا سال کوشش کرتے رہے اور اس مسئلہ کے لئے ساری دنیا کی حمایت حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے بہت عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

سوال: چوہدری صاحب کی شخصی زندگی اور ان کی مجالس کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں؟ جواب: تقسیم برصغیر سے قبل ہمارے جو چند وکلاء نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ ان میں چوہدری صاحب کا شمار چوٹی کے وکیلوں میں ہوتا تھا اور اسی بناء پر ان کو بہت اعلیٰ مناصب دئے گئے۔ مزید برآں انکی شخصیت بھی پُر وقار تھی۔ قدرت کی طرف سے ہر کسی کو یہ ہمہ گیری ودیعت نہیں ہوتی باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا صاحب مرتبت بنایا تھا۔ وہ بڑے ملنسار تھے اور بڑے ہی منکسر المزاج تھے۔ جتنے لوگوں سے ان کا تعلق پیدا ہوا مجھے یہ احساس ہے کہ انہوں نے آخر دم تک اس تعلق کو پورے خلوص کے ساتھ نبھایا اور کسی کو یہ احساس نہیں دلایا کہ میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوں۔ اس عمر میں پہنچ کر انسان کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے مگر وہ اس سے یکسر مبرّا تھے۔ تحمل، بردباری اور شگفتگی آخر تک قائم رہی۔ دنیا کے خطّے اور وہاں کے لوگوں سے انکی واقفیت تھی۔ انکی گفتگو اور مجلس اتنی دلچسپ ہوتی تھی کہ آدمی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا پھر ان کا مطالعہ بہت وسیع

تھا۔قانون،فلسفہ اور تاریخ کا ہی نہیں جملہ مذاہب کا بھی انہوں نے مطالعہ کیا ہوا تھا خاص طور پر اسلام پر تو انکی بہت گہری نظر تھی اور اس موضوع پر انہوں نے کتابیں بھی لکھی تھیں۔طبیعت بہت سادہ تھی۔آخری حصہّ عمر میں تو بہت ہی سادگی سے زندگی بسر کی۔جس فلیٹ میں آپ رہائش پذیر تھے وہ صرف دو کمروں پر مشتمل تھا۔باقی وسیع وعریض عمارت اپنی جماعت کے لئے وقف کر دی تھی۔ابھی میں نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ چوہدری صاحب مجھے ساتھ لے جانے کے لئے میرے ہاں خود آ گئے اور میں نے عرض کیا کہ ہم خود وہاں آ جاتے تو انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہاں تو میں اکیلا رہتا ہوں اور کوئی نوکر وغیرہ بھی نہیں ہے۔میں وہاں آپ کی خدمت نہ کر سکتا۔اپنا ناشتہ تو میں خود تیار کر لیتا ہوں اور امام صاحب کے گھر سے کھانا منگوا لیتا ہوں۔مگر آپ کی دعوت تو نہیں کر سکتا تھا۔لاہور میرے گھر آئیں گے تو وہاں آپ کی بہت خدمت کروں گا۔ان کا لباس بھی بہت پرانے وقتوں کا ہوتا تھا حالانکہ وہ عالمی سطح کے سیاستدان تھے۔میری مرحومہ بیوی بھی میرے ساتھ تھیں وہ یہ سب کچھ دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں۔جب بھی چوہدری صاحب سے ملاقات ہوتی تو یہی تاثر ذہن میں ابھرتا تھا کہ اس شخص کی تعظیم ہم پر واجب ہے۔اور یہ سب ان کی شفقت،محبت اور قابلیت کا ردّعمل تھا۔انکی ذہنی بیداری بھی بہت تھی۔نوّے 90 سال کے بزرگوں کی خدمت میں لوگ حاضر تو ہوتے ہیں مگر یہی سمجھتے ہیں کہ ان سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔مگر چوہدری صاحب کی یادداشت،قوّت استدلال اور ذہنی بیداری آخر وقت تک قائم رہی۔اور ان کے پاس بیٹھ کر آدمی کو لطف آتا تھا کہ اتنا طویل تجربہ والا انسان ہمیں کچھ دے رہا ہے۔جو شخص پہلے نہ بھی جانتا ہوا نکے کارناموں کا علم بھی نہ رکھتا ہو اس کو بھی معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ بڑا وسیع علم رکھنے والا شخص ہے۔خدا نے انہیں گفتگو اور تقریر کا فن خاص طور پر عطا کیا تھا۔

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 96 تا 80)

باؤنڈری کمیشن میں آپ نے بڑی ذہانت،فراست اور محنت سے مسلم لیگ کا کیس پیش کیا

محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے لئے محترم سردار شوکت حیات صاحب کے عقیدت بھرے جذبات۔ملاقات:فضیل عیاض احمد

تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن اور مشہور مسلم لیگی لیڈر محترم جناب سردار شوکت حیات صاحب نے نمائندہ خالد کے ساتھ ایک ملاقات میں محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ ’’ان جیسے قابل اور اعلیٰ پائے کے وکیل پاکستان میں بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔بہت بلند پایہ وکیل ہونے کے ساتھ انہیں خدا کی طرف سے تقریر کا ملکہ بڑی فیاضی کے ساتھ عطا کیا گیا تھا۔بڑی رواں اور اثر و جذب میں ڈوبی ہوئی تقریر کرتے تھے۔ان کی کئی تقریریں گھنٹوں جاری رہتی تھیں۔طویل تقریر کے دوران وہ اصل موضوع کو فراموش نہیں ہونے دیتے تھے۔بہت سی تفاصیل بیان کرنے کے بعد اپنے اصل نقطہ پر واپس آ جاتے تھے بحیثیت ایک منفرد اور ممتاز مقرر ان کی شخصیت سے مجھے بڑا لگاؤ رہا ہے۔اور اب بھی ہے۔‘‘سردار صاحب نے بتایا کہ ’’چوہدری صاحب سے میری پہلی ملاقات اس زمانہ میں ہوئی جب میں علی گڑھ اسکول میں پڑھتا تھا اور اپنے والد صاحب کے ساتھ لاہور آیا تھا۔وہ میرے والد صاحب کے دوست تھے میں بھی ان سے بے تکلف ہو

گیا۔ چوہدری صاحب کی یہ خوبی تھی کہ وہ ہر عمر کے آدمی کے ساتھ گھل مل جاتے اور اس کے مذاق کے مطابق باتیں کرتے'' زمانہ طالبعلمی کی یادوں کوتازہ کرتے ہوئے آپ نے مزید بتایا کہ'' مجھے بچپن میں پہلا تحفہ چوہدری صاحب کی طرف سے ہی ملا اور اس کی تقریب یوں ہوئی کہ میں نے ایک دفعہ ان سے اپنے کرکٹ کھیلنے کے شوق کا ذکر کیا اس کے چند دن بعد وہ انگلستان گئے تو وہاں سے کرکٹ کے موضوع پر ایک ضخیم معلوماتی کتاب انہوں نے مجھے تحفہ کے طور پر بھیجی وہ فی الواقعہ مجھ پر بہت مہربان تھے اور ان کا اور میرا تعلق چچا اور بھتیجے کا تعلق تھا۔'''' چوہدری صاحب سے مختلف مواقع پر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو بھی ہوئی بڑا صائب مشورہ دیتے تھے۔ہمارا اختلاف رائے بھی ہوا مگر ان کی قابلیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔'''' چوہدری صاحب نے بڑی ذہانت،فراست اور محنت کے ساتھ باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس پیش کیا اور عرب دنیا میں تو پاکستان کا پہلا تعارف ہی چوہدری صاحب کی ذات کے حوالہ سے ہوا جبکہ انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ ہونے کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں عربوں کے حقوق کے لئے جدو جہد کی اور اسرائیل کے قیام کی مخالفت میں بہت زور دار تقاریر کیں۔'' آپ نے فرمایا:'' چوہدری صاحب کو مذہبی اقدار سے بہت لگاؤ تھا۔انہوں نے ساری عمر موقع میسر ہونے کے باوجود شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔سگریٹ سے بھی احتراز کیا نہ ہی دوسری لغویات میں حصّہ لیا۔وہ بے معنیٰ بات نہیں کرتے تھے سبق آموز واقعات سناتے رہتے تھے۔مذہبی تعلیمات کی بڑی سختی کے ساتھ پیروی کرتے تھے۔ان کے اندر وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جو ایک صحیح اور سچے (باخدا انسان) میں ہونی چاہئیں۔وہ بڑے ملنسار تھے اور ان کی سرشت میں وفاداری کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔اپنے پرانے تعلقات کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔''

سردار صاحب نے کہا:'' آدمی ان کے اخلاق کے کس کس پہلو پر بات کرے وہ تو بڑے اعلیٰ اور ارفع انسان تھے۔'' چوہدری صاحب کے ایک وصف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:'' مجھے ان کی حیرت انگیز سادگی پر بڑا تعجب ہوا چند سال پیشتر جب وہ انگلستان میں مقیم تھے تو میں ایک دفعہ ان سے ملنے گیا۔ان کی رہائش احمدیہ مشن کے ساتھ ایک بہت چھوٹے سے کمرہ میں تھی انہوں نے خود ہی چائے بنا کر پلائی۔وہ اپنا بستر بھی خود ہی ٹھیک کرتے تھے۔کسی دوسرے کی مدد کے طالب نہیں ہوتے تھے۔ان کی زندگی بہت ہی سادہ تھی۔کوئی دوسرا آدمی انہیں دیکھ کر یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ یہ عالی مرتبت انسان ہے اور بین الاقوامی عدالت کا صدر رہا ہے۔

چوہدری صاحب فی الحقیقت بہت عظیم انسان تھے محترمہ شہزادی عابدہ سلطان آف بھوپال کے قلبی تأثرات۔مرتبہ: وسیم احمد ظفر ملاقات: راجہ سعید احمد

سوال: چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے آپ کی ملاقات کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: چوہدری صاحب سے میری ملاقات بھوپال میں ہوئی تھی جب کہ وہ نواب صاحب کے بلانے پر بھوپال میں سروس کے سلسلہ میں آئے تھے اور صرف ملاقات ہی نہیں ہوئی بلکہ ان سے اور ان کے خاندان سے گہرے تعلقات استوار ہو گئے تھے۔غالباً وہ چار پانچ سال وہاں رہے۔قریباً روزانہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ ہمارے گھر کے فرد محسوس ہوتے تھے۔ **سوال: آپ کے والد صاحب (نواب بھوپال) کے حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ کیسے مراسم تھے اور چوہدری صاحب نے ان**

کے قانونی مشیر کی حیثیت سے کیسی خدمات سرانجام دیں؟ جواب: وہ ان پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔اوران کا تعلق ایسا تھا جیسا بڑے بھائی سے ہوتا ہے۔وہ چوہدری صاحب کی اعلیٰ شخصیت سے بے حد متأثر تھے۔ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ سرظفراللہ جیسے عظیم انسان شہر یار کو اپنے بچے کی طرح زیر تربیت لے لیں تو یہ اس کی بہت بڑی خوش نصیبی ہوگی۔انہوں نے اپنی اس خواہش کا مجھ سے ذکر بھی کیا۔لیکن سرظفراللہ کے لئے یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا وہ تو قیام پاکستان کی جدوجہد میں بیحد مصروف تھے۔ان کے بھوپال میں ایڈوائزر بنوانے کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ وہ نواب صاحب کے ساتھ مل کر حصول پاکستان کی جدوجہد میں اندرونی طور پر خدمات سرانجام دیں۔اوراس طرح پاکستان اور بھوپال کے مشترکہ مفادات کی حفاظت کے سلسلہ میں قانونی اقدامات بروئے کار لائیں۔بہرحال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرظفراللہ سے نواب صاحب کے مراسم کتنے قریبی اور گہرے تھے اور وہ ان کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ **سوال: یہ سوال اکثر ذہنوں میں اٹھتا ہے کہ چوہدری صاحب جیسے عظیم قانون دان کو بھوپال میں مشیر مقرر کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ کیا آپ اس کی وضاحت کرنا پسند فرمائیں گی؟**

جواب: اگر پاکستان اور بھوپال کے مشترکہ مفادات کی حفاظت کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو سرظفراللہ جیسے عظیم اور لائق انسان کو بھوپال کی ریاست میں ایڈوائزر مقرر کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔جس عظیم انسان نے قانون کے میدان میں عالمگیر شہرت حاصل کی اور یونائیٹڈ نیشنز میں اقوام عالم کی سربراہی کا فریضہ ادا کیا اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ بھوپال کی ریاست میں ایڈوائزبنتا۔مقصد ایک ہی تھا کہ مطالبہ پاکستان کے خلاف جو قانونی حجتیں نکالی جاتی ہیں سرظفراللہ اپنی غیر معمولی قانونی دسترس کے بل پر انکا توڑ کریں۔یہ کام انہوں نے بڑے خلوص اور بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔اُس زمانہ میں میرے والد صاحب چیمبر آف پرنسز کے چانسلر تھے۔اس حیثیت میں جملہ والیان ریاست کی طرف سے ان کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد تھی۔اُدھر وہ (نواب صاحب بھوپال) پاکستان کے زبردست حامی تھے اور ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ علاقہ پاکستان میں آجائے۔اس سلسلہ میں ظفراللہ خان صاحب نے ان کے ایڈوائزر کے طور پر بہت اہم جذبات سر انجام دیں۔میں سمجھتی ہوں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اس ضمن میں چنداں کامیابی نہ ہوتی۔ **سوال: پاکستان کے پہلے وزیرخارجہ کی حیثیت سے چوہدری صاحب نے جو خدمات سرانجام دیں ان کے بارہ میں آپ کے کیا تاثرات ہیں:۔** جواب: وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھی سرظفراللہ نے بہت شاندار خدمات انجام دیں لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی ان خدمات کوفی زمانہ گردانا نہیں جاتا زمانہ ہی کچھ ایسا آگیا کہ نیکی کی قدر مفقود ہوکر رہ گئی ہے۔درحقیقت اہل پاکستان نے اپنی آزادی اور خودمختاری کی حقیقی قدر نہیں پہچانی۔وہ کسی فرد کی کیا قدر کریں گے۔وہ خواہ سرظفراللہ ہوں یا نواب بھوپال ہوں یا کوئی اور۔ **سوال: کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ جو ریاستوں کا الحاق پاکستان سے ہوا ہے وہ سرظفر اللہ خان صاحب کی مساعی کی وجہ سے ہوا۔؟** جواب: جوناگڑھ کا الحاق جہاں تک مجھے یاد ہے وہ خالصۃً ظفراللہ خان صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھا کیونکہ اور جو ریاستیں تھیں وہ کٹ آف تھیں،ان کا پاکستان سے ملنا مشکل تھا۔مثلاً بھوپال جو اتنا زیادہ پاکستان کے لئے کام کررہا تھا وسطی ہندوستان میں ہونے کی وجہ سے اس کا پاکستان سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکتا تھا اس لئے بھوپال رہ گیا مگر جوناگڑھ کا الحاق ہوسکتا تھا تو چوہدری صاحب نے اس معاملہ میں جو محنت کی اور والیان ریاست کی راہنمائی کرتے ہوئے انہوں نے کوشش کی اور تعلقات قائم کئے اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ **سوال: تحریک پاکستان میں چوہدری صاحب کی جو خدمات آپ کے ذہن میں ہیں وہ بیان فرمائیں؟** جواب: حقیقت یہ ہے کہ

وہ پاکستان کے لئے بے حد کوشاں رہے اور بہت زبردست کوششیں کیں، دن اور رات وہ اسی کوشش میں لگے رہتے تھے، بھاگتے پھرتے تھے کبھی اس والئی ریاست سے ملے کبھی اس رئیس سے ملے کبھی ہمارے والد صاحب کے ساتھ جو اُس وقت چیمبر آف پرنسز کے چانسلر تھے۔صلاح مشورے ہورہے ہیں اور کبھی ذاتی حیثیت سے دوستانہ گفتگو ہورہی ہے۔ بہرحال انہوں نے پاکستان کے قیام میں بے انتہا کوشش اور بے انتہا محنت کی ہے جس کی نظیر معدودے چند لوگوں کے سوا ملنی محال ہے۔ **سوال : چوہدری صاحب اور جماعت احمدیہ نے حصول و استحکام پاکستان کے ضمن میں جو خدمات سرانجام دیں تو کیا قوم نے ان کو وہ مقام دیا جس کے وہ مستحق تھے؟** جواب :نہیں دیا اور مجھے اس کی بے حد شرمندگی بھی ہے ہونی تو نہیں چاہیئے کیونکہ میرا تو ان واقعات سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔مگر جس طرح چوہدری صاحب اوران کی پوری جماعت کے خلاف آئینی اقدام کرایا گیا وہ میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ وہ شخص جو کلمہ پڑھ لیتا ہے اور جو علی الاعلان اس کا اعلان کرتا ہے کہ **لا الہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ** اس کو رسول اللہ ﷺ نے بھی امت سے باہر نہیں نکالا جا سکتا اور اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار کہلاتا ہے اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے حسن و احسان کا سلوک روا رکھا۔آنحضرت ﷺ کے متبع ہونے کی حیثیت سے ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ **سوال : چوہدری صاحب کو بحیثیت انسان آپ نے کیسا پایا؟** جواب : بہت عظیم انسان تھے اور بہت زبردست انسان تھے اور انسان ہی کی حیثیت سے میرے دل میں ان کی عزّت۔وزرائے خارجہ روز آتے چلے جاتے ہیں حکومتیں بدلتی رہتی ہیں۔وزرائے اعظم نئے نئے آتے ہیں اصل چیز تو انسانیت ہوتی ہے اور یہ صفت چوہدری صاحب میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ اتنے مخلص اور باخدا انسان تھے کہ باوجود اس کے بعض طبقوں کی طرف سے مذہب کی آڑ میں ان کی شدید مخالفت کی گئی۔میرے خیال میں اتنی عالمِ اسلام کی خدمت کسی اور نے نہیں کی جتنی انہوں نے کی ہے۔ **سوال: اقوامِ متحدہ میں بھی آپ کو چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا وہاں ان کے کردار اور مصروفیات کے بارہ میں اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان فرمائیں ؟** جواب: 1954ء میں اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ وفد میں مجھے بھی شمولیت کا موقع ملا۔چوہدری صاحب ہر کھانے پر کہیں نہ کہیں مدعو ہوتے تھے۔شاید ہی انہوں نے اپنی قیام گاہ پر کوئی کھانا کھایا ہو۔چونکہ وہ مجھ سے اچھی طرح واقف تھے،قدر کرتے تھے اس لئے ہر دعوت میں جانے سے پہلے وہ مجھ سے ضرور پوچھ لیتے تھے کہ اگر آپ چلیں تو مجھے خوشی ہوگی تو میں ساتھ جاتی تھی اور مجھے بھی خوشی ہوتی تھی کیونکہ وہ جو وہاں تقریریں کرتے تھے۔وہ قرآنی علوم و معارف سے لبریز ہوتی تھیں اور طرزِ بیان ایسا دلکش ہوتا تھا کہ ہر بات لوگوں کے دل میں راسخ ہوجاتی تھی جو لوگ آتے تھے وہ دین کے متعلق ان سے باتیں سننے کو آتے تھے۔پاکستان کے متعلق تو جو کچھ انہیں کہنا ہوتا تھا وہ اسمبلی کے باقاعدہ اجلاس میں کہتے تھے مگر یہ جو جگہ جگہ انکی دعوتیں ہوتی تھیں یہ پاکستان سے متعلق امور کے علاوہ اس لئے بھی ہوتی تھیں کہ وہ بڑے پُر اثر طریقے سے مذہب کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے اور میں بھی بہت متاثر ہوتی تھی۔میں نے نہیں سنا کہ کبھی بھی انہوں نے ہمارے عقائد کے خلاف ایک لفظ بھی کہا ہو۔میں حیران ہوں کہ انہوں نے اتنی جان توڑ کوشش کی اور ان کی عمر اس وقت عنفوان کی نہیں تھی وہ جوان نہیں تھے وہ ضعیف تھے۔اس ضعیفی میں انہوں نے اتنی بھاگ دوڑ کی اور اپنی صحت کی یا کسی چیز کی پرواہ نہیں کی اور پاکستان کا نام روشن کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اتنا زیادہ انہوں نے دین کا نام پھیلایا امریکہ میں جتنے دن ہم رہے ہیں مجلس اقوام میں جو میں نے

دیکھا میں اس سے بے حد متاثر ہوئی مزید برآں بہت سی روحانی باتیں، قرآن کی آیات اور احادیث اور ان کی تفاسیر جو میرے علم میں نہیں تھیں وہ میں نے ظفر اللہ صاحب سے سنیں۔ اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے میرے دل میں ان کی عظمت اور بڑھا دی۔ اس سال میں پہلی بار امریکہ گئی تھی۔ اس لئے دل میں خوف بھی تھا اور کچھ عجیب سے خیالات تھے کہ میں کہاں آ گئی ہوں۔ اس وفد میں میں تنہا عورت تھی۔ لہذا جب امریکہ پہنچ کر ایک ہوٹل میں ٹھہری تو وہاں دل نہیں لگا۔ انگریزوں سے تو کسی قدر مانوس تھی مگر وہاں اجنبیت محسوس ہوئی ۔امریکنوں کے اخلاق وکردار انگریزوں سے بہت مختلف ہیں۔ اس لئے بڑی بیزاری کی کیفیت طاری رہی لہذا دو تین دن کے بعد دل میں خیال آیا کہ ہمارا اقوام متحدہ کا پاکستانی دفتر یہاں ہے تو وہیں جا کے کوئی کمرہ تلاش کرلوں اور اس کمرے میں جا کے سوجایا کروں۔ اس وجہ سے میں نے اس دفتر کا اوپر سے لے کر نیچے تک خاموشی سے معائنہ کیا کہ اس میں اگر کوئی مناسب کمرہ ایک طرف مل جائے تو میں یہیں رہا کروں بجائے اس کے کہ مَیں ہوٹل میں جا کر رہوں۔ چوتھی منزل کے اوپر ایک بہت ہی چھوٹا سا کمرہ تھا اس میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا پلنگ پڑا تھا اور دوسری عام ضروریات بھی اچھی طرح مہیا نہ تھیں تو میں نے یہ حالت دیکھ کے یہ سمجھا کہ غالباً یہاں چوکیدار رہتا ہوگا تو میں نے پوچھا کہ بھئی یہ کس کا کمرہ ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں پاکستان کے وزیر خارجہ رہتے ہیں۔ مجھے تو بڑا تعجب ہوا مَیں حیران دیکھتی رہی یقین نہ آتا تھا۔ میں نے کہا کیا یہاں چوہدری ظفر اللہ خان رہتے ہیں تو کہنے لگے جی ہاں۔ مجھے تو بہت بُرا لگا میں نے کہا کہ یہ کیا ہے ان کو اتنا الاؤنس ملتا ہے اتنی تنخواہ ملتی ہے ان کے سارے اخراجات گورنمنٹ ادا کرتی ہے اور یہ ایسی پھٹیچر جگہ میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ بات ہماری بدنامی کا باعث ہے کہ ہمارا وزیر خارجہ اس طرح پڑا ہوا ہے تو میں نے پوچھا اور کہا کہ ملاقات وغیرہ کہاں کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ وہ تو دفتر میں کر لیتے ہیں اگر کوئی ملنے آئے تو دفتر کے کمرے میں جا کے ملتے ہیں یہاں کوئی نہیں آتا یہاں تو وہ رات کو آ کر سو جاتے ہیں اب مجھے بہت بُرا لگا چونکہ میرے اور ان کے بہت بے تکلفی کے اور برسوں پرانے تعلقات تھے۔ چنانچہ پہلی فرصت میں مَیں نے ان سے بہت جھگڑا کیا میں نے کہا ظفر اللہ صاحب آپ کو کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کہ آپ اس طرح پڑے ہوئے ہیں تو ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ''آپ اس سے کیا سمجھیں؟'' میں نے کہا کہ میں یہی سمجھی کہ آپ سارا پیسہ بچاتے ہیں اور کسی اچھی جگہ میں نہیں رہتے آپ ایسی بیہودہ جگہ میں رہتے ہیں اگر کوئی سنے یا دیکھے تو کیا کہے کہ پاکستانی وزیر خارجہ اس حالت میں زندگی بسر کرتا ہے تو ہنسے اور کہنے لگے کہ دیکھئے کہ میں اپنی ذات پر صرف دو ڈالر یومیہ خرچ کرتا ہوں خواہ وہ ٹیکسی میں خرچ ہو جائیں، کیونکہ میں سگریٹ نہیں پیتا، شراب نہیں پیتا کچھ نہیں کرتا میرے تو اخراجات کچھ بھی نہیں اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ صبح، دوپہر ،شام کا کھانا مجھے مل ہی جاتا ہے دعوتوں وغیرہ کے ذریعہ، تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں ہوٹل میں جا کے اخراجات کروں حالانکہ میں بہترین ہوٹل میں ٹھہر سکتا ہوں اور گورنمنٹ مجھے تمام اخراجات دیگی۔ مجھے جو الاؤنس ملتا ہے میں ان میں سے صرف دو ڈالر یومیہ اپنے لئے رکھتا ہوں باقی تمام رقم میں رفاہی کاموں کے لئے دے دیتا ہوں۔ میرے دل میں ان کے لئے بڑی عزت پیدا ہوئی کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی کی پوری کمائی کو اپنے عقیدہ اور ایمان کی خاطر خرچ کر دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ کتنا ہی دیتے جاؤ ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا غرض اس واقعہ نے میری نظروں میں ان کو اور بھی اونچا کر دیا۔

سوال: کوئی ایسا واقعہ بھوپال میں قیام کے دوران جو آپ کو ہمیشہ یاد رہے انکی کوئی خوبی یا کوئی ایسا کام جس سے آپ بہت متاثر ہوئی ہوں؟

جواب: میں تو ظفر اللہ خان صاحب کے پورے کریکٹر سے بہت متاثر تھی میرے لئے ممکن نہیں ہے کہ میں کسی ایک واقعہ کا خاص طور پر تذکرہ کر کے کہوں کہ میں اس بات سے متاثر ہوئی ہوں۔ ان کی تو پوری زندگی اور شخصیت میرے لئے بہت قابلِ عظمت تھی۔ وہ فی الحقیقت ایک بہت عظیم انسان تھے۔ **سوال: آپ کو چوہدری صاحب کی وفات کا کیسے علم ہوا اور آپ نے کیا محسوس کیا؟** جواب: اس وقت میں اپنے بیٹے کے پاس اسلام آباد گئی ہوئی تھی انہوں نے مجھ سے بہت ہی تشویش کے ساتھ کہا کہ ظفر اللہ خان صاحب بیمار ہیں اور شدید بیمار ہیں تو ہم نے تار وغیرہ دی اور معلومات حاصل کیں کہ کیا ہوا ہے اور ان کی بیماری نے بہت تشویش پیدا کی۔ میرا دل بھی چاہا کہ میں واپس جاتے ہوئے لاہور ٹھہر کر ان کی عیادت کرلوں اور اگر اجازت مل گئی تو دیکھ لوں گی مگر ان کی وفات ہوگئی یہ بھی میرے بیٹے نے ہی مجھے بتایا وہاں اسلام آباد میں ہی اور وہیں سے ہی ہم نے تار وغیرہ دیئے اور پھر جانے کو دل بھی نہ چاہا کہ اب کہاں جائیں کس کے پاس جائیں تعلقات تو ظفر اللہ صاحب کے ساتھ تھے۔ وہی نہ رہے تو اب کیا کریں دل کو یوں معلوم ہوا کہ ایک عظیم ہستی دنیا سے اٹھ گئی۔

سوال: اگر چند جملوں میں چوہدری صاحب کی پوری زندگی کا احاطہ کرنا ہو تو؟

جواب: He was a great man and a great Scholar of islam and other religions and a very sinceir person who was very competent to be the president of pakistan.

(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 103 تا 107)

''ان کے پائے کا کوئی انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا''

''حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں بے پناہ عشق تھا''

جناب افضل حیدر رکن پاکستان بار کونسل کے مشاہدات کا نچوڑ

چوہدری صاحب کے میرے والد سیّد محمد شاہ صاحب کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے اور دونوں کا ایک دوسرے کے ہاں بہت آنا جانا تھا۔ چوہدری صاحب نے سیالکوٹ میں ہمارے ہی مکان میں پریکٹس کا آغاز کیا۔ وہ بڑے منکسر المزاج اور پُرخلوص انسان تھے۔ دوستوں سے بہت پیار کا تعلق رکھتے تھے۔ ان میں انسانی اقدار کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ ان کے پائے کا کوئی انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ چوہدری صاحب ایک عظیم انسان تھے۔ ہر مخاطب کے لحاظ سے ان کا رویہ بہت اعلیٰ اور قابلِ قدر ہوتا تھا۔ ان کی مجلس میں معاشرے کے اُونچے اور نیچے دونوں طبقوں کے لوگ ہوتے تھے مگر کسی کو یہ شکوہ نہیں ہوسکتا تھا کہ حسبِ مراتب اس کی قدر نہیں کی گئی۔ ان کے گاؤں سے آنے والا پٹواری بھی ان کے گھر سے ویسا ہی خوش جاتا تھا جیسا کوئی مرکزی وزیر۔ چوہدری صاحب سادگی اور بے تکلّفی کا مرقّع تھے مگر اس کے ساتھ ہی ان کی طبیعت میں نفاست اور مناسبت بھی بہت تھی۔ مثلاً کپڑے قیمتی نہ ہوتے مگر صاف سُتھرے اور بے شکن۔ سُوٹ پہنتے یا شلوار قمیص پر شیروانی زیبِ تن کرتے۔ یہ چیز ان کی اصول پسندی کا بھی بیّن ثبوت ہے۔ وہ اپنے مذہبی عقائد پر بڑی سختی سے قائم تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں بے پناہ عشق تھا مجھے اکتوبر کے مہینہ کا ایک دن آج بھی یاد ہے اور اس موقع کی تصویر بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ جب محترم چوہدری صاحب اور میرے والد صاحب گلبرگ میں چوہدری بشیر احمد کی کوٹھی پر سارا دن بیٹھے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

عظمت اور شان کے متعلق آپس میں باتیں کرتے رہے اور اس موقع پر مسلسل فارسی اور اُردو کے اشعار ایک دوسرے کو سُناتے رہے۔ میں کئی دفعہ ان کے پاس گیا ہر دفعہ ان کا انہاک ترقی پر ہی پایا۔ دونوں کی آنکھیں بار بار ڈبڈبا جاتی تھیں اور شدّت جذبات کی وجہ سے ان کا گلا رُندھ جاتا تھا اور بات جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ دن مجھے کبھی نہیں بھُولتا۔ آنحضور ﷺ کے ذکرِ مبارک پر چوہدری صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کیا قادیانی واقعی نبی کریم ﷺ کی شان کے منکر ہیں۔ اس دن کا نظّارہ میرے لئے عجیب تجربہ ہے جسے میں فراموش نہیں کرسکتا۔ چوہدری صاحب نے مجھے ایک بار خاص طور پر یہ نصیحت کی تھی کہ کسی انسان کے ساتھ صرف دل سے پیار کرنا کافی نہیں اس محبّت اور پیار کا اظہار بھی ہونا چاہیئے تاکہ اس دوسرے شخص کو معلوم ہو کہ فلاں کی محبّت مجھے حاصل ہے۔ یہ علم اس آدمی کی خود اعتمادی کو تقویت پہنچاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسانی رشتوں کو مضبوط کرنے کے لئے خواہ وہ برابری کے معیار پر ہوں یا حاکم و محکوم کے تعلقات ہوں یہ طریق بہت اہم اور ضروری ہے کیونکہ یہ سو قسم کی بدظنیوں کو جلانے اور نیک جذبات پیدا کرنے کا محرّک ہے ۔(رسالہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 39 تا 41)

جنرل اسمبلی کے نئے صدر نے کہا ہم نے اقوام متحدہ میں معجزہ موجود ہوتے دیکھا

ایس۔ایم ظفر۔صاحب

مسلم لیگ (پگاڑہ گروپ) کے سیکرٹری جنرل ایس ایم ظفر صاحب مرکزی وزیر قانون رہ چکے ہیں۔ عالمی سطحوں پر پاکستان کی نمائندگی کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ ہم نے بطور خاص ان کی اہمیت مسلم ہے۔ چند چوٹی کے وکلاء میں شمار ہوتے ہیں۔ اعتدال پسند اور سنجیدہ فکر سیاسی رہنما ہیں۔ چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کے متعلق فرمایا صاحب کو سب سے پہلے میں نے ہائی کورٹ میں ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے سنا وہ 1956 میں بطور مہمان خصوصی تشریف لائے تھے۔ وہ کالج کے پیشے کے متعلق آپ کے تجربات بیان کر رہے تھے میں بھی نوجوان تھا اور وکالت کے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہا تھا۔ چوہدری صاحب مسلسل بول رہے تھے۔ اور میں حیران ہو رہا تھا کہ وہ بغیر کسی یادداشت کے بولتے چلے جا رہے تھے۔ گواہوں کے نام، جج صاحب کا مقدمہ میں اہم بات کرنا غرض یہ کہ یوں لگا کہ جیسے ان کے سامنے فلم کی ریل چل رہی ہے۔

پھر میری ملاقات نیویارک میں ہوئی جب میں کشمیر کے معاملے کو سیکورٹی کونسل میں پیش کرنے کے لئے گیا تھا۔ ایک لنچ پر بڑی تفصیل سے مجھے کشمیر پر پاکستان کا موقف بیان کیا۔ چوہدری صاحب کا اس دن بھی چوہدری صاحب کا دن تھا وہ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور میرے خیال میں کشمیر کے مسئلے پر اتنا واضح موقف شاید ہی کسی اور پاکستانی دانشور کا ہو اور انہیں یقین تھا کہ بھارت نے اصولوں کے مقابلے میں مصلحت پسندی سے جو کام لیا ہے وہ ایک دن بھارت کو سخت نقصان پہنچائے گا۔ اس کے بعد بھی چوہدری صاحب سے کئی بار ملاقات ہوئی انہوں نے اپنی یادداشتوں پر مبنی کتاب تحدیث نعمت بھی مجھے دیا۔ ان کی وفات سے تین ماہ قبل ان سے ملا انہوں نے اپنی پابندی وقت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یو۔این۔او کی صدارت کا عرصہ ختم ہونے پر جب انہیں رخصت کیا گیا تو اس وقت کے نئے صدر نے کہا کہ ہم معجزات پر یقین نہیں رکھتے لیکن

ایک معجزہ ہمارے صدارت میں ضرور ہوا ہے کہ یہ ادارہ وقت کا پابند ہو گیا ہے۔(رسالہ انصار اللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 33 تا34)

مَیں کسی کو انٹرویو نہیں دیتا مگر چوہدری صاحب کی وجہ سے انکار نہیں کر سکا

مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین صاحب سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا نام میں نے پہلی بار اس وقت سنا جب میں چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔شہر لدھیانہ گیا یہ 1932 کی بات ہے جب ان کا چرچا پہلی بار سنا کہ چوہدری ظفر اللہ خان وائسرائے کے ایگزیکٹیو کونسل کے رکن مقرر ہوئے ہیں۔اخبارات میں ان کا ذکر آتا رہا۔تقسیم ملک کے بعد یہ پاکستان کے وزیر خارجہ بنے اورانہوں نے پاکستان کے لئے اورعرب کے لئے بہت کام کیا۔فیڈرل کورٹ کے جج رہے پہلے لاہور میں وکالت کرتے رہے اور دیوانی مقدمات میں بہت شہرت پائی۔لائق وکیل شمار ہوتے تھے۔انہوں نے اس ملک میں بلکہ یورپی کونسل لندن میں بھی پریکٹس کی۔ قانونی قابلیت کا اسی وقت اظہار ہو گیا تھا جبکہ یہ ولائت میں پڑھ رہے تھے۔اور ایل۔ایل۔بی کے امتحان میں فرسٹ آئے اور بعد کے امتحان میں آنرز حاصل کیا۔اپنی قانونی کابلیت ہی کی وجہ سے جج مقرر ہوئے اور جج کی حیثیت میں ان کے بعذ فیصلے آج تک یاد کیے جاتے ہیں۔انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں جج اور اس کے صدر بھی رہے۔میری ملاقات عالمی عدالت کے کئ ججوں سے ہوئی جو آپ کے ساتھی رہے تھے۔وہ سب چوہدری صاحب کی بہت تعریفیں کیا کرتے تھے۔ان کی قانونی استعداد کی تعریفیں کرتے اور اس بات کو خاص طور پر بیان کرتے ہیں کہ اپنے نقطہ نگاہ کو اس انداز سے پیش کرنے کا ملکہ حاصل تھا کہ دوسرے جج جو نقطہ نگاہ رکھتے اس کو بھی پیش کر دیتے۔انٹرنیشنل لاہور کمیشن کے ممبر بھی رہے اور انٹرنیشنل لاء کمیشن کے ممبر بھی رہے اور انٹرنیشنل لاء بنانے میں کام کرتے رہے۔

چوہدری صاحب کی یادداشت کمال کی تھی۔ابھی دو سال قبل تک ان کو ساٹھ ساٹھ ستر ستر سال پرانے مقدمات کی تفصیل یاد تھی۔بڑے بڑے پرانے قوانین کے نام کے علاوہ ان کے وہ نمبر بھی یاد تھے جو کسی کو یاد نہیں ہوتے۔ان سے کئی بار ملاقات ہوئی گفتگو ہوتی کافی عمر کے باوجود یادداشت اتنی اچھی تھی جس کو انگریزی میں فوٹوگرافک میموری کہا جاتا ہے میرے خیال میں پاکستان وہندوستان تو ایک طرف ہے دنیا بھر میں شاید کوئی شخص ایسا نہ ملے جس نے چوہدری صاحب کی طرح اتنے اداروں میں اور اتنی اعلیٰ ترین سطحوں پر کام کیا ہو۔1930 سے 1973 تک وہ کسی نہ کسی بڑے عہدے پر فائز رہے۔بہت منکسر المزاج،شرافت کے پتلے اور اصولوں پر سختی سے پابند آدمی تھے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ذیابیطس کی وجہ سے کھانے میں پرہیز کی شدت سے پابندی کرتے لگ بھگ پچاس سال کی عمر میں ذیابطیس کا مرض ہوا مگر طویل عمر کے باوجود ذیابطیس کے عام اثرات جسم پر کبھی نمایاں نہیں ہوئے۔روزنامہ مسلم کی ایک اشاعت میں قائداعظم یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے یہ الزام عائد کیا ہے کہ چوہدری صاحب نے عالمی عدالت میں جنوبی افریقہ کے کیس میں اس لئے شرکت نہ کی کہ آپ آئندہ سال عدالت کے صدر بننا چاہتے تھے۔مضمون نگار نے خود ہی ذکر کیا ہے کہ عدالت کے چیف جسٹس نے آپ کو اس مقدمے کی سماعت سے روک دیا تھا جسٹس مشتاق حسین صاحب نے اس الزام کی طرف توجہ دلائے جانے پر کہا کہ جب ایسی صورتحال پیدا ہو جائے

اور چیف جسٹس کسی جج کو کوئی مقدمہ نہ سننے کا مشورہ دے تو جج کو اس مقدمہ سے دست کش ہو جانا چاہیے۔میں بھی ان کی جگہ پر ہوتا بیچ میں نہ بیٹھتا۔باقی جہاں تک میں چوہدری صاحب کو جانتا ہوں کہ کسی آئندہ عہدے کا خیال میں وہ اپنے فرض منصبی سے کوتاہی کر جائیں تو یہ بات میں ان کی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔چوہدری صاحب ہمیشہ اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے ایسے شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے ذاتی مفاد کو ترجیح دی یہ بالکل فضول بات ہے۔قائدہ کلیہ یہ ہے کہ جج خود ہی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے ہوتا ہے کہ وہ کسی بیچ میں بیٹھے گا یا نہیں اور چوہدری صاحب میں تو اتنا دم خم تھا کہ اگر وہ چاہتے کہ فلاں کے حق میں فیصلہ کرنا ہے تو وہ ضرور بیچ میں شامل ہو سکتے تھے اور کوئی انہیں نہیں روک سکتا لیکن ایسی صورت حال پیدا ہو جانے پر ان کا اس معاملے سے علیحدہ رہنا دراصل ان کی عظمت کی دلیل ہے۔مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے ان کی میز پر ایک بڑا قیمتی سگرٹ کیس جو سونے کا تھا پڑا دیکھا۔وہ ایک بہت بڑی برطانوی شخصیت کی طرف سے تھا اس پر لکھا تھا:

اس عظیم ماں کے لئے جس نے اس زبردست متکبر عالم اور قابل ولائق فرزند کو جنم دیا۔دراصل ہر بڑے آدمی کے پیچھے ایک بڑی ماں کا ہاتھ ہوتا ہے مقدر بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے چوہدری صاحب بھی خوش قسمت تھے کہ ان کو ایک ایسی ہی عظیم ماں کی تربیت ملی۔مسٹر جسٹس صاحب موصوف نے آخر میں کہا کہ میں کسی کو انٹرویو نہیں دیتا شاید یہ میرا پہلا انٹرویو ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چوہدری صاحب کا مقام ایسا ہے کہ میں آپ کو انکار نہیں کر سکا۔(رسالہ انصار اللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 34 تا 35)

سینکڑوں لوگوں میں آپ واحد شخص تھے جنہوں نے توجہ دلائی۔سید بابر علی

جناب سید بابر علی شاہ صاحب سید مراتب علی شاہ صاحب کے صاحبزادے ہیں لاہور کے کاغذ سازی اور پیکجنگ کے کارخانے پیکجز کے مالکان میں شامل ہیں۔کارپوریشن کے سابق چیئرمین اور سابق رکن مجلس شورہ رہے ہیں۔پاکستان وائلڈ لائف کے صدر رہے ہیں اور پاکستان میں اعزازی کونسلر ہیں۔ظفر اللہ خان صاحب نے ان کی زبردست صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیا جب یہ امریکہ میں اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہوئے۔چنانچہ چوہدری صاحب نے ان کو پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ کے وفد میں شامل ہونے کی دعوت دی ماہ کے قریب یہ قامی خدمت جالانے کی بھی سعادت ملی۔ملک کے کاروباری حلقوں میں خدمت بجالانے کی بھی سعادت ملی معروف شخصیت ہیں اور پروگریس صنعت کار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں آپ نے فرمایا:۔میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے چوہدری صاحب کو اپنے گھر آتے دیکھا 1934 کی بات ہے جب کہ میری عمر 8 سال کی تھی اب میری عمر 59 سال ہے گویا میں نے 51 سال چوہدری صاحب کو دیکھا ہے۔ہمیشہ بڑی مہربانی اور محبت سے ملتے۔ایک خاص بات میں نے ان میں یہ دیکھیں کہ جب بچوں سے ملتے تو ان کی سطح پر اتر آتے تھے اور صرف بچوں سے ہی نہیں بلکہ ہر ملنے والے کی سطح پر آ کے اس سے ملتے تھے بچوں سے ہمیشہ ان کی دلچسپی کی باتیں کرتے کوئی سوال بھی ان سے پوچھا جاتا تو ہمیشہ بڑی تسلی سے جواب دیتے اور کبھی کسی کے سوال کو فضول قرار نہیں دیا معلومات بڑی فراخدلی سے دوسروں کے سامنے بیان کرتے۔مجھے ان سے زیادہ ملنے کا موقع 1947 میں ملا جب پاکستان بنا تو اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندے کے طور پر پیش ہوئے۔میں تعلیم سے فارغ ہوا تھا پتہ چوہدری صاحب کو پتا چلا کہ

میں ابھی چند ہفتے امریکہ میں ہوں تو مجھے نیو یارک بلا لیا اور پیشکش کی کہ میں ان کے ساتھ پاکستان کے وفد میں کام کرو چنانچہ میں نے قریباً ایک ماہ ان کے ساتھ کام کیا اس کے بعد جب بھی ملتے بڑی مہربانی پ سے پیش آتے۔۔ پہلے تو یہ تھا کہ مجھے سید مراتب علی شاہ کے بیٹے یا سید امجد علی شاہ کے بھائی کی حیثیت سے ملتے تھے میرا آپ سے براہ راست تعلق استوار ہو گیا۔جب بھی لاہور آتے مجھے یاد فرماتے اور میں حاضر ہو جاتا۔ چوہدری صاحب کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا ہمارے ادارے پیکج نے جو کتابیں چھپوائیں وہ میں انہیں بھجواتا رہتا ہمیشہ پسند کرتے۔خاص طور پر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب کی ان کے اپنے ہاتھ سے کتابت کی ہوئی کتاب" یک ہزار و یک سخن" جو صوفی صاحب کے منتخب کردہ اشعار پر مشتمل تھی، جب چوہدری صاحب کو بھجوائی تو آپ نے اسے بے حد پسند فرمایا اس کتاب کی سینکڑوں کاپیاں لوگوں کو بھجوائیں۔آپ واحد شخص تھے جنہوں نے توجہ دلائی کہ اس میں ایک شعر دو دفعہ لکھا گیا ہے فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب ہمیشہ میرے سرہانے پڑی رہتی ہے۔ایک دفعہ پاکستان آئے تو مجھے فون کیا کہ میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب سے ملنا چاہتا ہوں چنانچہ میں نے صوفی صاحب کو آپ سے ملوایا۔کافی دیر تک ان سے شاعری کی باتیں کرتے رہے۔ چوہدری صاحب سے میری آخری ملاقات مئی 1985 پ میں ظفر چوہدری صاحب کی وساطت سے ہوئی شام پانچ بجے ہم حاضر ہوئے۔خیال تھا کہ دس پندرہ منٹ بیٹھیں گے لیکن آپ نے اٹھنے ہی نہ دیا اور قریب اگھنٹہ تک یہ گفتگو جاری رہی۔ نیو یارک کے کئی واقعات سنائے۔آپ کی حالت اس وقت یہ تھی کہ آپ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ دعا کرو میرا خاتمہ بالخیر ہو۔ان کے آنسو تو بہہ رہے تھے مگر کیفیت یہ تھی کہ چہرے سے رونے کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔شاید انہے یہ خیال ہو کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہے۔عام طور ان کو اپنے جزبات پر کنٹرول تھا پر ان کو ایسی کیفیت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ چوہدری صاحب نہایت مصفا آدمی تھے بڑی قناعت اور انکساری والے شخص تھے صرف ایک جوتا رکھتے کپڑے بھی بہت کم ہوتے لیکن ہمیشہ صاف ستھرے جو رقم اس وجہ سے بچتی وہ ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔مخیر آدمی میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔

چوہدری صاحب کا ادبیٰ ذوق بہت اعلیٰ تھا ادبی شخصیت سے ان کی ملاقات کا تو مجھے علم نہیں لیکن میرے سامنے انہوں نے سینکڑوں شعر اردو اور فارسی کے سنائے ہیں۔ان میں کوئی خود غرضی نہ دیکھی نہ سنی باقی لوگوں کا کیا ہے جتنے منہ اتنی باتیں۔تحدیث نعمت میں ان کا ذکر ہے کہ انہوں نے طباعت کے ضمن میں تعاون پیش کیا۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ جب تحدیث نعمت شائع ہونے والی تھی تو چوہدری بشیر احمد صاحب اور شیخ اعجاز احمد صاحب نے ایک دن ٹیلی فون کر کے مجھ سے کاغذ کے بارے میں پوچھا میں نے پوچھا کہ کس کی کتاب چھپنی ہے تو انہوں نے بتایا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سوانح حیات چھاپ رہے ہیں۔تو میں ے عرض کیا کہ چوہدری صاحب کی کتاب کے لئے جتنا کاغذ چاہیے میں فراہم کر دوں گا چنانچہ کاغذ میں نے پہنچا دیا کتاب انھوں نے خود کہیں سے چھپوائی۔

(رسالہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 35 تا 36)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

تیسری نسل کی گواہی۔ان سے مل کرسکون آ جا تا تھا۔

سید یاور علی جنرل منیجر ملک پیک لمیٹڈ

جناب محترم سید یاور علی صاحب جنرل منیجر ملک پیک لیمٹڈ اقوام متحدہ میں پاکستان کے سابق مستقل مندوب پاکستان کے سابق وزیر خزانہ اور معروف سفارت کار جناب سید امجد علی صاحب کے صاحبزادے اور جناب سید مراتب علی شاہ صاحب کے پوتے ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب مرحوم ومغفور کے بارے میں آپ کا بیان اس لحاظ سے خصوصی دلچسپی اور توجہ کا حامل ہے کہ آپ حضرت چوہدری صاحب کے جاننے والوں کی اس تیسری نسل سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اپنے والد محترم اور دادا بزرگوار کی طرح حضرت چوہدری صاحب سے یکساں طور پر فیض حاصل کیا۔تحریر پڑھیے اور تاریخ کے اس منفرد سپوت کے نام سلام بھیجیے جس نے اپنی تاریخ ساز طلسماتی شخصیت سے تین نسلوں کو یکساں طور پر متاثر کیا۔جناب سید یاور علی صاحب نے کہا : میری ہوش میں چاہدری صاحب سے پہلی ملاقات 20 سال 1945 میں ہوئی۔جس چیز نے اس ملاقات میں مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ ان کی توجہ بہت تھی حالانکہ اس وقت میری لڑکوں کی عمر تھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کی خاص صفت تھی کہ وہ ہر آدمی سے پوری توجہ سے پیش آتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ان کی یاداشت اتنی اچھی تھی کہ ہر چیز کا ٹوٹل ریکارڈ تھا۔چوہدری صاحب کے بارے میں بہت سی باتیں ہیں ایک سب سے اہم بات جو ذہن میں آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے ان کو ایک دفعہ ایک خط لکھا جس میں وزڈم (عقل) کا ذکر تھا اس کے جواب میں آپ نے مجھے لکھا: the sum of all wisdom is simplicity and humility

یعنی عقل کا نچوڑ سادگی اور عاجزی میں ہے۔۔میں سمجھتا ہوں کہ یہی ان کی زندگی کے دو بنیادی اصول تھے۔مجھ یہ وہ دوستون تھے جن پر ان کی زندگی استوار رہے۔ان کی زندگی سادگی اور عاجزی کی ایک بڑی اچھی مثال تھی۔دوسری چیز جو میں ے ان میں دیکھی وہ یہ تھی کہ جب بھی ان سے کوئی مشورہ لینا ہوتا تو وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے کہ اللہ سے دعا کرو اور اسی سے رہنمائی حاصل کرو۔تقریبا ہر خط میں ان کا یہی پیغام ہوتا یہ اسی نصیحت کی یاد دہانی ہوتی تھی۔میں نے بھی ان کو کئی دفعہ دعا کے لئے کہا اور مجھے یقین ہے کہ میری زندگی میں ان کی دعا کا اُثر ضرور رہا ہے ۔پچھلے پانچ سال سے میری ان سے خط و کتابت نہیں رہی تھی لیکن اس سے پہلے ان کو لکھے گئے ہر خط کا جواب آتا تھا اور جواب بھی فوراً آتا تھا یہ ان کی خاص چیز تھی ہمیشہ بڑا واضح اور ٹو دی پوائنٹ جواب ہوتا چاہدری صاحب کی ایک اور بات مجھے بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کو کوئی خط لکھیں یا ان سے گفتگو کریں تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کو خط کے اندر کی بات کا پتہ ہے۔میں نے ایک بار کہا کہ آپ کی حیات بڑی تیز ہیں آپ ہر بات کی تہ تک فوراً پہنچ جاتے ہیں اس وجہ کیا ہے؟اس کے جواب میں فرمایا بڑی آسان بات ہے۔

I put myself in the shoes of the others

میں اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ پر رکھ کر سوچتا ہوں۔ لاگر یہ صورتحال مجھے درپیش ہو تو میں کیا کروں گا۔۔اور دراصل انسانوں کو سمجھنے کا بنیادی اصول یہی ہے۔میں ے نے ایک دفعہ ایک حدیث پڑی تھی کہ ہر کسی سے اس کی عقل سمجھ کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے ہم اپنی ساری

زندگی اس حدیث نبوی ﷺ پر عامل رہے۔آپ ہر شخص سے اس کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔چوہدری صاحب کی زندگی میں وقت کی پابندی کا عنصر بڑا حیران کن تھا۔ان کا زندگی گزارنے کا طریقہ بڑا نپا تلا اور طے شدہ ہوتا تھا۔دو باتیں ان کی زندگی میں بہت اہم تھی وہیں وقت اور دولت کی صحیح تقسیم وہ اپنا وقت اس طرح استعمال کرتے تھے کہ ان کا وقت ان کے اپنے لئے بہت کم ہوتا تھا اور دوسروں کے لئے زیادہ سے زیادہ کے پاس ہوتا تھا یوں کہئے کہ ان کے پاس ہر وقت دوسروں کے لئے وقت نکل آتا تھا۔جتنے بھی عظیم آدمی ہیں ان کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے وقت کی منصوبہ بندی بڑی احتیاط سے کرتے تھے اور وہ ایک دن میں عام آدمی کی نسبت بہت سے کام زیادہ کر سکتے تھے اور درحقیقت یہ ہم جیسے کاروباری لوگوں کے لئے زندگی کا بہت اہم اصول ہے۔اسے ی طرح سے دولت کو استعمال کرنے کی منصوبہ بندی ایسی تھی کہ ان کی دولت ان کے اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ ہوتی تھی۔چوہدری صاحب کی ایک خوبی بڑی اہم تھی کہ ان سے مل کر انسان کو سکون آجاتا تھا اور یہ خواہش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزرا جائے ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ میں انہیں ظفر اللہ کہہ کر پکاروں دراصل وہ چاہتے تھے کہ دونوں کے تعلقات کی سطح ایک ہی ہو میرے دادا سے تعلق رکھتے تھے اسی طرح کا تعلق مجھ سے بھی رکھنا چاہتے تھے یوں جیسے کہ وہ میری عمر کے ہوں۔ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جس سے تعلق کی بنا ڈالی جائے یہ خود اس کے مساوی سطح پر رہیں یا اس سے کم رہیں یہ نہ ہو کہ مخاطب یہ محسوس کرے کہ وہ اپ سے کم تر ہے۔یہ دراصل وہی سادگی اور عاجزی کے اصول کا عملی اظہار ہے۔وقت کی پابندی ان کا اصول تھا کہ بلا مبالغہ لوگ ان کو دیکھ کر اپنی گھڑیاں درست کرلیا کرتے۔میرا ان سے تعلق ہماری فیملی کی نسبت سے تھا اور اکثر ہمارے ہاں ٹھہرا کرتے تھے ۔باؤنڈری کمیشن کے کیس کے دنوں میں وہ ڈیوس روڈ پر ہمارے گھر ٹھہرے پھر ہم کنال بینک آگئے تو وہاں بھی آکر رہا کرتے تھے۔کراچی میں بھی ہماری رہائش گاہ تھی وہاں بھی آیا کرتے تھے۔(رسالہ انصار اللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 36 تا 38)

اخلاق محمدی کا بہترین نمونہ چوہدری صاحب تھے۔ڈاکٹر سید ظفر حیدر

ڈاکٹر سید ظفر حیدر میو ہسپتال لاہور میں پروفیسر ہیں اور جناب سید افضل حیدر کے بھائی اور سید محمد شاہ صاحب ایڈووکیٹ مرحوم کے صاحبزادے ہیں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں فرمایا:۔

میرا نام ظفر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے نام پر رکھا گیا چوہدری صاحب کو اپنے ب ہاں بیٹے کی خواہش تھی شاید اسی وجہ سے وہ اپنے دوستوں کو تحریک کرتے تھے کہ ان کے ہاں بیٹا ہو تو وہ اس کا نام ان کے نام پر رکھیں چنانچہ میرا نام اور چوہدری بشیر احمد صاحب کے بیٹے ائیر مارشل ظفر چوہدری کا نام ان کے نام پر رکھا گیا۔مجھے ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھجوانے کا انتظام آپ نے ہی کیا۔یہ آپ کی غریب نوازی تھی کہ وہ جب بھی لاہور میں آتے تو میرے والد مرحوم سے ملنے ضرور آیا کرتے تھے۔ان کی عظمت ان کے خلوص میں تھی سب کے بارے میں پوچھتے ہر ایک کا نام ان کو یاد ہوتا اس کو سلام بھیجوا تے۔وہ معاشرہ کونسل کے رکن تھے اور میرے والد ایک تحصیل کے معمولی وکیل تھے یعنی آدمی کہاں سے کہاں پہنچ گیا مگر وہ اپنے درینہ تعلق کو بھولتے نہیں تھے۔

جب آپ نے میرے انگلستان جانے کا انتظام کردیا تو آپ لاہور سے کراچی جارہے تھے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور تمام راستہ انگلستان کے بارے میں ضروری باتیں بتاتے رہے۔کراچی جا کر میں نے ان کے گھر ہی مقیم ہوا۔رات کے کھانے پر وہ میز پر بیٹھے تھے میں بھی ساتھ تھا

اوران کا ڈسکہ کا ایک پٹواری بھی میز پر موجود تھا اور ٹھیٹھ پنجابی لہجے میں آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ چوہدری صاحب بڑے انہاک سے اس کی باتیں سن رہے تھے اتنے میں سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی صاحب جو اس وقت وزیر خزانہ تھے چوہدری صاحب سے ملنے تشریف لائے۔ چوہدری صاحب ے ان کو بھی میز پر بٹھالیا۔پ ان کے آنے کی وجہ سے وہ پٹواری جو اپنی بات کر رہا تھا خاموش ہو گیا وہدری صاحب نے اسے کہا تم اپنی بات جاری رکھو کچھ ہچکچاہٹ کا اظہار کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ملک کا وزیر خزانہ محفل میں شامل ہو گیا ہے اب میرا خاموش رہنا بہتر ہے۔ چوہدری صاحب فوراً سمجھ گئے اور مسکراتے ہوئے بولے جس طرح تم میرے مہمان ہو اسی طرح چوہدری محمد علی صاحب بھی میرے مہمان ہیں۔ چوہدری محمد علی صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور پوچھا کیوں جی چوہدری صاحب میں نے درست کہا۔ چوہدری محمد علی صاحب کیا بولتے ؟ فوراً کہا" جی بالکل ٹھیک۔ بلکل ٹھیک" چنانچہ اس پر اس پٹواری نے اپنی گفتگو کو دوبارہ شروع کر دیا اس واقعہ سے ایک چیز واضح ہوتی ہے کہ چوہدری صاحب کبھی بھی کسی شخص کو اس کے دنیاوی مقام کی وجہ سے کمتر نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی عظمت کردار یہ تھی کہ کم مرتبہ لوگوں کو بلند کر کے خوش ہوتے تھے۔ ایک اور بات یہ بھی ہے کہ جب لاہور سے چلنے لگے تو روانہ ہونے سے پہلے حضرت صاحب کی دعاؤں کی ایک کتاب کسی سے لی اور پھر سارا رستہ وہ دعائیں دہراتے رہے۔ چوہدری صاحب قائداعظم کے بڑے مداح تھے اسی سفر کے دوران میں نے بات کی کہ ہندوستان کی اسمبلی میں آپ لیڈر آف دی ہاوس تھے جبکہ قائداعظم اپوزیشن میں تھے اس وقت ان کا رویہ کیسا ہوتا تھا۔ چوہدری صاحب فرمانے لگے قائداعظم بڑی صلاحیتوں کے مالک شخص تھے ان کے ساتھ جب اختلاف بھی ہوا تو بڑے معزز طریقے سے ہوا اور اسی لئے ہم ان کا احترام ہندو لیڈروں سے زیادہ کرتے تھے کیونکہ وہ جو بات کرتے وہ سچی ستھری اور کھری بات ہوتی۔ میں نے سوال پوچھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قائداعظم اپنے اصولوں میں اتنے سخت اور غیر لچکدار رویہ اختیار کرنے والے نہ ہوتے تو پاکستان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ کہنے لگے کہ قائداعظم کا اپنے موقف پر سختی سے رہنا ہی پاکستان بننے کا سبب بنا وہ اپنے موقف میں ذرا بھی نرمی دکھاتے تو پاکستان کبھی وجود میں نہ آسکتا۔ 1974 میں جب میں انگلستان گیا تو آپ اس وقت بیت الفضل لندن کے اوپر ایک فلیٹ میں قیام فرما تھے آپ نے مجھے چائے پر مدعو فرمایا جیسے میں کوئی بہت بڑا آدمی ہوں اور میرے لئے خصوصی اہتمام کیا۔ یہ وہ چیز ہے جو آج کے انسان میں مفقود ہو گئی ہے۔ کوئی شخص سیشن جج کے عہدے سے بھی ریٹائر ہوتا ہے تو توقع کرتا ہے کہ لوگ اسے سلام کریں۔۔ آپ وزیر خارجہ تھے مگر یہ یاد رکھتے تھے کہ اپنے دیرینہ دوست کے بچے کو بلوانا ہے۔ اس ے سیر کو لیجاتے تھے۔ 1957 میں جب عالمی عدالت میں تھے تو میں وطن واپس آنے لگا تو مجھے کہا کہ مل کر جانا۔ پھر مجھے بتایا کہ میرے واپسی کے سفر میں کون کون سی جگہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ مجھے خاص تنقید کی گئی کہ فلاں جھیل اور فلاں مقام ضرور دیکھنا۔

ساڑھے تین سال قبل جب آپ لاہور آئے تو میں ملنے نہ جا سکا اس پر آپ نے خط لکھا اور اس میں میری خامی کی بڑی ہی خوبصورتی سے پردہ پوشی کی کہ تم ایک مصروف سرجن ہو تمہیں وقت نہیں ملتا۔ ان کے کردار میں politeness،courtesy،Nobility یعنی عظمت شرافت دوسروں کا خیال رکھنا اور پردہ پوشی جیسی صفات عروج پر تھیں اور یہ اخلاق محمدی کے وہ بنیادی اصول ہیں کہ جن کو جس عمدگی سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے نبھایا۔ میری ذاتی زندگی میں اب تک ایک بھی ایسی مثال سامنے نہیں آئی۔ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ ان کو ملنا ایک اعزاز ہوتا تھا۔ ان کی انسانیت اور حسن اخلاق کا جوہر نمایاں تھا۔ کھوٹ نام کی کوئی چیز ان میں نہ تھی۔ انہوں نے جن ججوں کو نا قابل سمجھا صاف طور پر اس کا

اظہار کیا۔انہوں نے کبھی courtesy یعنی دوسروں کا انتہائی خیال رکھنے کی صفت کے باوجود کبھی کسی نااہل کو اہل نہیں کہا۔ڈپلومیٹ ہوتے ہوئے بھی جھوٹ کو سچا نہیں کہا اور کبھی کسی انسان کو اس کی تنخواہ،غربت یا دنیاوی مقام سے نہیں ناپا تولہ۔یہ ناپ تول ان کہ ذہن میں تھا ہی نہیں ان میں تو انسانیت خلوص اور غریب نوازی تھی۔۔۔!!(رسالہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 38 تا 39)

کیبنٹ میٹنگ چھوڑ کر مجھے ملنے کے لئے آ گئے

جناب افضل حیدر رکن پاکستان بار کونسل وسابق صدر ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن لاہور

میں اس طبقے سے تعلق رکھتا ہوں جہاں بزرگوں کی عزت کی جاتی ہے ہمارے بزرگوں سے ان پر شفقت فرماتے تھے اور ہم بھی اسی اعتبار سے ان کی عزت واحترام کرتے تھے۔اس پس منظر میں میں جب اپنے والد محترم سید محمد شاہ صاحب ایڈوکیٹ کے دوستوں کو یاد کرتا ہوں تو بہترین دوستوں میں جناب پطرس بخاری مرحوم،اُفضل علی مرحوم،خلیفہ عبدالحکیم مرحوم سردار سکندر حیات مرحوم اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب مرحوم یاد آتے ہیں۔ان میں سے میرے والد کے بعض دوستوں کی میرے بچپن ہی میں ہی وفات ہوگئی تاہم میرے والد محترم کے دوستوں میں مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تھے جو میرے والد کی حیات اوران کی وفات کے بعد بھی یکساں شفقت سے ہمیشہ ملتے رہے۔یہ وہ واحد شخص تھے جن کی شفقت میں میں نے کبھی فرق محسوس نہیں کیا اور جو ہمارے ساتھ باقاعدہ خط وکتابت کے ذریعے رابطہ بھی رکھتے تھے۔میں آپ کو چوہدری صاحب موصوف کا ایک خط دکھاتا ہوں بطور مثال۔اس کی صرف دوسطریں سن لیجئے۔یہ 30 جولائی 1971 کا خط ہے جو آپ نے ہالینڈ سے مجھے لکھا۔لکھتے ہیں:۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

My Dear Afzal A letter from you is so unexpected and unusual a pleasure that I hasten to send you a line in reply immediately on receipt of it.

یعنی تمہارا خط میرے لئے ایسی غیر متوقع اور غیر معمولی خوشی کا باعث بنا ہے کہ میں یہ خط وصول کرتے ہی فوری طور پر تمہیں جواب دینے کے لئے چند سطریں جلدی سے لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔اب دیکھیے!۔یہ شفقت کا انداز تھا حالانکہ میں بہت چھوٹا آدمی تھا لیکن اس بات کو بھول کر وہ شفقت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہارا خط بھی میرے لئے بڑی خوشی کی بات ہے۔چوہدری صاحب کی وہ تحریر جو میں نے جنگ میں چھپوائی اس کے بارے میں چوہدری صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ میرا اہم ڈاکومنٹ تمہارے پاس ہے اس مجھے دے دو۔میں کہتا جناب یہ دستاویز میرے والد کو ایک دوست نے تحفے میں دیا تھا اور میرے والد نے اپنے بچے کو تحفہ میں دی ہے آپ اسلامی قانون کی کس شق کے تحت مجھ سے واپس مانگتے ہیں میری اس بات پر بہت ہنستے کہ اچھا تم مجھے قانون کی مار مار رہے ہو۔پھر مجھے کہا کہ اس کی ایک نقل مجھے دے دو چنانچہ میں نے اس کی ایک فوٹو سٹیٹ نکال کر دے دی۔جب تحدیث نعمت چھپی تو میں نے آپ سے گلہ کیا کہ تحدیث نعمت میں وہ بہت کچھ شائع نہ ہوا جو آپ نے ہمیں پڑھ کر سنایا تھا اس میں بہت سی ایڈیٹنگ کی گئی ہے۔انہوں نے چوہدری بشیر صاحب کا نام لیا کہ ان کو یہ مسودہ دیا گیا تھا۔اس کی ایڈیٹنگ کی ذمہ داری مجھ پر نہیں پھر چوہدری صاحب نے فرمایا کہ اب میں کوشش کروں گا کہ نئے ایڈیشن میں اس کی تلافی ہو اور تحدیث نعمت Drastic Editing

سے بچ جائے۔ایک واقعہ میں بیان کرتا ہوں جب آپ وزیر خارجہ تھے مجھے پتہ چلا کہ آپ آئے ہوئے ہیں۔میں اپنی کار میں بیٹھا اور ان کے گھر چلا گیا۔جا کر دیکھا تو گھر کے باہر کوئی چوکیدار یا مالی وغیرہ نظر نہ آیا میں گیا گھنٹی بجائی چوہدری صاحب خود ہی باہر تشریف لائے اور مجھے دیکھتے ہی کہا بغیر ٹیلیفون کئے کیوں آئے ہو میرے گھر میں کابینہ کی میٹنگ ہو رہی ہے۔بات سنتے ہی میں شرمندہ بھی ہوا اور گھبرا بھی گیا۔عرض کیا پھر معذرت چاہتا ہوں مجھے اجازت دیں چوری صاحب بولے نہیں اب تم آئے ہو تو چند منٹ بیٹھو میں کابینہ کی میٹنگ سے پانچ منٹ کی اجازت لے کر آتا ہوں میں نے بہتیرا کہا کہ مجھے جانے دیں۔مگر فرمانے لگے نہیں!اب تم آئے ہو تو چند منٹ بیٹھو۔اندر جا کر کابینہ سے پانچ منٹ کی اجازت لی۔کس لئے کے؟ مجھ ایک دوست کے بیٹے کے لئے۔اور اس میں بھی کئی سبق پنہاں تھے مگر اس کے لئے جوان کے دوست کا بیٹا تھا۔چنانچہ واپس آئے مجھ سے باتیں کرنے لگے پھر یہ دیکھ کر کہ میں اس صورتحال سے نروس ہو چکا ہوں مجھے ایک کتاب دی کہ اس کا ایک صفحہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔اس طرح میری پریشانی دور کی۔پانچ منٹ مکمل ہوئے تو مجھے جانے کی اجازت دی اور گاڑی تک چھوڑنے آئے۔یہ ان کی شفقت کا مظاہرہ تھا۔1983 میں جب ہائی کورٹ بار کا صدر تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ چوہدری صاحب لاہور آئے ہوئے ہیں۔میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید ظفر حیدر کے نام ان کا پیغام آیا تو میں حاضر ہوا۔پنجابی میں فرمانے لگے۔''یار میں تیری تصویر اخبار وچ دیکھی سی۔لگدا تے افضل ای سی۔'' پھر مجھے بار کا صدر منتخب ہونے پر مبارک باد دی اور مجھے کھانے پر بلایا اور مجھے میز کے کونے پر بٹھایا کہ مسٹر پریذیڈنٹ یہاں بیٹھو!اس گفتگو کے دوران جو تقریباً تین چار گھنٹے جاری رہی ہر قسم کے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی چوہدری صاحب اس خادمہ کے بھی ذکر کرتے رہے جس کا کھانا وہ میرے نانا جان حکیم امین الدین بارایٹ لاء کے گھر بازار حکیماں بھاٹی گیٹ لاہور میں بڑے شوق سے کھایا کرتے تھے۔اس خادم کا نام گل خان تھا۔چوہدری صاحب بہت مختصر غذا کھاتے تھے مگر بہت اچھے کھانے کا ذوق رکھتے تھے۔ان کی شفقت کے پہلو یہ تھے کہ وہ چھوٹوں کے ساتھ تعلق کو اپنی طبعی انکساری کے ساتھ نبھاتے تھے اور کبھی کسی کو اندازہ نہیں ہونے دیتے تھے کہ دنیاوی طور پر یہ شخص اس جاہ وجلال کا مالک ہے۔جب بھی ملاقات ہوتی پرانی یادوں میں سے ایک ایک کو یاد کرتے تھے ہمارے خاندانی باغ کے ناگپوری سنگترے اور واشنگٹن نیول مالٹے ہمارے گاؤں ضلع کمالیہ کے چک امیر علی شاہ سے ہر سال چوہدری صاحب کو جایا کرتے تھے۔میرے چچا سید نوازش علی اس زمین کے انچارج ہوا کرتے تھے۔ایک سال سیلاب آ گیا جس سے فصل تباہ ہو گئی اور مالٹے اور سنگترے چوہدری صاحب کو نہ بھیجے جا سکے۔تو آپ نے گلہ کیا کہ مجھے اس سال دوستی کا یہ تحفہ نہیں آیا تو ہم نے عرض کیا کہ اس سال یہ تحفہ قدرت کی ستم ظریفی کا شکار ہو گیا ہے۔جب بھی ملتے سنگتروں اور مالٹوں کا ذکر ضرور کرتے۔ایک دفعہ میں اپنی بیوی کے بھائی کے کیمبرج میں داخلے کے لئے چوہدری صاحب کو لکھا۔مفتی صاحب کو جب میرا خط ملا تو آپ امریکہ سے پاکستان آنے والے تھے اور آپ نے نیویارک سے سیدھے پاکستان آنا تھا آپ نے شفقت فرمائی اور تکلیف کر کے لندن میں سفر کا تسلسل منقطع کیا اور میری بیوی کے بھائی کے داخلے کا بندوبست فرمایا۔پاکستان آئے تو مجھے یاد فرمایا میں حاضر ہوا تو میرا خط ہاتھ میں لئے ٹہل رہے تھے مجھے دیکھ کر علیک سلیک کے بعد فرمایا یہ اپنا خط پڑھو میں نے خط پڑھا کوئی بات سمجھ میں نہ آئی پھر فرمایا دوبارہ پڑھو اور اس سے غلطی نکالو میں غلطی نکالنے سے معذور رہا تو مجھے بتایا کہ تمہارے خط میں یہ دو غلطیاں ہیں پھر مجھے بڑی سختی سے فرمایا دوبارہ یہ غلطی نہیں دوہراؤ گے۔اس کے بعد مجھے مخاطب کر کے مصنوعی غصے سے پنجابی میں بولے۔ان کے کردار میں ''اوئے میں تیرے سور یا دا نوکر آں'' میں گڑ بڑا گیا تو مسکرا کر

فرمایا تمہاری بیوی کے بھائی کو داخلہ دلوا دیا ہے لندن بھجوا دو چنانچہ اسے لندن بھجوا دیا گا۔

جناب سید اُفضل حیدر صاحب ایڈوکیٹ نے حضرت چوہدری صاحب کی وفات پر تعزیتی کتاب کے لئے مندرجہ ذیل تحریر فرمائی:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم لاہور یکم ستمبر 1985

1947 سے قبل اور اس کے بعد چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ بیرون ممالک میں قانونی۔ آئینی اور سیاسی سطح پر بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اعلان تقسیم ہندوستان کے فوراً بعد قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد خاص کی حیثیت سے آپ نے مسلم لیگ کا موقف باؤنڈری کمیشن کے سامنے نامساعد حالات کے باوجود اپنی مخصوص قانونی مہارت اور جان فشانی سے پیش کیا۔ قومی اداروں میں مسئلہ کشمیر پر پاکستان کی عمدہ نمائندگی کی۔ جمہوری اقتدار، حقوق انسانی شخصی آزادیوں اور حق وارادیت کے اصول سے وابستگی کی بنا پر فلسطین، لیبیا الجیریا اور تیونس کی آزادی کے لئے بھی عالمی اداروں میں چوہدری صاحب کی مساعی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ عالمی عدالت انصاف کی صدارت اور جنرل اسمبلی کی صدارت کہ ایک فرد میں اکھٹے ہونے کا منفرد اعزاز صرف چوہدری صاحب ہی کے حصے میں آیا۔ عالمی سطح پر آپ کی صلاحیتوں کا اس سے بڑھ کر اور کیا اعتراف ہوسکتا ہے۔ خطہ پنجاب کے عظیم فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خان اپنی ذات میں انجمن اور ان کی شخصیت ایک عہد تھی۔ مجھے چوہدری صاحب کو قریب سے دیکھنے کا اعزاز حاصل ہے، اور خود اعتمادی، تقویٰ اور اللہ پر بھروسہ، حقوق العباد کا شدت سے احساس دوسروں کی عزت نفس، راز رکھنے کی خاصیت ان کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ انتہائی شفقت اور قادر الکلامی چوہدری صاحب کی شخصیت کے اہم عناوین ہیں۔ ہم نے زندگی کے انعام کو شعوری طور پر اس نظم وضبط سے گزارا کے ان کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے خالق کے حضور تحدث نعمت بن گیا۔ موت کے متعلق ان کا نقطہ نظر مثبت اور Robust تھا۔ ان کے نزدیک موت سب سے پیاری ہستی کی طرف سے بلاوا تھا۔ آج ہم سب کی موجودگی میں موت سے ناطہ جوڑ کر اور سب ناطے توڑ کر اسی پیاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے ہیں۔ بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔ اللہ انہیں اپنی رحمت کی آغوش میں جگہ دے۔ آمین سید افضل حیدر (رسالہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 39 تا 41)

مسٹر جسٹس ریٹائرڈ شیخ شوکت علی صاحب۔ سابق جج لاہور ہائیکورٹ

مجھے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے ملنے کا ایک دوبارہ اتفاق ہوا ہے تاہم میں نے ان کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھی ہیں 1968 اور 69 میں مسٹر جسٹس اُفضل چیمہ نے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے اعزاز میں کھانے کی ایک دعوت دی تھی۔ اس میں میں بھی شامل تھا۔ اس ملاقات میں مجھے دوڈھائی گھنٹے تک اسے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ میں نے انہیں ویسا ہی پایا جیسے ان کے بارے میں سنا اور پڑھا۔ وہ مجھے کسی ولی یا بزرگ کی طرح نظر آئے جن میں سادگی اور سچائی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ چوہدری صاحب کی یہی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے جناب قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کا کیس پیش کرنے کے لئے منتخب کیا۔ میں نے اس کا جتنا مطالعہ کیا ہے میں نے ایک حقیقی محب وطن اور حقیقی پاکستانی پایا ہے۔ چوہدری صاحب کی سادگی اور عاجزی ان کی نمایاں خصوصیت تھی باوجود اس کے کہ وہ اعلیٰ ترین عہدوں پر رہے وہ نہایت ہی عاجز اور منکسر المزاج تھے۔ اگر ہمارے ملک

کے تمام افسران اوراعلیٰ ترین عہدے رکھنے والوں میں یہ خصوصیات پیدا ہوجائیں تو ہمارے ملک کا نقشہ ہی بدل سکتا ہے۔ایسے لوگ دنیا میں بہت کم آتے ہیں اور بہت کم ہوتے ہیں جوان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوتے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ وہ نہ صرف پاکستان کے اعلیٰ ترین قانون دان تھے بلکہ دنیا بھر کے اعلیٰ ترین قانون دانوں میں ان کا شمار ہوتا ہے اوروہ ان لوگوں میں سے تھے جواللہ لوگ بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جھوٹ کے قریب ہی نہیں گیا ہوتا۔میں ہمیشہ ان کی ذات سے متاثر رہا ہوں اور میں یہ بات اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں کہ میں نے دو ایک دفعہ ان سے ملاقات کی سعادت حاصل کی ہے۔جہاں تک ان کی کتاب کا تعلق ہے ان کی خودنوشت سوانح حیات تحدیث نعمت ایسی قیمتی چیز ہے کہ ایک دفعہ اسے پڑھنا شروع کرو تو ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔میں نے ان کی یہ کتاب ایک ہفتے کے اندرختم کردی تھی۔اس کتاب نے مجھ پہ نہ ختم ہونے والا تاثر چھوڑا ہے۔جس طرح انہوں نے واقعات بیان کیے ہیں،مثلاً اپنی والدہ کی وفات کا ذکر بہت ہی متاثر کرنے والے واقعات ہیں انہوں نے اس میں صرف سچ لکھا ہے۔اور پھر لطف یہ ہے کہ اپنی کمزوریاں بھی بیان کی ہیں اور پھر اچھائیاں بھی گنوائی ہیں۔یہ بات وہی کرسکتا ہے سرتا پا سچائی کا مجسمہ ہو۔(رسالہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 41 تا 42)

فلسطین کے مسئلے پر پانسہ پلٹ گیا جناب میاں ارشدحسین صاحب سابق وزیر خارجہ پاکستان

جناب میاں ارشدحسین صاحب مئی 1968 سے اپریل 1969۔تک پاکستان کے وزیرخارجہ رہے۔آپ برصغیر کے پہلے مسلمان وائس چانسلر جناب میاں اُفضل حسین کے صاحبزادے پنجاب کے نامور سیاسی فرزندوں نائب صدر میاں فضل حسین کے بھتیجے ہیں۔آپ کو ایک لمبا عرصہ حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب سے تعلق رہا ہے۔آپ نے ہمارے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:چوہدری صاحب کے کارنامے تو ایک پوری کتاب کے متقاضی ہیں میں ان کے ساتھ اپنی چند یادوں کا ذکر کرتا ہوں۔میرے والد مرحوم میاں اُفضل حسین چوہدری صاحب کے ہم جماعت تھے۔اس تعلق سے جب میں کیمبرج میں زیرتعلیم تھا میری چوہدری صاحب سے ملاقات 1930 میں اس وقت ہوئی جب آپ گول میز کانفرنس میں نمائندے کے طور پر تشریف لائے۔آپ میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آئے۔اس کے بعد دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں بھی آپ بطور نمائندہ شامل تھے۔اس کے بعد آپ گول میز کانفرنس کے بارے میں حکومت برطانیہ کی طرف سے جاری کردہ قرطاس ابیض پر غور کرنے والی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں بھی شامل ہوئے اور اس میں مسلمانوں کی نمائندگی کی۔چوہدری صاحب کی وہ تقریر جوانہوں نے غالباً گول میز کانفرنس میں کی بہت معرکہ انگیز تھی۔یہ مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں خطاب تھا جو مسلسل ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔حکومت کی نمائندگی بطور ممبر وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کررہے تھے۔اس کے علاوہ اس سے پہلے جو کام چوہدری صاحب نے گول میز کانفرنسوں میں کیا تھا اسے بھی قائداعظم بخوبی آگاہ تھے۔اس لئے جب وزیرخارجہ کے عہدے کے لئے ان کو موضوع شخص کی تلاش ہوئی تو اس عہدے کے لئے پاکستان کا کوئی اور شخص مناسب نہیں تھا۔چنانچہ چوہدری صاحب کو وزارت خارجہ کا چارج دیتے ہوئے قائداعظم کو کوئی پس وپیش نہ ہوا۔جب چوہدری صاحب وزیرخارجہ مقرر ہوئے میرے والد بزرگوار میاں

اُفضل حسین صاحب مبارکباد دینے گئے اور آپ نے چوہدری صاحب کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا Pakistan is lucky to have you یعنی پاکستان خوش قسمت ہے کہ جس کو آپ جیسا وزیر خارجہ ملا ہے۔ جب میں پاکستان کا وزیر خارجہ بنا تو چوہدری صاحب کے ساتھ میرے پہلے سے ہی خاندانی مراسم تھے۔ انہوں نے مجھے مبارکباد کا خط لکھا جس میں انہوں نے مجھے ایک دعا پڑھنے کے لئے لکھی۔ جناب میاں راشد حسین صاحب چوہدری صاحب کی یادیں بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔ چند لمحے کے بعد انہوں نے اپنی حالت پر قابو پایا اور کہا کہ میرے وزارت کے دوران چوہدری صاحب عالمی عدالت انصاف کے جج رہے تھے اس لئے وزارت کے بارے میں امور پر میں ان سے کوئی خاص رہنمائی نہ حاصل کر سکا۔ جب میرے والد صاحب کا انتقال 1970 میں ہوا تو تعزیت کے لئے میرے گھر تشریف لائے اور کچھ نصیحتیں کیں لیکن ملک کے سیاسی حالات اس سرعت سے بدل رہے تھے کہ میں ان کی نصیحتوں پر کوئی عمل نہ کر سکا۔

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب مرحوم چوہدری صاحب کے بارے میں کیسے تاثرات رکھتے تھے۔ میاں صاحب نے جواب دیا ایوب خان کا تاثر چوہدری صاحب کے بارے میں بہت اچھا تھا۔ جب چوہدری صاحب عالمی عدالت کی رکنیت کے عہدے سے پہلی بار ریٹائر ہو کر آئے تو آپ نے ایوب خان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ایوب خان نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی بطور سفیر کرنے کی پیشکش کی۔ ایوب خان نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ عہدہ آپ کے لئے کوئی بڑا اعزاز نہیں۔ میں آپ کو اس لئے تکلیف دے رہا ہوں کہ کشمیر کا مسئلہ سلامتی کونسل میں دوبارہ اٹھائیں کیونکہ ہمیں ہندوستان سے جو توقعات تھیں کہ پنڈت نہرو اس مسئلے کو بات چیت کے ذریعے طے کرنے پر راضی ہو جائے گا وہ توقعات پوری نہیں ہو رہی۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے بطور نمائندہ پاکستان 1961 میں اس مسئلہ کو سلامتی کونسل میں دوبارہ اٹھایا اور بہت مدلل طریقہ سے یہ مسئلہ پیش کیا۔ چوہدری صاحب کی کوشش کے نتیجے میں اس مسئلے پر اقوام متحدہ کی اکثریت پاکستان کے حق میں تھی لیکن سوویت یونین نے ریزولوشن ویٹو کرنے کی دھمکی دی تھی اس لئے اقوام متحدہ کوئی کردار ادا نہ کر سکی۔ اس مسئلے پر چوہدری صاحب کی تقریر بہت معرکہ انگیز تھی۔ آپ نے اپنے زور بیان اور قوت استدلال سے اس مسئلہ کو جو سو گیا تھا اور تقریباً ختم ہو گیا تھا دوبارہ زندہ کر دیا۔ ایوب خان ہمیشہ چوہدری صاحب کی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔ 1951 کی بات ہے نہرو نے پاکستانی سرحدوں پر فوج کھڑی کر دی تھی۔ یہ وہی دن تھے جب نوابزادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے اپنا مشہور مکا دکھایا۔ ان دنوں افغانستان کی صورت حال پر غور کرے کے لئے وزیر اعظم نے ایک میٹنگ بلائی۔ اس وقت فارن آفس میں میں ڈپٹی سیکرٹری تھا اور افغانستان کا مسئلہ میری تحویل میں تھا اس لحاظ سے میں بھی اس میٹنگ میں شامل ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ اس میٹنگ میں چوہدری صاحب نے جنرل ایوب خان کو جو اس وقت فوج کے کمانڈر انچیف سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، جنرل صاحب آپ کسی بھی صورت میں لاہور پر ہندوستان کا قبضہ نہ ہونے دیں۔ جنرل ایوب خان نے فوراً جواب دیا انشاء اللہ چوہدری صاحب ہم کبھی ایسا نہ ہونے دیں گے۔ اگر بعد میں نہرو نے سرحدوں سے فوجیں ہٹالی لیکن چوہدری صاحب لاہور کی فوجی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے اس کی حفاظت کا غیر معمولی احساس تھا۔ (بحوالہ انصار اللہ ربوہ نومبر، دسمبر 1985ء صفحہ 42 تا 45)

سید احمد سعید کرمانی کی باغ و بہار باتیں۔ سابق سفیر پاکستان متعینہ مصر

سابق سفیر پاکستان متعینہ مصر۔ سابق صوبائی وزیر خزانہ سابق صدر بار ہائی کورٹ لاہور جناب سید احمد سعید کرمانی کو حضرت چوہدری ظفر اللہ

خان صاحب سے مختلف مواقع پر تاریخی تعلق رہا ہے۔جس کی ابتدا پاکستان باؤنڈری کمیشن کی تاریخ ساز کیس سے ہوتی ہے۔جناب کرمانی تاریخ کے چھپے ہوئے گوشوں کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔(ایڈیٹر انصاراللہ پاکستان)

میں چھٹی ساتویں کلاس کا طالب علم تھا چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب 1935 اور 36 میں ہندوستان مرکزی حکومت میں وزیر ریلوے تھے ان دنوں وزراء کا عہدہ ممبر وائسرائے ایگزیکٹیو کونسل کہلاتا تھا۔چوہدری صاحب کی بھرپور صحت کے ایام تھے۔میں بذریعہ ٹرین امرتسر سے لاہور جا رہا تھا۔جبکہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب دلی سے لاہور آرہے تھے۔ان کی ٹرین امرتسر میں رکی اور بہت سے ضلعی افسران،مقامی معزز ین خان بہادر رائے بہادر خان چوہدری صاحب کے استقبال کے لئے موجود تھے۔پولیس نے گھیرا ڈال رکھا تھا اور کسی عام آدمی کو ادھر نہ جانے دیتی تھی۔چوہدری صاحب کا نام سن کر عام آدمی بھی بڑی تعداد میں اکٹھے ہو گئے۔میں بھی استطاعت کے مارے اس مجمع میں کھڑا چوہدری صاحب کو دیکھ رہا تھا۔یکا یک میں نے دیکھا کہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے پولیس کے حلقے کو توڑا اور ریلوے کے ایک معمولی سے ملازم کی طرف بڑھے جو ذرا دور کھڑا تھا یہ شخص ٹکٹ ایگزامنر یا ٹکٹ کلیکٹر قسم کا کوئی ملازم تھا جو سیالکوٹ میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب کا کلاس فیلو رہا تھا۔آپ اس کی طرف گئے اس سے ملے اور کہا کہ تم میرے دوست ہو مجھے دیکھ کر ملنے کیوں نہیں آئے؟ وہ شخص بولا کہ آپ کے اردگرد اتنے بڑے بڑے افسران تھے کہ میں حاضر ہونے کی جرت نہ کر سکا۔وہ چوہدری صاحب کے اس قدر افزائی پر حیران بھی تھا اور خوش بھی۔ہم سب لوگ چوہدری صاحب اخلاق کی اس عظمت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے کہ اتنا بڑا آدمی اور ایسے معمولی شخص سے ملنا بھی اسے کوئی عار محسوس نہ ہوا۔یہ چوہدری صاحب کی عظمت کا پہلا تاثر تھا جو میرے دل پر نقش ہو گیا۔

باؤنڈری کمیشن۔چوہدری ظفراللہ خان صاحب کو قائداعظم نے باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔میں ان دنوں نوجوان وکیل تھا اور خلیفہ شجاع الدین صاحب بیرسٹر کے ساتھ ان کے جونیئر کے طور پر وکالت کر رہا تھا۔میں خلیفہ صاحب کے ساتھ سید مراتب علی شاہ صاحب کی کوٹھی واقعی ڈیوس روڈ پر حاضر ہوا۔اس وقت میرا چوہدری صاحب سے باقاعدہ تعارف کرایا گیا۔چودہدی صاحب نے خلیفہ شجاع الدین صاحب سے مختصر سی گفتگو پنجابی زبان میں کی۔چوہدری صاحب کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔اس کے پیش نظر میرے ذہن نہ جانے کیسا خیال پیکر تراشا ہوا تھا۔مگر چوہدری صاحب کو بے تکلفی سے پنجابی بولتے دیکھ کر میرا یہ خیال تصور پاش پاش ہو گیا۔گھر آکر میں نے اپنی والدہ محترمہ سے جن کو ہم آپو جی کہا کرتے تھے۔کہا آپو جی! قائداعظم نے نجانے کس آدمی کو اتنے اہم کیس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔مجھے تو وہ جٹ بوٹ معلوم ہوتا ہے۔یہ اتنا بڑا مقدمہ ہے یہ شخص کیا بحث کرے گا" مجھے آج شرم محسوس ہوتی ہے یہ بات کہتے ہوئے تاہم میں نے جب والدہ محترمہ کو یہ بتایا تو وہ بڑی پریشان ہوئیں۔والدہ محترمہ بڑی نمازی اور پرہیز گار خاتون تھیں۔اس پریشانی میں وہ مصلے پر جا بیٹھی اور ساری رات اس کیس کے بارے میں دعا کرتی رہی۔دوسرے دن میں کمیشن کے اجلاس میں شرکت کے لئے دوسرے وکلاء کے ساتھ سید مراتب علی کی کوٹھی پر پہنچا وکلاء کی ٹیم کو ایک ویگن میں سوار کرایا گیا جو سر مراتب علی مرحوم نے عطا کی تھی اور ان وکلا میں علامہ شیخ نثار احمد جن کے صاحبزادے مسٹر جسٹس اعجاز جو نثار اس وقت ہائی کورٹ کے جج ہیں محمد شاہ ایڈوکیٹ جن کے صاحبزادے سید افضل حیدر ایڈوکیٹ

سابق صدر ہائی کورٹ بار ہیں۔ چوہدری علی اکبر صاحب سابق مرکزی وزیر وہ سابق سفیر پاکستان میں متعینہ سعودی عرب۔ صاحبزادہ نوازش علی جن کے سگے بھتیجے صاحبزادہ فاروق علی خان قومی اسمبلی کے سابق سپیکر رہے ہیں، ملک عبدالعزیز ایڈووکیٹ اور میں شامل تھا۔ ہم چوہدری ظفراللہ خان کے ساتھ گئے۔ وہاں جا کر چوہدری صاحب نے بحث کا آغاز کیا۔ جب میں نے چوہدری صاحب کو بولتے سنا تو پتہ چلا کہ وہ کیا چیز ہیں۔ انہوں نے سارے حاضرین کو مسحور کر کے رکھ دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وقت رک گیا ہے۔ شاید وقت یہ عظیم تاریخی لمحات اپنے دامن میں سمونے کے لئے تھم ہی گیا تھا۔ جب وقفہ ہوا تو میری حالت یہ تھی اور جذبات ایسے ہو گئے تھے کہ میں بار بار چوہدری صاحب کے ہاتھ چومتا تھا۔ مختصر سے وقت میں وہ شخص میرے لئے اور ذہانت کا مینار بن گیا۔ مجھے اپنے کل کے ریمارکس پر ندامت محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ جب شام 4 بجے واپس گھر پہنچا تو میری والدہ محترمہ بے تابی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ انہوں نے فوراً پوچھا کہ بتاؤ آج کیس کی کاروائی کیسی رہی۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا وہ شخص تو جادوگر ہے۔ والدہ بولی تم نے تو کل مجھے ڈرا دیا تھا۔ میں بڑا شرمندہ ہوا بولا آپو جی! نہیں نہیں وہ تو کوئی مافوق البشر شخص ہے۔ میں حیران ہوں وہ کہاں سے الفاظ لاتا تھا کوئی خیالات تھے زبان تھی اور الفاظ کی کوئی شوکت تھی، کوئی ادائیگی تھی، کوئی منطق کا زور تھا غرض کیا کیا تھا میں کیا بتاؤں۔ باؤنڈری کمیشن کی کارروائی کے دوران امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود بھی تشریف فرما رہے تھے۔ وہ ساری کاروائی کے دوران زیر لب دعائیں کرتے رہتے۔ اور اس میں وہ مسلسل مصروف رہتے۔ یا س سارے عرصہ میں بحث کئی دن جاری رہی۔ کبھی کبھی درمیان میں حضرت صاحب چوہدری صاحب کو کچھ ہدایات بھی دیتے رہے۔ جب کبھی ایسا موقع آتا چوہدری صاحب حضرت صاحب کی طرف جھک کر اپنا کان حضرت صاحب کی طرف لا کر بات سن لیتے اور پھر سیدھے کھڑے ہو کر دلائل جاری رکھتے۔ حضرت صاحب کی کرسی چوہدری صاحب کے بالکل قریب تھی۔ پہلے دن کی ایک بات جو چوہدری صاحب کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم لوگ اس وین میں سوار ہو کر ہائی کورٹ کی عمارت میں پہنچے تو ڈرائیور وین کو اس گیٹ کی طرف لے گیا جو ججوں کی آمدورفت کے لئے مخصوص ہے۔ ابھی وین کے آگے پہیے گیٹ میں داخل ہی ہوئے تھے کہ چوہدری صاحب جو اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے ڈرائیور کو کہا کہ گاڑی روکو۔ ڈرائیور نے فوراً گاڑی روک دی۔ آپ نے ڈرائیور سے پوچھا کہ اس گیٹ سے کیوں اندر جا رہے ہو۔ یہ صرف ججوں کے لئے مخصوص ہے دوسرے گیٹ سے لے کر جاؤ۔ ڈرائیور نے عرض کیا جناب آپ خود جج رہے ہیں وائسرائے کونسل کے ممبر رہے ہیں آپ اتنے بڑے آدمی ہیں میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ چوہدری صاحب بولے میں پوچھتا ہوں کیا اس وقت میں جج ہوں۔ ڈرائیور نے مکالمہ بازی شروع کر دی جناب آپ کا مقام بڑا بلند ہے۔ یہ وکیل ڈرائیور کوئی ضدی آدمی تھا۔ اس نے بحث کرنے کی کوشش کی مگر چوہدری صاحب نہ مانے آخر گاڑی واپس ہوئی اور اس گیٹ سے داخل ہوئی جو عام آدمیوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہ بظاہر چھوٹی سی بات ہے لیکن اس سے آپ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ چوہدری صاحب نے بحث کے پہلے روز اچکن اور شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ آپ نے جا کر اپنی ٹوپی اتاری اور بحث شروع کی۔ یہ درست ہے کہ وکلاء کا مخصوص لباس یہ نہیں تھا۔ مگر میں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن جو لوگ آج زندہ ہیں اور جنہوں نے اس روز کی کاروائی سنی کو وہ میری بات کی شہادت دیں گے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ کمیشن رسمی طور پر عدالت نہیں تھا۔ شیخ بشیر احمد صاحب جو بعد میں ہائی کورٹ کے جج بنے پھر وکیل تھے۔ اعلیٰ پائے کے انگریزی بولتے تھے ایسی مہارت سے انگریزی بولنے والے بہت کم ہوں گے شیخ بشیر احمد صاحب جماعت احمدیہ کی طرف سے وکیل تھے

جماعت کی طرف سے انہوں نے مسلم لیگ کی جماعت میں میمورنڈم پیش کیا۔

یہ بڑی اہم بات ہے آج بعض لوگ الٹا الزام لگاتے ہیں کہ احمدیوں نے مخالفت کی۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ احمدیوں نے اپنا سارا وزن مسلم لیگ کے پلڑے میں ڈال دیا۔ اس کا ذکر سرکاری طور پر شائع ہونے والی کتاب ''دی پارٹیشن آف پنجاب جلد دوم'' میں جو تقسیم پنجاب کے وقت کے سرکاری دستاویزات کا مجموعہ ہے اور یہ حکومت کی طرف سے چند سال ہوئے شائع ہوئی ہے۔ اس میں 244 صفحہ پر درج ہے کہ شیخ رشید احمد صاحب نے واضح کیا کہ احمدی اکثریت کا ایک حصہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ جماعت احمدیہ حنفی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتی ہے۔ صفحہ 250 پر درج ہے کہ شیخ بشیر احمد صاحب سے سوال کیا گیا کہ احمدی جماعت کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔ شیخ صاحب نے جواب دیا ہمارا دعوی ہے کہ ہم اوّل وآخر مسلمان ہیں ہماری جماعت اسلام کا حصہ ہے۔ صفحہ 251 درج ہے کہ شیخ بشیر احمد صاحب نے کہا کہ ہم بھی عالمِ اسلام کا حصہ ہیں ہم نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ہم پاکستان کے ساتھ رہیں کہ ہندوستان کے ساتھ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم پاکستان کے ساتھ شامل رہیں گے۔ ہم نے بعض قانونی پابندیوں کی بنا پر پارٹیشن آف پنجاب حصہ دوم میں مذکورہ بعض عبارتیں حذف کی ہیں۔ تاریخ اور حقائق سے دلچسپی رکھنے والے قارئین مذکورہ کتاب کے صفحہ 244 سے صفحہ 251 تک مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ احمدیہ جماعت نے اس وقت مسلم لیگ کے موقف پر پورے زور کے ساتھ تائید کی اور قائداعظم کے وہ مخالف جو قائداعظم اور پاکستان کو گندی گالیاں دیا کرتے تھے وہی لوگ آج جماعت احمدیہ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اس جماعت نے قادیان کو ہندوستان میں رکھنے لئے گرداس پور کا ضلع ہندوستان کے سپرد کر دیا۔ تحدیث نعمت میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے لکھا ہے کہ ان کو یہ بتایا گیا تھا لاہور کے وکلاء ساری تیاری کر رکھیں گے اور ان کو صرف دلائل کو ترتیب دینا اور پیش کرنا ہوگا۔ لیکن جب وہ کمیشن کی کارروائی سے دو دن قبل لاہور پہنچے تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہیں یہ پتہ چلا کہ کسی قسم کی کوئی تیاری نہیں تھی۔ یہ بات بالکل صحیح ہے اس کی وجہ کیا تھی؟ بجائے مسلم لیگ کی قیادت زیادہ تر agitational لوگوں پر مشتمل تھی جو پلاننگ سے کوئی کام کرنے کے اہل نہ تھے۔ چنانچہ جب چوہدری صاحب کی نواب ممدوٹ کی کوٹھی پر وکلاء سے ملاقات کرائی گئی اور بتایا گیا کہ اب تک کوئی کام نہیں ہوا تو چوہدری صاحب نے ممدوٹ کی طرف دیکھا۔ ممدوٹ صاحب گم سم بیٹھے رہے۔ میں بھی اس میٹنگ میں موجود تھا۔ یہ معلوم ہونے پر چوہدری صاحب مایوسی کے عالم میں میٹنگ سے اٹھ کر چلے گئے کیونکہ اس مرحلے پر کوئی وقت نہیں رہا تھا اور کام بہت بڑا کرنا تھا۔ اور یہ ایک عجوبہ ہے کہ اس کہ بغیر کسی basic data یعنی بنیادی اعداد وشمار مہیا ہوئے بغیر چوہدری صاحب نے کس طرح تیاری کی اور کس طرح میمورنڈم تیار کرلیا۔ یہ ایک معجزہ ہے۔ اس کیس میں چوٹی کے مسلمانوں وکلاء جن میں خلیفہ شجاع الدین صاحب اور خورشید زمان صاحب جو بعد میں ہائی کورٹ کے جج ہوئے جن کے صاحبزادے مسعود الزماں صاحب سندھ میں چیف سیکریٹری رہے۔ چوہدری صاحب کے ساتھ شامل تھے لیکن اس میں اصل خدمت رحیم صاحب آئی سی ایس نے انجام دی جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے بہت شکر گزار تھے۔ انہوں نے اپنے ہمراہ مسلمان سیکشن افسر و سول سیکریٹیریٹ کے لوگوں پر مسلمان پٹواری، قانون گو، تحصیلدار وغیرہ لوگوں کو شامل کیا۔ یہ بوڑھے بوڑھے لوگ ان کے لگائے ساری ساری رات کام کرتے رہے۔ ان کو ہدایت تھی کہ کوٹھی سے کہیں باہر نہ جائیں جب تک کام ختم نہ ہوجائے۔ اس طرح سے خواجہ عبدالرحیم درد صاحب نے اپنے اثر رسوخ کو استعمال کر کے بڑے کارآمد نسخے وغیرہ فراہم کئے۔ ان کا گھر سر مراتب کی کوٹھی کے سامنے تھا۔ وہ دن بھر اپنی سرکاری ڈیوٹی

انجام دیتے کمیشن کے سیکرٹری تھے۔ایک دلچسپ بات اس کی یہ بھی تھی کہ میں اکثر دیکھتا تھا کہ اس کمیشن کے مسلمان جج مسٹر جسٹس دین محمد صاحب قریبا اور روزانہ شام کو آتے تھے۔مغرب کے قریب جسٹس منیر صاحب کے ہاں چند بار آئے۔جسٹس دین محمد صاحب آکر پہلے تو چند دن چوہدری ظفر اللہ کی تعریف پر صرف کرتے اور کہتے ظفر اللہ آج تو تم نے کمال کر دیا فلاں پوئنٹ بہت اعلیٰ تھا۔پھر بات یوں شروع کرتے کہ میرا خیال ہے کہ ہندو اس کا یوں جواب دیں گے۔اور یہ کہیں گے۔اس طرح سے نکات سمجھاتے تھے۔اس کے دوران میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ چوہدری صاحب کی صحت اچھی نہیں تھی۔مُنہ سے کمزور سے دکھائی دیتے تھے۔شاید مسلسل کام اور سفر کی وجہ سے ایسا تھا۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ذمہ داری اتنی اہم تھی اور وہ اکیلے اس کے ذمہ دار تھے۔کہ ان کی صحت کا معیار معمولی سا گر گیا۔جب دلائل ختم ہوئے تو کانگرس کے وکیل سر ستیلو اڈ نے جو بڑا ماہر اور مشہور وکیل تھا چوہدری صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔کہ مجھے پتہ نہیں کہ کیا فیصلہ ہوگا لیکن ایک فیصلہ میں ابھی کر جاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر صرف دلائل سے فیصلہ ہونا ہے تو میں فیصلہ دیتا ہوں کہ ظفر اللہ خان کیس جیت لیا ہے۔کیونکہ انہوں نے بڑی غیر معمولی قابلیت سے یہ کیس پیش کیا ہے۔یہ باتیں انہوں نے کمیشن کے اجلاس میں سب لوگوں کے روبرو کہیں۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ میرا دوسرا ساتھی سر ٹیک چند سابق جج لاہور ہائی کورٹ بھی میرے خیالات سے متفق ہے۔لیکن چوہدری ظفر اللہ خان کو جسٹس دین محمد نے یہ بتا دیا کہ ریڈ کلف کانگریس سے مل گیا ہے۔اور قائداعظم کے علم میں بھی یہ بات لائی گئی تھی۔یہ درست ہے کہ ان دنوں یہ افواہیں عام تھیں کہ ریڈ کلف نے اس کیس میں ہندوؤں سے بھاری رشوت لی تھی۔ایک چیز میں نے اس کے دوران نوٹ کی کہ غیر مسلم وکلاعموماً نفرت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔لیکن ظفر اللہ خان کی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے مرعوب ہو کر وہ ہمارا بھی احترام کیا کرتے تھے۔میرے ایک دوست قاضی سید محمد اسلم ایڈووکیٹ (حال فیصل آباد) نے ایک بار مجھے بتایا کہ بھارت کے سابق وزیر خارجہ سردار سورج سنگھ نے ایک بار جالندھر کی بار میں ہندو مسلم وکلاء کی موجودگی میں کہا کہ دلائل سے فیصلہ ہونا ہے تو فیصلہ کانگریس کے حق میں نہیں ہوگا۔لیکن یہ سیاسی مسئلہ ہے اس میں اور بھی کئی محرکات فیصلہ کرنے کا موجب بنتے ہیں اس طرح اس نے چوہدری صاحب کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا۔

باؤنڈری کمیشن کی کارروائی اختتام کو پہنچی تو خواجہ عبدالرحیم صاحب نے وکلا کے اعزاز میں کھانا کیا۔اب کارروائی ختم ہو چکی تھی چوہدری صاحب اب ریلیکس تھے۔تقریب میں انہوں نے ایک لطیفہ بھی سنایا۔انہوں نے کہا جب میں نیا وکیل ہوا تو قتل کا ایک کیس جہلم کا میرے پاس آیا۔وہاں کا ایک لوکل رائے بہادر وکیل بھی میرے ساتھ تھا۔اس کیس کے واقعات یہ تھے کہ ملزم نے اپنے حقیقی باپ کو قتل کر دیا تھا۔سماعت کے دوران ایسی صورتحال پیدا ہوگئی کہ سیشن جج نے اچانک ایک دن ملزم کو کہہ دیا کے بیان دو میں نے اور رائے بہادر نے یہ بات غلط سمجھیں کہ عدالت کے سامنے ملزم کو کسی قسم کی ہدایت دی جائے یوں بیان دو گویا کہ اب ملزم پر منحصر تھا کہ وہ اپنی عقل استعمال کرے۔چنانچہ ملزم بولا کہ آپ بادشاہ ہیں میں نے کیا کہنا ہے۔یہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھ پر رحم کیا جائے میں یتیم ہوں۔اس پر زبردست قہقہہ پڑا۔باؤنڈری کمیشن کے بعد مجھے چوہدری صاحب کے زیادہ قریب ہونے کا موقع ملا۔جب بھی آپ لاہور تشریف لاتے میں سلام کے لئے حاضر ہوتا۔آپ از راہ کرم میری باتیں توجہ سے سنتے اور مختلف سیاسی و غیر سیاسی باتیں ہوتی۔

اقوام متحدہ۔ پاکستان سے باہر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ مجھے 1958 میں اس وقت ہوا جب کہ میں اقوام متحدہ

کے اجلاس میں شامل ہوا۔سلامتی کونسل کے سامنے لبنان نے شکایت کی تھی کہ اس مسئلے پر بحث ہو رہی تھی۔لبنان کا نمائندہ چارلس ملک تھا اس نے بڑی ہی شاندار اور مدلل تقریر کی۔وہ اپنے ملک کا وزیر خارجہ تھا۔جب اجلاس ملتوی ہوا تو میں چارلس ملک کے پاس پہنچا اور اسے کہا جناب میں اپنے اس جذبے کو روک نہیں سکتا کہ آپ کی اعلیٰ کارکردگی پر آپ کو مبارکباد دوں۔چارلس ملک نے رسماً میرا شکریہ ادا کیا اور پھر پوچھا کہ آپ یہاں اقوام متحدہ میں ایک نیا چہرہ معلوم ہوتے ہیں۔آپ کس ملک سے تشریف لائے ہیں۔میں نے کہا میں پاکستان سے آیا ہوں۔میرا اتنا ہی کہنا تھا کہ چارلس ملک بچہرہ کسی خوش رنگ پھول کی طرح کھل اٹھا۔آہا! آپ ظفر اللہ کے ملک سے آئے ہیں۔وہ بار بار یہ جملہ بولتا رہا اور خوشی کا اظہار کرتا رہا۔ان دنوں اقوام متحدہ میں تین نامی مشہور آدمی ہوا کرتے تھے۔ایک چوہدری ظفر اللہ کا دوسرا چارلس ملک اور تیسرا روس کا ایک شخص تھا اور ظفر اللہ اس میں اس طرح نمایاں ترین تھے کہ اقوام متحدہ کا جو بھی شخص تین نمایاں نام بیان کرتا اس میں ظفر اللہ خان کا نام ہر بار مشترک ہوتا ۔باقی نام لوگ اپنی اپنی پسند کے مطابق تبدیل کر لیتے تھے۔امریکن کہتے ہیں کہ خارجہ امور میں ان کے پاس خان فارسٹر ڈس خود وقت لے کر ظفر اللہ سے ملنے آیا کرتا تھا اور عالمی معاملات زیر بحث لایا کیا تھا۔جب ظفر اللہ اقوام متحدہ کی لابی میں داخل ہوتے تو دونوں طرف عرب کھڑے ہو جاتے اور اپنے مخصوص لباس میں با آواز بلند اھلا وسھلا کہتے تھے۔عربوں میں ان سے سب سے زیادہ مرغوب اور متاثر شاہ فیصل تھے۔وہ سالہا سال سعودی عرب کے وزیر خارجہ متعینہ نیو یارک رہے تھے۔اس لحاظ سے وہ چوہدری صاحب کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی خدمات سے تو خوبی آگاہ تھے۔چنانچہ جب چوہدری صاحب 1958 میں عمرہ کرنے سعودی عرب گئے تو شاہ فیصل کی ہدایت پر خانہ کعبہ کا دروازہ خاص آپ کے لئے کھلوایا گیا۔اور آپ اس عرصے میں شاہ فیصل کے ذاتی مہمان رہے۔چوہدری صاحب نہایت سادہ اور منکسر المزاج آدمی تھے۔ایک دفعہ ہم تین پاکستانی ان سے ملنے چلے گئے۔ملاقات طویل ہوگئی ملاقاتی اٹھنے کا نام نہیں لیتے تھے۔چوہدری صاحب نے صبح کہیں جانا تھا۔آپ اٹھے اور کل کے لئے کپڑے سیٹ کرنے شروع کیے اور ہمارے سامنے ہی آپ بوٹ پالش کرنے بیٹھ گئے۔ہم تینوں حیران رہ گئے۔ہم نے درخواست کی کہ ہم آپ کے جوتے پالش کر دیتے ہیں چوہدری صاحب نے ہمیں ہاتھ بھی نہ لگانے دیا۔ذرا غور کیجئے کہ میرے جیسے کتنے آدمی ہیں کہ پانی بھی پینا ہو تو خود اٹھ کر پینا خلافِ شان سمجھتے ہیں بہت لوگوں سے سنا ہے کہ اتنی اونچی پوزیشن رکھنے کے باوجود چوہدری صاحب معمولی ریسٹورنٹ میں بھی کھانا کھا لیتے تھے۔حالانکہ جتنی دولت ساری عمر انہوں نے کمائے اس سے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوٹل میں کھانا کھا سکتے تھے اور کھایا کرتے تھے۔لیکن کسی ضرورت کے وقت عام ہوٹل میں کھانا کھانے میں بھی عار محسوس نہ کرتے تھے۔

میرا قیام مصر۔ میں 1974 میں سفیر مقرر ہو کر مصر گیا۔چوہدری صاحب اس سال کے شروع میں جب لاہور آئے تو مجھے یاد فرمایا اور کھانے کی دعوت دی۔میں حاضر ہوا۔اس ملاقات میں میرے علاوہ شیخ اعجاز احمد صاحب۔ایس ایم ظفر صاحب۔جسٹس کرم الٰہی چوہان صاحب مرحوم۔شیخ عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ مرحوم بھی شامل تھے۔چوہدری صاحب نے مجھے کہا کہ عربوں میں پاکستان کے لئے بہت خیر سگالی کے جذبات موجود ہیں۔لیکن اب بھارت اپنا اثر ورسوخ بڑھا رہا ہے اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔انہوں نے مجھے بتایا کہ فلاں فلاں شخص سے جا کر ملنا وہ پاکستان کا دوست ہے اور وہاں پر پاکستان کے دوستوں کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کرنا۔جب میں روانہ ہوا تو چوہدری صاحب نے میری گاڑی کا دروازہ کھولا۔میں بڑا شرمندہ ہوا۔ہماری گاڑی روانہ ہوئی تو ڈرائیور نے عقب نما شیشے میں دیکھ کر مجھے بتایا کہ جب تک گاڑی کی کوٹھی

کے مین گیٹ سے باہر نہیں نکل گئی چوہدری صاحب برآمدے میں کھڑے رہے۔ یہ ان کی عظمت کہ وہ نشان ہیں جو بھلائے بھی نہیں بھول سکتے۔
میں مصر گیا تو میں نے چوہدری صاحب کی ہدایت کے مطابق صدر ناصر کے وقت وزیر خارجہ فوزی سے ملاقات کی۔ اس نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور آدپون گھنٹہ صرف چوہدری صاحب کی قابلیت کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ مجھے ایک گونہ اطمینان ہوا کہ مصر میں پاکستان کے کسی شخص کو اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔ بھٹو کے زمانے میں جس وقت 1974 میں قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے بارے میں بحث ہو رہی تھی اس وقت مجھے پاکستانی سفارتخانے کے تہہ خانے سے چوہدری صاحب کا ایک مجسمہ ملا۔ میں نے اسے نکلوایا اور اسے دھلا کر صاف کیا۔ یہ کالے پتھر کا بڑا خوبصورت سیلٹی رنگ کا مجسمہ تھا۔ اس پر درج تھا" عربوں کے مفادات کے لئے چوہدری ظفر اللہ خان کی خدمات کے اعتراف میں۔" یہ مجسمہ میں نے اپنی میز پر رکھوا دیا اس پر سفارتخانے کے بعض لوگوں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا کہ پاکستان میں قادیانیوں کے خلاف مہم چل رہی ہے اور آپ نے یہ مجسمہ یہاں رکھوا دیا ہے۔ میں نے کہا یہ مجسمہ یہاں کی حکومت نے چوہدری صاحب کی خدمات کے اعزاز میں دیا ہے اور اس بات سے عربوں کے دلوں میں پاکستان کی محبت ظاہر ہوتی ہے اس لئے یہیں رکھوں گا چاہے کوئی کچھ کہے۔ مصر میں تین سوا تین سال رہا میری امد تک یہ مجسمہ محفوظ تھا اس کے بعد کا مجھے پتا نہیں۔ مصر میں قیام کے دوران میں نے دیکھا کہ جب بھی مختلف مما لک کے سفیروں سے ملاقات ہوتی ان میں سے اکثریت پاکستان کا نام چوہدری ظفر اللہ کے نام کی وساطت سے جانتی تھی۔ نہ صرف عرب بلکہ جاپانی اور ایرانی سفیر ابھی چوہدری صاحب کے بڑے مداح تھے۔ ایک سفیر نے مجھے بتایا کہ اقوام متحدہ میں ہم چوہدری صاحب کے آنے پر اپنی گھڑیاں ٹھیک کر لیتے تھے۔

وسطی افریقہ کے ملک کے سفیر برائے پاکستان مسٹر مراد ایک دفعہ قاہرہ سے کراچی تک ہوائی جہاز میں میرے ہمسفر تھے۔ انہوں نے اس سفر کے دوران مجھے چوہدری صاحب کی بہت سی باتیں بتائیں۔ اس نے بتایا کہ مراکش کے شاہ حسن ثانی کے والد محترم شاہ حسن اول نے چوہدری صاحب کو بڑا زور لگایا کہ آپ میرے ملک کا دورہ کریں اور مجھے مہمان نوازی کا شرف بخشیں۔ ان کی وفات کے بعد موجودہ شاہ نے بھی بار بار اصرار سے چوہدری صاحب کو کہا کہ وہ ان کے ملک کا دورہ کریں۔ آخر شاہ حسن ثانی کے باصرار درخواست پر چوہدری صاحب موصوف نے مراکش کا دورہ کیا۔ مراکش ملاقات کے لئے گئے تو چوہدری صاحب کے ساتھ حسب دستور مراکش کے فورن آفس کا بھی ایک عہدے دار تھا۔ شاہ کا دستور تھا کہ جب اس سے کوئی ملاقاتی ملنے آتا تو وہ دربار میں آ کر شاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ جب چوہدری صاحب ملنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ شاہ کا تخت خالی پڑا ہے۔ آپ کو حیرانی ہوئی کے شاہ کہاں ہے۔ پتہ چلا کہ شاہ اپنے دربار کے پیچھے واقع گولڈن روم میں جوان کا ریٹائرنگ روم تھا بیٹھے ہوئے ہیں۔ چوہدری صاحب ابھی دربار کے دروازے پر کھڑے مراکش کے وزیر خارجہ سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک غیر معمولی بات ہوئی۔ شاہ اپنے گولڈن روم سے برآمد ہوئے اور سارا دربار پیدل طے کر کے سیدھا چوہدری صاحب کے پاس پہنچے اور آپ کو **اھلا و سھلا** کہا۔ یہ ایک غیر معمولی اعزاز تھا جو شاید صرف چوہدری صاحب کو شاہ نے دیا۔ شاہ نے چوہدری صاحب کے ساتھ معانقہ کیا اور مراکش کے لئے چوہدری صاحب کی عظیم خدمات کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مراکش کے لوگ آپ کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ایک اور بات مجھے بہادر خان نے بتائی تھی۔ میاں امیر الدین صاحب نے اپنے گھر میں بعض مہمانوں کو مدعو کیا ہوا تھا ان میں سردار بہادر خان کے علاوہ۔ خواجہ عبدالرحیم۔ راجہ حسن اختر اور میرے علاوہ ایک وکیل فضل اللہ ایڈووکیٹ بھی تھے۔ سردار بہادر خان نے اس تقریب میں بتایا کے جنیوا میں ایک

بین الاقوامی تقریب تھی۔ سردار بہادر خان نے بتایا کہ وہ چوہدری صاحب کے ساتھ بطور ڈپٹی فارن منسٹر منسلک تھے جنیوا میں ایک احمدی جوڑے کے درمیان کوئی تنازعہ ہو گیا جس روز چوہدری صاحب نے جانا تھا روز مصروفیات سے فارغ ہو کر اس جوڑے کی صلح کرانے کے لئے گئے۔ چوہدری صاحب کو وہاں دیر ہو گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر عجب نصیب تھا ائیر پورٹ جانا تھا۔ تاخیر کی وجہ سے چوہدری صاحب بروقت ایئر پورٹ نہ پہنچ سکے چوہدری صاحب کے ہم دیگر ساتھی پان امریکن فضائی کمپنی کے جہاز میں بیٹھ گئے۔ جہاز کی روانگی کا وقت ہو گیا۔ اس جہاز کے کپتان سے استفسار کیا گیا تو اس نے کہا۔ سر محمد ظفر اللہ ہمارے ساتھ سفر کر رہے ہیں یہ ہمارے لئے بڑا اعزاز ہے۔ اگر ہمیں ان کے لئے گھنٹوں بھی انتظار کرنا پڑا تو ہم کریں گے۔ **فیلڈ مارشل ایوب خان کی عقیدت۔** 1966 کی بات ہے۔ ہائی کورٹ کا صد سالہ جشن تھا۔ دنیا بھر کے بڑے بڑے قانون دان آئے ہوئے تھے۔ اس وقت مغربی پاکستان وزیر خزانہ، اطلاعات اور ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن تھا۔ مندوبین کے اعزاز میں ایک روز شاہی قلعہ میں کھانا دیا گیا۔ صدر ایوب خان کے عروج کا دور تھا۔ صدر ایوب بھی تقریب میں شامل تھے۔ ہر شخص اس کوشش میں تھا کہ صدر ایوب کا قرب حاصل کریں۔ اتفاق سے میری سیٹ چوہدری صاحب کے ساتھ تھی آنے کے فوراً بعد صدر ایوب خان صاحب سب لوگوں کو نظر انداز کر کے سیدھے چوہدری ظفر اللہ خان کی طرف آئے۔ چوہدری صاحب صدر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایوب خان نے چوہدری صاحب کے پاس آ کر اپنے ہزار کی پنجابی زبان ہندکو میں چوہدری صاحب کو مخاطب کیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ پاکستان سے باہر جانے سے پہلے ملاقات کا وقت دیں۔ چوہدری صاحب نے کہا جی بہت اچھا! صدر صاحب نے کہا کہ ہمیں سمجھ لو کہ آپ مجھے ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ چوہدری صاحب نے کہا جی میں مل کر جاؤں گا۔ جب صدر صاحب کی تسلی ہوئی اور وہ واپس اپنی جگہ پر گئے۔ یہ تھی ایوب خان کی چوہدری صاحب سے عقیدت **لاہور کا مہنگا ترین وکیل۔** لاہور ہائی کورٹ بار میں جو تین چار وکیل آج تک سب سے نمایاں گزرے ہیں ان میں سر ظفر اللہ خان نمایاں ترین تھے۔ دیگر مشہور وکلاء میں جگن ناتھن اگروال۔ مہر چند مہاجن وغیرہ تھے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ جب چوہدری صاحب وائسرائے کے ایگزیکٹو کونسل کے رکن بنے تو آپ کو وکالت کرنا پڑی چنانچہ آپ نے اس زمانے میں 1935 میں 60 ہزار روپے کی فیسیں واپس کیں۔ کیونکہ چوہدری صاحب اب مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتے تھے یہ بات جہاں چوہدری صاحب کی زبردست وکالت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہاں یہ بھی بتاتی ہے چوہدری صاحب لوگوں کے لئے کیسا احساس رکھتے تھے؟ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو خطابت کا غیر معمولی جوہر عطا ہوا تھا برصغیر میں اردو خطابت میں نواب بہادر یار جنگ اور مولانا ابوالکلام آزاد کا شہرہ تھا۔ اسی طرح انگریزی میں ظفر اللہ خان صاحب کا ہندوستان بھر میں شہرہ تھا۔ **لیاقت علی اور چوہدری ظفر اللہ۔** قائداعظم کی طرح پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان بھی چوہدری صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ کابینہ میں چوہدری صاحب اور لیاقت علی خان مین درمیان ہلکی سی ناراضگی پیدا ہو گی۔ چوہدری صاحب نے کابینہ سے استعفی دینے کا خیال کر لیا۔ لیاقت علی خان کو پتہ چلا تو انہوں نے چوہدری صاحب کو ٹیلی فون کیا اور کہا میں اکیلا آدمی ہوں ہم سب نے مل کر جہاز کو چلانا ہے۔ آپ ناراض نہ ہوں اور استعفیٰ کا خیال چھوڑ دیں۔ اثر پڑا۔ چوہدری صاحب نے مجھے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ لیاقت علی خان کے ٹیلی فون پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ چوہدری صاحب کہتے تھے لیاقت علی خان صاحب دردمند آدمی تھے۔ خواجہ فیروز الدین لاہور کے بڑے نامور وکیل تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھے بتایا کہ جب میں برطانیہ میں بیرسٹری

پاس کرنے کے لئے داخل ہوا چوہدری ظفر اللہ خان بیرسٹری پاس کر کے واپس جا رہے تھے۔ترکی میں انگریزوں کا سفیر لندن آیا ہوا تھا۔ چوہدری صاحب کی روانگی کے وقت ان کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔اس کی صدارت اس سفیر نے کی۔اس تقریب میں چوہدری صاحب نے بھی تقریر کی۔چوہدری صاحب کی تقریر سن کر اس نے کہا ''میں نے یہ پہلا انڈین دیکھا ہے جو adjective صحیح استعمال کرتا ہے''

سردار عبدالرب نشتر کا خراج تحسین۔خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمی کے زمانے میں بیسک پرنسپلز کمیٹی کی ایک رپورٹ مرتب ہوئی بعد میں اس پر اسمبلی میں بحث ہوئی۔چوہدری ظفر اللہ خان اور سردار عبدالرب نشتر صاحب نے بحث میں حصہ لیا۔بعد میں میں سردار عبدالرب نشتر سے ملا تو انہوں نے کہا کہ جب اللہ نے اس تقریب میں مجھے کر دکھا دئے ہیں۔یہ رپورٹ آئین ساز اسمبلی میں پیش ہوئی تھی۔تحدیث نعمت سے ایک زندگی بخش گھونٹ۔شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب جو ڈاکٹر محمد اقبال کے استاد تھے۔ناقل کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر علی نقی صاحب فوجی ڈاکٹر تھے انکی رجمنٹ ان دنوں لکھنؤ میں تھی وہ میرے بڑے کرم فرماتے تھے۔۔۔۔ہم لکھنو چھاؤنی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے بہت شفقت اور تواضع سے پیش آئے۔پٹنہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحب نے جو تعریفی کلمات میری نسبت فرمائے تھے وہ اخبارات میں شائع ہو گئے تھے۔ڈاکٹر صاحب نے بھی بڑے مجھ سے فرمایا۔" ہم تو تمہیں بچپن سے جانتے ہیں اللہ تعالی نے تمہیں ذہانت اور فراست عطا فرمائی ہے ترقی کرو گے لیکن افسوس ہے کہ تم نے دینی لحاظ سے اپنے آپ کو ایک نہایت تنگ حلقے میں محدود کر لیا ہے۔اس لحاظ سے تم ایک قیدی ہو کر رہ گئے ہو میں نے کہا ڈاکٹر صاحب میں بڑے ادب کے ساتھ خواجہ حافظ شیرازی کے الفاظ میں عرض کرتا ہوں کہ

اٹل گرداند کہ دل در بنی زلفش چوں خوش است   عاقلاں دیوانہ گردند آز پئے زنجیر ماں

ترجمہ از ناقل:اگر عقل یہ جان جائے کہ میرا دل اس کی زلف کی قید میں کتنا خوش اور مسرور ہے تو سارے جہان کے آقا میری زنجیر پہننے کے لئے پاگل ہو جائیں۔(بحوالہ انصاراللہ ربوہ نومبر، دسمبر 1985ء صفحہ 47 تا 53)

بطل اسلام حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ پاکستان کے ایک ممتاز سیاستدان کی نظر میں۔(دوست محمد شاہد۔مؤرخ احمدیت)

مسلم لیگ کے قدیم رہنما اور پاکستان کے ممتاز سیاست دان جناب سید احمد سعید کرمانی صاحب کی تاریخی یادداشتیں ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' لاہور نے اکتوبر 1999ء کے شمارہ کے آغاز میں سپرد قرطاس کی ہیں۔جناب کرمانی صاحب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی عبقری شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''**قائداعظم کا حسن انتخاب** بانئ پاکستان کے ساتھ مخلص اور معتمد سیاسی رہنماؤں اور دانشوروں، وکلاء، صحافیوں اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے متعلق افراد کی شاندار ٹیم جمع ہو گئی تھی۔قائداعظم کو ان لوگوں کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا تھا۔وہ جانتے تھے کہ کس آدمی سے کیا کام لینا ہے۔پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان بھی قائد کا ایک اچھا انتخاب تھے۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ ان دنوں میں چھٹی یا

ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ بذریعہ ٹرین امرتسر سے لاہور جارہا تھا۔ چوہدری ظفراللہ خان دہلی سے لاہور آرہے تھے۔ چوہدری ظفراللہ خان مرکزی حکومت میں وزیر ریلوے رہ چکے تھے۔ان دنوں مرکزی وزراء کا عہدہ ممبر وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کہلاتا تھا۔جب چوہدری صاحب کی ٹرین امرتسر رکی اور بہت سے ضلعی افسران، مقامی معززین خان بہادر رائے بہادر خان چوہدری صاحب کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ پولیس نے گھیرا ڈال رکھا تھا اور کسی عام آدمی کو ادھر نہ جانے دیتی تھی۔ چوہدری صاحب کا نام سنتے ہی بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ میں بھی اسی مجمع میں مشتاق دید بنا کھڑا تھا۔کیا دیکھتا ہوں کہ چوہدری صاحب نے پولیس کا حلقہ توڑا اور ریلوے کے ایک معمولی ملازم کی طرف بڑھے جو ذرا دور فاصلے پر کھڑا تھا۔ وہ شخص ٹکٹ ایگزامینر یا ٹکٹ کولیکٹر کے درجہ کا کوئی ملازم تھا۔سیالکوٹ میں چوہدری ظفراللہ خان کا کلاس فیلو رہا تھا۔ چوہدری صاحب اس کی طرف گئے، اسے بہت محبت اور گرمجوشی سے ملے اور کہا ''یار تم میرے دوست ہو مجھے ملنے کیوں نہیں آئے؟''۔اس شخص نے جواب دیا ''آپ کے اردگرد ہمارے بہت بڑے بڑے افسر جمع تھے میں آگے آنے کی جرأت نہ کرسکا''۔ چوہدری صاحب کا ردعمل اس قدر محبت آمیز تھا کہ وہ اپنی اس قدرافزائی پر حیران اور میں اخلاق کے اس عظیم مظاہرے سے بیحد متاثر تھا۔ یہ چوہدری صاحب کی عظمت کا پہلا تاثر تھا جو میرے ذہن پر نقش ہو گیا۔

باؤنڈری کمیشن۔چوہدری ظفراللہ خان کو قائداعظم نے باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا۔میں ان دنوں وکالت کرتا تھا اور خلیفہ شجاع الدین بیرسٹر کے ساتھ ان کا جونیئر تھا۔میں خلیفہ صاحب کے ساتھ سید مراتب علی شاہ کی کوٹھی واقع ڈیوس روڈ گیا۔ اس وقت میرا چوہدری صاحب سے باقاعدہ تعارف کرایا گیا۔ چوہدری ظفراللہ خان نے خلیفہ شجاع الدین سے مختصر سی پنجابی زبان میں گفتگو کی۔ چوہدری صاحب کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔اس کے پیش نظر میں نے اپنے ذہن میں نہ جانے کیسا خیالی پیکر تراشا ہوا تھا مگر چوہدری صاحب کو بے تکلفی سے پنجابی بولتے دیکھ کر میرا یہ خیالی تصور پاش پاش ہو گیا اور گھر آکر میں نے اپنی ماں سے جن کو ہم آپو جی کہتے تھے کہا: ''آپو جی! قائداعظم نے نہ جانے کس آدمی کو اتنے اہم کیس میں مقرر کر دیا ہے۔ مجھے تو وہ جٹ بوٹ معلوم ہوتا ہے۔اتنا اہم مقدمہ ہے ،یہ شخص کیا بحث کرے گا۔ یہ بتاتے ہوئے مجھے آج شرم محسوس ہوتی ہے۔جب میں نے والدہ محترمہ کو یہ بات بتائی تو وہ بہت پریشان ہوئیں۔وہ بڑی زاہدہ و متقی خاتون تھیں۔اللہ پر بے پناہ توکل رکھتی تھیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کا کیس کامیاب کروانے کے لئے پھر اللہ کے حضور حاضر ہو گئیں ۔مصلّٰی بچھالیا اور ساری رات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں۔اگلے روز میں سید مراتب علی کی کوٹھی پہنچا ۔دوسرے وکلاء بھی آ گئے۔ سید مراتب علی نے ایک ویگن دے دی تھی جس میں وکلاء کی ٹیم سوار ہو گئی۔ان میں شیخ نثار احمد (جن کے صاحبزادے مسٹر جسٹس اعجاز نثار ہیں)،سید محمد شاہ ایڈووکیٹ (جن کے صاحبزادے معروف دانشور اور وکیل سید افضل حیدر ہیں)، چوہدری اکبر علی (سابق مرکزی وزیر اور سعودی عرب میں پاکستان کے سابق سفیر)،صاحبزادہ نوازش علی (جن کے سگے بھتیجے صاحبزادہ فاروق علی خان سابق سپیکر قومی اسمبلی ہیں) ، ملک عبدالعزیز ایڈووکیٹ اور میں شامل تھے۔ چوہدری ظفراللہ خان نے جب کمیٹی کے روبرو بحث کا آغاز کیا اور چوہدری صاحب کو بولتے سنا تو پتہ چلا سارے حاضرین دنگ ہو کر رہ گئے ۔لگتا تھا وقت رک گیا۔ تاریخ یہ لمحات اپنے ریکارڈ میں سمونا چاہتی تھی اس لئے وقت رک گیا تھا۔وقفہ ہوا، میں بھاگ کر چوہدری صاحب کے پاس گیا ۔والہانہ طور پر ان کے ہاتھ چومنے لگا اور دیر تک چومتا رہا۔چند لمحوں میں میری سوچ

اور فکر میں انقلابی تبدیلی آئی۔ایک ''جٹ بوٹ'' میری نگاہ میں عظمت اور ذہانت کا مینار بن گیا تھا۔ایک روز پہلے اپنی ماں کے روبرو میں نے چوہدری صاحب کے بارہ میں جو ریمارکس دئے تھے ان پر بے حد ندامت ہورہی تھی۔شام چار بجے کے قریب گھر پہنچا۔ماں بے تابی سے انتظار کررہی تھی۔''سناؤ بیٹے! کیسی رہی آج کی کارروائی؟''۔''آپو جی! آج تو کمال ہوگیا۔وہ شخص تو جادوگر ہے۔لاجواب بحث کی چوہدری صاحب نے!''۔''بیٹا! تم نے مجھے رات ڈرا ہی دیا تھا!''۔نہیں آپو جی! مجھے غلط فہمی ہوئی وہ تو کوئی فوق البشر شخصیت ہے ۔حیران ہوں الفاظ کہاں سے لاتا ہے اور اس قدر سحر انگیز انداز میں کس طرح پیش کرلیتا ہے۔کوئی زبان تھی اس شخص کی ! کوئی روانی اور کوئی شوکت تھی،کوئی ادائیگی تھی !،کوئی زور منطق تھا۔کیا بتاؤں دیکھنے اور سننے سے ہی تعلق رکھتی تھی چوہدری صاحب کی پرفارمنس!

قاعدہ کی پابندی۔ ایک بات چوہدری صاحب کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے، یاد آ گئی...... جب ہم لوگ وین میں سوار ہو کر ہائیکورٹ کی عمارت میں پہنچے تو وین ڈرائیور وین کو اسی گیٹ کی طرف لے گیا جو جج صاحبان کی آمدورفت کے لئے مخصوص تھی۔ابھی وین ک اگلے پہیئے گیٹ میں داخل ہوئے تھے کہ چوہدری صاحب نے جو اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے ڈرائیور سے کہا'' گاڑی روکو''۔ڈرائیور نے فوراً گاڑی روک لی ۔چوہدری صاحب نے ڈرائیور سے پوچھا:''اس گیٹ سے کیوں اندر جارہے ہو۔یہ صرف ججوں کے لئے مخصوص ہے دوسرے گیٹ سے لے کر جاؤ''۔ ڈرائیور نے کہا جناب آپ خود جج ہیں وائسرائے کونسل کے ممبر رہے ہیں اتنے بڑے آدمی ہیں۔ میں نے کوئی غلط قدم نہیں اُٹھایا''۔چوہدری صاحب نے کہا''میں پوچھتا ہوں کہ کیا میں اس وقت جج ہوں؟''۔ڈرائیور نے بحث شروع کردی''جناب! آپ کا مقام بہت بلند ہے''۔ چوہدری صاحب نے فوراً اسے ٹوکا ۔''میں نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کتنا بڑا آدمی ہوں''۔اس نے بحث کرنے کی پھر کوشش کی مگر چوہدری صاحب نہ مانے آخر گاڑی واپس ہوئی اور اس گیٹ میں داخل ہوئی جو عام آدمیوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہ بظاہر چھوٹی سی بات ہے لیکن اس سے چوہدری صاحب کی عظمت ظاہر ہوتی ہے ۔باؤنڈری کمیٹی کے روبرو جب بحث ختم ہوئی تو کانگرس کے وکیل سر ستلیواڈ نے ، جو بڑے اور مشہور وکیل تھے چوہدری صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:''مجھے پتہ نہیں کہ فیصلہ کیا ہوگا لیکن ایک فیصلہ کردیتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر صرف دلائل سے فیصلہ ہوتا تو ظفر اللہ کیس جیت گیا ہے۔کیونکہ انہوں نے غیر معمولی قابلیت سے یہ کیس پیش کیا ہے۔ یہ باتیں انہوں نے کمیشن کے اجلاس میں سب لوگوں کے سامنے پیش کیں ۔انہوں نے بھی کہا''میرا ساتھی سر ٹیک چند (سابق جج لاہور ہائیکورٹ) بھی میرے خیالات سے متفق تھے لیکن چوہدری ظفر اللہ خان کو جسٹس دین محمد نے بتادیا تھا کہ ریڈ کلف کانگریس سے مل گیا ہے اور قائداعظم کے علم میں بھی یہ بات لائی گئی تھی کہ یہ درست ہے کہ ان دنوں یہ افواہ عام تھی کہ ریڈ کلف نے اس کیس میں ہندوؤں سے بھاری رشوت لی تھی۔ایک چیز میں نے اس کیس کے دوران نوٹ کی غیر مسلم وکلاء عموماً ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن ظفر اللہ خان کی غیر معمولی قابلیت سے مرعوب ہوکر وہ ہمارا احترام کیا کرتے تھے ۔میرے ایک دوست قاضی سید محمد اسلم ایڈووکیٹ نے ایک بار مجھے بتایا کہ بھارت کے سابق وزیر خارجہ سورن سنگھ نے ایک بار جالندھر کی بار میں ہندو مسلم وکلاء کی موجودگی میں کہا کہ اگر دلائل سے فیصلہ ہونا ہوتا تو فیصلہ کانگرس کے حق میں نہیں ہوگا لیکن یہ سیاسی مسئلہ ہے اس میں اور بھی کئی محرکات فیصلہ کرنے کے موجب بنتے ہیں۔

ایک لطیفہ۔ باؤنڈری کمیشن میں بحث مکمل کرنے کے چوہدری ظفر اللہ خان نے ایک بار وکلاء کی محفل میں یہ لطیفہ سنایا۔انہوں نے کہا:

’’جب میں نیا نیا وکیل بنا تو قتل کا ایک کیس (جہلم سے) میرے پاس آیا ۔ وہاں ایک لوکل رائے بہادر وکیل بھی میرے ساتھ تھا اس کیس کے واقعات یہ تھے کہ ملزم نے اپنے حقیقی باپ کو قتل کر دیا تھا۔ سماعت کے دوران ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ سیشن جج نے اچانک ایک دم ملزم کو کہہ دیا ’’بیان دو‘‘۔ میں نے اور رائے بہادر نے یہ بات غلط سمجھی کہ عدالت کے سامنے ملزم کو کسی قسم کی ہدایت دی جائے کہ ’’اس طرح سے بیان دو‘‘۔ گویا اب ملزم پر منحصر ہے کہ وہ اپنی عقل استعمال کرے۔ جج کے کہنے پر وہ خاموش رہا۔ جج صاحب نے پھر کہا ’’آپ جو بھی کہنا چاہتے ہیں بے تکلفی سے کہیں‘‘۔ وہ کہنے لگا: ’’جناب والا ! مجھے کیا کہنا ہے‘‘۔ جج صاحب نے پھر کہا : ’’جو بھی کہنا چاہتے ہو‘‘۔ ملزم بولا: ’’حضور میں اتنی عرض کروں گا کہ مجھ پر رحم کیا جائے کیونکہ میں یتیم ہوں‘‘۔ مصر میں قیام کے دوران میں نے دیکھا کہ جب بھی مختلف ممالک کے سفیروں سے ملاقات ہوئی ان میں سے اکثریت پاکستان کا نام چوہدری صاحب کے توسط سے جانتے تھے۔ نہ صرف عرب بلکہ جاپانی اور ایرانی سفراء بھی چوہدری صاحب کے بڑے مداح تھے۔ ایک سفیر نے مجھے بتایا کہ اقوام متحدہ میں ہم چوہدری صاحب کے آنے پر اپنی گھڑیاں ٹھیک کیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ وقت کے بہت پابند تھے۔ وسطی افریقہ کے سفیر برائے پاکستان جناب مراد ایک دفعہ مصر(قاہرہ) سے کراچی میرے ساتھ جہاز میں ہم سفر ہوئے۔ انہوں نے چوہدری صاحب کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے کہا کہ مراکش کے شاہ حسن ثانی کے والد محترم شاہ حسن اول نے چوہدری صاحب کو بڑا زور لگایا کہ آپ میرے ملک کا دورہ کریں اور مجھے مہمان نوازی کا شرف بخشیں ۔ ان کے وفات کے بعد موجودہ شاہ نے بھی اصرار کیا کہ وہ ان کے ملک کا دورہ کریں۔ آخر شاہ حسن ثانی کی گزارش پر چوہدری صاحب نے مراکش کا دورہ کیا۔ جب شاہ سے ملاقات کے لئے گئے تو حسب دستور ان کے ساتھ فارن آفس کا ایک عہدیدار تھا۔ شاہ کا دستور تھا کہ جب اس سے کوئی ملاقاتی ملنے کے لئے آتا تو وہ دربار میں آ کر شاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ جب چوہدری صاحب ملنے کے لئے آئے تو دیکھا شاہ کا تخت خالی ہے۔ وہ حیران ہوئے کہ شاہ کہاں ہیں، اپنے دربار کے پیچھے واقع گولڈن روم میں جوان کا ریٹائرنگ روم تھا بیٹھے ہیں۔ چوہدری صاحب ابھی دربار کے دروازے پر ہی تھے کہ شاہ گولڈن روم سے نکل آئے اور سارا دربار پیدل طے کر کے چوہدری صاحب کے پاس پہنچے اور آپ کو اہلاً وسہلاً کہا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو شاید صرف چوہدری صاحب کو شاہ نے دیا۔ شاہ نے چوہدری صاحب کے ساتھ معانقہ کیا اور مراکش کے لئے چوہدری صاحب کی خدمات کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور۔ اکتوبر 1999ء صفحہ 17 تا 21) (بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 8 ستمبر 2000ء صفحہ 9-10)

جادو وہ جو سر چڑھ کو بولے۔ کانگریسی وکیل کو چوہدری صاحب کے دلائل کا لوہا ماننا پڑا

مکرم پروفیسر سعود احمد خان صاحب۔ ربوہ

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو قائداعظم محمد علی جناح نے بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانوں کی طرف سے پنجاب میں باؤنڈری کمیشن کے سامنے مغربی پاکستان کی مشرقی سرحد قائم کرنے کے لئے بطور وکیل مقرر کیا اور آپ نے بہت خوبی کے ساتھ اس قومی فریضہ کو سرانجام دیا۔ ایسے تمام لوگوں نے جو کسی نہ کسی کمیشن کے

ساتھ منسلک ہوئے یا پنجاب ہائی کورٹ میں جا کر ان کو بحث سننے کا موقع ملا اس حقیقت کو فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیا کہ حضرت چوہدری صاحب نے نہ صرف وکالت کا حق ادا کیا بلکہ اپنی لیاقت کا سکّہ بٹھا دیا جبکہ اس کام کے لئے آپ کو خاطر خواہ نہ وقت میسر آیا اور نہ کوئی اور سہولت مہیا تھی۔مثل مشہور ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے میں اس ضمن میں تمام دوسری تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے جن کا علم بہت سے اہل دانش اور باخبر لوگوں کو ہے مندرجہ بالا مثل کے مطابق ایک روایت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو لاہور کے مشہور ایڈوکیٹ عبدالحق صاحب نے بیان فرمائی اور جس جلسہ میں انہوں نے اس کو بیان فرمایا مَیں بھی سامعین میں موجود تھا۔واقعہ یوں ہے کہ غالباً 1960ء کی ابتداء میں یعنی جنوری،فروری میں حضرت چوہدری صاحب جلسہ سالانہ ربوہ کے بعد لاہور تشریف لائے تو Y.M.C.A یعنی ینگ کرسچن ایسوسی ایشن کی ایک ذیلی تنظیم Ysmen Club نے بطور مہمان خصوصی آپ کی ایک تقریر کا اہتمام کیا۔یہ کلب وائی ایم سی اے کے سینئر اراکین پر مشتمل تھا اور Y,S men کا نام بطور تفاؤل Wise Men کی آواز سے رکھا ہوا تھا یعنی عقلمندوں کا کلب۔ایڈوکیٹ عبدالحق صاحب اس تقریب کے صدر تھے چونکہ جلسہ کا اعلان اخبار پاکستان ٹائمز میں بھی کیا گیا تھا۔اور عوام کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اس لئے عاجز بھی وقتِ مقررہ پر پہنچ گیا۔

حضرت چوہدری صاحب نے انگریزی زبان میں نہایت فصاحت کے ساتھ ایک عالمانہ تقریر فرمائی۔سامعین سمجھتے تھے کہ چوہدری صاحب موصوف عالمی سیاست پر کچھ ارشاد فرمائیں گے لیکن چونکہ ان دنوں محترم چوہدری صاحب عالمی عدالت کے جج تھے اس لئے کسی سیاسی تقریر سے گریز کرنے میں آپ نے مصلحت سمجھی۔تقریر میں خاص نکتہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تو اس کا کیا مطلب ہے اور اس مطلب کو کیسے حاصل کیا جائے۔تقریر کے بعد صدرِ محترم نے کہا کہ چوہدری صاحب محترم بہت محتاط بزرگ ہیں اور اپنے فرائض کی ذمہ داریوں اور ان کے تقاضوں کو بھی خوب جانتے ہیں وہ اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے کہ عالمی سیاست پر گفتگو نہ فرمائیں لیکن انہوں نے اس مضمون کو جس کو ہم ان کے پیشہ کے ساتھ متعلق نہیں سمجھتے علم وعرفان کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ گویا ہم بہت بڑے دینی مفکر اور عالم کے علم سے مستفید ہو رہے تھے۔مگر میں بحیثیت صدر اپنے آپ کو مجبور نہیں پاتا کہ کسی سیاسی مسئلہ پر لب کشائی نہ کروں بلکہ میں اس سلسلہ میں ایک ایسی بات کا امین ہوں جس میں مَیں منفرد ہوں اور اس کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ قوم کو اسکی ایک امانت پہنچا کر سبکدوش ہو جاؤں۔انہوں نے کہا کہ جب محترم چوہدری صاحب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کر رہے تھے مَیں بھی لاہور میں موجود تھا اور اس کاروائی کو سننے جایا کرتا تھا۔میرا تاثر بھی وہی تھا جو سب مسلمانوں کا تھا کہ ہمارے دل محترم چوہدری صاحب کی اس خدمت پر تشکر و امتنان سے لبریز تھے۔چونکہ کانگریس کے وکیل مسٹر سیتلواد بمبئی سے تشریف لائے تھے اور میرے دوست تھے اس لئے ان سے بھی ملا کرتا تھا اور ایک دن ان سے اپنے گھر دعوت پر تشریف لانے کی درخواست کی انہوں نے بحث کے اختتام پر ایک شب میرے گھر آنا قبول کیا لیکن اس شرط پر کہ کوئی تیسرا شخص اس میں نہ ہو صرف ہم دونوں دوست مل کر کھانا کھائیں گے۔میں نے اس شرط کو قبول کر لیا۔وہ حسبِ وعدہ تشریف لائے اور کہا عبدالحق تم سمجھتے ہو گے کہ میں نے کسی تیسرے شخص کی موجودگی شاید اس لئے قبول نہ کی کہ میں بحث کر کے تھک گیا ہوں اور آرام چاہتا ہوں۔لیکن اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے جو مَیں صرف تم سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر حقائق پر فیصلہ کیا جائے تو مَیں تم کو تمہارے مسلمان ہونے کی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہوں کہ مسلم لیگ کے کیس کو ایک بہترین وکیل میسر آیا اور اس اعتبار سے ظفراللہ خان مسلم لیگ کے

کیس کواس سے کہیں زیادہ بہتر طور پر پیش کر سکے جس طرح مَیں نے کانگریس کا کیس پیش کیا۔لیکن میرا خیال یہ ہے کہ فیصلہ دلائل کی بناء پر نہیں ہوگا اور اگر ہوا تو یقیناً مسلم لیگ کا پلہّ بھاری ہوگا۔عبدالحق صاحب ایڈوکیٹ نے کہا مسٹر ستیلواد نے یہ کہہ کر اپنا بوجھ ہلکا کر لیا اور میرے پاس یہ بات بطور امانت کے ہوگئی اور آج تیرہ سال بعد میں اس بات کو پبلک میں بیان کر کے اس سے سبکدوش ہوتا ہوں۔اور میرا محترم چوہدری صاحب کو ان خدمات پر جو باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرتے ہوئے انجام دیں شکریہ کہنا صرف رسمی نہیں بلکہ ایک بصیرت پر قائم ہے۔کیونکہ ان کے دلائل کا لوہا ان کے مدّمقابل کانگریس کے ہندو وکیل نے میرے سامنے اکیلے میں تسلیم کیا تھا۔ہم مسلمانوں کا اپنے وکیل کی تعریف کرنا ایک جذباتی لگاؤ کی بات کہی جا سکتی ہے۔لیکن اس جادو کا کیسے انکار کیا جائے جو خود ہندوؤں کے وکیل کے سر چڑھ کر بولا۔ایڈوکیٹ عبدالحق صاحب کی تقریر بھی انگریزی میں ہی تھی جس کو میں نے اردو میں سپرد قِلم کرنے کی کوشش کی ہے۔

(رسالہ خالد ماہ دسمبر 1986ء و جنوری 1985ء صفحہ 110 و 111)

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ بکھری ہوئی چند یادیں

ملک منور احمد صاحب جاوید۔نائب ناظر ضیافت

کام میں تعاون۔ 1953ء میں ایک مرتبہ آپ قائم مقام وزیر اعظم کی حیثیت سے لاہور تشریف لائے۔اپنی کوٹھی 93۔خورشید عالم روڈ پر قیام تھا۔یہ خاکسار ان دنوں صدر بازار لاہور چھاؤنی میں رہائش پذیر تھا۔جمعرات کی رات صدر جماعت احمدیہ نے مجھے ہدایت دی کہ صبح خطبہ جمعہ حضرت چوہدری صاحب نے اپنی کوٹھی پر دینا ہے۔آپ کرایہ پر دریاں لیکر وہاں جائیں اور بچھوادیں۔یہ عاجز جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے قبل دوپہر اپنے سائیکل پر چند دریاں لے کر کوٹھی پہنچ گیا۔گیٹ پر پولیس کا سخت پہرہ تھا۔آنے کی وجہ بیان کی۔انچارج گارڈ نے کہا کہ چوہدری صاحب تو ڈاکٹر کی طرف گئے ہیں۔شاید دیر سے ہی آئیں۔تاہم خاکسار گیٹ پر ہی کھڑا رہا۔نصف گھنٹہ کے بعد چوہدری صاحب کار میں آئے۔ایک نظر مجھ پر ڈالی اور اندر چلے گئے۔چند منٹ بعد گیٹ پر پیدل ہی تشریف لائے۔مجھے فرمایا کہ جمعہ کے لئے دریاں لائے ہو۔عرض کیا جی ہاں۔فرمایا اندر آجاؤ۔اندر پہنچ کر ایک ہال کمرے میں لے گئے اور ہدایت فرمائی کہ یہاں دریاں بچھوادیں اور اندر چلے گئے۔خاکسار دریاں بچھانے لگا۔آپ دوبارہ کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا آئیں مَیں آپ کے ساتھ مل کر دریاں بچھوادوں۔عرض کیا کہ رہنے دیں۔میں خود ہی یہ کام کرلوں گا۔فرمایا نہیں آپ اکیلے ہیں میں آپ کے ساتھ مل کر یہ بوجھ اٹھاتا ہوں۔اور سارے کمرے میں خاکسار کے ساتھ مل کر دریاں بچھوانے میں معاونت فرمائی اور پھر اندر تشریف لے گئے۔ اتباع سنت.1960ء میں آپ چند روز کے لئے راولپنڈی تشریف لائے۔خاکسار دو ماہ کی رخصت پر ان دنوں اپنے والدین کے پاس راولپنڈی گیا ہوا تھا۔ایک دن نماز مغرب کے وقت خاکسار مکرم میاں عطاء اللہ صاحب مرحوم امیر جماعت راولپنڈی کے پاس بیٹھا تھا۔انہوں کے نے بتایا کہ آج ایک جماعتی وفد ان کی قیادت میں نماز فجر کے بعد حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔وفد کے ایک ممبر نے کہا کہ آج رات تین چار بجے بارش ہوئی تھی جس سے موسم کافی خوشگوار ہو گیا ہے۔حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ

بارش رات ٹھیک تین بجکر پینتیس منٹ پر ہوئی تھی۔ چونکہ موسم کی پہلی بارش تھی اس لئے مَیں نے باہر نکل ن کر کوشش کے ساتھ اپنی زبان پر چند قطرے لئے کیونکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی یہی سخت تھی کہ آپ پہلی بارش کے قطرے ضرور اپنی زبان پر لیا کرتے تھے۔تقویٰ کا نمونہ۔حضرت چوہدری صاحب آخر 1974ء میں لاہور تشریف لائے اور چند ماہ اپنی کوبھی پر قیام کیا۔ 1975ء میں واپس لندن تشریف لے گئے۔اس وقت خاکسار مجلس خدام الاحمدیہ ضلع وعلاقہ لاہور کا قائد تھا۔انہی ایام میں عیدی ایک بڑی سرکاری شخصیت کی طرف سے آپ کی خدمت میں عید کا کارڈ آیا۔آپ نے حسب ذیل مضمون کے خط کے ساتھ وہ عید کارڈ مع ان کا لفافہ واپس بھجوا دیا۔''اس وقت میری کوئی بھی سرکاری حیثیت نہیں آپ نے مجھے اپنے ذاتی تعلق کی بناء پر عید کارڈ بھجوایا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔مگر ذاتی حیثیت سے سرکاری ٹکٹ (Service Stamps) تو استعمال نہیں کیا جس سکتا۔کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ پرائیویٹ سٹمپس لگا کر عید کارڈ مجھے بھجواتے۔عید کارڈ واپس ارسال خدمت ہے۔نماز یاد کروائی۔ایک دن خاکسار سے فرمایا کہ آپ لاہور کے قائد ہیں۔آپ میری کوٹھی میں نماز عصر کے بعد نوجوانوں کی ایک کلاس کا انتظام کریں۔میں سادہ نماز صحیح تلفظ کے ساتھ ان کو یاد کروانا چاہتا ہوں۔ان کی اس ہدایت پر خاکسار کو کچھ حیرانی بھی ہوئی اور خیال آیا کہ کلاس لینی ہے تو حضرت چوہدری صاحب کوئی علمی بات بیان کریں۔نماز تو سب کو ہی آتی ہوگی۔تاہم چھ دن کے بعد کلاس شروع ہوئی تو پہلے دن ہی ان کے ارشاد کی اہمیت کا اندازہ ہوگیا۔آپ نے بڑی ہی محبت اور محنت کے ساتھ آنے والے نوجوانوں کو نماز سادہ یاد کروائی۔ان کی کلاس کے پہلے ہی روز مجھے ذاتی طور پر بھی احساس ہوگیا کہ ہم سب نوجوانوں کی نماز سادہ کے تلفظ میں بے شمار غلطیاں تھیں۔خود میرے اندر بھی یہ کمی تھی۔تاہم آپ کے ساتھ دہرائی ہوئی نماز آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ صحیح تلفظ کے ساتھ یاد ہے۔قیام نماز۔اپنے اسی قیام کے دوران حضرت چوہدری صاحب بڑی باقاعدگی سے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لے دارالذکر تشریف لاتے تھے۔اگر صحت کی کمزوری اجازت نہ دیتی تو محترم امیر صاحب کے ذریعہ اپنی کوٹھی پر ہی نماز جمعہ کا انتظام کروا لیتے۔تاہم کسی بھی حالت میں نماز جمعہ کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔ ذکر الٰہی میں مشغول۔ایک بات خاص طور پر خاکسار نے نوٹ کی۔آپ جب بھی دارالذکر میں تشریف لاتے تو پہلی صف میں بائیں جانب رکھی ہوئی کرسی پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھے رہتے۔کسی سے بات نہ کرتے اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے اور اسی حالت میں اور اسی حالت سے مکمل فراغت کے بعد اٹھتے اور گھر تشریف لے جاتے۔وقت کی پابندی۔حضرت چوہدری صاحب وقت کی پابندی کا بڑا گہرا احساس رکھتے تھے۔ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ خدام کے اجلاس سے خطاب فرمائیں اجلاس صبح 9 بجے شروع ہوگا۔فرمایا آپ کو پتہ ہے 9 کتنے بجے بجتے ہیں؟ عرض کیا کہ 9 تو 9 بجے ہی بجتے ہیں۔فرمایا: نہیں، 9 بجتے ہیں 8 بجکر 59 منٹ اور 60 سیکنڈ پر۔ پھر مسکرا کر تشریف لے گئے اور عین وقت پر اجلاس کے لئے تشریف لے آئے۔(روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 9رجون 2012ء)

دلوں میں گھر کرنے والی عظمت اور اس کا نقش جمیل

مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب سابق مبلغ سلسلہ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے تعلق میں جہاں تک ذاتی تاثرات کا سوال ہے۔انہیں اور ان کی

کیفیات کو بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں ۔مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اہم اور عظیم الشان واقعات سے قطع نظر آپ کی زندگی کے متفرق واقعات کو خواہ کتنے ہی اختصار کے ساتھ الگ الگ بیان کیا جائے پھر بھی وہ اپنی افادیت کے لحاظ سے یقیناً اپنے اندر بہت سے اہم پہلو لئے ہوئے ہیں۔عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کی شہرت کے پیش نظر اس کا ذکر غائبانہ سنا ہو تو اس کا طبیعت پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔مگر جب اس شخص کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملے تو اس کی عظمت کا غائبانہ احساس اکثر اس رنگ میں قائم نہیں رہتا۔مراد یہ کہ اس میں کمی آجاتی ہے لیکن حضرت چوہدری صاحب کو جس قدر بھی قریب اضافہ ہی ہوا ہے۔کیونکہ آپکا ظاہر و باطن ایک تھا آپ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ہالینڈ کے قیام کے دوران ایک لمبا عرصہ آپ کو قریب سے دیکھنے اور آپ سے فیضیاب ہونے کے مواقع اس عاجز کو میسر آئے۔اور میں اس بناء پر اعلیٰ وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کو اعلیٰ بلند پایا اوصاف سے متصف پایا آپ کی عظمت دل میں گھر کرتی چلی گئی اور احترام کا جذبہ بے پناہ مسلسل ابھرتا چلا گیا۔

بے نفسی۔ عجز و انکساری کا وصف ایک سچے احمدی کا خاصہ ہوتا ہے۔میں نے اس وصف کو نہایت عمدہ رنگ میں آپ کی ذات میں جلوہ گر پایا۔اس ضمن میں آپ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب ''تحدیث نعمت'' کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔مجھے یاد ہے اور یہ اس کتاب کے وجود میں آنے سے پہلے کی بات ہے۔کہ میں نے چند ایک دفعہ نہایت ادب سے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی زندگی اور اس میں ہونے والے واقعات کا تعلق صرف آپ کی ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق تو پوری جماعت اور قوم کے ساتھ ہے۔بہتر ہے آپ انہیں تحریر میں بھی لے آئیں تا یہ حالات قوم کی راہنمائی کا باعث ہوں۔مگر آپ ہر دفعہ یہی فرماتے رہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اس کے نتیجے میں کوئی عجب یا خود نمائی کا احساس کسی رنگ میں پیدا نہ ہو جائے مگر جب آپ کو آپ کے قریبی احباء نے قرآن کی آیہ اَمَّا بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ کی روشنی میں اس کی طرف توجہ دلائی اور اس کی تحریک کی گئی تو پھر آپ نے مجبور ہو کر یہ قدم اٹھالیا چنانچہ اسی مناسبت سے پھر آپ نے اس کا نام بھی ''تحدیث نعمت'' رکھا۔آپ کو اپنے حالات کے بیان کرنے میں لفظ 'میں' کا استعمال مرغوب نہیں تھا۔اور اس لفظ سے آپ ہمیشہ بچنا چاہتے تھے۔چنانچہ اس کے بعد آپ نے اپنے سوانح کو جب انگریزی میں ڈھالا تو وہاں لفظ آئی (I) سے بچنے کے لئے آپ نے ہی (HE) کا لفظ استعمال فرمایا۔جس سے پڑھنے والے کو کچھ الجھن سی ضرور ہوتی ہے۔مگر آپ نے (I) کی بجائے HE سے ہی کام چلانا بہتر خیال فرمایا اور پھر یہیں تک بس نہیں آپ نے انکساری کے خیال سے اس انگریزی سوانح کا نام بھی Servent Of God رکھا تا HE کے پیچھے بھی جو جذبات کار فرما ہو سکتے ہیں انکا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے۔

ہالینڈ کی جماعت سے تعلق۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت چوہدری صاحب کا اپنی زندگی میں جہاں بھی قیام رہا۔ان کا وجود ہر جگہ ہی دینی خدمات کے ضمن میں وہاں چنانچہ اس لحاظ سے ہمارا ہالینڈ کا مشن اور وہاں کی جماعت بڑی خوش قسمت ہے۔کہ انہیں سالہا سال حضرت چوہدری صاحب کے وجود کی برکات سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا۔بلکہ کچھ اتفاق ایسا ہے کہ جب سے ہالینڈ میں اللہ کے گھر کی تعمیر کا پروگرام شروع ہوا حضرت چوہدری صاحب کا خاص تعلق اس بیت الذکر سے رہا۔چنانچہ مجھے یاد ہے۔1950ء میں حضرت مصلح موعود کی طرف سے جب ارشاد موصول ہوا کہ ہالینڈ میں مسجد کی تعمیر کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کی جائے تو ان ایام میں بھی حضرت چوہدری صاحب کا گزر ہالینڈ سے

ہوااس وقت مسجد کے لئے زمین کی خرید کا معاملہ ابھی ابتدائی اور بنیادی مراحل میں تھا۔اس وقت حضرت چوہدری صاحب کی راہنمائی اور آپ کا مشورہ ہمارے لئے بہت ہی برکت کا موجب ہوا۔اور ہم نے وہ زمین خرید لی۔اس کے بعد مسجد کی تعمیر کے ضمن میں نقشے وغیرہ کے مراحل تھے۔ان امور میں بھی حضرت چوہدری صاحب کا صلاح مشورہ ہمارے بہت کام آتا رہا۔آخر تعمیر کی ابتداء ہوئی اور تکمیل پر افتتاح عمل میں آیا۔ان دونوں اہم مواقع یعنی تعمیر کی ابتداء اور افتتاح کا اعزاز حضور کے ارشاد پر حضرت چوہدری صاحب کے حصّہ میں آیا۔ بلکہ اس کے بعد حضور ہی کے ایماء سے حضرت چوہدری صاحب نے کچھ عرصہ اپنی رہائش بھی اسی مسجد جو مسجد المبارک کے نام سے موسوم ہے، کے ایک کمرے میں اختیار فرمائی۔حضرت چوہدری صاحب اپنے ہالینڈ کے عرصہ قیام کے دوران اکثر اہم جماعتی تقریبات میں بھی اپنی بابرکت حاضری سے جماعت کو مستفید فرماتے۔چنانچہ ایک دفعہ جب عرب کے پرنس فیصل جو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے لارڈ میئر تھے جماعت کی دعوت پر احمدیہ مشن میں تشریف لائے تو اس موقعہ پر حضرت چوہدری صاحب بھی موجود تھے۔ بلکہ حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی اور آپ کی ملاقات سے لارڈ میئر بہت ہی خوش تھے۔خاکسار نے عربی زبان میں انکی خدمت میں ایڈریس پیش کیا اور تحفتاً کچھ کتب بھی پیش کیں۔اسی طرح ایک موقعہ پر ملائیشیاء کے وزیراعظم تنکو عبدالرحمٰن جب تشریف لائے اور پھر ایک اور موقعہ پر جب نائیجیریا کے وزیراعظم ڈاکٹر سر ابوبکر تفا وابلیو تشریف لائے تو ان مواقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی ہمارے لئے اور معزز مہمانوں کے لئے بڑی مسرت اور شادمانی کا باعث تھی۔ہالینڈ کے وزیر خارجہ ڈاکٹر جوزف لُنز جو بعد میں ایک لمبا عرصہ NATO کے جنرل سیکرٹری بھی رہے وہ تو حضرت چوہدری صاحب کے بہت مداح تھے ایک دفعہ جب ہم نے حضرت چوہدری صاحب کو ایک موقعہ پر پارٹی دی تو ڈاکٹر لُنز بڑے شوق سے تشریف لائے اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب حضرت چوہدری صاحب سے محوِ گفتگو رہے۔یہی کیفیت ڈاکٹر سر ابوبکر تفا وابلیوا صاحب کی تھی۔وہ بھی جب آئے تو دیر تک حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ بے تکلفانہ باتیں کرنے میں مشغول رہے۔اسی طرح ایک اور موقعہ پر بھی جو ہم سب کے لئے لطف کا باعث تھا۔یعنی 1960ء میں پاکستان کی عالمی چیمپئن ہاکی ٹیم اولمپک گولڈ میڈل جیتنے کے بعد ہالینڈ سے گزری تو جماعت نے اس کے اعزاز میں پارٹی دی اور ایڈریس پیش کیا اس موقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کی موجودگی ہم سب کے لئے ایک لطف کا موجب تھی۔ **یہ آپ نے کیا تکلّف کر دیا۔** آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ یہ تھا کہ آپ فضول خرچی سے اور ظاہری تکلفات سے احتراز کرتے تھے۔اس تعلق میں آپ کی شادی کے ایام کا ایک واقعہ ذہن میں آ رہا ہے۔جو گو بظاہر ایک معمولی سی بات ہے مگر اپنی نوعیت کے لحاظ سے کچھ منفرد ہے۔ہالینڈ ہی کا واقعہ ہے جبکہ کچھ عرصہ کے لئے آپ کی رہائش مشن ہاؤس کے ایک کمرہ میں تھی آپ کی شادی کی تقریب تھی۔میں نے اپنے رفیق مولانا ابوبکر صاحب سے کہا کہ اگرچہ حضرت چوہدری صاحب کو ظاہری قسم کے تکلفات سے کوئی لگاؤ نہیں اور آپ انہیں پسند نہیں فرماتے مگر آج چونکہ شادی کی تقریب ہے۔اگر حضرت چوہدری صاحب کے کمرے میں تھوڑے سے پھول گلدان میں لگا کر رکھ دیئے جائیں تو کیا حرج ہے چنانچہ میں نے پھول گملے میں لگا کر آپ کے کمرے میں رکھ دیئے۔لیکن اس کے بعد جب چوہدری صاحب باہر سے تشریف لائے اور کمرے میں داخل ہوئے تو باہر آ کر فرمانے لگے۔''یہ پھولوں کا آپ نے کیا تکلف کر دیا۔''

وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی۔ ایک دفعہ میرا بیٹا عزیزم عزیز اللہ جب ہالینڈ آیا تو حضرت چوہدری صاحب اُسے مشن ہاؤس میں اپنا کمرہ

دکھانے لگے کہ وہ اس کمرے میں رہا کرتے تھے۔ میرے لئے یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ حضرت چوہدری صاحب کا سلوک میرے لڑکے عزیزم عزیز اللہ کے ساتھ بھی بڑا مشفقانہ تھا۔ آپ بعض دفعہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ گفتگو فرماتے اور اسے نصائح کیا کرتے حضرت چوہدری صاحب نے اسے اپنا کمرہ دکھایا تو وہ کمرہ چونکہ چھوٹا سا تھا اس لئے عزیز اللہ نے بے ساختگی سے کہا کہ آپ اس کمرے میں رہا کرتے تھے؟ تو اس پر حضرت چوہدری صاحب نے بھی بے تکلفانہ اور بلا توقف یہ اظہار فرمایا کہ ''عزیز اس جسم نے آگے جس جگہ رکھا جانا ہے وہ جگہ اس سے بھی تنگ ہوگی'' یہ گفتگو بظاہر بہت سادگی کی حامل تھی۔ مگر یہ سادہ سی گفتگو آپ کے پاک خیالات کی ترجمان ضرور ہے اور آپ کے اخلاق کی عمدگی کے ساتھ عکاسی کر رہی ہے کہ اس دنیا میں خواہ کیسے بھی رہ رہے ہوں آپ نے اپنے انجام کو دل سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا۔ **جواں عزم**۔ حضرت چوہدری صاحب اکثر مجھ سے میرے بیٹے عزیز اللہ کی صحت کے بارے میں دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ اس کی صحت کچھ عرصہ سے خراب کیوں جا رہی ہے تو میرے پوچھنے پر عزیز نے جواباً لکھا کہ اسکی وجہ کیا بتاؤں کہ بس اب تو بڑھاپا ہی ہے (غالباً وہ ان ایاّم میں انصار اللہ میں داخل ہو رہا تھا۔) چنانچہ اس کا یہی جواب میں نے بے تکلفی سے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض کر دیا۔ میرا جواب سنتے ہی حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میری طرف سے اسے لکھ دینا کہ تم خواہ مخواہ بوڑھے بن رہے ہو میں جو تمہارے باپ سے بھی 25 سال بڑا ہوں اب بھی اگر کوئی مجھے بوڑھا کہتا ہے تو طبیعت اسے آسانی سے قبول نہیں کرتی۔ تم نے ابھی سے اپنے آپ کو بوڑھا کہنا شروع کر دیا۔ **ایک گلڈر**۔ ایک چھوٹا سا واقعہ ہالینڈ ہی کا ہے ایک دفعہ آپ کو اپنی گھریلو ضرورت کے لئے کچھ مکھن کی ضرورت تھی۔ اتوار کا دن تھا دکانیں بند تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے پاس مکھن کا کوئی زائد پیکٹ ہوگا۔ مگر ساتھ ہی فرمایا کہ میری جیب میں اس وقت صرف ایک گلڈ رہی ہے۔ ان دنوں مکھن کے پیکٹ کی قیمت ایک گلڈر سے کسی قدر زائد ہی ہوا کرتی تھی۔ فرمایا بس مجھے ایک گلڈر کی قدر کا اس پیکٹ میں سے کاٹ دیجیئے۔ زیادہ نہیں اور پھر باوجود اصرار کے انہوں نے اسی قدر ہی اس میں سے لیا۔

گھڑی دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک اور صفت جو آپ کی زندگی میں ہمیشہ ایک نمایاں کردار ادا کرتی رہی وہ وقت کی پابندی تھی جس کا آپ ہمیشہ خیال کیا کرتے تھے۔ آپ جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے تو اس وقت آپ کی یہ صفت خاص طور پر اجاگر ہو کر دنیا کے سامنے آ گئی۔ عام طور پر اسمبلی کے ممبران کا یہ طریق تھا کہ تھوڑی بہت تاخیر سے آتے تو اسے محسوس نہ کیا جاتا تھا۔ مگر جب تک یہ نظام آپ کے سپرد رہا سب کو وقت کی پابندی کا احساس ہو گیا۔ اور اجلاس کی تمام کاروائی اپنے وقت پر ہونے لگی۔ ایک دفعہ وقت کی پابندی کے ضمن میں فرمایا کہ زندگی میں میرا سیر کا وقت بھی بالکل معین ہوا کرتا تھا۔ اس حد تک کہ لوگ مجھے دیکھ کر بعض دفعہ اپنی گھڑیاں درست کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خود میرے ساتھ ہی ایک واقعہ گزرا کہ حضرت چوہدری صاحب کے کسی عزیز کی شادی تھی جس کے لئے دو بجے کا وقت دیا ہوا تھا۔ اس تقریب کا انتظام یا اس کی نگرانی حضرت چوہدری صاحب ہی فرما رہے تھے اتفاق سے جب میں لندن مشن کے ''محمود ہال'' میں پہنچا تو حضرت چوہدری صاحب ابھی وہاں موجود نہ تھے ادھر دو بج رہے تھے صرف ایک آدھ منٹ کی کمی ہوگی میرے دل میں خیال گزرا کہ حضرت چوہدری صاحب تو وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں خدا جانے ابھی آپ کیوں تشریف نہیں لائے۔ میں دروازہ میں کھڑا یہ خیال ابھی کر ہی رہا تھا اور اپنی گھڑی سے وقت دیکھ رہا تھا کہ حضرت چوہدری صاحب ادھر سے نمودار ہوئے اور مسکراتے ہوئے مجھے فرمایا'' گھڑی دیکھنے کی کیا ضرورت

ہے میں جو آ گیا تھا‘‘۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی نامور ہستیاں جن کو ایک طرف روحانی برکات اور دینی خدمات سے وافر حصّہ ملا ہو اور دوسری طرف انہیں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور بے پناہ قابلیتوں کے باعث بین الاقوامی شہرت سے بھی نمایاں حصّہ ملا ہو۔ بہت کم وجود میں آتی ہیں۔

دُعا۔اللہ تعالیٰ ہماری جماعت میں ایسے ہزاروں لاکھوں ظفر اللہ خان پیدا کرے جو اپنے اعلیٰ کردار سے جماعت کے نام کو بلند کرنے والے اور اس کی محبت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے والے اور احمدیت کی نیک شہرت کو چار چاند لگانے والے ہوں۔آمین

(رسالہ خالد ماہ دسمبر 1986ء وجنوری 1985ء صفحہ 118و121)

دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی قابل تقلید مثالیں

محترم انیس الرحمٰن صاحب بنگالی مربی سلسلہ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب مرحوم سے میرا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب آپ جامعہ احمدیہ ربوہ کی ایک تقریب سے خطاب کرنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے آپ نے اس خطاب میں فرمایا کہ جامعہ احمدیہ کی بنیاد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی اور اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہاں سے جیّد علماء پیدا ہوں اس لئے اس ادارے میں ذہین ہونہار اور لائق طلبہ کو آنا چاہئے۔ایک عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے بطور مربی انگلستان میں خدمات بجا لانے کی توفیق عطا فرمائی ۔1977ء تا 1982ء خاکسار لندن میں مقیم رہا۔اس دوران حضرت چوہدری صاحب کو بارہا قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔آپ کی ذات تصنع اور بناوٹ سے بالکل پاک تھی اور آپ سلسلہ کی خاطر قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے چند ایک واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔آپ باقاعدہ واقف زندگی تو نہ تھے مگر واقفین زندگی سے بڑھ کر سلسلہ کی خدمات بجا لاتے۔ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ حضرت چوہدری صاحب آپ سلسلہ اور دین کا اتنا کام کرتے ہیں۔آپ نے زندگی باقاعدہ وقف کیوں نہیں کی ؟اس پر آپ نے فرمایا کہ وقف بہت مشکل ہوتا ہے۔میں آزادانہ جو کام کر سکتا ہوں وہ کسی کے تحت ہو کر وقف کے رنگ میں نہیں کر سکوں گا۔میرے نزدیک وقف کے لئے ابراہیمی اور اسمٰعیلی قربانی کی ضرورت ہے۔میں اس امر میں کمزور ہوں۔

دین کی خاطر حضرت چوہدری صاحب ملکہ انگلستان کی دعوت چھوڑ کر جماعتی پروگرام میں تشریف لے گئے۔

ہم نے اپریل 1979ء میں پورے انگلستان کا اجتماع بریڈ فورڈ میں منعقد کروایا جس میں شرکت کے لئے خاکسار نے حضرت چوہدری صاحب کو دعوت دی۔ ماہ اپریل میں ایسٹر کی تقریب کی مناسبت سے انگلستان کی ملکہ سارے ارکان پارلیمنٹ اور دیگر معززین کو ایک خاص کھانے پر سالانہ ڈنر میں بلاتی ہیں مکرم چوہدری صاحب بھی اس دعوت کے مدعوین میں سے تھے۔جب میں نے اجتماع میں شرکت کے لئے دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ اگلے روز فون کے ذریعے تمہیں اطلاع دوں گا۔چنانچہ حسبِ وعدہ اگلے روز 12 اپریل کو فون پر از خود اطلاع دی کہ چونکہ تمہارا ایک دینی پروگرام ہے اس لئے ملکہ کی دعوت کو چھوڑتا ہوں اور دین کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوئے تمہارے اجتماع میں شریک ہوں گا۔چنانچہ اگلے روز مکرم انور احمد کاہلوں صاحب،مکرم چوہدری صاحب کو ہمراہ لیکر لندن سے قریباً تین صد میل سفر کر کے شمال میں واقع بریڈ فورڈ

اجتماع میں شرکت کے لئے پہنچ گئے۔اجتماع کے دوران آپ نے نماز جمعہ ھڈرزفیلڈ مشن ہاؤس میں ادا کی۔نماز سے فارغ ہوکر آپ مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب صدر جماعت احمدیہ ھڈرزفیلڈ کے مکان بیت الفضل میں تشریف لے گئے اور تین روز وہاں قیام فرمایا۔اس دوران خاکسار اور دیگر احباب جماعت وقتاً فوقتاً آپ سے ملنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔اس عرصہ قیام میں آپ متعدد ایمان افروز واقعات بیان فرماتے رہے۔**اسراف اجتناب**۔ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میرے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ شخص کنجوس ہے بات اتنی ہے کہ میں اسراف سے بچتا ہوں اس موقعہ پر ایک واقعہ بھی بیان فرمایا جسے میں اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔پاکستان کے وزیر خارجہ ہونے کے دوران بعض احباب آپ کے دفتر میں تشریف لائے۔ایک دوست باتھ روم میں گئے اور دیکھا کہ ایک پرانے صابن کے ٹکڑے کے ساتھ نیا صابن جڑا ہوا ہے۔یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے اور اس کا ذکر مکرم چوہدری صاحب سے کیا آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔میں پرانا بچا ہوا صابن بھی ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے نئے صابن سے جوڑ کر استعمال کرتا ہوں تاکہ کوئی چیز ضائع نہ ہو۔آپ کی سادگی کا یہ حال تھا کہ اکثر و بیشتر ایک ہی سوٹ اور ٹائی استعمال کرتے اور رومی ٹوپی پہنتے تھے ایک مرتبہ ایک دوست نے نیا جوڑا سلوا کر آپ کی خدمت میں بھجوایا آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ جزاکم اللہ ایک ہی سوٹ کافی ہے ایک پر قناعت کرنی چاہیئے۔آپ کسی مستحق کو دے دیں۔اجتماع میں قیام کے دوران ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔آپ نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے لوگوں کے مسائل سنتے اور ان کے مسائل حل کرتے اور سوالات کے جوابات دیتے۔**دوسو سال عمر**۔1978ء کے اجتماع کے موقع پر جس میں بریڈفورڈ کے ڈپٹی میئر اور ان کے علاوہ دو درجن کے قریب انگریز اور بعض ممبران پارلیمینٹ شامل ہوئے۔میں نے ابتداء میں استقبالیہ تقریر میں مکرم چوہدری صاحب کا نوجوانوں سے تعارف کروایا اور آپ کی خدمات کو سراہا۔میرے استقبالیہ کے بعد ڈپٹی میئر نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور دورانِ خطاب کہا کہ مکرم چوہدری صاحب کی خدمات بنی نوع انسان کے لئے بہت وسیع ہیں۔اگر کوئی کہے کہ مکرم چوہدری صاحب کی عمر دوسو سال ہے تب بھی میں اسے ضرور تسلیم کرونگا کیونکہ آپ کی خدمت کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ دوسروں کے لئے کئی صدیوں میں بھی اتنی خدمات انجام دینا ممکن نہ ہوتا۔پھر آپ نے تو پوری انسانیت کی بہت خدمت کی۔**سچائی سے پیار**۔1979ء میں بریڈفورڈ میں واقعہ وائی۔ایم۔سی۔اے ہال میں جلسہ سیرۃ النبی ﷺ کا اہتمام کیا گیا۔اس موقع پر بھی حضرت چوہدری صاحب کو شرکت کے لئے دعوت دی گئی۔چنانچہ آپ تشریف لائے۔تلاوت اور نظم کے بعد میں نے مکرم چوہدری صاحب کا تعارف ایک رسالہ Guide Line (جو کہ افریقہ سے چھپ کر آیا تھا) پڑھ کر سنایا جس میں مکرم چوہدری صاحب کے کارہائے نمایاں کا ذکر اور تعارف تھا۔اس رسالہ میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ مکرم چوہدری صاحب پہلے۔۔۔ہیں جو اقوام متحدہ کے صدر رہوئے اس تعارف کے فوراً بعد مکرم چوہدری صاحب نے کھڑے ہوکر اعلان فرمایا کہ ’’میں اقوام متحدہ کا پہلا۔۔۔صدر نہیں تھا بلکہ ایران کے ایک نمائندے پہلے مسلمان صدر تھے۔یہ اخبار کے رپورٹر کی غلطی ہے۔میرے بھائی محمد انیس الرحمٰن صاحب کی غلطی نہیں ہے۔‘‘

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ کو سچ سے کتنا پیار تھا۔1980ء کو چودھویں صدی کے اختتام اور پندرھویں صدی کے آغاز کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ عام کا اہتمام بریڈفورڈ میں واقع مشن ہاؤس میں کیا گیا۔اس موقع پر مکرم چوہدری صاحب کو مدعو کیا گیا جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔چنانچہ آپ جب جلسہ میں تشریف لائے تو آپ سے میں نے درخواست کی کہ چونکہ یہ ایک خاص اور اہم جلسہ ہے اس کی

صدارت آپ فرمائیں۔فرمانے لگے کہ تم اس علاقہ کے امیر اور مربی ہو تم ہی اس کی کاروائی شروع کراؤ۔ چنانچہ جلسہ کی کاروائی شروع کی گئی مگر مجھے پھر بھی تردّد ہوا کہ مکرم چوہدری صاحب کی موجودگی میں مَیں کس طرح صدارت کروں۔ میں نے پھر درخواست کی کہ آپ بزرگ ہیں اور بڑے بڑے جلسوں کی صدارت کر چکے ہیں حتّٰی کہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی صدارت بھی آپ نے کی۔آپ کی موجودگی میں مجھے جرأت نہیں ہورہی۔فرمانے لگے کہ پہلے بھی میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم نے صدارت کرنی ہے اب کھڑے ہوکر یہ اعلان کرو کہ ظفر اللہ تقریر کرے گا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اس موقع پر آپ نے ایک نہایت ہی مدلّل اور پُرشوکت تقریر ''ظہور امام مہدی اور ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر کی۔آپ کی تقریر کے بعد کسی اور نے تقریر کرنی تھی۔آپ نے فرمایا کہ چونکہ مجھے آج شام ابھی ابھی لندن واپس جانا ہے اس لئے اب احباب مجھے اجازت دیں اور بقیہ پروگرام بھی دلجمعی اور دلچسپی کے ساتھ سماعت فرماویں۔ چنانچہ آپ اجازت لے کر لندن تشریف لے گئے۔ایک مرتبہ انگلستان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جرمنی کے ایک دوست بشیر احمد صاحب امینی نے مکرم چوہدری صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کتنی لینگویجز جانتے ہیں؟ فرمانے لگے میں وہی زبان جانتا جو آپ بول رہے ہیں۔ چوہدری صاحب نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ امینی صاحب اردو اور انگریزی زبان کے الفاظ ملا کر ایک ساتھ بول رہے تھے آپ سخت ناپسند فرماتے تھے کہ اردو بولنے کے دوران اس میں خواہ مخواہ انگریزی الفاظ استعمال کئے جائیں۔ایک دفعہ مانچسٹر کے صدر جماعت مکرم عبد الرشید صاحب بٹ نے ملاقات کے وقت دعا کی درخواست کی اور بڑے اصرار سے دعا کے لئے عرض کیا فرمانے لگے کہ تم بھی تو دعا کیا کرو ہم تو دعا کریں گے ہی تم خود بھی تو دعاؤں میں شغف پیدا کرو۔مکرم چوہدری صاحب کو جماعت کے باہمی تنازعات اور ان کے مسائل حل کرنے کے لئے بھی وقتاً فوقتاً درخواست کی جاتی تھی۔آپ نہایت جانفشانی محبت اور محنت سے فریقین میں مصالحت کرواتے اور مسائل کا حل تجویز فرماتے تھے۔مکرم چوہدری صاحب حق وصداقت کی بات کو مقدمہ میں فوراً پہچان جاتے اور عدل وانصاف سے فیصلہ فرماتے۔ساتھ ہی دعا اور استغفار سے کام لیتے۔لین دین کے معاملات میں آپ بہت سخت گیر تھے۔معاملات میں قرآنی حکم کے تحت ہر معاملہ کو ضبط تحریر میں لاتے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

صرف ظفر لکھا کرو۔ایک انگریز احمدی ہوئے تو میں نے انہیں چوہدری صاحب کی کئی کتب پڑھائیں۔اور ایک دفعہ کہا کہ آپ بھی مکرم چوہدری صاحب کو دعا کے لئے خط لکھیں۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کس طرح مخاطب ہوں میں نے سمجھایا کہ جو ادب کا طریق ہے اسی کے مطابق مخاطب کریں۔ چنانچہ انہوں نے بعض القاب سے مخاطب کر کے خط لندن کے پتہ پر بھجوایا۔اس خط کا جواب اس انگریز احمدی نے مجھے بھی دکھایا کہ میں نے دعا کی اللہ تعالیٰ کامیابی عطا کرے نیز لکھا کہ مجھے زیادہ القاب سے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں صرف My Dear Zafar ہی لکھا کرو۔ایک دفعہ روزنامہ جنگ لندن میں حضرت چوہدری صاحب کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا۔اور تاریخی حقائق کو مسخ کر کے بعض باتیں بیان کیں گئیں۔آپ نے اخبار سے غیر ذمہ دارانہ رویّہ کی جواب طلبی فرمائی اور فرمایا میں انگلستان میں مقیم ہوں فون میسر ہے مجھ سے حقیقت دریافت کرتے۔اس پر اخبار کے متعلقہ ایڈیٹر نے کہا کہ رپورٹ اور مضمون لکھنے والا ایک متعصب شخص ہے اور جماعت احمدیہ کے خلاف بغض وکینہ رکھتا ہے اور گالی گلوچ کرتا ہے۔اس لئے اس نے آپ سے رابطہ کرنے سے اجتناب کیا ہے۔فرمانے لگے کہ مجھے اس کا پتہ

اورفون نمبر دو میں اسے فون کروں گا کہ جتنی گالیاں دینا چاہو مجھے دو۔ میں اشتعال میں نہیں آؤں گا بلکہ صبر کروں گا۔اور اسکے حق میں دعا کروں گا۔میں اسے یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ وہ تاریخی حقائق کو مسخ نہ کرے۔حضرت چوہدری صاحب کو جماعت کی تعلیم وتربیت کا بہت خیال رہتا ایک مرتبہ ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر جبکہ مکرم چوہدری صاحب شمالی انگلستان کے ایک اجتماع پر تشریف لائے اور جماعت کے عمومی اخلاقی تربیتی امور کے متعلق دریافت فرمایا۔اس دوران مَیں نے آپ سے کہا کہ فلاں جماعت کے افراد چندوں میں بہت کمزور ہیں اور سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں۔فرمانے لگے تم قرآن شریف کی یہ تعلیم انہیں بتایا کرو جس میں انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم اور ہدایت کی گئی ہے۔پھر خود ہی یہ آیت تلاوت فرمائی هَاأَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ

چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے خطبات اور تربیتی کلاس میں اس بات کا تذکرہ کیا۔اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی ترقی ہوئی۔**ادب کا طریق**۔ایک مرتبہ ایک اجتماع کے موقعہ پر بہت سے احباب تشریف لائے ہوئے تھے۔نماز عصر کا وقت تھا بعض لوگ رومال سر پر باندھ کر نماز پڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔اسی اثناء میں آپ ایک دوست کے پاس گئے اور کہا کہ اسلام صفائی کی طرف بہت توجہ دیتا ہے تم خدا کے حضور پیش ہونے والے ہو اور اس قسم کے گندے رومال کو بطور ٹوپی کے استعمال کرتے ہو۔یہ مناسب نہیں۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک یہودی بھی جب عبادت گاہ میں جاتا ہے تو خاص طور پر سر پر ٹوپی استعمال کرتا ہے۔آپ نے بات بھی نہایت عمدہ طور پر دلنشین انداز میں سمجھائی کہ وہ دوست ٹوپی استعمال کرنے لگے۔**حضور کی تقریر**۔مرکز سلسلہ ربوہ میں ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ ہمہ تن گوش ہو کر پنڈال کے قریب اپنی کار میں بیٹھے تقریر سُن رہے تھے۔اس دوران میرا گزر آپ کے قریب سے ہوا دل میں خیال ہوا کہ آپ کو سلام کروں اور مصافحہ کا شرف حاصل کروں آپ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وقت ملاقات کا مناسب نہیں ہے حضرت صاحب تقریر فرما رہے ہیں تم لوگ حضور کی تقریر غور سے سنو۔یہ وجود بہت بابرکت ہیں غالباً 1976ء کی بات ہے کہ ہمارے موجودہ امام ''احمدیت نے دنیا کو کیا دیا'' کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے تقریر کے بعد آپ سٹیج سے اتر کر نیچے اپنی جوتی کی طرف جارہے تھے کہ یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت چوہدری صاحب حضور کی جوتی اپنے ہاتھ سے اٹھا کر نیچے جارہے ہیں مَیں قریب ہی نیچے ہی کھڑا تھا مَیں نے کہا ہم آپ کے خادم ہیں آپ تکلیف کیوں فرمارہے ہیں۔فرمانے لگے۔''میاں حضرت بانئ سلسلہ کی اولاد کی قدر کیا کرو۔یہ وجود بہت ہی مقدس اور بابرکت ہیں۔''

(رسالہ خالد ماہ دسمبر 1986ء وجنوری 1985ء صفحہ 122 تا 126)

بابا جی محترم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب۔امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع لاہور

میرے نہایت پیارے اور محترم بابا جی کو اللہ تعالیٰ نے پیدائش سے ہی اپنے خاص فضلوں اور برکتوں سے نوازا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ایسے ماں باپ سے نوازا جو بہت نیکوکار اور دیندار تھے۔والد تو اپنے زمانہ کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے لیکن والدہ جوان پڑھ تھیں ان کے خدا تعالیٰ پر ایمان کا یہ عالم تھا کہ یکے بعد دیگرے بیٹے فوت ہورہے تھے لیکن ان کے اللہ تعالیٰ پر ایمان کی مضبوطی میں کوئی فرق نہ آیا یہاں تک کہ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بڑے بھائی رفیق کے لئے جب اس نے وقت دعا کی جبکہ خیال تھا کہ شاید فوت ہو چکا ہے تو اپنے اللہ کے حضور صرف ایک ہفتہ کی مہلت

طلب کی اور اس کے بعد اس ہفتہ کے دوران اس ہنستے کھیلتے رفیق کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد ہی زبان پر جاری رہی کیونکہ وہ ایمان رکھتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جو وعدہ کیا ہے اس کو ایفا کرنا ہے۔ دوسرا کوئی خیال دل سے نہ گزرا۔ اللہ تعالیٰ پر ایسا پختہ ایمان رکھنے والی اور اس کی راہ میں ہر شے قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہنے والی ماں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحم سے ظفر اللہ خاں جیسی نعمت سے نوازا۔ وہ ظفر اللہ خان جس کی آنکھ نے جب ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں حضرت بانی سلسلہ کو دیکھا تو اس کی بصیرت نے دل وجان سے اس کو قبول کیا۔ جس دم اس کی نظر حضور پر پڑی اسی دم حضور پر عاشق ہو گیا اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جو تاثرات آپ کے چہرہ پر ہوتے تھے ان کو دیکھنے والا دیکھ سکتا تھا لیکن بیان نہیں کر سکتا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ مجھے ابھی تک وہ نظارہ یاد ہے اور اسی طرح وہ چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اپنی والدہ کی بیعت کے وقت ساتھ موجود تھے۔ والد نے چندروز بعد بیعت کی۔ جس دن والد صاحب نے بیعت کی اس دن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ”صبح فجر کے وقت میں والد صاحب کے ہمراہ روانہ ہوا راستہ میں چوہدری محمد امین صاحب کا مکان تھا اور والد صاحب ان کو احمدیت کے متعلق سمجھایا کرتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ وہ سمجھ جائیں تو ساتھ ہی بیعت کرلیں۔ جب ہم چوہدری صاحب کے مکان پر پہنچے تو والد صاحب نے کہا تم بلاؤ۔ خاکسار نے پکارا تو چوہدری محمد امین صاحب نے جواب دیا آپ جائیں میں ابھی اور غور کرلوں اور والد صاحب حضرت بانی سلسلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کرلی۔ اور کس قدر اطمینان اور خوشی اور راحت انہیں اس دن ہوئی ہوگی جب یہ دیکھا کہ میرے باپ نے بھی میرے محبوب کی بیعت کرلی ہے جو عشق کی شمع ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں جلائی تھی وہ ساڑھے بانوے سال کی عمر تک روشن رہی بلکہ ایسے بھڑکی کہ کسی طوفان کا کوئی جھونکا اس کی بڑھتی ہوئی آب وتاب میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ اپنی تمام زندگی مکمل تابعداری اور اطاعت میں گزاری اپنے معشوق کے ہر محبوب کو معشوق بنالیا۔ اول قدرت ثانیہ کے مظہر اول حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب جن کے سامنے اس طرح پیش ہوتے کہ اتنی بزرگ اور عمر میں اس قدر بڑی ہستی نے بھی اس کم سن کے عشق کی داد دی اور اس کی پوری پوری راہنمائی فرمائی۔ اس کے بعد حضرت فضل عمر کہ جنہوں نے ایسی شفقت اور محبت اور اعتماد سے نوازا کہ ان کی غلامی کے سوا دل میں کوئی دوسرا خیال بھی نہ گزرتا تھا۔ ایسی اطاعت کی کہ جو مثال بن گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث کے ساتھ خدمت کا وقت عنایت فرمایا۔ ایک عجیب ساتھ تھا کہ ایک زمانہ تھا کہ چوہدری صاحب ایک گارڈین کی حیثیت رکھتے تھے اور پھر ایک وہ وقت آیا کہ خدام میں داخل ہوئے۔ ایک نازک رشتہ تھا جس کا اس قدر احساس تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت فضلِ عمر کی جناب میں تو کبھی بے تکلفی سے بات کرلیتا تھا لیکن قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث کے سامنے عرض کرتے ہوئے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قدرت ثانیہ کے مظہر رابع کا کچھ زمانہ بھی عطا فرمایا جس میں ہم نے آپ کی حالات میں محبت کا وہ رنگ دیکھا کہ مثال ملنا مشکل ہے۔ اس کے متعلق تفاصیل میں پھر کبھی عرض کروں گا۔

ایک خواب۔ محترم باباجی کی زندگی کے حالات مختلف انداز اور مختلف پیرایہ میں ہر شخص بیان کرتا ہے اور کرے گا اس لئے خاکسار چندان امور اور واقعات کا ذکر کر دیتا ہے جو عام طور پر شاید احباب کے علم میں نہ ہوں گے۔ اس سے قبل خاکسار ایک خواب کا ذکر کردے جو مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ (باباجی کے ماموں زاد بھائی) نے خاکسار کو ان دنوں سنائی جبکہ وہ محترم باباجی کی آخری علالت میں عیادت کے لئے تشریف لائے تھے۔ خاکسار کے کسی بات کے ذکر کرنے پر مکرم باجوہ صاحب یکدم چونک پڑے اور کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

ماتھے پر ہاتھ رکھا اور مجھ سے کہا لوتم سے بات کرنے پر ایک چالیس سال پرانا خواب یاد آ گیا ہے اور عجب اتفاق ہے کہ گذشتہ چالیس سال یہ خواب کبھی بھی یاد نہیں آیا۔ انہوں نے یہ خواب قادیان میں دیکھا تھا۔ مکرم باجوہ صاحب نے دیکھا کہ کسی کی سواری آ رہی ہے۔ سامنے ایک فوجی جیپ ہے اس کے پیچھے والی کار میں سامنے کی سیٹ پر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بیٹھے ہیں اور پیچھے والی سیٹ میں درمیان میں حضرت فضل عمر تشریف فرما ہیں۔ دائیں جانب صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ہیں اور بائیں طرف صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ہیں اور تینوں نے پگڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔ اس کے پیچھے ایک کار ہے جس میں سامنے کی سیٹ پر مکرم چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیٹھے ہیں۔ کار کا پچھلا حصہ نہیں دیکھا۔ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوتا ہوں کہ حضرت فضل عمر تو پگڑی پہنتے ہیں یہ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے بھی پگڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔ بڑا واضح خواب ہے۔ خلفاء کے متعلق اطلاع تھی اور ساتھ یہ خبر بھی تھی کہ خلافت رابعہ تک اللہ تعالیٰ حضرت باباجی اور محترم چچا جان محترم چوہدری اسد اللہ خان صاحب کو زندگی عطا فرمائے گا۔

وہ واقعہ جو کتنے عہدوں کی حیثیت بتلا گیا۔ حضرت باباجی کا دستور تھا کہ بین الاقوامی عدالت سے فراغت کے بعد گرمیوں میں انگلستان میں اور سردیوں میں پاکستان میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ عموماً انگلستان سے اپنے پروگرام کی اطلاع بھجوادیا کرتے تھے اور ہدایت ہوتی تھی کہ حضور کی خدمت میں حاضری کے لئے وقت اور تاریخ کا تعین کر لینا۔ ایک مرتبہ کسی ایسے ہی موقع پر ہم حضرت باباجی کے ساتھ لاہور سے ربوہ روانہ ہوئے۔ مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں خانقاہ ڈوگراں کے قریب کار کا ایک ٹائر پنکچر ہو گیا۔ کار میں ایک ٹیوب صحیح حالت میں موجود تھی اور خاکسار نے خیال کیا کہ ابھی بہت وقت ہے اس لئے خانقاہ ڈوگراں ایک مرمت والے کے پاس رک گیا تا کہ جو ٹائر پنکچر ہوا ہے اس میں دوسری ٹیوب ڈلوا لے۔ کار سے ٹائر نکال کر مرمت والے کو دیا مڑ کر دیکھا تو سامنے کی سیٹ خالی تھی۔ شیخ صاحب پچھلی سیٹ پر تشریف رکھتے تھے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ باباجی کہاں ہیں تو بتلایا کہ وہ کہہ گئے ہیں کہ میں اس بس میں سوار ہو جاتا ہوں اگر کار ٹھیک ہو گئی تو تم راستے میں مجھے لے لینا ورنہ ابھی اتنا وقت ہے کہ میں بس پر بروقت ربوہ پہنچ جاؤں گا۔ خاکسار نے دیکھا تو ابھی بس میں سوار نہیں ہوئے تھے۔ بھاگ کر گیا اور یقین دلایا کہ ہم پانچ سے دس منٹ کے اندر روانہ ہو سکتے ہیں اور ابھی بہت وقت ہے تو بادلِ ناخواستہ واپس تشریف لے آئے۔ خاکسار کی نگاہ سے وہ نظارہ محو نہیں ہوتا۔ 87 سال کی عمر کا یہ حضرت بانی سلسلہ کا رفیق، سلسلہ کا متواتر خادم، جو بحیثیت پریذیڈنٹ جنرل اسمبلی فرسٹ سٹیزن آف دی ورلڈ (ساری دنیا میں نمبر ایک شخصیت) کہلایا۔ انٹرنیشنل کورٹ کا صدر رہا کس طرح اپنے نحیف بدن کو تیز تیز قدموں سے اس بوسیدہ بس کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہا تھا کہ اپنے روحانی آقا سے ملاقات کے لئے ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو۔ وہ اس ایک فعل سے کتنے سبق دے گیا۔ کتنے عہدوں کی حیثیت بتلا گیا۔ کتنی حقیقتوں کے راز کھول گیا اور میرے جیسے کتنوں کی گردنیں جھکا گیا۔ جب بھی وہ نظارہ یاد آتا ہے تو روح کانپ جاتی ہے اور ماتھے پر پسینہ آ جاتا ہے۔ **اپنے حکم کا تابع فرمان جسم۔** نومبر 1983ء میں صحت کی کمزوری اور لمبی علالت کی وجہ سے اپنے ذہن میں یہ فیصلہ کئے ہوئے کہ اب مالک حقیقی کی خدمت میں حاضری کا وقت ہے لندن سے لاہور تشریف لائے۔ خاکسار اسلام آباد ہوائی اڈہ پر استقبال کے لئے حاضر تھا۔ بازو کو سہارا دینا پڑتا تھا۔ ہر قدم پر جسم کو ایک جھٹکا لگتا تھا۔ جب ہم لاہور پہنچے تو کمرہ میں تشریف لائے، اپنی بیٹی کو گلے لگایا اور کہا ''لو میں آ گیا ہوں'' اس فقرہ میں سب کچھ موجود تھا۔ دوسری صبح خاکسار اور امۃ الحی بیگم

کو بلایا اور فرمایا کہ میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ایسا فقرہ خاکسار نے تمام زندگی آپ کی زبان سے سنا ہی نہ تھا۔
سخت گھبرا گیا فوراً ڈاکٹر صاحبان کو ٹیلیفون کئے جو اطلاع ملتے ہی روانہ ہو گئے۔معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ صحت کی انتہائی کمزوری اور سفر کی وجہ
سے کمر میں اور چھاتی کی پچھلی جانب شدید درد ہے۔ای سی جی اور دیگر ٹیسٹ خون وغیرہ کے موصول ہونے پر ڈاکٹر رؤف یوسف صاحب
نے حیرانی کا اظہار کیا کہ اس حالت میں چوہدری صاحب سفر کس طرح کر سکے خون کی اس طرح کی تصویر میں تو انسان کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔
وہ لوگ جو مکرم باباجی کی قوت ارادی سے واقف ہیں وہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح یہ سفر کیا ہوگا۔کئی ایسے مواقع آئے کہ حیرانی ہوتی تھی
کہ حضرت باباجی اسقدر محنت کس طرح کر لیتے ہیں۔ایک مرتبہ آپ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کو دہرا رہے تھے اور چند دیگر بزرگان جن میں
نوجوان اور حضرت باباجی سے کم عمر دوست ساتھ تھے صبح سے لے کر شام تک کام کیا کرتے تھے اور شام کو چوہدری صاحب تو ویسے ہی نظر آتے
تھے اور دوسروں میں سے اکثر شدید تھکے ہوئے۔بعض اوقات تو اس کام کے باوجود مغرب کے بعد باباجی نے مزید کوئی مصروفیت رکھی ہوتی تھی
جس میں پوری طرح چاق و چوبند ہو کر حصہ لیتے تھے ایک مرتبہ خاکسار نے دریافت کیا کہ آپ اس قدر مشقت کس طرح برداشت کر لیتے ہیں تو
جواب میں فرمایا ''میں نے اپنے جسم کو کبھی اجازت نہیں دی کہ میرے حکم کی نافرمانی کرے'' یہ تھی وہ قوت ارادی۔**کمال شوق کا مرکز۔۔۔جلسہ
سالانہ**۔نومبر 1983ء میں بہت فکر تھا کہ اپنی صحت کی کمزوری کی وجہ سے شاید جلسہ پر نہ جا سکیں تو فرمایا کہ تم ایسا انتظام کر لینا کہ میں پیچھے کی
سیٹ پر لیٹ کر چلا جاؤں۔اسی طرح مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب کو بھی بار بار کہتے تھے کہ کچھ ایسا انتظام کرو کہ میں جلسہ پر جا سکوں۔ڈاکٹر
صاحب نے خون میں سرخ خلیوں کی شدید کمی کی وجہ سے (جو اس وقت 8 فیصد کے لگ بھگ تھے) تجویز کیا کہ خون دیا جائے۔اس طرح چار
دفعہ خون دینے کے نتیجہ میں کمزوری میں افاقہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے باباجی جلسہ سالانہ 1983ء میں شامل ہو سکے۔اس شمولیت پر اس
قدر خوش تھے کہ گو صحت کی حالت میں بھی عادت تھی کہ ساڑھے نو بجے تک آرام کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن جلسہ کے دوران کسی
دن بھی رات ساڑھے گیارہ بجے سے قبل فارغ نہ ہوئے۔آپ کے چہرے کی خوشی اور شگفتگی نے آپ کی بیٹی اور خاکسار کو باوجود خواہش کے اس
امر سے باز رکھا کہ ہم آپ کی خدمت میں جلدی آرام کرنے کی گذارش کر سکیں۔قدرت ثانیہ کے مظہر رابع حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی نظم
''دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو'' جس روز سنی تو اس کا بار بار ذکر کیا اور اس کی ٹیپ کی خواہش کی۔خاکسار نے بازار سے پتہ کروایا تو معلوم ہوا کہ
اس قدر لوگوں نے اس کی خواہش کی ہے کہ دوسرے روز شام سے قبل حاصل نہیں ہو سکتی اس اثناء میں ایک دوست لاہور کے مل گئے جن سے وہ
حاصل ہو گئی۔جزاھم اللہ احسن الجزاء۔باباجی کی خدمت میں پیش کی تو بہت خوش ہوئے۔بار بار اسے سنا۔خاکسار نے کبھی اس سے قبل باباجی
کو ریڈیو یا ٹیپ سنتے نہیں دیکھا تھا اور نہ اس کے علاوہ بعد میں کبھی دیکھا۔جب ہم ربوہ سے واپس لاہور آئے تو اکثر حصہ راستہ کا اس ٹیپ کو سنتے
رہے۔ **رب کے حضور حاضری کی تیاری**۔علالت کے دوران انتہائی صبر اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کا ثبوت ہر لحہ آپ سے ملتا رہا۔اکثر
کہا کرتے تھے کہ میرے تو اب جانے کا وقت ہے۔اس قدر طبیعت اپنے رب کے حضور جانے کے لئے تیاری میں تھی کہ ایک مرتبہ سے
زائد مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب سے اس بات کا اظہار کیا کہ کئی دفعہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے لیکن امۃ الحیی، حمید اور بچے فوراً
علاج کی طرف توجہ کرتے ہیں اور ان کی تضرعات اور بے چینی کے نتیجہ پر اللہ تعالیٰ اس کو ٹال دیتا ہے اور آپ بھی اس میں شامل ہوتے ہوتے

ہیں کہ فوراً آ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کے لئے اس طرح ہر وقت تیار رہتے تھے کہ ہم کو آپ کی طبیعت کی ناسازی کا پتہ بعض اوقات آپ کے بار بار کلمہ دہرانے اور درود پڑھنے کی وجہ سے چلتا تھا۔

ماں کی یاد۔ جب بھی طبیعت ناساز ہوتی ہمیشہ اپنی بیٹی کو بلایا کرتے تھے۔ مجھ سے بارہا کہا کہ امۃ الحیی کے آجانے سے مجھے اطمینان ہو جاتا ہے اور وہ کچھ ایسا کرتی ہے کہ میری طبیعت سے بے چینی دور ہو جاتی ہے۔ کئی دفعہ اپنی بیٹی کو پاس بٹھا کر جبکہ خود لیٹے ہوتے تھے فرمایا کرتے تھے تم اونچی آواز میں دعائیں پڑھو میں تمہارے ساتھ دہراؤں گا اس سے مجھے بہت سکون ملتا ہے اور باپ بیٹی یہ عمل دیر تک کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات بستر پر ہی بیٹھنے کی خواہش ہوتو امۃ الحیی سے کہتے تھے کہ تم آ کے میرے پیچھے دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ تاکہ میں تمہاری کمر سے اپنی کمر لگا کر سہارا لے کر بیٹھ سکوں۔ اس حالت میں بعض اوقات گھنٹوں گذر جاتے اور اگر کوئی ایسا شخص آجاتا جس سے امۃ الحیی کا پردہ ہوتو وہ اپنے سارے جسم اور سر کو ڈھانپ کر اسی حالت میں بیٹھی رہتی تھیں لیکن باباجی پسند نہ فرماتے تھے کہ وہ چلی جائیں۔ اس بات کا اظہار فرماتے تھے کہ تمہاری شکل بے بے جی سے ملتی ہے۔ ایک دفعہ امۃ الحیی دفعۃً کمرے میں آئیں اور کوئی بات ایسی محبت کے ساتھ عرض کی کہ باباجی نے یکدم اوپر دیکھا تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ایسی حالت ہوگئی کہ امۃ الحیی جس قدر تسلی اور شفقت سے اس حالت میں سے نکالنے کی کوشش کرتیں اسی قدر اثر زیادہ ہوتا یہاں تک کہ امۃ الحیی کے لئے ممکن نہ رہا کہ وہاں ٹھہرے اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ باباجی نے فرمایا کہ آج امۃ الحیی کو دیکھا تو یوں لگا کہ بے بے جی ہیں اور طبیعت بے چین ہوگئی ۔ تین روز تک یہ حالت جاری رہی کہ تمام وقت آنسو رواں رہے۔ اور باپ بیٹی دونوں ایک ایسی حالت میں تھے کہ نہ باپ کو جذبات پر ایسا قابو آیا کہ وہ بیٹی کو بلائے اور نہ ہی بیٹی کو ہمت ہوئی کہ باپ کے پاس جائے۔ جذبات محبت سے مغلوب ایک دوسرے کی خیرت معلوم کر لیتے تھے۔ گو طبیعت میں یہ بات پختہ تھی کہ اب میری رخصت کا وقت ہے لیکن علاج کے سلسلہ میں کبھی بھی انکار نہیں کیا۔ ہر علاج کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ آپ کے نواسے عزیزیم مصطفیٰ کا حاضر خدمت ہونا اور عرض کرنا ''ابا ٹیکہ لگانا ہے'' اور ساتھ ہی باباجی اپنے بازو سے کرتے کو اوپر کرنا شروع کر دیتے تھے۔ جب تک آخری شدید بیماری میں بستر پر کلیتہً لیٹ نہیں گئے اپنے طریقۂ زندگی کو قائم رکھا۔ مقررہ جگہ کرسی پر بیٹھ کر ناشتہ کرتے اور کھانا کھاتے۔ بستر سے اُٹھنے کے بعد مقررہ جگہ پر بیٹھ کر مطالعہ کرتے یا خطوط وغیرہ پڑھتے یا سنتے تھے۔ مقررہ جگہ پر بیٹھ کر (کمزوری کی وجہ سے) نمازیں ادا کرتے تھے۔ اپنی ساری بیماری کے دوران جب تک اللہ تعالیٰ نے ہوش میں رکھا تمام کی تمام نمازیں باقاعدگی کے ساتھ بروقت باجماعت ادا کیں۔ بعض اوقات علالت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے رات کو ایک یا دو بجے بھی نیند آور دوا کی بھاری مقدار دی ہوتی تھی لیکن صبح نماز کے وقت بہرصورت جاگ جاتے تھے اور وقت پوچھتے تھے۔ پھر فرمانا کہ وقت ہو گیا ہے نماز پڑھادو۔ علالت اور دوائی دونوں کبھی نماز کی ادائیگی میں حارج نہ ہوسکیں۔ علالت کی شدت میں بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ جب کبھی خاکسار نماز پڑھانے لگتا تو ایک شخص کو ہدایت کر دیتا تھا کہ دور سامنے ایک طرف بیٹھ جائے اور متواتر دیکھتا رہے کہ خاکسار کو گمان گذرتا تھا کہ طبیعت اس قدر ناساز ہے کہ نماز کے دوران ہی کچھ ہو نہ جائے اور خاکسار کو نماز پڑھانے کی وجہ سے معلوم نہ ہو۔ لیکن محترم باباجی ایسی حالات میں بھی نماز بیٹھ کر اور باجماعت ادا کرتے رہے۔ بعض اوقات حالات حاضرہ کا تذکرہ چل جاتا تھا جس میں مختلف اوقات پر مکرم ثاقب زیروی، مکرم مجیب الرحمن صاحب، مکرم مرزا نصیر احمد صاحب وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ ہماری باتوں کو غور

سے سنا کرتے تھے لیکن کوئی تبصرہ نہ فرماتے۔ بار بار ایسے موقعے آئے تقریباً ہر بار جواباً فرماتے فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے گا کبھی کسی امر پر پریشانی کا اظہار نہ فرماتے تھے۔24 جولائی 1985ء سے شروع ہونے والی علالت ایسی شدید صورت اختیار کر گئی کہ چند روز بعد تمام وسائل ناکارہ ہو گئے اور ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ان چند دنوں میں سب اہل خانہ کی ایسی حالت تھی کہ اس کا بیان الفاظ میں نہیں ہوسکتا۔امتہ الحیی ایک عرض بصورت دعا بار بار کرتی تھیں کہ ابا مجھ سے بات کریں۔اور بہت دعا کرتی تھیں۔آخر ایک دن تمام سہارے ہم سب کی نگاہ میں ٹوٹ گئے اور تمام نے باری باری ماتھے کو چوما اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا۔انسانی اور طبی اندازہ تھا کہ چند لمحوں سے زیادہ وقت نہیں ہے خاکسار نے سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کی اور پھر تمام بچوں نے اور امتہ الحیی نے قرآن کریم کھول کر تلاوت شروع کر دی۔ہلکی ہلکی سانس تھی اور نبض بہت کمزور تھی۔ بلڈ پریشر 70 پر آ گیا تھا۔پھیپھڑوں کی کارکردگی بہت محدود تھی۔اسی حالت میں ساری رات گزری۔ ہر وقت یہی احساس رہا کہ یہ آخری سانس ہے یہ آخری سانس ہے۔ جب یہ حالت تھی تو عزیزم مصطفیٰ ایسی ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ کہ جن میں اس کے دل کی حالت عیاں تھی۔خاکسار کے پاس آیا اور کہا کہ ابو اب کیا کریں۔خاکسار نے کہا بیٹا جس طرح تمہاری زندگی اور میری زندگی اس وقت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسی طرح ابا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تم ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق علاج جاری رکھو۔اس نے کہا میں بھی تو یہی کہتا ہوں وہ ساری رات باقاعدگی کے ساتھ اور پوری طبی احتیاط کے ساتھ جو بھی علاج تجویز کرتا تھا، کرتا رہا۔ہم نے وہ ساری رات اس طرح گزاری کہ نگاہ بھی ہٹانا مشکل تھا کہ شاید کب وقت آ جائے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مزید وقت عطا کیا اور بیٹی کی اس تڑپ کو قبول فرمایا کہ ''ابا مجھ سے بات کریں۔ابا مجھ سے بات کریں'' دوسری صبح ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کے بعد کہا کہ حالت کل رات کی نسبت وقدرے بہتر ہے۔اس سے اگلے روز صبح کے وقت خاکسار نے السلام علیکم کہا تو جواب دیا وعلیکم السلام۔خاکسار نے کہا کہ الحمدللہ۔نماز کے وقت کا دریافت کیا۔حضرت اقدس کے پورے احترام کے نام سے دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔خاکسار نے عرض کیا لندن میں۔فرمایا کہ ہم کہاں ہیں؟ خاکسار نے عرض کیا، لاہور میں۔حضور سے ملاقات کی اسقدر شدید خواہش تھی کہ اگر صحت ذرا بھی اجازت دیتی تو یقیناً اس کے لئے سفر اختیار کرتے۔

انسانیت کی قدروں کا احترام۔انسان کی قدر اس حد تک تھی کہ آپ کی تحریروں میں اس کے بار بار اور بے شمار ثبوت ملتے ہیں۔ ہر شخص سے انتہائی انکساری سے پیش آتے تھے۔اپنی بیماری میں کمزوری کی وجہ سے ملنے آنے والوں کے لئے اُٹھ نہیں سکتے تھے اور جو ملنے کے لئے آتا تو اسے کہتے کہ معاف کیجئے گا مجبوری کی وجہ سے اُٹھ نہیں سکا۔کسی کا سامنے کھڑے رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔مہمان اور غیر سے تو تکلف بجا ہے لیکن خاکسار کو بھی یہ تجربہ ہے کہ اکثر فرماتے بیٹھ جاؤ اور پھر بات کرتے۔ مجھے اس بات کا احساس تھا۔ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ خاکسار خدمت میں حاضر ہوا اور اس خیال سے کہ بیٹھ جاؤ۔کوئی کرسی اس جگہ قریب نہیں تھا۔اس لئے جس کرسی پر آپ تشریف فرما تھے اس کے قریب جا کر اکڑوں بیٹھ گیا۔تا کہ بات سن سکوں اور کھڑا بھی نہ ہوں۔فوراً اونچی آواز سے فرمایا اُٹھو اُٹھو اور ساتھ ہاتھ سے بھی تیزی سے اشارہ فرمایا۔ خاکسار فوراً کھڑا ہو گیا اور زندگی کا ایک اور سبق حاصل کیا۔**امیر جماعت کا غیر معمولی احترام**۔خاکسار اس امر کو بیان کرتے ہوئے حجاب محسوس کرتا ہے لیکن اس کا ذکر صرف اس خیال سے کر دیتا ہے کہ اس سے ایک ایسی نصیحت اور طریقہ کار کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس کا بیان کرنا مفاد عام

میں ہے۔اور خاکسار کی ذات کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔کئی مواقع پر اور کئی امور میں جہاں آپ خیال فرماتے تھے کہ مشورہ کرنا چاہیے اور خیال ہوتا تھا کہ اس نااہل عاصی اور ناکارہ بندہ کے اس میں شامل کرنا چاہیے۔تو عموماً اس مشورہ کے لئے طلب کرنے پر فرماتے ''ہم نے خیال کیا کہ امیر صاحب سے مشورہ کیا جائے'' خاکسار نہ تو کبھی کوئی مشورہ دینے کے قابل تھا اور نہ اب ہے۔اور کبھی بھی کسی ظفراللہ خان کو کسی حمید نصراللہ کے مشورہ کی ضرورت نہیں ہوا کرتی تھی لیکن آپ کی بلندی ایمان اور تعلق سلسلہ کی ایک مثال تھی کہ جہاں قیام تھا وہاں کے امیر کو مشورہ میں شامل کیا جائے خواہ اس کے آپ کے دربار میں ایسے موقع پر حاضری کے وقت رونگٹے کھڑے ہوتے ہوں۔ **حسن ظن میں کمال ۔** طبیعت میں بہت حسن ظن تھا۔جو بھی کوئی شخص کہتا تھا اس پر پورا یقین کرتے تھے۔طبیعت کا یہ اصول تھا کہ جو کسی نے کہا ہے اگر درست کہا ہے تو ٹھیک ہے۔اگر اس نے کسی چالاکی یا غلط بیانی سے کہا ہے تو میں کیوں شک کروں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں۔خاکسار کو آپ کی اس بات سے بہت خوف رہتا تھا اور صحیح بات بھی جس کا ذاتی طور پر پورا پورا علم بمع ثبوت کے نہ ہو عرض نہیں کرسکتا تھا۔حسن ظن اور سخاوت ساتھ ساتھ چلتے تھے۔مجھ سے خود ذکر فرمایا کہ ایک شخص (جس کا نام خاکسار کو نہیں بتلایا) ایک دفعہ مجھ سے ملنے کے لئے آنے والا تھا اس کے متعلق مجھے کسی نے بتلایا کہ یہ شخص ایسی کہانی سناتا ہے کہ لوگوں سے رقم وصول کرلیتا ہے اور پھر واپس نہیں دیتا۔میں نے کہا کہ اچھا اس کو آنے دو میں اس کو سرزنش کروں گا۔وہ شخص مجھے ملنے کے لئے آیا اور کچھ عرصہ کے بعد جب میرے کمرے سے روانہ ہوا تو میرا ایک چیک اس کے ہاتھ میں تھا۔ **احسان کے معنی۔** ایک شخص کے ہاتھوں ہم اہل خانہ کو بہت پریشانی اُٹھانی پڑی اور اس کے بعد اس شخص نے امداد کا سوال کیا۔خاکسار نے اس امر کی اطلاع مکرم بابا جی کو کی اور ہدایت طلب کی جواب میں تحریر فرمایا کہ میری والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ ایسے شخص سے نیکی کرنا جس نے تمہارے ساتھ نیک اور اچھا سلوک کیا ہو تو یہ تو کوئی نیکی نہیں کہ اس نے نیک سلوک کیا اور تم نے بھی نیک سلوک کردیا نیکی تو وہ ہے کہ دوسرے سے کوئی نیکی نہ ہو اور تم نیکی کرو اور اصل نیکی تو وہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے تمہارے ساتھ برائی ہوئی ہو اور تم اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کے ساتھ نیکی اختیار کرو۔اس لئے اس شخص کی اس ضرورت کے لئے جو اس نے تمہارے پاس بیان کی ہے رقم اسی خط میں بھجوا رہا ہوں۔احسان کے معانی کو خاکسار اس دن سمجھ سکا۔آپ انتہائی دعا گو شخص تھے اور بڑے تواتر کے ساتھ دعا کرنے والے تھے۔ہر ایک شخص کا نام لے کر اس کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر دعا کرتے تھے۔خاکسار کے ایک دفعہ پوچھنے پر بتلایا کہ ایسے اشخاص کے نام 200 سے تجاوز کرتے ہیں جن کے لئے میں روزانہ بلاناغہ ان کے نام لے کر ان کے مقصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔دیگر احباب کے لئے اس کے علاوہ۔آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا زندگی کا مقصد اولین تھا۔امۃ الحیی سے ذکر کیا کہ میں دن میں تقریباً 7 ہزار مرتبہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتا ہوں۔اپنی اولاد کے لئے متواتر دعا کیا کرتے تھے۔خاکسار سے کئی مرتبہ فرمایا کہ میں تمہارے لئے باقاعدہ دعا کرتا ہوں۔ہم سب کی زندگی آپ کی دعاؤں کی برکتوں سے بھری ہوئی ہے۔عزیزم مصطفیٰ نے ایف،ایس،سی میں اعلیٰ نمبر حاصل کئے تو لندن سے حضرت بابا جی نے بات کرتے ہوئے اس سے کہا کہ تمہاری کامیابی میں آدھا حصہ میری دعاؤں کا ہے۔حالانکہ کامیابی تو کلیۃً آپ کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھی۔عزیزم محمد اور عزیزم مصطفیٰ کو خاص طور پر حضرت بابا جی کی بیماری میں جس کی شدت کا آغاز 1982ء میں ہوا تھا بہت خدمت کا موقع ملا۔بیماری کی اصل نوعیت کا علم تو پاکستان تشریف لے آنے کے بعد ہوا اور گو بیماری کی ابتداء ایک لمبے عرصہ سے ہو چکی تھی لیکن اس کی تشخیص نہیں ہوئی تھی جس کے نتیجہ میں صحت زیادہ کمزور ہوگئی

تھی اور جب قوت برداشت بھی جواب دینے لگی تو آپ نے باقی حصہ پاکستان میں گذارنے کا فیصلہ کیا۔ان دونوں بچوں نے خدمت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ خیر عطا فرمائے اور اپنے نانا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین اسی طرح محترم ڈاکٹر محترم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے بھی بالکل اولاد کی طرح خدمت کی۔درست ہے کہ حضرت باباجی کے مقام اور ان کی ہستی کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی ان کی خدمت کو فخر محسوس کرتا لیکن جس دلی خواہش، محبت، لگن اور فکر سے ڈاکٹر صاحب نے خدمت کی ہے اور اس میں وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح ترقی ہوئی ہے اس کے گواہ تو ہم اہل خاندان ہی ہیں۔ہم میں سے کوئی بھی تاحیات ڈاکٹر صاحب کی اس شفقت کو فراموش نہیں کرسکتا۔اور ڈاکٹر صاحب کی خدمت کے انداز کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک روز حضرت باباجی نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ نے میری اس طرح خدمت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر مجھے اجازت دی کہ کسی کی سفارش کروں کہ اسے جنت میں جگہ دی جائے تو میں آپ کی سفارش کروں گا۔

باپ بیٹی کی مثالی محبت۔ شدید بیماری اور بے ہوشی کی حالت کہ جس میں انسانی اور طبی اندازہ ہوا تھا کہ اب وقت آخر ہے کہ بعد اللہ تعالیٰ نے قدرے طبیعت میں بہتری پیدا فرمادی بیٹی کی شدید خواہش والی دعا کو قبول فرمایا اور تقریباً تین ہفتہ کا ایسا وقت عطا فرمایا کہ اس میں باپ بیٹی نے ایک دوسرے کے ساتھ تمام بند توڑتے ہوئے ایک دوسرے کے لئے اپنی محبت اور پیار کی شدت کا کھلا کھلا اظہار کیا۔میرا دل اور میری آنکھیں اس بات کی گواہ ہیں کہ دونوں کے لئے وہ وقت ان کی زندگی کا بہترین حصہ تھا۔امۃ الحیی نے اپنے والد سے ایسی محبت کا اظہار کیا جیسے ایک ماں اپنے بچہ کے لئے کرتی ہے اور باباجی نے کمال شفقت سے اس کا اسی رنگ میں جواب دیا کہ جیسے کوئی پورے ناز سے محبت کرتا بھی اور کرواتا بھی ہے۔دونوں کو علم تھا کہ اب جدائی قریب ہے۔بہت سی باتیں ہوئیں جن میں انتہائی بے تکلفی تھی ان سب کا ذکر اس مضمون میں کرنا خاکسار درست خیال نہیں کرتا کہ وہ باپ بیٹی کی باتیں تھیں اور بیٹی کی امانت ہیں۔البتہ ایک بات کا ذکر کرتا ہوں۔آپ بار بار فرماتے تھے کہ امۃ الحیی ، حمید اور بچوں کی خواہش اور محبت اور جدائی کا خوف اور انکی دعاؤں اور دلی خواہش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ وقت عنایت فرمارہا ہے اسلئے اپنی وفات سے چار پانچ روز قبل امۃ الحیی کو جو کہ قریب ہی کھڑی رہتی تھی فرمایا ''بیٹی میری خواہش ہے کہ میں تمہارے بہت قریب لگ کر بیٹھ جاؤں۔'' بیٹی نے کہا ''ابا میرا یہ مقام کہاں کہ آپ میرے قریب لگ کر بیٹھیں آپ حکم فرمائیں کہ میں آپ کے قریب لگ جاؤں'' تو ہاتھ سے اشارہ کرکے بلایا۔امۃ الحیی نے سینہ پر سر کو رکھ دیا تو باباجی نے انتہائی پیار سے فرمایا ''بیٹی تم نے اپنی پوری کوشش کر لی'' امۃ الحیی ''جی ابا'' باباجی: ''بیٹی نتیجہ تمہاری خواہش کے مطابق تو نہیں نکل رہا'' امۃ الحیی: ''اللہ تعالیٰ کے حضور آپ بھی دعا کریں میں بھی دعا کرتی ہوں۔'' فرمایا ''دیکھو تمہارے بالوں کی ایک لٹ بھی بکھری ہوئی نہ ہو تم جیسا لباس پہنتی ہو اگر اس سے بہتر نہیں تو ویسا ضرور پہننا۔تمہاری آنکھوں سے آنسو گرتا کوئی نہ دیکھے کہ ہم جب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں تو اس ج کا اظہار بھی کرنا چاہیے۔'' حضرت باباجی کے وصال کے بعد جو مستورات امۃ الحیی سے ملنے آئیں اب یہ وہی بتاسکتی ہیں کہ انکے سامنے کیا حال رہا مجھے تو یہی علم ہے کہ اکیلے میں ہی اس کے آنسو نکلے۔ہاں یہ مجھے علم ہے کہ بہت نکلے۔

حضور سے پیار۔ حضور سے محبت کا جو عالم تھا اس کے بارے میں صحیح صورت حال بیان کرنا تو بڑا مشکل ہے حضور کو بھی علم ہے کہ وہ کیا تھا اور

حضور کو جومحبت تھی اس کا اظہار حضور کے خطبہ میں بھی ہے اور خاکسار اس کے متعلق علم بھی رکھتا ہے لیکن اس کے متعلق کچھ زیادہ عرض نہیں کرنا چاہتا صرف دوواقعات عرض کر دیتا ہے۔ باباجی کی شدید بیماری میں ایک دن امۃ الحیی نے عین بیداری کے عالم میں یہ نظارہ دیکھا کہ حضور بڑی تیزی کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور باباجی کے بستر کے پاس قیام فرمایا ہے اور کافی دیر تک وہاں رہے ہیں۔تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک نظارہ ملاقات کا اور محبت کا دکھلا دیا۔ایک اور بزرگ (وہ ہدایت کرتے ہیں کہ میرا نام نہ بتلایا کرو) نے بیان فرمایا کہ عین اس دن اس وقت کہ جب لاہور میں نماز جنازہ ادا کر کے ربوہ روانگی تھی انہوں نے دیکھا کہ حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب تشریف لائے ہیں اور ان سے کہتے ہیں (نام لے کر) میں حضور سے مل آیا ہوں اور اب ربوہ جارہا ہوں۔اس جگہ خاکسار یہ بھی عرض کر دے کہ حضرت چوہدری صاحب اپنی زندگی میں آخری مرتبہ اپنی قوت سے (حضور سے سہارا لیا ہو تو لیا ہو) حضور کی تشریف آوری پر کرسی سے خود اُٹھے تھے۔اس کے بعد ہمیشہ سہارے سے ہی اُٹھ سکے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت باباجی کو وقت رخصت کی اطلاع دی تھی ویسے ہی اوروں کو بھی دی تھی۔ایک بزرگ نے بیان فرمایا کہ وفات سے دوتین روز قبل خواب میں دیکھا کہ حضرت چوہدری صاحب تشریف لائے ہیں خوب چمکدار چہرہ اور جوانی کی عمر ہے اور مجھ سے کہا کہ ''دیکھو اب میں جارہا ہوں تم میرے لئے باقاعدہ دعا کرنا میں تمہارے لئے دعا کروں گا'' اور پھر ایک لمبی سی کار میں بیٹھے اور تشریف لے گئے۔ وہ بزرگ تحریر کرتے ہیں کہ میں پہلے بھی باقاعدگی کے ساتھ حضرت چوہدری صاحب کے لئے دعا کیا کرتا تھا لیکن اس دن کے بعد اس میں بہت شدت پیدا ہو گئی۔حضرت باباجی کی وفات کے چند دن بعد انہیں بزرگ کا خاکسار کو خط ملا جس میں تحریر کیا کہ رات میں نے خواب میں حضرت چوہدری صاحب کو پھر دیکھا۔آپ نے برجس (گھوڑے پر سواری کا لباس) پہن رکھا ہے اور بہت جوانی کی عمر ہے۔ میرا نام لے کر فرمایا۔۔۔۔ میں اکیلا نہیں میری ایک بیٹی بھی ہے) وہ خاکسار کے نام خط میں تحریر کرتے ہیں کہ''میں خواب میں ہی سمجھ گیا کہ فرماتے ہیں کہ تم میرے لئے دعا کرتے ہو لیکن میں اکیلا نہیں میری ایک بیٹی بھی ہے اسکے لئے بھی دعا کیا کرو اسلئے آپ اپنی بیگم کو اطلاع کر دیں کہ آج صبح سے ان کے لئے بھی باقاعدگی سے دعا کا عہد کیا ہے'' اللہ تعالیٰ انہیں بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔**جزاھم اللہ احسن الجزاء**

وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ہم تمام اہل خانہ کا احساس محرومی اور احساس جدائی بڑھتا جارہا ہے۔ پہلے تو وقت ضبط اور خاموشی میں گذرتا تھا اب آہستہ آہستہ جذبات ضبط کی حدود سے نکلنا شروع ہو گئے ہیں۔ہم سب اللہ تعالیٰ سے یہی امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ پردہ پوشی اور درگذر کے سایہ تلے محض اپنی شفقت اور رحم سے وہ دن لائے کہ پھر اپنے اس مہربان و مشفق سے ملاقات ہو۔امین یا ارحم الرحمین

(انصار اللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 139 تا 146)

شہرت عالم اور بقائے دوام پانے والا اللہ تعالیٰ کا عبدِ مُنیب

محترم مسعود احمد خان صاحب دہلوی

تعظیم لامر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ کی دل موہ لینے والی زندہ تصویر، شرافت ونجابت، خلق حسن اور ہمدردی و سخاوت کا حسین پیکر۔تقویٰ اللہ اور تعلق باللہ کے بحر بیکراں کا شناور۔علوم ظاہری و باطنی سے حصہ پانے والا رجل

رشید۔شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں بلند مقام پانے والا رجل رشید،غیر معمولی ذہانت وفطانت، دانش وری ونکتہ رسی اورفہم وفراست میں ممیز وممتاز۔پیچیدہ مسائل اور گتھیاں سلجھانے میں خصوصی مہارت کا حامل۔حکمت وتدبر اور علمی تجر ّمیں آپ اپنی مثال۔خیر العقول حافظہ کی دولت بے پایاں سے مالا مال۔قلم کا دھنی،مجلسی گفتگو اور فن خطابت میں طاق۔قانونی اور آئینی امور میں حیران کن دسترس میں مشاق وشہرہ آفاق۔جملہ اسلامی ممالک اور مسلمانانِ عالم کا سچا ہمدرد وبہی خواہ اور عظیم محسن۔اقوام متحدہ میں ان کے حق آزادی کا علمبردار اوران کے مفادات کا بیباک ونڈر محافظ وترجمان۔براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ کے زور پر ہر میدان میں فتح پانے والا جری پہلوان۔ہر حال میں دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والا مرد ذی شاہ۔اورسب سے بڑھ کر یہ کہ اعلیٰ ترین قومی اور بین الاقوامی۔مناصب پر فائز رہنے اورعلو وارتقاع کی منزلیں سر کرنے کے باوجود غایت درجہ خاکسار ومنکسر المزاج انسان۔الغرض وہ ذی مرتبت ووالا نشان جو اپنے مخصوص انداز میں احسنِ تقویم کی ایک پہچان تھا سوسال تک انتہائی متحرک، فعال اور سرگرم رہنے اوراقوام وملل کوفیض پہنچانے کے بعد یکم ستمبر 1985ء بروز اتوار اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا اوراس طرح اپنے اس خالق و مالک کے حضور جا حاضر ہوا جس نے اُسے گونا گوں اوصاف حمیدہ سے متصف کر کے عظیم کارنامے سرانجام دینے کیلئے دنیا میں بھیجا تھا۔جیسا کہ سب جانتے ہیں اس شخصیت گرامی کا نام نامی اوراسم گرامی ہے۔**چوہدری محمد ظفراللہ خان۔**

سب سے بڑی خوش نصیبی: حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی سب سے بڑی خوش نصیبی اورسب سے اہم اورسب سے نمایاں مشرف وامتیاز یہ ہے کہ آپ کوحضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے قدسی صفات رفقاء میں شمولیت کے باعث حضرت اقدس کی تریاقی صحبت سے فیضیاب ہونے اورسلسلہ عالیہ احمدیہ کے چاروں مقدس خلفاء سے براہ راست اکتساب فیض کرنے کے انمول مواقع میسرآئے۔جنہوں نے آپ کی غیر معمولی خداداد صلاحیتوں کے حق میں سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔خلفاء سلسلہ کی ہدایت وراہنمائی میں چوہدری صاحب موصوف کوقومی اور بین الاقوامی سطح پر کار ہائے نمایاں سرانجام دینے کے علاوہ عظیم الشان دینی اور جماعتی خدمات بجالانے کی بھی سعادت ملی۔یہی وجہ ہے کہ آپ کو جماعت احمدیہ میں بھی محبت وعقیدت اور تعظیم وتحریم کا ایک بہت ہی نمایاں اورممتاز مقام حاصل تھا اور ہمیشہ رہے گا۔کیونکہ آپ نے اپنے پیچھے خدمت وفدائیت کا ایسا مہتم بالشان ریکارڈ چھوڑا ہے جوآنے والی نسلوں کو بھی ہمیشہ زیر بار احسان رکھے گا اورخود بھی خدمت وفدائیت کے نئے ریکارڈ قائم کرنے میں ان کے لئے مہمیز کا کام دے گا۔

مہتمم بالشان نشان صداقت: چوہدری صاحب موصوف خدمت وفدائیت کا ایسا مہتم بانشان ریکارڈ قائم کرنے میں قائم کرنے میں اس لئے کامیاب ہے کہ آپ نے اس عہد کونبھاتے میں جوسیدنا حضرت اقدس بانئ سلسلہ احمدیہ نے اپنے متبعین سے یالیا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔وہ عہد جسے نبھانے کا ہر احمدی پابند ہے یہ ہے کہ ’’میں ہر حال دین کودنیا پر مقدم رکھوں گا۔یوں تو ہر احمدی اپنے اس عہد کونبھانے کی مقدور بھر کوشش کرتا ہے لیکن چوہدری صاحب موصوف نے جن حالات میں اور پھر جس شان سے اسے کما حقہٗ نبھایا اُسکی بات میں کچھ اور ہے۔بالعلوم دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر دنیا میں کسی کوکوئی خاص مرتبہ ومقام حاصل ہوجائے اوردولت کی فروانی میسرآجائے تواسی قدر دینی فرائض سے غافل ہو جاتا ہے۔وہ اگر دنیوی مکروہات میں نہ بھی پھنسے تو بھی اس میں دین اوراس کے تقاضوں سے ایک گونہ بے رخی اور بے رغبتی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔برخلاف اس کے چوہدری صاحب موصوف اپنی زندگی میں جوں جوں ترقیات کی منزلیں طے کرتے چلے گئے اورشہرت وناموری آپ کے

قدم چومتی چلی گئی۔اور بالخصوص اقوام متحدہ میں عربوں کے مفادات کی حفاظت فلسطین اور مسئلہ کشمیر کے ضمن میں بڑی طاقتوں اور بھارت کی ہٹ دھرمی اور ظلم وزیادتی کو آشکار کرتے میں آپ کی ماہرانہ وکالت اور نہایت مدلل وموثر اور پرجوش خطابت پر دنیا میں واہ واہ کا غلغلہ بلند ہوا اور اسلامی دنیا اور برصغیر کے گھر گھر میں آپ کا نام گونجا اور ہر طرف آپ کے نام کا ڈنکا بجا اور اس کے ساتھ ہی آپ کی بے لوث خدمات جلیلہ کے اعتراف کے طور پر اردن، شام، لیبیا، تیونس اور مراکش کے اعلیٰ ترین سول اعزازات آپ کی خدمت میں پیش ہونے لگے۔آپ کا سر محبت الٰہی اور انابت الی اللہ کے زیر اثر اپنے رب جلیل کی بارگاہ میں اور زیادہ جھکتا چلا گیا حتی کہ تحدیث نعمت کا حق آپ نے اس شان سے ادا کیا کہ آپ مجسم شکر بن گئے۔آپ سے ملنے اور آپ کو قریب سے دیکھنے والے لاکھوں انسان اس بات کے گواہ ہیں کہ خلوت وجلوت میں آپ کے ہونٹ مالک حقیقی کی ستائش میں ہمہ وقت جنبش کر رہے ہوتے تھے۔خدا تعالیٰ آپ کو دنیا میں سرفرازی عطا کرتا چلا گیا اور آپ اسی قدر خاص تعہد کے ساتھ انابت الی اللہ اور خاکساری میں روز افزوں سے ترقی کرتے چلے گئے۔یہ معجزانہ اثر تھا سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کی قوت قدسیہ اور تریاقی صحبت کا اور خلفاء سلسلہ سے کامل وابستگی اور ان کی اطاعت گزاری کا۔حضرت اقدس کا ایک منظوم ارشاد ہے۔

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا　　　اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

حضرت چوہدری صاحب نے خداداد سرفرازی میں خاکساری اور تذلل ونیستی کا چولہ پہن کر خدا تعالیٰ کی جناب میں حسب استطاعت عاجزی اختیار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔آخر محبت الٰہی کا یہ جذبہ رنگ لایا اور وہ اس طرح کہ آپ اس یارِازل کو پانے میں کامیاب ہو گئے۔یہ اُس کے اور وہ اِن کا ہو گیا اور اس کے ثبوت کے طور پر وہ یارازل آپ کو ترقی پر ترقی دیتا اور سرفرازی عطا کرتا چلا گیا۔وہ تمام بشارتیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے درخشندہ مستقبل کے بارہ میں آپ کی قدسی صفات والدہ ماجدہ کو دی تھیں وہ سب حسب وعدہ الٰہی ایک ایک کر کے پوری ہوتی چلی گئیں۔اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو چوہدری صاحب موصوف کا وجود اور آپ کی پوری زندگی ایک مہتم بالشان نشان کی حیثیت رکھتی ہے۔

ذاتی مشاہدات کی ایک جھلک: حضرت چوہدری میں موصوف جب 1935ء میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن مقرر ہوئے اور آپ نے مستقل طور پر نئی دہلی میں سکونت اختیار کی تو خاکسار کو اپنی طالبعلمی کے زمانہ ہی سے آپ کو قریب سے دیکھنے، آپ کی انگریزی اور اردو تقاریر سننے اور جماعتی اجلاسوں اور احمدی احباب کی نجی تقاریب میں آپ کے ارشادات سے سے مستفیض ہونے کے مواقع بکثرت میسر آئے۔بعد ازاں جب خاکسار تعلیم مکمل ہونے پر زندگی وقف کر کے پہلے قادیان پھر لاہور اور پھر ربوہ آیا اور الفضل سے منسلک ہوا تو گاہے گاہے آپ کی تقاریر کی خبریں مرتب کرنے اور بعض مواقع پر آپ سے علیحدگی میں ملاقات کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔اس تمام عرصہ میں آپ کے جن بلند پایہ اوصاف سے خاکسار از حد متاثر ہوا اور آپ کی جن محیّر العقول خداداد صلاحیتوں کا اظہار خاکسار کے مشاہدہ میں آیا ان کی ایک جھلک ہی سطور ذیل میں پیش کرنا فی الوقت خاکسار کے مدّنظر ہے۔محترم چوہدری صاحب موصوف کے اخلاقِ عالیہ اور اوصاف حمیدہ قومی وملّی اور جماعتی خدمات اور کارناموں پر ایک مختصر مضمون میں کما حقہ روشنی ڈالنا میں کیا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ہر کوئی اپنے تجربہ اور مشاہدے اور بساط کے مطابق ان کی ایک جھلک ہی پیش کر سکتا ہے۔میں بھی خراج عقیدت کے طور پر بساط بھر کوشش کی جسارت کر رہا ہوں۔خاکسار کی اس ادنیٰ کاوش سے بھی چوہدری صاحب ایسے نابغہ روزگار وجود کی عظمت وشان اور آپ پر خدا تعالیٰ کے بے پایاں لطف واحسان کا اندازہ لگانے

میں شاید کسی قدر مدد مل سکے۔

محبت الٰہی اور عشقِ رسولؐ: حضرت چوہدری صاحب کی ذاتِ والا صفات میں محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کے ہر دو جذبے اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ محبت الٰہی کا ذکر سطور بالا میں ''مہتمم بالشان نشان صداقت'' کے ذیلی عنوان میں آچکا ہے۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ آپ کے عشق کا تعلق ہے میں فی الوقت ایک غیراز جماعت دانشور کے تاثرات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔اپنے قیامِ دہلی کے دوران عید کی نماز میں بالعموم چوہدری صاحب موصوف ہی پڑھایا کرتے تھے۔ ہر بار بہت پر معارف خطبہ ارشاد فرماتے اس سے عید کی تقریب کا لطف دوبالا ہوجاتا۔سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے غالباً 39-1938 میں آنحضرت ﷺ کی سیرت مقدسہ کے موضوع پر سلسلہ وار تین بہت معرکۃ الآراء تقاریر کیں۔ان تقاریر کا شہر کے علمی حلقوں میں بہت شہرہ ہوا۔لوگ آپ کی تقریر سے مستفیض ہونے کیلئے کھنچے چلے آتے اور آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے تذکارِ مقدسہ سے اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے۔ان جلسوں کا اہتمام اینگلوعربک کالج کے وسیع وعریض ہال میں کیا جاتا تھا کہ ان میں سے ایک جلسہ کی صدارت سر راما سوامی مڈلیار نے کی۔ دوسرے جلسہ میں صدارت کے فرائض سر محمد یامین انجام دیئے ۔تیسرے جلسہ کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین تھے جو بعد میں بھارت کے صدر بنے۔ان میں سر ضیاء اللہ سر سید رضا علی اور بہت سے دیگر عمائدین بھی ذوق وشوق سے شریک ہوتے رہے۔ میں اس زمانہ میں کالج میں پڑھتا تھا۔میرے کالج کے ایک پروفیسر جو سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر چوہدری صاحب کی ایک تقریر سن چکے تھے۔ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ آئندہ جب چوہدری صاحب کی تقریر ہوتو میں چاہتا ہوں کہ تم سٹیج سے نیچے ہال کی پہلی قطار میں میرے لئے نشست کا انتظام کراؤ اور وہ نشست ہوبھی اس جگہ کے عین سامنے جہاں کھڑے ہوکر چوہدری صاحب تقریر کریں اس کی وجہ میں تقریر سننے کے بعد بتاؤں گا۔ جب اگلا جلسہ منعقد ہوا مَیں نے پروفیسر صاحب کی خواہش کے مطابق ان کے لئے نشست کا انتظام کر دیا۔تقریر مسلسل تین گھنٹے تک جاری رہی سامعین ہمہ تن گوش بنے تقریر سنتے اور آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے اذکار مقدس پر سر دھنتے رہے،تقریر کیا تھی نور کا ایک سیلِ رواں تھا جو آگے ہی آگے بڑھ رہا اور قلوب واذہان کو سیراب کررہا تھا اور انہیں دھودھو کر منور کر رہا تھا۔ اگلے روز میں کالج میں پروفیسر صاحب مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا۔تقریر کا سحر ان پر ہنوز طاری تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے لو مَیں تمہیں بتاتا ہوں مَیں نے سب سے اگلی قطار میں ایک مخصوص نشست کا اہتمام کرنے کیلئے کیوں کہا تھا۔دراصل بات یہ ہے میں چوہدری صاحب کی پہلی تقریر سے ہی بہت متاثر ہوا تھا لیکن مَیں ہال میں دور بیٹھا ہوا تھا۔میرے دل میں خیال گزرا چوہدری صاحب بہت بلند پایہ وکیل اور سحر طراز خطیب ہیں۔کہیں ایسا تونہیں کہ یہ وکالت اور خطابت کے زور پر اپنی تقریر کو پراثر بنانے کے فن کا مظاہرہ کررہے ہیں اور دکھاوے کے طور پر ظاہر کررہے ہیں کہ احمدی آنحضرت ﷺ کے عشق سے سرشار ہیں۔مَیں نے دل میں فیصلہ کیا کہ مَیں اگلی تقریر میں چوہدری صاحب کے قریب بیٹھ کر اور تقریر کے ساتھ ساتھ اسی دلی کیفیت کا اندازہ لگا کر اصل حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔سوواقعی مَیں اس دفعہ قریب بیٹھ کر تقریر کے دوران چوہدری صاحب کے چہرے کا گہری نظر سے مطالعہ کرکے انکی دلی کیفیت کا اندازہ لگاتا رہا۔مَیں قریبی اور گہرے مشاہدے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ شخص تصنع اور بناوٹ سے بالکل پاک ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے دل سے کہہ رہا ہے۔اس کی زبان واقعی اس لئے دل کی ترجمان ہے۔اس کے رگ و ریشہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور آنحضرت ﷺ کا عشق رچا ہوا ہے اور اس کے زیر اثر ہی یہ اپنے معبود کے حسن و

جمال کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔حقیقت یہی ہے کہ چوہدری صاحب موصوف کا دلکش وجود ایک دل موہ لینے والے خوش رنگ گلاب کی طرح تھا جس میں سے محبت اور عشق رسول ﷺ کی بھینی بھینی خوشبو پھیل پھیل کر ہم نشینوں کے مشامِ جاں کو معطر کررہی ہوتی تھی اور ہر کوئی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہتا تھا کہ جمال ہم نشین درمن اثر کرد

غیر معمولی ذہن رسا اور خطابت کا مثالی جوہر: قائداعظم نے بجا فرمایا تھا۔''ظفر اللہ کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے(ہفت روزہ مسلم آواز، کراچی جون 1953ء)اور پاکستان ٹائمز کے اداریہ نویس کا یہ قول سولہ آنے درست ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان کی مسلمہ لیاقت کو چار چاند لگانے والی دو چیزیں تھیں ایک اسکی مثالی یادداشت اور دوسرے غیر معمولی ذہنی صلاحیت کی مدد سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک براہ راست اور فوری رسائی کی اہلیت (پاکستان ٹائمز 3 ستمبر 1958ء)اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے چوہدری صاحب موصوف کو ایک اور ملکہ بھی عطا کیا تھا اور وہ تھا انگریزی زبان میں خطابت کا منفرد انداز۔اس عطائے خداوندی کے ذریعہ آپ کی غیر معمولی ذہنی اور فکری صلاحیتوں کا اس رنگ میں اظہار ہوا کہ دنیا ورطہ حیرت میں پڑے بغیر نہ رہی اور اقوام عالم کو آپ کی اصابت رائے ،قوت استدلال اور اس کے منفرد پیرائے اظہار کا لوہا ماننا پڑا۔چوہدری صاحب موصوف نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں مسئلہ فلسطین ،مسئلہ کشمیر اور شمالی افریقہ کے عرب ممالک کی آزادی سے متعلق پیچیدہ مسائل کی گتھیوں کو حل کرنے میں اپنے خداداد فن خطابت سے عجب منفرد انداز میں فائدہ اٹھایا۔پھر آپ نے بھارتی مندوب کرشنا مینن اور دنیا کے دوسرے نامور مقررین کے ساتھ معرکہ آرا جھڑپوں کے دوران فنِ خطابت میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا جس طرح سکہ بٹھایا اسکی وجہ سے بحیثیت ایک منفرد خطیب کے آپ کی شہرت اطراف و جوانب عالم میں پھیلتی چلی گئی۔اور دنیا بھر کے اخباروں میں تقاریر کے دوران آپکی خطابت کے منفرد انداز کو آشکار کرنے والے فوٹو بکثرت شائع ہوئے اور سال ہا سال تک شائع ہوتے رہے۔چوہدری صاحب موصوف کا قلوب واذہان کو قائل کرنے اور مدِّ مقابل کو اپنی قوتِ استدلال اور زور بیان سے عاجز ولاچار کرنے والا یہ انداز خطابت جماعت احمدیہ کے افراد کیلئے بھی ایک نئی بات تھی۔اس لئے کہ جماعت میں آپ اکثر و بیشتر جو تقاریر کیا کرتے تھے ان کا انداز موثر اور دلپذیر ہونے کے باوجود اقوام متحدہ کی تقاریر سے یہ مختلف ہوا کرتا تھا۔جماعت میں آپ اکثر تربیتی موضوعات پر تقاریر فرماتے تھے۔ان تقاریر میں پُرزور و پُرجوش انداز بیان سے زیادہ نرم گفتاری سوز و گداز اور عجز وانکسار کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔مَیں بچپن ہی سے دہلی ،قادیان ، لاہور اور ربوہ میں چوہدری صاحب موصوف کی اردو اور انگریزی تقاریر سنتا چلا آرہا تھا۔جب اقوام متحدہ میں کی جانے والی آپ کی ولولہ انگیز اور تہلکہ خیز تقاریر کا دنیا بھر میں غلغلہ بلند ہوا تو میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ چوہدری پہلیاں موصوف کبھی یہاں (یعنی ربوہ میں) بھی کسی تقریر کے دوران اسی جوش ولولہ اور زورِ زبان کا مظاہرہ کریں جس کا مظاہرہ اقوامِ متحدہ میں کرکے آپ نے ساری دنیا میں ایک شور برپا کر دکھایا ہے۔

ایک معرکہ آراء تقریر: میری یہ خواہش 1959ء کے اوائل میں پوری ہوئی۔چوہدری صاحب موصوف ان دنوں ہیگ کی عالمی عدالت میں نائب صدر کے عہدہ پر فائز تھے اور رخصت گزارنے ربوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔تعلیم الاسلام کالج یونین کی طرف سے چوہدری صاحب موصوف کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ آپ طلباء کالج سے انگریزی میں خطاب فرمائیں جسے آپ نے از راہ شفقت منظور فرمایا۔چنانچہ آپ نے 22 جنوری 1959ء کو MAN IS A UNIVERSE IN HIMSELF موضوع پر طلباء سے خطاب کیا۔تعلیم الاسلام کالج کا ہال

طلباءاورربوہ کے اہل علم اصحاب سے اس طرح کھچا کچھ بھرا ہوا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

کرسی صدارت پر کالج یونین کے نائب صدر محترم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب کے بیٹھنے کے بعد تلاوت قرآن مجید سے کارروائی کا آغاز ہوا۔ بعدہ چوہدری صاحب موصوف نے انگریزی میں تقریر شروع کی۔ سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب ''توضیح مرام'' میں یہ رقم فرما کر کہ انسان اپنی ذات میں عالم صغیر کی حیثیت رکھتا ہے اس موضوع پر بہت لطیف پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔ چوہدری صاحب موصوف نے حضور اقدس کے ارشادات سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے پہلے کائنات ارضی وسماوی میں پوشیدہ طاقتوں، ایک نہایت ہی محکم وابلغ نظام کے تحت ان طاقتوں کی کارفرمائی اوراس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے تغیرات کا ذکر کے اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ انسانی صلاحیتوں، ان کے نشوو ارتقاء اورانسان کے لئے مادی وروحانی ترقیات کے بیحد وسیع امکانات کو بہت ہی پرمعارف انداز میں ذہن نشین کرایا۔ آپ نے اُن ذرائع پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی جن کی مدد سے ہر شخص قدرت کی ودیعت کردہ صلاحیتوں کو نہایت متوازن طریق پر اس طور سے بروئے کار لا سکتا ہے کہ درمیانی ناکامیوں میں مایوسی اسکے قریب نہ پھٹک سکے اور حالات کی نامساعدت یا راہ میں پیش آنے والی مشکلات اس کے لئے سدراہ نہ بن سکیں اور وہ ہرآن ترقی کی طرف قدم بڑھاتا اوراپنے شخصی جوہر کو اجاگر کرتا چلا جائے حتیٰ کہ ایسا کمال حاصل کرلے کہ اس کا وجود دوسروں کیلئے سراسر شیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہ ہو۔ اس ضمن میں آپ نے جذبہ عمل کو ہرآن بیدار رکھنے، مشکلات کو ترقی کا زینہ سمجھنے، کسی حال میں بھی ہمت نہ ہارنے، مسلسل جدوجہد کو اپنا شعار بنانے، خدائے قانون سے کامل مطابقت اختیار کرنے، اجتماعی فلاح کو مدنظر رکھنے افضال خداوندی کو ہرگز محدود نہ سمجھنے، غیر نفع بخش نقالی سے بچنے، تعمیری فکر کی عادت ڈالنے، قول وفعل میں مکمل یکسانیت پیدا کرتے اورزندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرتے ہوئے صبر واستقلال کے ساتھ مصروف عمل رہنے کے زریں اصولوں اورانکی پرحکمت باریکیوں کو نہایت خوبی سے واضح فرمایا اور ساتھ کے ساتھ قرآن مجید کی آیات پیش کرکے یہ امر ذہن نشین کرایا کہ ہر صورت حال، ہر موقع ومحل اور ہر شعبہ زیست میں زندگی کو کامیابی اور فائز المرامی سے ہمکنار کرنے کا تمام راز قرآن مجید کی بے مثال ولازوال تعلیم کو مشعل راہ بنانے اوراس کی حقیقی روح کو سمجھتے ہوئے اس پر صدق دل سے عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔

چوہدری صاحب موصوف کی یہ تقریر نفس مضمون کے لحاظ سے ایک نہایت ٹھوس اور پُرمغز تقریر تو تھی ہی یہ آپ کے مخصوص انداز خطابت کی آئینہ دار ہونے کی وجہ سے روانی وزور بیان اور جذب وتاثیر کے لحاظ سے بھی ایک شاہکار تقریر تھی۔ اس تقریر کی فنی خوبیوں پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندگان خاص کو بلند روحانی مدارج عطا کرکے اصلاح خلق کی غرض سے عزیمتکے مقام پر فائز فرماتا ہے ان کا انداز تخاطب اور زبان وبیان کا انداز جیسی ناقابل بیان تاثیر کا حامل ہوتا ہے اوران کا نظام تسخیر وتطہیر قلوب کی جس زبردست قوت سے مالا مال ہوتا ہے اس کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ دوسرے لوگوں کو ان سے کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ چہ نسبت خاک رابہ عالم پاک۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ جن دوسرے لوگوں کو ادبی فصاحت وبلاغت اور طلاقت کی قوتیں ودیعت کی جاتی ہیں ان کا انداز بیان بھی تاثیر سے یکسر خالی نہیں ہوتا۔ کچھ نہ کچھ اثر کا ان میں بھی ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ چوہدری صاحب موصوف اس مؤخر الذکر قبیل کے سحر بیان مقررین میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کے حامل تھے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر نامور مقرر کا اپنا الگ رنگ ڈھنگ ہوتا ہے۔ ان میں تقابل کیسے گنجائش نہیں

ہوتی۔ میں نے دہلی اور لاہور میں اُس وقت کے اکثر نامور سیاسی لیڈروں اور اسی قبیل کے دیگر مشاہیر کی اردو اور انگریزی تقاریر سنی ہیں۔ وہ سب اپنے اپنے رنگ میں میدان تقریر کے شہسوار مانے جاتے تھے اور ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است کے مصداق تھے۔ اُس روز تعلیم الاسلام کالج میں حضرت چوہدری صاحب کا خطابت کا انداز سب سے جدا، سب سے الگ اور سب سے نرالا تھا۔ جس طرح ٹرین سٹیشن سے رینگتی ہوئی آگے کھسکتی اور پھر آہستہ آہستہ رفتار پکڑتی ہے اور بالآخر فراٹے بھرتی ہوئی سفر پر روانہ ہوتی ہے اسی طرح چوہدری صاحب کی تقریر قدرے دھیمے انداز میں شروع ہوئی لیکن پھر درجہ بدرجہ پرزور انداز میں آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس میں فراٹے بھرنے اور گڑگڑاہٹ پیدا کرنے والی تیز رفتار ٹرین کی طرح اچھی خاصی گھن گرج بھی تھی اور سٹیشن سے روانہ ہونے والے نرم رو ٹرین کی دل آویز دھمک بھی۔ کبھی ساون کی موسلا دھار بارش اور اس کے زور شور کا سماں بندھ جاتا اور کبھی مہاوٹوں کی ہلکی پھوار اور اس کا دل آویز ترنم اور فرحت بخش ٹھنڈک کا سرور رنگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا۔ جچے تلے فقرے اور ان میں نگینہ کی طرح جڑے ہوئے نہایت برمحل اور موزوں الفاظ نہایت پرشوکت انداز میں بڑی تیزی اور تواتر سے ادا ہورہے تھے۔ ایک عجیب شماں بندھا ہوا تھا۔ اور ساتھ کے ساتھ وہ بدل بھی رہا تھا اور ہر بدلا ہوا سماں اپنے اندر ایک عجیب لطافت لئے ہوئے تھا۔ الغرض چوہدری صاحب موصوف کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور مختلف نکات ذہن نشین کرانے کے نت نئے انداز نے بادلوں کے گرجنے، موسلا دھار بارش کے برسنے اور ترنم ریز پھوار کی رم جھم کے وقفہ وقفہ سے بدلنے والے نظاروں نے سامعین کو محو حیرت بنا رکھا تھا۔ رپورٹ کے فرائض میں مقرر کے بیان کردہ مضمون کو اپنے فہم کی گرفت میں لانا ہی نہیں ہوتا بلکہ سامعین پر وارد ہونے والی کیفیات کا اندازہ لگانا بھی اس کیلئے ضروری ہوتا ہے بقول شاعر

سب لوگ جدھر وہ ہیں اُدھر دیکھ رہے ہیں ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں

رپورٹر مقرر کے ساتھ ساتھ سامعین کو بھی مسلسل دیکھ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے جب بھی ہال میں بیٹھے ہوئے سامعین پر نظر ڈالی ہر کسی کو حیرت زدہ پایا۔ سب حیرت سے آنکھیں پھاڑ نے چوہدری صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے اور اس توجہ سے آپ کے ارشادات سن رہے تھے گویا کہ ایک ایک لفظ دل میں اتر رہا ہے۔ سامعین کی کیفیت ایک نہ بھولنے والے نظارہ کی طرح آج بھی میرے ذہن میں تازہ ہے۔ تقریر نے ختم ہونا تھا سوا ایک گھنٹہ جاری رہنے کے بعد وہ ختم ہوگئی لیکن سامعین کے دل و دماغ سے اس کا سحر ختم نہ ہوا اور نہ ختم ہوسکتا تھا۔ اقوام متحدہ میں جو بدری صاحب موصوف کی معرکہ آرا اور یادگار تقاریر کے دوران مختلف سحر انگیز مواقع پر مختلف زاویوں سے لئے گئے بیشمار فوٹو دنیا بھر کے اخبارات میں چھپا کرتے تھے۔ اُس روز تعلیم الاسلام کالج ہال میں ان فوٹو کی زندہ اور جیتی جاگتی متحرک فلم آنکھوں کے سامنے آگئی اور دل پکار اٹھا اقوام متحدہ میں اہم اور پیچیدہ مسائل پر بحث کے دورانے معرکے سر کرنا کوئی معمولی اعزاز نہیں۔ یہ عزّت، یہ امتیاز، یہ شرف یہ فخر واقعی چوہدری صاحب کیلئے ہی مخصوص تھا ''یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا'' **محیر العقول حافظہ اور اس کی کرشمہ سازیاں:** اللہ تعالی نے حضرت چوہدری صاحب کو نہایت بلند پایہ ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ محیر العقول حافظہ کی دولت لازوال سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ جو بات ایک دفعہ آپ کے مشاہدہ میں آجاتی یا کوئی بات آپ ایک بار پڑھ یا سن لیتے وہ آپ کے ذہن کے نہاں خانوں میں ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جاتی اور اگر برہا برس کے بعد بھی کبھی اس کا ذکر آجاتا تو آپ اسکی جملہ تفصیلات پوری صحت کے ساتھ دہرا دیتے اور اس بارہ میں آپ کا فرمایا ہوا سند شمار ہوتا آپ کے محیر العقول حافظہ کی کرشمہ سازیوں

کے بعض واقعات میرے تجربہ میں بھی آئے۔ان میں سے دوواقعات بیان کرتا ہوں۔

پہلا واقعہ: آج سے قریباً بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارے نائیجرین احمدی بھائی جناب ظفراللہ الیاس جلسہ سالانہ کے موقع پر پہلی بار ربوہ آئے۔جلسہ کے ایک اجلاس کے دوران وہ سٹیج پرآ کر میرے قریب بیٹھے۔چندمنٹ بعدان کی تقریر ہونا تھی۔اس وقفہ میں میں نے ان سے کہا کہ آپ کے دینی نام کے ساتھ کوئی افریقی نام نہیں ہے۔اس کی کیا وجہ ہے۔انہوں نے فرمایا میری پیدائش پر میرے والدین نے میرا نام الیاس رکھا تھااوراس کے ساتھ ایک افریقین نام بھی تھا۔مَیں دوتین سال کا تھا کہ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب لیکوس میں جامع احمدیہ (جماعت احمدیہ نائیجریا کے مرکزی خانہ خدا) کا سنگ بنیادرکھنے کی غرض سے وہاں تشریف لائے۔نائیجریا کے لوگ آپکی ایک جھلک دیکھنے کیلئے ٹوٹے پڑتے تھے۔ملک کے گوشہ گوشہ میں آپکا نام گونج رہا تھا۔میرے والدآپ کی مسحورکن شخصیت سے بیحد متاثر ہوئے میرے والد نے انہی دنوں میرے افریقی نام کوحذف کرکے آپکے نام نامی کومیرے نام کا جزو بنا کر مجھے ظفراللہ الیاس کہنا شروع کردیا۔سواس وقت سے ہی میں ظفر اللہ الیاس کہلاتا ہوں،انہوں نے تھا ہی بتایا تھا کہ تقریر کیلیے ان کا نام پکارا گیا۔وہ تقریر کرنے کے لئے چلے گئے اور میں ان سے یہ نہ پوچھ سکا کہ یہ کس سال کی بات ہے۔میرے قریب ہی مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب بیٹھے تھے جوعرصہ درازیک نائجیریا میں مربی انچارج رہے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ چوہدری صاحب موصوف نے جامع احمدیہ کا سنگِ بنیادکس سن میں رکھا تھا۔انہوں نے کہا میں تو پہلی بار 1945ء میں نائجیریا میں گیا تھا۔یہ اس سے پہلے کی بات ہے۔صحیح سن مجھے یادنہیں۔برادرم ظفراللہ الیاس صاحب نے جو بات بتائی تھی میں جلسہ کی خبر میں اس کا ذکرکرنا چاہتا تھا میں اس کے لئے مجھے جامع احمدیہ لیگوس کے سن تاسیس کی ضرورت تھی۔میں نے ادھراُدھر نظر دوڑائی کہ یہ بات کس سے دریافت کروں۔میں نے دیکھا کہ سٹیج کے عقبی حصے میں چوہدری صاحب موصوف ایک کرسی پر بیٹھے کارروائی سُن رہے تھے۔مَیں پلک جھپکنے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوااوردریافت کیا کہ آپ نے جامع احمدیہ لیگوس کا سنگ بنیادکس سن میں رکھا تھا۔میری زبان سے فقرہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ نے بلاتوقف یکدم فرمایا12 مارچ 1940ء بروز جمعہ بعدنمازعصر بعدازاں جب میں نے 12 مارچ 1943ء سے بعد کے الفضل کے شماروں پرنظرڈالی تو 19 تاریخ 1943ء کے الفضل میں شائع شدہ رپورٹ سے جامع احمدیہ لیگونس کے سنگ بنیادکی بعینہ اسی تاریخ کی تصدیق ہوئی جو چوہدری صاحب موصوف نے ہمیں پچیس سال بعدمیرے استفسار پرچشم زدن میں بتائی تھی۔

دوسرا واقعہ: یہ اس زمانہ کی بات ہے کہ چوہدری صاحب موصوف اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی حیثیت سے خدمات بجالا رہے تھے۔آپ نیویارک سے پاکستان آئے ہوئے تھے اور کچھ عرصہ کے لئے بیت الظفر ربوہ میں مقیم تھے۔ایک دن حضرت مرزا بشیراحمد صاحب نوراللہ مرقدہ نے مجھے یادفرمایا۔جب مَیں حاضر خدمت ہواتوتیس چالیس صفحات پرمشتمل ایک مسودہ مجھے دیااورفرمایا کہ میں یہ مسودہ چو ہدری صاحب موصوف کی خدمت میں لے جاؤں اور ان سے کہوں کہ آپ قانونی نقطہ نگاہ سے ضروری اصلاح فرمادیں اور اگر اصلاح کی ضرورت نہ ہوتو پڑھ کرواپس بھجوادیں۔حضرت میاں صاحب مسودہ میں اصلاح کوضروری خیال سے فرماتے تھے جبکہ بعض دیگراصحاب الرائے کے نزدیک اصلاح چنداں ضروری نہ تھی۔جونہی میں نے مسودہ چوہدری صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کیا آپ نے فوراً ہی اسے پڑھنا شروع کردیا،آپ باری باری ہرصفحہ پرنظرڈال کرتیزی سےاوراق الٹارہے تھے۔چندمنٹ میں آپ نے سارامسودہ مطالعہ فرمالیااورمسودہ میں

ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا۔ مَیں نے خیال کیا آپ کی رائے بھی یہی ہے کہ مسودہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ مسودہ کی سطر سطر بلکہ لفظ لفظ آپ کے ذہن میں محفوظ ہو چکا ہے اور مطالعہ کے دوران آپ دل ہی دل میں یہ فیصلہ بھی فرماتے جار ہے ہیں کہ اس میں کہاں کہاں اصلاح ضروری ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ مطالعہ کے بعد آپ مسودہ کسی تبدیلی کے بغیر واپس فرمادیں گے۔لیکن آپ نے مسودہ کا آخری صفحہ ختم کرنے کے بعد مجھ سے پنسل طلب فرمائی اور پنسل ہاتھ میں لیتے ہی مسودہ کے ورقوں کو دوبارہ الٹنا شروع کر دیا۔اور جگہ جگہ فقرات بدلنے ! اصلاح فرمانے لگے۔آپ کی نگاہ تیزی سے مختلف صفحات کے انہی فقرات اور الفاظ پر پڑتی تھی جن میں اصلاح کی ضرورت تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آپ نے چند منٹ کے اندر اندر پورے مسودہ میں اصلاح فرمادی اور مسودہ مجھے تھماتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔میری حیرت کی انتہا نہ تھی کہ منٹوں سیکنڈوں میں یہ سب کچھ ہو کیسے گیا۔اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے کہ خواب؟ میں مسودہ لے کر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے بڑی احتیاط سے تمام اصلاحات چیک کیں اور ان پر بہت اطمینانی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔حقیقت یہ ہے کہ بلا کی ذہانت اور بلا کے حافظہ نے حضرت چوہدری صاحب موصوف کی شخصیت میں عجب جامعیت پیدا کر دکھائی تھی اور آپ کو کمالات کا ایک حسین مرقع بنا چھوڑا تھا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. حضرت چوہدری صاحب کے نابغہ روزگار وجود کا ایک انتہائی قابل قدر امتیازی نشان یہ تھا کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر اعلیٰ ترین مناصب پر فائزہ رہنے کے باوجود عجز وانکسار، آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ جذبہ آپ پر ہمیشہ غالب رہتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک عاجز اور کمزور بندہ ہوں، یہ محض اس کا فضل ہے کہ اس نے مجھ جیسے عاجز اور کمزور انسان کو ترقیات سے نوازا ہے، اگر خلفائے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مقبول دعائیں اور ان کے نتیجہ میں نازل ہونے والا فضل عظیم میرے شامل حال نہ ہوتا تو میں اپنی محنت اور کوشش سے یہ اعلیٰ مناصب کبھی نہ حاصل کرسکتا۔اس جذبہ کے تحت ہی آپ نے اپنی انگریزی سوانح عمری کا نام The Servet of God رکھا جس کے معنی ہی اللہ تعالیٰ کے عبد منیب کے ہیں۔آپ کی عاجزی وانکساری کے دو ایک چشم دید واقعات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

پہلا واقعہ: یوں تو مجھے چوہدری صاحب موصوف کے قیام ربوہ کے دوران جماعتی کاموں کے سلسلہ میں آپ سے ملنے کے متعدد مواقع میسر آئے۔لیکن ان ملاقاتوں میں کام سے متعلق باتوں کے سوا ادھر ادھر کی کوئی بات کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی 1956۔1955 کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک دن میں کسی جماعتی کام کے سلسلہ میں حاضر خدمت ہوا۔اس روز مَیں نے محسوس کیا کہ آپ کسی قدر فراغت کے موڈ میں ہیں۔ ہمت کر کے ایک بات جو عرصہ دراز سے میرے ذہن میں تھی عرض کر ہی دی۔ میں نے عرض کیا کہ اب تک ہم نے سیدنا حضرت اقدس بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور سیدنا حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ کی بعض کتابیں انگریزی میں ترجمہ کر کے مغربی ممالک میں پھیلائی ہیں۔اگر اسلام اور احمدیت کے بارہ میں آپ بعض کتابیں رقم فرمائیں اور وہ آپ کے نام سے شائع ہوں تو میں سمجھتا ہوں یورپ اور امریکہ کے لوگ انہیں شوق سے پڑھیں گے اور یقیناً اثر قبول کریں گے۔آپ میری اس بات پر قدرے مسکرائے اور پھر فرمایا ہمارے لوگوں نے نہ جانے ظفر اللہ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ظفر اللہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک عاجز اور علمی لحاظ سے بے مایہ انسان ہے جو اثر ،حضرت اقدس اور خلفائے سلسلہ کی تحریروں میں ہے وہ اس کی زبان بیان میں کہاں۔ یہ کہہ کہ آپ خاموش ہو گئے۔ پھر کسی قدر توقف سے فرمایا اگر میں کتابیں لکھوں بھی تو میرے لئے

حضرت اقدس اور خلفائے سلسلہ کے فراہم کردہ بیش بہا علمی خزانے سے استفادہ کرنا ناگزیر ہوگا میرے نزدیک یہ امر بدرجہا بہتر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگ اس بیش بہا علمی خزانہ سے براہ راست مستفیض ہوں۔ مجھ ایسا خوشہ چین انہیں کب متاثر کرسکتا ہے۔ میں یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔ آپ نے اس وقت تک کتابیں لکھنے کی طرف توجہ نہیں کی جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خواب کے ذریعہ اس بارہ میں اشارہ نہیں ملا۔ آپ نے بعض کتب خود بھی تصنیف فرمائیں لیکن زیادہ توجہ سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور خلفائے سلسلہ کی تحریرات کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے پر مذکور رکھی، آپ کی تصنیف کردہ اور ترجمہ کردہ کتابوں کی مجموعی تعداد 45 ہے۔

دوسرا واقعہ: 1970ء کی گرمیوں میں مَیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ انگلستان گیا ہوا تھا اور لندن کے احمدیہ مشن کی تیسری منزل کے ایک کمرہ میں مقیم تھا۔ انہی دنوں لاہور کے ایک نامی گرامی صحافی نے جو میرے بھی دوست ہیں۔ چوہدری صاحب موصوف کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ خط کے آخر میں انہوں نے یہ بھی لکھا کہ مسعود احمد دہلوی آج کل حضرت امام جماعت احمد کے ساتھ انگلستان گئے ہوئے ہیں۔ اگر وہ لندن مشن میں ہی مقیم ہوں اور ان کا اور آپ کا آمنا سامنا ہو تو ان تک میرا اسلام پہنچا دیں۔ مجھے تو اس بات کا علم نہ تھا لیکن جس طرح اور جس رنگ میں یہ بات میرے علم میں آئی اس نے مجھے محوحیرت کردیا۔ اس سے چوہدری صاحب موصوف کی عظمت کردار کا نقش میرے دل و دماغ پر اس طرح نقش ہوا کہ میں تاحیات اسے فراموش نہیں کرسکتا۔ میرے لئے تو وہ لمحہ باعث صدافتخار تھا، ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ایک روز مَیں ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے کمرے میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ اچانک کاریڈور میں چوہدری صاحب موصوف کے قدموں کی آواز کانوں میں پڑی۔ چوہدری صاحب موصوف کا فلیٹ اس بڑے فلیٹ سے ملحق تھا جس کے ایک کمرے میں مَیں مقیم تھا۔ ان دنوں آپ کی طبیعت ناساز تھی کمزوری کی وجہ سے آپ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے تھے۔ اور سلیپروں کے گھسنے کی وجہ سے ان میں سے آواز پیدا ہوتی تھی میں نے خیال کیا کہ آپ خان بشیر احمد خان رفیق مبلغ انچارج سے کوئی بات کرنے اس فلیٹ میں تشریف لائے ہیں۔ لیکن مَیں اچانک چونک پڑا جب میرے کان میں چوہدری صاحب موصوف کی آواز ''السلام علیکم'' آئی۔ مَیں نے یکدم نظر اٹھا کر دیکھا تو چوہدری صاحب موصوف کو اپنے کمرے کے دروازہ میں کھڑے پایا۔ ہڑبڑا کر اٹھا اور مصافحہ کا شرف حاصل کیا آپ نے فرمایا فلاں صاحب کا خط آیا ہے انہوں نے آپ کو سلام لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا آپ نے اتنی سی بات کیلئے تکلیف فرمائی اور خود تشریف لائے۔ کسی کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا ہوتا۔ مَیں خود حاضر خدمت ہو جاتا۔ فرمایا میں جواباً خط لکھ رہا تھا، کوئی آدمی پاس نہ تھا، اسلام پہنچائے بغیر میں لکھ نہیں سکتا تھا کہ میں نے سلام پہنچا دیا ہے اس لئے میں خود چلا آیا تاکہ خط مکمل کرکے اس سے فارغ ہوسکوں۔ اس جواب پر میں ششدر ہوئے بغیر نہ رہا۔ چوہدری صاحب کی فطری عاجزی وانکساری طبیعت کی سادگی اور عظمت کردار کا دل پر ایسا نقش بیٹھا جو کبھی مٹ ہی نہیں سکتا۔ جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے (اور اکثر آتا ہی رہتا ہے) تو چوہدری صاحب موصوف کی عظمت کردار کے آگے سر احتراماً جھک جاتا ہے۔ اور روح بے اختیار سلام پر سلام بھیجنے شروع کردیتی ہے۔

تیسرا واقعہ: چوہدری صاحب موصوف منسٹر کے رینک اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب اعلیٰ مقرر ہوئے تو ملکی اور غیر ملکی اخبارات نے آپ کے نام کے ساتھ ''ہز ایکسی لنسی'' لکھنا شروع کردیا۔ آپ کی تقاریر سے متعلق بعض انگریزی خبروں کے تراجم الفضل میں بھی شائع ہوئے۔ ان میں بھی دوسرے اخبارات کی طرح آپ کے نام کے ساتھ ''ہز ایکسی لینسی'' لکھا گیا۔ اس کے بعد جب آپ ربوہ تشریف لائے

اور نماز کے وقت مسجد المبارک میں میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا الفضل نے میرے نام کے ساتھ ''ہز ایکسی لینسی'' کیوں لکھنا شروع کر دیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک الفصل ہی نہیں سارے اخبارات ''ہز ایکسی لینسی'' لکھ رہے ہیں۔آپ نے فرمایا مجھے دوسرے اخبارات سے غرض نہیں اور نہ میں انہیں منع کرسکتا ہوں۔الفضل آئندہ میرے نام کے ساتھ یہ یا کوئی دوسرا القب بالکل استعمال نہ کرے۔مَیں صرف محمد ظفر اللہ ہوں۔دوسروں کو کیا معلوم کہ میرے نام کے ساتھ القابات کا استعمال میری طبیعت پر کس قدر گراں گزرتا ہے۔چنانچہ اس کے بعد ''الفضل'' میں آپ کے نام کے ساتھ تمام معروف القابات (جن کے آپ مسلمہ طور پر مستحق تھے) کا استعمال ہمیشہ کیلئے ترک کر دیا گیا شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں بلند مقام پانے کے باوجود عجز وانکسار کا یہ اعلیٰ نمونہ ایک عبد منیب ہی دکھا سکتا ہے جو احمدیت کی آغوش میں پروان چڑھا ہو۔**اسراف سے بکلّی اجتناب اور انفاق فی سبیل اللہ**۔سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے ارشاد فرمایا ''مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔'' (ملفوظات جلد دوم صفحہ 96) حضرت چوہدری صاحب موصوف بحمد اللہ تعالیٰ سعادت مندی اور تقویٰ شعاری کے اس معیار اور محک پر اس شان سے پورے اترے کہ آنے والی نسلوں کیلئے ایک نہایت ہی حسین قابل تقلید نمونہ پیش کر دکھایا۔اللہ تعالیٰ نے بین الاقوامی سطح پر شہرت، ناموری اور ہر دلعزیزی کے علاوہ مال بھی آپ کو بڑی کثرت سے عطا فرمایا اس کثرت سے کہ دولت کے انبار آپ کے قدموں میں لگ گئے لیکن ایک سچے اور حقیقی عہد عبد منیب کی طرح آپ نے اس دولت سے کوئی علاقہ نہ رکھا اور آپ اس کے بیشتر حصہ کو خدا تعالیٰ کے دین اور اس کی مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے چلے گئے۔لندن میں احمدیہ مشن کی سہ منزلہ عالیشان عمارت اور محمود ہال کی وسیع وعریض عمارت تمام تر اپنے خرچ پر تعمیر کرانے کے علاوہ سلسلہ کی مالی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر اس شان سے حصہ لیا کہ جماعت احمدیہ انگلستان کے جملہ افراد پر بہ حیثیت مجموعی سبقت لے گئے بقیہ دولت سے جو ایک خطیر رقم پر مشتمل تھی آپ نے ایک ٹرسٹ قائم فرمایا اور خود اس سے بالکل دستبردار ہو گئے۔اس ٹرسٹ کی طرف سے ناداروں بیواؤں اور یتیموں کو وظائف دینے کے علاوہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے کم استطاعت طلباء کو وظائف دیتے جاتے ہیں۔یہ عظیم صدقہ جاریہ آپ کی بلندی درجات کا موجب ہوتا چلا جائے گا۔آئندہ نسلوں کیلئے انفاق فی سبیل اللہ کا ایسا حسین قابل تقلید نمونہ پیش کرنے کی آپ کو اس لئے توفیق ملی کہ آپ نے قرآن مجید کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی ضروریات کو محدود کرنے اور ہر نوع کے اسراف سے بکلّی مجتنب رہنے کا بطور خاص اہتمام فرمایا۔آپ کی زندگی ذاتی مصارف کے اعتبار سے **وَالَّذِينَ إِذَا العقدا لم يسْرِقُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بين ذلك قواما** (الفرقان:68) کا ایک بہت ہی دل موہ لینے والا نمونہ تھی۔ایک چھوٹے سے واقعہ کا مَیں بھی عینی شاہد ہوں جس سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ آپ اسراف سے بچنے میں کس قدر احتیاط سے کام لیتے تھے۔

1956-57 کی بات ہے کہ چوہدری صاحب موصوف ربوہ تشریف لائے ہوتے تھے۔حضرت مولانا ابوالعطا صاحب ان دنوں جامعۃ المبشرین کے پرنسپل تھے۔ان کی درخواست پر آپ نے جامعہ میں تشریف لا کر طلباء سے خطاب فرمایا۔تقریر کے بعد آپ واپس روانہ ہونے سے قبل حضرت مولانا صاحب جامعہ کے اساتذہ اور دیگر چنیدہ مدعودین کے ساتھ کھڑے ہے باتیں کر رہے تھے۔آپ کے گرد جو حلقہ بنا ہوا تھا اس میں میں بھی شامل تھا۔چوہدری صاحب موصوف کے عین سامنے محترم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب مرحوم کھڑے تھے۔باتیں کرتے کرتے

چوہدری صاحب موصوف کی نظر محترم میاں صاحب مرحوم کی شیروانی کے بٹنوں پر پڑی۔ایک بٹن ڈھیلا ہوکرآگے کی طرف لٹکا ہوا تھا۔آپ نے میاں صاحب کومخاطب کرتے کہا میاں آپ کی شیروانی کا بٹن لٹک رہا ہے اس کی حفاظت کا خیال کریں۔انہوں نے کہا جی ہاں میں گھر جا کر اس میں ٹانکے بھر والوں گا۔چوہدری صاحب موصوف نے آگے ہاتھ بڑھا کر بٹن کھینچ لیا اور اسے میاں صاحب مرحوم کی شیروانی کی جیب میں ڈال دیا اور فرمایا بٹن اب محفوظ ہوا ہے اگر راستہ میں بٹن گر جاتا تو پھر اس جیسے بٹن کا ملنا محال ہی نہیں۔ناممکن ہوتا اور آپ کو شیروانی کے سامنے کے بٹن تبدیل کر کے نئے لگوانے پڑتے اور اس پر بلا وجہ رقم خرچ کرنا پڑتی۔میرا طریق یہ ہے کہ اگر میرا اچکن یا سوٹ کا کوئی بٹن ڈھیلا ہوجائے اور گھر سے باہر مجھے اس کا علم ہوتو میں اسے فوراً توڑ کر جیب میں ڈال لیتا ہوں اور اوّلین فرصت میں اسے دوبارہ اس کی جگہ لگوانے کا اہتمام کرتا ہوں۔ بات بظاہر چھوٹی سی تھی لیکن اسراف اور فضول خرچی سے بچنے کے تعلق میں طبیعت کی افتاد اور زندگی کو صحیح نہج پر ڈھالنے اور اہم کام سرانجام دینے کے اعتبار سے بہت بڑی اور انقلاب انگیز تھی۔اسراف سے بہر طور مجتنب رہنے سے متعلق طبیعت کی یہی افتاد تھی جس نے چوہدری صاحب موصوف کو انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں آنے والی نسلوں کیلئے نہایت حسین قابل تقلید نمونہ پیش کرنے کا زبردست حوصلہ عطا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

ادبی چاشنی کا حامل لطیف مزاح۔اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحب کے حافظہ کو بہت بلند پایہ ذہانت، محیرالعقول حافظہ،علوم وفنون میں غیر معمولی دسترس،خطابت کا مثالی جوہر اور دیگر بیشمار ظاہری و باطنی اوصاف کے ساتھ ساتھ بہت شگفتہ طبیعت بھی عطا فرمائی تھی۔بعض اوقات موقع اور محل کی مناسبت سے ایسے شگفتہ انداز میں گفتگو فرماتے کہ خود سننے والوں کی طبیعت میں فرصت اور شگفتگی پیدا ہوجاتی آپ کا مزاج کا انداز ادبی چاشنی کا حامل ہوتا بسا اوقات آپ رعایت لفظی اور صوتی مناسبت سے فائدہ اٹھا کر بات میں عجب لطف پیدا کر دکھاتے۔آپ کے ہم عمر بے تکلّف دوست آپ کی اس خوبی پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈال سکتے ہیں۔مَیں تو اپنی عمر اور حیثیت کے لحاظ سے ان لوگوں میں سے ہوں جن کے حصہ میں صرف دور کا ہی جلوہ آیا تھا۔نہایت لطیف مزاح کے دو ایک واقعات جو عام مجالس یا جلسوں کے مواقع پر میرے مشاہدے میں آئے بیان کرتا ہوں۔(1) اُس زمانہ کی بات ہے کہ آپ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن کی حیثیت سے دہلی میں رہائش پذیر تھے۔جماعت احمدیہ دلی کا جلسہ سالانہ کھلے میدان میں پنڈال کے اندر ہو رہا تھا۔اس کے ایک اجلاس کی صدارت چوہدری صاحب موصوف فرما رہے تھے۔ان دنوں محترم حسن رہتاسی صاحب مرحوم دہلی آئے ہوئے تھے۔پروگرام میں تلاوت قرآن مجید اور سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پر معارف منظوم کلام کے بعد حسن رہتاسی صاحب کی نظم بھی شامل تھی جو انہوں نے خوسنانا تھی۔رہتاسی صاحب بہت پُر گو اور بلند پایہ شاعر تھے۔انکی دینی نکات پر مشتمل نظم کچھ زیادہ طویل تھی۔ختم ہونے میں نہ آتی تھی حسن صاحب لہک لہک کر نظم سنا رہے تھے اور سامعین سر دھن رہے تھے۔اس طویل نظم کے قافیے کچھ اس انداز کے تھے۔حسینوں میں،جبینوں میں، زمینوں میں، دفینوں میں،خزینوں میں،مکینوں میں وغیرہ وغیرہ۔نظم کی غیر معمولی طوالت نظم الاوقات میں مخل ہو رہی تھی جسے چوہدری صاحب موصوف صدر اجلاس کی حیثیت سے بہت محسوس فرما رہے تھے۔خدا خدا کر کے نظم ختم ہوئی تو آپ نے اطمینان کا سانس لیا۔لیکن غضب یہ ہوا کہ جونہی حسن صاحب نے نہ ختم ہونے والی نظم ختم کی سامعین میں سے بعض نے جو کلام حسن سے محفوظ ہو رہے تھے مطالبہ کر دیا کہ حسن صاحب کو ایک اور نظم سنانے کا موقع دیا جائے۔

اس مطالبہ پر چوہدری صاحب موصوف نے بحیثیت صدر اجلاس برجستہ فرمایا مزید نظم سنانے کی مَیں اجازت نہیں دے سکتا اس لئے کہوہ ہوگی ختم جا کہ پھر کہیں برسوں مہینوں میں اس برجستہ لطیف جواب پر حاضرین بے ساختہ ہنس پڑے۔ مطالبہ مسترد فرمایا لیکن اس شگفتہ انداز میں کہ خود مطالبہ کرنے والوں میں شگفتگی کی لہر دوڑے بغیر نہ رہی۔(2) ربوہ میں 1964ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر 27 دسمبر کو صبح کے اجلاس میں حضرت چوہدری صاحب صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور محترم میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی تقریر فرما رہے تھے۔ مردانہ جلسہ گاہ اور زنانہ جلسہ گاہ (جو ایک دوسرے سے بہت طویل فاصلے پر واقع تھیں) کے مابین لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ رابطہ قائم تھا تا کہ مردانہ جلسہ گاہ کی اہم تقاریر سے مستورات بھی مستفیض ہوسکیں۔ صوتی رابطہ کے اس نظام میں کسی خرابی کے باعث مستورات کے جلسہ کی آواز مردانہ جلسہ گاہ میں آنے لگی اس سے محترم میاں عطاء اللہ صاحب کی تقریر میں چند سیکنڈ کیلئے شدید خلل واقع ہوا۔ اور انہوں نے وقتی طور پر اپنی تقریر روک دی اور ساتھ ہی مزاح کے انداز میں کہا عورتیں غالب آ گئی ہیں۔ شاید اس لئے کہ آج کل دنیا کے ایک حصہ پر ملکہ کا راج ہے۔ اس ریمارک پر لوگ مسکرانے لگے۔ چوہدری صاحب موصوف نے بڑے ہی برجستہ انداز میں فوراً انہیں فرمایا۔ ملکہ کا راج جہاں ہوگا، ہوگا۔ ہمیں اس سے غرض نہیں یہ جماعت احمدیہ عالمگیر کا جلسہ سالانہ ہے۔ یہاں بیٹھے ہوئے احمدیوں کے قلوب پر مرزا کا راج ہے۔ آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔ اس پر حاضرین بے ساختہ ہنس پڑے۔ لاؤڈ سپیکر کے نظام میں جو خرابی واقع ہوئی تھی منتظمین نے چند سیکنڈ کے اندر اندر اسے درست کر دیا جس سے دُور پرے کی آوازیں یک دم بند ہوگئیں اور جلسہ کی کارروائی بہت معمولی سے برائے نام وقفہ کے بعد پھر جاری ہوگئی۔ لیکن چند سیکنڈ کا یہ معمولی سا وقفہ حقیقت پر مبنی برجستہ گوئی کے طفیل سامعین کے لئے روحانی کیف وسرور اور ایک گونہ ظرافت طبع کا سامان کر گیا۔ **بنیادی اہمیت کا حامل سب سے اہم وصف۔** حضرت چوہدری صاحب کا بنیادی اہمیت کا حامل سب سے اہم وصف جس کی طرف میں مضمون کے شروع میں اشارہ کر چکا ہوں یہ تھا کہ آپ کو اس حقیقت کی کامل معرفت حاصل تھی کہ انہیں دنیا میں تو غیر معمولی گونا گوں کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل خاص کے طور پر ان کی ہیچ مدانی کے باوجود انہیں ملکی اور بین الاقوامی سطحوں پر جن بلند اور ممتاز مقامات تک پہنچایا ہے یہ سب کچھ انہیں احمدیت کے طفیل ایک نشان کے طور پر حاصل ہوا ہے اور ہوا بھی ہے سیدنا حضرت اقدس بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور آپ کے مقدس خلفاء کی مقبول دعاؤں کے ثمرہ کے طور پر یہی وجہ ہے کہ آپ میں خلافت کے آسمانی نظام کے ساتھ گہری وابستگی اور غایت درجہ محبت وعقیدت کی راہ سے کامل اطاعت کا جذبہ اوج کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مقدس خلفاء کے ساتھ قلبی وابستگی اور دلی محبت وعقیدت کی راہ سے کامل اطاعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا کہ جو بعد میں آنے والے بلند ہمت اور اولوالعزم نوجوانوں کیلئے مشعل راہ کا کام دیگا۔ مَیں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر اس اعلیٰ نمونہ کی دو مثالیں ذیل میں ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔

(1) 1957-58ء کی بات ہے کہ تو چوہدری صاحب موصوف ربوہ آئے ہوئے تھے اور بیت الظفر میں مقیم تھے۔ ایک روز میں ایک کام کے سلسلہ میں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر گیا۔ مَیں وہاں پہنچا ہی تھا کہ اتنے میں سیدنا حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب کو فوری طور پر بلوایا جائے۔ پرائیویٹ سیکریٹری صاحب کی نظر مجھ پر پڑی تو کہا آپ دوڑے دوڑے جائیں اور محترم چوہدری صاحب تک یہ اطلاع پہنچا کر کہ حضور نے انہیں فوری طور پر یاد فرمایا ہے۔ انہیں

اپنے ہمراہ لیتے آئیں۔ مَیں بھاگم بھاگ بیت الظفر پہنچا۔ اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ چوہدری صاحب موصوف پورا لباس زیب تن کئے تشریف لائے یہ سنتے ہی کہ حضور نے فوری طور پر یادفرمایا ہے۔ کھڑے پاؤں اُسی وقت میرے ہمراہ پیدل چل پڑے۔ آپ بہت تیزی سے لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے چل رہے تھے۔ چلنے کی رفتار کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ کی رومی ٹوپی کا پھندنا مسلسل ہوا میں ہل رہا تھا۔ میرے لئے قدم ملانا مشکل ہوگیا۔ آپ نے میرا سانس قدرے چڑھا ہوا دیکھ کر فرمایا میں تو اس لئے تیز چل رہا ہوں کہ مجھے فوری طور پر پہنچنے کا حکم ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ حضور کو زیادہ دیر انتظار کی زحمت اٹھانی پڑے۔ آپ بے شک آرام سے چلیں اور بعد میں دفتر پہنچ جائیں۔ حضرت چوہدری صاحب کی معیت میں کسی اور کی شرکت کے بغیر اکیلے چلنے اور باتیں کرنے کا یہ نادر موقع میں کیسے گنوا سکتا تھا۔ میں یہ ظاہر کر کے کہ مجھے تیز چلنے میں کوئی دقت نہیں ہے قدم سے قدم ملا کر ساتھ چلتا رہا اور آپ کے ساتھ ہی دفتر پرائیویٹ سیکرٹری پہنچا۔ چوہدری صاحب موصوف تو فوراً ہی حضور کی خدمت میں جا حاضر ہوئے اور مَیں باہر کھڑا سوچتا رہا کہ اللہ اللہ چوہدری صاحب موصوف میں تعمیل ارشاد اور اطاعت کا جذبہ کس اوج کمال کو پہنچا ہوا ہے۔

(2) 1976ء کی گرمیوں میں قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ انگلستان یورپ اور امریکہ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ آپ اپنے سفر کے پہلے مرحلہ کے طور پر پاکستان سے لندن میں ورود فرما ہوئے۔ حضرت چوہدری صاحب بھی حضور کے استقبال کیلئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضور نے چوہدری صاحب سے فرمایا جلسہ ہائے سالانہ کی میری افتتاحی تقاریر (1965 تا 1975) حال ہی میں کتابی شکل میں شائع ہوئی ہیں ایک دوست نے جو بہت اچھی انگریزی لکھتے ہیں ان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کا مسودہ میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ مَیں چاہتا ہوں اپنے مخصوص سٹائل میں آپ ان کا انگریزی میں ترجمہ کریں اور وہ ترجمہ کتابی شکل میں شائع ہو چوہدری صاحب موصوف نے فوراً ہی اس کی حامی بھری لیکن ساتھ ہی عرض کیا پہلے جو ترجمہ ہوا ہے اگر اس کا مسودہ حضور عنایت فرمادیں تو ترجمہ کرنے میں سہولت رہے گی حضور نے فرمایا وہ تو میں آپ کو نہیں دوں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ ترجمہ آپ کے پیش نظر ہوا تو کہیں آپ کا اپنا سٹائل متاثر نہ ہوجائے۔ چوہدری صاحب نے اس ارشاد پر فوراً سر تسلیم خم کیا اور خود ہی براہ راست ترجمہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ لندن میں ہفتہ عشرہ قیام کے بعد حضور یورپ اور امریکہ کے دورہ پر روانہ ہونے لگے۔ روانگی کی تیاری مکمل ہوچکی تھی۔ لندن کی جماعت کے احباب حضور کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنے کیلئے جمع تھے۔ چوہدری صاحب موصوف بھی آئے ہوئے تھے۔ موٹریں تیار کھڑی تھیں۔ حضور کی تشریف آوری کا انتظار تھا کہ حضور موٹر میں سوار ہوں تو قافلہ سفر پر روانہ ہو۔ اس اثناء میں چوہدری صاحب موصوف نے خاکسار سے دریافت فرمایا پہلے ترجمہ کا مسودہ کس کے پاس ہے۔ مَیں نے عرض کیا اصل مسودہ حضور ہی کے پاس ہے لیکن اس کی ایک نقل حضور نے میرے پاس بھی رکھوائی ہوئی ہے۔ اس کے چند منٹ بعد حضور موٹر میں سوار ہونے کیلئے قیام گاہ سے باہر تشریف لے آئے چوہدری صاحب موصوف نے آگے بڑھ کر شرف مصافحہ حاصل کیا اور عرض کیا حضور کی اختتامی تقاریر کا ترجمہ مَیں مکمل کر چکا ہوں۔ یہ بات پہلے ہی حضور کے علم میں تھی کیونکہ چوہدری صاحب بعض تقاریر کا ترجمہ حضور کو دکھا چکے تھے اور حضور نے اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی فرما دیا تھا، اب اگر حضور پہلے ترجمہ کا مسودہ عنایت فرمادیں تو میں اس میں سے بعض مذہبی اصطلاحات کا ترجمہ دیکھ لوں گا اور اگر کسی اصطلاح کا ترجمہ بہتر ہوا تو

اپنے ترجمہ کی نظر ثانی کرتے وقت اسے اپنالوں گا۔حضور نے فرمایا وہ مسودہ تو سامان میں بندھ چکا ہے۔اگر آپ پہلے مانگتے تو مَیں ضرور دے دیتا ساتھ ہی حضور نے ''میری طرف دیکھا اور فرمایا ایک کاپی تو آپ کے پاس بھی ہے لیکن آپ نے بھی اسے سامان کے ساتھ محفوظ کر دیا ہوگا اور سامان پہلے ہی ائیر پورٹ جا چکا ہے۔مَیں نے عرض کیا اس ترجمہ کی کاپی تو میرے پاس بریف کیس میں اس وقت بھی موجود ہے۔حضور کے ارشاد پر مَیں نے وہ کاپی اسی وقت پیش کر دی اور حضور نے وہ چوہدری صاحب موصوف کو بخوشی عنایت فرما دی۔جب حضور قریباً ایک ماہ بعد یورپ اور امریکہ کے دورہ سے واپس تشریف لائے تو چوہدری صاحب نے خود کئے ہوئے ترجمے کا مسودہ حضور کی خدمت میں پیش نہیں کیا بلکہ نہایت اعلیٰ اور قیمتی کاغذی کتابی شکل میں طبع کردہ اس کا ایک نسخہ بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی کتاب کا کاغذ طباعت اور جلد اتنی خوبصورت اور دیدہ زیب تھی کہ حضور اسے ملاحظہ فرما کر از حد مسرور ہوئے اور پسندیدگی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔یہ تھا چوہدری صاحب موصوف کے جذبہ اطاعت کا درجہ کمال پہلی دفعہ مسودہ دینے سے انکار پر کسی اصرار کے بغیر سر تسلیم خم کرتے ہیں ذرا پس وپیش کا اظہار نہ کیا اور پھر تعمیل ارشاد میں صرف ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ کم سے کم وقت میں اسے کمال نفاست اور خوبصورتی کے ساتھ کتابی شکل میں طبع کرا کے اور حضور کی خدمت میں پیش کر کے خوشنودی حاصل کرتے ہیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

عملی نمونہ کے ذریعہ آنے والی نسلوں کیلئے پیغام۔ الغرض جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے حضرت چوہدری صاحب نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے اس دنیا میں ایک بہت ہی کامیاب اور قابل رشک زندگی گزاری۔خدا تعالیٰ نے آپ کو جو بلند پایہ ذہنی، فکری، اخلاقی اور روحانی صورتیں عطا فرمائی ہیں انہیں سیدنا حضرت بانی اسلام کی قوت قدسیہ اور تریاقی محبت سے فیضیاب ہونے اور بعد ازاں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مقدس خلفاء کے فیوض و برکات سے براہ راست مستفیض ہونے کے نتیجہ میں ایسی جلاء ملی کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور اطاعت کے شیریں ثمر کے طور پر آپ کا اپنا وجود بھی بنی نوع انسان اور اقوام عالم کیلئے فیض رساں وجود بن گیا۔آپ نے خدا تعالیٰ کے دین اور بنی نوع انسان کی خدمت کا حق اس شان سے ادا کیا کہ نوع انسان اور بالخصوص مسلم اقوام آپ کی شکر گزار ہوتی چلی گئیں۔اور آپ خود ایک سچے اور حقیقی عبد منیب کی حیثیت سے حمد اور شکر کے بے پناہ جذبہ کے زیر اثر اللہ تعالیٰ کی جناب میں جھکتے چلے گئے حتی کہ آپ کے وجود کا ذرہ ذرہ مجسم شکر بن گیا۔اپنی عظیم الشان ملکی، ملّی اور بین الاقوامی خدمات کی وجہ سے شہرت عام اور بقائے دوام پانے والا اللہ تعالیٰ کا ہر عبد منیب دینی اور دنیوی ہر دو لحاظ سے غایت درجہ کامیاب زندگی گزار کر اللہ کے حضور حاضر ہو چکا ہے۔جہاں اسے مسلسل

يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

(سورۃ الفجر آیت 28 تا 31)

کی بشارتیں مل رہی ہیں۔وہ ہمارے لئے اور آنے والی نسلوں کیلئے اپنے عملی نمونہ سے یہ پیغام چھوڑ گیا ہے کہ وہ بھی خلافت کے ساتھ قلبی وابستگی اختیار کر کے اور دلی محبت اور عقیدت کی راہ سے کامل اطاعت کا نمونہ پیش کر کے تقویٰ وطہارت اور تعلق باللہ میں ترقی کریں، اور اپنی خداداد استعدادوں کے صحیح خطوط پر نشوو ارتقاء کا سامان کر کے اپنے آپ کو سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کی اس بشارت کا مصداق بنائیں: ''میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ

بند کر دیں گے۔'' (تجلیات الٰہیہ) ایسے نابغہ روزگار وجودوں کا جماعت میں بکثرت پیدا ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ایسا آئندہ بھی ہوگا اور ضرور ہوگا اس لئے کہ قضائے آسمان است این بہر حالت شود پیدا لیکن مبارک ہوں گے وہ لوگ جو اپنے وجودوں میں اس آسمانی فیصلہ کے پورا ہونے کیلئے دعاؤں اور انتھک محنت کے ذریعہ کوشاں ہوں گے کیونکہ جو بندہ یا بندہ بھی اپنی جگہ بہت اہم صداقت پر مبنی ہے بشرطیکہ سعی وکوشش حقیقی ہوا اور خدا تعالیٰ کے غیر معمولی فضلوں کو جذب کرنے والی ہو۔(انصار اللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 104 تا115)

مہربان و مشفق اعلیٰ وجود۔مکرم چوہدری حمید نصراللہ خان صاحب

آسان حل۔ایک مرتبہ ایک نوجوان حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک بہت لمبا از قسم تقریر سوال چوہدری صاحب سے کیا۔محترم چوہدری صاحب خاموشی سے اس کے سارے سوال کو سُنتے رہے اور آخر میں فرمایا عزیزم آپ اس فلاسفی کی مشکل اور بڑی دقت میں پڑ گئے ہیں اگر پسند کریں تو آپ کی اس مشکل کا ایک حل بتلا دوں اُس نے شوق سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ان نئی مشکلات میں پڑنے کی بجائے آپ صرف اتنا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات جو قرآن کریم میں ہیں ان پر عمل کریں آپ کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

حسن تربیت۔حضرت چوہدری صاحب نئی نسل کی تربیت کی طرف خاص توجہ فرمایا کرتے تھے اور انداز انتہائی مشفقانہ تھا۔میری بڑی بیٹی عزیزہ عائشہ نے مجھے بتایا کہ جب مَیں آٹھ نو برس کی تھی تو اپنی سہیلی کے ہمراہ گھر کے صحن میں سیر کر رہی تھی اور مَیں نے ڈوپٹہ یا چادر نہیں لی ہوئی تھی۔ اتنے میں ابا بھی سیر کرنے کے لئے باہر تشریف لے آئے مجھے پیار کیا اور فرمایا بیٹی کمرہ سے باہر نکلا کرو تو کوئی چادر یا کپڑا لیا کرو کہیں تمہیں سردی نہ لگ جائے۔عائشہ کہتی ہے کہ مَیں فوراً سمجھ گئی کہ میرا سر ڈھکا ہوا نہ تھا اور ابّا نے میری سہیلی کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے اس انداز میں سمجھایا ہے۔**خدا پر ایمان**۔مکرم چوہدری صاحب ایسی بحث کو پسند نہ فرماتے تھے جو محض بحث کی خاطر ہو اور اگر اس امر کو بھانپ جاتے کہ دوسرا شخص محض بحث کی خاطر اپنی ضد پر اڑا ہے تو خاموش ہو جاتے یا موضوع کو تبدیل کر دیتے۔ایک بار خاکسار سے ذکر کیا کہ مَیں نے اسلام کے بارے میں تقریر کی اور اُس کے بعد چند سوالوں کے جواب دئے ایک شخص نے (جو معلوم ہوتا تھا کہ ملحد تھا) نے سوال کیا کہ تم بتلاؤ کہ تم خدا پر کیوں ایمان رکھتے ہو۔تو مَیں نے جواب دیا I have expereuced God میرا یہ جواب اُس کے لئے شافی جواب تھا اور پھر وہ شخص کچھ نہ کہہ سکا۔**جو آپ مجھے سمجھتے ہیں**۔1953ء کی تحقیقات میں ایک وکیل صاحب اپنے ساتھیوں سے بہت کہا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خان کو بیان دینے کے لئے آنے دو مَیں ایک ہی سوال میں ظفر اللہ خان کو ایسا پھانسوں گا کہ وہ نکل نہ سکے گا۔جب حضرت چوہدری صاحب تشریف لائے تو وکیل صاحب نے کہا چوہدری صاحب ایک سیدھا سا سوال آپ سے کرتا ہوں'' آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟'' چوہدری صاحب نے فوراً جواب دیا کہ'' جو آپ مجھے سمجھتے ہیں۔'' ایسا جواب ملا کہ وکیل صاحب اس کے بعد کوئی دوسرا سوال نہ کر سکے۔**عظمت کا راز**۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت چوہدری صاحب کو ایسا نوازا تھا کہ اس کی مثال کم نظر آتی ہے۔اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے محترم چوہدری صاحب کو یہ توفیق بھی عطا فرمائی کہ اُنہوں نے ان نعمتوں کا صحیح طور پر اپنی استطاعت کی حد تک استعمال کیا۔اس کا راز مکرم چوہدری صاحب نے بار بار بتلایا ہے اور وہ ہر ایک کو معلوم بھی ہوتا ہے لیکن انسان اپنی کمزوری اور کم ظرفی کی وجہ سے اس پر پوری طرح عمل نہیں کرتا اور چوک جاتا ہے۔اور وہ راز ہے اطاعت یہی

عظمتوں کی کُنجی ہے اور رفعتوں کا دروازہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرت چوہدری صاحب کے نقش قدم پر چل کر دین و دنیا میں ہر قدم کی بلندیاں عطا فرمائے۔ آمین

(رسالہ خالد دسمبر 1986ء جنوری 1986ء صفحہ 127۔128)

ایک تیر بہدف نسخہ

سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ''ریاست'' نے دہلی میں یہ واقعہ سنایا کہ تقسیم ملک سے قبل میرے اخبار پر کئی مقدمات تھے اور مَیں اس سلسلہ میں حضرت چوہدری صاحب سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ شملہ میں ملاقات کا وقت ملا۔ حضرت چوہدری صاحب سے ملا تو مشورہ کے بعد فرمایا سردار صاحب یہ تو قانونی مشورہ تھا لیکن ان سب پریشانیوں کے ازالہ کے لئے ایک تیر بہدف نسخہ بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ''صبح سویرے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیا کریں اس طرح آپ کی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔'' روایت مکرم عبدالقدیر صاحب درویش قادیان

(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1986ء جنوری 1986ء صفحہ 75)

بیسویں صدی کا ایک نادرروزگار سخی۔ مکرم چوہدری ادریس نصر اللہ خان صاحب

حضرت بابا جی انتہائی درجہ کے سخی تھے لاکھوں اور کروڑوں روپے کمائے لیکن اپنی ذات کے لئے محض ضروریات کے لئے رکھ کر باقی سب کچھ ضرورت مندوں کی بھلائی اور خدمت میں صرف کرتے رہے آخر میں معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اپنی ضروریات کے لئے 60 یا 70 پاؤنڈ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ باقی آمدنی کو ذہنی طور پر آمدنی کا حصہ ہی تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ سامانِ تعیش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آسائشوں کے معاملہ میں بھی بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ موٹر کار جیسی چیز جسے آج کل کی ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے تھے لمبا عرصہ یورپ میں بغیر گاڑی کے گزارہ کرتے رہے۔ 1963ء سے لے کر آپ نے کبھی کار نہیں رکھی۔ آپ کا قیام 1963ء سے 1974ء تک بطور عالمی جج عدالت انصاف اور آخری تین سال بطور صدر عالمی عدالتِ انصاف ہالینڈ میں اور فروری 1974ء سے لے کر نومبر 1983ء تک انگلستان میں رہا۔ گویا کہ یورپ میں رہتے ہوئے اور دنیا کی سب سے اعلیٰ عدالت کا جج اور صدر ہوتے ہوئے بھی اپنی تن آسانی کے لئے یہ خرچ کرنا اُن کو گوارا نہ ہوا۔ پیدل دفتر تشریف لے جاتے اور بس پر واپسی ہوتی۔ انہیں دنوں میں آپ نے لاکھوں روپیہ کے خرچہ سے لندن مشن ہاؤس کی موجودہ عمارت بنوانے کا اعزاز حاصل کیا۔ اور لاکھوں روپیہ کے وظائف بیوگان اور یتیموں کی امداد کے طور پر دینے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ ہاں اس دوران اگر کوئی مہمان ان کے پاس رہنے کے لے آیا جس کے متعلق خیال ہو کہ اُس کو سواری کے بغیر تکلیف ہوگی تو جتنا عرصہ وہ مہمان رہا اس کے شایان شان نئی موٹر خرید لی اور اس کے جانے کے بعد اسی دن بیچنے کے لئے بھیج دی۔ اس بات کا کہ اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ خرچ نہ ہو، اتنا خیال تھا کہ بعض دفعہ حیرت ہوتی تھی آپ اسی خیال سے اپنی ہر چیز کا خیال رکھتے تھے کہ ضائع نہ ہوتا کہ دوسری نہ خریدنی پڑے۔ 1957ء کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک عزیز نے پوچھا کہ آپ کے پاس رومال ہے؟ فرمایا ہاں اور اپنا رومال دے دیا۔ اُس نے سارے رومال سے اپنے دونوں ہاتھ پونچھ لئے۔

نہایت شفقت سے فرمایا ''آپ کو دراصل تولیہ کی ضرورت تھی رومال تو ہنگامی ضرورت کے لئے ہے۔'' پھر فرمانے لگے ''مَیں رومال کی مختلف تہیں کر کے ایک تہہ عموماً ایک ہفتہ استعمال کرتا ہوں اور پھر دوسری اور پھر تیسری اور اس طرح ایک دفعہ کا دھویا ہوا رومال تقریباً دو ماہ کفایت کرتا ہے میرے پاس دو رومال ہیں اور جس دوست نے یہ رومال تحفۃً دئے تھے ان کی وفات کو 27 سال ہو چکے ہیں۔'' اس طرح کسی اور بات کے ضمن میں فرمایا ''مَیں اپنے رومال بنیان جراب قمیص وغیرہ خود دھوتا ہوں۔'' اُس وقت اُن کی ماہوار آمد ساٹھ ہزار روپیہ سے زائد تھی اور اُن کا خرچ تقریباً بارہ سو روپیہ ماہوار تھا۔ اور باقی سب رقم خدا کے راستہ میں اور حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں خرچ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ گلے کا بٹن کپڑا پہنتے ہوئے گر گیا برادرم مکرم حمید صاحب ڈھونڈنے لگے تو فرمایا ''تم رہنے دو مَیں خود ڈھونڈتا ہوں تم ابھی کہہ دو گے کہ نہیں ملتا میں اور لا دیتا ہوں اور میرے پاس یہ بٹن 45 سال سے ہے۔'' اکثر فرماتے تھے کہ تم تن آسان ہو۔ یورپ جا کر زمین دوز ریل میں سفر کر لیتے ہو لیکن اس طرح کرایہ زیادہ ہوتا ہے اگر فلاں فلاں بس کے ذریعہ اس جگہ اتر کر چند قدم پیدل چل کر دوسری بس لے لو تو کافی رقم بچ جاتی ہے۔ مَیں تو 1930ء سے تقریباً ایسے ہی کر رہا ہوں اور ہر دفعہ کے قیام میں ایک معقول رقم بچ جاتی ہے جو جماعت کو دے دیتا ہوں۔ آپ کی کفایت شعاری اور انفاق فی سبیل اللہ کے واقعات تو پرانے زمانے کی محیّر العقول داستانیں معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت اور امرِ واقعہ ہے جس کے بے شمار لوگ عینی شاہد ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا مگر اطمینان سکون اور رضائے الٰہی کی لازوال دولت اسے میسر تھی۔ ہزاروں گھروں میں اس کے دم سے چراغ جلتے تھے۔ ان کی دعائیں ہی اس بے نفس وجود کا سرمایہ اور جائیداد تھی۔ گو جہاں تک مجھے علم ہے اس سخی کی وفات کے وقت اس کی کوئی ظاہری جائیداد نہ تھی۔ (رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 129 تا 130)

اولاد سے محبت اور ان کی تربیت کے دلکش انداز۔ محترمہ عائشہ نصرت محترم چوہدری صاحب کی نواسی

میرے ابا کو احمدیت سے بے پناہ محبت تھی۔ نمازوں کے بے حد پابند تھے۔ اور وقت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جب ولایت سے آتے تو یہ سوال ضرور کرتے تھے کہ نماز فجر کس وقت ہوتی ہے؟ جب ابا بیمار ہوئے تو اکثر مَیں رات کو ان کے پاس سویا کرتی تھی۔ رات کو متعدد بار مجھے بلاتے اور کہتے کہ تم مجھے فجر کی نماز کے لئے جگا دو گی؟ مَیں ہر بار کہتی کہ ابا آپ فکر نہ کریں مَیں آپ کو جگا دوں گی پھر ابا کہتے کہ وعدہ خلافی بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے رات کو آواز دی۔ مَیں گئی تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نماز کے وقت مجھے جگا دو گی؟ مَیں نے کہا جی ابا میں آپکو جگا دوں گی تو آپ نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس پر مَیں نے کہا عائشہ۔ ابّا نے کہا جانتی ہو یہ نام کس کا تھا۔ مَیں نے کہا جی ابا میں جانتی ہوں اس پر ابا نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے عزیز حرم کا نام تھا عائشہؓ اگر یہ نام کسی کا ہو اور وہ وعدہ خلافی کرے تو یہ کتنے بڑے گناہ کی بات ہے۔ یہ کہتے ہوئے ابّا کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ میں نے کہا ابا میں بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو اپنے وعدہ کے مطابق جگاتی ہوں۔ آپ ہرگز فکر نہ کریں۔ مَیں آپ کو جگا دوں گی اس پر ابّا نے کہا ''ہاں یہ تو مَیں جانتا ہوں مگر اپنی تسلی کے لئے کہہ رہا تھا۔'' مَیں ہمیشہ کالج سے آنے کے بعد ابا کے پاس جاتی تھی کیونکہ آپ نے یہ کہا ہوا تھا کہ ابھی برقعہ بھی نہ اتارے اور میرے پاس آ جایا کرے اپنا ورک میرے پاس ہی کیا کرے۔ ایک دفعہ مَیں گئی تو آپ نے مجھ سے پوچھا ''عائشہ تم مجھ سے کتنا پیار کرتی ہو؟ اس پر مَیں نے کہا ابا جی مَیں آپ سے بے پناہ پیار کرتی ہوں تو آپ نے فرمایا اچھا تو پھر تم میرے لئے دعا کرو کہ میرا خاتمہ بالخیر ہو اور آسان ہو۔'' اس پر مَیں رونے لگ گئی تو آپ نے فرمایا کہ مَیں جانتا ہوں کہ تم اداس ہو گئی

ہو مگر مَیں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم ضرور ملیں گے اور ہمیشہ کے لئے انشاء اللہ۔

جب مَیں چھوٹی سی تھی تو ابا مجھے اپنے پاس سلاتے تھے۔ آپ مجھے سلانے کے لئے کہانیاں سنایا کرتے تھے پھر مَیں صبح اپنی امی سے کہتی کہ ابا مَیں جناب عالی (ابا) کے پاس نہیں سوؤں گی ایک دن امی نے ابا کو بتا دیا کہ یہ تو آپ کی کہانیوں سے بہت ڈرتی ہے اس پر ابا نے کہا کہ مَیں تو بہت وقت لگا کر اس کے لئے کہانیاں بناتا ہوں۔ مَیں تو یہی سمجھتا تھا کہ بچوں کو ایسی کہانیاں پسند ہوں گی۔ (مَیں آٹھ نو سال کی عمر تک ابا کو جناب عالی کہا کرتی تھی) میرے چار بھائی ہیں اس لئے مَیں اپنے آپ کو ہم کہہ کر اور بالکل لڑکوں کی طرح مخاطب کرتی تھی اور کپڑے بھی بھائیوں کی طرح پہنتی تھی ابا ان دنوں گیٹ تک سیر کیا کرتے تھے۔ میری عمر تین ساڑے تین سال کی تھی اور مَیں اپنی آپا کے ساتھ گیٹ پر کھڑی تھی مَیں نے نکر اور بش شرٹ پہن رکھی تھی۔ ابا نے جب مجھے وہاں دیکھا اور وہ بھی اس حلیہ میں تو آپ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ تم فوراً اندر جاؤ مَیں روتے ہوئے اندر چلی گئی۔ ابّا اندر آئے اور مجھے پیار کیا اور چپ کرایا اور بہت دیر تک میرے کان میں باتیں کرتے رہے۔ آپ بہت پریشان ہو گئے تھے ایک تو اس حال میں دوسرے بغیر کسی مرد کے میں گھر سے اتنی دور کھڑی تھی یعنی اُن کو پردے کا اور حفاظت دونوں کا خیال تھا۔ مَیں نے تقریباً دس سال کی عمر میں برقعہ پہنا تھا۔ اس بار ابا نے مجھے بہت پیار کیا تھا اور اکثر کہتے تھے کہ اس کو اپنے پردے کا بہت خیال ہے۔ میری پڑھائی میں میری طرف خاص توجہ دیتے تھے کہتے تھے کہ امتحانوں میں مجھے ہرگز خط نہ لکھنا ہاں امتحان ختم ہوتے ہی فوراً خط لکھ دیا کرو مجھے اکثر کہتے کہ تم اپنی اردو کی طرف خاص توجہ دو اور اس کے لئے سب سے مفید طریقہ یہ ہے کہ حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی کتابیں پڑھو۔ یہ تمہارے دین کی سمجھ میں بھی اضافہ کر دیں گی۔ یہ بھی فرماتے کہ چاہے کچھ الفاظ تمہیں سمجھ نہ آئیں مگر یہ ضرور ہے کہ حضور کی کتابیں کم از کم تین مرتبہ ضرور پڑھنی چاہیے پھر سمجھ تو خدا تعالیٰ پیدا کرے گا۔ انشاء اللہ۔ ایک دفعہ میرے دانت میں بہت تکلیف ہوگئی تو آپ آئے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے اور مجھے اپنے سینے سے لگائے بہت دیر تک بیٹھے رہے اور دعائیں کرتے رہے۔ ابا ایک دفعہ میرے لئے بہت ہی خوبصورت گڑیا لائے اور اسے ڈبہ میں سے نکال کر مجھے اسکا نام پڑھ کر سنایا چونکہ نام ذرا مشکل تھا اس لئے مجھ سے کئی بار نام دہرایا تا کہ مجھے یاد ہو جائے۔ جب گڑیا لے کر مَیں اپنے کمرے میں گئی تو مَیں نے فوراً اس کے کپڑے بدل دئے اس کو نہلایا اور اس کے بالوں کو بھی دھو دیا میری امی اچانک اندر آ گئیں ان کو میری یہ عادت بری لگتی تھی انہوں نے ایک ہاتھ سے مجھے پکڑا اور دوسرے سے میری گڑیا کو پکڑا اور سیدھا ابا کے پاس لے گئیں اور شکایت کی کہ آپ اس کے لئے اتنی قیمتی گڑیا لائے ہیں اس نے اُس کا برا حال کر دیا دیکھیں اس نے گڑیا کو بالکل فقیرنی بنا ڈالا ہے اس پر ابا بہت ہنسے اور امّاں سے کہا کہ آپ اسے چھوڑ دیں۔ مَیں تو یہ گڑیا اس کے لئے لایا تھا پھر کیا ہوا اور آ جائے گی۔ جب امّاں چلی گئیں تو ابا نے کہا تم میرے پاس ہی رہو۔ اب باہر مت جانا ورنہ تمہیں پھر ڈانٹ کھانی پڑے گی۔

مَیں رات کو ابا کے Contact Lens اتارا کرتی تھی۔ یہ طریقہ مجھے بھائی نے سکھایا تھا لیکن ابا مجھے ہی بلواتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کو اتارنے دو یہی اس کام میں Expert ہے۔ ابا کو اپنی والدہ محترمہ بے بے جی سے بہت محبت تھی۔ آپ جب بھی اُس کا ذکر کرتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ میری والدہ کے ذریعہ سے ہی احمدیت ہمارے خاندان میں آئی۔ آپ کی ہم سب کو یہ خاص ہدایت تھی کہ ہم اپنی پڑدادی کے لئے کثرت سے دعائیں کریں۔ ابا کے پاس بے بے جی کی ایک تصویر بھی تھی وہ بیٹھنے والی انگیٹھی میں رکھا

کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری نگاہ جب بھی اس پر پڑتی ہے مَیں بے بے کے لئے دعا کرتا ہوں۔ ابا کو اپنی والدہ کے ساتھ بہن بھائیوں کے ساتھ بھی بہت محبت تھی۔ ایک روز مجھ سے کہا کہ تم چار بھائی اور ایک بہن ہوا اسی طرح ہم بھی چار بھائی اور بہن تھے۔ اور پھر کہا کہ میرا ایک بھائی جو کہ بہت نیک تھا مجھے بہت پیارا تھا۔ اس کی وفات کا مجھے بہت ہی غم ہے اور اس فقرہ کو بہت مرتبہ دہرایا۔ اس پر میرے ابو نے جو پاس ہی کھڑے تھے دریافت کیا کہ آپ کے اس بھائی کا نام کیا تھا اُن کی طرف دیکھ کر کہا کہ عبداللہ خان اُس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ابا کو بھیاّ (محمد فضل) سے بہت محبت تھی۔ آپ ان کی کامیابی کے لئے بہت دعا کرتے تھے۔ جب بھیاّ نے لندن سکول آف اکنامکس میں ایم ایس سی میں امتیازی پوزیشن حاصل کی تو ابا نے فرمایا ہمارے خاندان میں یہ پہلا شخص ہے جس نے اتنی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ اور ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ یہ تو اب مجھ سے بھی زیادہ پڑھ گیا ہے۔ ابّا بھیا کی تعریف میں خاص طور پر اس بات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ کہ بھیاّ نے ابا کی بہت خدمت کی ہے۔ آپ کی جب بھی طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو آپ کہتے کہ محمد فضل کو بلا دو۔ ایک دفعہ آپ اس قدر بے چین ہو گئے کہ بھیاّ کو انگلستان سے پاکستان بلوالیا کیونکہ ابا پاکستان میں تھے۔ پھر بھیا سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمہیں دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک جلسہ سالانہ میں شمولیت اور دوسرے تمہارے آنے سے مَیں بہت خوش ہوا ہوں۔ مصطفیٰ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ابا کی بہت خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔۔ ابا جب لاہور میں مستقل قیام پذیر ہوئے تو مصطفیٰ اپنے پاکستان میں قیام کے دوران باقاعدگی سے آپ کو نماز پڑھاتا۔ اس نے ابا کے لئے Intravenous ٹیکہ لگانا سیکھا اور ابا کو Drip بھی لگاتا تھا اور ابا کو ادویات بروقت دینا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ ابراہیم سے آپ کو خاص محبت تھی۔ اس کو بہت چوما کرتے تھے۔ اس کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرتے جو خاص وجودوں کے لئے ہوا کرتے ہیں اور اپنے خطوں میں یہ ہدایت کرتے تھے کہ ابراہیم کو خاص طور پر دعاؤں کے لئے کہا جائے۔ آپ فرماتے تھے کہ اس بچہ کا خاص درجہ ہے۔ بیماری کے آخری دو ماہ میں بھیاّ بھابی اور مصطفیٰ لاہور آ گئے تھے اور بھابی نے بھی ابّا کی بہت خدمت کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میری ممی کی زندگی ابّا کے بعد بالکل بدل گئی تھی اور ہم سب بچوں کا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے۔ ابّا بہت یاد آتے ہیں اور ان کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے لیکن ہم سب اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ گو اداسیاں بہت ہیں اور ابّا کے بغیر زندگی ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ وہ اب میرے پاس موجود نہیں ہیں جب کے لاڈ پیار کی مجھے عادت تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے اس عظیم فضل اور رحم کی مَیں ہمیشہ شکرگزار رہوں گی کہ ایسے بابرکت اور پُرنور وجود نے مجھ سے اتنی محبت کی اور میرے دل میں بھی ان کے لئے شدید جذبہ پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ اس محبت کی برکات سے ہمیشہ ہدایت حاصل کرتی رہوں اور جب اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے کہ ان سے ملاقات ہو تو وہ مجھ سے خوش ہوں۔ آمین (رسالہ خالد دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 131 تا 134)

حاصل زیست۔ محترمہ سعدیہ محمد صاحبہ

(محترمہ سعدیہ محمد صاحبہ حضرت چوہدری صاحب کی رضاعی نواسی اور حقیقی نواسے کی رفیق حیات ہیں۔ آپ کے تاثرات پیش ہیں۔)

جب مَیں نے ہوش سنبھالا اُس وقت سے ہمبڑے بابا جی کا نام اور تعریف سُنتے آ رہے تھے اور کم سنی میں اُن سے کئی بار ملیں بھی ہوں گے لیکن خاص ملاقات کا شرف چھ سات سال کی عمر میں ملا۔ جلسے کے ایاّم تھے اور بڑے بابا جی ربوہ تشریف لائے ہوئے تھے مجھے بڑی شدید خواہش تھی کہ مَیں آپ سے ملوں کیوں کہ آپ کا ذکر ہمارے گھروں میں اکثر ہوتا رہتا تھا اور میری امّی کو آپ کے خط بھی آتے تھے جو دعاؤں

سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔

مجھے امی نے ان اصولوں کے متعلق خوب سمجھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے میرے دل میں ڈر بھی تھا اور ملنے کا شوق بھی۔ایک دن امّی مجھے آپ سے ملانے کے لئے لے گئیں۔ مَیں نے سلام کیا اور بہت ڈر اور ادب اور خاموشی سے وہاں بیٹھ گئی۔آپ سے دعا کی درخواست کی۔تھوڑی دیر بعد امی مجھے وہاں سے لے آئیں اس کے بعد کئی بار میری حضرت بڑے بابا جی سے ملاقات ہوئی مگر ادب کی وجہ سے آپ سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب منصب امامت پر فائز ہونے کے بعد پہلی مرتبہ لاہور تشریف لائے تو حضرت بڑے بابا جی بھی لاہور میں تھے ان دنوں میں تو آپ دونوں کی مصروفیت تو قابل دید تھیں مگر اس کے باوجود مجھے ایک دن حضرت بڑے بابا جی سے ملاقات کا موقع مل گیا۔اس دفعہ ان کی شفقت و محبت کا نیا انداز تھا۔بظاہر زبان سے آپ نے کچھ نہیں کہا لیکن نظر میں گہرائی تھی۔اس کے بعد کئی مرتبہ آپ سے ملاقات ہوئی اور ہر بار اس شفقت میں مَیں نے اضافہ پایا۔میرے دل میں آپ کے لئے ہمیشہ سے ہی وہی ادب و احترام اور مقام رہا جو بچپن سے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔اس لئے مَیں نے آپ سے کبھی نظر اُٹھا کر بات کرنے یا بات کا جواب دینے کی جرأت نہیں کی جب ملاقات ہوتی تو سلام کرتے ہوئے جو پہلی نظر پڑ جاتی وہی آخری نظر ہوتی تھی آپ نے کئی مرتبہ اپنے قریب کی نشست پر بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا جہاں آپ اشارہ کرتے وہیں بیٹھ جاتی اس سے مجھے آپ کے بہت قریب بیٹھنے کا بھی کئی بار موقع ملا۔شادی کے دن آپ سے ملنے کے لئے جب آپ کے کمرے میں گئی تو بڑی محبت سے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔دعائیں دیں اور اپنے پاس بٹھائے رکھا اور چند روز بعد مجھے اپنے ملازم کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ آپ مجھے بلا رہے ہیں۔ مَیں بہت حیران بھی ہوئی اور ڈر بھی لگا کہ نہ جانے کون سی بات ہے کہ مجھے اکیلے بلایا ہے مَیں نے سلام کیا اور آپ کے پاس بیٹھ گئی کچھ باتیں کرنے کے بعد مجھ سے پوچھا Does he treat you well(کیا یہ(میرے میاں) مجھ سے اچھا سلوک کرتے ہیں)اس بات سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کو میرا کتنا خیال تھا۔اور کتنا منصفانہ رویہ تھا کہ اپنے نواسے کے متعلق پوچھ رہے ہیں کہ اُن کا تُم سے کیسا سلوک ہے۔باوجود اس کے کہ آپ اپنے نواسے کو ساری عمر سے جانتے ہیں اور اُن سے اتنی محبت کرتے ہیں پھر مجھے بھی موقعہ دیا کہ میں اپنی کیفیت بیان کروں۔آپ کی بیماری کے دوران بہت سے غیر معمولی واقعات ایسے ہوئے کہ ایک عام انسان تصّور بھی نہیں کرسکتا۔آپ اتنے شدید علیل تھے اور کئی روز تک گہری نیند میں رہے لیکن ان سب کے باوجود آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔جب بھی آپ کی آنکھ کھلتی تو آپ اپنی نماز کے بارے میں پوچھتے اور کہتے کہ کیا وقت ہے۔مجھے نماز پڑھاؤ۔ایسے کئی پرانے عزیزوں اور خدمت گزاروں کو(جو کہ فوت ہو چکے تھے) یاد کرتے اور ان کا ذکر کرتے تھے۔آپ کی بیماری کے ایام میں خدا تعالیٰ نے مجھے ان کی خدمت کرنے کا موقع بھی عطا فرمایا۔ایسی ہستی جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اُن کی خدمت ہمارے لئے بہت بڑا انعام ہے اور باوجود اس کے کہ میری رہائش گاہ انگلستان میں ہے مجھے دو ماہ کا عرصہ متواتر آپ کی صحبت میں گزارنے کا موقع ملا۔اور آپ کی خدمت کی توفیق پائی۔ان ایام نے میری زندگی پر بہت گہرا اثر چھوڑا اور مَیں نے آپ کی صحبت سے بہت کچھ پایا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات عطا فرمائے۔اور اپنا قرب عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔(رسالہ خالد دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 135 تا136)

روشن روشن ۔مکرم محمود نصر اللہ خان ابن مکرم شکر اللہ خان صاحب

پاکستان بننے کے بعد پانچ کلنکٹن روڈ پر جو مکان محترم بابا جی کو سرکاری رہائش کے لئے ملا وہ متروکہ املاک کا مکان تھا۔ان کی بیگم صاحبہ نے ان کو کہا کہ ان کا فرنیچر اور قالین وغیرہ بوسیدہ ہے P.W.D والوں کو کہہ کر اس کو بدلوا دیں۔محترم بابا جی نے کہا کہ اس پاکستان کے خزانہ کی حالت میں جانتا ہوں اور ہمارا گزارہ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے مَیں نہیں چاہتا کہ ہمارا فرنیچر بدلوانے کے لئے خزانہ پر بوجھ ڈالوں۔

مَیں نے ہمیشہ اُن کی یہ عادت دیکھی کہ جب وہ اپنے سونے والے کمرے میں غسل خانہ میں جاتے تو غسل خانہ کی بتی جلا کر اپنے کمرے کی بتی بجھا دیتے۔اور غسل خانے سے نکلتے تو سونے والے کمرے کی بتی جلا کر غسل خانہ کی بتی بجھا دیتے۔مَیں نے کبھی بھی ان کی دو بتیاں ایک ساتھ جلتے ہوئے نہیں دیکھی۔1943ء کی بات ہے کہ گرمیوں کے دنوں میں آپ کسولی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ایک ضروری سرکاری کام کے لئے ان کو کسولی سے دہلی جانا پڑا۔اور جاتے وقت گھر میں بتا گئے کہ مَیں فلاں تاریخ کو گھر میں دوپہر کے کھانے میں آجاؤں گا۔جس دن انہوں نے پہنچنا تھا دوپہر کا ایک بجنے والا تھا (دوپہر کا کھانا وہ ایک بجے کھایا کرتے تھے) کہ ملازم نے بیگم صاحبہ کو آ کر کہا کہ ایک بجنے والا ہے کھانے کا وقت ہو گیا ہے حضرت چوہدری صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے کھانے کے لئے کیا حکم ہے۔ان کی بیگم صاحبہ نے ملازم سے کہا کہ تم کھانا ایک بجے کھانے والی میز پر رکھ دو ہم اپنا فرض ادا کر دیں۔جونہی ایک بجا محترم بابا جی تشریف لے آئے اور آتے ہی کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔میں نے دریافت کیا کہ بابا جی آپ نے تو کھانے سے قریباً آدھہ گھنٹہ قبل ٹیکہ لگوانا ہوتا ہے۔وہ نہیں لگوایا۔انہوں نے جواباً فرمایا کہ راستہ میں مَیں نے وقت دیکھ لیا تھا اور اندازہ کر لیا تھا کہ آدھے گھنٹہ تک گھر پہنچ جاؤں گا اس لئے میں نے عبدالکریم ڈرائیور کو کہا کہ گاڑی ایک طرف کھڑی کروتا کہ میں ٹیکہ لگوالوں اس طرح مَیں نے دوران سفر ہی ٹیکہ لگوا لیا تھا اور اب میں وقت پر ہی کھانا کھا رہا ہوں۔پاکستان بننے سے قبل شام کی چائے پر چند دوست آجایا کرتے تھے جن میں عموماً محترم میجر جنرل نذیر احمد صاحب (مرحوم) محترم چوہدری بشیر احمد صاحب (مرحوم) اور محترم شیخ اعجاز احمد صاحب ہوتے تھے۔ان کے ساتھ یہ بات طئے ہوتی تھی کہ جو بھی فقرہ جس زبان میں بولا جائے پورا فقرہ اسی زبان میں ادا کیا جائے۔یعنی پنجابی کے فقرہ میں تمام الفاظ پنجابی کے ہوں اور انگریزی کے فقرہ میں تمام الفاظ انگریزی کے ہوں کسی دوسری زبان کا الفاظ استعمال نہ کیا جائے۔اور جو بھی اپنے فقرے میں کسی دوسری زبان کا لفظ کا استعمال کرے تو اُس کو دو آنے فی لفظ جرمانہ ہوا کرے گا۔مجھے یاد ہے کہ ان تمام دوستوں کو اس شرط پر ہمیشہ جرمانے ہوئے مگر محترم بابا جی کو کبھی بھی کوئی جرمانہ ادا نہیں کرنا پڑا۔جب بابا جی دفتری کام کرتے کرتے تھک جاتے تو فیصلہ کرتے کہ میں پندرہ منٹ کے لئے اب سو جاؤں کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جایا کرتے اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد اٹھ جایا کرتے۔جب وہ فیڈرل کورٹ کے جج تھے تو تھوڑی دیر کے لئے ہاتھ پر ٹھوڑی رکھ کر آنکھیں بند کر لیتے۔ایک دفعہ اس حالت میں وکیل صاحب نے عدالت میں بحث کر رہے تھے۔انگریزی میں کہا کہ جج صاحب تو سو رہے ہیں بحث کس کو سناؤں محترم بابا جی سے سر اٹھایا اور وکیل صاحب کو فرمایا کہ میرے محترم وکیل نے ایک پوائنٹ یہ کہا ہے دوسرا پوائنٹ یہ کہا ہے اور تیسرا پوائنٹ یہ کہا ہے کیا وکیل صاحب اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مَیں سویا ہوا تھا۔یہ بات سُن کر وکیل صاحب حیران ہو گئے۔اور انہوں نے معذرت چاہی۔دعا ہے کہ اللہ

تعالیٰ محترم بابا جی کو اپنے فضل سے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کے اخلاق عالیہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (رسالہ خالد دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 137 تا 138)

اخلاقِ کریمانہ کی ایک پُر کیف جھلک

حضرت چوہدری صاحب کے خادمِ خاص مکرم نصیب اللہ قمر صاحب کی نظر سے

خاکسار 1974ء میں جماعتی ڈیوٹی کے سلسلہ میں اپنے بھائی مکرم ریاض احمد صاحب ججہ کے ساتھ موضع گھنو کے ججہ ضلع سیالکوٹ سے لاہور آیا کچھ دنوں کے بعد مکرم عبدالمالک خاں صاحب کے ذریعہ محترمہ بیگم امۃ الحیٔ صاحبہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے بعض سوالات دریافت فرمائے اور مجھے اپنا ملازم رکھ لیا اور اُس وقت سے آج تک محترم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب اور بیگم امۃ الحیٔ صاحبہ نے مجھ سے اپنے بچوں جیسا سلوک کیا۔ اور مَیں نے بھی ماں باپ کی طرح بفضل خدا خدمت کی توفیق پائی۔ الحمدللہ۔ جب حضرت چوہدری صاحب 1984ء میں پاکستان تشریف لائے تو محترمہ امۃ الحیٔ بیگم صاحبہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا ’’نصیب اللہ مَیں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہوں اس لئے آج سے تمہاری ڈیوٹی حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ ہوگی۔‘‘ یہ سراسر اُن کی شفقت تھی۔ من آنم کہ من دانم میرے ذمہ کام یہ لگایا گیا ہے کہ رات کو حضرت چوہدری صاحب کے پاس سونا ہے۔ باقی اکثر کام مکرم مصطفیٰ صاحب کے سپرد کئے گئے جو اُن کے نواسے ہیں۔ نیز بیگم صاحبہ نے مجھے فرمایا کہ ’’بیٹے آج سے ابا جان کو نمازیں بھی آپ پڑھائیں گے۔‘‘ اس حکم پر خاکسار لرز گیا اور بہت رویا کہ کہاں حضرت چوہدری صاحب کے تقویٰ کا بلند مقام اور کہاں یہ گناہ گار عاجز و کمزور انسان۔ خاکسار نے حضرت چوہدری صاحب سے بھی دعا کی درخواست کی اور جہاں تک میرے رب نے مجھے توفیق دی یہ ڈیوٹی سرانجام دی۔ اور کوشش کی کہ حضرت چوہدری صاحب کو کوئی شکایت نہ ہو۔ حضرت چوہدری صاحب میری غلطیوں کی پردہ پوشی فرماتے اور ساتھ ساتھ میری اصلاح بھی کرتے تھے جب غلطی ہوتی تو فرماتے ’’پریشانی کی کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہوجائے گا۔‘‘ جب خاکسار گھر میں نہ ہوتا اور گھر کے ضروی کام کے سلسلہ میں باہر جاتا تو محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب نماز پڑھا دیتے اور اگر وہ بھی جماعتی کام میں مصروف ہوتے تو کسی اور کو بلاتے اور فرماتے ’’دیکھو مولوی ایسٹ اینڈ ویسٹ کو کہہ دیں کے مجھے نماز پڑھا دیں۔‘‘ یہ نام پیار سے انہوں نے مولوی عبدالمالک خاں صاحب کا رکھا ہوا تھا۔ اس سارے وقت میں مکرم مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب، محترمہ عائشہ نصرت جہاں صاحبہ، محترم چوہدری نصر اللہ خان صاحب اور خاکسار ہمہ وقت خدمت میں حاضر رہتے لیکن جب مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے تو محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب، محترمہ عائشہ نصرت جہاں صاحبہ، محترم محمد فضل صاحب جو اُن کے بڑے نواسے ہیں اور محترمہ بیگم صاحبہ امۃ الحیٔ صاحبہ نے کمال خدمت کا حق ادا کیا جو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔

خاکسار کو دن اور رات کو اکثر وقت اُن کے پاس گزارنے کا موقعہ ملا۔ آپ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں اپنا وقت گزارتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہتے۔ انتہائی بیماری کی حالت میں بھی آپ نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ اور حضور اور جماعت کے لئے اس قدر انہماک سے دعا

کرتے جس کا ذکر کرنا خاکسار کے لئے بہت مشکل ہے اور مَیں اُن کی وہ حالت بیان نہیں کرسکتا۔امامِ جماعت کے ہر ارشاد کی تعمیل کرنا اپنا اوّلین فرض سمجھتے۔عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ بانئ جماعت احمدیہ اور آپ کے نائبین کا ذکر کرتے تو دیکھنے والا کہتا کہ کاش اس عاشق احمدیت کی طرح عقیدت کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہو۔خدا تعالیٰ نے آپ کو عاجزی کا بھی اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا۔چنانچہ جب بھی ذکر کرتے تو''مَیں اپنے رب کے کس کس انعام کا شکر ادا کروں جو اُس نے محض شفقت واحسان سے مجھ پر فرمائے۔''اور یادالٰہی میں آپ کی تڑپ خاکسار الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہے۔جب بھی آپ کو بیماری وغیرہ کی وجہ سے زیادہ تکلیف ہوجاتی تو صرف نماز کا ہی پوچھتے اور اگر نماز کا وقت ہوجاتا تو فرماتے مجھے نماز پڑھادو۔آخری بیماری میں اور اس سے قبل بھی آپ رسالہ خالد اور تشحیذ الاذہان کا باقاعدگی سے مطالعہ فرماتے جب الفضل شائع ہوتا تو صبح انگریزی اخبار کے ساتھ اس کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔حضرت چوہدری صاحب خاکسار سے بہت پیار اور محبت کرتے ایک دن کی بات ہے خاکسار کسی دوائی کے سلسلہ میں بازار گیا وہاں دیر ہوگئی جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا۔تم کہاں گئے تھے؟ عرض کیا دوائی لینے فرمایا دوائی ضروری ہے یا دعا؟ مَیں نے کہا دعا۔فرمایا دعا کا بہترین ذریعہ نماز ہے اس لئے آئندہ جب بھی نماز کا وقت ہو مجھے پہلے نماز پڑھائیں اور پھر کوئی اور کام کریں۔بعض اوقات شدت بیماری کی وجہ سے طبیعت بے چین ہوتی اور رات کو نیند نہ آتی تو مجھ سے پہلے نماز کا پوچھتے۔مَیں عرض کرتا ابھی اتنا وقت باقی ہے تو پھر مجھ سے باتیں کرتے ان میں اپنی والدہ صاحبہ،اور والد صاحب کی قبولِ احمدیت کا واقعہ پھر بین الاقوامی واقعات کا ذکر فرماتے اور فرماتے''مَیں بے حد کمزور اور ناچیز اور گناہگار ہوں مگر اس رب کا کس طرح شکریہ ادا کروں جس نے مجھ پر بے پایاں انعامات فرمائے جو اُس کا فضل اور احسان ہے۔''دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت چوہدری صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو اُن کی خوبیاں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

وہ جو انسانیت کا قدر دان تھا۔محبت وشفقت،لُطف اور احسان اور نصیحت کا موہ لینے والا انداز۔مکرم شمشاد احمد قمر صاحب

مکرم شمشاد احمد قمر کو وسط 1984ء میں 3 ماہ تک حضرت چوہدری صاحب کے خادمِ خاص کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔ان کے تاثرات پیش خدمت ہیں۔'' تین ماہ کی قلیل مدت میں خاکسار نے حضرت چوہدری صاحب کی ہستی کو کیسا پایا؟ اس بات کا جواب مَیں محسوس تو کرسکتا ہوں مگر احاطہ تحریر میں لانا میرے بس سے باہر ہے۔حضرت چوہدری صاحب سے پہلی ملاقات کا شرف کچھ اس طرح سے حاصل ہوا کہ (قیادت گلبرگ لاہور کے) ہم چار خدام چوہدری صاحب کی کوٹھی پر ڈیوٹی کے لئے گئے۔ہم باہر برآمدے میں بیٹھے تھے کہ چوہدری صاحب ویل چیئر پر باہر گھومنے کے لئے تشریف لائے اور ہم اپنی جگہ جہاں ڈیوٹی تھی کھڑے ہوگئے۔ہمیں کھڑے ہوئے دیکھ کر انہوں نے ملازم سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو یہاں کھڑے ہیں؟ ملازم نے بتایا کہ وہ خدام ہیں جو ڈیوٹی دے رہے ہیں۔

نصیحت کالطیف انداز۔تقریباً آدھہ گھنٹہ سیر کرنے کے بعد چوہدری صاحب اندر تشریف لے گئے اور ملازم سے فرمایا کہ جولڑکے ڈیوٹی پر

ہیں۔ان سے کہیں کہ باری باری اندر آ کرمل جائیں۔ہم سب ننگے سر تھے اوراس حالت میں آپ کے سامنے جانے میں شرم محسوس کرتے تھے ۔جلدی جلدی کسی نے رومال باندھا اور کسی نے ٹوپی لی اور باری باری اندر گئے اور ملاقات کا شرف حاصل کرتے رہے۔اب یہ اتفاق تھا کہ میرے گریبان کا اوپر کا بٹن کھلا ہوا تھا۔جب مَیں اندر داخل ہوا تو چوہدری صاحب اندر صوفہ پر تشریف فرما تھے۔مَیں نے جا کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور شرفِ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا چوہدری صاحب بجائے ہاتھ ملانے کے اپنے دونوں ہاتھ میرے گریبان تک لے گئے اور بٹن بند کرنے لگے اور فرمایا کہ ''پہلے یہ بٹن بند کرلو اس کے بعد مصافحہ کیونکہ اس طرح بٹن کھلے رکھنا شریف آدمی کا کام نہیں۔'' یہ لطیف اندازِ نصیحت مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔گو مَیں عام طور پر بٹن کھلا نہیں رکھتا تھا اور اگر چہ اسی طرح کا ایک واقعہ مکرم چوہدری صاحب کے متعلق پہلے بھی مَیں کسی سے سُن چکا تھا اس کے باوجود پتہ نہیں اُس دن کیسے غلطی ہوگئی بہرحال اس کے بعد فرمایا کہ ''یہ ڈیوٹی جو تم دے رہے ہو دل میں یہ خیال نہ کرنا کہ میرے لئے دے رہے ہو کیونکہ حفاظت کرنا تو خدا تعالیٰ کا کام ہے۔اس لئے اس ڈیوٹی کو محض اللہ کی رضا اور جماعت کی اطاعت کرتے ہوئے ادا کرو۔'' اس کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے مصافحہ کیا اور خاکسار اس مصافحہ کی مسرت محسوس کرتا ہوا باہر آ گیا۔ابھی تھوڑے دن گذرے تھے کہ قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ گلبرگ لاہور مکرم عبدالحلیم طیب صاحب کو مکرم نائب امیر صاحب جماعت احمدیہ ضلع لاہور نے فرمایا کہ کوئی ایسا خادم ڈیوٹی کے لئے دیں جو ہر وقت حضرت چوہدری صاحب کے پاس رہے اور آپ کو نماز وغیرہ پڑھائے کیونکہ آپ نماز با جماعت کے عادی ہیں نیز چوہدری صاحب کا خیال بھی رکھے۔مجلس خدام الاحمدیہ کو ہمیشہ یہ فخر رہا ہے کہ جب بھی چوہدری صاحب کے لئے یا دوسرے جماعتی کاموں کے لئے خدام کی ضرورت پڑی قیادت اور خاص طور پر حلقہ گلبرگ سب سے آگے نظر آتا ہے اور ویسے بھی چوہدری صاحب کی کوٹھی قیادت گلبرگ میں ہی آتی ہے۔کچھ اس نسبت سے بھی اس قیادت کو چوہدری صاحب کی خدمت کرنے کا خاصا موقعہ ملا۔جس سے مجلس خدام الاحمدیہ گلبرگ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔خاکسار نے اُن دنوں ایف۔اے کا امتحان دیا تھا اور فارغ تھا۔اس لئے مکرم قائد صاحب نے خاکسار کو اس خدمت کے لئے چُنا۔اس طرح خاکسار کو یہ خدمت بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی۔پہلے دن قائد صاحب خاکسار کو حضرت چوہدری صاحب کی کوٹھی پر چھوڑ آئے۔چوہدری صاحب کے چھوٹے نواسے مکرم مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب مجھے اندر چوہدری صاحب کے کمرے میں لے گئے اور چوہدری صاحب سے خاکسار کا تعارف کروایا اور آپ سے کہا کہ یہ یہاں آپ کے پاس رہیں گے۔اور جب آپ کو ضرورت پڑے بُلا لیں۔

فارسی اور پنجابی پر دسترس۔ان کے چلے جانے کے بعد چوہدری صاحب نے خاکسار کو اپنے پاس بلایا اور نام پوچھا۔خاکسار نے عرض کیا کہ میرا نام شمشاد احمد ہے ''شمشاد'' کا لفظ سُن کر چوہدری صاحب نے اندازاً سات آٹھ فارسی اشعار ایسے پڑھے جن میں شمشاد کا لفظ آتا تھا ان میں سے ایک شعر میرے ذہن میں ہے

مرا در خانہ سروے ہست کاندر سایہ قدس　　　فراغ از سرو بستانی و شمشادِ چمن دارم

آپ کی انگلش کے متعلق تو بہت چرچے سُنے تھے مگر فارسی میں دسترس دیکھ کر حیران رہ گی۔شعر پڑھنے کے بعد خاکسار سے پوچھا کہ کیا تمہیں فارسی آتی ہے؟ عرض کیا جناب مجھے تو فارسی بالکل نہیں آتی۔فرمانے لگے آنی چاہیے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کا بہت سا

حصہ فارسی میں ہے۔ یہ حضور کے کلام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ پھر پوچھا کہاں کہ رہنے والے ہو؟ مَیں نے عرض کیا کہ ہمارا اصل گاؤں تو تخت ہزارہ ضلع سرگودھا ہے مگر اس وقت لاہور ہی میں رہتے ہیں۔ پھر فرمایا اچھا وہی تخت ہزارہ جہاں کا رانجھا تھا۔ فرمایا پھر تو بڑے مشہور گاؤں کے رہنے والے ہو۔ پھر کوئی چھ سات شعر ہیر وارث کے پڑھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو تو پنجابی اشعار بھی کافی تعداد میں یاد ہیں۔ فرمایا اللہ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے یہ حافظہ عطا فرمایا۔ ورنہ میری کیا طاقت تھی کہ یہاں تک پہنچ جاتا۔ پھر فرمایا کہ اس کتاب کہ یہ شعر اب بھی میری نظر کے سامنے ہیں کہ مَیں نے کس صفحے سے پڑھے تھے اس صفحے کا نشان کیا تھا اور اس کی عبارت کی تھی۔ یہ سب میرے ذہن میں ہے۔ آپ کا لباس با لکل سادہ تھا سفید رنگ کی شلوار قمیض ہوتی تھی۔ سردیوں میں کوٹ وغیرہ پہنتے تھے لیکن باقی مہینوں میں آپ کو سفید رنگ کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ لباس کا ہر طرح خیال رکھتے، صفائی نفاست، اور وقار خوب جھلکتا تھا۔ ایک دفعہ نماز کا وقت ہو گیا فرمانے لگے نماز پڑھا دو۔ مَیں باتھ روم میں وضو کر کے نکلا اور جائے نماز بچھا کر نماز پڑھانے لگا۔ مَیں نے آستینیں کہنیوں تک چڑھائی ہوئی تھیں فرمایا پہلے آستینیں نیچے کر کے بٹن بند کرو۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

روزمرہ کا پروگرام۔ روزمرہ کے معمول کے مطابق صبح تہجد ادا کرتے اور اس کے بعد نماز فجر ساڑھے چار بجے پڑھتے تھے۔ پھر بستر پر لیٹے ہی تسبیح تحمید وغیرہ میں مصروف رہتے تھے یا اگر نیند آتی تو سو جاتے۔ ناشتہ تقریباً ساڑھے سات بجے تک کرتے تھے ساڑھے آٹھ نو بجے تک اپنے کمرہ سے نکل کر باہر ہال میں آجاتے تھے اور ایک بجے تک مطالعہ میں مصروف رہتے۔ مطالعہ میں اخبار رسائل اور دوسری کتابیں رہتی تھیں۔ ڈیڑھ بجے ظہر اور عصر جمع کر کے پڑھتے اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ڈھائی بجے کے قریب اپنے بستر پر استراحت فرماتے۔ شام سے ایک گھنٹے پہلے دوبارہ اٹھتے اور پھر ہال میں تشریف لے آتے۔ اس دوران اگر کوئی دوست یا کوئی ملاقات کرنے والا ہوتا تو اُس سے ملتے تھے یا پھر مطالعہ کرتے تھے۔ پونے آٹھ بجے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھاتے اور اس کے بعد شام کا کھانا کھاتے اور اس دوران شام کا کھانا کھاتے اور اس دوران یعنی کھانے کے وقت آپ کی صاحبزادی محترمہ امۃ الحئی بیگم صاحبہ آپ کے پاس بیٹھتی تھیں اور شام کا کھانا وہ خود اپنے ہاتھ سے آپ کو کھانا کھلاتیں اور تقریباً ایک گھنٹہ آپ کے ساتھ باتیں وغیرہ کرتیں۔ ویسے تو سارا دن آپ کے پاس چکر لگاتی رہتیں لیکن رات کو کھانے کے وقت خصوصاً آپ کے پاس بیٹھتیں۔ پھر دوا وغیرہ کھلا کر آپ کو بستر پر لٹا کر چلی جاتیں۔ اور رات کو پھر افراد خانہ آپ کی طبیعت دیکھنے کے لئے چکر لگاتے رہتے۔ آپ سب نمازیں باجماعت ادا کرتے اور خاکسار کو آپ کی نماز کی امامت کروانے کا شرف حاصل رہا۔ بیماری کی وجہ سے کھانا بہت نرم کھاتے تھے۔ سبزیوں کو باریک کر کے ان کی ٹکیاں بغیر مرچ کے کباب کی مانند بنی ہوتی تھیں جو آپ کھاتے تھے۔ اور ان کے علاوہ پھلوں کا جوس نوش فرماتے تھے۔ کسی دن طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے روزمرہ کے کاموں میں بے قاعدگی آجاتی تھی۔ بیماری کی وجہ سے خود اٹھ نہیں سکتے تھے بازو سے پکڑ کر خاکسار یا کوئی اور اٹھاتا اور سہارے سے ہی چلتے تھے۔ جس دن کبھی طبیعت اچھی ہوتی ویل چیئر پر باہر سیر بھی کرتے تھے۔ بنیادی طور پر آپ کا علاج مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب ہی کرتے لیکن طبیعت زیادہ خراب ہونے پر مکرم ڈاکٹر لطیف احمد صاحب قریشی اور ڈاکٹر مبشر احمد صاحب ربوہ سے اور ڈاکٹر نوری صاحب اسلام آباد سے اور ڈاکٹر جنرل محمود الحسن صاحب راولپنڈی سے تشریف لاتے تھے۔ ویسے تو تمام افراد خانہ چوہدری صاحب کی بہت خدمت کرتے تھے اور آپ کا خیال رکھتے تھے لیکن آپ کے نواسے مکرم

مصطفیٰ نصر اللہ خاں صاحب نے آپ کی بہت خدمت کی۔ انہوں نے ڈاکٹروں اور نرسوں والی ڈیوٹی پورے طور پر نبھائی۔ لحہ لحہ آپ کا خیال رکھتے اور ساری رات وقفہ سے آپ کے پاس چکر لگاتے انہوں نے آپ کی خدمت میں رات کی نیند کو بھی اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ آج تک میں نے کسی نواسے کو اپنے نانا کی اتنی خدمت کرتے نہیں دیکھا۔ جتنی مکرم مصطفیٰ نصر اللہ خان صاحب نے کی۔

نماز کا خیال۔ مکرم چوہدری صاحب کو نماز کی بہت فکر رہتی تھی۔ صرف اور صرف نماز کا خیال تھا جو آپ کو بار بار آتا تھا۔ رات کو بہت کم سوتے تھے تقریباً ہر پون گھنٹے یا گھنٹے کے بعد جاگتے اور خاکسار کو آواز دے کر بلاتے اور نماز کا پوچھتے کہ کتنا وقت رہ گیا ہے اور تاکید کرتے کہ خیال رہے کہ کہیں نماز کا وقت نکل نہ جائے۔ خاکسار چوہدری صاحب کے پاس ہی باہر ہال میں سوتا تھا۔ وہ کمرہ جس میں مَیں سوتا تھا اس کے اور آپ کے کمرہ ے درمیان دروازہ نہیں تھا صرف پردہ درمیان میں ہوتا تھا۔ **اسوہ رسول ﷺ پر عمل**۔ ایک دفعہ رات کو خاکسار باہر سویا ہوا تھا۔ چوہدری صاحب نے آواز دی مَیں اندر گیا۔ بتی جلائی اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ فرمایا کچھ نہیں چلے جاؤ مَیں واپس آ کر لیٹنے لگا تو پھر آواز آئی فرمایا کہ چلے جاؤ کچھ نہیں مَیں واپس پھر لیٹنے ہی لگا تھا کہ پھر تیسری بار آواز آئی۔ آپ غصہّ سے فرمانے لگے دیکھو مَیں نے تم کو تین مرتبہ بلایا لیکن تم نے ایک بار بھی سلام نہیں کیا۔ منہ اٹھا کر کمرے میں چلے آئے کسی نے بتایا نہیں کہ جب کسی سے ملو تو پہلے سلام کیا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مَیں سمجھ رہا تھا کہ ایک ہی کمرے میں تو ہیں اس لئے میں نے سلام نہ کیا۔ فرمایا بے شک ایک ہی کمرہ ہے لیکن درمیان میں پردہ تو ہے۔ اور آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ''جب ایک دوسرے سے ملو تو سلام کرو اگر درمیان میں ایک پتھر حائل ہو جائے تو دوبارہ ملنے پر پھر سلام کرو ہم نے حضرت محمد ﷺ کے اسوہ پر عمل کرنا ہے۔'' مَیں نے معذرت کی اور عرض کیا غلطی ہوگئی آئندہ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے وقت پوچھا اور پوچھا کہ نماز میں کتنا وقت باقی ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ فرمایا سو جاؤ اور خیال کرنا کہیں نماز کا وقت نہ نکل جائے۔ مَیں واپس آ کر لیٹنے لگا اور آپ نے پھر آواز دی مَیں اندر گیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا مَیں نے تمہیں اس لئے دوبارہ بلایا ہے کہ کہیں تُم نے میری بات کا غصہ تو نہیں کیا۔؟ فرمایا میری کیا مجال ہے کہ مَیں غصہ کروں فرمایا مَیں نے یہ باتیں تمہیں غصہ میں نہیں کہی تھی بلکہ تم میرے بچوں کی طرح ہو اور بچوں کی تربیت ہمارا فرض ہے اس لئے برا نہیں ماننا۔ جاؤ اب آرام کرو اور سو جاؤ۔ اس قدر انکساری اور نرمی دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اس قدر بلند شخصیت ہونے کے باوجود آپ نے اپنے ایک ادنیٰ غلام کا اتنا خیال رکھا کہ کہیں میری وجہ سے اس کے دل کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔ مَیں نے دل ہی دل میں بہت شرم محسوس کی۔

امام کی اتباع۔ ایک بار مَیں نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ مَیں جامعہ احمدیہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ دعا تو مَیں ضرور کروں گا اور کرتا بھی ہوں نہ صرف آپ کے لئے بلکہ سب کے لئے کرتا ہوں مگر یہ جو تم نے فقرہ کہا کہ ''دعا فرمائیں'' یہ غلط ہے کیونکہ دعا میں بہت عاجزی ہوتی ہے۔ اور عاجز انسانوں کے لئے ''فرمائیں'' کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ مَیں تو ایک عاجز انسان ہوں اس کی بجائے کہا کرو ''دعا کریں'' حضرت امام جماعت احمدیہ نے لفظ ''دعا فرمائیں'' کو ناپسند کیا ہے۔ لہذا ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بھی اس کو ناپسند کریں۔ **والدہ سے محبت**۔ آپ اپنی والدہ سے بہت محبت کرتے تھے ان کے متعلق آپ نے ''میری والدہ'' کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ایک بار فرمایا کہ خدا نے میری سب خواہشیں پوری کی ہیں بس ایک خواہش ہے کہ مَیں اپنی والدہ کے پاس پہنچ جاؤں اور اُن کی خدمت کروں۔ آپ نے اپنی والدہ کی

ایک بڑی تصویر اپنے سامنے لگائی ہوئی تھی ایک دفعہ مَیں آپ کو بازو سے تھام کر اندر سے باہر بڑے کمرے کی طرف لا رہا تھا۔سامنے تصویر تھی تصویر کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے انگریزی میں کہا Do you know who is the lady یعنی کیا تم جانتے ہو کہ یہ خاتون کون ہیں؟ نہیں جناب میں نہیں جانتا This is my mother کہ یہ میری والدہ صاحبہ ہیں اور پھر اردو میں فرمایا کہ میری پیاری والدہ ہیں۔مَیں تو کچھ چیز نہ تھا جو کچھ بھی مجھے مرتبہ ملا محض خدا کے فضل اور حضور کی شفقت اور میری والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔'' جماعت سے بہت محبت رکھتے تھے اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے متعلق روزانہ دریافت فرماتے کہ حضرت صاحب کہاں ہیں اور کیسی طبیعت ہے اور فرماتے کہ حضور کی طرف سے جماعت کو کوئی حکم آئے تو فوراً بتانا تا کہ مَیں امام جماعت احمدیہ کی کسی تحریک سے محروم نہ رہ جاؤں اور خاکسار کو نظامِ جماعت سے متعلق وابستہ رہنے کی بہت نصیحتیں کرتے اور فوائد بیان کرتے۔خاکسار نے جامعہ احمدیہ میں داخلہ کا فارم پُر کیا اور آپ سے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ بہت اچھی بات ہے۔اللہ منظور کرے۔

انسانیت کا احترام۔ایک دفعہ آپ رات کو اپنے بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے مَیں بھی اسی کمرے میں قالین پر لیٹ گیا۔مجھے نیچے لیٹے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو ٹھیک نہیں کہ مَیں اوپر سوؤں اور تم نیچے زمین پر تم بھی میری طرح بستر پر سوؤ۔مَیں نے عرض کیا نہیں کوئی بات نہیں۔نہیں فرمانے لگے بات تو ہے یا پھر مَیں بھی نیچے ہی سوجاتا ہوں۔مَیں نے عرض کیا نہیں سَر میں تو یہاں ایسے ہی نیچے لیٹ گیا تھا۔سوتا تو مَیں پردہ کے اس طرف ہوں۔یہ کہہ کر میں السلام علیکم کہہ کر جلدی سے پردہ کے اُس طرف آ گیا ورنہ چوہدری صاحب کو بے چینی کی وجہ سے نیند نہ آتی۔اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے تھے اور تکبّر یا بڑائی نام کی کوئی چیز ان کے پاس سے نہ گزری تھی۔ایک دفعہ خاکسار آپ کو کھانا کھلا رہا تھا فرمایا کہ مَیں کھا رہا ہوں تم ویسے ہی میرے پاس بیٹھ جاؤ اور تم بھی میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔مَیں کھانا کھا چُکا تھا مَیں نے عرض کی مَیں نے کھانا کھا لیا ہے فرمایا نہیں پھر بھی کچھ نہ کچھ کھاؤ اور ہاتھ سے وہی چمچہ جس سے آپ کھا رہے تھے بھر کر میری طرف بڑھایا اور فرمایا کہ اسے کھاؤ خواہ ایک ہی چمچہ کھاؤ۔خاکسار نے کھا لیا اور پھر آپ نے کھانا شروع کیا۔خاکسار کو بہت ہی شفقت کی نگاہ سے دیکھتے اور خاکسار سے بہت ہی پیار کرتے اور فرماتے کہ تم میں اور میرے بچوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔کوئی بھی کام ہو تو بتا دینا کوئی بات پوچھنی ہو تو بلا جھجک پوچھ لیا کرو۔اس طرح یہ تین مہینے جو آپ کی خدمت کا خاکسار کو موقع ملا میری زندگی کے یادگار دن ہیں۔پھر جامعہ کے لئے خاکسار کو انٹرویو کے لئے بُلا لیا گیا اور پھر مَیں نے جاتے ہوئے آخری بار آپ کو بتایا کہ مَیں جا رہا ہوں جامعہ میں انٹرویو کے لئے خاکسار کو بُلایا گیا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے پاس واپس نہ آسکوں اور دعا کی درخواست کی۔آپ اس وقت شام کا کھانا کھا رہے تھے۔آپ نے میرا بوسہ لیا اور دعا کی اور فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

اس کے بعد خاکسار کو جامعہ احمدیہ میں داخلہ مل گیا۔اور اس طرح پر یہ موقع پھر دوبارہ ہاتھ نہ آ سکا۔اب وہ لمحے یاد آتے ہیں تو دل میں حسرت سی رہتی ہے کہ کاش کچھ دن اور خدمت کر لی ہوتی۔مگر خدا کا بہت بہت شکر ہے کہ اس نے اتنی خدمت کی بھی توفیق بخشی۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 141 تا 146)

کردار کے موتی۔مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب لاہور

اس عاجز کو بھی خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے یہ سعادت بخشی کی چوہدری صاحب سے کبھی کبھار ملاقات کے شرف سے مشرف رہا ہوں۔اس ضمن میں چند واقعات عرض خدمت ہیں۔

سرزنش کا پُرحکمت طریق۔ حضرت چوہدری صاحب موسم سرما میں تین چار ماہ کے لئے پاکستان تشریف لاتے تو قیام لاہور چھاونی میں اپنی صاحبزادی کے پاس قیام فرماتے۔آپ کا معمول تھا کہ دن میں کھانے کے بعد ایک دو چمچہ ہاضمہ مکسچر پی لیا کرتے تھے جو مَیں شاہنواز میڈیکل سٹور لاہور سے تیار کروا کر بھجوایا کرتا تھا۔شروع میں ایک دو دفعہ تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا حالانکہ ڈسپنسر کا تیار شدہ مکسچر لندن میں تیار شدہ مکسچر سے کچھ مختلف محسوس ہوتا ہے جبکہ نسخہ تو وہی ہوتا ہے۔لاپرواہی تو نہیں ہوگئی جبکہ یہاں کی دواؤں میں کچھ فرق ہو۔بہرحال کمپاؤنڈر کو کسی وقت بتا دینا اس دن کے بعد یا تو اپنی موجودگی میں ادویات کا پورا وزن اور ناپ کروا کر مکسچر تیار کرواتا رہا یا خود مکسچر تیار کروا کر بھجواتا رہا اور پھر کبھی شکایت نہ ہوئی۔اس سے عیاں ہے کہ چوہدری صاحب کس حکیمانہ انداز سے غلطی یا کوتاہی کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے۔

بڑھاپے میں شدید محنت۔ آپ اپنی کتاب Servent of God لکھوا رہے تھے مسودہ کی کاپیاں اس عاجز کے پاس بھجوا دیتے تا کہ مَیں اپنی نگرانی میں اسے سٹینو سے ٹائپ کروا کر اور پھر ٹائپ شدہ مسودہ کا اصل سے مقابلہ کر کے چوہدری صاحب کی خدمت میں بھجوا سکوں۔روزانہ اتنا زیادہ کام موصول ہوجاتا تھا کہ سٹینو سے پورے دن میں مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔اس لئے بعض دفعہ مجھے کسی دوسرے دوست سے بھی ساتھ ساتھ ٹائپ کروانا پڑتا تھا مگر کام پھر بھی ختم نہ ہوتا تھا مکرم چوہدری صاحب روزانہ ٹائپ شدہ مسودہ کو پڑھ بھی لیتے تھے بلکہ مزید مسودہ کے لئے کافی صفحات لکھوا کر مجھے بھجوا دیتے تھے۔ہم سب حیران تھے کہ چوہدری صاحب اس بڑھاپے کی عمر میں اتنا زیادہ کام کیسے کر لیتے ہیں جو آج کل کے اکثر نوجوان سے بھی ہونا مشکل ہے۔آپ کو بھی زیادہ کام کا احساس ہوجاتا تو کبھی ٹیلی فون پر فرما دیتے۔''رشید صاحب کام کچھ زیادہ ہے سٹینو سے کہیں وہ دو دن میں کر لے مگر غلطیاں نہ ہوں۔مَیں آپ کو تمام صفحات بھجوا رہا ہوں آپ سٹینو کو صرف اتنے دیں جتنے روزانہ احسن طور پر ٹائپ کرسکیں اور باقی اپنے پاس رکھیں۔''

درویشی۔قصہ ایک کوٹ کا۔ یہ واقعہ حضرت چوہدری صاحب کی سادگی اور درویشی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔خدا تعالیٰ نے آپ کو بہت مال و دولت عطا کیا تھا۔جو دین کے لئے خرچ کر دیتے۔مساکین غرباء کو ہر ماہ وظائف دئے جاتے۔جس کا انتظام ہم نے پاکستان میں افسر صیغہ خزانہ کے ذریعہ کروایا ہوا تھا۔مگر آپ اپنی ذات پر بالکل نہ ہونے کے برابر خرچ کرتے تھے۔واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک بار موسم سرما کے شروع میں لندن سے لاہور تشریف لانے والے تھے۔مجھے محترمہ امۃ الحئی بیگم صاحبہ نے بتایا کہ ابّا تشریف لا رہے ہیں ان کا کوٹ بہت بوسیدہ ہو چکا ہے۔مَیں اسے بھجوا رہی ہوں اسے مرمت کروا دیں۔کوٹ کا نہ صرف استر پھٹ چکا تھا بلکہ بیرونی کپڑے میں بھی جگہ جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔مَیں نے عرض کیا کہ نئے کپڑے کے چند نمونے بھجوا رہا ہوں آپ پسند فرمالیں۔مَیں ابا حضور کی آمد سے پہلے درزی سے نیا کوٹ سلوا دوں گا۔بیگم صاحبہ نے فرمایا رشید یہ ناممکن ہے ابا ہرگز یہ کوٹ نہیں پہنیں گے بلکہ ہم پر شدید ناراض ہوں گے کہ میری ذلّت کے لئے یہ خرچ کیوں کیا۔چارو

ناچار میں نے بیڈن روڈ کے ایک درویش درزی حاجی بشیر احمد صاحب سے اس مشکل کے متعلق عرض کیا۔ چنانچہ وہ آستینوں کے لئے پہلے جیسے استر کے بالکل مشابہ کپڑا لائے پھر اسے مسل کر پرانے کپڑے کی طرح ہم نے بنایا اور وہ کپڑا آستیوں میں اس احتیاط سے لگوایا گیا کہ معلوم نہ ہو سکے۔اس طرح بڑی منت سماجت سے ایک رفوگر کو راضی کیا کہ وہ ان دو درجن کے قریب سوراخوں کو رفو کر دے اور پھر اس کے منہ مانگی اجرت ادا کی کیونکہ کوئی بھی رفوگر اس کوٹ کو رفو کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔اور ایسا ہی واقعہ آپ کے ایک جوتے کے مرمت کرنے کا بھی ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جو بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی کے چلن رکھتے ہیں۔

مَیں دعا کر رہا ہوں۔ حضرت چوہدری صاحب اس عاجز پر بہت شفقت فرماتے اور اکثر دعا میں یاد رکھتے تھے۔میرا بڑا بیٹا عبدالعزیز جب ایم اے بزنس ایڈمنسٹریسن میں یونیورسٹی میں اوّل آیا تو اس کی ملازمت کے لئے مجھے ارشاد فرمایا کہ اس کی درخواست اور سندات مجھے لا دینا۔ مَیں فلاں فلاں صاحب کو دے دوں گا اور کہہ دوں گا کہ وہ عزیز کو اپنی (پاکستانی) فرم میں رکھ لیں۔مَیں نے درخواست بھجوا دی تین دن کے بعد ٹیلی فون پر مجھے حضرت چوہدری صاحب نے بتایا کہ درخواست ان صاحب کو دے دی ہے مَیں دعا کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ ملازمت کا وہ انتظام کرے جو عزیز کے لئے دینی اور دنیوی لحاظ سے بہتر ہو۔(خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 146 تا 148)

چاہتوں کے سفر کی دلفریب داستان۔مکرم شیخ محمد حسن صاحب لندن

سخت گرمی کا دن تھا ہر طرف یہی چرچا کہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بیت الفضل فیصل آباد تشریف لا رہے ہیں۔ پریس کانفرنس ہوئی۔لوگ بڑے شوق سے آپ کی باتیں سُن رہے تھے۔بجلی وغیرہ ان دنوں بیت الفضل میں نہ آئی تھی۔ باری باری ہاتھ پنکھا ہلایا جا رہا تھا۔۔۔۔اس موقع پر مجھے بھی پنکھا ہلانے کا موقع ملا۔ایسے جلیل القدر بزرگ کی یہ قربت مجھے پہلی دفعہ نصیب ہوئی۔اس پنکھے کی ہوا کچھ ایسی چلی کہ اس کی مہک میری زندگی میں گُھل گئی۔اور وہ چاہت اور پیار کی خوشبو ہمیشہ میرا پیچھا کئے رہی۔لیکن پھر بھی میرا اور آپ کا تعلق ایک عام آدمی کا تعلق رہا۔جب آپ افریقہ کے دورہ پر تشریف لائے تو خاکسار بھی ملازمت کے سلسلہ میں نیروبی میں موجود تھا۔وہاں خاکسار نے آپ کو اپنی یہ خواب سنائی کہ آپ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور مَیں آپ کی ٹانگیں دبا رہا ہوں۔خاکسار نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تاکہ خواب کو کسی حد تک ظاہر میں بھی پورا کر دیا جائے۔مگر آپ نے اپنی ٹانگیں پیچھے کرتے ہوئے فرمایا۔''میری ٹانگوں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ خواب میرے اور تمہارے دونوں کے لئے بہتر ہے۔''ایک عرصہ بعد خاکسار افریقہ سے لندن آیا اور حضرت چوہدری صاحب کو اور قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ایک بار بیت الفضل لندن میں ایک نکاح پڑھایا گیا آپ کو کسی نے لڈو دئے آپ ان کو ہاتھ میں اٹھا کر ہال میں گھومتے رہے اور ایک کونے میں آکر میرے ہاتھ میں رکھ دئے یہ دیکھ کر امام بشیر رفیق خان صاحب نے مجھے مبارک باد دی۔ یہ آپ کے پیار کے چند چھینٹے تھے جو آہستہ آہستہ موسلا دھار بارش میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔آپ سے میرا قریبی تعلق اس طرح شروع ہوا کہ محترم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب کو مشن چھوڑ کر باہر جانا تھا اس طرح مشن ہاؤس میں صرف ان کی فیملی اور حضرت چوہدری صاحب رہ جاتے۔ چنانچہ اس عاجز کو مشن کی حفاظت کی خاطر وہاں جا کر سونے کو کہا گیا۔اس دوران صبح کی ڈاک حضرت چوہدری صاحب تک پہنچانا میرا کام تھا۔اس طرح سے آپ کی اور میری قریبی شناسائی

ہونے لگی اور قریب ہونے کا موقع ملتا رہا۔ ان دنوں جمعہ کے بعد باہر سے آنے والے مہمانوں اور دفاتر میں کام کرنے والے دوستوں کے لئے خاکسار چائے وغیرہ کا انتظام کرتا اور بعض اوقات ساتھ پکوڑے وغیرہ بھی بنالیتا جو سب کو پیش کردئے جاتے۔ ایک دن خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت چوہدری صاحب سے پوچھ لیا جائے۔ چنانچہ خاکسار نے آپ سے اندر آنے کی اجازت لی اور پکوڑوں کی پلیٹ آپ کے سامنے رکھی آپ مسکرائے اور ایک پکوڑا اٹھالیا۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ آپ کی مسکراہٹ نے دعوت کو قبول کرلیا ہے اور پھر ہر جمعہ کو یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور آپ ازراہ شفقت پکوڑوں کی دعوت قبول کر لیتے جو بقول آپ کے ''روڑا'' ہوتا تھا۔

آپ کو ہمیشہ دوسروں کے جذبات اور وقت کا خیال رہتا۔ ایک جمعہ میں مجھے بلایا جب کہ آپ کار میں بیٹھے تو فرمایا آج نہ آنا کیونکہ مَیں باہر جا رہا ہوں اور ایک روز فرمایا'' آج کے بعد پکوڑے نہ لانا۔ کیونکہ یہ میرا پیٹ خراب کردیتے ہیں۔'' خاکسار نے اس ہدایت کی پابندی کی تو دوسرے جمعہ فرمایا ادھر آؤ وہ میری رشتہ دار عورتیں آئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ ہم نے پکوڑے کھانے ہیں ان کے لئے لے آؤ اور پھر یہ سلسلہ ان کے نام جاری رہا۔ یہ بظاہر معمولی راہ ورسم کا تعلق تھا لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ پہلے دن کی مسکراہٹ نے مجھے آپ کے دوستوں اور تعلق والوں میں شامل کرلیا چونکہ بعد کے آنے والے دنوں میں اس کی شہادت ملتی ہے آپ کے کسی عزیز کی شادی ہوئی تو صرف 40 افراد کو ولیمہ میں بُلایا گیا ان میں خاکسار بھی شامل کیا گیا۔ ایک روز آپ کے یہاں گیا تو آپ نے فرمایا کہ'' میرا بستر توٹھیک کردو خاکسار اس کو اپنی عزت سمجھتے ہوئے آپ کے سونے والے کمرہ میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت ہی سادہ سا بستر ہے۔ نہ اطلس وکم خواب کا ادھر سے گزر ہوا اور نہ ہی کسی امیر زادہ کا خلوت محسوس ہوا۔ معمولی چادروں کو کمبل کے ساتھ جوڑ کر ایک رضائی کی شکل دی ہوئی تھی۔ خاکسار نے اُس کو تہہ کیا اپنے سر پر برکت کی خاطر رکھا اور اپنی طرف سے بڑے سلیقہ سے ایک طرف رکھتا گیا۔ ایک روز گیا تو آپ کا ہاتھ بندھا ہوا تھا جس پر خاکسار نے پوچھا'' چوہدری صاحب ہاتھ کو کیا ہوا؟'' تو فرمایا'' کچھ گرم کرنے لگا تھا ہاتھ جل گیا۔'' ہر کام خود کرنے کی پوری کوشش کرتے بعض دفعہ احباب بیت الذکر میں نماز کے بعد آپ کی جوتی پکڑنے کی کوشش کرتے تو آپ کہتے کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ میری جوتی ہے آپ کی عزت نہیں۔ غرض یہ تھی کہ مجھے اتنی اہمیت نہ دو میں تو ایک عام آدمی ہوں بس۔ ایک روز بشیر رفیق خان صاحب نے کہا کہ چوہدری صاحب کا فلیٹ دیکھ لیا جائے کیونکہ آپ امریکہ سے واپس آرہے تھے۔ ہم نے بلب جلانے کے لئے بٹن جلائے مگر کوئی بلب نہ جلا ہم نے سمجھا کہ شاید بلب فیوز ہیں لیکن بشیر رفیق خان صاحب نے فرمایا کہ آپ چوہدری صاحب کے گھر کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس لئے مین سوئچ کو دیکھیں کہ کہیں وہ بند تو نہیں۔ دیکھا تو ایسا ہی تھا۔ یعنی باہر جاتے وقت اپنے فلیٹ کا مین سوئچ ہمیشہ بند کر جاتے تھے تاکہ اسراف نہ ہو۔ جن دنوں آپ نے کتاب'' محمد ﷺ'' لکھی آپ نے اس کی اشاعت کے لئے وعدے لئے کہ دوست کتنی کتب خریدیں گے لیمنگٹن میں ایک شادی کے موقعہ پر آپ نے دوستوں سے کہا کہ اس کی اشاعت میں حصہ لیں اور ساتھ ہی کہا کہ مجھے ذاتی لالچ نہیں کہ کتاب بکے گی اور مجھے کوئی مالی فائدہ ہوگا۔ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ لوگ رسول ﷺ کی سیرت کو پڑھ کر اس پر عمل کریں اور پھر آپ نے اپنی ذات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا تجزیہ کیا کہ میرے اندر تو اس قدر نقص ہیں کہ اتنی چھلنی کے سوراخ نہیں ہوں گے جتنے مجھ میں نقائص ہیں۔

کیا خوب سودا نقد ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنے ملنے والوں کو دستخط کر کے تحفۃً دی پھر آپ نے بڑے بڑے دنیاوی حیثیت رکھنے والوں کو

دی۔آپ نے مکرم غوری صاحب کوفرمایا کہ اس کی جلد بندی کروائی جائے۔خاکسار کا نام سامنے آیا توفرمایا ٹھیک ہے آپ نے ایک روز مجھے فرمایا یہ دو کتابیں فوری طور پر مجھے چاہئیں کل جمعہ ہے۔مَیں نے کسی کو جمعہ میں دینی ہے اس لئے فوری طور پر مجھے جمعہ میں پہنچا دیں۔خاکسار وقت پر کتابیں سفید کاغذ میں لپیٹ کر لے گیا تو دوسری جانب آپ بھی پوری تیاری کر کے آئے تھے۔ہر کام میں ذمہّ داری اور اللہ کے بنائے ہوئے اصول ذہن میں رکھتے اور اُن پر عمل کرتے۔جب خاکسار نے کتابیں دیں تو فوراً محنت کا معاوضہ ادا کر دیا۔آپ نے گھر سے اتنی ہی رقم الگ کر کے جیب میں رکھی ہوئی تھی کہ جب مَیں جاؤں گا تو وہ رقم بھی اسی وقت ادا کر دی جائے گی۔کوئی ادھار نہیں کوئی بھول چوک نہیں۔آپ دوستوں کی فرمائش پر کتب پر دستخط کرنے کے لئے بیٹھے تھے اور مجھے فرمایا کہ ادھر آؤ اور اس کے صفحات کو میرے سامنے کھولتے جاؤ اور میں دستخط کرتا جاتا ہوں۔اور یہ عجیب نظارہ تھا کہ ایک روز فیصل آباد کی مسجد میں گرمی سے بچانے کے لئے مَیں پنکھا جھل رہا تھا اور آج اسی جلیل القدر اور بانئ سلسلہ کے صحابی کے پہلو میں کھڑا ان کی دعائیں لے رہا تھا۔اُس وقت اجنبیت کے سمندر حائل تھے اور آج قربت کی بلند منزلیں طے ہو رہی تھیں۔ایک دن بڑے پیار اور بڑے جلال سے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ دیکھو مجھے علم ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور سنو مَیں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔یہ ایسے الفاظ تھے جنہوں نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور یہی میرے اور آپ کے تعلقات کی انتہا تھی اور انہی محبتوں کے بندھے رشتے میں ایک دن ایسا بھی آیا جب آپ لندن سے روانہ ہو رہے تھے۔آپ جاتے ہوئے میرے لئے تبرک کے طور پر اپنا سوٹ چھوڑ گئے ایسا نظارہ آنکھوں نے نہ دیکھا۔جس سے محسوس ہوتا تھا کہ آپ سے ہماری یہ آخری ملاقات تھی۔آنکھ بتاتی تھی کہ کوئی بات تو تھی تبھی پُرنم تو تھے۔۔یہ چمن سے کون چلا گیا کلی کلی کو فشار ہے۔آپ کی وفات کی خبر سے تمام مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے جس دن آپ کا جنازہ تھا خاکسار نے تحدیثِ نعمت کے طور پر آپ کا عنایت کیا ہوا سوٹ پہنا اور بوجھل قدموں سے بیت الفضل کو روانہ ہوا اور حسنِ اتفاق یہ کہ جہاں آپ نماز کے لئے ہمیشہ بیٹھتے تھے خاکسار بھی وہیں بیٹھا۔آپ کی چاہتوں اور محبتوں کا لطیف بوجھ لئے آپ کا جنازہ غائب پڑھ رہا تھا۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 149 تا 151)

ایک عالم باعمل۔محترم مولانا لئیق احمد طاہر سابق مربی انگلستان

لندن مشن کی پرانی عمارت 63 میل روز (Melrose Road) کے کمرہ میں پندرہ بیس دوست بیٹھے تھے۔قاری عبدالباسط مصری کی تلاوت کی کیسٹ لگی ہوئی تھی۔سبھی اس سے لطف اندوز ہو کر تبصرہ بھی کر رہے تھے۔اتنے میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تشریف لائے۔ایک منٹ میں دروازے میں کھڑے ہوئے اور مبصرین کی طرف نظر دوڑائی اور فرمایا ’’یا تو تلاوت سنئے اور یا باتیں کیجئے۔دونوں کام ایک ساتھ مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو خاموشی سے سُنیں۔‘‘ مجھے آپ کی بات پسند آئی اور معاً دل میں خیال آیا ہے کہ یہ ہے قرآنی تعلیم کا حقیقی مرقع۔عالم باعمل۔آپ تقریر فرما رہے تھے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی بات کا حوالہ دینے لگے اور فرمانے لگے کے حضور نے ایک چھوٹی سی بات یہ بھی فرمائی تھی یہ کہہ کر ایک دم رُک گئے اور کہنے لگے ’’نہیں نہیں حضور کی ہر بات ہی بڑی عظیم ہے۔آپ کی بات چھوٹی نہیں ہوسکتی۔آپ تو وقت کے امام ہیں۔‘‘ آپ نے اس عشق اور والہیّت سے تذکرہ فرمایا کہ آج تک

میرے کان بھی اس کی لذّت سے آشنا ہیں۔ 61 میل روز پر سنڈے کا سکول لگا ہوا تھا۔اس میں داخلہ کے لئے اور باہر جانے کے لئے ایک الگ دروازے تھے۔ایک غیر از جماعت دوست حضرت چوہدری صاحب کے دیدار کے شوق میں وہاں تشریف لائے لیکن اس دروازہ سے داخل ہوئے جو ہال سے باہر نکلنے کے لئے تھا۔آپ نے اُنہیں واپس بھجوادیا اور فرمایا کہ اصل دروازہ سے اندر آئیں۔چنانچہ جب وہ صحیح راستہ سے ملنے کے لئے آئے تو آپ ہمہ تن گوش ہو کر اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور گفتگو فرماتے رہے۔اپنی خوراک میں بھی یہی نظم وضبط ہمیشہ مدّنظر رکھتے۔نہ کم کھاتے نہ زیادہ کھاتے۔ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ہالنیڈ میں صبح کے ناشتہ کے لئے وہ انڈہ استعمال کرتا ہوں جس میں دو زردیاں ہوتی ہیں ایک زردی میں ایک دن کھاتا ہوں اور دوسری اگلے دن۔ چند نوجوان کھڑے تھے۔فرمانے لگے تم نے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو پاؤنڈ کی قمیضیں پہن رکھی ہیں۔ میری یہ قمیض دیکھ رہے ہو جو میں نے پہنی ہوئی ہے۔یہ امریکہ سے مَیں نے صرف دس شلنگ میں خریدی تھی۔فرمانے لگے اور یہ واقعہ میں نے آپ سے بارہا سنا کہ جب مَیں لندن مشن میں آیا کرتا تھا تو عموماً East Putny سٹیشن پر اتر جایا کرتا تھا(لندن مشن درمیان میں ہے ایک طرف (South Fields Station) ہے ایسٹ پٹنی سٹیشن سے مشن کا فاصلہ دوسرے سٹیشن کی نسبت چند قدم زیادہ ہے۔آپ کے ایک انگریز دوست ہمیشہ کہتے کہ ''ظفر'' تم نے ایسٹ پٹنی سٹیشن پر اتر کر بچایا کیا۔آپ فرمایا کرتے ''ایک پینی'' پھر وہ کہتے کہ آخر بچایا کیا۔آپ فرماتے ''ایک پینی'' پھر وہ کہتے'' آخر بچایا کیا آپ فرماتے ''ایک پینی'' پھر وہ فرماتے کہ یہ بھی بچایا تو کیا بچایا۔آپ کا جواب وہی ہوتا کہ ایک پینی۔گویا ایک ایک پیسہ کے ضیاع کے بھی قائل نہ تھے۔اور اس بات میں ذرہ بھر بھی حجاب محسوس نہ فرماتے کہ کوئی کیا کہے گا۔یہ ضرور مدّنظر رہے کہ آپ جو پائی بھی بچاتے وہ اللہ کی راہ میں ہی صرف ہوتی تھی۔

1970ء کا واقعہ ہے قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب مغربی افریقہ کے دورہ کے بعد لندن تشریف لائے حضور کو اس موقع پر لندن مشن محمود ہال اور مربیان کے فلیٹس کا افتتاح فرمانا تھا۔اس موقع پر ایک مقامی اخبار میں خاکسار کا انٹرویو بھی شائع ہوا۔جس میں خاکسار نے یہ بھی ذکر کیا کہ اس عمارت کا خرچ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ادا کیا ہے۔اگلے دن دوپہر کھانے میں بیٹھے تھے کہ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ نے یہ کیوں چھپوادیا کہ اس عمارت کے اخراجات مَیں نے ادا کئے ہیں۔مَیں تو اس کی تشہیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔پھر فرمایا کہ سیدنا فضل عمرؓ کی خواہش تھی کہ جماعت کی صد سالہ جوبلی پوری شان وشوکت سے منائی جائے۔مَیں نے اپنی طرف سے یہ عمارت اس جوبلی کے عطیہ کے طور پر بنوادی ہے۔خدا تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا آپ کو ہمیشہ خیال رہتا تھا۔کئی سال تک ہر اتوار کے روز دو تین گھنٹے کے لئے نوجوانوں کے لئے جنرل نالج کی ایک کلاس منعقد ہوتی رہی۔اس کے روحِ رواں حضرت چوہدری صاحب ہی تھے۔نوجوان دیوانہ وار اشتیاق سے اس میں شرکت کرتے۔آپ اس کلاس میں حضرت بانئ جماعت احمدیہ کی بعض کتب امتحان کے لئے بھی مقرر فرماتے۔چنانچہ ایک بار آپ نے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' امتحان کے لئے مقرر فرمائی۔طلبہ کے تفصیلی پرچوں کے نمبر خود لگائے اور اپنی طرف سے انعامات بھی تقسیم فرمائے۔بڑے درد کے ساتھ نوجوان نسل کی تربیت کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ٹیلی ویژن سے پرہیز کی تلقین فرماتے اور بار بار کہتے کہ اس کی وجہ سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ٹی وی تو سنیما کو گھر گھر لے آیا ہے اور نئی نسل کے اخلاق کو برباد کرنے والی چیز ہے۔جو لوگ جواباً یہ کہتے کہ اس کی خبریں نہایت عمدہ ہیں وغیرہ تو فرماتے میں تو صرف The Time of London کا مطالعہ

کرتا ہوں تمہیں معلوم ہے وہ کیا چیز ہے۔عورتوں کو ہمیشہ پردہ کی تحریک کی لیکن آپ کی تحریک میں نفرت کا پہلو کبھی نہ ہوتا تھا بلکہ ایک دردمند دل کی تڑپ کا اظہار ہوتا تھا۔اس لئے لوگ ادب سے سُنتے تھے اور آپ کی نصائح سے پاک اثر لے کر اٹھتے تھے۔(خالد ربوہ دسمبر 1985ء و جنوری 1986ء صفحہ 153 تا 154)

چوہدری سر ظفر اللہ خان ۔مولانا لئیق احمد طاہر،مبلغ برطانیہ

چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب جنہیں ابتداء سے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ساتھ ہم نشین،ہمراز،بااعتماد خدمت گزار کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔آپ کا میری بیگم اور بچوں کے ساتھ شفیقانہ محبانہ اور پدرانہ تعلق رہا۔خاکسار ابھی ساؤتھ آل میں ریجنل مشنری کے طور پر کام کر رہا تھا کہ ایک دن اچانک آپ کا خط آیا کہ میں انگلستان سے اب پاکستان منتقل ہونے کا سوچ رہا ہوں۔عمر کے ایسے دور میں ہوں کہ کل کلاں اس دنیا سے رُخصت ہونے کا وقت قریب تر ہو رہا ہے۔آپ دعا۔کر کے مجھے بتائیں کہ کیا ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں یا ناں۔خاکسار سے چوہدری۔صاحب کو نا معلوم کیوں حسن ظن تھا۔اور مجھے بھی آپ سے دلی محبت تھی۔خط کے جواب میں خاکسار نے دکھ کا اظہار کیا کہ آپ سے کبھی کبھار مل کے یہ احساس زندہ ہوتا تھا کہ گویا خاکسار اپنے کسی نہایت قریبی بزرگ سے مل رہا ہے۔واضح رہے کہ حضرت چوہدری۔صاحب سلمٰی مبارکہ خان اور مکرم ڈاکٹر سعید خان صاحب کے مشورہ پر لنڈن Surrey سے مغربی یورکشائر Liver Sedge(Kirkless) مقام پر منتقل ہو گئے تھے۔ایک بار انہیں خاکسار کی بیٹی قرۃ العین طاہر نے Slough میں مدعو کیا اور وہاں زیادہ تر باتیں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے متعلق ہوئیں۔ان میں سے دو چار کا یہاں ذکر کرتا ہوں۔مکرم انور کاہلوں نے بتایا کہ ہمیں ابتداء سے معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں جو بزرگ کسی۔کے باپ سے سے بڑا ہوا سے بابا جی کہا جاتا ہے۔اسی لئے ایک وقت میں آ کر حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب بھی بابا جی کہلاتے رہے۔اور مجھے بھی اب اکثر لوگ بابا جی ہی کہتے ہیں۔آپ کی عمر اس وقت 90 سال سے زیادہ تھی۔دوسری بات یہ بتائی کہ چوہدری ظفر اللہ خان نے ہندوستان سے آ کر (غالباً 1911ء کی بات ہے) Kings College لنڈن سے Law(LLB) میں فرسٹ کلاس فرسٹ ڈگری لی تھی۔یہ بڑی اعلیٰ پوزیشن کو ظاہر کرتی ہے۔مجھے یاد ہے کہ چوہدری انور کاہلوں صاحب سے ہماری بیٹی نے کہا کہ بابا جی میں نے بھی کنگز کالج سے فارمیسی میں فرسٹ کلاس فرسٹ ڈگری لی تھی۔الحمد اللہ تیسری بات آپ نے یہ بتائی کہ حضرت چوہدری صاحب نے اپنی بیٹی امتہ الحئی کو ورثہ میں ایک پاؤنڈ بھی نہیں دیا تھا۔میں نے پوچھا کہ جس کوٹھی میں لاہور کینٹ میں آپکی دختر رہتی ہیں وہ کس کی ہے تو آپ نے بتایا وہ کوٹھی تو امتہ الحئی کی والدہ کو مکرم چوہدری شاہنواز صاحب نے دی تھی۔

یہ 1969 کی بات ہے ایک فیملی نے خاکسار کی لمبی تبلیغ کے بعد بیعت کی۔سربراہ خانہ کا نام Mr.Stag تھا۔خاکسار نے مسٹر سٹیگ کو نماز سکھائی۔قاعدہ یسرنا القرآن پڑھایا۔جب یہ پوری تحقیق کے بعد بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔تو کہنے لگے کہ میرا اسلامی نام سر ظفر اللہ خان سے رکھوا دیں۔مجھے یاد ہے ایک دن حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے ساتھ ہماری بھی کسی کے ہاں دعوت تھی خاکسار صاحب خانہ کی اجازت سے مسٹر سٹیگ کو بھی ہمراہ لے گیا۔مجھے تعجب ہوا جب حضرت چوہدری صاحب Mr.Stag کو Sir,Sir کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔

مسٹر سٹیگ مجھ سے غالباً پندرہ سے بیس سال بڑے تھے۔مشرع داڑھی تھی۔نام رکھنے کا وقت آیا تو کہنے لگے کہ میرے نام میں حضرت چوہدری صاحب کے نام کا کچھ حصہ بھی شامل کر دیں۔اس پر حضرت چوہدری صاحب نے ان کا نام Mohammad Stag رکھ دیا۔پھر خاکسار کے پاکستان جانے کے بعد یہ دوست سکاٹ لینڈ منتقل ہو گئے تھے۔مکرم آرچرڈ صاحب ان سے ایک بار ملے بھی لیکن پھر رابطہ نہ رہا۔حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جب سال کے کسی دن کا یعنی تاریخ کا ذکر ہوتا تو چند سیکنڈ میں بتا دیتے کہ یہ بدھ، جمعہ یا سوموار کا دن ہے۔اور پھر فرمانے لگے میں ہر سال کے کیلنڈر سے چار تاریخوں کے دن یاد کر لیتا ہوں مثلاً مارچ، جون، ستمبر اور دسمبر میں پندرہ تاریخ کو کونسا دن ہوگا۔پھر جب آپ لوگ آئندہ مہینوں میں تاریخوں کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو میں اسی کلیہ کے مطابق فوراً بتا دیتا ہوں کہ اس تاریخ کو کونسا دن ہوگا، سر علامہ محمد اقبال حضرت چوہدری صاحب کے گورنمنٹ کالج لاہور کے زمانہ میں استاد تھے اور حضرت چوہدری صاحب بڑی محبت سے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔میرے لنڈن میں عرصہ قیام (1967۔1970) کے دوران ہر دو ہفتہ کے بعد حضرت چوہدری صاحب لنڈن تشریف لاتے تھے۔مختلف اخباروں کے نمائندے بھی آپ سے انٹرویو کیلئے آتے تھے۔اور میں نے بارہا دیکھا کہ وہ ہیر پھیر کر کے چوہدری صاحب کے منہ سے علامہ اقبال کے بارہ میں کوئی منفی بات اُگلوانا چاہتے تھے۔ہر دفعہ حضرت چوہدری صاحب کا جواب ہوتا تھا کہ میرے سامنے تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی بلکہ تعریف کے رنگ میں فرماتے کہ میں نے تو بارہا دیکھا ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر علامہ اقبال کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔سوال کرنے والوں کو کوئی منفی باتوں کا علم تھا۔لیکن حضرت چوہدری صاحب نے ہمیشہ اپنے استاد کا عزت واحترام کے ساتھ ذکر کیا۔ہماری نجی محفلوں میں لطائف کے رنگ میں۔بعض باتوں کا ذکر احسن انداز میں فرماتے تھے۔مثلاً فرمایا کہ ایک بار جب ہم لنڈن میں حکومت ہند کی نمائندگی کر رہے تھے۔علامہ اقبال کو ایک پھنسی نکل آئی جس کی وجہ سے آپ کو تکلیف تھی اور بار بار فرماتے ہائے جاوید دی اماں۔ہائے جاوید دی اماں۔بعض لوگ مزاح کے رنگ میں علامہ سے کہتے کہ آپ اپنے اشعار میں سر دھڑ کی بازی لگانے کا ذکر کرتے ہیں اتنی سی پھنسی نے آپ کو زیر کر لیا ہے۔علامہ نے ایک دفعہ بتایا کہ فرانس میں پیرس کے مقام پر ایک بڑی خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔میرا قیام مسجد کے قریب ہی تھا۔لاؤڈ سپیکر پر اَذان ہوئی تو میں تیار ہو کر نماز پڑھنے گیا لیکن وہاں موذن بھی موجود نہ تھا۔ایک دو بار کے بعد میں عین اَذان کے وقت مسجد چلا گیا۔اور میں نے موذن سے پوچھا کہ کیا اَذان کے بعد تم نماز کے لئے نہیں ٹھہرتے تو اس نے جواب دیا۔مجھے صرف اَذان کے پیسے ملتے ہیں۔نماز پڑھانے کے نہیں! خاکسار کو بھی دو تین بار یہ مسجد دیکھنے اور وہاں نفل پڑھنے کا موقع ملا۔یہ مسجد مراکو کی حکومت کے زیر انتظام تھی۔ایک بار میں نوافل پڑھنے گیا تو کسی نے کہا کہ یہ جوتے سامنے رکھ لو چوری ہو جائیں گے۔شنید تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس مسجد کے لئے ایک سو پاؤنڈ کا عطیہ دیا تھا۔

میرے لنڈن میں عرصہ قیام کے دوران مغربی افریقہ کے دورہ کے بعد سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ دوسری بار 1970ء میں لنڈن تشریف لائے۔ایک ایجنسی کے ذریعہ پریس کانفرنس کا انتظام کیا گیا تھا۔کسی اہم جگہ کانفرنس ہال کرایہ پر لیا گیا تھا۔بہت سے رپورٹرز آئے ہوئے تھے۔کسی نے سوال کیا کہ اگر برطانیہ میں مخالفت ہو تو پاکستانی، ہندوستانی اور غیر ملکی کیا کریں۔یہ ایک خاص سیاسی نوعیت کا سوال تھا۔حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے مائیک لیا اور فرمایا ''فیصلہ ملکی قانون کے مطابق کیا جائے گا''۔وہ زمانہ ایسا تھا کہ

بعض متشدد لوگ غیر ملکیوں کے خلاف بہت نفرت انگیز آگ کو ہوا دے رہے تھے اور پھر آپ نے حضور کی خدمت میں مائیک پیش کر دیا۔ حضور نے مذہبی نقطہ نظر سے جواب دیا کہ یہ لوگ مجبور کریں تو پھر غیر ملکیوں کو اپنے ملک میں چلے جانا چاہیے۔ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کا مقام ایسا تھا کہ صبح دوپہر شام آپ کی دعوتیں ہو رہی ہوتی تھیں اور لوگوں کو آپ کے Menu کا بالعموم علم تھا۔ دوپہر اور رات کے کھانے میں آپ کے لئے روسٹ چکن ضرور ہوتا تھا۔ آپ کیونکہ ذیابیطس کے مریض تھے اس لئے احباب خیال رکھتے تھے۔ دوپہر کے کھانے کے ساتھ ایک مالٹا آپ روزانہ کھاتے تھے۔ آپ نماز کرسی پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے بعد آپ کرسی پر بیٹھ جاتے۔ باقی نمازیں بھی مسجد فضل میں کرسی پر بیٹھ کے پڑھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد یورپ کے دیگر ممالک کا دورہ مکمل فرما کر لندن تشریف لائے تو مجھے خوب یاد ہے۔ حضور مسجد فضل میں جمعہ پڑھانے جا رہے تھے۔ حضرت چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ اگر حضور پسند فرمائیں تو میں خطبہ جمعہ کا انگریزی ترجمہ ساتھ ساتھ کر سکتا ہوں۔ لیکن حضور نے آپ کی درخواست کا جواب نہ دیا اور خطبہ اردو میں ہی دیا۔ ہاں چند عرب احمدی اسرائیل سے آئے ہوئے تھے۔ حضور نے انہیں جاتے جاتے فرمایا ''لعلنا تتكلم بالعربية'' کہ ہم عربی میں بھی (بعد میں) بات کرینگے۔ ایک دفعہ مسجد میں پہنچ کر فرمایا صفؤا یعنی صفیں بنالیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ 1924ء میں جب مہمان مقرر کے طور پر ویمبلے کانفرنس میں تشریف لائے اور حضور رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے احمدیت یعنی حقیقی اسلام تصنیف فرمائی۔ تو اس کتاب کا خلاصہ تیار کیا گیا۔ جس کا ترجمہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کیا تھا۔ جب انتظامیہ کو یہ ترجمہ بھجوایا گیا تو واپس کر دیا گیا کہ یہ ترجمہ اتنا ضخیم ہے کہ نصف گھنٹے کے قریب جو وقت تقریر کے لئے مقرر ہے اس میں ختم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس ترجمہ کے خلاصے کا خلاصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ایماء پر اور نگرانی میں نئے سرے سے تیار کرنے کا اعزاز حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو حاصل ہوا۔ حضور نے خطاب شروع ہونے سے قبل انگریزی زبان میں مختصر فی البدیہہ خطاب فرمایا جس میں بتایا کہ میری زبان انگریزی نہیں ہے۔ میرے ایک مرید ظفر اللہ خان میرا مضمون سنائیں گے پھر چوہدری صاحب سے فرمایا۔ میں دعا کروں گا آپ مضمون سنانا شروع کریں۔ جب 1967ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ یورپ کے پہلے دورہ پر تشریف لائے تو خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا کہ حضور اور افراد قافلہ کیساتھ ہی KLM میں میری بھی انگلستان کے لئے سیٹ بک کروا دی گئی تھی۔ مجھے آخر تک اس کا علم نہیں تھا۔ اور میری زندگی کا یہ پہلا انٹرنیشنل فلائٹ کا تجربہ تھا۔ ہمارا جہاز کراچی، تہران، ماسکو سے ہوتا ہوا فرینکفرٹ پہنچا۔ فرینکفرٹ ایئر پورٹ پر حضورؒ نے از راہ بندہ نوازی خاکسار کا تعارف سب موجود مبلغین سے کروایا۔ سب سے آخر میں حضور وارد انگلستان ہوئے اور یہاں کئی ہفتے قیام کیا۔ وانڈز ورتھ ٹاؤن ہال میں حضور کو Reception (استقبالیہ دعوت) دی گئی۔ جس میں برطانوی پارلیمنٹ کے اور دیگر چوٹی کے سیاست دان شریک ہوئے۔ ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جو حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے بہت قریب تھے اور اسی اثر کی وجہ سے کھنچے چلے آئے اس موقع پر حضور نے جو معرکۃ الآراء خطاب فرمایا وہ A Message of peace and a word of warning کے نام سے شائع ہوا۔ لنڈن میں حضور کے قیام کے دوران حضرت چوہدری صاحب حضور کے ساتھ رہے۔ متعدد احمدیوں نے حضور کی دعوتیں کیں اور حضور لطف اور عنایت کے طور پر ہر ایک دعوت قبول فرماتے رہے۔ ایک دعوت ڈاکٹر عبدالمجید صاحب CMO مشرقی پاکستان

(ریٹائرڈ) اوران کی نئی بیگم ندائے باہری صاحبہ نے کی۔اس میں حضرت چوہدری صاحب، ڈاکٹر عبدالسلام صاحب، بشیر رفیق صاحب اور خاکسار مدعو تھے۔ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اور حضرت چوہدری صاحب ہی زیادہ حضور کے ساتھ محو گفتگو رہے۔اور روس وغیرہ احمدیت کے امکانات زیرغوررہے۔حضرت چوہدری صاحب کسی پر بھی زیر بار ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔مجھے یاد ہے ایک دن 63 میلر وز روڈ کی جماعتی بلڈنگ کے سامنے (جہاں ہمارامشن ہاؤس، ہمارے دفاتر، لائبریری، سردیوں کی مسجد یعنی سٹنگ روم وغیرہ بھی تھے) کہیں جاتے ہوئے مجھے فرمانے لگے کہ میرے لئے Johnson Baby Oil کی ایک شیشی خریدلیں۔یہ چیز معمولی قیمت کی تھی۔مجھے آج بھی یاد ہے 67 پینس کی تھی۔خاکسار نے شام کوآپ کی خدمت میں تحفہ کے طور پر پیش کرنا چاہی مگرآپ نے بزور 67 پینس ادا فرمائے۔نہ ایک پینس کم نہ زیادہ۔ہم اکثر آپ کوہیتھروایئرپورٹ پر لینے جاتے تھے۔آپ اس زمانہ میں ہالینڈ میں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں غالباً نائب صدر کے طور پر کام کر رہے تھے۔آپ میرے والد بزرگوار حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی سے بھی خوب واقف تھے۔چوہدری صاحب نے 1907ء میں بیعت کی تھی اور میرے ابا جان نے 1904ء میں اور جن دنوں خلافت ثانیہ کے دور میں حضرت چوہدری صاحب لاہور کے امیر تھے۔میرے والد بزرگوارلاہور کے سیکرٹری تبلیغ تھے۔اہل پیغام کی جماعت احمدیہ اورخلافت کے خلاف فتنہ سازی عروج پرتھی۔والدصاحب کے ذریعہ بہت سے سرکردہ افرادکواہل پیغام کے فتنہ سے نجات ملی اور وہ خلافت کی نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہوئے الحمداللہ۔والدصاحب کوفارسی زبان سے بڑا شغف تھا۔مثنوی مولانا رومؒ اورقدیم فارسی کے نہایت ذی مرتبہ شعراء کےاور درثمین فارسی کے ہزاروں اشعارزبانی یاد تھے۔

ایک دفعہ ہم خاکساراورمکرم بشیر رفیق صاحب حضرت چوہدری صاحب کوایئرپورٹ سےلنڈن مشن ہاؤس لا رہے تھے۔راستہ میں کوئی ایسا موقع پیدا ہوا کہ خاکسار نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی، امیر خسروؒ، حضرت سعدی شیرازی، حضرت فریدالدین عطار، مثنوی مولانا رومؒ، حضرت نظامی گنجوی مرحوم، ملک قمی اورنظیری کے چند فارسی اشعار سنائے۔حضرت چوہدری صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ شکر ہے کہ کوئی فارسی جاننے والا مبلغ بھی ہمارے پاس ہے۔اصل بات یہ تھی کہ میرے والد قدیم فارسی شعرا کے اشعار گھر میں بھی مختلف باتوں کے دوران سناتے رہتے تھے۔انہیں سن سن کر مجھے یہ شعر یاد ہوگئے تھے۔ورنہ میں تو ہنوز فارسی زبان سے بالکل نابلد ہوں۔خاکسار کےعرصہ قیام کے دوران مکرم بشیر رفیق صاحب دوبارہ کئی کئی ماہ کے لئے رُخصت پر گئے۔اورخاکسار قائم مقام امام کےطور پر خدمت سرانجام دیتا رہا(اللہ یہ حقیر اور ناقابل ذکر معمولی خدمت قبول فرمائے) حضرت چوہدری صاحب معمولاً ہالینڈ سے تشریف لاتے اور کئی کئی ہفتے عدالت کی تعطیلات میں لنڈن میں قیام فرماتے۔خاکساران دنوں مکرم ومحترم نذیرڈارصاحب کے گھر میں PayingGuest کے طور پر رہ رہا تھا۔پھر جب موجودہ کمپلیکس 16Gressen Hall Rd مکمل ہوگیا(غالباً یہ 1969 کے وسط کا زمانہ تھا) تو خاکساراورمکرمی ومحترمی بشیر رفیق صاحب اس میں اُٹھ آئے۔ذکر ہورہا تھا کہ جب خاکسار مکرمی نذیرڈارصاحب کے ہاں مقیم تھا اورلنڈن میں قائم مقام امام کےطور پر کام کررہا تھا۔حضرت چوہدری صاحب کی خواہش تھی کہ آپ ہمارے دفتر میں سارادن گزاریں۔مجھ سے فرمانے لگے کتنے بجے دفتر آجاتے ہیں۔خاکسار نے بتایا کہ صبح 8 تارات 10 بجے یہیں ہوتا ہوں۔اگلے روز عین 8 بجے دفتر تشریف لے آئے۔مجھے دفتر میں پاکر خوش ہوئے۔آپ نہایت دلچسپ واقعات سناکردل لگائے رکھتے تھے۔آپ کے قیام کی وجہ سے مجھ پرکوئی بوجھ نہ تھا۔

ایک دن میں کام کرتے کرتے اُٹھا اور یاد ہی نہ رہا کہ حضرت چوہدری صاحب کام کر رہے ہیں۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق لائٹ بند کر دی اور دوسرے ہی لمحے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور میں نے پھر بجلی آن کر دی۔ حضرت چوہدری صاحب نے عینک کے اندر سے سر نیچے کر کے مجھے دیکھا میں نے معذرت کی کہ چوہدری صاحب میری پرانی عادت سی بن گئی ہے کہ اپنے کمرہ سے چند لمحوں کے لئے بھی نکلوں تو بجلی بند کر دیتا ہوں۔ فرمایا آئیں میں آپ کو ایک واقعہ سناؤں۔ فرمایا گھر میں بھی میں اس پر عمل کرتا رہا ہوں اور اپنی بیٹی اُمت الحیٔ سے بھی کہا ہوا تھا کہ جب کمرہ میں سے نکلو تو بجلی بند کر دیا کرو۔ فرمانے لگے کہ ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور کسی کام سے باہر نکلے تو اُمت الحیٔ حضور کے سامنے ہی کہنے لگی کہ ابا حضور نے بلب نہیں بجھائے میں ذرا خجل بھی ہوا کہ اس ننھی منی بچی کو حضور کی بے پناہ مصروفیت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ معصومیت میں وہ بات حضور کے بارہ میں کہہ دی جو میں اسے کہا کرتا تھا تو اس رنگ میں آپ ہماری ستاری بھی فرماتے تھے اور محفل کو بھی گل وگلزار بنائے رکھتے تھے۔ نہایت پاکیزہ مزاح کرتے رہتے اور دلچسپ واقعات سے محفل کو گرمائے رکھتے۔ آپ کا خط بہت پاکیزہ تھا، بہت صاف اور خوبصورت لکھائی تھی نام لکھنے کی بجائے ہمیں کوئی خط لکھتے تو بالعموم برادرم محترم لکھتے۔ اردو میں لکھتے یا بات کرتے ہوئے دوسری زبان کے الفاظ ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے، مشرقی افریقہ کے کسی ملک (کینیا، یوگنڈا، تنزانیہ میں سے کسی ملک کا نام لیا) میں ہمارے سکھ بھائیوں نے اپنی ایک پنجابی انجمن کے اجلاس میں مجھے مدعو کیا۔ (مجھے اب یاد نہیں کہ اس انجمن کے افتتاح کے لئے یا ویسے ہی خطاب کے لئے) تو میں نے ان سے کہا کہ لفظ پنجابی کے علاوہ اس اتنے لمبے چوڑے نام میں سب الفاظ انگریزی زبان کے ہیں۔ اس پر سب حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ آپ جب لنڈن میں تشریف لاتے تو اکثر دیکھتے۔ کہ میں بچوں بچیوں کو قرآن کریم پڑھا رہا ہوں۔ کبھی اخبار احمدیہ کی کتابت میں میرے ساتھ مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے بھائی محمد عبدالرشید صاحب اور ملک خلیل صاحب مصروف ہیں اور پریس پر ہمارے دوست مکرم محمد الیاس ناصر صاحب دہلوی ہمارے ساتھ اخبار احمدیہ پرنٹ کر رہے ہیں۔ کبھی تہہ خانہ میں خدام اور اطفال میرے ساتھ ٹیبل ٹینس کھیل رہے ہیں۔ کبھی محمود ہال وغیرہ کے بننے سے پہلے ہم وہاں بڑے لان میں فٹ بال کھیل رہے ہیں۔ اس کھیل کود کی وجہ سے نمازوں میں ہماری حاضری بہت بڑھ جاتی تھی۔ اور مسجد میں کافی رونق رہتی تھی۔ آپ اسی دوران پاکستان گئے تو اغلباً میرے نہایت ہی پیارے اور محبوب استاد اور جامعہ کے پرنسپل مکرم میر داؤد احمد صاحب نے حضرت چوہدری صاحب سے میرے بارہ میں پوچھا تو آپ نے انہیں دلچسپ جواب دیا کہ اس نے جماعت کو اپنے ساتھ یوں لگایا ہوا ہے جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں سمیٹ کے رکھتی ہے۔ ایک بار مجھے فرمایا کہ بشیر رفیق صاحب یہاں ہوتے تھے تو میری کوئی نہ کوئی کتاب چھپواتے رہتے تھے۔ آپ نے ابھی تک کوئی کتاب نہیں چھپوائی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حکم فرمادیں ہم تعمیل کریں گے۔ چنانچہ آپ کی ایک کتاب شمائل ترمذی کا انگریزی ترجمہ یا Pilgrimage to the house of Allah شائع کروانے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ الحمد اللہ 1974 میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے جماعت احمدیہ و of law and constitution For the purpose غیر مسلم قرار دلوایا اور سعودی حکومت کی شہہ اسے حاصل تھی۔ شاہ فیصل امیر المومنین خلیفۃ المسلمین بننا چاہتے تھے اور بھٹو اسلامی دنیا میں سیاسی ہیرو کا تاج اپنے سر پر سجانا چاہتا تھا۔ حضرت چوہدری صاحب نے شاہ فیصل کو لکھا جو حضرت چوہدری صاحب کے دیرینہ دوست تھے کہ تعجب ہے آپ کو معلوم ہے کہ میں احمدی ہوں۔ آپ نے مجھے شاہی مہمان کے طور پر حج پر بلایا تھا۔ (حضرت

چوہدری صاحب مکرم چوہدری انور کاہلوں صاحب اوران کی بیگم امینہ صاحبہ کو بھی ہمراہ لے کر گئے تھے) اب آپ کی حکومت احمدیوں پر حج کی پابندی عائد کررہی ہے۔کھسیانی بلی کھمبا نوچے والے محاورہ کی طرح شاہ فیصل نے جواب دیا کہ یہ میرا فیصلہ نہیں ہے۔ہمارے علما کا فیصلہ ہے! حضرت چوہدری صاحب شمائل ترمذی کا انگریزی ترجمہ کررہے تھے۔مجھ سے پوچھنے لگے کہ ترمذی کا تلفظ کیا ہے۔میں نے بتایا کہ میرے سالانہ مقالہ کاعنوان ''تفاسیر قرآن کریم'' تھا۔اس میں احادیث میں کتب تفسیر سے متعلق ترمذی کے ذکر میں میں نے پڑھا تھا کہ یہ ترِمذ اورتُرمُذ اور تَرمَذ تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔آپ کو یہ عجیب جواب سن کر کچھ تعجب ہوالیکن کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔وجہ یہ کہ علم کے بغیر تبصرہ کرنا اصحاب فکر ونظر کا کام نہیں ہے۔خاکسار کو حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے برطانیہ کا سیکرٹری مال بھی مقرر فرمادیا تھا۔ہمارے سکاٹ لینڈ کے انگریز مبلغ نے گلاسگو سے مجھے بتایا کہ انہوں نے 1/3 حصہ کی وصیت کردی ہے۔میں نے حضرت چوہدری صاحب کواس بارہ میں بتایا تو پنجابی میں فرمانے لگے گنجی کی نہائے گی تے کی چوئے گی مراد یہ تھی کہ پہلے ہی معمولی گذارہ ملتا ہے۔اس میں سے بھی 1/3 کی وصیت کررہے ہیں۔ان کے پاس کیا بچے گا۔1968۔69 کے قریب ساؤتھ ہال کی جماعت کے لئے مشن ہاؤس خریدنے کی ضرورت تھی۔لیکن ابھی جماعت کے وسائل بہت محدود تھے۔Hambrough Rd26 پر ساؤتھ ہال میں ایک مکان بک رہا تھا۔فرمایا جتنے پیسے سارے یوکے کی جماعت جمع کرے گی اتنے ہی میں ڈال دوں گا۔ساری جماعت نے بڑی تگ ودو کے بعد گیارہ صد پاؤنڈ جمع کئے۔حضرت چوہدری صاحب نے اپنی گرہ سے گیارہ سو پاؤنڈ ادا فرمائے۔چنانچہ 22 صد پاؤنڈ میں یہ مشن ہاؤس خرید لیا گیا۔خدا تعالیٰ کے فضل سے مکرم بشیر احمد رفیق صاحب کی ہدایت پر خاکسار وہاں جمعہ کی نماز پڑھانے جاتا تھا۔میرے نہایت پیارے دوست مکرم محمد اسلم جاوید صاحب مجھے اپنی کار پر آکر لے جاتے تھے۔حضرت چوہدری صاحب نوجوانوں کو سر پر رومال باندھ کے نماز پڑھنے سے منع فرماتے اور کہتے رومال صفائی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔خدتعالیٰ کے دربار میں ایسے حاضر ہونا ادب کے خلاف ہے۔بعض نوجوان کہتے کہ عرب بھی تو رومال (عقال) سر پر باندھتے ہیں۔چوہدری صاحب فرماتے تھے کہ وہ اس رومال (عقال) سے ناک صاف نہیں کرتے وہ پگڑی اورٹوپی کا متبادل ہے۔آپ نہایت سادہ لیکن باوقار لباس پہنتے تھے کوٹ اور پینٹ میں کوئی سلوٹ نہ ہوتی تھی۔ٹائی ہمیشہ باندھتے تھے قمیض کا سب سے اوپر کا بٹن بھی بند کر کے رکھتے اور فرماتے تھے اگر یہ بٹن لگانا نہیں ہے، بند نہیں کرنا تو قمیض پر کس لئے لگا ہوا ہے۔ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحب نے خود ہی تحریک فرمائی کہ ڈاکٹر عبدالہادی صاحب نے (جو تھے تو اٹلی کے لیکن رہتے فرینکفرٹ میں تھے)ESPERANTO زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے۔یوکے جماعت اس کی طباعت اور اشاعت کا انتظام کردے گو جہاں تک مجھے یاد ہے اسکا بھی نصف یا اس سے زائد خرچ حضرت چوہدری صاحب نے ادا فرمایا تھا۔ہم سے غلطی ہوئی اور مرکز سے اسکی اجازت لئے بغیر اس مد میں احباب جماعت کو تحریک کردی۔سیدنا حضرت خلیفہ ثالث کو کسی نے اس کی اطلاع کردی۔حضور نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ کسی شخص کو اجازت نہیں ہے کہ از خود یوں مالی تحریکیں کرے۔کیونکہ اس سے دوسرے چندے متاثر ہوتے ہیں۔اس زمانہ میں تنخواہیں عام احباب کی پندرہ پونڈز ہفتہ کے قریب ہوتی تھیں۔سنگل مشنری کو پندرہ پونڈز ماہوار ملتے تھے۔بہت استغفار کیا اورحضور سے معافی مانگی۔حضرت چوہدری صاحب کو بھی کان ہوگئے کہ آئندہ ایسی تحریک کرنے سے احتراز کیا جائے۔کئی بار باتوں باتوں میں فرمایا کہ میں جب 1911 میں انگلستان بارایٹ لاء کے لئے آیا تو اس زمانہ میں عورتوں اورمردوں میں مذہبی اقدار کی بڑی پاسداری

تھی۔فرماتے تھے اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی سے ملنے کیلئے دروازہ پر آتا تو ہمیشہ لڑکی کی ماں یا باپ یا بڑا بھائی لڑکی کے ساتھ آتا۔لڑکی اکیلے میں اپنے کلاس فیلوز اور دوستوں سے مل نہیں سکتی تھی۔عورتیں نہایت باپردہ لباس میکسی سکرٹ بند گلے کے قمیض اور سکارف لیتی تھیں۔

1968ء میں ہمارا جلسہ سالانہ وانڈزورتھ ٹاؤن ہال میں ہوا۔خاکسار نے ایک اجلاس کے شروع میں سورۃ الفتح کے آخری رکوع (28:48-30) کی تلاوت کی جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی زبردست ترقی اور عروج اور صحابہ کی بے نظیر شان کا ذکر ہے۔ پروگرام جاری تھا۔حضرت چوہدری صاحب شروع سے سٹیج پر موجود تھے۔جب آپ کی باری آئی تو فرمایا میری تقریر کا عنوان وہ رکوع ہے جس کی تلاوت ابھی لئیق احمد طاہر صاحب نے فرمائی ہے۔اور مجھے ارشاد فرمایا کہ پھر اسی رکوع کی تلاوت کروں۔آپ نے انتہائی عاشقانہ انداز میں محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم کی تفسیر بیان فرمائی۔اس زمانہ میں لالہ عبدالکریم صاحب KNOLL RD 4 میں مقیم تھے۔ وہی لاؤڈ سپیکر کے انچارج تھے اور اپنی جیبِ خاص سے ریکارڈنگ کیا کرتے تھے۔نامعلوم انہوں نے یہ تقریر آڈیو کیسٹ میں محفوظ کی یا نہیں۔ انہوں نے نہایت قیمتی ذخیرہ آڈیو ویڈیو ڈیپارٹمنٹ کو تحفہ دیدیا تھا جس میں حضرت چوہدری صاحب کی یادگار اور تاریخی تقاریر محفوظ تھیں۔ ہمارے مشن ہاؤس (Melrose RD 63) میں ایک ہی ٹائلٹ تھی۔سب لوگ وضوغیرہ کیلئے اسے ہی استعمال کرتے تھے۔یہ واقعہ بھی ان دنوں کا ہے جب خاکسار قائم مقام امام کے طور پر خدمت سرانجام دے رہا تھا۔ایک دن ظہر کی نماز سے قبل حضرت چوہدری صاحب وضو تازہ کرنے کیلئے وہاں گئے اور واپس آکر مسکراتے ہوئے فرمایا کسی گھر کی ٹائلٹ سے مجھے اس گھر کی صفائی کا اندازہ ہوجاتا ہے۔مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ کا اشارہ کس طرف ہے۔خیر دو ایک دن قیام فرما کر حضرت چوہدری صاحب انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں اپنے فرائض کی بجا آوری کیلئے ہالینڈ تشریف لے گئے۔خاکسار کے ایک عزیز دوست رشید جاوید تھے۔ان کے لنڈن میں دو ایک مکان تھے۔اور انہیں وال پیپرنگ اور ٹائلیں وغیرہ لگانے کا خوب تجربہ تھا۔میں نے ان سے کہا کہ اگلے ہفتہ دس دن میں ہماری اکلوتی ٹائلٹ کو رنگ روغن کر کے اور خوبصورت ٹائلیں لگا کر تیار کردیں۔انہوں نے بڑی صفائی سے کام کر کے اسے مثالی رنگ میں تیار کردیا۔معمول کے مطابق حضرت چوہدری صاحب دو ہفتہ کے بعد پھر لنڈن مشن میں تشریف لائے اور ضرورت پڑنے پر اسی واش روم میں پھر گئے۔واپسی پر مجھے فرمایا۔یہ جگہ اس طرح تیار کی گئی ہے گویا ساری عمر اسی میں گزارنی ہے۔یہ آپ کی خوشنودی کا اظہار تھا۔میں بھی خوش تھا کہ شکر ہے حضرت چوہدری صاحب کے حسب دلخواہ یہ کام ہوگیا۔خاکسار نے مکرم رشید جاوید صاحب کیلئے درخواست دعا کی۔ان کے تعارف کیلئے یہ بھی لکھتا چلوں کہ لنڈن میں یہ سیکرٹری مال کے طور پر میری مدد کرتے تھے۔عین جوانی میں ہڈیوں کے کینسر سے 38 سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ان کی اہلیہ حضرت گیانی واحد حسین صاحب کی دختر نیک اختر ہیں ڈاکٹر محی الدین آج کل کینیڈا ہیں وہ ان کی بیگم کے بھائی ہیں۔مکرم جاوید صاحب کی وفات کے عرصہ بعد مکرم مبارک ساقی صاحب نے ان کی بیوہ سے شادی کرلی تھی۔مکرم ہاشم سعید صاحب،حضرت چوہدری صاحب کے مضامین اور ٹرانسلیشنز کی Dictation لیا کرتے تھے۔یہ بہت بعد کے وقت کی بات ہے۔وہ مضمون ٹائپ کر کے حضرت چوہدری صاحب کو دے دیتے تھے۔وہ خود بھی بہت قابل اور ذہین دوست تھے۔ میرے ساتھ ان کے بہت محبانہ مراسم تھے۔انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک دن وہ چوہدری صاحب کا لکھوایا ہوا مضمون ٹائپ کر کے دینے گئے تو چوہدری صاحب نے انہیں باداموں کا ایک پیکٹ دیا۔انہوں نے برملا کہا۔کیوں چوہدری صاحب ٹائپنگ میں کوئی غلطی ہوگئی۔اور دراصل یہی

موجب باداموں کے تحفہ کا ہوا تھا۔ ورنہ حضرت چوہدری صاحب تو اپنا سب کچھ غرباء، مساکین، طلبہ اور جماعتی کاموں پر فدا کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح تحفے تحائف دینے، عیدیاں وغیرہ ہم ایسے لوگوں کو دینے کا کبھی تکلف نہ فرماتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحب سے بارہا سنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ باجی تھیں۔ یعنی باجوہ فیملی سے۔ 1970ء کی بات ہے۔ ہمارا سالانہ جلسہ محمود ہال میں ہوا۔ سامنے والا حصہ مردوں کے لئے وقف تھا۔ اور پچھلا نصف ہال عورتوں کے لئے۔ جب ہم سٹیج پر پہنچے تو قنات کے پیچھے جو عورتیں کھڑی ہوتی تھیں۔ ان پر نظر پڑتی تھی۔ جب حضرت چوہدری صاحب تقریر کے لئے تشریف لائے تو میں اتفاقاً آپ کے ساتھ کھڑا تھا فرمانے لگے اوہ! یہاں سے تو عورتیں نظر آرہی ہیں۔ کیوں کہ ہم عرصہ تین چار سال سے اکثر ملتے رہتے تھے۔ اور ایک بزرگ کے طور پر ادب اور بے تکلفی سے آپ سے مذاق بھی کر لیتے تھے۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب آپ نے کھڑے ہو کر تقریر کرنی ہے اور آپ کی تقریر ہوتی بھی سب سے لمبی ہے۔ آپ میرے مذاق کو سمجھ گئے اور قدرے ملے جلے تاثرات سے کہا۔ مجھے عورتوں سے کیا۔؟ ہنسی مذاق میں بات ختم ہوگئی۔ حضرت چوہدری صاحب بہت بے نفس تھے اور اپنی نیکیوں کو چھپا کے رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے اتنے سالوں میں کبھی آپ نے اپنی کسی خواب، کسی کشف، کسی الہام کا ذکر نہیں کیا۔ نہ ہی بالعموم آپ کی کتب میں ایسی باتوں کا ذکر ہوتا تھا۔ ہاں اپنی والدہ ''بے جی'' کی خوابوں اور تعلق باللہ کا کثرت سے ذکر فرماتے تھے۔ ان سے تو آپ کو گویا سچا اور لافانی عشق تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں جب قومی ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے بطور وزیر خارجہ یا یونائیٹڈ نیشن کی اسمبلی میں صدارت کے فریضہ کے دوران امریکہ (نیویارک) میں مقیم تھا۔ تو پروٹوکول (Protocol) کے مطابق مجھے کار میں پیچھے بیٹھنے کا مشورہ دیا جاتا تھا۔ لیکن میں ان باتوں کی پرواہ کئے بغیر ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتا تھا۔ میرا ڈرائیور الیفر وامیریکن تھا۔ وہ میرے ساتھ بے تکلفی میں میری ران پر ہاتھ مارتا اور قہقہے لگاتا تھا۔ شائد قارئین کو اندازہ نہ ہو اس زمانہ میں ایفروامیریکن کا امریکی معاشرہ میں کیا مقام تھا۔ آزادی کے باوجود ان کے ساتھ کمتر غلاموں جیسا سلوک ہوتا تھا۔ لیکن حضرت چوہدری صاحب ان باتوں کو ذرہ بھر اہمیت نہ دیتے تھے۔ Flag Car میں بیٹھے ہوئے آپ اس ڈرائیور کو امریکہ کی سستی ترین مارکیٹس میں لے جاتے اور وہاں سے اپنے کپڑے قمیض وغیرہ خریدتے تھے۔ اور قطعا پرواہ نہ کرتے کہ لوگ کس حیرت کی نظر سے آپ کو وہاں شاپنگ کرتے ہوئے دیکھتے ہوں گے۔ آپ ہمیں فرماتے تم دو، دو ڈھائی ڈھائی پونڈ کی قمیض خریدتے ہو۔ میں دس شلنگ کی قمیض لیتا ہوں۔ آپ کے G.P لنڈن وانڈ زورتھ میں ڈاکٹر حسین تھے G.P ہمارے اکثر احمدیوں کے بھی وہی تھے۔ بہت محبت کرنے والے اور بہت انسان دوست ڈاکٹر تھے۔ ہم سب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پھر حضرت چوہدری صاحب جیسا عظیم انسان۔ انکے ساتھ رجسٹرڈ ہو۔ یہ تو ان کا بہت بڑا اعزاز تھا۔ وہ حضرت چوہدری صاحب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ میں جس زمانہ کا عینی شاہد ہوں۔ اس زمانہ میں (Prescription) نسخہ اور سب ادویہ بالکل مفت تھیں۔ ڈاکٹر صاحب حضرت چوہدری صاحب کی ذیابیطس اور عمر کی وجہ سے آپ کو نہایت قیمتی بے دریغ دوائیں دیتے تھے۔ اور Vitamins چوہدری صاحب بڑی باقاعدگی سے انہیں استعمال فرماتے تھے۔ Sir John Glubb نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق ایک کتاب The Life and Times of Muhammad کے نام سے لکھی اس میں اس نے دعوی کیا کہ اس کی یہ کتاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بے بدل اور بے نظیر ہے۔ حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں تبصرہ کے لئے یہ کتاب پیش کی گئی۔ آپ نے اس پر نہایت عالمانہ محاکمہ کیا جو 1969 یا 1970 کے دی مسلم ہیرلڈ کی زینت بنا۔

یہ ایک خاص ایشو تھا۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔حضرت چوہدری صاحب نے جگہ جگہ مصنف کی غلطیوں، متعصّبانہ الزام تراشیوں، عمداً سیرت طیبہ پر کیچڑ اُچھالنے کی جسارت کو بے نقاب کیا۔اور پھر ان کے محققانہ جواب دیئے۔ یہ ایشو (خاص نمبر) حضرت چوہدری صاحب کے عشق رسول اور آپ ﷺ کے لئے غیرت وحمیت کے اظہار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔میرے جامعہ احمدیہ میں بطور طالب علم قیام کے دوران حضرت میر داؤد احمد صاحب (پرنسپل) ربوہ میں حضرت چوہدری صاحب کی آمد پر جامعہ احمدیہ میں بالعموم آپ کو خطاب کیلئے مدعو فرماتے تھے۔تقریر کے بعد سوال وجواب کا موقع ہوتا تھا۔حضرت چوہدری صاحب جب سٹیج پر تشریف فرما ہوتے تو اپنی جیب میں سے شیشہ نکال کر خود کو اچھی طرح دیکھتے۔پھر ڈائس پر جا کر تھوڑی دیر بعد اپنی رومی ٹوپی اُتار کر ڈائس پر رکھ دیتے تھے اور ننگے سر خطاب فرماتے۔ایک دفعہ ایک لڑکے نے سوال و جواب کے وقت ایک عجیب سوال آپ سے کیا۔اس وقت حضرت چوہدری صاحب کی کئی جگہ کی پنشن اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا مشاہرہ اتنا تھا کہ عام آدمی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔سوال یہ تھا کہ آپ کی ماہوار آمد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اس سوال کا جواب یہاں نہیں دینا چاہتا۔تا میرے نفس میں تکبیر کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہو۔آپ تقریر کے اختتام پر علیحدگی میں مجھے مل لیں میں بتا دوں گا۔اس زمانہ میں حضرت چوہدری صاحب کو فیڈرل کورٹ آف انڈیا وزیر ریلوے بھارت، وزارت خارجہ پاکستان، انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کی صدارت یا نائب صدر ہونے کا خطیر مشاہرہ اور پینشنز مل رہی تھیں۔مشن ہاؤس میں متعدد بار ایسا ہوتا کہ کوئی دوست غسل خانہ میں اپنی گھڑی بھول جاتے۔ پھر اس کا اعلان کرواتے۔حضرت چوہدری صاحب ہمیشہ ہنس کے فرماتے۔ہاتھ کی گھڑی ہمیشہ نمازی کی گمتی ہے۔وہ وضو کیلئے اتارتا ہے۔اور گھڑی چھوڑ آتا ہے۔ چوہدری صاحب ہاتھ کی گھڑی نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ایک زنجیر کے ساتھ بندھی ہوئی گھڑی اپنے 3 Piece Suit کی Waistcoat کی جیب میں رکھتے تھے۔حضرت چوہدری صاحب ہر سال ایک آدھ دفعہ پاکستان جاتے تھے۔جلسہ میں بھی شریک ہوتے۔ آپ کو میں نے ہمیشہ دیکھا کہ Ariana Afghan Airlines پر اکانومی ٹکٹ لے کر سفر کرتے تھے۔کیونکہ دوسری ائیر لائنز کے مقابلہ میں یہ سستی ہوتی تھی اور شائد کابل سے ہو کر لاہور تک جاتی تھی۔بچت تو اس لئے کرتے تھے تا یہ رقم رفاہی کاموں میں خرچ ہو لیکن آریانا ائیر لائن کے منتظمین اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ایک مشہور عالمی شخصیت، انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا جج، نائب صدر اور پھر صدر ان کی ائیر لائن پر سفر کو ترجیح دیتا ہے۔لیکن وہ اکانومی ٹکٹ پر آپ کو VVIP کے طور پر سہولتیں مہیا کرتے تھے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بطل احمدیت کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام سے نوازے اور ایسے ہزاروں سپوت عالم احمدیت کو نوازے۔آمین۔
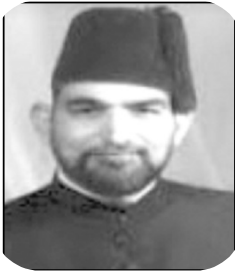
انمٹ نقوش۔مکرم عبدالمالک صاحب لاہور

خاکسار کو حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے قرب کا بہت مختصر موقعہ ملا۔مگر میری خواہش اور کوشش یہی رہی کہ جس قدر بھی فیض حاصل کر سکوں کر لوں اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے بہت کچھ ان کے قرب سے سیکھا۔اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو کروٹ کروٹ سکون عطا فرمائے اور ان کی خوبیاں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ چند واقعات ذکر کرنا اس وقت میرا مقصود ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہے۔حضرت چوہدری صاحب نماز باجماعت کے بہت پابند تھے مگر خود امامت سے گریز کرتے تھے۔خاکسار ان کے ساتھ نمازیں پڑھتا رہا۔کئی دفعہ ان کی امامت کی سعادت ملی۔ 1974ء میں تو علاوہ پنجوقتہ نمازوں کے جمعہ

پڑھانے کی توفیق بھی ملی۔مگران سے کوئی ایک نماز بھی ایسی نہ تھی جس میں خاکسار نے مکرم چوہدری صاحب کو مکمل لباس میں نہ دیکھا ہو۔ورنہ عام طور پر انسان جب اپنے گھر میں ہوتا ہے وہ گھریلو لباس میں نمازیں پڑھتا ہے اور وہ لباس استعمال نہیں کرتا تو جو اُس نے اپنے دفتر یا کاروباری حلقہ میں پہن کر جانا ہوتا ہے لیکن چوہدری صاحب کا معمول تھا کہ جس طرح باہر جاتے وقت مکمل طور پر تیار ہو کر جاتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور بھی سجدہ ریز ہوتے اور فرماتے۔''اگر انسان دنیاوی افسر کے سامنے بھی گھریلو لباس میں پیش نہیں ہو سکتا تو خدائے تعالیٰ کے دربار میں گھریلو لباس میں کیوں حاضر ہوتا ہے جو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔'' حضرت چوہدری صاحب کی اپنے کام میں لگن اور محنت کا یہ حال تھا کہ خاکسار نے دیکھا کہ وہ صبح ناشتہ کے بعد اپنے میز پر تحریری کام میں (جو بھی انہوں نے کرنا ہوتا) منہمک ہو جاتے اور پھر ظہر کی نماز تک بلا وجہ اٹھے بغیر مکمل توجہ اور محنت سے کام کرتے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام میں مدد فرمائی۔حضرت چوہدری صاحب کا معمول تھا کہ جب بھی خاکسار نے ہی انہیں بلکہ جن لوگوں نے بھی خط لکھا آنمحترم نے خود اپنے ہاتھ سے جواب دیا جو بڑی بات ہے بلکہ اگر خط میں مصروفیت کی وجہ سے دیر ہو جاتی تو ساتھ ہی معذرت فرماتے کہ فلاں مصروفیت کی وجہ سے آپ کو جلدی جواب نہ دے سکا۔یہ طرز عمل آپ کی ذرہ نوازی کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی و دنیاوی اعلیٰ ترقیات سے نوازا تھا وہاں ان کی ایک خوبی کثرت سے نظر آئی کہ آپ ہر مہمان کی عزت اور تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ نومبر 1977ء کی بات ہے خاکسار کسی تقریب میں چوہدری صاحب کے ساتھ کوٹھی سے باہر گیا۔جب ہم واپس آئے تو کوٹھی کا دروازہ خاکسار نے کھولنا چاہا۔جس پر فرمایا''مولوی صاحب آپ میرے مہمان ہیں اور یہ آپ کا کام نہیں ہے۔''اور پھر اپنے ملازم کو دروازہ کھولنے کا ارشاد فرمایا۔1974ء کی بات ہے کہ خاکسار نے آپ سے پوچھا کہ انسان ترقی کس طرح کر سکتا ہے اس کا کوئی راز ہو تو بیان فرمائیں؟ جس پر آپ نے فرمایا''ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے ترقی کی صلاحیت رکھی ہے مگر اکثر انسان ترقی اس لئے نہیں کرتے کہ فلاں کام کیا تو لوگ کیا کہیں گے لیکن اگر وہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ اس کام سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے تو پھر دنیا کی بالکل پرواہ نہ کریں کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا ہی انسان کا مقصود ہے لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔''1978ء میں جب خاکسار پہلی بار لندن گیا تو وہاں بھی چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی، گفتگو کے دوران خاکسار نے عرض کیا کہ یہاں تو لوگ نیند کی گولیاں کھا کر سوتے ہیں اور پھر بھی سکون نہیں ملتا باوجود اس کے کہ اس قدر دنیاوی سہولتیں میسر ہیں۔کیا آپ پر کوئی ایسی رات آئی ہو کہ آپ کو نیند نہ آئی ہو اس پر فرمایا''مَیں جب رات کو اپنے بستر میں لیٹتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ کریم جو تو نے توفیق دی وہ کر سکا اور صبح اپنے فضل سے اگر زندگی دے گا تو جو توفیق ملے گی وہ کر سکوں گا۔اس لئے کبھی بھی میری زندگی میں ایسی رات نہیں آئی جب اطمینان سے نیند نہ آئی ہو۔1980ء کا آخر تھا۔خاکسار ایک روز محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔دورانِ ملاقات بجلی چلی گئی جس پر ملازم کو آواز دی اور موم بتی جلانے کو کہا۔ابھی وہ آ ہی رہا تھا کہ آپ نے فرمایا''مولوی صاحب دیکھو جس جگہ انسان ہر روز رہتا ہے اس گھر کی بابت جانتا ہے کہ فلاں چیز وہاں پڑی ہے مگر پھر بھی ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتا ہے تو کیسے انسان خیال کر سکتا ہے کہ ایک لحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور روشنی کے بغیر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔'' آپ کے اوصاف میں ایک بات یہ بھی نمایاں تھی کہ آپ نظامِ جماعت کی مکمل پابندی کرتے چاہے حکم دینے والا کوئی بھی ہوتا۔چنانچہ 1974ء کے جلسہ

سالانہ ربوہ کا واقعہ ہے۔جلسہ گاہ کے راستہ کی طرف ریلوے پھاٹک کے آگے ٹریفک کا رخ ریلوے روڈ کی طرف کر دیا گیا اور جلسہ گاہ کی طرف سیدھا راستہ اختیار کرنے کی صرف پیدل جانے والوں کو اجازت تھی۔اس چوک میں جو خادم ڈیوٹی پر کھڑا تھا اُس نے جب حضرت چوہدری صاحب کو دیکھا تو عرض کیا کہ آپ کی گاڑی آگے نہیں جاسکتی البتہ پیدل جا سکتے ہیں جس پر کسی توقف کے بغیر کار سے نیچے اتر آئے اور پیدل چل پڑے اور ذرہ برابر بُرا نہ منایا۔آپ کی نہایت درجہ کامیابی کا ایک راز نظام کی مکمل پابندی میں تھا۔کاش ہم کو بھی ایسی سعادت نصیب ہوتی۔مکرم برادرم خالد احمد صاحب جو میاں اصغر علی صاحب آف گلوب ٹمبرز لاہور کے صاحبزادے ہیں۔ایک دفعہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ خاکسار آپ کو ایک نئی اچکن تحفتہً دینا چاہتا ہے۔آپ نے فرمایا اچکن میرے پاس ہے مگر انہوں نے اصرار کیا جس پر فرمایا اگر مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس کتنی کتنی پرانی چیزیں ہیں تو مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ ٹوپی کس سن کی ہے اور اس طرح باقی ذاتی استعمال کی چیزوں کے بارہ میں بتایا اور آخر میں قمیض کے بارے میں فرمایا کہ میری والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب تم کوئی نئی قمیض پہننی ترک کر دیتے ہو تو پھر وہ کسی کام کی نہیں رہتی۔ایک دفعہ جماعت احمدیہ کے تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب لاہور تشریف لائے ان دنوں حضرت چوہدری صاحب بھی لاہور میں قیام پذیر تھے۔ایک ملاقات کے دوران مَیں نے دیکھا کہ آپ حضور کے سامنے اس طرح کھڑے ہیں گویا کوئی چیز بے حس وحرکت ہے اس روز مَیں نے اندازہ لگایا کہ ہم میں اطاعت کی وہ روح تا حال موجود نہیں جو امام کی قدر ومنزلت کے لحاظ سے ضروری ہے اور وہ روح حضرت چوہدری صاحب میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام کی دعاؤں سے بھی ان کو وافر حصہ ملا ہے۔ چند روز ہوئے خاکسار اپنے پرانے کاغذات میں سے ایک کاغذ تلاش کر رہا تھا تو اُس میں سے 12 اگست 1972ء کا ایک خط ملا جو خاکسار نے چوہدری صاحب کو بذریعہ ڈاک ہیگ (ہالینڈ) میں لکھا تھا جس میں مَیں نے اپنا ایک خواب جو ایک روز قبل دیکھا تھا لکھا تھا مَیں نے دیکھا کہ حضرت چوہدری صاحب مجھے خواب میں ملے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری عمر کا آخری حصہ ہے۔خدا کو معلوم ہے کہ باقی زندگی کس قدر ہے۔مَیں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس آجائیں تا کہ میرا آخری وقت آئے تو آپ موجود ہوں۔خدا تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ جس روز حضرت چوہدری صاحب کا وصال ہوا خاکسار اس وقت کوٹھی میں موجود تھا 13 سال کا پرانا خواب من وعن پورا ہوا۔

(خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 167 تا 169)

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان سے وابستہ چند یادیں

چوہدری محمد عبدالرشید صاحب برادر ڈاکٹر عبدالسلام لندن

مکرمی جناب محترم عبدالرزاق خاں رانا صاحب سلامت باشد...اسلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کچھ حالات جن کا میں نے خود جائزہ لیا ہے ارسال خدمت ہیں آپ جو مناسب سمجھیں ان کو شائع فرمائیں۔

میرا بھی فرض ہے کہ ان کی یادداشتوں کو بار بار غور سے پڑھوں آپ ایک بے مثال عظیم شخصیت تھے۔بہت ہی قابل عالم بھی تھے۔دین اسلام

کے حقیقی معنی میں خادم تھے۔ ہر ایک کو مثالیں بیان کر کے حقیقی اسلام یعنی احمدیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ میرے ایک اندازہ کے مطابق ان کو تقریباً سارا قرآن کریم زبانی یاد تھا۔ احادیث کے بھی عالم تھے۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ الثانی رضی اللہ عنہ، حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ کے بڑے اعلیٰ خادم، دوست تھے۔ اُن سے مشورے لیتے تھے۔ اپنے کام کے سلسلہ میں اور جماعتی مصروفیات کے سلسلہ میں بھی۔ آپ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد سے عمر میں 4 سال چھوٹے تھے لیکن ان کے ساتھ بڑی بے تکلفی تھی۔ ہمیشہ ان سے ملاقاتیں رہتیں تھیں مشورے ہوتے تھے۔ 1947ء میں جب پاکستان اور ہندوستان دو مختلف ملک بنے اور آپ کو پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کیا گیا تو یہ مشورے اور بھی بڑھ گئے۔ پاکستان ہندوستان کی پارٹیشن کے وقت آپ حضور سے مشورے لے کر مسلم لیگ کے ممبران کو بتاتے تھے جن کا بڑا عمدہ اثر ہوتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پالیٹکس میں کم حصہ لیتے تھے لیکن مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے عمدہ مشورے دیتے تھے جو کافی حد تک مسلمانوں کو لئے بڑے مفید ہوتے تھے۔ اس وجہ سے مخالفین احمدیت ان مشوروں کو بُرا مناتے تھے۔ لیکن قولوا قولاً سدیدا کے مطابق مشوروں میں بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ نیک لوگ سبق بھی سیکھتے تھے۔ میرے والد صاحب چوہدری محمد حسین صاحب صدر جماعت احمدیہ جھنگ شہر اور ملتان شہر کی پیدائش 1891 میں ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی پیدائش 1889 میں ہوئی جبکہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایم اے کی پیدائش 1893 میں اُس سال ہوئی جس سال چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب پیدا ہوئے۔ ان تمام حضرات کی آپس میں خط و کتابت رہتی تھی۔ عاجز کے بڑے بھائی مکرم ڈاکٹر محمد عبدالسلام کی نمایاں کامیابیوں کا ذکر والد صاحب ان سب سے کرتے تھے اور دعائیں لیتے تھے۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان سے ڈاکٹر عبدالسلام کا ایک خاص پیار کا انداز تھا۔ مکرمی بھائی جان ہر اہم مسئلہ پر حضرت چوہدری صاحب سے ہدایات اور مشورے لیتے تھے اسی طرح بھائی جان اُن کے وقت کے تمام خلفاء کرام سے بھی مشورہ لیتے اور تقاریر کی کامیابی کے لئے خاص طور پر دعاؤں کی درخواست بھی کرتے تھے۔ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تحریر کردہ کتب کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

اردو میں اور انگریزی میں :۔

1) میری والدہ۔my mother۔(2۔The Agency of Pakistan۔3۔قرآن کریم انگریزی میں English Translation of Holy Quran۔4The Message Of Islam۔5۔Gardens of Righteous

6۔Pilgrimage to the House of Allah۔7The Excellent Examples of the Messenger of Allah8۔Muhammad Seal of Prophets۔Women in Islam.9۔10Wisdom of the Holy Prophet

11۔Commentary in the Holy Quran۔12Translation of Promised Messenger Book پارٹ ون Translation of Promised Messenger تذکرہ۔پارٹ ٹو

13۔ابوالامام قاضی محمد یوسف علوی عباسی کے سوال کا جواب از قلم حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب (اردو کتابچہ)

14۔میرا دین۔الحاج حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب (اردو کتابچہ)

15۔مختلف قسم کے اسلام کے بارہ میں تقاریر، قادیان، ربوہ اور انگلستان، جرمنی، ہالینڈ، سپین، سعودی عرب، بنگلہ دیش وغیرہ میں الحمداللہ۔

16۔The Reminiscences of Sir Muhammad Zafrullah Khan by Prof Wilcox and Prof Embree of Columbia University English

17۔چند خوشگوار یادیں سابق امام انگلستان بشیر احمد رفیق صاحب (اردو)۔

18۔سر ظفر اللہ خان کی یادداشتیں پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی (اردو)

حضرت چوہدری صاحب نے کتاب تحدیث نعت تحریر فرمائی ہم تقریباً 20 افراد انکی باتیں سن رہے تھے آپ نے ہم سب سے کتاب کا نام پوچھا مختلف احباب نے مختلف نام تجویز کئے۔ میں نے پوچھا کتاب کا مضمون کیا ہے آپ نے فرمایا ہندو پاک کے حالات وغیرہ ایک شخص نے کہا نام رکھیں ہندوستان کی کہانی چوہدری ظفر اللہ خان کی زبانی۔ سارے لوگ ہنس دیئے۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے یہ نام قرآن کریم کے الفاظ سے سوچا ہے یہی مناسب ہوگا واما بنعمته ربك فحدث سورة الم نشرح (95.12)۔ ہمارے والد چوہدری محمد حسین صاحب نے اپنی زندگی کی کتاب سوانح محمد حسین میں صفحہ نمبر 43 پر حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا ذکر اسطرح فرمایا ہے (اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات) پہلا احسان دسمبر 1939ء میں سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان جماعت احمدیہ میں 25 سال خلافت ثانیہ کے گزرنے پر جوبلی فنڈ کی تحریک کی اور تین لاکھ روپیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا۔ حضور نے علاوہ باقی مصرف کے جلسہ سالانہ 1939ء میں اعلان فرمایا کہ نوجوانوں کی ہمت بڑھانے کے لئے اعلان کرتا ہوں کہ جو طالب علم جماعت احمدیہ کا اپنے سکول میں اول آئے گا تو اُسے اس فنڈ سے 30 روپے ماہوار کا وظیفہ ایف اے کے دو سالوں میں دیا جائے گا اسے پھر جو ایف اے میں اول آئے گا تو پھر 45 روپے ماہوار بی اے کی کلاسوں میں دیا جائے گا۔ ان کے بعد جو بی اے میں اول آئے گا اسے ایم اے کلاسز میں دو سال کے لئے 60 روپے ماہوار وظیفہ دیا جائے گا۔ ایم اے کلاسز کے بعد جولڑکا مغرب کی کسی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائے گا اُسے نصف خرچ اس فنڈ سے دیا جائے گا۔ اس شام کو جھنگ شہر کی جماعت کی حضور سے ملاقات تھی۔ عزیز سلام سلمہ اللہ میرے ساتھ تھے۔ میں جھنگ شہر کی جماعت کا صدر تھا۔ میں نے عزیز کی طرف اشارہ کر کے عرض کی منور یہ وظائف جو حضور نے آج اعلان فرماتے ہیں عزیزم سلام مسلمہ ان شاء اللہ سب لے جائے گا یہ سن کر حضور حیران ہوئے اور مسکرائے۔ پھر 10 سال بعد 1949 میں حضور اقدس نے عزیزم سلام کا نکاح کوئٹہ میں پڑھا تو خطبہ نکاح میں ہی فرمایا کہ ہر باپ اپنے بیٹے کی تعریف کرتا ہے عزیز سلام کے والد نے بھی ایسی توقعات کا اظہار 1939 میں کیا تھا اور عزیز ہر لحاظ سے امتحانات میں اول آتا رہا اور ان کو پورا کیا و انك فضل الله يو تيه من يشاء الله والفضل العظيم چنانچہ عزیز سلام نے حضور کے پیش کردہ سارے وظائف ایف۔اے، بی اے اور ایم۔اے میں حاصل کئے۔ علاوہ ازیں حضور اقدس نے از راہ مروت ریکارڈ مات کرنے پر 300 روپے نقد بطور انعام بھی دیئے۔ الحمد الله على ذالك. لطف یہ ہے کہ جوبلی فنڈ پہلے کبھی نہ تھا۔ یہ بعد میں کبھی پیش ہوا گویا یہ سب سامان آسمان اور زمین کے خالق و مالک نے عزیزم محمد عبدالسلام کی امداد کے لئے کیا تھا اور اس عاجز کی مالی

کمزوری کو اس طرح ڈھانپ لیا.الحمدللہ علی ذالک عزیزم محمد عبدالسلام کی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے باقاعدہ خط وکتابت رہی۔ حضرت چوہدری صاحب نے ڈاکٹر سلام کو ہدایات دیں کہ غور وفکر کی عادت ڈالو۔

ا۔خدا تعالیٰ کی صفات پر غور کرو اور بار بار دوستوں کو صفات باری تعالیٰ بتاؤ 2۔قرآن کریم کی فلاسفی پر تدبّر کرنا ضروری امر ہے۔ 3۔آنحضرت محمد مصطفی ﷺ کی احادیث کا مطالعہ رکھنا۔ان کے لئے دعائیں کرنا۔درودشریف کا ورد کرنا۔4۔جماعتی کتب کا توجہ سے مطالعہ کرتے رہنا۔5۔والدین کی خدمت کرتے رہنا۔ان کی دعائیں لیں۔6۔نمازوں کو وقت پر توجہ سے ادا کرنا ہے۔کامل طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنا ہے۔میرا یہ پیغام سب طلبا اور جماعت کے احباب کو پہنچانا۔دعائیں توجہ کے ساتھ کرتے رہنا خاص طور پر قرآنی دعائیں تو یاد کرنا۔آخر میں جماعتی ترقی کے لئے بھی خاص طور پر دعائیں کرنا اور لوگوں کو حضرت مسیح موعود کا بار بار یہ شعر سنانا۔

اے میرے فلسفیو! زوردعا دیکھو تو پھر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے

میں نے بھی ساری کامیابیاں الحمدللہ حضور کی شفقت اور والدین کی دعاؤں سے حاصل کی ہیں جن کا ثبوت تمہارے سامنے ہے۔الحمدللہ۔ دعائیں کرنے سے پہلے سورۃ الفاتحہ پھر درودشریف اور پھر استغفار پڑھنا اور پھر دعائیں مانگنا۔ان شاءاللہ قبول ہونگی۔یہی اعلیٰ طریق ہے۔اللہ برکت ڈالے گا۔حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب مسجد فضل کے قریب محمود حال میں تمام طالب علموں کو ہر ہفتہ ایک گھنٹے کا درس دیتے تھے۔ہمیشہ طالب علموں کو وقت پر آنے کے تلقین کرتے تھے۔ایک درس میں آپ نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو دس نصائح کا ذکر فرمایا۔یہ سورۃ لقمان میں درج ہیں۔اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ۔2۔تمہارے سارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا حضرت چوہدری صاحب سے اس وقت ہوئی جب اکتوبر 1957 میں میرے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد عبدالسلام نے اپنا مکان لندن میں خریدا۔میں ان کے ہاں رہتا تھا۔مکان خریدنے سے پہلے ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب نے مکرمی چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کو فون کیا اور مشورہ مانگا کہ کہاں مکان لوں۔مجھے امپیریل کالج لندن سے پروفیسر بننے کی دعوت دی گئی ہے کیا میں کیمبرج میں ہی رہوں یا لندن آجاؤں۔اگر لندن آجاؤں تو کہاں مکان خریدوں۔مسجد فضل کے قریب یا امپیریل کالج ساؤتھ کینفرنٹن کے قریب۔حضرت چوہدری کا جواب آیا۔ڈاکٹر صاحب اگر آپ لندن میں مکان لیں گے تو آپ مسجد فضل آسانی سے جا کر نمازیں ادا کرسکیں گے۔ہاں ایک چیز کا خیال رکھیں مسجد سے اتنی دور بھی مکان نہ لیں کہ آپ مسجد فضل نہ جاسکیں اور نہ اتنی قریب لیں کہ ہر کوئی آپ کے ہاں آکر آپ کا قیمتی وقت ضائع کرتا رہے۔اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمائے۔آمین۔اس کے بعد آپ نے پٹنی میں مکان لیا۔پھر اپنے والدین کو لندن بلایا۔لندن میں ہمارے والد صاحب سیکرٹری جماعت انگلستان 1959 تا1962 تک رہے الحمدللہ۔کئی مرتبہ خطبہ جمعہ بھی دیا۔حضرت چوہدری صاحب تقریباً دو یا تین سال بعد ہالینڈ سے لندن تشریف لائے۔صبح کا ناشتہ ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب کے گھر پر کرتے۔مجھے بھی الحمدللہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بڑا لطف آتا تھا۔ان کی طبیعت بڑی سادہ تھی۔کسی قسم کا تکلف ان میں نہ تھا۔ذکر الٰہی ان کا ہر وقت کا کام تھا۔ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب کی اہلیہ جب آپ لندن آتے تو آپ کے کپڑے دھوتی تھیں۔میرا کام ان کپڑوں کو لے جا کر چوہدری صاحب کو مسجد فضل کے محمود ہال کے اوپر کے فلیٹ میں دینا ہوتا تھا۔جب کبھی بھی میں وہاں جاتا تو آپ کو ایک بڑی میز پر بیٹھا ہوتا دیکھتا آپ مختلف کتب کا مطالعہ کر رہے ہوتے اور مختلف دینی کتب کی تصنیف میں مشغول ہوتے تھے۔آپ میں ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ کبھی وقت

ضائع نہیں کرتے تھے۔سادہ طبیعت،سادہ لباس،اعلیٰ اخلاق،وقت کی پابندی ذکر الٰہی میں وقت گزارتے تھے۔ایک مرتبہ میں اپنے گھر سے ڈاکٹر سلام صاحب کے گھر گیا اس وقت آپ گھانا،نائیجیریا ایک کانفرنس کے لئے تیاری کر رہے تھے۔آپ نے فرمایا رشید میرے ساتھ مسجد فضل چلو وہاں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ہالینڈ سے آئے ہوئے ہیں میں نے اپنی کانفرنس کے لئے ان سے مشورہ لینا ہے۔میں نے کہا ٹھیک ہے۔پھر بھائی جان فرمانے لگے میاں چوہدری صاحب کے گھر جارہے ہو میری طرف سے کیا تحفہ لے کر جارہے ہو۔تو میں نے جواب دیا بھائی جان ابھی ابھی میں شہد کی دو بوتلیں لے کر آیا ہوں۔چوہدری صاحب کو شہد بڑا پسند ہے یہ میں آپ کی طرف سے ان کو دے دوں گا۔بھائی جان فرمانے لگے میاں یہ تو تمہاری طرف سے ہوا میری طرف سے کیا دو گئے۔پھر فرمایا میری میز کے نیچے میرا صندوق پڑا ہے اس کو کھولو۔میں نے صندوق کھولا تو فرمانے لگے اس میں سے سب سے اچھی قمیض نکالو اور یہ چوہدری صاحب کو میری طرف سے تحفہ دے دینا۔جب ہم چوہدری صاحب کے فلیٹ میں گئے تو بھائی جان نے فرمایا یہ قمیض چوہدری صاحب کو دے دینا۔میں نے قمیض پیش کی تو چوہدری صاحب ہنس کر فرمانے لگے''ڈاکٹر صاحب''میری اتنی عمر ہوگئی ہے آپ نے کیوں تکلیف کی اچھا میں ایک شرط پر یہ قمیض لیتا ہوں کہ آپ میری بھی ایک قمیض تحفہ کے طور پر لے جائیں۔پھر چوہدری صاحب نے مجھے فرمایا رشید میری اس میز کے نیچے میرا صندوق کھولو اور ایک قمیض اپنے بھائی جان کو تحفہ دے دو اور ان کے تحفہ کو اس صندوق میں رکھ دو۔میں نے ایسا ہی کیا پھر میں نے چوہدری صاحب کو دو عدد بوتلیں شہد کی دیں تو فرمانے لگے کہ شہد مجھے پسند ہے قرآن کریم میں اس کا بڑا عمدہ ذکر ہے۔اچھا میری الماری کے اوپر کے حصہ کو کھولو اور دیکھو کہ شہد کی کتنی بوتلیں وہاں ہیں۔میں نے دیکھا تو 38 بوتلیں شہد کی وہاں تھیں۔تو فرمانے لگے اچھا یہ دو بوتلیں بھی وہاں رکھ دو۔40 ہو جائیں گی۔مجھے 40 کا ہندسہ بڑا پسند ہے۔جب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تھی تو آپ کی عمر 40 سال تھی۔چوہدری صاحب کی کیا کیا باتیں لکھوں وہ ہمارے لئے ایک خاص نمونہ تھے۔دین کے فدائی تھے۔ان کی تقاریر جلسہ سالانہ ربوہ،انگلستان اور ہالینڈ میں ہوتی تھیں۔بڑا مزا آتا تھا۔آپ قرآن کریم کے عاشق تھے۔حضرت مسیح موعود کی بیعت کرتے وقت آپ کی عمر 16 برس تھی۔پھر حضرت خلیفہ اوّل سے بڑا پیار تھا اللہ کے بعد اطاعت میں خلفاء کی نمبر 1 تھے ذکر الٰہی سیر پر جاتے بھی کرتے تھے۔الحمدللہ مجھے ان کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔

قصہ یہ ہوا کہ 1967 میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ علیہ لنڈن تشریف لائے تھے ان کے ساتھ حضرت قدرت اللہ سنوری ہمارے مکرمی گلزار صاحب کے والد بھی تشریف لائے تھے۔مجھے شوق ہوا کہ میں مولوی قدرت اللہ سنوری جو کہ وانڈز ورتھ میں رہتے تھے ان کے ہاں جا کر حضرت مسیح موعود اور دوسرے خلفاء کی باتیں سنوں میں ان کے گھر گیا۔تو میں نے مولوی قدرت اللہ سنوری سے درخواست کی،مولوی صاحب آپ تو صحابی ہیں جیسے میرے نانا جان مولوی حافظ نبی بخش صاحب والد حکیم فضل الرحمن مربی سلسلہ گھانا اور نائیجیریا تھے آپ کے پاس جا کر ان کی باتیں سنو۔میں نے وہاں جا کر درخواست کی مولوی آپ دعائیں تو بڑی کرتے ہیں میرے لائق کوئی خدمت۔مولوی صاحب بڑی بے تکلفی سے بولے پُتر آج بدھ ہے پرسوں جمعہ ہے میں نے جمعہ کی نماز کے لئے مسجد فضل جانا ہے۔میری حجامت ہونے والی ہے مجھے کسی اچھے نائی کے پاس لے جاؤ جو میری حجامت بنا دے۔میں نے کہا ہمارے گھر کے نزدیک ایک نائی ہے میں آپ کو وہاں لے جاتا ہوں۔فرمانے لگے کہ کیا وہ عیسائی ہے یا مسلمان ہے۔میں نے کہا مولوی صاحب یہاں تو سب عیسائی ہیں۔مسلمان نائی تو یہاں کوئی نہیں ہاں ساؤتھ ہال میں

مسلمان نائی ہوں گے۔ وہ یہاں سے کافی دور ہے آپ کے لئے مشکل ہوگا۔تقریباً رونے والی صورت بنالی۔ میں نے عرض کی مولوی صاحب میں پاکستان میں اپنے والدصاحب کے بال کاٹتا تھا اگر اجازت ہوتو میں آپ کے بال کاٹے دوں۔فرمانے لگے اچھا کل آجانا۔ دوسرے دن میں نئی بال کاٹنے کی مشین لی۔قینچی کنگی لی اور بال کاٹنے کے لئے گیا۔اگلے دن جمعہ تھا۔مولوی صاحب مسجد فضل لندن میں جمعہ کی نماز کے لئے آئے۔پہلی لائن میں کرسی پر بیٹھے۔پھر وہاں حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خاں مسجد میں تشریف لائے۔چوہدری صاحب نے مولوی صاحب کو فرمایا ''مولوی صاحب پرسوں تو آپ کے سر کے بال اتنے لمبے تھے اب تو بڑی عمدہ حجامت بنی ہوئی ہے یہ کہاں سے بال کٹوائے''۔مولوی صاحب نے میری طرف اشارہ کیا یہ اس برخوردار نے کاٹے ہیں۔ چوہدری صاحب فرمانے لگے۔رشید تم بال کاٹ لیتے ہو تو کل میرے بھی کاٹ دینا میں کیوں نائیوں کے پاس جاؤں اور وقت ضائع کروں''۔اس دن سے لیکر 1982 تک میں ان کے بال ان کے فلیٹ میں جا کر کاٹتا رہا۔ ہمارے امام بشیر احمد رفیق صاحب مجھے فون کر کے بتا دیتے تھے کہ کب چوہدری صاحب ہالینڈ سے لندن آرہے ہیں۔میری کوشش ہوتی تھی کہ آہستہ آہستہ بال کاٹوں اور ان کی باتیں سنوں۔ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جلدی جلدی کاٹوں اور میں جماعتی کتب لکھنے میں مشغول ہو جاؤں۔ الحمدللہ یہ سلسلہ 15 سال تک جاری رہا۔ پھر چوہدری صاحب کے بھتیجے مکرمی انور احمد کاہلوں لندن آ گئے انہوں نے چوہدری صاحب کو کہا کہ چوہدری صاحب مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے بال کاٹوں تو چوہدری صاحب نے فرمایا کہ پہلے رشید سے اجازت لو۔اگر وہ اجازت دے تو ٹھیک ہے تم بال کاٹ لینا''۔اگلے دن چوہدری صاحب مکرمی انور احمد صاحب کے ساتھ میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا" رشید اگر تم اجازت دیتے ہو تو کل سے یہ کام ان کے سپرد کر دوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے چوہدری صاحب جیسے آپ کی مرضی۔ پھر چوہدری صاحب انگلستان سے پاکستان تشریف لے گئے وہاں ان کی وفات ہوئی اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی یادداشت بڑی عمدہ تھی قادیان کے حالات جماعتی تاریخی حالات سناتے تھے۔میرے بھائی ڈاکٹر محمد عبدالسلام کو بار بار تاکید فرماتے تھے کہ افریقہ کے ممالک جائیں ان کو سائنسی تعلیم دیں۔ جب بھائی جان نے اٹلی میں اپنا سائنسی سنٹر کھولا تو آپ بڑے خوش ہوئے۔کافی تعداد میں کئی غریب ممالک کے طلبا نے علم سائنس میں ترقی کی اور دعائیں دیں۔حضرت چوہدری صاحب کو قرآن مجید میں بیان کردہ پھل بڑے پسند تھے تھوڑے سے انگور، شہد، خربوزہ، انڈا، بڑے پسند تھے۔مرغی کا سالن بڑا پسند تھا۔ بڑی تھوڑی مقدار میں کھانا کھاتے۔ چائے میں سکرین ڈالتے کبھی تھوڑا سا شہد بھی۔شہد کی مکھیوں کی بڑی تعریف فرماتے۔فرماتے تھے کہ شہد کی مکھی سے بھی ہمیں سبق سیکھنا ہوگا۔قرآن کریم اس کا اعلیٰ بیان ہے۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے حالات اور ان کی کی ہوئی دعائیں بچوں کو سناؤ تا کہ وہ جماعت کے لئے اعلیٰ نمونہ بنیں۔حضرت چوہدری سر ظفراللہ خاں صاحب کے کچھ مزید واقعات جو ابھی یاد آئے ہیں وہ بھی لکھ دیتا ہوں۔حضرت چوہدری سر ظفراللہ خاں نے 1966-67 میں مسجد کے ساتھ محمود ہال تعمیر کروایا۔ایک دن میں نے ان سے پوچھا قبلہ چوہدری صاحب اس کا کتنا خرچ آیا، یہ ساری رقم انہوں نے اپنی جیب سے دی تھی۔فرمانے لگے۔میاں میرا حساب اللہ سے ہے اللہ میرے اس کام کو قبول کرے۔ پھر فرمانے لگے اچھا میں بتا دیتا ہوں تا کہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک قسم کا سبق بن جائے محمود ہال اور میرے اوپر کے فلیٹ کا کل خرچ تقریب 72000 ہزار پونڈ لگا ہے۔الحمدللہ۔اللہ نے توفیق دی اور یہ تعمیر ہوا۔جس یہودی کے پاس میری رقم امانت تھی۔اس میں سے کچھ حصہ اس نے اپنے پاس چھپا کر رکھ

دیا۔مزید کیا بتاؤں، یہودیوں میں حرص کی بڑی عادت ہے۔اب یہ عادت مسلمانوں میں بھی انگریزوں کے ہندوستان میں ہونے کی وجہ سے آرہی ہے اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو محفوظ رکھے۔جب محمود ہال تیار ہوگیا تو مکرمی بشیر احمد رفیق صاحب ہمارے امام تھے۔وہ بڑے خوش ہوئے اورانہوں نے حضرت چوہدری سرظفر اللہ خان کو فرمایا کہ قبلہ چوہدری صاحب آپ نے بڑی ہمت اور خدمت کی۔کیا ہی عمدہ بات ہے کہ آپ کی ایک یادگاری تصویر محمود ہال میں لگادی جائے۔چوہدری صاحب نے فرمایا مجھے ہرگز یہ بات پسند نہیں۔میں نے یہ کام رضائے الٰہی کی خاطر کیا ہے۔نہ کہ لوگوں سے تعریف کروانے کے لئے ہرگز فوٹو نہ لو۔ایک مرتبہ جبکہ محمود ہال کی تعمیر ہورہی تھی تو دو ہفتے کے لئے حضرت چوہدری صاحب مکرمی بھائی جان ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر مقیم تھے صبح میں ان کو ناشتہ دیتا تھا بھائی جان سے گفتگو بھی فرماتے تھے۔اکثر قرآن کریم،حدیث شریف اور کتب مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں ہوتی تھیں۔کئی مرتبہ پاکستان کے حالات پر بھی تبصرہ ہوتا۔ان دنوں میری نئی نوکری جی ای سی کو میں لگی تھی۔ میں نے ایک چھوٹا سا کیمرہ خریدا، میں نے بڑے شوق سے چوہدری صاحب سے عرض کی کہ میں آپ کی ایک عدد تصویر لے لوں۔آپ نے فرمایا۔رشید یہ رقم جو فوٹو لینے پر خرچ کروگے جماعت کو دے دو۔مجھے تصویر کا اتنا شوق نہیں۔ان کی عادت تھی کہ جب ان سے کوئی بات کرے یا تو ساری بات اردو میں کرے یا انگریزی میں زبانوں کو مکس نہ کرے۔ایک دفعہ لندن میں برف باری ہورہی تھی۔ہمارے ایک بزرگ مکرمی عزیز دین صاحب جو کہ انگلستان 1924 میں آئے تھے۔جب مسجد فضل کے لئے کام شروع ہونا تھا۔انہوں نے چوہدری صاحب سے کہہ دیا چوہدری صاحب آج بڑی سنو پڑ رہی ہے۔چوہدری صاحب نے ان کو فرمایا" عزیز دین صاحب سنو کو اردو میں برف کہتے ہیں آپ مجھے بتائیں کہ آج بڑی برف پڑ رہی ہے۔اردو اور انگریزی کو مکس نہ کریں۔یہ عادت ہمارے لوگوں میں بڑھ رہی ہے۔ایک مرتبہ جب آپ ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر میں تھے میں نے عرض کی۔آپ تو قرآن کریم کے عالم ہیں۔میں کیا دعا کیا کروں۔فرمانے لگے قرآن کریم کے عالم تو حضرت محمد ﷺ ہی تھے جو ان پڑھ ہونے کے باوجود اتنے اعلیٰ مضامین ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ہاں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ قرآن کریم میں سورۃ المؤمن آیت نمبر 54۔جس کا ترجمہ یہ ہے۔میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اس کو جلدی یاد کرلو۔میں اپنا سارا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔اللہ اپنے بندوں کا نگران ہے۔یہی سوال جب میں نے مولوی قدرت اللہ سنوری صاحب جب 1967 میں لندن تشریف لائے تھے میں نے ان سے کہا ان کا جواب پنجابی میں تھا کہ ''پتر میں اک ای دعا کرنا آں۔'' اللہ میں تجھ سے تجھے ہی چاہتا ہوں بس اللہ میرے سب کام کر دیتا ہے۔الحمد للہ۔مکرم ڈاکٹر عبدالسلام نے جب امپیریل کالج میں پروفیسر لگے۔1957 میں تو انہوں نے ہمارے والد محترم چوہدری محمد حسین صاحب اور والدہ ماجدہ ہاجرہ بیگم کے نام پر ایک علمی ادارہ جس میں ربوہ میں بچوں کی تعلیم دی جاتی ہے کھولا۔اب بھی ان کی طرف سے اس ادارہ میں رقم جارہی ہے۔الحمد للہ۔جس سے غریب طلبا وظیفہ لے رہے ہیں۔حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے بھائی بھی جماعتی خدمات میں آگے آگے ہوتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت چوہدری سرظفر اللہ خاں نے جب ہالینڈ میں جج تھے۔تو آپ کو مکرمی مولوی عبدالرحمن صاحب نے مسجد فضل سے لندن ائر پورٹ پر لے جانا تھا۔مکرمی بھائی جان،مکرمی چوہدری صاحب کو مسجد فضل میں ملنے کو گئے۔اور افریقہ کے ممالک میں تعلیمی لیکچر کے لئے مشورہ بھی لینا تھا۔جب آپ فارغ ہوئے تو بھائی جان نے چوہدری صاحب سے فرمایا کہ چوہدری صاحب کار کی پچھلی سیٹ پر رشید کو بٹھالیں

تا کہ اس کو اسلامی پہلو کے سوالات کا جواب مل جائے۔ تا کہ یہ آگے تبلیغ کر سکے۔حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا۔ڈاکٹر صاحب آپ کی بات تو درست ہے لیکن میں ائرپورٹ پر جاتے ہوئے کار میں سارا وقت ذکر الٰہی میں گزاروں گا اسلئے اس کو ساتھ نہیں لے جا سکتا۔کمال ہے یہ عشق تھا انکا اللہ اور اسکے رسول سے، اور جماعت احمدیہ سے۔سبحان اللہ۔ایک موقع پر بھائی جان کے گھر بیٹھے تھے تو قرآن کریم کے ترجمہ کی باتیں شروع ہوئیں تو آپ نے چوہدری صاحب سے کہا ڈاکٹر صاحب آپ تفسیر صغیر کے انڈیکس پر غور کریں۔جس کے ایک سو صفحے میں حضرت مصلح موعود نے کمال علم اور غور سے قرآن کریم کے تمام مضامین کی انڈیکس بنادی ہے۔جو بڑی مفید ہے۔پھر آپ نے تقریباً ہر صفحہ کے نیچے آیت پر دو یا تین نوٹ لکھ کر آیات کی وضاحت کر دی ہے۔یہ ہے حضرت مسیح موعود کی دعاؤں کا نتیجہ جو اللہ نے آپ کو عنایت کیا۔پھر فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر بھی لاجواب ہے۔کئی دفعہ ان دنوں بزرگوں سے خوابوں میں ملاقات ہوتی رہتی ہے۔یہ محض اس رب عظیم کا خاص فضل ہی ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو ان دو بزرگوں نے لاجواب کر دیا ہے پھر تذکرہ میں الہامات پر غور کریں۔کاش عام مسلمان غور کرے اور جوق در جوق احمدیت میں داخل ہوں۔الحمدللہ۔جرمنی، ہالینڈ، امریکہ، کینیڈا کے جماعتیں ترقی کر رہی ہیں۔اللہ کرے افریقہ کے ممالک بھی جاگیں اے اللہ ان کو توفیق دے۔آمین۔جبکہ رانا صاحب اور کیا لکھوں وہ تو فرشتہ سیرت انسان تھے۔ہم سب ان کی غیر حاضری کو بُری طرح محسوس کرتے ہیں۔ میری آرزو ہے کہ ہمارے M.T.A کے حضرات ان کی تقاریر کو M.T.A کے پروگراموں میں بار بار دکھاتے رہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے سارے خاندان کے درجات بلند کرتا چلا جائے آمین ثم آمین۔جزا کم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت چوہدری صاحب کی دینی غیرت کا ایک واقعہ

مکرم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب

1941ء یا 1942ء کی بات ہے کہ دہلی میں شدید ہندو مسلم فساد ہوا جس میں ڈیوٹی پر موجود ایک سکھ سب انسپکٹر بلوے میں مارا گیا یہ تو کبھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس کے ہاتھوں ہلاک ہوا لیکن کارروائی پوری کر کے ہندوؤں اور سکھوں کو مطمئن کرنے کے لئے چار غریب قصابوں کو اُن کے گھر سے گرفتار کر لیا گیا اور اُن پر مقدمہ چلا اور وہ سیشن عدالت کے سپرد کر دئے گئے تا کہ ہندو اور سکھ اپنا بدل ہر حالت میں چُکا لیں۔ایک سکھ نواب سنگھ صاحب کو لاہور سے تبدیل کر کے دہلی میں متعین کر دیا گیا اس مقدمے کی دھوم سارے متحدہ ہندوستان میں تھی۔اس بہانے کہ ہندو سکھ مظلوم ہیں انگریز حکوت اعلانیہ اُن کا ساتھ دے رہی تھی۔دہلی کے مسلمانوں نے مقدمہ کی پیروی کے لئے اُس وقت کے فوجداری مقدمات میں کامیاب ترین بیرسٹر میاں عبدالعزیز کو لاہور سے پیروی کے لئے بُلایا۔موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، سروجنی نائیڈو اور مولانا ابوالکلام آزاد جب بھی لاہور آتے میاں صاحب کے مہمان ہوتے۔میاں صاحب اہل حدیث تھے۔حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی ان سے گہری دوستی تھی۔مجھے انہوں نے ازراہ شفقت اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔اور قیامِ پاکستان میں ان کا بڑا حصہ تھا۔دہلی پولیس کی طرف سے مقدمہ کی پیروی ایک مسلمان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے سپرد تھی۔جس کے متعلق دہلی کے ہر مسلمان کی زبان پر تھا کہ وہ انگریزوں سے بھی بڑھ کر ہندوؤں اور سکھوں کی طرفداری کر رہا ہے۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے معاملہ میں بھی اس نے مخالفین کا

ساتھ دیا تھا۔ ان دنوں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وائسرائے کی ایگزیکٹوکونسل کی ممبری سے فارغ ہوئے تھے اوران کوچین میں سفیر بنایا گیا تھا۔ جب وہ چین جانے کے لئے دہلی ریلوے سٹیشن پہنچے تو اُن کو الوداع کہنے کے لئے بڑی بڑی شخصیتوں کا ہجوم ریلوے پلیٹ فارم پرموجود تھا۔ اس دن سیشن عدالت میں مقدمہ کی سماعت ہورہی تھی۔ جسے سنا چھوڑ کر مَیں بھی ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا تھا۔ حضرت چوہدری صاحب حاضرین میں سے ہر ایک پر توجہ دے رہے تھے۔ شیخ اعجاز احمد صاحب اور چوہدری بشیر احمد صاحب کاہلوں اور مَیں حضرت چوہدری صاحب کے بالکل قریب کھڑے تھے کہ اتنے میں وہ مسلمان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آ گیا۔ غالباً اس وقت وہاں وہ اپنی ڈیوٹی پر آیا تھا۔ بڑا کڑیل تن وتوش سر پر بڑے بلند طرہ دار نسواری پگڑی عمر 35 سال کے قریب بہت بارعب آدمی تھا۔ ڈی ایس پی نے حضرت چوہدری صاحب کے سامنے آ کر کاشن کے مطابق زمین پر زور سے پاؤں مارا جس سے آواز بلند ہوگئی اور حضرت چوہدری صاحب کو سلیوٹ کیا۔ حضرت چوہدری صاحب نے اس کے سلام کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور اپنے مخاطبوں سے بات کرتے رہے۔ ڈی ایس پی نے یہ سمجھ کر کہ حضرت چوہدری صاحب نے شاید دیکھا نہیں زاویہ بدل کر اور زیادہ قریب ہو کر پھر سلیوٹ کیا انہوں نے پھر بھی سلیوٹ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اب اس نے پھر زاویہ بدلا اور تیسری دفعہ بالکل سامنے کھڑے ہو کر پورے زور سے زمین پر پاؤں مارا اور سلیوٹ کیا۔ حضرت چوہدری صاحب نے اس بار بھی توجہ نہ کی۔ اس پر وہ شرمندہ ہو کر ایک طرف ہوگیا۔ اب ایک بڑی شخصیت نے حضرت چوہدری صاحب سے کہا کہ ڈی ایس پی نے آپ کو تین بار سلیوٹ کیا ہے شاید آپ نے دیکھا نہیں۔ حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا۔ ’’میرے آقا کی توہین میں حصہ لیتا ہے اور مجھے سلام کرتا ہے اسے شرم آنی چاہیے۔‘‘ حضرت چوہدری صاحب حضور سرورِ کائنات کو ’’میرے آقا‘‘ کہا کرتے تھے۔ (خالد ربوہ دسمبر 1985ء وجنوری 1986ء صفحہ 171 تا172)

محمد ظفر اللہ خاں۔ چند یادیں

محترم بشیر احمد خان صاحب رفیق۔ سابق امیر ومبلغ انچارج برطانیہ وامام مسجد فضل لندن

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ آپؓ کی زندگی کا حسین ترین لمحہ وہ تھا جب آپؓ کا ہاتھ حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک میں اطاعت وغلامی کا اقرار کرنے کی سعادت حاصل کررہا تھا۔ پس یہی وہ شرف تھا کہ عاجزی کے اِس پیکر کو خلافتِ احمدیہ کی غلامی میں اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی طور پر ایسے عظیم الشان مناصب عطا فرمائے جن کے ذریعے نہ صرف بین الاقوامی اور قومی سطح پر بلکہ انفرادی حیثیت میں بھی آپؓ کو بنی نوع انسان کے لئے غیر معمولی خدمات بجالانے کی توفیق عطا ہوئی۔ اور انہی خدمات کی وجہ سے آپؓ کا اسم گرامی تاریخ احمدیت میں ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت میں بھی ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ یقیناً حضرت چوہدری صاحبؓ کی مبارک حیات کے بے شمار زاویے ایسے ہیں جو احمدیت کی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ اس خوبی کا اظہار زیر نظر کتاب کے ہر صفحہ سے عیاں ہوتا ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی عظیم المرتبت شخصیت، غیر معمولی خدمات اور ارفع مقام پر اگرچہ بے

شمار مضامین اور کتب شائع ہوچکی ہیں تاہم محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب نے ''محمد ظفر اللہ خان چند یادیں'' کے عنوان سے اپنی یادوں کو حضرت محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کے بارے میں اپنے مشاہدات کی روشنی میں آپؓ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے۔اس کتاب میں شامل چندواقعات ذیل میں اپنے قارئین کی نذر ہیں۔

یارک شائر سے لندن کا سفر۔مکرم ومحترم بشیر احمد خان صاحب رفیق صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

یارک شائر سے لندن کا واپسی کا وہ سفر اب بھی میرے دل پر نقش ہے۔بعض باتیں کتنی معمولی ہوتی ہیں مگر ان پر سوچنا شروع کریں تو دل کو جیسے برقی جھٹکے لگنے شروع ہوجاتے ہیں۔لمحوں اور ثانیوں میں آدمی اس دنیا سے نکل کر اُس عالم میں پہنچ جاتا ہے جہاں کی ہر چیز روح کو سرشار کر کے رکھ دینے والی ہے۔میں گاڑی چلا رہا تھا۔حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔چوہدری صاحبؓ کی عادت تھی کہ ڈرائیور کو کار چلانے کے سلسلہ میں نہ تو کوئی مشورہ دیتے اور نہ ہی ٹوکتے۔ایک کار میرے آگے جارہی تھی۔میں نے تین چار مرتبہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن جونہی میں اس کار سے آگے نکلنے کیلئے اپنی رفتار تیز کرتا اس کار کا ڈرائیور بھی اپنی رفتار تیز کر کے مجھے آگے نکلنے سے روک دیتا۔یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا حتّٰی کہ وہ کار ایک طرف کو مُڑ گئی۔میں نے محسوس کیا کہ جب تک وہ کار نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی،حضرت چوہدری صاحبؓ کی نظریں مسلسل اس کا تعاقب کرتی رہیں۔حضرت چوہدری صاحبؓ کے انداز میں کوئی ایسی بات تھی جس نے مجھے متوجہ کر دیا کہ چوہدری صاحبؓ ضرور کوئی بات ارشاد فرمائیں گے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے:امام صاحب جب تک آپ اس کار سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے رہے میں یہ دعا کرتا رہا کہ آپ اس سے آگے نہ نکل سکیں۔میں اس بات پر حیران ہوا کہ یہ کیسی دُعا تھی؟ آخر پوچھا چوہدری صاحب اس کی کیا وجہ تھی۔حضرت چوہدری صاحبؓ بولے اگلی کار کی نمبر پلیٹ پر جو نمبر درج تھا اس میں ALH کے الفاظ نمایاں تھے۔مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ الفاظ اللہ (ALLAH) کا مخفف ہیں۔میرے دل نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایسی کار جس کی نمبر پلیٹ پر ایسے الفاظ درج ہوں جو ALLAH کیلئے استعمال ہوتے ہوں،آپ اس کار سے آگے نکل جائیں۔چنانچہ میں یہی دعا کرتا رہا کہ آپ اس کار سے آگے نہ نکل سکیں۔اس مختصر سی گفتگو کے اختتام پر چند ثانئے کیلئے میری نظریں حضرت چوہدری صاحبؓ کی نگاہوں سے چار ہوئیں اور میں نے محسوس کیا کہ اُن کی نگاہوں میں روشنی اور نور کی ہزاروں قندیلیں جگمگا رہی ہیں۔چہرے پر نور کی ایسی چادر تنی ہوئی تھی کہ نظریں اس چہرے پر جمجاتی تھیں۔بظاہر بات کتنی معمولی ہے۔اگلی کار والے کو کبھی یہ احساس بھی نہ ہوا ہوگا کہ کیوں وہ پچھلی کار کے قریب آنے پر رفتار تیز کر دیتا تھا اور عرش پر سے مولیٰ کی ہدایات اپنے فرشتوں پر ہر جانب نگران تھیں کہ دیکھو خبردار! یہ گاڑی آگے نہ نکلنے پائے۔میرا ایک پیارا بندہ مجھ سے اپنی محبت کا معصومانہ اور بے ساختہ اظہار چاہتا ہے۔اللہ اکبر،اللہ اکبر۔

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغ تیز جس سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

میری خوش قسمتی کا آغاز۔تاریخ احمدیت کی اس نابغۂ روزگار ہستی سے میری ملاقاتوں کا تسلسل جسے میں بجا طور پر اپنی خوش قسمتی اور اعزاز قرار دوں گا،اس وقت شروع ہوا جب میں 1959ء میں بطور مربی سلسلہ انگلستان پہنچا اور بطور نائب امام مسجد فضل لندن میں خدمت دین کا کام شروع کیا۔حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔آپ جب لندن تشریف لاتے تو عام طور پر رائل کامن ویلتھ

سوسائٹی میں قیام فرماتے ۔مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب آپ کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔وہ ائر پورٹ سے حضرت چوہدری صاحب کو اپنی قیامگاہ پر لایا کرتے اور اکثر مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے۔اس طرح سے حضرت چوہدری صاحبؓ سے تعارف اور محبت کے ابتدائی مراحل طے ہونے لگے اور آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔اس کے بعد جب 1964ء میں خاکسار کو امام مسجد فضل لندن کے عہدے پر مقرر کیا گیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے سلسلۂ مؤدت و محبت میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔آپ کا لندن آنا جانا بھی بڑھ گیا اور پھر مجھے یہ اعزاز بھی ملنے لگا کہ جب لندن تشریف لاتے تو غریب خانے کو رونق بخشتے اور قیام فرما ہوتے۔خاکسار ہی انہیں ائر پورٹ سے گھر لانے اور واپس لے جانے کی سعادت پاتا اور پھر بالآخر جب آپ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے ریٹائر ہوئے اور اپنی باقی ماندہ زندگی کاملاً خدمت دین کیلئے وقف کر دی تو آپ نے لندن کو اپنی مستقل رہائش کیلئے چُنا۔آپ نے لندن مشن کی نئی عمارت کے ایک حصہ میں رہائش اختیار فرمائی۔خاکسار کی رہائش ساتھ کے فلیٹ میں تھی۔دونوں وقت کا کھانا ہم ساتھ کھاتے۔سفر و حضر میں ساتھ رہتے اور میری زندگی کا یہ قیمتی ترین عرصہ قریباً دس سال پر محیط رہا۔

میں نے آنکھوں میں نمی محسوس کی۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح نماز کے بعد لمبی سیر کیا کرتے تھے۔ایک روز صبح آپ اپنی معمول کی دو میل کی سیر سے واپس تشریف لائے تو میں نے محسوس کیا کہ آپ کی آنکھوں میں نمی ہے اور طبیعت گداز ہے۔میں نے وجہ دریافت کی۔پہلے تو ٹالتے رہے۔میرے اصرار پر فرمایا: جب میں سیر کو نکلا تو تسبیح و تحمید اور درود شریف کے ورد سے فارغ ہونے کے بعد میری طبیعت حمد الٰہی کی طرف متوجہ ہوئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کے جو مجھ پر بے شمار احسانات ہیں ان کو دیکھ کر اور اپنی کمزوریوں پر نظر کر کے سوچنا شروع کیا تو بے اختیار میری زبان سے نکلا میرے مولیٰ تو نے مجھ پر جو احسانات کئے ہیں اور جس طرح اپنے ہاتھ سے میری پرورش کی اور اپنی نعمتوں سے مجھے جس قدر نوازا ہے اس کا عشر عشیر بھی کوئی باپ اپنے بیٹے کیلئے نہیں کر سکتا ہے۔باوجود میری کوتاہیوں اور بدعملیوں کے تو نے مجھے اس قدر نوازا ہے کہ میرے لئے تیرے احسانات کو گننا اگر میں چاہوں تب بھی ممکن نہیں۔ان خیالات میں میں جتنا جتنا غرق ہوتا گیا اتنا اتنا اظہار تشکر سے میرے آنسوؤں کی جھڑی تیز ہوتی گئی۔یہ کہتے ہوئے آپ کی آواز پھر بھرا گئی اور آپ بغیر بات پوری کئے اپنے کمرے کی طرف مُڑ گئے

نبی پاک ﷺ سے بے ساختہ محبت۔اللہ تعالیٰ کی ذات سے غیر معمولی محبت اور توکل علی اللہ کے خصوصی مقام پر فائز ہونے کے بعد آپ کی عقیدت و محبت کا دوسرا پہلو حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے محبت و شیفتگی تھا اور یہ وہ منہ زور جذبہ تھا جس کے اظہار پر ہندوستان کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں آپ کی دھوم مچ گئی۔میرا اشارہ توہین عدالت کے اس مقدمہ کی طرف ہے جب آپ نے عدالت کے سامنے ببانگ دہل کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی عزت کے تحفظ کیلئے اگر ہائی کورٹ کے ججوں کی بے عزتی بھی کرنی پڑے تو ہم اس کیلئے ہر سزا قبول کرنے کو تیار ہیں۔میرے ذاتی مشاہدہ میں جو ایک واقعہ آیا وہ یوں ہے کہ ایک دفعہ پاکستان کے ایک مشہور مؤرخ آپ کو ملنے آئے۔یہ صاحب حضرت چوہدری صاحبؓ کے بڑے مداح اور عقیدت مند بھی تھے۔باتوں باتوں میں یہ صاحب ایک ایسی بات کہہ گئے جس سے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔آپ فوراً غصہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو مخاطب ہو کر کہا آپ ابھی یہاں سے نکل جائیں اور آئندہ مجھے نہ ملا کریں۔میں کسی ایسے شخص سے ہرگز ملنے کو تیار نہیں جو مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو۔یہ کہہ کر آپ اُٹھ کر چلے

گئے۔اس کے بعد ایک لمبے عرصے تک اس شخص کی بار بار کی درخواستوں کے باوجود اس سے نہ ملے۔ بالآخر اس کے بار بار معافی مانگنے پر آپؓ نے اسے معاف کر دیا۔حضرت چوہدری صاحبؓ کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی رفاقت کا شرف حاصل رہا تھا۔آپ حضرت بانی سلسلہؑ سے اپنے تعلق کے واقعات اپنے ملنے جلنے والوں سے بڑی محبت کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔اس ضمن میں کئی واقعات آپ کی کتب اور انٹرویوز میں محفوظ ہیں۔آپ ہمیشہ اپنی زندگی کا سب سے اعلیٰ فخر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا دیدار اور آپؑ کی رفاقت کا شرف حاصل ہونا بتایا کرتے تھے۔

حضرت بانی سلسلہؑ اور خلفاء کرامؓ سے تعلق۔حضرت بانی سلسلہؑ کی وفات کے بعد قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے۔حضورؓ کے خصوصی الطاف کا مورد بننے اور دعائیں حاصل کرنے کا اعزاز بھی آپؓ کے حصے میں آیا۔اس ضمن میں کئی واقعات کا ذکر آپ نے اپنی کتاب 'تحدیث نعمت' اور دیگر کتب میں کیا ہے۔اس کے بعد اہم دینی اور دنیاوی معاملات میں بھی دوسرے، تیسرے اور چوتھے امام جماعت احمدیہ سے خصوصی تعلق قائم رکھنے اور خدمت دین کی صف میں آگے آگے رہنے کا شرف اور اعزاز حاصل ہوا۔ان میں حضرت فضل عمرؓ سے آپ کا تعلق خصوصی اور نمایاں تھا۔52 سال کے طویل دور خلافت میں حضرت چوہدری صاحبؓ کو ابتداء سے ہی خصوصی معاون اور مشیر کی حیثیت حاصل تھی۔جب حضرت فضل عمرؓ کا وصال ہوا تو آپ فجی میں ایک دورے پر تھے۔فوری طور پر وطن واپس پہنچ کر انتخاب میں شمولیت کا موقعہ نہ تھا۔لہٰذا آپ نے اپنا پروگرام مختصر نہ کیا اور کئی ہفتوں کے بعد پاکستان پہنچے۔آپ نے کئی ہفتوں اپنی طبیعت پر بہت جبر کئے رکھا۔فضل عمرؓ کی وفات کا صدمہ کوئی معمولی بات تو نہ تھی۔آخر حضرت چوہدری صاحبؓ جیسے اولوالعزم صابر شخص کا صبر بھی ایک روز تمام بند توڑ کر بہہ نکلا۔عشق و محبت کی یہ دلوں کو گداز کر دینے والی داستان حضرت چوہدری صاحبؓ نے خود اپنے قلم سے رقم فرمائی اور خاکسار کو انگلستان بھجوائی جو خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں بھجوا دی۔حضرت چوہدری صاحبؓ کا یہ طویل خط پیش خدمت ہے۔اس خط کا پس منظر یہ ہے۔**آنکھوں کو بھگو دینے والی داستان**۔حضرت مصلح موعودؓ کے وصال کے بعد پہلے جلسہ سالانہ کے دوران آپ کو جلسہ کے ایک سیشن کی صدارت کا موقعہ ملا۔اس دوران ایک صاحب نے حضورؓ کی ایک مشہور نظم ترنم سے پڑھ کر سنائی۔حضرت چوہدری صاحبؓ کی اس وقت جو حالت ہوئی وہ ان کے اس خط سے ظاہر ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں:''وہ مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء آئے تو دیر سے لیکن رخصت اس قدر جلد ہوئے کہ دل کی سب حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شُد روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شُد

میری کیا حیثیت اور میرے قلم میں کون سی طاقت ہے کہ میں اس بہار حسن و احسان کے اوصاف شمار کرنے کی جسارت کروں۔وہ روحانی آسمان کا درخشندہ ستارہ۔میں زمین کے چہرے پر ایک سیاہ داغ۔وہ پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت کا روشن ستون۔میں گرفتار ہوا و ہوس اور عصیان کا مرکب۔وہ ظاہری و باطنی علوم کا بحرِ ذخّار۔میں نادانی اور جہالت کی ظلمات میں اسیر۔چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ہاں محض اللہ تعالیٰ کے فضل بے پایاں اور اس کی ذرہ نوازی سے پُرحسرت دل میں اس سراپا نور کی محبت کی چنگاری بچپن سے ہی روشن رہی اور شائد اس کی نگاہ حقیقت شناس نے اسے بھانپ لیا۔یا میرے والد کے اخلاص و وفا کا قیاس میرے حق میں بھی کیا۔یا میری والدہ کی روحانی بینائی کی قدر نے مجھے بھی ان کے دل میں جو رافت و رحمت کا سمندر تھا، ایک کونہ بخش دیا۔جس کے نتیجہ میں فیضان کا ایک دروا ہوا کہ مرورِ زمانہ سے اس کی کیفیت بڑھتی ہی گئی۔

کسی مرحلہ پر بھی باوجود میری لا انتہا خطاؤں، تقصیروں اور کوتاہیوں کے اس میں تنگی نہ ہوئی۔ فجزاہ اللہ فی الدّارین خیراً۔ اب وہ تو ''از آسمان بُودی بآسمان رفتی'' ہوگئے۔ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ میں ہی یہ راز مضمر تھا کہ جو آسمان سے آئے گا وہ آسمان کو لوٹ جائے گا سو وہ تو اپنے نفسی نکتہ کی طرف بسرعت لوٹ گئے اور زمین سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

میں وہ کہ مورد ِکرم بے حساب تھا اب میں ہوں اور تغافل بسیار کے گِلے

آپ مثیل مسیح موعودؑ تھے جیسے فرمایا کہ: ''مسیح موعود کا مثیل ہونے اور اس کا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے ایک رنگ میں مَیں بھی مسیح موعود ہوں کیونکہ جو کسی کا نظیر ہوگا اور اس کے اخلاق کو اپنے اندر لے لے گا وہ ایک رنگ میں اسی کا نام پانے کا بھی مستحق ہوگا۔'' آپ کا زمانہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی شامل تھا جیسا کہ فرمایا: ''پس درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ ممتد ہے میرے زمانہ تک جب تک میں ہوں اس وقت تک حضرت مسیح موعودؑ کا ہی زمانہ ہے۔'' اس کی تصدیق حضرت مسیح موعودؑ کے ایک کشف سے بھی ہوتی ہے۔ حضورؑ نے دیکھا کہ آپؑ ایک بزرگ کی قبر کے پاس کھڑے ہیں اور وہ بزرگ زندہ ہوکر قبر میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپؑ نے ان بزرگ سے کہا میں دُعا کرتا ہوں آپ آمین کہتے جائیں۔ جب آپؑ نے یہ دعا کی کہ آپ کی عمر پچانوے سال ہو تو بزرگ نے آمین کہنے سے انکار کردیا۔ آپؑ نے اصرار کیا لیکن وہ بزرگ نہ مانے۔ آپؑ بشدت اصرار کرتے رہے۔ آخر ان بزرگ نے آمین کہی اور ساتھ کہا ہم جب آمین کہتے ہیں تو ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ 1290 ہجری میں شروع ہوا گویا آپ کے زمانہ کا آغاز 1290 ہجری میں ہوا اور حضرت مثیل مسیح موعود علیہ السلام کا وصال 1385 ہجری میں ہوا اور یہ زمانہ 95 سال کا ہے۔

مثیل مسیح موعودؑ ہونے کے لحاظ سے آپؓ حضورؑ کے حُسن و احسان میں نظیر تھے۔ حضورؑ نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا کہ جس نے میرے اور میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان تفریق کی اُس نے میرے مقام کو شناخت نہیں کیا۔ یہ قول حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس قول کے مطابق ہے یدفن معی فی قبری یعنی مسیح موعودؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان کامل یگانگت ہے۔ خلاصہ یہ کہ مثیل مسیح موعود اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رنگ میں رنگین تھے۔ جیسے فرمایا:

محمدؐ میرے تن میں مثل جاں ہے یہ ہے مشہور جاں ہے تو جہاں ہے

اور پھر فرمایا:؎

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے
مرا دل اُس نے روشن کردیا ہے اندھیرے گھر کا میرے وہ دِیا ہے
مرا ہر ذرّہ ہو قربانِ احمد میرے دِل کا یہی اِک مدعا ہے
اِسی کے عشق میں نکلے مری جاں کہ یادِ یار میں بھی اِک مزا ہے
مجھے اِس بات پر ہے فخر محمود مرا معشوق محبوبِ خدا ہے

آپ کا خُلق، خُلق محمدیؐ کا ظل اور عکس تھا اس لئے بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ تھے اور اس لئے بھی کہ آپ مثیل مسیح

موعود ہونے کے لحاظ سے حضورؒ کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے تھے۔خلق محمدیؐ کے بعض پہلوؤں کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ○129 (سورۃ التوبہ:129)

یعنی بہت ہی شاق ہے اس ہمارے رسولؐ پر کہ تم لوگ کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔ یہ ہمارے رسولؐ تمہاری بھلائی اور بہتری کے حد درجہ خواہاں ہیں اور آرزومند ہیں اور ان کیلئے کوشاں رہتے ہیں اور مومنوں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت شفقت اور رحمت کا ہے۔اس خُلق کا وافر نمونہ ہم نے حضرت مثیلِ مسیح موعود میں دیکھا اور اس کے مورد رہے۔حضورؓ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق تھے۔اس شفقت کا سرچشمہ ہر وقت اور ہر کس کیلئے جاری تھا۔لیکن جن لوگوں نے تقسیم ملک کے دوران میں اور پھر 1953ء کے ہنگامے کے دوران میں حضورؓ کی بے چینی اور بے قراری کو دیکھا اور حضورؓ کی شفقت وغمخواری کا مشاہدہ کیا وہ اس چشمے کے جوش اور گہرائی کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔افراد کی بہتری اور بھلائی اور جماعت کی مضبوطی اور ترقی کا کوئی پہلو آپؓ کی نظر سے اوجھل نہ تھا اور یہ سب امور دن رات آپؓ کی توجہ کے جاذب رہتے تھے۔آپؓ کی شفقت اور رحمت کے سمندر کا کنارا نہیں تھا۔ایک طرف ان کا پیہم عملی اظہار اور دوسری طرف بارگاہِ ایزدی میں مسلسل فریاد اور التجا۔اگر دن کا اکثر حصہ خدمت اور ترقی اور بہبودی کی تدبیروں اور منصوبوں میں گذرتا تو رات کا اکثر حصہ دُعاؤں میں صرف ہوتا۔

جب حضورؓ کا وصال ہوا تو یہ عاجز کئی سمندر پار تھا اور آخری دیدار کی کوئی صورت میسر نہ آسکتی تھی ادھر اس علاقہ کی مخلص جماعتیں حد درجہ غم خواری اور تسلی کی محتاج تھیں۔دل بلبلاتا تھا لیکن دماغ کہتا تھا کہ تم بے شک لاڈلے مرید تھے۔باپ سے جدائی ہوئی تو تمہیں اس یقین سے تسکین اور ڈھارس ہوئی میں یتیم نہیں ہوں۔میرا نہایت شفیق باپ موجود ہے اور فوراً اس شفقت کا اظہار یہ ہوا کہ ڈلہوزی سے حضور کا تار آیا۔میری انتظار کرو میں اپنے ناظر اعلیٰ کا جنازہ خود پڑھاؤں گا۔ستمبر کا شروع تھا۔بارشوں سے پہاڑی راستے بند ہو رہے تھے۔قادیان کے نواح میں موٹر کا سفر دشوار تھا۔لیکن اندھیرے سویرے کیچڑ اور پانی میں سے گزرتے وہ سراپا شفقت آقا اپنے خادم کے لئے دُعائے مغفرت کیلئے پہنچا۔پھر اپنے قلم سے مزید مخلص نوازی کرتے ہوئے کتبے کی عبارت رقم فرمائی جس میں تحریر فرمایا کہ مرحوم کے اخلاص اور محبت کی یاد اب تک دل کو گرما دیتی ہے۔ماں سے مفارقت ہوئی تو تم نے پھر اسی یقین سے تسکین پائی کہ میرا آقا ماں سے بڑھ کر شفیق ہے۔تعزیت نامہ میں حضورؓ نے فرمایا چند دن پہلے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ظفر اللہ خان، عبداللہ خان، اسداللہ خان میرے سامنے چھوٹی عمر میں گھر کے بچوں کی طرح لیٹے ہوئے ہیں۔اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے بیٹے ہیں اور میں ان سے اسی طرح باتیں کر رہا ہوں جیسے گھر میں ماں باپ بچوں سے کرتے ہیں اور فرمایا اس میں ان کی والدہ کی وفات کی طرف اشارہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ایک ابوّۃ یا مامتا کو ہٹا لیتا ہے تو اس کی جگہ دوسری مہیا فرما دیتا ہے۔پھر اس مخلص خادمہ کے کتبہ کی عبارت بھی دستِ مبارک سے تحریر فرمائی اور اس میں رقم فرمایا مرحومہ صاحبہ رؤیا وکشوف تھیں۔رؤیا کی بناء پر ہی حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت اپنے خاوند سے پہلے کی اور پھر خلافتِ ثانیہ میں بھی رؤیا کی بناء پر اپنے خاوند سے پہلے بیعت کی۔غرباء پروری کی صفت سے متصف اور کلمۂ حق کے پہنچانے میں نڈر تھیں۔اب آج تم بے شک یتیم بھی ہو گئے اور باپ کی شفقت، ماں کی مامتا اور ماں باپ کی دُعاؤں سے محروم بھی ہو گئے۔تم جس قدر بلبلاؤ جائز ہے مگر اپنے رب کی طرف جھکو اور اسی کو اپنا مرہم وغمخوار بناؤ۔تم ہی آج یتیم نہیں ہوئے ایک جہان یتیم ہوا ہے۔تم اپنا غم دباؤ اور اپنے اردگرد کے یتیموں کی غم خواری کرو جن کی نظر میں تم بڑے بھائی ہو جس سے انہیں تسلی اور غمخواری

کی اُمید اور توقع ہے۔ تین دن تو میں جرائزفجی میں دل کو تھامے رہا۔ پھر دو ہفتے ایسے ممالک میں گزرے جہاں کوئی واقفِ راز نہ تھا۔ دل و دماغ نے آپس میں ایک توازن قائم کرلیا لیکن ابھی تک یہ خدشہ سالگا ہوا تھا کہ وطن پہنچنے پر دل کو قابو میں رکھنا آسان نہ ہوگا اور سچ تو یہ ہے کہ اسی خدشے کی وجہ سے میں نے سفر کے پروگرام کو مختصر بھی نہ کیا۔ چار دن کراچی میں بسر ہوئے۔ دو دن تو میں نے عمداً تفاصیل دریافت کرنے سے بھی گریز کیا۔ جو کچھ الفضل کے پرچوں سے معلوم ہوسکا اسی پر اکتفاء کیا۔ لاہور پہنچا تو یہاں بھی وہی حالت رہی اور کچھ حوصلہ ہونے لگا کہ اب ربوہ حاضر ہونے کے قابل ہو چکا ہوں۔ مرقدِ منوّر پر حاضر ہوکر دُعا کی اور اس مرحلے پر دل کو اس کے ضبط پر مار دی۔ جلسے پر میری تقریر پہلے دن تھی۔ یہ بھی ایک وقت امتحان تھا۔ اس پر زائد یہ کہ حضورؓ کی یادگار کے متعلق تحریک کرنے کا بھی ارشاد ہوا۔ یہ مرحلہ بھی مناسب ضبط سے ہی طے ہوگیا۔ اب اعتماد ہو چلا کہ جلسے کے باقی ایام میں بھی دماغ کی پاسبانی دل پر کامیاب رہے گی۔ آخری دن صبح کے اجلاس کی صدارت میرے سپرد تھی۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد ایک طالب علم نے بالکل سادگی کے ساتھ حضورؓ کی نظم سنائی جو اس شفقت کا، جو حضورؓ کو اپنے خدام پر تھی اور اس درد کا جو حضورؓ اپنے دل میں ان کیلئے رکھتے تھے اور جنہیں حضورؓ نے دُعائیہ الفاظ میں ظاہر کیا، مرقع تھی۔

مل جائے تم کو دین کی دولت خدا کرے — چمکے فلک پہ تارۂ قسمت خدا کرے
سن لے ندائے حق کو یہ اُمت خدا کرے — پکڑے بزور دامنِ ملّت خدا کرے
حاکم رہے دلوں پہ شریعت خدا کرے — حاصل ہو مصطفےٰؐ کی رفاقت خدا کرے
پھیلاؤ سب جہان میں قولِ رسولؐ کو — حاصل ہو شرق و غرب میں سطوت خدا کرے
پایاب ہو تمہارے لئے بحرِ معرفت! — کُھل جائے تم پہ رازِ حقیقت خدا کرے
ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ — ہر مُلک میں تمہاری حفاظت خدا کرے
قرآنِ پاک ہاتھ میں ہو دل میں نُور ہو — مل جائے مومنوں کی فراست خدا کرے
دجاّل کے پھیلائے ہوئے جال توڑ دو — حاصل ہو تم کو ایسی ذہانت خدا کرے
پرواز ہو تمہاری بُہ افلاک سے بلند — پیدا ہو بازوؤں میں وہ قوت خدا کرے
بطحا کی وادیوں سے جو نکلا تھا آفتاب — بڑھتا رہے وہ نُورِ نبوّت خدا کرے
قائم ہو پھر سے حُکمِ محمدؐ جہان میں — ضائع نہ ہو تمہاری یہ محنت خدا کرے

یہاں تک تو میں کرسیٔ صدارت سے نمناک آنکھوں اور دبی زبان میں آمین کہتا چلا گیا۔ جب اس نے یہ شعر پڑھا۔

تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہو تمہارے ساتھ — ہوں تم سے ایسے وقت میں رُخصت خدا کرے

تو دِل مچلا، دماغ کو کچھ غافل پاکر سرپٹ دوڑا اور آخری شعر:

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ — ملّت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

سنتے ہی بے قابو ہوگیا۔ میں نے بے تابی سے سر میز پر رکھ دیا اور ضبط کو خیر باد کہہ دیا آخر۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

بہت سے احباب نے ان ایاّم میں حضورؒ کے وصال اور تیسری خلافت کے قیام کے متعلق رؤیا دیکھے جو ہم سب کیلئے تسکین و اطمینان کا موجب ہوئے۔ان میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں۔حضورؒ کے وصال سے تین دن قبل ایک نیک خاتون نے جن کے میاں غالباً منٹگمری کے علاقہ میں سرکاری کام پر متعیّن ہیں، رؤیا میں دیکھا کہ یکا یک فضا تیز روشنی سے بھر گئی ہے اور پھر فوراً اندھیرا ہوگیا۔اس کے بعد پھر ویسی ہی تیز روشنی ہوگئی اور اس روشنی میں رسول مقبول ﷺ مع ایک زمرۂ انبیاء علیھم السلام کے تشریف لائے اور فرمایا ہم محمود کو لینے آئے ہیں۔ان نیک بی بی نے باادب عرض کی کہ یا حضور ہمارا تو جلسہ سالانہ ہونے والا ہے۔پھر ہمارے پاس کون ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا تمہارے پاس ناصر ہوگا۔یہ رؤیا انہوں نے اپنے میاں سے بیان کی اور کہا کہ فوراً ربوہ چلنا چاہیئے۔انہوں نے کہا انتظار کرلیں۔خاتون نے کہا انتظار کی گنجائش نہیں، میں تو ابھی جاتی ہوں۔چنانچہ یہ ربوہ چلی آئیں اور دو دن بعد حضورؒ کا وصال ہوگیا اور خلافت ثالثہ کا قیام عمل میں آیا۔ان کے میاں بھی پہنچ گئے اور دونوں بیعت کر کے واپس لوٹے۔اس سے پہلے ان کے میاں کچھ متردد تھے کہ کیا ہوگا۔جب ان کی بی بی کو معلوم ہوا کہ ان کے میاں نے بیعت کر لی ہے تو اطمینان سے بیٹھ گئیں۔اس وقت تک پریشانی میں دریافت کرتی رہیں کہ میاں نے ابھی بیعت کی ہے یا نہیں؟ خلافتِ ثالثہ کا قیام بھی اللہ تعالیٰ کا ایک روشن نشان ہے۔بہت طبائع پریشان تھیں کہ کیا ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور رحم سے اور خاص قدرت سے طبائع کا میلان ایک جانب کر دیا اور سب دلوں کو سکون اور اطمینان سے بھر دیا۔تمام شکوک اور شبہات کو دلوں سے دھو ڈالا اور اخلاص اور محبت کی لہریں ہر سمت بہہ نکلیں۔ایک بار پھر اس احکم الحاکمین نے اپنی قدرت کا واضح جلوہ دکھایا کہ میں موجود ہوں اور قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔سب گردنیں اطاعت میں جھک گئیں اور جماعت نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس کے دامن کے ساتھ اپنی وابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْل ۝

اطاعت اس کا نام ہے۔قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ سے آپ کو خصوصی تعلق تھا۔حضورؒ کے قیامِ لندن کے دوران جب حضورؒ بطور طالب علم آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل فرما رہے تھے، حضرت چوہدری صاحبؓ کو حضرت فضلِ عمرؓ نے اپنے صاحبزدگان کا نگران اور سرپرست مقرر فرمایا تھا۔اس کے بعد زندگی بھر حضورؒ سے خصوصی تعلق رہا۔امام جماعت احمدیہ کے رفیع الشان منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی حضورؒ کی خصوصی قربت کا شرف آپ کو حاصل رہا۔حتیٰ کہ قدرتِ ثانیہ کے دورِ ثالثہ کی پہلی بابرکت تحریک فضلِ عمر فاؤنڈیشن کا اعلان کرنے کی غیر معمولی سعادت بھی حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے آپ کی جھولی میں ڈال دی۔1978ء میں لندن میں کسر صلیب کانفرنس میں حضورؒ نے اپنے بارہ حواریوں کا اعلان فرمایا۔ان میں حضرت چوہدری صاحبؓ کو بھی حضورؒ نے نمایاں طور پر شامل فرمایا۔ راقم خاکسار کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس بابرکت گروہ میں شامل ہوا۔قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثالث کے ساتھ اطاعت و وفاداری کا ایسا تعلق تھا جو ہر امام جماعتِ احمدیہ کے ساتھ آپ کی کامل وفاداری اور اطاعت کی اعلیٰ مثال ہے۔یہ آپ کی عادت کا حصہ تھا کہ جب بھی امامِ وقت کی طرف سے کوئی حکم موصول ہوتا آپ اس کی فوری تعمیل کرتے۔کئی دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے حکم موصول ہوتا کہ فلاں مضمون کا انگریزی ترجمہ کر دیں یا فلاں صاحب کو خط لکھیں تو آپ حکم ملتے ہی کاغذ قلم لیکر بیٹھ جاتے اور اسی وقت تعمیل ارشاد شروع

کر دیتے۔دوایک دفعہ میں نے حضورؒ کا پیغام دینے کے بعد عرض کیا کہ کل صبح اس کا ترجمہ شروع کر دیں تو فرمایا نہیں! کام ابھی شروع کر دیتے ہیں خواہ ختم کل ہی ہو۔

ایک مرتبہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ انگلستان کے دورہ پر مشن ہاؤس لندن میں رونق افروز تھے۔آپ نے رات کے دس بجے خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ اگر چوہدری صاحب جاگ رہے ہوں تو انہیں بلاؤ لیکن اگر سوئے ہوئے ہوں تو ہرگز انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ میں دبے پاؤں حضرت چوہدری صاحبؓ کے فلیٹ میں گیا۔ ہماری اور چوہدری صاحبؓ کی آپس میں یہ انڈرسٹینڈنگ تھی کہ حضرت چوہدری صاحبؓ اپنے سونے کے کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا کریں گے۔آپؓ ہمیشہ اس کی پابندی کرتے تھے۔چنانچہ میں آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا کہ دیکھوں چوہدری صاحبؓ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔دیکھا کہ آپ سو رہے تھے۔میں واپس مُڑنے کو ہی تھا کہ آہٹ سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی آنکھ کُھل گئی۔آپ نے پوچھا کیسے آئے ہو۔میں نے عرض کیا کہ حضورؒ کا ارشاد ہے کہ اگر آپ سو رہے ہوں تو آپ کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔اس لئے میں جا کر عرض کر دُوں گا کہ آپ بستر پر تشریف لے جا چکے ہیں۔میری بات سنتے ہی آپ تیزی سے بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے جلدی جلدی ڈریسنگ گاؤن پہننے لگے اور فرمایا کہ اگر حضورؒ نے یاد فرمایا ہے تو پھر سونے کا کیا سوال۔میں نے دوبارہ عرض کرنے کی کوشش کی مگر آپ میری بات کی طرف توجہ دینے سے کاملاً بے نیاز ہو چکے تھے۔چنانچہ فوری طور پر حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے بھی آپ نے خصوصی عقیدت کا تعلق برقرار رکھا۔امام جماعتِ احمدیہ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد جب بھی آپ کا ذکر آیا۔بڑی محبت سے ذکر کیا۔اکثر مسائل کے بارے میں حضور کو لکھا کرتے تھے۔حضور کے امام جماعت احمدیہ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ایک بار مجھے کہا کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے اس منصبِ جلیلہ پر فائز کرنے کے بعد آپ کو کس قدر تبحّرِ علمی عطا کر دیا ہے کہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو آپ یوں حل کرتے چلے جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی مشکل تھی ہی نہیں پھر حضور کی انگریزی زبان کی قابلیت انگریزی زبان بولنے میں حضور کی مہارت اور روانی کا بالخصوص تذکرہ فرمایا۔

طویل زندگی کا راز

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی طویل زندگی کا راز کیا ہے تو میں بلا تامل قرآن کریم کی یہ آیت پیش کروں گا:

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۝ؕ (سورۃ الرعد:18) ترجمہ: جو زیادہ نافع الناس ہوتا ہے وہ دُنیا میں زیادہ عرصہ رہتا ہے۔حضرت چوہدری صاحبؓ اس آیت کی صداقت کا زندہ ثبوت تھے۔آپ نے اپنی زندگی میں خدمتِ خلق کی وہ اعلیٰ ترین مثال قائم کی جو آپ کی سخت احتیاط کی وجہ سے عام لوگوں کے علم میں نہ آسکی۔میں نے جو دس سال کا عرصہ حضرت چوہدری صاحبؓ کو قریب سے دیکھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ہزاروں روپے کی ماہوار آمد میں سے صرف چند سو روپے اپنے لئے رکھتے۔باقی رقم یا تو جماعتی چندوں میں چلی جاتی تھی یا غرباء اور مستحقین کی امداد میں خرچ ہوتی تھی۔مختلف اوقات میں آپ اندازاً تیس سے پچاس ہزار روپے سالانہ بطور وظائف دیا کرتے تھے۔یہ ہزاروں روپے آپ کس طرح مہیا فرماتے تھے یہ داستان بڑی دلچسپ بڑی دل گداز اور بڑی ہی ایمان افروز ہے اور ہزاروں لاکھوں روپے کی آمدن رکھنے والوں کیلئے نصیحت وعبرت کا ایک ایسا باب ہے جس کی آب وتاب قیامت تک کم نہ ہوگی۔ذرا سُنئے! حضرت چوہدری صاحبؓ اپنی

روزمرّہ زندگی میں کس قدر مشقت اور تکلیف اُٹھا کر مستحقین کے دُکھوں کو دُور اور ان کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتے تھے۔اس کا راز آپ کی حد تک پہنچی ہوئی کفایت شعاری میں تھا۔ایک دفعہ آپ فرمانے لگے کہ میں اگر کفایت شعاری سے کام لیتا ہوں تو اس لئے نہیں کہ مجھے عام امراء کی طرح مال جمع کرنے کا شوق ہے بلکہ اس لئے کہ تا میں ان اموال کو راہِ خدا میں بے دھڑک خرچ کر سکوں۔آپ ایک کروڑ پتی امریکن کا یہ واقعہ بار بار سنایا کرتے کہ ایک دفعہ اسے دو خواتین نے فون کیا اور اسے رفاہِ عامہ کے ایک کام کے سلسلہ میں مالی تعاون کی تحریک کی۔کروڑ پتی شخص نے اُن دونوں خواتین کو وقت دیا اور تاکید کی کہ میرا وقت قیمتی ہے اس لئے وقت پر آنا اور میں اس ملاقات کیلئے تم کو صرف دس منٹ دے سکتا ہوں۔یہ دونوں خواتین عین وقت پر حاضر ہو گئیں۔اس کروڑ پتی نے جونہی ان خواتین کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو فوراً اپنے دفتر کی ایک کے سوا باقی سب بتیاں گُل کر دیں۔ان خواتین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا کہ جو شخص اس قدر کنجوس ہے وہ ہمیں کیا دے گا۔اس نے تو چند منٹ کی ملاقات کیلئے بتیاں بجھا دی ہیں کہ خرچ زیادہ نہ ہو۔کروڑ پتی دونوں خواتین کے انداز کو بھانپ گیا۔لیکن خاموش رہا۔خواتین نے جب مالی تعاون کی تحریک کی تو کروڑ پتی نے ایک خطیر رقم کا چیک کاٹ کر ان کے حوالے کر دیا۔یہ رقم ان دونوں خواتین کے اندازہ سے اس قدر زیادہ تھی کہ دونوں ہکّا بکّا رہ گئیں اور سراپا سپاس تشکر بن گئیں۔جب یہ خواتین اُٹھنے لگیں تو کروڑ پتی نے ان کو بیٹھنے کو کہا اور پوچھا کہ آپ نے میرے بتیاں بجھانے پر کیا سوچا تھا۔دونوں خواتین پہلے تو جھجکیں پھر صاف صاف بتایا کہ آپ کی اس حد درجہ کفایت شعاری کو دیکھ کر ہمیں آپ سے کوئی اُمید نہ رہی تھی اور ہم آپ کو کوئی کنجوس آدمی خیال کر بیٹھی تھیں۔کروڑ پتی نے کہا دیکھو اسی طرح روشنیاں بُجھاتے بُجھاتے میں اِس قابل ہوا ہوں کہ تمہیں اتنا بڑا چیک خیرات کے طور پر دے سکوں۔اگر میں اپنے اموال کو اس طرح نہ بچاتا تو یہ رقم جو میں نے تم کو دی ہے یہ میری ذاتی ضروریات کی نذر ہو جاتی اور میں آج خیراتی کاموں میں حصہّ لینے سے محروم رہ جاتا۔حضرت چوہدری صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بھی اس کروڑ پتی سے یہ سبق سیکھا کہ قربانیوں اور صدقہ وخیرات کی توفیق تبھی مل سکتی ہے جب ہم کفایت شعاری کی عادت پیدا کریں۔

اپنی ذات پر ظلم دوسروں کی مدد۔ حضرت چوہدری صاحبؓ دوسروں کی مدد کرنے کیلئے اپنی ذات پر کس کس رنگ میں ظلم کرتے تھے اس کی بے شمار مثالیں میں نے آپ کے قریب رہ کر نوٹ کیں۔ایک دفعہ جب آپ امریکہ تشریف لے جا رہے تھے تو میں نے آپ سے عرض کی کہ ایک کمپنی ARROW کی بنی ہوئی دو قمیضیں جن کی قیمت دس پونڈ فی قمیض تھی میرے لئے لیتے آئیں۔فرمایا میں تو اپنے دوستوں کیلئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ فضول خرچی کریں۔دس پونڈ میں تو کم از کم چار قمیضیں آنی چاہئیں۔میں نے عرض کیا چوہدری صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں ڈھائی پونڈ کی ایک قمیض کہاں سے ملے گی۔فرمانے لگے امام صاحب! میں تو سالہا سال سے اسی قیمت کی قمیض امریکہ سے خریدتا ہوں اور پہنتا ہوں، مجھے تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ تم نے سستی قمیض پہن رکھی ہے۔اس لئے اگر تو میری طرح کی سستی قمیض پسند ہو تو میں لیتا آؤں گا لیکن اس سے مہنگی قمیض میں نہیں لاؤں گا۔میں نہیں چاہتا کہ آپ فضول خرچی کریں۔اب میں پھنس چکا تھا۔پیسے واپس مانگتا تو ناراضگی کا خدشہ تھا۔لہٰذا نیم دلی سے کہا آپ جو چاہیں قمیض میرے لئے لے آئیں۔ایک دفعہ میں آپ کے غسلخانے میں گیا تو میں نے وہاں پر ایک عجیب قسم کا صابن دیکھا۔اس صابن کی کئی تہیں تھیں۔میں نے پوچھا یہ عجیب قسم کا صابن آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟ مسکرا کر فرمانے لگے جب صابن استعمال

کرتے کرتے باریک سارہ جاتا ہے اور مزید استعمال کرنا مشکل ہوجاتا ہے تو میں نئے صابن کے ساتھ اس کو جوڑ دیتا ہوں اس طرح بہت سے صابن جُڑتے جُڑتے یہ شکل بن گئی ہے۔آپ کی اس حد درجہ بڑھی ہوئی کفایت شعاری کے موضوع پر میری ان سے ایک دفعہ گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا چوہدری صاحب کفایت شعاری بجا! لیکن یہ معمولی دوڈھائی پونڈ کی بچت سے کیا بن جاتا ہے۔فرمانے لگے تم جانتے ہو یہ ڈھائی پونڈ پاکستان پہنچ کر کتنی رقم بن جاتی ہیں؟ میں نے سوچا یہ ساٹھ ستر روپے کے لگ بھگ بن جاتے ہیں۔فرمانے لگے جانتے ہو اس رقم سے ایک غریب خاندان کا بچہ پاکستان میں ایک ماہ پڑھائی جاری رکھ سکتا ہے۔میرے ذرا سی تکلیف اُٹھانے سے پاکستان میں کسی غریب بچے کا مستقبل سنور جائے تو مجھے اور کیا چاہیئے! اور زندگی میں عام آسائشیں حاصل نہ کرنے سے ایک اور بڑا اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کا نفس اس کے تابع رہتا ہے اور دُنیا میں کچھ کر گذرنے اور خصوصًا خدمتِ دین کے معاملے میں اس کی راہ میں روکاوٹ نہیں بنتا۔

قصہ جُوتے کی خریدکا۔ ایک بار آپ نے ایک جوتا خریدنا تھا۔آپ کسی کو ساتھ لے کر جوتا خریدنے نکلے۔آپ کے ساتھی نے آپ کو اعلیٰ اور قیمتی جوتے دکھائے مگر آپ ردّ فرماتے رہے۔آپ کو اپنی مرضی کا سستا جوتا نہ مل سکا۔آخر واپس آگئے۔اس شخص نے تنگ آکر کہا چوہدری صاحب! آپ اپنی پوزیشن کو بھی دیکھا کریں، جتنا سستا جوتا آپ چاہتے ہیں اس کو دیکھ کر لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ آپ نے فرمایا ''جو شخص مجھے جانتا ہے کہ میرا نام ظفر اللہ ہے اس کی نظر کبھی میرے جوتے پر نہیں جائے گی اور جو شخص نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اس کو میں قیمتی جوتا پہن کر یہ نہیں بتانا چاہتا کہ میرا نام ظفر اللہ ہے''۔اس شخص نے ہار کر کہا چوہدری صاحب آپ اپنی عمر کو بھی تو دیکھیں اس عمر میں آپ کو نرم اور آرام دہ جوتا چاہیئے۔فرمانے لگے مجھے تو کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میرے پیر کو بے آرامی محسوس ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنے پاؤں کو نرم جوتے کا عادی ہی نہیں بنایا۔اور آپ جتنا مہنگا جوتا میرے لئے تجویز کر رہے ہیں اس رقم کو بچا کر تو پاکستان میں کئی طالب علموں کی پڑھائی کا خرچہ پورا ہوسکتا ہے۔میں کبھی سوچتا ہوں تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں کہ کسی ان دیکھے طالب علم، کسی ناواقف اور انجان بیوہ یا مستحق کیلئے آپ کے دل میں کس قدر درد تھا اور آپ اپنے آرام کا ایک ایک لمحہ ان کیلئے کس کس طرح مسلسل قربان کرتے رہتے تھے۔دُنیا کی تاریخ میں ایسی کتنی ہستیاں پیدا ہوئی ہوں گی؟ ایسی ہستی بھلا اب کب پیدا ہوگی؟

کفایت اور دریادِلی پہلو بہ پہلو۔ شاید کوئی پڑھنے والا سوچے کہ جس طرح حضرت چوہدری صاحبؓ خود کفایت کی زندگی گزارتے تھے اسی طرح کفایت سے وظائف بھی دیتے ہوں گے۔تو اس کفایت شعاری کے مقابلے پر انتہائی دریادلی کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔آپ نے مستحقین کی امداد کیلئے جو ٹرسٹ قائم کیا تھا، میں لندن میں اس کا نائب چیئرمین تھا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے ٹرسٹ کو آزادی دی ہوئی تھی کہ وہ مستحقین کی درخواستیں وصول کر کے ان کو از خود وظائف جاری کر دیا کرے۔کبھی کبھار حضرت چوہدری صاحبؓ خود بھی اس کے اجلاس میں تشریف لایا کرتے تھے اور آپ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ ایک طرف سر جھکائے خاموشی سے بیٹھے رہتے۔کبھی یہ ہوتا کہ کسی طالب علم کی درخواست پیش ہوتی کہ اسے انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے دوسو پونڈ ماہانہ وظیفے کی ضرورت ہے۔ہم لوگ اس پر غور کرتے کہ یہاں کی یونیورسٹیاں طالب علموں کو 1200 پونڈ سالانہ وظیفہ دیتی ہیں اور یہ وظیفہ طالب علم کی ضرورت کیلئے بہت کافی ہے۔اس لئے دوسو پونڈ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔جب ہماری گفتگو نقطۂ عروج پر پہنچتی تو حضرت چوہدری صاحبؓ ہلکی سی آواز میں مداخلت فرماتے'' دے دو اسے ضرورت ہوگی۔شاید

کوئی اورضرورت ہو‘‘۔اس موقع پر ہم بے بس ہوجاتے اور اسی لئے ہماری یہ کوشش ہوتی کہ آپ ان اجلاسات میں شریک نہ ہی ہوں تو بہتر ہے۔آپ کا قائم کردہ ٹرسٹ ضرورت مندوں کوقرضے بھی دیتا تھا۔برطانیہ میں بہت سے لوگوں نے اس ٹرسٹ سے قرضے لیکر اپنے مکان بنائے ہیں۔لیکن جب یہ لوگ مکان بنا لیتے اور اس قابل بھی ہوجاتے کہ قرض واپس کرسکیں تب بھی بعض لوگ قرض کی واپسی میں لیت ولعل کرتے ۔اس پر حضرت چوہدری صاحبؓ افسوس کا اظہار کرتے کہ اگر یہ قرض واپس کردیں تو کتنے ہی اورضرورت مندوں کی امداد ہوجائے۔اس کفایت کی اورمثالیں سنیں۔کھانے میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ عالمی عدالتِ انصاف میں ہیگ میں بطور جج مقیم تھےتو آپ عموماً جمعہ کے دن ہیگ سے لندن تشریف لاتے اورسوموار کی صبح کودس بجے کےقریب ہیگ پرواز کرجاتے۔سوموار کی صبح کوناشتہ پر جوٹوسٹ اورانڈہ بچ جاتا اسے پیک کرکے ساتھ لے جاتے اورفرمایا کرتے کہ چونکہ میں ہیگ ایئرپورٹ سے سیدھا کورٹ چلا جاتا ہوں اس لئے دوپہر کے کھانے کیلئے یہ ٹوسٹ اورایک گلاس دُودھ کفایت کرجاتا ہے میں اصرار کرتا کہ باقاعدہ لنچ پیک کرکے ساتھ دیتا ہوں لیکن آپ نہ مانتے اورفرماتے کہ کھانے میں تکلّف مجھے پسند نہیں ہے۔

کھانے کی عادات۔کھانے میں شہد آپ کو بہت پسند تھا۔آپ کے دوستوں اور جاننے والوں کواس کا علم تھا چنانچہ دُور دُور سے مختلف قسم کے پھولوں سے کشید کردہ شہد آپ کوتحفۃً بھجوایا کرتے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ شہد میں قدرتی مٹھاس موجود ہے اور حالانکہ میں شوگر کا مریض ہوں مجھے اس نے کبھی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ قرآن کریم کی سچائی کی دلیل ہے کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے:

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۝ (النحل:70)اس میں دُنیا بھر کے انسانوں کیلئے شفا موجود ہے۔

آپ کے کھانے کی عادات نہایت سادہ تھیں،کھانے میں کبھی تکلّف نہیں کرتے تھے۔جوبھی سامنے رکھ دیتے کھا لیا کرتے تھے۔مجھے متواتر دس سال تک آپ کی خدمت کی توفیق ملی۔آپ روزانہ دوپہر اورشام کا کھانا خاکسار کے ساتھ تناول فرماتے۔ایک عرصہ تک ناشتہ بھی اکٹھا ہوتا تھا مگر بعد میں آپ نے اپنی آسانی کے خیال سے ناشتہ علیحدہ کرلیا۔ان دس سالوں میں ایک بار بھی کھانے میں کوئی نقص نہیں نکالا۔سبزیوں میں اروی بہت رغبت سے کھاتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار مجھے ایک حادثہ پیش آگیا جس کے نتیجے میں میں بے ہوش ہوگیا۔ہوش آنے پر مجھے کھانے میں اروی دی گئی۔بس اب اسی دن سے مجھے اروی سے رغبت پیدا ہوگئی۔آپ کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے۔ایک دفعہ فرمانے لگے کہ صوفیاء نے جولکھا ہے کہ روحانیت کیلئے کم کھانا کم سونا اورکم بولنا ضروری ہے تو میں کم کھانے اورکم سونے پر توعمل کرتا ہوں البتہ کم بولنے پر ابھی میں عمل نہیں کرسکا۔

طلسماتی یادداشت کے معجزے۔حضرت چوہدری صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے جن غیر معمولی انعامات وافضال سے نوازا تھا ان میں ایک نمایاں ترین بات آپ کی غیر معمولی یادداشت تھی۔اس کے بارے میں صرف غیر معمولی کا لفظ تو ہرگز مناسب نہیں۔آپ یادداشت کے معاملے میں طلسماتی اور مافوق البشر خصوصیات کے مالک تھے۔درحقیقت یہ آپ کی زندگی کا ایک غیر معمولی پہلو ہے جو غیر معمولی تحقیق اورریسرچ کا متقاضی تھا۔اس بارے میں جتنی باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلے سے بڑھ کر حیرت میں مبتلا کردیتی ہیں اور بے ساختہ قائداعظم کی اس بات پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ:’’ظفراللہ خان کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے۔‘‘(مسلم آواز کراچی جون 1952ء بحوالہ الفضل 22جون 1952ء)

یوروپ میں گھر گھر میں ٹیلیفون موجود ہے۔ ہر گھر میں اہم ٹیلیفون نمبر کسی جگہ لکھ کر رکھے جاتے ہیں۔مصروف لوگ اور ایسے لوگ جن کا حلقہ احباب بہت وسیع ہوتا ہے وہ ہر وقت اپنے پاس ضروری ٹیلیفون نمبروں کی مختصر ڈائریکٹری رکھتے ہیں لیکن حضرت چوہدری صاحب ؓ نے جن کا حلقہ احباب سینکڑوں یا ہزاروں احباب تک وسیع تھا کبھی کسی کا ٹیلیفون نمبر نوٹ نہیں کیا۔ یہ سارے ٹیلیفون نمبر آپ کے ذہن کے کمپیوٹر میں محفوظ رہتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے کسی جاننے والے کا ٹیلیفون نمبر کسی دوسرے سے پوچھا ہو۔لوگ ملنے آتے ،آپ ان کا ٹیلیفون نمبر پوچھتے ۔ ملنے والا خیال کرتا کہ آپ نمبر نوٹ کریں گے لیکن آپ یہ نمبر چند بار دہراتے اور بس پھر یہ آپ کی طلسماتی یادداشت کا حصہ بن جاتا۔ یوروپ میں ٹیلیفون نمبر بھی بڑے طویل ہوتے ہیں لیکن آپ کی بے خطا یاداشت کو کبھی نمبر یاد کرنے میں دشواری پیش نہ آئی۔ایک دفعہ آپ خاکسار کے ساتھ سفر میں تھے۔گفتگو کا رُخ کسی ایسی سمت میں مُڑ گیا کہ حضرت چوہدری صاحب ؓ نے فارسی اور اُردو کے اشعار سنانے شروع کئے اور عالم یہ تھا کہ ایک کے بعد دوسرا شعر روانی سے ادا ہو رہا تھا۔اس حد تک تو شاید لوگ کسی کی ہمسری کا دعویٰ کر سکیں لیکن حیران کُن بات میں آگے بتاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب! آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوتِ حافظہ سے نوازا ہے کہ آپ کو اتنے بے شمار شعر یاد ہیں۔فرمانے لگے اگر ہم جس راستے سے واپس آئے ہیں اسی راستے سے واپس روانہ ہوں تو میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ کس موڑ پر اور کس جگہ میں نے کون سا شعر آپ کو سنایا تھا۔ میں حیرت واستعجاب کے سمندر میں غرق آپ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

آپ کی خودنوشت سوانح عمری کا پہلا ایڈیشن 1971ء میں شائع ہوا۔ جب آپ نے اپنی کتاب کا ضخیم مسودہ لکھا تو ازراہِ شفقت مجھے دیا کہ میں اسے پڑھ کر اپنی رائے دُوں۔ میری کیا بساط تھی کہ آپ کی اس تاریخی تحریر پر اپنی رائے دیتا تاہم میں نے ادب سے اتنا عرض کیا کہ آپ نے یہ سارے واقعات جن میں سے بعض ساٹھ ستّر سال پرانے ہیں صرف اپنی یادداشت کے سہارے لکھے ہیں۔ ان میں جابجا معین تاریخیں،سن اور وقت بھی لکھا ہے اگر ان کی کسی طرح سے پڑتال ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضرت چوہدری صاحب ؓ نے فرمایا نہیں! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنی یادداشت پر پورا اعتماد ہے۔ میں نے اس پر اصرار کیا تو فرمانے لگے اچھا یوں کریں کہ ایک دو واقعات بطور ٹیسٹ نکال لیں اور ان کی پڑتال کریں۔ چنانچہ میں نے ایک مشہور شخصیت سے آپ کی ملاقات کے حصے کو اس مقصد کیلئے چُنا۔اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اس اہم شخصیت سے آپ کی ملاقات کا ذکر ممکن ہے اخبار میں سے نکل آئے۔ وہ شخصیت کوئی سربراہِ مملکت تو نہیں تھی لیکن اہم شخصیت تھی۔ اس ملاقات کے ذکر میں حضرت چوہدری صاحب ؓ نے یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ اس وقت ہلکی ہلکی بونداباندی ہو رہی تھی اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ مجھے اُمید تھی کہ اس روز کی موسم کی خبر میں اس کا پتہ بھی چل جائے گا۔ چنانچہ میں نے بڑی کوشش کر کے سالہا سال پرانے اخبارات کے فائل نکلوائے اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ مجھے اس روز کی خبروں میں چوہدری صاحب کی ملاقات کی تفصیلات کے علاوہ موسم کی خبر سے یہ پتہ بھی لگ گیا کہ اس ملاقات کے وقت بوندا بوندی ہو رہی تھی۔ آپ کی طلسماتی یادداشت کی لفظ بلفظ تصدیق سے میں دنگ رہ گیا اور باقی واقعات کی پڑتال کا خیال دل سے نکال دیا۔ اپنی تصانیف کیلئے آپ بہت کم حوالہ جات کی تلاش کرواتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر حوالے آپ کو زبانی یاد ہوتے تھے۔

جن کی خاطر خدا اپنی تقدیریں بدل دیتا ہے۔ حضرت چوہدری صاحب ؓ ان خدارسیدہ لوگوں میں شامل تھے جن کی دُعاؤں کے تیر کبھی خطا

نہیں جاتے۔جن کی خاطر خدا تعالیٰ اپنی تقدیریں بھی ٹال دیتا ہے۔جب آپ سے دُعا کیلئے کہا جاتا تو آپ فوراً باالتزام دُعا شروع کر دیتے اور فرمایا کرتے۔بارہایوں بھی ہوا کہ کسی نے مجھے کہا کہ میرے ہاں زچگی متوقع ہے دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے لڑکے سے نوازے۔میں دُعا میں لگ جاتا ہوں اور عرصہ بعد جب اسی شخص سے پوچھتا ہوں کہ بھئی میں تمہارے لئے دُعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لڑکا دے تو وہ شخص جواب دیتا کہ میرے ہاں تو لڑکا پیدا ہوئے اب ایک سال ہونے کو ہے۔اس لئے اکثر فرمایا کرتے کہ جو بھی مجھے دُعا کے لئے کہے اسے چاہیئے کہ حصولِ مقصد کے بعد مجھے بھی مطلع کر دیا کرے۔آپ کی دُعائیں کسی خاص فرد یا مقصد تک محدود نہیں تھیں بلکہ سارا عالم آپ کی دُعاؤں سے مستفید ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب امریکن خلا باز خلا میں گئے تو فرمایا کہ جس دن انہوں نے اُترنا تھا اس دن میں سارا دن ان کی بخیریت زمین پر واپسی کیلئے دعا کرتا رہا اور اگرچہ میں اپنے کام میں لگا ہوا تھا لیکن دل کی کیفیت ان کیلئے مجسم دُعا تھی اور جب ان کے اُترنے کی اطلاع ملی تو دل حمدِ الٰہی سے بھر گیا۔فرمایا کرتے تھے لوگ دُعا تو کرتے ہیں لیکن دُعا کیلئے جو شرائط ہیں ان پر عمل نہیں کرتے۔اس لئے قبولیت دُعا سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ اپنے ایک بزرگ کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ان کی دعائیں بہت قبول ہوتی تھیں۔قبولیت دُعا کا راز دریافت کرنے پر ان بزرگ نے فرمایا کہ میں دُعا کیلئے اندھیری کوٹھڑی میں چلا جاتا ہوں، دروازہ بند کر لیتا ہوں اور اللہ میاں کو جپھی ڈال لیتا ہوں کہ جب تک میری دُعا کو قبول نہیں کرو گے میں نہیں چھوڑوں گا۔حضرت چوہدری صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ دُعا تبھی پایہ قبولیت کو پہنچتی ہے جب انسان اپنے اُوپر یہی کیفیت طاری کرے اور آستانہ الٰہی سے اس وقت تک چمٹا رہے جب تک قبولیت دُعا کا نشان نہ دیکھ لے۔

افغان نمائندہ آپ کی دُعاؤں کے تیر کا شکار ہوگیا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ اپنی قبولیت دُعا کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے۔ایک اہم دُعا جس کی قبولیت کا آپ نے مجھ سے بھی ذکر کیا یوں ہے۔فرمایا کہ جب میں اقوام متحدہ کے سترھویں سیشن کا صدر منتخب ہوا تو میرے دل میں اس بات پر تشویش پیدا ہوئی کہ میں نے تو اسمبلی کے قواعد وضوابط کا مطالعہ بھی نہیں کیا جبکہ افغانستان کے سفیر متعینہ اقوام متحدہ دن میں کئی کئی بار پوائنٹ آف آرڈر اُٹھانے میں مشہور تھے اور بار بار صدر کو قواعد کی طرف متوجہ کر کے ان کو آگے نہیں چلنے دیتے تھے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا میں نے بڑی تضرع سے اپنے مولیٰ سے دُعا کی خدایا ایسے معاملات میں اپنی قدرت کا جلوہ دکھا کر میری مدد فرما۔حضرت چوہدری صاحبؓ بعد میں بہت جذباتی انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے مولیٰ نے میری تضرعات کو یوں شرفِ قبولیت بخشا کہ میری صدارت کے دوران ایک سال کے عرصہ میں ایک بھی پوائنٹ آف آرڈر نہیں اُٹھایا گیا اور یوں یہ سیشن اس لحاظ سے بھی ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔

عبادت رُوح کی غذا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ صحیح معنوں میں ایک عارف باللہ وجود تھے عبادت آپ کی رُوح کی غذا تھی۔اعلیٰ ترین سطحوں کے اجتماعات، میٹنگز ملاقاتوں میں کبھی آپ نے نماز قضاء نہیں ہونے دی۔تہجد کی نماز نہ معلوم کتنے سال کی عمر میں شروع کی تھی کہ دیکھنے اور جاننے والوں نے ہمیشہ آپ کو تہجد کا پابند پایا۔پانچ وقت نماز باجماعت کی پابندی مرتے دم تک قائم رکھی۔میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ انگلستان میں جب گرمیوں کے موسم میں دن بہت لمبے اور راتیں بہت چھوٹی یعنی محض چند گھنٹوں کی ہوتی ہیں تب بھی آپ نے نمازِ تہجد اور نماز فجر کی بروقت ادائیگی کا التزام رکھا۔آپ کا قیام لندن مشن کے ایک فلیٹ میں تھا جو تیسری منزل پر تھا اور اس میں لفٹ بھی نہ تھی۔آپ ہر نماز کے لئے تشریف لاتے اور باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے اتنی ساری سیڑھیاں چڑھتے اور اُترتے۔نماز جمعہ کے لئے اوّل وقت تشریف لے آتے اور ہمیشہ پہلی

صف میں تشریف فرما ہوتے۔

ذکر الٰہی اور تسبیح وتحمید کے لئے یوں تو آپ کا ہر لحہ وقف تھا لیکن بطور خاص روزانہ دو میل کی سیر کے دوران درود شریف اور تسبیحات کا ورد فرماتے۔اس لئے سیر کے دوران کسی کی معّیت پسند نہیں فرماتے تھے۔آپ کی کیفیت صحیح معنوں میں 'دست در کار دل با یار' کی ہوا کرتی تھی۔

ظفراللہ! تیری حیثیت۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنے نفس کو اپنا اس قدر مطیع کیا ہوا تھا کہ یہ کیفیت صحیح معنوں میں اپنی مثال آپ ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی تربیت کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہوں اور بسا اوقات میں اکیلے میں اپنے نفس کو خوب جھاڑتا ہوں کہ دیکھ تجھ میں یہ کمزوریاں ہیں انہیں دُور کرنے کی طرف توجہ دے۔ایسا کرنے سے میری طبیعت اس بات کی طرف شدّت سے مائل ہو جاتی ہے کہ میں اپنی کمزوریوں کی اصلاح کرسکوں۔اسی بات نے آپ کو انکساری اور تواضع میں ایک خاص مقام پر پہنچادیا۔آپ اپنے نفس کیلئے اتنے سخت الفاظ استعمال فرماتے کہ اب آپ کی وفات کے بعد دل بھی نہیں چاہتا کہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کیا جائے مگر حضرت چوہدری صاحبؓ کی عظمت کی بلندیوں کا صحیح اظہار کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ سخت ترین الفاظ بھی بجنسہ درج کئے جائیں۔یہ واقعہ ملاحظہ فرمایئے: ایک مرتبہ یورپ کے ایک صاحب نے آپ کو خط لکھا اور اس بات پر شکوہ کیا کہ آپ اِن کے مُلک تشریف نہیں لے جاتے۔خط کے آخر میں ان صاحب نے اپنی نادانی میں یہ لکھ دیا کہ شاید آپ اس وجہ سے ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے کہ آپ بڑے آدمی ہیں اور ہم کم حیثیت کے ہیں وغیرہ۔حضرت چوہدری صاحبؓ کو خط کے اس آخری فقرے سے سخت تکلیف ہوئی۔اگلے دن آپ نے ان صاحب کے نام ایک خط لکھ کر پوسٹ کرنے کو دیا اور فرمایا بے شک آپ اسے پڑھ بھی لیں۔خاکسار نے خط پڑھا اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یہ خط پڑھ کر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔آج بھی اس خط کے مضمون کے تصوّر سے میرے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔چوہدری صاحب نے ان کے پاس نہ جانے کی معذرت کرنے کے بعد تحریر فرمایا جب میں آپ کے خط کے اس فقرے پر پہنچا کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہوں تو میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ ظفراللہ خان تم اپنے نفس کو اچھی طرح ٹٹول کر جواب دو کہ تمہاری حیثیت کیا ہے۔چنانچہ میں نے اس وقت خط کا جواب فوری طور پر دینا ملتوی کر دیا اور اس سوال پر پورا ایک دن اور ایک رات غور کرتا رہا اور خط کا جواب دینے سے رُکا رہا۔اب میں آپ کے اس سوال کا جواب دے رہا ہوں جبکہ میرے نفس نے مجھے جواب دیا ہے کہ میری حیثیت درحقیقت کیا ہے۔اور وہ جواب یہ ہے کہ میرے نفس نے مجھے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ظفراللہ خان تیری حیثیت ایک مرے ہوئے کُتّے سے بھی بدتر ہے۔تم میں کوئی بڑائی نہیں جو کچھ تمہیں ملا ہے وہ محض فضلِ خداوندی ہے۔وغیرہ۔

میں پسینے پسینے ہو رہا تھا۔حضرت چوہدری صاحبؓ کی پاکیزہ زندگی ایسے ایسے حیران کن اور دلوں کو مُٹھی میں لے لینے والے واقعات پر مشتمل ہے کہ میں سناتا جاؤں اور آپ سنتے جائیں۔نہ میں تھکوں نہ آپ کو تھکن کا احساس ہو۔یہ داستان رُوح پرور اور ایمان افروز واقعات کا ایسا مجموعہ ہے جس کی لذّت میں کبھی بھی فرق نہیں آسکتا۔مجھے ایک اور واقعہ یاد آتا ہے جب میں شرم سے پانی پانی ہوا جاتا تھا اور حضرت چوہدری صاحبؓ مربی سلسلہ کے احترام کا نہ بھولنے والا سبق دے رہے تھے۔آپ بھی سنئے: حضرت چوہدری صاحبؓ جہاں بھی رہے وہاں آپ نے مربیانِ سلسلہ سے خصوصی تعلق قائم رکھا۔مربی سلسلہ کا جو احترام آپ فرماتے تھے شائد ہی کسی اور کے حصہ میں آیا ہو۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ

مربیانِ سلسلہ نے اپنی زندگی ایک اعلیٰ مقصد کیلئے وقف کر رکھی ہے اس لئے جماعت پر ان کا انتہائی احترام واجب ہے۔ چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ کے دہلی میں قیام کے زمانہ کے ایک باورچی نے، جو اب لندن میں مقیم ہے، آپ کو کھانے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمالی۔ خاکسار بھی اس دعوت میں شریک تھا۔ غریب باورچی خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اس کی دعوت کو شرفِ قبولیت بخشا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب ہم کار کی طرف چلے تو مذکورہ باورچی نے ایک تھیلا خاکسار کو پکڑاتے ہوئے کہا کہ اس میں مُرغ مسلّم ہے اور یہ حضرت چوہدری صاحبؓ کیلئے ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے یہ بات سن لی۔ وہیں کھڑے ہو گئے۔ تھیلا جھپٹ کر میرے ہاتھ سے لے لیا اور باورچی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم نے بڑی گستاخی کی ہے۔ امام صاحب برطانیہ میں جماعت احمدیہ کے نمائندہ ہیں۔ اس لحاظ سے میں ہر وقت ان کے ماتحت ہوں۔ تمہیں یہ تھیلا انہیں نہیں پکڑانا چاہیئے تھا۔ ان کا احترام لازم ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ باورچی کو یہ نصیحت فرما رہے تھے اور میں شرم سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ بھلا حضرت چوہدری صاحبؓ صاحب کے سامنے میری کیا حیثیت!

چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جب بھی کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ فرماتے امام صاحب سے پوچھ لیں اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں ان کے ساتھ آ جاؤں گا۔ ضمناً یہ عرض کر دوں کہ آپ دعوت کبھی ردّ نہ کرتے حالانکہ بوجہ ذیابیطس پرہیزی کھانا کھانے کی وجہ سے دعوتوں میں جانا آپ کی صحت کیلئے مناسب نہ تھا۔ فرماتے حدیث میں آیا ہے کہ دعوت کو ردّ نہ کرو۔ اس لئے دعوت قبول کرنی چاہیئے۔

حضور سے خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والی جماعت کی تربیت کا جوش۔ احسان فراموشی ہوگی اگر میں یہ ذکر نہ کروں کہ جماعتِ برطانیہ کی تربیت میں آپ کا خاص ہاتھ تھا۔ اور میرے برطانیہ میں قیام کے دوران تربیت کے ضمن میں آپ نے میرا بہت بوجھ ہلکا کئے رکھا اور آج اگر جماعت برطانیہ اس قابل ہوئی ہے کہ دُنیا بھر کی جماعتوں میں سے اسے یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی میزبان بننے کا شرف حاصل کرے تو اس میں بہت بڑا ہاتھ حضرت چوہدری صاحبؓ کی تربیت اور شبانہ روز محنت کا بھی ہے۔ آپ جماعت برطانیہ کی تربیت کیلئے دن رات دُعائیں کرنے کے علاوہ ان کی دینی ترقی کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتے۔ ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ یہاں ہماری نئی نسل کو سنبھالنے کیلئے ان کی تربیت کی طرف خصوصی کوشش سے توجہ دینی چاہیئے۔ ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ کم از کم ہفتہ میں ایک دفعہ نوجوانوں کو اکٹھا کر کے ان کو تربیتی امور پر لیکچر دیئے جائیں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ لیکچر دینے کا کام اگر آپ کریں تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے فوراً حامی بھر لی اور ایک ڈیڑھ سال تک متواتر آپ ہفتہ واری سیمینار کو خطاب فرماتے رہے اور سالانہ امتحان کیلئے پرچہ بھی خود ہی تیار فرما کر امتحان لیا۔ یہ وہی حضرت چوہدری صاحبؓ کی تربیت یافتہ نسل ہے جو اب جوانی میں قدم رکھ چکی ہے اور آج حضرت امام جماعت سے تعریفوں کے سرٹیفکیٹ حاصل کر رہی ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی تصانیف سے بالخصوص جماعت برطانیہ کو خاص فائدہ پہنچا۔ آپ کے خطابات جن کو برادرم چوہدری عبدالکریم صاحب آف لندن نے کیسٹوں کی صورت میں محفوظ کیا ہوا ہے مستقبل میں بھی احباب جماعت کی تعلیم و تربیت میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب آپ مستقلاً انگلستان تشریف لے آئے تو آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ نوجوانوں میں قرآن مجید کا عشق پیدا کرنے کیلئے خصوصی کلاس کا اجراء کرنا چاہیئے۔ چنانچہ خاکسار نے تعلیم القرآن کلاس کے نام سے یہ کلاس جاری کر دی۔ آپ نے سالہا سال تک اس کلاس میں فضائل قرآن پر لیکچرز دیئے اور قرآنی علوم و معارف بیان فرماتے رہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

غضب کا حافظہ دیا تھا اس لئے جس حصہ قرآن پر درس دینا ہوتا تھا وہ حفظ فرمالیا کرتے تھے اور وہ حصہ زبانی تلاوت کر کے درس دیا کرتے تھے۔ اس طرح سے آپ کو قرآن کریم کا بہت سارا حصہ حفظ ہو چکا تھا۔ برطانیہ کے مربی انچارج اور امام مسجد فضل لندن کی حیثیت سے بعض اوقات مجھے جماعت کو تنبیہہ بھی کرنی ہوتی تھی اور طبیعت پر ایسا کرتے وقت بڑا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔جس کا ذکر ایک بار میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے کیا اور عرض کیا کہ جماعت کو نصیحت اور تنبیہہ کیلئے اپنا ایک مقام ہونا ضروری ہے جبکہ میری عمر اور ذاتی حیثیت ایسی نہیں کہ سامنے بیٹھے ہوئے بزرگان کو کسی قسم کی تنبیہ کروں اس لئے طبیعت میں حجاب رہتا ہے۔فرمانے لگے دین کی خاطر کام کرتے وقت طبیعت میں کوئی حجاب نہیں ہونا چاہیئے۔آئندہ جب ایسی کوئی ضرورت محسوس کریں مجھے کہہ دیا کریں۔میں جماعت کو توجہ دلا دیا کروں گا۔چنانچہ اس کے بعد جب بھی میں ضرورت محسوس کرتا کہ جماعت کو کسی تربیتی امر کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دلانے کی ضرورت ہے تو حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں عرض کر دیتا اور آپ نہایت مؤثر رنگ میں خطبہ یا تقریر ارشاد فرما دیا کرتے تھے۔بعد میں آپ مزاحًا فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب مجھے اس وقت خطبہ دینے یا تقریر کرنے کیلئے کہتے ہیں جب جماعت کو ڈانٹ پلانا چاہتے ہوں۔

وقت کی پابندی کا صحیح نقطۂ نظر۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے جس طرح نظم وضبط سے ساری زندگی گزاری ہے۔اس کا ایک اہم پہلو وقت کی انتہائی پابندی ہے۔اس پر آپ نہ صرف خود عمل پیرا ہوتے بلکہ احباب جماعت کی تربیت اس رنگ میں بھی فرماتے کہ انہیں بھی پابندئ وقت کی عادت پڑ جاتی تھی۔ایک دفعہ کسی کو ملنے تشریف لے گئے۔جب ہم اس شخص کے مکان پر پہنچے تو مقررہ وقت میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ آپ نے فرمایا پابندئ وقت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کسی کے ہاں مقرّرہ وقت سے پہلے بھی نہ جایا جائے۔اس لئے آیئے تھوڑی دیر سڑک پر ٹہلتے ہیں۔عین وقت پر فرمایا اب چلیں چنانچہ ہم نے عین وقت پر گھنٹی بجادی۔

گول میز کانفرنس میں کامیابی کا ایک سبب۔اس ضمن میں آپ کو اپنے آرام وآسائش کی قربانی بھی دینا پڑتی تھی۔اس کا ایک واقعہ یوں بیان فرمایا کہ گول میز کانفرنسوں کے دنوں میں دوپہر کے کھانے کیلئے بڑا مختصر سا وقت ملتا تھا۔ہندوستانی وفد کے اراکین اکثر کھانے کے وقفہ کے بعد دیر سے آتے جبکہ میں عین وقت پر کانفرنس ہال میں داخل ہوا کرتا۔ایک دن علامہ اقبال نے مجھ سے پوچھا کہ چوہدری صاحب کھانا آپ بھی ہوٹل سے کھاتے ہیں اور ہم بھی۔پھر آپ بروقت کھانے سے فارغ ہو کر کس طرح کانفرنس میں شامل ہو جاتے ہیں جبکہ ہمیں اِس مختصر وقت میں کھانا ہی نہیں ملتا۔میں نے کہا کل میرے ساتھ چلے چلیں میں وقت پر فارغ کرادوں گا۔چنانچہ اگلے دن میں وفد کے ممبران کو بکنگھم پیلس کے قریب ہی ایک سیلف سروس ریستوران میں لے گیا۔وہاں قطار میں کھڑے ہو کر کھانا حاصل کیا اور وقت کے اندر اندر کھانے سے فارغ ہو کر عین وقت پر سب لوگ کانفرنس ہال میں پہنچ گئے۔وفد کے ممبران کو جب اگلے روز میں نے ساتھ چلنے کو کہا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ آپ جائیں۔ہم سے تو قطار میں کھڑے ہو کر کھانا حاصل نہیں کیا جاتا۔میں نے کہا ٹھیک ہے!تو پھر آپ کو وقت پر آنا بھی ممکن نہ ہوگا۔آپ کی اس پابندئ وقت کا یہ نتیجہ تھا کہ اقوامِ متحدہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آپ کی صدارت کے دوران اقوامِ متحدہ کا اجلاس کرسمس کی تعطیلات سے پہلے پہلے حسبِ پروگرام ختم ہو گیا اور اس اعتبار سے بھی یہ سیشن ایک تاریخی اہمیت اختیار کر گیا۔

پچاسی سال کی عمر میں روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنی ساری زندگی اتنی بھرپور گزاری ہے کہ ان کے کام کرنے

کی قوّت اور صلاحیت کو دیکھ کر رشک آتا تھا۔آپ کی زندگی کا ماٹو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کام کام اور صرف کام۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب چالیس سال کی عمر میں مجھے ذیابیطس کی تکلیف شروع ہوئی تو ڈاکٹروں نے بہت سی احتیاطیں بتائیں۔ان دنوں میں میں سوچا کرتا تھا کہ اگر میری عمر ساٹھ سال بھی ہوگئی تو بہت ہوگی۔اب جب اللہ تعالیٰ نے عمر میں اضافہ فرمادیا ہے تو یہ مہلت اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری میں بسر کرنا چاہتا ہوں چنانچہ آپ اسی پچاسی سال کی عمر میں بھی روزانہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے میز کرسی پر بیٹھ کر تصانیف میں مشغول رہتے تھے۔دن کو سونے کی عادت نہ تھی۔آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کر کے آرام کرلیا کرتے۔اکثر تصانیف کے ابتدائی مسودے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دے دیا کرتے تھے۔بعد میں جب ڈاکٹروں نے ہاتھ سے لکھنے سے منع کر دیا تو پھر تصانیف کو املاء کرنا شروع کیا۔سلسلہ کے اخبارات و رسائل کو دلچسپی سے پڑھنا آپ کا خاص شوق تھا۔الفضل کے مطالعہ میں کبھی ناغہ نہ کرتے۔جب بھی لندن تشریف لاتے تو فرماتے فلاں تاریخ تک کے الفضل میں پڑھ چکا ہوں اس کے بعد کے الفضل مجھے دے دیں۔چنانچہ میں یہ اہتمام کیا کرتا تھا کہ آپ کے آنے پر الفضل کے پچھلے شمارہ ترتیب سے موجود رکھتا اور آپ کے آنے پر آپ کو پیش کر دیتا تھا۔جماعت احمدیہ کا انگریزی رسالہ مسلم ہیرلڈ نہ صرف باقاعدگی سے پڑھتے تھے بلکہ اس میں ازراہ شفقت اصلاح بھی تجویز فرماتے رہتے تھے۔مرکزی رسائل میں جب تک الفرقان شائع ہوتا رہا اسے باقاعدگی سے پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔محترم ثاقب زیروی صاحب کا رسالہ ''لاہور'' بہت شوق اور باقاعدگی سے پڑھا کرتے تھے اور بعض دفعہ رسالہ ''لاہور'' کے ایڈیٹوریل جو آپ کو پسند آتے مجھے بھی ان کو پڑھنے کی تلقین فرماتے۔

یہ کسی کو علم نہ ہو۔ جماعت برطانیہ کی تربیت کا تو آپ نے خاص اہتمام کیا ہی تھا اس کے علاوہ جماعتِ برطانیہ کیلئے آپ نے ایک بہت بڑی خدمت اور بھی سرانجام دی۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ 1965ء میں آپ عالمی عدالت انصاف میں بطور جج متعین تھے۔آپ اِن دنوں ہفتہ میں ایک بار لندن تشریف لایا کرتے تھے۔خاکسار ان دنوں لندن مشن ہاؤس کی توسیع کے سلسلہ میں مرکز سے خط و کتابت کر رہا تھا اور مرکز سے اس بات کی اجازت حاصل کرلی تھی کہ اگر انگلستان کی کسی فرم سے قرضہ مل جائے جس کی ادائیگی بذریعہ اقساط ہو سکے تو مرکز کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔خاکسار نے ایک بڑی فنانس کمپنی سے قرضہ کے حصول کیلئے بات شروع کر رکھی تھی۔شرائط طے ہونے، نقشے وغیرہ بننے میں ایک سال سے زائد عرصہ لگ گیا جب سب باتیں طے ہوگئیں اور معاہدوں پر دستخط کرنے کا وقت آیا تو مذکورہ کارپوریشن نے بغیر کوئی وجہ بتائے قرضہ دینے سے انکار کر دیا جس سے مجھے سخت کوفت اور پریشانی ہوئی کہ اتنا وقت بھی ضائع ہوگیا اور کوئی بات بھی نہ بنی۔انہی دنوں حضرت چوہدری صاحبؓ لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔مجھ سے پریشانی کی وجہ دریافت فرمائی۔میں نے تفصیل سے سارے حالات بتائے، آپ خاموش رہے۔اگلے دن فرمایا کہ جن شرائط پر فنانس کمپنی آپ کو قرضہ دے رہی تھی انہی شرائط پر میں آپ کیلئے ذاتی طور پر قرضہ کا انتظام کر دوں تو کیسا رہے گا۔خاکسار نے حضورؒ کی خدمت میں لکھ دیا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ رقم مہیا کرنے کو تیار ہیں۔حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے منظوری عطا فرمائی اور ہم ایک نئے مشن ہاؤس کی تعمیر میں لگ گئے۔یہ مشن ہاؤس ایک بڑے (محمود ہال) کے علاوہ تین فلیٹ اور دفاتر وغیرہ پر مشتمل ہے۔تعمیر کے کام کو ایک سال کا عرصہ لگا اور بالآخر سوا لاکھ پونڈ کے خرچ سے یہ کام مکمل ہوگیا۔اس مشن ہاؤس کی موجودہ مالیت بیس لاکھ پونڈ سے کسی صورت کم نہیں۔مشن ہاؤس کی تکمیل کے بعد ایک معاہدہ مابین تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان اور چوہدری صاحب تیار

ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے خاکسار راقم کو تحریک جدید کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کرنے کا اختیار دے دیا۔جس دن معاہدہ پر دستخط ہونے تھے اس دن حضرت چوہدری صاحبؓ خاکسار کے پاس مشن ہاؤس میں قیام فرما تھے۔صبح ناشتہ پر حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ انہوں نے رات کو اس معاہدہ کا مطالعہ کیا ہے اور یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ اس معاہدہ پر دستخط نہیں کریں گے۔فرمایا: ''امام صاحب! مجھے جو کچھ بھی ملا ہے وہ محض فضل خداوندی ہے ورنہ گھر سے تو کچھ نہ لائے تھے۔میرے ضمیر نے اس بات پر مجھے ملامت کی کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہوئے کسی معاہدہ کی ضرورت کیوں پیش آئے۔اس لئے میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں یہ رقم واپس نہیں لوں گا۔'' اور یہ کہہ کر معاہدہ کو پھاڑ دیا۔نیز فرمایا کہ حضورؒ کے علاوہ میری زندگی میں کسی اور کو اس بات کا علم نہ ہونے پائے کہ اس مشن ہاؤس کی تعمیر کا سارا خرچ میں نے دیا ہے۔میں نے جو کچھ کیا ہے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کیا ہے۔دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری قربانی کو قبول فرمائے۔آمین۔

اگر موت دستک دے؟۔قارئین کرام! ذرا سوچئے کہ اگر کبھی موت آپ کے در پر دستک دے تو آپ کا رویہ کیا ہوگا؟ یہ سوال ایسا ہے کہ ہر شخص زندگی میں ایک بار ضرور سوچتا ہے۔چاہے اس کے پاس اس کا جواب ہو یا نہ ہو۔یہ سوال حضرت چوہدری صاحبؓ نے بھی خود سے کئی بار کیا تھا اور اس کا جواب بھی ان کو ملا۔یہ قصہ بھی سنئے جو دل گداز بھی ہے اور دل نواز بھی! ایک بار جب خاکسار حضرت چوہدری صاحبؓ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا تو فرمانے لگے کہ میں نے رات کو ایک منذر خواب دیکھا ہے۔آپ ڈرائیونگ بھی کریں اور ساتھ ساتھ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس خواب کے منذر حصہ سے ہمیں محفوظ رکھے۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے حضرت چوہدری صاحبؓ کی معیت میں انگلستان میں ہزاروں میل سفر کی توفیق ملی۔آپ ہمیشہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تشریف فرما ہوتے۔سفر کے ابتداء میں پون گھنٹہ کے لگ بھگ آپ خاموشی سے دعاؤں اور ذکر الٰہی میں گزارتے اور اس دوران کسی قسم کی بات چیت پسند نہ فرماتے تھے۔اس کے بعد یا تو سو جاتے یا ڈرائیو کرنے والے سے سلسلۂ گفتگو جاری فرماتے۔کبھی ڈرائیور کو ڈرائیونگ کے سلسلہ میں نہ ٹوکتے۔آپ کو انگلستان کی اکثر بڑی سڑکوں بلکہ دیہاتی سڑکوں کا بھی علم تھا اور بغیر کسی نقشہ یا یادداشت کے منزل مقصود تک راہنمائی فرمایا کرتے تھے۔تو اس سفر کے دوران ہم نے ایک رات لیک ڈسٹرکٹ میں ٹھہرنا تھا۔جس ہوٹل میں ہم نے ٹھہرنا تھا اس میں بیڈ روم کے ساتھ ملحق باتھ روم نہ تھا۔شام کے کھانے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ ناشتہ صبح ساڑھے سات بجے ڈائننگ ہال میں کریں گے۔میں ٹھیک ساڑھے سات بجے ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا لیکن حضرت چوہدری صاحبؓ کو وہاں نہ پایا۔آپ وقت کی پابندی کا جس قدر خیال رکھتے تھے اس نے مجھے پریشان کر دیا۔مزید پندرہ بیس منٹ بھی جب حضرت چوہدری صاحبؓ تشریف نہ لائے تو میں پریشانی میں اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے کمرہ میں حاضر ہوا۔آپ چارپائی پر دراز تھے اور بہت کمزور دکھائی دے رہے تھے۔میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ رات کو میں نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے اُٹھ کر غسل خانہ میں وضو کے لئے گیا تھا۔پاؤں دھونے کے لئے سنک Sink میں رکھا تو توازن قائم نہ رہ سکا اور گر گیا۔سر نہانے کے ٹب سے ٹکرایا اور میں بیہوش ہو گیا۔نہ جانے کتنی دیر بیہوش رہا۔جب ہوش آیا تو چند منٹ تک یہ احساس نہ رہا کہ میں کہاں ہوں۔تھوڑی دیر کے بعد اتنا یاد آیا کہ تم میرے ہمسفر ہو۔پھر میں نے دس تک گنتی کی تو ٹھیک گنتی ہوگئی اور مجھے یقین ہوگیا کہ میرا حافظہ درست ہے۔اس کے بعد میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور بستر پر ہی نماز تہجد اور نماز فجر ادا کی۔میں نے شکوہ کے رنگ میں عرض کیا کہ مجھے کیوں نہ بلایا، میرا آپ کے ساتھ ہونے کا کیا فائدہ؟ فرمانے لگے خیال تو دو تین دفعہ آیا تھا

لیکن پھر یہ خیال آتا رہا کہ تم نے ڈرائیونگ کی ہے اور تھکے ہوئے ہو اس لئے تمہیں جگانا مناسب نہیں۔ میں نے آپ کی کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ میں ڈاکٹر کو بلا لیتا ہوں اور آگے کا سفر ایک دِن کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں تاکہ آپ پوری طرح سے آرام کر سکیں۔ فرمایا کہ ہم نے گلاسگو کی جماعت کو شام کا وقت دِیا ہے، اس لئے ہمیں ضرور وہاں پہنچنا چاہئے۔ مجھے کار کی سیٹ پر بٹھا دو گلاسگو پہنچ کو ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔ میری بار بار کی درخواستوں کے باوجود اس امر پر مصر رہے کہ جانا ضروری ہے۔ چنانچہ ہم گلاسگو کیلئے روانہ ہوئے۔ آپ کو جسم میں شدید درد محسوس ہوتی رہی۔ گلاسگو پہنچ کر آرام کیا اور شام کو باوجود ہمارے اصرار کے کہ آپ کا جانا ضروری نہیں آپ آرام کریں، آپ نے جماعتی میٹنگ کو خطاب فرمایا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ مجھے یاد آرہا ہے۔ مشن ہاؤس کے جس فلیٹ میں آپ مقیم تھے وہاں میں نے با اصرار ٹیلیفون لگوا دیا تھا تا بوقت ضرورت مجھے بلوا سکیں۔ یا کسی ہنگامی صورت میں ہم کو اطلاع کر سکیں۔ آپ عموماً ٹیلیفون کو پسند نہ فرماتے تھے۔

موت کوئی ڈرانے والی چیز تو نہیں۔ یہ اِن دنوں کی بات ہے جب آپ ناشتہ بھی ہمارے ساتھ کرتے تھے۔ ایک دن صبح کے ناشتے پر تشریف نہ لائے تو مجھے فکر ہوئی۔ آپ کے فلیٹ میں حاضر ہوا تو آپ بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے آواز دی تو بڑی نحیف اور کمزور آواز میں جواب دیا آجاؤ۔ فرمانے لگے جب رات میں تہجد کیلئے اُٹھا تو مجھے شدید ضعف کا دورہ پڑا اور سارا جسم پسینہ سے تر بتر ہو گیا۔ سینہ میں بھی شدید درد محسوس ہوتا رہا۔ اس دوران کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ دو تین مرتبہ مجھ پر غشی طاری ہوتی رہی۔ میں نے عرض کیا آپ کے سرہانے فون رکھا ہوا ہے اور یہ لگایا بھی اسی لئے گیا تھا کہ آپ کسی فوری ضرورت کے وقت مجھے بلوا سکیں۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں بلایا۔ فرمایا دو تین دفعہ مجھے خیال آیا کہ تمہیں فون کروں لیکن ہر بار یہ خیال تم کو بلانے سے مانع رہا کہ تم تھکے ہوئے ہو گے۔ رات کو نیند سے اُٹھانا مناسب نہ ہو گا۔ پھر فرمایا مجھے خوشی ہے کہ اس بیماری میں میری ایک خواہش پوری ہو گئی۔ میری ہمیشہ سے یہ دعا رہی ہے کہ جب میری موت کا وقت قریب آئے تو میری زبان پر جزع فزع کی بجائے حمد الٰہی اور درود کا ورد ہو۔ رات کو بھی جب مجھ پر غشی طاری ہوتی اور میں غشی کی کیفیت سے باہر آتا تو میری زبان پر حمد اور درود ہوتا۔ اس لئے مجھے اب یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ جب بھی موت آئی تو انشاء اللہ میری زبان حمد اور درود سے تر ہو گی۔ فرمایا کرتے تھے مجھے موت سے ہرگز کوئی خوف نہیں ہے اور میں کبھی اس بارہ میں سوچتا بھی نہیں کہ موت کوئی ڈرنے والی چیز ہے۔

سفر آخرت کی تیاری۔ موت کا ذکر آیا تو یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ کو لمحہ بہ لمحہ اپنی طرف بڑھتی ہوئی موت کا نہ صرف احساس تھا بلکہ آپ اس سے ایک گونہ خوشی و مسرت محسوس کرتے تھے اور سفر آخرت کا یوں ذکر فرماتے جیسے کوئی معمول کے سفر پر روانہ ہو رہا ہو۔ ایک بار آپ کی بیماری کے دوران ملاقات کیلئے لاہور حاضر ہوا تو فرمایا امام صاحب دعا کریں سفر بخیریت گزر جائے۔ میں حیران ہوا کہ آپ تو لندن سے واپس آ گئے تھے کہ اب یہیں رہیں گے اور اب آپ کی صحت بھی اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ آپ پھر سے سفر کریں۔ اس لئے سفر کا ارادہ کیوں کر لیا؟ آپ میری بات سن کر خفیف سے مسکرائے اور فرمایا میں لندن کے سفر کا نہیں ''اُس'' سفر کا ذکر کر رہا ہوں۔ میں آپ کی بات سمجھ گیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے۔ آپ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ اب سفر جلد درپیش ہے۔ پھر اپنا ایک خواب سنایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک چار منزلہ مکان ہے جس کے نیچے بیٹھ کر میں الفضل پڑھ رہا ہوں۔ اوپر چوتھی منزل سے میری والدہ محترمہ مجھے آواز دیتی ہیں: ''اب آجاؤ'' میں عرض کرتا ہوں کہ بس یہ الفضل تھوڑا سا رہ گیا ہے اسے ختم کر کے حاضر ہوتا ہوں۔ اسی طرح ایک دو

اورخوابیں بھی سنائیں اورخواب بیان کرتے وقت چہرے پر موت کے خوف یا ڈر کا تو خیر ذکر ہی کیا، اس کے بالکل اُلٹ نہایت درجہ شادمانی اور اطمینان کا تاثر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ (الفجر 28 تا 31)

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ (اس حال میں کہ تو اسے) پسند کرنے والا بھی ہے اور اس کا پسندیدہ بھی ہے۔ پھر (تیرا رب تجھے کہتا ہے کہ) آ میرے (خاص) بندوں میں داخل ہوجا اور آ میری جنت میں بھی داخل ہوجا۔ اللہ کرے کہ یہ مرتبہ سب کو نصیب ہو۔ آپ کو بھی مجھ کو بھی۔

احمدیت کی ترقی۔ 1974ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف پاکستان میں ایک طوفان اُٹھایا گیا جو بالآخر قومی اسمبلی کے ذریعہ ایک آئینی ترمیم کے بعد مدھم پڑا۔ انہی دنوں پاکستان کے ایک روزنامہ کے نامہ نگار لندن میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں انٹرویو کے سلسلہ میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ اب تو پاکستان میں جماعت احمدیہ کی صف لپیٹ دی جائے گی کیونکہ قانوناً اس پر تبلیغ واشاعت کی پابندی لاگو کردی جائے گی اور تبلیغ بند ہوجانے کے بعد جماعت کی وسعت پذیری کا بھی خاتمہ ہوجائے گا۔ یہ بات کہہ کر اس نے حضرت چوہدری صاحبؓ کا عندیہ معلوم کرنا چاہا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ احمدیت کی ترقی واشاعت بہرحال جاری رہے گی۔ خواہ اس کی تبلیغ پر کلیۃً پابندی بھی عائد کردی جائے اور خواہ احمدی خود بھی فریضہ تبلیغ ادا کرنے سے قانون سازی کے نتیجہ میں اجتناب کرنے لگ جائیں۔ اس پر نامہ نگار صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دریافت کیا کہ جب آپ عوام سے تبلیغی رابطہ ہی قائم نہیں کرسکیں گے تو عوام آپ کی جماعت میں کیسے شامل ہوں گے۔ ان کو کیسے پتا چلے گا کہ آپ لوگوں کے کیا عقائد ہیں۔ نیز انہیں کون بتائے گا کہ بانی جماعت احمدیہ کے دعاوی کیا تھے؟ وغیرہ۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا: ''ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو تحریکات اللہ تعالیٰ خود پیدا کرتا ہے، ان کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیتا ہے۔ اگر ہماری تبلیغ کو کلیۃً روک بھی دیا گیا تب بھی اللہ تعالیٰ رویائے صادقہ کے ذریعہ لوگوں کو مسیح ومہدی کے آنے کی اطلاع دے گا۔'' آپ نے فرمایا: ''خود میری والدہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک رویاء کے ذریعہ قبول کیا تھا۔ انہیں کسی نے کوئی تبلیغ نہیں کی تھی۔ جماعت احمدیہ میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں خوابوں کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرنے کی ہدایت ملی۔ پاکستان حکومت جو مرضی کرلے وہ احمدیت کی ترقی کی رفتار کو کم نہیں کرسکتے کہ احمدیت خُدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ ہے۔ یہ پھلیگا اور پھولیگا اور ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ انشاء اللہ۔'' یہ جواب سن کر نامہ نگار صاحب خاموش ہوگئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ اپنی مرحومہ والدہ صاحبہ کی خواب کی تفصیل سے انہیں آگاہ کریں۔

والدین سے محبت حضرت چوہدری صاحبؓ مرحوم ومغفور کو اپنے والدین سے بے حد محبت تھی۔ خصوصاً اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ سے تو عشق کی کیفیت تھی۔ 1976ء میں خاکسار کو حضرت چوہدری صاحبؓ کی معیت میں قادیان جانے کا موقعہ ملا۔ وہاں قیام کے دوران ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ چلو تمہیں اپنی کوٹھی ''بیت الظفر'' کی سیر کراؤں۔ وہاں حکومت کے دو وزیر بھی موجود تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے کوٹھی دکھانی شروع کی۔ ہر کمرہ کے بارہ میں تفصیل سے بتاتے جاتے تھے۔ ایک جگہ، جہاں سے اوپر کو سیڑھیاں نکلتی تھیں، آپ ٹھہر

گئے اور آپ پر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔آواز بھی بھرا گئی۔ہم سب خاموشی سے یہ دیکھتے رہے۔ چند منٹ بعد آپ کی طبیعت سنبھلی تو رقت آمیز لہجہ میں فرمایا امام صاحب اس جگہ میری والدہ صاحبہ کو آخری غسل دیا گیا تھا اور پھر اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کی یادوں میں کھو گئے اور کچھ دیر بعد وہاں کھڑے کھڑے ان کے چند ایمان افروز واقعات سنائے۔ مجھے وہ سماں بھی کبھی نہ بھولے گا جب آپ بہشتی مقبرہ قادیان میں اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کی قبر پر دعا کیلئے کھڑے ہوئے۔اس وقت آپ کی حالت اس قدر غیر تھی کہ یوں لگتا تھا گویا آپ کسی اور جہان میں ہیں۔آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور سینہ یوں شدت غم سے اُبل رہا تھا جیسے ہانڈی چولہے پر اُبل رہی ہو۔ دیر تک آپ کی یہ کیفیت رہی۔ اگلے دن فرمایا: میں اپنی والدہ صاحبہ کی قبر پر ایسے وقت میں جانا چاہتا ہوں جب میں اکیلا ہوں ۔ چنانچہ اگلے ہی روز بہت ہی منہ اندھیرے آپ ان کی قبر پر دعا کیلئے تشریف لے گئے۔فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی اپنے والد صاحب کے حکم کی سرتابی نہیں کی۔ایک دن والد صاحب نے مجھے ڈانٹا کہ تم سکول کیوں نہیں گئے۔اور حکم دیا کہ ابھی بستہ اٹھاؤ اور سکول جاؤ۔ میں فوراً تعمیل حکم میں سکول چل دیا حالانکہ سکول بند تھا۔سکول سے واپس آیا تو والد صاحب کے دریافت کرنے پر میں نے عرض کیا کہ آج سکول میں تعطیل ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است۔آپ کی زندگی ہر لحاظ سے نور اور روشنی کا مینار تھی۔جس پہلو سے بھی دیکھا جائے آپ نہ صرف خود روشن تھے بلکہ دوسروں کیلئے بھی آپ کی زندگی مشعل راہ تھی۔ مجھ سے کوئی پوچھے کہ آپ کی زندگی کا خاص الخاص وصف کیا تھا تو میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے دل میں غریبوں، اسیروں، بیوگان، یتامیٰ اور طلباء کیلئے جذبۂ خدمت ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ اپنی جان پر ظلم کر کے اور کفایت شعاری سے کام لے کر دوسروں پر اپنے اموال کو بے دھڑک خرچ کرنے میں آپ کو خاص لطف آتا تھا۔آپ کا یہ فیض کسی مذہب وملت یا رنگ و قوم سے مخصوص نہ تھا۔ جہاں تک حقوق العباد کی ادائیگی کا تعلق تھا آپ کسی مذہب وملت یا رنگ ونسل میں تفریق روا نہ رکھتے تھے۔آپ کے جاری کردہ ٹرسٹ سے مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں، انگریزوں اور افریقنوں کی مالی امداد ہوتی رہی۔

اصول پسندی کا وصف۔میں نے زندگی میں آپ سے کئی سبق سیکھے۔ہم ایک ہی بلڈنگ میں مقیم تھے۔آپ کو ناشتے، دوپہر کے کھانے یا شام کے کھانے پر میرے ڈائننگ روم میں تشریف لاتے وقت بلڈنگ سے باہر نہیں جانا پڑتا تھا لیکن آپ ناشتہ سے لے کر شام کے کھانے تک پورا لباس زیب تن کئے بغیر کھانے کی میز پر تشریف نہیں لاتے تھے۔حالانکہ آپ ان دنوں ریٹائرڈ زندگی بسر کر رہے تھے۔میں نے دو ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ کیوں اس طرح پورے لباس کا تکلف کرتے ہیں۔تو فرمایا کہ میں نے زندگی کا ایک اصول مقرر کر رکھا ہے کہ صبح اُٹھ کر پورا لباس پہن کر ہی کام کرنا ہے۔خواہ کہیں باہر جانا ہو یا نہ جانا ہو۔اس سے طبیعت میں کام کی رغبت بھی پیدا ہوتی ہے اور چستی بھی آجاتی ہے اور کام کیلئے جس موڈ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی میسر آجاتا ہے۔ایک مرتبہ میرے داماد عزیز اعجاز احمد خان صاحب ڈائننگ ٹیبل پر ایسی حالت میں آئے کہ ان کی قمیص کے بٹن کھلے تھے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا:''اعجاز! قمیص کے بٹن بند کر لو۔علاوہ اس کے کہ بٹن کھلے رکھنا مناسب نہیں، بٹن ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ بند رکھے جائیں۔''لباس کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ لباس ایسا ہونا چاہئے جو ستر پوشی کے علاوہ ملک کے شرفاء کا لباس ہو۔

مغرب کی اندھا دھند تقلید سے بچنے کی تلقین۔تربیت اس رنگ میں فرماتے تھے کہ کسی کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو۔ ہر بات کی دلیل دیا کرتے

تھے۔ایک نوجوان حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی چند تصاویر بنانے کی اجازت چاہی۔ساتھ ہی اس نے اپنے کیمرہ کی تعریفیں شروع کر دیں اور بتایا کہ اس نے وہ کیمرہ دوصد پونڈ میں خریدا ہے۔یہ سن کر حضرت چوہدری صاحبؓ کو بہت صدمہ ہوا کہ اس نوجوان نے کیمرہ کی خرید پر اتنی ساری رقم خرچ کر دی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میاں اتنی بڑی رقم سے تم کئی بار ایسے کام کر سکتے تھے جن سے خدا تعالیٰ بھی راضی ہوتا اور تمہیں بھی دلی تسکین ملتی۔تم چندہ دیتے تو سلسلہ کی خدمت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے اموال میں برکت ڈالتا۔کسی غریب کی مدد کرتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا تمہیں نصیب ہوتی۔کیمرہ خرید کر تم نے یہ رقم ضائع کر دی ہے۔تمہاری حیثیت کے مطابق اتنی بڑی رقم فضول خرچی کے دائرہ میں آتی ہے۔ہاں چندے ادا کرنے اور غرباء کی خدمت کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جاتی اور تم سستا سا کیمرہ خرید لیتے اور یہ بھی شوق پورا کر لیتے تو ہم خرما وہم ثواب والی بات ہو جاتی۔ایک نوجوان کو اس کی ہیئت کذائی پر نصیحت فرمائی کہ اپنے بالوں کو سنوار کر ٹھیک رکھا کرو۔مغرب کی تقلید میں لمبے لمبے بال رکھنا نامناسب ہی نہیں بلکہ کسی احمدی نوجوان کے شایان شان بھی نہیں۔اس نوجوان نے جواب دیا کہ چوہدری صاحب! یورپ میں رہ کر یورپین معاشرہ کی تقلید نہ کرنا ممکن نہیں۔حضرت چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے: میاں تمہارے باپ کی پیدائش سے بھی قبل میں یورپ آیا تھا اور تقریباً آدھی صدی اِن ممالک میں رہنے کا موقع ملا ہے۔میں نے تو کبھی یورپین معاشرہ کے بدصورت حصہ کو نہیں اپنایا۔یہ سن کر وہ نوجوان بہت شرمندہ ہوا اور اسی وقت وعدہ کیا کہ اپنے بالوں کو درست کر لے گا اور آئندہ مغرب کی اندھا دھند تقلید نہیں کرے گا۔

عشق محمد ﷺ۔آنحضرت ﷺ سے آپ کو بے حد عشق تھا۔ہزاروں حدیثیں از بر یاد تھیں۔آپ نے شمائل ترمذی کا انگریزی ترجمہ کیا جو ہم نے لندن مشن سے Prophet At Home کے نام سے شائع کیا۔آپ نے قریباً دو ہزار احادیث کا ترجمہ بھی کیا جو لندن مشن سے The Wisdom Of the Prophet کے نام سے شائع ہوا۔آنحضرت ﷺ کی سوانح پر آپ نے انگریزی میں Seal of The Prophets کے نام سے ایک معرکۃ آراء کتاب لکھی جو انگلستان کے ایک مشہور اشاعتی ادارہ نے شائع کی۔یہ کتاب بھی بے حد مقبول ہوئی۔مشہور مستشرق کینتھ کریگ جو اسلام پر ایک درجن سے زائد کتب کے مصنف ہیں اور ان کی کتاب Call Of The Minaret نے دنیا بھر سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ان کی ایک اور کتاب Event of The Quran کے نام سے شائع ہوئی۔ایک دن میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے ہاتھ میں یہ کتاب تھی۔آپ کی آنکھیں پُرنم تھیں۔میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس شخص نے باوجود عیسائی اور معاند اسلام ہونے کے اس کتاب میں قرآن کریم کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کا جس پیارے انداز میں ذکر کیا ہے اسے پڑھ کر میں اپنی طبیعت پر قابو نہ پا سکا۔مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔حضور ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا یہ کمال ہے کہ دوست تو دوست بیگانے بھی آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔پھر فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو مسٹر کریگ سے میری ملاقات کا انتظام کرو۔خاکسار نے مسٹر کریگ کو کھانے پر مدعو کیا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے دوران گفتگو مسٹر کریگ سے پوچھا کہ آپ نے باوجود عیسائی ہونے کے آنحضرت ﷺ کو گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے۔مسٹر کریگ نے عرض کیا کہ میں محمد ﷺ کو ایک سچا اور پاک انسان سمجھتا ہوں۔اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ انہوں نے دنیا کی اصلاح کیلئے عظیم کام کیا ہے۔اگرچہ عقیدۃً مجھے آپؐ کی بعض تعلیمات سے اختلاف ہے لیکن

میں آپ کی بڑائی کا دل سے قائل ہوں۔حضرت چوہدری صاحبؓ کو یہ بات سُن کر بہت خوشی ہوئی۔

ایک مرتبہ لندن مشن کے زیر اہتمام سیرت النبیؐ کے موضوع پر ایک جلسہ کا انعقاد ہوا۔جس کی صدارت کیلئے مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کو دعوت دی گئی جو انہوں نے قبول کر لی اور ایڈنبرا سے خاص اس جلسہ میں شامل ہونے کیلئے لندن تشریف لائے۔وہ حضرت چوہدری صاحبؓ سے بھی ملے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے منٹگمری واٹ سے کہا کہ آپ کی کتاب ''محمد ایٹ مکہ'' جب میں نے پڑھی تو مجھے افسوس ہوا کہ آپ نے حضورﷺ کی ذات ستودۂ صفات پر ناروا اور غلط اعتراضات کئے تھے۔میں نے یہ عہد کیا کہ آئندہ آپ کی کوئی کتاب نہیں پڑھوں گا کیونکہ آپ کا انداز دیانت دارانہ نہیں تھا۔لیکن جب ایک دوست کے اصرار پر میں نے آپ کی کتاب ''محمد ایٹ مدینہ'' پڑھی تو میں نے محسوس کیا کہ آپ کا انداز وہاں مؤدبانہ تھا اور اپنی ناسمجھی کے نتیجہ میں جو غلط باتیں لکھی ہیں وہ اس لئے نظر انداز کرنے کے قابل ہیں کہ آپ کا مطالعہ حضورﷺ کے اسوہ کے بارے میں اتنا وسیع نہیں جتنا ایک مسلمان عالم کا ہوسکتا ہے۔لیکن آپ نے اس دوسرے حصہ میں اعتراض نہیں کیا۔مسٹر واٹ نے کہا کہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔''محمد ایٹ مکہ'' لکھتے وقت میری معلومات کا دائرہ اتنا وسیع نہ تھا جتنا بعد میں ہوا۔اس لئے دونوں کتب میں یہ نمایاں فرق نظر آتا ہے۔**دست در کار و دل بایار**۔پانچ وقت نمازوں کی ادائیگی اور نماز تہجد میں التزام آپ کے خاص وصف تھے۔جب بھی ہم سفر پر جاتے اور کہیں قیام ہوتا تو شام کو کھانے کے بعد بیڈ روم میں جانے سے قبل آپ عموماً یہ سوال پوچھا کرتے تھے کہ فجر کی نماز کا کیا وقت ہوگا اور نماز میرے کمرہ میں آکر پڑھیں گے یا میں آپ کے کمرہ میں آجاؤں؟ ایک دفعہ ایک نوجوان نے دوران گفتگو کہا کہ فجر کی نماز یورپ میں اپنے وقت پر ادا کرنی بہت مشکل ہے۔آپ نے فرمایا کہ اگرچہ مجھے اپنی مثال پیش کرتے ہوئے سخت حجاب ہوتا ہے اور میں کبھی بھی پسند نہیں کرتا کہ اپنی مثال دوں۔لیکن آپ کی تربیت کیلئے یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قریباً نصف صدی کا زمانہ یورپ میں گزارنے کے باوجود فجر تو فجر میں نے کبھی نماز تہجد بھی قضاء نہیں کی۔یہی حال باقی پانچ نمازوں کا ہے۔دعائیں آپ زیادہ تر نماز تہجد کے دوران کیا کرتے تھے اور جن لوگوں نے دعا کیلئے کہا ہوتا تھا ان کیلئے نام بنام دعا کرتے تھے۔جب کوئی دعا کیلئے عرض کرتا تو اس کا نام دریافت کر کے اسے حافظہ میں محفوظ فرماتے۔پھر جس غرض کیلئے دعا کی ضرورت ہوتی، وہ دریافت فرماتے۔اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ محض رسمی طور پر دعا کیلئے کسی کو کہا جائے۔ایک شخص پر کوئی مقدمہ تھا۔اس نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے دعا کی درخواست کی اور بتایا کہ فلاں تاریخ کو فیصلہ سنایا جائے گا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے بعد میں مجھے بتایا کہ جس دن اس شخص کے مقدمہ کا فیصلہ ہونا تھا میں سارا دن اگرچہ عدالت کے کاموں میں مصروف رہا لیکن سارا دن دل ہی دل میں اس کیلئے دعا بھی کرتا رہا اور یہ کیفیت سارا دن رہی۔شام کو جب اس شخص نے ٹیلیفون پر بتایا کہ فیصلہ اس کے حق میں ہوگیا ہے تو طبیعت پُرسکون ہوگئی۔

عزت افزائی کا شکریہ! لیکن.... حضرت چوہدری صاحبؓ سے ایک دفعہ ماریشس کی ایک خاتون ملنے آئیں اور یہ دیکھ کر کہ محترم چوہدری صاحب اکیلے زندگی بسر کر رہے ہیں، آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں آپ کی خدمت کے جذبہ کے پیش نظر آپ سے شادی کی پیشکش کی۔محترم چوہدری صاحب نے اس خاتون کو جو جوابی مکتوب لکھا اس کی ایک نقل اس عاجز کو بھی دی۔خط کا اصل متن انگریزی میں ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے: ''....والا نامہ ملا۔آپ کی تجویز میرے لئے باعث عز و شرف ہے۔لیکن میری بہت سی کمیاں اور کمزوریاں اسے قبول

کرنے میں مانع ہیں۔پچھلے دس برسوں میں میری زندگی نے ایسا رُخ اختیار کیا ہے جسے بدلنا باوجود خواہش کے میرے لئے ممکن نہیں کیونکہ یہ رُخ میں نے خود ہی متعین واختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں اپنی اس زندگی سے کاملاً مطمئن اور خوش ہوں۔دوایک باتیں قابل غور وفکر ہیں: پہلی بات تو یہ کہ میرے پاس کوئی زائد وقت نہیں۔میں صبح چار بجے اُٹھتا ہوں۔ساڑھے چھ بجے کے قریب اپنے گھر سے سوا دو میل کی چہل قدمی کرتا ہوا ''پیس پیلیس''(Peace Palace) میں اپنے چیمبر میں پہنچ جاتا ہوں۔جہاں ساڑھے چھ بجے شام تک رہتا ہوں۔پھر اپنے گھر واپس آتا ہوں اور کھانے ونمازوں سے فراغت کے بعد نو بجے شب سونے کیلئے تیار ہو جاتا ہوں۔اپنے احباب اور ملاقاتیوں سے بھی اپنے چیمبر میں ہی ملتا ہوں جیسا کہ آپ سے ملاقات کا موقع بھی وہیں ملا۔زندگی کے اس تسلسل سے میں شاذ ہی اِدھر اُدھر ہوتا ہوں اور وہ بھی کسی انتہائی مجبوری کے پیش نظر۔دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنے ذاتی اخراجات کیلئے اس سے زیادہ علیحدہ نہیں کرتا جس سے بمشکل میری ضروریات پوری ہو سکیں۔بقیہ آمد رفاہِ عامہ کے ایسے کاموں کے لئے وقف ومختص ہے جو میں نے اپنے اوپر واجب کر رکھے ہیں۔اس رقم میں سے میں اپنی کسی ضرورت کیلئے کچھ نہیں لیتا۔نہ ایسا کرنے کا میرا کوئی ارادہ ہے۔تیسری بات یہ کہ جہاں تک ذاتی محبت اور پیار کا تعلق ہے یہ مجھے بفضلہٖ تعالیٰ اپنی بیٹی اور نواسے نواسیوں سے مل جاتے ہیں۔مجھے اُن سے اور اُنہیں مجھ سے دِلی محبت ہے۔وہ میرے لئے حقیقی اور دائمی مسرت وانبساط کا باعث ہیں۔اور چوتھی یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وفادار، مخلص اور پیار کرنے والے احباب کا ایک وسیع حلقہ میسر ہے جو مجھ سے بے لوث محبت کرتے ہیں۔میری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور بوقت ضرورت میری رہنمائی کیلئے مجھے تنبیہہ بھی کرتے رہتے ہیں۔بھلا اٹھتر (78) برس کی عمر میں مجھے اور کیا چاہئے؟ کیا مناسب ہوگا کہ میں اپنی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ کرلوں؟ اگر میں نے ایسا کیا تو میں مسلسل بدمزگی کا شکار ہو جاؤں گا۔میرے خیال میں مجھے اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضلوں اور بے شمار رحمتوں کا شکر گزار ہونا چاہئے اور کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہئے جس سے یہ اندازہ ہو کہ گویا کسی چیز کی کمی تھی، جسے پورا کیا گیا ہے۔

آپ کا مخلص۔میں نے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کو پہلی مرتبہ قادیان میں دیکھا۔میں ان دنوں تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھا۔نمازوں کیلئے یوں تو بورڈنگ تحریک جدید میں رہائش پذیر طلباء بورڈنگ ہاؤس کی قریبی مسجد جس کا نام ''مسجد نور'' تھا، میں جایا کرتے تھے۔لیکن اکثر طلباء مغرب کی نماز مسجد مبارک میں ادا کیا کرتے تھے۔مغرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مسجد عرفان منعقد ہوتی تھی جہاں علوم ومعارف کے سمندر بہتے تھے۔حضورؓ کا یہ طریق تھا کہ نماز کے بعد ایک کرسی پر تشریف فرما ہونے کے بعد بعض بزرگوں کو اپنے ساتھ بینچ پر بیٹھنے کی دعوت دیتے اور پھر حضورؓ کی مجلس معرفت وعرفان شروع ہو جاتی تھی۔ایک دفعہ میں نے حضورؓ کی دعوت پر ایک شخص کو دیکھا جس نے رومی ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور اچکن زیب تن کر رکھی تھی۔حضورؓ کے بلانے پر یہ صاحب پروقار انداز میں نہایت ادب کے ساتھ حضورؓ کے دائیں پہلو میں تشریف فرما ہوئے اور مجلس عرفان کے دوران ہمہ تن گوش ہو کر حضورؓ کی گفتگو سنتے رہے۔نماز عشاء کے بعد جب ہم بورڈنگ کیلئے روانہ ہوئے تو راستہ میں میں نے اپنے ایک دوست سے حضورؓ کے دائیں طرف بیٹھنے والے شخص کے متعلق دریافت کیا۔اس دوست نے مجھے بتایا کہ یہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ہیں اور ہندوستان کے مرکزی وزیر ہیں۔پارٹیشن کے بعد میں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں داخل ہوا۔1953ء میں میں نے بی اے کیا۔اس سال تقسیم سندات کیلئے جو کانووکیشن منعقد ہوئی اس کی صدارت حضرت چوہدری ظفر اللہ

خان صاحبؓ نے فرمائی اور کانووکیشن کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ان دنوں وہ پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔میں نے ان سے ڈگری وصول کی اور بعد میں باہر لان میں ان کے ساتھ دیگر ڈگری یافتہ طلباء کے ہمراہ تصویر بھی بنوائی۔یہ دوسرا موقع تھا کہ میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو قریب سے دیکھا اور ان کی تقریر سنی۔1959ء میں میں لندن آ گیا۔حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں عالمی عدالت انصاف کے جج تھے اور اکثر اپنی عرب بیگم صاحبہ کو ملنے لندن تشریف لایا کرتے تھے۔ان کی بیگم صاحبہ برائیٹن میں زیر تعلیم تھیں۔لندن کے ایک مخلص دوست مولوی عبدالرحمن صاحب ہوا کرتے تھے جن کے پاس اپنی موٹر کار بھی تھی۔ان کے حضرت چوہدری صاحبؓ سے قریبی تعلقات تھے اور جب بھی حضرت چوہدری صاحبؓ لندن تشریف لاتے تو یہ انہیں لینے کیلئے ریلوے اسٹیشن یا ائیر پورٹ جایا کرتے تھے۔ایک دن انہوں نے مجھے دعوت دی کہ میں ان کے ساتھ حضرت چوہدری صاحبؓ کو لینے ریلوے اسٹیشن چلوں۔میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی کہ مجھے حضرت چوہدری صاحبؓ کے قرب کا شرف نصیب ہو رہا ہے۔حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں بالعموم رائل کامن ویلتھ سوسائیٹی میں قیام فرماتے تھے۔ہم ان کے ساتھ رائل کامن ویلتھ سوسائیٹی پہنچے اور کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھ گئے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرے متعلق دریافت فرمایا۔میں نے خود اپنا تعارف کروایا۔حضرت چوہدری صاحبؓ جب اپنے کمرہ میں جانے لگے تو مجھے فرمایا کہ میں اگلے دن انہیں ملوں اور ہفتہ بھر کے اخبارات ''الفضل'' اور تازہ ''الفرقان'' کا شمارہ ساتھ لے کر آؤں۔چنانچہ اگلے دن میں وقت مقررہ پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ لاؤنج میں تشریف فرما تھے۔میں نے اخبارات و رسائل پیش کئے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ''الفضل'' اور ''الفرقان'' کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔نیز فرمایا کہ میں سب سے پہلے ''الفضل'' کے پہلے صفحہ پر شائع شدہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کے اقتباس پڑھتا ہوں۔اس کے بعد بقیہ اخبار کا مطالعہ کرتا ہوں۔نیز فرمایا کہ الفرقان بہت اعلیٰ علمی رسالہ ہے۔انہوں نے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کے تبحر علمی کا بھی ذکر فرمایا۔حضرت چوہدری صاحبؓ خود تو کافی کا شوق نہیں فرماتے تھے لیکن میرے لئے انہوں نے کافی منگوائی۔میں تو خاموشی سے صرف سامع تھا اور میری حیثیت بھی اس عظیم شخص اور صحابی حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے کچھ نہ تھی۔حضرت چوہدری صاحبؓ جب کمرہ میں جانے کیلئے کھڑے ہوئے تو مجھے فرمایا کہ کل بھی کچھ وقت نکال کر آپ میرے پاس آ جائیں۔چنانچہ دو تین دن تک متواتر جب تک وہ لندن میں قیام پذیر رہے، مجھے ان کی صحبت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔فالحمدللہ۔

اس کے بعد یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔انہوں نے جب بھی لندن آنا ہوتا تھا تو مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب کو اطلاع دینے کے ساتھ مجھے بذریعہ خط ارشاد فرماتے کہ میں بھی مکرم مولوی صاحب کے ساتھ انہیں اسٹیشن یا ائیر پورٹ پر ملوں اور اپنے ساتھ اخبارات الفضل اور الفرقان کے چند شمارے بھی لاؤں۔1970ء میں حضرت چوہدری صاحبؓ ہر پندرہ روز کے بعد لندن تشریف لاتے اور میرے پاس مشن ہاؤس کے ایک کمرہ میں قیام پذیر ہوتے۔انہیں جہاں بھی جانا ہوتا، میں ہی انہیں کار میں لے جانے کی سعادت حاصل کرتا۔اکثر عمائدین، سفراء اور سربراہان مملکت سے ملاقاتوں میں وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے۔غالباً 1964ء کی بات ہے حضرت چوہدری صاحبؓ لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔ایک دن مجھے فرمانے لگے کہ سیدنا طاہر سیف الدین جو بوہرہ فرقہ کے امام و مذہبی رہنما تھے، ان دنوں لندن آئے ہوئے ہیں۔انہوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے نیز شام کے کھانے کی دعوت بھی دی ہے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ میں نے

انہیں کہہ دیا ہے کہ میرے ساتھ امام مسجد فضل لندن بھی ہوں گے۔انہوں نے بڑی خوشی سے فرمایا کہ امام صاحب کو بھی میری طرف سے دعوت دے دیں اور انہیں ضرور ساتھ لے کر آئیں۔

جناب طاہر سیف الدین صاحب علی گڑھ یونی ورسٹی کے لمبے عرصہ تک چانسلر رہے تھے۔نیز 40 سے زیادہ کتب کے مصنف بھی تھے۔ہم وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔وہ لندن کے علاقہ ارلز کورٹ کے ایک وسیع وعریض اور شاندار فلیٹ میں مقیم تھے۔ان کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں بذریعہ لفٹ اوپر کی منزل پر لے گئے۔وہاں جناب طاہر سیف الدین صاحب حضرت چوہدری صاحبؓ کے منتظر تھے۔باہمی تعارف وغیرہ کے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔جناب طاہر سیف الدین صاحب کے استفسار پر حضرت چوہدری صاحبؓ نے انہیں تفصیل سے جماعتی کارگزاری سے آگاہ کیا۔مسئلہ مجددیت پر گفتگو ہوئی۔یہ دلچسپ محفل ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک جاری رہی۔ان کے سیکرٹری صاحب نے آکر ہمیں اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔چنانچہ ہمیں طاہر سیف الدین صاحب کی معیت میں ایک کافی بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں قالینوں پر سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں۔کھانا ان پر چن دیا گیا تھا۔سب زمین پر بیٹھے تھے۔کوئی کرسی نہ تھی۔حضرت چوہدری صاحبؓ کو چونکہ کمر درد کی تکلیف تھی اس لئے ان کیلئے کرسی منگوائی گئی۔باقی سب لوگ بمع امام طاہر سیف الدین صاحب قالین پر بیٹھ گئے۔کھانا بہت سادہ تھا۔چاول اور دوسالن۔دوران طعام طاہر سیف الدین صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے فرقہ کے لوگوں کو کھانے پینے میں سادگی کی ہدایت کر رکھی ہے۔اس لئے خود بھی اپنی دعوتوں میں سادگی کا حکم دیتا ہوں۔حضرت چوہدری صاحبؓ اس بات سے بے حد متاثر ہوئے اور بعد میں مجھے کئی دفعہ ارشاد فرمایا کہ جماعت کو تلقین کریں کہ دعوتوں میں سادگی کو اپنائیں اور غیر ضروری اسراف سے پرہیز کریں۔اس طرح سے جو رقم بچ جائے وہ چندہ جات میں دے دی جائے تو سب کو فائدہ ہوگا۔ایک دن فرمانے لگے کہ میں جب وائسرائے کونسل کا ممبر تھا تو ایک دفعہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ میرے پاس تشریف لائے اور چند روز میرے مہمان رہے۔میرے گھر کے ساتھ ایک وسیع عریض باغ تھا جو پھولوں اور پھلوں سے لدا رہتا تھا اور گورنمنٹ کی طرف سے کئی مالی اس کی نگہداشت پر مقرر تھے۔ایک دن جب میں صبح سویرے باغ کی سیر کیلئے نکلا تو میں نے دور سے حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کو گلاب کے ایک پودے کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔میں نہایت خاموشی سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کی پشت کی طرف جا کھڑا ہوا۔میں نے دیکھا کہ انہوں نے گلاب کے پھولوں کی ایک ٹہنی کو پکڑا ہوا تھا اور زاروقطار رو رہے تھے۔میں یہ دیکھ کر حیران ہوا۔میری آہٹ پا کر حضرت مولانا صاحبؓ نے ٹہنی کو چھوڑ دیا اور کھڑے ہو گئے۔ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔میں نے عرض کیا ''مولانا! آپ کیوں رو رہے تھے۔'' اس پر حضرت راجیکی صاحبؓ نے فرمایا:'' چوہدری صاحب! میں صبح باغ کی سیر کیلئے نکلا تو میری نظر گلابوں والے حصۂ چمن پر پڑی۔مجھے گلاب کا پھول بہت پسند ہے۔چنانچہ میں اس کے قریب گیا اور ایک پودے کے قریب بیٹھ گیا۔یہ ٹہنی پھولوں سے لدی ہوئی تھی۔میں نے ایک پھول کو ہاتھ میں پکڑا تو میرا دل اس خیال سے پگھل گیا کہ یہ بھی میرے مولیٰ کی صنعت ہے۔کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی صنعت ہے۔چنانچہ گلاب کے اس پھول میں بھی مجھے خدا کا جلوہ نظر آیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس جہان رنگ و بو کا ایک ایسا صانع ہے جس کا جلوہ اس کی تخلیق اور صنعت کے ذرہ ذرہ میں نظر آتا ہے۔اس جلوہ کو دیکھنے کیلئے صاف دل کی ضرورت ہے اور دل کی صفائی اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کی صحبت اور اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔پھر مجھے حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کا خیال آیا جن کی پاک صحبت نے ہماری دل کی نظر کو شفاف کر دیا اور ہمیں ہر طرف خدا ہی خدا نظر آنے لگا۔پس اس خیال کے آنے سے میرا دل گداز ہو کر آنسوؤں کی صورت میں بہنے لگا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے حضرت راجیکی صاحبؓ کی اس بات چیت کو نہایت تفصیل سے بیان کیا تھا جس کا اکثر حصہ اب مجھے یاد نہیں ہے۔حضرت چوہدری صاحبؓ اپنے محسنوں کو تو یاد رکھتے ہی تھے،ان کے بچوں سے بھی محبت کا سلوک فرماتے تھے۔ایک دفعہ کی بات ہے کہ ہم دونوں لندن سے 40 میل دور ایک قبرستان میں، جہاں کے ایک حصہ میں احمدی بھی دفن ہیں، گئے۔اس قبرستان میں حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ بھی دفن ہیں۔یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے اور جب امارت کا نظام قائم ہوا تو یہ سیالکوٹ کے پہلے امیر مقرر ہوئے تھے۔آپ آخری عمر میں انگلستان بس گئے تھے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔آپؓ بروک ووڈ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ہم بالخصوص ان کی قبر پر دعا کیلئے گئے۔یہ انگلستان میں دفن ہونے والے واحد صحابی ہیں۔قبروں پر دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ اسی قبرستان میں سر فضل حسین کے بیٹے کی بھی قبر ہے جو دوران تعلیم انگلستان میں فوت ہوئے تھے۔اس کی تلاش کی جائے۔چنانچہ ہم نے ان کی قبر کی تلاش شروع کی اور بالآخر ان کی قبر مل گئی۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے دیکھا کہ ان کی قبر کا کتبہ نہایت خستہ حالت میں تھا اور قبر کی حالت بھی خراب تھی۔اردگرد کی اور قبروں کے اوپر بھی خاردار جھاڑیوں نے جال بچھایا ہوا تھا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا:''امام صاحب! سر فضل حسین صاحب میرے محسن تھے۔وہ مجھ سے بے حد پیار اور محبت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔آپ قبرستان کے Care Taker سے دریافت کریں کہ اس قبر کو درست کرنے اور اس پر نیا کتبہ لگانے پر کتنا خرچ آئے گا۔'' میں نے عرض کیا کہ قبرستان کے گیٹ پر اس کا دفتر ہے۔وہیں جا کر بات کر لیتے ہیں۔چنانچہ ہم وہاں جا کر Care Taker سے ملے ۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے اسے کہا کہ اس قبر کو درست کر کے اس پر نیا کتبہ لگاؤ اور اس پر جو خرچ ہو وہ میں ادا کروں گا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے سر فضل حسین کے احسانات کا بدلہ اس صورت میں چکا دیا اور ایسے وقت میں چُکایا جب کہ سر فضل حسین تو وفات پا چکے تھے اور ان کے بچوں اور اولاد میں سے جو کوئی بھی موجود تھا ممکن ہے وہ یا کوئی اور رشتہ دار کبھی اس قبرستان میں اس قبر پر دعا کرنے کیلئے گیا ہو گا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی ہوگی کہ اس قبر کو کس نے آراستہ کیا ہو گا۔لیکن کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا ہو گا کہ وہ مخیر دوست کون ہیں جس نے یہ نیک کام کروایا ہے۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی ہمدردئ خلائق۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وصف یہ عطا کیا تھا کہ آپ کا دل غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور نادار طلباء کی امداد کیلئے ہر وقت بے چین رہتا تھا۔آپ چاہتے تھے کہ آپ کے اموال کا بیشتر حصہ غرباء کی امداد پر خرچ ہو۔ایک دفعہ کی بات ہے کہ لندن کے قریبی قصبہ جلنگھم میں ایک احمدی کی وفات ہوگئی۔میں فوراً جلنگھم جانے کیلئے تیار ہوگیا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ میں اکیلے یہاں کیا کروں گا۔میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔چنانچہ ہم دونوں جلنگھم کیلئے روانہ ہوگئے۔مرحوم کی بیوہ اور بچوں سے ملے۔انہیں تسلی دی اور مرحوم کی تجہیز و تکفین کے مناسب انتظامات کرنے کے بعد واپس لندن کیلئے روانہ ہو گئے۔راستہ میں حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ کیا میں نے بیوہ سے اس کے مالی حالات کے بارہ میں دریافت کیا ہے۔میں نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہاں بیوہ خواتین کو گورنمنٹ کی طرف سے بیوگی الاؤنس اور بچوں کی نگہداشت کیلئے مناسب پنشن ملتی ہے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا:''گورنمنٹ تو قواعد کے مطابق جو امداد کر سکے گی وہ ضرور کرے گی۔لیکن مرحوم جماعت احمدیہ کے فرد

تھے۔تمہارا بحیثیت مبلغ سلسلہ یہ فرض بنتا ہے کہ تم بیوہ سے ان کے حالات دریافت کرواور اگر گورنمنٹ کی امداد کے بعد بھی انہیں کسی مدد کی ضرورت ہوتو اس کا انتظام کرو۔'' میں نے اگلے دن اس خاتون سے فون پر بات کی۔ وہ رونے لگ پڑیں اور اپنے مالی حالات بتائے۔جس سے یہ معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کے الاؤنسز اور پنشن میں وہ اپنے بچوں کی مناسب نگہداشت نہیں کرسکیں گی۔میں نے یہ سارا ماجرہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں عرض کردیا۔آپ نے فوراً اپنے قائم کردہ ٹرسٹ سے بیوہ کیلئے مناسب امداد کا انتظام کردیا۔یہ حقیقت ہے کہ آپ ہر ماہ ہزاروں روپے بیوگان،غریب اور نادار طلباء کو بھجواتے تھے۔ان وظیفہ یافتہ لوگوں میں سے 99٪ لوگوں کو آپ نہیں جانتے تھے۔صرف ان کی درخواستوں کی بناء پر ہی انہیں مالی امداد مہیا کیا کرتے تھے۔

نمازوں کی پابندی۔ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے ایک نہایت دلچسپ واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کیلئے کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد کرتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ جنگ کے دنوں میں آپکو لندن آنے کا اتفاق ہوا۔وائسرائے نے آپ کو ہدایت کی تھی کہ لندن میں جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے واپس آئیں۔فرماتے تھے کہ لندن پہنچنے کے دوسرے دن ملکہ میری (Mary) نے،جو بادشاہ کی والدہ تھیں،مجھے بطور شاہی مہمان دعوت دی کہ میں ان کے مہمان کے طور پر قصر ہملٹن میں،جو گلاسٹر شائر میں ہے،حاضر ہوجاؤں۔یہ ایک ہندوستانی کیلئے بہت بڑا اعزاز تھا۔میں نے یہ دعوت قبول کرلی اور قصر ہملٹن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔محل میں پہنچنے پر لارڈ کلاڈ ہملٹن نے مجھے تفصیل سے ملکہ کی خدمت میں حاضری کے آداب پر لیکچر دیا اور منجملہ اور باتوں کے مجھے کہا کہ ملکہ کی خدمت میں حاضری کے وقت اپنی گھڑی کو نہ دیکھیں۔ایسا کرنا بے ادبی میں شامل ہے اور بھی بہت سی ہدایات دیں۔کچھ دیر بعد ملکہ میری کی لیڈی ان ویٹنگ تشریف لائیں اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔راستہ میں انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ تمہاری ملکہ سے پہلی ملاقات ہے۔اس لئے یہ بے حد مختصر ہوگی۔ملکہ چند منٹ آپ سے گفتگو کریں گی۔تفصیلی ملاقاتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔میں ان کے ساتھ کمرۂ ملاقات میں داخل ہوگیا۔تھوڑی ہی دیر میں ملکہ تشریف لائیں اور مجھے بیٹھنے کو کہا۔گفتگو شروع ہوئی۔یہ پہلی ملاقات خلاف معمول لمبی ہوگئی۔دوران ملاقات مجھے خیال آیا کہ میری عصر کی نماز کا وقت تنگ ہورہا ہے۔یہ کہیں ضائع نہ ہوجائے۔اس پریشانی میں میں نے ملکہ کی نظر بچا کر اپنی گھڑی کو دیکھا۔ملکہ بے حد زیرک تھیں۔انہوں نے مجھے گھڑی کو دیکھتے دیکھ لیا۔اور فرمایا کہ کیا تمہیں کسی اور سے بھی ملنا ہے۔میں نے عرض کیا کہ ملکہ معظّمہ کی ملاقات سے بڑھ کر اور کونسی ملاقات ہوسکتی ہے۔لیکن میں نے گھڑی کو دیکھنے کی گستاخی اسلئے کی ہے کہ مجھے مالک کل جہان کے دربار میں بھی حاضری دینی ہے جس کا وقت نکلا جارہا ہے۔ملکہ نے فرمایا:''بے شک اپنے خالق کی عبادت اور اس کے احکامات کی تعمیل ہم سب پر فرض ہے۔'' میں نے انہیں بتایا کہ میری عصر کی نماز کی ادائیگی میں بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔ملکہ معظّمہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی سیکرٹری کو ہدایت کی کہ ظفر اللہ خان سے اس کی نمازوں کے اوقات دریافت کر کے مجھے اس کی اطلاع دو۔نیز اگر میں کسی وقت ظفر اللہ خان سے محوِ گفتگو ہوں اور ان کی نماز کا وقت ہوجائے تو مجھے بتادیا جائے کہ ظفر اللہ خان کی نماز کا وقت آ گیا ہے۔میں ملکہ سے رخصت ہوکر اپنے کمرہ میں آیا اور نماز عصر ادا کی۔نماز کے بعد ملکہ کی سیکرٹری کو اپنے نمازوں کے اوقات سے آگاہ کیا۔اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی اور اس کے بعد جب بھی میں ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ بار بار پوچھتی تھیں کہ آپ کی نماز کا وقت تو نہیں ہوگیا۔

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ ایک مقبول بارگاہ بندہ

اپنے ایک دوسرے مضمون میں امام بشیر احمد رفیق صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ 6فروری 1893ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔حضرت چوہدری صاحبؓ کے مرتبہ کے انسان دنیا میں مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں اور ایسے انسان اپنے پاک اور عظیم نمونہ سے ہزاروں دلوں کو منور کر جاتے ہیں اور ہزاروں لوگوں کیلئے ہدایت و رہنمائی کا مینار بنتے ہیں۔حضرت چوہدری صاحبؓ سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب میں 1959ء میں بطور نائب امام مسجد فضل لندن پہنچا۔حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں عالمی عدالت انصاف کے جج تھے۔ان دنوں آپ جب لندن تشریف لاتے تو عام طور پر رائل کامن ویلتھ سوسائیٹی میں قیام فرماتے۔اس طرح حضرت چوہدری صاحبؓ سے تعارف اور محبت کے ابتدائی مراحل طے ہونے لگے اور آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔اس کے بعد 1964ء میں جب خاکسار کو امام مسجد فضل لندن کے عہدے پر مقرر کیا گیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے سلسلہء مودت و محبت میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔آپ کا لندن آنا جانا بھی بڑھ گیا اور پھر مجھے یہ اعزاز بھی ملنے لگا کہ جب آپ لندن تشریف لاتے تو مشن ہاؤس میں میرے گھر کو رونق بخشتے اور کئی مرتبہ میرے ہاں مقیم بھی ہوتے۔خاکسار ہی انہیں ائیر پورٹ سے لے کر آتا اور واپس چھوڑنے بھی جاتا اور پھر بالآخر جب انٹرنیشنل کورٹ سے ریٹائر ہو گئے تو لندن میں مشن ہاؤس کے اوپر کی منزل میں ایک فلیٹ میں مستقلاً منتقل ہو گئے۔ساتھ ہی میرا فلیٹ تھا۔دونوں وقت کا کھانا ہم اکٹھے کھاتے۔سفر و حضر میں ساتھ رہتے۔شام کو کھانے کی میز پر میں اکثر ایسے احباب کو بھی مدعو کر لیا کرتا جنہیں حضرت چوہدری صاحبؓ سے ملنے کا زبردست اشتیاق ہوتا تھا اور یہ شام کے کھانے کی میز حضرت چوہدری صاحبؓ کی درسگاہ بن جایا کرتی تھی جس میں حضرت چوہدری صاحبؓ علم وعرفان کے خزانے لٹایا کرتے تھے۔حضرت چوہدری صاحبؓ کی انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے ریٹائرمنٹ کا قصہ بھی بہت ایمان افروز ہے۔

1972ء میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا نام بطور جج دوبارہ انتخاب کیلئے بھجوایا گیا تھا۔آپ کو یقین تھا کہ آپ منتخب ہو جائیں گے اور ٹیلیفون پر مجھے بتا چکے تھے کہ آپ کو یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ آپ ضرور منتخب ہو جائیں گے۔انہی دنوں، جب ہم اس انتظار میں تھے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کے دوبارہ انتخاب کی خوش خبری ملے ، ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ نے فون کیا اور فرمایا کہ میں لندن آ رہا ہوں۔اس دفعہ سامان زیادہ ہوگا اس لئے تم دو کاریں لے کر آؤ۔میں یہ سن کر بہت حیران ہوا اور میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کا انتخاب ہو گیا ہے۔ تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا کہ یہ لندن آ کر بتاؤں گا۔میں بے تابی سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔آپ تشریف لائے۔شام کے کھانے پر بیٹھے تو میں نے مع سامان لندن آنے کی وجہ دریافت کی۔آپ نے فرمایا کہ مجھے تمام ججوں کی طرف سے یہ یقین دہانی کرائی جا چکی تھی کہ انتخاب میں میں یقیناً کامیاب ہو جاؤں گا اور مزید 9سال اس عہدہ پر فائز رہوں گا۔ایک رات میں نے خواب میں حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھا۔انہوں نے کمال شفقت سے مجھے فرمایا کہ ظفراللہ اب دنیا کے ان جھمیلوں کو چھوڑ کر بقیہ زندگی کلیۃً خدمت دین کیلئے وقف کر دو۔چنانچہ صبح اُٹھ کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا نام واپس لے لیا اور فوراً اس لئے لندن چلا آیا کہ مبادا جج صاحبان مجھے اپنا

فیصلہ واپس لینے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔اس طرح آپ نے ایک ایسے اعلیٰ عہدہ پر لات ماری جس کے حصول کیلئے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔آپ چاہتے تو خواب کی تعبیر کسی اور رنگ میں کر سکتے تھے۔لیکن آپ نے نہ تو دنیوی عہدہ کی پرواہ کی اور نہ اس بات کی پرواہ کی کہ مستقبل میں ذرائع آمدن کیا ہوں گے۔حضرت چوہدری صاحبؓ کو اپنے وطن پاکستان سے بہت محبت تھی۔اور اس کیلئے ہر قربانی کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ایک دفعہ کھانے کی میز پر انہوں نے تقسیم ہند کے وقت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ 1947ء میں تقسیم ملک کے منصوبے کا اعلان ہو گیا تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں فیڈرل کورٹ آف انڈیا سے علیحدہ ہو جاؤں۔چنانچہ آپ نے اپنا استعفیٰ بھجوا یا۔آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں لاہور جا کر وکالت کے پیشہ سے منسلک ہو جاؤں گا۔پنڈت نہرو صاحب نے مجھے ہندوستان میں رہنے کیلئے اعلیٰ عہدوں کی پیشکش کی۔لیکن میں آمادہ نہ ہوا اور پاکستان جانے کی تیاری شروع کر دی۔انہی دنوں نواب سر حمید اللہ خان والی بھوپال دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے استعفیٰ دے دیا ہے تو انہوں نے مجھے دعوت دی کہ میں کچھ عرصہ کیلئے بطور مشیر ان کے ساتھ بھوپال آ جاؤں۔میں نے اس وجہ سے کہ نواب صاحب ہمیشہ میرے ساتھ بہت محبت وشفقت سے پیش آتے تھے،ان کی پیشکش کو قبول کر لیا اور بھوپال ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔بھوپال پہنچا تو ایک شام کھانے کی میز پر نواب صاحب نے فرمایا: ظفر اللہ خان آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ بھوپال میری مدد کیلئے تشریف لائے ہیں۔لیکن ہم نے آپس میں بات نہیں کی ہے کہ آپ کی خدمات کا معاوضہ کیا ہوگا۔میں نے عرض کیا کہ میں کسی معاوضہ کی لالچ میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔آپ سے قریبی دوستانہ تعلقات اور تعلق اخوت ومحبت کی وجہ سے میں نے آپ کی پیشکش کو قبول کیا ہے۔نواب صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس معاملہ پر غور کیا ہے کہ آپ کی ماہوار تنخواہ چالیس ہزار روپے ہوگی۔اس پر کوئی ٹیکس بھی نہیں ہوگا۔نیز ہم نے آپ کی رہائش کیلئے اپنے محل کا ایک آرام دہ حصہ مخصوص کر لیا ہے۔آپ اور آپ کی فیملی اور مہمانوں کا کھانا شاہی مطبخ (باورچی خانہ) میں تیار ہوا کرے گا اور یہ سب سرکار کی طرف سے ہوگا۔آپ کسی قسم کی ادائیگی نہیں کریں گے۔اگلے دن شام کو نواب صاحب نے یاد فرمایا۔ہم دونوں باغ میں چہل قدمی کیلئے گئے۔واپسی پر نواب صاحب ایک طرف لے گئے۔جہاں قطار میں چھ نہایت خوبصورت بڑی موٹریں کھڑی تھیں۔ان کے آگے ڈرائیور وردی میں ملبوس کھڑے تھے۔نواب صاحب نے فرمایا یہ آپ کی گاڑیاں ہیں۔میں نے عرض کیا مجھے تو صرف ایک گاڑی کی ضرورت ہوگی۔نواب صاحب فرمانے لگے ایک گاڑی سے تو دل اکتا جاتا ہے۔اس لئے یہ سب گاڑیاں آپ کیلئے ہیں۔جس پر چاہیں سفر کریں۔غرض نواب صاحب نے کمال حسن سلوک کیا اور میری کوئی ایسی ضرورت نہ تھی جس کا انہوں نے خیال نہ رکھا ہو۔کچھ عرصہ بعد ایک دِن قائداعظم نے مجھے یاد فرمایا۔میں ان دنوں کراچی آیا ہوا تھا۔میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ تم اب بھوپال سے اپنا تعلق ختم کر کے فوراً پاکستان آ جاؤ۔ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔چنانچہ انہوں نے مجھے پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔میری تنخواہ بھوپال میں چالیس ہزار تھی اور اب پاکستان میں چار ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔اس پر ٹیکس بھی دینا پڑتا تھا۔بھوپال میں مجھے نواب صاحب کے محل کا ایک حصہ رہائش کیلئے دیا گیا تھا۔یہاں کراچی میں شروع میں ایک ہوٹل میں دو کمروں میں لمبے عرصہ تک قیام رہا۔بھوپال میں چھ کاریں میری تحویل میں تھیں،یہاں ایک موٹر ملی۔باوجود ان نامساعد حالات کے میں نے پاکستان کی خدمت کا عزم کیا اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی کہ مالی یا رہائشی پریشانی سے کیونکر نپٹا جائے گا۔یہ

تھی چوہدری صاحب کی وطن سے محبت کی کیفیت۔

ایک دفعہ سر خضر حیات خان صاحب ٹوانہ جو تقسیم ملک سے قبل متحدہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے،لندن تشریف لائے اور پکاڈلی کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔آپ کا قیام اسی ہوٹل میں ہوا کرتا تھا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھے فرمایا کہ خضر حیات صاحب میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں اور میرا بیحد احترام کرتے ہیں۔میری خواہش ہے کہ ان کی ملاقات کیلئے ان کے پاس جاؤں۔تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ ہم دونوں وقت مقررہ پر ہوٹل پہنچ ہوگئے۔سر خضر حیات خان صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری ہمارے استقبال کیلئے دروازہ پر موجود تھے۔وہ ہمیں بذریعہ لفٹ اوپر کی منزل پر لے گئے۔یہ ساری کی ساری منزل سر خضر حیات صاحب کیلئے بک کرائی گئی تھی۔لفٹ پر بھی ان کے ملازم لفٹ کو اوپر نیچے لے جانے پر مامور تھے۔سر خضر حیات خان صاحب ایک وسیع ڈرائنگ روم میں تشریف فرما تھے۔اردگرد ان کے خدام باادب ایستادہ تھے۔ہم حاضر ہوئے تو سر خضر حیات خان صاحب نے آگے نہایت پُرتپاک انداز میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا استقبال کیا اور بار بار فرمایا کہ انہیں حضرت چوہدری صاحبؓ کی ملاقات سے بیحد خوشی ہورہی ہے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرا تعارف کرایا۔تو سر خضر حیات خان صاحب نے مجھ سے معانقہ کیا اور میری آمد پر بھی بہت خوشی کا اظہار کیا۔اپنی نشستوں پر بیٹھ جانے کے بعد سر خضر حیات خان صاحب نے فرمایا کہ وہ جب بھی لندن آتے ہیں تو ہوٹل کا یہ پورا ونگ ان کیلئے ریزرو ہوتا ہے۔وہ اپنے ساتھ اپنے کچن کا سٹاف، نوکر چاکر وغیرہ بھی لاتے ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ اس سال میری بیوی بچے میرے ساتھ نہ آسکے، تاہم یہ سارا ونگ میرے لئے ریزرو ہے اور یہ کہ میں اپنے اردگرد ایسے لوگوں کو دیکھنا نہیں چاہتا جنہیں میں نہ جانتا ہوں۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا،خضر صاحب! جب آپ کے اہل وعیال آپ کے ساتھ نہیں آئے تو پھر اتنی بڑی جگہ ریزرو کرنے اور اس پر خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو رقم کا ضیاع ہے۔اس پر سر خضر حیات صاحب نے کہا:''چوہدری صاحب! میری ساری زندگی اسی طرح گذری ہے۔ہمیں خدا نے بہت دولت دی ہے اور دولت تو ہوتی ہی انسان کے آرام کیلئے ہے۔''اس کے بعد خضر حیات خان صاحب نے حضرت چوہدری صاحبؓ سے دریافت کیا کہ آپ کی رہائش کہاں ہے اور آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت چوہدری صاحبؓ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:''لندن کے احمدیہ مشن ہاؤس میں ان کے ساتھ والے فلیٹ میں رہتا ہوں اور کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا ہوں۔''سر خضر حیات صاحب نے کہا:''چوہدری صاحب! آپ کو بھی اللہ نے بہت دولت دی ہے۔آپ کو ایک بیڈروم کے فلیٹ میں رہتے ہوئے گھبراہٹ محسوس نہیں ہوتی؟ مجھے تو اس تصور سے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایک کمرہ کے مختصر سے فلیٹ میں محصور ہوکر رہ جائے۔جب آپ کو خدا نے اس قدر مال و دولت عطا کی ہے تو پھر ایسی جگہ رہائش کیوں اختیار کی ہے۔آپ کیلئے کسی چیز کی کمی نہیں۔آپ بڑے سے بڑے مکان میں رہائش اختیار کرسکتے ہیں۔پھر یوں فقیری اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''حضرت چوہدری صاحبؓ نے جواب دیا:''خضر! اس طرح فقیری میں زندگی گزار کر غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور ناداروں کی خدمت کرنے میں جو لطف،سکون واطمینان ہے، کاش وہ میں بیان کرسکتا! مجھے اللہ تعالیٰ نے باوجود فقیری اختیار کرنے کے انتہائی پرسکون اور خوشیوں سے معمور زندگی سے نوازا ہے۔مجھے کبھی ایک لمحہ کیلئے دنیوی مال ومتاع اور ظاہری شان وشوکت کی تمنا نہیں ہوئی۔''پھر فرمایا:''خضر! کاش تمہیں بھی فقر کی یہ دولت نصیب

ہو،تو پھر تم بھی سمجھ سکو گے کہ اس زندگی میں کتنا لطف اور آرام ہے!‘‘

ایک دفعہ دسمبر میں آپ پاکستان جانے لگے تو مجھے ارشاد فرمایا کہ کسی سستی ایئر لائن کا ٹکٹ خرید لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں کسی سستی ایئر لائن کے اکانومی کلاس میں سفر کر رہے ہیں؟ آپ کو تو کسی اچھی ایئر لائن کے فرسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہئے۔ آپ کو ساری دنیا جانتی ہے۔ وہ کیا کہیں گے؟ آپ نے میری بات سن کر فرمایا: ’’امام صاحب! میرے فرسٹ کلاس میں سفر نہ کرنے سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یوں بھی میں زیادہ آسائشوں کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے اکانومی کلاس میں بھی پورا آرام مل جاتا ہے۔ جو رقم میں فرسٹ کلاس کی بجائے اکانومی کلاس میں سفر کرنے سے بچا لیتا ہوں وہ کئی نادار طلباء، غربا اور بیوگان کے کام آجاتی ہے۔ کیوں نہ میں اپنے آپ کو معمولی تکلیف میں ڈال کر مخلوق خدا پر خرچ کروں؟ جس سے مجھے دنیوی تسکین بھی ملتی ہے اور اللہ کی رضا کی بھی امید رہتی ہے کہ وہ میری اس خدمت کو قبول فرمائے گا اور میرے گناہوں اور لغزشوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے میری بخشش فرمائے گا۔ اگر اس معمولی رقم کو مخلوق خدا پر خرچ کرنے سے مجھے میرے مولیٰ کی رضا ملے تو یہ سودا بہت سودمند ہے۔‘‘ میں نے اگلے دن ایک درمیانے درجہ کی ایئر لائن کا اکانومی ٹکٹ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن اپنی بے وقوفی سے دوبارہ عرض کیا کہ آپ کو فرسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہئے تھا۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ اسی شام کو مجھے اچانک اس ائیر لائن کے جنرل منیجر کا فون آیا اور اس نے دریافت کیا کہ تم نے جو ٹکٹ سر ظفر اللہ خان کیلئے خریدا ہے، کیا یہ وہی ظفر اللہ خان ہیں جو پاکستان کے وزیر خارجہ اور انٹرنیشنل کورٹ کے صدر تھے۔ میں نے کہا ہاں یہ وہی ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر ممکن ہو تو وہ اگلے دن حضرت چوہدری صاحبؓ سے اور مجھ سے ملنا چاہیں گے۔ میں نے اگلے دن انہیں چائے پر بلایا۔ وہ تشریف لائے اور حضرت چوہدری صاحبؓ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کی ایئر لائن پر حضرت چوہدری صاحبؓ سفر کرنے والے ہیں تو انہوں نے فوراً اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کیا اور ان کو بتایا کہ سر ظفر اللہ خان ان کی فلائیٹ سے کراچی جا رہے ہیں۔ اس پر مجھے ہیڈ آفس سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ سر ظفر اللہ خان کے ٹکٹ کو فرسٹ کلاس میں بدل دیا جائے اور انہیں V.I.P کی تمام سہولیات میسر کی جائیں اور فلائٹ کے دوران ان کی خدمت کیلئے ائر ہوسٹس مخصوص کی جائیں اور ان سے اکانومی اور فرسٹ کلاس کے درمیان کے کرایہ کا فرق ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ جب یہ صاحب چلے گئے تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر نہایت جذباتی انداز میں فرمایا: ’’امام صاحب! آپ بار بار مجھے فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کو کہہ رہے تھے اور میں اس بات پر مصر تھا کہ میں اکانومی سے ہی سفر کروں گا اور رقم بچا کر غریبوں پر خرچ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس بحث و مباحثہ کو آسمان سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی محبت کا اظہار یوں کیا کہ اس نے ایئر لائن کے جنرل منیجر کو تحریک کی کہ ظفر اللہ خان جو ہمارا ایک عاجز بندہ ہے اور ہمیں پیارا ہے، اسے فرسٹ کلاس میں سفر کراؤ۔ خواہ اس کے پاس اکانومی کا ٹکٹ ہی کیوں نہ ہو!‘‘ میں نے دیکھا کہ یہ بات کرتے ہوئے اِنکی آنکھیں پُرنم تھیں۔ قارئین سے درخواست کروں گا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی مغفرت اور بلندئ درجات کیلئے ہمیشہ دعا کرتے رہیں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل 10 جولائی 2004ء)

کبھی فراموش نہ ہونے والی یادوں کی متاعِ عزیز

سلیمہ ناہیدؔ رفیق اہلیہ بشیر احمد رفیق

میں اس بات پر جتنا بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس عاجز کو متواتر دس سال حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب ؓ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ یوں تو 1959ء سے ہی حضرت چوہدری صاحب ؓ سے اس تعلق کا آغاز ہوا۔ آپ ان دنوں جب بھی لندن تشریف لاتے ہمارے ہاں تشریف لاتے اور ایک وقت کا کھانا ضرور ہمارے ساتھ تناول فرماتے، لیکن 1973ء میں جب ہیگ سے مستقلاً نقل مکانی کر کے لندن تشریف لائے تو لندن مشن کے ایک فلیٹ میں جو ہمارے فلیٹ سے ملحق تھا، رہائش پذیر ہوئے اور ہماری درخواست کو، کہ کھانا ہمارے ساتھ تناول فرمایا کریں، قبول کر کے ہم پر احسان فرمایا۔

حضرت چوہدری صاحب ؓ کو اس عرصہ میں میں نے بہت قریب سے دیکھا اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتی ہوں کہ ائمہ احمدیت کے بعد میں نے ان کو بہت عظیم پایا ہے۔ آپ مجھ سے، میرے بچوں سے شفیق باپ کی طرح پیار کرتے تھے۔ ہمارے دُکھ سُکھ میں برابر کے شریک رہتے تھے۔ میرے بچوں کی تربیت ایسے رنگ میں فرمائی کہ ان کا یہ احسان بھی میں تا عمر نہ بھلا سکوں گی۔ حضرت چوہدری صاحب ؓ کھانے کے معاملہ میں نہایت سادگی پسند تھے۔ ان دس سالوں کے طویل عرصہ میں مجھے ایک دفعہ بھی یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی کھانے میں نقص نکالا ہو۔ بس جو بھی کھانا ان کے آگے رکھ دیا، کھا لیا کرتے تھے۔ میں اکثر باصرار پوچھتی کہ اپنی من پسند کوئی چیز بتائیں تو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ اس بات کا دھیان رکھ کر کہ میں ذیابیطس کا مریض ہوں، آپ جو بھی پکائیں گے میں شوق سے کھا لیا کروں گا۔ دہی اور شہد آپ کو بہت پسند تھے۔ آئس کریم بھی شام کے کھانے میں پسند فرماتے تھے۔ غذا کی مقدار بہت تھوڑی تھی۔ آپ عمر کے لحاظ سے میرے والد صاحب سے بھی زیادہ عمر کے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میرے خاوند مشن کے کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے کھانے کے وقت پر گھر نہ پہنچ سکتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحب ؓ مقررہ وقت پر ڈائننگ ٹیبل پر تشریف لاتے۔ میں کھانا پیش کرتی۔ آپ سارا وقت نظریں نیچی رکھتے۔ بات بھی کرتے تو نظر ہرگز اُوپر نہ اُٹھاتے۔ یہی حال میری بچیوں کے ساتھ تھا۔ ان سے بعض اوقات گھنٹوں باتیں کرتے رہتے تھے لیکن مجال ہے جو دورانِ گفتگو نظر اُونچی کی ہو۔ مجھے عام طور پر ''خانم'' کے لفظ سے خطاب فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ جس کا نام لینا ہوتا تھا اُس کا پورا نام پکارتے تھے۔ ہم اپنے بیٹے کو پیار سے کُوکُو پکارتے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحب ؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ دیکھو اس کا نام منیر احمد ہے۔ اتنے خوبصورت نام کے ہوتے ہوئے اسے کُوکُو پکارنا نہ معلوم آپ کو کیوں اچھا لگتا ہے۔ آپ نے باوجود بے تکلفی کے بھی کبھی منیر احمد کو کُوکُو کے نام سے یاد نہیں کیا۔ یہی حال بچیوں کے ناموں کا تھا۔ ہر بچی کو اس کے پورے نام سے یاد فرماتے تھے۔ بچوں کے مسائل میں بالکل گھر کے ایک فرد کی طرح دلچسپی لیتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے انہیں دُعا کیلئے عرض کیا تو فرمانے لگے خانم! آپ کو مجھے دُعا کی یاد دہانی نہیں کرانی چاہیئے۔ میں بالالتزام آپ کے لئے، آپ کے خاوند کے لئے اور بچوں اور آپ کے ماں باپ کیلئے نام بنام روزانہ بلا ناغہ دُعا کرتا ہوں۔ جب میری بچی امۃ الجمیل کی شادی ہوئی تو آپ روزانہ ہی شادی کے انتظامات کے بارہ میں دریافت فرماتے۔ شادی سے چند روز قبل فرمایا کہ مجھے نہ تو شادی بیاہ کی

رسُوم کا علم ہے اور نہ ہی میں ان کا قائل ہوں۔ اس لئے بحیثیت امۃ الجمیل کا بزرگ ہونے کے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اسے کوئی اچھا سا تحفہ پیش کروں۔ کیونکہ اس نے میری بڑی خدمت کی ہے اور ایک چیک مجھے دیا کہ اس سے اس کیلئے جو چاہو اور امۃ الجمیل کو پسند ہو خرید کر امۃ الجمیل کو پیش کردو۔ ہم نے چیک نہ لینے پر اصرار کیا تو فرمایا کیا آپ امۃ الجمیل کو میری بچی نہیں سمجھتے؟ میری دوسری بیٹی امۃ النصیر کی شادی پاکستان آ کر ہوئی۔ چونکہ بارات نے پشاور سے آنا تھا اور رخصتانہ کی تقریب کھاریاں میں منعقد ہونی تھی جہاں میرے دیور کرنل نذیر احمد اسٹیشن کمانڈر تھے۔ ہم نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دُعا کیلئے کہا اور کہا کہ چونکہ آپ کے لئے شادی میں شرکت کیلئے کھاریاں آنا مشکل ہوگا۔ اسلئے آپ صرف دُعا سے ہماری مدد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں امۃ النصیر کی شادی میں شرکت نہ کروں گا۔ چنانچہ آپ کھاریاں تشریف لائے اور عزیزہ امۃ الجمیل کی طرح امۃ النصیر کا نکاح بھی خود ہی پڑھا۔ رخصتانہ سے قبل آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آپ امۃ النصیر سے الگ ملنا چاہتے ہیں۔ اس کا انتظام کر دیا گیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ امۃ النصیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کافی دیر دُعا کی، اسے بیش قیمت نصائح سے نوازا۔ اور تحفہ کے طور پر اسے کچھ رقم عنایت فرمائی۔ ایک دفعہ میرے بیٹے منیر احمد کو داخلہ کے سلسلہ میں ریفرنس کی ضرورت پیش آ گئی۔ آپ کو علم ہوا تو ازخود ایک اعلیٰ سرٹیفکیٹ منیر احمد کو دیا اور فرمایا جہاں ضرورت پڑے اسے استعمال کرو۔ اس سرٹیفکیٹ میں منیر احمد کی بہت تعریف فرمائی تھی اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ ''سابق صدر عالمی عدالت انصاف'' تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط منیر احمد کے پاس محفوظ ہے اور ہم سب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ ہمارے پاکستان آنے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ جب بھی ربوہ تشریف لاتے ہمارے گھر ضرور قدم رنجہ فرماتے۔ میرے خاوند نے کئی بار اصرار بھی کیا کہ آپ کو ہمارے ہاں آنے سے زحمت اُٹھانی پڑتی ہوگی اس لئے آپ جب ربوہ تشریف لاویں تو ہمیں اطلاع فرماویں ہم حاضر ہو جائیں گے، لیکن نہ مانتے اور آخر تک یہ التزام رکھا کہ جب بھی ربوہ تشریف لاتے ہمارے گھر کو ضرور برکت بخشتے۔ ہر بچے کا تفصیل سے حال دریافت کرتے۔ اگر کسی بچے نے باقاعدگی سے خط و کتابت نہ کی ہوتی تو اس کا شکوہ فرماتے۔ ٹیلی ویژن گھر میں رکھنا آپ کو پسند نہ تھا۔ بچوں کو بھی اس سے دُور رہنے کی تلقین فرماتے اور اکثر انہیں کہا کرتے تھے کہ جب سے ٹیلی ویژن آیا ہے لوگوں میں اعلیٰ ادبی ذوق ختم ہوتا جارہا ہے اور وقت بالکل ضائع ہوتا چلا جارہا ہے۔ ایک دفعہ میرے بیٹے نے عرض کیا اگر ٹی وی کا استعمال صرف خبروں کیلئے ہو تو پھر بھی آپ کو اعتراض ہوگا۔ فرمانے لگے۔ میں تم سے زیادہ باخبر رہتا ہوں اور مجھے دنیا بھر کی خبریں روزانہ اخبارات سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ ان اخبارات کو پڑھنے سے نہ صرف خبریں ہی معلوم ہوتی ہیں بلکہ انگریزی زبان پر بھی قدرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ خلیفۃ المسیح الثالث سے آپ کو بیحد محبت تھی۔ آپ کو باوجود ذیابیطس، وقت پر کھانے کی عادت تھی اور عین وقت پر آپ ڈائننگ ٹیبل پر تشریف لاتے تھے لیکن جب حضورؒ تشریف لاتے تو مجھے فرمایا کرتے کہ آپ ساری توجہ حضورؒ کے آرام پر دیں۔ میرے اوقات کی فکر نہ کریں۔ میرے پاس بسکٹ وغیرہ ہیں۔ وقت پر کھانا نہ مل سکا تو بسکٹ کھا لیا کروں گا۔ حضورؒ کے دوروں کے دوران میں آپ کے لئے پرہیزی کھانے کا اس طرح اہتمام نہ کرسکتی جو عام طور پر کرتی تھی۔ لیکن کبھی یہ فرمائش نہ کی کہ عام کھانا جو تیار ہوا ہے وہ کیوں بھجوایا۔ حضورؒ کو بھی حضرت چوہدری صاحبؓ کے آرام کا بیحد خیال رہتا تھا۔ ایک دفعہ حضورؒ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ اس بات پر سختی سے کاربند رہو کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کو ہم سے پہلے کھانا بھجوایا جائے۔ جب ہم لندن سے مستقلاً ربوہ آنے والے تھے تو میں نے عرض کیا کہ لندن چھوڑنے کا مجھے

کوئی افسوس نہیں ہے۔افسوس اورغم صرف اس بات کا ہے کہ آپ کی خدمت سے محروم ہو جاؤں گی۔آپ میری یہ بات سن کر خاموش رہے۔بعد میں ایک خط میں میرے خاوند کو لکھا کہ اس دن جب خانم نے مجھ سے یہ بات کی تھی تو میں جذباتی ہو گیا تھا اس لئے خانم کو جواب نہ دے سکا۔اور مجھے اس دن فخر بھی محسوس ہوا کہ ایسا بھی کوئی وجود ہے جو میری خدمت سے محرومی پر اداسی اور افسردگی محسوس کرتا ہے۔ایک دفعہ ہم جلسہ سالانہ میں شرکت کیلئے پاکستان آئے۔حضرت چوہدری صاحبؓ ہم سے پہلے لاہور تشریف لا چکے تھے۔آپ نے خط لکھا اور فرمایا کہ ربوہ جانے سے قبل لاہور میرے گھر آپ کا قیام ہوگا اور ایک دو دن میرے پاس رہنے کے بعد آپ کو ربوہ جانے کی اجازت ہوگی۔چنانچہ جب ہم لاہور پہنچے تو آپ نے ائرپورٹ پر اپنی گاڑی ہمیں لینے کیلئے بھجوائی ہوئی تھی۔گھر پہنچے تو آپ نے بہت مسرت سے ہمارا استقبال فرمایا۔باورچی کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ امام صاحب کو کافی پینے کی عادت ہے۔ان سے وقتاً فوقتاً دریافت کرتے رہنا۔اور جب کہیں ان کیلئے کافی تیار کر کے ان کے کمرہ میں لے جانا۔پھر ہمارے ساتھ جس کمرہ میں ہمیں ٹھہرانا تھا تشریف لے گئے۔ہمارے آرام کی ایک ایک چیز خود چیک فرمائی اور دو دن قیام کے دوران درجنوں مرتبہ دریافت کیا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ہمیں شرم آتی تھی کہ آپ کیوں بار بار ہمارے آرام و آسائش کیلئے اتنی تکلیف کرتے ہیں۔آپ پیار،محبت اور شفقت کا ایک مجسمہ تھے۔آپ کی یادیں ایسی ہیں جو بھلائے نہیں بھول سکتیں۔میرے والدین فوت ہو چکے ہیں۔حضرت چوہدری صاحبؓ کی وفات کا غم خدا شاہد ہے مجھے اپنے والدین کے غم سے کم نہیں ہوا اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم بے سہارا رہ گئے ہیں۔میرا چھوٹا بیٹا محمود احمد ہسپتال میں پیدا ہوا۔آپ پیدائش کے اگلے دن ہسپتال تشریف لائے۔مجھے محمود احمد کی پیدائش پر مبارکباد دی۔دیر تک محمود احمد کے پاس کھڑے رہے اور دُعا کرتے رہے۔محمود احمد کے ساتھ ہمیشہ بہت شفقت سے پیش آتے رہے۔اس کی معصوم شرارتوں سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔ایک دفعہ ربوہ تشریف لائے تو محمود احمد کو بلا کر اُسے اس کی آٹوگراف بُک پر اپنے دستخط کر کے دیئے جو محمود احمد کے پاس محفوظ ہیں۔میری بیٹی بشریٰ ناہید سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔بشریٰ ناہید ابھی چھوٹی تھی اور اس کی ڈیوٹی تھی کہ روزانہ صبح سویرے حضرت چوہدری صاحبؓ کی ڈاک اور صبح کا اخبار ان کو پہنچایا کرے۔وہ یہ ڈیوٹی بڑی مستعدی سے سرانجام دیا کرتی تھی۔امۃ النصیر اور بشریٰ ناہید ہفتہ میں ایک بار آپ کے فلیٹ کی صفائی بھی کیا کرتی تھیں۔ان مواقع پر حضرت چوہدری صاحبؓ انہیں قیمتی نصائح سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔غرض حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرے بچوں،مجھے اور میرے خاوند کو بالکل اپنے بچوں کی طرح پیار دیا۔ہمارے دُکھ سُکھ میں شریک رہے اور ہمارے گھر کے ایک سرپرست کے طور پر ہمارے ساتھ رہے۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی 1978 میں کینیڈا تشریف آوری کا احوال

مکرم زکریا ورک صاحب ٹورنٹو

آج سے چالیس سال قبل جماعت احمدیہ عالمگیر کی ایک بزرگ اور قابل صد احترام شخصیت سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب،لندن سے کینیڈا جماعت احمدیہ کے دوسرے کنونشن (جلسہ سالانہ جولائی 1978) کی صدارت کیلئے ٹورنٹو تشریف لائے تھے۔ان حسین یادوں کو ضبط تحریر میں لانے کیلئے کچھ تو مَیں نے اپنی یادداشت پر انحصار اور اعتبار کیا ہے مگر اس کے ساتھ میرے

پاس جو پرانے کاغذات، جلسہ کی تیاری کے ضمن میں اس وقت کی پرانی خط وکتابت، جلسہ سالانہ کا شائع شدہ پروگرام، اخبارالفضل میں جلسہ سالانہ کی طبع شدہ رپورٹ، اور مقامی اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان پر انحصار کیا گیا ہے۔ پوری کوشش کی گئی ہے کہ تمام واقعات پوری امانت ودیانت کے ساتھ من وعن جیسے رو پذیر ہوئے تھے ان کو بیان کیا جائے۔ جماعت احمدیہ ٹورنٹو کی مجلس عاملہ میں عاجز اس وقت جنرل سیکرٹری کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔کینیڈا جماعت کا پہلا جلسہ سالانہ جو دسمبر 1977 کو منعقد ہوًا تھا اس کا بھی خاکسار سیکرٹری کنونشن تھا۔ (الفضل ربوہ میں اس کی رپورٹ 17 جولائی 2006 کو دوسری بار شائع ہوئی تھی)۔مجلس عاملہ کے اجلاس میں مربی صاحب کے ایماء پر راقم کو کنونشن کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ چنانچہ مجھے یہ فرض بھی سونپا گیا کہ میں چوہدری صاحب موصوف سے لندن فون پر رابطہ کروں اور مزید تفصیلات طے کرنے کیلئے خط وکتابت بھی کروں۔الحمدللہ کہ چوہدری صاحب جلسہ سالانہ کی صدرات کیلئے رضامند ہو گئے۔ جماعت احمدیہ کینیڈا کو یہ خوش خبری سنانے کیلئے عاجز نے جماعتوں کے صدر صاحبان کے نام ایک خط 14 جون 1978 کو روانہ کیا جس میں لکھا گیا تھا کہ: مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے نہایت مسرت اور شادمانی محسوس ہوتی ہے کہ جماعت احمدیہ کینیڈا کے دوسرے سالانہ کنونشن کا افتتاح حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے کمال شفقت سے منظور فرمالیا ہے۔، چوہدری صاحب ممدوح انشاءاللہ العزیز مؤرخہ 30 جون کو شام کے وقت ٹورنٹو وردومسعود فرمائیں گے اور یکم جولائی 78 کو صبح دس بجے کنونشن کا افتتاح فرمائیں گے۔ازراہ کرم یہ ضروری اطلاع جماعت کے ہر فرد کو بذریعہ ٹیلی فون جلد از جلد فرمادیں۔'' راقم نے ہوٹل میں قیام کیلئے Inn on the Park سے رابطہ کر کے ایک آرام دہ کمرہ ریزرو کر لیا۔اس کے بعد ائرلائن ٹکٹ کی خرید کا کام تھا۔عاجز نے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خرید کر چوہدری صاحب موصوف کو اطلاع دی تو آپ کی طرف سے 19 جون 1978 کا اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ نامہ موصول ہوًا جس میں آپ نے فرمایا: ''ایک ہفتہ ہوًا یہاں کسی سفری ایجنسی کے دفتر سے مجھے ٹیلی فون پر بتایا گیا کہ انہیں کینیڈا سے میرا ٹکٹ تیار کرنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ میں نے انہیں بتادیا کہ میرا ٹکٹ لندن، ٹورنٹو، نیویارک لندن کا ہوگا۔لندن سے روانگی 30 جون ٹورنٹو سے نیویارک 3 جولائی (Open)، نیویارک سے لندن 9 جولائی B.A. (مراد برٹش ائرویز) پرواز جو ساڑھے نو بجے صبح روانہ ہوتی ہے۔ تو انہوں نے دریافت کیا کہ ٹکٹ درجہ اوّل ہو یا اکانومی میں نے پوچھا تمہیں کیا ہدایت ہے انہوں نے کہا اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں۔ میں نے کہا اس صورت میں اکانومی۔ انہوں نے کہا اب ہم ٹورنٹو سے تصدیق کر کے تمہیں ٹکٹ بھجوادیں گے ۔۔۔ 17 جون کو سید منصور احمد بشیر صاحب نے ٹیلی فون پر فرمایا تمہاری عمر اور صحت کے مدنظر یہاں احباب نے فیصلہ کیا کہ تم اوّل درجے میں سفر کرو اور ہم یہی انتظام کر رہے ہیں۔ خاکسار نے ان کا شکریہ ادا کیا اور احباب جماعت کی اس عنایت پر الحمدللہ کہا۔انہوں نے ہوٹل کا بھی بتایا۔والسلام خاکسار ظفراللہ خاں۔''

اس کے ساتھ عاجز نے ایک پریس ریلیز تیار کیا جو صوبہ اونٹاریو کی لفٹیننٹ گورنر، صوبہ کے ہر دلعزیز چیف منسٹر ولیم ڈیوس William Davis.G، ایڈیٹر ٹورنٹو سٹار، ٹورنٹو سن، پاکستانی اخبار کرسینٹ انٹرنیشنل، پاکستانی ریڈیو صدائے پاکستان، انڈین ریڈیو، ممبران پارلیمنٹ کو بھجوایا گیا۔صوبہ اونٹاریو کے چیف منسٹر نے اپنے پیغام میں فرمایا: It is a great pleasure for me to extend my greetings to the members of the Ahmadiyya Movement Canada as your hold your second annual convention here in Toronto. On behalf of the government and the people of

may I extend to all of you my very best wishes for a happy and productive ,Ontario .convention

24جون 1978 کے مقامی کثیر الاشاعت اخبار ٹورنٹو سٹار میں صفحہ G6 چھوٹی سی خبر شائع ہوئی: Sir Zafrulla Khan, former foreign minister of Pakistan and president of UN general council, will open two day convention of the Ahmadiyya Movement in Islam in Canada, July 1, in Earl Haig Secondary School, Willodale. On display will be translations of the Holy Quran and book on the life Muhammad and of Jesus.

اردو اخبار ہلال پاکستان 15 جون 1978 نے جلسہ سالانہ کے ضمن میں خبر دی: سر ظفر اللہ خاں ٹورنٹو میں۔ اس کے بعد اخبار ٹورنٹو سٹار کی 30 جون 1978 کی اشاعت میں ہماری طرف سے اشتہار شائع ہوا جس کا عنوان تھا: Exhibition of Islamic Books جلسہ سالانہ کا پروگرام بھی شائع کر کے وسیع تعداد میں تقسیم کر دیا گیا۔

چوہدری صاحب موصوف کی ٹورنٹو آمد۔ حسب پروگرام چوہدری صاحب **موصوف** 30 جون 1978 کو برٹش ائرویز فلائٹ سے ٹورنٹو تشریف لائے۔ ائرپورٹ پر آپ کو خوش آمدید کہنے کیلئے مشنری انچارج سید منصور احمد بشیر کے علاوہ مجلس عاملہ کے ممبران، ارکان ملا کر دو درجن احباب تھے۔ عاجز کی یہ خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ کی کار ڈرائیو کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ کو پہلے سے طے شدہ ہوٹل ان آن دی پارک Inn on the Park پہنچا دیا گیا جو ہمارے مشن ہاؤس سے زیادہ دور نہ تھا۔ شام کو آپ نے نماز مغرب اور عشاء مشن ہاؤس میں مولانا عطاء اللہ کلیم کے اقتداء میں ادا کیں اور بعد میں حاضرین کو مختصر سی مجلس میں علم اور یقین سے مالا مال کیا۔ اس کے بعد ہوٹل تشریف لے گئے۔ آپ کو اپنے کمرے میں پہنچا کر جب عاجز نے رخصت طلب کی تو آپ نے فرمایا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے رات کو سونے سے قبل کوئی نہ کوئی کتاب ضرور پڑھتا ہوں۔ چنانچہ عاجز نے اپنی کار میں سے Ahmadiyya Movement in the Service of Holy Quran لا کر دی تو آپ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ اگلے دن کیلئے ہدایت فرمادی کہ فلاں وقت پر آ جانا۔

جلسہ سالانہ کا پہلا روز۔ یکم جولائی کو جلسہ کی کاروائی صبح دس بجے شروع ہونا تھی اسلئے راقم وقت مقررہ پر ہوٹل پہنچ گیا اور چوہدری صاحب کے ہمراہ جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ جب ہم ہوٹل میں چھٹی منزل سے نیچے کی طرف سے آ رہے تھے تو ایلی ویٹر میں داخل ہونے کیلئے ایک منتظر گورے نے پوچھا کیا یہ ایلیویٹر نیچے جا رہا ہے۔؟ چوہدری صاحب نے بے ساختہ اس کو جواب دیا What goes up must come down. یہ سن کو وہ بہت محفوظ ہوا۔ افسوس جلسہ گاہ میں صبح دس بجے حاضری زیادہ نہ تھی مگر اس کے باوجود چوہدری صاحب کی صدارت میں اجلاس شروع کیا گیا۔ حاضری کے بارے میں آپ نے کچھ ریمارکس دئے۔ وہاں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب بھی تشریف لا چکے تھے جو ان دنوں خوش قسمتی سے نارتھ امریکہ کے دورہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ یوں جماعت احمدیہ کی دو مقتدر بزرگ ہستیوں اور گنج ہائے گراں مایہ نے اپنے فیض سے متمتع کرتے ہوئے اس روحانی جلسہ کو رونق بخشی۔ چوہدری صاحب **ممدوح** نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا جلسہ سالانہ کیلئے اردو پیغام پڑھا اور پھر

اس کا انگلش ترجمہ پیش کیا۔ساتھ ہی اس وجدآفریں پیغام کی عالمانہ رنگ میں تشریح بھی فرمائی۔ بارہ بجے جماعت احمدیہ امریکہ کے امیر الحاج مظفر احمد ظفر نے دلوں کو گرما دینے والی خلافت کی برکات کے موضوع پر تقریر کی جو صبح کے سیشن کی آخری تقریر تھی۔جلسہ چونکہ ایک ہائی سکول میں ہورہا تھا اس لئے کیفے ٹیریا میں پانچ صد کے قریب حاضرین کیلئے پرتکلف لنچ کا انتظام تھا۔میرے استفسار پر چوہدری صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے KFC چکن لائی جائے کیونکہ اس میں مصالحہ جات کم ہوتے ہیں۔چکن میں بھی آپ نے drumsticks لانے کا ارشاد فرمایا۔خواہش کی تعمیل میں گرما گرم تازہ خوشبودار چکن برادرم فضل الرحمن ینگ سٹریٹ سے لے کر آئے اور آپ نے جملہ احباب خلیفہ عبدالعزیز، ڈاکٹر مومن، مبارک احمد خاں، سلیم صدیقی، مصطفٰی ثابت، راقم السطور کے درمیان بیٹھ کر مختلف موضوعات پر ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے لنچ کو خوب انجوائے کیا۔ ایک دوست نے اعتراض کے رنگ میں کوئی بات کی تو آپ نے سختی سے اس کی سرزنش فرمائی۔ لنچ کے بعد نماز ظہر اور عصر (حضرت) صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے اقتداء میں ادا کی گئیں۔ دوپہر کے سیشن کا آغاز دو بجے مولانا عطاء اللہ کلیم کی صدارت میں شروع ہؤا۔ حافظ بشیر الدین عبیداللہ نے اطمینان قلب پر تقریر فرمائی۔ یہ اجلاس چار بجے ختم ہؤا تو شام کو خدام الاحمدیہ کے تحت والی بال کے میچوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ عاجز چوہدری صاحب کو لے کر واپس ان کو ہوٹل لے آیا۔ ریڈیو صدائے پاکستان کے عادل تیموری آپ کا انٹرویو کرنے ہوٹل تشریف لائے۔ چھ بجے کے قریب مجلس عاملہ کے ممبران کے ہمراہ چوہدری صاحب ٹورنٹو کے مضافات سکاربرو میں ہائی وے 7 Hwy کے پاس سات ایکٹر کا وہ قطعہ زمین دیکھنے گئے جو جماعت کینیڈا نے مستقبل کی مسجد کی تعمیر کیلئے خرید کیا تھا۔ چوہدری صاحب نے قطعہ زمین کو دیکھ کر زیادہ خوشی کا اظہار نہ فرمایا اور ایک شعر سنایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا۔آپ نے فرمایا شہر کے اندر مسجد بنائیں تا زیادہ سے زیادہ لوگوں سے روابطہ پیدا ہو سکیں اور میل جول بڑھے۔ چوہدری صاحب کے قیام کے دوران خاکسار روزانہ ڈائری لکھا کرتا تھا مگر وائے افسوس امتداد زمانہ سے وہ آسودہ خاک ہوگئی۔ اگلے روز یعنی بروز اتوار خاکسار کی رہائش گاہ پر چوہدری صاحب کے ناشتہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ عاجز نے شہر میں آئے ہوئے تمام مقتدر مربیان سلسلہ کو بھی دعوت دے رکھی تھی کہ وہ بھی ناشتہ چوہدری صاحب کے ہمراہ کریں۔ چنانچہ مولانا عطاء اللہ کلیم، محمد ابراہیم جمونی، مولانا محمد صدیق گورداسپوری، مسعود احمد جہلمی، کے علاوہ مصطفٰی ثابت، اور دیگر احباب تشریف لائے۔ چوہدری صاحب کی ناشتے میں مرغوب غذا کا عاجز کی اہلیہ کو معلوم تھا اس لئے انہوں نے علی الصبح تازہ پراٹھے بنا رکھے تھے جو دہی کے ساتھ انہوں نے تناول فرمائے۔ مصطفٰی ثابت مصری نے تربوز میں سے بیج نکال دئے تھے وہ خربوزے کے ساتھ پیش کیا گیا۔ آخر پر چوہدری صاحب نے چائے نوش فرمائی (جس پیالی میں چائے پی تھی وہ میرے گھر میں کئی سال تک یادگار نشانی کے طور پر محفوظ رہی)۔

خاکسار نے چوہدری صاحب کو ان کی تصنیف کردہ دو کتابیں پیش کیں کہ ان پر آٹوگراف مرحمت فرمادیں۔ یعنی Islam: its meaning for modern man، اور تذکرہ کا انگلش ترجمہ۔ پہلی کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا، کیا میں یہ کتاب لے جا سکتا ہوں کیونکہ میں ایک عرصہ سے اس کی تلاش میں تھا؟۔ میرا ارادہ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کا ہے۔ چنانچہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1980 میں زیور طبع سے آراستہ ہؤا تھا۔ تذکرہ کے انگلش ترجمہ پر آپ نے بہ کمال شفقت دستخط فرمادئے جو 40 سال سے میرے پاس محفوظ تھا۔ اپریل 2018 میں راقم نے یہ تاریخی اور یادگار کتاب جامعہ احمدیہ کینیڈا کی لائبریری کو تحفہ میں دے دی ہے۔

جلسہ سالانہ کا دوسرا روز۔ دوروزہ جلسہ سالانہ کے دوسرے روز کا پہلا سیشن صبح عین وقت پر شروع ہوٗا،اور(حضرت) صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ جملہ تقاریر کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر خلیل احمد ناصر (نیو یارک) نے فصیح انگلش میں اسلامی سوسائٹی میں فرد کا کردار کے عنوان پر تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ جلسہ کے بعد کئی احباب نے تقریر کی کاپی کی فرمائش کی۔ آخر پر مختلف جماعتوں کے صدران کو تقاریر کا موقعہ دیا گیا۔ بارہ بجے اجلاس ختم ہوٗا تو حاضرین کی لنچ سے ضیافت کی گئی اور نماز ظہر اور عصر ادا کی گئیں۔ جلسہ سالانہ کا آخری سیشن ڈیڑھ بجے شروع ہوٗا جس کی صدارت خلیفہ عبدالعزیز نیشنل پریذیڈنٹ نے کی۔ محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی تقریر ڈھائی بجے دوپہر تھی جس کو تمام احباب نے پورے انہماک اور دلجمعی کے ساتھ سنا۔ آخر پر چوہدری صاحب موصوف نے اردو میں بصیرت افروز خطاب فرمایا گویا علم وحکمت کا خزانہ تقسیم کیا اور دانش ودانائی کو نئی ضوعطا کی۔ پرسوز، رقت آمیر اجتماعی دعا پر یہ تاریخی دوسرا جلسہ سالانہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس موقعہ پر جلسہ میں شامل افراد کا گروپ فوٹو لیا گیا۔

ریڈیو انٹرویو۔ شام کو استراحت کے بعد آپ کا ریڈیو 'وائس آف انڈیا'' پر انٹرویو کا انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ عاجز اور سلیم اختر صدیقی رات دس بجے آپ کے ہمراہ کالج سٹریٹ پر واقع CHIN ریڈیو سٹیشن گئے جہاں پروفیسر نرندر ناتھ نے آپ کا تفصیلی انٹرویو کیا جو رات ساڑھے دس بجے لائیو براڈ کاسٹ کیا گیا۔ یہ انٹرویو پچاس ہزار لوگوں نے سنا، خاص طور پر پاکستانی کمیونٹی میں اس کا چرچا خوب رہا کیونکہ ایک سوال کے جواب میں آپ نے آیت خاتم النبین کی مدلل اور عالمانہ تشریح فرمائی تھی۔ چوہدری صاحب موصوف کی سیکورٹی کیلئے خاکسار نے ٹورنٹو پولیس کو تحریری اطلاع دی تھی۔ اس سے پہلے 1976 میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ٹورنٹو تشریف لائے تھے تو ایسا ہی انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک انڈر کور پولیس آفیسر نے جلسہ سالانہ اور چوہدری صاحب کی تفصیل جاننے کیلئے مجھ سے ملاقات کی۔ ملاقات کے آخر پر وہ کہنے لگا: ایک بزرگ شخصیت کو بھلا کون گزند پہنچانا چاہے گا؟ مگر پھر بھی ہم نظر رکھیں گے۔ اس موقعہ کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ ریڈیو سٹیشن جانے کیلئے جب میں نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا تو آپ نے فرمایا نہیں میں آگے بیٹھوں گا۔ اگلی سیٹ پر جب آپ بیٹھ گئے تو میں نے سیٹ بیلٹ نکال کر پیش کی تو فرمایا: یہ پھندہ مجھے کیوں لگانے لگے ہو؟ اسلئے سیٹ بیلٹ نہیں لگائی۔ اس وقت لازمی سیٹ بیلٹ لگانے کا قانون نہیں تھا، اب یہ جرم گردانا جاتا ہے۔ جتنے روز آپ کی معیت میں گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی آپ صاف ستھرے ڈارک تھری پیس سوٹ میں ملبوس رہے، اور سر پر ترکی ٹوپی۔ آپ کی شخصیت من موہنی، رعب دار، پرکشش تھی۔ پنجابی میں گفتگو فرماتے اور مزاح بھی پسند فرماتے تھے۔ دلائل سے بھرپور قدرے وقفے سے تقریر ایسے فرماتے کہ ہر لفظ الگ الگ سنا جاتا تھا۔ آپ کو ذیابیطس ایک عرصہ دراز سے تھا۔ ایک دفعہ جب راقم وقت مقررہ سے ذرا پہلے ہوٹل پہنچ گیا۔ جب دروازہ کھٹکھٹایا تو فرمایا: کچھ دیر انتظار کریں میں ٹیکہ لگا لوں۔ اسراف کو سخت ناپسند فرماتے تھے یہاں تک کہ مسجد میں ٹوٹی سے گرتے پانی کو اسراف میں شمار فرماتے تھے۔

ٹورنٹو سے روانگی۔ اگلے روز 3 جولائی 1978 خاکسار چوہدری صاحب کو ٹورنٹو ائر پورٹ لے گیا جہاں کثیر تعداد میں احباب جماعت بھی آپ کو الوداع کہنے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ روانگی سے قبل چوہدری صاحب نے دعا کروائی اور تمام دوستوں سے مصافحہ کیا۔ آپ پروفیسر خلیل احمد ناصر کے ہمراہ بارہ بجے کی فلائٹ سے نیو یارک گئے جہاں قریب ایک ہفتہ کے قیام کے بعد آپ لندن واپس تشریف لے گئے۔

آپ کے خطوط۔خاکسار کو اپریل 1985 میں پاکستان جانے کا موقعہ ملا تو عاجز لاہور، حمید نصراللہ صاحب، امیر جماعت احمدیہ کے دولت کدہ پر گیا تا چوہدری صاحب کی عیادت کرسکوں جو اس وقت علیل تھے۔انہوں نے فرمایا کہ چوہدری صاحب کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی سے ملاقات کریں۔قدرے مایوس ہوکر ربوہ واپس آ گیا۔ پرانی، دل لبھانے والی یادیں فلم کی طرح ذہن میں چلنے لگیں۔ ایام طفلی میں عاجز چوہدری صاحب کو دودھ کی طرح سفید لباس میں ملبوس ترکی ٹوپی پہنے ہاتھ میں چھڑی لئے جلسہ سالانہ کے دنوں مسجد مبارک سے اپنی کوٹھی کی طرف پیدل جاتے دیکھا کرتا تھا۔ایک دفعہ تو کچھ فاصلہ آپ کے پیچھے چلتا رہا تا کہ غور سے دیکھ سکوں۔جلسہ سالانہ کے دنوں میں سٹیج پر تشریف فرما ہوتے تو دور سے مشتاق آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا۔1967 کی بات ہے برادرم اسحق خلیل کا مقالہ جس کو فضل عمر فاؤنڈیشن نے انعامی قرار دیا تھا اس کو عاجز نے کراچی سے شائع کیا تھا، اس کی ایک کاپی برادرم نے چوہدری صاحب کو جلسہ سالانہ کے دنوں میں پیش کی تو اس وقت راقم بھی ساتھ تھا۔سب سے پہلا عریضہ خاکسار نے آپ کو 1969 میں لکھا جس کے جواب میں لاہور سے 24 نومبر 1969 کو آپ نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا:''آپ کا گرامی نامہ میرے لئے خوشی کا باعث بھی ہے اور پریشانی کا موجب بھی۔میں ایک نہایت عاجز پر تقصیر پر معاصی انسان ہوں۔آپ کا حسن ظن طبعاً میرے لئے خوشکن ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔پریشانی اس وجہ سے ہے کہ جب آپ مجھے اپنے تصور کے مطابق نہیں پائیں گے تو یہ امر آپ کے لئے صدمے کا باعث ہوگا۔التجا ہے کہ آپ دردمندانہ دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان اور کمال ذرہ نوازی سے اس عاجز کی خطاؤں کو درگذر فرمائے، بخشش اور رحمت کی نگہہ اس حقیر بندے پر رکھے جیسا آپ اسے سمجھتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر عطا فرمائے۔خاتمہ بالخیر کرے اور اپنی وسیع مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے۔آمین یاارحم الرحمین۔اس سے کچھ بعید نہیں۔خاکسار آپکے لئے جیسے آپ نے ارشاد فرمایا دعا کرتا ہے اور انشاءاللہ کرتا رہیگا۔''

جب خاکسار 1970 میں کراچی میں لاء کالج کے میگزین کا اردو ایڈیٹر تھا تو آپ سے انگلش حصہ کے ایڈیٹر نے پبلک انٹرنیشنل لاء پر مضمون کی درخواست کی تھی۔آپ نے مجھے اطلاع دی کہ چونکہ اس مضمون کیلئے ریسرچ ورک کی ضرورت ہوگی نیز میں دو اہم امور پر عدالتی کام میں مصروف ہوں اسلئے معذرت خواہ ہوں۔پھر 1970 میں سوئٹزرلینڈ آ کر بھی خاکسار آپ کو دعائیہ خطوط لکھتا رہا اور پدرانہ شفقت سے آپ ہمیشہ جواب مرحمت فرماتے تھے۔برادرم ڈاکٹر اسحق خلیل (زیورخ) کو ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا: Kindly tell him that I am continuing my humble supplications on his behalf also as since he first wrote to me I have added his name to yours in my prayers.

شنید ہے کہ چوہدری صاحب تین صد افراد کے نام لے کر دعا فرمایا کرتے تھے۔غرضیکہ تمام خط وکتابت ناشر کتاب ہذا کو دے دی گئی ہے امید واثق ہے وہ جملہ خطوط کتاب میں شامل فرمادیں گے۔

چوہدری صاحب پہلی بار کینیڈا کب آئے؟۔محترم چوہدری صاحب 76 سال قبل پہلی بار کینیڈا تشریف لائے تھے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ محترم چوہدری صاحب اکتوبر 1942 تک برٹش انڈیا کے چین میں چھ ماہ کیلئے ایجنٹ جنرل تھے۔اس کے کچھ عرصہ بعد آپ Pacific Relations Conference میں شرکت کیلئے کینیڈا دسمبر 1942 میں نمائندہ ہندوستان کے طور پر تشریف لائے جو صوبہ کیوبک کے پہاڑی

مقام مون ترِبلان (Mont Tremblan) میں منعقد ہوئی تھی۔آپ کی خودنوشت سوانح حیات تحدیث نعمت میں 448 / 449 پر اس سفر کی روداد آپ نے یوں بیان کی: ''کانفرنس کا وقت آنے پر ہم نیویارک سے بذریعہ ریل راتوں رات کا سفر کر کے مانٹریال پہنچے اور وہاں سے گاڑی بدل کر مون ترِبلان پہنچے۔سردیوں کا موسم تھا یہ مقام لارنشین کے پہاڑی علاقے میں ایک تفریحی مقام ہے۔ان دنوں وہاں ہر طرف برف تھی۔سٹیشن سے لاج تک ہم sledgesمیں گئے۔کانفرنس کے اغراض کے مدنظر یہ مقام موزوں تھا۔۔۔کانفرنس کے اختتام پر مجھے ارل آف ایتھلونEarl of Athlone، گورنر جنرل کینیڈا کی طرف سے دعوت آئی کہ میں آٹوا میں ان کے ہاں ٹھہروں۔ہمارے ٹریڈ منسٹر جو ٹورنٹو میں مقیم تھے مصر تھے کہ میں ٹورنٹو بھی ضرور جاؤں۔چنانچہ مون ترِبلان سے میں آٹوا گیا اور گورنر صاحب کے ہاں مہمان ہوا۔۔۔سر لائی مین ڈفSir Lyman Duffان دنوں کینیڈا کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تھے انہوں نے مجھے سپریم کورٹ کے اجلاس میں شریک ہونے کی دعوت دی جسے میں نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔۔۔بعد میں اونٹاریو کی سپریم کورٹ کے اجلاس میں بھی شریک ہوا۔۔آٹوا سے ٹورنٹو گئے جہاں ایمپائیر پارلیمنٹری ایسوسی ایشن کی طرف سے مجھے شام کے کھانے کی دعوت دی گئی تھی۔'' (Sledges کا مطلب لکڑی، دھات کا ایسا ڈبہ ہے جس میں مسافر اور سامان برف یا آئس کے اوپر لے جائے جاتے، اس کے آگے کوئی جانور یا برفانی کتا ہوتا)۔

آئس ہاکی کا کھیل۔ایک دفعہ امریکہ سے لندن واپس ملٹری بامبر جہاز کے ذریعہ جانے کیلئے آپ مانٹریال میں رکے اور بچوں کو آئس ہاکی کھیلتے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔''ایک شام ہمیں برف پر آئس ہاکی کا کھیل دیکھنے اتفاق ہوا۔دل چسپ کھیل تھا۔کھلاڑیوں کو تو شوق تھا ہی تماش بینوں کے جوش کی بھی انتہا نہیں تھی۔'' (تحدیث نعمت 455) دوسری بار آپ 1963 میں کینڈا تشریف لائے تحدیث نعمت کے صفحہ 686 پر کینیڈا کی سیر کے عنوان سے درج ہے: ''انہی ایام میں شیخ اعجاز احمد جو ان دنوں اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک وزراعت سے متعلق تھے اور اس ادارہ کے کانفرنس کے سلسلہ میں واشنگٹن آئے ہوئے تھے کانفرنس کے اختتام پر تین چار ہفتہ کی چھٹی لے کر نیویارک آئے اور میرے پاس ٹھہرے۔ان کے قیام کے دوران ہم نے تین چار روز کیلئے مانٹریال، اٹاوہ، ٹورنٹو اور نیاگرا کی سیر کو گئے۔آٹوہ میں وزیر خارجہ پال مارٹن نے پارلیمنٹ ہاؤس میں دوپہر کے کھانے کی دعوت دی جس میں وزیر اعظم مسٹر لیسٹر پیئرسن PearsonLester نے بھی شرکت کی۔۔۔کھانے کے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ہم اجلاس کی کاروائی دیکھنے کیلئے زائرین کی گیلری میں چلے گئے۔پارلیمنٹ کے سپیکر سے مجھے نیاز حاصل تھا۔اجلاس کی کاروائی شروع کرنے سے قبل انہوں نے میرے گیلری میں موجود ہونے کا اعلان پارلیمنٹ میں کیا جس پر اراکین نے خوشنودی سے زور زور ڈیسک بجائے اور خوش آمدید کے نعرے لگائے۔ہم ٹورنٹو اور نیاگرا فال ہوتے ہوئے واپس نیویارک آئے۔''

صدائے پاکستان ریڈیو انٹرویو سے اقتباس۔الفضل ربوہ میں کینیڈا کے دوسرے جلسہ کی روداد، دو قسطوں میں 14 اور 16 ستمبر 1978 کے صفحات کی زینت بنی تھی۔ریڈیو صدائے پاکستان نے جو چوہدری صاحب موصوف کا انٹرویو نشر کیا تھا وہ الفضل 16 ستمبر 1978 کی اشاعت میں شامل تھا۔اس میں سے دو معنی خیز سوال اور ان کے جواب یہاں دئے جاتے ہیں: عادل تیموری: سر آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے ترجمے کے دوران آپ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے موزوں الفاظ نہیں ملتے، نیز ترجمہ کے دوران آپ نے کن کتابوں سے استفادہ کیا؟ سر ظفر اللہ: قرآن کا ترجمہ ایک نہایت مشکل امر ہے۔ایک صاحب جنہوں نے قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے وہ

کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر تھے ان کا نام آربری A.J.Arberry تھا ان کا ترجمہ بہت اچھا ہے انہوں نے لکھا ہے کیونکہ قرآن کریم کے معنی میں اتنی وسعت ہے کہ کوئی اور زبان اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ایک حدتک قرآن کریم کے معنی ہوسکتے ہیں۔ایک تو وجہ یہ ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کیلئے اور تمام زمانوں کیلئے تعلیم رکھی ہوئی ہے۔تو جوں جوں زمانہ بدلتا جائیگا قرآن کریم میں نئی تعلیم حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔تو ایک وقت میں جو شخص ترجمہ کرے گا علاوہ ترجمہ کے جو مشکلات ہوتی ہیں کوئی بھی ترجمہ ہو ایک زبان سے دوسری زبان میں وہ قرآن کریم کے لحاظ سے کئی گنا بلکہ کئی سو گنا بڑھ جاتی ہے۔جو پہلے تراجم تھے میں نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا ہے خصوصاً ہماری جماعت کے اندر اردو میں تراجم اور تفاسیر موجود ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے پھر بھی میں مانتا ہوں اور میں نے اس بات کی پیش لفظ میں تشریح کی ہے کہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن کریم کے تمام معانی پر حاوی ہے۔ جو جس وقت میں اللہ تعالیٰ سمجھ دے اس کے مطابق کسی حدتک انسان بیان کرسکتا ہے۔اس ترجمہ کے بعد اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے اب تیسرے کا انتظام ہو رہا ہے۔ مجھے بہت سے خطوط آئے ہیں جن میں ہماری جماعت والوں نے تو بہرصورت خوش آمدید کہا ہے اور وہ نیک رائے رکھتے ہیں۔مگر اور لوگوں نے بھی لکھا ہے کہ اس ترجمے سے ہمیں قرآن کریم کے معانی کی سمجھ آسانی سے آجاتی ہے۔عادل تیموری : سرآپ پاکستان کے پہلے وزیرخارجہ کی حیثیت سے اور ہمارے وائس آف پاکستان کے پروگرام میں اگر پاکستانی بھائیوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔سرظفراللہ: میں پاکستان کے سابق وزیرخارجہ کی حیثیت سے تو کچھ نہیں کہہ سکتا وہ حیثیت ختم ہو چکی ہے لیکن البتہ ایک پاکستانی ہونے کے لحاظ سے مجھے ہر جگہ جہاں مسلمان ہوں ہمدردی ہے۔خصوصاً پاکستانی مسلمانوں سے کہ وہ میرے وطن کے باشندے ہیں مجھے ان سے گہری ہمدردی ہے۔اگر میں کوئی پیغام ان کو دینا چاہوں گا تو وہ یہ ہوگا کہ آپ لوگ باہر آکر ایک ایسی جگہ بسے ہیں جن کی معاشرت میں بعض اقدار ایسی ہیں جو ہماری اسلامی اقدار سے مقابلہ کرتی ہیں۔ ایک تو ان اقدار کے متعلق آپ کو احتیاط کرنی چاہئے کہ اسلامی جھنڈا سرنگوں نہ ہو۔ان کی نقل میں آپ میں کوئی ایسی کمزوری پیدا نہ ہو جس سے اسلام منع کرتا ہے اور دوسرے میں یہ کہتا ہوں کہ جو ہماری اقدار ان کے ساتھ مشترک ہیں اس میں آپ ان کیلئے نمونہ بنیں کہ اسلام نے ہمیں ان باتوں میں جو تعلیم دی ہے وہ اس تعلیم سے اعلیٰ ہے لیکن ہم عملاً ان کو قائم کریں۔اور یہ ثابت ہو جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگ جائیں کہ یہ لوگ ہم سے اخلاقی لحاظ سے اور روحانیت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ ہے۔اس طریق سے ہماری برتری ثابت ہوگی یہاں بھی ہوگی اور دوسرے علاقوں میں بھی ہوگی۔اگر ہم اپنے اندر یہ حالت پیدا کرلیں تو یہ لوگ ہمیں کھلے بازؤں سے خوش آمدید کہیں گے۔بلکہ ہمارے پیچھے پڑیں گے کہ ہمیں بھی وہ باتیں بتاؤ جو تم کرتے ہو۔یہ فوراً نہیں ہو جائیگا ایک سال کے اندر نہیں ہو جائیگا لیکن بہر حال اس کا نتیجہ ہوگا۔مثلاً ایک مثال دیتا ہوں جو بڑی واضح ہے اگر ہمارے لوگ شراب سے پرہیز کریں اور ان لوگوں کو اس کی لعنتوں سے آگاہ کریں تو آخر کسی دن یہ لوگ چونکیں گے کہ یہ لوگ یہاں رہتے ہیں ان کے اندر یہ بات نہیں اور ہمارے اندر ہے۔اور بھی کئی مثالیں ہیں بعض باتیں ہمارے اور ان کے درمیان قدر مشترک ہیں مثلاً تجارت میں دیانتداری۔
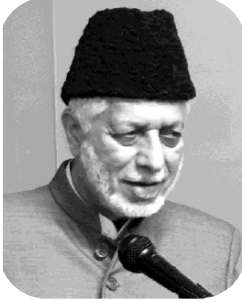
حضرت محمد ظفر اللہ خان صاحب جیسا مَیں نے دیکھا

عطاء المجیب راشد۔امام مسجد فضل۔لندن

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اتنی خوبیوں، سعادتوں اور امتیازات سے نوازا تھا کہ ان کے بارہ میں اب تک جو لکھا جا چکا ہے آئیندہ وقتوں میں اس سے بھی بہت زیادہ لکھا جائے گا میں اس مضمون میں حضرت چوہدری صاحبؓ کے حالاتِ زندگی، نمایاں کامیابیوں اور خدمات کے تذکرہ سے ہٹ کر اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں چند واقعات اور تاثرات لکھنا چاہتا ہوں تا کہ نئی نسل کے سامنے، جو ان کی زندگی میں انہیں دیکھ نہیں سکی، حضرت چوہدری صاحبؓ کی سیرت اور شخصیت کا کسی حد تک ایک مکمل نقشہ ابھر سکے۔

زندگی کی سب سے بڑی سعادت۔سب سے پہلے تو میں ایک نہایت پُرلطف اور دل پر گہرا اثر کرنے والی بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان کے ایک ادبی رسالہ کے نمائندہ نے ایک دفعہ اپنے رسالہ کے خصوصی شمارہ کے لئے آپ کا انٹرویو لیتے ہوئے کچھ اس طرح کا سوال کیا کہ چوہدری صاحب! آپ نے زندگی میں کامیابیاں تو بے شمار حاصل کی ہیں، یہ بیان فرمائیں کہ آپ کے خیال میں آپ کی زندگی کی سب سے بڑی سعادت کیا ہے؟ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اس بظاہر مشکل سوال کا بہت ہی برجستہ اور جامع جواب اس طرح دیا کہ میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ میں نے زمانہ کے امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور امام مہدی علیہ السلام کو شناخت کرنے اور ان کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی توفیق پائی۔فالحمدللہ علی ذالک

ابتدائی تعارف۔جب میں نے ہوش سنبھالا تو حضرت چوہدری صاحبؓ ایک بڑے انسان اور مدبر راہنما کے طور پر دنیا میں خوب مشہور تھے جلسہ سالانہ کے موقع پر مجھے آپ کی تقاریر سننے کا موقع ملا آپ کے اندازِ خطابت میں ایک جدت اور ندرت ہوتی تھی۔آپ بات خوب کھول کر اور آسان طریق پر بیان فرماتے تا کہ سب اسے اچھی طرح سمجھ جائیں۔ یہ میرا دُور سے آپ سے ابتدائی تعارف تھا۔اس کے بعد مجھے پہلی بار جب آپ سے براہ راست بات کرنے کا موقع ملا اور جس کی یاد میرے ذہن میں اچھی طرح نقش ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابا جان مرحوم ومغفور نے اپنے مکان ''بیت العطاء'' (دارالرحمت وسطی۔ربوہ) میں چند بزرگان کی دعوت کی۔ان میں چوہدری صاحبؓ بھی شامل تھے۔ دعوت کے بعد جب چوہدری صاحبؓ واپس جانے لگے تو حضرت ابا جان نے کہا کہ میں انہیں چھوڑنے ان کے ساتھ ان کی کوٹھی واقع دارالصدر غربی تک جاؤں۔ مجھے یاد ہے کہ چوہدری صاحب اور میں دونوں پیدل روانہ ہوئے۔میں ان کی عظیم شخصیت اور ادب کی وجہ سے بالعموم خاموش ہی رہا لیکن آپ مختلف باتیں بیان فرماتے رہے۔میں نے محسوس کیا کہ آپ بہت شفیق، بے تکلف اور سادہ طبیعت کے بزرگ انسان ہیں ۔باتوں کے دوران ایک بار انہوں نے میرے بازو کو کہنی کے اوپر سے پکڑا تو میرا بازو ان کی انگلیوں میں آ گیا۔اس پر مجھے یاد ہے کہ چوہدری صاحبؓ فرمانے لگے Is that all کہ بس صرف اتنا ہی؟ ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے ان کی کوٹھی تک پہنچ گئے۔چوہدری صاحبؓ نے شکریہ ادا کیا اور میں نے دعا کی درخواست کی۔ یہ پندرہ بیس منٹ کی ملاقات میری ان سے پہلی ملاقات تھی اور اس کا حسین تاثر آج تک میرے ذہن پر نقش ہے۔

شفقتوں کا آغاز۔آپ سے زیادہ ملاقاتوں کا موقع تو تب ملا جب میں مبلغ سلسلہ اور نائب امام کے طور پر 1970 میں لندن آیا۔اس دور کے واقعات بغیر کسی خاص ترتیب کے بیان کرتا ہوں جن سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔جب میں لندن آیا تو یہ میرے لئے بیرون پاکستان جانے کا پہلا موقع تھا۔احمدیت کی برکت سے میں نے پہلی بار ہوائی جہاز کا سفر کیا۔سکول اور کالج میں انگریزی پڑھنے کا موقع تو ملا لیکن لکھنے اور خاص طور پر بولنے کا ماحول زیادہ نہیں تھا۔کالج اور جامعہ میں زبانی یاد کر کے چند تقاریر بھی کیں لیکن عام گفتگو اور بول چال کا محاورہ نہیں تھا۔یہ بات میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ لندن آنے کے قریباً دو ماہ بعد میرا انگریزی کا امتحان ہو گیا۔اور اس کے ممتحن تھے حضرت چوہدری صاحبؓ۔ہوا یوں کہ محترم بشیر احمد خان رفیق صاحب نے جو اس وقت امام اور مبلغ انچارج تھے ایک دن مجھ سے کہا کہ اب کسی روز آپ نے مسجد میں خطبہ جمعہ بھی دینا ہے (جو انگریزی میں ہوتا تھا) میں نے عرض کی کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ بعد میں انشاء اللہ تعالیٰ مواقع ملتے رہیں گے۔بات ختم ہو گئی۔لیکن ہوا یہ کہ چند دنوں بعد جمعہ کا دن آیا اور جب میں سنتوں کی ادائیگی سے فارغ ہوا اور چند منٹوں بعد دوسری اذان ہو گئی تو خان صاحب محترم نے جو میرے ساتھ ہی بیٹھے تھے کہنی کے اشارہ سے فرمایا کہ خطبہ کے لئے اٹھیں۔مَیں ذہنی طور پر بالکل تیار نہ تھا۔لیکن موقع ایسا تھا کہ معذرت کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی۔مسجد نمازیوں سے بھری تھی۔زیادہ بات بھی نہ کی جا سکتی تھی بہر حال مجھے اٹھنا پڑا۔دعا کرتے ہوئے میں نے خطبہ کا آغاز تشہد،تعوذ اور سورہ فاتحہ سے کیا۔یہ سب کچھ تو آسان تھا۔اس عرصہ میں میں نے دائیں بائیں ن ایک نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ حسبِ معمول پہلی صف کے دائیں کونے میں کرسی پر تشریف رکھتے ہیں۔آپ نے نئے خطیب کی آواز سنی تو نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔مجھے یقین ہے کہ دعا تو آپ نے ضرور کی ہو گی لیکن میری حالت یہ تھی کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی شخصیت کا رعب بلکہ خوف دل پر چھایا ہوا تھا لیکن عین اس وقت مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ نصیحت یاد آئی جو آپ نے الوداعی ملاقات میں فرمائی تھی کہ لندن جا کر خوب اعتماد اور بے تکلفی سے انگریزی بولنا اور ابتداء میں کوئی غلطی بھی ہو تو ہرگز نہ گھبرانا۔اس نصیحت نے مجھے بہت حوصلہ دیا اور میں نے دل ہی دل میں یہ کہہ کر اپنے آپ کو حوصلہ دیا کہ چوہدری صاحبؓ بیٹھے ہیں تو کوئی بات نہیں۔آخر چوہدری صاحبؓ نے بھی تو آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے اتنی شاندار انگریزی سیکھی ہے۔چند لمحات میں یہ سب خیالات میرے ذہن سے گزر گئے اور میں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے خطبہ دینا شروع کر دیا۔اب تو مجھے یاد بھی نہیں کہ خطبہ کس موضوع پر تھا۔بہر حال پندرہ بیس منٹ کا خطبہ دیا اور خطبہ ثانیہ کے بعد نماز پڑھا دی۔اس کے بعد سنتیں ادا کیں اور قدرے لمبی ادا کیں۔یہ بھی خیال تھا کہ اس عرصہ میں حضرت چوہدری صاحبؓ اٹھ کر جا چکے ہوں گے اور یہ مرحلہ نہیں آئے گا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ مسجد میں ہی میرا بازو پکڑ کر سب کے سامنے یوں گویا ہوں کہ راشد صاحب! انگریزی اس طرح نہیں بولی جاتی۔یہ لفظ یوں نہیں بلکہ اس طرح ہے وغیرہ۔میں سنتیں ادا کرنے کھڑا ہوا تو دیکھا کہ چوہدری صاحبؓ ابھی تک نماز میں مصروف ہیں۔مَیں نے اسی میں خیریت جانی کہ جلدی جلدی مسجد سے روانہ ہو جاؤں۔اب امتحان کے نتیجہ کا انتظار تھا۔خیال یہی تھا کہ اولین فرصت میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی طرف سے راہنمائی ملے گی۔شام کو محترم بشیر رفیق صاحب ملے تو انہوں نے مبارکباد دی۔میں نے پوچھا کس بات کی؟ تو کہنے لگے کہ چوہدری صاحبؓ نے آپ کو انگریزی میں پاس کر دیا ہے۔میں نے الحمدللہ کہا اور یہی سوچا کہ چوہدری صاحب نے از راہ مہربانی نئے خطیب کو اس کی پہلی کوشش میں اپنی وسعتِ قلبی سے رعایتی نمبر دے کر پاس کر دیا ہوگا۔الحمدللہ

کہ ان کی عنایات کا سلسلہ بعد میں بھی متنوع رنگ میں جاری رہا۔

درویشانہ اندازِ تبلیغ۔اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دنیا جہاں کی بے شمار نعمتوں اوراعزازات سے نوازا تھا۔آپ دنیا کے عظیم محلات اور ایوانوں میں گئے عظیم شخصیات سے ملنے کے مواقع آپ کو ملے لیکن آپ طبعاً بہت ہی منکسر المزاج تھے اور آپ کی زندگی پر سادگی اور درویشی کا رنگ غالب تھا۔اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ اپنی ذات پر خرچ میں بہت بچت کرتے لیکن راہِ خدا میں خرچ کرتے ہوئے اورغرباءاور طلباء کی امداد کے وقت خوب دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔اپنی ذات پر بچت کے حوالہ سے آپ کا ایک معمول یہ تھا کہ جب بھی آپ اپنے کاموں کے لئے سنٹرل لندن جاتے تو ڈسٹرکٹ لائن (District Line) کے ایسٹ پٹنی (East Putney) سٹیشن سے آتے جاتے تھے۔اسکی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ پیدل راستہ کے لحاظ سے وہ دوسرے سٹیشن ساؤتھ فیلڈز (Southfields) سے قدرے دور تھا۔لیکن وہاں سے جانے کی صورت میں کرایہ غالباً ایک پینس کم لگتا تھا۔عام لوگ بالعموم ساؤتھ فیلڈز سٹیشن سے سفر کرتے اور کرایہ کے اس معمولی فرق کا خیال نہ کرتے اوراپنے آرام کو مقدم رکھتے تھے۔حضرت چوہدری صاحبؓ ہر سفر میں ایک پینس کی بچت کرتے اور دوسروں کو بھی بتاتے اوراس کی تحریک فرماتے تھے۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے بتایا اورکئی بار یہ بات ان کی تقاریر میں سنا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعض لوگ مجھ سے بحث کرنے لگ جاتے ہیں کہ چوہدری صاحب ایسا کرنے سے آپ کو کیا بچت ہوتی ہے میں کہتا ہوں :ایک پینس۔وہ پھر کہتے ہیں آخر آپ کو فائدہ کیا ہوتا ہے؟ میں ان سے پھر کہتا ہوں: ایک پینس۔حضرت چوہدری صاحبؓ یہ تذکرہ بہت تفصیل سے فرماتے اوراپنے مخصوص انداز میں احباب کو بتاتے کہ دیکھنے میں تو یہ ایک پینس کی بچت ہے لیکن اسی طرح بچت کرتے رہنے سے سینکڑوں ہزاروں پاؤنڈ کی بچت کی جاسکتی ہے۔ایسے مواقع پر آپ ''قطرہ قطرہ می شود دریا'' کا فارسی محاورہ بھی استعمال فرماتے۔

حاجت مندوں کی امداد۔آپ کا اندازنصیحت بہت موثر ہوتا۔پھراس نصیحت کے ساتھ ساتھ راہِ خدا میں فراخدلی سے خرچ کرنے کا آپ کا شاندار ذاتی نمونہ سب کے سامنے تھا۔آپ نے ضرورت مند قابل طلبہ اور حاجت مندوں کی امداد کی خاطر ساؤتھ فیلڈز ٹرسٹ کے نام سے ایک ادارہ بنایا ہوا تھا جس سے وظائف بطور قرضہ حسنہ یا بطور امداد دیتے جو اپنی ذات میں عظیم خدمت اور صدقہ جاریہ تھا۔علاوہ ازیں ضرورت مندوں کی امداد کا ایک وسیع سلسلہ تھا لیکن بالعموم ایسے رنگ میں امداد کرتے کہ کسی اور کو اس کا علم نہ ہو۔مجھے اس ٹرسٹ کے ممبر کے طور پر کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع ملا اور میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کی سیرت کے اس پہلو کا بغور مشاہدہ کیا۔

عظیم مالی قربانی کا عاجزانہ انداز۔دین کی راہ میں مالی قربانی کی ایک عظیم اورشاندار مثال یہ ہے کہ ایک وقت جماعت میں یہ تجویز چلی کہ جماعت احمدیہ برطانیہ کے مرکز میں موجود دوعمارتوں کو (جو کافی پرانی ہوچکی تھیں) گرا کر ایک بڑا کمپلیکس بنایا جائے جس میں ایک بڑا ہال، دفاتر ، دو بڑے رہائشی مکان اور ایک چھوٹا رہائشی فلیٹ ہو۔اس تعمیراتی منصوبہ کے لئے جماعت کے پاس اس وقت مطلوبہ رقم نہیں تھی۔جماعتی ضروریات کے لئے بینک سے سود پر رقم لینا جماعت کا طریق نہیں۔چوہدری صاحب سے درخواست کی گئی کہ کیا آپ یہ رقم مہیا فرما سکتے ہیں جو بعدازاں آپ کو قسط وار واپس کر دی جائے گی۔آپ نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔قرآنی تعلیم کے مطابق اس غرض سے ایک معاہدہ تحریر کیا گیا کہ حضرت چوہدری صاحب جماعت کو ایک لاکھ پاؤنڈ ادا کریں گے اور جماعت اس کی واپسی کی ذمہ دار ہوگی۔ایک شام معاہدہ کی تحریر چوہدری

صاحب کو دی گئی۔انہوں نے کہا کہ میں بغور مطالعہ کرنے کے بعد دستخط کر کے کل دے دوں گا۔اگلی صبح چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس بارہ میں سوچا تو میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ ظفراللہ خان! آج تم جو کچھ ہو احمدیت کی بدولت ہو۔تم نے جو کچھ پایا وہ سارے کا سارا اسی جماعت کا فیضان ہے۔کیا اب تم اسی محسن جماعت کو ایک رقم قابلِ واپسی قرض کے طور پر دینا چاہتے ہو؟ میرے نفس نے مجھے بہت ملامت کی اور میں اپنے ارادہ پر بہت شرمسار ہوا اور بہت استغفار کی۔اسی لمحہ میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ مطلوبہ رقم بطور قرض نہیں بلکہ ایک عاجزانہ عطیہ کے طور پر جماعت کی خدمت میں پیش کروں گا۔یہ فرماتے ہوئے آپ نے معاہدہ کی تحریر پھاڑی اور ایک لاکھ پاؤنڈ کا چیک اسی وقت جماعت کے حوالہ کر دیا۔اور ساتھ یہ درخواست بھی کی کہ میری اس ادائیگی کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور شخص سے میری زندگی میں ہرگز ذکر نہ کیا جائے۔قربانی، عاجزی اور اخلاص کا کیا شاندار نمونہ ہے۔اس عمارت کے حوالہ سے ایک اور شاندار واقعہ اس جگہ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔عمارت کا سنگ بنیاد 1967 میں رکھا گیا اور 1970 میں تکمیل ہوئی۔حضرت چوہدری صاحب نے جماعت سے درخواست کی کہ جب تک ان کی زندگی ہے اور انہیں لندن میں قیام کے لئے جگہ کی ضرورت ہو تو عمارت کی دوسری منزل سے ملحقہ جو چھوٹا سا فلیٹ ہے اس میں رہائش کی اجازت عطا فرمائی جائے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے بخوشی اس کی اجازت عطا فرمائی۔یہ چھوٹا سا فلیٹ واقعی بہت چھوٹا تھا۔مجھے کئی بار اس فلیٹ میں جانے اور اس کو بغور دیکھنے کا موقع ملا۔فلیٹ بہت مختصر تو تھا لیکن حضرت چوہدری صاحب کی مختصر اور سادہ ضروریات کے لئے بہت کافی تھا۔ایک چھوٹا سا بیڈ روم تھا۔مختصر سا کچن اور غسلخانہ تھا۔ایک درمیانے سائز کا سٹنگ روم تھا جو آپ کے مطالعہ اور ترجمہ کے کام کا کمرہ تھا۔آپ کا اکثر وقت اسی میں گزرتا۔اسی میں ایک طرف سادہ سا صوفہ رکھا ہوتا آنے والوں مہمانوں سے اسی جگہ بات چیت ہو جاتی۔چھوٹے بیڈ روم کا اوپر ذکر آیا ہے۔یہ بیڈ روم اتنا مختصر تھا کہ ایک سنگل بیڈ کے علاوہ کپڑوں کی چھوٹی الماری اور ایک چھوٹی سی میز اور کرسی ہوتی تھی چلنے پھرنے کی جگہ نہ ہونے کے برابر تھی۔اس مختصر سے بیڈ روم میں آپ نے سالہا سال بڑی سادگی اور قناعت سے گزارا کیا۔آپ کے ایک بے تکلف عزیز نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت چوہدری صاحب ایک بار انہیں اپنا فلیٹ دکھانے کے لئے ساتھ لئے گئے۔جب اس چھوٹے سے بیڈ روم میں داخل ہوئے انہوں نے بے ساختہ کہا کہ اتنے چھوٹے سے بیڈ روم میں آپ کیسے گزارہ کرتے ہیں؟ یہ بات سن کر حضرت چوہدری صاحب نے جو برجستہ جواب دیا وہ عجیب عارفانہ جواب تھا۔آپ نے فرمایا: ''جس جگہ آگے جانا ہے وہ تو اس سے بھی تنگ ہوگی'' اللہ کے پاک بندوں کی سوچ بھی کیا نرالی ہوتی ہے۔قدم قدم پر آخرت یاد رہتی ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس سفر آخرت کے لئے تیار کرتے رہتے ہیں۔

سادگی اور قناعت۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی میں سادگی، بے تکلفی، اور قناعت کا پہلو بہت نمایاں تھا۔آپ کا لباس بہت عمدہ، صاف اور باوقار ہوتا۔اکثر ایسا ہوتا کہ آپ ایک ہی لباس کو لمبا عرصہ بہت احتیاط اور نفاست سے استعمال فرماتے اور اس بات کے ذکر کرنے میں کبھی عار محسوس نہ فرماتے کہ میرا یہ سوٹ کتنا پرانا ہے بلکہ بڑے شوق اور خوداعتمادی سے بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے یہ سوٹ یا موزے فلاں سن میں فلاں دوکان سے اتنی قیمت میں خریدے تھے۔مجھے یاد ہے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ جو قمیص میں نے اس وقت پہنی ہوئی ہے وہ اتنے سال قبل میں نے نیویارک میں فلاں سڑک کے کنارے پر واقع ایک دوکان سے ایک ڈالر میں خریدی تھی۔الغرض یہ بات احباب میں بہت معروف تھی کہ چوہدری صاحب ایک لباس کو لمبا عرصہ استعمال کرتے ہیں۔یہ لکھتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ ایک عید کے موقع پر حضرت چوہدری

صاحبؓ نے اس عاجز کو ایک اُونی مفلر عید کے تحفہ کے طور پر دیا۔مفلر دیتے ہوئے آپ نے خاص طور پر فرمایا کہ یہ مفلر پُرانا نہیں، میں نے اسے صرف ایک دفعہ استعمال کیا ہے اور یہ دن وہ تھا جب میں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کی تھی۔میں نے یہ قیمتی اور یادگار تحفہ بہت شکریہ کے ساتھ وصول کیا۔

آپ کا مرغوب ترین موضوع۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کا اندازِ گفتگو بھی عجیب شان رکھتا تھا۔جماعتی اجلاسات میں آپ کا اندازِ بیان بہت پُرتاثیر اور معلوماتی ہوتا۔موضوع کے عین مطابق، باموقع اور ٹھوس گفتگو فرماتے۔ایک بات جس کا ذکر میں نے آپ کی زبان سے بارہا سنا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا ہے۔اس پہلو پر آپ اپنے تربیتی خطابات میں بہت زور دیتے اور اکثر آیت کریمہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (سورہ ابراہیم 8:14) کا حوالہ دیا کرتے تھے۔اپنی گفتگو میں بھی شکرِ نعمت کا مضمون بارہا بیان فرماتے اور اس انداز میں بیان فرماتے کہ سننے والے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔بسا اوقات میں نے یہ بات مشاہدہ کی کہ آپ کسی بے تکلف مجلس میں بیٹھے ہیں اور اپنی زندگی کے واقعات اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر آنے پر آپ کی آواز بھرّ اجاتی اور شکر گزاری کے جذبہ سے آنکھوں میں آنسو آجاتے۔میں کہہ سکتا ہوں کہ شکر گزاری آپ کا مرغوب ترین موضوعِ گفتگو تھا۔آپ نے اسی جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی خودنوشت سوانح عمری کا نام بھی ''تحدیثِ نعمت'' رکھا جو آپ کی ذات کے حوالہ سے خوب جچتا ہے۔اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ واقعات کے ضمن میں جہاں بھی کسی شخص کی طرف سے مدد یا حسنِ سلوک کا ذکر آتا تو آپ اس کا شکریہ ادا کرنا نہ بھولتے بلکہ دعائیہ الفاظ بھی درج فرماتے۔اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کا شکر ادا کرنا اس عبدِ شکور کی مبارک زندگی کا لازمی حصہ تھا۔

دعا اور نمازوں کا اہتمام۔ حضرت چوہدری صاحبؓ بہت دعا گو انسان تھے۔دعا اور عبادت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔نمازوں کا بہت اہتمام کرتے۔نمازوں کے صحیح اوقات پر ہمیشہ بہت گہری نظر رکھتے۔جب بھی ہالینڈ سے لندن آتے تو نمازوں کے اوقات کا ضرور دریافت فرماتے۔نماز بہت اہتمام خوبصورتی، یکسوئی اور آرام سے اوّل وقت میں ادا فرماتے۔نماز میں تلاوت سنتے وقت ایسے شخص کی تلاوت کو پسند فرماتے جو مضمون کو سمجھتے ہوئے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے مناسب جگہ پر ٹھہرتے ہوئے تلاوت کرتا ہو۔مسجد میں آنے کے بعد اپنا وقت نماز سے قبل اور بعد تسبیحات اور ذکر الٰہی میں گزارتے۔ **صبح کی سیر۔** صبح کی سیر کا بہت اہتمام فرماتے اور یہ سارا وقت ذکر الٰہی اور دعاؤں کے لئے وقف کر دیتے۔اس غرض سے آپ نے اپنے ذہن میں دعاؤں اور ذکر الٰہی کا ایک نقشہ اور ترتیب بنائی ہوئی تھی۔اس کے مطابق آپ سارے وقت کو اس نیک کام میں گزارتے۔میں نے کئی دفعہ آپ سے سنا کہ جب میں سیر کرتے ہوئے فلاں جگہ یا فلاں موڑ پر پہنچتا ہوں تو اس وقت تک میں نے اتنی دفعہ درود کا ورد کر لیا ہوتا ہے یا فلاں دعا مکمل کر لی ہوتی ہے۔اگر کسی روز فجر کے بعد بارش ہو رہی ہوتی تو آپ محمود ہال کے اندر چل پھر کر سیر کا وقت پورا کر لیتے۔اس طرح دعاؤں اور تسبیحات کی مقررہ تعداد میں ورد پورا کرنے سے آپ کو فاصلہ کا اندازہ بھی ہو جاتا تھا۔سیر کے حوالہ سے ایک دلچسپ بات یاد آئی جو ایک دفعہ آپ نے مجھے بتائی۔فرمانے لگے کہ فلاں شکل وشباہت کا ایک انگریز شخص ہے جو ہر روز صبح کی سیر میں ایک خاص مقام پر مجھے ملتا ہے۔وہ آرہا ہوتا ہے اور میں جا رہا ہوتا ہوں۔ہم دونوں ایک دوسرے کو گڈ مارننگ (Good morning) کہتے ہیں۔فرماتے تھے کہ وہ شخص وقت کا بہت ہی پابند لگتا ہے اور پھر مسکراتے ہوئے فرماتے کہ میں بھی تو اس سے کم نہیں ہوں!

دعااورنمازوں کا اہتمام۔دعاؤں کے حوالہ سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جولوگ آپ سے دعا کی درخواست کرتے (اور ایسے لوگوں کی تعداد یقینا کئی سو ہوگی) تو آپ ان کے نام اوران کی ضروریات کوتوجّہ سے سن کر اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے۔ مجھے ایک دفعہ بتایا کہ میں نے ایسے سب لوگوں کی فہرست ایک خاص ترتیب سے ذہن میں بنائی ہوئی ہے اوران کی ضروریات کے لحاظ سے مختلف گروپ بھی بنائے ہوئے ہیں۔اس طریق سے سب کے نام آپ کو یاد ہوتے اور سب کے لئے آپ باقاعدگی سے نام بنام دعا کرتے تھے۔اس سلسلہ میں بعض لطائف بھی ہو جاتے۔ایک مثال حضرت چوہدری صاحبؓ نے خود بیان فرمائی کہ ایک نوجوان نے ایک دفعہ ان سے درخواست کی کہ دعا کریں کہ میری شادی ہوجائے۔بس اس کا نام حضرت چوہدری صاحبؓ کے''کمپیوٹر''میں داخل ہوگیا اور آپ اس کے متعلق دعا کرتے رہے۔آپ نے بیان فرمایا کہ قریباً تین سال کے بعد وہ نوجوان مجھے ملا تو میں نے اس سے پوچھا کہ سناؤ شادی ہوگئی ہے؟۔اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ چوہدری صاحب شادی ہوگئی ہےاور دو بچے بھی ہیں!چوہدری صاحب نے فرمایا کہ مجھے بتا تو دیا ہوتا، میں تو ابھی تک تمہاری شادی کے لئے دعا کر رہا ہوں!

زبردست حافظہ۔اللہ تعالی نے بے شمار علمی صلاحیتوں کے ساتھ آپ کو زبردست حافظہ بھی عطا فرمایا تھا۔میں نے آپ کے ہاتھ میں کبھی ڈائری نہیں دیکھی۔اپنی مصروفیات اور ملاقاتوں کے سب پروگرام ذہن میں محفوظ رکھتے اور کبھی کوئی دقت محسوس نہ کرتے تھے۔خاص طور پر اپنے احباب اور تعلق والوں کے فون نمبر سب آپ کو زبانی یاد تھے۔جن دنوں آپ کا قیام لندن میں ہوتا تو آپ کا معمول تھا کہ اکثر دس گیارہ بجے میرے دفتر میں تشریف لے آتے۔میز کے سامنے والی کرسی پر تشریف رکھتے اور فرماتے کہ فلاں شخص سے فون ملا دیں۔میں فون کی کاپی کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو فرماتے کہ ان کا نمبر میں آپ کو زبانی بتا دیتا ہوں۔جب بھی آپ تشریف لاتے ہر بار ایسے ہی ہوتا۔اس سلسلہ میں ایک حیران کن بات آپ نے یہ بتائی کہ جب میں برطانیہ میں ہوتا ہوں تو برطانیہ کے احباب کے ٹیلیفون نمبرز میرے ذہن میں روشن ہوجاتے ہیں اور جب میں امریکہ جاتا ہوں تو وہاں کے نمبرز روشن ہوجاتے ہیں اور برطانیہ کے نمبرز اس وقت ماند پڑ جاتے ہیں۔اسی نوعیت کی ایک اور حیران کن بات یہ تھی کہ آپ سال کی مختلف تاریخوں کے بارہ میں زبانی بتا دیا کرتے تھے کہ اس تاریخ کو کون سا دن ہوگا۔پروگرام بناتے وقت ہماری نظریں تو کیلنڈر کی طرف اٹھتیں لیکن چوہدری صاحب فوراً زبانی حساب کر کے بتا دیتے کہ کون سا دن ہوگا۔میں نے ایک بار آپ سے پوچھا کہ اس کا راز اور طریق کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب نیا سال چڑھتا ہے تو میں اس کی چند اہم اور بنیادی تاریخوں کا دن اچھی طرح ذہن میں نقش کر لیتا ہوں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو انہی اہم تاریخوں سے آگے پیچھے زبانی حساب کر کے دن معلوم کر لیتا ہوں۔

ایک حیران کن واقعہ۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنے تفصیلی حالاتِ زندگی اپنی کتاب تحدیث نعمت میں خود تحریر فرمائے ہیں۔یہ کتاب معلومات کا عظیم خزانہ ہے۔جماعتی،سیاسی،ملکی بلکہ عالمگیر حالات پر یہ ایک جامع کتاب ہے۔اس کتاب کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ ساری کتاب یا اس کا بیشتر حصّہ حضرت چوہدری صاحب نے اپنی یادداشت کی بناء پر لکھا یا لکھوایا۔کتاب مکمل ہوگئی تو آپ نے کسی دوست کے ذریعہ اس کے حوالہ جات،تاریخیں اور باقی تفاصیل احتیاطاً چیک کروالیں۔غالباً کسی تصحیح کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔جب یہ کتاب شائع ہوگئی۔تو آپ نے اس کے کچھ نسخے میرے پاس دفتر میں رکھوا دیئے تاکہ خواہش منداحباب وہاں سے حاصل کرسکیں۔ایک روز جبکہ حضرت چوہدری صاحبؓ بھی میرے دفتر میں تشریف رکھتے تھے،ایک دوست آئے جو چند روز قبل کتاب لیکر گئے تھے۔کہنے لگے کہ اس نسخہ میں چند صفحات

شامل نہیں ہیں۔غالباً جلد بندی میں رہ گئے ہیں۔میں نے وہ کتاب ان سے لے کر دوسری کتاب ان کو دیدی۔وہ جانے لگے تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے ان سے پوچھا کہ جو کتاب آپ نے واپس کی ہے اس میں غائب صفحات سے پہلے اور بعد میں کیا بات بیان ہوئی ہے۔اس دوست نے کتاب دیکھ کر بتایا تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے بیٹھے بیٹھے اس درمیانی عرصہ کی اہم باتیں ان کو بتا دیں اور فرمایا کہ میں نے خلاصۃً بیان کر دیا ہے باقی تفاصیل اب آپ گھر جا کر مطالعہ کر سکتے ہیں۔**وقت کی پابندی**۔وقت کی پابندی بھی آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف تھا۔آپ زندگی کے معمولات میں ہمیشہ اس بات کا بہت خیال رکھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے بلکہ عملی طور پر اس کی تربیت بھی دیتے تھے۔آپ نے ایک بار لندن میں تعلیم القرآن کلاس جاری کی جس میں نوجوان طلبہ شامل ہوا کرتے تھے۔کلاس کا ایک وقت مقرر تھا اور پہلے روز ہی آپ نے سب کو واضح طور پر ہدایت کر دی کہ وقت کی پابندی کی جائے۔چنانچہ آپ کا طریق یہ تھا کہ وقت سے چند منٹ پہلے تشریف لاتے،وقت ہو جانے پر کمرے کا دروازہ بند کروا دیتے اور دیر سے آنے والوں کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی۔اس ڈسپلن کی وجہ سے سب طلبہ ایک دو روز میں ہی وقت کے پابند ہو گئے۔حضرت چوہدری صاحبؓ جب جنرل اسمبلی کے صدر مقرر ہوئے تو وہاں بھی آپ نے اجلاس ٹھیک وقت پر شروع کرنے کی روایت قائم کی۔اس طرح آپ نے اسمبلی کے ممبران کو جو بالعموم تاخیر سے آیا کرتے تھے،پابندیٔ وقت کا عملی سبق سکھایا۔وقت کی پابندی کے سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا ۔ایک دوست نے سنایا کہ ایک بار کراچی میں غالباً طلباء یا خدّام نے اپنے ایک اجلاس میں آپ سے درخواست کی گئی کہ ''اچھے مقرر کے اوصاف'' کے عنوان پر تقریر کریں۔آپ نے بہت سے اوصاف کا ذکر کیا اور تفاصیل بیان کیں۔آخری بات یہ بیان فرمائی کہ اچھے مقرر کی خوبی یہ ہے کہ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو کہ اس کی تقریر کا وقت کب ختم ہوتا ہے۔آپ نے یہ فرمایا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی تقریر کے لئے مقررہ وقت پورا ہو گیا تھا!لندن قیام کے دوران میں نے آپ کا یہ معمول دیکھا کہ آپ نمازیں مسجد میں آ کر ادا فرماتے۔ہم نے باہمی طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ میں نماز کے لئے مسجد جاتے ہوئے حضرت چوہدری صاحبؓ کے فلیٹ کی گھنٹی بجا دیا کروں تا کہ آپ کو مصروفیات کے دوران یاددہانی ہو جائے۔آپ وضو کر کے سنتوں یا نوافل کی ادائیگی کے بعد بالعموم ٹھیک وقت پر مسجد تشریف لے آتے بلکہ نماز سے چند منٹ پہلے آ کر مسجد فضل میں پہلی صف میں دائیں کونے میں کرسی پر بیٹھ جاتے اور نماز شروع ہونے تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔اگر دوست کم ہوتے تو نماز شروع ہونے کے وقت آپ اپنی کرسی خود اُٹھا کر صف کے کنارے پر رکھ لیتے اور نماز میں شامل ہو جاتے۔بعض اوقات حضرت چوہدری صاحبؓ کے آنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جاتی۔اس صورت میں ہم سب آپ کے آنے کا انتظار کرتے اور آپ کے آنے پر نماز پڑھی جاتی۔ایک روز ایک بے تکلف دوست نے چوہدری صاحبؓ سے یہ سوال کر دیا کہ چوہدری صاحب!آپ تو وقت کے بہت پابند ہیں اور پابندیٔ وقت میں آپ کی مثال بیان کی جاتی ہے لیکن یہ کیا بات ہے کہ بعض اوقات آپ نماز کے لئے دیر سے آتے ہیں؟حضرت چوہدری اس سوال سے ناراض نہیں ہوئے بلکہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا:بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو معاف کر دیتا ہے لیکن دنیا کے لوگ معاف نہیں کرتے!

کفایت اور بچت کی خوبی۔اب میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی کا ایک اور نادر پہلو بیان کرنے لگا ہوں جس کو خود میں نے بارہا دیکھا اور آپ کے اکثر دوست احباب بھی اس کے چشم دید گواہ ہوں گے۔اس کا تعلق کفایت اور بچت کی خوبی سے ہے۔عام طور پر دیکھا گیا ہے

کہ جب نہانے کے صابن کی ٹکیہ چھوٹی رہ جاتی ہے جس کو پنجابی زبان میں چپّر کہتے ہیں تو قریباً سب لوگ ہی اس کو بیکار سمجھتے ہوئے پھینک دیتے ہیں لیکن چوہدری صاحبؓ کا طریق یہ تھا کہ آپ اس چپّر کو اور صابن کی نئی ٹکیہ کو پانی لگا کر دونوں ہاتھوں سے دبا کر جوڑ لیتے اور پھر اس صابن کو استعمال کرتے۔ اگر کوئی اس بات پر کچھ تعجب یا حیرت کا اظہار کرتا تو آپ یہ سیدھی سادھی دلیل دیتے کہ جس چپّر سے کل تک تم نہاتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے تو آج کیوں اسے استعمال کرتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے۔ میں نے خود کئی بار آپ کو (بعض صورتوں میں) دو رنگ کے صابنوں کو بھی جوڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس تناظر میں ہونے والا ایک واقعہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ ایک روز حضرت چوہدری صاحبؓ نماز ظہر کے لئے مسجد فضل تشریف لائے تو آپ نے بالکل نئے سلیپر پہنے ہوئے تھے جو آپ کے پاؤں میں بہت اچھے لگ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر جاتے ہوئے جب آپ نے وہ سلیپر پہنے تو ایک بہت بے تکلّف دوست نے ان سلیپروں کو بہت حیرت سے دیکھا اور ایک خاص انداز میں کہنے لگے: ''چوہدری صاحبؓ! یہ تو نئے سلیپر ہیں!'' چوہدری صاحبؓ ان کے اس تبصرہ کو خوب سمجھ گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: ''نئے صابن سے پُرانا صابن تو جوڑا جا سکتا ہے لیکن نئے سلیپر کے ساتھ پُرانا سلیپر نہیں جُڑ سکتا!''

سادہ طرزِ زندگی۔ ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں دوپہر کے کھانے کے لئے کسی قریبی سادہ سے ریسٹورنٹ جانا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کی خواہش کے مطابق مناسب جگہ تلاش کر لی جو مسجد سے قریب ہی گیرٹ لین پر تھی۔ ایک روز نماز کے بعد ہم دونوں پیدل روانہ ہوئے اور چند منٹوں میں منزل پر پہنچ گئے۔ یہ چھوٹا سا ریسٹورنٹ بہت صاف ستھرا تھا۔ چوہدری صاحبؓ کو پسند آیا۔ آپ تشریف فرما ہوئے تو میں نے کاؤنٹر پر جا کر ریسٹورنٹ کے مالک کو حضرت چوہدری صاحبؓ کا تعارف بھی کروا دیا اور کھانے کا آرڈر بھی دے دیا۔ فرائی کی ہوئی مچھلی چوہدری صاحبؓ کو بہت مرغوب تھی۔ مالک نے بڑے اہتمام سے مچھلی فرائی کی اور لوازمات کے ساتھ بہت ادب سے پیش کی۔ چوہدری صاحب کو کھانا بہت پسند آیا اور آپ نے شوق سے تناول فرمایا۔ واپس آنے لگے تو ریسٹورنٹ کے مالک نے آپ کا شکریہ بھی ادا کیا اور پرتپاک انداز میں الوداع کہا۔ چوہدری صاحبؓ کو یہ سارا انتظام بہت پسند آیا جو آپ کی سادگی اور بے تکلّفی کا شاندار نمونہ تھا۔ واپس بھی ہم دونوں پیدل آئے۔ راستہ میں حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کھانا بہت مزیدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موقعہ دیا تو پھر بھی کبھی یہاں آئیں گے۔ لیکن پھر ایسا موقعہ نہ بن سکا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو اردو بولتے وقت جگہ جگہ انگریزی الفاظ ملانے کی عادت نہ تھی۔ آپ حتی الامکان خود اس کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو اس کی تلقین فرماتے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک نوجوان نے آپ سے بات کرتے ہوئے یہی طریق اختیار کیا۔ جب اس نے اردو انگریزی کو ملا جلا کر بات کی تو چوہدری صاحبؓ نے اسے بڑے خوبصورت انداز میں سمجھایا۔ فرمایا: دیکھو! مجھے اردو بھی آتی ہے اور انگریزی بھی۔ تم جس زبان میں بات کرنا چاہتے ہو بڑے شوق سے کرو لیکن دونوں زبانوں کو خلط ملط نہ کرو۔ میں نے دیکھا کہ سننے والوں پر وقتی طور آپ کی نصیحت کا اثر تو ضرور ہوتا لیکن جلد ہی ان کی پختہ عادت ان پر غالب آجاتی۔ مگر چوہدری صاحب اصلاح کے اس جہاد کا علَم ہمیشہ بلند رکھتے۔

ایک یادگار دعوت۔ ایک دفعہ ایک احمدی دوست نے جن کی رہائش لندن سے باہر ایک مضافاتی بستی میں تھی، حضرت چوہدری صاحبؓ کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ چوہدری صاحبؓ عام طور پر رات گئے تک دعوتوں کے سلسلہ کو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ اس سے سونے

اور جاگنے کے اوقات پر اثر پڑتا تھا۔تاہم اس دوست کے پُرخلوص اصرار پر آپ رضامند ہو گئے۔ان دنوں جماعت کی طرف سے یہ تحریک جاری تھی کہ گھر پر دعوتوں کے موقع پر ایک یا دو زیر تبلیغ دوستوں کو ضرور بُلا لیا جائے تا کہ دعوت الی اللہ کا فریضہ بھی ساتھ ساتھ ادا ہوتا رہے ۔اس روز بھی میز بان نے اپنے ایک انگریز نوجوان دوست کو بُلایا ہوا تھا۔ان کو چوہدری صاحبؓ کے ساتھ بٹھایا گیا اور سارا وقت تعارف و اسلام احمدیت کے حوالہ سے ٹھوس بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔جب کھانے اور دعا کے بعد چلنے کا وقت آیا تو میز بان دوست نے خواہش کی کہ چوہدری صاحبؓ کے ساتھ سب کی ایک اجتماعی تصویر ہو جائے۔چوہدری صاحبؓ تصویر کھنچوانے کے شوقین نہ تھے جب بھی کوئی آپ کے ساتھ تصویر کھنچوانے کی خواہش کرتا تو آپ اکثر یہی فرماتے تھے کہ میں کھڑا ہوں یا بیٹھا ہوا ہوں۔تم نے فوٹو کھینچنی ہے تو کھینچ لو۔میں تکلّفات کا قائل نہیں ہوں۔اس روز صورت یہ تھی کہ وقت کافی ہو چکا تھا اور ابھی لندن واپسی کا سفر بھی تھا۔آپ چاہتے تھے کہ جلد از جلد روانگی ہو۔صاحبِ خانہ کے اصرار پر تصویر کے لئے راضی تو ہو گئے لیکن بہت جلدی میں تھے۔سب دوست چوہدری صاحبؓ کے گرد جمع ہو گئے۔سب نے ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں سوائے اس انگریز مہمان کے۔فوٹو کے بعد اُس مہمان کو احساس ہوا کہ صرف میں ہی ننگے سر ہوں۔مجھے بھی ٹوپی کے ساتھ تصویر بنوانی چاہیے۔اس نے اِس خواہش کا اظہار کیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ اکرامِ ضیف کی وجہ سے انکار نہ کر سکے۔اب اس مہمان کے لئے مناسب ٹوپی کی تلاش شروع ہوئی۔ٹوپی سر پر رکھی۔یہ اس بیچارے کے لئے پہلا تجربہ تھا۔پہلے تو آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا اور پھر صاحبِ خانہ سے پوچھنے لگے کہ کیا یہ اچھی لگتی ہے۔آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ سارا وقت چوہدری صاحبؓ کو بہت ہی طویل لگ رہا تھا۔بالآخر جب وہ انگریز نوجوان ٹوپی ٹھیک ٹھاک کرنے کے بعد چوہدری صاحبؓ کے ساتھ کھڑا ہوا تو چوہدری صاحبؓ نے اس نوجوان کو ایک ہی جامع فقرہ میں ساری بات سمجھا دی آپ نے بڑے مشفقانہ انداز میں فرمایا:DON'T WORRY !LOOK YOUNG MAN! ABOUT YOUR CAP WHAT IS UNDER THE CAP THAT MATTERS.!اس برجستہ نصیحت سے سب بہت لطف واندوز ہوئے اور مہمان دوست نے بھی اس کو بڑے اچھے رنگ میں لیا۔

اندازِ خطابت۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک پُرتاثیر زبان عطا کی تھی۔دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں میں آپ نے پُرزور خطابات فرمائے اور اپنی خداداد ذہانت وفراست اور قوت استدلال کا لوہا منوایا۔انگریزی زبان پر آپ کو بہت عبور حاصل تھا ۔بات کرنے کا انداز بہت موثر ہوتا اور سننے والوں کے دل پر نیک اثر ہوتا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو یہ ارشاد بھی فرمایا ہوا تھا کہ وہ ہالینڈ میں قیام کے دوران ہر ماہ ایک بار لندن آ کر جماعت کی تربیت کے لئے کچھ وقت دیا کریں ۔چنانچہ آپ تشریف لاتے ،تربیتی اور تعلیمی کلاس بھی ہوتی اور ایک خطبہ جمعہ بھی۔یہ خطبہ بالعموم انگریزی زبان میں ہوتا۔احباب اور بالخصوص نوجوان خدّام اس سے بھر پُور استفادہ کرتے۔مجھے یاد ہے کہ ایک بار آپ خطبہ جمعہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ابتدا میں فرمایا کہ میں عام طور پر تو خطبہ جمعہ انگریزی میں بیان کرتا ہوں لیکن آج میں خطبہ اردو میں دوں گا۔وجہ یہ بتائی کہ جو خاص بات میں احباب جماعت کے ذہن نشین کروانا چاہتا ہوں وہ بات میں انگریزی میں بیان نہ کر سکوں گا۔یہ آپ کی عاجزی اور انکساری کی ایک مثال ہے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انگریزی زبان میں یدِطولیٰ عطا فرمایا تھا۔ غالبًا ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ انگریزی میں الفاظ کا ذخیرہ اتنا وسیع نہیں جتنا عربی یا اردو میں

ہے۔حضرت چوہدری صاحب ؓ کئی بار ہلکے پھلکے انداز میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انگریزی روحانیت کی زبان نہیں اور بہت سے ایسے روحانی معارف اور دقیق مضامین ہیں جن کے بیان کے لئے انگریزی میں مناسب اور صحیح الفاظ نہیں ملتے۔حضرت چوہدری صاحب ؓ کی مجالس بہت مفید اور پُرلُطف ہوتی تھیں۔علمی نکات،معرفت کی باتیں اور موقع کی مناسبت سے ہلکے پھلکے لطائف اور واقعات بھی بیان فرماتے اور بڑے پُر لُطف انداز میں۔ایک بار چوہدری صاحب ؓ نے بتایا کہ انہیں مشرقی افریقہ کے سفر میں نیروبی جانے کا اتفاق ہوا۔آپ کو دعوت ملی کہ وہاں کی پنجابی ادبی انجمن کے اجلاس میں شامل ہوں اور تقریر بھی کریں۔چوہدری صاحب ؓ نے بیان فرمایا کہ اس دعوت پر جاتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ یہ لوگ ہیں تو پنجابی لیکن انگریزی کی چھاپ سے آزاد نہ ہوں گے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس پنجابی ادبی انجمن کے اجلاس میں ہر مقرر نے انگریزی میں تقریر کی۔آپ نے فرمایا کہ جب آخر میں میری باری آئی اور میں نے تقریر کا آغاز پنجابی زبان میں کیا تو حاظرین کی آنکھوں میں چمک آگئی۔چوہدری صاحب ؓ نے ٹھیٹھ پنجابی زبان میں اپنا پُرلُطف خطاب مکمل کیا تو ایک سکھ دوست نے برملا کہا کہ ''اج تے سواد آ گیا!''

بیان کردہ ایک لطیفہ۔حضرت چوہدری صاحب ؓ کا بیان کردہ ایک دلچسپ واقعہ ذہن میں آیا ہے وہ بھی بیان کر دیتا ہوں۔چوہدری صاحب ؓ ایک موقعہ پر جب تاشقند تشریف لے گئے تو وہاں کے مسلمانوں نے آپ کو دعوت پر مدعو کیا۔مدعوبین میں مفتی تاشقند بھی تھے جو بہت عظیم الجثہ تھے۔کھانا شروع ہوا تو بعض شرکاء نے محسوس کیا کہ مفتی صاحب موصوف تو میدانِ ضیافت کے بڑے تیز رفتار شاہسوار ہیں۔اس تیزی کو دیکھ کر حاضرین ضیافت میں سے کسی نے طنزاً مفتی صاحب سے مسئلہ کے رنگ میں دریافت کیا کہ جناب مفتی صاحب! یہ ارشاد فرمائیں کہ جب یہ کہنا ہو کہ فلاں شخص پوری طرح سیر ہو گیا ہے تو یہ کون سا موقع ہوتا ہے؟ یا کیسے اس بات کا پتہ لگ سکتا ہے کہ کوئی شخص واقعی اب سیر ہو گیا ہے؟ مفتی صاحب بڑے تجربہ کار اور جہاں دیدہ انسان تھے۔طنزیہ سوال کا اشارہ خوب سمجھ گئے اور بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ اس بارہ میں لوگوں کے اپنے اپنے تجربات ہو سکتے ہیں۔میں تو اپنے طویل تجربہ کی روشنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی شخص کے بارہ میں سیر ہونے کا لفظ صرف اس وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جب یا تو اس کے سامنے کا کھانا پوری طرح ختم ہو جائے یا وہ خود ختم ہو جائے! چوہدری صاحب یہ واقعہ کچھ اس دلچسپ انداز میں بیان فرماتے کہ ہر بار سننے کا ایک نیا لُطف آتا تھا۔**باقاعدگی**۔حضرت چوہدری صاحب ؓ کی زندگی کا ایک عنوان باقاعدگی تھا۔ہر کام بہت سلیقہ سے اور خوبصورت انداز میں کرتے۔آپ کا دستخط کرنے کا انداز بھی بہت منفرد تھا۔بہت آہستگی اور عمدگی سے دستخط کرتے جس کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا کہ اس شخص کی ساری زندگی بھی اسی خوبی اور عمدگی سے بسر ہو رہی ہے۔ہالینڈ سے جب اختتام ہفتہ پر آپ لندن آتے تو آپ کا معمول یہ تھا عالمی عدالتِ انصاف میں اپنے دفتر سے چلتے ہوئے ایک بہت مختصر سا فون کرتے اور سلام کے بعد فرماتے : راشد صاحب! میں روانہ ہونے لگا ہوں۔آپ بھی روانہ ہو جائیں، یہ فون سن کر میں بالعموم اسی وقت یا چند منٹ بعد مطار کے لئے روانہ ہو جاتا۔میرے وہاں پہنچتے ہی آپ اپنا مختصر ترین بریف کیس اٹھائے باہر تشریف لے آتے اور بعض اوقات تو یوں ہوتا کہ میرے مطار پر پہنچنے سے پہلے ہی چوہدری صاحب ؓ تشریف لا کر انتظار فرما رہے ہوتے۔مطار سے آتے یا جاتے وقت چوہدری صاحب کا دل پسند راستہ رچمنڈ پارک ہوا کرتا تھا۔یہ ایک قدرتی طرز کا خوبصورت اور پُرفضا پارک ہے جو مسجد فضل سے زیادہ دور بھی نہیں اور مطار کے راستہ میں واقعہ ہے۔چوہدری صاحب ؓ کو اس رچمنڈ پارک سے گزرنا بہت مرغوب تھا۔فرمایا کرتے تھے کہ اس پارک کی تازہ ہوا اور پارک میں آزادانہ گھومنے پھرنے والے ہزاروں ہرنوں اور

بارہ سنگوں کا نظارہ بہت اچھا لگتا ہے۔سیر بھی ہوجاتی ہے اور سفر بھی طے ہوجاتا ہے۔

بے تکلف اندازِ گفتگو۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کے ساتھ بے تکلف گفتگو کی مجالس بھی کیا عجب مجالس تھیں۔بہت شفقت سے محبت بھری گفتگو فرماتے۔آپ کی باتوں میں دینی اور روحانی امور کا تذکرہ بھی ہوتا، پُرمغز علمی گفتگو بھی ہوتی۔اپنے ذاتی واقعات بھی بیان فرماتے جو بہت نصیحت آموز اور معلوماتی ہوتے۔لطائف بھی سناتے۔واقعات بیان کرتے ہوئے ان کی معین تفصیلات حیرت انگیز وضاحت سے بیان فرماتے۔تاریخ، دن، مقام، جہاز اور موسم تک کا ذکر ہوتا۔آج بھی سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ آپ یہ سب تفاصیل کس طرح یاد رکھتے تھے۔کئی واقعات مختلف مجالس میں بیان فرماتے تو ان میں کبھی اعادہ بھی ہوجاتا لیکن تفاصیل میں تضاد نہ ہوتا۔آپ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کسی کے سوال پوچھنے پر ناراض نہ ہوا کرتے تھے بلکہ موقع کے مطابق اس کا مختصر یا مفصل جواب بہت خوش دلی سے دیتے۔مجھے یاد ہے کہ ایک روز جبکہ ہم دونوں ہی کھانے کی میز پر بیٹھے تھے تو اچانک میرے ذہن میں ایک عجیب سوال آیا اور میں نے فوراً ہی پوچھ لیا۔میں نے عرض کیا کہ چوہدری صاحبؓ !اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت نوازا ہے۔بہت علوم عطا کئے ہیں۔میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو کیا نہیں آتا! میرا یہ سوال سن کر حضرت چوہدری صاحبؓ مسکرائے اور فرمایا کہ آپ نے خوب سوال سوچا ہے۔ایسا سوال اس سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔ذرا سا توقف کرنے کے بعد فرمایا کہ آپ کی یہ بات بالکل سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس عاجز ناچیز کو بہت نوازا ہے اور میرے وجود کا ذرہ ذرہ ہمیشہ اس کے حضور شکر گزاری میں جھکا رہتا ہے۔لیکن چند باتیں ایسی بھی ہیں جو مجھے نہیں آتیں۔ان میں سے ایک تو ڈرائیونگ ہے اور دوسری ٹائپنگ ہے۔ان دو باتوں کا آپ نے جلدی سے ذکر فرمایا اور ساتھ ہی فوراً یہ بھی فرمایا کہ میرے مولا کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ ان دونوں باتوں کے نہ جاننے کے باوجود مجھے ساری زندگی کبھی کوئی دقّت یا کام میں روک پیدا نہیں ہوئی۔پھر بڑی تفصیل سے بیان فرمایا کہ میری زندگی سفروں میں گزری اور گزر رہی ہے جب بھی، جہاں بھی، مجھے کسی جگہ جانے کی ضرورت پڑی تو میرے مولا نے اپنے اس بندہ کو نہ صرف کار مہیا فرمادی بلکہ اس کے ساتھ ڈرائیور بھی۔مجھے ڈرائیونگ نہ جاننے کی وجہ سے کبھی بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔پھر فرمایا کہ اسی طرح مجھے ساری زندگی لکھنے لکھانے کا کام رہا اور یہ میری زندگی کی اہم ترین مصروفیت رہی ہے۔میرے مولا نے مجھ پر یہ فضل کیا اور اس کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے کہ جب بھی میں نے کوئی خط یا مضمون ٹائپ کروانا ہوتا تو نہ صرف مجھے کوئی نہ کوئی ٹائپسٹ مل جاتا بلکہ اکثر صورتوں میں تو پوری دفتری سہولیات میسر آجاتیں اور میری ہر ضرورت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بغیر کسی دقّت کے پُوری ہوتی رہی اور آج بھی میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ محبت بھرا سلوک جاری ہے۔میں نے محسوس کیا کہ یہ سب کچھ بیان کرتے وقت آپ کی آواز بار بار بھرّا جاتی اور آپ جذباتِ شکر سے مغلوب ہوکر آبدیدہ ہو جاتے!

سیرت کے مخفی گوشے۔ اب میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی سیرت کا ایک ایسا پہلو بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے شاید بہت ہی کم لوگ واقف ہوں۔میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان باتوں کا چشم دید گواہ ہوں۔یہ واقعات زیادہ تر 1971 اور 1972 کے ہیں۔حضرت چوہدری صاحبؓ کا قیام ایک مختصر سے فلیٹ میں ہوتا تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔میرا قیام اسی منزل پر ساتھ والے دوسرے فلیٹ میں تھا (میری فیملی پاکستان میں تھی)۔پروگرام کچھ اس طرح طے کیا ہوا تھا کہ چوہدری صاحب ایک معین وقت پر درمیانی دروازہ سے

تشریف لائیں گے اور پھر ہم ایک ہی میز پر اکٹھے ناشتہ بھی کریں گے۔ میں مقررہ وقت سے ذرا پہلے درمیانی دروازے کو کھول دیتا اور چوہدری صاحبؓ رات کے گاؤن میں ملبوس عین وقت پر تشریف لے آتے۔ میں نے بھی گاؤن پہنا ہوتا۔ہم دونوں کچن میں جا کر ناشتہ کی تیاری میں مصروف ہوجاتے۔ یہاں یہ ذکر کردوں کہ پہلے روز ہی میں نے نہایت ادب سے اور پُرزور اصرار سے یہ درخواست کی کہ ناشتہ کی تیاری کی خدمت میرے سپرد رہنے دیں۔ یہ بات میرے لئے بہت باعث برکت وسعادت ہوگی۔آپ تشریف رکھیں اور میں ناشتہ تیار کر کے آپ کے سامنے لے آوں گا لیکن حضرت چوہدری صاحبؓ نے بڑی قطعیت سے فرمایا کہ نہیں ایسے نہیں بلکہ میں بھی ناشتہ کی تیاری میں پوری طرح شامل ہوں گا۔میرے لئے اس ارشاد کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحبؓ میرے ساتھ ناشتہ کی تیاری میں بھر پُور شامل ہوتے پھر کپ ، پرچیں، اور پلیٹیں وغیرہ اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں لے جاتے۔ وہاں ہم دونوں مل کر ناشتہ کرتے۔ بعد میں میرے اصرار کے باوجود آپ برتن دھونے میں بھی میرے ساتھ شریک ہوتے۔ یہ لمحات میرے لئے بہت مشکل ضرور ہوتے لیکن الامر فوق الادب کے مطابق کچھ اور ممکن نہ تھا۔

قصہ ایک مالٹے کا۔ایک روز بہت دلچسپ واقعہ ہوا۔میں بازار گیا تو ایک دوکان پر کافی بڑے سائز کے خوشنما مالٹے نظر آئے۔ میں نے خرید لئے اور ناشتہ کی میز پر رکھ دیئے۔اگلے روز حسب معمول حضرت چوہدری صاحبؓ تشریف لائے تو ناشتہ شروع کرنے سے پہلے آپ نے ایک مالٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھ سے دریافت فرمایا: راشد صاحب! کیا آپ آدھا مالٹا کھائیں گے؟ میں نے نا سمجھی اور ایک گونا بے تکلفی سے کہہ دیا کہ نہیں۔اس پر چوہدری صاحبؓ نے یہ کہتے ہوئے مالٹا واپس رکھ دیا کہ پھر میں بھی نہیں کھاتا کیونکہ اس طرح باقی آدھا مالٹا ضائع ہوجائے گا ۔وجہ دراصل یہ تھی کہ چوہدری صاحبؓ کو شوگر کے مرض کی وجہ سے ڈاکٹری ہدایت یہ تھی کہ ایک چھوٹا مالٹا صبح کے وقت کھا سکتے ہیں یا مالٹا بڑا ہو تو اس کا نصف کھا لیا کریں۔ مجھے اس ہدایت کا علم نہ تھا۔ بہرحال اس روز تو لاعلمی میں یہ غلطی ہوگئی۔اگلے روز ناشتہ پر چوہدری صاحبؓ نے پھر ایک مالٹا اٹھا کر بالکل وہی بات دہرائی تو میں نے فوراً کہا کہ جی ضرور کھاؤں گا۔فرمایا کہ اچھا پھر اس مالٹے کو کاٹ لیتے ہیں آدھا خود لیا اور آدھا مجھے دے دیا۔ مجھے آپ کے ہاتھ سے آدھا مالٹا بھی مل گیا اور ایک مستقل سبق بھی! **ڈاکٹری ہدایات کی پابندی**۔جس دور میں میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دیکھا آپ کی غذا بہت تھوڑی اور منتخب ہوا کرتی تھی۔آپ کو شوگر کا عارضہ تھا جو کم وبیش چالیس سال تک لاحق رہا لیکن آپ علاج کے سلسلہ میں ڈاکٹری ہدایات کی بہت سختی سے پابندی کرنے والے تھے۔ پُوری پُوری احتیاط فرماتے اور کسی کے زور دینے پر بھی ہدایت کے برخلاف کوئی چیز استعمال نہ کرتے تھے۔یہی آپ کی صحت کا راز تھا اور اللہ تعالی نے آپ کو لمبی اور فعال زندگی سے نوازا۔آپ کے ڈسپلن اور ڈاکٹری ہدایات کی سختی سے پابندی کو دیکھتے ہوئے آپ کے بعض بے تکلف ساتھی یہ تبصرہ بھی کر جاتے کہ چوہدری صاحبؓ کو شوگر نہیں ہوئی بلکہ چوہدری صاحبؓ شوگر کو ہوگئے ہیں! یہ تبصرہ بعض اوقات آپ کے کانوں میں بھی پڑ جاتا۔ یہ سن کر آپ کے چہرہ پر ایک ہلکی اور باوقار مسکراہٹ پھیل جاتی لیکن آپ کے طریق عمل میں کوئی فرق نہ آتا۔ **خلیفہ اوّل کی نصیحت**۔آپ کو گرم دودھ میں COCOA پاؤڈر ڈال کر پینا بہت مرغوب تھا۔اس کی وجہ آپ یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پہلی بار یورپ کے لئے روانہ ہونے والا تھا تو میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں ملاقات ، دعا اور عمومی راہنمائی کے لئے حاضر ہوا۔اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے آپ کو جو نصائح

فرمائیں ان میں سے ایک کوکو کے استعمال کے بارہ میں تھی۔آپؓ نے فرمایا کہ تم انگلستان جا رہے ہو جو ایک سرد ملک ہے۔لوگوں کا خیال ہے کہ وہاں کی سردی سے محفوظ رہنے کے لئے شراب پینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ہم طبیب ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔فرمایا کہ اگر تمہیں سردی کا دفاع کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو کوکو استعمال کرنا۔اس میں غذائیت بھی ہے اور سردی کے بد اثرات سے بھی بچاتی ہے۔یہ نصیحت ہمیشہ آپ نے یاد رکھی اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

ناشتہ خود بنایا۔ ایک روز آپ ناشتہ کے لئے تشریف لائے تو فرمایا آج میں چاہتا ہوں کہ سارے کا سارا ناشتہ خود تیار کروں۔میں نے عرض کیا کہ آپ کی یہ خواہش ہے تو ضرور بنائیں۔چنانچہ چوہدری صاحبؓ نے دودھ گرم کرنے والے برتن میں دودھ ڈالا۔پھر ایک ڈبل روٹی لے کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور دودھ میں ڈال دیئے۔پھر اس میں دو انڈے توڑ کر ڈالے اور آخر میں حسب پسند شہد ڈالا اور ان سب چیزوں کو اچھی طرح پکالیا۔آج بھی یہ بات لکھتے ہوئے یہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ چوہدری صاحبؓ نے ہاتھ میں ایک چمچہ پکڑا ہوا ہے اور اس کو آہستہ آہستہ برتن میں ہلا رہے ہیں کہ کہیں کھانا نیچے نہ لگ جائے۔چند منٹوں میں حلوہ کی طرح کا کھانا تیار ہو گیا اور پھر ہم دونوں نے مل کر ایک ہی برتن سے کھایا۔واقعی کھانا بہت مزیدار تھا۔

ایک برتن سے ناشتہ۔ ایک روز بڑا ہی دلچسپ واقعہ ہوا۔حضرت چوہدری صاحبؓ اور میں کچن میں ناشتہ تیار کر رہے تھے۔جب میں نے انڈے فرائی کر لئے اور ان کو ایک پلیٹ میں ڈالنے لگا تو چوہدری صاحبؓ جو میرے بائیں طرف ساتھ ہی کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے آپ نے میرا بازو کہنی کے اُوپر سے پکڑا اور فرمایا: راشد صاحب! کیا کرنے لگے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ انڈے فرائی ہو گئے ہیں ان کو پلیٹ میں ڈالنے لگا ہوں تا کہ دوسرے کمرے میں جا کر ہم ان سے ناشتہ کریں۔آپ نے فرمایا: لیکن اس پلیٹ کو دھونا کس نے ہے؟ میں نے عرض کی کہ خود ہی دھونا ہے اس پر آپ نے فرمایا: پلیٹ کو جو دھونا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم فرائینگ پین (FRYING PAN) میں سے ہی انڈا کھا لیں! میں نے عرض کیا کہ جیسے آپ پسند فرمائیں۔چنانچہ میں وہ فرائینگ پین اسی طرح اُٹھا کر ڈائننگ روم (DINING ROOM) میں لے آیا اور یوں یہ سعادت ایک بار پھر میرے حصہ میں آئی کہ میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی کے ساتھ ایک ہی برتن سے ناشتہ کیا۔**بھرپور زندگی۔** اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت چوہدری صاحبؓ نے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سایہ نہایت کامیاب، بھرپور اور مصروف زندگی گزاری۔دنیاوی اور سیاسی مصروفیات میں بھی دینی پہلو کو ہمیشہ مقدم رکھتے۔نمازوں کی بروقت ادائیگی کا غیر معمولی تعہد سے اہتمام فرماتے۔وقت سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے۔ذکر الٰہی سے اپنے اوقات کو سجاتے۔آپ نے زندگی بھر قلمی اور لسانی جہاد کیا۔قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا۔متعدد کتب تصنیف کیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اور اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کے بارہ میں نہایت ایمان افروز کتب لکھیں۔اپنے سوانح حیات بھی انتہائی عاجزی اور خاکساری کے انداز میں نہایت تفصیل سے لکھے۔حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی تحریرات کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا۔زندگی کے آخری سالوں میں تو آپ نے دنیاوی مناصب سے معذرت کرتے ہوئے اپنے آپ کو کلیۃً دینی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا اور یہ سلسلہ زندگی کے آخر تک جاری رہا۔آپ کی یہ خدمات ایک مستقل صدقہ جاریہ کا حکم رکھتی ہیں۔جن دنوں آپ تالیف و تصنیف اور ترجمہ کے کاموں میں مصروف تھے اور آپ کا بیشتر وقت اسی کام میں صرف ہوتا تھا۔آپ بیان فرمایا

کرتے تھے کہ میں دن بھر کام میں مصروف رہتا۔رات کو بھی دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا اور بالآخر جب تھک کر سونے کا ارادہ کرتا ہوں تو میں اپنا قلم رکھ دیتا ہوں اور اپنے آپ سے یوں مخاطب ہوتا ہوں: ''ظفر اللہ خان ! اب تُو بہت تھک گیا ہے۔اب تو کچھ آرام کر لے۔آج تمہیں اللہ تعالی نے جو ہمت دی اس کے مطابق تونے کام کرلیا۔اب سو جاؤ۔اگر اللہ تعالی نے تمہیں مزید مہلت دی تو باقی کام کل کر لینا۔فرمایا کرتے تھے کہ یہ کہتے ہوئے میں بستر پر دراز ہو جاتا ہوں ۔کیا ہی صوفیانہ اور ایمان افروز انداز ہے سونے کا!ایک فارسی مصرعہ آپ بہت کثرت سے اپنی گفتگو میں استعمال فرمایا کرتے تھے کہ،، کارِ دنیا کسے تمام نکرد،، کہ دنیا کے کام تو اتنے ہیں کہ کبھی بھی کسی نے سب کام مکمل نہیں کئے ۔ یہ بات بالکل درست ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے حضرت چوہدری صاحبؓ نے وقت کو بھر پُور طور پر استعمال کرنے اور نفع رساں کاموں میں خرچ کرنے میں ایک قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے۔آپ زندگی کے ہر دن کو اور وقت کے ہر لمحہ کو اللہ تعالی کی نعمت یقین کرتے اور بہترین رنگ میں صرف کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ۔اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے آپ اکثر اوقات ''مہلت'' کا لفظ استعمال فرماتے جو اس عارفانہ بیان میں خوب سجتا تھا۔سونے کے حوالہ سے ایک اور بات یاد آئی ۔حضرت چوہدری صاحبؓ کی گفتگو میں شکرِ نعمت کا مضمون بہت کثرت سے آتا تھا سونے کے حوالہ سے آپ بارہا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے مجھ پر جو بے شمار احسانات فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سر تکیہ پر رکھتے ہی مجھے نیند آجاتی ہے ۔اور اس طرح میرا کوئی وقت ضائع نہیں جاتا ۔کئی بار یہ بھی بیان فرمایا کہ جب میں کار میں سفر کررہا ہوتا ہوں اور کار ٹریفک لائٹ پر ذراسی دیر کے لئے رُکتی ہے تو بسا اوقات اتنی دیر میں بھی میری آنکھ لگ جاتی ہے اور کار چلنے پر بیدار ہو جاتا ہوں۔

سفرِ آخرت کا بیان۔اب مضمون کے آخر میں میں حضرت چوہدری صاحبؓ سے اپنی دو آخری ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہوں ۔ایک آپ کی زندگی میں ہوئی اور ایک وفات کے بعد۔جب میں 1983 میں دوسری بار لندن آیا تو اس وقت آپ لندن میں ہی قیام پذیر تھے لیکن یہ پروگرام پُوری طرح طے کر چکے تھے کہ اب میں نے اپنی زندگی کے بقیہ دن پاکستان میں گزارنے ہیں ۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں چلتے پھرتے پاکستان جانا چاہتا ہوں تابوت میں بند ہو کر نہیں ۔میرے لندن آنے کے چند روز بعد 19 نومبر 1983 کو آپ کی پاکستان واپسی کا پروگرام بن چُکا تھا اور احباب سے الوداعی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا۔محترم چوہدری صاحب بالعموم ہر کسی سے محبت اور شفقت سے پیش آتے ۔الودا عی ملاقاتوں میں تو یہ کیفیت اور بھی نمایاں تھی ۔ بڑی عمر کے احبابِ جماعت اور نوجوانوں کے علاوہ بچوں سے بھی بہت شفقت سے پیش آتے تھے ۔لیکن عام طور پر بچوں کو گود میں بٹھانے کی صورت میں نے نہیں دیکھی ۔ ہمارا بیٹا عزیزم عطاء المنعم راشد ان دنوں گیارہ ماہ کا تھا میں اسے اُٹھا کر چوہدری صاحبؓ سے ملوانے لے گیا کہ پھر نہ معلوم زندگی میں ایسا موقع دوبارہ مل سکے یا نہ۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے اسے اُٹھا کر اپنی گود میں بٹھالیا اور اس کی خوش قسمتی کہ وہ کچھ دیر آپ کی شفقت اور دعاؤں سے فیضیاب ہوتا رہا۔اس نادر موقع کی ایک تصویر کسی دوست نے لے لی لیکن افسوس کہ اب معلوم نہیں کہ وہ کون دوست تھے اور یہ تصویر اب کہاں ہے ۔19 نومبر 1983 کو آپ نے لندن کے مطار ہیتھرو (Heathrow) سے پی آئی اے کے ذریعہ لاہور کی پرواز پر سفر کیا۔مطار کا لفظ میں نے اس مضمون میں کئی بار خاص طور پر اس وجہ سے بھی لکھا ہے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ ایہ ایک پسندیدہ لفظ تھا ۔ ائیر پورٹ کی بجائے آپ ہمیشہ مطار کا لفظ استعمال فرماتے تھے ۔آپ کو

الوداع کہنے والوں میں یہ عاجز بھی شامل تھا۔اس موقعہ پر آپ سے معانقہ کی سعادت ملی جو ایک الوداعی معانقہ بن گیا۔خوش قسمتی سے اس موقع پر لی گئی تصویر اب بھی موجود ہے۔آپ کی وفات یکم ستمبر 1985 کو لاہور میں ہوئی۔جماعت احمدیہ برطانیہ نے، جو چوہدری صاحبؓ مرحوم ومغفور کی از حد ممنون احسان جماعت ہے، حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے اس موقعہ پر تین افراد جماعت پر مشتمل ایک وفد جنازہ میں شمولیت کے لئے پاکستان بھیجا۔یہ عاجز بھی اس وفد میں شامل تھا۔آپ کا جسدِ خاکی محترم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب کے مکان میں تھا جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی۔تعزیت کے لئے آنے والے احبابِ جماعت و غیر از جماعت احباب کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ہم اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں آپ کا جسدِ خاکی رکھا ہوا تھا۔سفید چادروں میں ملبوس یہ مردِ درویش ایک عجیب شان کے ساتھ آسودۂ خواب تھا۔سینہ پر کلمہ طیبہ لا الہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ کا بیج اس وقت بھی بڑی شان سے جگمگا رہا تھا جس کی عظمت کی خاطر آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو زندگی بھر وقف کئے رکھا۔اس نفسِ مطمئنہ کے پُرنور چہرے کے دیدار کے بعد ہم نے لاہور اور ربوہ میں دوبار آپ کی نماز جنازہ میں شمولیت کی توفیق پائی۔بعد ازاں جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی اجازت سے آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ کے اندر قطعۂ خاص میں ہوئی تو اس موقع پر بھی اس عاجز کو تدفین میں حصّہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی اور قبر تیار ہونے پر مٹی دی اور آخری دُعا میں بھی شریک ہوا۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ایک نہایت بابرکت اور کامیاب زندگی گزار کر اس دُنیا سے رُخصت ہوئے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قربِ خاص میں مقامِ محمود عطا فرمائے۔آپؓ خود تو رُخصت ہو گئے لیکن آپؓ کی یادیں آج بھی زندہ ہیں اور ان کا نیک تذکرہ ہمیشہ جاری وساری رہے گا۔

آپ کی طبیعت نہایت سادہ اور الجھاؤ کو پسند نہ کرتی تھی۔

مکرم ومحترم مولانا نسیم سیفی صاحب

جماعت احمدیہ کے جید عالم دین مکرم ومحترم مولانا نسیم سیفی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ”تحریک جدید“ ربوہ سابق رئیس التبلیغ افریقہ مرحوم، حضرت سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں اپنی یادوں کو تحریر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ”خاکسار دہلی میں حکومت ہند کے سپلائی ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھا۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ان دنوں وائسرائے کی کونسل میں سپلائی وزیر تھے۔آپ کی کوٹھی ہمارے دفاتر کے قریب تھی۔چنانچہ جمعہ کی نماز آپ کی کوٹھی پر ہوا کرتی تھی۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ خطبہ بھی ارشاد فرماتے اور نماز بھی پڑھاتے۔ان خطبوں میں ویسے تو بہت سی باتیں ایسی ہوتی تھیں جو یاد رکھنے کے قابل تھیں اور جن کو مشعل راہ بنایا جا سکتا ہے لیکن اپنے ذوق کے مطابق دو باتیں مجھے خاص طور پر یاد ہیں۔ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا کہ ”میری طبیعت نہایت سادہ ہے اور الجھاؤ کو پسند نہیں کرتی۔“ اور اس کی مثال یہ دی کہ: ”مجھے کیلا پسند ہے، انار نہیں کیونکہ کیلا کھانا آسان ہے۔ایک ہی دفعہ میں چھلکا اُتارا اور کھا لیا۔لیکن انار کا پہلے اوپر کا سخت چھلکا اُتارو پھر اندر سے باریک چھلکا اور پھر ایک ایک دانہ کر کے اُس میں سے نکالو۔اس الجھاؤ کی وجہ سے مجھے انار زیادہ پسند نہیں۔“ اسی طرح ایک روز خطبہ اور نماز کے بعد فرمانے لگے کہ ایک شخص کا مجھے خط آیا ہے جس

میں لکھا ہے کہ سنا ہے آپ کی وزارت بدل رہی ہے۔ میرا بیٹا آپ کی وزارت کے کسی دفتر میں ہے۔ اب معلوم نہیں اس کا کیا بنے گا۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے خط لکھنے والے دوست کا نام تو نہیں لیا لیکن یہ فرمایا کہ یہ بات پڑھ کر میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ یہ دوست مجھے خدا سمجھتے ہیں۔ میرے یہاں ہونے یا نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ویسے بھی عام طور پر دہلی میں (احمدیہ جماعت کے حلقہ میں) یہ بات اکثر سننے میں آتی تھی کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نوجوانوں کی ملازمت کے سلسلہ میں کوئی خاص کوشش نہیں فرماتے۔ محترم چوہدری صاحبؓ نہ سیاسی ہنگامہ آرائی کے قائل تھے اور نہ کبھی اس جھمیلے میں پڑتے تھے۔ جب ان کے دوست ان کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرواتے کہ انہیں عوام الناس سے تعلقات بڑھانے چاہئیں تو آپ کو یہ فرماتے سنا گیا کہ میں ان کا خیال تو رکھتا ہوں لیکن مجھے ان کی کسی سیاسی مدد کی ضرورت نہیں۔ میں جس کا کام کرتا ہوں یعنی اپنے کام میں جس شخص کا ذمہ دار ہوں وہ مجھ سے اور میرے کام سے خوش ہے اور بس کام کو اچھی طرح کرنا ہی میرا فرض ہے۔ خاکسار نے دہلی میں قیام کرنے کے دوران زندگی وقف کی اور چند ماہ بعد جب قادیان سے بیرون مُلک روانگی کا وقت قریب آیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ قادیان میں تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ کچھ اور واقف زندگی بھی تھے جو بیرون ملک جا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت امام جماعت احمدیہ سے اجازت لے کر محترم چوہدری صاحبؓ نے ہمارے گروپ کو خطاب کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس خطاب میں آپ نے لباس کے متعلق، جہاز میں یا دعوتوں میں کھانے کے متعلق، انگلستان میں گھروں میں داخلے اور کمروں میں، اوورکوٹ، چھتری وغیرہ کے سلسلہ میں نہایت مفید ہدایات سے نوازا۔ لباس کے متعلق آپ نے خاص طور پر بٹنوں کا ذکر کیا کہ ہر بٹن بند کرنے کیلئے ہوتا ہے نہ کہ چھوڑنے کیلئے۔ اپنی مثال دی کہ ایک دفعہ حکومت ہند کے نمائندے کے طور پر چین جا رہے تھے اور چین میں ان دنوں خاصی گرمی تھی۔ چنانچہ آپ نے کف کے بازوؤں والی قمیضیں سلوا لیں تا کہ نہ بٹن ہوں اور نہ بند کرنے پڑیں۔ کھانے کے متعلق آپ نے فرمایا صرف اتنا ہی پلیٹ میں ڈالیں جتنا کھا سکتے ہیں۔ بے شک تھوڑا ڈالیں اور ختم کر کے پھر مانگ لیں۔ لیکن زیادہ ڈال کر پلیٹ میں کچھ حصہ چھوڑ دینا نہایت معیوب ہے۔ آپ نے فرمایا انگلستان (یا ایسے ہی دیگر ممالک میں) گھر میں داخل ہوتے وقت باہر کا گیٹ کھلا چھوڑیں گے تو ہوسکتا ہے کسی اور گھر کا کتا اندر داخل ہو جائے۔ اس لئے آپ باہر کا گیٹ بند کر کے آگے مکان کی طرف جائیں۔ اور پھر کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اوور کوٹ جو عام طور پر بارش میں گیلا ہو چکا ہوتا ہے ہینگر پر ٹانگ دیں اور چھتری وغیرہ بھی وہیں رکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ بعض دوست گیلے کوٹ کے ساتھ اندر کاؤچ پر بیٹھ جاتے ہیں اور کاؤچ کو گیلا کر کے خراب کر دیتے ہیں۔ یہ باتیں کس قدر ضروری ہیں اس کا صحیح اندازہ صرف اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کسی بیرونی ملک میں جائے اور کسی کو ان باتوں کے خلاف کرتا دیکھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ربوہ تشریف لائے ہوئے تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ نائیجیریا کے ایک مسلمان وکیل نسیم الیاس صاحب ہیگ کی عالمی عدالت کے جج مقرر ہو گئے۔ آپ نے مجھے گھر سے بلا یا اور الیاس صاحب کے متعلق نہایت خوشی اور محبت کے ساتھ تمام تفاصیل پوچھیں۔ بات تو میرے نائیجیریا جانے سے پہلے کی ہے لیکن اس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ 1945ء میں غالباً امریکہ جا رہے تھے۔ نائیجیریا کی جماعت نے گذارش کی کہ ان کی مسجد السجود کی بنیاد رکھتے جائیں۔ ان دنوں محترم حکیم فضل الرحمن صاحب نائیجیریا جماعت کے انچارج تھے۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحبؓ نائیجیریا تشریف لے گئے اور جماعت احمدیہ کی مسجد السجود کی بنیاد رکھی۔ اس تقریب میں آپ کی شمولیت نہایت بابرکت ثابت ہوئی۔ اسی مسجد السجود میں خاکسار کو بیس سال

نمازیں ادا کرنے کی سعادت ملی۔خاکسار 1945ء کے وسط میں نائیجیریا گیا اور 1964ء کے وسط میں وہاں سے واپس آیا۔اسی مسجد السجود کا سنگ بنیاد ہمیشہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی آمد یاد دلاتا رہا تھا اور آپ کا ذکر خیر کرنے کا موقع ملتا رہا۔حضرت چوہدری صاحبؓ اتنے عظیم انسان تھے کہ ان کے ساتھ تو جس نے ایک مصافحہ بھی کیا ہوگا وہ اسے بھول نہیں سکے گا۔خاکسار نے جو باتیں بیان کی ہیں وہ مختصر سہی لیکن ہمیشہ یاد رکھنے والی ہیں اور ان باتوں کو یاد کر کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ نسیم سیفی

خلافت سے حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحبؓ کو عشق تھا

مکرم ومحترم مولانا منیر الدین صاحب شمس،لندن

مکرم ومحترم مولانا منیر الدین صاحب شمس-ایڈیشنل وکیل التصنیف - لندن حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ

میری یہ خوش قسمتی تھی کہ جب 1973ء میں میری تقرری نائب امام مسجد فضل لندن کے طور پر انگلستان میں ہوئی اور میں 2 جولائی کو لندن پہنچا تو چند روز کے بعد ہی 5 جولائی کو حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ ہیگ، ہالینڈ سے تشریف لائے اور مجھے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خاکسار ہندوپاکستان سے باہر سب سے کم عمر مبلغ تھا۔حضرت چوہدری صاحبؓ نے مجھ سے فرمایا کہ وہ House of Commons میں تقریر کرنے تشریف لے جا رہے ہیں اور اگر میں چاہوں تو ساتھ چلوں۔تین روز قبل پاکستان سے انگلستان میں وارد ہونے والے کو اور کیا چاہئے تھا؟ خاکسار نے نہایت شکرگزاری کے جذبات کے ساتھ اس شفقت بھری پیشکش کو قبول کرلیا اور عرض کیا کہ صرف اجازت دیں کہ اوپر کمرہ سے ٹوپی لے آؤں۔حضرت چوہدری صاحبؓ نیچے کار میں انتظار کرتے رہے اور جب میں نیچے آیا تو آپ نے مجھے دیکھا کہ میں صرف قمیض میں ہوں اور اوپر کوئی کوٹ یا جیکٹ نہیں پہنی ہوئی تو فرمانے لگے کہ دیکھیں آپ ابھی بھی گرم ملک سے آئے ہیں۔ یہاں اوپر جیکٹ ضرور پہن لینی چاہئے ورنہ بیمار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔پاکستان میں تو ہم سوٹ کے کوٹ کو کوٹ کہتے ہیں اس لئے میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کوٹ تو ہے لیکن کوئی جیکٹ نہیں۔چنانچہ میں وہ کوٹ پہن کر آ گیا۔آپ نے میری اصلاح فرمائی کہ دراصل اِسی کوٹ کو یہاں جیکٹ کہا جاتا ہے۔چنانچہ یہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی طرف سے میری معلومات میں پہلا اضافہ تھا۔جس کے بعد متعدد سال آپ سے ملاقات اور قریب رہنے کے مواقع میسر آتے رہے اور آپ سے بہت کچھ سیکھنے اور حاصل کرنے کی سعادت ملتی رہی۔جب حضرت چوہدری صاحبؓ تقریر کرنے اور احباب سے ملاقاتوں سے فارغ ہوئے تو آپ نے ازراہ شفقت مجھے مسجد واپس آنے سے قبل بکنگھم پیلیس اور دریائے ٹیمز نیز دیگر مقامات کی سیر کروانے کے علاوہ بہت سی معلومات سے نوازا اور پھر اس دن کے بعد ان شفقتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔حضرت چوہدری صاحبؓ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔آپ مبلغین سلسلہ کی بہت عزت واحترام کرتے تھے اور امیر کی اطاعت میں تو لاثانی تھے۔جو اہم معاملہ ہوتا یا آپ سے کوئی تقریر کیلئے بھی عرض کرتا تو آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ پہلے امام صاحب (یعنی بشیر احمد خان صاحب رفیق جو امیر بھی تھے) سے اجازت حاصل کرلیں۔خلافت سے تو آپ کو عشق تھا اور تن من دھن اس کیلئے قربان تھا۔آپ سے جب پوچھا گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین ودنیا دونوں سے بے حد نوازا ہے۔آخر اس کا راز کیا ہے؟ تو آپ کا یہی جواب

تھا کہ اس کا راز صرف اور صرف خلیفہ وقت کی اطاعت اور اس سے محبت میں ہے۔ بہر حال یہ اس عظیم انسان کے بارہ میں کتاب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پڑھ کر جہاں لطف اندوز ہوں گے وہاں بہت سے امور میں آپ کو رہنمائی بھی حاصل ہوگی اور ایسے ایسے سبق و نصائح حاصل ہوں گی جو ہم سب کی زندگیوں میں راہنما ہوں گی۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اور حضرت چوہدری صاحبؓ کی طرح ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ تائید و نصرت کے ساتھ ساتھ دین و دنیا کی مقبول خدمات کی توفیق عطا ہوتی رہے۔ آمین۔

حضرت چوہدری صاحبؓ کی تقریر میں عشق الٰہی کے موضوع پر بہت کچھ تھا

مکرم و محترم مولانا منیر احمد خادم صاحب قادیان

مکرم و محترم مولانا منیر احمد خادم صاحب سابق ایڈیٹر ہفت روزہ اخبار بدر قادیان حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحبؓ کے بارے میں اپنی یادوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''تقسیم ملک ہوا تو ہمارے حصہ میں قیامِ قادیان کی سعادت آ گئی۔ میری پیدائش تقسیم کے پانچ سال بعد ہوئی۔ ایک بار حضرت چوہدری صاحبؓ کو ربوہ کے جلسہ میں موٹر کار میں بیٹھے ہوئے بہت قریب سے دیکھا اور ان سے ملاقات بھی کی اور پھر جب حضرت چوہدری صاحبؓ یکم جنوری 1974ء کو قادیان تشریف لائے تو ان کے ہمراہ اوروں کے ساتھ محترم امام بشیر احمد صاحب رفیق بھی تھے۔ قادیان کے استقبالیہ میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی تقریر سُنی جس میں دنیاوی باتیں تو بہت کم تھیں اور عشق الٰہی کے موضوع پر بہت کچھ تھا۔ اپنی تقریر میں اُنہوں نے پنجابی زبان میں کہا کہ جب بھی ہم کو کچھ ضرورت ہوتی ہے تو ہم تو بس کمرے کا دروازہ بند کر لیتے ہیں اور پھر اپنے رب کو جپھا مار لیتے ہیں (گلے لگا لیتے ہیں) اور اس کو کہتے ہیں کہ اب بس تجھے اُس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تو راضی نہیں ہوگا۔ یہ بات انہوں نے اس قدر محبت سے پنجابی لہجہ میں بیان کی کہ سُننے والے بس عش عش کر اُٹھے۔ اُن کے چند یوم قیام قادیان میں یوں لگا کہ وہ ایک بے نفس انسان ہیں جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا کے نہیں تھے۔

دل گداز باتیں، مکرم نصیب اللہ قمر صاحب

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ذاتی خادم

دیکھو میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ تمھیں میری خدمت کر کے بڑی تکلیف ہوتی ہوگی۔ کبھی میں تمہیں رات کو سوتے سے اٹھا دیتا ہوں۔ تم جوان آدمی ہو تمہیں تو نیند آتی ہوگی۔ مجھے معاف کر دینا میں تمہیں بہت تکلیف دیتا ہوں۔ یہ تھے وہ الفاظ جو اس صدی کے نابغہ روزگار شخصیت، نے عالمی سطح پر قوموں اور ملکوں کو متاثر کیا، یعنی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اپنے ذاتی ملازم سے کہے۔ عاجزی انکساری اور سادگی سے پر یہ الفاظ اس شخص کے تھے جس کو ملکوں کے شاہ اور صدر اور سر براہان اپنے ہاں مدعو کرنا اپنے لئے فخر کا موجب خیال کرتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحب مرحوم و مغفور کے ذاتی ملازم کا نام مکرم نصیب اللہ کمر صاحب ہے جن کو آخری دو سال اس تاریخ ساز شخصیت کی خدمت کا فخر حاصل ہوا۔ اپنی ان دو سالوں کے بارے میں نصیب اللہ کمال صاحب کا کہنا ہے میری ان دو نا پہلے کی زندگی اچھی تھی اور نہ اب کبھی ایسی ہوگی میرے لئے تو اب اس دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ حضرت

چوہدری صاحب کی وفات کے بعد کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔نصیب اللہ کمال صاحب نیم خواندہ جوان عمر کے سادہ سے آدمی ہیں۔اتنی گہرے جذبات اورحضرت چوہدری صاحب کی شخصیت کا اتنا گہرا اثر حیرت انگیز تھا'' وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے، مجھے بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔کہا کرتے تھے کہ نصیب اللہ اللہ قمر خوش قسمت ہوں کہ خدا تعالی نے تم کو میری خدمت کے لئے بھیجا ہے۔''میں اتنے بڑے آدمی کے منہ سے ایسے الفاظ یہ سنتا تو مجھے حیرت ہوتی۔میرا دل خوشی سے بھر جاتا۔نصیب اللہ قمر صاحب نے بتایا چوہدری صاحب دوسال قبل جب اپنی علالت کی وجہ سے پاکستان آئے تو مجھے ان کی خدمت کا موقع ملا۔شروع میں تو مصطفی نصراللہ خان صاحب کے ذمے دیگر ذمہ داریوں کے علاوہ ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ نماز باجماعت پڑھائیں ان کے ستمبر 84 میں انگلستان چلے جانے کے بعد یہ ذمہ داری میرے سپرد ہوئی۔چوہدری صاحب کوئی بھی نماز بغیر جماعت کے ادا نہ کرنا چاہتے تھے۔اس کے علاوہ میں رات کو بھی ان کے پاس قالین پر بستر لگا کر سوتا۔ان کو کھانا محمد اسماعیل کھلاتا تھا۔ حضرت چوہدری صاحب صوفے یا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے۔مغرب اورعشاء کی نماز عموماً جمع کر لیتے تھے ان نمازوں کے وقت عموماً چوہدری بشیر احمد صاحب شیر پنجاب احمد صاحب علامہ اقبال کے حقیقی بھتیجے ہیں آجایا کرتے تھے چوہدری بشیر احمد صاحب اکثر امامت کرایا کرتے تھے۔وہ نہ ہوتو کوئی اور شخص مثلاً کئی بارعبدالمالک صاحب کو بھی امامت کرانے کا موقع ملا۔

فجر کی نماز کے وقت اکثر یہ ہوتا کہ نماز سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قبل جاتے۔یہ بھی ہوتا ہے کہ رات کے آخری پہر بار بار پوچھتے کیا وقت ہوگیا ہے۔یہ ان کی نماز کے لئے بے تابی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سوتے رہ جائیں اور نماز کا وقت نکل جائے۔ان کی یہ مستقل ہدایت تھی کہ اگر نماز کا وقت آجائے اور میں سورہا ہوتو مجھے ضرور جگہ دیا جائے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اوراس بارے میں کبھی کوئی ہچکچاہٹ نہ کی جائے۔رات کا آخری حصہ اکثر جاگ کرہی گزرتا۔مجھے جگا کر بٹھا لیتے اور باتیں کرتے کہ کہیں میں سو نہ جاؤں۔نصیب اللہ قمر صاحب کہنے لگے کہ مجھے کسی بات پر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔میری اکثر کوتاہیاں معاف فرمادیتے صرف نماز کے بارے میں سخت جذباتی رویہ اختیار کرتے اور کہتے اگر میری نماز قضا ہو گئے تو کیا باقی رہ جائے گا۔ایک دن میں دوائی لینے بازار گیا تھا۔وہاں مجھے کچھ دیر ہوگئی اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا بار بار پوچھتے رہے؟ میں آیا تو مجھ پر سخت ناراض ہوئے کہ نماز کے وقت غیر حاضر کیوں تھے.؟ مجھ سے سوال کی ''نماز زیادہ اہم ہے یا دوائی'' اس کے بعد مجھے ہدایت دی کہ سب کو بتادو کہ نماز کے وقت کے قریب مجھے کسی کام سے گھر سے باہر نہ بھیجا جائے چاہے کتنا ہی ضروری کام ہو۔اکثر یہ ہوتا کہ نماز کے وقت سے نصف گھنٹہ پہلے سے ان کی طبیعت میں بے چینی شروع ہوجاتی اور بار بار بیتابی سے پوچھتے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے؟ نصیب اللہ قمر صاحب نے بتایا کہ آخری دوسال میں میں نے حضرت چوہدری صاحب کو کچھ لکھتے نہیں دیکھا تاہم جماعتی رسائل خالد، لاہور وغیرہ پڑھتے رہتے کبھی کوئی جماعتیں کتاب بھی پڑھتے رہتے۔23 جولائی 1985 کو جب بیماری کی ابتدا ہوئی اس دن تک مطالعہ جاری تھا۔بعض دفعہ پڑھتے ہوئے تھک جاتے تھے تو کسی سے کہتے کہ پڑھ کر سنادو بعض اوقات میں بھی پڑھ کر سنا دیتا تھا۔جس جگہ حضرت چوہدری صاحب بیٹھے تھے اس جگہ سامنے ان کی والدہ محترمہ کی تصویر لگی تھی۔میں کبھی اس تصویر کو صاف کرتا تھا تو اکثر مجھ سے پوچھتے کہ جانتے ہو یہ کس کی تصویر ہے نہیں بتاتے کہ یہ میری والدہ کی تصویر ہے والدہ محترمہ کا ذکر شروع فرماتے۔ان کی زندگی کے آخری دوسالوں میں یہ تفصیل کی بار میں نے حضرت چوہدری صاحب کے منہ سے سنی اس طرح انہوں نے بیعت کی۔پھر یہ کہ وہ مجھ کیسی محبت کرتی تھی ملالہ پر اکثر جذباتی ہوجاتے تھے۔بتایا کرتے تھے کہ میری والدہ نے

خواب میں حضرت بانی سلسلہ کو دیکھا تھا۔انہوں نے حضرت بانی سلسلہ کی زیارت کے لئے جانا چاہا۔تم میرے والدمحترم نے کہا کہ زیارت کے لئے چلے جاؤ لیکن فیصلہ نہ کرنا۔مراد یہ تھی کہ بیت کبھی نہ کرنا والدہ محترمہ گئیں اور یہ کہہ گئیں اگر یہ وہی بزرگ ہوئے جو مجھے خواب میں نظر آئے ہیں تو مجھے بات کرنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی والد صاحب نے بھیجا گاڑی بھی ساتھ دی حضرت چوہدری صاحب فرماتے تھے میں بھی ساتھ گیا میری عمر 11 سال تھی۔ہم حضرت اماں جان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم نے حضور کی زیارت کرنی ہے۔حضرت بانی سلسلہ نے پیغام بھیجا کہ ابھی میں نماز کے لئے آؤنگا تو آپ کے پاس سے گزر کر جاؤں گا۔تھوڑی دیر میں حضور تشریف لائے حضرت والدہ صاحبہ کے چہرے پر جذباتی تغیر پیدا ہوا اور انہوں نے فوراً کہا میں نے بات کرنی ہے۔حضور نے فرمایا میں پڑھتا ہوں تم بھی ساتھ ساتھ پڑھتی جاؤ چنانچہ اس طرح اسی وقت بیعت ہوگئی۔حضرت چوہدری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بانی سلسلہ عموماً بیعت قبول نہیں فرماتے تھے اکثر کہا کرتے تھے کہ سوچ لو اور غور کرلو یہ بڑا کٹھن کام ہے مگر حضرت والدہ صاحبہ کو یہ شرف ملا کہ انہوں نے جونہی بیعت کا حضور کو کہا حضور نے بیعت قبول فرمالی۔

نصیب اللہ قمر نے بتایا کہ پھر چوہدری صاحب فرماتے بیعت کر کے ہم واپس آئے تو تھوڑی دیر بعد ہی والد صاحب آ گئے اور آتے ہی ولے''بادشاہو! کوئی فیصلہ تے نئیں کیتا'' حضرت والدہ صاحبہ نے فوراً کہا الحمدللہ میں تو بیعت کر آئی ہوں۔ایک صاحب نے اپنے ملازم سے کہا میرا پلنگ نکال کر دوسرے کمرے میں ڈال دو۔والدہ صاحبہ نے ان سے بھی بلند آواز میں کہا ہاں ان کا پلنگ مردانے میں لے جاؤ۔والد صاحب نے ان کی یہ بات سن کر تعجب کیا اور کہا اتنی بے رخی کیوں؟ والدہ صاحبہ نے یہ سن کر ایک عزم سے کہا، اللہ نے مجھے ایک مرد دکھا دیا ہے اور آپ ابھی اندھیرے میں ہیں اور نور اور اندھیرے کا کیا جوڑ! اس پر والد صاحب متاثر ہوئے اور ملازم کو کہا پلنگ وہی رہنے دو انہیں کی بیعت ہوگی۔اس کے بعد والدہ صاحبہ نے بیعت کے الفاظ پر سختی سے عمل کیا اور مجھے بھی ہمیشہ عہد بیعت پر کاربند رہنے کی تلقین فرماتی رہیں۔نصیب اللہ قمر صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے سوال کیا کہ آپ نے ساتھ ہی بیعت کیوں نہ کی۔حضرت چوہدری صاحب میں میرے سوال کو سراہا اور فرمایا تم نے بڑا اچھا سوال کیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ میری عمر اس وقت کم تھی۔کیونکہ میں ساتھ ہی تھا اس لئے ایک لحاظ سے اپنے آپ کو بھی بیعت میں شامل ہی سمجھتا تھا۔پھر یہ ہوا کہ اُن کے بعد والد صاحب نے بھی بیعت کرلیں اور پھر مجھے بھی حضرت بانی سلسلہ کی دستی صرف حاصل ہوا اور حضرت چوہدری صاحب فرماتے تھے مجھے بیعت کا شرف حاصل ہوا کہ میں نے حضرت بانی سلسلہ سے بیعت کے لئے عرض کیا تو میں اکیلا تھا چنانچہ حضور نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر بیعت لی۔اپنی والدہ محترمہ کی تصویر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ انگلستان کا ایک لارڈ میرا دوست تھا۔اُس کی ماں فوت ہو چکی تھی اور وہ بھی میری طرح اپنی والدہ سے عشق کرتا تھا۔وہ میری والدہ سے بھی اسی طرح محبت کرتا تھا جس طرح میں اپنی والدہ سے۔اس نے ایک بڑا قیمتی تحفہ میری والدہ صاحبہ کو بھجوایا والدہ صاحبہ نے مجھ سے کہا میں اس کو کیا تحفہ دوں؟ میں نے کہا کہ اپنی تصویر دے دیں۔والدہ صاحبہ راضی نہ ہوئی تھیں۔میں نے کہا کہ آپ کی یہ تصویر اسے اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیاری ہوگی آخر والدہ صاحبہ بڑی مشکل سے رضامند ہوئیں دو شراط عائد کیں۔ایک یہ کہ جو کپڑے میں پہنتی ہوں ان میں تصویر کھنچواؤں گی دوسری یہ کہ جس کمرے میں تصویر کھینچی جاتی ہے اس میں تم میرے ساتھ ہو۔چنانچہ یہ تصویر کھینچی گئی اور اس کی تین کاپیاں

بنائی گئیں۔ایک اس لارڈ کوبھجوائی گئی ایک میں نے اپنے پاس رکھی اور نہ جانے کس کو دے دی۔نصیب اللہ کمر نے آخری ایام میں حضرت چوہدری صاحب کامعمول بیان کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت چوہدری صاحب فجر سے پہلے اٹھے ہوئے ہوتے۔میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھاتا۔نماز پڑھنے کے بعد سوجاتے اور دو گھنٹے کے بعد ناشتے کے لئے جاگتے 7 بجے کے قریب ناشتہ کرتے۔اس کے بعد پھر سوجاتے اور دس بجے کے قریب بیدار ہو کر اٹھ کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور کوئی رسالہ یا کتاب وغیرہ پڑھتے اور بارہ ایک بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ایک سے ڈیڑھ بجے کے دوران نماز پڑھتے اور اس کے بعد کھانا کھاتے پھر درمیان میں بعض اوقات سوجاتے۔بعد دوپہرا کثر ڈاکٹر وسیم صاحب آپ کو دیکھنے آجاتے یا آپ اپنی نواسی یا بیٹی کو بلا لیتے اور ان سے باتیں کرتے۔مغرب وعشاء کی نمازیں عموماً جمع کر لیتے اس وقت چوہدری بشیر احمد صاحب یا کوئی اور دوست نماز پڑھاتے۔اس کے بعد ساڑھے آٹھ بجے تک کھانا کھا لیتے۔رات کو اکثر نیند نہ آتی۔اس پر ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق تاخیر سے نو بجے کے قریب کھانا کھانے لگے۔پھر سونے کے لئے لیٹ تے۔دس بجے کے بعد اکثر جاگا جاتی رات کو کسی وقت نیند نہ آتی تو مجھے آواز دے کر اٹھاتے۔پھر یہ سوچ کر اس کو نیند آرہی ہوگی مجھ سے معذرت بھی کرتے۔نصیب اللہ نے بتایا کہ مجھے نصیب اللہ بیٹا کہہ کر پکارتے تھے مگر آپ نے خود ہی میرے اور بھی نام رکھے ہوئے تھے کریم اللہ وغیرہ۔ایک دن مجھ سے باتیں کر رہے تھے کہ مجھ سے پوچھنے لگے نصیب اللہ تم کہاں سوتے ہو۔میں نے عرض کیا آپ کے بستر کے قریب ہی نیچے قالین پر بستر لگا کر لیٹ جاتا ہوں۔ایک دفعہ خاکسار نے بات کرتے ہوئے ان کے لئے لفظ''سرکار'' کا استعمال کیا۔آپ فوراً بولے نصیب اللہ!''سرکار'' کوئی نہیں مَیں تو ایک عاجز انسان ہوں۔سرکار تو صرف اللہ کی ذات ہے مجھے کبھی اس طرح مخاطب نہ کرنا۔آخری دنوں کی بات بتاتے ہوئے نصیب اللہ قمر صاحب نے بتایا کہ ایک دن مجھے بہت پیار سے کہا میں نے تو چلے جانا ہے تمہیں جدائی دے دوں گا۔میرے مرنے پر تمہیں بہت تکلیف ہوگی۔مرنے کے بعد دوسری دنیا میں جا کر تم کو یاد کروں گا۔

کلمہ طیبہ کے بارے میں آپ کو خدا نے بتایا تھا جس روز ہم نے پہلے دن کلمہ سینوں پر لگائے اس روز عصر کی نماز سے پہلے مجھے آواز دے کر بلایا میں حاضر ہوا تو میرے سینے پر کلمہ طیبہ آویزاں تھا۔مجھے دیکھ کر فرمایا۔صرف تم نے لگایا ہے یا سب نے لگایا ہے میں نے کہا سب نے لگایا ہے۔تب فرمایا کہ میری خواب سچی ہوگئی ہے۔پھر بتایا کہ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ بغیر کسی امتیاز کے احمدی اور غیر احمدیوں نے سینے پر کلمہ سجایا ہوا ہے اور میں خواب میں یہ کہتا ہوں کہ کلمہ لگانا بہت عمدہ ہے اور ساتھ اور کچھ بھی کہا۔پھر فرمایا میرے لئے فوراً کلمہ طیبہ کا ایک بیج لے کر آؤ اور میرے سینے پر بھی آویزاں کرو۔میں نے عرض کیا کہ آپ یہ میرے والا کلمہ کا بیج لے لیں۔فرمایا نہیں میں تم کو اس سے کیوں محروم کرو میرے لئے اور لے کر آؤ۔چنانچہ میں فوراً ایک بیج لے کر آیا اور حضرت چوہدری صاحب کے سینے پر آویزاں کیا۔یہ بیج ہر وقت حضرت چوہدری صاحب سینے پر لگائے رکھتے اور رات کو سوتے وقت بھی اپنے سے جدا نہ کرتے جب کپڑے بدلتے تو پہلے اس کو اتار کر رکھ لیتے اور نیا کپڑا پہننے کے فوراً بعد سینے پر آویزاں فرماتے۔نصیب اللہ قمر نے بتایا کہ جب میں کلمہ طیبہ کا بیج لگا کر بازار جاتا تو واپسی پر مجھے پوچھتے کہ کسی نے تمہیں پکڑ تو نہیں لیا۔پھر فرماتے کہ کلمہ طیبہ تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار ہے اور اسی کلمہ کو دنیا میں پھیلانے کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تھا۔علم کے بارے میں جب بھی مخالفت کی اطلاع ملتی بار بار اس پر اظہار افسوس فرماتے۔چوہدری محمد

ظفر اللہ خان صاحب کے ذاتی خادم مکرم نصیب اللہ قمر صاحب نے حضرت چوہدری صاحب کے آخری ایام کی باتیں بتاتے ہوئے کہا کہ حضرت چوہدری صاحب سیر وغیرہ کے لئے بہت کم باہر نکلتے تھے۔ڈاکٹر نے کہا کہ آپ چونکہ کمزوری کی وجہ سے زیادہ چل نہیں سکتے اس لئے یہ طے ہوا کہ آپ کرسی پر بیٹھ کر سفر کیا کریں چنانچہ آپ ایک ایسی کرسی پر تشریف فرما ہو جاتے جس کو پہیے لگے ہوئے ہیں اور میں اس کرسی پر آپ کو بٹھا کر کوٹھی کے مختلف حصوں میں لے جاتا اور سیر کرواتا۔دوران سیر ایک بار آپ نے پوچھا کہ کوٹھی کے سامنے حصے میں یہ چند نوجوان کیوں کھڑے ہیں۔نصیب اللہ صاحب نے بتایا کہ یہ خدام ہیں اور آپ کی ڈیوٹی پر مامور ہیں۔آپ نے سوال کیا کہ ان کو یہاں کس نے ڈیوٹی پر مقرر کیا ہے تو بتایا گیا کہ حضرت صاحب کا ارشاد ہے کہ خدام آپ کی خاطر ڈیوٹی دیں۔جب آپ واپس اپنے کمرے میں تشریف لائے۔تو نصیب اللہ قمر صاحب کو کہا کہ ان نوجوانوں کو ایک ایک کر کے میرے پاس لاؤ۔چنانچہ ڈیوٹی پر معموران نوجوانوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے علیحدہ علیحدہ حضرت چوہدری صاحب سے ملاقات کی۔حضرت چوہدری صاحب نے ان کو بلا کر ان کے جذبہ خدمت کی تعریف کی اور بڑے پیار سے کہا میں عجز اور گنہگار انسان ہوں۔میرے لئے تو کسی شخص کو ڈیوٹی دینے کی ضرورت نہیں تاہم حضرت صاحب کی ہدایت ہے اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا یہ کہہ کر ڈیوٹیاں دینے والے خدام کو بہت دعائیں دیں۔مکرم نصیب اللہ قمر صاحب نے بتایا کہ جن خدام نے بہت محنت سے ڈیوٹی دی ان کی فہرست طویل ہے۔البتہ انتظامات بہت اعلیٰ اور باقاعدہ تھے جس کی ذمہ داری بالترتیب مکرم ملک طاہر احمد صاحب قائد ضلع ،مکرم اعجاز احمد صاحب نائب قائد اور مکرم عبدالحلیم طیب صاحب قائد حلقہ پر تھی۔مکرم طاہر ملک صاحب کو اکثر پوچھا کرتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے۔مکرم عبدالمالک صاحب بھی جب آتے اور میں بتاتا کہ مالک صاحب آئے ہیں تو خوشی کا اظہار فرماتے۔نصیب اللہ قمر صاحب نے حضرت چوہدری صاحب کی بعض خاص قابل ذکر باتیں یاد کرتے ہوئے بتایا کہ ایک دفعہ مجھ سے ہالینڈ میں عالمی عدالت کے ایک شخص کا ذکر کیا جس نے شادی نہیں کی تھی وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنے کام سے شادی کی ہے وہ شخص حقیقتاً کام کا بڑا ادھنی تھا۔مگر جب میں وہاں آگیا اور اس نے مجھے کام کرتے دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا کہ" آپ تو مجھ سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں" نصیب اللہ قمر صاحب نے بتایا کہ مجھے نماز کے بارے میں اکثر نصیحت فرمایا کرتے تھے۔میرے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔نصیب اللہ صاحب نے کہا اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذکر سب سے بڑھ کر تھے کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ پیار اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔

قبولیت دعا کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے نصیب اللہ نے بتایا ایک کیس زیر سماعت تھا۔اتفاق سے میں نہ جا سکا۔مجسٹریٹ نے مجھے وارننگ دی اس سے خطرہ تھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہو جائے گا۔میں نے حضرت چوہدری صاحب کو بتایا اور دعا کی درخواست کی تو آپ نے دعا کی اور مجھے کہا کہ اللہ فضل کرے گا اور کیس بہت جلد ختم ہو جائے گا۔چنانچہ یہ حیرت انگیز معجزہ ہوا کہ جس میں مجسٹریٹ مجھے وارننگ دے چکا تھا وہ دوسری ہی پیشی پر ختم ہو گیا۔حضرت چوہدری صاحب کے بارے میں اللہ نے خاص بات یہ بتائی کہ آپ حضور سے بہت محبت کرتے تھے اور حضور کا بہت ذکر کرتے۔آپ کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے آپ حضور کے بغیر بہت اداس ہوں۔چنانچہ بار بار حضور کے بارے میں پوچھتے۔مکرم عبدالمالک صاحب نے جو اس موقع پر موجود تھے کہا کہ آخری چند دنوں میں جب ایک بار ہوش آیا تو پوچھا حضور کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ حضور آج کل لندن میں تشریف فرما ہیں۔حضور بھی کمال شفقت سے حضرت چوہدری صاحب کے بارے میں استفسار فرمایا کرتے تھے ایک دن حضرت

صاحب کی پیٹھ میں تکلیف تھی۔ چندمنٹ بعد حضور سے فون پر عرض کیا گیا۔حضور نے فرمایا میں دعا کروں گا فون کے تھوڑی دیر بعد تکلیف رفع ہو گئی۔حضرت چوہدری صاحب بار بار الحمدللہ الحمدللہ کہتے رہے اور بار بار کہتے رہے کہ حضور نے دعا کی تو میری تکلیف دور ہوگی۔نصیب اللہ صاحب نے بتایا اکثر بات اردو میں کرتے تھے کبھی پنجابی میں اور کبھی کبھی انگریزی کے الفاظ بولتے جو اکثر میں سمجھ جاتا مثلاً ٹائم پوچھتے یا رات کو کہتے کہ مجھے نیند نہیں آ رہی لیکن کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی ایسا انگریزی کا لفظ بول دیتے جو مجھے سمجھ نہ آتا تو میں عرض کرتا ہوں نہیں آئی۔اس پر اس کا مطلب بتا دیتے۔نصیب اللہ صاحب نے بتایا کہ چوہدری صاحب اپنی اکلوتی صاحبزادی امتہ الحئی صاحبہ بیگم محترم چوہدری حمید نصراللہ صاحب سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ جو کہتی اکثر مان جاتے اور انکار نہ کرتے۔ اکثر ہوتا تھا کہ اپنی بیٹی کو رات کو بلا لیتے اور ان سے باتیں کرتے رہتے۔اپنے نواسوں سے بھی بہت زیادہ پیار کرتے۔انہیں بھی اکثر بلا لیتے بعض دفعہ اپنے نواسوں کے پیچھے بھی نماز ادا کرتے۔آخری طویل بے ہوشی کے بعد جب ہوش آیا اور نیم بے ہوشی کی کیفیت رہی تو آپ کے نواسے مکرم محمد فضل حق صاحب جو ''محمد میاں'' کہلاتے ہیں میں نے آپ کو نماز پڑھائی۔نصیب اللہ قمر صاحب نے آخر میں کہا حضرت چوہدری صاحب نے مجھے اتنا پیار دیا کہ ان کی وفات سے میری دنیا اندھیری ہوگئی ہے ان کی سازی باتیں مجھے یاد آتی ہیں سارا نقشہ ذہن میں آتا ہے وہ کہا کرتے تھے نصیب اللہ میں نے جتنی زندگی جینی ہے اچھی اور تم دعا یہ کیا کرو کہ خاتمہ بالخیر کرے۔ہمیں یہ یقین کامل ہے خدا رسیدہ درویش مرد جب عاجزی سے سر نیچا کئے اپنے مولا کے دربار میں پہنچا ہوگا تو محبوب حقیقی ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والے خدا کی نظروں میں اس پاکیزہ وجود کے لئے پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوگا۔

اے خدا تو سب کو یہ مرتبہ بلند عطا فرما۔آمین (ماہنامہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 63 تا 67)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

حضرت چوہدری صاحب کی شاندار علمی خدمات

انگریزی ترجمہ قرآن کا عظیم کارنامہ

محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب۔ربوہ

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب سے یوں تو خاکسار کی ملاقات 1938ء سے تھی لیکن قریبی تعلقات ربوہ دارالہجرت میں 1955ء سے قائم ہوئے اور خدا کے فضل سے یہ تعلقات دن بدن بڑھتے چلے گئے۔ان دنوں آپ بین الاقوامی عدالت انصاف کے رکن تھے اور آپ کا قیام ہیگ میں تھا۔عام طور پر دسمبر کے ایام میں پاکستان تشریف لاتے اور کچھ عرصہ ربوہ قیام فرماتے۔ ربوہ قیام کے دوران کافی وقت آپ کے ساتھ مل بیٹھنے کا مل جاتا اور آپ کی مجلس سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا۔ربوہ میں پہلے پہل آپ کا قیام حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ہاں ہوتا تھا بعد ازاں اپنی کوٹھی بیت الظفر میں ٹھہرا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ کوٹھی آپ نے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کو دے دی پھر اگر وہاں ٹھہرنا ہوتا تو باقاعدہ اجازت سے وہاں قیام فرماتے۔حضرت فضل عمر نے 1957ء میں حضرت چوہدری صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ تفسیر صغیر کا انگریزی ترجمہ جتنی جلدی ہو سکے کر دیں۔جلسہ سالانہ کے اختتام کے بعد چوہدری صاحب دو ماہ

کے قریب یہاں ٹھہرے اور آپ نے حضور کے ارشاد کو نہایت سرعت سے عملی جامہ پہنایا اور ساڑھے سات پاروں کا ترجمہ مکمل کر لیا۔ حضرت چوہدری صاحب نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ تفسیر صغیر کے انگریزی ترجمہ کا کام بہت اہمیت رکھتا ہے اس لئے حضور ایسے دو اصحاب کو مقرر فرمائیں جو ترجمہ پر نظر ثانی کرتے جائیں چنانچہ اس کام کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولوی محمد دین صاحب مقرر ہوئے۔ بعد ازاں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کو بھی اس کام میں شریک کر لیا اور مجھے لکھا کہ ان کو بھی چوہدری صاحب کے ترجمہ کی ٹائپ شدہ کاپی دے دی جائے۔ مکرم چوہدری صاحب دو اڑھائی ماہ پاکستان میں ٹھہرنے کے بعد ہیگ روانہ ہو گئے اور ترجمۃ القرآن کے کام میں پوری مستعدی سے لگ گئے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد 23 مئی 1958ء کو سورۃ اعراف کا اور 06 جون کو سورۃ انفال وتوبہ کا ترجمہ مکمل کر کے مجھے بھجوا دیا اور مجھے بزریعہ خط ہدایت فرمائی کہ جونہی ترجمہ مجھے ملے میں آپ کو اس کی رسید کی اطلاع دیتا رہوں۔ آپ ٹائپ شدہ ترجمہ کی تین کاپیاں بھجواتے ان میں سے دو کاپیاں میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو پیش کر دیتا اور ایک اپنے پاس محفوظ کر لیتا۔ آپ کو ہیگ میں مفوضہ کام کی کافی مصروفیت تھی لیکن ترجمہ کے کام کی سرانجام دہی کے لئے آپ زیادہ سے زیادہ وقت نکالتے چنانچے آپ نے 20 جون 1958ء کو مجھے جو خط لکھا اس سے پتہ چلا کہ جس رفتار سے آپ ترجمہ کا کام کر رہے ہیں اس کی اوسط ایک پارہ فی ہفتہ بنتی ہے۔ آپ جوں جوں ترجمہ مکمل کرتے گئے مجھے بھجواتے رہے اور میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش کرتا رہا تا آنکہ یہ کام 10 اکتوبر 1958ء تک یعنی کل نو ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل ہو گیا۔ اور چوہدری صاحب نے ترجمہ کی تکمیل کی خوشی دیتے ہوئے لکھا کہ الحمدللہ یہ عظیم مرحلہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم اور اس کی عطا کردہ توفیق سے تکمیل کو پہنچا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے پہلے ساڑھے سات پاروں کے ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی اور یہ دیکھ کر کہ یہ ترجمہ تسلی بخش ہے سارا ترجمہ تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کر دیا تا وہ اس کی اشاعت کا انتظام کریں لیکن کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ یہ ترجمہ چھپ نہ سکا۔ 1960ء میں آپ نے یہ غیر مطبوعہ ترجمہ مکرم عبدالسلام میڈسن صاحب کو دیا جو ڈینش زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کر رہے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے حضرت چوہدری صاحب کا یہ ترجمہ بوجوہ شائع نہ ہو سکا لیکن کئی سال بعد آپ نے اسی تیار شدہ ترجمہ القرآن کو ایک نیا اسلوب دے کر تیار فرمایا جسے قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے بہت پسند فرمایا اور بعد دعا اس کی اشاعت کی اجازت دی۔ 1970ء میں حضرت چوہدری صاحب جب پاکستان تشریف لائے تو یہ نیا تیار شدہ ترجمہ آپ کے پاس تھا۔ آپ نے مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے مفسر قرآن اور خاکسار ابوالمنیر نورالحق کو ارشاد فرمایا کہ ہم دونوں چند دن کی فرصت نکال کر لاہور میں آپ کی قیام گاہ 93 خورشید عالم روڈ پر پہنچیں آپ یہ ترجمہ ہمیں سنانا چاہتے ہیں تا کہ اگر کہیں ترجمہ میں تبدیلی کی ضرورت ہو تو وہ کر دی جائے گی۔ چنانچہ ہم دونوں دس دنوں کے لئے آپ کے پاس پہنچ گئے اور آپ نے شروع سے آخر تک سارا ترجمہ ہمیں سنایا۔ اس ضمن میں صبح ناشتہ کے بعد کام پر بیٹھتے تو شام تک بلکہ اس کے بعد بھی آپ ترجمہ سنانے کا کام کرتے رہتے یہاں تک کہ آپ نے ایک ہفتہ کے اندر اس کام کو ختم کر لیا بعد ازاں یہ ترجمہ آپ کی زندگی میں شائع ہوا اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور رہتی دنیا تک لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ انشاءاللہ۔ ترجمہ القرآن کے عظیم شاہکار کے علاوہ آپ نے ایک اور مہتم بالشان کارنامہ بھی سرانجام دیا ہے جو ابھی غالباً منظر عام پر نہیں آیا لیکن وہ بھی انشاءاللہ آپ کے نام کو قیامت تک زندہ

جاوید رکھے گا اور یہ کارنامہ ہے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی اپنی کتب میں بیان شدہ تفسیر قرآن کا انگریزی ترجمہ۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۃ المصنفین کی طرف سے 1969ء سے لے کر 1986ء تک حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اپنی کتب میں بیان شدہ تفسیر مرتب کر کے شائع کرنی شروع کی گئی۔اب تک اس کی پانچ جلدیں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔جوں جوں یہ جلدیں ترتیب وار تیار ہو کر شائع ہوئیں حضرت چوہدری صاحب ان کا ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں ترجمہ کرتے گئے۔آپ اس بات سے پوری طرح باخبر رہتے کہ کونسی جلد کس حد تک تیار ہوگئی ہے اور کب تک تیار ہو کر شائع ہوگی۔چنانچہ آپ نے مجھے یہ ارشاد فرمایا ہوا تھا کہ تفسیر کی جلد تیار ہوتے ہی فوراً ان تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔چنانچہ جونہی آپ تک کتاب پہنچتی آپ اس کا مطالعہ فرما کر اس کے ترجمہ میں لگ جاتے اور کم از کم وقت میں اسے مکمل کر لیتے اور اس کی ٹائپ کا پیاں تیار کروا لیتے۔یہ ترجمہ پانچ جلدوں میں آپ کے پاس تیار تھا اور فرماتے تھے کہ انہوں نے اس کے چھپنے کا انتظام کر دیا ہے۔

ادارۃ المصنفین کے ساتھ وابستگی

1958ء میں سیدنا حضرت فضل عمر نے قرآن مجید،تفسیر قرآن مجید، حدیث اور تاریخ احمدیت پر مشتمل کتب کی وسیع پیمانے پر اشاعت کے لئے تصنیف کا ایک اہم ادارہ ''ادارۃ المصنفین'' قائم فرمایا۔اس ادارہ نے ربع صدی میں بہت عظیم الشان لٹریچر پیدا کیا۔اس ادارہ کے ہر سال سات ڈائریکٹر مقرر ہوتے رہے حضرت چوہدری صاحب متواتر اکیس سال اس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور چار سال اس کے صدر رہے۔اس عرصہ میں آپ کا قیام ہیگ اور لندن میں رہا جلسہ سالانہ کے ایام میں آپ ایک دو ماہ کے لئے پاکستان تشریف لاتے تو ربوہ آنے کے پروگرام سے مطلع فرماتے اور لکھتے کہ فلاں وقت پر آپ ادارہ کے دفتر تشریف لائیں گے چنانچہ ربوہ کے قیام کے دوران زیادہ سے زیادہ وقت ادارہ کے لئے نکالتے دوران سال ہونے والے کام کی تفصیل حاصل کرتے اور ہر امر پر اظہار رائے فرماتے اور راہنمائی کرتے تاریخ احمدیت کی جلدوں کے متعلق میرا طریق یہ تھا کہ میں کوشش کرتا تھا کہ اشاعت سے پہلے ہی تیار شدہ جلد دکھا دوں تا کہ آپ اگر کوئی اصلاح تجویز کریں تو اسے کر دیا جائے۔تاریخ احمدیت کی تدوین اور ترتیب کے کام پر خصوصاً بڑی تعریف اور تسلی کا اظہار فرماتے اور ہر پیش لفظ میں اپنی دلی خوشی کے جذبات کا اظہار فرماتے۔ساتویں جلد سے سولہویں جلد تک کے لئے آپ نے میری درخواست پر پیش لفظ لکھ کر دیا جو تاریخ کی جلدوں کی ابتداء میں طبع شدہ ہے۔مطالعہ کے بعد تاریخ کی جس جلد کو اس کی اشاعت سے قبل ملاحظہ نہ فرما سکتے اس کی طباعت کے بعد اس کے متعلق اپنی رائے سے مطلع فرماتے۔چنانچہ پہلی تین جلدوں کے متعلق جو رائے آپ نے بھجوائی وہ ان جلدوں کے ساتھ تو نہیں لگ سکی ہاں الفضل کے شماروں میں چھپی ہوئی ہے۔تاریخ احمدیت کی پانچویں جلد کے لئے جو پیش لفظ آپ نے 30اپریل 1964ء کو لکھ کر مجھے بھجوایا وہ اس جلد کے ساتھ طبع ہو کر لگ نہیں سکا اس لئے اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے تا کہ وہ آئندہ کے لئے محفوظ بھی ہو جائے اور احباب بھی آپ کے خیالات سے استفادہ کر سکیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم تاریخ احمدیت کی پانچویں جلد سے خلافت ثانیہ کی تاریخ کی ابتداء ہوتی ہے یعنی اس دور کی جس کی خبر پہلے سے وحیٔ الٰہی میں ان پرشوکت الفاظ دی گئی تھی مظہر الاول و الآخر مظہر الحق والعلاء۔۔۔خلافت ثانیہ کی تاریخ ایک لحاظ سے سبز

اشتہار کی پیشگوئی کے ظہور کی تفصیل ہوگی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی عظیم شان کی پیشگوئی کا ظہور صرف ایک بار نہیں بلکہ بار بار ہوتا ہے اور صرف ایک دور تک محدود نہیں رہتا لمبے عرصہ تک چلتا ہے۔ جو نشان اس کے ظہور کی تائید میں ظاہر ہوتے ہیں وہ صرف ایک ملک یا ایک کونسل کی ہدایت کا موجب اور ذریعہ نہیں بنتے ان کا حلقہ اثر بہت وسیع اور ممتد ہوتا ہے۔ خود پیشگوئی کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کا موعود دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور بہتوں کی ہدایت کا موجب ہوگا اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ علاوہ سلسلہ کی تاریخ کی حفاظت کے تقاضے کے پیشگوئی کی تائید میں ظاہر ہونے والے نشانوں کی تاریخ اور تفصیل کی نہایت احتیاط سے محفوظ کرلیا جائے۔ یہ ذمہ داری اگر موجودہ نسل کے ہاتھوں پوری طرح سرانجام نہ دی گئی تو آنے والی نسلوں کو بجا حق شکوے کا ہوگا کہ ہم نے ان کے حق میں غفلت سے کام لیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے روبرو جواب دہ ہوں گے۔ اس ذمہ داری کے مدنظر حضرت (فضل عمر) نے ارشاد فرمایا تھا کہ سلسلہ کی تاریخ کو محفوظ کرنے کا انتظام ہونا چاہیے۔ ادارۃ المصنفین کی طرف سے اس ارشاد کی تعمیل میں چار جلدیں تاریخ احمدیت کی شائع ہو چکی ہیں اور اب پانچویں جلد شائع ہو رہی ہے۔ سلسلے کی تاریخ اپنی مدت کے لحاظ سے تین چوتھائی صدی سے تجاوز کر رہی ہے۔

موجودہ وقت میں خال خال وہ بزرگ اور مقدس ہستیاں اب نظر آتی ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت نصیب ہوئی جن کی آنکھوں نے اس نور کا جلوہ اپنی آنکھوں سے دیکھا جن کے خوش نصیب ہاتھوں نے ان مبارک ہاتھوں کو چھوا بلکہ وہ بزرگ بھی اب تھوڑے رہ گئے ہیں جنہوں نے حضرت مولانا نورالدین کا زمانہ پایا۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کی اور قرآن کریم کے معارف اور نکات آپ سے سیکھے یا آپ کی زبان معجز بیان سے سنے۔ موجودہ نسل اور آئندہ نسلوں کے لئے سلسلہ کی ابتدائی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے اور اس ذریعہ سے ایمان کو تازہ اور محکم کرنے کا ایک بڑا ذریعہ تاریخ احمدیت میں مہیا کیا جا رہا ہے۔ تاریخ احمدیت کی پانچویں جلد میں خلافت ثانیہ کے دور اوّل یعنی پہلے سترہ سال کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ یا یوں اندازہ کر لیجئے کہ یہ جلد ان واقعات پر مشتمل ہے جو موجودہ نسل کے چالیس سالہ احباب کی پیدائش سے پہلے یا ان کی طفولیت کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ ان کے لئے یہ جلد زمانے کے لحاظ سے بھی تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے اور ہم سب کے لئے ہدایت کا چشمہ اور روح اور دل کی غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے تمام ان بزرگوں کی سعی کو مشکور فرمائے جنہوں نے اس کی تالیف و اشاعت میں مخلصانہ محنت کی ہے اور انہیں وافر اجر سے نوازے اور ان کی محنت کے اس شیریں ثمر کو قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس نعمت کی پوری قدر کریں اور اس سے پورا فائدہ اُٹھائیں تا ہم لئن شکرتم لازیدنّکم کے انعام کے مستحق ٹھہریں۔

والسلام　ظفراللہ خان　30 اکتوبر 1964ء　آٹوگراف!

مکرم محمد احمد اشرف صاحب تحریر فرماتے ہیں: ایک بار ایک طالب علم آپ کی خدمت میں آٹوگراف لینے حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا: تمام بنیادی ہدایات اور نصائح قرآن کریم میں بیان کردی گئی ہیں اس کا مطالعہ کریں اور اس پر عمل کریں۔!

(انصاراللہ ربوہ نومبر۔ دسمبر 1985ء صفحہ 147 تا 149)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

جب چوہدری صاحب نے لندن کو الوداع کہا

پاکستان میں مستقل رہائش کے لئے

انگلستان سے آخری سفر کی خوبصورت اور دلآویز روداد

مکرم چوہدری منصور احمد صاحب بی ٹی لندن

موسم گرما سرزمینِ مغرب میں رنگینیاں بکھیر کر رخصت ہوگیا۔اداس اداس راگ الاپتی ہوئی خزاں لندن کی بھیگی بھیگی شاموں کو سوگوار کر رہی تھی اور اس سال یہ سوگواری کچھ زیادہ ہی رنجیدہ وسنجیدہ ہے اور کیوں نہ ہو آج لندن سے وہ ہستی روانہ ہونے والی ہے جس کا وجود باغ و بہار ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہے اس کی ذات والا صفات سے اہل علم بھی فیض یاب ہوتے ہیں اور قانون دان بھی، اہل دانش بھی اور اہل سیاست بھی،جس کی صحبت سے بڑے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں نوجوان بھی راہبری حاصل کرتے ہیں اور بچے بھی سبق لیتے ہیں دُنیا اس نابغۂ روزگار وجود کو بڑے بڑے القاب سے مخاطب کرتی ہے مگر ہم اسے ''باباجی'' اور حضرت چوہدری صاحب کے نام سے ہی جانتے ہیں۔

حضرت چوہدری صاحب کا رختِ سفر باندھنا کوئی نئی بات نہیں۔وہ تو ہر وقت ہی سفر کے لئے تیار رہتے،کبھی کہیں سے پیغام آرہے ہیں اور کبھی کہیں سے دعوت نامے موصول ہو رہے ہیں۔کوئی قانون کی گُتھی سُلجھانے کے دعوت دے رہا ہے تو کوئی اللہ کے گھر کی بنیادی اینٹ رکھنے کی دعوت دے رہا ہے۔الغرض کسی نہ کسی سمت کی تیاری رہتی ہے۔علاوہ ازیں یہ طریق بھی ایک لمبے عرصہ سے جاری تھا کہ موسمِ سرما کی آمد کے ساتھ وطن واپس جانے کا پروگرام بنتا اور موسم بہار کی آمد کے ساتھ وطن سے واپسی ہوتی۔اُن کی شفقت کے طفیل اُن کے سفر کی تفاصیل سے کسی قدر مجھے بھی آگاہی ہوتی گاہے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کے حصول اور متعلقہ سفری امور کے بارے میں خاکسار کی خدمات پر خوشی کا اظہار فرماتے اور ہمیں اس طرح اُن کے قریب ہونے کے مواقع میسر آتے رہتے۔

واپسی کا سفر۔نومبر 1982ء کی ایک صبح کو حضرت چوہدری صاحب کا ارشاد موصول ہوا کہ ''لاہور جا رہا ہوں۔'' مَیں تفصیلات سُننے کے لئے حاضرِ خدمت ہوا تو اور باتوں کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ امسال ٹکٹ یک طرفہ لینا ہے۔بمشکل جذبات کو یکجا کیا اور عرض کی کہ ''چوہدری صاحب! یہ کیا سُن رہا ہوں ہم تو آپ کی واپسی کا انتظار جلسہ سالانہ کے فوراً بعد شروع کر دیتے ہیں مگر آپ آج ہمیں لطفِ انتظار سے بھی محروم کئے دے رہے ہیں؟ آپ نے انگریزی میں فرمایا

Mansoor! i do not like to go in a box

مَیں تابوت میں بند ہو کر واپس نہیں جانا چاہتا۔ یہ ہلا دینے والی غیر متوقع بات سُن کر مَیں سکتے میں آ گیا۔سخت سے سخت دل بھی ایسے وقت میں بھر آتا اور یہاں تو دل بھی انسان کا تھا جو کسی کا ذرہ سا دکھ سُنکر چھلنی ہو جاتا ہے۔آخر ہمت کر کے میں نے پھر عرض کی چوہدری صاحب! آپ کی ذات والا سے تو ہمیں زندگی کے سبق ملتے ہیں۔آج یہ مایوسی اور تضاد کیا ہے؟ مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''انسان پر ایسا وقت آجاتا ہے۔اب

مَیں کمزور ہو گیا ہوں۔ مجھے ہر وقت کسی نہ کسی کی موجودگی کی ضرورت رہتی ہے (محترم انور صاحب کاہلوں اور بیگم صاحبہ چوہدری انور احمد صاحب) انور اور اپنی بیگم میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مجھے بھی تو اُن کا خیال چاہیے۔ ادھر (محترمہ) امۃ الحیٰ کی خواہش ہے کہ مَیں واپس لوٹ آؤں'' چند لمحے خاموش رہنے کے بعد فرمایا کچھ احمدی خواتین آج صبح تشریف لائیں تھیں میری اس بات پر بہت روئیں۔ آخر مجھے اُن کو سمجھانا پڑا۔'' کچھ دیر اور بیٹھا۔۔۔ اور بیٹھنا بھی ایسا تھا کہ باقی وقت نظریں اُس پُرنور چہرہ پر مرکوز رہیں۔۔۔ اور آنکھیں اشکبار۔۔۔ جذبات کا لامتناہی سلسلہ تھا۔۔۔۔ وہ تھے۔۔۔ میں تھا۔۔۔ اور خاموشی تھی۔۔۔ اور خاموشی بھی ایسی کے جس پر ہزار داستانیں قربان۔ مَیں چلا آیا۔

اظہارِ عقیدت۔ آخر یہ خبر عام ہو گئی کہ چوہدری صاحب اس سال واپس نہ آنے کے ارادے سے وطن واپس لوٹ رہے ہیں۔ جوں جوں یہ خبر جماعت میں پھیلنے لگی احبابِ کرام بغرض ملاقات تشریف لانے لگے اور یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا حتیٰ کے چوہدری صاحب کو جہاں یہ خیال تھا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو وہاں اس خیال سے بھی ملاقاتوں میں مشکل پیش آ رہی تھی کہ ان کے پاس وقت کم ہے۔ مگر پھر بھی ہر کس و ناکس سے بلا امتیاز ملاقات فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے مگر دوست تھے کہ اُمڈتے چلے آ رہے تھے حتیٰ کے آپ کو یہ اعلان کروانا پڑا کہ 12 نومبر 1983ء کو امام صاحب بیت الفضل نے مجھے ''محمود ہال'' میں حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا ہے اس لئے ملاقات اس موقعہ پر ہو جائے گی اور اس روز کے بعد دوست براہِ کرم ملاقات کے لئے تشریف نہ لائیں۔ مَیں معذرت خواہ ہوں وقت کم ہے کام زیادہ۔ ابھی بہت سے خطوط کا جواب دینا ہے۔'' چنانچہ وقتِ مقررہ پر محمود ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ خواتین کا علیحدہ انتظام تھا مگر وہ بھی جگہ کی تنگی کی نظر ہو گیا۔ کیا بوڑھا اور کیا جوان کیا بچے اور مستورات الغرض ہر شخص اظہارِ عقیدت کے لئے جمع تھا۔ حضرت چوہدری صاحب کی ایک خدمات جلیلہ کا ایک مختصر مگر جامع الفاظ میں ذکر مکرم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب نے کیا اور حضرت چوہدری صاحب کی صحتِ کاملہ اور سفر کے بخیر ہونے کے لئے درخواستِ دعا کے بعد مکرم مبارک احمد ساقی صاحب نے ایک الوداعی سپاس نامہ پیش کیا اور نہایت رقّت بھرے انداز میں یہ بھی فرمایا کہ ''تعمیل ارشاد میں یہ بات احباب کی خدمت میں عرض کی ہے کہ اگر کسی صاحب کو حضرت چوہدری صاحب سے کوئی شکایت، کوئی شکوہ ہو تو اب موقع ہے بیان کرے۔'' شکوہ شکایت کا تو سوال ہی نہ تھا احباب کرام وفورِ جذبات کے زیر اثر اشکبار آنکھوں سے حضرت چوہدری صاحب کے چہرہ کو دیکھ رہے تھے۔ مکرم چوہدری صاحب کی دل کی حالت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ آخر سکوت کو ساقی صاحب نے توڑا اور بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ حضرت چوہدری صاحب سے کسی کو کوئی شکایت نہیں بلکہ ہم سب کسی نہ کسی رنگ میں ان کے احسانات کے تلے ہیں لیکن پھر بھی ہم بآواز بلند ''معافی'' کا اعلان کرتے ہیں چنانچہ ساقی صاحب نے بآواز بلند تین بار کہا معاف۔۔۔۔ معاف۔۔۔۔ معاف۔ درد بھرے دلوں اور کپکپاتے لبوں سے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہتے ہوئے غم زدہ لوگ بوجھل بوجھل قدم اٹھاتے ہوئے اس جلیل القدر انسان سے مصافحہ کرتے ہوئے اشکبار ہو رہے تھے ایسی الوداعی مجلس لندن میں کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ دل پھٹے جا رہے تھے۔ جذبات اُمڈے جا رہے تھے۔ سِسکیوں کی مدھم مدھم آوازیں ماحول کو سوگوار کر رہی تھیں۔

روزِ سفر۔ آخر 19 نومبر آ ہی گیا۔ اُس روز محترم چوہدری صاحب نے وطن واپس روانہ ہونا تھا پرواز کا وقت ایک بجے دوپہر تھا اہل خانہ اور

نہایت قریبی احباب گیارہ بجے مطار کے لئے روانہ ہوئے۔امام صاحب بیت الفضل لندن اور مربیان کرام اور مجلس عاملِ کے چنیدہ احباب ’’ہیتھرو‘‘ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ان تمام احباب کے علاوہ ایک اور ہستی بھی ائر پورٹ جانے کے لئے بےقرار تھی مگر اس عام اعلان کے پیش نظر کہ’احباب ائر پورٹ پر تشریف نہ لے جائیں‘ وہ اپنے آپ کو مجبور پا رہی تھی۔خاکسار کو جہاں اُس ہستی کے جذبات کا علم تھا۔وہاں اس بات سے بھی باخبر تھا کہ چوہدری صاحب خود بھی اس ہستی کو پیار اور محبت سے دیکھتے ہیں۔وہ ہستی جس نے سالہا سال حضرت چوہدری صاحب کی خدمت کی ساری جماعت احمدیہ حضرت چوہدری صاحب سے پیار کرتی ہے اور چوہدری صاحب اس ہستی سے پیار کرتے ہیں۔وہ بزرگ اور دعا گو ہستی ہمارے اپنے ’’بھائی جی‘‘ کی ہستی ہے جسے دُنیا شیخ محمد حسن صاحب کے نام سے جانتی ہے۔چنانچہ انہیں ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ پاکستان انٹرنیشنل ائر لائن کے مینیجر سیلز مینیجر (لندن) مکرم خواجہ سلیم جہانگیر صاحب نے کمال عقیدت سے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہوئے تمام ضروری انتظامات کروا دیئے اور تمام متعلقہ احباب نے لندن اسلام آباد اور لاہور ائیر پورٹ میں جس محبت تندہی اور خلوصِ دل سے فرائض کی بجا آوری کی۔اور چوہدری صاحب کی دعاؤں سے حصہ پایا وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔’’شالیمار لاؤنج‘‘ میں سب احباب جمع ہو گئے اور ہم سب کے علاوہ پی آئی اے کے سرکردہ عہدیداران بھی حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے جذبات کا اظہار فرماتے رہے۔اور پھر ساڑھے بارہ بجے ایک لمبی اور پُرسوز دعا کے بعد روانگی ہوئی۔حضرت چوہدری صاحب کو پہیوں والی کرسی (ویل چیئر) پر بٹھایا گیا۔جسے مکرم علیم الدین صاحب (پی آئی اے) نہایت احتیاط اور محبت سے چلا رہے تھے یہ عاجز ساتھ ساتھ تھا۔تمام ممبران قافلہ خراماں خراماں چلے آ رہے تھے۔مسافروں کی آرام گاہ میں داخل ہونے سے قبل مکرم چوہدری صاحب نے سب کو’’السلام علیکم‘‘ کہا دعائیں دیں خواتین سے بھی بھابھی جان (محترمہ امینہ بیگم صاحبہ) میری اہلیہ متین احمد اور بیٹی طاہرہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور عزیزان کرشن محمود، طارق محمود خالد محمود (ابن حسن صاحب) کو پیار سے دیکھا اور لاؤنج میں تشریف لے گئے۔پی آئی اے کی انتظامیہ نے بہت عمدہ اور احسن انتظام کر رکھا تھا۔ جہاز کے کپتان خود تشریف لائے اور مہمانِ خصوصی کو خوش آمدید کہا اور اپنے نائبین کو ضروری ہدایات دیں۔راقم الحروف کے بارے میں بھی خاص ہدایات دیں کہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو اور جب چوہدری صاحب یاد فرمائیں یا خود ان کے پاس جانا چاہیں کوئی روکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔‘‘ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔دوران پرواز بہت سے ہم سفروں سے چوہدری صاحب سے ملاقات کی خواہش کی میرے دفتر کے دوساتھی مکرم ملک اسلم حمید صاحب اور مکرم محمد یونس صاحب بھی اُسی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔اُنہوں نے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔چوہدری صاحب نے کھانے کے بعد اُن سے ملنا پسند فرمایا۔چنانچہ دونوں حضرات وقت مقررہ پر تشریف لے آئے۔زیادہ تر یونس صاحب سوالات کرتے رہے اور کبھی کسی وائسرائے کا ذکر ہوتا تو کبھی مسلم لیگ اور کانگریس کے متعلق معلومات حاصل ہوتیں۔چوہدری صاحب بھی بہت خوش تھے پرانے تاریخی واقعات کا ذکر ہوتا رہا عین ممکن ہے کہ یہ گفتگو اور لمبی ہوتی مگر ائر ہوسٹس کی مداخلت کہ’’اب چائے کا وقت ہو گیا۔‘‘ کے باعث دونوں احباب نے اجازت چاہی۔‘‘

مَیں پتھروں میں بھی سویا ہوں۔کھانے کے بعد میں حاضر ہوا۔اور عرض کی کہ چوہدری صاحب! اگر آپ پسند فرمائیں تو تھوڑی دیر آرام

فرمالیں۔ارشاد ہوا''روٹی وی کھالیئے تے نمازاں وی پڑھ لیاں نے ،گلّاں وی کرلیاں نے ہُن تیری گل من لیئے۔''(یعنی روٹی کھالی ہے ۔نمازیں پڑھ لی ہیں۔باتیں بھی کرلیں ہیں اب تمہاری بات مان لینی چاہیے۔)چنانچہ مَیں نے سہارادے کراٹھایا دوسیٹوں کا ایک پلنگ نما بستر بنایا خوب کمبل اور تکیئے رکھے میری اس کاروائی کو آپ بغور دیکھتے رہے۔پھر جب مَیں نے عرض کیا کہ چوہدری صاحب آئیں میں آپ کولٹادوں تو میرے کندھے پر نہایت مشفقانہ ہاتھ رکھااور فرمایاچوہدری صاحب: میرے لئے نرم بستر بنارہے ہو؟منصور:کوشش میں ہوں پی آئی اے نے جو کچھ دے رکھا ہے۔بس وہ سب چیزیں مَیں نے رکھ دی ہیں اللہ کرے بستر واقعی نرم ہو۔چوہدری صاحب:تمہیں معلوم نہیں کہ مَیں پتھروں پر بھی سویا ہوں،منصور: مجھے یہ فخر ہے کہ مَیں نے آپ کی بہت سی تقریریں سُنی ہیں مجھے یادنہیں کہ آپ نے کبھی یہ بات بیان کی ہو۔چوہدری صاحب: ہاں میرا ابھی یہی خیال ہے اس واقعہ کا ذکرنہیں ہوا۔منصور: تو پھر چوہدری صاحب۔پتھروں پر سونے کا پس منظر بیان کردیں؟ چوہدری صاحب: پرانی بات ہے مَیں نے گوجرانوالہ سے رات کی گاڑی پکڑنی تھی معلوم ہوا کہ گاڑی چار پانچ گھنٹہ کے بعد آئے گی۔ اب مَیں نے سوچا کہ رات یہیں گزاروں۔چنانچہ پلیٹ فارم کی سیٹوں پر لیٹ گیا۔منصور: آئیں اب پلٹ فارم تونہیں ہے مگران سیٹوں پر لیٹ جائیں۔ مَیں نے احتیاط سے انہیں لٹایا۔خُنکی بڑھ رہی تھی اس لئے جسم کے اردگرد خوب کمبل لپیٹ دئے تکیے ٹھیک سے رکھے اس کے بعدعرض کی کہ چوہدری صاحب!ایک دفعہ مَیں نے آپ سے سُنا تھا کہ آپ کولیٹتے ہی نیندآجاتی ہے اور تین منٹ کے اندراندرآپ گہری نیند میں سوجاتے ہیں کیا اب بھی یہی صورت ہے۔؟ چوہدری صاحب: ہاں اب بھی مجھے تین منٹ کے اندرنیندآجاتی ہے مگرایک فرق ہے پہلے جب سوتا تھا تو پوری نیند لے کراٹھتا تھا مگر اب سونے کے دوران گاہے گاہے بیدار ہوجاتا ہوں اوراب تو یہ حالت ہے کہ بس ایک گھنٹہ سویا پھر آنکھ کھلی۔ منصور: اچھا چوہدری صاحب آج میں دیکھوں گا کہ واقعی آپ تین منٹ کے اندرسوتے ہیں کہ نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ابھی دومنٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ہستی جس نے سوئی ہوئی قوموں کو بیدارکرنے کے لئے اپنی زندگی گذاردی نیند کے عالم میں چلی گئی اور مَیں تیز خیالات کی لہروں میں ہچکولے کھانے لگا۔

خدمت میں ہے سعادت۔ابھی مَیں اپنی سیٹ پرآکر بیٹھا ہی تھا کہ ائر ہوسٹس نے اطلاع دی کہ سرظفراللہ انہیں بلارہے ہیں۔فوراً حاضرِ خدمت ہوا تو چوہدری صاحب کو بیٹھے ہوا پایا۔مَیں نے عرض کیا چوہدری صاحب نیندنہیں آرہی آپ جلدی سے اٹھ گئے فرمایا''نیند تو آگئی تھی بس اتنا ہی آرام کرنا تھا پھر مجھے کہا کہ میرے موزے بدل دیں اور ایک نئے موزے کی جوڑی میرے طرف بڑھادی۔مَیں چوہدری صاحب کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا اور موزے پہنانے کی خاطران کا پاؤں فرش سے اٹھا کراپنے ہاتھوں میں لیا۔انگلیوں پر ہلکے ہلکے زخم تھے اور پٹی بھی بندھی ہوئی تھی۔ مجھے کچھ اس خیال سے کہ نئے موزے پہناتے وقت پاؤں میں مزید تکلیف نہ ہو اور پھر کچھ اس خیال سے کہ''منصور! آج حضرت بانئ سلسلہ کے ایک جلیل القدر صحابی کے پاؤں چھونے کا موقع میسر آیا ہے۔'' میں نے بہت احتیاط سے مگر ہولے ہولے موزے پہنانے شروع کئے۔ممکن ہے کہ مَیں اپنے خیالات میں کچھ زیادہ ہی گُم ہوجاتا ہوں کہ چوہدری صاحب کے اس سوال پر کہ کیا موزہ تنگ ہے مَیں چونک پڑا۔عرض کی نہیں چوہدری صاحب تنگ تونہیں ہے مَیں خود ہی آہستہ آہستہ پہنارہا ہوں۔علاوہ احتیاط کے یہ بھی خیال میرے ذہن میں تھا

کہ اس پاؤں کو زیادہ سے زیادہ دیر تک اپنے ہاتھوں میں رکھوں خدا جانے پھر کبھی ایسا موقع میسر آئے کہ نہ آئے۔منزل بہت سرعت سے قریب سے قریب تر آ رہی تھی باتوں باتوں میں چوہدری صاحب نے فرمایا کہ کپتان سے رابطہ قائم کرو اور یہ معلوم کرو کہ ہمارا جہاز کس وقت ایسے مقام میں پہنچے گا جہاں ہم فجر کی نماز ادا کر سکیں کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ ہوائی جہاز میں سفر کرتے وقت اس بات کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے کہ صبح صادق شروع ہوتے ہی روشن دن میں بدل جاتی ہے۔اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ ہمیں صحیح وقت کا علم ہونا چاہیے۔چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل بفضل خدا احسن طور پر ہوگئی۔اور نماز فجر ادا ہوگئی۔ہماری رفتار پرواز عین وقت کے مطابق تھی بلکہ موافق ہوا ہونے کی وجہ سے ہم قدرے وقت سے پہلے پہنچنے والے تھے۔ہمیں اسلام آباد کے ہوائی مستقر پر صبح کے چار بج کر پچاس منٹ پر پہنچنا تھا مگر غالب خیال یہی تھا کہ ہم شاید دس منٹ پہلے ہی پہنچ جائیں۔چنانچہ حضرت چوہدری صاحب فرمانے لگے کہ ہماری لاہور کی پرواز کا وقت صبح کے 9 بجے ہے لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اسلام آباد چار گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔مَیں نے تجویز پیش کی کہ اگر چوہدری صاحب پسند فرماویں تو صبح چھ بجے جو جہاز لاہور جاتا ہے اس سے چلیں اس پرواز سے جانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم جلد لاہور پہنچ جائیں گے۔مگر اس میں ایک بات یہ ہے کہ اس میں فرسٹ کلاس نہیں ہوتی۔چھوٹا جہاز ہے۔فرمانے لگے ''فرسٹ کلاس کے نہ ہونے سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔تمہاری رائے بہتر ہے مگر ہماری ریزروشن تو 9 بجے والی پرواز میں ہے۔حمید (مکرم حمید نصر اللہ خان صاحب) کو بھی مَیں نے یہی کہا تھا کہ اُسی پر سیٹ بُک کروائے۔اب اگر پروگرام بدلہ تو ممکن ہے کہ دقّت ہو۔'' مگر میرے اصرار پر فرمایا کہ ''تجویز معقول ہے۔اُسی سے چلیں گے اب ایک کام کرو کہ کسی طرح حمید کو بھی اطلاع ہو جائے۔'' سو خدا کے فضل سے یہ جہاز کے کپتان صاحب کے توسط سے بغیر کسی دقّت کے ہوگیا اور کپتان صاحب نے خود آکر یہ اطلاع دی کہ ''صبح والی پرواز میں آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا انتظام ہوگیا ہے۔تھوڑی دیر میں ہم اسلام آباد کے بین الاقوامی مستقر پر اتر رہے تھے۔جہاز کے انجن بند ہوئے تو اس وقت صبح کے چار بج کر چالیس منٹ تھے۔چوہدری صاحب کی روانگی سے قبل جہاز کے کپتان اور دیگر اراکین فرسٹ کلاس کی لاؤنج میں آئے اور نہایت ادب اور وقار کے ساتھ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔مَیں نے چوہدری صاحب کو کوٹ پہنایا۔ساتھ والا سامان لیا اور آہستہ آہستہ ان کے ساتھ چل دیا چوہدری صاحب کا ایک ہاتھ میرے کندھے پر تھا اور دائیں ہاتھ سے تمام لوگوں سے مصافحہ کیا۔کپتان کا شکریہ ادا کیا اب سیڑھی لگ چکی تھی۔جونہی ہم جہاز کے دروازے سے نکل کر باہر آئے تو اسلام آباد کی پیاری صبح کا سماں آنکھوں کے سامنے تھا۔دل لبھانے والی لطیف ہوا چل رہی تھی۔اس نے چوہدری صاحب کے چہرہ کو اور منور کر دیا۔ہم آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔جمبو جہاز کی سیڑھیوں سے اترتے وقت کم از کم سات آٹھ منٹ لگ گئے ہوں گے مگر مَیں نے محسوس کیا جب تک چوہدری صاحب نہیں اتر گئے ہوائی مستقر کا ہر شخص نہایت ادب اور احترام سے کھڑا رہا۔یوں بھی مشرقی لوگ اپنے جذبات کے اظہار میں کنجوسی نہیں کرتے اور پھر اہل پنجاب تو جب تک اونچی آواز میں خوش آمدید نہ کہہ لیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اغلباً محبت ذرا کم ہوگئی ہے مگر اس وقت جب کے حضرت چوہدری صاحب کا وجود ان میں تھا مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پاکستان کا ایک بزرگ لیڈر کو مرحبا کہہ رہا ہے۔جو ساری دنیا میں اپنے وطن کا نام روشن کر کے گھر واپس آیا ہے۔کیا خاموشی تھی سب کی نگاہیں ایک وجود پر مرکوز تھیں اور وہ وجود تمام ہنگاموں سے بے نیاز خراماں خراماں چلا جا رہا تھا۔

تصویر سچی ہے۔سیڑھیوں سے نیچے اترے تو پی آئی اے کے ایک سپیشل پسینجر ہنڈلنگ آفیسر کے علاوہ مکرم جناب حمید نصر اللہ خان صاحب اور مکرم جناب عبدالوہاب صاحب کوموجود پایا مصافحہ ومعانقہ کے بعد ہم اسلام آباد کے نہایت خوبصورت وی آئی پی لاؤنج میں پہنچے۔حسن اتفاق کہ وہاں کوئی صوبائی وزیر پنجاب کے اعلیٰ پولیس افسران کے ساتھ نہایت اطمینان کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے مگر جونہی حضرت چوہدری صاحب پران کی نظر پڑی تو وہ فوراً کھڑے ہوگئے اور پھر حضرت چوہدری صاحب تشریف فرما ہوئے تو ایک طرف مکرم حمید نصر اللہ صاحب بیٹھ گئے دوسری طرف مکرم وہاب صاحب اور خاکساران کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا کہ اتنے میں وزیر صاحب موصوف تشریف لائے نہایت ادب اوراحترام سے چوہدری صاحب کوالسلام علیکم کہااور سر جھکا کرنہایت ادب سے کھڑے ہوگئے۔چندلمحوں کے بعد وزیر موصوف نے خاموشی کوتوڑااورعرض کی ہمارے لائق کوئی خدمت؟ حضرت چوہدری صاحب نے ''جزاکم اللہ'' کہااور شکریہ ادا کیا۔جس پر وہ اجازت لے کر چلے گئے۔مگر بوجہ ادب کے اُنہوں نے قدم پیچھے اٹھانے شروع کئے اور سر جھکائے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔اب مجھے چوہدری صاحب کے سامان کی وصولی کے لئے جانا پڑا۔ پی آئی اے کے ایک نوجوان اور مستعد صاحب میرے ساتھ چلے۔سامان کے Tag انہیں کے پاس تھے۔میں تومحض سامان وصولی کے لئے ان کے ساتھ گیا۔تھوڑی دیر میں ہمارا سامان آ گیا۔تو ہم نے اسے چیک کروانے کے لئے کسٹم آفیسر کے سامنے کھول کر سامان دیکھانا چاہاتو چابی کی ضرورت ہوگی اور وہ حضرت چوہدری صاحب کے پاس ہے چنانچہ وہ نوجوان دوڑتے ہوئے وی آئی پی لاؤنج میں پہنچے اور مدعا بیان کی چوہدری صاحب نے ہنس کرفرمایا کہ ''سامان کوتالا نہیں لگاہوا بلکہ بکس کھلا ہوا ہے۔'' اس بے چارے کی حیرانگی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ واپس آئے تو مجھے کہااور بہت حیرانگی کا اظہار کیا۔ابھی یہ گفتگو ہورہی تھی کہ پی آئی اے کے ایک نہایت بزرگ صورت ملازم جنہوں نے ادنیٰ سی وردی پہن رکھی تھی۔مجھ سے یوں مخاطب ہوئے ''صاحب آپ چوہدری صاحب کے ساتھ آئے ہیں۔؟ مَیں نے اثبات میں سر ہلایا تو کہنے لگے کل کے اخبار میں ایک مضمون چھپا تھا۔اس میں چوہدری صاحب کی تصویر بھی چھپی تھی مگر مضمون کسی مخالف نے لکھا ہوا تھا کیونکہ اس نے چوہدری صاحب پر بہت جھوٹے الزامات لگائے ہوئے تھے مگر جب مَیں اس تصویر کو دیکھتا تو مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ مضمون نگار نے سچ بولا ہے کیونکہ تصویر سچی تھی اور مضمون جھوٹا اور آج جب کہ مَیں نے خود چوہدری صاحب کو دیکھ لیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ جو باتیں مضمون نگار نے مخالفانہ رنگ میں تحریر کی ہیں وہ بالکل غلط ہے۔پھر اُنہوں نے فرمایا کہ صاحب اگر اجازت دیں تو اس (چوہدری صاحب) کے سامان کو مَیں اٹھالوں۔ مَیں نے کہا اس کام کے لئے تو مَیں لندن سے ساتھ آیا ہوں کوئی خاص ضرورت تو نہیں اس پر مَیں نے اُنہیں کرنسی کی صورت میں کچھ دینا چاہاتو وہ بزرگ رو پڑے اور کہنے لگے کہ ''صاحب اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔مَیں روپیوں کے لئے سامان نہیں اٹھانا چاہتا تھا بلکہ اس غرض سے سامان کو چھونا چاہتا ہوں کہ یہ پاک اور بزرگ انسان کا سامان ہے اور مَیں اپنے بچوں اور آنے والی نسلوں سے کہہ سکوں گا کہ چوہدری صاحب کا سامان مَیں نے اٹھایا تھا۔'' چنانچہ اس پر مَیں نے اجازت دے دی اور ہم لاؤنج سے باہر آ گئے۔اُس شخص کی خوشی اور مسرت قابل دید تھی۔

جذبہ محبت کا کرشمہ۔چوہدری صاحب اور چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب کو چھ بجے والی فلائٹ پر رخصت کرنے کے بعد وہاب صاحب کی قیادت میں اپنی خالہ جان کے گھر پہنچا۔وہ بیچارے مجھے صبح صبح دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔مگر اپنی راویتی محبت اور پیار سے انہوں نے جلدی

جلدی ناشتہ تیار کیا کیونکہ مجھے پھر واپس ائر پورٹ جانا تھا تا کہ صبح 9 بجے والی فلائٹ سے لاہور پہنچ سکوں۔لیکن ابھی ناشتہ ہو ہی رہا تھا کہ برادرم نصیر احمد صاحب تشریف لائے اور کہا کہ منصور! فوراً ائر پورٹ پہنچو کیونکہ جس جہاز سے چوہدری صاحب لاہور گئے تھے وہ واپس اسلام آباد آ گیا ہے۔مَیں نے پوچھا خیریت تو ہے کہنے لگے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔وہیں چل کر معلوم ہوگا۔چنانچہ ہم فوراً ائر پورٹ پہنچے۔وی آئی پی لاؤنج میں جب دونوں چوہدری صاحب کو بخیریت دیکھا تو اطمینان ہوا۔اور مکرم چوہدری صاحب نے مجھے دیکھتے ہی زور سے فرمایا کہ Mansoor we could not go with out you. مَیں نے عرض کیا چوہدری صاحب واپسی کیسے ہوگئی فرمانے لگے ''لاہور ائر پورٹ پر بہت دھند تھی جہاز کا اترنا ممکن نہ تھا۔اس لئے واپسی ہوگئی۔'' پھر ہم سب نو بجے والی فلائٹ سے اپنے پہلے پروگرام کے مطابق روانہ ہوئے اور نہایت اطمینان سے قریباً ساڑھے دس بجے چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔جس کے بعد چوہدری صاحب سے اجازت لی۔انہوں نے بہت محبت اور پیار سے رخصت کیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں اور مَیں بوجھل قدموں سے وہاں سے روانہ ہوا۔شام کو ربوہ پہنچ گیا۔اگلے دن حضور نے ملاقات کا شرف بخشا۔میرے پیارے آقا نے باوجود اس دن ملاقات کا وقت نہ تھا مجھے نہایت محبت اور پیار سے گلے لگایا۔غالباً میرے آنے کی اطلاع تھی۔کیونکہ مجھے دیکھتے ہی فرمایا'' خیریت سے پہنچ گئے۔'' میں نے عرض کیا! آپ کے دوست کو ساتھ لایا ہوں دریافت فرمایا کہ'' وہ خیریت سے ہیں۔'' اختصار سے عرض کر دیا۔اور پھر حضور اقدس کی اجازت اور دعائیں لیتا ہوا اُسی شام ربوہ سے کراچی اور پھر کراچی سے لندن پہنچ گیا۔الحمدللہ۔اور اب 19 نومبر کا دن میری زندگی کا ایک ناقابل فراموش دن بن چُکا ہے اور اس کا ایک ایک لمحہ میرے لئے باعثِ برکت بھی ہے باعث رحمت بھی ہے۔بس ''میرا جذبۂ محبت میرے کام آ گیا ہے۔''(رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 173 تا 180)
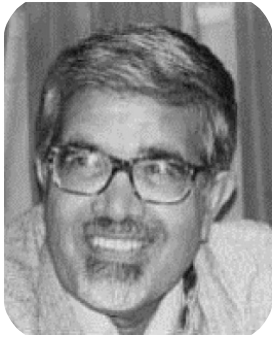
محترم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں

پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی کی نظر میں

پروفیسر سابق صدر شعبہ اردو تعلیم الاسلام کالج ربوہ

(مکرم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی صاحب، پروفیسر سابق صدر شعبہ اردو تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے پروفیسرز وائین ولکاکس اور آئیسلی۔ٹی۔ایمبری کے متعدد موقعوں پر سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب سے 1962ء اور 1963ء کے دوران نیو یارک شہر میں حاصل کئے گئے، متعدد انٹرویوز کو اردو زبان میں '' کاغذی پیرہن'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ان انٹرویوز میں محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی سیاسی زندگی کے اوپر زیادہ گفتگو ہے۔مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کا مندرجہ ذیل مضمون اس کتاب کا دیباچہ ہے۔یوں تو ساری کتاب ہی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے لیکن طوالت کتاب کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون اور انٹرویو کا ایک نمونہ اگلی سطور میں پیش کیا جا رہا ہے۔مرتب)

محترم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی تحریر کرتے ہیں کہ'' برصغیر کی تحریک آزادی میں مسلمانانِ ہند نے بھی پورے جوش وخروش اور ولولہ سے حصہ لیا۔کچھ سیاسی میدان میں آزادی کے لئے کوشاں رہے اور کچھ انتظامی دائرۂ عمل میں سعی کرتے رہے۔مسلمانوں کے جن زعماء نے

اپنے اثر ورسوخ اور تدبر کو اپنی قوم کی بہبودی کے لئے وقف کئے رکھا ان میں سر سلطان محمد خان، آغا خان سوم کا نام نامی سرفہرست ہے۔ مسلم لیگ کے قیام اور اس کے استحکام میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ پنجاب کے جن بڑے لوگوں نے اس میدان میں سرگرمی دکھائی ان میں سر محمد شفیع اور سر محمد اقبال کے نام نمایاں ہیں۔ مگر جب ڈایارکی یعنی عملی کا نظام نافذ ہوا تو سر محمد شفیع کی جگہ سر فضل حسین نے لے لی کیوں کہ سیاسی جوڑ توڑ میں ان کا کم از کم پنجاب میں کوئی حریف نہ تھا۔ اور پنجاب ہی ایسا صوبہ تھا جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی مگر اس اکثریت کو مؤثر بنانے اور فعال کرنے کے لئے جس تدبر اور سوجھ بوجھ کی ضرورت تھی وہ سر فضل حسین کے سوا کسی اور میں نہ تھی۔ دوعملی کے نظام کو کامیابی سے دوچار کرنے اور صوبہ پنجاب کو ایک پس ماندہ صوبہ سے دوسرے ترقی یافتہ صوبوں کے دوش بدوش لا کھڑا کرنے میں اس پارٹی کا بڑا حصہ تھا جسے یونینسٹ پارٹی کہا جاتا تھا اور جس کے قائد سر فضل حسین تھے۔ اس پارٹی کی بنیاد فرقہ وارانہ اکثریت وغیر اکثریت پر نہ تھی اس کی بنیاد دیہی کاشتکار طبقہ کی بہبود پر رکھی گئی اور اس میں مسلمان غیر مسلمان برابر کے شریک تھے، ہندو جاٹ ہوں یا مسلمان کاشتکار، سر چھوٹو رام ہوں یا سر شہاب الدین اس پارٹی کے پرچم تلے یکجا اور متحد تھے اور پنجاب کی حد تک یہ انتظام بہت مناسب و موزوں تھا۔ دوعملی کا نظام قائم ہوتے ہی جو اسمبلیاں قائم ہوئیں ان میں کچھ لوگ منتخب تھے کچھ نامزد۔ منتخب ہونے والوں میں پنجاب میں سیالکوٹ سے ایک نوعمر بیرسٹر منتخب ہو کر 1942ء میں اسمبلی میں پہنچا۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ اس انتخاب میں اس کی جتنی بھی تائید ہوگی وہ اس کے والد صاحب کے اثر رسوخ کی وجہ سے ہوگی اور شاید ایسا ہی ہوا ہو کیوں کہ اس بیرسٹر کے والد اپنے علاقہ کے مانے ہوئے وکیل تھے اور لوگوں میں ان کی دیانت داری اور دینداری کا بہت شہرہ تھا۔ یہ بیرسٹر اسمبلی میں پہنچا تو اس کو اس کے مرشد کی جانب سے یونینسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی ہدایت کی گئی چنانچہ یہ یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا اس کی سیٹ اپنے وقت کے دو نامور لوگوں کے درمیان تھی ایک جانب سر محمد اقبال کی سیٹ تھی اور دوسری جانب بہاولپور کے سابق وزیر اعظم مولوی سر رحیم بخش تھے۔ دونوں برطانوی حکومت کے خطاب یافتہ اور معزز لوگ تھے ان کے درمیان ایک نوآموز کو جگہ ملی۔ اللہ کی قدرت کہ وہ نوخیز، نوآموز دستور ساز ذہین وفطین اور تیز رو نکلا کہ دیکھتے دیکھتے آسمانِ وطن کا ستارہ بن کر چمکنے لگا۔ یونینسٹ پارٹی میں سر فضل حسین جیسے تجربہ کار رہنما کی قیادت میں اس نے سیاستِ وطن کے اسرار و رموز سیکھے۔ اپنی قانونی قابلیت کا لوہا وہ ہائی کورٹ میں پہلے ہی منوا چکا تھا اب اس کی آئینی قابلیتوں کا چرچا ہونے لگا۔ 1930ء میں جب مستقبل کے آئین پر غور و فکر کرنے کیلئے پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کے مندوبین میں یہ نوجوان بھی شامل تھا۔ خود اس کا کہنا ہے کہ ان بڑے بڑے مدبرین کے مابین اس کی حیثیت ایک ''کودک نادان'' کی تھی مگر وہ طفل مکتب دوسری اور تیسری کانفرنس میں بھی نامزد ہوا اور اپنی فراست کے ڈنکے بجوا دیئے۔ ان کانفرنسوں میں سر آغا خان مسلمان وفد کے قائد سمجھے جاتے تھے۔ پہلی اور دوسری کانفرنس میں (مستقبل کے قائداعظم) مسٹر جناح بھی شریک تھے۔ دوسری میں گاندھی بھی شامل تھے۔ تیسری میں کانفرنس کے وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا مسلمانوں کی نمائندگی کا سارا بار اس کے کاندھوں پر آن پڑا ہے۔ جناب مسرت حسین زبیری آئی سی ایس کے بڑے نامور آدمی تھے۔ پاکستان میں بھی مقتدر عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے اپنی خودنوشت انگریزی میں لکھی ہے اور اس کا نام رکھا ہے تاریخ کا سفر (A Voyage through history) وہ اپنی ٹریننگ کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھے ان دنوں الیکشن ہوئے آپ کو سر سیموئیل ہور کے الیکشن کے علاقہ کا معائنہ کا موقعہ ملا سر سیموئیل سے ان کی ملاقات بھی ہوئی۔ انہوں نے زبیری صاحب سے پوچھا کہ آپ کو ''آئی سی ایس میں کون سا صوبہ ملا ہے''

انہوں نے کہا پنجاب ۔سرسیموئیل کہنے لگے’’ آپ خوش قسمت ہیں ۔‘‘میں نے کہا’’اس میں خوش قسمتی کی کون سی بات ؟‘‘ کہنے لگے’’تم اس لئے خوش قسمت ہو کہ سرظفراللہ کا تعلق اس صوبے سے ہے اور تم اس صوبہ میں جارہے ہو۔‘‘ پھر کہنے لگے ’’تم جانتے ہو سرظفراللہ صاحب گول میز کانفرنس کے تعلق میں یہاں آئے تھے اور ہماری اس وقت سے خط و کتابت ہے میرا ردّعمل زیادہ ’’شریفانہ‘‘ نہیں تھا۔ میں نے کہا’’مگر کانفرنس میں توان سے زیادہ مشہور و معروف لوگ بھی تھے مثلاً سرتیج بہادر سپرو، مسٹر جناح ،سر سرینواس شاستری،انہوں نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔‘‘ یوں تو سرآغاخان بھی تھے مگر کسی نے اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا جتنا سرظفراللہ چھوڑ کر گئے ہیں۔‘‘ میں اس سے زیادہ ہضم نہیں کرسکا اس لئے میں نے موضوع بدل دیا۔‘‘(Second A Voyage through History by Musarrat Hussain Zuberi volume 1.1 (Pl 260edition Karachi Hamdard Foundation Press January 1987

سرسیموئیل ہور کا خیال تھا مگر خوداس نوآموز کی کسرنفسی کا یہ عالم تھا’’ جہاں پختہ کارصاحبِ تجربہ اصحاب مفیداور کارآمد تجاویز پیش کر سکتے تھے اور قیمتی مشورے دے سکتے تھے وہاں ایک کودک ناداں کے لئے نئے نئے تجربات حاصل کرنے اپنی حدِ نگاہ کو وسعت دینے اور اہل دانش کے فہم وادراک سے فائدہ اٹھانے کے بہت سے مواقع تھے۔‘‘ یہ کانفرنسیں ہندوستان کے آئینی مستقبل کے لئے بلائی گئی تھیں اور ان آئینی اصلاحات پر ملک کی آئندہ ترقی اور آزادی کا دارو مدار تھا۔دوسری گول میز کانفرنس میں اس نوعمر آئین ساز کی شہرت اتنی ہوگئی کہ سرفضل حسین کے چھٹی پر جانے پر اسے وائسرائے کی کونسل میں ان کا عارضی جانشین بنایا گیا یہ گویا اس شخص کے عروج کی ابتداء تھی مگر نہیں میں نے شائد درست نہیں کہا اس کے عروج کی بنیاد تو اس روز رکھ دی گئی تھی جب اس نوجوان کو جماعت احمدیہ نے نومبر 1917ء میں اس وقت کے وزیر ہند مسٹر مائینٹگو اور وائسرے لارڈ چیمسفورڈ کے رُوبرو جماعت کا مؤقف پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی ۔آئینی میدان میں یہ اس کی پہلی پہلی ذمہ داری تھی اس کے بعد وہ اصلاحات نافذ ہوئیں جنہیں مائنٹگو چیمسفورڈ اصلاحات کا نام دیا جاتا ہے ۔اورجس کے نتیجہ میں ڈایارکی یعنی دوعملی کا نظام قائم ہوا۔ پھر وہ وقت بھی آگیا کہ سرفضل حسین کے سبکدوش ہونے پر وائسرائے کی کونسل میں اس کا تقرر ہوا۔ وہ اس وقت کونسل کا سب سے کم عمر رُکن تھا اور پانچ سال کی ایک ٹرم ختم ہونے کے بعد دوسری بار اس کا تقرر ہوا۔ یہ برطانوی ہندوستان کی آئینی تاریخ کا انوکھا واقعہ تھا کہ کسی شخص کو دوسری بار وائسرائے کی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا ہو۔دوسری میعاد ختم ہونے میں ابھی چار سال باقی تھے کہ یہ چیف جسٹس کے اصرار پر وائسرائے کے علی الرغم خود اپنی مرضی سے فیڈرل کورٹ میں چلے گئے ۔وائسرائے نے کہا بھی کہ تمہاری میعاد کا ابھی معتد بہ عرصہ باقی ہے جو اصلاحات نافذ ہو رہی ہیں ان میں تم بہتر مستقبل کی توقع رکھ سکتے ہو تم کیوں عدالت کی چار دیواری میں بند ہونا چاہتے ہو؟ مگر اللہ کے اس بندے نے جو گہرے مذہبی رُجحانات و خیالات رکھتا تھا اپنے مبشر خوابوں کی آواز پر کان دھرا اور عملی سیاسی منصب سے ہٹ کر عدالت میں منصفی کے منصب پر فائز ہو گیا۔حالانکہ اس سے قبل وائسرائے لارڈ ولنگڈن اس سے کہہ چکے تھے کہ کیا تم پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بننا پسند کرو گے؟ اس نے انہیں صاف جواب دے دیا تھا کہ ایسا کرنا اس اعلیٰ منصب کے وقار کے منافی ہے حالانکہ حقیقت صرف یہ تھی کہ وہ پنجاب کے گورنر سر ہربرٹ ایمرسن سے ملنا نہیں چاہتا تھا جو اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کی وجہ سے جماعت احمدیہ کے خلاف تھا۔ پھر پریوی کونسل والے اسے پریوی کونسل میں لینا چاہتے تھے (جو سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا اور مقتدر انصاف کا ادارہ تھا۔)اس نے کہہ دیا کہ نہیں میں لندن اس لئے نہیں آنا چاہتا کہ جنگ کے حالات میں

میں اپنے وطن کی بہتر خدمت کرنے کے مواقع سے محروم جاؤں گا اور میں اس کے لئے آمادہ نہیں۔ پنڈت نہرو نے عبوری حکومت کے زمانہ میں 1946ء میں اسے عالمی عدالت انصاف کے لئے نامزد کیا مگر وہ منتخب نہ ہوسکا۔ اس میں بھی خدا کی حکمت تھی ورنہ وہ پاکستان بننے کے بعد کی شاندار خدمات سے محروم رہ جاتا۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ جب ایک بار عالمی عدالت انصاف سے فارغ ہونے کے بعد دوسری بار عالمی عدالت انصاف میں اس کے چناؤ کا سوال اُٹھا تو اپنے وطن ہی کے ایک مندوب نے اس کی مخالفت کی۔ گول میز کانفرنسوں کے دوران اس کی کارکردگی سے متاثر ہوکر برطانوی حکومت نے اسے نائٹ ہڈ دینا چاہی اسے اس نے خود کہہ کر رُکوا دیا۔ وائسرائے کی کونسل میں آنے کے بعد اسے اس اعزاز کا ملنا لازم تھا ورنہ شاید یہ اس وقت بھی اس اعزاز سے انکار کردیتا۔ یہ نہیں کہ وہ ہاں میں ہاں ملانے والا شخص تھا، نہیں جہاں اسے اختلاف کی بات کہنا ہوتی برملا کہتا تھا وائسرائے کی کاؤنسل میں بھی۔ عدالت میں تو وہ ''اختلاف کرنے والا جج'' سمجھا جاتا تھا حالانکہ فیڈرل کورٹ مرکزی برطانوی حکومت کے زیر انتظام تھی۔ لیگ آف نیشنز کے 1939ء کے اجلاس میں وہ برطانوی ہند کا نمائندہ تھا اس نے روس کی جارحیت کے خلاف برملا اپنے خیالات کا اظہار کیا حالانکہ برطانوی نمائندے لارڈ ہیلی ایسا کرنے میں جھجک محسوس کررہے تھے۔ گول میز کانفرنسوں میں بھی اس کی برملا گوئی کا چرچا تھا اس نے برملا گوئی کا مظاہر کیا تو ایک سینئر مندوب مسٹر چنتامنی نے اسے چٹ لکھ کر بھیجی کہ '' in this gathering of reactionaries it is so refreshing to hear someone speak out with courage'' (تحدیث نعمت صفحہ۔ 273) اور پہلی گول میز کانفرنس کا واقعہ ہے کہ جب ابھی یہ ''کودک ناداں'' لیتا تھا مکتب غمِ دل میں سبق ہنوز۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانانِ ہند کی شاندار خدمات سرانجام دینے والے اس شخص کی سیاسی یادداشتیں اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہیں جسے اپنوں نے نہیں غیروں نے محفوظ کرلیا تھا۔ وہ شخص جس نے کبھی خود کسی منصب کی خواہش نہیں کی مگر جسے اللہ تعالیٰ نے ایک سے بڑھکر ایک منصب عطا کیا اور دنیا اب بھی اس کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ تحریکِ آزادیء ہند میں اس کی خدمات کے باب میں میری مرتب کردہ کتاب ایک سویڈش سفیر کی نگاہ سے گذری تو اس نے اس شخص کا مختصر ساسی وی دیکھ کر حیرت سے کہا کہ دنیا میں کیسے کیسے نابغے موجود ہیں جو انسانی عمر کے محدود عرصہ میں کتنے مناصب حاصل کرسکتے ہیں وہ مختصر سا سوانحی خاکہ یوں بنتا ہے۔ (6فروری 1893ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور کنگز کالج لندن میں تعلیم حاصل کی۔ لنکنز ان سے بیرسٹر ہوئے۔ 1916ء سے 1935ء تک پنجاب ہائی کورٹ میں فوجداری کے چوٹی کے وکیل شمار ہوئے، ہائی کورٹ کی ججی اور چیف جسٹس مقرر ہونے سے بوجوہ انکار کیا۔ 1926ء سے 1935ء تک پنجاب کی دستور ساز اسمبلی کے رُکن رہے۔ 1930ء، 31ء، اور 32ء میں ہونے والی گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی، 1932ء میں پارلیمنٹ کی سیلیکٹ کمیٹی کے رُکن مقرر ہوئے 1934ء سے 1942ء تک وائسرائے کی ایگزیکٹو کاؤنسل کے رُکن رہے۔ 1939ء میں لیگ آف نیشنز کے آخری اجلاس میں برطانوی ہند کی نمائندگی کی۔ 1941ء سے 1947ء تک فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج رہے۔ 1942ء میں فیڈرل کورٹ کا جج ہونے کے علاوہ چین میں انڈیا کے پہلے ایجنٹ جنرل رہے۔ جون 1947ء میں آزادیء ہند کے اعلان کے ساتھ ہی فیڈرل کورٹ آف انڈیا سے مستعفی ہوگئے۔ جون سے دسمبر 1947ء تک ہز ہائی نس بھوپال کے آئینی مشیر رہے۔ ستمبر سے نومبر 1947ء تک اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے وفد کی سربراہی کی۔ 25دسمبر 1947ء کو بانیء پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اصرار پر پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور امور کامن ویلتھ مقرر ہوئے۔

1948ء سے 1954ء تک اقوامِ متحدہ کی سلامتی کاؤنسل میں انڈیا اور پاکستان کے مابین تنازعات پیش کرنے کے لئے پاکستان کے وفد کے سربراہ رہے۔ 1951ء میں جاپان کے معاہدہ، امن کے لئے ہونے والی سان فرانسسکو کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ 1954ء میں منیلا میں سیٹو کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ 1954ء سے 1961ء تک اور پھر 1964ء سے 1973ء تک بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج رہے۔ 1958ء سے 1961ء تک اسی عدالت کے نائب صدر اور پھر 1970ء سے 1973ء تک عالمی عدالت انصاف کے صدر رہے اور اپنی والدہ مرحومہ کے اس خواب کو اپنی آنکھوں میں پورا ہوتے دیکھا جس میں کہا گیا تھا۔''ہوگا چیف جسٹس ظفر اللہ خاں، نصر اللہ خاں کا بیٹا۔''

1961ء سے 1964ء تک اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب مقرر ہوئے اور اس دوران 1962ء۔ 1963ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سترھویں اجلاس کے صدر منتخب ہوئے۔ شمالی افریقہ کے مسلمان ممالک کی جدوجہد آزادی میں جو نمایاں خدمات آپ نے انجام دیں اسکے نتیجہ میں 1964ء میں مراکش نے انہیں اپنا سب سے بڑا سول اعزاز عطا کیا۔ اسی سال اُردن نے بھی اپنا اعلیٰ ترین اعزاز انہیں پیش کیا۔ آپ لنکنز ان اور ایل ای ایس کے اعزازی فیلو تھے۔ کیمبرج یونیورسٹی نے انہیں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے اپنا وقت اسلام کے بارہ میں لٹریچر لکھنے میں صرف کیا اور ان کا قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ عالمی شہرت رکھتا ہے۔'' سر محمد ظفر اللہ خاں کی شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور دنیا والے بہت کچھ لکھیں گے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب تک ان کی خدمات کا وہ اعتراف نہیں کیا گیا جو ان کا حق تھا۔ اس کی بڑی وجہ تو ان کے عقائد تھے جن سے عام مسلمانوں کو اختلاف تھا۔ تحریک آزادی میں ان کے کردار کے بارہ میں میری پہلی کتاب شائع ہوئی تو بعض دوستوں نے کہا کہ تم نے چوہدری صاحب کی احمدیت سے وابستگی کا ذکر کر کے اس کے کینوس کو احمدیوں تک محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ میرے سامنے سر ظفر اللہ خان کی وہ گفتگو ہے جو وزیر ہند اور ان کے مابین ہوئی۔ جب وزیر ہند نے انہیں وائسرائے کی کاؤنسل پر مقرر کرنا چاہا تو سر ظفر اللہ نے منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی کہا کہ ''میرا تعلق سلسلہ احمدیہ کے ساتھ ہے جس کے بعض عقائد سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے جب 1934ء میں میں نے سر فضل حسین کی جگہ کام کیا تھا تو اس وقت بھی اس بنا پر مسلمانوں کے ایک طبقے کی طرف سے میرے تقرر پر اعتراض کیا گیا تھا۔'' (تحدیث نعمت صفحہ۔256) پھر وزیر ہند نے انڈیا کمیٹی کے نام اپنے نوٹ مؤرخہ 15 فروری 1945ء میں سر ظفر اللہ کا لکھا ہوا نوٹ سرکولیٹ کرتے ہوئے لکھا کہ ''وہ بڑے ذہین وفہیم آدمی ہیں، پنجابی ہیں اور متوازن مسلمان نکتہ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں مگر بدقسمتی سے ان کا تعلق ایک ایسے فرقہ سے ہے جس سے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اختلاف ہے۔'' (تحریک آزادی میں سر ظفر اللہ کا حصہ۔ تاریدوتربیت تحشیہ ۔ پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی، صفحہ 35) یعنی سر ظفر اللہ خان نے کبھی کسی جگہ کسی حال میں اپنی احمدیت کو نہیں چھپایا تو ان کے مرنے کے بعد کسی کو کیا حق ہے کہ وہ ان کی زندگی کے اس پہلو کو جو ان کے نزدیک خوش قسمتی اور دوسروں کے نزدیک ''بدقسمتی'' تھا نظر انداز کر دے۔ اب کے بھی میں ان کی احمدیت کا ذکر برملا کر رہا ہوں۔ ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنم

اس کتاب میں بھی سر ظفر اللہ خاں نے جماعت احمدیہ کے ساتھ اپنی وابستگی کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے اس لئے میرے نزدیک ان کی احمدیت کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ''تحدیث نعمت'' کا یہ اسلوب ہے۔ ''سرونٹ آف گاڈ'' کا بھی یہی لب لباب ہے۔ اور ان یادداشتوں میں جو آپ نے کولمبیا یونیورسٹی کو لکھوائی ہیں نہ صرف اپنی احمدیت کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ اپنی اور اپنے والدین کی احمدیت کے

ساتھ وابستگی کا بڑے فخر سے اعلان کیا ہے۔ وذالك فضل الله یو تیه من یشاء۔ مشہور تاریخ دان کے۔کے۔عزیز نے اپنی کتاب ''چند عظیم آدمیوں کی یادیں'' میں سرظفراللہ کے بارہ میں کیا حقیقت افروز بات لکھی ہے کہ سرظفراللہ کو ''مبدو فیض سے وہ ذہانت ودیعت ہوئی تھی جو مکرو ریا کی بناوٹوں' قانونی چالبازیوں، سیاسی دوغلے پن اور سفارتی حیلہ جوئیوں کے سامنے اُساری ہوئی دیواروں کو چیر کر حقیقت تک پہنچ جاتی تھی۔ان کا ذہن شیشہ کی طرح صاف تھا اور ان کی سوچ کی صداقت اس میں منعکس ہوتی تھی اُن کی بے پناہ محنت کے آگے پیچیدہ مسائل یا وقت کی کمی کے عذر محض ہیچ تھے۔عدالت ہو یا دستور ساز اسمبلی یا کوئی اور عالمی ادارہ وہ اپنے مؤقف کے حق میں اپنے دلائل کو قدم بہ قدم آگے بڑھاتے، ایک کے بعد دوسری دلیل پیش کرتے اور اپنے مؤقف کو مضبوط تر کرتے چلے جاتے تھے۔ وہ ایک چابک دست معمار کی طرح دلائل کو اینٹ پر اینٹ کی طرح جماتے ہوئے ایک خوب صورت اور کلاسیکی عمارت کھڑی کر دیتے تھے۔ وہ اپنے دلائل و استدلال کی عمارت یوں اُستوار کرتے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ زبان وبیان کی روانی ان کے استدلال میں قوت پیدا کرتی تھی اپنے مؤقف کی سچائی کا یقین ان کے لفظوں کو مجبور کر دیتا تھا کہ وہ ان کے سامنے سپاہیوں کی طرح صف بستہ رہیں' تقریر کرتے ہوئے ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے اور ان کے اشارات سے ہمیشہ بامعنی ہوتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے مؤقف کو مہین لباس پہنا کر سامنے لے آئیں ۔ان کی باتوں کی سچائی واضح اور غیر مبہم ہوتی تھی اور استدلال کے شاندار لباس میں ملبوس ہوتی تھی۔ان کی وفاداری خستہ اور کمزور نہیں تھی۔ نہ ہی ان میں سرد مہری کا تکبر یا غرور تھا کہ اپنے او پر والوں کو باتوں میں لگائے رکھیں یا بحث مباحثوں میں ٹامک ٹوئیے مارتے رہیں۔ان کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی تھی وہ حقائق کی منطق کو بحث و اختلاف کی منطق کے ساتھ آمیز کرنا جانتے تھے اور مسائل کو گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنے میں یقین رکھتے تھے۔ وہ زندگی بھر شہرت اور آسودگی کی چکا چوند میں رہے مگر ان کی چال میں نرمی' تواضع اور انکساری نمایاں رہی' کامیابیوں کامرانیوں کی خوشبو انہیں کم دماغ نہ بنا سکی' دنیاوی مراتب کی شان وشوکت اور آن بان سے ان کے ذاتی وقار پر کوئی حرف نہ آیا نہ ان کی وضع میں کوئی خلل آیا اور نہ ہی ان کی انسانیت مسموم ہوئی۔ظفراللہ نے ساری عمر محنت اور یکسوئی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنے ملک کی خدمت اور ملک بنانے والی تحریک کی خدمت کی ہم پاکستانی مسلمانوں نے انہیں اپنے مذہب سے تو نکال باہر کیا مگر ہمیں انہیں اپنے ذہنوں سے محو نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ جو قومیں اپنے عظیم آدمیوں کو فراموش کر دیتی ہیں ان میں رفتہ رفتہ عظیم آدمی پیدا ہونا ہی بند ہو جاتے ہیں۔'' (عظیم آدمیوں کی یادیں۔کے۔کے۔عزیز وین گارڈ۔لاہور 2002 صفحہ 83۔84) میں احمدیت کے اس بطل جلیل کی چوتھی خود نوشت قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے بڑی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔الحمدللہ کہ اس کام کی توفیق بھی ایک احمدی کے حصہ میں آئی کہ وہ اس خودنوشت کو اتمام اکمال دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے ورنہ مؤرخین میں سے ایک کا تو یہ حال ہے کہ ان صاحب نے کولمبیا یونیورسٹی کو لکھوائی گئی اس خودنوشت کو اپنے لئے ہوئے انٹرویوز کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس میں سے احمدیت سے سرظفراللہ کی وابستگی کا ذکر غائب کر دیا۔بھلا سورج کی روشنی بھی دیکھنے والی آنکھوں سے اوجھل رکھی جا سکتی ہے؟۔

(بحوالہ کاغذی پیرہن صفحہ دیباچہ ناشر جے پرنٹرز' لاہور' 72 بیڈن روڈ' لاہور اشاعت اوّل جنوری 2004ء)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں۔حضرت قائداعظمؒ کی نظر میں۔ابو طاہر فارانیؔ

پاکستان کے فرزند جلیل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کی کامگار و بامراد زندگی ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر ورق بفضلہ تعالیٰ پہلے ورق سے کہیں زیادہ روشن اور تابندہ ہے۔بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ تو شروع ہی سے اُن کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔جس کے اظہار میں انہوں نے نہ صرف کبھی کسی قسم کے حجاب یا انقباض سے کام نہ لیا بلکہ اس تعلق خاطر کا بھرے ایوانوں میں اعلان کرنے میں لذت وفرحت محسوس کی۔ 1939ء میں جب اسمبلی میں انگلستان کے ساتھ نیا تجارتی معاہدہ پیش ہوا جو خالصۃً چوہدری صاحب موصوف ہی کی ذہانت سے ہو پایا تھا اس وقت کانگرس اپوزیشن میں تھی۔اس لئے کانگرسی ارکان نے اس معاہدہ کی مخالفت کرنا ہی تھی۔۔۔بحث سے قبل قائداعظمؒ نے سرہومی مودیؔ سے معاہدے کے بارے میں اُن کی رائے دریافت کی۔توانہوں نے جواب دیا کہ ''میں تو مِل اونرز ایسوسی ایشن کا ٔصدر ہوں'' اور میری ایسوسی ایشن یہ چاہتی ہے کہ میں اسمبلی میں معاہدے کے خلاف رائے دوں۔کیونکہ ان کی رائے میں اس معاہدہ کا زیادہ فائدہ تو ملک کے زمینداروں کو ہوگا جن کی کپاس زیادہ مقدار میں اوراچھی قیمت پر خریدی جائے گی،جس کے نتیجہ میں ملک کے اندر بھی کپاس کی قیمت بڑھ جائے گی۔اور یہاں کے کارخانوں کا بنا ہوا کپڑا مہنگا ہوجائے گا۔ادھر لنکا شائر کے بنے ہوئے کپڑے پر رعائتی نرخ سے محصول عائد ہونے کے نتیجے میں ان کے کپڑے کی قیمت کم ہوجائے گی۔اس طرح ہندوستانی مِل اونروں کو لنکا شائر والوں سے دونوں محاذ پر مقابلہ کرنا ہوگا۔اور زمینداروں کو جو فائدہ پہنچے گا۔اُس کی قیمت انہیں ادا کرنا ہوگی۔گو میری ذاتی رائے یہ ہے کہ معاہدے کے اندر اس قسم کا توازن مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ ہم اس کپڑے میں جو ہمارے کارخانوں میں بنایا جاتا ہے، پھر بھی لنکا شائر کا مقابلہ کرسکیں گے۔اس لئے باوجود اپنی ایسوسی ایشن کی خواہش کے میں نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔سرہومی مودی نے قائداعظم سے گفتگو کے بعد گفتگو کا یہ ماحصل چوہدری صاحب کے بھی گوش گزار کردیا۔مسٹر جناحؒ (قائداعظم)اسمبلی میں آزاد پارٹی کے لیڈر تھے۔اور فیصلہ کا انحصار اس پارٹی ہی کی رائے پر تھا اگر یہ پارٹی غیر جانبدار ہوجاتی تو کانگرس کی مخالفت کامیاب ہوجاتی تھی۔گو حقائق کی رُو سے کانگرس کی مخالفت بھی محض برائے مخالفت تھی۔اس مخالفت سے اس کو محض اپنی سیاسی ساکھ بڑھانا مقصود تھا ورنہ وہ خود سمجھتی تھی کہ معاہدہ ملک کے لئے فائدہ مند ہے اور اسمبلی معاہدے کی تائید کرے یا نہ کرے۔حکومت معاہدے کا نفاذ کردے گی اور ملک کو جو فائدہ معاہدے سے حاصل ہوسکتا ہے وہ حاصل ہوجائے گا۔

اپنے بیٹے کی ستائش۔اُدھر قائداعظم کی آزاد پارٹی کا مؤقف یہ تھا کہ کانگرس اُن کی مخالف ہے اور حکومت ان کی مؤید نہیں لہٰذا ہمارا غیر جانبدار رہنا ہی بہتر ہے معاہدہ تو بہ ہرحال نافذ ہو ہی جائے گا۔لہٰذا اُن کے غیر جانبدار رہنے سے معاہدہ رد بھی ہوجائے تو ملک اُس کے فوائد سے محروم نہیں رہے گا۔۔۔۔چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے معاہدے کے متعلق جو تقریر کی تھی۔اس میں گو معاہدہ کی بعض شقوں پر تنقید بھی کی لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی روائتی دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس معاہدہ کو آٹووہ معاہدہ سے بہتر قرار دیا بلکہ یہاں تک فرمایا:۔''اگرچہ ظفر اللہ کی تعریف میں میرا کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ باپ کا اپنے بیٹے کی ستائش کرنا لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس معاہدے کے متعلق اپنے فرض کو احسن طریقہ سے سرانجام دیا ہے اور اس کے لئے اُسے مبارکباد پیش کرتے ہوئے جو کچھ مختلف اطراف سے کہا گیا ہے میں اُس کی

پوری طرح تائید کرتا ہوں۔''(تحدیث نعمت طبع اوّل ص402) قائداعظمؒ کی طرف سے چوہدری ظفراللہ خاں کی صلاحیتیں اور فراست وبصیرت کے اعتراف کی یہ داستان تقسیم ہند کے پہلے اس واقعہ ہی پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ قیام پاکستان کے لئے جدوجہد اور اس مملکت عزیز کے معرضِ وجود میں آجانے کے بعد تو یہ تعلق خاطر ایک فقید المثال اعتماد کی صورت اختیار کرجاتا ہے۔اور قائداعظم پھر نازک سے نازک اور اہم سے اہم ترین ذمہ داری انہی کو سونپ دینے کے لئے بے قرار دکھائی دیتے ہیں۔**مسلم لیگ کی وکالت**۔برطانوی وزیراعظم ایٹلی نے 2/جون 1947ء کے بیان مین تقسیم ملک کے منصوبے کا اعلان کیا تو اس اعلان کے فوراً بعد سر محمد ظفراللہ خاں''فیڈرل کورٹ آف انڈیا'' سے مستعفی ہوگئے،اور لاہور آکر دوبارہ وکالت کرنے کی منصوبہ بندی کرہی رہے تھے کہ ہز ہائی نس نواب سر حمید اللہ خاں والئے بھوپال نے اُن سے کچھ عرصہ کے لئے بھوپال آجانے کے لئے کہا تاکہ اس مشکل مرحلہ میں جو والیانِ ریاست کو درپیش ہے وہ اُن سے مشورہ کرسکیں۔چنانچہ چوہدری صاحب موصوف فیڈرل کورٹ سے علیحدہ ہوتے ہی بھوپال چلے گئے۔پھر جب آزادیٔ ہند کے ایکٹ کا مسودہ پارلیمنٹ میں پیش ہونے کا وقت آیا تو نواب صاحب نے انہیں دو ہفتے کے لئے لنڈن چلے جانے کے لئے کہا تاکہ اپنے شناسا برطانوی ارکان پارلیمنٹ سے مل کر اور مسودہ پر بحث کے دوران جائزہ لیا جاسکے۔کہ کیا کسی ایسی وضاحت کا امکان ہے جس سے نئے آئین میں والیانِ ریاست ہائے ہند کے حقوق کی حفاظت ہوسکے تاکہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا جاسکے۔چوہدری صاحب ابھی نواب صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں سفر کی تیاری فرما ہی رہے تھے کہ دلی سے پیغام آیا کہ قائداعظم نے یاد فرمایا ہے۔اور پھر جوں ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے قائداعظم نے فرمایا۔پنجاب میں جو کمیشن حد بندی کے لئے قائم کیا جانے والا ہے اُس کے سامنے مسلم لیگ کی طرف سے وکالت کی''ذمہ داری ہم تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں''چوہدری صاحب نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی حامی بھرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ نواب صاحب کے ارشاد کے تحت انگلستان جارہے ہیں اور نہیں معلوم کمیشن کی کاروائی کب شروع ہوگی۔اور انہیں تیاری کے لئے کتنا وقت ملے گا؟اس سے اگلی گفتگو اب خود چوہدری صاحب ہی کی زبانی سماعت فرمایئے۔قائداعظم :۔تم انگلستان کتنا عرصہ ٹھہروگے۔ ظفراللہ خاں :۔ میرا اندازہ تو پندرہ دِن کا ہے۔قائدِاعظم :۔ پھر کوئی فکر نہیں کمیشن کی کاروائی شروع ہونے میں ابھی خاصی دیر ہے ابھی تو کوئی ایمپائر بھی مقرر نہیں ہوا۔

ظفراللہ خاں :۔ ایمپائر کے متعلق میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی ایسے شخص کے مُصر رہنا چاہئے جس کی دیانت پر پورا اعتماد ہوسکے آپ لندن کی رہائش کے زمانہ میں پریوی کونسل کے رُوبرو پریکٹس کرتے رہے ہیں۔آپ کو اتفاق ہوگا۔کہ''برطانوی لارڈز آف اپیل'' اپنی روایات کے لحاظ سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں دیانتدار اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔آپ زور دیں کہ ان میں سے کسی کو ایمپائر مقرر کیا جائے۔ہر انسان غلطی کرسکتا ہے لیکن ہمیں یہ یقین ہونا چاہئے کہ جو صاحب مقرر ہوں وہ کسی اثر ورسُوخ کے ماتحت یا کسی کے کہنے کہلانے کے نتیجہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں گے۔قائداعظم :۔ ''میں تمہارے مشورے کو ذہن میں رکھوں گا'' (تحدیث نعمت طبع اوّل ص 498) حد بندی کمیشن کے رُوبرُو بحث کے بعد چوہدری صاحب موصوف ابھی لاہور ہی میں تھے کہ انہیں قائداعظم کا یہ تاکیدی پیغام ملا کہ وہ کمیشن سے فارغ ہونے کے بعد بھوپال جانے سے پہلے ان سے مِل کر جائیں،چنانچہ جب چوہدری صاحب پہنچے تو انہوں نے بکمال شفقت ومحبت شام کے کھانے کی دعوت دی۔معانقے کا شرف بخشا اور فرمایا۔''میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا نہایت ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا۔

تم نے اُسے اعلیٰ قابلیت سے اورنہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔‘‘(تحدیث نعمت طبع اوّل ص509)

اقوامِ متحدہ میں قائدِ وفد۔ قائداعظم سے ملاقات کے بعد چوہدری صاحب بھوپال تشریف لے گئے اور ابھی نواب صاحب کی مشاورت ہی کا فرض انجام دے رہے تھے کہ اگست 1947ء کے آخر میں قائداعظم نے انہیں کراچی طلب فرمایا۔اور جب یہ حاضر ہوئے تو بتایا کہ حیدرآباد سے میر لائق علی آئے تھے اور اعلیٰ حضرت حضرت نظام کی طرف سے پیغام لائے تھے کہ میں تمہیں صدر اعظم کی حیثیت سے حیدرآباد جانے پر آمادہ کرلوں۔تا کہ تم اعلیٰ حضرت اور حکومت ہند کے درمیان مناسب سمجھوتہ کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔میں نے انہیں یہ کہہ کر واپس حیدرآباد لوٹا دیا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی اس امر پر مبنی واضح تحریر لائیں کہ جو مشورہ تم دو گے یا جو تجویز تم کرو گے وہ اعلیٰ حضرت قبول فرمائیں گے۔اور اس کے مطابق عمل کریں گے۔چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ وہ کسی شرط پر بھی حیدرآباد جانے کے لئے تیار نہیں۔قائد اعظم نے یہ سُن کر جواب دیا کہ ’’یہ صورت پیدا ہی نہیں ہوگی کیونکہ اعلیٰ حضرت مطلوبہ تحریر نہیں دیں گے۔‘‘ اور اس تمہیدی اور ضمنی گفتگو کے بعد فرمایا۔’’دراصل میں نے تمہیں اس لئے بُلایا ہے کہ تم اقوامِ متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کرو۔۔۔۔۔۔۔۔‘‘ سچ ہے کہ خُلوصِ نیت وحسنِ عمل کے باعث عُہدے اور مناصب ہمہ وقت پاکستان کے اس جلیل القدر فرزند کی جستجو میں رہے۔۔۔۔اقوامِ متحدہ کے اس اجلاس میں سب سے اہم مسئلہ قضیہ فلسطین تھا۔جس کے بارے میں اقوامِ متحدہ کا ’’فلسطین کمیشن‘‘ تقسیم کی سفارش کر چکا تھا یہ وہی تاریخی اجلاس ہے جس میں مغربی طاقتوں کی فریب کاریوں پر مضطرب ہوکر اپنی تقریر کے دوران چوہدری صاحب نے انتباہاً یہاں تک کہہ دیا تھا۔

I beg you, i implore you. I ENTEREAT YOU NOT TO DESTROY“ YOUR CREDIT IN ARAB COUNTRIES TOMORROW YOU MAY NEED ”THEIR FRIEDSHIP BUT YOU WILL NEVER GET IT

یعنی جنگ عظیم اوّل کے دوران میں آپ نے جو وعدے عربوں سے کئے تھے اُن سے انحراف نہ کیجئے۔ان کی خلاف ورزی نہ کیجئے۔اگر آپ ایسا کریں گے تو بدعہدی کے مرتکب ہوں گے۔اور آئندہ عربوں کا اعتماد آپ سے کُلی طور پر اُٹھ جائے گا اور آپ اُن کی دوستی کبھی حاصل نہ کر پائیں گے۔ **وزارتِ خارجہ کا قلمدان۔** اقوامِ متحدہ سے واپسی پر چوہدری صاحب وفد کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کرنے کے لئے قائد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قائداعظمؒ نے دریافت کیا کہ اب کیا پروگرام ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اب وہ بھوپال جائیں گے۔یہ سنتے ہی بانئ پاکستان نے قدرے تیز لہجے میں فرمایا۔’’تم کب ان مخمصوں سے نجات حاصل کرو گے؟ کیا تُم نہیں دیکھتے کہ ہمیں تمہاری یہاں ضرورت ہے۔‘‘(تحدیثِ نعمت طبع اوّل صفحہ 526)اس کے بعد جب قائداعظم کو معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب لاہور ہوکر بھوپال جائیں گے۔تو لاہور میں نواب زادہ لیاقت علی خاں سے ملنے کی تاکید فرمائی لاہور میں نواب زادہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بدورانِ گفتگو تین مناصب کی کنایتہً پیش کش کی۔اوّل پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا منصب۔دوسرے صوبہ پنجاب کی چیف منسٹری اور تیسرے مرکز میں قلمدان وزارت خراجہ۔جب جواب میں انہوں نے کہا کہ میں آپ کے ارشاد کے مطابق غور کرنے کے بعد عرض کروں گا تو نواب زادہ صاحب نے کہا’’ لیکن قائداعظم چاہتے ہیں کہ تُم وزارتِ خارجہ کا قلمدان سنبھالو۔‘‘ جواباً عرض کیا گیا کہ اس کے بعد غور کرنے اور ذاتی منشاء کی گنجائش ہی باقی کہاں رہی! نواب زادہ صاحب نے فرمایا کہ’بس اتنی کہ جتنی جلدی ہو سکے تُم کراچی پہنچ جاؤ۔‘ بڑے لوگ بڑے لوگ ہی ہوتے ہیں۔نواب آف

بھُوپال کو جب تمام صورت حال کا علم ہوا تو فرمایا: ''آپ کے مشورہ سے محرُوم ہو جانا میرے لئے ضرور پریشانی کا موجب ہوگا۔لیکن میں اپنی خوشی اور ضرورت پر پاکستان کی ضرورت اور بہبودی کو ترجیح دیتا ہوں اور آپ کو قوم کی خدمت سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔'' چنانچہ چوہدری صاحب بھُوپال سے رُخصت ہوکر 25ردسمبر 47ء کو کراچی پہنچ گئے۔وہ دن قائداعظم کی ''یومِ پیدائش'' تھا اُن کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب ترتیب دی گئی تھی چوہدری صاحب بھی اُس تقریب میں پہنچ گئے اس سے کاملاً بے خبر کہ قائداعظم نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔البتہ نواب زادہ نے اتنا ضرور اشارہ کیا کہ آج تمہیں حلف لینا ہوگا۔اور پھر قائداعظمؒ کی تشریف آوری پر نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اُنہیں اس نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جو اُن کے عین بائیں جانب تھی۔۔۔۔۔قائداعظمؒ آئے۔تشریف فرما ہوئے اور تشریف فرما ہوتے ہی فرمایا:'' ظفراللہ خاں وزیر خارجہ کے منصب کا حلف لے گا۔'' اور چوہدری محمد ظفراللہ خاں نے تعمیل ارشاد میں حلف اُٹھالیا۔بے شک سونے کی پہچان زرگر اور موتی کی پہچان ایک جوہری ہی کرسکتا ہے۔امام جماعت احمدیہ کا فیصلہ۔چونکہ چیف جسٹس نے فریقین کو پریوی کونسل میں جانے کی اجازت بھی دے دی تھی اس لئے جب یہ معاملہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے رُوبرو پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ بنیادی سوال تینوں عدالتوں کا فیصلہ ہمارے حق میں ہے۔کہ ہم بحمداللہ مسلمان ہیں نماز کے لئے علیحدہ جماعت قائم کرنے کا فقہی مسئلہ کچھ بھی ہو عدالت کا فیصلہ قرین انصاف ہے۔! (تحدیثِ نعمت طبع اوّل ص 169) مشکل کا حل۔''اصل اقتباسات'' کے الفاظ تبدیل کر کے انہیں غلط مفہوم کا جامہ پہنا کر غلط اور سرتاسر منفی تاثر دینے کی حرکت اگر کسی ''احراری'' نے کی ہوتی تو نوٹس لینے کے قابل بھی نہ ہوتی کہ جھوٹ اُن کی غذا اور تاریخ مملکت پاکستان کو مسخ کرنا اُن کا مقصد حیات ہے۔۔۔۔ حیرت تو یہ ہے کہ ''جنگ'' ایسے کثیر الاشاعت اخبار نے ایسا کرتے وقت کوئی حجاب محسوس نہ کیا ۔۔۔(راقم السطور) کو اخبار مذکور کی داخلی مجبوریوں کا علم نہیں ۔۔۔۔اگر فی الواقعہ کوئی ایسی ہی مشکل درپیش ہو تو اُس سے ''نجات'' کی بھی ایک صورت ممکن ہے مثلاً یہ کہ جہاں ''جنگ'' کی پیشانی پر اس کی باقاعدہ ''تصدیق شدہ اشاعت'' کا اعلان درج ہوتا ہے اس کے نیچے ایک نوٹ روزانہ شائع کر دیا جایا کرے کہ :اس پرچے میں قارئین کو کچھ تاریخی ، واقعاتی ،فکری، دینی اور نظریاتی غلط بیانیاں محسوس ہوں گی۔جن کے بارے میں گزارش ہے کہ وہ دانستہ شائع کی گئی ہیں۔تاکہ ہمارے وہ قارئین جو صرف جھوٹ اور غلط بیانیوں پر مبنی مواد ہی پسند کرتے ہیں۔انہیں پرچہ پڑھتے وقت مایوسی نہ ہو۔ایک عالی دماغ تھا نہ رہا اناللّٰہِ وَانااِلیہِ راجعون (بحوالہ ہفت روزہ لاہور 14ستمبر 1985ء صفحہ 9۔10اور 14)

چوہدری سرمحمد ظفراللہ خاں۔فقیر سید وحیدالدین کے قلم سے

جن کی ہر ملاقات ایک درس ہوتا ہے۔''ممتاز قانون دان اور بین الاقوامی شہرت کے جج چوہدری سر ظفراللہ خاں سے میرے ذاتی بلکہ خاندانی مراسم رہے ہیں۔ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ان کا آبائی وطن ہے۔اُن کے والد بھی نامور وکیل تھے۔اُنہیں سے میرے بزرگوں کے تعلقات کا آغاز ہوا۔بعد میں ان کے چھوٹے بھائی شُکراللہ خاں اور عبداللہ خاں میرے گہرے دوست رہے۔چوہدری صاحب نے بیرسٹری پاس کر کے لاہور میں پریکٹس شروع کی تو رہائش ہمارے آبائی مکانات کے قریب ہی اختیار کی اور چند ابتدائی مقدمات کی پیروی کرنے کے بعد انہیں اپنے ہم عصروں میں نمایاں حیثیت حاصل ہوگئی۔اُس زمانے میں تعلقات محض رسمی بات نہ سمجھے جاتے تھے، بلکہ انہیں برادرانہ محبت اور خلوص کا درجہ حاصل تھا مجھے یاد ہے کہ

والد مرحوم جن دنوں غیر متوازن اور زائد اخراجات کی وجہ سے مقروض تھے، انہیں بعض مقدمات بھی لڑنا پڑے چوہدری ظفراللہ خاں بغیر کسی فیس کے پوری دماغ سوزی اور جانفشانی کے ساتھ اُن کے مقدمات کی پیروی کرتے رہے۔ایک دوست کی مشکلات سے باخبر رہنا اور فرض سمجھ کر اس کی اعانت کرنا کردار کی بڑی خوبی ہے۔اور دوستی کا صحیح مفہوم بھی یہی ہے۔اپنی غیر معمولی ذہانت اور خداداد لیاقت کی بناء پر اُن کی پریکٹس بہت جلد چمک گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کا شمار پنجاب ہائی کورٹ کے ممتاز وکلاء میں ہونے لگا۔کچھ عرصہ بعد پنجاب ''لجسیلٹیو کونسل'' کی ممبری کا اعزاز حاصل ہوگیا۔ایک طرف اُن کی خداداد صلاحیتیں تھیں۔اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کی نگاہِ کرم ۔۔۔۔سرکاری منصب یا عہدہ حاصل کرنے کے لئے جوڑتوڑ اور دوڑ دھوپ اس فن سے ان کی طبیعت کو کبھی مناسبت نہیں رہی۔منصب اور اعزاز کی انہوں نے خود تمنا نہیں کی بلکہ یہ خود اُن کے تعاقب میں رہے۔حکومت نے پیش کش کی کہ وہ پنجاب ہائی کورٹ کا جج بننا قبول کریں انہوں نے یہ پیش کش پسند نہ کی اور شکریئے کے ساتھ انکار کردیا۔لیکن جب میاں فضل حسین چند ماہ کے لئے رُخصت پر گئے۔تو چوہدری صاحب نے چھ ماہ تک قائم مقام''ممبر وائسرائے ایگزیکٹیو کونسل'' کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔**ڈِنر کی بجائے لنچ**۔برِصغیر ہند کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے لندن میں یکے بعد دیگرے جو تین راؤنڈ ٹیبل کانفرنسیں ہوئیں۔اُن سب میں انہوں نے ہندوستان کی نمائندگی کی۔اور بنیادی اہمیت کے مسائل کی ترجمانی کا حق اپنے ضمیر کے اطمینان کی حد تک نمایاں طور پر ادا کیا۔برطانوی ہند کے وائسرائے کا دستور تھا کہ مہینے میں ایک مرتبہ اپنی ایگزیکٹیو کونسل کے کسی ہندوستانی ممبر کے ہاں ڈنر کھانا قبول کرتا۔اس طرح ایک تو حکومت اور ممبروں کے درمیان روابط مضبوط ہوتے اور دوسرے اُسے اس ہندوستانی ممبر کی عزت افزائی سمجھا جاتا۔جب چوہدری ظفراللہ خاں کی باری آئی تو انہوں نے وائسرائے سے کہا کہ'' میرے ہاں ڈنر کی بجائے لنچ قبول کیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔'' ساتھ ہی وجہ بیان کہ ''۔۔۔۔رات کے کھانے پر شراب پیش کرنا میزبان کے فرائض میں شامل سمجھا جاتا ہے۔اور میرے گھر میں یہ چیزیں مہیا نہیں ہوسکتی'' وائسرائے نے چوہدری صاحب کی معذرت کو سمجھ لیا۔اور رات کو کھانے کی بجائے دن کے کھانے کی بات طے ہوگئی۔یہ بات بظاہر معمولی ہے۔لیکن جو لوگ مصلحتوں کے لئے آناً فاناً اُصول قربان کرڈالتے ہیں ان کے لئے عبرت کے پہلو سے خالی نہیں۔

بذلہ سنجی کی ایک مثال۔دیرینہ تعلقات کو وضعداری کے ساتھ قائم رکھنا۔ہر ملاقاتی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور مختصر سی گفتگو سے مخاطب پر اپنی شخصیت اور بالغ نظری کا نقش قائم کردینا اُن کے اخلاق وکردار کی قابل ذکر مثالیں ہیں۔یہ مثال اس اعتبار سے اور بھی دلچسپ ہے کہ اُن سے ملنے والا خواہ کسی علمی استعداد اور ذہنی سطح کا آدمی ہو۔موصوف اپنی خوش خلقی کے باعث اسے کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونے دیتے۔گفتگو کرتے وقت تفنّن طبع اور بذلہ سنجی کا جو بھی موقع مل جائے اُسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جن دنوں چوہدری صاحب پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کراچی آئے۔یہاں ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا۔مَیں بھی اُس میں شریک تھا۔دعوت سے چند روز پیشتر چوہدری صاحب نے مجھے پیغام بھیجا کہ پنڈت نہرو کی واپسی پر مَیں چند روز کے لئے لاہور جاؤں گا۔اس موقع پر تمہاری موٹر میری سواری میں رہے گی۔چنانچہ میں نے لاہور ٹیلی فون کرکے فوراً ہدایت کردی۔دعوتِ استقبالیہ میں چوہدری صاحب سب مہمانوں سے ملتے ملاتے میری طرف بھی آئے اور ہنس کر فرمایا: ''بھائی تجھے میرا کام یاد ہے

۔''میں نے عرض کیا ''۔۔۔۔بھلا باپ کا حکم کبھی بیٹا بھول سکتا ہے۔'' ان کے سامنے میرا ماضی تھا اور والد مرحوم کی زندگی بھی فوراً مسکرائے اور کہا: ''میراں اگر اس طرح میرا حکم مانو گے جس طرح اپنے باپ کا حکم مانتے تھے تو میرا کام ہو چکا۔ہاں اگر اس طرح مانو گے جس طرح میری بات وہ مانتا تھا تو یقینا ہوجائے گا۔اس جملے پر حاضرین نے جن میں میرے بعض عزیز بھی شامل تھے زور کا قہقہہ لگایا کہ سب مہمانوں کی نظریں ہماری طرف اُٹھ گئیں۔ **میکالے کے جملے**۔جوانی کے جذباتی دور میں ایک دفعہ چوہدری صاحب کے سامنے برسبیل تذکرہ میرے منہ سے نکل گیا کہ میکالے کا حافظہ بہت اچھا ہے۔اس کے بعد مجھے میکالے کے دو ایک جملے از بر تھے وہ حرف بحرف سُنا دیئے۔عنفوانِ شباب کا عالم تھا فکر کی پختگی حاصل نہ تھی۔اس موقع پر میں نے لفظ بلفظ جو فقرے سُنائے اس میں ایک طرح اپنی قابلیت کا اظہار مقصود تھا۔یہ کمزوری لوگوں میں عام نظر آتی ہے۔مَیں اپنے آپ کو اس سے بالاتر نہ رکھ سکا۔چوہدری صاحب میری کوشش کی تہ کو پہنچ گئے اور اس سے لطف بھی اُٹھایا۔لیکن یہ بات انہیں ہمیشہ یاد رہی۔چنانچہ آج تک جب بھی ملاقات کا موقع ملتا۔گفتگو کے دوران کسی نہ کسی طور پر میکالے کا ذکر ضرور کر جاتے ہیں۔''۔۔۔۔حتیٰ کہ جب میں نے 1964ء کے آخر میں ''روزگار فقیر'' شائع کر کے اس کا ایک نسخہ اُن کی خدمت میں نیویارک بھجوایا تو انہوں نے اس پر اظہار پسندیدگی فرماتے ہوئے مجھے یہ فقرہ لکھا۔''مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تُم صرف میکالے کے اسکالر نہیں ہو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی کُچھ جانتے ہو۔''

ایک دلچسپ واقعہ۔شیخ اعجاز احمد صاحب نے ایک ملاقات کے دوران مجھے یہ دلچسپ واقعہ سنایا کہ جن دنوں علامہ اقبال اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''پیامِ مشرق'' مرتب فرما رہے تھے۔انہیں ایک مقدمے کی پیروی کے سلسلہ میں جھنگ جانا پڑا۔عجیب اتفاق ہے کہ اُسی مقدمے میں سرعبدالقادر اور چوہدری سرمحمد ظفراللہ خاں بھی پیش ہو رہے تھے۔اور جاتے وقت علامہ اقبالؔ کے ہمسفر تھے۔علامہ مرحوم سفر کے دوران سرعبدالقادر اور چوہدری سرمحمد ظفراللہ خاں کو ''پیامِ مشرق'' کی پیش کش بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں فرمانروائے افغانستان میں جہاں علامہ نے پیرِ مغرب شاعر الانوی (گوئٹے) کا اور اپنا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

اُو چمن زادے چمن پروردۂ	من ومیدم از زمینِ مردۂ
او چو بلبل در چمن فردوس گوش	من بہ صحرا چوں جرس گرم سروش

وہاں انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار بھی ان دونوں احباب کو سنائے تھے۔جو بعد میں کسی وجہ سے ''پیامِ مشرق'' میں شائع نہیں ہوئے اور اب صرف چوہدری صاحب اور شیخ صاحب کے حافظے میں محفوظ ہیں ؎

او ز محبوبی عزیز کشودے	من چو یوسف ہندیٔ سوداگرے
از غلامی ضعفِ پیری از بدن	از غلامی رُوح گرددمارِتن

اس چھوٹے سے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ چوہدری صاحب صرف اعلیٰ قانون دان ہی نہیں ہیں ادب وشاعری سے بھی انہیں گہرا شغف ہے شاید اسی لئے اپنی تحریر اور گفتگو میں اُردو اور فارسی کے معیاری اشعار بیان کر جانا اُن کا معمول ہے۔

ماں کی دُعا۔دوستوں کے ساتھ وضعداری، چھوٹوں کے ساتھ رواداری کا یہ عالم ہے کہ چوہدری صاحب اب بھی جب پاکستان تشریف لاتے ہیں تو اپنے پُرانے دوستوں کو اور اُن کے بچوں کو خاص طور پر بُلواتے ہیں۔اور کوشش یہی کرتے ہیں کہ ان کا میزبان اُن سب کو کھانے پر

مدعو کرے۔ایک سال پہلے کی بات ہے وہ کراچی تشریف لائے میرے لڑکے ایاز الدین نے کہا میں بھی چوہدری صاحب کو دیکھنا چاہتا ہوں لہٰذا میں اُسے اپنے ہمراہ لے گیا۔اس ملاقات میں چوہدری صاحب سے جو گفتگو ہوئی اور مختلف معاملات پر وہ جس انداز سے باتیں کرتے رہے۔ میرا لڑکا جو چند سال قبل ولایت سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہے اس سے بہت متاثر ہوا اور چوہدری صاحب کی غیر معمولی لیاقت وذہانت پر ششدر ہوکر اس نے واپسی پر مجھ سے سوال کیا کہ'' چوہدری صاحب کی اس قدر کامیابی اور ترقی کا راز اُن کی لیاقت اور ذہانت کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔''میں نے کہا''میں تمہیں سب سے بڑا راز بتاسکتا ہوں''ماں کی دُعا'' یہ بات میں نے اِس علم کی بناء پر کہی کہ چوہدری صاحب کو اپنی والدہ ماجدہ سے بے پناہ محبت تھی۔اور وہ ہمیشہ ایک سعادت مند بیٹے کی طرح اپنی ماں کا احترام کرتے رہے۔اُن کی والدہ بھی اپنے فرمانبردار بیٹے پر جان چھڑکتی تھیں اور ہر وقت کی دعاؤں میں اُنہیں یاد رکھتی تھیں۔دُوسرے دن پھر چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے لڑکے کے سوال اور اپنا جواب انہیں سنایا۔چوہدری صاحب نے فرمایا تم نے سچ کہا۔یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لئے گہری سوچ میں پڑ گئے جیسے انہیں اپنی شفیق والدہ کی تربیت اور محبت کا زمانہ یاد آ گیا۔اوران کی بے پناہ شفقت سے محرومی کا احساس جاگ اُٹھا ہو۔**محدود ضروریات**۔سادگی،شرافت،صاف گوئی اور معاملہ فہمی ان کی فطرت ثانیہ ہے۔خُدا نے اُن کو بڑے سے بڑے منصب پر سرفراز کیا۔لیکن انہوں نے کبھی اپنے آپ کو خُدا کے ایک حقیر اور ناچیز بندے سے زیادہ نہ سمجھا۔تکبر اور نخوت کی آلودگی سے اُن کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔اپنی ضروریات کو انہوں نے اس قدر محدود کر رکھا ہے کہ ہزاروں روپے کی ماہوار آمدن ہوتے ہوئے اُن کی اپنی ذات پر چند سو سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔باقی روپیہ ہر ماہ ضرورت مند طلباء اور مستحق غریبوں اور یتیموں کو بھیج دیتے ہیں۔جس زمانے میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے تو اُن کا معمول یہ تھا کہ علی الصبح بیدار ہوکر غسل کرتے۔تولیہ صابن تک خود لے کر جاتے پھر نماز پڑھتے اپنے کپڑوں پر خود استری کرتے۔اس کے بعد اپنے جوتوں پر خود ہی پالش کرتے پھر سیر کے لئے دو تین میل پیدل جاتے اور وقت مقررہ پر اقوامِ متحدہ کے دفتر پہنچ جاتے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دفتر میں ایک منٹ کی تاخیر سے پہنچے ہوں۔۔۔۔ان کی طبیعت میں اس قدر انکسار ہے کہ دنیا اپنے دل میں انہیں کسی اعزاز ومرتبے کی شخصیت سمجھتی ہو وہ اپنا کوئی کام اپنے ہاتھ سے کرنا عار نہیں سمجھتے۔ **لڑکی کی شادی پر**۔میری لڑکی کی شادی کے موقع پر اتفاق سے چوہدری صاحب لاہور میں موجود تھے، مجھے اُن کی موجودگی کا علم نہ تھا لیکن جیسے ہی انہیں معلوم ہوا۔میرے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا:''میں نے سنا ہے کہ آج شام کو تمہاری لڑکی کی شادی ہے اس تقریب میں اگر کوئی کام میرے کرنے کا ہو تو بے تکلفی کے ساتھ کہہ دو۔میں اس کے لئے حاضر ہوں۔'' اُن کی اس بزرگانہ شفقت سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ ''آپ نے آج والد مرحوم کی غیر موجودگی اور ان کی شفقت سے محرومی کے احساس کو دُور کر دیا۔'' شام کو بارات کی پیشوائی کے لئے وہ میزبان کے ہمراہ موجود تھے۔جب مہمانوں کو کھانا پیش کرنے کا وقت آیا تو چوہدری صاحب خود اس انتظام اور نگرانی میں گھر والوں کی طرح شریک تھے ہر مہمان کے پاس خود جا کر پوچھتے اور دیکھتے کہ کہاں اور کس میز پر کس چیز کی ضرورت ہے۔ **تعلقات نباہنے کی وضعداری**۔اکثر سوچتا ہوں ان کی شُہرت دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکی ہے۔ان کے تعارف اور شناسائی کا دائرہ لامحدُود ہے۔سرکاری فرائض اور ذمہ داریوں کے سلسلہ میں ان کی مصرُوفیات اپنی جگہ ہیں۔لیکن ان سب باتوں کے باوجود اُنہوں نے تعلقات ومراسم کے لئے سالہا سال پہلے جو وضع اختیار کی تھی وہ اپنی جگہ قائم ہے۔انہیں دنیا کے کسی کونے سے جب بھی پاکستان آنے

کا موقع ملا ہے مجھے اُسی طرح یادفرماتے ہیں۔اُن کی ہر ملاقات ایک درس ہوتا ہے۔باتوں باتوں میں قرآن وحدیث کے حوالے بھی اکثر دیتے جاتے ہیں۔اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں اُن کا مطالعہ بے حد وسیع ہے۔اُن کے بہت سے لطائف مُجھے یاد ہیں۔مگر وہ انگریزی زبان میں ہیں۔احتمال ہے کہ اردو میں منتقل کرنے سے اُن کا لطف جاتا رہے گا۔اس لئے کہ ہر زبان کا ایک خاص مزاج اور خاص انداز ہوتا ہے۔

(فقیر سید وحید الدین کے ذاتی تاثرات کے مجموعے''انجمن'' سے ماخوذ بحوالہ ہفت روزہ لاہور 7ستمبر 1985ء صفحہ 1و11)

حضرت چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خان صاحب کا اپنی جماعت سے عشق

حضرت چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خاں کا اپنی جماعت سے عشق ملا واحدی اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں

مَیں چوہدری سرظفر اللہ کو جانتا تو اس زمانے سے ہوں جب میاں سر فضل حسین مرحوم نے ان کی ہونہاری محسوس کی تھی اور انہیں پڑھانا شروع کیا تھا لیکن میرا تعارف چوہدری صاحب سے کراچی میں ہوا ہے۔خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہمراہ ان کی کوٹھی پر بارہا گیا اور خواجہ صاحب کے ہاں انہیں بارہا دیکھا۔مگر بات چیت کی نوبت کراچی پہنچ کر آئی اور وہ بھی فقط ایک مرتبہ۔خواجہ صاحب سے اتنے قریبی تعلق کے باوجود بڑے آدمیوں سے سوائے چند کے میرے مراسم نہیں بڑھے۔تاہم میں مطالعہ ہر بڑے آدمی کا کرتا رہا۔

میرے ایک عزیز ہیں، خان بہادر سید علی صاحب محکمہ نمک میں اسسٹنٹ کمشنر تھے، پینشن ہوگئی تو خان بہادر صاحب نے خواجہ حسن نظامی سے خواہش کی کہ چوہدری سرظفر اللہ صاحب سے سفارش کر کے سپلائی ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت دلوادیجئے ۔ چوہدری صاحب ان دنوں وائسرے کی ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر تھے اور سپلائی ڈیپارٹمنٹ ان کے ماتحت تھا۔ہم تینوں چوہدری صاحب کی کوٹھی پر گئے چوہدری صاحب تپاک سے پیش آئے لیکن جوں ہی خواجہ صاحب نے سید محمد صاحب کی ملازمت کا ذکر چھیڑا ان کا رخ سید محمد صاحب سے بدل گیا۔بس اتنا کہا کہ جینکنز کے پاس جایئے۔جینکنز جو پاکستان بنتے وقت پنجاب کے گورنر تھے۔اس وقت سپلائی ڈیپارٹمنٹ کے سیکرٹری تھے چوہدری صاحب خواجہ صاحب سے اور باتیں کرتے رہے اور سید محمد صاحب کی ان کی باتوں میں حصہ لیتے رہے خدا معلوم کیا موقع تھا کہ سید محمد صاحب کی زبان سے نکلا میں نے حضرت صاحب (مرزا بشیر الدین محمود احمد) کو خواب میں دیکھا اتنا سننا تھا کہ چوہدری صاحب کی پوری توجہ سید محمد صاحب کی طرف ہوگئی ۔خواب کو ہمہ تن گوش ہو کر سنا۔نوکری تو سید محمد صاحب کو پھر بھی نہیں دی مگر سید محمد صاحب سے بے رخی جاتی رہی۔ایک دفعہ خواجہ صاحب نے میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ اور چوہدری ظفر اللہ وغیرہ کی دعوت کی۔مغرب کی نماز بھی میاں بشیر الدین محمود احمد نے خواجہ حسن نظامی صاحب کے رین بسیرے میں پڑھی۔میاں صاحب نے جوتیاں جہاں اتاری تھیں وہ جگہ نماز پڑھنے کی جگہ سے دور تھی۔نماز پڑھ چکے تو میاں صاحب جوتیاں ڈھونڈنے لگے چوہدری ظفر اللہ دوڑے اور جوتیاں میاں صاحب کے آگے رکھ دیں۔اپنی جماعت سے اور امیر جماعت سے اور بانئ جماعت حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے چوہدری صاحب جس قدر متاثر ہیں اس کا تیسرا تجربہ مجھے کراچی میں ہوا۔جس زمانے میں احمدیوں کے خلاف سارا پنجاب بھڑک اٹھا تھا اور پاکستان کا پہلا مارشل لاء لگایا گیا تھا اور پنجابیوں نے سینے ننگے کر کر کے گولیاں کھائی

تھیں۔اس زمانے میں چوہدری ظفراللہ صاحب پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔میں نے چوہدری صاحب کولکھا کہ میں فلاں شخص ہوں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں چوہدری صاحب نے فوراً سائیکل سوار کے ذریعے جواب بھیجا کہ بارہ بجے کل آجایئے۔خواجہ صاحب زندہ تھے۔دیر تک ان کی بابت پوچھ گچھ ہوئی پھر فرمایا کہ آپ نے کیسے تکلیف کی ہے۔میں نے عرض کیا۔دلّی میں بہت سے احمدیوں کے ساتھ ملاقات تھی اور وہ احمدیت کے مضامین بیان کرنا چاہتے تھے مگر مجھے ان مضامین سے دلچسپی پیدا نہیں ہوئی لیکن اب احمدیوں کے خلاف تحریک اٹھی تو میرا جی چاہنے لگا کہ سمجھوں تو سہی کہ احمدیت کیا ہے۔یہاں میں کسی احمدی سے واقف نہیں ہوں آپ ایسا احمدی بتا دیجئے جو احمدیت کو سمجھا سکے۔چوہدری صاحب بولے دوسروں سے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے آپ جب فرصت پائیں میرے پاس بے تکلف تشریف لے آئیں میری یہ واحد ہوبی (Hobby) ہے۔مَیں جب امریکہ اور یورپ میں ہوتا ہوں تو تعطیلات میں دیہاتوں کی طرف چلا جاتا ہوں وہاں ہفتوں ٹھہرتا ہوں اور تبلیغ کرتا ہوں۔دیہاتوں میں بے شمار دوست ہیں اور ٹھہرنے کے ٹھکانے ہیں مجھے اور شوق کوئی نہیں ہے سنیما اور سنیما کی قسم کی چیزوں سے واسطہ نہیں رکھتا۔ڈنروں اور لنچوں میں بھی اس لئے شریک ہو جاتا ہوں کہ فرائض منصبی مجبور کرتے ہیں ورنہ حقیقتاً دلچسپی دو ہی کاموں سے ہے یا فرائض منصبی کی یا تبلیغ سے۔چوہدری صاحب قریب ڈیڑھ گھنٹے احمدیت کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔چوہدری صاحب کے کمرے کی چاروں دیوار میں چھت تک کتابوں سے آٹی پڑی تھیں الماریوں کے اوپر الماریاں تھیں اور الماریوں میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔یہ غالباً قانون اور سیاست کی کتابیں تھیں مگر میز کے قریب گھومنے والی الماری میں خالص احمدی لٹریچر تھا چوہدری صاحب الماری گھماتے تھے اور کبھی یہ کتاب نکال لیتے تھے اور کبھی وہ کتاب نکال لیتے تھے۔ایک کتاب نکالی جس میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا کلام تھا۔اسے چوہدری صاحب نے پڑھا تو چشم پرآب ہو گئے۔یہ قصہ اس لئے قلمبند کر دیا ہے کہ چوہدری ظفراللہ خان جو انگریزوں کے دور میں وائسرے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔پاکستان میں وزیر خارجہ رہے اور آج کل دنیا کی سب سے عظیم عدالت انٹرنیشنل کورٹ کے جج ہیں۔لوگ دیکھیں کہ انہیں اپنی جماعت سے کس قدر وابستگی ہے۔(نوائے وقت لاہور 17 نومبر 1963ء)

چوہدری محمد ظفراللہ خاں اور ہمعصر مشاہیر۔میاں محمد ابراہیم کے قلم سے

نمُونہ مشتے از خروارے

ممتاز صحافی مسٹر چنتا مُنی ۔1930ء میں لندن میں پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی ۔سرآغاخاں ،مولانا شوکت علی ،مولانا محمد علی ،سرمیاں محمد شفیع ،مسٹر (جناح) قائداعظم ،سرسید سلطان احمد،نواب صاحب چھتاری،خان بہادر حافظ ہدایت حسین ،سرعبدالحلیم غزنوی ،مولوی ابوالقاسم فضل الحق ،سرغلام حسین ہدایت اللہ، نواب سرعبدالقیوم خاں ،بیگم شاہ نواز اور چوہدری محمد ظفراللہ خاں مُسلمان مندوب تھے اس اجلاس میں چوہدری صاحب نے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے جو تقاریر کیں ،اُن سے متاثر ہو کر آزمودہ کار اور بارسوخ صحافی مسٹر چنتامُنی نے اُن پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:’’رجعت پسندون کے اس اجتماع میں کسی ایک کو اتنی جرأت کے ساتھ بولتے سننا میرے لئے ایک خوش کُن امر ہے۔‘‘ سرسری نواس

شاستری۔ نیزعظیم المرتبت ہندومندوب سرسری نواس شاستری نے جناب چوہدری صاحب سے کہا: میں آپ کی تقریر کواس مجلس میں جس قدر بامقصداورانمول قرار دیتاہوں آپ اس کوباور بھی نہیں کرسکتے۔۔۔۔'' **ہر لفظ دستاویز۔** کچھ عرصہ بعد پارلیمنٹ کے ایک کمرہ میں جب چوہدری صاحب کی اسلام کے اقتصادی نظام کے موضُوع پرتقریر ہوئی تو لارڈ سنکی نے کہا:''مجھے ظفراللہ خاں کے ساتھ کام کرنے کا فخر حاصل رہاہے میں اس کے متعلق صرف یہ کہنا چاہتاہوں کہ جب یہ کوئی یہ بات کہہ دے تواس پر پختگی سے قائم رہتاہے اس کے لفظ ہی دستاویز ہے اس کے دستخط کی ضرورت نہیں رہتی۔۔۔۔''اسی کانفرنس میں جب پنڈت نانک چند نے صوبائی خودمختاری کے ضمن میں یہ کہا کہ دوسرے صوبوں میں تو قانون اورامن عامہ کامحکمہ صوبائی ذمہ دارحکومت کے اختیار میں ہونا چاہئے۔لیکن پنجاب میں نہیں کیوں کہ اس صوبہ میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔اور مسلمان آبادی کا نہایت غیر ذمہ دارعنصر ہیں۔''توچوہدری محمد ظفراللہ خاں نے مسئلہ زیر بحث پرفرمایا کہ میں صرف اتنا کہنا چاہتاہوں کہ اگر یہ امتیاز برتا گیاتو ہماری یہ تمام محنت جوہم برسوں سے کررہے ہیں۔بالکل اکارت جائے گی''اُن کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ لارڈ سنکی نے جواجلاس کی صدارت کررہے تھے۔بڑے جوش میں کہا:''مجھے کلی اتفاق ہے۔''**مسٹرونسٹن چرچل۔** گول میز کانفرنس کے نتیجہ میں حکومت برطانیہ نے اپنی تجاویز قرطاس ابیض کی شکل میں پارلیمنٹ میں پیش کیں مشترکہ کمیٹی کے کام میں اعانت کے لئے ہندوستان سے ایک وفد کمیٹی کے ساتھ شامل کیا گیا جس میں چوہدری صاحب بھی شامل تھے۔جواصحاب کمیٹی کے رُوبروشہادت دینے کے لئے آئے ان میں موٴثر ترین شخصیت مسٹرونسٹن چرچل تھے۔چوہدری صاحب نے اُن پرسوالات کرتے وقت اپنے لب ولہجہ میں اُن کا پورااحترام مدِّنظر رکھا اوروہ بھی خوش اخلاقی سے جواب دیتے گئے۔لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ چوہدری صاحب اُن کے مسلّمات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ''ہندوستان نہ صرف آزادی کا طالب ہے بلکہ اس کے لئے تیار بھی ہے۔''تو اُن کے روّیہ میں تبدیلی ہوئی۔اورانہوں نے سوالات کوٹالنا شروع کردیا۔ایک سوال کوجب دوبار ٹال چکے۔توچوہدری صاحب نے کہا''مسٹر چرچل مجھے یہ مشکل پیش ہے کہ میں باوجوددوبارکوشش کرنے کے اپنا مطلب آپ پرواضح نہیں کرسکا۔مجھے اجازت دیں تو مَیں پھرکوشش کروں'' اس طرح چوہدری صاحب اپنے سوالات کواس طور پرٹالتے رہے کہ جواب میں مسٹر چرچل کوٹالنے کی گنجائش نہ رہی وہ جب بحث ختم ہوئی تومسٹر چرچل نے کہا:''لارڈ چیئرمین!میں نے تومحسوس نہیں کیا کہ مسٹرظفراللہ خاں کو انگریزی اُن کی مادری زبان نہ ہونے کی وجہ سے کوئی مشکل پیش آئی ہو۔۔۔۔''مسٹر چرچل کی شہادت ختم ہوچکی توساری کمیٹی نے دیرتک چیئرز کے ساتھ انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔مسٹر چرچل اپنی کرسی سے اُٹھ کر چوہدری صاحب کے پاس تشریف لائے مصافحہ کیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔اس کمیٹی کے رُوبروتم نے دوگھنٹے تک میراناک میں دم کئے رکھا۔'' **مولانا ظفرعلی خاں۔** نومبر 1945ء میں دورانِ بحث نواب آف ڈیرہ نے خواہش کی کہ کانگرس کے ارکان اپنی تقاریر میں شلوک اورمنتر پڑھ کراپنے دلائل کی پختگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔کیا ہم بھی مجاز ہیں کہ قرآن کریم کی آیات سے استدلال کریں چوہدری صاحب نے کہا آپ بھی ویسے ہیں آزاد ہیں اور چوہدری صاحب نے اپنی تقریر کے ہرنکتے کی تائید میں قرآن کریم سے سند پیش کیا۔آپ کی تقریر کے خاتمہ پرمولانا ظفرعلی خاں اپنی جگہ سے اُٹھ کر چوہدری صاحب کے پاس آئے اور بڑے جوش سے کہا''آج آپ نے تبلیغ کا حق ادا کردیا۔'' **ہاتھوں کو بوسہ دے کر۔** ایک دریدہ دہن شخص راجپالؔ نے ایک نہایت شرمناک کتابچہ''رنگیلا رسول'' شائع کیااور مسٹرجسٹس دلیپ سنگھ نے قرار دیا کہ رسُول اللہ ﷺ کی توہین قانون کی زد میں نہیں آتی اور مُلزم کو

بَری کر دیا۔اس فیصلہ سے مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے لاہور سے شائع ہونے والے ایک جریدے ''مسلم آؤٹ لُک'' میں ایک اداریہ شائع ہوا جس میں مسٹر دلیپ سنگھ کے فیصلہ پر سخت تنقید کی گئی اس پر اخبار کے خلاف توہین عدالت کا نوٹس جاری ہوا مسلمانوں کی ایک مشاورتی مجلس میں قرار پایا کہ اس کیس کی وکالت چوہدری محمد ظفراللہ خاں کریں۔ چوہدری صاحب نے پہلے عدالت پر واضح کیا کہ زیرِ بحث اداریہ ''جائز تنقید'' کی حد سے تجاوز نہیں کرتا اور بحث کے آخر میں کہا ''اگر اس جج متعلقہ کی توہین لازم آتی ہے تو رسُول کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کی سعی میں اگر ہائی کورٹ کے ایک جج کی توہین ہوگئی تو یہ امر ناگزیر تھا جس کی پوری ذمہ داری مسئول علیہم تسلیم کرتے ہیں۔ جب بحث ختم ہوئی تو مولانا ظفرعلی خاں سامعین کے حصہ سے کٹہرے کو ہٹا کر چوہدری صاحب کی طرف لپکے اوران کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر بلند آواز سے کہا ''آج تم نے ان لوگوں کا منہ کالا کر دیا جو کہتے ہیں مسلمانوں میں کوئی قابل وکیل نہیں ملتا۔''

کوزے میں دریا بند کرنے کا معجزہ 41۔1940ء میں چوہدری صاحب کو''امریکن بار ایسوسی ایشن واشنگٹن'' کے اجلاس سے خطاب کی دعوت دی گئی وقت پندرہ منٹ اور موضوع دو تھے۔''WAR EFFORT..INDIA'S'' اور ''INDIA'S LEGAL JUDICIAL SYSTEM'' چوہدری صاحب نے اس مرکب موضوع پر خطاب ختم کیا تو صاحبِ صدر نے آپ کی تقریر کو سراہتے ہوئے کہا۔''ابھی ابھی ہم نے دریا کوزے میں بند کرنے کا معجزہ دیکھا ہے'' **ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ** 1954ء میں چیتھم ہاؤس لنڈن میں'' رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل آفیئرز'' کی سرپرستی میں دولت مشترکہ کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ہندوستان کی طرف سے بھی وفد نے شرکت کی۔سربراہ وفد چوہدری محمد ظفراللہ خاں نے ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جنگ کے مختلف محاذوں پر برطانیہ اوراتحادیوں کی آزادی کے سلسلہ میں پچیس لاکھ ہندوستانی کسی نہ کسی حیثیت میں مختلف انواع کی قربانیاں دیتے رہے ہیں لیکن دولتِ مشترکہ کے سیاستدانو! کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہندوستان کے پچیس لاکھ فرزندوں نے میدانِ جنگ میں مملکت برطانیہ کی آزادی کی خاطر دادِ شجاعت دی ہو لیکن خود ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کا منتظر اوراس کے لئے ملتجی ہو۔'' یہ حالتِ زار دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔''ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہو کر رہے گا۔'' **بے باک انتباہ**۔ یہ اجلاس سہ پہر کو ختم ہوا اور شام کے اخبار''اسٹار'' میں اس تقریر کا ایک ایک لفظ موٹے حروف میں چھپا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد کانگرسی لیڈر مسٹر آصف علی نے چوہدری صاحب سے کہا کہ جن دنوں لندن میں آپ نے یہ تقریر کی تھی، ان دنوں پنڈت نہرو اور کانگرس کے بعض دیگر سرکردہ اراکین اورنگ آباد(دکن) کے قلعہ میں نظر بند تھے ہم کانفرنس کے اس اجلاس کی کاروائی ریڈیو پر سُن رہے تھے۔جب تم نے ''دولتِ مشترکہ کے سیاست دانو! کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے تمہاری تقریر سننے لگے۔ پنڈت نہرو تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب لے آئے جب تُم نے تقریر ختم کی تو پنڈت جی نے کہا: ''اس شخص نے تو ہم سے بھی بڑھ کر بے باکی سے حکومتِ برطانیہ کو متنبہ کیا ہے۔''

آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ۔حکومتِ برطانیہ کی طرف سے''رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز'' کانفرنس میں آزادیٔ ہند کی تائید میں اُسی شام کھانے پر تقریر کی۔اس دعوت میں حکومتِ برطانیہ کے تمام اراکین مدعو تھے۔ چوہدری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا۔''حکومتِ برطانیہ ہندو مسلمان اختلاف کا عُذر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے گریز نہیں کر سکتی۔بے شک یہ مسئلہ مشکل ہے لیکن برطانیہ کا تدبّر اس مشکل کا حل تجویز

کرنے سے عاجز نہیں ہونا چاہیئے۔اگر ہندو مسلم اختلاف ہی سب سے بڑی روک ہے،تو برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس واضح اعلان سے پیش کرسکتا ہے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندوستان کی طرف سے ہندو مسلم اختلاف کا متفقہ حل پیش نہ کیا گیا تو حکومت برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف حل تجویز کرکے اس کی بناء پر ہندوستان کے لئے ایک آئین وضع کرے گی،تقریر کے بعد وزراء نے اس تجویز سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا ۔دو دن بعد لبرل پارٹی کے لیڈر ملے اور چوہدری صاحب کو دیکھتے ہی کہا:''مبارک ہو تمہاری تقریرں کے نتیجہ میں کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرئے ہند لارڈ دیول کو مشورہ کے لئے لندن بلایا گیا ہے۔چنانچہ لارڈ دیول لنڈن تشریف لائے اور ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا۔'' **مؤثر ترین وکالت کا اعتراف**۔جب چوہدری صاحب وائسرائے کونسل میں جانے لگے تو دیوان رام لال ایڈووکیٹ نے مذاقاً کہا''ظفر اللہ! اب تمہاری وزارت کا عہدہ سنبھالنے کا وقت قریب آرہا ہے یا تو تم میرے ساتھ دوستانہ مروّت کا سلوک کرو کہ تم پریکٹس بند کر دو یا پھر میں تمہارے یہاں سے رُخصت ہونے تک رُخصت لے لیتا ہوں۔مقدمات کا فیصلہ تو ایک طرف ہو یا دُوسری طرف اس سے مجھے کچھ پریشانی نہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر کسی روز تُم نے یہ کہہ دیا کہ میرا ملزم تو بے گناہ ہے البتہ کہ قتل ایڈووکیٹ جنرل نے کیا ہے تو چیف جسٹس پھانسی کا پھندا میرے گلے میں ڈال دیں گے۔'' **چیف جسٹس ینگ**۔اور الوداعی ڈنر میں چیف جسٹس ینگ نے تقریر کرتے ہوئے کہا''ایک لحاظ سے میں نے اطمینان کا سانس لیا ہے کہ یہ اب یہاں سے جلد جانے والا ہے۔کیوں کہ اس کی موجودگی اس صوبہ کے امن وامان کے لئے خطرے کا باعث ہورہی تھی۔جب یہ میرے اجلاس کے کمرہ میں داخل ہوتا تھا تو میں چوکس ہوجاتا تھا۔مبادا!اس کے زورِ خطابت کے اثر کے ماتحت مجھ سے سرکار کے حق میں کوئی بے انصافی سرزد ہوجائے۔باوجود اس کے نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی شخص چاہے کسی بھی جُرم کا مرتکب ہوا ہو اسے وکیل کرلیتا تو صاف بچ نکلتا تھا۔ **محمد علی جناح قائداعظم**۔1937ء میں ہندوستانی وفد کی قیادت آپ کے سپرد ہوئی۔آپ کے ساتھ چھ سرکاری مشیر تھے اُن میں نواب زادہ لیاقت علی خاں بھی شامل تھے۔(جو دس سال بعد پاکستان کے پہلے وزیر اعظم ہوئے)چوہدری صاحب نے معاہدہ کی جو شرائط پیش کیں کیبنٹ نے اُنہیں منظور کرلیا۔وزیر اعظم نے کہا کہ ''میں ظفر اللہ کو جانتا ہوں اگر وہ کہتا ہے کہ وہ اس سے آگے نہیں جاسکتا،پھر جو کچھ وہ کہتا ہے وہ ہمیں تسلیم کرنا ہوگا یا معاہدہ ترک کرنا ہوگا۔لیکن اس سے کامن ویلتھ کے دُوسرے ممالک پر خوشگوار اثر نہیں ہوگا۔اس لئے مناسب یہی ہے کہ اُس کی آخری پیش کش کو منظور کرلیا جائے۔''پھر جب 1939ء میں اسمبلی کے اجلاس میں نیا تجارتی معاہدہ پیش ہوا(قائداعظم)محمد علی جناح نے جو آزاد پارٹی کے لیڈر تھے۔اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:''اگرچہ ظفر اللہ کی تعریف میں میرا کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسا ایک باپ کا اپنے بیٹے کی ستائش کرنا لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اُس نے معاہدہ کے متعلق اپنے فرض کو احسن طریقہ سے سرانجام دیا ہے اور اس کے لئے اسے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔میں اُس کی پُوری طرح تائید کرتا ہوں۔''

قائداعظمؒ کے آخری دستخط ع۔ترسے گا سدا تیری قیادت کو زمانہ۔قائداعظمؒ کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکریٹری جناب فرخ امین رقمطراز ہیں کہ بیماری کے پورے زمانے میں قائداعظم نے اُس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جب تک ان میں ذرا بھی سکت باقی رہی۔ہم انہیں کاموں کی اطلاع نہ دیتے لیکن اگر انہیں پتہ چل جاتا تو وہ کام کرنے پر مصر ہوتے۔مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا۔جب انہوں نے یُو۔این۔او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سر محمد ظفر اللہ خاں کو پورے اختیار دینے کے لئے آخری سرکاری کاغذ پر دستخط کیئے۔قائداعظمؒ

اپنی مسہری پر لیٹے ہوئے تھے۔میں نے کاغذ اُن کے سامنے پیش کیا۔اس پر نظر ڈال کر قائداعظمؒ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا ''امین کچھ نظر نہیں آرہا''میں نے یہ سمجھ کر کہ روشنی کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے بجلی روشن کر دی۔قائداعظمؒ نے پھر کاغذ پر نظر ڈالی اور اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے ذرا سی دیر میں نظر وہاں سے ہٹالی۔اور میری طرف دیکھا۔میں سمجھ گیا کہ کاغذ کو پڑھنے میں انہیں اب بھی دقت ہو رہی ہے۔کمرے کی بائیں طرف ایک کھڑکی تھی۔اُس پر موٹا سا پردہ پڑا ہوا تھا۔کھڑکی کے پاس جا کر میں نے پردہ سرکا دیا کہ باہر سے روشنی آسکے۔اس مرتبہ بھی قائداعظمؒ کاغذ کو اچھی طرح نہ پڑھ سکے۔دل کہہ رہا تھا یا اللہ یہ کیا ہوا؟ اتنے میں مجھے دیکھا اور فرمایا''مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ'' میں نے حکم کی تعمیل کی اور پیچھے کی طرف دو تکیے رکھ کر انہیں بٹھانے کی کوشش کی لیکن قائداعظمؒ کے لئے یہ بھی ممکن نہ ہوا کہ وہ اس طرح بیٹھ کر کاغذ پر دستخط کر سکیں۔اس صورت حال سے انہیں بڑی الجھن ہوئی فرمانے لگے''مجھے سہارا دو۔تاکہ میں پوری طرح بیٹھ سکوں'میں نے ہاتھوں کے سہارے سے اُن کے جسم کو اوپر سیدھا کیا۔میں اُن کے سامنے کی طرف کھڑا تھا۔اور میرے دونوں ہاتھ ان کی پسلیوں کے نیچے تھے۔اس طرح اگر وہ کاغذ پر دستخط کرنا بھی چاہتے تو میرے دونوں ہاتھ اُن کے لئے رکاوٹ پیدا کرتے اس لئے میں نے اُن کو ایک ہاتھ سے روکا اور پیچھے کی طرف جا کر اپنے دونوں ہاتھوں پر سنبھال لیا۔اُس وقت میرے دل کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے میں نے شیشے کی کوئی بہت نازک سی چیز پکڑ رکھی ہے اور میری ذرا سی کوتاہی سے بھی اس نازک شیشے میں بل پڑ جائے گا۔قائداعظمؒ نے اس وقت فرمایا مضبوطی سے پکڑو' یہ الفاظ تحکمانہ انداز میں کہے گئے تھے لیکن آواز میں کسی قدر ضعف تھا۔اس طرح قائداعظمؒ نے بڑی مشکل سے اس کاغذ پر دستخط کئے۔اس دستخط کا نقش اب بھی میرے سامنے ہے اس میں قائداعظمؒ کے پچھلے دستخطوں کی سی اُستواری نہ تھی۔اس وقت میرا دل رو رہا تھا۔یہ نحیف جسم اور ہڈیوں کا ڈھانچہ اس شخص کا تھا جس نے برسوں ہندوستانی اور انگریزی سیاستدانوں کا مقابلہ کیا اور جس نے بیشتر مسلمانوں کو ایک منظم اور طاقتور قوم بنایا اس کی آج یہ حالت ہے کہ جب وہ کاغذ پر دستخط کر چکے تو قطعی تھک چکے تھے۔انہوں نے بڑے دردناک انداز میں فرمایا۔''امین میں بھی ہانپ رہا ہوں اور تم بھی ہانپ رہے ہو''

میرا سانس تیز تھا لیکن اس لئے نہیں کہ قائداعظمؒ کو سہارا دینے سے تھک گیا تھا۔میں تو اس لئے ہانپ رہا تھا کہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش نے مجھے تھکا دیا تھا۔میرے ہاتھوں اور میرے جسم سے ملحق پاکستان کی سب سے محبوب شخصیت تھی۔وہ شخص جس کے ایک اشارہ پر لاکھوں آدمی اپنی جان قربان کرنے پر تیار ہو جائیں اور اس وقت اُس کی حالت تھی کہ بیماری کے ہاتھوں میں بے بس تھا۔میرے ذہن میں جو اضطراب پیدا ہوا وہ میرے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔اس لئے قائداعظمؒ کو بستر پر لٹاتے ہی میں تیزی سے باہر نکل گیا۔اور خُوب پھُوٹ پھُوٹ کر رویا۔''(لاہور 5راکتوبر 1985 صفحہ 10۔11)

عظیم قانون داں سر ظفر اللہ خان۔اشرف طاہر

قائداعظم کے قریبی ساتھی بین الاقوامی شہرت کے حامل۔نہایت ممتاز، بلند پایہ قانون دان و مدبر مسلم لیگ کے صدر پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ ہیگ کی عالمی عدالت کے صدر اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 17ویں اجلاس کے پریذیڈنٹ شمالی افریقہ کے مسلم ممالک کی آزادی اور مسئلہ فلسطین کے بارے میں اقوامِ متحدہ میں عربوں کے نڈر اور جری ترجمان و محسن مؤرخہ یکم ستمبر 1985ء کو 92 سال کی عمر میں لاہور میں وفات پا گئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ 9فروری 1893ءکوسیالکوٹ میں پیدا ہوئے والدین نے ظفر اللہ نام رکھا لیکن بعد میں جب آپ حصول تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے تو آپ کے ایک دوست قاضی ظہور حسین صاحب نے وزٹنگ کارڈ چھپواتے ہوئے آپ کے نام کے ساتھ ''محمد'' کے بابرکت لفظ کا اضافہ کر دیا جسے چوہدری صاحب نے نہایت محبت اور عقیدت کے ساتھ ساری عمر نام کا جزو بنائے رکھا آپ کے والد صاحب کا نام چوہدری نصراللہ خاں تھا جو اپنے وقت میں سیالکوٹ کے نامور اور مشہور وکیل تھے۔آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی حسین بی بی تھا جو نہایت خدا رسیدہ شخصیت تھیں آپ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور یہیں سے پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن کرنے کے بعد عازم برطانیہ ہوئے جہاں آپ کنگز کالج لندن میں داخل ہوئے اور لنکن ان سے بارایٹ لا کی ڈگری حاصل کی 1914ء میں وطن واپسی پر قانون کی پریکٹس شروع کی 1926ء سے 1973ء تک آپ کو مختلف حیثیتوں سے ایک ملک وملت کی اس شاندار اور ممتاز رنگ میں خدمت کی توفیق مل سکی جس کا اپنوں اور غیروں سبھی نے برملا اعتراف کیا، 1974ء میں آپ کا بطور صدر عالمی عدالت انصاف دوبارہ تقرر یقینی تھا لیکن آپ نے اپنے ایک خواب کی بنا پر فوراً وزارت امور خارجہ پاکستان چٹھی لکھ دی کہ اراکین عدالت کے انتخاب کے سلسلہ میں میرا نام واپس لے لیا جائے اور یوں تو ہر قسم کی دنیاوی سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنی تمام صلاحتیں اور توانائیاں جماعت احمدیہ کی خدمت میں صرف کرنی شروع کر دیں اور اس مقصد کے لئے آپ ایک معمولی فلیٹ میں فروکش ہو گئے اور جماعت کی خدمت کے لئے تراجم اور تالیف وتصنیف کا کام شروع کر دیا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا اور 1983ء میں آپ خرابی صحت کی بنا پر لاہور آ گئے جہاں آپ وفات تک مقیم رہے۔

گول میز کانفرنس اور قوم۔چوہدری ظفراللہ خان کی سنہری خدمات:۔ کانفرنس لندن میں تین بار منعقد ہوئی (1) نومبر 1930ء تا جنوری 1931ء۔(2)ستمبر 1931ء تا دسمبر 1931ء(3) نومبر 1932ء تا دسمبر 1932ء چوہدری صاحب ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے بطور نمائندہ ان تینوں کانفرنسوں میں شامل ہوئے پہلی دو کانفرنسوں میں مستقبل کے قائداعظم محمد علی جناح بھی شامل ہوئے تھے گول میز کانفرنس اور اس کی تجاویز پر غور کرنے والی پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ 1934ء میں شائع ہوئی جسے 1935ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے پاس کر دیا اور اس کا نام ''گورنمنٹ آف انڈیا'' رکھا گیا جو ہندوستان میں یکم اپریل 1937ء سے نافذ کیا گیا۔ہندوستان کے اس جدید آئین اساسی میں مسلمانوں کے کم وبیش تمام مطالبات منظور کر لئے گئے جداگانہ انتخاب بدستور قائم رہا۔صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات رائج کر دی گئیں سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک جداگانہ صوبہ کی حیثیت دے دی گئی۔پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت (اگرچہ بے حد قلیل) قائم ہوگئی البتہ بنگال سے متعلق مسلم مطالبہ تسلیم نہ کیا جاسکا اور مسلمانوں کی آئینی اکثریت قائم نہ ہوئی۔البتہ کانگریس کا زور وہاں بھی توڑ دیا گیا اس کے علاوہ گورنروں کو اس قسم کی ہدایات جاری کر دی گئیں کہ صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کو ایک تہائی ضرور ملنا چاہئے اور ان کامیابیوں کا سہرا چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحب کے سر تھا جنہوں نے کامیاب وکالت کو خیر باد کہہ کر چار سال تک اپنی لگاتار کوششیں ملک کی آئین سازی کے نقشہ میں مسلم حقوق کا رنگ بھرنے کے لئے وقف کئے رکھیں۔اسلامی ہند کی مسلمانوں کی تاریخ میں چوہدری ظفراللہ کا اسلامی حقوق کی پاسبانی وترجمانی کا فریضہ جس خوش اسلوبی سے ادا کیا اس پر ہندی مسلمانوں نے کھلے دل سے خراجِ تحسین ادا کیا اور سیاسی معاملات میں آپ کی بلندیٔ فکر واصابت رائے کا سکہ بڑے بڑے مدبراں سیاست کے قلوب پر بیٹھ گیا اور مسلمانوں نے مدلل و پرزور تقریروں پیچیدہ مسائل

میں برمحل راہ نمائی سے امت مسلمہ کی شاندار خدمات کا اقرار کیا اور جب آپ لندن سے واپس آئے تو آپ کا شاندار استقبال کیا گیا اور 1934ء میں آپ آنرایبل سرمیاں فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹوکونسل کے بلا مقابلہ ممبر منتخب کر لئے گئے۔ 24/اکتوبر 1934ء میں آپ کی لفظی تصویر پیش کرتے ہوئے لکھا، دراز قد مضبوط اور بھاری جسم عمر چالیس سال سے زیادہ گندمی رنگ چوڑا چکلا چہرہ۔فراخ چشم،فراخ عقل، فراخ علم قوم مسلمان عقیدہ قادیانی چپ رہتے تھے اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر اور بہت احتیاط کے ساتھ پورا تول کر بولتے ہیں۔سیاسی عقل ہندوستان کے ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔وزیراعظم ہند۔وزیرہند اور وائسرائے اور سب سیاسی انگریز ان کی قابلیت کے مداح ہیں۔اور ہندو لیڈر بھی بادلِ نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانشمند حریف ہے اور بڑا ہی کارگر حریف ہے گومیز کانفرنس میں ہر ہندو اور مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو فضول اور بے کار بات زبان سے نہیں نکالتا اور نئے زمانہ کے پالیٹکس پیچیدہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو وہ۔چوہدری ظفر اللہ قادیانی ہے میاں فضل حسین قادیانی نہیں ہیں مگر وہ اس قادیانی کو اپنا سیاسی فرزند اور سپوت بیٹا تصور کرتے ہیں۔ظفر اللہ ہر انسانی عیب سے پاک اور بےلوث ہے''۔ہم آپ کی ان حالیہ مصروفیتوں اور خدمات اسلامی کو معرض محبت میں لانا چاہتے ہیں جن کے لئے آپ کو بہت بڑے ایثار سے کام لینا پڑا ہے آج چار سال قبل سے آپ اس پریکٹس پر لات مار کر جس کی آمدنی اوسطاً پانچ چھ ہزار ہے محض ملت اسلامی کی خدمات انجام دینے کی خاطر انگلستان میں بڑی تندہی کے ساتھ کام کر رہے ہیں جن کو نہ صرف پنجاب کے بلکہ تمام ہندوستان کے مقتدر اور چوٹی کے راہنماؤں نے تسلیم کیا۔

مسلم لیگ کی صدارت۔آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے اور 1931ء میں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مقرر ہوئے ۔مسلم لیگ کا اجلاس دہلی 26/دسمبر 1931ء کو مسجد فتح پوری کے جیون بخش ہال میں زیر صدارت سرمحمد ظفر اللہ خان منعقد ہونا قرار پایا تھا۔لیکن کئی روز سے احراریوں اور کانگریسی علماء نے جلسہ میں رکاوٹ ڈالنے اور چوہدری کو محض احمدی ہونے کی وجہ سے بدنام کرنے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔اور آپ کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔اور بالآخر ہال پر قبضہ کر لیا۔جس پر مُسلم لیگ کے ایک سو(100) مندوبین خانصاحب نواب علی صاحب کی کوٹھی واقعہ کیلنگ روڈ نئی دہلی میں جمع ہوئے خان صاحب ایس ایم عبداللہ صدر مجلس استقبالیہ کے خطبہ کے بعد سر مولوی محمد یعقوب صاحب سیکریٹری مسلم لیگ نے لیگ کونسل کے انتخاب کے مطابق چوہدری سرظفر اللہ خان صاحب سے فرائض صدارت ادا کرنے کی درخواست کی۔اور چوہدری صاحب کرسی صدارت پر بیٹھ گئے۔اور ایک مضبوط اور فاضلانہ خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا۔اس خطبہ میں آپ نے مسلم نقطہ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ملک کے تمام پیچیدہ اور لاینحل مسائل مثلاً وفاق،وفاقی مجالس قانون،مالیات وفاق،حق رائے دہندگی،عدالت وفاق،صوبہ جاتی خود مختاری مسلمانوں کے اساسی حقوق،وغیرہ پر سیر حاصل روشنی ڈالی،اور نہایت صاف اور واضح لفظوں میں مسلمانوں کے مؤقف کی معقولیت مہر نیم روز کی طرح روشن کر دکھائی۔یہ خطبہ صدارت مسلم لیگ کی تاریخ میں نہایت درجہ اہمیت رکھتا ہے۔جسے اسلامی پریس نے بے حد سراہا چنانچہ چند مسلم اخبارت کی آراء درج ذیل ہے۔روز نامہ انقلاب اخبار یکم جنوری 1932ء کے پرچہ میں خطبہ صدارت درج کرتے ہوئے لکھا۔''چوہدری ظفر اللہ خان صاحب آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا۔ اس میں سیاسیات ہند اور سیاسیات اسلامی کے تمام مسائل پر نہایت سیاست سادگی اور سنجیدگی سے اظہار خیالات فرمایا''۔ اخبار الامان دہلی

30؍دسمبر 1931ء نے لکھا کہ ’’جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تجاویز اوراس کے خطبۂ صدارت کاتعلق ہے اس میں پوری پوری مسلمانان ہندکی ترجمانی کی گئی ہے۔اوراس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ بروقت مسلمانانِ ہندکی صحیح ترجمانی کرنے میں یہ اجلاس گزشتہ جلسوں سے زیادہ کامیاب رہا۔‘‘وزیراعظم کے اس تاریخی اعلان پر جواس نے 2؍دسمبر کوگول میزکانفرنس میں پیش کیا گیا تھامایوسی کا اظہار یا افسوس کیا گیاہے۔اور یہ بتایا گیا کہ جب تک وہ مسلمانوں کےفلاں فلاں مطالبات نہ منظور کریں۔اس وقت تک مسلمان محض اعلان سے ہرگز مطمئن نہیں ہوسکتے۔اس طرح ایک اہم تجویز آل انڈیا مسلم لیگ اورآل انڈیا مسلم کانفرنس کومتحد کرنے لئےمنظور کی گئی جس پر مسلمانوں حتیٰ کہ اہل انگلستان کالوہامانے ہوئے ہیں۔ (اخبار انقلاب لاہور۔13؍جولائی 1941ء لکھتاہے کہ’’سرسموئیل ہورور زیرہند نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میزکانفرنسوں کوجن مشکلات کا سامنا کرنا پڑاانہیں حل کرنے لئےقیمتی اورنتیجہ خیر خدمات سرمحمدظفراللہ خان نے انجام دیں۔‘‘ جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار سیاست لاہور(19؍اکتوبر 1934ء) نے لکھا ہے۔’’چوہدری صاحب بارہا مسلمانوں کی طرف سے پنجاب کونسل میں نمائندہ بن کرآئے۔ایک دفعہ اُن کو اعزاز بلا مقابلہ نصیب ہوا۔کونسل کے اندرمسلمانوں کے عام مفاد کی نمائندگی کرتے رہے۔سائمن کمیشن میں انہوں نے مسلم نمائندہ کی حیثیت سے کام کیا۔مسٹرفضل حسین کی جگہ عارضی طور پروزیرمقرر ہوئے اورگول میزکانفرنس میں مسلم نمائندہ کی حیثیت سے لئے گئے۔چوہدری صاحب نے جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی خدمت کی وہاں ہمیشہ مفادملت کاخیال رکھا کسی بھی موقع پر ان کے کسی بدترین دشمن کوبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ انہوں نے قادیانیت کومفادِاسلام پر ترجیح دی۔انہوں نے لندن میں اپنااور مسلمانوں کانام روشن کیا۔مسٹرآغاخان اوردوسرے مسلمان ان کی قابلیت،محنت،جانفشانی،اورمفادِاسلام کے لئے ان کی عرق ریزی کے مداح رہے۔‘‘اخبارمسلم آواز کراچی جون 1952ءلکھتاہے کہ ’’سرظفراللہ خاں کے متعلق قائداعظم محمدعلی جناح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ’’ظفراللہ خاں کا دماغ خداوندکریم کازبردست انعام ہے‘‘۔اخبار’’شہباز‘‘لاہور6؍جولائی 1941ء نے لکھا کہ ’’1930ء میں ہندوستانی اصلاحات کے سلسلے میں لندن میں گول میزکانفرنس کے اجلاس شروع ہوئے سرمحمدظفراللہ خاں تینوں گول میزکانفرنسوں اورہندوستانی اصلاحات سے متعلق دونوں ہی ایوانوں کی مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے مندوب تھے ان کانفرنسوں اورکمیٹی میں آپ نے جوشاندار خدمات سرانجام دیں اُن سے ہندوستان میں اورہندوستان سے دلچسپی رکھنے والے برطانوی حلقوں میں آپ کی شہرت میں بہت اضافہ ہوگیا۔مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے چیئر مین لارڈ لینلیتھگو تھے۔اس کمیٹی میں سرظفراللہ خان نے جوکارہائے نمایاں سرانجام دیئے انہیں بے حدمقبولیت ہوئی اورانہوں نے برطانیہ کے صفِ اوّل کے بعض ممتازترین مثلاً چیمبرلین اور مارکوئیس آف سالبری کے رشتۂ دوستی سے منسلک کردیا۔سرظفراللہ خاں نے انگلستان کے ہوشیار ترین مباحث اورسیاست دان چرچل پرزبردست جرح کی۔مسٹر چرچل کمیٹی کے سامنے شہادت دے کرفارغ ہوئے توسرظفراللہ خاں سے ازراہ مزاح کہنے لگے آپ نے کمیٹی کے سامنے مجھے دوگھنٹے بہت بری طرح رگیداہے۔‘‘الخیل دہلی نے اپنے یکم جنوری1932ء کے پرچہ میں لکھا کہ

’’چوہدری ظفراللہ خاں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں جوخطبۂ صدارت ارشادفرمایا وہ اپنی نوعیت اورسودمندی کے اعتبار سے وقت کاایک اہم خطبہ ہے۔اوراس میں مسلم جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے،ہم چوہدری صاحب کےممنون ہیں کہ آپ نے مسلم جذبات کی سچی وکالت کی اورحکومت اوردنیا کوایک دفعہ اورمتنبہ کردیا کہ اگرمسلمانوں کے حقیقی مطالبات منظورنہ کئے گئے اورانتخاب جداگانہ کے قیام میں

پنجاب و بنگال میں مسلم اکثریت کے تحفظ، سندھ کی غیر مشروط علیحدگی اور سرحد کو حقیقی اصلاحات عطا کرنے کی طرف مستورانہ اقدام نہ اٹھایا گیا تو یہاں کوئی آئین کامیاب نہ ہوگا، اور مسلمان ہرگز مطمئن نہ ہوں گے مسلم حقوق کی وکالت کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ بہت درست تھا۔ تمام خطبہ آپ کی فاضلانہ اور دلیرانہ جذبات کی ترجمانی ہے۔آپ نے اس خطبۂ صدارت میں جن گراں قدر خیالات کا اظہار کیا ہے۔حقیقت میں وہی مسلمانوں کے خیالات ہیں اس خطبہ کو پڑھ کر مخالفین کو یقیناً اپنے احتجاجی فعل و عمل پر افسوس ہوا ہوگا اور ہونا بھی چاہئے۔'' الغرض آپ قائداعظم کے ایسے معتمد خاص تھے کہ قائداعظم انہیں اپنا سیاسی فرزند قرار دیتے تھے اور جب کبھی آپ سفارتی فرائض ادا کرنے کے بعد واپس لوٹتے تو قائداعظم ان سے معانقہ فرماتے اور یہ اعزاز کسی اور کو نہیں ملا۔ بلاشبہ آپ بہترین وکیل بہترین جج بہترین فلاسفر، بہترین مدبر، اور بہترین مصنف تھے۔آپ اس قدر بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔جن کا احاطہ ممکن نہیں یہ گوہر نایاب وجود ایک بھرپور کامیاب زندگی بسر کرنے کے بعد ہزاروں من مٹی کے نیچے محو استراحت ہے۔ جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔مدتوں برسوں۔

(روزنامہ معراج کراچی 18و19 ستمبر 1985ء صفحہ نمبر 35)

نوائے وقت لاہور میں چھپنے والی حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ کی قلمی تصویر۔مرزا غلام صادق ادیب فاضل

(پاکستان کے مشہور اخبار نوائے وقت لاہور کی اشاعت 24 اگست 1948ء میں مرزا غلام صادق ادیب فاضل کے قلم سے حضرت چوہدری سر ظفراللہ خان صاحبؓ کے متعلق ایک قلمی تصویر شائع ہوئی، جس کو بعینہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔) عنوان دیکھ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے چوہدری ظفراللہ خاں کی قلمی تصویر کھینچنے کے لئے قلم تو اُٹھایا ہے لیکن جس قسم کی تصویر کی ضرورت ہے آیا وہ کھینچ سکے گی؟ نوائے وقت کے اس صفحہ پر ایسے ہیروز کی قلمی تصاویر دیکھی جا چکی ہیں جن کی خدمات کی آب و تاب سے دنیا کی نظریں خیرہ ہیں، ظفراللہ کی تصویر ان ابطال کی رنگین اور روشن تصاویر کے مقابل ماند نہیں پڑ جائے گی؟ چوہدری ظفراللہ خاں کے حالات زندگی مختصراً یہ ہیں: 1893ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔والد صاحب کا نام چوہدری نصراللہ خاں، دادا کا نام چوہدری سکندر خاں۔ساہی قوم سے ہیں جو کسی زمانہ میں عام طور پر منٹگمری کے علاقے میں آباد تھی اور جس کی رعایت سے منٹگمری کو ساہی وال بھی کہا جاتا ہے۔آپ کے خاندان کی دو شاخیں ابھی تک ہندو ہیں باقی سکھ یا مسلمان ہیں لیکن جس شاخ سے آپ کا تعلق ہے وہ قریب قریب بارہ پشتوں سے مسلمان چلی آ رہی ہے۔اپنے والدین کی چھٹی اولاد تھے، آپ سے پہلے ان کے پانچ بچے مر چکے تھے اس لئے بچپن میں پرورش بہت لاڈ پیار سے ہوئی۔ 1907ء میں انٹرنس کا امتحان دیا اور کامیاب ہو گئے، 1911ء میں بی اے کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بغرض تعلیم ولایت روانہ ہو گئے۔ 1911ء سے 1914ء تک بہ سلسلہ تعلیم لندن میں مقیم رہے۔پہلی عالمگیر جنگ شروع ہونے کی وجہ سے پیشتر غیر ملکیوں نے لندن کو خیر باد کہا تو آپ بھی نومبر 1914 میں وطن واپس آ گئے اور اپنے والد کے ساتھ پریکٹس شروع کرنے لگے۔1916ء تک یہی سلسلہ جاری رہا، اس سال کے اگست کے مہینے میں Indian Cases کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے اور لاہور میں آ گئے، یہاں ہائی کورٹ میں

پیش ہونے کے مواقع بھی ملنے لگے۔اس کے بعد انہوں نے ترقی شروع کی اور غیر منقسم ہندوستان میں حکومت انگریزی کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے جن میں جج فیڈرل کورٹ اور ہائی کمیشنر آف انڈیا جیسے جلیل القدر عہدے بھی شامل ہیں۔ چوہدری سرظفراللہ خاں کے ان حالاتِ زندگی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ذہین اور خوش قسمت انسان ہیں اور قدرت نے انہیں اچھی تعلیم حاصل کرنے اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا موقع دیا۔ان کی نجی زندگی کے چند واقعات یہ ہیں:۔جب دس برس کے تھے تو آنکھیں دکھنے آ گئیں اور اس آشوب چشم نے ایسی شدت اختیار کی کہ بعض مرتبہ ہفتوں تک تاریک کمرے میں بند رکھے جاتے، پورے چھ برس تک آنکھوں کی اس بیماری میں مبتلا رہے۔ 1923ء میں ایک مرتبہ لاہور سے دہلی جا رہے تھے کہ راہ میں کرتار پور اور جالندھر کے درمیان موٹر ایک چھکڑے سے ٹکرا گئی، چوہدری صاحب کو شدید چوٹیں آئیں۔جالندھر ہسپتال میں داخل رہے دو روز تک وہیں رہے پھر لاہور لا کر یہاں ہسپتال میں داخل کیا گیا اور ڈیڑھ ہفتے تک علاج ہوتا رہا۔1938ء میں والدہ بیمار پڑ گئیں تو آپ انہیں دہلی سے شملہ اور شملہ سے دہلی لئے لئے پھرے سفر اور بے آرامی کی صعوبتیں برداشت کیں۔تا کہ پیاری ماں تندرست ہو جائے مگر قدرت انہیں دنیا سے اٹھا لینا چاہتی تھی، 15 مئی کو مرحومہ چل بسیں۔چوہدری صاحب کو اپنی والدہ سے بے پایاں محبت تھی، ان کی موت سے بہت قلق ہوا اور ان کی یادگار کے طور پر ایک کتاب ''میری والدہ'' لکھی۔یہ ہیں چوہدری سرظفراللہ خاں کی نجی زندگی کی دو ایک جھلکیاں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب دل انسان ہیں اور انہوں نے مصائب کے باوجود ترقی کی ہے۔اب تک کے حالات میں وہ چیز کہیں نہیں ملتی جس سے ایک انسان قومی ہیرو کی حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔لیکن یہ حالات اس زمانہ تک ہیں جب ظفراللہ اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے ذاتی زندگی کے لئے کام لیتے رہے، اس تک دنیا انہیں محض ایک کامیاب وکیل اور کامیاب سرکاری افسر ہی سمجھتی تھی لیکن جونہی آپ نے خدمت ملت کے میدان میں قدم رکھا اور مسلمانوں نے آپ کو نگاہ قبولیت سے دیکھا ظفراللہ کا نام ایک بطل کی حیثیت سے مطلع شہرت پر پوری آب وتاب سے چمکنے لگا۔

چوہدری سرظفراللہ خاں کی زندگی کے اس دور کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں اور فوراً یہ خدمت انجام دینے کی حامی بھر لی۔جو افراد کمیشن کے ارکان کی حیثیت سے جج بنا کر بٹھائے گئے تھے وہ باعتبار اور تجربہ وصلاحیت میں آپ کے مقابلے میں طفلانِ مکتب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔لیکن قائداعظم کی خواہش تھی کہ ظفراللہ کمیشن کے سامنے ملت کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں اس لئے آپ نے بلا تامل یہ کام اپنے ذمہ لے لیا اور اسے اسی قابلیت سے انجام دیا کہ قائدآعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو این او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔باؤنڈری کمیشن کے سامنے جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا لیک سکس (Lake Success۔ناقل) میں آپ کی مدلل اور پرزور تقریروں سے بین الاقوامی حلقے گونج اُٹھے تو اس نام کے وزن اور اہمیت میں اور اضافہ ہوا۔یو این او میں فلسطین کا قضیہ پیش تھا، چوہدری صاحب نے اس میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ایسی مؤثر تقریریں کیں جن سے حالات کا پانسہ پلٹ گیا۔یہودی نمائندے اس پر روز دے رہے تھے کہ خانماں برباد یہودیوں کو آباد کرنے کے لئے فلسطین میں یہودی حکومت قائم کر دینی چاہیے۔یو این او کے کارکن اس ''دردانگیز فریاد'' سے متاثر تھے لیکن جب چوہدری ظفراللہ خاں اس مسئلے میں تقریر کرنے اُٹھے تو آپ نے صرف

چند فقروں میں اس فریاد کی غیر معقولیت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا آپ نے کہا کہ ''کیا دنیا کی حکومتیں محض خانماں برباد انسانوں کی خواہشات کے مطابق اپنے قوانین کو نظرانداز کرنے کے لئے تیار ہیں جو انہوں نے انتقال وطن کے بارے میں وضع کرر کھے ہیں، اگر پنجاب کے پچاس لاکھ خانہ بدوش برباد باشندے اچانک امریکہ میں آن بسنے کا فیصلہ کرلیں تو کیا امریکی حکومت انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے گی!؟ اگر یہ صورت حال امریکہ میں ممکن نہیں تو فلسطین میں کیوں ممکن سمجھی جارہی ہے!؟'' پاکستانی قائدوفد کی اس زبردست دلیل سے یہودیوں کے مکروفن اور امریکہ کی یہودنوازی کا کریہہ چہرہ بے نقاب ہوگیا۔عرب ممالک میں ظفراللہ کی اس تقریر سے انہیں ایک زبردست مقرر اور بطل جلیل سمجھا جانے لگا چنانچہ جب آپ یواین او کا اجلاس ختم ہونے پر نیویارک سے عازم کراچی ہوئے اور راہ میں تین دن کے لئے دمشق میں قیام کیا تو حکومت دمشق کی جانب سے آپ کا شاہانہ استقبال کیا گیا،فضائی مستقر پر دمشق کے بڑے بڑے نمائندے اور خاص افسروں کے علاوہ صدر جمہوریہ شام کے خاص نمائندے بھی آپ کے استقبال کے لئے پہنچے اور آپ کو بصد تکریم واعزاز شاہی محل میں لے جایا گیا جہاں آپ نے صدر جمہوریہ سے ملاقات کی۔دو دن بعد مفتیٔ اعظم فلسطین حضرت امین الحسینی نے آپ سے ملاقات کی،مفتی اعظم کی حریت پسندی روایتی شہرت رکھتی ہے۔یواین او میں ظفراللہ کی تقریروں سے مفتیٔ اعظم جیسا انسان بھی اتنا متاثر ہوا کہ انہوں نے ملاقات کے وقت چوہدری صاحب کو ایک بیش قیمتی تسبیح ،ایک عطر کی شیشی اور ایک نفیس فاؤنٹن پین بطور تحفہ دیا۔اسی روز شامی یونیورسٹی الجامعہ السوریا میں آپ کی تقریر ہوئی۔یہ تقریر جو طوالت کے خوف سے درج نہیں کی جاتی،اس قدر مؤثر تھی کہ حاضرین اور طلبا نے بے اختیار ہوکر ''ظفراللہ خاں زندہ باد'' کے نعرے بلند کیے اور ہر شخص کہتا تھا ''رجل عبقری'' (یہ شخص عدیم النظیر شخصیت کا مالک ہے)۔قائداعظم مردم شناسی اور خدمت نوازی میں دیرینہ شہرت رکھتے تھے،وہی سر محمد ظفراللہ خاں جو حکومت برطانیہ کے ایک پرزے کی حیثیت سے مسلم لیگ سے دور دور جارہے تھے،جب انہوں نے ملک اور ملت کی شاندار خدات انجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے کے لئے تیار ہوگئے جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے،قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلاتامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنادیا۔لیکن ابھی ظفراللہ کے ہاتھوں وہ زبردست کارنامہ انجام پانا باقی تھا جس سے ان کا نام تاریخ پاکستان میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ہندوستان نے کشمیر کا قضیہ یواین او میں پیش کردیا۔چوہدری صاحب نیویارک پہنچے۔16 فروری 1948ء کو آپ نے یواین او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک و ملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تک تقریر کی۔یوں تو اور بھی بہت سی طویل تقریریں ریکارڈ پر موجود ہیں لیکن ظفراللہ کی تقریر ٹھوس دلائل اور حقائق سے لبریز تھی۔مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تک ایسی پرمغز سیاسی تقریر کرنا کھیل نہیں جس میں ایک لفظ کی چوک سے مقدمہ ہار جانے اور اپنے ملک کی سبکی ہونے کا احتمال ہو اس کو بجا طور پر تلوار کی دھار پر چلنا کہہ سکتے ہیں لیکن چوہدری صاحب نے یہ کام اس خوبی سے انجام دیا کہ لوگ حیران وششدر رہ گئے۔یواین او میں قضیہ کشمیر کی بحث درحقیقت ایک دماغی جنگ تھی پورے چار ماہ تک مباحثہ جاری رہا ،ہندوستانی وفد کے ارکان بھاگے بھاگے پھرتے رہے،نیویارک سے دہلی آکر اپنی حکومت سے مشورہ کرتے پھر نیویارک پہنچتے اور وہاں سے پھر نئی دہلی آتے مگر وہ شکست سے بچ نہ سکے۔ظفراللہ نے انہیں چاروں شانے چت گرایا بلکہ انہیں کیا اصل میں حکومت ہندوستان کو شکست ہوئی۔ظفراللہ خاں کا وزیر خارجہ مقرر ہونا بھی اس کی روشن دلیل ہے کہ مسلمان قوم احسان فراموش نہیں ہے اور وہ اپنے ابطال کی قدر کرتی ہے لیکن

مسلمان قوم کی احسان شناسی کا ثبوت اس عہدے کی تفویض سے کہیں زیادہ یہ ہے کہ وہی چوہدری ظفر اللہ خاں جنہیں قومی اسٹیج پر کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی آج پاکستان کی ان شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں جو اس وقت مقبول ترین ہیں اور جن کا سچے دل سے احترام کیا جاتا ہے۔کشمیر کا (قضیہ) ظفر اللہ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان (کبھی) نہ بھولیں گے۔(نوائے وقت لاہور 24اگست 1948ء صفحہ 22,8)
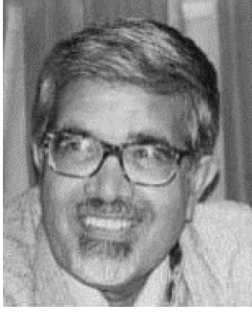
اقبال اخوند کی خودنوشت۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب ؓ کا ذکرِ خیر

(تحریر: پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)

جناب اقبال اخوند پاکستان کے جانے پہچانے اور مشہور سفارت کار تھے۔آپ نے ملازمت سے فراغت کے بعد اپنی خودنوشت "Memories of a By Stander" کے عنوان سے انگریزی میں لکھی۔اخوند صاحب کا تعلق سندھ سے ہے مگر ان کی بیگم مشرقی پاکستان حال بنگلہ دیش سے تعلق رکھتی ہیں۔ان کی زندگی کا بیشتر حصّہ ملک سے باہر گزرا مگر ملک کے اندر باہر کے سیاسی وسماجی تغیرات ان کی نگاہ دوربین سے اوجھل نہیں رہے۔سفارت کار ہونے کے ناطے ان کے نظریات اس طرح الم نشرح نہیں ہوسکتے تھے جس طرح دوسرے لوگ علی الاعلان اپنے احساسات وتعصّبات کا اظہار کرسکتے ہیں۔مگر ملازمت سے فراغت کے بعد آپ نے اولین فرصت میں اپنی یادداشتوں کو بیان کردیا ہے۔ان کا زیادہ حصّہ یو این او سے متعلق ہے اور یو این او کا حلقہ تیسری دنیا کے ہر ملک کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

اقبال اخوند صاحب یو این او سے متعلق لکھتے ہیں: ''چوہدری ظفر اللہ خان (جو پرنس علی خان کے بعد یو این او میں پاکستان کے مستقل نمائندے بن کر آگئے تھے) جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوگئے اور اس عہدہ کے اعزاز میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔انہوں نے اس عہدہ کی شہرت کو چار چاند لگادئے جو اُن سے قبل کوئی نہیں کرسکا تھا یعنی اسمبلی کے اجلاسوں کا عین وقت پر شروع کردینا۔ان کا طریق بڑا اجرأت مندانہ اور سادہ تھا ۔وہ عین ساڑھے دس بجے سٹیج پر آتے،اپنی کرسی پر متمکن ہوتے اور صدارتی ہتھوڑا میز پر مارتے۔شروع شروع میں مندوبین بڑے بے مزہ ہوئے مگر رفتہ رفتہ عادی ہوگئے۔چنانچہ ایک اجلاس بھی ایسا نہ ہوا جو وقت پر شروع نہ ہوا۔حتّٰی کہ وہ اجلاس بھی عین وقت پر شروع ہوگیا جس میں الجیریا کو لمبی تگ ودو کے بعد آخر یو این اسمبلی کا رکن بننا اور اپنی جگہ سنبھالنا تھی۔مصیبت یہ تھی کہ الجیریا کا وفد ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔چوہدری ظفر اللہ خان نے اپنے دستور کے مطابق ہتھوڑا میز پر مارا اور اجلاس کی کارروائی شروع کرنے کا اعلان کردیا (گویا ہیلمٹ کا ڈرامہ پرنس آف ڈنمارک کے بغیر ہی شروع ہوگیا) اتنے میں اسمبلی کا چیف آف پروٹوکال الجیریا کے وفد کے ساتھ ہانپتا کانپتا ہال میں داخل ہوا''۔(صفحہ 59-58) یہ گواہی ایک عینی گواہ کی ہے اور ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو حقائق کا جانتے بوجھتے ہوئے بھی اخفاء روا رکھتے ہیں۔مگر اقبال اخوند کو داد دینی چاہئے کہ انہوں نے اپنی گواہی بہ تمام کمال دنیا تک پہنچادی اور کسی تعصب کو اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب سلامتی کونسل میں کشمیر کا سوال دوبارہ اٹھایا گیا تھا۔اس ضمن میں بھی ان کی گواہی پڑھنے کی ہے۔''سلامتی کونسل میں کشمیر کا سوال اٹھایا گیا تو انڈیا کے نمائندہ مسٹر کرشنا مینن نے اپنے مخصوص انداز میں پانچ گھنٹے تک تقریر کی اور حسب معمول اِدھر اُدھر کی ہانکتے رہے کہ ''پاکستان میں بنیادی

جمہوریت رائج ہے مگر ہمارے ہاں جمہوریت بنیادی ہے''۔وغیرہ۔کشمیر کے بارہ میں انہوں نے کہا کہ جموں اور کشمیر انڈیا کا حصہ بن چکا ہے کیونکہ مہاراجہ کے الحاق کر دینے کے بعد ریاست میں کئی بار انتخاب ہو چکے ہیں اور اس بات کی تصدیق کی جا چکی ہے اس لئے پاکستان کے موقف میں کوئی جان نہیں ہے۔یہ پہلا موقعہ تھا کہ انڈیا نے یواین سی آئی پی (یونا یٹڈ نیشنز کمیشن فار انڈیا اینڈ پاکستان) کے ریزولیوشنز کے خلاف موقف اختیار کیا۔ظفراللہ خان نے نہ صرف اس (کرشنامینن) سے ایک گھنٹہ زیادہ تقریر کر کے بلکہ قانونی لحاظ سے انڈیا کے موقف کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے''۔(صفحہ 71) میری کتاب ''پس نوشت'' میں کسی جگہ ایک شپرہ چشم سول سرونٹ ہاشم رضا کی بات بیہودہ ہے کہ:''سرظفراللہ خان کو امور خارجہ کے معاملہ میں قابل ترین آدمی قرار دینا محض پراپیگنڈہ تھا اور یہ کہنا کہ وہ اقوام متحدہ میں مسحور کن اثر رکھتے تھے ان کی غلط تصویر کشی کے متراف تھا''۔('ہماری منزل' صفحہ 114) ہاشم رضا کو یہ ساری باتیں اس لئے نظر آئیں کہ انہیں وزارت خارجہ نے من مانی کارروائیاں کرنے سے حکماً روک دیا تھا اور اتفاق یوں ہے کہ اس زمانہ میں سرظفراللہ خان پاکستان کے وزیر خارجہ کے منصب پر فائز تھے۔ان کی وزارت خارجہ کے زمانہ میں بھی اخوند صاحب سفارتی منصب پر تھے۔ان کی یہ بات بھی سن لیجئے۔''1946ء سے 1952ء تک کا دور نسبتاً خوش خلقی کا دور تھا۔وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خان نے فلسطین کے قضیہ کے علاوہ اریٹیریا سے لے کر الجیریا تک کے مسلمانوں کے مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے یواین او میں پیش کیا تھا۔اس کی وجہ سے پاکستان کی شہرت عربوں کے موقف کے سب سے بڑے اور سب سے زبردست حامی کی تھی''۔(صفحہ 178) اور ابھی شاید ہاشم رضا صاحب کو سابق سیکرٹری خارجہ اور سینئر سفیر جناب شہر یار خان کی یہ ''ناگوار'' بات بھی سننا پڑے جو شہر یار خان کی والدہ محترمہ بیگم عابدہ سلطان نے اپنی خودنوشت میں لکھی ہے کہ:''تیونس میں ماؤں نے اپنے بچوں کے نام ظفراللہ خان کے نام پر رکھ دئے تھے کیونکہ انہوں نے شمالی افریقہ کے ان ممالک کی آزادی کی جدوجہد میں نمایاں کارنامے سرانجام دئے تھے''۔(باغی شہزادی کی یادداشتیں صفحہ 278) اقبال اخوند نے سندھی ہونے کے باوجود بھٹو صاحب کی سیاسی غلطیوں سے صرفِ نظر نہیں کیا اور برملا کہا کہ :''سیاسی سطح پر بھٹو سے دو غلطیاں ہوئیں۔ایک تو یہ کہ اس نے سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں کو جو این اے پی کی حکومتیں تھیں برطرف کر دیا۔دوسری غلطی اس سے یہ ہوئی کہ اس نے قادیانی مسئلہ کو سلجھانے کے لئے غلط طریقہ اختیار کیا۔1974ء میں ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر معمولی سی جھڑپ ہوئی۔یہ فساد پھیلنے کا خطرہ تھا۔اس موقعہ سے بنیاد پسندوں نے فائدہ اٹھایا اور شور مچا دیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔

بھٹو کو ڈر تھا کہ یہ صورت 1953ء والی صورت نہ بن جائے۔اس نے کہا کہ یہ مسئلہ اسمبلی حل کرے گی اور (اسمبلی میں پی پی پی کی اکثریت تھی) چنانچہ اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔بھٹو بڑا خوش تھا کہ اس نے ایک پرانے مسئلہ کو خوش اسلوبی سے حل کر لیا ہے۔مگر اس نے مذہبی جماعتوں پر اپنی کمزوری عیاں کر دی تھی اور مذہبی جماعتوں کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کو استعمال کر سکتی ہیں۔مذہبی جماعتوں نے بھٹو کو ذرا سا کریڈٹ بھی نہیں دیا۔1977ء کے الیکشن میں یہی مذہبی جماعتیں اس کی مخالفت میں پیش پیش تھیں۔بعد میں ضیاءالحق کے زیر سایہ مُلّاؤں کے سنہرے دور میں قادیانیوں کی ایذادہی اور حق تلفی کے لئے قرون وسطیٰ جیسے قوانین وضع کئے گئے اور انہیں باقاعدہ قانونی شکل میں نافذ کیا گیا''۔(صفحہ 308-307) اقبال اخوند صاحب کا یہ تجزیہ بھی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ:''وہ رہنما جو کسی قسم کے سیاسی اصولوں سے وابستہ نہیں ہوتے محض سیاسی اقتدار اور اس کے ساتھ جو مفادات وابستہ ہیں ان کے حصول میں لگے رہتے

ہیں۔ پاکستان میں ایسے ہی رہنماؤں کی وجہ سے سیاست بے اصولی کا کھیل بن کر رہ گئی ہے۔ بھٹو نے بھی جب محسوس کیا کہ اس کا اقتدار خطرہ میں ہے تو اس نے اپنے مفاد کے لئے قادیانی مسئلہ پر بے اصولی دکھائی۔ اسی طرح اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں شراب اور جوئے پر پابندی عائد کرنے کا اعلان کیا''۔ (صفحہ 392) یہ تمام باتیں ان کے ڈولتے ہوئے راج سنگھاسن کو سنبھالا نہ دے سکیں۔ اخوند صاحب جیسے جرأت مند سفارت کار کی یادداشتیں تاریخ میں اپنی صداقت بیانی کی وجہ سے ممتاز طور پر باقی رہیں گی۔ (بشکریہ: پندرہ روزہ ''المصلح'' کراچی۔ یکم تا 15 مارچ 2006ء) بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 7 دسمبر 2007 صفحہ 11

جستہ جستہ۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی سیرت کے انمول پھول

روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 9 ؍فروری 1998ء میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کے بارے میں مکرم منور علی شاہد صاحب کا ایک مضمون روزنامہ ''صداقت'' کے شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔ مشہور ادیب، نقاد اور مؤرخ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ چوہدری صاحب اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جسے عام طور پر گمراہ بلکہ کافر کہا جاتا ہے لیکن یہ کافر شخص بغیر شرمائے داڑھی بھی رکھتا ہے اور اقوام متحدہ کے ایوان میں علی الاعلان نماز پڑھتا ہے۔ محترم چوہدری صاحب کی سادگی و انکساری کا ذکر کرتے ہوئے محترمہ شہزادی عابدہ سلطان آف بھوپال اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ 1954ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ وفد میں شامل ہو کر مجھے امریکہ جانے کا موقع ملا تو ہوٹل میں میرا دل نہ لگا اور اجنبیت محسوس ہوئی۔ دو دن بعد خیال آیا کہ اقوام متحدہ کے پاکستانی دفتر کے کسی کمرہ میں سو جایا کروں۔ اسی خیال سے دفتر جا کر خاموشی سے اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔ چوتھی منزل کے اوپر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا پلنگ تھا اور ضروریات بھی اچھی طرح مہیا نہ تھیں۔ میں نے کمرہ کی حالت دیکھ کر سوچا کہ شائد یہ چوکیدار کا کمرہ ہوگا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے بتایا گیا کہ یہ پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کا کمرہ ہے۔ مجھے بہت برا لگا کہ یہ کیا ہے، یہ تو ہماری بدنامی کا مسئلہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ ملاقات وغیرہ کہاں کرتے ہیں، بتایا گیا کہ دفتر وغیرہ میں کر لیتے ہیں اور اس کمرہ میں صرف سونے کی غرض سے آتے ہیں۔ اب ظفر اللہ خان صاحب سے چونکہ برسوں کی دوستی تھی اور بے حد بے تکلفی تھی لہٰذا پہلی فرصت میں میں نے اُن سے جھگڑا کیا اور کہا کہ اس طرح رہنے سے عار محسوس نہیں ہوتی؟۔ اس پر چوہدری صاحب مسکرائے اور کہنے لگے کہ آپ اسے کیا سمجھی ہیں؟۔ میں نے کہا یہی کہ آپ پیسے بچاتے ہیں!۔ اس پر چوہدری صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنی ذات پر یومیہ دو ڈالر خرچ کرتا ہوں خواہ وہ ٹیکسی پر خرچ ہو جائیں یا کھانے پر کیونکہ میں سگریٹ اور شراب کا شوق نہیں رکھتا، صبح دوپہر شام کا کھانا یہاں سے مل جاتا ہے، اب ہوٹل میں جا کر کیوں کھاؤں۔ اپنے الاؤنس میں سے دو ڈالر اپنے خرچ کے لئے رکھ کر باقی رقم رفاہی کاموں کے لئے دیدیتا ہوں۔

چند یادگار باتیں۔ مکرم عبدالمالک صاحب لاہور

خاکسار یکم ستمبر کو آٹھ بجے دار الذکر میں جماعت احمدیہ لاہور کے دفتر میں گیا۔ وہاں بیٹھا ہی تھا کہ امیر جماعت لاہور، محترم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی سے فون آیا جو مکرم مولوی نذیر احمد صاحب نے سنا

اور پھر مکرم چوہدری فتح محمد صاحب نائب امیر کو بلوایا کہ آپ کا فون ہے۔ بات کرلیں۔ جو کہ اس وقت اپنے دفتر میں کام کررہے تھے۔محترم چوہدری صاحب تشریف لائے اور فون پر بات کی جس سے معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے چنانچہ محترم نائب امیر صاحب اپنے دفتر کو بند کر کے نیچے کار میں جا کر بیٹھ گئے اور پھر عزیزم طاہر کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ مالک صاحب کو کہہ دیں کہ فوری نیچے آجائیں۔ خاکسار جلدی جلدی نیچے گیا اور مکرم چوہدری صاحب سے ملا۔آپ نے فرمایا : کار میں بیٹھ جاؤ، کوٹھی جانا ہے۔ چوہدری صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔خاکسار اور مکرم نائب امیر صاحب زیر لب دعائیں کرتے ہوئے روانہ ہوئے اور ساڑھے آٹھ بجے کوٹھی پہنچ گئے۔کوٹھی میں جا کر بیٹھے تھے کہ نو بجے کے قریب حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے نواسے عزیزم برادرم مکرم فضل حق صاحب آئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ اباجی پونے نو بجے انتقال فرما گئے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔فوری طور پر ہر طرف اطلاع کرنے کا انتظام کیا گیا۔ ہر چہرہ غمگین تھا اور ہر آنکھ پرنم۔مگر خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے سب کے سرنگوں تھے۔سوائے انا للہ وانا الیہ رجعون کے کچھ کرنے کا یارا نہیں۔خاکسار محترم چوہدری فتح محمد صاحب نائب امیر لاہور کا ممنون ہے جنہوں نے مجھے پر یہ شفقت فرمائی اور آخری بیماری کی تشویش ناک حالت کی اطلاع ملنے پر مجھے ساتھ لے گئے۔حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب سے خاکسار کی ملاقاتوں کا سلسلہ 1969ء سے جاری ہے۔ان کی سوانح حیات پر مشتمل واقعات بیشمار ہیں۔ان کا وجود ہر ایک کے لئے نافع تھا۔ وہ خاص خدائی حکمت کے تحت اس دنیا میں آئے اور اس کے اذن سے ہی روانہ ہو گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ان کے آنے کا بھی ایک وقت تھا اور جانے کا بھی ایک وقت مقرر تھا۔وہ جو خدائی صفات کے مظہر تھے اور بیشمار خوبیوں کے مالک تھے جن کی ذات سے کیا اپنے اور کیا غیر، کیا اہل وطن اور کیا عالمگیر برادری، سب نے فائدہ اُٹھایا۔وہ بنی نوع انسان کے سچے ہمدرد، خیر خواہ اور محسن تھے۔اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ ان پر اپنی بیشمار رحمتیں نازل فرمائے اور لحہ لحہ درجات بلند کرے اور ان کی خوبیوں کو اپنانے کی ہر ایک کو توفیق دے۔

حضرت بانی سلسلہ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ۔1972ء کی بات ہے کہ مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کی مکرم ملک منور احمد صاحب جاوید قائد ضلع کے ذریعہ محترم چوہدری صاحب سے ملاقات کا پروگرام تھا۔وقت مقررہ پر وہاں ان کی رہائش گاہ پر پہنچے۔کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ تعارف ہوا اور پھر کسی صاحب نے جو عاملہ کے رکن تھے، سوال کیا کہ چوہدری صاحب آپ بانی سلسلہ کے رفیق ہیں۔ان کا کوئی واقعہ بیان فرمائیں۔جس پر چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میں نے کبھی بھی حضرت بانی سلسلہ کو ننگے سر نہیں دیکھا۔حضرت چوہدری صاحب کی ہر لحہ کوشش اور خواہش ہوتی تھی کہ نیکی کی بات لوگوں تک پہنچے اور پھر اس بات سے بے حد خوش ہوتے جب کوئی اس پر عمل کرتا جس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہوتا اور نیکی میں ترقی کا موقع پاتا۔اور پھر حضرت چوہدری صاحب کی ایک خوبی جس کا مجھ پر بے حد اثر ہوا وہ یہ تھی کہ قرآن پاک کے اس قول کے مطابق وہ بات کسی کو کبھی نہیں کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔اسی وجہ سے آپ کی نصیحت اثر رکھتی تھی۔ دورس نگاہ۔محترم امیر صاحب کے ہاں ایک شخص چوکیدار کابل خاں رہا تھا جو کافی پرانا خادم تھا۔اور جب چوہدری صاحب پاکستان آتے تو ان کی خدمت کا بھی اس کو موقع ملتا۔ ایک روز یوں ہوا کہ حضرت چوہدری صاحب کے کچھ پیسے کھو گئے۔جس پر آپ نے کابل خاں کو بلوایا جو باہر بیٹھا تھا اور فرمایا کہ کابل خاں یہاں کچھ پیسے گر گئے ہیں۔اس نے خوب تلاش کیا اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگا کہ چوہدری صاحب یہ دس پیسے ہیں اور تو کوئی رقم نہیں۔اس کا بات کرنے

کا اندازیہ تھا کہ دس پیسے ہی تو ہیں۔جس پر حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا ''اس دس پیسے کا پوسٹ کارڈ لے آؤ اور وہ خیبر سے لے کر کراچی تک کا سفر دس پیسے میں کرے گا اور تمہارا پیغام پہنچا دے گا۔'' جس پر وہ شرمندہ ہوا اور پھر کئی دفعہ یہ بات اس نے لوگوں کو بتائی کہ دیکھو، حضرت چوہدری صاحب نے کیسی پیاری بات مجھے بتائی کہ مال کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اور اس سے صحیح فائدہ اُٹھانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کا صحیح استعمال بھی نیکی ہے بلکہ اس کی رضا کی راہوں میں سے ایک راہ ہے۔خاکسار جب 1981ء میں قادیان گیا تو جانے سے قبل شام کو ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور عرض کی کہ قادیان کے لئے کل صبح خاکسار کی روانگی ہے اور دعا کی غرض سے آیا ہوں۔تاکہ سفر وحضر کی مولیٰ کریم کی حفاظت ملے۔اور جن مقاصد کے لئے سفر کر رہا ہوں اس میں کامیابی حاصل اور مولیٰ کی رضا مل جاوے۔خاکسار جب چلنے لگا تو فرمایا ''خاکسار بہت گنہگار ہے میرے لئے بہشتی مقبرہ میں اور بیت الدعا میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے اور میری والدہ کی قبر پر بھی دعا کر کے آنا۔ میری طرف سے عزیزم مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو اور دیگر تمام درویشان کو سلام عرض کر دینا۔اللہ تعالیٰ آپ کو حافظ و ناصر ہو۔'' اس کے بعد دروازے تک چھوڑنے کے لئے تشریف لائے۔ **وقت کا بہترین مصرف۔** 1975ء کی بات ہے کہ خاکسار ملاقات کے لئے شام کے وقت حاضر ہوا تو حضرت چوہدری صاحب سیر کر رہے تھے، سلام عرض کرنے کے بعد ساتھ ہولیا اور سیر کرتا رہا۔دوران سیر میں نے عرض کی، حضرت چوہدری صاحب سیر میں آپ کیا کرتے ہیں۔فرمانے لگے'' قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کا بیان فرمودہ، روحانی پروگرام جس میں صد سالہ جوبلی کی دعائیں شامل ہیں وہ پڑھتا ہوں اور مقررہ تعداد اس وقت میں پوری کر لیتا ہوں۔'' غرض آپ اپنے وقت کو یونہی ضائع نہیں کرتے تھے بلکہ لحہ لحہ خدا تعالیٰ کی یاد میں گزارتے، کیونکہ ایسا ہونا ضروری تھا اسلئے کہ آپ اس خدا تعالیٰ کے پاک مسیح کے ساتھی تھے جس کو الہام ہوا'' تو وہ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا'' **شفقت و ذرّہ نوازی۔** 05 جنوری 1985 کو خاکسار اور مکرم ملک صلاح الدین صاحب مؤلف اصحاب احمد قادیان، حضرت چوہدری صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل ایک انٹرویو لینے گئے۔دو بجے سے شام چھ بجے تک انٹرویو کیا۔جب انٹرویو مکمل ہوگیا اور چلنے لگے تو محترم ملک صاحب کو میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ ان کو جانتے ہیں؟ مکرم ملک صاحب نے عرض کی کہ یہ عبدالمالک صاحب نمائندہ خالد و تشحیذ ہیں۔اور صدر مجلس موصیاں لاہور ہیں جس پر آپ نے فرمایا'' میں ان کو مولوی ایسٹ اینڈ ویسٹ کہتا ہوں۔بیت سپین کے افتتاح کے موقع پر یہ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔امریکہ میں دیکھا تو یہ وہاں تھے۔ کینیڈا میں دیکھا تو یہ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔'' اور پھر فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضرت مسیحؑ کے متعلق کہتے تھے کہ وہ جہاں چاہتے تھے حاضر ہو جاتے اور جہاں سے چاہتے، غائب ہو جاتے تھے۔ان کی بھی ایسی ہی حالت ہے۔اور اس کے بعد فرمایا'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' اور اس کے بعد تشریف لے گئے، خاکسار کی آخری ملاقات حضرت چوہدری صاحب سے (جب وہ مکمل ہوش میں تھے) 22 جولائی 1985ء کی شام چھ بجے ہوئی، ہوا یوں کے خاکسار کوٹھی گیا تو محترم امیر صاحب گھر کے دروازے سے باہر آرہے تھے۔دیکھ کر فرمانے لگے کہ صاحب کیسے آئے۔عرض کی چوہدری صاحب سے ملاقات کروا دیں۔مہربانی ہوگی۔جس پر حضرت چوہدری صاحب کے خادم مکرم نصیب اللہ صاحب کو فرمایا کہ بابا جی سے عرض کرو کہ مالک صاحب ملنا چاہتے ہیں۔جب مکرم نصیب اللہ صاحب نے جا کر عرض کی تو فرمایا'' مولوی ایسٹ اینڈ ویسٹ آئے ہیں بلالو'' خاکسار نے جا کر سلام عرض کی، کرسی پر تشریف فرما تھے۔میز سامنے رکھا ہوا تھا۔جس پر رسالہ خالد اور تشحیذ الاذہان

ماہ جولائی پڑے ہوئے تھے میں نے عرض کی کہ امریکہ گیا ہوا تھا محترمہ شیخ مبارک احمد صاحب، برادر، مظفر احمد ظفر، مکرم چوہدری ضیاء الحق صاحب۔مکرم برادر صادق صاحب، مکرم انعام الحق صاحب کوثر، مکرم حمید احمد (شاہین سویٹ والے) سلام عرض کرتے تھے۔فرمایا ''وعلیکم سلام'' پھر عرض کیا کہ دعا کی التجاء بھی کرتے تھے۔فرمایا ''اللہ تعالیٰ سب پر فضل فرمائے'' خاکسار نے نیو یارک کے مشن ہاؤس کا ذکر کیا جو Queens کے علاقہ میں لیا ہے۔بہت بڑی جگہ ہے اور علاقہ بہت اچھا ہے۔خاکسار نے چلنے کی اجازت چاہی تو فرمایا تشریف رکھیں، کیا آپ کو جلدی ہے، حالانکہ خاکسار نے انکی صحت کے لحاظ سے ایسا کیا تھا۔چنانچہ پھر لندن کی باتیں شروع ہوگئیں۔حضور کی صحت کا حال پوچھا۔خاکسار نے چوہدری صاحب سے ان کی صحت کا حال پوچھا کہ کیا حال ہے تو فرمایا کہ اس عمر اور بیماری میں جیسا ہونا چاہیے ویسا ہی ہے۔اور پھر فرمایا ''مولوی صاحب آپ میرے لئے دعا نہیں کرتے'' خاکسار نے عرض کیا کہ چوہدری صاحب آپ کے لئے حضور بھی اور ساری جماعت بھی دعا کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی، صحت والی فعال زندگی دے۔اس پر کچھ دیر رکے اور فرمایا ''آپ دعا کریں، اللہ تعالیٰ نے جس قدر میری عمر لکھی ہے اب اس کو کم کردے کیونکہ میرا دل یہاں نہیں لگتا۔'' میں نے عرض کیا چوہدری صاحب یہاں آپ سے پیار کرنے والے بہت ہیں۔فرمایا ''وہاں اس سے بھی زیادہ ہیں'' اس کے بعد خاکسار نے مصافحہ کیا اور دعا کی التجاء کی اور واپس کمرے سے باہر آگیا۔24 جولائی 1985 کو آپ بے ہوش ہوئے اور کافی دنوں کے بعد جب ہوش میں آئے تو انہوں نے پہلی بات جو کی وہ یہ تھی کہ ''نماز کا وقت ہوگیا ہے؟'' ان کے نواسے محمد فضل حق صاحب نے عرض کیا ''ابا ہوگیا ہے'' جس پر فرمایا ''تو پھر مولوی ایسٹ اینڈ ویسٹ کو بلاؤ مجھے نماز پڑھادے۔'' گویا کہ انہوں نے میرا نام ہی مولوی ایسٹ اینڈ ویسٹ رکھا ہوا تھا اور اپنے دوستوں مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب اور چوہدری بشیر احمد صاحب سے بھی اکثر ذکر کرتے تھے۔مارچ 1983ء کو خاکسار کی والدہ کا انتقال ہوا۔جب حضرت چوہدری صاحب کو علم ہوا تو مجھے بلوایا، گلے لگایا اور اظہار تعزیت فرمایا اور فرمایا کہ والدین خدا تعالیٰ کی عظیم نعمت ہوتے ہیں اور پھر والدہ کا مقام ہی اللہ تعالیٰ نے بڑا اعلیٰ بیان فرمایا ہے۔اور پھر اپنی والدہ مرحومہ کے واقعات سنائے اور ان کی دعاؤں کا تذکرہ فرمایا۔نیز فرمایا ''میں تو دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ کریم مجھے میری بے بے سے ملا دے'' اور پھر خاموش ہوگئے اور تھوڑی دیر بعد السلام علیکم فرما کر اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے۔(ماہنامہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 153 تا 155)

حضرت چوہدری صاحب ہر قسم کے تعصب سے بالا تھے۔

جناب ایئر مارشل (ریٹائرڈ) ظفر چوہدری سابق چیف آف سٹاف پاکستان ایئر فورس

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جب اپنی آخری بیماری میں لاہور تشریف لائے تو میں تقریباً روزانہ ہی ان کے ہاں حاضر ہوتا رہا۔آخری ایام میں میری حضرت چوہدری صاحب سے رفاقت بہت زیادہ ہوگئی تھی۔باقی چوہدری صاحب کی عنایات تو ساری عمر جاری رہیں لیکن یہ خاص موقع تھا کہ جب بیماری کی وجہ سے چوہدری صاحب کے ملاقاتیوں کی تعداد میں بھی کمی کرنی پڑی اور ملاقات کرانے کی یہ خدمت بھی میرے سپرد رہی۔حضرت چوہدری صاحب کی زندگی کے بے شمار پہلو

ہیں جو پہلو ابھی میرے ذہن میں آرہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہر قسم کے تعصب سے بالا تھے۔آپ کی نظریں انسانیت اور آدمیت کے پہلوؤں پر رہتی تھیں۔آپ کو کسی سے نفرت نہ تھی چاہے کوئی دشمن ہی کیوں نہ ہو۔مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں 1949ء کی بات ہے نیو یارک میں ایک بار حضرت چوہدری صاحب شام کے کھانے کے بعد سیر کر رہے تھے آپ کے ساتھ شیخ اعجاز احمد صاحب، چوہدری اسداللہ خاں صاحب اور خاکسار بھی تھا۔ہم چلتے چلتے یونہی ایک دکان کے سامنے رک گئے۔دکاندار نے اندر سے ہمیں دیکھ لیا۔اسنے حضرت چوہدری صاحب کو پہچان لیا اور اُٹھ کر باہر آگیا اور حضرت چوہدری صاحب سے مخاطب ہو کر بولا آپ پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں؟ حضرت چوہدری صاحب نے نیم مزاحیہ انداز میں، جیسے کبھی کبھار وہ کیا کرتے تھے، اسے مختصر جواب دیا ''guilty'' یعنی میں اپنے اس جرم کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں پاکستان کا وزیر خارجہ ہوں۔دکاندار بولا جو باتیں آپ کرتے ہیں ان سے تو میں متفق نہیں ہوں لیکن آپ ایک عظیم آدمی ہیں آپ کا احترام کرتا ہوں۔میں مذہباً یہودی ہوں میرے لئے یہ بات اعزاز کا موجب ہوگی اگر آپ میری دکان میں تشریف لائیں اور آپ اور آپ کے ساتھی جو چیز چاہیں وہ میں نصف قیمت پر پیش کروں گا۔حضرت چوہدری صاحب تو کوئی خریداری نہ کرتے تھے لیکن اس شخص کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اس کی دلداری کی خاطر آپ اندر تشریف لے گئے۔اقوام متحدہ میں میں کئی بار ان کے ساتھ گیا جس کو بھی ملتے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے، چاہے روسی ہو یہودی ہو ہندو یا کسی بھی قوم و مذہب سے ہو۔میں ایک واقعہ کا عینی شاہد تو نہیں ہوں لیکن اس کی صداقت کے بارے میں مجھے پختہ علم اور یقین ہے جن دنوں ہندوستان کے ساتھ چپقلش زوروں پر تھی ایک دن آپ بھارتی وفد کی لیڈر مسز وجے لکشمی پنڈت سے باتیں کر رہے تھے کسی فوٹو گرافر نے ایسے زاویے سے فوٹو اتاری کہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ بھارتی وفد کی لیڈر کے سامنے نہایت تپاک اور گرمجوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔کسی بدخواہ کے ہاتھ وہ تصویر لگ گئی اس نے یہ تصویر پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر منظور قادر کو پہنچادی کہ پاکستان ی وفد کا لیڈر بھارتی وفد کی لیڈر سے کتنی گرمجوشی کا اظہار کر رہا ہے۔حضرت چوہدری صاحب کا مقام اتنا بڑا تھا کہ کسی کو جواب طلبی کی تو جرأت نہ ہونا تھی لہٰذا وہ فوٹو سیکرٹری خارجہ مسٹر ایس۔کے دہلوی کے پاس پہنچ گئی جو حضرت چوہدری صاحب کو اچھی طرح جانتے تھے انہوں نے تصویر پر یہ ریمارک لکھا: ''اگر کوئی شریف آدمی سفارت کار بن جائے تو وہ اپنی شرافت سے دستبردار نہیں ہوجاتا'' اسی طرح ایک اور واقعہ مجھے یاد آتا ہے حضرت چوہدری صاحب کے ایک دوست تھے مسٹر گیسٹیٹنر Gestetner یہ سٹیشنری بنانے والی ایک مشہور فرم کے مالک تھے۔ان کے حضرت چوہدری صاحب سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔انہوں نے ایک دفعہ چوہدری صاحب کو اپنے گھر بلایا۔میں بھی ساتھ تھا میزبان نے ہم کو اپنے مطالعہ کے کمرے میں بٹھایا اور خود اندر گھر میں گیا۔اس کمرے کے اطراف میں الماریاں تھیں جن میں کتب رکھی ہوئی تھیں۔حضرت چوہدری صاحب کتب کو دیکھ کر اُٹھے اور ان کتابوں پر نظر دوڑانی شروع کی۔زیادہ تر کتب یہودیت کی مختلف تحریکوں اور Zionism کے بارے میں تھیں ان میں Zionism کے بانی وائز مین کی کتب بھی تھیں۔حضرت چوہدری صاحب کتب اُٹھاتے آخیر میں اس کا اشاریہ دیکھتے۔اپنا نام ''ظفر اللہ'' تلاش کرتے صفحہ نکالتے اور کتاب کا وہ حصہ مجھے پڑھاتے۔تھوڑے عرصہ میں چوہدری صاحب نے مجھے یہودیوں کے چوٹی کے لیڈروں کی کئی کتابیں دکھائیں اور متعلقہ حصہ مجھے پڑھایا۔اکثر کا مضمون یہ تھا کہ اگر کوئی ہمارا دشمن ایسا ہے جس سے ہمیں ڈرنا چاہیے تو وہ ظفر اللہ ہے اور ساتھ ہی چوہدری صاحب کی لیاقت اور قابلیت کی تعریف بھی کی گئی ہوتی۔حضرت چوہدری صاحب آخری دنوں میں

خصوصاً آخری چند ماہ جو باتیں بار بار دوہرایا کرتے تھے وہ اپنی والدہ مرحومہ کی باتیں تھیں اوراس میں بھی اپنی بزرگ والدہ کی بیعت کا قصہ نمایا ں ہوتا۔شاید ہر روز ہی یہ بات چھیڑتے اور پھر پوری تفصیل کے ساتھ بات بیان کرتے اور یہ بات میں نے اتنی بار ان کے منہ سے سنی کہ مجھے بھی زبانی یاد ہوگئی ہے۔(ماہنامہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 159 تا160)

اپنے رب پر پختہ ترین ایمان کا ڈنکے کی چوٹ اعلان

چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔اے سابق ڈائریکٹر لوکل فنڈ آڈٹ

جماعت احمدیہ لاہور کے ایک اہم رکن محترم چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔اے لوکل فنڈ آڈٹ کے سابق ڈائریکٹر جنرل رہے ہیں اور گذشتہ پانچ سال صوبہ پنجاب کی اعلیٰ سطحی کمیٹی ، پبلک اکاؤنٹ کمیٹی پنجاب کے رکن رہے ہیں آپ نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ: حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی زندگی کا ہر پہلو ہی شان کا حامل ہے۔انکی مذہبی زندگی ، سیاسی زندگی ، گھریلو زندگی غرض یہ کہ ہر شعبے میں انکی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ کا رنگ رکھتی ہے۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قابلیتوں اور استعدادوں کے باعث دنیاوی رنگ میں بھی اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا اور دینی معاملات میں بھی ہمیشہ ممتاز اور نمایاں رہے۔میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے ہر رنگ میں بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری جو ہر شخص کے لئے قابل نمونہ ہے۔میرے نزدیک آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں سے تھے۔انکی زندگی کی سب سے بڑی بات جس نے مجھے متاثر کیا ہے ان کا وہ واقعہ ہے جب انہوں نے قائداعظم کی وفات پر ان کا جنازہ نہیں پڑھا۔آپ لاکھوں آدمیوں کی موجودگی میں کنارے پر بیٹھ گئے۔ ملک کا وزیر خارجہ ہونے کے باوجود اور لاکھوں لوگوں کی نظریں آپ پر لگے ہونے کے باوجود اس سے بڑا کردار پیش کرنا ممکن نہیں۔اس سے ان کے ایمان کی انتہائی پختگی کا پتا چلتا ہے۔صرف اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقی طاقت کا سرچشمہ ہے اس کے سوا نہ کوئی شخصیت ہے اور نہ کوئی حکومت۔حضرت چوہدری صاحب کی زندگی کے کسی اور واقعہ نے مجھے اسے زیادہ متاثر نہیں کیا۔غیر معمولی جرأت ، بہادری دلیری اور اپنے رب پر پختہ ترین ایمان کا گویا ڈنکے کی چوٹ اعلان تھا۔ایسے موقعوں پر بڑے لوگوں کا کمزوری دکھا جانا عام ہے۔ایسی شخصیت کی وفات کا موقع تھا جن کو ساری دنیا جانتی ہے۔بڑا جذباتی موقع تھا۔اگر رائی کے دانے کے برابر بھی آپ کے ایمان میں کمی ہوتی تو جنازے کے وقت ہی نہ کوئی بہانہ بنا دیتے۔اپنی بیماری کے باوجود اس کی آڑ نہ لی حالانکہ بیماری کا بہانہ بنایا جا سکتا تھا لیکن سب باتیں چھوڑ کر پہنچے۔ساری دنیا کے سامنے ایک نہایت حسّاس موقع پر حساس ہجوم کے سامنے بالکل الگ ہو کر بیٹھ گئے میرے نزدیک یہ کردار کا نچوڑ ہے کیونکہ کسی کی شخصیت کا باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے پتہ چلاتا اور یہ غیر معمولی واقعہ آپ کے کردار پر بڑی گہری روشنی ڈالتا ہے کہ احمدیت کے ساتھ ان کو کتنی وابستگی تھی کہ دینی اصولوں کو کسی بھی صورت میں ترک نہ کیا۔جس شخص نے یہ اتنی بڑی قربانی دی ہے وہ اگر باقی کا دعویٰ بھی کرے تو میں بلا چون و چرا اس پر ایمان لانے کو تیار ہوں۔تاہم جو لوگ سعید طبع نہیں ہوتے ان پر تو بڑی سے بڑی دلیل کا اثر نہیں ہوتا اور سعید فطرت لوگ اپنی فراست سے بغیر دلیل کے بھی پہچان جاتے ہیں اور جیسے حضرت ابوبکرؓ نے حق کو پہچانا جیسے حضرت مولوی نورالدین نے پہچانا۔غرض یہ کہ حضرت چوہدری صاحب کے

کردار، مقام، دنیاوی اور دینی مرتبت کو پہچاننے ، اللہ پر قوی ایمان اور مکمل یقین کے مرتبہ کو واضح کر دینے والا یہ واقعہ بہت بڑا واقعہ تھا بہت بڑا۔!!

مکرم چوہدری برکت علی ننگلی صاحب

سیکرٹری اصلاح وارشاد، زعیم انصاراللہ دارالصدر غربی حلقہ لطیف۔ربوہ

حضرت چوہدری صاحب کی قادیان میں واقع کوٹھی کی تعمیر کا کام میرے ذریعہ مکمل ہوا۔ یہ کوٹھی ربوہ میں واقع بیت الظفر سے قریباً دوگنا بڑی تھی۔1936ء کی بات ہے چوہدری صاحب نے کوٹھی کی تعمیر کا جائزہ لینے آنا تھا۔چوہدری صاحب اس وقت وزیر ریلوے حکومتِ ہندوستان تھے۔کام کرنے والے بعض شرارت پسند مزدوروں نے منصوبہ بنایا کہ سٹرائک کریں اور چوہدری صاحب کی کار کے آگے لیٹ جائیں۔ یہ لوگ اپنے بعض ناجائز مطالبات منوانا چاہتے تھے۔ مجھے پتہ چلا کہ چوہدری صاحب تشریف لا رہے ہیں میں نے اپنے ملازم کریم بخش کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ حضرت چوہدری صاحب گاڑی کے ذریعہ شہر کی سے نہ آئیں بلکہ سیدھے کھیتوں سے ہوتے ہوئے پیدل آئیں۔کریم بخش سٹیشن پر پہنچا۔آپ کا خصوصی ڈبہّ جو سیلون کہلاتا تھا سٹیشن پر آیا۔کریم بخش نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔حضرت چوہدری صاحب اسے پہچانتے تھے اس کے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ کیسے آنا ہوا۔اس نے خاکسار کا نام لیا اور کہا کہ جی آپ کے لئے ایک حکم ہے۔حضرت چوہدری صاحب اوّل روز ہی سے انکساری کا مجسمہ تھے فوراً مسکرا کر بولے کہو کیا حکم ہے۔اس نے کہا کہ موٹر کے ذریعہ شہر کی طرف سے نہ آئیں بلکہ کھیتوں سے ہوتے ہوئے سیدھے آجائیں۔حضرت چوہدری صاحب کو اگرچہ اصل وجہ نہ بتائی گئی تھی لیکن آپ نے اپنی طبعی سادگی میں کوئی سوال تک نہ کیا اور فوراً اس کے ساتھ پیدل چل پڑے اور کھیتوں وغیرہ سے ہوتے ہوئے زیر تعمیر کوٹھی پہنچ گئے جہاں مَیں نے سارا ماجرا بیان کیا۔حضرت چوہدری صاحب کی عاجزی اور سادگی نے میرے دل پر ایک خاص اثر چھوڑا۔

1963ء سے 1966ء تک کے عرصہ میں کسی جلسہ سالانہ کا ذکر ہے۔جلسہ کے وقت سٹیج کے گیٹ پر میں آگے تھا اور حضر چوہدری صاحب مجھ سے پیچھے تھے میں داخل ہونے لگا تو ڈیوٹی پر موجود کارکن نے ٹکٹ طلب کیا میں نے دکھایا۔حضرت چوہدری صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ ٹکٹ گھر پر بھول آئے ہیں فوراً آگے بڑھنے کی بجائے چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوگئے اور کسی کو دوڑایا کہ فوراً جا کر ٹکٹ لے آؤ جب تک ٹکٹ نہ آگیا اندر داخل نہ ہوئے حالانکہ آپ ایسے مرتبہ کے بزرگ تھے کہ آپ سے کسی نے ٹکٹ پوچھنا ہی نہیں تھا لیکن آپ اس کا خیال کئے بغیر خاصی دیر تک علیحدہ ہو کر کھڑے رہے اور جب گھر سے ٹکٹ آگیا تو سٹیج پر تشریف فرما ہوگئے۔اپریل 1947ء کی بات ہے حضرت چوہدری صاحب بھوپال میں تھے کہ میری ان سے وہاں ملاقات ہوئی۔آپ نے بتایا کہ آپ تین بڑی مسلمان ریاستوں بھوپال، بہاولپور اور حیدر آباد کے آزادی کے بعد کے مسائل میں قانونی مشورہ دینے کے لئے نواب بھوپال کے آئینی مشیر کے طور پر تشریف لائے ہیں۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب آپ فیڈرل کورٹ کے جج بھی ہیں۔ریاستوں کے آئینی مشیر بھی ہیں۔دیگر مصروفیات بھی آپ کی بے شمار ہیں آپ یہ سارے کام اکیلے کس طرح کر لیتے ہیں۔آپ نے کہا یہی سوال مجھے لارڈ ولنگڈن نے بھی کیا تھا۔میں نے اسے یہ جواب دیا تھا کہ تا کہ آپ کو

یہ بتایا جا سکے کہ ہندوستان کے لوگ مستقبل میں اپنے ملک کا کاروبار آسانی سے سنبھال سکتے ہیں۔میں یہ سارے کام آرام سے کرتا ہوں اور کوئی ایک بھی کام متاثر نہیں ہوتا۔سارے کام اپنی اپنی جگہ پر پورے اطمینان سے طے پاتے ہیں۔

محترم میاں محمد ابراہیم صاحب جمونی

سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ سابق مربی سلسلہ امریکہ

پاکستان بننے کے بعد ایک دو سال کی بات ہے ہمارا سکول ابھی چنیوٹ میں قائم تھا ربوہ میں آبادکاری کے ابھی ابتدائی مراحل شروع ہوئے تھے۔چنیوٹ میں ایک روایتی مخالف مولوی تھا اس کے بیٹے نے اچھے نمبروں میں میٹرک پاس کیا تو مولوی صاحب کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ بیٹے کو کالج میں اعلیٰ تعلیم دلوائیں لیکن غربت آڑے آرہی تھی اعلیٰ تعلیم کا کوئی سبب بنتا دکھائی نہ دے رہا تھا۔اعلیٰ تعلیم کے اخراجات استطاعت سے باہر تھے۔اس کے دل میں آئی کہ جو نئے ملک کے وزیر، گورنر اور وزرائے اعلیٰ وغیرہ بنے ہیں ان کے دلوں میں شاید کسی کے لئے غریب پروری کا جذبہ نکل آئے چنانچہ اس نے مرکزی وزراء، وزرائے اعلیٰ، گورنروں وغیرہ کی ایک فہرست بنائی اور سب کو رجسٹرڈ خطوط لکھنے شروع کئے۔ان میں اس شخص نے اپنی مدد کرنے کی التجاء کی تھی تا کہ وہ اپنے بچے کو پڑھا سکے لیکن ہوا یہ کہ کسی طرف سے مدد آنی تو کجا کسی ایک نے بھی خط کا جواب اور رسید تک نہ دی۔ مولوی صاحب تھک ہار کر ناامید ہو چلے تھے کہ ایک دن انہیں خیال آیا کہ یہ قادیانی جس کا نام ظفر اللہ خاں ہے اس کو بھی مدد کے لئے لکھا جائے۔ ہے تو قادیانی اور کافر اور اس کو اور اس کے ہم مذہبوں کو دن رات گالیاں نکالنا ہی میرا کام ہے لیکن کیا حرج ہے اگر آزما کر دیکھ لیا جائے چنانچہ اس نے ایک عدد رجسٹرڈ چٹھی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے نام بھی لکھی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔جواب آنے کی متوقع تاریخ سے ایک ہفتہ زیادہ گزر گیا۔مولوی صاحب نااُمید ہونے لگے کہ یہاں بھی کوئی توقع نہیں۔آخر ایک دن اچانک اسے خط ملا۔اس نے کھولا تو پتہ چلا کہ یہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان کا خط ہے۔اس میں چوہدری صاحب نے سب سے پہلے خط کا جواب تاخیر سے دینے کی معذرت کی تھی اس کے بعد اس مولوی کے نام تین سو روپے کا چیک تھا اور اس کے بیٹے کی پڑھائی کے لئے ماہانہ وظیفہ کی رقم کا وعدہ تھا اور یقین دلایا گیا تھا کہ جب تک اس کا بیٹا تعلیم مکمل نہ کر لے اس وقت تک یہ وظیفہ جاری رہے گا۔چونکہ اس مولوی کے نام چیک جماعتی امانت سے کیش ہونا تھا لہٰذا وہ یہ امانتی رقعہ لے کر ربوہ آیا اور اس نے ربوہ میں بھی اور چنیوٹ میں بھی سب کو بتایا۔اب بھی اگر وہ شخص یا اس کا بیٹا یہ تحریر پڑھیں تو اس واقعہ کی صداقت کی گواہی دے سکتے ہیں۔میرے امریکہ میں قیام کا ذکر ہے کہ ایک بار حضرت چوہدری صاحب امریکہ کے دورہ پر آئے۔ دوران قیام ایک احمدی نے حضرت چوہدری صاحب کی دعوت کی۔جب وہ دعوت کا بلاوا دینے آیا تو حضرت چوہدری صاحب نے پوچھا میاں صاحب (یعنی اس خاکسار) کو بھی بلایا ہے۔اب اس شخص نے بلایا تھا یا نہیں اس نے فوراً کہا کہ جی بلایا ہے۔اس چھوٹی سی بات کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ میرے چوہدری صاحب سے کوئی خصوصی مراسم نہ تھے نہ کوئی ذاتی دوستی یا تعلق کا رشتہ تھا ہاں صرف ایک بات تھی کہ میں سلسلہ کا مربی تھا اور چوہدری صاحب مربیاں کرام کی خاص عزت و تکرم فرماتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ پروٹوکول کے لحاظ سے سلسلہ کے مربی کو ایسی کسی

تقریب میں شامل کرنا ضروری ہے اور مربی کا احترام بھی اس کا مقتضی ہے کہ اس کو ایسی جگہوں پر بلا کر عزت افزائی کی جائے چنانچہ جب تقریب ہوئی تو اختتام پر چوہدری صاحب میرے ساتھ اس طرح گفتگو کرتے رہے جیسے اس تقریب کا سب سے اہم آدمی میں ہوں اور دیگر بڑے بڑے لوگوں کو ایک رنگ میں کہا جائے کہ نظرانداز کر دیا تو بھی درست ہوگا۔

میں اس بزرگ بھائی کے اعلیٰ کردار اور انکسار کا پہلے سے زیادہ قائل ہوگیا۔

محترم میاں عبدالسمیع نون صاحب

حضرت چوہدری صاحب سے میری پہلی ملاقات 1944ء میں اس وقت ہوئی جب کہ میں تعلیم الاسلام کالج قادیان میں داخلہ کے لئے گیا اس وقت داخل ہونے والوں میں سے میٹرک میں میرے نمبر سب سے زیادہ تھے۔ حضرت چوہدری صاحب نے محترم صوفی بشارت الرحمن صاحب سے نئے داخل ہونے والوں کے متعلق پوچھا میرے بارے میں علم ہونے پر میری طرف متوجہ ہوئے۔ کندھے پر ہاتھ رکھا۔ حسب نسب دریافت فرمایا پتہ لگنے پر کہ زمیندار ہوں اور نون خاندان سے ہوں بڑے خوش ہوئے اور فرمایا ''پھر تو جٹیٹے ہو۔'' اس ابتدائی تعارف کے بعد سلسلہ ملاقات بڑھتا رہا اور حضرت چوہدری صاحب سے شناسائی ہوگئی۔ چالیس سال کا عرصہ تو بہت طویل ہے ساری باتیں تو اب یاد نہیں البتہ 1947 کا وہ تاریخی واقعہ نہیں بھولتا جب سر خضر حیات ٹوانہ پنجاب کے وزیراعظم تھے اور قائداعظم کی ساری کوششوں کے باوجود مسلم لیگ کے حق میں دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ ایک دن معلوم ہوا کہ حضرت چوہدری صاحب قادیان سے لاہور سر خضر حیات ٹوانہ کے ہاں گئے ہیں وہ انہیں قائداعظم کے فرمان کے مطابق مسلم لیگ کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادہ کریں گے جہاں تک مجھے یاد ہے چوہدری صاحب دو دن لاہور میں قیام فرما رہے اس دوران قادیان میں میں حضرت چوہدری صاحب کی واپسی کا بے تابی سے منتظر رہا آخر مغرب کی نماز کے وقت کالج کے کسی طالب علم نے کالج ہوسٹل میں یہ خبر پہنچائی کہ سر خضر حیات ٹوانہ کی کار حضرت چوہدری صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں داخل ہوئی ہے اس سے اس نوجوان نے اندازہ لگایا کہ وزیراعظم سر خضر حیات ٹوانہ خود بھی چوہدری صاحب کی کوٹھی پر بھجوایا گیا۔ میں جھجک رہا تھا کہ چوہدری صاحب ابھی ابھی سفر سے تشریف لائے ہیں شاید ملاقات نہ ہو سکے مگر وہ وجود تو سراپا احسان تھا پیغام ملنے پر فوراً باہر تشریف لائے اور میرے سیدھے سوال پر کہ کیا سر خضر حیات ٹوانہ آئے ہیں فرمایا ''نہیں ان کی کار آئی ہے۔'' میرا دوسرا سوال تھا کہ آپ کو اپنے مشن میں کامیابی ملی ہے؟ فرمایا ''دعا کرتے رہیں اور انتظار کریں'' دوسری صبح سول اینڈ ملٹری گزٹ کی پہلی سرخی یہی تھی Khizer Ministry Goes:

اس سے سارے ملک میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے اس کے بعد ملک خضر حیات ٹوانہ سے ملاقات کے مواقع ملتے رہے وہ خود اور ان کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادیاں ہمارے گھر بھی آتی رہیں وہ سب لوگ حضرت چوہدری صاحب کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو حضرت چوہدری صاحب کا ممنون احسان ظاہر کرتے تھے۔ پاکستان کے سابق وزیراعظم ملک فیروز خان نون وزیراعظم بننے سے پہلے قیام پاکستان کے چند سال بعد حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے ہمراہ حضرت فضل عمر سے ملنے کے لئے تشریف لائے یہ واقعہ مجھے خود ملک

فیروز خان نون صاحب نے سنایا۔انہوں نے بتایا کہ ملاقات کے کمرہ میں قالین بچھا تھا ملک صاحب فرماتے تھے میں نے سوچا یہاں حضرت صاحب شاید نماز بھی پڑھتے ہوں گے اس لئے میں اپنے جوتے اتار کر اندر داخل ہوا۔دوران ملاقات کسی خادم کا پاؤں لگنے سے میرا جوتا ذرا دور ہوگیا۔ملاقات سے فارغ ہو کر اُٹھے تو حضرت چوہدری صاحب ظفر اللہ خان صاحب جلدی سے دروازے کی طرف لپکے اور خود میرا جوتا اُٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا ملک صاحب بڑی حیرانی سے فرمایا کرتے تھے کہ چوہدری صاحب عمر میں،علم وفضل میں اور ہر لحاظ سے مجھ سے بڑے تھے اور میں ان کا حد درجہ ادب واحترام کرتا تھا۔جب وہ میرا جوتا اُٹھا کر لائے تو میں حیرت وندامت میں ڈوب گیا لیکن میں اس بزرگ بھائی کے اعلیٰ کردار اور انکسار کا پہلے سے زیادہ قائل ہوگیا۔1976ء میں لندن کا واقعہ ہے میں محترم شیخ عبدالطیف صاحب پراچہ کے ساتھ حضرت چوہدری صاحب کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا فلیٹ پر جا کر گھنٹی بجائی اندر سے چوہدری صاحب نے دروازے پر نصب شدہ فون کے ذریعہ فرمایا دو منٹ میں دروازہ کھل جائے گا اوپر آجائیں۔ٹھیک دو منٹ کے بعد دروازہ کھلا ہم اندر داخل ہوئے دیکھا کہ حضرت چوہدری صاحب نے قمیص اور ٹائی پہنی ہوئی تھی اور پتلون کی بجائے پاجامہ تھا۔فرمایا میں کپڑے بدل رہا تھا کہ دو منٹ ختم ہوگئے آپ کو فوراً بلایا کہ باقی لباس پھر بدل لوں گا آپ تو اپنے عزیز ہیں۔

حضرت چوہدری صاحب کی وفا کا ایک واقعہ۔محترم شیخ اعجاز احمد صاحب

محترم شیخ اعجاز احمد صاحب جو علامہ اقبال کے حقیقی بھتیجے ہیں حضرت چوہدری صاحب کے ان دو ذاتی اور قریبی دوستوں میں سے ہیں جن سے حضرت چوہدری صاحب کا عمر بھر کا ساتھ رہا۔اس لحاظ سے آپ کے پاس حضرت چوہدری صاحب کی زندگی کے واقعات کا بڑا قیمتی خزانہ محفوظ ہے۔آپ نے سالانہ اجتماع مجلس انصار اللہ ضلع کراچی میں جو تقریر ''حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی سیرت کے چند پہلو'' کے عنوان سے فرمائی جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس میں سے صرف دو واقعات پیش ہیں۔حضرت چوہدری صاحب کے سکول کی تعلیم کے دنوں کے ایک غیر احمدی دوست تھے۔وہ پنجاب میں کہیں اوورسیئر لگے تھے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔بچپن میں چوہدری صاحب کے بے تکلف دوست تھے اور ''اوئے یارا'' ان کا تکیہ کلام تھا۔دوران ملازمت وہ ایک دفعہ حضرت چوہدری صاحب کو اس وقت ملنے آئے جبکہ وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں متحدہ ہندوستان کے مرکزی وزیر کے عہدہ پر فائز تھے اور شملہ میں مقیم تھے۔وہ صاحب حضرت چوہدری صاحب کے مہمان ہوئے مگر چوہدری صاحب کے مرتبہ کی وجہ سے اپنی بے تکلفی کو بھول گئے اور بڑے ادب لحاظ سے گفتگو کرتے رہے۔ایک دن گزرا میں بھی وہیں تھا ماحول میں گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی آخر حضرت چوہدری صاحب سے نہ رہا گیا دوسرے دن رات کے کھانے پر ان صاحب کا نام لے کر ان سے بے تکلفی سے پنجابی میں بولے ''توں کیوں اپنے آپ نوں پھائے لایا ہویا اے۔تیرے سنگھ وچ ''اوئے یارا'' پھسیا ہویا اے۔اینو کڈ چھڈ۔میں اوہی ظفر اللہ آں۔میرے سر تے ہتھ لا کے ویخ لے ویسرائے دی کونسل وچ آ کے اے دے اُتے کوئی سنگ نئیں نکلے'' (تم نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ سولی پر لٹکا رکھا ہے تمہارے حلق میں ''اوئے یارا'' اٹکا ہوا ہے اسے نکال دو میں وہی ظفر اللہ ہوں میرے سر پر ہاتھ لگا کے دیکھ لو وائسرائے کی کونسل میں آ کر اس پر کوئی سینگ نہیں نکلے) چوہدری صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ ہنسی کا ایک طوفان برپا ہوگیا اور اسی طوفان میں ان صاحب کے حلق میں اٹکا

ہوا اوئے یارا بھی بے اختیار نکل گیا۔حضرت چوہدری صاحب کی وفا کا ایک واقعہ سنئے جو انہوں نے اپنی وفات سے ایک سال قبل سنایا۔ سیالکوٹ میں ان کے مکان کے قریب لوہاروں کا ایک گھر تھا۔ یہ لوگ غیر احمدی تھے۔ چھوٹی کلاسوں میں ہم جماعت ہونے کی وجہ سے ایک ہی گلی میں رہنے کی وجہ سے اس گھر کے ایک لڑکے سے انکی دوستی تھی اس بیچارے کوٹی بی ہوگئی جو بڑھتے بڑھتے اسے موت کے کنارے پر لے گئی مرنے سے چندروز قبل چوہدری صاحب اس کی عیادت کے لئے گئے اندازاً چوہدری صاحب کی عمر اس وقت دس پندرہ سال کی ہوگی لڑکے نے کہا میں مرجاؤں گا پتہ نہیں تم کبھی مجھے یاد بھی کروگے یا نہیں۔حضرت چوہدری صاحب نے مجھے فرمایا میں آج تک اپنی دعاؤں میں مغفرت والی دعاؤں کے حصہ میں اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔گویا چوہدری صاحب اپنی وفا کو نبھانے کے لئے لوہاروں کے اس معمولی سے لڑکے کے لئے جو احمدی بھی نہ تھا قریباً اسی سال مسلسل دعا کرتے رہے۔اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ وجود کو اپنی لازوال محبت کی اس دولت سے جی بھر کر مالا مال کردے جس کی تمنا اس ہستی نے ساری عمر کی اور مجھے یقین ہے کہ رب کی جناب سے یقینا ایسا ہی ہوا ہوگا۔

آپ کی ایک ایک سانس شریعت اسلام کی آئینہ دار ہے۔

ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب

محترم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب نے حضرت چوہدری صاحب سے اپنی یادداشتوں کے ضمن میں ایک طویل مضمون رقم فرمایا ہے جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس میں سے صرف ایک حصہ پیش خدمت ہے۔ایک دفعہ میں نے حضرت چوہدری صاحب سے گزارش کی۔ مجھے آپ کا تھوڑا سا قرب حاصل ہے۔اس قرب کی وجہ سے مجھے معلوم ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے الہیٰ کے مطابق گذر رہا ہے۔آپ کی ایک ایک سانس شریعت اسلام کی آئینہ دار ہے۔آپ نے اسلام اور نوع انسان کی بھرپور خدمت حدِّ امکان تک کی ہے۔کسی انسان کے اعمال کو شریعت کے پیمانہ سے ہی ناپا جاسکتا ہے۔شریعت کے میدان میں آپ نے جو ورزش فرمائی اس سے آپ کا باطن بھی سراسر نور بن چکا ہوگا۔اس سے جزاوسزا کے معاملے میں آپ انتہائی خوداعتمادی اور نفس مطمئنہ حاصل کر چکے ہوں گے۔دور حاضر میں آپ دنیوی اعتبار سے ساری دنیا سے افضل ترین انسان ہیں اور دین کے معاملہ میں بھی آپ ایک نہایت ممتاز شخصیت ہیں۔آپ کتنے خوش قسمت انسان ہیں۔اس پر حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا: عجیب بات ہے کہ آج کی صحبت میں میرا ارادہ بھی جزاوسزا کے موضوع پر بات کرنے کا تھا اچھا ہوا وہ بات خود آپ نے چھیڑ دی۔میرے اس خیال کی محرّک دراصل ایک نصیحت ہے جو مجھے آپ کے ذہن میں بٹھانا تھی۔اب میں بات وہی کہوں گا لیکن اسی موضوع پر آپ کے آغاز بیان کی وجہ سے اس کے فقروں کی ترتیب بدل دوں گا۔'' آپ نے میرے متعلق جو کچھ کہا ہے میں اس پر تبصرہ نہیں کرتا میرا حال یہ ہے کہ ایک شعر نے جو کتاب حقیقت یا فریب (صفحہ 41) میں آپ نے استعمال کیا ہے مجھے تین راتیں بہت بری طرح رلایا اور تڑپایا۔میں بری طرح تڑپا شکر ہے اس وقت میرے قریب کوئی دوسرا شخص نہیں ہوتا رہا۔وہ شعر تھا۔

ہجر کی رات جاگنے والو! کیا کروگے اگر سحر نہ ہوئی

اصل بات اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔آپ نے جو کچھ میرے متعلق کہا ہے اگر کسی انسان میں اس سے سوگنا زیادہ صفات بھی ہوں مگر اللہ تعالیٰ اسے منہ لگانا پسند نہ فرمائے تو وہ کیا کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جسے کوئی ایک لفظ کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔وہ ایسا کرنے کا صرف ارادہ کر لے تو پوری کائنات آنکھ جھپکنے میں مکمل طور پر نیست و نابود ہوسکتی ہے۔اس کے سامنے انسان کی حیثیت ریت کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کے برابر بھی نہیں۔پس اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ریت کے چھوٹے چھوٹے ذرے سے بھی حقیر سمجھو۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اسے یقین دلاؤ کہ تم کچھ نہیں ہو۔بالکل کچھ نہیں۔اللہ تعالیٰ کے سامنے زمین پر بچھ جاؤ۔اس کے حضور میں اپنی ناک اتنی رگڑو کہ صرف تمہارا شعور باقی رہ جائے جو تمہیں بتائے کہ تم بالکل مٹ چکے ہو۔تم کو میری یہی نصیحت ہے'' یہ اس شخص کی آواز تھی جو اقوام متحدہ اسمبلی کا صدر، عالمی عدالت کا پریزیڈنٹ ،فیڈرل کورٹ آف انڈیا کا جج ،چین کا سفیر، آل انڈیا مسلم لیگ کا پریذیڈنٹ اور قائداعظم کے خود اپنے دستخط سے مقرر کردہ پاکستان کا پہلا وزیر امور خارجہ تھا۔کئی سال ہوئے ایک موسم سرما میں میرے دوست اردو کے معروف شاعر احسان دانش مرحوم مجھ سے ملنے میرے مکان پر آئے تو باتوں باتوں میں ان اہل علم لوگوں کا ذکر چھڑ گیا جو خود شاعر نہیں ہوتے مگر شعر سے متعلق ان کا ذوق نہایت سلجھا ہوا ہوتا ہے۔اس گفتگو میں احسان دانش نے کہا :

''سنا ہے محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اس صف میں سب سے آگے ہیں۔دل بہت چاہتا ہے کبھی ان سے ملاقات ہو جائے پھر ان کے دو قریبی دوست شیخ اعجاز احمد اور چوہدری بشیر احمد خان شاعر نہ ہوتے ہوئے بھی کانِ شعر کے ہیرے ہیں۔اب احسان دانش نے تقاضا شروع کر دیا کہ میں حضرت چوہدری صاحب سے ان کی ملاقات کرادوں میں نے اس سلسلہ میں حضرت چوہدری صاحب سے ٹیلیفون پر بات کی تو انہوں نے ازراہ شفقت تیسرے دن بعد دوپہر 93 خورشید روڈ میں ملاقات کی اجازت دے دی۔مقررہ وقت پر میں احسان دانش کو ساتھ لے کر ان کے پاس پہنچا گیا۔اس وقت حضرت چوہدری کے علاوہ شیخ اعجاز احمد اور چوہدری بشیر احمد خان بھی بہ نفس نفیس وہاں موجود تھے۔اس طرح احسان دانش کا تقاضا خود بخود سو فیصد پورا ہو گیا حالانکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان دنوں شیخ اعجاز احمد کراچی سے حضرت چوہدری صاحب کے پاس لاہور آئے ہوئے ہیں اور نہ یہ قیاس تھا کہ چوہدری بشیر احمد خان کاہلوں اس وقت وہاں موجود ہوں گے۔حضرت چوہدری صاحب احسان دانش سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ملے۔شیخ اعجاز احمد اور چوہدری بشیر احمد خان کاہلوں بھی بہت جلد احسان دانش سے گھل مل گئے۔چائے کا وسیع دور چلا اور حضرت چوہدری صاحب کے ارشاد پر احسان دانش نے اپنا کلام سنایا۔پہلے ایک حمد اللہ تعالیٰ ،پھر دو نعتیں اور آخر میں تین چار غزلیں۔دو گھنٹے وہ محفل انتہائی عروج پر رہی۔دوسرے سال کے موسم سرما میں احسان دانش نے پھر مجھے آکر پکڑا کہ چلو ج حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں چند لمحے گذار آئیں۔ہم پھر حضرت چوہدری صاحب سے ملے۔اب کے وہ اکیلے تھے۔چائے کا انتظام حضرت چوہدری صاحب کے بھتیجے اور داماد محترم چوہدری حمید نصر اللہ خان نے کیا اور اس ملاقات میں وہ بھی شریک محفل رہے۔حضرت چوہدری صاحب کے ارشاد پر احسان دانش نے اپنا کلام سنایا اور اپنا ایک تازہ مطبوعہ شعری مجموعہ بھی پیش کیا۔تیسرے سال حضرت چوہدری صاحب لندن سے لاہور پہنچے تو انہوں نے اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ احسان دانش شدید علیل ہیں۔میں ان دنوں اسلام آباد گیا ہوا تھا۔حضرت چوہدری صاحب مجھے ٹیلیفون کرتے رہے تا کہ احسان دانش کی عیادت کے لئے میں ان کو اپنے ساتھ لے چلوں۔میری عدم موجودگی میں حضرت چوہدری صاحب نے آخر

خود ہی احسان دانش کے مکان کا پتہ اور محل وقوع معلوم کرلیا اور وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں احسان دانش کے پاس بیٹھے بڑی دیر تک ان سے باتیں کرتے اور تسلی دیتے رہے۔ حضرت چوہدری صاحب کی اچانک تشریف آوری اور بے تکلف گفتگو سے احسان دانش بے حد متاثر ہوئے۔ تندرستی کے بعد وہ مجھ سے ملے تو بولے ''یار! چوہدری صاحب کی اچانک آمد اور نہایت پُرخلوص عیادت سے مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ انہوں نے میرے لئے دعا بھی فرمائی ہوگی۔ اب میں اس بیماری سے نہیں مروں گا لیکن یہ خطرہ تھا کہ شادی مرگ کا شکار نہ ہوجاؤں۔''

اس بیماری سے احسان دانش سچ مچ بچ گئے مگر اس سے اگلے سال وہ ایک اور بیماری سے راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔

محترم مولانا محمد یار عارف صاحب۔سابق مربی انگلستان

میرے والد محترم چوہدری غلام حسین صاحب حضرت بانی سلسلہ کے رفیق تھے ان کے حضرت چوہدری صاحب سے بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور تعلیم یافتہ بھی نہ تھے لیکن احمدیت سے والہانہ لگاؤ حضرت چوہدری صاحب کی دوستی کی وجہ سے قدر مشترک بنا۔ چنانچہ جب 1979ء میں میرے بیٹے عزیز طاہر عارف نے لاہور میں حضرت چوہدری صاحب سے ملاقات کی تو چوہدری صاحب نے اس کے دادا کے ساتھ اپنے تعلق کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ ایک دفعہ مجھے سرگودھا کی عدالت میں لے گئے تھے۔ پھر وہ سارا واقعہ عزیز کو سنایا۔ وہ واقعہ اس وقت کا ہے جب چوہدری صاحب لاہور بار میں پریکٹس کرتے تھے اور بطور ایک چوٹی کے وکیل کے ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ ایک عدالت نے وعدہ خلافی کے الزام میں میرے والد صاحب کو تاوان ادا کرنے کا حکم دیا۔ والد محترم بالکل بے گناہ تھے اور الزام بھی وعدہ خلافی کا۔ انہوں نے لاہور جا کر حضرت چوہدری صاحب کو بات بیان کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس مقدمہ میں بطور وکیل پیش ہوں۔ حضرت چوہدری صاحب نے کہا کہ تاوان کی معمولی رقم سے زیادہ تو میری فیس اور آنے جانے کا خرچ ہوگا لیکن والد صاحب مصر رہے اور حتی کہ انہوں نے حضرت چوہدری صاحب کو منالیا چنانچہ چوہدری صاحب محض اپنے ایک دوست کی دلداری کی خاطر اس وقت کے لحاظ سے سرگودھا جیسے دور دراز اور دور افتادہ قصبہ کی معمولی سی عدالت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گئے اور مقدمہ لڑ کر اپنے دوست کو وعدہ خلافی کے الزام سے بری کروادیا۔ سرگودھا کے مقامی وکلاء نے حضرت چوہدری صاحب کو دیکھا تو بڑی حیرت کا اظہار کیا کہ آپ ایک چھوٹی سی عدالت میں کیس لڑنے کیسے آگئے؟ حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کیس تو واقعی بڑا معمولی سا تھا لیکن ''جٹ دی اڑی مینو ایتھے لے آئی'' یعنی میرے دوست کی ضد مجھے یہاں لے آئی۔ ضمناً عرض ہے کہ فیصلہ کی رو سے پانچ سو روپے کی رقم بطور تاوان میرے والد صاحب فریق ثانی سے حاصل کرنے کے حقدار تھے مگر آپ نے فیصلہ اپنے حق میں ہوجانے کے بعد یہ رقم معاف کر دی۔ خاکسار کے لندن میں بطور مربی سلسلہ قیام کے دوران حضرت چوہدری صاحب نے میری تربیت اپنے ہاتھ سے کی چنانچہ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کا تربیت کردہ یہ عاجز خادم حضرت فضل عمر کے ارشاد پر ہندوستان کی چوٹی کی شخصیات جناب قائداعظم، گاندھی جی، علامہ اقبال اور سر آغا خان سے ملتا رہا اور ہندوستان کی آئینی جدّو جہد کے تاریخ ساز لمحات میں اہم گفتگوؤں میں شامل ہوتا رہا اور 1940ء کے جس جلسہ میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اس میں خاکسار اور حضرت مولوی نیر صاحب جماعت احمدیہ کے وفد کے طور پر شامل ہوئے۔ مختصر یہ کہ حضرت چوہدری صاحب نے حضرت فضل عمر کی منشاء کے مطابق مجھ

معمولی سی دیہاتی مربی کو اپنی توجہ سے نہ صرف اعلیٰ انگریزی سکھائی بلکہ تاریخ پاکستان کے بعض اہم موڑوں پر گراں قدر خدمات کی انجام دہی کی بھی توفیق حاصل کرنے کے قابل بنا دیا۔(انصاراللہ ربوہ نومبر۔دسمبر 1985ء صفحہ 159 تا 156)

ایک دعا گو بزرگ۔محترم شیخ عبدالقادر صاحب محقق۔لاہور

یہ خاکسار حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کو بچپن سے ایک دعا گو بزرگ کے طور پر جانتا ہے۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ میری عمر چودہ پندرہ سال کی تھی اور میں اکثر بیمار رہتا تھا اور اس وجہ سے تعلیم کا سلسلہ بھی جاری نہ رکھ سکتا تھا۔میرے والد محترم شیخ عبدالرب صاحب نے جو ہندوؤں سے احمدی ہوئے تھے مجھے علاج کے لئے لاہور بھجوایا۔ یہاں حکیم احمد دین صاحب طب جدید والے میرا علاج کیا کرتے تھے۔ اس دوران میرے بہنوئی محترم مولانا نذیر احمد علی صاحب جو مغربی افریقہ سے واپس آئے تے لاہور آئے اور ایک رات میرے پاس فروکش ہوئے۔انہوں نے مجھے بڑے پیار سے نصیحت کی عبدالقادر اب تم چودرہ پندرہ سال کے ہو گئے ہو تم نمازیں تو ادا کرتے ہو تہجد بھی پڑھا کرو۔ میں نے عرض کیا میرے لئے دعا کریں اور مجھے آج تہجد کے لئے جگا بھی دیں میں انشاءاللہ آج رات سے تہجد شروع کر دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے تہجد کے وقت مجھے جگا دیا ہم دونوں نے ایک ہی مصلے پر نماز تہجد ادا کی۔تہجد کے بعد میں سو گیا میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے کہہ رہا ہے کہ چوہدری ظفراللہ کو دعا کے لئے کہو۔ چوہدری صاحب کو اس وقت میں بالکل نہ جانتا تھا۔شاید کبھی ان کا نام کان میں پڑا ہو لیکن کسی قسم کی کوئی واقفیت نہ تھی میں نے اپنے بہنوئی مولانا نذیر احمد علی صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ میں نے اس طرح کا خواب دیکھا ہے اس پر انہوں نے مجھے حضرت چوہدری صاحب کا تعارف کروایا اور بتایا کہ وہ ہماری جماعت کے ایک انتہائی مخلص بزرگ ہیں۔ چونکہ خواب میں بتایا گیا ہے اس لئے مجھے چاہیے کہ میں ان کو دعا کے لئے لکھوں۔ تاہم انہوں نے شفقت کی کہ اپنی طرف سے ہی ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا۔اس میں بتایا گیا تھا کہ عبدالقادر نامی یہ لڑکا شیخ عبدالرب صاحب نواحمدی کا اکلوتا بیٹا ہے اکثر بیمار رہتا ہے اس کی بیماری کی وجہ سے شیخ صاحب اس کے مستقبل کے بارے میں بڑے پریشان رہتے ہیں میں نے اس عزیز کو نماز تہجد کی تلقین کی تھی اس نے تہجد پڑھی اور اس کے بعد یہ خواب دیکھا جس میں اسے یہ تلقین کی گئی ہے کہ یہ آپ کو دعا کے لئے لکھے۔آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس عزیز کے لئے جو میرا برادر نسبتی ہے دعا کریں۔محترم چوہدری صاحب کا جواب میرے والد صاحب کے نام آیا۔اس میں مجھے ابھی تک یاد ہے آپ نے بڑی منکسر المزاجی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ من آنم کہ من دانم۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں لیکن چونکہ عزیز نے خواب میں دیکھا ہے اس لئے میں انشاءاللہ اس کے لئے دعا کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحب کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور میں اس طویل بیماری سے صحتیاب ہو گیا جس نے کئی برسوں سے مجھے اور میرے گھر والوں کو پریشان رکھا ہوا تھا۔حضرت چوہدری صاحب ان دنوں ہندوستان کی انگریز حکومت میں مرکزی وزیر برائے ریلوے تھے۔اس کے بعد ایک دوسرا واقعہ قابل ذکر ہے۔تقسیم ملک کے بعد ایک بڑا سیلاب آیا اس میں ربوہ کے قریب چنیوٹ کی سڑک بھی دب گئی۔ یہ 1950ء کے لگ بھگ کی بات ہے میں لائلپور سے ربوہ آرہا تھا کہ بس ڈرائیور نے دیکھا کہ سڑک بظاہر ٹھیک ہے وہ بس کو لئے چلا آیا۔اوپر سے سڑک برابر تھی لیکن نیچے گڑھا بنا ہوا تھا بس اس جگہ پہنچی تو پوشیدہ

گڑھے میں دھنس گئی۔اس حادثہ کے نتیجہ میں میرے کولہے پر زبردست چوٹ آئی جو بعد میں خراب ہوکر ناسور بن گیا جو کئی انچ گہرا تھا۔ میں قریباً چھ ماہ ہسپتال میں رہا۔ایک کے بعد دوسرا آپریشن ہوتا تھا لیکن ڈاکٹروں کو کامیابی حاصل نہ ہوتی تھی۔اندازہ کریں کہ میرے چند ماہ میں پانچ آپریشن ہو چکے تھے مگر ناسور ٹھیک ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔پانچویں آپریشن کے بعد مجھے پھر خیال آیا اور میں نے حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں خط لکھا۔آپ اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔میں نے خط میں آپ کو یاد دلایا کہ میں آپ کی دعاؤں کی قبولیت سے بچپن سے واقف ہوں اب میری حالت بڑی دگرگوں ہے میرے لئے دعا کریں۔حضرت چوہدری صاحب کا جواب آیا میں انشاء اللہ دعا کروں گا۔خدا تعالیٰ شفا دے۔چنانچہ حضرت چوہدری صاحب کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر میرے حق میں قبول فرمایا اور میرا چھٹا آپریشن جو مکرم ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب نے کیا خدا کے فضل سے کامیاب ہوگیا اور میں ایک بار پھر موت کے منہ سے نکل کر بھرپور زندگی گزارنے کے قابل ہوگیا اور دفتری فرائض کے بعد دینی اور علمی خدمات میں مصروف ہوگیا۔اس کے بعد میرا مستقبل تعلق حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ قائم ہوگیا اور علمی تحقیق کے کئی میدانوں میں میں نے آپ کی سرپرستی سے استفادہ کیا۔آپ ساری عمر مجھ پر شفقت فرماتے رہے اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ہر لحہ آپ کے درجات بڑھاتا چلا جائے۔آمین۔(انصاراللہ ربوہ نومبر۔دسمبر 1985ء صفحہ 167 تا168)

باتیں حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی۔احباب کے خطوط سے بعض اقتباسات

بہت سے احباب جماعت نے چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی وفات پر تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے تعزیتی خطوط رقم فرمائے ہیں۔ ان خطوط میں احباب وخواتین نے بعض واقعات خوابیں اور اہم باتیں بھی لکھی ہیں۔ان میں سے چند خطوط کے اقتباسات قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہیں۔(ادارہ انصاراللہ ربوہ)

1۔کیپٹن ایچ اے ایاز خاں۔جنرل ریپریزنٹیٹو برائے ہنگری نے اپنے خط محررہ 20 ستمبر 1985 میں لکھا۔کتاب مجاہد ہنگری میں چوہدری صاحب کے متعلق درج ہے کہ جب بھی وہ مجھے خواب میں دیدار سے مشرف فرماتے۔اسی صبح کو کسی نہ کسی اخبار میں میرا انٹرویو شائع ہوا کرتا اور میں اخباروں کا منتظر رہتا۔2۔مکرم عبداللطیف صاحب واقف زندگی سابق مبلغ انچارج جرمن مشن ہمبرگ مغربی جرمنی سے اپنے خط محررہ 04 ستمبر 1985 میں تحریر فرماتے ہیں:۔"اس عاجز کے ساتھ انہیں والہانہ محبت تھی۔میرے بیٹے کی وفات کے بعد ان کا اس عاجز کے ساتھ سلوک اور بھی مشفقانہ ہوگیا اور میرے دوسرے بیٹے عزیز کبیر کی حالت بھی بہت زیادہ نازک ہوگئی حضرت چوہدری صاحب نے نہایت کرب اور اضطراب کے ساتھ عزیز کے لئے دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں رویاء کے ذریعہ عزیز کی کامل صحت یابی کی بشارت دی جو معجزانہ طور پر غیر معمولی حالات میں پوری ہوئی۔"3۔محترمہ بیگم قمر عطاء اللہ صاحبہ اہلیہ محترمہ کرنل محمد عطاء اللہ صاحب مرحوم اپنے خط میں لکھتی ہیں۔حضرت چوہدری ظفراللہ خانصاحب مرحوم ومغفور کی وفات سے پہلے اسی دن علی الصبح فجر کی نماز کے لگ بھگ میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں اپنے ننھیال سیالکوٹ میں ہوں اور کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی وفات پاگئے ہیں۔جس مکان میں ان کی وفات ہوئی ہے وہ میری نانی صاحبہ کی بڑی بہن کا ہے اور ہمارے مکان کے ساتھ ہی ہے۔ان بزرگ خاتون کا نام جنت بی بی تھا لیکن عرف عام میں وہ بے بے وڈھی کے نام سے مشہور تھیں اور بڑی باخدا عورت تھیں علاوہ بیٹیوں کے انکا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام فضل حق تھا اور ان کی حویلی بے بے وڈھی کی حویلی

یا فضل حق صاحب کے مکان سے موسوم تھی۔خواب میں میں وہاں پہنچ کر دیکھتی ہوں کہ انسانوں کا ایک ہجوم جمع ہے اور میں اندر نہیں جاتی لیکن ہجوم میں مجھ کو مکرم مرزا انس احمد صاحب دکھائی دیتے ہیں۔میں حیران ہوں اور کچھ سمجھ نہیں پاتی۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔4۔مکرم میاں اقبال احمد صاحب ایم اے ایڈووکیٹ راجن پور اپنے خط محررہ 03 ستمبر 1985 میں تحریر فرماتے ہیں:''1965۔1964 کی بات ہے میں کراچی میں زیر تعلیم تھا حضرت چوہدری صاحب نے احمدیہ ہال میں خدام الاحمدیہ کے ایک اجتماع سے خطاب فرمایا جب باہر تشریف لانے لگے تو آپ نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔میں نے ان کے پہلو کی طرف ہو کر ان کے جوتوں کو پکڑنے کے لئے ہاتھ لگایا۔اس عظیم وجود نے میری طرف دیکھا اور اپنے جوتوں پر اپنی گرفت اور مضبوط کر لی اور فرمایا''بالکل نہیں''اور میری مؤدبانہ کوشش کے باوجود مجھے اُٹھانے کے لئے جوتے نہ دیئے۔ان کی یہی عادات ہی تو ان کو دلوں پر حکومت بخشتی ہیں۔''5۔مکرم ڈاکٹر کرشن احمد صاحب 19 گلشن اقبال کوہاٹ چھاؤنی سے اپنے خط محررہ 07 ستمبر 1985 میں تحریر فرماتے ہیں :حضرت چوہدری صاحب کے احسانات کی دنیا بہت ہی وسیع ہے وہ اس ناچیز کے بھی بہت ہی پیارے محسن تھے۔تعلیم الاسلام ہائی سکول میں میں نے میٹرک میں داخلہ لیا۔مالی حالت کمزور تھی۔جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت چوہدری صاحب سے ملا۔انہوں نے ازراہ شفقت میرے نام ماہوار وظیفہ جاری فرمایا۔پھر تعلیم الاسلام کالج اور اس کے بعد میڈیکل کالج میں گیا تو حضرت چوہدری صاحب نے خود ہی وظیفہ بڑھا دیا۔اور یہ وظیفہ MBBS کے بعد ہاؤس جاب مکمل کرنے تک جاری رہا۔اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے چوہدری صاحب کو اس کا بے انتہاء اجر عطا فرمائے آمین۔6۔مکرم خلیفہ صباح الدین احمد صاحب مربی سلسلہ ربوہ اپنے خط محررہ 02 ستمبر 1985 میں تحریر فرماتے ہیں دو سال قبل کراچی کی ایک محفل کا واقعہ مجھے یاد ہے۔برادرم رفیع الدین احمد ابن ڈاکٹر کرنل تقی الدین احمد صاحب کے ہاں حضرت چوہدری صاحب کا عشائیہ تھا۔شہر کے معززین مدعو تھے۔ان میں جج حضرات کچھ جرنیل اور دوسرے اعلیٰ افسران اور تاجر صاحبان بھی تھے۔ایک صاحب نے سوال کیا کہ چوہدری صاحب آپ نے یہ بلند مقام کیسے حاصل کیا۔حضرت چوہدری صاحب نے جواب دیا کہ جب میں نے شروع میں سیالکوٹ میں وکالت شروع کی تو بعض مقدمات میں اللہ تعالیٰ نے مجھے نمایاں کامیابی عطا فرمائی،حضرت فضل عمر نے میری رہنمائی فرمائی اور مقدمات بھی دیئے اور میری کامیابی کو دیکھ کر بعض وکلاء اور معززین میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے پاس استعداد موجود ہے آپ بلند مقام حاصل کریں گے لیکن صرف ایک کمی ہے جو کہ آپ کی ترقی میں روک بن سکتی ہے۔وہ ہے احمدیت۔اگر آپ احمدی نہ ہوتے تو اعلیٰ مقام تک پہنچتے۔ حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ اگر مجھ میں کوئی خوبی ہے تو وہ یہ ہے کہ میں احمدی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اگر مجھے کوئی مقام دینا ہے تو اسی خوبی کے طفیل ملے گا ورنہ میں اپنے آپ کو کسی قابل نہیں پاتا۔حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ آج دیکھیں کہ خدا تعالی نے مجھے احمدیت کے طفیل اور اپنے بزرگ امام جماعت کی دعاؤں کے طفیل دنیا کے بلند ترین مقام سے نوازا۔یعنی انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا صدر جو کہ عدلیہ کا بلند ترین مقام ہے۔اور جنرل اسمبلی کا صدر جو کہ UNO کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔یہ دونوں مقام اکٹھے آج تک کسی کو نہیں ملے۔مکرم چوہدری صاحب نے فرمایا کہ میری خواہش ہے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی یہ دونوں مقام کسی احمدی کو ہی ملیں۔حضرت چوہدری صاحب آخری عمر میں باوجود کمزوری کے اپنی ہمت کو برقرار رکھتے رہے۔قوت ارادی بہت مظبوط رکھتے تھے۔کراچی کی اسی محفل کا واقعہ ہے کہ جب چوہدری صاحب کی گاڑی برادرم رفیع الدین احمد صاحب کے گھر آ کر رکی تو

خاکسار نے چوہدری صاحب کا استقبال کیا اور دروازہ کھولا۔اور حضرت چوہدری صاحب کو کار سے باہر آنے میں مدد کے طور پر کچھ سہارا دینا چاہا۔آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اچھا آپ سہارا دیتے ہیں تو میں لے لیتا ہوں۔یعنی باوجود کمزوری اور نقاہت کے آپ کو سہارا لینا بھی گوارا نہ تھا۔صرف لحاظ کی وجہ سے لے لیا۔

7۔مکرم سید ادریس عاجز کرمانی صاحب ربوہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت چوہدری صاحب کی بیماری کے دوران ایک مولوی کا تکلیف دہ بیان اخبار میں نظر سے گزرا۔اس روز میں حضرت چوہدری صاحب کی عیادت کے لئے حاضر ہورہا تھا۔اس بیان سے طبیعت میں بڑی بےقراری پیدا ہوئی۔ چاند ماری کا میدان عبور کرتے ہوئے سنسان جگہ ہونے کی وجہ سے طبیعت میں رقت پیدا ہوئی اور خدا کے حضور عاجزانہ دعا کی کہ مولیٰ کریم حضرت چوہدری صاحب کی عمر میں اضافہ فرمادے۔ بظاہر حالات کے تیور کچھ اور ہیں۔دعا کے بعد ہی معاً دل میں یہ الفاظ القا ہوئے کہ ''اگست لنگ جائے گا'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یکم ستمبر کو وفات ہوئی۔8۔ظفر ہی ظفر: مکرم محمود احمد سنوری صاحب کوئٹہ۔ہم چھوٹے تھے 16 سال کی عمر میں قادیان میں بینارۃ المسیح کے قریب ایک قبر تھی اور ہم لوگ وہاں بیٹھے تھے اور ادھر سیڑھیوں سے دیکھا۔حضرت چوہدری صاحب جو ہندوستان کے ریلوے وزیر تھے تشریف لا رہے ہیں اور خطبہ حضرت فضل عمر کا جاری تھا کہ جناب ہمارے ساتھ وہیں آ کر سنتوں کی نیت سے نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ میں ساتھ بیٹھا تھا۔دیکھا کہ ساتھ ساتھ لوگوں نے جوتے رکھے ہیں۔ یہ جگہ بھی مٹی آلود تھی۔آپ جب تک رکوع میں جائیں میں نے فوراً سب جوتے اُٹھا کر تمام جگہ صاف کردی اور پھر اپنے رومال سے جلدی جلدی تمام جگہ کو اچھی طرح صاف کردیا۔خطبہ ہوا۔نماز ہوئی اور آپ نماز ادا کر کے وہیں سے واپس تشریف لے جانے کے لئے جانے لگے تو بہت سے لوگ بغلگیر ہوئے لیکن مجھے آپ کی اس جگہ بیٹھنے اور نماز پڑھنے اور نماز پڑھنے کے بعد آپ سے مصافحہ کرنے کا پہلا فخر کبھی نہیں بھولتا۔ایسا بڑا انسان جس کا شروع سے ہی یہ اخلاق، سبحان اللہ سبحان اللہ۔آپ کی والدہ محترمہ کو اللہ تعالیٰ نے کشفی صورت میں دکھایا کہ آپ چیف جسٹس ہونگے۔(یہ کون کہہ سکتا تھا) پاکستان بنا اور خدائے بزرگ و برتر نے چند لوگوں کی مخالفت سے آپ کو فارن منسٹری چھوڑنے کی صورت پیدا ہونے پر آپ کو ساری دنیا کا چیف جسٹس ہی بنا دیا اور پھر آپ اقوام متحدہ کے صدر بنے۔ میں آپ کو دعا کے لئے بہت خطوط لکھا کرتا تھا۔ مجھے اپنے بیٹے عزیزم بلند اختر کی اعلیٰ تعلیم کا فکر دامن گیر رہتا تھا۔ایک دفعہ کئی خطوط جانے پر آپ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ عزیزم بلند اختر کو اسم بامسمیٰ کرے گا۔ میں نے دعا کی ہے مگر میرے پاس کلرک نہیں جو خطوط کا جواب دے سکے۔آپ تسلی رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی وتشفی کے مطابق عزیزم کو کامیاب کیا اور اب عزیز امریکہ میں چیف انجنیئر ہے اور حضرت چوہدری صاحب نے 1980ء میں اس کا نکاح بھی لاہور میں پڑھا تھا۔جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

میں 1968ء ستمبر میں لندن میں تھا۔حضرت چوہدری صاحب بھی تشریف فرما تھے۔لندن مشن میں نماز مغرب وعشاء جمع کر کے پڑھی گئی۔امام بیت الفضل لندن خان بشیر احمد رفیق نماز پڑھا کر تشریف لے گئے۔اور جو نمازی تھے وہ بھی چلے گئے۔ مجھے شوق تھا کہ اس پاک اور مقدس انسان کی نماز کو دیکھوں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب قریباً دو گھنٹے نوافل اور سجدوں میں پڑے، دنیا اور مافیہ سے بےخبر دعاؤں میں مشغول رہے۔آپ کو ہوش نہ تھی کہ مشن میں کوئی ہے یا نہیں۔اکیلے ہیں یا لوگ بھی ہیں۔ بہرصورت دو گھنٹہ بعد آپ کا نورانی اور مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔آپ تشریف لے جانے کو اُٹھے تو میں جوتوں کے قریب بھاگ کر گیا اور آپ کے بوٹ اُٹھا کر آپ کو پیش کیئے۔ میرے محسن بزرگ نے

نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا آپ نے نے مجھ پر کیا شفقت کی کہ آپ تو حضرت مولوی صاحب (قدرت اللہ سنوری) کے صاحبزادے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ دعائیں کرکر کے آپ کی آنکھیں پرنم تھیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے۔ امیر تم ہو۔مکرم محمد انیس الرحمٰن صاحب مربی سلسلہ لکھتے ہیں کہ چودھویں صدی کے اختتام اور پندرویں صدی کے آغاز پر ایک جلسہ بریڈ فورڈ میں منعقد کیا گیا۔اس کے لئے خاکسار نے حضرت چوہدری صاحب کو خطاب کی دعوت دی۔فرمانے لگے کہ ہر سال ملکہ برطانیہ، ممبران پارلیمنٹ اور اہم افراد کو ایک سالانہ دعوت دیا کرتی ہیں اس میں مجھے بھی بلایا ہے۔اور وہ دعوت تمہارے جلسہ کے دن ہے۔مگر تمہارا جلسہ چونکہ ایک دینی کام ہے اس لئے میں دعوت کو چھوڑتا ہوں۔ چنانچہ لندن سے قریباً تین سو میل کا سفر کر کے بریڈ فورڈ تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ جلسہ کی صدارت فرمائیں۔فرمایا کہ میں نہیں صدارت تم خود کرو گے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقہ کے امیر اور مبلغ تم ہو۔اس لئے تم اجلاس کی صدارت کرو گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔(انصاراللہ ربوہ نومبر۔دسمبر 1985ء صفحہ 150 تا 152)

حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں سابق وزیر خارجہ پاکستان کا۔

ایک تاریخی انٹرویو

جرنلسٹ: چوہدری صاحب قبلہ آپ نے ہماری قومی تاریخ کا نا صرف گزشتہ 50 برس میں نہ صرف قریب سے مشاہدہ کیا ہے بلکہ اس میں بھر پور حصہ بھی لیا ہے اور میری دانست میں تو آپ ہماری قومی اور سیاسی تاریخ کا ماشاءاللہ ایک زندہ انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ ریڈیو پاکستان کی خواہش ہے کہ آج آپ سے ان باتوں کا تذکرہ کیا جائے جو ہماری قومی زندگی میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔اور جنہیں آپ نے قریب سے مشاہدہ بھی کیا ہیاور جن میں آپ نے حصہ بھی لیا ہیمیں چاہتا ہوں کہ اس گفتگو کا آغاز 1947 کے ابتداء کے زمانہ سے کروں۔کیا آپ ارشاد فرمائیں گے کہ آپ ان دنوں میں کہاں تھے؟

سر ظفراللہ خان صاحب: 47ء کے شروع میں میں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کا جج تھا اور میری رہائش دہلی میں تھی۔تو دہلی میں یہ زمانہ ایک اعتبار سے نہایت اہم زمانہ ہے کیونکہ ہندوستان کی تقسیم کم وبیش یقینی ہوتی جارہی تھی اور فروری میں انگلستان کے پرائم منسٹر Attlee.Mr کا بیان بھی جاری ہو گیا تھا تو اس زمانہ میں جب آپ ہماری قومی زندگی کے واقعات کو اور آنے والے واقعات کو اس قدر قریب سے مشاہدہ فرما رہے تھے تو کیا آپ ارشاد فرمائیں گے کہ فروری میں جب پاکستان کا قیام یقینی ہو گیا تھا تو آپ نے کیا ارادے کئے اس وقت کہ آپ کیا کرنے والے ہیں مستقبل میں؟ سر ظفراللہ خان صاحب: وزیر اعظم Attlee کی تقریر جو انہوں نے 20 فروری 1947 کو کی جس میں انہوں نے اپنی حکومت کے ارادے کا اعلان کیا اس میں انہوں نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ ان کی حکومت نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کی حکومت کے اختیارات ہندوستانیوں کے سپرد کر دیئے جائیں اور جلد سے جلد مرکزی حکومت کو یا اگر یہ عملاً مشکل معلوم ہوا تو صوبائی حکومتوں کو یا ان میں سے بعض کو اختیارات منتقل کر دیئے جائیں۔پنجاب میں یہ صورتحال تھی کہ unionist پارٹی کی وزارت تھی اور گو وزیر اعظم تو جناب ملک سر خضر حیات خان صاحب تھے لیکن اس وقت unionist پارٹی کی کثرت ایوان میں غیر مسلم تھی اور بہت کم مسلمان اراکین ان کی تائید میں تھے اس

سے تھوڑا عرصہ قبل مسلم لیگ کے اراکین نے ان کے خلاف ایک محاذ بھی قائم کیا تھا گو وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے تو میری طبیعت میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ ایسی صورت میں مثلاً پنجاب میں صوبائی حکومت کے سپرد اختیارات ہوں تو یہ پاکستان کے راستہ میں ایک نا قابل عبور مشکل پیدا کر دے۔ تو میں نے دو تین دن کی سوچ بچار کے بعد ملک سر خضر حیات خان صاحب کی خدمت میں نے خط لکھا کہ اب تک آپ کا مؤقف یہ تھا کہ پاکستان کا مسئلہ جس میں آپ کہتے تھے کہ آپ پوری طرح مؤید ہیں یہ مرکزی حکومت کیساتھ تعلق رکھتا ہے اور unionist پارٹی کے حکومت کا عمل صوبے میں ہے وہ صوبائی حکومت کو سرانجام دیتے ہیں لیکن اب وزیر اعظم ایٹلی کے بیان سے یہ امتیاز جو آپ کیا کرتے تھے یہ مٹ گیا ہے اور یہ بھی امکان پیدا ہو گیا کہ صوبیاتی حکومتوں کو اختیارات تفویض کئے جائیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہ فرض ہو گیا ہے کہ اب آپ استعفیٰ دیں اور میدان خالی کر دیں۔ پاکستان میں یا پنجاب میں آ کر اگر وہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہیں تو کر لیں اور پاکستان کے قیام کے راستے میں کوئی روک نہ رہے۔ جرنلسٹ: چوہدری صاحب آپ کو یاد ہوگا کہ اس زمانہ میں پنجاب میں نہایت ناخوشگوار صورتحال پیدا ہو گئی تھی کیونکہ نواب ملک خضر حیات خان ٹوانہ نے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ایک coalition وزارت قائم کر لی تھی اور یہاں ایک تحریک کی صورت پیدا ہو گئی تھی اس تحریک کا خاتمہ خضر حیات خان صاحب کے استعفیٰ کے ساتھ ہوا تھا۔ بعض جگہ یہ درج کیا گیا ہے کہ آپ خود اس زمانہ میں دہلی سے چل کر لاہور آئے تھے۔ کیا یہی واقعہ ہے چوہدری صاحب؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: میری چٹھی کے پہنچنے پر جناب ملک صاحب نے مجھے ٹیلی فون پر کہا کہ اُصولاً انہیں میری تجویز کے ساتھ اتفاق ہے لیکن وہ بعض باتوں کے متعلق تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں اور اگر مناسب ہو تو میں لاہور آ جاؤں چنانچہ میں لاہور ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو انہوں نے پہلے تو ملک اللہ بخش صاحب ٹوانہ کے ساتھ مشورہ کیا پھر نواب مظفر علی خان صاحب جو ان کی وزارت میں شامل تھے ان کو بلوایا اور ان کے ساتھ مشورہ کیا اور اس کے بعد وہ گورنر صاحب کے ساتھ ملنے کے لئے گئے (گورنر کا نام سمجھ نہیں آیا 54:05) اس وقت پنجاب کے گورنر تھے اور ان سے کہا کہ جو نئے حالات پرائم منسٹر Attlee کے اعلان کے بعد پیدا ہو گئے ہیں ان کے نتیجہ میں میں سوچ رہا ہوں کہ میں استعفیٰ دے دوں میں آج اپنی پارٹی سے بھی بات چیت کر کے ممکن ہے آج شام تک کوئی فیصلہ کر سکوں اور آپ کی خدمت میں اس کی اطلاع کروں تو میں نے مناسب سمجھا کہ میں پہلے سے آپ کو اس کے متعلق آگاہی کروں اور سہ پہر کو انہوں نے اپنے مکان پر ہی میٹنگ بلائی پارٹی کی اور ان کے ساتھ بڑی لمبی بحث ہوتی رہی۔ تو نواب اللہ بخش ٹوانہ کی گفتگو اور نواب مظفر علی خان کی گفتگو کے وقت میں وہاں موجود تھا اور طبعاً میں ان کی پارٹی میں موجود نہیں تھا گو ان کے مکان میں ہی تھا تو وہاں دو گھنٹے سے زائد یا شاید اس سے بھی زائد بحث وغیرہ رہی کیونکہ غیر مسلم اراکین جو تھے وہ موثر تھے کہ "نہیں آپ جاری رکھیں"، لیکن ان کا اپنا اس وقت تک یہی خیال پختہ ہو چکا تھا کہ وہ استعفیٰ دے دیں۔ چنانچہ شام تک انہوں نے فیصلہ کر لیا اور جا کر گورنر صاحب کی خدمت میں عرض کر لیا کہ میں اپنا استعفیٰ پیش کرتا ہوں اور میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ نواب صاحب (نام سمجھ نہیں آیا 12:07) کو جو مسلم لیگ کے سربراہ تھے ان کو بلائیں اور ان کو دعوت دیں کہ وہ نئی حکومت کی تشکیل کریں۔ چنانچہ دوسرے دن صبح یہ ریڈیو پر اعلان ہو گیا یا اسی رات کے دوسرے دن صبح۔ بہت سے لوگ خصوصاً مسلم لیگ کے لیڈران جن میں سے مجھے یاد ہیں راجا غضنفر علی خان صاحب سردار شوکت حیات خان صاحب بھی تھے جو پھولوں کے ہارلے کر آ رہے تھے اور خضر حیات کی تعریف میں نعرے وغیرہ لگا رہے تھے۔

جرنلسٹ: تازہ خبر آئی اے خضر ساڈا پائی اے سر ظفر اللہ خان صاحب: فیصلہ ہو گیا تو میں پھر دہلی واپس چلا گیا۔ جرنلسٹ:

چوہدری صاحب کیا آپ کو اس کی وجہ معلوم ہے کہ نواب خضر حیات نے پھر پلٹ کر سیاست کی طرف نہیں دیکھا؟ اس میں آپ کا تو مشورہ شامل نہیں تھا۔سر ظفر اللہ خان صاحب: میرا مشورہ تو شامل نہیں تھا لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ انہوں نے مجھ سے یہ ذکر بھی کر دیا تھا کہ میری کوئی سیاسی لیڈری کی خواہش نہیں اور مجھے اس میں سے کچھ حاصل نہیں جب تک میں اپنے ذہن میں یہ سمجھتا تھا کہ میں کوئی خدمت کرسکتا ہوں تو کرتا رہا ہوں تو چنانچہ فوراً اُن پر زور دیا گیا تھا کہ اب آپ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں تو اس وقت میں ابھی یہ شاید راجہ غضنفر علی صاحب یا شاید خود خضر حیات خان صاحب نے یہ ذکر ان کی خدمت میں کیا (میں ابھی موجود ہی تھا) انہوں نے کہا تھا کہ میری کوئی خواہش نہیں کہ میں سیاسیات میں آئندہ کوئی دخل دوں گا یا کسی عہدہ کا متمنی ہوں اور میرا شامل ہونا ممکن ہے محمول کیا جائے اس خواہش پر کہ میں اب بھی پیچھے پڑتا ہوں حکومت میں حصہ لینے کے۔وہ زور دیتے رہے کہ ''نہ بھی ہو آپکا ارادہ لیکن مسلم لیگ کو اس سے تقویت پہنچے گی''۔تو انہوں نے کہا کہ اچھا اگر آپ پسند کرتے ہیں تو میں نواب مظفر علی خان صاحب سے بات کرتا ہوں کہ وہ شامل ہو جائیں اور مجھے آپ معذور سمجھیں کیونکہ میرا ارادہ سیاسیات میں حصہ لینے کا نہیں ہے۔جرنلسٹ: چوہدری صاحب یہ ارشاد فرمایئے کہ آپ نے ہندوستان کے فیڈرل کورٹ سے کب استعفیٰ دیا اور کیوں استعفیٰ دیا؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: تین جون 1947ء کو پھر ایک اور بیان وزیر اعظم Attlee نے دیا جس میں تقسیم کے طریق کی وضاحت کی گئی تھی۔تو ان کے اس بیان پر ہی میں نے فوراً ہی اپنا استعفیٰ چیف جسٹس کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا تین جون ہی کو۔اور میں نے اس میں لکھا کہ میرا یہ استعفیٰ دس جون سے سمجھا جائے۔میرا اندازہ ہے کہ تین جون بھی شاید سوموار کا دن تھا لیکن ہر صورت ایک ہفتہ میں نے ان کو دیا۔اور میں نے یہ سمجھا کہ کم از کم ایک ہفتہ کی اطلاع چیف جسٹس کو پہلے سے ہونی چاہیے کہ یہ فیڈرل کورٹ کو چھوڑنا چاہتا ہے۔ان دنوں نواب حمید اللہ خان صاحب والیِ بھوپال بھی دہلی میں تھے اور ان دنوں میں دہلی میں بہت سے مشورے وغیرہ ہو رہے تھے۔تو میری ان سے پہلے بھی راہ و رسم تھی۔تو شاید مجھ سے بات چیت کرنے میں انہیں معلوم ہو گیا کہ میں نے استعفیٰ دے دیا ہے تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم یہاں سے تو (نوکری) چھوڑ ہی رہے ہو تو کچھ عرصہ کے لئے میرے پاس بھوپال آ جاؤ۔بطور میرے آئینی مشیر کے۔اس وقت وہ Chamber of Princes کے چانسلر تھے۔اور کچھ امیروں وغیرہ سے مشورہ ہوا۔اور دس جون ہی کو میں بھوپال چلا گیا۔جرنلسٹ: آپ یہ ارشاد فرمائیں گے کہ ایک اہم واقعہ جو آپ کی ذات سی اور ہماری قومی تاریخ سے وابستہ ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جب تقسیم ہند کا مسئلہ تہہ پا گیا تو آپ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کے مؤقف میں پیش ہوئے تھے۔اور اس کی آپ نے تائید کی تھی اور وہاں ہمارا کیس پیش کیا تھا۔اس سلسلہ میں آپ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ کس وقت یہ خدمت آپ کے سپرد کی گئی اور کیسے تفویض کی گئی؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: مجھے بھوپال سے قائداعظم نے دہلی طلب کیا اور یہ غالباً جون کے آخری ایک دو دن یا جولائی کے پہلے ایک دو دن کا واقعہ ہے اور انہوں نے ارشاد فرمایا کہ باؤنڈری کمیشن قائم ہونے والی ہے ایک پنجاب کے لئے اور ایک بنگال کے لئے اور میں چاہتا ہوں کہ پنجاب کی باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی طرف سے تم ہماری وکالت کرو۔میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ میں حاضر ہوں لیکن مجھے دو دن ہی ہوئے ہیں کہ نواب صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے انگلستان جا کر کچھ کوشش کرنی چاہیے کہ اب وہ مسودہ قانون کا Indian independence act پیش ہونے والا ہے اور وہاں اس میں جو فقرہ ریاستوں کے متعلق ہے اس پر اگر مزید توجیح اگر کچھ اس قسم کی ہو جائے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہماری کیا صورت ہوگی۔کیا ہمیں انتخاب کا اختیار ہوگا؟ تو شاید اس میں ہماری حفاظت ہو سکے۔تو قائداعظم نے پوچھا کہ تم کب جا رہے ہو تو میں نے کہا کہ پرسوں۔انہوں نے پوچھا کہ کب تک رہو گے

انگلستان؟ تو میں نے کہا کہ میرے ٹھہرنے کا دو ہفتہ تک کا ہے۔تو کہنے لگے کہ یہ کافی وقت ہے تمہاری واپسی تک کیس تیار ہوا ہوگا۔تمہیں بس اپنے دلائل کو ترتیب دینا ہوگی اور ابھی تو ایمپائر بھی مقرر نہیں ہوا۔تو اس لئے تمہاری واپسی بروقت ہی ہوگی۔تم بے شک جاؤ لیکن اس سے زیادہ عرصہ قیام نہ کرنا وہاں چنانچہ میں 14 دن کے بعد واپس لاہور میں پہنچ گیا تھا اور یہ خدمت میں نے اپنے سپرد لے لی تھی۔ جرنلسٹ: کیا جب آپ لاہور تشریف لائے تو باؤنڈری کمیشن کے سامنے جو مسلمانوں کا کیس پیش کیا جارہا تھا اس کی تیاری مکمل ہو چکی تھی؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: اس کی تیاری مکمل ہونا تو دور کی بات ہے۔ قطعاً کسی قسم کی کوئی تیاری نہیں تھی۔ جرنلسٹ: یعنی شروع بھی نہیں ہوئی تھی؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: شروع بھی نہیں ہوئی تھی اور میرے لئے یہ امر نہایت پریشانی کا موجب ہوا۔جرنلسٹ: پھر مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو بلا لیا گیا اور قائداعظم نے آپ کو طلب کیا کہ آپ یہ کیس پیش کریں اور تشریف لائیں لاہور تو کیا آپ ارشاد فرمائیں گے کہ اس وقت ہماری صورت حال کیا تھی؟ ہم کس حد تک اس کی تیاری میں مگن تھے؟ مصروف تھے؟ کون لوگ آپ کے شریک کار تھے؟ کیا مسوّدات تیار ہو چکے تھے؟ آخر یہ ہماری زندگی موت کا سوال تھا کہ وقت کہاں تقسیم کا خط کھنچتا ہے؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: اسٹیشن پر بڑا ہجوم تھا میرے سارے ذاتی دوست بھی وہاں موجود تھے اور باقی لیڈر بھی تھے اور نواب صاحب بھی تھے۔نواب (سمجھ نہیں آیا نام 59:13) تو مجھے پہلے تو نواب صاحب نے یہ دعوت دی کہ میں ان کے ہاں ٹھہروں تو میں نے عرض کر دیا کہ میں سید مراتب علی شاہ صاحب کے ہاں انتظام کر چکا ہوں تو میں ان کے ہاں ٹھہروں گا۔تو انہوں نے بتایا کہ ریڈ کلف صاحب ایک دن پیشتر یا اس دن لاہور تشریف لے آئے تھے اور انہوں نے دوسرے دن یعنی منگل کے دن گیارہ بجے سب فریقوں کے وکیلوں کو طلب کیا تھا کہ ان کیساتھ رابطہ کے متعلق بات چیت کریں۔اور اڑھائی بجے نواب صاحب نے اپنے مکان پر وکلا کو بلایا ہوا تھا۔جس سے میں نے یہی اندازہ کیا اُن وکلاء کو کہ وہ تیاری میں مصروف ہیں اور مجھے ان سے ملنا ہوگا اور پھر ان کے ساتھ مل کر کیس کی تیاری کرنا ہوگی۔اور کیس کو پیش کرنا ہوگا۔تو خیر یہ سب ممکن ہوا اور دوسرے دن گیارہ بجے ہم پیش ہو گئے۔سر ریڈ کلف نے ضابطہ جو کچھ انہوں نے فیصلہ کیا تھا اور ممبران کمیشن کے ساتھ وہ ہمیں بتادیا اور اس کا خلاصہ یہ تھا کہ سب فریق اپنے تاریخی بیان جمعہ کے دن دوپہر بارہ بجے داخل کر دیں اور پھر دوسرے سوموار کو یعنی کہ منگل کا دن تھا اور اس کے بعد جو سوموار آنا تھا اس دن زبانی بحث کے لئے تیار ہو جائیں۔اور ساتھ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں تو باؤنڈری کمیشن کے ساتھ بیٹھوں گا نہیں۔اگر باؤنڈری کمیشن متفقہ رپورٹ کرے یا اکثریت ان کی رپورٹ پر اتفاق کرلیں تو پھر میرا تو کام ختم ہو جائے گا لیکن ساری کاروائی مجھ تک پہنچتی رہے گی اور میں اس کو اچھی طرح سے مطالعہ کرلوں گا یہ کہہ کر وکلاء وغیرہ کو انہوں نے جس نے کوئی وضاحت پوچھی ہوگی اس کو وضاحت کر کے رُخصت کر دیا۔تو اڑھائی بجے میں پھر حاضر ہو گیا۔روڈ پر جو مکان تھا سر مراتب علی صاحب کا جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا تو وہاں ہمسائے میں کوئی چالیس پچاس وکلاء تشریف رکھتے تھے اور ان کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا اور میں بیٹھ گیا اور ان میں سے اکثر کو تو میں پہلے جانتا تھا میرے رفقاء تھے جب میں یہاں پریکٹس کرتا تھا تو میں نے پوچھا کہ آپ میں سے کون کون صاحب اس کیس کی تیاری کر رہے ہیں اور میرے ساتھ کام کر رہے ہیں تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ کون سا کیس؟ میں نے کہا کہ یہی جو باؤنڈری کا کیس چل رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو کسی کیس کا علم نہیں ہے۔ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ تم آرہے ہو اور ہم سے کسی مسئلہ پر بحث کرو گے تو ہم تمہارے ملنے کے لئے حاضر ہو گئے۔تو اس پر مجھے بہت پریشانی ہوئی اور میں نے فوراً نواب صاحب سے رُخصت چاہی اور اس وقت میرے جذبات کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اتنی اہم بات اور میں بالکل خالی کہ مجھے کسی قسم کا کوئی مواد یا مسالہ

میرے پاس نہ تھا اور نہ مجھے دیا گیا۔لیکن جب میں اپنے مکان پر واپس گیا تو سامنے کوٹھی کے باغیچے میں خواجہ عبدالرحیم صاحب کا دفتر تھا اور یہ refugees کے معاملہ میں اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے۔وہ تشریف لے آئے۔اور انکے پاس ایک پلندا کاغذات کا تھا۔اور وہ انہوں نے مجھے دیا کہ چوہدری صاحب میں نے اپنے طور پر کچھ اعداد و شمار وغیرہ آبادی کے تیار کیئے ہوئے ہیں شاید اس سے آپ کو کچھ مدد مل جائے۔ انہوں نے تو کہا کہ ''شاید مدد مل جائے'' لیکن میں نے اپنے دل میں خدا تعالیٰ کا بڑا شکر ادا کیا۔کہ کچھ تو مجھے معلوم ہوگا کہ شروع کہاں سے کرنا ہے۔اور چار وکلاء باہر سے یا شاید پانچ تشریف لے آئے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا کہ تم ہمارے ذمہ جو بھی خدمت کردو تو ہم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ان میں سے ایک تو تھے چوہدری علی اکبر جو ہوشیار پور میں تھے پہلے اور پھر گورداسپور میں وہ منتقل ہو گئے تھے۔اور ایک صاحبزادہ نصرت علی اور ایک سید محمد شاہ صاحب پاکپتن سے اور ایک شیخ نثار احمد صاحب۔جرنلسٹ: یہ آپکی ایک ٹیم بن گئی تھی۔سر ظفر اللہ خان صاحب: وہ بھی خالی تھے میری طرح۔ جیسے میں خالی تھا۔لیکن ان کی وجہ سے مجھے کچھ اطمینان ہو گیا تھا کہ آپس میں مشورے سے اور خیالات کے تبادلے اور arguments کو ٹیسٹ وغیرہ سے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔چنانچہ میں نے وہاں سے نکلتے ہوئے نواب صاحب کی خدمت میں عرض کی تھی کہ جو کچھ مجھ سے بن پائے گا میں کوشش کروں گا اور تیاری کروں گا تو دو دن باقی ہیں ہمارے پاس، بدھ اور جمعرات اور جمعہ کو تحریری بیان داخل کرنا ہے تو آپ یہ انتظام فرمادیں کہ دو stenographer صبح آٹھ بجے آجائیں تاکہ میں ایک کو لکھواؤں اور جب وہ آکر اپنا ٹائپ کرے تو دوسرا اسکی جگہ لکھنا شروع کرے۔انہوں نے کہا کہ سات بجے پہنچ جائیں گے۔میں نے کہا کہ الحمد اللہ۔میں سات بجے تیار رہوں گا۔تو میں سات بجے تیار ہو گیا۔سات،سوا سات،ساڑھے سات،پونے آٹھ،ساڑھے آٹھ ہو گئے۔کوئی stenographer نہ تھا۔چنانچہ پھر میں نے ٹیلی فون کیا خواجہ ابراہیم صاحب کو وہ آئے اور پوچھا کہ کیا بات ہے میں نے کہا کہ یہ صورت حال ہے۔مجھے stenographer چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ میں بھیج دیتا ہوں۔چنانچہ انہوں نے دو بھیج دیئے۔ان صورتوں میں پھر تیاری کی۔جرنلسٹ: یہ ہماری ایک طرح سے بے سرو سامانی اور تیاری کا نہ ہونے کا واقعہ ہے لیکن دوسری طرف صورتحال یہ ہے چوہدری صاحب کہ پچھلے دنوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے جو چیف جسٹس تھے پاکستان کے منیر صاحب۔ان کا ایک انٹرویو ریڈیو پاکستان نے ریکارڈ کیا ہے۔جو ہمارے دوست جسٹس نسیم حسن شاہ صاحب نے ان سے کیا۔اس میں انہوں نے آپ کی وکالت کی بہت تعریف کی ہے۔اور کہا ہے کہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے آپ نے نہایت کامیابی اور نہایت محنت سے اور بہت کمال سے ہمارا یہ کیس پیش کیا۔تو کیا آپ بتا سکیں گے کہ ان حالات میں آپ سے یہ کام کیسے سرزد ہوا؟

سر ظفر اللہ خان صاحب: اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہوتا ہے میں تو کوئی وجہ نہیں بتا سکتا۔مجھے مواد جو مل گیا اس کی بنا پر پھر میں نے سوچنا شروع کیا کہ بنیادی بات جو کمیشن کے ٹرمز آف ریفرینس میں تھی وہ یہ طے کرنا تھی Contiguous Majority Areas تو یہ ایک اصطلاحی امر تھا کہ وہ معیار کا کام کریں گے کیونکہ اس معیار پر منحصر تھا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا تو ایک تو یہی تھا کہ نوشنل پارٹیشن جو ہو چکی تھی کہ چند اضلاع اس طرف اور چند اس طرف۔ہمیں اگر وہ فائدہ مند ہوتی تو اس پر زور دیتے یا کمشنری کو معیار مقرر کر دیا جاتا یا تحصیل کو یا تھانے کو یا ایک گاؤں کو۔اب گاؤں یا تھانا تو بالکل ایک ناقابل عمل تقسیم تھی کیونکہ اس سے بالکل ساری کرنال تک بلکہ امبالہ کی تحصیل تک بعض تھانے ایسے تھے جن میں مسلمانوں کی کثرت تھی اور یہاں بعض تھانے ایسے ہوتے تھے جن میں ہندوؤں کی اور غیر مسلموں کی کثرت تھی۔تو نوشنل پر اس لئے زور دینا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کے ذہن میں بڑے بڑے وسیع حدود تھے۔اور یہ آگرہ تک بھی رکتے نہ تھے۔تو میں نے پھر

جب اعداد وشمار دیکھے تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ تحصیل کو اگر معیار قائم کیا جائے تو اس سے مثلاً جو موجودہ (پاکستان22:00) میں تقسیم ہوئی تو اس کے مقابلہ میں فیروز پور، زیرہ، جالندھر اور نوکودر وغیرہ کی تحصیل ہمیں حاصل ہوتی ہے اور گورداسپور، بٹالہ، امرتسر میں سے اجنالہ اور شکر گڑھ۔ ہوشیار پور کی ایک تحصیل میں یہ صورت تھی کہ وہاں نہ تو مسلمانوں کی کثرت تھی اور نہ ہندوؤں اور سکھوں کی ملا کر کثرت تھی بلکہ عیسائی جدھر جاتے تھے وہاں کثرت ہوجاتی تھی اور عیسائیوں نے ایک محضر نامہ پیش کیا تھا ایمپائر کے سامنے۔ کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو وہ تحصیل بھی پاکستان میں آتی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد نواب ممدوٹ خان صاحب کے ساتھ مشورہ کرنا تو فضول تھا ان باتوں میں کیونکہ وہ بیچارے تو ان باتوں سے بالکل معصوم تھے۔ جرنلسٹ: آپ کو instructions کون دے رہا تھا مسلم لیگ کی طرف سے؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: میں ابھی عرض کرتا ہوں۔ تو میں نے دولتانہ صاحب اور سردار شوکت حیات کو بلایا کہ آپ آئیں کیونکہ میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس وقت معلوم ہوا کہ سردار شوکت حیات صاحب تو بیمار ہیں۔ ان کو ملیریا تھا اور تپ تھا۔ دولتانہ صاحب آئے اور ان سے میں نے یہ ذکر کیا کہ یہ صورت ہے تو میں نے تو مسلم لیگ کا کیس پیش کرنا ہے اور مجھے تو بتایا گیا تھا کہ آپ نے تیاری وغیرہ کی ہوگی خیر اب شکوہ کا تو وقت نہیں۔ تو آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے یہ بنانا ہے تو آپ بتائیں کہ کیا کیا جائے۔ تو کہنے لگے کہ انکل آپ سے بہتر کون سوچ سکتا ہے۔ مجھے انکل ہی کہا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ سوال نہیں کہ مجھ سے بہتر کون سوچ سکتا ہے؟ مجھے بتائیں کہ میری instructions کیا ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ بس ٹھیک ہے جو آپ کر رہے ہیں۔ تو چنانچہ اس کے مطابق میں نے تیاری شروع کر دی اور ساتھ ساتھ میرے جو ساتھی تھے ان میں سے تین کے ساتھ تو میں مشورہ کرتا رہا لیکن اکبر علی صاحب سے اس وقت رابطہ ہوتا جب کوئی اعداد وشمار کا کام ہوتا تھا۔ وہ اپنے دفتر سے جا کر موازنہ وغیرہ کر کے لے آیا کرتے تھے۔ تو ان کے ساتھ بھی گفتگو وغیرہ ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ جب میں نے تیار کر لیا تو پھر جمعرات کی شام کو میں نے دولتانہ صاحب کو بلایا اور ان کو دکھایا کہ یہ دیکھ لو کہ یہ تیار ہوگیا ہے اس کو ایک بار دیکھ لو تا کہ صبح ٹائپ کروا کر کے اس کو داخل کریں۔ تو وہ کہنے لگے کہ اگر آپ نے فائنل کر دیا ہے تو ٹھیک ہی ہوگا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ This is my briefs, you got to study it تو انہوں نے پھر اسے پڑھا اور پھر بہت تعریفی الفاظ وغیرہ کہہ کر وہ دے گئے۔ دوسرے دن پھر ہم نے صاف وغیرہ کر کے نثار احمد صاحب نے جا کر 12 بجے دفتر میں داخل کروا دیا۔ جرنلسٹ: چوہدری صاحب یہ ارشاد فرمایئے میں پیشتر اس کے کہ سوال پوچھوں، خود ایک پاکستانی کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے پلٹ کر جتنا اپنی قومی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور مقدور بھر جتنی کتابیں انگلستان میں یہاں چھپی ہیں اس مسئلہ پر، میری ناچیز رائے میں یہ جو خط تقسیم کھینچا گیا یہ کسی ایمانداری کی رُو سے نہیں کھینچا گیا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے؟ آپ تو خود اس کے مشاہدے کرنے والوں میں سے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ خط تقسیم کسی ایمانداری کی رُو سے کھینچا گیا یا کسی سیاسی خیال سے کھینچا گیا؟

سر ظفر اللہ خان صاحب: یہ بھی ایک لمبا قصہ ہے۔ میں جب قائداعظم کے ساتھ دہلی میں ملا اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ تم تیاری کرو کیونکہ تمہیں بحث کرنا ہوگی۔ اور ذکر کیا کہ ابھی ایمپائر کا انتخاب بھی نہیں ہوا۔ تو میں نے ان کی خدمت میں عرض کی تھی کہ آپ اس بات پر موثر ہوں کہ ایمپائر لارڈز آف اپیل میں سے کوئی آئے کیونکہ یہ تو ہر ایک انسان کے متعلق امکان ہوتا ہے کہ وہ غلطی کرے، اس کے پوزیشن میں کوئی بات نہ آئے اور وہ بات ہمارے لئے مفید نہ ہو یا مضر ہو جو وہ کرے۔ لیکن ان کے متعلق یہ اطمینان ہوگا کہ وہ کسی کے اثر کے ماتحت

بات نہیں کریگا کیونکہ ان لوگوں کی تربیت ہی ایسی ہوتی ہے۔انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے۔ چنانچہ چوہدری محمد علی صاحب کی کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ کوشش کی تھی کہ کمیشن ہی تین لارڈز آف اپیل کمیشن کریں لیکن وہ فیصلہ کر بیٹھے تھے ریڈ کلف کے متعلق۔اور انہوں نے یہ کہہ کر کہ وہ بوڑھے لوگ ہیں اور یہاں بہت گرمی ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ ان کے لئے گرمی کے موسم میں یہاں آنا بہت مشکل ہے۔اور پھر اس میں تاخیر ہوجائے گی چنانچہ (لفظ سمجھ نہیں آیا 26:49) پھر اس کو مان گئے۔ریڈ کلف صاحب اس وقت ممبر آف پارلیمنٹ تھے اور پریکٹس میں لگے ہوئے تھے۔پیشہ تھا ان کا۔وہ تشریف لے آئے۔ایک جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا بیان یہ بھی چھپا ہوا ہے وہ جو دی گریٹ ڈیوائیڈ میں ہے غالباً۔تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس نہ ٹھہریں تا کہ ایسا شک نہ گزرے کہ میں ان پر کوئی اثر ڈالتا ہوں لیکن وائس ریگل اسٹیٹ میں ان کیلئے مکان کا انتظام کیا اور عملہ والے سارے ان کے ساتھ ملتے تھے۔یہ ممکن ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خود اپنے منہ سے انہیں کچھ نہ کہا ہو لیکن یہ یقینی بات ہے کہ جو سٹاف ان کے ساتھ تھا وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ گھلے ملے تھے سارا وقت۔چنانچہ ایک بات کے متعلق تو (اب تو واضح ہوگئی ہے میری ایک چھوٹی سی کتاب چھپی ہے Agony of Pakistan تو اس میں میں نے کھول کر وضاحت دے دی ہے) کہ جس دن ہمیں ریڈ کلف نے منگل کے دن بلایا ضابطہ وغیرہ سمجھانے کیلئے۔اس سے دوسرے دن بدھ وار کو سہ پہر کے قریب غالباً شیخ دین محمد صاحب مرحوم تشریف لائے۔انہوں نے کہا کہ بھئی تم نے بحث کرنی ہے جو کچھ تم سے بن پڑے گا تم کہو گے ذمہ داری تو اصل ہم پر ہوگی کہ ہم کیا کرتے ہیں کمیشن میں۔اور میں تمہیں یہ بتانے کیلئے آیا ہوں کہ باؤنڈری تو پہلے ہی مقرر ہوچکی ہے اب تم جو چاہو کرلو اور جو ہم سے ہو سکے گا ہم کریں گے لیکن ہو کچھ بھی نہیں سکتا۔یہ امر طے شدہ ہے میں نے کہا کہ کیسے معلوم ہوا؟ اس کا ذکر ممکن ہے کہ منیر صاحب نے کیا ہو کہ کہیں گے جب تم چلے آئے تو کل ریڈ کلف نے کہا کہ وہ انہوں نے حکومت سے ایک چھوٹے ہوائی جہاز کا انتظام کیا ہے وہ ایریل سروے کیلئے کل صبح جانا چاہتے ہیں تو شیخ صاحب نے فرمایا کہ میں نے انہیں کہا کہ تمہارا کام تو ایمپائر کا ہے اور جو مواد ہمارے سامنے پیش ہو اس کی بنا پر تم نے فیصلہ کرنا ہے ایریل سروے جو تم کرنے جاؤ گے اس سے جو تمہاری طبیعت پر تاثر وغیرہ ہوگا یہ ہمیں کیسے پتا چلے گا؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو اچھی بات ہے چھوٹا جہاز ہے پانچ آدمی اس میں زیادہ سے زیادہ جا سکتے ہیں۔ایک تو ہوگا پائلٹ تو دو آپ میں سے آجائیں دونوں فریقوں میں سے ایک ایک۔چنانچہ شیخ دین محمد نے کہا کہ ہماری طرف سے منیر جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ ہماری طرف سے تیجہ سنگھ جائیں گے نانچہ جہاں تک مجھے یاد ہے جو شیخ صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ یہ والٹن ایئرپورٹ پر جمع ہونگے۔پائلٹ نے کہا کہ صاحب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اوپر ایک آندھی کی چھت بنی ہے غبار چھایا ہوا ہے تو آپ کو میں لے چلتا ہوں اگر آپ اسرار کریں لیکن دوسری طرف سے بھی آپ کو یہی نظر آئے گا غبار کی دوسری طرف۔جیسے آپ چاہیں۔اس پر ریڈ کلف نے سروے تو منسوخ کر دیا تو منیر صاحب نے ان سے پوچھا کہ ہم نے جانا کہاں تھا تو اس سے انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس کی ہدایت یہ تھی کہ پہلے مشرق کی طرف وہ جائے مشرق کی سمت پٹھان کوٹ کے قریب سے جہاں دریائے راوی میدان میں داخل ہوتا ہے پھر دریائے راوی کے اوپر چلتا آئے کسی گاؤں کا یا کوئی نشان تھا مشرق میں لاہور کے ضلع میں۔وہاں سے پھر بائیں کو مڑ کر فیروز پور تک جائے تو شیخ صاحب نے کہا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ باؤنڈری ہے ورنہ یہ نہیں کہ عام طور پر وہ دیکھنے گیا کہ پنجاب کی شکل کیا ہے اور دریا کہاں بہتے ہیں یہ ایک خاص اس کو لائن بتائی گئی تھی۔تو معلوم تھا کہ کسی نے اس کو یہ بتایا تھا اور وہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔تو میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے اور ہمارا تو اس میں کوئی بھی عمل دخل نہیں ہوگا۔تو میں جا رہا ہوں دہلی۔اور میں قائداعظم صاحب

کی خدمت میں یہی عرض کروں گا اوران کو بتا دوں گا کہ منیراور میں استعفیٰ دے رہے ہیں۔ یہ کمیشن ٹوٹ جائے گا۔ میں نے کہا کہ وہ بڑے قانونی آدمی ہیں تو آپ ان کو کوئی قانونی دلیل بتائیں اور یہ نہیں کہ اس سے ہم یہ قیاس کرتے ہیں تو اس سے وہ نہیں مانیں گے۔ میرا تو خیال ہے کہ ایسے بھی نہیں مانیں گے۔تو وہ کہنے لگے کہ قانونی طور پر میں کیا بتاؤں؟ میں نے کہا کہ آپ اس طور پر ان کے سامنے پیش کریں کہ یہ ایمپائر ہے اور جو یہ فیصلہ کرے تو وہ ہم پہلے منسوخ کریں گےلیکن اس کا فیصلہ ہونا چاہیے یہ نہیں کہ اور کوئی اس کو پٹی پڑھا دیا اور وہ اس پر عمل کرے۔ تو آپ اس کو طلب کریں کہ یہ اطلاع مجھے ملی ہے کہ یہ اس قسم کا سروے کرنا چاہتے ہیں۔ میرا اطمینان کروایا جائے کہ یہ سروے کی تجویز کس نے بتائی اور کیوں بتائی اس کی وجہ کیا پیش ہوئی۔ اس کا وہ کیا اثر چاہتے تھے؟ اگر اس کا آپ کو اطمینان ہوجائے تو ٹھیک ہے اگر نہ اطمینان ہو تو کہہ دیں کہ ہمیں نہیں ہے اعتماد اور اس پر دوسرے لوگوں کا اثر پڑ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا بحر حال میں اس پر عمل کروں گا۔ چنانچہ وہ رات کو گئے۔ یہ چند دن ہی ہوئے ہیں مجھے سید واجد علی صاحب نے بتایا ہے کہ یہ ان کیساتھ تھے اور بدھ کی شام کو وہ گئے، جمعرات وہاں ٹھہرے اور جمعہ کی شام کو اسٹیشن سے آتے ہی راستے میں گزرے میرے پاس ٹھہرے اور کہا کہ وہ نہیں مانتے انہوں نے کہا ہے کہ do your bestانہوں نے کہا ہے کہ میں نے اس کو سمجھا دیا ہے (لفظ سمجھ نہیں آیا) کیا ہوتے ہیں کیا نہیں ہوتے تو پھر آخر پر جا کر وہی ہوئی لائن جیسے بنی۔ اور صرف اس میں یہ فرق ہوا اور وہ بالکل آخر میں جا کر فرق ہوا کہ اس میں سے بھی فیروز پور، وزیرہ کی تحصیل نکال لی۔ جرنلسٹ: لیکن چوہدری صاحب آپ کا جو کیس تھا باؤنڈری کمیشن کے سامنے۔ اس میں آپ نے کیا تجویز کیا تھا کہ خط تقسیم کیا ہونا چاہیے؟ سر ظفراللہ خان صاحب: جو میں نے علاقے بتائے ہیں ان کو شامل کر کے فیروز پور، زیرہ، نکودر، جالندھر اور ہوشیار پور کی ایک تحصیل ہے ۔ نام میرے ذہن میں نہیں آرہا۔ جرنلسٹ: امرتسر سر ظفراللہ خان صاحب: نہیں نہیں امرتسر نہیں۔ امرتسر میں سے اجنالہ اور بٹالہ گورداسپور اور شکر گڑھ۔ جرنلسٹ: چوہدری صاحب یہ ارشاد فرمائیے کہ یہ باؤنڈری کمشن میں اپنی خدمات کے بعد پھر آپ نے پاکستان کی وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالا

سر ظفراللہ خان صاحب: بحث ختم ہوتے ہی میں واپس بھوپال چلا گیا۔ چند دن بعد پھر مجھے قائداعظم صاحب نے بلایا۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم ۔لیکن اس وقت پھر کراچی طلب فرمایا تھا۔ کہ تم ہمارے وفد کی قیادت کرو united nations میں۔ پاکستان کے داخلہ کا اسوقت فیصلہ ہونا تھا۔ تو میں اس خدمت میں چلا گیا۔ وہاں سے واپسی پر۔ جب میں واپس پہنچا تو پھر میں کراچی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے بتایا کہ وہ خدمت جو آپ نے سپرد فرمائی تھی وہ میں کر آیا ہوں۔ کچھ مختصراً بتایا بھی کہ کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔ تو پوچھا کہ اب تمہارا کیا پروگرام ہے تو میں نے کہا کہ میں واپس جا رہا ہوں بھوپال۔ لاہور سے ہو کر جاؤ گے؟ میں نے کہا جی۔ تو لیاقت علی خان لاہور ہیں۔ ان سے ملنا۔ میں نے کہا جی بہت اچھا And when are you going to get rid of your entanglements Don't you know I need you here میں نے کہا اچھا جی جیسے آپ حکم فرمائیں۔ تو کہنے لگے کہ جاؤ اس سے بات کرلو۔ تو میں لاہور آیا میں پھر لیاقت علی خان صاحب سے ملا تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات کی تھی قائداعظم نے تمہارے ساتھ؟ میں نے عرض کر دیا کہ انہوں نے فرمایا تھا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایک تو ہمیں یہاں chief justice کی ضرورت ہے اور جلد ہی اس کا بھی تقرر ہونا چاہیے تا کہ وہ اپنے رفقاء کا انتخاب کرے پھر قوائد وغیرہ بھی چاہیں supreme court کیلئے، وہ بھی تیار ہوں۔ تم چاہو تو وہ لے لو۔ پھر دولتانہ صاحب نے قائداعظم صاحب کی خدمت میں گزارش کی ہے کہ یہ جو refugees وغیرہ کا جھگڑا ہو رہا ہے اور بہت سے جو نئے

سوالات پیدا ہو رہے تھے یہ ہمارے بس کی بات تو ہے نہیں۔ یہاں کے لوگ جو ہیں ہماری مشکل یہ ہے کہ وہ ہماری بات تو نہیں مانتے تو ہمیں یہاں کوئی ڈنڈے باز بولڈ چاہیے تو تمہارا نام لیا ہے۔ کہ تمہیں بھیج دیں۔ چاہو تو یہاں آ جاؤ۔ اور پھر مسکرا کر فرمانے لگے کہ ویسے تو وزارت خارجہ بھی خالی ہے۔ میں نے فی الحال اس کا چارج لیا ہوا ہے۔ میرے پاس تو دفاع کی وزارت بھی ہے اور وزارت عظمیٰ بھی ہے۔ میں زیادہ کوئی توجہ تو نہیں دے سکتا۔ چاہو تو یہ کر لو۔ تو آپ سوچ لو کہ کتنے دن ٹھہرنا ہے تو میں نے کہا کہ میں کل چلا جاؤں گا بھوپال۔ کہنے لگے کہ جانے سے پہلے مجھے بتا دینا کہ کیا کرنا چاہتے ہو۔ تو میں ان کا شکریہ ادا کر کے جانا چاہتا ہوں اور اُٹھا ہوں تو کہنے لگے کہ ہاں ٹھہریئے قائداعظم چاہتے ہیں کہ آپ foreign minstery کا ہی قلمدان (56:35) دیں۔ میں نے کہا کہ جب وہ چاہتے ہیں تو پھر آپ مجھے یہ کیوں کہتے ہیں کہ تمہیں اختیار ہے۔ کہنے لگے کہ بس وہ یہی کہتے ہیں تو میں نے کہا کہ پھر تو اچھی بات ہے۔ کہنے لگے کہ پھر آپ جلدی سے جلدی پہنچ جائیں۔ تو میں نے بھوپال جا کر نواب صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ جو ہونے والا ہے اس کے تو آپ نقش ونگار ابھی سے ہو رہے ہیں لیکن اگر وہاں مسلمانوں کی کچھ خدمت ہو سکے تو میں تمہیں روکتا نہیں چنانچہ انہوں نے مجھے بھجوانے کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے کر دیا اور میں نے وہاں جا کر چارج لے لیا۔ جرنلسٹ: چوہدری صاحب آپ کے اس زمانہ میں دو باتیں ہیں جن کا میں خصوصیت سے آپ سے تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں میرے خیال سے آپ کی contribution بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ایک مسئلہ کشمیر ہے اور دوسرا مسئلہ فلسطین ہے۔ کشمیر کا مسئلہ تو خیر ہماری قومی زندگی کا ایک جز بن گیا۔ میں آپ سے پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ کشمیر کا مسئلہ جب UN میں گیا تو آپ کے خیال میں کس مقام پر کشمیر کا مسئلہ stalemate کی صورت اختیار کر گیا۔

سرظفراللہ خان صاحب: کشمیر کا مسئلہ شروع جنوری میں ہندوستان نے United Nations کے سامنے پیش کر دیا کشمیر کے مسئلہ پر بحث وسط جنوری میں شروع ہوئی۔ چھ فروری کو ایک resolution تیار کیا گیا جو دونوں فریقوں کو بھیج دیا گیا اور اس کو پھر کونسل کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس میں پاکستان تو (سمجھ نہیں آئی) 34:37 اس میں تجویز یہ تھی، ہندوستان کا مؤقف یہ تھا کہ ہمارے ساتھ الحاق ہو چکا ہے کشمیر کا ہم کشمیر کے ذمہ دار ہیں۔ یہ پاکستان نے اُکسا کر قبائلیوں کو ادھر بھیج دیا ہے۔ پاکستان کو ہدایت ہونی چاہیے کہ انکو باہر نکالیں اور ہم کشمیر کی آبادی کے آراء کے مطابق ان کا فیصلہ یہاں کا کر دیں گے جو وہ چاہیں۔ تو اس پر مطمئن نہیں تھی سیکٹریٹ کونسل۔ ہم نے اس کے جواب میں اپنی طرف سے جو جو، وہ لمبی بحث ہے اور ریکارڈ میں درج ہے۔ تو ہمارا زور یہ تھا کہ اوّل تو آراء شماری بالکل غیر جانبدار ہونی چاہیے اور دونوں فریقین کے مابین ہونی چاہیے ورلوگوں کا خاص طور پر اطمینان ہونا چاہیے کشمیر والوں کا اور ان پر کوئی زور نہ ڈالا جائے۔ اور موجودہ جو حکومت ہے وہاں اور شیخ عبداللہ ان کے ڈیلیگیشن میں تھے بلکہ وہاں تقریر بھی کر چکے تھے۔ اس وقت برطانیہ کیطرف سے ان کے وزیر common wealth فلپ تھے۔ انہوں نے کہا بھی کہ ظفراللہ تمہارا سب سے بڑا وکیل شیخ عبداللہ ہے اور اس کی تقریر سے ہم سب کو اطمینان ہو گیا ہے ور جو تم کہہ رہے ہو وہ سب ٹھیک ہے تو ان کا یہ اسرار تھا کہ غیر جانبدار حکومت قائم کی جائے پہلے اور ہندوستانی افواج کو باہر نکالا جائے اگر فوجوں کی ضرورت ہو امن قائم کرنے کے لئے تو دونوں طرف کی فوجیں ہوں۔ اس میں سارے وہ عنصر تھے جن سے ہمیں اطمینان ہونا چاہیے۔ پس اس پر جب بحث ہوئی اور پیش ہو گیا council کے سامنے اور کونسل کے اکثر اراکین اس کی تائید میں تقریر کر چکے تو سرگوپال جو ہندوستانی وفد کے سربراہ تھے انہوں نے کہا کہ ہمیں ابھی ابھی حکومت سے ہدایت موصول ہوئی ہے کہ ہمیں مشورہ کے لئے واپس آنے دیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ بحث کا

التوا ہو۔اس پر سیکریٹ کونسل کو برا تو بہت لگا لیکن کرتے کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے جتنی جلدی ہو سکے واپس آئیں بلکہ جو کولمبین ڈیلیگیٹ تھا اس نے تو یہاں تک کہا کہ صاحب صدر ابھی چند دن ہوئے ہمیں ہندوستان کے وفد کی طرف سے کہا گیا ہے کہ کشمیر جل رہا ہے اور سیکیورٹی کونسل ستار بجا رہی ہے۔تو کیا ہمیں بتا سکتے ہیں کہ کیا وہاں آگ بجھا دی گئی؟ اور اب کون ستار بجا رہا ہے؟ بس اب اس سے زیادہ وہ کیا کہہ سکتے تھے؟ تو انہوں نے ملتوی کر دیا۔اس وقت سے پھر پلٹا کھایا اور اس کی تفصیل بھی میں نے لکھ دی ہے Agony of Pakistan میں کہ جب وفد واپس چلا گیا تو انہوں نے ماؤنٹ بیٹن کے ذریعہ Attlee پر ڈورے ڈالنے شروع کئے تھوڑے عرصہ بعد چوہدری محمد علی نے کہا کہ یہ تو معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ میں وہ واپس آئیں گے اگر ہم بھی واپس چلے جائیں کراچی تو یہ سمجھا جائے گا کہ دونوں فریقین نے سیکریٹ کونسل کو خیر آباد کر دیا۔ یہ ہم کرنا نہیں چاہتے۔لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اب venue یہاں سے بدل کر لندن کر دیں اور وہاں سے۔۔۔۔(سمجھ نہیں آئی) وہاں Baven تھا Secretary State foreign affairfor اور Attlee تھا پرائم منسٹر Baven کے ساتھ صبح کے وقت میری ملاقات مقرر ہوئی اور پرائم منسٹر کے ساتھ سہ پہر کو میں ان سے ملا اور وہ بڑا دیانتدار آدمی تھا میں تو سمجھتا تھا بڑا ارف سا لیکن ہر معاملہ میں جو بات وہ کہتا تھا وہ پتے کی کہتا تھا یہ نہیں کہ سیاسی طور پر ادھر اُدھر کی۔اس نے۔ مجھے کہا کہ ظفر اللہ خان مجھے تمہارے ساتھ اتفاق ہے اور میں اس تائید میں ہوں کہ یہ تبھی نبٹے گا معاملہ ممکن ہے کہ نولبیکر 42:00 نے بھی اس کے ساتھ بات چیت کی ہو۔لیکن ہندوستان کے معاملات میں Crips has the ear of the Prime Minister and he has been at him and I 'the prime minister says 'understand you are going to meet him this afternoon well all I can say is wish you luck'yes' تو میں نے واپس ہوٹل آکر چوہدری صاحب سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بات بالکل بدل گئی چنانچہ میں Attlee سے ملا۔وہ میری طرف سیدھی آنکھ سے تو دیکھتے نہیں تھے کبھی ادھر کبھی اُدھر اور کہتے تھے کہ کیا تمہارا خیال نہیں کہ یہ ہو جائے، یوں کیوں نہ کر لیا جائے، وہ کیوں نہ کر لیا جائے۔اب تو پتا چل گیا کہ اس نے بہت شکایت کی تھی نہرو کی طرف سے ماؤنٹ بیٹن نے اور جو کچھ لکھا وہ چھپ گیا۔تو انہوں نے جو جو باتیں مجھے اس دن بتائیں پھر وہی resolution کے طور پر چیئرمین نے بعد میں رکھیں۔تو stalemate تو وہیں ہو گیا تھا۔

جرنلسٹ: چوہدری صاحب میں ایک گذارش یہ کرنا چاہتا تھا مجھے جب میں پلٹ کر دیکھتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ 1947 میں ابھی انگریز کو معلوم نہیں تھا کہ اس کا زوال کس حد ہونے والا ہے اور دنیا میں کیا کیا نئی طاقتیں اُبھرنے والی ہیں اور انگریز کا جو imperialism کا دور تھا وہ ختم ہو چکا ہے اسلئے لگتا یوں ہے مجھے کہ اوّل وہ ہندستان کی تقسیم کے حق میں نہیں تھا ہندوستان کی فوج کو تقسیم نہیں ہونے دینا چاہتا تھا اور بحر ہند میں چاہتا تھا کہ اگر ہندوستان تقسیم ہو گیا تو اس سے شاید ان کو کچھ مسائل پیدا ہو جائیں گے سب چیزیں اس کے زیر نظر تھیں اور روس کے بارہ میں اس کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان کو جس طرح وہ rule کرتا رہا ہے اس طرح کے حالات اب جاری رہیں گے لیکن جب یہ طے پا گیا کہ ہندوستان تقسیم ہو جائے گا اور ہندوستان اور پاکستان دو نئی مملکتیں بن جائیں گی تو پھر یہ کشمیر کا مسئلہ اور ایک ہندوستان کی طرف ایک خاص طرح کا سلوک اور پاکستان سے خاص طرح کی مخاصمت جس کی شہادت اب تاریخ میں نمایاں ہو چلی ہے۔آپ کے خیال میں یہ کیوں ہوا؟

سر ظفر اللہ خان صاحب: ایک تو ماؤنٹ بیٹن کی وجہ سے بڑی حد تک اور دوسرے Attlee یعنی Attlee صرف ماؤنٹ بیٹن کے

پڑھانے سے نہیں (اس کا بھی اثر ہوا) Attlee شروع سے تقسیم کے مخالف تھا ایک (بات)۔ دوسرے قائداعظم کے ساتھ اس کی بنتی نہیں تھی اور پھر ماؤنٹ بیٹن اور بھی مخالف قائداعظم کا ہو گیا یہ بڑا واضح dispatches میں آیا ہے مثلاً جب اسے معلوم ہوا کہ قائداعظم ایک گورنر جنرل مشترکہ کے راضی نہیں حالانکہ یہ بات ایک ہفتہ چلنے والی نہیں تھی اور اس کا ایک ہی حل جس کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں تھی وہ قائداعظم نے پیش کیا تھا انہوں نے کہا کہ گورنر جنرل کا ہندوستان میں ہندوستان فیصلہ کرے اور پاکستان کا پاکستان فیصلہ کرے لیکن آپ تقسیم کی کاروائی کی تکمیل کے لئے ملکہ معظم کے نمائندہ کے طور پر خصوصی اختیارات جو آپ کو دیئے جائیں وہ آپ کریں اور وائسرائے کے طور پر آپ یہاں آئیں یہ میری بڑی خواہش ہے اس وقت انہوں نے کہا کہ ہماری ڈسٹرکٹ گورنمنٹ اس کو نہیں مانے گی یہ کوئی عملی طور پر چلنے والی بات نہیں۔ اس دن سے بہت پہلے ہی اس کا نہرو کے ساتھ یارانہ تھا اور ان کے متعلق وہ کہتا تھا دو گھنٹے یا تین گھنٹے کی پہلی دفعہ ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے کہا، رات کو پھر بلایا ہوا تھا مسٹر جناح کو کھانے پر تو انہوں نے کہا کہ بھئی کھانا کل پر کر دو میں ایک دن میں دو بار نہیں کھا سکتا۔ اس طرح پھر ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد بھی اس بات پر ان کا اختلاف ہوا تو اس کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ یہ نہیں مانتے تھے حتیٰ کہ میں اُٹھ کر چلا آیا اب یہ اخلاق کے بالکل خلاف بات تھی۔ اس ساری بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ he was very very allergic to the Qaid e Azam

جرنلسٹ: تو یہ دو تھے دونوں؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: تیسرا Stephen Crips تو پولیٹکس کے لحاظ سے جہاں تک ہندوستان کا تعلق تھا کانگرس میں۔ جرنلسٹ: absolutely۔ چوہدری صاحب یہ ایک ضروری ہے اس مرحلہ پر ایک اور سوال آپ سے کیا جائے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب United Nations کا کمیشن آیا پاکستان اور ہندوستان اور کشمیر کو دیکھنے کیلئے آیا تو اس وقت ایک ایسا بیان پنڈت جوہر لال نہرو نے دیا تھا جس میں اس کی ایک طرح سے بلاواسطہ زد آپ پر پڑتی ہے۔ کہا یہ گیا کہ پاکستان کے نمائندہ نے United Nations میں جھوٹ بولا ہے کہ ہماری فوجیں کشمیر میں نہیں ہیں اور میرے خیال میں لازم ہے کہ آپ اس کی وضاحت فرمادیں۔

سر ظفر اللہ خان صاحب: جی اس کی وضاحت بھی بڑی صاف ہے۔ یہ بیان میرا فروری کا ہے اور فروری میں یہ بالکل صحیح بیان تھا کہ ہماری فوج براہ راست دخل نہیں دیتی۔ ہماری فوج نے، جب وہاں معاملہ اٹک گیا سیکیورٹی کونسل میں تو اس وقت اپریل کے آخر میں گئی اور اپریل کے آخر کے بعد ہم نے کبھی دعویٰ نہیں کیا بلکہ جب یہ کمیشن آیا آخر یہ بہت عرصہ وہاں بیٹھے رہے یعنی وہاں مطالعہ کرتے کاغذات وغیرہ کا۔ تو پہنچتے ہی پہلے دن جب مجھے رسمی طور پر ملنے کے لئے آئے تو میں نے اسی وقت نقشہ وغیرہ لٹکوائے ہوئے تھے۔ سیکیورٹی کونسل میں بحث بند ہونے کے بعد ایک نئی شکل پیدا ہوئی ہے جو یہ ہے۔ سر ڈگلس گریسی نے ایک summary بھی بھیجی تھی situation کی کہ وہاں سے چونکہ یہ ناکام آئے ہیں تو اب یہ تیاری کر رہے ہیں کہ کوئی فوجی فیصلہ کیا جائے اس جھگڑے کا تو اگر ہم نے اب ان کی فوجوں کو روکنے کی صورت نہ کی تو ہماری نہر جو منگلا سے نکلتی ہے وہ بھی اور دوسرے علاقے خطرہ میں پڑ جائیں گے۔ اس پر وزیراعظم صاحب نے فیصلہ کیا کہ اچھا send out forces and maintain the line تو یہ بات تو واضح ہے اور یہ ٹھیک ہے کہ میرا بیان تھا کہ میری فوج نہیں اور وہ کہتے یہی رہے نہرو صاحب کہ شروع مئی سے ہمارے پاس ثبوت تھا کہ انکی فوج ہے۔ یقینی طور پر فوج تھی بلکہ آخر اپریل سے فوج تھی اور میرا بیان فروری میں تھا۔

جرنلسٹ: ایک بات جس کی میں چاہتا ہوں کہ آپ مزید وضاحت فرمائیں وہ یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ہندوستان لے کر United

Nations میں گیا تھا ہم تو نہیں لے کر گئے تھے اور پھر ہندوستان ہی وہاں سے واپس لوٹ آیا جب اس نے دیکھا کہ resolution اس طرح جارہا ہے۔ میں پوچھنا یہ چاہوں گا کہ آخر ہندوستان United Nations میں کشمیر کا مسئلہ کس اُمید پر لے کر گیا تھا کیا ان کا خیال تھا کہ پاکستان کی کوئی نمائندگی نہیں کی جائے گی یا کیا چاہتے تھے وہ لوگ؟ سرظفر اللہ خان صاحب: جیسے میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ یہ چاہتے تھے کہ علیحدہ ہمارے ساتھ الحاق کر چکا ہے اس لئے پاکستان کی دفاع ہمارے ذمہ ہے۔ جرنلسٹ: پاکستان کی دفاع ہمارے ذمہ ہے؟ سرظفر اللہ خان صاحب: نہیں! کشمیر کا دفاع۔ تو پاکستان نے ہماری ذمہ داری میں دخل دیا ہے قبائیلوں کو راستہ دیا، چھوڑ دیا یا اُکسایا اور بھجوا دیا تو وہاں فساد کی صورت پیدا ہوگئی ہے تو پاکستان کو کہا جائے کہ یہ اپنا بین الاقوامی ذمہ داری پوری کریں ساتھ کے ملک میں دخل نہ دیں قبائلیوں کو واپس لے جائیں یا ان کو ترغیب دیں کہ وہ واپس چلے جائیں اور باقی یہ جو سوال ہے کہ الحاق مستقل طور پر کس کے ساتھ ہو یہ ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ کشمیر کے عوام کی مرضی کے مطابق ہوگا۔

جرنلسٹ: تو اگر اس پر United Nations مہر لگا دیتی تو ہندوستان کو منظور تھا لیکن اگر پاسا پلٹ جاتا تو یہ منظور نہیں تھا۔ سرظفر اللہ خان صاحب: انھوں نے پھر شکایت کی۔ نہرو نے اپنے dispatches میں لکھا ہے کہ نہرو نے کہا کہ سیکیورٹی کونسل کو ہمارے سے کوئی ہمدردی نہیں اور یہ فلپ نولبیکر 03:50 بھی کچھ امریکی نمائندہ سے کم نہیں ہے امریکی نمائندہ تو بڑی وضاحت سے بولتا تھا (الفاظ سمجھ نہیں آئے 13:50) یہ انصاف پر نہیں چل رہے یہ تو power politics ہے وغیرہ وغیرہ تو ماؤنٹ بیٹن نے اس میں لکھا ہے کہ میں نے تو نہرو کو سمجھایا ہے کہ power politics نہیں بلکہ کیس پر بھی کچھ توجہ کرنی چاہیے لیکن اس وقت مشورہ دیا کہ تم نولبیکر کو کہو کہ اتنے واضح الفاظ میں مخالفت نہ کرے۔ نولبیکر نے بعد میں جب وہ وزیر نہیں رہے تھے مجھے پیرس میں 51ء میں بتایا اور اس کے بعد بھی میری ان سے پچھلے سال ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ نہرو اپنی بات پر اڑا ہوا تھا کہ اس کا فیصلہ اسی طور پر ہوسکتا ہے کہ یہ سیف گارڈز ہوں تاکہ (الفاظ سمجھ نہیں آئے 57:50) تاکہ آزادانہ ہو لیکن Attlee ایسا میرے پیچھے پڑ گیا کہ پہلے تو مجھے ہٹا کر got rid of me جرنلسٹ: چوہدری صاحب یہ جب لیاقت علی خاں امریکہ تشریف لے گئے تھے تو اس وقت وزارت خارجہ قلمدان آپ کے پاس تھا؟

سرظفر اللہ خان صاحب: جی ہاں جرنلسٹ: پاکستان کی خارجہ پالیسی پر جو تبصرے ہوئے ہیں اور جو کچھ لکھا گیا ہے اس سلسلہ میں اکثر اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اقدام اس لئے غلط تھا کہ اس سے پہلے روس کی طرف سے دعوت نامہ مل چکا تھا اور روس کا دعوت نامہ ملنے کے بعد امریکہ کا دعوت نامہ ملا تھا اور لیاقت علی خان صاحب امریکہ تشریف لے گئے جس سے ابتداء ہی سے پاکستان کے روس کے ساتھ تعلقات خراب ہوگئے۔ میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ کیا یہ آپ کے مشورے سے ہوا تھا اور اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سرظفر اللہ خان صاحب: میں تو ملک سے باہر تھا یہی کشمیر کے جھگڑے وغیرہ کے لئے اور نصف سال مجھے باہر رہنا پڑتا تھا ایک تو یہ کہ میں اسمبلی کا سارا وقت وہاں رہا کرتا تھا نیا نیا ملک تھا۔ ہمارے سارے ملکوں کے ساتھ diplomatic تعلقات بھی ابھی قائم نہیں ہوئے تھے اور وہ ایک ایسا اکھاڑا تھا کہ وہاں سب کے ساتھ ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔ دوسرا یہ کہ ہمیں چونکہ تقسیم سے پہلے سوائے finance کے اور ہوم ڈیپارٹمنٹ کے اور خارجی امور کے، باقی باتوں کو تو ہندوستانیوں کو تجربہ ہو چکا تھا لیکن خارجی امور میں کسی کو کوئی تجربہ وغیرہ نہیں تھا تو ہمیں باہر سفارت خانوں میں سفیر مقرر کرنے، اور foreign ministary بھی ہمارے پاس نہیں تھی، foreign service ہمارے پاس کوئی

نہیں تھی تو جولوگ ہمارے ساتھ deligation میں جاتے تھے ان کو وہاں کچھ ٹریننگ وغیرہ کی بھی ضرورت تھی۔ بحر حال اس وقت مناسب یہی سمجھا گیا کہ ہمیں باہر اپنا ایک خاکہ (image) جسے کہتے ہیں اچھی طرح لوگوں کے ذہن نشین کرنا چاہیے کیونکہ ہر کوئی اس وقت بھی یہی سمجھتا تھا کہ پاکستان، ہندوستان کا ہی ایک حصہ ہے۔ تو وہاں کی پالیسی جو طے کرنا ہوتی تھی وہ جو کچھ میرے ذہن میں آتا تھا وہ میں لکھ دیتا تھا کہ یوں کرنا چاہتا ہوں کبھی تو جاتا تھا اور کبھی تو جاتا ہی نہیں تھا یہاں پیچھے اچھی خاصی مصیبت ہوتی تھی۔ مجھے جو معلوم ہوا ہے کہ راجا غضنفر علی خان صاحب کی معرفت جو اس وقت تک ہمارے سفیری راہنما اور یہ روسی سفیر ایران کے ذریعہ یہ دعوت نامہ کا روس سے انتظام ہوا تھا اب لیاقت علی خان صاحب نے اس کو لیور استعمال کرتے تو امریکا سے منگوایا دعوت نامہ یا کیا صورت ہوئی وہ میری معرفت میں نہیں ہوا۔ وہ کس طور پر ہوا اس کی تفصیل مجھے نہیں معلوم۔ جرنلسٹ: کیونکہ پاکستان کی خارجہ پالیسی پر جب تنقید کی جاتی ہے تو ضرور یہ اس کا ذکر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس وقت پاکستان کی لیڈرشپ جو تھی وہ انگریز سے بہت مرعوب تھی اور جس کو عام زبان میں آج کل ویسٹ کہا جاتا ہے کہ مغربی طاقتوں کے زیر اثر رہنے کو وہ زیادہ پسند کرتی تھی اور اسی لئے روس کے دعوت نامہ کو رد کر دیا گیا اور اس کی قیمت بہت پاکستان کو ادا کرنا پڑی۔

سر ظفر اللہ خان صاحب: اوّل تو یہ کہ مرعوب کا لفظ تو ویسے ہی غلط ہے کیونکہ ان کی سیاست ہی ایسی ہوتی ہے کم سے کم برطانیہ کی، امریکہ تو کرتا ہے لیکن برطانیہ رعب نہیں ڈالتا common wealth کے ساتھ، اثر بے شک اُن کا بہت تھا۔ بہت باتوں میں وہ اس وقت مدّد دے سکتے تھے اور ہمیں جو ضرورت تھی اس وقت وہ ہمیں زیادہ برطانیہ اور امریکہ سے پوری ہو سکتی تھی تو کوئی یہ نہیں کہ ہمیں ان کے ساتھ عشق تھا برطانیہ کے ساتھ یا United States کے ساتھ۔ روس کے ساتھ ہمیں زیادہ علم بھی نہیں تھا اور یہ نہیں تھا کہ اس کو رد کیا گیا۔ جب انہوں نے امریکہ کے دعوت نامہ کو باوجود اس کے کہ وہ بعد میں دیا گیا تو وہ پھر ٹھنڈے ہو گئے۔ جرنلسٹ: لیکن آپ کو تو معلوم ہے کہ diplomatic زبان میں یہ بھی کہ ایک دعوت نامہ پہلے۔۔۔ سر ظفر اللہ خان صاحب: ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ روس کچھ ہم سے کھنچ گیا اور کچھ روس کی پالیسی بھی یہی تھی کہ ہندوستان بڑا ملک ہے اور وہ تو امریکہ کی بھی تھی کسی حد تک۔ ہندوستان بڑا ملک ہے اس کے ساتھ صلح رکھنی چاہیے اس کے ساتھ (لفظ سمجھ نہیں آیا 52:55) لیکن بعد میں تاریخ میں کہ اگر یہ نہ ہوتا تو کیا ہوتا، یوں ہوتا تو یوں ہوتا یہ (سب فضول باتیں ہیں) ہم سے دوستی کے دروازے کھلے اور یہ کہ آپ نے پاکستان کی اور عربوں کی دوستی کا آغاز کیا United Nation میں پاکستان کی foreign policy ایک طرح سے پروجیکشن کا باعث بنی اس کے باوجود اسرائیل قائم ہو گیا اور اسرائیل کی ریاست بنا دی گئی میں آپ سے پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ اس کی کیا وجہ تھی آپ کے خیال میں اسرائیل کی ریاست کے قیام میں؟ جو اس وقت کی بڑی طاقتیں تھیں سب کا اتفاق ہو گیا اور کس ایک مسئلہ پر کوئی ایک اختلاف جو انکی انٹرنیشنل اور گلوبل پالیسی میں رہتا ہے اس پر اس کا کوئی اثر نہ پڑ سکا؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: اس میں بڑا اثر تو president woman کا تھا جہاں تک مغربی طاقتوں کا تعلق ہے روس اس لئے شامل ہو گیا تھا کہ وہ یقین رکھتے تھے اور میں نے ان کی انتباہ بھی کر دی تھی جو مجھے ملتے رہے United States والوں سے ان کو توجہ بھی دلاتا رہا کہ روس اس لئے شامل ہو گیا ہے کہ تمہارے تعلقات عرب ممالک کے ساتھ بگڑ گئے وہ تو اپنی پالیسی پر تھے اور اب وہ اسرائیل کے سخت خلاف ہیں اور اس وقت وہ اسرائیل کی تائید میں تھے میں نے خلاصہ جو بیان کیا ہے یہاں بھی ہوگا شاید اس کتاب میں بھی کہ کشمیر کا معاملہ بگڑ جانے کی تمام تر ذمہ داری Attlee پر ہے اور فلسطین کا معاملہ جیسے بھی جو کچھ بھی وہاں (لفظ سمجھ نہیں آیا 38:57) کی تمام تر ذمہ داری۔۔۔ پر ہے۔ یہ آخری وقت پر آراء گننے سے

یقینی بات تھی کہ تقسیم کی تجویز میں دو تہائی نہیں یہ غالباً بدھ وار کا ذکر ہے اگر اس دن آراء شماری ہوتی تو یہ رہ جاتا resolution پہلے تو انہوں نے اسرائیلیوں نے یہ تجویز کی کہ پریزیڈنٹ کو اس بات پر لگایا کہ تم ملتوی کر دو بحث کو جمعرات تک۔ جمعرات ان کی Thanks giving day تھی۔ چوتھی جمعرات ان کی Thanks giving day ہوتی ہے۔اس تجویز کا علم ہوا تو فاضل جمالی جو اس وقت عراق کے وزیر خارجہ تھے اور میں، ہم پریزیڈنٹ کے پاس گئے ارنیہ براز یک 40:58 ہم نے ان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ آج رات بیٹھنا نہیں چاہتے شام کے اجلاس میں تو انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے (لفظ سمجھ نہیں آئے 50:58) نے مجھے بتایا ہے کہ کل thanks giving ہے تو آج شام عملہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا اور میرے پاس ابھی پانچ مقررین کے نام ہیں ان میں سہ پہر خرچ ہو جائے گی اور پھر شام تک (سمجھ نہیں آئی 12:59) تو ہم نے بہت ان کو زور لگایا کہ ان پانچ میں سے دو تو ہم ہیں ہم اپنے نام واپس لینے کو تیار ہیں بشرطیکہ آپ کہیں کہ میں پھر آراء اعداد و شماری کر لوں گا ہمیں اس دن بہت طرف سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ اگر آج آراء شماری نہ ہوئی تو پھر درمیان میں یہ logging ہو جائے گی، logging تو وہاں ہوتی تھی مثلاً لائبیریا کے وفد کا جو سربراہ تھا وہاں Dennis تھا اس کا نام اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا صبح ہی صبح تو اس نے مجھے کہا کہ اب تک ہماری ہدایات یہی ہیں کہ ہم نے خلاف ووٹ دینا ہے۔لیکن ہمارا پریزیڈنٹ ان کے حق میں ہے امریکہ کے حق میں، سب کچھ ہمیں یہیں سے ملتا ہے تو اگر آج نہ ووٹ ہوا، آج کا تو میں نے انتظام کر لیا ہے اپنے سیکرٹری کو بلایا ہے اور اس کو میرے سامنے یہ ہدایت دی ہے کہ میں جا رہا ہوں اسمبلی اور جب تک میں واپس نہ آؤں تم نے مجھے کوئی پیغام نہیں بھیجنا کوئی ڈاک نہیں کوئی چٹھی نہیں، کوئی کچھ نہیں میں جب آؤں گا واپس تو میں دیکھ لوں گا سب کچھ، آج کروالو کل کا میں ذمہ دار نہیں کیا ہوگا کیا نہیں۔ جرنلسٹ: کل ممکن ہے راستہ بند ہونا ہے۔سرظفراللہ خان صاحب: اسی طرح مثلاً Romulo جو پھر فارن منسٹر ہیں۔وہ مقرر بڑا اچھا ہے۔اس نے دھواں دار تقریر کی اور بخیے ادھیڑ دیئے ان کی resolution کے اور خلاف کریں گے۔یہ تقریر کرنے کے بعد خود تو چلے آئے وہاں پر بھی آخری مرحلہ تھا اس session کا بصورت (IIT 01 47:00:) انہوں نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہوا تھا تو اسکا التوا ہو گیا جمعہ پر پھر یہ گئے واشنگٹن اسرائیلی، وہاں trueman سے کہا، trueman کو دوسرے سال اڑتالیسواں انتخاب لڑنا تھا اور یہودی ووٹ تو (لفظ سمجھ نہیں آیا 05:01:01) تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ووٹ کی اُمید نہ کرنا اگر یہ resolution پاس نہیں ہوگا چنانچہ اس نے ذاتی طور پر ٹیلی فون ان ریاستوں کے سربراہ کو واپس کر دیا۔ جرنلسٹ: اور پھر جمعہ کو پاسا پلٹا ہوا تھا آپ کا اپنا تاثر یہ ہے کہ اسی روز فون لے لیا جاتا۔سرظفراللہ خان صاحب: جمعہ کے دن IIT کا نمائندہ وہاں مجھے ملا اور اس کے آنسو بہہ رہے تھے یہ نہیں کہ محاورے کے طور پر بلکہ وہ کہہ رہا تھا کہ مسٹر میں کیا کر سکتا ہوں پرسوں میری ہدایات وہ تھیں اور آج یہ ہیں۔Philippines نے بھی چنانچہ اس کے خلاف ووٹ دیا۔ جرنلسٹ: تو چوہدری صاحب میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا آپ کی رائے میں United Nations کی جنرل اسمبلی کو اس بات کا استحقاق تھا کہ وہ ایک ملک کو تقسیم کر دیں؟ سر ظفراللہ خان صاحب: نہیں وہ تو ان کا resolution صرف ایک تجویز ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک تو اس تجویز کا بھی ان کو استحقاق نہیں تھا چنانچہ میں نے جو United Nations میں امریکی وفد کے مشیر قانونی تھے، تین تھے، ان میں سے جوان کا سینئر آدمی تھا غالباً اس کا نام Copper.Mr تھا اس سے بات کی تھی اس معاملہ پر تو اس نے کہا کہ ہم نے یہی رائے دی ہے۔ پریزیڈنٹ کو کہ اسمبلی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی ملک کی تقسیم کی تجویز کرے یا اس کی تقسیم کا انتظام کرے لیکن پریزیڈنٹ اڑا ہوا ہے کہ اس کی ضرور تائید کرنی چاہیے مشکل یہ تھی کہ

پریذیڈنٹ کو دوسرے سال اپنا انتخاب لڑنا تھا وہ یہودی ووٹ ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جرنلسٹ: چوہدری صاحب اس وقت جب یہ اسرائیل کی ریاست قائم کی جارہی تھی تو آخر United Nations میں دنیا بھر کے مدبر بیٹھے ہوتے ہیں اور آنے والے واقعات پر ان کی نظر ہوتی ہے۔ آپ کے خیال میں یہ بڑی طاقتوں کو کچھ اندازہ تھا کہ آئندہ چل کے کیسے ساری دنیا کا امن وامان اس ایک نقطہ پر مرتکز ہوسکتا ہے اور یہ ایک گویا pivital situation بن سکتی ہے؟

سرظفراللہ خان صاحب: میرا اپنا تاثر تو یہ ہے کہ کوئی بھی حکومت اتنی دور آئندہ کو دیکھتی نہیں ان کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کی بنا پر جو چاہتے ہیں سمجھتے ہیں یہ ہمارے لئے مفید ہوگا اس کے لئے چاہتے ہیں، کوشش کرتے رہتے ہیں اور جو مضرّ ات اس میں خفیہ ہوں اس پر نظر بھی کرتے رہتے ہیں۔ جرنلسٹ: چوہدری صاحب فلسطین کے مسئلہ کے بعد جو ایک دوسرا مسئلہ جس میں آپ نے United Nation میں پاکستان کی نمائندگی کی جو آپ کے عہد سے وابستہ ہے وہ لیبیا کا مسئلہ ہے جس میں میرے خیال سے پاکستان نے بھر پور حمایت کی لیبیا کی آزادی کی۔ اس سلسلہ میں آپ ہمیں کچھ مطلع فرمائیں گے کہ کیا stand تھا پاکستان کا؟ سرظفراللہ خان صاحب: لیبیا کے متعلق بڑی طاقتوں نے آپس میں ایک معاہدہ کرلیا تھا یا سمجھوتا کرلیا تھا جس کا نام Baven's Forza Pact مشہور ہے۔ مسٹر Baven اس وقت وزیر خارجہ تھے برطانیہ کے اور کونگس فورزا اٹلی کے وزیر خارجہ تھے۔ اور اس پیکٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ لیبیا کے تین علاقے تھے ایک سری نائکہ، ایک ٹریپولی اور ایک فیضان تو سری نائکہ کی ٹرسٹی شپ انگریزوں کو دے دی جائے اور ٹریپولی کی اٹلی کو دے دی جائی اور فیضان کی فرانس کو دے دی جائیاور ساتھ ان پر یہ ذمہ داری ڈال دی جائے کہ دس سال کے عرصہ میں ملک کو ایک آزاد ملک کی حیثیت کے لئے تیار کریں جب یہ معاملہ اسمبلی میں پیش ہوا اپریل 1949، یہ 1948 کا سیشن اسمبلی کا پیرس میں ہوا تھا اس وقت یہ معاملہ ایجنڈا پر تھا لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ پیرس میں اس معاملہ پر غور ہو چنانچہ خاص ایک سیشن بلایا گیا اپریل سن 1949 جس میں یہ معاملہ پیش کیا گیا تو جو وفد لیبیا سے آیا تو اسکے جو سربراہ تھے عبد الحمید شاید ان کا نام تھا انہوں نے خود بھی اور اپنے وفد کی طرف سے بھی اپنے ملک کی طرف سے بھی کہا کہ ہمارے ساتھ ایسے ایسے مظالم اٹلی کی طرف سے ہو چکے ہیں کہ ہم یہ اب سننا بھی برداشت نہیں کرتے کہ پھر ہمیں اٹلی کے سپرد کردیا جائے اور ٹریپولی ہی مرکزی علاقہ تھا سب سے بڑا لیبیا کا۔ تو اس کی ضرور مخالفت کرنی چاہیے ہمیں یہ منظور نہیں ہے اور ہمیں دس سال تک انتظار کیوں کروایا جائے اور ان کو ملک کو تقسیم نہ کرنے دیں۔ آج اگر یہ تقسیم ہوگیا تو پھر یہ فرانس اس پر قبضہ کرلے گا اور اٹلی اس پر اور امریکہ اس پر قبضہ کرلیگا خیر ہمارا موٗقف یہ تھا کہ ہمیں اس کی مخالفت کرنی ہے تو ہم سے جو دلائل وغیرہ ہوئے وہ اور جو اٹلی نے مظالم وغیرہ کئے وہ سب ہم ریکارڈ پر لے آئے کہ وہاں pecification کے نام پر مارشل (لفظ سمجھ نہیں آیا۔ 40:06:01) نے بہت سے ظلم کئے ہوئے تھے وہ بتانے کی ضرورت نہیں لیکن وہ انسانیت سے بہت گرے ہوئے تھے تو جب وقت آیا رائے شماری کا تو ہم نے یہ دیکھا کہ ہماری تائید میں تیرہ ملک ہیں اور دو تہائی کی کثرت سے یہ resolution پاس ہوجائے گا اس resolution کے تو چار حصے تھے پہلا یہ کہ نائکہ کی ٹرسٹی شپ برطانیہ کو دی جائے، ٹریپولی کی اٹلی کو دی جائے اور فیضان کی فرانس کی دی جائے یا پہلے صرف نائکہ پھر فیضان پھر ٹرپل ای۔ اور پھر یہ کہ یہ تینوں ریاستیں مل کر خودمختار ملک بنانے کی کوشش کریں بہت سوچتے رہے کہ کسی اور کو ملائیں ساتھ کچھ اور کریں لیکن سوجھتا نہیں تھا۔ چنانچہ ایک دن، جس دن رات کو یہ توقع تھی کہ رائے شماری ہوگی۔ مجھے ٹیلی فون ہوا یہی فورجی (50:07:01) کی طرف سے جو اس وقت مصر کے مستقل نمائندہ تھے۔ کہ میرے وزیر خارجہ خواجہ پاشا اس وقت وزیر خارجہ تھے مصر

کے تو کہنے لگے کہ تم ذرا جلدی آ جاؤ تا کہ مزید مشورہ اس کے متعلق کریں تو میں نے کہا کہ جی اچھی بات۔ چنانچہ اس وقت ایک بات میرے ذہن میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آ چکی تھی۔ میں گیا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا کچھ سوچا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جی سوچا ہے۔تو کہنے لگے کہ کیا؟ تو میں نے کہا کہ اب تک ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ اس resolution کی مخالفت میں آراء جمع کی جائیں تو اب ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ جو تیسرا پیراگراف resolution ہے کہ ٹریپولی کی ٹرسٹی شپ اٹلی کو جائے اس کی مخالفت میں ممکن ہے ہم کو دو تین چار ریاستیں مل جائیں اگر یہ مل جائیں تو پھر resolution بہہ جائے گا۔انہوں نے کہا کہ تم تو خود مخالفت کرتے ہو کہ ملک کو تقسیم نہیں کرنا چاہیے تو پھر تقسیم ہوئی کہ یہ نہ جائے اور باقی دونوں چلے جائیں تو کہنے لگے کہ resolution تو پاس ہو جائیگا لیکن جو ایک ٹانگ اس کی جو بہت مضبوط ہے وہ ٹوٹ جائے تو resetin americans 01:09:09 جن کو صرف اٹلی کی وجہ سے اس میں دلچسپی ہے یہ پھر باقیوں کی سپورٹ میں نہیں ہوگا۔انہوں نے کہا کہ ہاں یہ بڑی اچھی تجویز ہے؟

جرنلسٹ: رزیٹن امریکن کو کیوں اٹلی کی وجہ سے دلچسپی تھی؟ سرظفراللہ خان صاحب: italian is their resetin تو وہ پوپ کی وجہ بھی تھی تو خیر انہوں نے کہا کہ 26 تک کوشش کی جائے۔

جرنلسٹ: کلچرل زیادہ تھی میرا خیال تھا کہ شاید کوئی economic or political ہو۔ but this is linguistic and cultural۔سرظفراللہ خان صاحب: تو میں نے کہا کہ اچھا میں جا کر بی ایم راؤ سے بات کرتا ہوں جو ہندوستانی نمائندہ تھے بعد میں وہ کورٹ کے جج بھی ہوئے ان کی وفات پر پھر میرا ان کی جگہ انتخاب ہوا کورٹ میں۔اور آپ لوگ IIT سے بات کریں وہ فرانسیسی میں بات کرتے ہیں اور آپ فرانسیسی جانتے ہیں تو میں نے بی ایم راؤ سے جا کر پوچھا کہ تم کیا کرنے والے ہو اس میں؟ انہوں نے کہا کہ میری ہدایت یہ ہے کہ جو تو جز ہیں ان پر تو میں غیر جانبدار رہوں اور سارا resolution جب پیش ہو تو ہم مخالفت کریں گے۔میں نے کہا کہ یہ دیکھیئے آپ کا یہ تجربہ ہے آپ یہ جانتے ہیں کہ اگر اجزا پاس ہو جائیں تو پھر سارا resolution تائید کے ساتھ پاس ہو جاتا ہے۔اور جو پہلے اڑے ہوئے ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اب یہی راہ ہے۔لیکن آپ کی جو ہدایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں پاس ہونے دینا۔تو اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر آپ نیوٹرل رہتے ہیں کہ انگریزوں کو خوش کر لیں یا فرانس کو کہ وہ ناراض نہ ہوں تو آپ بے شک نیوٹرل نہ رہیں انگریزوں کو ووٹ دے دیں سری نائکہ کا، فرانس کو فیضان کا لیکن یہ اٹلی کا ووٹ، یہ تو پھر بڑا ظلم ہے کہ اٹلی کو پھر ہم پر مسلط کر دیا جائے۔ میں نے کہا کہ چھی بات ہے۔ میں اس کی مخالفت ضرور کر دوں گا یہ تو میری ہدایات کی سپرٹ کے اندر اور ادھر انہوں نے وہ IIT کو بلوا لیا اس نے کہا کہ میں خلاف کروں گا چنانچہ جب آراء شماری ہوئی، رات کو ہوئی تھی 12 بجے جا کر۔اس وقت آٹھ تو رہ گئے غیر جانبدار اور سترہ نے ہمارے ساتھ ووٹ دیا اور تینتیس نے Baven's Forza Pact کے مطابق بھی دیا۔یعنی تیسرے پر، پہلا تو پاس ہو گیا تھا صرف نائکہ والا بھی اور فیضان والا بھی تیسرے پیراگراف پر تو پہلے تو میں نے خیال کیا کہ میرے ساتھ ایک کرنل عبد الرحیم جو فوت ہو چکے ہیں وہ میرے perminent representative تو وہ بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان سے کہا تھا کہ میں سنتا ہوں اور آپ نشان لگاتے جائیں پہلے تو میں نے خیال کیا کہ ہو گیا ہوگا پاس پھر میں نے خیال کیا کہ 17 اور 33 تو ڈبل نہیں ہیں اور ایک کی کسر رہ گئی ہے تو اب ہم پھر انتظار میں تھے کہ پریزیڈنٹ اور جو

اسسٹنٹ سیکرٹری جو بیٹھتا تھا پریزیڈنٹ کے ساتھ (الفاظ سمجھ نہیں آئے 15:12:01) وہ ایئر پورٹ کی تلاش میں۔آخر اس نے اعلان کیا کہ اتنے اس کے حق میں ہیں اور اتنے خلاف ہیں اور یہ پیراگراف ساکت ہو گیا۔اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری طبیعت میں بہت ٹینس اس وقت تھی سارے دن کی۔تو میری عادت ہے کہ میں نے میز کو خوب بجاتا رہا مکے سے پریزیڈنٹ نے میری طرف دیکھنا بھی شروع کیا اور لوگوں کے خاموش بھی ہو گئے لیکن میرے چل رہے تھے۔تو مجھے کسی نے پیچھے سے پوچھا کہ چوہدری صاحب آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو میں نے کہا کہ میں انگریزوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں تو خیر جب وہ ہو گیا تو پھر انہوں نے کہا کہ اگلے پیراگراف پر ووٹ ہو گا تو اگلے پیراگراف میں یہ تھا کہ تین ممالک ان کو تیار کریں تو میں نے اس کا پوچھا کہ تین کا لفظ ہے یہاں تو تیسرا کون ہے؟ پریزیڈنٹ نے کہا کہ amendment کر کے اس میں دولکھ دے گا اور دو کر دیا جائے گا اب دو سے تو کام نہیں چلتا تھا۔اتنے میں ڈاکٹر آر سے جو Argentina کے نمائندہ تھے انہوں نے اپنا name plate اُٹھایا اور کہنے لگے کہ میں کچھ بولنا چاہتا ہوں۔اانہوں نے کہا کہ why انہوں نے جواب دیا کہ مسٹر پریزیڈنٹ باقی کیسوں پر آپ ووٹ لیں یا نہ لیں اب latin american نہیں ووٹ دیں گے کیونکہ ہمیں جس بات میں دلچسپی تھی وہ تو ختم ہو گئی۔چنانچہ اس نے ووٹ لیئے بعد کے اجزا جو تھے وہ تو یوں کٹ گئے اور پھر جو پاس ہوئے تھے ان پر رسماً وہ ووٹ لینے لگا وہ بڑی میجورٹی کے ساتھ فیل ہو گئے اچھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب میں واپس کراچی پہنچا تو Italian منسٹر اس وقت ان کا deligation تھا،امبیسی نہیں تھی۔وہ مجھ سے ملنے آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس خاص پیغام ہے وہ میں لے کر آیا ہوں Italian میں تھا۔Italian بڑی آسان زبان ہے تو میں نے کہا کہ مجھے دیدو میں جلدی معلوم کرلوں گا۔میں بھی یہی چاہتا تھا کہ جلدی معلوم ہو جائے اس میں یہ لکھا تھا کہ ہم نے یہ کوشش بے شک کی تھی لیکن یہ فیصلہ ہمارے خلاف ہو گیا لیکن ہم عربوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں ختم کرنا نہیں چاہتے اس لئے ہم اب پورے سیشن میں خود تائید کر دیں گے کہ لیبیا کو آزاد ہونا چاہیے ملکی طور پر۔گو اس نے بعد میں پھر شمالی اور ایریٹریا وغیرہ کے لئے ہماری کچھ مدد چاہی وہ ہم نے اس کی کر دی تھی تو ایریٹریا ۔شمالی میں (39:14:01) تو پھر جب سیشن آیا تو اس وقت وہ دس سال کرتے تھے تو سیشن پورے میں resolution پاس ہوا کہ lybia shall be independent in fifteen month's time اور ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس میں پاکستان بھی representative تھا کہ اس کو تیار کریں۔

جرنلسٹ: مجھے یقین ہے چوہدری صاحب کہ لیبیا سے جو ہمارے اچھے تعلقات ہیں ان میں جو گہرائی ہے ان میں آپ کی کوششوں کا بھی دخل ہے اور جس طرح یہ لیبیا کا مسئلہ پیش کیا گیا وہ مجھے یقین ہے کہ لیبیا والوں نے فراموش نہیں کیا لیکن لیبیا سے اور طرابلس سے میرا ذہن ایک دم بانگ درا میں علامہ اقبال کی ایک نظم کی طرف چلا گیا۔آپ کو بھی یاد ہو گی کہ ''طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں'' تو میرا جی چاہتا ہے کہ آپ نے چونکہ نہ صرف ان کو قریب سے دیکھا ہے بلکہ آپ جب وکالت کرتے تھے تو علامہ اقبال بھی وکالت کرتے تھے آپ نے ان کو بہت رُخ سے دیکھا ہو گا آپ اگر اپنی یادوں میں سے وہ حصہ جو علامہ اقبال سے وابستہ ہے تو وہ ہمیں عطا کریں تو بڑی مہربانی ہو گی۔سرظفراللہ خان صاحب: ایک تو یہ کہ علامہ اقبال سیالکوٹ کے تھے اور میری پیدائش بھی سیالکوٹ کی ہے میرے والد صاحب کے ساتھ انکے خاندان کے دوستانہ تعلقات تھے ان کے والد صاحب کے ساتھ بھی۔میں جب گورنمنٹ کالج میں B.A میں پڑھتا تھا تو 3rd year اور 4th year

میں میں ان کا شاگرد بھی رہا یہ وقت تھا1909 اور 1910 جب علامہ اقبال یورپ سے اپنی تعلیم ختم کر کے اور بیرسٹری کی سند حاصل کر کے واپس آچکے تھے اور گورنمنٹ کالج میں ان کو اس رعایت کے ساتھ پروفیسری عارضی طور پر دی گئی تھی کہ وہ بے شک اپنی پریکٹس بھی کریں۔فلسفہ پڑھاتے تھے۔فلسفہ اور انگریزی۔تو فلسفہ تو میرے مضامین میں نہیں تھا انگریزی تھی۔ایک تو میں نے یہ دیکھا اور بعد میں وکالت میں بھی میں نے یہی دیکھا میں تو جونیئر تھا اسوقت لیکن مجھے ان کے ساتھ بھی کام کرنے کا اتفاق ہوا بعض مقدمات میں۔جس چیز کی طرف وہ پوری توجہ کرتے تھے اس کی تیاری انکی ایسی مکمل ہوتی تھی کہ پھر اور کوئی گنجائش اس میں نہ ہوتی تھی۔چنانچہ جو دو سال انہوں نے ہمیں پڑھایا اور poetry وہ پڑھاتے تھے ہمیں۔poetry پڑھانا کوئی آسان کام نہیں خاص کر B.A کے standerd پر لیکن بڑی وضاحت سے اور بڑے عمدہ طریق سے ذہن نشین کروا دیا کرتے تھے پھر پریکٹس میں نے یہ دیکھا لیکن ایک ان کی طبیعت میں غنا بہت تھا۔ایک طاہر دین صاحب ان کے منشی تھے جو بعض اوقات میرے پاس بھی کیس لے آتے تھے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا تھا مقدمہ لیکن ڈاکٹر صاحب مصروف ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں نے نہیں لینا مزید کام تو اگر آپ یہ کر دیں اور شروع مہینہ میں اگر چار سے پانچ کیس ان کو آجاتے تھے تو وہ طاہر دین کو کہہ دیتے تھے کہ مزید کام نہیں لینا۔جرنلسٹ: دل آزادکی یہ خوبی ہے کہ اگر اتنا وابستہ ہو کسی اور طرف تو۔سر ظفر اللہ خان صاحب: لیکن جس مقدمہ کی تیاری کرتے تھے اس میں بڑے انہماک کے ساتھ تیاری کیا کرتے تھے اور یوں گفتگو میں بیٹھے ہوئے وہ ہمیشہ رونق محفل ہوا کرتے تھے مزاق وغیرہ میں بھی۔جرنلسٹ: لیکن چوہدری صاحب آپ کو اگر یاد ہو کہ علامہ اقبال جب لاہور میں رہتے تھے تو ان کے دوستوں کا حلقہ ارد گرد جو تھا ان سے جو انکی گفتگو ہوتی تھی اور بار روم میں گفتگو میں تو بہت اختلاف ہوتا تھا۔لیکن اس زمانہ میں آپ کا جوان سے ملنا جلنا رہا تو ان کے مکان پر بھی تشریف لے جاتے تھے آپ کبھی؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: بہت کم۔۔جرنلسٹ: چوہدری صاحب دوسری ہماری قومی شخصیت جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں ان کو آپ نے بہت قریب سے دیکھا ہے وہ قائداعظم ہیں۔انکی شخصیت کے چند پہلوؤں کے بارہ میں آپ کچھ ارشاد فرمائیں کہ آپ نے ان کی شخصیت میں کیا ایسی چیز دیکھی جو دوسروں میں کم دیکھنے کو ملتی ہے؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: انکی شخصیت کے اکثر پہلو بہت نمایاں ہو چکے تھے انکی زندگی میں ہی۔ایک تو یہ کہ جہاں تک انسانی تعلق کوشش کا تعلق ہے اگر قائداعظم نہ ہوتے تو پاکستان نہیں بن سکتا تھا اس سے ان کا عزم اور جس بات کے پیچھے پڑ جائیں اس بات کو آخر تک نبھانا لیکن ساتھ ہی ان کے اندر ایک کمزوری بھی تھی کہ وہ رفاقت، وفا، تعاون تو وہ چاہتے تھے۔لیکن نہ محبت وہ چاہتے تھے اور نہ کسی اور کی محبت وہ قبول کرتے تھے بلکہ۔۔۔۔پڑھتے تھے اگر کوئی ان سے اس قسم کا اظہار محبت کرے۔یوں ان کا اپنا معیار ہر بات میں بہت بلند تھا۔

جرنلسٹ: مطلب یہ کہ جذباتیت ان کی زندگی میں کم تھی؟ سر ظفر اللہ خان صاحب: بالکل نہیں تھی۔وہ پتھر کے تھے

جرنلسٹ: علم اور دیگر خصوصیات جو ایک اچھے وکیل میں بھی ہوتی ہیں کہ اپنے مؤکل کی بریف کا وہ پوری طرح حق ادا کرتا ہے۔

سر ظفر اللہ خان صاحب: میں واقعہ بھی بیان کر دیتا ہوں۔کیبینٹ کی میٹنگ تھی اس وقت کیبینٹ کی میٹنگ وزیراعظم کے گھر پر ہوتی تھی۔لیکن جب چاہتے تھے قائداعظم کہ گورنمنٹ ہاؤس میں ہو تو گورنمنٹ ہاؤس میں ہو رہی تھی تو قائداعظم نے کہ دیکھو یہاں میٹنگ میں آمد میں کوئی issue نہیں ہے۔اسمیں جو میرا مؤقف ہے وہ میں واضح کر دیا کروں گا لیکن فرض کرو کہ اس میں اختلاف ہو جائے اور کیبینٹ کی کثرت کو وہ بات منظور نہ ہو جو میں سمجھتا ہوں کہ کرنی چاہیے تو اس کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ اب اس کا جواب بڑا مشکل تھا کچھ وزیراعظم

سے پوچھا لیاقت علی خان صاحب سے ۔انہوں نے کوشش کی کہ دونوں کا تطابق کریں لیکن تطابق کس بات کا اور وہ تطابق کے قائل نہیں تھے ۔مؤقف ان کا یہ بھی تھا کہ موقع پر بیان کیا یا فوراً بیان کر دیا ۔کہا کہ لوگ مجھے ذمہ دار سمجھتے ہیں تو یا تو میں اس ذمہ داری کے نبھانے کے لئے یا ذمہ داری قبول کرنے کیلئے اپنی بات منواؤں گا اور یا پھر تم اگر سیاسی اور آئینی انداز پر چلنا چاہتے ہوتو مجھے واضح کر دینا ہوگا لوگوں پر کہ اختیارات تمہارے حق میں ہیں میرے حق میں نہیں تو سمجھیں کہ اب اس پر وہ مجمع (خاموش تھا) سچی اور سیدھی بات یہی تھی کہ جہاں تک آپ کا تعلق ہے آپ کی ذات کا بے شک یہ ٹھیک بات ہے کہ آپ ملک کے بانی ہیں سب کچھ ہیں ۔ہم اپنی رائے پیش کر دیں گے اگر اختلاف ہے ایسا ہو جائے تو اس اختلاف کے بعد کوئی نہیں ہوگا ہم میں سے جو اپنی رائے پر مصر رہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صورت پیدا نہیں ہوگی لیکن اگر کبھی پیدا ہو تو بے شک ہمارا یہی فیصلہ ہے کہ آپ کی رائے کو مانیں تو طے ہو جائے گا لیکن شاید کچھ گھبراتے بھی ہوں کہ آئندہ کے لئے نہ کوئی بن جائے ایک، دوسرا وہی کوئی بعد میں تو الگ بات ہے کہ چند ہی مہینوں کے بعد ان کی وفات ہوگئی کل تیرا مہینے تو وہ پاکستان کے گورنر بنے اور میں تو آیا بھی دسمبر میں تھا اور یہ میرے کشمیر کے کیس سے واپس آنے کی بات ہوگی مئی میں یا جون میں اور اس کے بعد جلدی وہ کوئٹہ چلے گئے تھے جہاں ان کی وفات ہوئی پھر مجھ سے پوچھا کہ بات میں نے اس وجہ سے کی ہے تو میں نے ان سے کہا کہ صاحب مجھے یہ فکر نہیں کہ آپ کی اور میری رائے میں کوئی اختلاف ہوگا مجھے فکر یہ ہے کہ مجھے وزارت خارجہ کے فرائض اور اس منصب کو پورے طور پر ادا کرنے اور چلانے میں جتنی میں مدد آپ سے چاہتا ہوں اتنی مجھے میسر آتی رہے گی یا نہیں؟ آپ نہایت مصروف ہیں اگر آپ پورا وقت دیتے رہیں ۔تو اب میں نے خیال یہ کیا کہ جواب میں وزیر اعظم کے خلاف یہ نہیں کہ وہ مخالف تھے نہیں تو میں یہ ذمہ داری تو نہیں لے سکتا کہ میں کیبینٹ کی طرف سے کہوں کہ یہ بات جو میں پہلے کہہ چکا ہوں لیکن میری طرف سے انہیں یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ ایسا موقع ہوگا نہیں، میں کوئی بھی ایسا موقع اپنے ذہن میں نہیں لا سکتا وہ تو حکم دیتے تھے جب کوئی بات کرنی ہو اور حکم بجالانا فرض تھا یہ یقینی بات تھی کہ وہ شک میں کسی بات کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے ۔جرنلسٹ: چوہدری صاحب ایک constitutional اعتبار سے ایک عجیب واقعہ ہوا مجھے خوشی ہے کہ آپ نے فقرہ یہ قائداعظم کا دہرایا کہ انہوں نے کہا کہ آخر قوم تو مجھ کو سمجھے گی میری ذمہ داری ہے کہ فیصلہ میری موجودگی میں ہوا اب جو ہم نے 1947 میں پیٹرن جو حکومت کا اختیار کیا اب اس میں قائداعظم چونکہ قوم کے نمائندہ تھے اور ہر دلعزیز تھے اور مقبول ترین شخصیت تھے پاکستان کی اور لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں کا ساتھ دیتے تھے ۔اس لئے وہ اس پیٹرن میں دراصل وزیر اعظم تھے کیونکہ وزیر اعظم جو ہے وہ ایک طرح سے الیکشنز کے ذریعہ قوم کا نمائندہ ہوتا ہے اور سیاسی ذمہ داری بھی اسی کی ہوتی ہے ور جو صدر ہوتا ہے، وہ تو گورنر جنرل تھے وہ تو ایک طرح سے ہیڈ ہوتا ہے ریاست کا جس پر کوئی سیاسی ذمہ داری نہیں ہوتی یہ اس لئے مجھ کو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے اپنی constitutional ہسٹری میں کہ قائداعظم کے پاس وہ تمام چیزیں تھیں جو ملک کے نمائندہ ے طور پر وزیر اعظم کے پاس ہوتی ہیں لیکن وہ تھے ہیڈ آف دی اسٹیٹ ۔ سر ظفر اللہ خان صاحب: یہ ٹھیک ہے لیکن یہ تو ہمیں وراثت میں ملی تھی نہ بات ۔ہم اپنی constitutional ہسٹری بنانے میں مصروف تھے گو کہ پھر اس پر بہت لمبا عرصہ چلا تو جو وراثتی ہمیں constitution ملی تھی یہ عارضی ہی سہی تو اس میں اس کا خاکہ تھا وہ یہی تھا جیسے common wealth کا دوسرے ممالک کا ہوتا ہے، parliamentary نظام چلتا ہے اور پارلیمنٹری نظام میں جو سربراہ ریاست ہوتا ہے وہ کیبینٹ کے فیصلہ کے مطابق عمل کرتا چلا جاتا ہے لیکن واقعہ یہی تھا کہ قائداعظم کی جو بھی

حیثیت تھی اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کے لحاظ سے یہ constitution ہمارے حالات کے مطابق نہیں تھی۔اس میں جو تفاوت تھا وہ اسی وجہ سے تھا وہ آگے چل کر ہم کیا کرتے ہیں یہ میں نہیں جانتا اس وقت رُجان تو یہی تھا کہ parliamentary سسٹم ہی ہوگا۔لیکن اگر قائد اعظم کو اللہ تعالیٰ لمبی زندگی عطا فرماتا تو ممکن ہے کہ ہمیں خاص حیثیت ان کو تو دینا پڑتی۔constitution میں بھی لیکن ایسا تو کوئی موقع ہی نہیں آیا۔ جرنلسٹ: چوہدری صاحب آپ سے ایک بات پوچھتا چلوں کہ قائداعظم کی جو زندگی ہے پاکستان بننے کے بعد ایک تو مختصر ہے اور دوسرا اس میں بے حد مسائل تھے آپ کو معلوم ہے کہ کشمیر کا مسئلہ کھڑا ہوگیا پناہ گزین آرہے تھے ہجرت ہو رہی تھی،مہاجرین کا ایک ان کی صحت بھی اچھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اگر آپ یہ ارشاد فرما سکیں کہ کیا کوئی کسی طرح کا نقشہ آئندہ constitution کا جس پر انہوں نے گفتگو کی ہو۔انکے ذہن میں تھا یا نہیں تھا کیا گفتگو میں کوئی کسی طرح کا آیا ہو۔ سر ظفر اللہ خان صاحب: نہیں مجھے نہیں یاد میرے ساتھ نہیں ہوا۔

جرنلسٹ: چوہدری صاحب بے حد شکریہ بہت ہم نے آپ کا وقت لیا۔آپ کی محبت ہے کہ آپ نے اتنا وقت دیا۔خدا آپ کو خوش رکھے خدا آپ کو زندہ رکھے اور صحت دے۔سر ظفر اللہ خان صاحب: ویلکم

(یوٹیوب میں موجود ایک ویڈیو سے سُن کر انٹرویو لکھا گیا ہے۔)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا ویڈیو پر ریکارڈ شدہ واحد انٹرویو

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب[رض] ایک نادر انٹرویو محترم ائر مارشل (ریٹائرڈ) ظفر چوہدری صاحب کے پاس محفوظ ہے۔یہ انٹرویو محترم ظفر چوہدری صاحب نے فروری 1982ء کو لیا تھا۔اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سارا انٹرویو ویڈیو پر ریکارڈ شدہ ہے۔اس انٹرویو کا کوئی حصہ آج تک شائع نہیں ہوا۔ادارہ انصار اللہ محترم ظفر چوہدری صاحب کا احسان مند ہے کہ انہوں نے اس انٹرویو کو اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا ہے۔اصل انٹرویو انگریزی میں ہے۔محترم ظفر چوہدری صاحب سوال کرتے تھے اور محترم چوہدری صاحب اس کا جواب عنائیت فرماتے تھے۔اس انٹرویو کا ترجمہ اور تخلیص اپنی زبان میں پیش خدمت ہے۔(ایڈیٹر)

حصہ اوّل۔سوال:۔محترم چوہدری صاحب آپ کی پبلک لائف کا آغاز کب ہوا؟ جواب:۔پبلک لائف سے نجانے آپ کی کیا مراد ہے۔میں نے عملی زندگی کا آغاز وکالت کی پریکٹس سے کیا۔پھر 1926ء میں صوبائی کونسل کا رکن منتخب ہوا اور اس طرح سے پنجاب کی سیاست میں میرا عمل دخل شروع ہوا اور ایک لحاظ سے پہلا پبلک عہدہ 1932ء کے موسم سرما میں حاصل کیا جبکہ میں میاں سر فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں عارضی طور پر رکن مقرر رہا۔اس کے بعد 1935ء میں میں ایگزیکٹو کونسل کا مستقل ممبر بنا۔میرے اس عہدہ کی میاد مئی 1940ء میں ختم ہوئی تھی لیکن میرے عہدہ کی میاد ختم ہونے سے پہلے سپیشل وارنٹ آف کنگ کے ذریعہ مجھے پانچ سال کے ایک اور عرصہ کے لئے وائسرائے کی کونسل کا رکن مقرر کر دیا گیا۔اس عہدہ پر کام کرتے ہوئے مجھے ایک سال پانچ ماہ ہوئے تھے جبکہ جج کی ایک آسامی فیڈرل کورٹ آف انڈیا میں جو بعد میں سپریم کورٹ آف انڈیا ہوئی سر شاہ سلیمان کی وفات سے خالی ہوئی اس عہدہ پر مجھے فیڈرل کورٹ کا جج مقرر کیا گیا چنانچہ میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کے عہدے سے مستعفی ہوگیا۔سوال:۔آپ نے فیڈرل کورٹ کے جج کے عہدہ سے کب اور

کیوں استعفیٰ دیا؟ جواب:۔ برطانوی وزیراعظم مسٹر ایٹلی ے 3 جون 1947ء کو ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کیا۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تقسیم کے بعد میں پاکستان چلا جاؤں گا چنانچہ میں نے ایک ہفتہ کا نوٹس دے کر فیڈرل کورٹ کے جج کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔سوال:۔قائداعظم محمد علی جناح سے آپ پہلی بار کب ملے؟ جواب:۔ میں قائداعظم سے سب سے پہلے پہلی گول میز کانفرنس 1930ء میں ملا۔اس سے پہلے بھی کبھی کبھار ملاقات ہوتی رہتی تھی لیکن ان ملاقاتوں کی کوئی خاص بات یاد نہیں تاہم اس کے بعد میری قائداعظم سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ یہ عرصہ قریباً 18 سال پر محیط ہے۔آہستہ آہستہ ہماری دوستی گہری ہوتی گئ اور میں سمجھتا ہو کے مجھے ہمیشہ ہی قائداعظم کا مکمل اور بھرپور اعتماد حاصل رہا۔سوال:۔ باؤنڈری کمیشن میں آپ نے مسلم لیگ کا کیس کس طرح پیش کیا؟

جواب:۔ میں نے 3 جون 1947 کو ایک ہفتہ کے نوٹس پر فیڈرل کورٹ کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔اس دوران میں نے ریاست بھوپال کے نواب سر حمید اللہ خان جو چیمبر آف پرنسس کے چانسلر تھے کی تجویز پر ان کے آئینی مشیر کے طور پر کام کرنے کے لئے ریاست بھوپال چلا گیا۔ میں بھوپال میں ہی تھا جب جون کے آخر پر مجھے قائداعظم نے طلب کیا اور ہدایت فرمائی کہ میں پنجاب باؤنڈری کمیشن کے روبرو مسلم لیگ کا کیس پیش کروں۔اس کی سماعت دراصل جولائی کے نصف میں شروع ہوئی۔

سوال:۔اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے آپ کب گئے؟ جواب:۔قائداعظم کی ہدایت پر جب میں نے باؤنڈری کمیشن میں کیس کا کام ختم کر لیا تو ستمبر 1947ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے وفد کی قیادت کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔اقوام متحدہ کے اجلاس سے فارغ ہو کر جب میں نیویارک سے کراچی پہنچا تو مجھے بتایا گیا کے قائداعظم مجھے اپنی حکومت میں شامل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ مجھے 25 دسمبر کو وزیر خارجہ بنا دیا گیا اور میں وزیراعظم کے بعد کابینہ کا سینئر ترین وزیر قرار پایا۔سوال:۔ جب کابینہ کے اکثر عہدے پہلے ہی پر ہو چکے تھے تو آپ سینئر ترین وزیر کیسے قرار پائے؟ جواب:۔ میں نہیں جانتا کہ میں کس طرح سینئر ترین وزیر بنا جب میں نے حلف اٹھایا تو میری سیٹ وزیر اعظم کے بعد پہلے نمبر پر تھی اس طرح سے مجھے میرے دیگر ساتھیوں پر فوقیت دی گئی۔سوال:۔کیا آپ کا مطلب ہے کے قائداعظم نے خود آپ کو سینئر ترین وزیر قرار دیا؟ جواب:۔یقیناً یہی بات ہے کہ قائداعظم کی ہدایت پر ہوا۔ سیٹوں کی یہ ترتیب قائداعظم ہی کے حکم پر مقرر کی جاتی تھی۔حسبِ معمول اس اجلاس کی صدارت بھی قائداعظم خود فرما رہے تھے۔سوال:۔ جناب لیاقت علی خان سے آپ کے تعلقات کس قسم کے تھے؟ جواب:۔نوابزادہ لیاقت علی خان سے سب سے پہلے میں 1937 میں ملا۔ وہ میرے ساتھ اُس پینل آف ایڈوائزرز کے رکن تھے جب میں آٹوواٹر ایڈ ایگریمنٹ کی جگہ پر برطانیہ کے ساتھ نیا تجارتی معاہدہ کرنے کے لئے برطانیہ گیا۔ میں اس وقت حکومت ہند کے وزیر تجارت کے طور پر اس وفد کا سربراہ تھا۔اس معاہدہ پر بحث 1937۔38 تک جاری رہی۔اس کے بعد وہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور قائداعظم کے دست راست شمار ہونے لگے۔قائداعظم اس وقت ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کے لیڈر تھے۔

سوال:۔آپ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کب منتخب ہوئے؟ جواب:۔ستمبر 1962ء میں۔سوال:۔ یہ انتخاب کس طرح ہوا؟

جواب:۔ اگست 1942ء میں مجھے اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل مندوب مقرر کیا گیا۔ یہ جنرل اسمبلی کا سولہواں اجلاس تھا جو ستمبر 1941ء میں شروع ہوا۔اس میں جنرل اسمبلی کے صدر سفیر متعین اقوام متحدہ منجی سلیم صاحب تھے اگلے سال 1942 کے موسم خزاں میں

انڈونیشیا کے نمائندے جنرل اسمبلی کا صدر ہونا تھا لیکن ان کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ دستیاب نہ ہوسکیں گے سوال ہوا کہ کوئی ایشیائی جنرل اسمبلی کا صدر ہو یا صدارت کسی اور گروپ کو ملے خیال یہ تھا کہ فوری طور پر کوئی ایشیائی جنرل اسمبلی کا صدر نہیں ہونا چاہیے جنرل اسمبلی میں افروشیائی ممالک کی اکثریت تھی حلقوں کی طرف سے یہ خیال ظاہر کیا جارہا تھا کہ افریقی ایشیائی ممالک اپنی ترتیب برتری کے بل پر اسمبلی میں منمانی فیصلے کروائیں گے میں چاہتا تھا کہ اس تاثر کو تقویت نہ ملے بلکہ ایسا انتظام کیا جاسکے کہ مختلف گروپوں کے افراد باری باری صدر بنا کریں لیکن میری یہ رائے قابل قبول نہ ہوسکی۔دوسرے گروپ نے جو فیصلہ کیا اس کے نتیجے میں ارجنٹائن کے سفیر نے صدر کا عہدہ کا امیدوار بننے کا اعلان کیا۔اب صدر کے عہدے کا انتخاب کا مسئلہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس کے نتیجے میں مجھے صدارت کا امیدوار بنایا گیا چنانچہ 1942 اور 43 کے سال کے لئے میں جنرل اسمبلی کا صدر منتخب ہوگیا۔سوال:۔آپ نے روس کا بھی دورہ کیا کیا اس بارے میں آپ کو وزیراعظم خروشچیف کی طرف سے دعوت ملی تھی۔جواب:۔مجھے اس دورے کی دعوت روس کے وزیر خارجہ مسٹر گرومیکو نے دی تھی 1941 کے موسم گرما میں ماسکو گیا تھا۔مسٹر خروشچیف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔سوال:۔کیا مسٹر خروشچیف سے پاک روس تعلقات کے مسئلے پر بھی بات ہوئی تھی۔؟جواب:۔میں روس جنرل اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے گیا تھا پاکستان کے نمائندے کے طور پر نہیں اس کے باوجود پاک روس تعلقات زیر بحث آئے خروشچیف کا کہنا تھا کہ آپ کے ملک کا ایک وزیر (ذوالفقار علی بھٹو۔ناقل) روس آیا تھا۔ ہم نے اس کا استقبال کیا۔مہر طرح سے تعاون کی پیشکش کی لیکن جب وہ منسٹر واپس گیا تو سب کچھ یخ بستہ ہوکر رہ گیا۔مسٹر خروشچیف نے اس امر پر اپنی مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ شاید یہ سلسلہ امریکن دباؤ کے تحت ختم کر دیا گیا ہو۔مجھے اس بارے میں یقین نہیں تھا تاہم میں نے کہا کہ میں اس سلسلے میں کوئی کوشش کروں گا خروشچیف نے کہا کہ ہاں تم کر سکتے ہو مجھے تمہاری بات کا اعتبار ہے۔انہوں نے "تم" اور" تمہارے" کہ لفظوں پر خاص زور دیا۔سوال:۔امریکہ کے صدر کینیڈی سے بھی کبھی ملے تھے جواب:۔میں نیویارک میں ان سے اس وقت ملا جب وہ جنرل اسمبلی کو خطاب کرنے کے لئے تشریف لائے بطور صدر جنرل اسمبلی واشنگٹن گیا تو پھر بھی ملاقات ہوئی ی۔پروٹوکول یہ ہے کہ جب اقوام متحدہ کا صدر امریکہ کے صدر سے ملنے آئے تو صدر امریکہ اس کا وائٹ ہاؤس میں استقبال کرتا ہے سربراہان مملکت کا استقبال کیا جاتا ہے۔سوال:۔آپ چرچل سے بھی ملے ہوں گے؟جواب:۔کئی بار۔وزیراعظم برطانیہ مسٹر چرچل گول میز کانفرنس کے تو رکن نہیں تھے لیکن جو جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی گول میز کانفرنسوں کے بارے میں حکومت برطانیہ کے قرطاس ابیض پر غور کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی اس کے روبرو شہادت دینے کے لئے مسٹر چل بھی آتے تھے۔یہ 1933 کے موسم سرما کی بات ہے چرچل پر چار دن جرا ہوتی رہی۔وہ تمام ایام ہندوستان کو نوآبادیاتی درجہ دینے کی مخالفت کرتے رہے جس کا منقطع نتیجہ ہندوستان کی آزادی ہونا تھا۔سوال:۔آپ عالمی عدالت انصاف کے جج کب مقرر ہوئے؟جواب:۔پہلی بار اکتوبر 1954 میں سر بی این راؤ کی وفات سے خالی ہونے والی نشست پر اس عہدے کی بقیہ مدت کے لئے جج منتخب ہوا عہدے کی میاد ختم ہوئی تو میری عمر 47 سال تھی اور میرا خیال تھا کہ یہ میری پبلک لائف کا اختتام ہوگا لیکن پھر فیلڈ مارشل ایوب خان نے کہا کہ میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے کے طور پر کام کروں۔یہاں کام کرنے کے بعد میں اکتوبر 1963 میں دوبارہ عالمی عدالت کا جج منتخب ہوا۔اس دفعہ میرے عہدے کی میاد پورے عرصہ کے لئے یعنی 9 سال کے لئے تھی۔اس

عدالت میں جج کے عہدے کی معیاد تین سال ہوتی تھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ عدالت کے بنچ میں ایک یا دو سابق صدر عدالت عالم جج کے طور پر کام کرتے تھے۔ میں اپنے عرصہ کے آخری تین سال کے لئے صدر منتخب ہوا۔ چونکہ میں آخری صدر بنا اس لئے مجھے بطور سابق صدر عام جج کے طور پر کام کرنے کا اتفاق نہ ہوا یہ میری پبلک لائف کا آخیر تھا۔

سوال:۔آپ نے 1940 میں لارڈ لنلتھگو کو ایک نوٹ لکھا تھا براہ کرم مختصر طور پر اس کی وضاحت فرمائیں کہ آپ نے اس میں کیا تجویز پیش کی تھی؟ جواب:۔ وہ نوٹ شائع ہو چکا ہے میں نے اس میں جو کہا تھا وہ مختصر طور پر یہ ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے سوال کا واحد قابل قبول حل یہ ہے کہ آزادی کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ کر دیا جائے اس کو علیحدگی کی سکیم کہا گیا۔اس کے تحت شمال مشرقی اور شمال مغربی صوبوں جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی ان کو باقی ماندہ ملک سے علیحدہ کر دیا جائے۔ یہ نوٹ میں نے مسلمانوں کے بارے میں برطانیہ کی رائے عامہ کے معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے لکھا تھا میں نے اس میں یہ بتایا تھا کہ اس حقیقت کو تسلیم کا کرنا چاہیے کہ ہندوستان کے مسلمان محض ایک عام اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک علیحدہ قوم ہیں۔اور یہ وہی بات ہے جس کو" ٹونیشن تھیوری" یعنی دو قومی نظریہ کہا جاتا ہے۔اس لئے مسلمان قوم کو الگ کر دیا جائے یہ سکیم صرف مسلمانوں کی طرف سے پیش کی گئی دیگر کمیونٹیز کی طرف سے نہیں۔اس کے متبادلکے طور پر کہا جاتا تھا کہ 1935 کے قانون میں ترمیم کر کے اس میں مسلمانوں کے مطالبات کو شامل کرنے کی غرض سے بعض تحفظات طے کر دیے جائیں۔ میں نے اس پر بھی اصرار کیا تھا کہ یہ تحفظات قابل قبول نہیں ہوں گے۔سوال:۔ یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی تھی براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں؟ جواب:۔دراصل الجھاؤ ہے لفظ" پاکستان" کے مطلب کے بارے میں۔اس وقت یعنی 1930۔31 میں اس لفظ سے مراد رحمت علی کا نظریہ تھا اور اس نظریے کا انحصار اس ملک میں بہت وسیع پیمانے پر آبادی کے تبادلے پر تھا۔اس سکیم کے تحت یہ کہا گیا تھا کہ ہندوستان کے شمال مشرقی علاقوں میں ہندوستان کی تمام مسلمان آبادی کو مجتمع کر دیا جائے اور باقی ہندوستان میں ساری غیر مسلم آبادی کو جمع کر دیا جائے اس کے بارے میں میرا نظریہ اور گول میز کانفرنس میں شامل مسلمانوں کا نظریہ یہی تھا کہ یہ مکمل طور پر نا قابل عمل سکیم ہے جو بے بنیاد خیالات پر استوار کی گئی ہے اور اس پر کسی سنجیدہ فکر کی ضرورت نہیں۔ میں ے جس سکیم کی مخالفت کی تھی وہ یہی سکیم تھی۔اور گول میز کانفرس میں مسلمانوں کا جو وفد شامل تھا جس میں قائداعظم بھی شامل تھے ان سب سے متفقہ طور پر اس سکیم کو مسترد کر دیا تھا اور خود چوہدری رحمت علی نے بعد میں اپنی تجویز کی کمزوری کو بھانپ کر پاکستان کے ساتھ اور علاقوں کے نام بھی تجویز کیے مثلاً بنگستان بنگال کے لئے عثمانستان حیدرآباد کے لئے وغیرہ یہ رحمت علی سکیم وہ سکیم نہیں تھی جو بعد میں پاکستان کہلائیں۔سوال:۔ کیبنٹ مشن پلان کے بارے میں کچھ فرمائے؟ جواب:۔ یہ پلین مسلم لیگ نے قائداعظم کی ہدایت پر تسلیم کر لیا تھا۔ یہ اس خیال سے تسلیم کیا گیا تھا کہ اس میں مسلمانوں کے مطالبات مان لئے گئے تھے۔اگر چہ عمل صرف چند سال کے لئے۔ میں اپنے ک نوٹ کا کریڈٹ نہیں لینا چاہتا بعض اور لوگ بھی اور قائداعظم بھی ان دنوں انہیں خطوط پر سوچ رہے تھے۔ہاں یہ بات ہے کہ میں نے واضح طور پر بات بول کر سامنے رکھ دی تھی۔ میں نے یہی کہا تھا کہ مسلمانوں کے لئے واحد قابل قبول حل یہی ہے کہ تقسیم کر دی جائے بجائے اس کے کہ 1935 کے ایکٹ میں بعض تبدیلیاں کر کے اسے قابل قبول بنانے کی کوشش کی جائے۔سوال:۔ اعلامہ اقبال سے آپ کے تعلقات کیسے تھے؟

جواب:۔ میں اقبال کو ایک عرصے سے جانتا تھا۔ سیالکوٹ سے تعلق رکھتے تھے تاہم میرا ان سے پہلا رابطہ اس وقت ہوا جب میں تھرڈ ائیر میں گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا وہ عارضی طور پر پروفیسر آف فلاسفی مقرر ہوئے لیکن پروفیسر آف فلاسفی کے مستقل طور پر ٹورانٹو چلے جانے کی وجہ سے انہیں اس عہدے پر منتقل کر دیا گیا۔ اقبال ان دنوں نئے نئے یورپ سے آئے تھے۔ وہ بارایٹ لاء بھی تھے اور لاہور میں قانون کی پریکٹس بھی کرتے تھے انہیں انڈین ایجوکیشن سروس میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی لیکن انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں قانون کی پریکٹس نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ پریکٹس اور پروفیسری ساتھ ساتھ جاری رہی۔ وہ اپنے مضمون فلاسفی کے علاوہ انگریزی پڑھاتے تھے۔ چنانچہ میں انگریزی کی کلاس میں دو سال تک ان سے پڑھتا رہا۔ بارایٹ لاء کیا تو پھر عدالتوں میں کبھی ان کی جونیئر کے طور پر اور کبھی ان کے مخالف کے طور پر پیش ہونے کا موقع ملتا رہا۔ ذاتی تعلقات ہمیشہ بہت خوشگوار ہے گول میز کانفرنس میں بھی وہ ہمارے ساتھی رہے۔سوال:۔ پاکستان اپنے قیام کے بعد ہی سے ایک بحران کے بعد دوسرے بحران میں مبتلا ہوتا رہا ہے۔ آپ کا خیال اس بارے میں کیا ہے۔ کہ وہ کیا بات ہوئی ہے کہ ہمارے ملک سے بہران ختم ہونے میں نہیں آتا؟ جواب:۔ یہ بہت مشکل سوال ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ خود کو اتنا عقلمند سمجھنے کی ذمہ داری اٹھاؤں کہ اس بارے میں کوئی رائے دے سکوں۔سوال:۔ کیا آپ بالکل کوئی رائے نہ دیں گے؟ جواب:۔ بالکل نہیں۔سوال:۔ آپ کے خیال میں قائداعظم مذہبی عقیدہ کے بارے میں کس قسم کا آئین چاہتے تھے۔ یعنی اس بارے میں کہ کیا حکومت کو کسی کے عقیدے کے بارے میں کوئی پالیسی طے کرنی چاہیے؟ جواب:۔ قائداعظم اس معاملے میں بہت واضح تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مذہبی عقائد کے بارے میں کسی سے کوئی تفریق روانہیں رکھنی چاہیے۔ عقیدہ کسی بھی شخص کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے اور اس میں پاکستان کے شہری ہونے کے طور پر کسی حکومت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔سوال:۔ حکومت اور کاروبار مملکت چلانے کے بارے میں قائداعظم کے نظریات پر کیا بعد میں عمل ہوا؟ جواب:۔ اس بارے میں قائداعظم کے خیالات پر انکی وفات کے بعد نہ صرف یہ کہ کوئی عمل نہیں ہوا بلکہ مکمل طور پر انحراف کیا گیا۔سوال:۔ آپ کی پبلک لائف میں غیر معمولی کامیابی کا راز کیا ہے؟ جواب:۔ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا رحم۔ حصہ دوم۔سوال:۔ آپ نے قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ جبکہ قرآن کے بارے میں ایک سوال یہ ہے کہ اس کا حقیقی ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ جواب:۔ میں نے یہ بات ترجمہ قرآن کے دیباچے میں بھی لکھی ہے کہ بنیادی اور اصولی طور پر یہ بات بالکل صحیح ہے کہ قرآن کریم کا حقیقی ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے کئی پہلو اور بطون ہیں جبکہ مترجم ہی طرز فکر سے ترجمہ کرتا ہے۔ قرآن کریم کے مطالب اتنے وسیع اور متنوع ہیں اور اس عالمی صداقتیں اتنی کثیر مقدار میں درج ہیں کہ ان کا صحیح ترجمہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن میں نے اس خیال سے ترجمہ نہیں کیا کہ میں پورا اور مکمل ترجمہ کر رہا ہوں۔ بلکہ اس خیال سے ترجمہ کیا ہے کہ ایک مبتدی کے لئے قرآن کریم کے وسیع مطالعہ اور اس کے علوم و معارف کی عظیم الشان خزانے کی ایک جھلک دکھا کر اسے قرآن کے مزید مطالب جاننے کی طرف راغب کیا جا سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں بھی اور دیگر مترجم بھی اسی خیال کو سامنے رکھ کر تراجم کرتے ہیں۔سوال:۔ حضرت بانی سلسلہ سے آپ کی پہلی ملاقات کب اور کیسے ہوئی؟ جواب:۔ حضرت بانی سلسلہ کی زیارت پہلی بار میں نے 3 ستمبر 1904 کو لاہور میں کی۔ جب حضور ایک لیکچر دینے کے لئے لاہور تشریف لائے تھے۔ حضور کا لیکچر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھا تھا۔ حضور بھی تشریف فرما تھے۔ اس میں شامل ہونے کے لئے

میرے والدمحترم مجھے ساتھ لے گئے تھے۔میں اس کوملاقات نہیں کہتا کیونکہ اس میں کوئی گفتگوشامل نہیں تھی۔پھر میں نے اپنی والدہ کے ہمراہ حضور کی زیارت کی۔میری والدہ اپنی خوابوں کی تصدیق چاہتی تھی کہ جس بزرگ کوانہوں نے خواب میں دیکھا ہے وہ حقیقی طور پر حضرت بانی سلسلہ ہیں یا نہیں۔اس کے بعد سیالکوٹ میں حضور کی تشریف آوری کے موقع پر میں نے کئی بار حضور کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔

سوال:۔آپ نے حضرت بانی سلسلہ کی بیعت کب کی؟ جواب:۔میں نے حضرت بانی سلسلہ کی بیعت 12 ستمبر 1907 کو کی۔اگرچہ میں 3 ستمبر 1904 کو حضور کو دیکھنے کے بعد ہی آپ پر ایمان لا چکا تھا تاہم بیعت کرنے کا خیال حضرت مولوی نورالدین کے خط سے آیا۔جو آپ نے میرے والد صاحب کے نام لکھا تھا۔آپ نے لکھا تھا اب آپ اپنے بچے کی بیعت کرا دیں 12 ستمبر 1907 کے دن ظہر کی نماز کے بعد جب حضور خانہ خدا میں تشریف فرما تھے میں نے بیعت کے لئے عرض کیا حضور نے بیعت قبول فرمالی۔سوال:۔حضرت بانی سلسلہ کو دیکھنے کے بعد پہلا تاثر آپ کا کیا تھا؟ جواب:۔اس وقت میری عمر ساڑھے گیارہ سال تھی۔اتنا متاثر ہوا کہ اس تقریب کا سارا وقت ٹکٹکی باندھ کر حضور کے چہرے کو دیکھ تا رہا۔میں اسی وقت سے بغیر کسی قسم کے دلائل کے پوری طرح حضور کے دعاوی ت کے بارے میں مطمئین تھا۔اگرچہ جو لیکچر پڑھا جا رہا تھا اس کو بھی میں نے توجہ سے سنا اور اس میں حضور کے جو الہامات درج تھے وہ بھی مجھے یاد رہے لیکن میری ساری توجہ دراصل حضور کے چہرے مبارک کی طرف تھی۔سوال:۔حضرت مولوی نورالدین صاحب کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں؟ جواب:۔کیپٹن ڈگلس جنہوں نے حضرت بانی سلسلہ پر دائیر شدہ مقدمہ سازش قتل کی سماعت کی تھی اور حضور کو باعزت بری کر دیا تھا ان سے میں انگلینڈ میں ملتا رہا۔انہوں نے بتایا کہ جب میں نے حضرت مرزا صاحب کو کمرہ عدالت میں داخل ہوتے دیکھا تو ان کو دیکھتے ہی میں ان کی صداقت کا قائل ہو گیا تھا۔وہ آدمی نہیں تھے بلکہ وہ کوئی آسمانی ہستی تھی۔حضور پر قتل کی سازش کا بڑا سخت الزام تھا لیکن اس کے باوجود کیپٹن ڈگلس نے آپ کو کرسی پیش کی اور اپنے ساتھ اسٹیج پر بٹھایا۔وہ پوری طرح قائل تھا کہ حضرت مرزا صاحب اپنے دعوے میں سچے تھے۔مرزا صاحب کی وساطت سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو بھی سچا خیال کرتا تھا۔کیپٹن ڈگلس حضرت مولوی نورالدین کی شخصیت سے بھی بڑا متاثر تھا۔وہ کہتا تھا کہ اگر مولوی نورالدین صاحب بھی دعوی کرتے ہیں کہ میں مسیح ومہدی ہوں تو میں مان جاتا کہ وہ سچے ہیں۔حضرت مولوی نورالدین بہت عظیم اور بہت متاثر کن شخصیت تھے۔جب میں بی۔اے کے امتحان میں کامیاب ہوا تو آپ نے میرے بارے میں فرمایا یہ پہلے سے جانتے تھے کہ یہ کامیاب ہو جائیں گے۔بھائی جان میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے والد صاحب نے فرمایا تھا کہ بی۔اے میں کامیابی کے بعد تم اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلے جانا اور اس کی اجازت حضرت مولوی نورالدین سے حاصل کر لینا۔برطانیہ جانے کے بارے میں حضور سے پہلے ہی ذکر کر دیا تھا شاید اس وجہ سے ان کو خیال پیدا ہوا ہو۔ایک دن آپ کے پاس اور کوئی نہ تھا اکیلا میں تھا۔ڈاکٹر جو آپ کی دائیں کنپٹی کے زخم کے ڈریسنگ کرنے آتا تھا وہ بھی ڈریسنگ کر کے جا چکا تھا۔اس کے جانے کے بعد میں نے آپ کا جسم دبانا شروع کیا دبانا تو آتا نہیں تھا جیسے بھی سمجھ میں آیا دباتا رہا۔میں نے محسوس کیا کہ آپ شاید سو گئے ہیں میں نے دبانا بند کر دیا اور آہستہ سے چارپائی سے اٹھنے لگا۔تو آپ سوئے نہیں ہوئے تھے بلکہ جاگ رہے تھے اپنا دایاں بازو میرے سر کے گرد لپیٹ کر مجھے اپنے چہرے کے بالکل قریب کر لیا ایک دو منٹ تک رکھا پھر فرمایا کہ میاں ہم نے تمہارے لئے بہت دعائیں کی ہیں۔سوال:۔آپ کے برطانیہ جانے کے سلسلے میں کیا حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کوئی نصیحتیں فرمائیں؟ جواب:۔کئی نصیحتیں فرمائیں۔ان میں سے ایک یہ تھی کہ لوگ کہتے ہیں کہ انگلینڈ کا موسم اتنا سرد ہے کہ وہاں پر موسم سے بچاؤ کے لئے شراب پینا لازمی ہے۔اس کے بغیر چارہ نہیں۔یہ بات بالکل

غلط ہے،ہم حکیم ہیں اور انسانی جسم کو جانتے ہیں اگر سردی کے اُثر کا مقابلہ کرنا ہوتو کوکو استعمال کرنا چاہیے شراب پینا ہرگز ضروری نہیں۔'' اپنے پیدا کرنے والے کے در کے منگتے ہی رہنا۔'' مجھے وائسرائے کا خط ملا معاملہ ابھی تک بس یہ راز تھا اس لئے لازم تھا کہ جیسے انہوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے خط لکھا تھا میں بھی انہیں اپنے ہاتھ سے جواب لکھوں۔خود ہی ڈاکخانے جا کر خط بذریعہ رجسٹری بھیجنے کا انتظام کروں۔اگر یہ کام کسی اور کے سپرد کرتا تو اندیشہ تھا کہ بات ظاہر ہو جاتی۔گاڑی کے لئے آواز دی۔دوپہر کا وقت تھا میری اہلیہ نے بھی میری آواز سن لی اور پوچھا گرمی میں کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا ذرا ڈاک خانے تک ایک خط رجسٹری کرانے جا رہا ہوں۔عبدالکریم کو کیوں نہیں دے دیتے۔یہ کام عبدالکریم کے کرنے کا نہیں میڈنز ہوٹل کے پھاٹک کے برج میں ایک چھوٹا سا ڈاکخانہ تھا میں خط وہاں لے گیا اور رجسٹری کے لئے پیش کیا مجھے رجسٹری کے قواعد کا علم نہ تھا۔خط رجسٹری کرانے کا تجربہ، بابو صاحب دیکھ کر فروخت ہوئے نہ پڑھ کر خیال کیا ہو کہ یہ کوئی منگتا ہے جس کے بگڑے ہوئے دماغ میں خیال آیا ہے کہ چلو وائسرائے ہی سے کچھ مانگ لوں۔میری طرف واپس پھینک کر غصے کے لہجے میں کہا آ جاتے ہیں کہیں کے نہ عقل نہ سمجھ یہ لو فارم اسے پر کر کے لاؤ ان سے معذرت کی اور فارم پر کر کے پیش کر دیا سرکاری اعلان ہو گیا تو درگا داس صاحب نے جو شملہ میں نیچے اخبار میں لکھا میاں صاحب کی جگہ ایک ادنیٰ درجے کے وکیل کا تقرر ہوا۔ایسے واقعات بعد میں بھی کبھی کبھی ہوتے رہے اور ہر بار میں اپنے نفس کو تنبیہ کرتا دیکھنا کہیں گھمنڈ میں نہ آ جانا۔ہو تم منگتے ہی لیکن اپنے پیدا کرنے والے کے در کے منگتے ہی رہنا۔انسانوں سے کبھی حاجت روائی نہ چاہنا تم وکیل رہو یا کچھ اور ہو تم ادنیٰ ہو اعلیٰ وہی ہے جسے اللہ بلند کرے تم ادنیٰ ہو اور عاجز ہو اس کے آگے ہر وقت جھکے رہو۔درگا داس صاحب کو میں اس سے پہلے بھی جانتا تھا بعد میں تو اکثر مجھ سے ملتے رہے۔میرے مکان پر بھی کئی بار تشریف لاتے تھے۔میں انہیں نہایت اکرام اور تواضع سے ملتا اور وہ بھی میرے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے۔تنقید کے طور پر کچھ کہتے تو ہنس کر کہتے۔کئی سال بعد جب میں فیڈرل کورٹ کا جج تھا ایک دن میڈنز ہوٹل کے ڈاکخانے والے بابو صاحب جو ملازمت کی معیاد پوری کر چکے تھے اپنی کسی ذاتی ضرورت کے سلسلے میں مجھے ملنے کے لئے میرے مکان پر تشریف لائے۔میں کچھ خجل ہوا کہ انہیں یاد آتا ہو گا کہ اسے تخت رجسٹری کرانے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا۔وہ معمر تھے میں ادب اور تواضع سے پیش آیا اور جو ارشاد انہوں نے فرمایا میں نے اس کی تعمیل کر دی۔(بحوالہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان نمبر)

چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں سے انٹرویو۔منیر احمد منیر

سوانحی خاکہ

میں 6 فروری 1893ء کو سیالکوٹ شہر کے محلہ نخاس میں پیدا ہوا۔چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا تو سکول جانا شروع کر دیا۔1907ء میں امریکن مشن سکول سیالکوٹ سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کیا۔مزید تعلیم کے لئے اسی سال گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوا، جہاں سے 1911ء میں فرسٹ ڈویژن میں بی اے کیا۔عربی کے مضمون میں یونیوسٹی بھر میں اوّل رہا،ایم اے کے لئے وظیفہ ملا لیکن قبول نہ کیا۔ستمبر 1911ء میں قانون کو تعلیم کے لئے انگلستان کا رخ کیا۔جون 1914ء میں لنکنز ان سے بیرسٹری کی سند ملی۔اکتوبر 1914ء میں کنگز کالج لندن سے ایل ایل بی کیا اور لندن یونیورسٹی میں اوّل

رہااوراس سال سیالکوٹ میں واپس آ گیا۔دسمبر 1914ء میں چیف کورٹ میں ایڈووکیٹ ہوگیا۔والدمحترم چوہدری نصراللہ خاں سیالکوٹ میں دیوانی کے چوٹی کے وکیل تھے۔جنوری 1915ء میں ان کے زیر ہدایت وکالت شروع کردی جو اگست 1916ء تک جاری رہی۔اگست 1916ء میں ''انڈین کیسز'' کا اسٹنٹ ایڈیٹر ہو کے لاہور منتقل ہوگیا۔مَیں چیف کورٹ میں پہلی بار دسمبر 1916ء میں پٹنہ چیف کورٹ میں پیش ہوا۔1917 سے 1935ء تک لاہور چیف کورٹ میں پریکٹس کی۔1919ء سے 1924ء تک لاکالج لاہور میں لیکچرر رہا ہے۔1926ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا مبر منتخب ہوا۔اس طرح 1935ء تک میں کونسل کا ممبر رہا۔ہندوستان میں آئینی اصلاحات پر ایک رائل کمشن قائم ہو رہا تھا۔انگلستان کے عوام کے سامنے مسلمانوں کا نقطہ نظر واضح کرنے کے لئے 1927ء میں مَیں پنجاب کونسل کے مسلمان اراکین کی طرف سے انگلستان گیا۔1928ء میں سائمن کمشن سے تبادلۂ خیال کرنے والی صوبائی کمیٹی (پنجاب) کا رکن تھا۔1930ء میں مسلمان نمائندے کی حیثیت میں پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔32۔1931ء میں دہلی سازش کیس میں سینئر وکیل سرکار تھا۔1931ء میں مسلم لیگ کے سالانہ سیشن منعقدہ دہلی کا صدر رہا۔1931ء میں مسلمان نمائندے کی حیثیت میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔جون سے اکتوبر 1932ء تک سر میاں فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر رہا۔1932ء میں مسلمان نمائندے کی حیثیت میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔1933ء میں ٹورنٹو میں ہونے والی برٹش کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔1935ء سے 1940ء تک وائسرائے کی کونسل کا مستقل ممبر رہا۔1937ء میں بادشاہ جارج ششم کی تخت نشینی کی تقریبات میں برطانوی ہند کی نمائندگی کی۔ایک بار 1937ء میں دوسری بار 1938ء میں اوٹاوہ ٹریڈ ایگریمنٹ کی ترمیم کے سلسلے میں بورڈ آف ٹریڈ کے ساتھ مذاکرات میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔نومبر 1939ء میں لندن میں ڈومینین منسٹرز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔1940ء میں پھر وائسرائے کی ایگزیکٹو کا ممبر نامزد ہوا اور وارسپلائی کا محکمہ دیا گیا۔میرے پاس یہ رکنیت 1945ء تک رہی۔ستمبر 1941ء سے 10 جون 1947ء تک فیڈرل کورٹ آف انڈیا کا جج رہا۔1942ء میں چار ماہ کے لئے چُنگ کِنگ میں انڈیا کا ایجنٹ جنرل رہا۔1942ء میں پیسی فِک ریلیشنز کانفرنس منعقدہ مونٹریال میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔جون 1947ء سے دسمبر 1947ء تک چیمبر آف پرنسز کے چانسلر،نواب آف بھوپال کا آئینی مشیر رہا۔جولائی 1947ء میں پنجاب بونڈری کمشن میں مسلم لیگ کی طرف سے پیش ہوتا رہا۔قائداعظمؒ کے حکم پر وسط 1947ء سے وسط دسمبر 1947ء تک اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔دسمبر 1947ء سے نومبر 1954ء تک پاکستان کا وزیرخارجہ رہا۔1947ء سے 1954ء تک سیکورٹی کونسل کے سامنے کشمیر کا کیس پیش کیا۔اکتوبر 1954ء میں عالمی عدالتِ انصاف کا جج منتخب ہوا۔5 فروری 1961ء تک اس عہدے پر رہا۔1958ء سے 1991ء تک عالمی عدالتِ انصاف کا نائب صدر منتخب ہوا۔اگست 1961ء سے فروری 1964ء تک یواین او میں پاکستان کا مستقل نمائندہ رہا۔62۔1963ء میں یواین او کی جنرل اسمبلی کا صدر منتخب ہوا۔6 فروری 1974ء کو دوبارہ عالمی عدالتِ انصاف کا جج منتخب ہوا ۔5 فروری 1973ء تک اس عہدے پر رہا۔ 1970ء سے 1973ء تک عالمی عدالتِ انصاف کا صدر رہا۔ہیگ:مئی 1964ء۔

س:۔ چودھری صاحب آپ پاکستان کے پہلے وزیرخارجہ تھے۔اس وقت تو پتہ نہیں اس تقرری پر عوام کی سوچ کیا تھی۔لیکن بعد کے زمانے میں آپ کے عقیدے کی وجہ سے بہت قیاس آرائیاں ہوئیں۔عام طور پر یہی سمجھ گیا کہ آپ کا تقرر انگریزوں کے کہنے پر عمل میں آیا۔ایک دفعہ بلکہ دو دفعہ مجھے مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے بتایا کہ انہوں نے ایک دفعہ بھٹو سے کہا کہ ساری خرابی ظفراللہ خان کے وزیرخارجہ

بننے سے پیدا ہوئی اور یہ راز راز ہی رہا کہ ظفراللہ خاں کو کون لایا۔ بقول مولانا تھانوی بھٹو صاحب کہنے لگے میں نے اس کی تحقیق کی ہے۔ انڈیا آفس لائبریری سے، جس سے یہ پتہ چلا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن نے چودھری ظفراللہ خاں کے متعلق منوالیا تھا کہ پاکستان کی کابینہ میں ان کا بھی ایک آدمی رہے گا۔ ج:۔اب تو برٹش گورنمنٹ نے اپنا وہ سارا ریکارڈ عام کر دیا ہے۔ اگر کوئی ایسی بات ہے کہ ظفراللہ خاں کو مونٹ بیٹن پاکستان کی کابینہ میں لایا تو چھاپتے کیوں نہیں۔ اوّل تو یہ بات بیہودہ ہے۔ مونٹ بیٹن نے جب یہ تجویز پیش کی کہ وہ ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل ہو جائے وہ تو جناحؒ صاحب نے مانی نہیں اور خود مونٹ بیٹن نے لکھا اور چھپا بھی میں نے مسٹر جناحؒ سے کہا کہ آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ آپ کی ایک ناں NO سے کیا نقصان ہوگا۔ انہوں نے (قائداعظمؒ نے) جواب دیا، ہاں مَیں سمجھتا ہوں بہت سارے اثاثے خطرے میں پڑ جائیں گئے۔ میں (مونٹ بیٹن) نے انہیں (قائداعظمؒ کو) کہا بہت سارے نہیں، سارے اثاثے خطرے میں پڑ جائیں گے۔

اس حد تک تھا معاملہ، اور جناحؒ صاحب اس کی یہ بات مان گئے کہ ہمارے آدمی کو وزیر خارجہ بناؤ، اور جناحؒ صاحب اس طرح کسی کی بات ماننے والے تھے۔ پھر جناحؒ صاحب کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی ذمّہ داری پر اور مونٹ بیٹن کے کہنے پر ایک ایسے شخص کو لے لیا۔ جس کے بارے میں انہوں نے یہ بھی نہیں پرکھا تھا کہ یہ اس لائق بھی کہ نہیں اور مونٹ بیٹن چاہتا تھا کہ ہمارا آدمی ہو جائے۔ قائداعظمؒ اس قسم کے آدمی نہیں تھے کہ کسی کے دباؤ تلے آجائیں یا کوئی انہیں مجبور کر دے۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ جس موقف یا جس بات کو وہ صحیح سمجھتے تھے۔ اس پر سے انہیں ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ س:۔ اس بات کا بھی بہت چرچا کرتے ہیں بعض لوگ کہ اگر قائداعظمؒ مونٹ بیٹن کی خواہش پر اُسے پاکستان اور بھارت کا مشترکہ گورنر جنرل مان لیتے تو بعد میں پاکستان کو جو مشکلات درپیش آئیں وہ نہ آتیں۔ ج:۔ یہ کیا کہتے ہیں، کیا ہوتا۔ س:۔ قتل و غارت گری نہ ہوتی۔ وسیع پیمانے پر آبادی کا انخلا نہ ہوتا۔ ج:۔ کیا کرتا مونٹ بیٹن۔ کروایا تو اس نے نہیں، لیکن کیا کرتا وہ۔ اگر وہ مشترکہ گورنر جنرل ہوتا تو جب کراچی میں ہوتا تو پاکستان کے معاملات کے ضمن میں وہ آئینی طور پر یہاں کی کابینہ کی ہدایات کا پابند ہوتا، دہلی میں ہوتا تو وہاں کی کابینہ کی ہدایات پر عمل کرنے کا پابند ہوتا، اختلاف ہو جاتا تو کیا کرتا۔ یہاں کہتا کہ میں یہ کروں گا، وہاں جاکے کچھ اور کر دیتا۔ اس کی سکیم ایک ہفتہ بھی نہ چل سکتی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ قائداعظمؒ کے ذہن میں کیا تھا۔ تاہم یہ تجویز کہ مونٹ بیٹن ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کا مشترکہ گورنر جنرل بن جائے کلیتہً ناقابل عمل تھی۔ اس کے تعلق میں ایک جناحؒ صاحب نے تجویز پیش کی جس کا ذکر کہیں نہیں آتا اور وہ بہت ہی معقول تجویز تھی۔ س:۔ کیا تھی وہ پروپوزل۔ ج:۔ انہوں نے (قائداعظمؒ نے) کہا کہ یہ تو میں نہیں مانتا کہ گورنر جنرل ایک ہو۔ ان کا اپنا ہو۔ ہمارا اپنا ہو۔ لیکن یہ میں ماننے کے لیے تیار ہوں کہ تقسیم کو عمل میں لانے کے لیے جن اختیارات کی ضرورت ہو وہ اختیارات تمہیں بادشاہ برطانیہ کا نمائندہ مقرر کر کے دے دیئے جائیں۔ اور ان معاملات میں تمہارے حکم کی دونوں حکومتیں پابند ہوں اور اس کا تم تقسیم یا جو بھی تعلق ہو اس ضمن میں نفاذ کراسکو۔ مونٹ بیٹن نے کہا کہ میجسٹی گورنمنٹ (برطانوی حکومت) کو یہ تجویز پسند نہیں۔ قائداعظمؒ کی اگر وہ تجویز مان لی جاتی تو جتنے فسادات ہوئے یہ رُک جاتے۔ پھر وہ بیچارہ فیلڈ مارشل آکن لیک جو باونڈری فورس جو کچھ اس کی فورس کہلاتی تھی۔ اس کا کمانڈر تھا۔ کانگریس گورنمنٹ سے تنگ آکر اس نے استعفاد یدیا اور چلا گیا۔ مان لیا ہوتا مونٹ بیٹن کو گورنر جنرل تو کوئی گارنٹی نہیں تھی۔ کہ جو ہمیں نقصان پہنچا، یا قتل و غارت ہوا۔ یہ ہوا وہ ہوا۔ اس کو وہ روک لیتا کیونکہ اگر درمیان میں دخل دینا پڑتا تو اس کا اختیار کیا تھا کہ جس طرح وہ چاہے وہ ہو، مشترکہ گورنر جنرل ہونے کی حیثیت میں مونٹ بیٹن کو کوئی آئینی اختیارات نہ ہوتے وہ صرف مشورہ دے سکتا تھا۔ وہ تجویز جو قائداعظمؒ نے پیش کی تھی اس پر

عمل کرنے سے مونٹ بیٹن کو اختیارات حاصل ہوجاتے۔لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ یہ سب باتیں اب بیٹھ کے کرنے لگے ہیں۔ پہلوں نے سب غلط کیا۔ یہ ہوتا تو یوں ہو جاتا۔ وہ ہوتا تو یُوں ہو جاتا۔ اچھی بات، ان باتوں کو بھی جانے دیجئے کہ بدقسمتی تھی کہ قائداعظمؒ نے غلطی کی۔ نہیں مانا (مشترکہ گورنر جنرل) جو الزام چاہیں اور جس پر چاہیں لگائیں۔ لیاقت علی پر بھی دیں۔ مجھ پر بھی دیں۔ ہم سب ایسے تھے ویسے تھے لیکن جب سے یہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں۔ صاحب اختیار ہیں۔ سب کچھ ہیں۔ اس وقت سے کیا وجہ ہے کہ پاکستان بتدریج نیچے ہی گرتا چلا جا رہا ہے کسی بلندی کی طرف نہیں جاتا۔

س:۔ اسی کمزوری کے باعث ان لوگوں کو بھانت بھانت کی بولیاں بولنے کا موقع مل رہا ہے۔ پاکستان دُشمنی جن کے خمیر میں رچی بسی ہے۔ ج:۔ کیا موقع ملتا ہے۔ س:۔ یہی کہ برصغیر کی تقسیم انگریز نے اپنے مفاد کی خاطر کی۔ ج:۔ انگریز کو تقسیم سے کیا فائدہ پہنچتا۔ س:۔ انڈیا تقسیم ہوجائے گا۔ اس کی قوت منتشر ہوجائے گی۔ وہ تو قائداعظمؒ پر زبان درازی سے بھی نہیں چوکتے۔ ج:۔ نہیں چوکتے تو میں اس کا کیا علاج کر سکتا ہوں جس کا جس طرح جی چاہے کہتا پھرے۔ اس کی تو تحریری شہادت موجود ہے کہ انگریز پاکستان کے قیام کے سخت خلاف تھے۔ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کرتے وقت یہ ہدایت کی گئی تھی کہ کوشش کرو کہ کیبنٹ پلان پر عمل کراسکو۔ اس نے جائزہ وائزہ لے کے رپورٹ کردی کہ اس کا امکان تو مجھے نظر نہیں آتا۔ پھر آگے بات نہیں چلی۔ اُدھر تو یہ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انگریز کی پالیسی سارا وقت پاکستان کے خلاف رہی۔ ہندوستان کے حق میں رہی ہے کیونکہ ہندوستان، پاکستان کی نسبت کئی گنا بڑا ملک ہے۔ اور انگلستان چاہتا ہے کہ اس کی دوستی اسے حاصل رہے اور کسی حد تک اس بات میں صداقت بھی ہے۔ ادھر یہ کہتے ہیں کہ یہ بٹ جائیں آپس میں اور ہندوستان کمزور ہو۔ پہلے جو ہوا وہ ہوگیا۔ ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کہ قائداعظمؒ کو بُرا بھلا کہہ دیا۔ لیاقت علی پر گندگی اچھال دی یا مجھے گالی دے دی۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ نہ اس سے اصلاح پیدا ہوگی۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ ہمیں اس قسم کا نشانہ بنالیں۔ بنالیں۔ اگر اس سے کام چلتا ہے تو بیشک، مثلاً اگر مجھے گالی دینے سے ملک کو فائدہ پہنچتا ہے تو دل کھول کر گالی دے لیں۔ مجھے کوئی جوش نہیں آئے گا۔ فائدہ ہوتا ہو تو کریں۔ لیکن اس بات کی طرف توجہ کریں کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ ہمارا مستقبل کن باتوں سے سنور سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان الگ ہوگیا۔ اس کے باوجود پاکستان اپنی آبادی کے لحاظ سے اور جو اللہ تعالیٰ نے اسے ذرائع عطا فرما رکھے ہیں ان کے لحاظ سے اگر بڑے ملکوں میں اس کا شمار نہیں ہوتا تو اوسط درجے کے ملکوں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یا رکھ سکتا ہے۔ تو ملک کی حقیقی بہبود اور خوشحالی وترقی کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ہمارے اعلانات تو بڑے بڑے ہوتے ہیں عملاً کچھ نظر نہیں آتا۔ الّا ماشاءاللہ جو تھوڑا بہت ہو، اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ رفتار بڑی سست ہے۔ اسی لئے مَیں کہتا ہوں کہ میاں جو ہوا یا جو نہ ہوا اس کا اثر آج تم پر نہیں پڑے گا۔ آج تم جو کرو گے اس کا پھل پاؤ گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم اسلام پر قائم ہیں۔ لا الہ الا اللہ ہمارا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہی ہر انعام کا اور ہر نعمت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں تو پھر قرآن کریم کے اس ارشاد پر عمل شروع کردیں لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی انسان کو وہی کچھ حاصل ہوگا۔ جس کے لئے وہ کوشش کرے۔

اب ان باتوں سے کیا حاصل کہ مونٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل مان لیا جاتا تو اچھا تھا یا یہ کہ ظفر اللہ خاں کو مونٹ بیٹن لایا تھا۔ حالانکہ پاکستان بنا چودہ اگست سن سینتالیس کو۔ میرا تقرر ہوا پچیس دسمبر سن سینتالیس کے روز۔ یہ لوگ مونٹ بیٹن کے حوالے سے جو باتیں کرتے ہیں وہ تو ابتدا تقسیم کی باتیں ہیں۔ اس بات کو لوگ اکثر بھول جاتے ہیں کہ اس وقت قائداعظمؒ نے مجھے ڈیلیگیشن کا سربراہ مقرر کرکے یونائیٹڈ نیشنز بھیجا

ہوا تھا کہ وہاں فلسطین کے مسئلے میں عربوں کی تائید کرواور وہاں سے واپسی پر 25 دسمبر 47 کو مجھے وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔س:۔ اقوام متحدہ میں بھیجتے وقت قائداعظمؒ نے کوئی خاص لائن آپ کو دی۔ج:۔نہیں۔اس وقت یہاں کسی کو فرصت تھی۔اُدھر مہاجرین کی مصیبت پڑی تھی۔نئی نئی سٹیٹ قائم ہوئی تھی۔ظاہر ہے کہ عربوں کا معاملہ تھا جس وقت میں نے تقریر شروع کی اس وقت عربوں کو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ پاکستان کیا ہے؟ مسلمان ملک ہے؟ ہماری تائید کرے گا یا ہمارے خلاف جائے گا۔جب میں نے تقریر شروع کی تو انہوں نے کان کھڑے کر لئے۔اچھا! یہ آدمی تو خدا تعالیٰ نے آسمان سے ہماری حمایت کے لئے بھیجا ہے۔س:۔چوہدری صاحب ظاہر ہے ہماری خارجہ پالیسی کا پیٹرن اسی زمانے میں سیٹ ہوا تھا۔بطور وزیر خارجہ آپ نے کن امور پر زیادہ زور دیا۔کیا آج بھی ہمارے خارجی معاملات انہی خطوط پر چل رہے ہیں۔ج:۔یہ تو میں نہیں بتا سکتا کہ اس وقت انہی خطوط پر چل رہے ہیں کہ نہیں کیونکہ مجھے علم نہیں، البتہ اس وقت ہمارا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہوں اور جو مسلمان ملک آزاد نہیں۔ان کی آزادی کے لئے کوشش کی جائے۔چنانچہ میں نے خصوصاً وہ مسلمان ممالک جو آزاد نہیں تھے۔ان کی آزادی کے لئے کوششیں کیں۔س:۔اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی۔ج:۔اللہ تعالیٰ دے فضل نال خاصی کامیابی ہوئی۔

س:۔قائداعظمؒ کی وفات کے بعد وزیراعظم خان لیاقت علی خاںؒ کو روس اور امریکہ دونوں ملکوں کی طرف سے دعوت نامے ایک ہی وقت میں ملے تھے۔وہ کیا وجوہ تھیں کہ لیاقت علی خاں نے رُوس کے مقابلے میں امریکہ کو منتخب کیا؟ ج:۔لیاقت علی خاں زندہ ہوتے تو وہی بتا سکتے تھے۔س:۔آخر آپ بھی تو وزیر خارجہ تھے۔ج:۔مَیں وزیر خارجہ تھا لیکن مجھے کشمیر اور فلسطین کے مسائل کی وجہ سے بہت سارا وقت ملک سے باہر رہنا پڑتا تھا۔میری غیر حاضری میں وزیراعظم ہی وزیر خارجہ کے فرائض انجام دیتے تھے۔س:۔ویسے اس وقت کے حالات کی روشنی میں ان کا دورۂ امریکہ کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط۔ج:۔اِس وقت یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ اُس وقت کے حالات کے مطابق صحیح تھا یا غلط تھا۔لیکن بہر حال اُس وقت بظاہر ہماری ضروریات وغیرہ کے پُورا ہونے کا مسئلہ تھا۔جو روس اور امریکہ دونوں طرف سے پُوری ہوسکتی تھیں۔لیکن مقابلۃً امریکہ کی طرف سے زیادہ توقع ہوسکتی تھی جیسا کہ عملاً ہوا بھی۔میرے خیال میں اس وقت روس اس قدر امداد دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا جتنی کہ امریکہ نے ہمیں دی۔کوئی مقابلے کی صورت تو نہ تھی لیکن وزیراعظم نے امریکہ جانا موزوں سمجھا ہوگا۔س:۔روس کمیونسٹ ملک تھا۔امریکہ جمہوری ملک تھا۔اس طرح کا نظریاتی معاملہ بھی ہوگا۔ج:۔ممکن ہے۔س:۔کہ رُوس کو ترجیح دینے سے پاکستان کا مستقلاً کمیونسٹ بلاک کی طرف جھکاؤ نہ ہو جائے۔ج:۔اتنا وقت گزر جانے کے بعد یہ کہنا مشکل ہے۔س:۔روس نے افغانستان میں جو کارروائی شروع کر رکھی ہے۔اس ضمن میں ایک نقطہ نظر تو یہ ہے کہ اس نے اپنے مسلمان علاقوں سے خوفزدہ ہو کر ایسا کیا ہے کہ وہاں بھی اسلامی قومیت کا جذبہ نہ ابھر آئے۔دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ روس میں اب کوئی مسلمان ہی نہیں۔ج:۔میں روس دو دفعہ گیا ہوں۔1913ء میں اور 1963ء میں، جب میں یو این او کی جنرل اسمبلی کا صدر تھا۔گرومیکو نے دعوت دی تھی۔مَیں نے وہاں دیکھا کہ روسی مسلمانوں میں دینی رنگ اتنا نہیں تھا۔پُرانے لوگ نمازیں وغیرہ پڑھتے تھے۔مفتی ضیاء الدین بابا خانوف نے بتایا کہ روسی حکومت انہیں مذہب پر عمل کرنے سے تو نہیں روکتی۔لیکن تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں۔انہوں نے یہ بھی بتایا کہ دقّت ہو رہی ہے۔عربی میں قرآن کریم نہیں مل رہے۔لیکن مَیں پچھلے ستمبر میں ہالینڈ گیا۔ملکہ جولیانہ اس وقت تخت سے دستبردار ہو چکی تھیں۔مَیں نے سوچا مجھے ان کے پاس جانا چاہیئے۔گفتگو کے دوران ملکہ نے بتایا کہ انہوں نے حال ہی میں سوویٹس (روسی ریاستوں) کے متعلق ایک کتاب پڑھی ہے۔کتاب کی مصنفہ کہتی ہیں کہ ان کی سوویت آبادی روسی علاقے کی آبادی سے بھی زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے اور

وہ مسلمان علاقے ہیں، روسیوں کو فکر ہوگئی ہے کہ آہستہ آہستہ مسلمان تعداد میں بڑھ جائیں گے۔ میں نے ملکہ سے ملنے کے لئے آدھ گھنٹے کا کہا تھا۔سوا گھنٹہ لگ گیا۔ بیچ میں نے یاد کرایا کہ وقت زیادہ ہو رہا ہے۔اس پر ملکہ نے کہا: ''سر محمد اب میں پینشن پر ہوں۔''

س:۔آپ کو روس آنے کی دعوت کس نے دی تھی؟ ج:۔یو این او میں گرومیکو (روس وزیر خارجہ) سے میری ملاقاتیں رہیں۔انہوں نے۔

س:۔گرومیکو کیسے آدمی ہیں؟ ج:۔گرومیکو کی طبیعت میں گپ مارنے کی عادت نہیں۔ بڑی سنجیدہ گفتگو کرتا ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ وہ جو بات کہیں اس پر عمل کر لینا چاہیئے۔ وہ تو انہوں نے اپنی پالیسی کے مطابق چلنا ہوتا ہے۔س:۔ چوہدری صاحب۔ جب آپ پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔تو اس وقت کشمیر میں جو جنگ شروع ہو چکی تھی۔ پاکستان اسے زیادہ عرصے تک برداشت کر سکنے کی پوزیشن میں تھا۔ج:۔ یہ تو ملٹری سچوایشن ہے۔ مَیں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مَیں اس وقت یہاں بھی نہیں تھا۔لیکن جب ریزولیوشن پاس ہو گیا دونوں حکومتوں نے اسے تسلیم کر لیا تو پھر جنگ جاری رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ یعنی یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جنگ بندی تسلیم بھی کر لی جاتی اور لڑائی بھی رہتی۔ یہ تو بیہودگی ہوتی۔س:۔بیگم لیاقت علی پر الزام لگاتے ہیں بعض لوگ کہ ان کی وجہ سے کشمیر میں جنگ بند ہوئی اور کشمیر ہاتھ سے جاتا رہا۔ج:۔ یہ تو لوگوں کا رجحان ہو چکا ہے کہ جس بات کا نتیجہ ان کی مرضی کے مطابق نہ نکلا۔اس کے بارے میں اس طرح کی افواہیں پھیلا دیں حالانکہ اس وقت جو لوگ صاحبِ اختیار تھے۔ان کی پوزیشن کو دیکھنا چاہیئے۔اس پوزیشن میں وہ کیا کر سکتے تھے، جہاں تک جنگ کا تعلق ہے۔اس کا بند کرنا تو لازمی تھا، خواہ ہمیں فائدہ ہو رہا تھا۔خواہ ہمیں نقصان ہو رہا تھا۔ یا یہ توقع تھی کہ ہم آگے بڑھ جائیں گے۔ یا یہ خوف تھا کہ وہ آگے بڑھ جائیں گے۔اس سب کچھ کے باوجود دونوں فریق ریزولیوشن کو تسلیم کر چکے تھے۔ پہلا جو ریزولیوشن انہوں نے تسلیم کیا اس کے متعلق ہم نے کہا کہ اس میں استصوابِ رائے کا انتظام موجود تھا۔ جب دونوں حکومتوں نے مان لیا کہ اس طور پر مسئلہ حل ہو جائے گا۔تو جنگ کا بند ہونا لازم ہو گیا۔س:۔کشمیر کے مسئلے پر آپ نے بہت طویل تقریریں کیں،اس کی توجیہہ اے کے بروہی نے اس طرح کی کہ یہ ایک طریقہ تھا معاملے کو لٹکائے رکھنے کا۔اتنی طویل تقریروں کے دوران اکثر مندوب اکتاہٹ کے باعث اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ یا پھر اونگھنے لگتے تھے۔ج:۔ بروہی صاحب کا یہ اندازہ غلط ہے۔ یونائیٹڈ نیشنز میں ہندوستان کا یہ موقف بڑا موثر ہو سکتا تھا کہ مہاراجہ کشمیر نے ان کے ساتھ الحاق کیا ہوا ہے۔اور یہ پاکستانی خواہ مخواہ بیچ میں آن پڑے ہیں۔ان کی گوشمالی کرنی چاہیئے۔ انہیں کہا جائے کہ یہ دخل دینا بند کر دیں۔ایسے میں میرے لئے لازم تھا کہ قیامِ پاکستان کے وقت جو جو مصائب مسلمانوں پر گزرے اور جو کچھ کشمیر میں ہوا اور جو سازشیں وغیرہ ہوئیں۔ان کی پوری حقیقت سیکورٹی کونسل کے آگے ظاہر کر دیتا۔ چنانچہ مجھے بعد میں کولمبیا کے ڈیلیگیشن نے کہا کہ ہم نے جب ہندوستان کے نمائندے کی تقریر سنی تو ہم میں سے اکثر کا خیال تھا کہ پاکستان کشمیر میں مداخلت کر کے دنیا کے امن میں خلل ڈال رہا ہے۔آپ کی تقریر سننے کے بعد محکم طور پر ہماری یہ رائے بن گئی ہے کہ زیادتی ہندوستان کی طرف سے ہو رہی ہے۔ چنانچہ میری ان تقریروں وغیرہ سے جو عملی اور مثبت نتیجہ نکلا اس کے مطابق پہلے مرحلے میں جو ریزولیوشن پیش کیا گیا وہ تمام تر ہمارے حق میں تھا یہ کہ کشمیر میں غیر جانبدار حکومت قائم ہو جائے گی۔ کشمیریوں کی رائے شماری کرائی جائے۔جس کے مطابق وہ فیصلہ کریں گے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ، اس مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر برطانیہ نے اپنے وزیر برائے دولتِ مشترکہ مسٹر فلپ نوئیل بیکر کو وہاں بھیجا ہوا تھا۔ وہ بڑی مستعدی کے ساتھ کوشش کر رہے تھے کہ یہیں نیو یارک میں کوئی معاہدہ ایسا ہو جائے۔جس کا صرف اجراء ہونا باقی رہ جائے۔تبھی تصفیہ ہو سکے گا۔ چنانچہ جب سیکورٹی کونسل کے سات ممبر اظہارِ رائے کر چکے بلکہ اس سے بھی

زیادہ، آخر تبادلۂ خیال کے بعد مذکورہ قرارداد پر رائے شماری کا مرحلہ آیا۔اس وقت تک جتنے اراکین نے اظہارِ خیال کیا تھا۔اس سے یہی اندازہ ہورہا تھا کہ قرارداد کو گیارہ میں سے دس کی تائید تو ضرور ہوجائے گی۔روس کے غیر جانبدار رہنے کا امکان تھا تو ہندوستان والوں کو خدشہ ہوا کہ اب تو یہ ریزولیوشن پاس ہوکر رہے گا۔تو ان کے مندوب نے کہا کہ انہیں اپنی حکومت سے ہدایت ملی ہے کہ مشورے کے لئے دہلی واپس آؤ۔اس لئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہماری واپسی تک اجلاس ملتوی رکھا جائے۔ہندوستانی مندوب سے یہ سن کر سیکورٹی کونسل والے بڑے دِق ہوئے۔ چنانچہ ایک رکن نے صدر کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا کہ چند ہی دن ہوئے ہیں جب ہندوستان کے نمائندے نے اپنی بے صبری کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔"کشمیر جل رہا ہے اور سیکورٹی کونسل بنسری بجا رہی ہے۔" ہندوستانی وفد کا یہ جملہ دہراتے ہوئے اس رکن نے کہا کہ "میں باادب ہندوستان کے نمائندے سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کشمیر میں جو آگ بھڑک رہی تھی۔وہ بجھا دی گئی ہے۔اگر نہیں تو اب کون بنسری بجا رہا ہے؟" بہرحال۔ہندوستانی مندوب ہندوستان واپس چلا گیا۔

اجلاس کے التوا کی مدت بڑھتی چلی گئی تو چودھری محمد علی اور میں نے فیصلہ کیا کہ لندن جائیں اور وہاں معاملے کا کھوج لگائیں۔چودھری صاحب کی رائے تھی کہ اس وقت معاملہ لندن اور دہلی میں زیر بحث ہے۔لندن میں ہم نے برطانوی وزیر خارجہ مسٹر ارنسٹ بیون سے ملاقات کی۔اتفاق ایسا تھا کہ جس روز میں گیارہ بجے وزیرِ خارجہ سے مل رہا تھا اسی دن میری وزیراعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی سے اپوائنٹمنٹ تھی۔وزیر خارجہ ہماری بات سننے کے بعد کہنے لگے۔مجھے آپ سے اتفاق ہے اور ہمدردی بھی۔لیکن ہندوستان کے معاملات میں وزیراعظم پر کرپس کا بڑا اثر ہے اور وہ اس معاملے میں وزیراعظم کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔وزیراعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی کے متعلق مجھے یاد تھا کہ انہوں نے جب قانون آزادیٔ ہند کا مسودہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا تو اپنی تقریر میں قائداعظمؒ کے متعلق شکوہ کیا تھا کہ انہوں نے لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل منظور نہیں کیا۔" مسٹر اٹیلی سے جب میں ملا تو پینتالیس منٹ کی اس ملاقات کے دوران انہوں نے میرے ساتھ ایک بار بھی نظر ملا کے بات نہ کی کبھی اِدھر جھانکتے کبھی اُدھر جھانکتے۔یہی کہتے رہے کہ فکر نہ کرو۔ہندوستانی وفد جلد ہی نیویارک واپس پہنچ جائے گا۔میری ہر دلیل ان پر رائیگاں گئی۔بلکہ مجھے انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم اس قرارداد پر کیوں مصر ہو اور طریقے سے بھی مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔بہرحال میں ناکام واپس لوٹا اور چوہدری محمد علی صاحب کو تفصیل بتا دی ادھر وزیراعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خاں کو بھی رپورٹ بھیج دی۔اس طرح لارڈ مونٹ بیٹن جو وزیراعظم ایٹلی کا چہیتا تھا اس کے ذریعے کرپس مسٹر اٹیلی پر اثر انداز رہا۔اور برطانیہ کا موقف اس حد تک تبدیل کرا دیا کہ اگر کوئی ریزولیوشن پاس ہو تو وہ ہندوستان کے موقف کے مطابق ہو۔امریکی نمائندے سینیٹر وارن آسٹن بھی اس معاملے پر بڑے سرگرم رہے تھے، لیکن امریکہ کی یہ پرابلم تھی کہ وہ کامن ویلتھ کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بہت حد تک برطانیہ کے مشورے پر چلتا تھا۔سیکورٹی کونسل کے باقی آٹھ ارکان اگرچہ اپنی اپنی رائے رکھتے تھے۔لیکن وہ برطانیہ اور امریکہ کی رائے کو محترم سمجھتے تھے۔گیارھواں رکن روس اس وقت غیر جانبدار تھا۔اگرچہ فلپ نوئیل بیکر نے کوششیں ترک نہ کیں۔لیکن مسٹر اٹیلی پر مونٹ بیٹن اور سر سٹیفورڈ کرپس کا اثر نفوذ کر چکا تھا۔

1951ء میں یونائیٹڈ نیشنز کا اجلاس پیرس میں ہو رہا تھا۔مسٹر نوئیل بیکر کا پیرس سے گزر ہوا تو وہ مجھے ملنے آئے۔کشمیر کا ذکر چھڑا تو کہنے لگے، میں نے ہندوستانی وفد کے سربراہ سر گوپالا سوامی آئینگر اور ان کے معاون سر گرجا شنکر باجپائی کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ نہرو کو قرارداد منظور کرنے پر رضامند کریں۔انہوں نے وعدہ کیا بلکہ یقین دلایا کہ ان کی کوششیں بار آور ہوں گی کہ اتنے میں مجھے ایٹلی کا وہ منحوس تار ملا جس نے سارے

معاملے کو بگاڑ دیا اور مجھے اس کی یہ سزا ملی کہ اٹیلی نے کامن ویلتھ کی وزارت سے ہٹا کر بجلی اور ایندھن کا وزیر بنا دیا۔ بعد میں وہاں سے بھی چلتا کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ یو این او میں مجھے کشمیر کے حالات بیان کرنے میں بہت سارا وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان کی طرف سے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی تھی۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ بعض ممبر اس دوران سو جاتے تھے۔ س:۔ یا اٹھ کے چلے جاتے تھے۔ ج:۔ یا اٹھ کے چلے جاتے تھے۔ یہ بات غلط ہی نہیں بلکہ بروہی صاحب بھی جانتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ س:۔ انہوں نے پھر یہ قصداً کہا۔ ج:۔ ہاں، ظاہر ہے، وقت کے لحاظ سے انہوں نے چلنا ہوتا ہے۔ س:۔ وہ کیسے جانتے ہیں کہ بات غلط ہے۔ ج:۔ بعد میں میرے کولیگ رہے ہیں۔ اب بھی ملتے ہیں تو منہ پر میری آسمان تک تعریف کریں گے۔ پیچھے سے یہ کہتے ہیں ابھی ائرپورٹ پر ان سے ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے۔ میری جان! اتنے عرصے سے آپ کہاں تھے؟ س:۔ سیکورٹی کونسل نے آسٹریلیا کی ہائی کورٹ کے جج سر اوون ڈکسن کو بھی یہاں استصواب رائے کے لیے بھیجا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ نہرو کوئی ایسی شرائط نہیں مانیں گے۔ جن کے باعث استصواب آزادانہ اور بے لاگ ہوتا ہو، تو سر اودن دکن نے ایک اور تجویز پر عمل کرانے کی تگ و دو شروع کی۔ اس میں بھی وہ ناکام رہے وہ تجویز کیا تھی۔ کبھی اس کی تفصیل سامنے آئی۔ ج:۔ ہمارا اندازہ تھا کہ اس کی سکیم یہ تھی کہ جُموں کے جن علاقوں میں غیر مسلموں کی کثرت ہے۔ ان کا تو ہندوستان کے ساتھ الحاق ہو جائے۔ جو علاقے وادئ کشمیر سے آگے ہیں مغرب تک، ان کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو جائے۔ اور وادئ کشمیر میں رائے شماری ہو جائے۔ س:۔ ''اقوام متحدہ کا کیا فائدہ جب وہ اس قسم کے مسئلے بھی حل نہ کرا سکے؟'' یہ بھی ایک نقطۂ نظر ہے۔ ج:۔ یہ تو جنرل بات ہے۔ اس کے پاس طاقت تو ہے نہیں۔ اقوام متحدہ صرف آمادہ کر سکتی ہے۔ اخلاقی اثر ڈال سکتی ہے۔ سیکورٹی کونسل البتہ پابندیوں کا نفاذ کر سکتی ہے، لیکن اس میں بھی چونکہ گریٹ پاورز کے درمیان بیلنس ہے۔ اس لیے پابندیاں عائد کرنا آسان نہیں۔ لیکن بہت حد تک انہوں نے اوّل تو کسی طرح کوشش و شش کر کرا کے بڑے پیمانے پر جنگ نہیں ہونے دی۔ پھر علاوہ عالمی امن قائم رکھنے کے اقوام متحدہ کے باقی ادارے بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ مثلاً ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن وغیرہ لیکن یو این او عالمی حکومت تو نہیں، اقوام متحدہ تو خود مختار ملکوں پر مشتمل تنظیم کا نام ہے۔ س:۔ قائداعظمؒ نے کشمیر میں فوجیں اتارنے کا حکم دیا تھا؟

ج:۔ مجھے نہیں معلوم۔ س:۔ چودھری صاحب، افغانستان گورنمنٹ نے بعض ایسے افغانوں کو سنگسار کر دیا تھا جو آپ کا عقیدہ اپنا چکے تھے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے بطور وزیر خارجہ آپ نے افغان گورنمنٹ کے ساتھ ایسا سلوک شروع کر دیا کہ وہ دن اور آج کا دن افغانستان کے ساتھ ہمارے تعلقات بگڑتے ہی پہلے گئے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جو عرصے سے آپ پر لگایا جا رہا ہے۔ ج:۔ میں ہوا وزیر خارجہ پچیس دسمبر سن سینتالیس کو۔ پاکستان وجود میں آیا چودہ اگست سن سینتالیس کو۔ میرے وزیر خارجہ بننے سے پہلے پاکستان اقوام متحدہ کا رکن بن چکا تھا۔ دنیا میں جس واحد ملک نے پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی تھی۔ وہ افغانستان تھا۔ میں تو اس وقت وزیر خارجہ نہیں تھا۔ س:۔ اس طرح پختونستان کا مسئلہ آپ کی وزارت کے زمانے میں بھی سامنے آتا رہا۔ ج:۔ آتا رہا۔ س:۔ افغان گورنمنٹ واقعی اس پر سنجیدہ تھی یا نرا پروپیگنڈا تھا۔ ج:۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ یہ نِرا پروپیگنڈا تھا یا ان کی کیا نیت تھی۔ ایک وقت میں ان کا نمائندہ یہاں آیا تھا۔ میرے ساتھ اس کی گفتگو ہوئی۔ اس نے کہا کہ اس میں ہماری کوئی بدنیّتی نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارے ساتھ آپ کا یہ علاقہ شامل ہو جائے یا آزاد ہو جائے۔ ہم تو محض جذباتی طور پر سمجھتے ہیں کہ نارتھ ویسٹرن فرنٹیئر کیا ہوا۔ سندھیوں کا سندھ ہوا۔ بلوچوں کا بلوچستان ہوا۔ پختونوں کا پختونستان ہونا چاہیے۔ اگر آپ نام بدل دیں تو ہماری تسلی ہو جائے گی۔ میں نے کہا تم پختہ ہو۔ اس بات پر کہ اور تمہاری کوئی غرض نہیں۔ کہنے لگا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں بالکل

نہیں۔میں نے قائداعظمؒ سے مشورہ کیا۔افغان نمائندہ یہ کہتا ہے۔انہوں نے فرمایا

DON'T TOUCH THE PROPOSAL WITH A PAIR OF TONGS.

مراد ان کی یہی تھی کہ اگر ان کے مطالبے پر نام رکھا تو پھر کوئی اور مطالبہ شروع کر دیں گے۔وہ شخص افغان گورنمنٹ کا یہاں ایمبسیڈر تو نہیں تھا۔وہ اسی کام کے لیے آیا تھا۔پھر وہ الگ ہو کے پرنسٹن چلا گیا۔وہاں میری اس کے ساتھ ایک دفعہ ملاقات ہوئی۔اس نے بتایا میں واپس گیا تو میری گورنمنٹ نے بھی انکار کر دیا تھا۔پھر میں نے بھی اس شخص سے کوئی سوال وغیرہ نہیں کیا۔س:۔آپ کے زمانے میں بس اتنی ہی بات رہی ؟ج:۔ظاہر شاہ(افغانستان کے اس وقت کے حکمران)کے چچا شاہ ولی خاں پاکستان میں ان کے ایمبسیڈر رہ کر آئے تھے۔ہفتے میں ایک بار مجھ سے ملنے آتے تھے۔ہم وہی سارے دلائل دیتے تھے۔چائے انہیں پُرتکلّف پلا دیتے تھے۔ظاہر شاہ کے والد نادر شاہ اور تینوں چچا جلاوطنی کے زمانے میں یہاں رہے تھے۔پنجاب میں ہی پڑھے تھے۔اُردو اچھی جانتے تھے۔ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا اگر یہ صوبہ(سرحد)الگ کر دیا جائے ویسے ہم نہیں کہتے الگ کر دیا جائے،اگر کر دیا جائے تو اس کی ایڈمنسٹریشن وغیرہ کا خرچ کون دے گا۔انہوں نے کہا پاکستان دے گا۔میں نے کہا اوّل تو پاکستان مانتا نہیں،اگر وہ مان بھی جائے تو خرچ کی ذمہ داری تو آپ کو لینی چاہیئے۔انہوں نے کہا ہمارے پاس تو اتنا پیسہ نہیں،خیر،اس طرح کی گفتگو کرتے تھے۔ایک روز آئے،اور کہا چوہدری صاحب مجھے تو بادشاہ نے خاص اس کام کے لیے مقرر کیا تھا،کوئی فیصلہ تو ہوتا نہیں۔اب ہم جا رہا ہے۔ٹھیک ہے چودھری صاحب ہم جاتا ہے۔لیکن فساد ہوگا۔میں نے کہا شاہ ولی صاحب کون کرے گا۔انہوں نے کہا خود ہم کرے گا۔اور کون کرے گا۔اس کے بعد بادشاہ(ظاہر شاہ)کے سب سے بڑے چچا سردار ہاشم خاں یہاں سے گزرے،باہر گئے ہوئے تھے وہ باقی تینوں بھائیوں میں بڑے متین طبیعت تھے۔انہوں نے کہلا بھیجا میں کراچی چند دن ٹھہروں گا۔میں چاہتا ہوں کہ میں کراچی جب آؤں تو اس معاملے پر گفتگو کا کوئی موقعہ ہو۔یہ معاملہ ہماری کیبنٹ میں پیش ہوا۔بعض کی رائے تھی،نہیں نہیں۔میں نے کہا آخر گفتگو میں کیا ہرج ہے ہمیں جیب میں ڈال کے تھوڑا لے جائے گا۔بات نہ کرنا کوئی معقول بات نہیں۔ورنہ وہ کہیں گے کہ آپ ہمارے ساتھ بات ہی نہیں کرتے۔طے ہوا چلو پھر کر لینا۔میں نے کہا لیکن میرے ساتھ ایک اور وزیر کو شامل کر دیں تاکہ یہ شہادت رہے کیا بات ہوئی۔گورمانی صاحب کو مقرر کر دیا گیا۔سردار ہاشم خاں نے اپنی مدد کے لیے کابل سے فارن منسٹری کا ایک انڈر سیکرٹری بلا لیا تھا۔میں پہنچا۔دوران گفتگو میں نے کہا کہ ہمیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ آپ کونسا علاقہ پختونستان بنانا چاہتے ہیں۔اس نے کہا اچھا میں آپ کو نقشہ بنا کے دکھا دوں گا۔......................نقشہ بنا کے دکھا دیا انہوں نے۔اس میں انہوں نے دریائے سندھ کو باؤنڈری بنایا تھا۔میں نے نقشہ دیکھا اور ذرا مسکرا کے کہا،مجھے اس پر تھوڑا سا اعتراض ہے۔انہوں نے کہا:کیا؟میں نے کہا،لائن کچھ زیادہ ہی مغرب کی طرف پھیلی گئی ہے۔تھوڑی سی اور مشرق کی طرف ہونی چاہیئے۔انہوں نے کہا آپ کا مطلب ہے مغرب کی طرف۔میں نے کہا نہیں تھوڑی سی اور مشرق کی طرف ہونی چاہیئے کراچی بھی شامل کر لو۔کیونکہ اس طرح کراچی نہیں آ رہا اس میں۔پھر تو کوئی اعتراض نہیں رہ جاتا۔میرا مطلب یہی تھا کہ ایسی ناقابلِ عمل بات آپ کرتے ہیں۔

میں چونکہ فارن منسٹر تھا۔ان کی میزبانی کا انتظام بھی میرے ذمہ تھا۔سٹیشن پر انہیں وداع کرنے گیا تو انہوں نے،مجھے اچھی طرح یاد ہے۔دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔اور کہا،چوہدری صاحب،یہ تو معاملات حکومتوں میں چلتے رہیں گے۔لیکن میرے دل میں شرافت کی بڑی قدر ہے۔میں شرافت کا بہت قائل ہوں،آپ نے میرے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا ہے۔میں اس کو نہیں بھولوں گا۔اگر مجھے ان کے ساتھ دشمنی

ہوتی تو میں ان کے ساتھ بات بھی کیوں کرتا۔تو یہ باتیں سیاست میں کبھی دخل نہیں دے سکتیں کہ ایک واقعہ ہو گیا تھا۔اُن سے بھی پہلے جو آج تھے۔ان کی اوّل تو کوئی ذمّہ داری نہیں تھی۔ پھر یہ کہ میں نے وہ دل میں رکھا ہوا تھا کہ میں ان کی جڑ اکھاڑ دوں گا۔میں کوئی نعوذ باللہ خدا کا مقرر کیا ہوا نہیں تھا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتی ہیں۔امیر عبدالرحمٰن کے زمانے میں مولوی عبدالرحمٰن کو ہلاک کیا گیا۔ وہ صاحبزادہ عبد اللطیف کے شاگرد تھے۔پھر صاحبزادہ عبداللطیف کو امیر حبیب اللہ کے زمانے (1903ء) میں سنگسار کیا گیا۔تو دوسرے ہی دن اس قدر مرگ پڑی کابل میں ہیضے کے ساتھ نصر اللہ خاں آگے آگے تھا۔جو علماء کے پیچھے تھا۔اس کی بیوی بھی مری۔بڑی تباہی مچی۔اسی طرح نعمت اللہ خاں بھی ہماری جماعت کا تھا۔اسے 1924ء میں برسرِ عام سنگسار کیا گیا۔مختلف اوقات میں ہماری جماعت کے بیس افراد جو کہ افغان ہی تھے۔انہیں پھانسی پر چڑھایا گیا۔اور یہ اللہ تعالیٰ کا کمال، فضل اور حکمت تھی کہ ایک نے بھی انکار کر کے اپنی جان نہیں بچائی۔اور کسی کے متعلق ہماری یہ خواہش ہرگز نہیں ہوئی۔حتّٰی کہ باوجود اس کے جو کچھ ہمارے ساتھ مسٹر بھٹو نے سلوک کیا۔ہمارے امام نے منع کیا ہوا تھا کہ کسی قسم کی بد دعا نہیں کرنی، یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ہمارا کام نہیں۔جس دن ہماری جماعت کے نوّے سال پورے ہوئے اس سے عین اگلے دن اس وقت ان کی ریویو پٹیشن (نظر ثانی کی درخواست) خارج ہوئی تھی۔لندن میں ہماری جماعت کا ایک جلسہ تھا۔میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ نوّے سال کل پُورے ہو گئے۔خدا تعالیٰ کا فیصلہ بھی ساتھ ساتھ شروع ہو گیا ہے۔مگر ایک مرحلہ ابھی باقی ہے۔رحم کا۔جہاں تک میرے ذاتی تاثر یا رائے کا تعلق ہے۔میں چاہتا ہوں کہ اگر ان کی جان بخشی ہو جائے۔تو ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید نہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صلح کر لے۔میں نے انہیں بتایا کر دیکھو ہمارا اس میں کسی طرح بھی دخل نہیں۔نہ ہم چاہتے تھے۔نہ ہم ہیں۔نہ ہم کسی کے خلاف ہیں۔نہ ہمارا کسی سے گلہ ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔اس لیے تم کوئی ایسی بات مُنہ سے نہ نکالنا جس سے یہ سمجھا جائے کہ آپ لوگوں کے ساتھ کچھ ہوا۔میں نے کہا یہ ہمارا معاملہ نہیں اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔س:۔آپ کے ہم عقیدہ اس بات کا بہت ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے بانیٔ سلسلہ کی اس سلسلے میں کوئی پیشگوئی ہے کہ ایک شخص آئے گا۔وہ تمہیں نقصان پہنچائے گا۔اور اس کا یہ حال ہوگا۔ج:۔میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، بھٹو صاحب کی سپریم کورٹ سے اپیل خارج ہوئی تھی 6 فروری 1979ء کو۔شیخ اعجاز احمد کے چچازاد بھائی اور علامہ اقبالؒ کے صاحبزادے جسٹس جاوید اقبال نے شیخ اعجاز احمد، چودھری بشیر احمد اور مجھے 8 فروری 79ء کو دوپہر کے کھانے پر بلوایا ہوا تھا۔لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے خسر بھی وہاں تھے۔بس اتنے ہی تھے۔کھانے سے پہلے ہم برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔کھانے کے لیے اندر چلے گئے۔کھانا ختم ہوا۔یہ سب لوگ باہر چلے گئے۔تو مولوی مشتاق حسین صاحب وہیں ہاتھ دھونے لگے۔مولوی صاحب کو بڑی فکر تھی کہ اگر یہ اپیل منظور ہو گئی میرے فیصلے کے خلاف۔تو پھر میری کوئی جگہ نہیں۔مولوی صاحب نے جب ہاتھ دھو لئے تو میں نے ان سے کہا، مولوی صاحب مجھے سپریم کورٹ کے ساتھ ایک شکوہ ہے۔انہوں نے کہا، کیا؟ میں نے کہا پرسوں اپیل خارج ہوئی ہے اور پرسوں میرا یوم پیدائش تھا۔ایسی منحوس بات میرے یومِ پیدائش پر ہوئی۔خیر یہ تو مذاق کی بات تھی۔اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔میں نے کہا مولوی صاحب میں ایک بات آپ سے کہتا ہوں۔آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔اگر آپ کو خیال ہو کہ شائد بُھول جائیں۔تو جا کر نوٹ کر لیں۔اگر خدا تعالیٰ نے مجھے مہلت دی تو میں آئندہ سال چھ فروری کو بھی یہیں ہوں گا۔اگر تو اس وقت بھٹو زندہ ہوا۔آپ مجھے ٹیلی فون کر دیں کہ ظفر اللہ خاں جو بات تو نے مجھ سے کہی تھی وہ ٹھیک نہیں نکلی اور اگر یہ مر گیا تو آپ ٹیلی فون کر دیں کہ بات تو ہو گئی۔آج شام میں آپ کے ساتھ کھانا

کھاؤں گا اور بتانا کہ کس بنا پر تم نے مجھ سے یہ بات کہی تھی۔مولوی صاحب نے کہا اچھی بات، مجھے یاد رہے گا۔میں نے کہا میں نہیں کہتا کہ یہ پھانسی لگے گا یا خودکشی کرے گا یا اس پر بجلی گرے گی یا بیماری سے مرجائے گا۔لیکن اپنی عمر کے 52 ویں سال کے دوران زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا۔چنانچہ جب اس کی 51 ویں سالگرہ (5 جنوری 1979ء) ہوئی تو بیگم بھٹو نے بڑے سے بڑے تھڑے کیک پر مٹھائی سے جیل کی شکل بنائی تھی۔اور ایک پیچ کس کے ساتھ اسے توڑا کہ اس طرح گویا ہم ان کو جیل سے نکال لیں گے۔خیر۔

س:۔آپ نے کہا ہے کہ''مولوی صاحب کو بڑی فکر تھی کہ اگر بھٹو صاحب کی اپیل ان کے فیصلے کے خلاف منظور ہوگئی تو ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔'' اگر انہوں نے فیصلہ صحیح کیا تھا۔تو پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ج:۔مولوی صاحب نے بتایا قبر ایک ہے۔امیدوار دور ہیں۔س:۔1980ء میں آپ کی مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ج:۔ہاں جب میں دوسرے سال (1980ء) یہاں آیا تو مولوی مشتاق حسین صاحب 6 فروری سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔بیٹھتے ہی بولے بتاؤ وہ بات۔میں نے کہا کھانے کے کمرے میں چلیں گے۔آرام سے بیٹھیں گے۔بات شروع ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ میں اوّل تو قران کریم کی دو آیات کی طرف آپ کی توجہ دلاتا ہوں کہ وہاں اس قسم کے لوگوں کا انجام ایسے طور پر درج ہے، بالکل اس واقعہ پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔سورۂ ابراہیم کی آیات ہیں تیرہ اور چودہ۔میں نے وہ آیات سُنا کر کہا۔یہ تو ہے اللہ تعالیٰ کا اصول۔یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس کے بعض فیچر بالکل لفظاً اس پر چسپاں ہوتے ہیں۔پھر میں نے انہیں وہ الہام بتایا جو ہمارے بانیٔ سلسلہ کو ہوا تھا۔جو 1891ء میں چھپا بھی تھا۔اس کے الفاظ تھے کَلْبٌ يَّمُوْتُ عَلٰى كَلْبٍ۔کتا ہے۔کُتے کے لفظ کے اعداد پر مرجائے گا۔ تو ک کے اعداد ہیں بیس۔ل کے تیس۔ب کے دو۔مولوی صاحب نے کہا، یہ دونوں حوالے مجھے نکال دو۔س:۔بس اتنا ہی مزید کچھ نہیں۔ج:۔آگے اس کی وضاحت بھی آپ نے کی کہ اس کے باون لفظ بنتے ہیں۔باون برس میں قدم رکھے گا، اور مرجائے گا۔س:۔کسی فرد کا نام لے کر نشاندہی نہیں کی۔اور نہ اس قسم کی کوئی تفصیل ہے کہ وہ آپ لوگوں کو اقلیت قرار دے گا یا نقصان پہنچائے گا۔ج: نہیں۔بس اتنا ہی جتنا میں کہہ چکا ہوں۔س:۔پھر تو آپ لوگوں کا محض یہ اندازہ ہے کہ یہ پیشگوئی بھٹو صاحب کے متعلق ہے۔ج:۔کراچی کے کسی اخبار میں چھپا بھی تھا کہ کم سے کم اس کو ایک سال کی مہلت دے دینی چاہیئے۔ورنہ مرزائی کہیں گے ہماری پیشگوئی پُوری ہوگئی۔س:۔بھٹو صاحب کے ساتھ آپ لوگوں نے 70ء کے الیکشن میں تعاون بھی بہت کیا تھا۔ج:۔بھٹو کے پہلے الیکشن (70ء) میں پنجاب میں اس کی کامیابی تو خالصتاً ہماری جماعت کی سپورٹ سے ہوئی بلکہ اس نے تو کہلا بھیجا تھا حضرت صاحب کو کہ اگر پنجاب میں سے چھ نشستیں بھی مجھے مل جائیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ بڑی کامیابی ہوئی۔حضرت صاحب نے کہا۔نہیں تم ہر جگہ اُمیدوار کھڑے کرو۔ہم جو کر سکتے ہیں۔کریں گے۔اصل بات یہ ہے کہ ہماری تنظیم خدا کے فضل سے ایسی ہے کہ ہم جس بات کے پیچھے پڑ جائیں۔وہ نہایت تندہی سے کرتے ہیں۔س:۔اس زمانے میں اشتہارات بھی آپ نے خوب بنائے۔ج:۔ہاں جو کچھ بھی تھا۔اس میں یہ نہیں تھا۔جیسے عام الیکشن والے کرتے ہیں۔فریب کی باتیں۔ہمارے ورکر تھے۔اتفاق کی بات ہے کہ یہ مولانا کوثر نیازی اس وقت جیل میں تھے۔میرا بھتیجا حمید نصر اللہ ان کا الیکشن ایجنٹ تھا۔انتخاب کے بعد کی بات ہے۔مجھے یہاں ملنے آئے تھے۔یہ تو ان کے لیے تھا ہم نے پُوری مدد کی۔بھرپور مدد کی بھٹو صاحب کی ساری پارٹی کی، بلکہ جو ہمارا اندازہ تھا اور ہم ان سے کہتے بھی رہے کہ ہمارا یہ اندازہ ہے۔اس کے مطابق ہی یہ جیتے۔ہمارے ورکرز ہوتے ہیں ہر جگہ۔ایک تو یہ ہے کہ ہمیں گپیں مارنے کی عادت نہیں۔دوسرے یہ کہ ہمارے لوگ اچھا انتظام کرنے والے ہیں۔س:۔بھٹو صاحب میں آپ کو اس وقت کیا بات نظر آئی۔ج:۔باقی جتنی جماعتیں تھیں، سب کے

منشور میں یہ اعلان تھا کہ کامیابی کی صورت میں ہمیں کافر قرار دلوائیں گی۔تو یہ ایک ہی پارٹی (پیپلز پارٹی) تھی جس کے منشور میں یہ نہیں تھا۔

س:۔لیکن کیا پھر انہی نے۔ج:۔لیکن کیا پھر انہی نے۔س:۔یہ کیوں اتنے مخالف ہو گئے آپ کے۔ج:۔ہماری مخالفت کی وجہ سے نہیں، دراصل انہوں نے یہ موقف جو اختیار کیا یہ اس لیے تھا کہ وہ آئندہ کے لیے اپنے تئیں پاکستان کا غیر متنازعہ لیڈر بننا چاہتے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں یہ بات کر دوں تو میری واہ واہ ہو گی۔علماء بھی ساتھ ہوں گے۔تو اس سے مجھے پختگی ہو جائے گی۔یہ نہیں تھا کہ ہماری کسی شکایت کی وجہ سے یا دکھ کی وجہ سے وہ کر رہے تھے۔وہ اپنے منافع کی وجہ سے ہمیں قربان کر رہے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ چھوٹی سی بات ہے۔یوں تو انہوں نے حضرت صاحب کو ایک دفعہ ملاقات کے لیے بُلایا اور باتوں کے دوران اِدھر اُدھر دیکھا اور کہا کہ یہاں قرآن کریم نہیں ورنہ میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہوں۔س:۔اچھا!ج:۔ہاں، اس کو کیا تھا۔س:۔اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے کسی معاملے میں آپ سے رائے لی۔ج:۔بھٹو صاحب نے 1973ء کے آئین کا مسودہ یحییٰ بختیار کے ہاتھ مجھے نظر ثانی کے لئے لندن بھیجا، اتنا مجھے یاد ہے کہ میں نے انہیں کہا کہ پہلے تو یہ کنونیشن تھی۔اب آپ نے لکھ دیا ہے کہ صدر، وزیراعظم کی رائے کا پابند ہو گا۔آپ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ وزیراعظم کو آرمڈ فورسز ریز کرنے کا اختیار ہو گا۔اس طرح تو کوئی شخص جسے ذرا بھی اپنی عزّتِ نفس کا خیال ہے۔آپ کا صدر نہیں بنے گا۔ میرے کہنے پر انہوں نے مسودے میں وزیراعظم کی بجائے صدر لکھ دیا۔جنگی قیدیوں کے سلسلے میں یحییٰ بختیار لندن آئے اور کہا کہ بھٹو صاحب کا اصرار ہے کہ آپ اس مسئلے کو عالمی عدالت انصاف میں اٹھائیں۔میں نے کچھ پیش رفت کی۔لیکن اتنے میں ان کا اندرا کے ساتھ طے پا گیا۔س:۔کہا جاتا ہے کہ چودھری ظفر اللہ خاں جب فارن منسٹر تھے تو انہوں نے فارن آفس میں اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو خوب بھرتی کیا۔اس طرح اقربا پروری مرتکب کرتے رہے۔ج:۔اقربا پروری تو رہی ایک طرف میں نے اپنے اختیارات کے تحت وزارتِ خارجہ میں کسی ایک افسر کا تقرر بھی نہ کیا، کیونکہ فارن سروس کا تو وجود نہیں تھا۔اسے ہمیں خود ہی بنانا تھا۔اس لیے ہر گریڈ کے لیے بھرتی شروع ہوئی اور جہاں جہاں سے مناسب آدمی آئے تھے۔ہم نے انہیں لیا۔لیکن پبلک سروس کمشن کی سفارش وتصدیق پر۔میرا کسی کی تقرری میں ذاتی دخل نہیں ہوتا تھا۔میرے وقت میں فارن منسٹری میں جو بھی کوئی احمدی بھرتی ہوا۔وہ تقسیم سے عین پہلے جو امتحان ہو چکے تھے۔ان کے انتخاب کے نتیجے میں آیا۔میرے ذہن میں تو اس وقت ایک ہی ہے۔یا دو ہیں۔ایک آفتاب احمد خاں، یہ پہلے منتخب ہو چکے ہوئے تھے۔میرا ان کی تقرری میں قطعاً کوئی عمل دخل نہیں تھا۔اور نہ مجھے اس وقت پتہ تھا کہ یہ احمدی ہیں، تقرری کے جلد ہی بعد چار نئے افسر لئے گئے تھے۔مجھے ملنے کے لیے آئے۔اُن میں یہ بھی تھے۔آئے اور چلے گئے۔اس کے بعد جمعہ کی نماز میں مَیں نے انہیں دیکھا۔بعد میں مجھے ملنے آئے۔میں نے پُوچھا۔آپ ہماری مسجد میں کیسے آ گئے۔انہوں نے کہا میں احمدی ہوں۔ان کے احمدی ہونے کا مجھے اس طرح پتہ چلا۔اس کے بعد قاضی محمود شفقت ہوئے۔وہ بھی مقابلے کے ذریعے پوسٹل سروس میں آ چکے تھے۔پبلک سروس کمشن نے انہیں فارن منسٹری کے لیے ریکمینڈ کیا۔کیونکہ ہم نے انہیں کہا ہوا تھا کہ ہمیں ضرورت ہے۔جب وہ ریکمینڈ کر دیتے تو سیکرٹری مجھے اطلاع کر دیتا تھا۔میں یہاں ہوتا تو یہاں، باہر ہوتا تو وہاں اطلاع بھیج دیتا تھا کہ یہ لوگ ریکمینڈ ہوئے ہیں۔البتہ ایک کیس مجھے یاد ہے۔ایک امیدوار ملنے آیا کہ میری درخواست ہے۔یہ ہے۔وہ ہے۔میں نے کہا پبلک سروس کمشن نہیں ریکمینڈ کرے گا تو رکھ لیں گے۔لیکن مجھے یاد ہے۔اس نے جا کے سیکرٹری سے کہا کہ میں وزیر صاحب سے ملا ہوں، انہوں نے کہا ہے کہ ریکمنڈیشن تو جب آئے گی دیکھیں گے۔فی الحال اس کی تقرری کر دو۔سیکرٹری نے مجھے فون کیا۔میں نے اسے کہا کہ اب اگر اس کی ریکمینڈیشن آ

جائے تو بھی اسے نہ رکھنا۔ اس لئے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ غالباً نہرو آئے تھے کہ میں ان کے استقبال کے لئے ائر پورٹ پر گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ آدمی بھی لائن میں ہے۔ آغا مصطفیٰ اس وقت ہمارے پروٹوکول آفیسر تھے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کیسے ہوگیا۔ پتہ چلا کہ میں اس وقت ملک سے باہر تھا کہ چند نام آئے۔ ان میں اس کا نام بھی آ گیا۔ کسی نے توجہ ہی نہیں دلائی۔ میرے ذہن میں تو نہیں ہوتا تھا کہ اس کو کرنا ہے، اس کو نہیں کرنا ہے۔ اس طرح میری مرضی کے خلاف تو ایک ہوگیا۔ لیکن میرے کہنے پر کوئی نہیں ہوا۔ س:۔ یہ شخص آپ کا ہم عقیدہ تھا۔ ج:۔ اگر یہ احمدی ہوتا تو میں اس کی اپنی طرح خبر لیتا۔ ایک اور بات آپ کو بتا دوں: ہر منسٹر کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنا پرائیویٹ سیکرٹری اور پرسنل اسسٹنٹ خود مقرر کرے۔ میں نے بھی اپنے اختیار کے تحت یہ دونوں آسامیاں خود پُر کیں۔ لیکن دونوں اصحاب غیر احمدی تھے۔ میں جتنی دیر وزیر خارجہ رہا۔ یہی رہے۔ سیکرٹری تھے فرحت علی اور پی اے کا نام اشتیاق حسین تھا۔ جو بعد میں فارن سروس میں چلے گئے۔ اور جب میں حج کے لیے گیا تو یہ جدّہ میں ہماری ایمبیسی میں تھرڈ سیکرٹری تھے۔

س:۔ یہ تو الٹ معاملہ نکلا۔ ج:۔ ہاں، بتائیں، نام لے کے بتائیں۔ الزام جو لگاتے ہیں۔ س:۔ 53ء میں آپ کی کمیونٹی کے خلاف جو موومنٹ چلی۔ اس میں آپ بھی خاصا ہدف بنے رہے۔ ج:۔ اُن کی پرنسپل ڈیمانڈ تو یہی تھی کہ اسے الگ کیا جائے۔ س:۔ ظاہر میں تو اس موومنٹ کا مذہبی رنگ تھا۔ ج:۔ تعصّب ہی کی بنا پر تھی۔ س:۔ کیا خیال ہے، لوگوں کے مذہبی جذبات کو کسی اور مقصد کے حصول کے لیے ایکسپلائٹ تو نہیں کیا گیا تھا۔ ج:۔ بھئی، میں آپ کے سوالوں کا جواب دینے کی کچھ نہ کچھ کوشش تو کرتا ہوں، لیکن لوگوں کے خیالات کا مجھے کیا معلوم، کیا تھے۔ جوش تھا، ہمیشہ ہوتا ہے، ہماری جماعت کے خلاف ہر بیس سال کے بعد ضرور اُبال اٹھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ پہلے سے زیادہ جماعت کو ترقی دے دیتا ہے۔ اس کی حکمت وہی جانتا ہے۔ س:۔ 53ء والی موومنٹ کے بارے میں ایک یہ نقطۂ نظر بھی سامنے آیا کہ بعض سیاستدانوں نے علماء کو ایکسپلائٹ کیا۔ ج:۔ کون سے سیاستدانوں نے۔ س:۔ کہا جاتا ہے کہ منتخب وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو برطرف کرنے اور دستور ساز اسمبلی کو توڑنے کی راہ ہموار کرنے کے لیے یہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ ممتاز دولتانہ اور گورنر جنرل ملک غلام محمد کی سازش تھی۔

ج:۔ اسمبلی موقوف تو ملک غلام محمد نے کی۔ لیکن ملک غلام محمد اور دولتانہ کی پہلے سے کوئی سازش نہ تھی۔ س:۔ کہ اس طرح موونٹ چلوائی جائے اور اس کے نتیجے میں پرائم منسٹر کو برطرف کیا جائے۔ ج:۔ یہ بعد کی باتیں ہیں۔ س:۔ اس کے متعلق دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ملک غلام محمد اپنے داؤ پر تھے۔ اور دولتانہ اپنے مفادات کے چکر میں۔ ج:۔ دولتانہ کا بہت سارا حصّہ اس موومنٹ میں تھا۔ یہ تو ایک واقعہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ملک غلام محمد قطعاً اس موومنٹ کے حق میں نہیں تھے۔ س:۔ دولتانہ کی حد تک پھر یہ صحیح ہوا کہ وہ اس سے مرکز کے لیے کچھ پریشانیاں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ج:۔ مجھے یہ علم نہیں کہ وہ چاہتے کیا تھے۔ لیکن یہ بات کہ وہ اس میں شامل تھے۔ ان کی غرض میں نہیں جانتا۔ کیا تھی۔ میری طبیعت میں دو باتیں نہیں۔ ایک تو میں زیادہ قیاس آرائیاں نہیں کرتا۔ کر نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو میں کسی پر بدظنی نہیں کرتا۔ واقعات خود کوئی بات ثابت کر دیں تو کر دیں۔ س:۔ مولانا مودودی نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ انہیں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے کہلا بھیجا کہ یہ موومنٹ آئین سازی کے خلاف ایک سازش ہے۔ تھی ایسی کوئی بات۔ ج:۔ میرے علم میں نہیں۔ س:۔ خواجہ صاحب کے بارے میں ایک بات بہت مشہور کی گئی کہ انہوں نے کہا، اگر میں انہیں اقلیت قرار دیدوں تو امریکہ گندم بند کر دے گا۔ ج:۔ بالکل بیہودہ بات ہے۔ س:۔ آپ نے کہا کہ ان کی مین ڈیمانڈ یہی تھی کہ ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کرو۔ امنِ عامہ کی خاطر آپ مستعفی کیوں نہ ہو گئے۔

ج:۔قائداعظمؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔لیاقت علی خاں بھی فوت ہو چکے تھے۔خواجہ ناظم الدین پرائم منسٹر تھے۔ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ علماء کا سامنے کرتے۔منیر انکوائری میں انہوں نے خود بیان دیا ہے کہ ظفر اللہ خاں نے تو کہا تھا کہ اگر آپ کی خلاصی میرے استعفاد ینے سے ہوتی ہے تو میں استعفادینے کو تیار ہوں۔اور ایہہ گل صحیح اے۔میں نے دو تین بار خواجہ صاحب سے کہا کہ یہ لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ ظفر اللہ خاں کو الگ کر دو۔اگر میرے استعفا دینے سے آپ کی مشکل آسان ہوتی ہو تو میں استعفادے دیتا ہوں۔خواجہ صاحب یہی کہتے۔آج آپ استعفا دیدیں۔کل کسی اور منسٹر کا کہیں گے۔پرسوں کسی اور کے متعلق شور مچائیں گے۔میں پھر حکومت انہی کے ہاتھ دیدوں، اصولاً تو ان کا موقف صحیح تھا۔ہمت ان میں نہیں تھی کہ مقابلہ کرتے۔ان کا پرائم منسٹر ہونا ایک بہت بڑی کمزوری کا موجب بن گیا تھا۔فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔یوں آدمی بڑے نیک تھے۔انہیں کوئی نہ کوئی سہارا دینے والا ہونا چاہیئے۔اکثر وقت ان کے بھائی خواجہ شہاب الدین ان کے ساتھ تھے۔پھر جب یہ پرائم منسٹر ہو گئے تو وہ جو ایسٹ پاکستان سے منسٹر تھے، فضل الرحمٰن، انہیں خیال ہوا کہ دونوں بھائیوں میں ایک پرائم منسٹر ہے، دوسرا ہوم منسٹر ہے، تو فضل الرحمٰن صاحب نے خواجہ ناظم الدین صاحب پر زور دینا شروع کیا کہ خواجہ شہاب الدین کو نہیں لینا چاہیئے۔تو انہوں نے خواجہ شہاب الدین کو سرحد کا گورنر کر کے بھیج دیا۔ان کی جگہ سہارے کے طور پر فضل الرحمٰن نے لے لی۔گو ٹیلی فون وغیرہ پر خواجہ شہاب الدین سے بھی مشورہ وغیرہ کرتے رہتے ہوں گے۔انہیں کسی نہ کسی پر انحصار کرنا پڑتا تھا خود کوئی ہمت نہیں کرتے تھے۔یوں بڑے نیک آدمی تھے۔نمازی تھے۔لیکن قوتِ فیصلہ یا مضبوطی نہیں تھی۔ملک غلام محمد صاحب کہا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب جو تو نہ کرنے کی باتیں ہیں، وہ تو نہیں کرتے، جھوٹ نہیں بولتے۔رشوت نہیں لیتے۔زنا نہیں کرتے۔کوئی برائی ان میں نہیں، لیکن جو کرنے کی کوئی بات ہے، وہ نہیں کرتے۔

س:۔پھر انہوں نے لاہور میں مارشل لاء لگانے کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ج:۔اس وقت چندریگر صاحب یہاں گورنر تھے۔ان کے بار بار ٹیلی فون آتے تھے کہ لاہور میں فساد بہت بڑھ گیا ہے۔ایک روز پرائم منسٹر ہاؤس میں کابینہ کی میٹنگ ہو رہی تھی کہ ان کا ٹیلی فون آیا۔خواجہ صاحب ساتھ والے کمرے میں سننے گئے۔سن کر آئے تو کہا۔گورنر صاحب کہتے ہیں، حالت یہ ہو چکی ہے کہ اب میں ٹیلی فون بھی ان لوگوں کی اجازت سے ہی کر سکتا ہوں۔شائد اب وہ اس کی بھی اجازت نہ دیں۔اس لیے یہاں امن تبھی قائم ہو سکتا ہے۔اگر آپ ہمیں اجازت دیں کہ ان کے مطالبات مان لیے جائیں۔ورنہ آج شام تک لاہور جل کر رہ جائے گا۔یہ سنا کر خواجہ صاحب نے کہا۔بتایئے صاحبان اب کیا کیا جائے۔سکندر مرزا اس وقت ڈیفنس سیکرٹری تھے۔وہ بھی وہاں موجود تھے۔شائد چودھری محمد علی صاحب نے ان سے کہا۔وائرلیس پر لاہور کے کمانڈر سے بات کر کے معلوم کریں۔کیا حالت ہے۔کیا ایسی ہی ہے جو گورنر صاحب کہتے ہیں۔انہوں نے کہا اچھی بات۔اتنے میں خواجہ صاحب اٹھ کے اندر تشریف لے گئے۔ان کے مکان پر ہی ہوتی تھی میٹنگ۔سکندر مرزا بات کر کے آئے۔اس وقت لاہور میں جنرل اعظم خاں کمانڈر تھے۔اتنے میں خواجہ صاحب بھی آ گئے۔سکندر مرزا نے بتایا کہ میں نے جنرل اعظم سے بات کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حالت تو ویسی ہی ہے۔جیسی گورنر نے آپ کو بتائی ہے۔تو میں نے اسے کہا کہ اگر تمہیں کہا جائے کہ امن قائم کرو تو کتنا وقت لوگے۔وہ کہتا ہے کہ ایک گھنٹہ تو میں نے اسے کہا ہے کہ

(تو پھر اٹھایئے قدم) GO AHEADTHAT WAS HOW MARTIAL LAW WAS IMPOSED.

خواجہ صاحب نے نہ ہاں کہی نہ ناں کہی۔خواجہ صاحب کی یہ عادت تھی کہ کوئی فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے کے کچھ کر دے۔تو اچھی بات ہے کر دے ان پر ذمّہ داری نہ آئے۔تو اس طرح یہ ہوا تھا۔ہر جگہ جلوس نکلتے تھے۔جہلم میں ایک جلوس میں ایک کتے پر میرا نام لکھ کے دو گتّہ ایک کتے

کے گلے میں ڈال دیا گیا۔اس کو وہ آگے آگے لیتے رہے۔ مجھے معلوم ہوا تو میں مسکرایا اور کہا یہ بات کہ انہوں نے مجھے کتا قرار دیا، مجھے اس پر ہنسی آتی ہے۔اس لیے کہ میں اپنی تو نگاہ میں کتا ہی نہیں، کتوں سے بھی بدتر ہوں۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں اس درگاہ کا کتا ہوں۔جس کو اپنے کتوں کے متعلق بڑی غیرت ہے۔ باقی کلب علی نام رکھ لیتے ہیں۔ میں کلبُ اللہ بن گیا تو میرے لیے یہ بات عزت کی موجب ہے لیکن ہونا یہ چاہیئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ادب ملحوظ رکھتے۔اسے کتّے کے گلے میں نہ باندھتے۔خیر وہ کرلیا انہوں نے اُس وقت یہ سمجھتے ہوں گے، جب بڑا شور وشغب ہوا کہ اس کو ہم وزارتِ خارجہ سے نکلوادیں گے تو اس کو روٹی نہیں ملے گی۔ یہ کہاں جائے گا۔اس کو ہمارے ساتھ شامل ہونا ہوگا۔ خدا جانے کیا ان کے ذہن میں تھا۔یہ نہیں جانتے کہ رزق خدا دیتا ہے۔کوئی انسان نہیں دیتا۔میرا یہ احساس تھا کہ غیر ممالک کے جو سفراء تھے۔ ان کی طبائع پر یہی اثر تھا کہ یہ ایک مذہبی تعصب کا اظہار ہے۔اس کی پوزیشن کیبنٹ میں بھی اور پارٹی میں بھی بڑی مضبوط ہے۔اس سے مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کمزوری محسوس نہیں ہوتی تھی۔اس کے ایک سال بعد جب یہ بات رفع ہوگئی تھی۔ پارٹی کے اندر یہ شوشہ کھڑا ہوا کہ دو وزراء نواب مشتاق احمد گورمانی اور چوہدری ظفر اللہ خاں کو علیٰحدہ کیا جائے۔اس وقت کے پرائم منسٹر صاحب نے، محمد علی بوگرہ تھے پرائم منسٹر۔انہوں نے ان عناصر کو سمجھا بجھا کر، کچھ کر کے اس بات کو دبا تو دیا لیکن میری طبیعت نے یہ فیصلہ کیا کہ اب میرا وزارتِ خارجہ کے ساتھ چمٹے رہنا پاکستان کے لیے کمزوری کا موجب ہے۔ کیونکہ اب جو سفراء ہیں، باہر کے۔ان کو تو ہر بات پہنچ جاتی تھی۔آج کیبنٹ میں بات ہوئی ہے تو شام تک ان کی بات پہنچ جاتی تھی وہ سمجھ لیں گے کہ اس کی پارٹی کے اندر بھی پوزیشن مضبوط نہیں تو اس سے پاکستان کو اپنے امورِ خارجہ میں کمزوری کا اندیشہ ہے۔اس لیے مجھے اب چھوڑ دینا چاہیئے۔ چنانچہ 10 اپریل 1954ء کی میٹنگ میں، جب کیبنٹ کا کام ختم ہوا تو میں نے پرائم منسٹر صاحب سے اجازت چاہی کہ میں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔انہوں نے کہا۔ اچھی بات۔ میں نے بتایا کہ پچھلے سال تو یہ حال تھا۔اس سال یہ صُورتِ حال ہے۔ میں سمجھتا ہوں مجھے چھوڑ دینا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں۔تیس جون سے مجھے فارغ کر دیا جائے۔خیر، میرے رفقاء نے اور پرائم منسٹر صاحب نے بھی کہا۔نہیں تم غور کرلو۔ بڑے افسوس کی بات ہے، یہ ہے۔ وہ ہے۔ چودھری محمد علی صاحب تو حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ یہ تھے اس وقت فنانس منسٹر۔ان کی نشست بالکل میرے ساتھ تھی۔انہوں نے مجھ سے کہا، بڑے افسوس کی بات ہے۔جنوری میں یہ موقع ہوا تھا۔ تمہارا نام بھیج دیا جاتا۔انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں ایک جج کی جگہ خالی ہوئی تھی۔سر بی این راؤ ہندوستانی جج تھے۔وہ فوت ہوئے تھے۔اُن کی جگہ۔تو وہ موقع ہم نے گنوا دیا۔میرا اور محمد علی صاحب کا آپس میں بڑا جوڑ تھا۔ہم بڑا عرصہ اکٹھے کام بھی کرتے رہے۔کشمیر کے معاملات وغیرہ میں میں نے ان سے کہا۔محمد علی رزق خدا دیتا ہے، نہ کوئی حکومت دیتی ہے، نہ کوئی عدالت دیتی ہے، نہ کوئی اقوام متحدہ دیتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ جس نے مجھے اب تک دیا۔آئندہ بھی دے گا۔ مجھے تو کوئی فکر نہیں تمہیں کیوں فکر ہے۔آخر یہی ہوا۔ میں ان تفاصیل میں نہیں جانا چاہتا۔س: ۔پھر بھی !ج: ۔اتفاق ایسا ہوا کہ ہماری حکومت نے یہ اصرار کیا۔ ہندوستان کے ساتھ ہمارا سندھ کے پانیوں پر جو جھگڑا چل رہا تھا۔اس میں ورلڈ بنک اپنے ذریعے سے کچھ سمجھوتہ کرانا چاہتا تھا تو ورلڈ بنک کے ساتھ کوئی روک پیدا ہوگئی تھی۔حکومت نے مجھے کہا کہ تم جاؤ، پہلے تو میں نے انکار کر دیا، اور کہا کہ بنک والوں کو بھی یہ بات معلوم ہو چکی ہوگی۔ وہاں دلائل تو میں دے لوں گا۔لیکن میں کہوں گا کہ میری حکومت یوں کرے گی،وُوں کر لے گی۔ وہ مسکرائیں گے کہ اس کی حکومت کا اب کیا ہے، یہ تو جا رہا ہے۔اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ کسی اور کو بھیج دیا جائے۔ پرائم مسٹر صاحب (محمد علی بوگرہ) نے کہا کہ ہمارا اصرار ہے۔تم ضرور جاؤ، پہلے بھی تم ہی کرتے رہے ہو، تو میں چلا گیا۔اس دوران مجھے وہاں امریکن اسسٹنٹ

سیکرٹری آف سٹیٹ نے کہا۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ تم نے استعفادے دیا ہے وہاں سے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارے لیے عالمی عدالتِ انصاف کا رکن منتخب کرانے کے لیے کوشش کی جائے میں نے کہا۔ ہم نے تو نام نہیں بھیجا ہوا۔ انہوں نے کہا۔ یونائیٹڈ نیشنز میں جو تمہارا مشن ہے۔ اسے کہو کہ وہاں سے پتہ کرے۔ میں نے پتہ کیا۔ انہوں نے بتایا نام تو آپ کا ہے۔ ہمدانی صاحب تھے اس وقت ہمارے وہاں۔ میں نے کہا کیسے ہوا۔ ہم نے تو بھیجا نہیں۔ کہنے لگے۔ فہرست میں تو موجود ہے۔ خیر، اس طور پر میرا نام آ گیا۔

س:۔ کس ملک نے آپ کا نام بھیجا تھا۔ ج:۔ بعض ممالک ہندوستانی امیدوار مسٹر جسٹس پال جو کلکتہ ہائی کورٹ میں جج تھے۔ ان سے آشفتہ تھے۔ وہ انہیں نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ جاپانی وار کرائمز ٹریبیونل کے رکن رہے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہاں تک لکھ دیا تھا کہ یہ مقدمات خود وار کرائمز (جنگی جرائم) ہیں۔ اس پر مغربی حکومتیں بڑی آشفتہ ہوئی تھیں۔ اگرچہ عام خیال یہی تھا کہ ہندوستانی جج مرا ہے۔ اس کی جگہ بقیہ مدت کے لیے ہندوستانی امیدوار کا انتخاب ہو گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ کسی ملک نے میرا نام بھیج دیا کیونکہ ہر حکومت تین نام بھیج سکتی ہے۔ س:۔ ضروری نہیں کہ امیدوار اس کے اپنے ملک کا ہو۔ ج:۔ ضروری نہیں کہ امیدوار اس کے اپنے ملک کا ہو۔ س:۔ کس ملک نے آپ کو نام بھیجا تھا۔ ج:۔ مجھے اس وقت تک کوئی علم نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا انتخاب بھی ہو گیا۔ س:۔ کس ملک نے آپ کا نام بھیجا تھا۔

ج:۔ یہ ملک کا جانے دیجئے کہ کس نے بھیجا تھا۔ میں نے کہا نا کہ مغربی حکومتیں ہندوستانی امیدوار سے آشفتہ تھیں۔ س:۔ قیام پاکستان کے وقت پنجاب بونڈری کمشن مقرر ہوا۔ جس کے ذمے بھارتی اور پاکستانی پنجاب میں حد بندی کا کام انجام نجام دینا تھا۔ آپ مسلم لیگ کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔ ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ بونڈری کمشن نے انڈیا کے حوالے کر دی۔ کشمیر کے حوالے سے اس تحصیل کی اہمیت بعد کے مسائل نے اور واضح کر دی۔ اس سلسلے میں عام طور پر دو افراد پر الزام عائد کیا جاتا ہے۔ ایک آپ دوسرے نواب افتخار حسین خاں ممدوٹ ہیں کہ انہوں نے اپنی ریاست بچانے کی خاطر پٹھان کوٹ کی تحصیل مشرقی پنجاب کو دلوا دی۔ اگرچہ انہیں اپنی ریاست بھی نہ ملی، لیکن پٹھان کوٹ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ ج:۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ممدوٹ نے سودے بازی کی ہو، وہ کس سے سودے بازی کرتے اور کس حیثیت سے کرتے۔ اگر وہ کر سکنے کی پوزیشن میں ہوتے تو بھی ان میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ ایسا کر گزرتے۔ نواب ممدوٹ تو بہت شریف اور بھلے مانس آدمی تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ ایک کلمہ تک نہیں کہا کہ بونڈری کمشن کے سامنے کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا۔ س:۔ اور آپ؟ ج:۔ میں اس وقت انڈین فیڈرل کورٹ میں جج تھا۔ جب برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے (3 جون 47ء) تقسیم ہند کا اعلان کیا۔ میرا ارادہ لاہور میں وکالت کرنے کا ہوا اور میں نے جج شپ سے استعفادے دیا۔ ان دنوں نواب بھوپال سر حمید اللہ خاں بھی دہلی میں تھے۔ انہوں نے مجھے کہا۔ کچھ عرصے کے لیے بھوپال جاؤ تاکہ اس صورتِ حال میں والیانِ ریاست کو جو مسائل درپیش آئیں۔ ان کے بارے میں آپ سے مشورہ کیا جا سکے۔ میں بھوپال چلا گیا۔ کچھ عرصے بعد نواب صاحب نے مجھے لندن جانے کا کہا کہ انہی دنوں قائداعظمؒ نے مجھے بھوپال سے بلا کر ارشاد فرمایا۔ پنجاب بونڈری کمشن میں آپ ہمارا کیس پیش کریں۔ میں نے ان سے عرض کیا۔ میں حاضر ہوں۔ لیکن مجھے کل پرسوں ہی نواب صاحب نے فرمایا ہے کہ انگلستان پارلیمنٹ میں قانون آزادئ ہند کا بل پیش ہونے والا ہے۔ آپ وہاں جائیں اور ہمارے متعلق جو کلاز ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہو سکے تو کوشش کرنا۔ اس لیے میں تو وہاں جانے کے لیے تیار ہوں۔ قائداعظمؒ نے پوچھا تمہیں وہاں کتنا وقت لگے گا۔ میں نے کہا دو ہفتے۔ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے ابھی تو امپائر بھی مقرر نہیں ہوا۔ خاصا وقت ہے۔ واپس آؤ گے تو لاہور کے وکلاء نے پُورا کیس تیار کر لیا ہو گا۔

تمہیں صرف اپنے دلائل اور اسلوب بحث ترتیب دینا ہوں گے۔ میں ابھی لندن میں ہی تھا کہ سر سیرل ریڈ کلف کو بونڈری کمشن کا چیئر مین مقرر کرنے کا اعلان ہو گیا۔ مجھے اس پر افسوس ہوا۔ کیونکہ وہ ایک بیرسٹر تھے جو ہر پریکٹس کر رہے تھے اور پارلیمنٹ کے رکن تھے۔ ان پر کئی طرح سے اثر ڈالا جاسکتا تھا۔ انگلستان روانگی سے قبل جب قائداعظمؒ نے مجھے مسلم لیگ کی طرف سے پیش ہونے کی ہدایت کی تھی تو اس وقت میں نے ان کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ آپ امپائر کے متعلق خیال کرنا۔ آپ پریوی کونسل میں وکالت کرتے رہے ہیں۔ بہتر ہوگا۔ لارڈز آف اپیل میں سے اگر کوئی جج امپائر مقرر ہو جائے کیونکہ وہ ایسے شخص ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کے اثر کے ماتحت کوئی کام نہیں کرتے۔ ویسے تو غلطی ہر انسان کر سکتا ہے۔ لیکن اس طرح ہمیں یہ اطمینان ہوگا کہ جس شخص نے آخری فیصلہ کرنا ہے وہ کوئی بیرونی اثر قبول نہیں کرے گا۔ انہوں نے کہا۔ اچھا میں ذہن میں رکھوں گا لیکن بعد میں شائد چوہدری محمد علی صاحب نے یا کسی اور نے مجھے بتایا کہ وہ (قائد اعظمؒ) کہتے تھے میں نے کوشش تو بہت کی تھی لیکن جواب ملا کہ لارڈز آف اپیل بڑی عمر کے آدمی ہوتے ہیں۔ گرمیوں کا موسم ہے۔ وہ ہندوستان کی گرمی برداشت نہیں کرسکیں گے۔ اس بہانے برطانوی حکومت نے ہماری بات ٹال دی ہے۔ بہر حال، میں وہیں تھا کہ ریڈ کلف کا تقرر ہو گیا۔

میں پندرہ کی بجائے چودہ دن بعد ہی لاہور پہنچ گیا۔ ریلوے سٹیشن پر نواب ممدوٹ اور دوسرے لوگ مجھے لینے آئے تھے۔ نواب صاحب نے مجھے بتایا۔ ریڈ کلف لاہور پہنچ چکا ہے۔ اور اس نے کل گیارہ بجے صبح فریقین کے وکلاء کو بلایا ہے۔ کل ڈھائی بجے میں نے وکلاء صاحبان کو اپنی کوٹھی پر بلایا ہوا ہے۔ ہم گیارہ بجے ریڈ کلف کے روبرو پیش ہوئے۔ کمشن کے اراکین جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ بھی موجود تھے۔ کمشن نے جو کچھ ہدایات ہمیں دینی تھیں۔ وہ دیں۔ ڈھائی بجے میں نواب ممدوٹ کی کوٹھی پر گیا۔ وہاں وکیلوں کی تو کوئی کمی نہ تھی۔ کوئی تیس چالیس تھے۔ السلام علیکم۔ وعلیکم سلام ہوئی۔ کہنے لگے۔ بیٹھو۔ میں نے کہا، آپ میں سے کون کون صاحب میرے ساتھ کیس میں کام کریں گے۔ خلیفہ شجاع الدین مرحوم نے کہا کون سے کیس میں؟ میں نے کہا بونڈری (حد بندی) کیس میں، کہنے لگے، ہمیں تو پتہ ہی نہیں۔ میں نے نواب صاحب کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا تو وہ مسکرا دیئے۔ ذرّہ بھر کوئی کام نہیں کر رکھا تھا۔ حالانکہ میں نے ہدایات پنجاب مسلم لیگ کے لیڈروں سے حاصل کرنی تھیں۔ لیکن ادھر ذرہ بھر کام نہیں ہوا تھا، نہ ممدوٹ، نہ دولتانہ، نہ شوکت حیات، کوئی نہیں، میری حالت کا آپ اندازہ کریں۔ کیا ہوئی ہوگی۔ سوموار کی شام میں لاہور پہنچا تھا۔ آج مشکل تھی۔ جب کمشن نے جمعہ کا وقت مقرر کیا۔ کہ جمعہ کی دو پہر تک اپنا تحریری بیان داخل کرو۔ اور آئندہ سوموار کو کمشن بیانات سنے گا۔ لندن روانگی کے وقت قائداعظمؒ نے مجھے فرمایا تھا۔ کیس تیار ہوگا۔ آپ کو صرف اپنی بحث ترتیب دینا ہوگی، بہت وقت ہے اور کیس کے متعلق یہاں زیر و صورت تھی۔ اس ضمن میں کسی کے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی۔ اب ایک صورت یہ تھی کہ میں دہلی فون کر کے قائداعظمؒ سے ہدایات لوں۔ یہ ممکن نہیں تھا، دوسرے ان لوگوں کی شکایت ہوتی۔ میں نے یہ بھی مناسب نہ سمجھا۔ میں نے ان سے رخصت لی کہ چلتا ہوں۔ میں سید مراتب علی صاحب کی کوٹھی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جو ڈیوس روڈ کی ایک دوسری لین میں ممدوٹ وِلاّ کے قریب ہی تھی۔ میں سیّد صاحب کی کوٹھی تک واک کرتا چلا آیا۔ عصر کی نماز کا وقت تھا۔ میں نے نماز پڑھی۔ جلد ہی بعد میں نے محسوس کیا کہ خدا تعالیٰ نے میری مضطربانہ دعا کے جواب میں میری بیکسی پر نگاہ کرم کی ہے۔ جب چند ہی منٹ بعد خواجہ عبدالرحیم جو اس وقت راولپنڈی میں کمشنر تھے۔ مہاجرین کے معاملے میں خاص طور پر لاہور آئے تھے۔ ان کا دفتر سیّد مراتب علی کی کوٹھی کے سامنے دو خیموں میں تھا۔ آ

گئے۔ان کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے۔انہوں نے کہا، چودھری صاحب میں نے اپنے طور پر آبادیوں کے کچھ اعداد وشمار جمع کیے تھے۔شائد آپ کے کام آجائیں اور میرے لیے سوائے اللہ تعالی کے شکر کے اور کیا تھا کہ مجھے کچھ تو ملا۔دو چار وکیل بھی آ گئے۔لاہور کے ان وکلاء میں سے نہیں جو ممدوٹ وِلاّ میں جمع تھے۔ایک پاکپٹن کے تھے سید محمد شاہ، دونٹگمری (ساہی وال) کے تھے، صاحبزادہ نوازش علی اور شیخ نثار احمد اور ایک ہوشیار پور کے تھے چودھری علی اکبر۔وہ آ گئے کہ ہم کیا مدد کر سکتے ہیں، میں نے کہا، اچھی بات۔چودھری علی کبر کو تو میں نے بھاگ دوڑ پر لگا دیا۔ دوسرے تین وکیل میرے ساتھ کام کرتے رہے۔چودھری علی اکبر کو آبادی کے اعداد وشمار اور ضروری معلومات کے لیے بہت دوڑ دھوپ کرنی پڑتی تھی۔لاہور میں جولائی کے مہینے کتنی سخت گرمی ہوتی ہے۔جب وہ اپنی ڈیوٹی تندہی سے انجام دے کے آتے تو اپنے کام کی رپورٹ کر کے تھکاوٹ کے باعث وہیں فرش پر دراز ہو جاتے۔لاہور کے وکلاء میں سے احمد سعید کرمانی بھی گاہے ماہے تشریف لاتے رہے۔

میں نے ان چاروں وکیلوں سے مشورہ وشورہ کیا۔ان اعداد وشمار کی روشنی میں جو ہمیں خواجہ عبدالرحیم دئے گئے تھے۔اب جو شرائط تھیں، جو ہدایات تھیں کہ مسلم آبادی سے ملحقہ اکثریتی علاقے پاکستان کی طرف آئیں گے۔اور ہندو سکھ آبادی کے ملحقہ اکثریتی علاقے ہندوستان کی طرف جائیں گئے۔اس میں بنیادی بات یہ تھی کہ اکثریتی علاقہ قرار دینے کے لیے یونٹ کیا ہو گا۔مثلاً گاؤں ہو تو دیلی تک کئی گاؤں تھے۔جن میں مسلمانوں کی کثرت تھی۔دوسری طرف جہلم تک کئی گاؤں تھے۔جن میں ہندوؤں سکھوں کی کثرت تھی، گاؤں تو بونڈری یونٹ نہیں بن سکتا تھا، تھانوں کے ساتھ بھی کم وبیش یہی حال تھا۔باقی رہ گئے تحصیل اور اضلاع۔اضلاع میں اس وقت عارضی تقسیم کی گئی تھی۔اسے تسلیم کیا جاتا یا تحصیل کو یہ کام تھا مسلم لیگ کا کہ وہ فیصلہ کرتی کہ کیا یونٹ ہونا چاہیئے۔چنانچہ میں نے میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات کو بلایا، سردار شوکت حیات کی طرف سے جواب آیا کہ انہیں تو ملیریا ہے۔اور 102 ٹمپریچر ہے۔میاں ممتاز دولتانہ تشریف لے آئے۔انہیں میں نے بتایا کہ ضلع وار یہ صورت بنتی ہے۔تحصیل وار یہ صورت بنتی ہے۔آپ مجھے بتائیں کہ کیا موقف اختیار کیا جائے۔انہوں نے کہا، انکل آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔میں نے کہا غلط بات ہے۔میرے جاننے کا سوال نہیں۔مجھے تو مسلم لیگ کی طرف سے ہدایات ملنی چاہئیں۔اور آپ ہیں مسلم لیگ کے تینوں، نواب ممدوٹ، دولتانہ، شوکت حیات، نواب صاحب سے تو پوچھنے کا فائدہ نہیں، انہیں تو کسی بات کا پتہ نہیں۔شوکت بیمار ہیں۔آپ ہی ہیں، بتائیں۔انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔اس وقت صورت یہ بنتی تھی کہ اگر ضلع کو یونٹ قرار دیا جاتا تو ضلع امرتسر کو ترک کرنا پڑتا۔اس سے یہ بھی اخذ کیا جاتا کہ انتظامی تقسیم میں جو علاقہ مغربی پاکستان میں شامل ہے ہم اس سے بھی کم لینے پر تیار ہیں۔نتیجۃً ہو سکتا تھا کہ ہمارے علاقے کو اور بھی کم کر دیا جاتا۔تحصیل کو یونٹ قرار دینے سے یہ ہوتا کہ ضلع فیروز پور کی دو تحصیلیں فیروز پور اور زِیرہ اور ضلع جالندھر کی دو تحصیلیں نکودر اور جالندھر مسلم اکثریت کے علاقے تھے۔ان کے ساتھ مشرق کی طرف ملحقہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں تھی اس تحصیل میں نہ تو مسلمانوں کی کثرت تھی۔نہ ہندوؤں سکھوں کی، فیصلہ کن کردار عیسائی آبادی ادا کر سکتی تھی۔اس تحصیل کے عیسائیوں نے ریڈ کلف کو میمورنڈم بھیجا تھا کہ انہیں مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا جائے۔چنانچہ تحصیل کو یونٹ قرار دیئے جانے سے فیروز پور، زیرہ، نکودر، جالندھر اور دسوہہ پانچوں تحصیلیں مسلمان اکثریت کے علاقے شمار ہوتیں، ریاست کپورتھلہ میں بھی مسلمانوں کی کثرت تھی۔وہ بھی ان تحصیلوں سے ملحق تھی۔ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں مسلمانوں کی اور امرتسر ہی کی ترن تارن میں غیر مسلموں کی کثرت تھی۔لیکن اگر فیروز پور، زیرہ، نکودر، جالندھر اور کپورتھلہ پاکستان میں شامل کی جاتیں۔تو امرتسر اور ترن تارن غیر مسلم اکثریت کے ملحق علاقے نہ رہتے۔کیونکہ وہ چاروں طرف سے مسلم اکثریت کے علاقوں سے گھرے

ہوئے تھے۔ضلع گورداسپور میں بٹالہ، گورداسپوراورشکرگڑھ تحصیلوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔اورتحصیل پٹھانکوٹ میں غیر مسلموں کی۔یہ تحصیل کانگڑہ اورضلع ہوشیار پور سے ملحق بھی تھی جوغیر مسلم اکثریت کے اضلاع تھے۔پورے غوروخوض کے بعد ہم سب کا میلان اسی طرف ہوا کہ تحصیل کو یونٹ قرار دیئے جانے پر زور دیا جائے۔خیر،اس کے مطابق ہم نے بیان تیار کیا۔جمعرات کی رات شرکت کوفون کیاتو پھر وہی جواب آیا کہ وہ بیمار ہیں۔میاں ممتاز دولتانہ کو بلایا۔وہ آ گئے۔میں نے کہا۔یہ مسّودہ تیار ہے۔پڑھ لو، پھر وہی بات کی،انکل آپ نے جو کچھ کیا ٹھیک ہے۔اس سے بہتر کیا ہوگا۔میں نے کہاناں ناں۔آپ کو یہ بیان پڑھنا ہوگا۔اگر آپ کو اختلاف ہو تو میں اس کے مطابق اسے تبدیل کروں گا۔ انہوں نے مسودہ پڑھا،انہوں نے کہا بہت اچھا ہے۔اگلے روز جمعہ تھا۔بارہ بجے میں نے شیخ نثار احمد کو وہ یادداشت دی کہ اسے وہ کمشن میں داخل کرا آئیں۔اورخود میں نمازِ جمعہ کے لیے چلا گیا۔ٹیکنیکلی میں وکیل تھا۔جو ہدایات تھیں ان کے مطابق میں نے عمل کرنا تھا،اس سے زیادہ میری ذمہ داری نہیں تھی۔نمبر 2 مجھے ہدایت دی گئی تھی ٹھیک ہے میرا اپنا مشورہ بھی یہی تھا۔وہ میں نے بیان کر دیا،لیکن میرا موکل تھا مسلم لیگ۔ ان کی ہدایت تھی کہ میں اسے تیار کروں۔میں نے تیار کیا۔پٹھانکوٹ کے سلسلے میں جہاں تک ہمارے دعویٰ کا تعلق تھا کہ یہ تفصیل ہمارے ساتھ آنی چاہئے توایسا ہم نہیں کر سکتے تھے۔پھر بھی کمشن میں مَیں نے پٹھانکوٹ کے بارے میں بحث تھی کہ سچوایشن کے حوالے سے یہ ہمارے ساتھ جانا چاہیئے۔چونکہ تحصیل یونٹ تھی اس لیے ہمارا موقف مضبوط نہیں تھا۔تاہم یہ بات ہے کہ کمشن کے روبرو دورانِ بحث جب بھی اعداد وشمار کا جھگڑا اٹھتا تو ایک آدمی وہ مقرر کرتے۔ایک ہم۔جو اعداد وشمار جا کر چیک کرتے۔ہماری طرف سے چوہدری علی اکبر ہوتے،ہر بار ہمارے اعداد وشمار ہی درست پاتے۔معلوم ہوتا ہے خواجہ رحیم نے بہت محنت کی تھی۔س:۔میں نے تو ایک سیاسی کارکن کو ایک نجی محفل میں خواجہ رحیم پر بھی الزام تراشی کرتے سنا تھا۔ج:۔یہ غلط بات ہے۔خواجہ رحیم بونڈری کمشن میں کوئی شمولیت نہیں رکھتے تھے۔وہ اس وقت راولپنڈی میں کمشنر تھے لاہور میں مہاجرین پران کی ڈیوٹی لگی تھی۔اور پوری تندہی کے ساتھ انہوں نے وہ کام کیا۔محنتی آدمی تھے۔اگر انہوں نے بھی وہ فگرز نہ مجھے دیئے ہوتے۔تو ہمارے پاس تو کچھ نہیں تھا۔الزام لگانے والوں کا کیا ہے۔کہتے ہیں جی پٹھانکوٹ ملنے والا تھا۔ظفر اللہ خاں نے کہا۔نہ دو کتنی بیہودہ بات ہے۔پٹھان کوٹ کس طرح مسلمانوں کے پاس آجاتا۔کیا حق تھا مسلمانوں کا جس کی وجہ سے پٹھان کوٹ اِدھر آجاتا۔جب 53ء میں فساد ہوئے اوراس پر تحقیقاتی عدالت بیٹھی۔جسٹس منیر نے لکھا ہے کہ ہمارے سامنے بڑا ذلّت آمیز مظاہرہ کیا گیا کہ ظفر اللہ خاں نے بونڈری کمشن میں یہ کر دیا۔وہ کر دیا۔مجھے ان کے اصل الفاظ تو یاد نہیں۔بہر حال خوب الزامات لگائے۔جسٹس منیر نے کہا کہ یہ ناشکری کا اظہار ہے۔میں بھی بونڈری کمشن کا ممبر تھا۔جس محنت اور قابلیت کے ساتھ ظفر اللہ خاں نے مسلم لیگ کا کیس پیش کیا،اس کے لیے ہم سب کو اس کا ممنون ہونا چاہیئے۔س:۔چوہدری صاحب اگر ضلع یونٹ بنتا تو پھر گورداسپور جس میں تحصیل پٹھانکوٹ بھی شامل تھی،اس طرف آتا۔ج:۔ٹھیک ہے،ضلع یونٹ بنتا تو گورداسپور کا ضلع ادھر تھا۔ہماری طرف لیکن بعض اور علاقے تھے جو اُس طرف تھے۔س:۔پٹھانکوٹ اِدھر آجانے سے کشمیر کا مسئلہ تو نہ پیدا ہوتا۔

ج:۔اُس وقت کی ہوندا یا کی نہ ہوندا دا سوال نئیں سی۔(اس وقت کیا ہوتا یا کیا نہ ہوتا کا سوال نہیں تھا) اُس وقت کی موجودہ صورت حال کے لحاظ سے کشمیر کا سوال تو بعد میں جا کے پیدا ہوا۔لوگ جب بات کرتے ہیں،تو سارا PERSPECTIVE (تناظر) ہی بدل دیتے ہیں۔اُس وقت جولائی 47ء میں تو کشمیر کا مسئلہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔س:۔کہتے ہیں نا کہ اگر پٹھانکوٹ ہمارے پاس ہوتا تو

........ج:۔ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اگر مہاراجہ مسلمان ہوتا۔س:۔ چوہدری صاحب واقعی کشمیر کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا اگر بالفرض پٹھانکوٹ ہمارے پاس ہوتا۔ کیونکہ اِس طرح انڈیا کو کشمیر جانے کا راستہ نہ ملتا۔ ج:۔ میں ہی نہیں، کوئی بھی کیسے کہہ سکتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوتا کہ نہ ہوتا۔ س:۔ یہ بھی دلیل دی جاتی ہے بلکہ الزام ہے کہ پٹھانکوٹ اس وجہ سے گیا کہ قادیان میں آپ کی کمیونٹی کے لوگوں نے اپنے آپ کو نان مسلم ظاہر کیا، جس سے ہندوؤں سکھّوں کی اکثریت ہوگئی۔ اور وہ تحصیل انڈیا کا حصہ بن گئی۔ ج:۔ یہ بھی بالکل حقیقت کے الٹ بات ہے۔ حضرت صاحب نے شیخ بشیر احمد صاحب کو جو بعد میں ہائی کورٹ کے جج بھی ہوئے، اپنا نمائندہ مقرر کیا کہ وہ اس بات پر خاص طور پر زور دیں کہ گورداسپور کا ضلع پاکستان میں شامل ہو، تحصیل کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ کیونکہ سارا ضلع گورداسپور انہوں نے کہا کہ شامل ہو۔ کیونکہ گورداسپور کے ضلع میں صُورت یہ تھی کہ اگر ہمیں نہ شمار کیا جائے تو مسلمانوں کی کثرت نہیں بنتی تھی، تو حضرت صاحب نے کہا کہ فگرز وغیرہ سب کچھ ان کو دو اور ان سے کہو کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا مرکز وہاں ہے اور میں نے اپنی طرف سے اس بات کی وکالت کی کہ گورداسپور کو پاکستان میں شامل کرنا چاہیئے۔ یہ تو لوگوں نے بعد میں باتیں بنالیں۔ س:۔ آپ کے بانی سلسلہ کی ایک پیش گوئی کا ذکر آتا ہے کہ ایک بار آپ لوگ قادیان سے نکالے جائیں گے۔ اور پھر واپس آئیں گے۔ ج:۔ وہ ایک الہام ہے۔ داغِ ہجرت۔ س:۔ وہ ایسا ہی ہے۔ جیسا میں نے کہا۔ جج:۔ اس سے ممکن ہے کسی نے استدلال کیا ہو۔ س:۔ لیکن اس کی وجہ سے آپ پر ملک کی سلامتی کے خلاف سازش کرنے کا الزام بھی آتا ہے کہ ملک کی سرحدوں کو نقصان پہنچے گا تبھی واپسی کا امکان ہوگا۔

ج:۔ کس کے ساتھ کون سازش کر رہا ہے اور کون سا ملک ٹوٹے۔ س:۔ پاکستان۔ ج:۔ یعنی پاکستان ہندوستان میں شامل ہو جائے۔ س:۔ تاکہ وہ پیش گوئی درست ثابت ہو۔ ج:۔ کون سازش کر رہا ہے کس کے ساتھ۔ س:۔ آپ کی کمیونٹی پر الزام آتا ہے۔ ج:۔ کمیونٹی تو سازش نہیں کر سکتی۔ کمیونٹی سازش کرے تو سارے جہاں کا پتہ چل جائے۔ سازش تو ایک یا چند افراد کرتے ہیں۔ یعنی ایسی سازش ہم کر رہے ہیں۔ کہ ان کو تو پتہ چل گیا باقی جہاں کو پتہ نہیں۔ اگر ہم سازش کر رہے ہیں۔ تو ان کو کیسے معلوم ہے، اگر معلوم ہے تو پیش کیوں نہیں کرتے کہ فلاں شخص انڈیا کے پاس گیا۔ یہ تجویز تھی کہ حملہ کرو پاکستان پر تاکہ ہم واپس جاسکیں۔ ہماری ساری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہم کبھی کسی بات کے لیے عام جو سازش سمجھی جاتی ہے۔ نہیں کرتے۔ منصوبے بناتے ہیں ترقی کے لیے، قربانیوں کے لیے، لیکن علی الاعلان۔ ساری دنیا کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم کر رہے ہیں۔ یہ حسد کرتے ہیں۔ یہ بُغض کرتے ہیں۔ یہ مخالفت کرتے ہیں، یہ کوشش کرتے ہیں کہ کامیاب نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں کامیاب کرتا ہے۔ باقی ہم نے کبھی اس قسم کی سازش کی ہے نہ ہماری فطرت میں ہے، نہ ہمارے پاس وہ وسائل ہیں۔ جن کے ذریعے سے کوئی سازش کامیاب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ واہیات بات ہے۔ اگر اس کو سازش کہتے ہیں کہ ہمارے بانیٔ سلسلہ کا بڑے اوائل کا الہام ہے کہ تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ تو دیکھ لو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہو رہا ہے۔ ہمارے جلسے میں دنیا کے دوسرے کنارے تک سے لوگ آرہے ہیں۔ انہوں نے ہر کوشش کی۔ سب کچھ کیا۔ ان کو معلوم تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بانیٔ سلسلہ کا الہام ہے۔ وہ نعوذ باللہ مفتری تھا۔ ہم بات نہیں پوری ہونے دیں گے۔ اوروں نے زور لگا یا تم بھی لگاتے رہو۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یہ اگر سازش ہے تو یہ سازش طشت از بام ہے۔ ہمیں سازش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ بغیر کوئی وسائل ہونے کے ان کے مقاصد کی تکمیل فرماتا چلا جاتا ہے۔ ان کو سازش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سازش تو کرتے ہیں۔ انسان انسانوں کے ساتھ، جو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اور جس کے ہاتھ سب کچھ

ہے، جب ہمیں پختہ ایمان ہے اوراس کے فعل سے یہ ثابت ہے۔ وہ ہماری تائید کرتا ہے،ہمیں سازش کی کیا ضرورت ہے۔س:۔اوروہ ’’داغِ ہجرت‘‘۔ج:۔وہ اپنے وقت پر پُورا ہوگا۔ضرور پُورا ہوگا۔س:۔قادیان واپسی کس صُورت میں ہوگی۔ج:۔یہ وہ جانتا ہے۔اگرقادیان کی جو موجودہ آبادی ہے۔کثرت ان کی ہندوسکھ ہے۔اگروہ سارے کے سارے احمدی ہوجائیں،تو ہے کسی سازش کی ضرورت۔تو ہماری ہجرت ختم ہو گئی۔ہم جس وقت چاہیں قادیان جائیں آئیں۔س:۔بارڈر کے باوجود؟ ج:۔بارڈر تو ہوگا جو کچھ بھی ہوگا،لیکن بہرصورت ہمیں کسی سازش کے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔س:۔قادیان واپسی کی بات پھرصحیح ہوئی۔ج:۔آپ کا خیال ہے کہ ہمیشہ یہ پابندی قائم رہے گی کہ نہیں جانا۔اس کو خداتعالیٰ رفع نہیں کرسکتا کیا قادیان اور پاکستان ایک حکومت کے ماتحت ہوں تبھی ہم واپس جاسکتے ہیں۔ہم الگ الگ حکومت رہ کر بھی واپس جا سکتے ہیں۔ہم لندن جاسکتے ہیں تو قادیان کیوں نہیں جاسکتے۔س:۔بارڈر کی موجودگی میں اگر جانے آنے کی سہولت ملتی ہے۔اس میں وہ چیز تو پیدا نہیں ہوتی کہ ایک دفعہ جاؤ گے پھر آ ؤ گے۔ج:۔بارڈر کی موجودگی میں سہولت تو بھئی آج کی بات ہے۔کل کوئی معاہدہ ہوجائے دونوں میں۔ دونوں پاسپورٹ بھی ویزہ بھی ختم کردیں،آزادانہ آئیں جائیں،پھر؟س:۔آپ کے بعض ہم عقیدہ یہ تو جبیہ بھی کرتے ہیں کہ ہم فاتح ہوکر جائیں گے۔ج:۔فتح کوئی فوجی فتح کو ہی نہیں کہتے۔ہرقسم کی کامیابی کو فتح کہہ سکتے ہیں۔ہم نے تو دل فتح کرنے ہیں۔محبت کے ذریعے سے۔اور سب سے زیادہ پاکستان میں اور یہ پاکستان کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم پاکستان کے خلاف ہیں۔پاکستان کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ پاکستان کے دشمن ہیں۔ان کے خیال میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کوئی غیر چیز ہے۔جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان ہماری بنیاد ہے۔مرکز ہمارا یہاں ہے۔یہیں سے ہماری ترقی کے سامان پیدا ہوں گے۔الاّ ماشاءاللہ۔پاکستان والوں نے ہی ہم میں شامل ہونا ہے۔جن کو کل ہم نے اپنا دوست بنانا ہے،شامل کرنا ہے۔ان کے خلاف ہم اس وقت یا جس ملک میں ہی ہماری بنیاد ہے۔اس کے خلاف ہم سازشیں کرتے پھریں۔اس کو تباہ کرتے پھریں۔کس قدر بیوقوفی ہے۔اتنی عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہوئی ہے۔اوراللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا یہ محکم یقین ہے کہ وہ یہیں کثرت سے ہماری تائید پیدا کرے گا۔اور ہم اسی مرکز سے دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچائیں گے۔اس لئے ہمیں ایک اوسط پاکستانی کی نسبت سے بہت بڑھ کر پاکستان کی خوشحالی کی آزادی،اس کے استحکام کے لیے میں عام طور پر ذاتی باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔لیکن میں ہرروز اور کئی بار پاکستان کی خوشحالی کے لیے دعا کرتا ہوں،تو یہ رویّہ ان لوگوں کا نہیں ہوسکتا۔میں اکیلا نہیں ہوں،اس بات میں۔جہاں بھی کہیں عام تحریک دعا کی ہوتی ہے۔تو پاکستان کی بہبودی کے لیے۔اس کے استقلال کے لیے ہم دعائیں کرتے ہیں۔ہم سے یہ مراد نہیں کہ کوئی فردِواحد مثلاً میں یا شیخ اعجاز احمد صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔یا چودھری بشیر احمد صاحب یا کوئی اور ہماری جماعت میں تو اس وقت وہ لوگ بھی موجود ہیں، جنہوں نے سن تڑپن،چوّن کے فسادات میں ہمارے لوگوں کو قتل کیا تھا بعد میں احمدی ہوگئے اوراب وہ نہایت مخلص احمدی ہیں۔ممکن ہے 74ء والے بھی ہوگئے ہوں۔س:۔آپ پاکستان کی بہبود اور استقلال کے لیے دعائیں کرتے ہیں اورآپ کی کمیونٹی کا جو آدمی انتقال کرجائے تو جیسا کہ کہا جاتا ہے۔اسے ربوہ میں امانتاً دفن کیا جاتا ہے۔ج:۔وہ امانتاً کا لفظ تو ساتھ نہیں ہوتا۔ربوہ میں دفن کردیا جاتا ہے۔باقیوں کے متعلق میں نہیں جانتا۔لیکن یہ یقینی بات ہے۔اور یہ وصیّت بھی ہے کہ ہمارے خلیفہ دوم اورآپ کی والدہ محترمہ کو جب اللہ تعالیٰ توفیق دے گا۔رستہ کھلے گا۔ تو قادیان دفن کیا جائے گا۔یہ کوئی ضروری نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان کو ادھر سے اُدھر کردیا جائے گا۔

س:۔کوئی نودس برس پہلے بعض اخبارات میں یہ چھپا تھا کہ آپ انڈیا گئے ہیں۔اندرا گاندھی کے ساتھ سازش کرنے۔ج:۔میں قادیان

گیا تھا فروری میں، انہیں جا کے پتہ چلا کہیں مٹی میں پنجاب کا ایک سکھ منسٹر آخر وقت تک میرے ساتھ رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی طرف سے واچ کر رہا ہو کہ کیا کرنے آیا ہے۔ واپسی پر ایک لطیفہ بھی ہوا۔ ہم گئے امرتسر میں گولڈن ٹمپل دیکھنے۔ آخر میں انہوں نے وزیٹر بک دی کہ اس پر اپنے تاثرات لکھو۔ اس میں ایک کالم تھا۔ ٹائم کا۔ میں نے سکھ وزیر سے پوچھا۔ کیا وقت ہے۔ وہ کہنے لگا۔ وقت تو بارہ بجے کا ہی ہے۔ سب ہنس دیئے۔ میں نے کہا چلو ساڑھے بارہ لکھ دیتے ہیں۔ س:۔ غیر سرکاری حیثیت میں انڈیا آپ کتنی بار گئے۔ ج:۔ بس یہی ایک بار۔ س:۔ اس سے پہلے۔ ج:۔ اس سے پہلے بطور وزیر خارجہ دو دفعہ تو یقیناً گیا ہوں۔ س:۔ اس وقت تو شور نہیں مچتا تھا۔ ج:۔ وہ تو انہیں پتہ ہوتا تھا کہ وزیر اعظم اور وزیر خارجہ فلاں کام کے لیے ہندوستان گئے ہیں۔ س:۔ اور جواہر لال نہرو جب پاکستان آئے تھے۔ ج:۔ بحیثیت وزیر خارجہ میں نے ان کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔ اس سے پہلے میں مہمانوں کے استقبال کے لیے کھڑا رہا۔ ہمارے پرائم منسٹر صاحب تھے۔ نہرو تھے تو نہرو صاحب نے کہا؟ اندرا چوہدری صاحب کے لیے چائے بناؤ۔ وہ مجھے ہمیشہ چوہدری صاحب کہتے تھے۔ س:۔ اندرا سے آپ کی بس یہی ایک ملاقات ہوئی۔ اس وقت تو وہ بچی ہوگی۔ ج:۔ اس وقت اتنی بھی بچی نہیں تھی۔ اچھی جوان تھی۔ س:۔ جب پاکستان بنا تو آپ کو انڈیا کی طرف سے کوئی پیش کش ہوئی۔

ج:۔ نہیں۔ لیکن جن دنوں میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے یو این او میں کشمیر کے مسئلے پر بحث کر رہا تھا۔ ایک روز میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک وقت میں تو کشمیر میں گائے ذبح کرنے پر اس قدر سختی تھی کہ موت یا عمر قید کی سزا ہوتی تھی۔ گلینسی رپورٹ کے نتیجے میں جو اصلاحات ہوئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں کچھ تخفیف ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں اب سات سال قید کی سزا ہے۔ میں اور ہندوستانی نمائندہ سرگوپالا سوامی آئینگر اسمبلی سے نکل رہے تھے۔ مجھے جانتے تھے۔ اچھی طرح میں متحدہ ہندوستان میں مرکزی وزیر تھا۔ تو کشمیر میں ان کا مہمان تھا۔ میں نے کہا۔ آپ وزیر اعظم رہے ہیں، اب کیا سزا ہے، انہوں نے کہا، دس سال ہے۔ ساتھ ہی اپنا بازو میرے بازو میں ڈالتے ہوئے بولے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم تقسیم پر وہاں سے پہلے کیوں گئے تھے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم ہندوستان سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس ہوتے۔ میں نے کہا ہاں مجھے معلوم تھا کہ میں سینئر موسٹ جج تھا۔ اور میرے فیصلوں کو پسند کیا گیا تھا۔ کانگریس میرے عدالتی اختیارات کی معترف تھی۔ لیکن میں چلا اس لیے گیا تھا کہ میں وہاں رہتا تو قیدی ہی ہوتا، کہنے لگے، نان سینس۔ میں نے کہا۔ نان سینس (بیہودہ بات) نہیں۔ جو وہاں ہیں ان کی حالت یہی ہے۔

س:۔ بات بونڈری کمشن کی ہو رہی تھی۔ چودھری صاحب جب آپ نے بونڈری کمیشن میں ابھی اپنی یاداشت داخل نہیں کی تھی کہ ریڈ کلف نے والٹن کے ہوائی اڈے سے پرواز کرنا چاہی لیکن موسم کی خرابی کے باعث وہ پرواز نہ ہوسکی تو جسٹس دین محمد مرحوم کے مطابق پائلٹ کو پرواز کے لیے جو ہدایات دی گئی تھیں۔ ان کے مطابق حد بندی کی لائن بحث سے پہلے ہی طے پا چکی تھی۔ کیا اس لائن کے مطابق بعد میں پنجاب کی تقسیم ہوئی۔ ج:۔ لیکن اس میں بھی فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں آتی تھیں۔ س:۔ ریڈ کلف نے جس لائن پر فلائی کرنا تھا۔ اس میں بھی فیروز پور اور زیرہ ہمارے پاس تھیں۔ ج:۔ ہاں یہ تو ایوارڈ تیار ہو جانے کے بعد تبدیلی ہوئی۔ س: وہ کیسے؟ ج:۔ ....
جینکنز جو یہاں گورنر تھا۔ اس کی اور وائسرائے کے ملٹری سیکرٹری اسے کی اور ایک انہوں نے میجر لندن سے بلایا ہوا تھا۔ سکھوں کی حمایت کے واسطے۔ ان تینوں نے مل کے کچھ حصہ تبدیل کیا۔ س:۔ ہندوؤں سکھوں نے ریڈ کلف کو رشوت بھی دی۔ ج:۔ رشوت سے وہ بالا تھا۔ اس نے تو وائسرائے (لارڈ مونٹ بیٹن) کے سٹاف کے زور دینے پر کیا تھا، کیونکہ جب انہوں نے شملے میں آ کے بحث کی تو ہمارے دونوں کمشنر کہنے لگے

کہ گورداسپور پر وہ آ کے اڑتا تھا، اور ہم سمجھ گئے کہ گورداسپور کا اکثر حصہ وہ ہندوستان کو دے گا۔لیکن ان دونوں تحصیلوں فیروز پور اور زیرہ کے بارے میں ریڈکلف کہتا تھا۔ کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ مسلمان اکثریت کے علاقے ہیں۔ پاکستان میں جائیں گے۔ یہ تو غالباً نہرو نے محسوس کر کے کہ ستلج کا جو سسٹم تھا۔ اس کے ہیڈ ورکس پھر پاکستان آ جائیں گے۔ دوسرے بیکانیر (ریاست) کے متعلق پوزیشن واضح نہیں تھی کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرتی ہے یا ہندوستان کے ساتھ۔ اگر ریاست بیکانیر کی نہرادھر آ جاتی۔ میرا خیال ہے اس امکانی صورت حال کے پیشِ نظر نہرو نے وائسرائے (مونٹ بیٹن) کے ذریعے یہ تبدیلی کروالی ہوگی۔س:۔ ویسے بھی مونٹ بیٹن کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے تھے۔ج:۔ اس سے تعلقات اچھے تھے اور لوگ بھی یہ کہا کرتے تھے۔

Lady Mountbaten is in love with the eyelashes of Nehru.

(لیڈی مونٹ بیٹن نہرو کی پلکوں میں اسیر ہو چکی ہے) انہوں نے یہ دیکھ کے کہ اس طریقے سے وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ انہیں کوئی عار نہ تھی۔ جبکہ مقابلے میں قائداعظمؒ کی طبیعت میں قطعاً اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔ خوشامد کرنا یا کوئی ایسی بات۔س:۔ وہ تو اوّل کھرے انسان تھے۔ کوئی لاگ لپیٹ نہیں۔ج:۔HE WAS A MAN OF COMPLETE INTEGRITY.(وہ ہر لحاظ سے دیانتدار انسان تھے)

اب جو انہوں نے سارا بنالیا ہے۔ میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ پاکستان تو بنا ہی اس لیے ہے کہ اسلام کی اشاعت کا انتظام ہو۔ قائداعظمؒ کا مطلب تھا کہ مسلمانوں کی کلچرل حفاظت ہونی چاہیئے۔ اگر ہم مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہے تو انہوں نے ہمارا کچھ نہیں چھوڑنا۔ پاکستان بلکہ دونوں ملکوں کا اس وقت یہ تھا کہ جہاں ایک شہری آزادیوں کا تعلق ہے۔ ان میں کسی قسم کی تمیز نہیں برتی جائے گی۔ یہ تو انہوں نے بعد میں دشمنی کی وجہ سے بنالیا کہ ظفر اللہ خاں کو مونٹ بیٹن لایا۔ قائداعظمؒ کو ان چیزوں کا نہیں تھا کہ مرزائی ہے۔ شیعہ ہے۔ اسمٰعیلی ہے۔ ان کا تو یہ تھا کہ جو شخص پاکستان کے لیے ہمدرد ہو اور پاکستان کے کام آ سکتا ہو، وہ ٹھیک ہے۔ جب قائداعظمؒ نے مجھے وزیر خارجہ منتخب کیا تو اس وقت کسی کو جرأت نہیں تھی کہ بات کرتا۔ جرأت کے علاوہ جب میں یونائیٹڈ نیشنز سے واپس آتا تھا تو کراچی ائرپورٹ پر تل دھرنے کے لیے جگہ نہیں ہوتی تھی۔ اتنے لوگ مجھے ویلکم کرنے آتے تھے۔ اس وقت انہیں نہیں پتہ تھا کہ یہ مرزائی ہے۔ اب کہتے ہیں، مونٹ بیٹن لایا تھا۔ یہ تو جب پرائم منسٹر شپ (خواجہ ناظم الدین) میں کمزوری آ گئی تو ملاؤں کا حوصلہ بڑھا۔س:۔ یہ جو آئے روز خالص مذہبی اور لادینی طرز حکومت کی بحث چل نکلتی ہے۔ لطف یہ کہ دونوں کے مؤید نام قائداعظمؒ کا ہی استعمال کرتے ہیں۔

ج:۔ میاں نام لیتے ہیں قائداعظمؒ کا لیکن ان کا جتنا کانسیپٹ (CONCEPT) تھا۔ سارا کم کر دیا ہے۔ اس کو ایک ملّاں سٹیٹ بنا دیا ہے، قائداعظمؒ نے کبھی اسے ملّاں سٹیٹ بنانے کا عزم نہیں کیا تھا۔ وہ کہتے تھے مذہب تمہارا اپنا اپنا کام ہے۔ اس کو رکھو۔ بحیثیت پاکستانی تم سب برابر ہو۔ کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ اب کرتے ہیں مقابلہ ایک کہتا ہے کہ قائداعظمؒ سیکولر (لادینی) سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ دوسرا بولتا ہے، نہیں قائداعظمؒ اسے ایک تھیوکریٹک (مذہبی) سٹیٹ بنانا چاہتے تھے اور یہ اسی غرض سے وجود میں آئی۔ اور بات یہ ہے کہ تھیوکریٹک اور سیکولر بالکل ایک دوسرے کی اپوزیشن نہیں ہیں۔ وہ بھی ایک آنکھ سے کانا ہے۔ یہ بھی ایک آنکھ سے کانا ہے۔ دونوں اس طرح ایک دوسرے کے پاس سے گزر جاتے ہیں کہ ٹاکرا نہیں ہوتا۔س:۔ آپ انہیں کیسے ڈیفائن کریں گے۔ج:۔ تھیوکریٹک سٹیٹ اس کو کہتے ہیں جس میں PRIESTHOOD رُول کرنے۔ اسلامی تھیوکریٹک سیٹ ہو کیسے سکتی ہے جب اسلام میں PRIESTHOOD نہیں۔ نہ اجازت ہے۔س:۔

PRIESTHOOD کو ہم ملّائیت کہیں گے؟ ج:۔ جو بھی نام آپ رکھ لیں، اور سیکولر (لا دینی) کے دعویدار تھیوکریٹک کے مقابلے پر کہتے ہیں۔ایک لحاظ سے اسلام میں کوئی سیکولرزم نہیں۔اسلام انسان کی زندگی کے ہر پہلو کی اصلاح بھی کرتا ہے اور سٹینڈرڈز بھی مقرر کرتا ہے۔اسلام میں دنیا دین کے تابع ہے۔اسلام نے یہ نہیں کہا کہ تم دنیا مت کماؤ، اسلام یہ کہتا ہے کہ تم دنیا کماؤ لیکن مقصد تمہارا دنیا نہ ہو۔س:۔''لارڈ مونٹ بیٹن ری میمبرز انڈیا'' کے عنوان سے بی بی سی ٹیلی ویژن نے کچھ عرصہ پہلے ایک سیریز شروع کی تھی۔اس کی تیسری قسط میں لارڈ مونٹ بیٹن نے کہا کہ میں نے مسٹر جناحؒ سے کہا کہ آپ صرف پنجاب کیوں نہیں لے لیتے بنگال کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔وہاں کے لوگ آسانی سے مغربی بنگال سے مل جائیں گے۔وہ پہلے بنگالی ہیں۔جناحؒ (قائداعظمؒ) نے میری بات تسلیم نہ کی اور کہا کہ ہمیں ایک قابل عمل مملکت کے دونوں حصے چاہئیں۔ج:۔یعنی ایک تو واقعہ کے طور پر مجھے اس کا علم نہیں اور دوسرے یہ کہ مونٹ بیٹن کا کیا اختیار تھا کہ اگر سکھ تقسیم چاہتے پنجاب کی تو وہ پورا پنجاب پاکستان کو دے دیتا اور تیسرے اگر بنگال کے مسلمان چاہتے پاکستان میں آنا، بنگال کے مسلمانوں پر کسی نے کوئی جبر نہیں کیا تھا۔اس وقت وہ یہی چاہتے تھے کہ ہم پاکستان کا حصّہ بننا چاہتے ہیں تو قائداعظمؒ اور مونٹ بیٹن مل کر یہ کہتے۔نہیں ہم تمہیں پاکستان میں نہیں لینا چاہتے۔عملاً یہ کوئی دانائی کی بات معلوم نہیں ہوتی کہ ایسا ہوا ہو۔میرے علم میں تو نہیں۔اچھا، اگر ہو جاتا تو یہ صحیح ہے۔میں اپنی رائے میں سمجھتا ہوں کہ ایک لحاظ سے مغربی پاکستان میں متوازن حالت پیدا ہو جاتی۔ کیونکہ ایک اقلیّت کی تائید حاصل کرنے کے لیے سکھوں کو WEIGHTAGE (تناسب سے زیادہ نمائندگی) دینا پڑتا۔لیکن یہ بعد میں ایک دو جو مل چکی ہے، اور بڑی مضبوط ہے کہ کسی غیر مسلم کو ہم برداشت نہیں کر سکتے یہ یا تو رک جاتی جو میرے خیال میں مفید ثابت ہوتی یا پھر اگر چل پڑتی تو سارا وقت فساد ہوتے رہتے۔تو یہ بھی بعد کی باتیں ہیں کہ یوں ہو جاتا تو کیا ہوتا کیا نہ ہوتا اور یہ بڑی دانائی کی بات تھی۔اور قائداعظمؒ نے انکار کر دیا اور یہ غلطی تھی۔میں کہتا ہوں پچھلا سب کچھ، جو کچھ ہوا ان کی نگاہ میں غلط ہوا۔تو ہو گیا۔اگر صحیح ہوا تو ہو گیا۔وہ بات ختم ہو گئی۔اب بھی اگر سارے عنصر آپس میں مشورہ کریں، جوڑ کریں، ملک کو سدھارنا چاہیں۔ایک ہی بات لیں۔دو لے لیں۔پہلی بات تو یہ کہ ہر انسان پر سب سے پہلے جو بات اثر کرتی ہے، وہ اس کے پیٹ کی بُھوک ہے۔تو ہمارے اقتصادی حالات ایسے ہیں کہ اگر ان میں سرمایہ کار اور مزدور اور صنعت کار کا آپس میں جوڑ ہو اور بہت سے، اتفاق سے محنت شروع کریں تاکہ ملک کی پیداوار بڑھے۔ بیشک یہ بات کہنے میں سادہ ہے لیکن کرنے میں اتنی ہی مشکل ہے۔جتنی ہر بات کرنے میں مشکل ہے۔لیکن اس رستے میں جو مشکلات ہیں۔ان کا علاج آسانی سے ہو سکتا ہے۔ بیشک مزدور کو اس کی مزدوری کا جائز حق ملنا چاہیئے لیکن سرمایہ کار کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مزدور کی صنعت کار کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔جتنی کہ سرمایہ کار کی۔اس میں کسی سیاسیات کی یا حکومت کے کرنے نہ کرنے کی بات نہیں۔ہمیں خود بھی سوچنا چاہیئے کہ کوئی انکم پیدا ہو۔اس وقت ملک خیرات پر چل رہا ہے، اور کب تک چلے گا۔خیرات پر دن بدن حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔دوسری بات یہ کہ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ایک اسلامی مملکت ہیں۔اسلامی دفعہ رائج کریں گے۔اصلاح صرف سزاؤں کے جاری کر دینے سے نہیں ہو سکتی۔اصلاح اخلاق کے درست کرنے سے ہوتی ہے۔اور اخلاق درست ہوتا ہے۔اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے کہ زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے اور وہ ایک بار کہہ دینے سے نہیں ہوتا۔بار بار نصیحت کرنے سے، بار بار نصیحت کرنے سے، بار بار نصیحت کرنے سے۔مثالوں کے ساتھ سمجھانے سے اپیل کرنے سے، تب جا کے تبدیلی ہوتی ہے۔س:۔اسی انٹرویو میں مونٹ بیٹن نے مزید کہا ہے کہ''میں ایک کے بعد ایک دلیل دیتا رہا مگر وہ متزلزل نہیں ہوئے، وہ ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے

پاکستان کے قیام کے بارے میں متشدّد تھے۔اور یہ بات بھی ان کو اپنے ارادے سے باز نہ رکھ سکی۔کہ وہ ایک ملک نہیں بنا سکتے۔یہ دوایسے ملک ہوں گے جوایک دوسرے سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہوں گے۔میں نے جناحؒ (قائداعظمؒ) سے کہا کہ یہ بات قابل عمل نہیں ہے۔تو انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات پھر آپ مجھے ایک ایسی پٹی (CORRIDOR) دے دیجئے۔جو دونوں حصوں کو ملا سکے۔''مونٹ بیٹن نے کہا کہ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زندگی کے حقائق کے بارے میں جناحؒ (قائداعظمؒ) کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ناکامی کی وجہ کیا تھی، میں نے جناحؒ (قائداعظمؒ) سے پوچھا کس قسم کی پٹی؟ زمین کی پٹی؟ ایسی پٹی جس میں غیر مسلموں کی آبادی ہوگی؟ جو قسمت کے ہاتھوں یرغمالی ہوں گے۔اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کا باعث بن سکتے ہیں۔میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔آپ دیوانگی کی بات کر رہے ہیں۔

ج:۔اس اقتباس کی رو سے مونٹ بیٹن نے خود تسلیم کیا ہے کہ یہ نا قابل عمل چیز ہے۔اس کا یہ کہنا کہ جناحؒ (قائداعظمؒ) حقائق کو نہیں جانتے تھے۔یہ بات غلط ہے۔ویسے بھی پٹی والی بات میں نے پہلے کبھی نہیں سُنی۔میرے نزدیک یہ ایک نا قابلِ عمل بات تھی۔اور میں کبھی یہ باور بھی نہیں کر سکتا کہ قائداعظمؒ نے کبھی ایسا کہا ہو۔س:۔مونٹ بیٹن نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اس وقت جناحؒ صاحب کو کہہ دیا تھا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان 25 سال کے اندر الگ ہو جائیں گے۔ج:۔ممکن ہے کہا ہو۔یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں، میرے پاس اس خط کی لندن میں کاپی موجود ہے۔جو میں نے صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کو لکھا تھا کہ یہ کش مکش جاری ہے۔ہمارا ان کے ساتھ نہ کلچر، نہ کھانا پینا، نہ لباس، نہ آب و ہوا، نہ زبان کوئی چیز کامن نہیں۔سوائے دین کے۔دین بیشک سب سے مضبوط رشتہ ہے۔بشرطیکہ اسے ہر بات پر ترجیح دی جائے۔اب اس بات کی طرف توجہ نہیں رہی۔ایسی صورت میں وہ اگر ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو انہیں مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کثرت میں وہ ہیں۔اگر اس وقت دانش مندی کے ساتھ کوئی طریق اختیار کر لیا جائے، بیشک علیحدگی ہو جائے۔لیکن آپس میں دوستانہ رہے۔آپس میں تعلقات اچھے رہیں۔تھوڑے عرصے بعد آپس میں تعاون کے کئی رستے نکل سکتے ہیں۔لیکن اگر خون بہنا شروع ہو گیا۔پھر وہ خون کی جو نہر ہوتی ہے۔وہ پاٹی نہیں جا سکتی۔اس کے معنی ہوں گے کہ دوستانہ قائم نہیں ہو سکتا۔یہ بھی احتیاط کرنی چاہیئے لیکن ہوا وہی۔س:۔یہ خط آپ نے کسی زمانے میں لکھا۔

ج:۔70ء میں کسی وقت۔(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المیۂ مشرقی پاکستان کے پانچ کردار) س:۔پیچھے آپ نے ذکر کیا ہے کہ جب پاکستان بن رہا تھا اس وقت بنگال والے چاہتے تھے شامل ہونا تو انہیں کیسے روکا جا سکتا ہے۔اس دلیل پر مونٹ بیٹن کی بات میں کیا وزن رہ جاتا ہے۔ج:۔ہاں، سن چالیس کے ریزولیوشن میں خود مختار مملکتوں کا ذکر ہے۔یہ تو مولوی اے کے فضل الحق نے بعد میں بنگال کی طرف سے درخواست کی تھی کہ ہم شامل ہونا چاہتے ہیں۔بنگالیوں کے کہنے پر شامل کیا گیا تھا۔س: ہم روک نہیں سکتے تھے۔ج:۔روک سکنے کی بات الگ تھی۔ممکن ہے کہا جا سکتا کہ ہم مدد نہیں کرنا چاہتے۔لیکن یہ ان کی درخواست پر کیا گیا۔وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا مغربی پاکستان کے ساتھ تعلق ہوگا۔وہ ان کے لیے مضبوطی کا باعث ہوگا۔اس وقت وہ اپنے ڈیفنس کا کیا انتظام کرتے۔س:۔ مونٹ بیٹن نے 25 سال والی بات اس وقت کی جب پاکستان ٹوٹ چکا تھا۔کم از کم میری معلومات تو یہی ہیں۔ج:۔بعد میں تو سبھی کہنے لگتے ہیں۔س:۔''اگر قائداعظمؒ کی زندگی میں پاکستان کا آئین بن جاتا تو بعد میں پیش آنے والے بہت سے مسائل پیدا نہ ہوتے۔اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ج:۔اس وقت پاکستان کو ہر طرف سے اس قدر مشکلات کا سامنا تھا کہ جو نسبتی اہمیت دوسرے امور کو دی جاتی ہے۔ان عملی مشکلات کے سامنے وہ اہمیت قائم نہیں رہی تھی۔جس چیز کا دباؤ آ کر پڑتا تھا، توجہ اس طرف ہو جاتی تھی۔لازماً ہو جاتی تھی۔ورنہ ملک آگے چلتا ہی ناں۔یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کانسٹی ٹیوشن (آئین)

تو ایک تھیوریٹیکل (کتابی) لحاظ سے بڑی جلدی اور بڑی عمدہ بن جائے اور ملک قائم رہے یا نہ رہے، ملک کا قیام ضروری تھا۔جس کے لیے آئین بننا تھا۔ملک کے تعلق میں جو مشکلات پیش آجاتی تھیں۔ان کا حل کرنا بہرصورت سبقت رکھتا تھا۔اس بات کی طرف کوئی غور نہیں کرتا کہ ایسے حالات میں پاکستان قائم ہوا کہ تمام دنیا سمجھتی تھی اور ہندوستان کو یقین تھا کہ یہ چند مہینے سے آگے نہیں چل سکے گا۔پھر ہاتھ جوڑ کے واپس آجائیں گے۔کہ ہمیں شامل کرلو۔ان حالات میں اس کا قائم رہنا یہ ایک بہت بڑی ہمت کا کام تھا۔اصل میں پردے کے پیچھے دیکھیں تو اللہ تعالیٰ ہی کا خاص فضل اور عنایت تھی۔ورنہ وسائل کے اعتبار سے ہمارے پاس کیا تھا۔اور اس وقت کتنی شخصیات تھیں ہمارے پاس ایک ملک کی سیاست کے لیے۔حکومت کے لیے۔محکمہ جات کے لیے۔میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا کہ جب ابھی ذہن اور خواب میں بھی پاکستان کا کوئی تصور نہیں تھا۔اللہ تعالیٰ نے 1920ء کی دہائی کے شروع میں ہی یہاں قیادت سر فضل حسین کے ہاتھ میں دیدی۔جنہوں نے اپنی وزارت (پنجاب) کے دوران میں اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبرشپ کے پانچ سال کے عرصے میں مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے اور ان کی حالت کو سدھارنے کے لیے وہ بنیادی کارہائے نمایاں کیے کہ جن کی یاد آج دلوں سے محو ہوگئی ہو بیشک لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ بات نہ ہوتی تو پاکستان کا وہ نظریہ سامنے آ بھی جاتا تو کہاں سے آتے لوگ۔پاکستان دس دن بھی نہ چلتا۔سر فضل حسین کو لڑائی کر کے منوانا پڑتا تھا کہ گورنمنٹ کے تعلیمی اداروں میں چالیس فی صد مسلمانوں کو داخلہ مل جائے۔55فی صد آبادی تھی اور چالیس فی صد داخلے کے لیے لڑائیاں کرنا پڑتی تھیں اور دوسری طرف سے سخت رویّے کا اظہار ہوتا تھا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اور اداروں کے متعلق تو فیصلہ ہوگیا۔لیکن ضلع گجرات میں رسول ایک جگہ ہے۔وہاں انجینئرنگ کا ایک سکول تھا۔اس میں مسلمانوں کے لیے چالیس فی صد داخلے کے لیے وزیر تعلیم (پنجاب) سر جوگندر سنگھ اڑے ہوئے تھے۔تو مجھے میاں صاحب نے صبح پانچ بجے بلوایا۔میں نے ماڈل ٹاؤن میں نئی نئی رہائش کی تھی سردیوں کے دن۔لیکن آپ کا ارشاد تھا۔میں پہنچا۔وہ اس سے بھی پہلے کام شروع کر دیتے تھے۔بیمار اس وقت بھی تھے۔سانس یوں لے رہے تھے۔سُوں ساں، سُوں ساں۔ایک ٹیبل لیمپ چھوٹا سا رکھا ہوا۔لحاف میں بیٹھے لکھ رہے تھے۔چھوٹے چھوٹے لفظ لکھتے تھے۔میں اسے ہائرو گلفکس کہا کرتا تھا۔تو اور باتیں بھی کی ہوں گی۔لیکن ایک بات ان کی جو پوری یاد ہے۔جس کے لیے خاص طور پر بلایا تھا۔انہوں نے کہا میں آج دورے پر جانے والا ہوں۔دورے پر جانے سے پہلے دس بجے گورنمنٹ ہاؤس میں میری ملاقات گورنر اور سر جوگندر سنگھ سے ہوگی۔اس وقت انہیں سر کا خطاب ملا تھا کہ نہیں۔مجھے نہیں معلوم۔کہنے لگے۔وہاں رسول انجینئرنگ سکول کا معاملہ پیش ہونا ہے۔اگر تو مسلمانوں کے لیے چالیس فی صد داخلے کا طے ہو گیا تو میں ٹیلی فون پر چودھری شہاب الدین کو مختصر طور پر بتا دوں گا۔اور اگر میری طرف سے کوئی پیغام نہ آیا تو تم یہ سمجھ لینا کہ یہ بات طے نہیں ہوئی تو انہوں نے مجھے ریزولیوشن دیا جو ان کا خود ڈرافٹ کیا ہوا تھا۔فرمایا۔اس ریزولیوشن کی دس نقلیں کروا کے پارٹی کے دس مسلمان ممبروں سے دستخط کروا کے دفتر بھجوا دیا۔یعنی اس قدر دور تک سوچتے اور تیاری کرتے تھے۔آج کون ہے جو اتنی محنت، اتنی توجہ اور اتنی دور بینی کے ساتھ کام کرتا ہو۔

سر فضل حسین اپنی صفات کے لحاظ سے ایک بالکل بے مثل انسان تھے۔طبیعت میں قطعاً کسی قسم کی نہ ذاتی غرض۔نہ کوئی اقربا پروری۔ایک مثال میں آپ کو دیتا ہوں۔ان کے بڑے صاحبزادے میاں نسیم حسین ایم اے پاس کر کے پراونشل سروس میں نامزد ہو کے آ گئے تھے۔ان کا میرا بڑا دوستانہ تھا۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تم میاں صاحب سے کہہ دو کہ وہ پولیٹیکل سیکرٹری سے کہہ کر مجھے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں

منتقل کروادیں۔تو بہ نسبت عام سروس کے وہاں میرے آگے بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ میں نے ایک روز موقع پا کر میاں صاحب سے عرض کر دیا۔میاں صاحب نے مجھ سے کہا''تم سے یہ سُن کر مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔میرا خیال تھا کہ تم میری طبیعت کو جانتے ہو گے۔کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنے بیٹے کے لیے کسی سے کوئی درخواست کروں کہ وہ ایسا کر دے۔'' وہ اس کیریکٹر کے آدمی تھے۔اللہ تعالیٰ کی ایک تو یہ عنایت چلی آتی ہے۔اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی پاکستان پر خاص عنایت ہے اگر پاکستان اس عنایت کا مستحق رہتا ہے، پھر تو بچے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی بے قدری کرنے کا ختم ہو جائے گا۔ختم ہو جائے گا کے معنی ہیں کہ قابلِ احترام نہ رہا،کسی گنتی یا شمار میں نہ رہا۔باقی یوں تو ملک ختم ہونے کو ایسی لازم بات نہیں ہوتی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس وقت 1920ء کے زمانے ہیں، پاکستان تو 27 سال بعد جا کے بنتا ہے۔ اس وقت سے یہ بنیاد رکھی گئی کہ کم سے کم پنجاب میں ایک عنصر نوجوانوں کا ایسا پیدا ہو جائے جو اپنی تعلیم کے لحاظ سے ملک کی خدمت کر سکے۔ جو آئندہ بننے والا تھا۔ باقی میرا موقف یہی ہے کہ ان باتوں کا تاریخ کے طور پر مطالعہ کرنا اور ان سے سبق حاصل کرنا لازم ہے، جو قوم اپنی تاریخ کو بھلا دیتی ہے یا اس پر غور نہیں کرتی وہ کبھی شاہراہِ ترقی پر قدم زن نہیں ہو سکتی۔لیکن یہ تنقید کر دینا کہ یوں کر دیا اور یوں کیوں نہ کیا، یہ دماغ کی بھی تضیع ہے اور وقت کی بھی تضیع ہے۔ انسان کو اپنے تجربے،علم، مشاہدے، مطالعے اور تاریخ پر غور کے نتیجے میں مستعدی سے عمل کرنا چاہیئے۔اس چیز کی کمی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ بالکل نہیں ہے۔اگر بالکل ہی نہ ہو تو ختم ہو جائے۔ بات آگے چلے ہی نہ،لیکن اس طرف زیادہ توجہ ہونی چاہیئے۔

س:۔ ایوب کھوڑو کا معاملہ آپ کے زمانے میں پیش آیا۔اس کی تفصیلات کا کچھ معلوم ہے۔ج:۔ مجھے نہیں معلوم۔س:۔ پنجاب میں دولتانہ ممدوٹ جو چپقلش شروع ہو گئی تھی۔سنا ہے، قائداعظمؒ بڑے نالاں تھے۔آپ کے علم میں ہے کچھ۔ج: نہیں۔ مجھے نہیں معلوم۔اتنا مجھے یاد ہے۔ممتاز (دولتانہ) کا ذکر آ گیا ہے۔ممتاز کے ساتھ میرا تعلق اس کے بچپن سے تھا۔چوہدری شہاب الدین صاحب ان کے خالو تھے، اور میں ''انڈین کیسز'' میں اسٹنٹ ایڈیٹر تھا۔پھر تو ایک دو سال بعد عملاً ایڈیٹری وغیرہ سب چوہدری صاحب نے میرے سپرد کر دی۔ چوہدری صاحب میرے والد صاحب کے دوست تھے۔ یوں بھی ضلع سیالکوٹ کے جاٹ ہونے کی وجہ سے بھی تعلق تھا۔ علاقہ تھا۔ مجھ پر ان کی بہت بہت مہربانیاں ہیں۔ احسانات وغیرہ ہیں۔ممتاز ابھی بچہ ہی تھا کہ اس وقت سے میرا اس کے ساتھ تعلق چلا آ رہا تھا۔ اس کے والد احمد یار دولتانہ صاحب کے ساتھ بھی میرے تعلقات تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو (ممتاز دولتانہ) دماغ بھی اچھا دیا تھا۔اس کی تعلیم بہت اچھی تھی۔آکسفورڈ میں پڑھا تھا۔ پھر اس کو موقع بھی بڑی جلدی مل گیا۔تو میری وزارتِ خارجہ کے زمانے میں جب یہ کراچی آتا، اور میں وہاں ہوتا تو مجھے ملنے آتا تو میں نے اس کو بار بار کہا: ممتاز تمہاری عمر ابھی چھوٹی ہے، تمہارے لیے بڑا موقع ہے۔ اگر تم ایک بات کی اصلاح کر لو تو تم پاکستان کے وزیر اعظم بنو گے۔اور وہ یہ ہے کہ تم INTRIGUE (سازش، جوڑ توڑ) کرنا چھوڑ دو۔تو یہ مسکرا کے کہتا۔نہیں انکل مجھ کو ہمیشہ انکل ہی کہتا تھا۔اب بھی ملے تو غالباً انکل ہی کہے۔ اچھا تو مجھے یہ یہی جواب دیتا۔ انکل میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی۔لیکن پھر وہی بات ہو جاتی تھی، یا تو میں جو انٹریگ کے معنی کرتا تھا۔ان کے ساتھ اسے اتفاق نہیں تھا یا یہ کہ انٹریگ اس کی زندگی کا سانس تھی۔جس کے بغیر وہ گزارا نہیں کر سکتا تھا۔نہیں تو سیاسی لیڈر بننے کے لیے وہ تمام ضروری خوبیوں کا حامل تھا۔یعنی کسی بات کا محتاج نہیں تھا میں نے اس سے کہا تھا کہ تم سیاست کے لیے آئیڈیل آدمی ہو۔تمہیں یہ ضرورت نہیں کہ آج مہینے کی تنخواہ نہ آئی تو پورا مہینہ کیسے گزارا کریں گے تمہارے اپنے وسائل اتنے ہیں کہ تمہیں کسی بات کی محتاجی نہیں۔تمہاری تعلیم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتنی ہے۔تمہارا دماغ بڑا اچھا ہے یوں بھی

تمہیں اپنے صوبے میں تھوڑی سی نیکنامی بھی ہے،صوبے میں اپنے آپ کو محکم بنا کر اثباتی خدمات کر کے تم اپنا مقام قائم کرو۔ باقی سب لوگ جو اس وقت ہیں اقتدار وغیرہ میں۔تمہارے سے کئی کئی سال بڑے ہی سہی۔تمہاری باری بھی آ جائے گی۔ وقت سے پہلے ہی شاید آ جائے،تم سیاست میں پاکستان کی قیادت کرو گے۔لیکن شائد ہے میرا تھا۔ چاہتا تھا۔فوراً ہو جائے۔س:۔اور مقابلے میں ممدوٹ۔ج:۔سیدھا سادا۔ات بھلا مانس۔س:۔سردار شوکت حیات۔ج:۔سردار شرکت حیات نے ایک دفعہ اسمبلی میں،آئین ساز اسمبلی کہلاتی تھی اس وقت پارلیمنٹ کا کام بھی کرتی تھی۔ایک روز سردار شوکت حیات ہمارے لوگوں کے متعلق کہنے لگے کہ یہ تو انگریز کے خوشامدی تھے۔ایسا تھا۔ویسا تھا۔اجلاس ابھی برخاست نہیں ہوا تھا،کسی وقت اٹھ کے ہمارے پاس بیٹھ بھی جایا کرتے تھے۔ میں نے کہا شوکت آپ کے مُنہ سے یہ بات جچتی نہیں۔انہوں نے کہا،تمہاری یہ مراد ہے کہ میرا باپ میرا دادسب سے بڑھ کر خوشامدی تھے۔ٹھیک بات ہے۔ میں کہنے کو تیار ہوں، میں مانتا ہوں،تو یوں واہ واہ کرانے کے لیے خواہ مخواہ کوئی بات مُنہ سے نکال دینی۔اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔س:۔قائداعظمؒ نے خطابات کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔آپ کے پاس بھی تو سر کا خطاب تھا۔ج:۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کسی وقت یہ اعلان کیا تھا کہ خطابات واپس کر دو۔س:۔1946ء میں۔

ج:۔ میں ان باتوں کو کوئی وقعت نہیں دیتا کہ خطاب ملے نہ ملے اور اگر خطاب ہو تو چھوڑ دیا جائے یا رکھ لیا جائے۔ میں آپ کو واقعہ بتاتا ہوں۔ 33ء کے آخیر میں مجھے اور تین اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی شخصیات کو پریوی کونسل کا رکن بنانے کی تجویز ہوئی۔ ہز ہائی نیس سر آغا خاں،سر اکبر حیدری،سر تیج بہادر سپرو، چوتھا میرا نام تھا۔ مجھے کہیں سے بھنک پڑ گئی۔اس وقت سیکرٹری آف سٹیٹ سموئیل ہور تھے۔میں نے ان سے منت کی کہ آپ میرا نام چھوڑ دیں۔انہوں نے اس قسم کا اظہار کیا کہ جتنے بھی مذاکرات وغیرہ ہو رہے ہیں۔جتنی تم نے کنٹری بیوشن کی ہے۔کسی اور نے نہیں کی۔ میں دوسروں کو کیا بتاؤں۔ میں نے کہا،آپ کسی طور پر ان صاحبان سے عذر کر دیں۔تو انہوں نے وائسرائے لارڈ ولنگڈن کو بھی اس بات کی اطلاع کر دی ہوگی۔انہیں یہ پس منظر معلوم تھا تو 35ء میں جب میں میاں صاحب کی جگہ ایگز یکٹو کونسل کا مستقل ممبر ہوا تو وائسرائے نے کہا کہ مائی ڈیئر میں جانتا ہوں کہ آپ خطاب وطاب پسند نہیں کرتے۔لیکن کونسل کے تمام ممبران کو ان کے تقرر پر نائٹ ہڈ دی جاتی ہے۔ میں نے آپ کی سفارش کر دی تھی۔فہرست شائع ہونے والی ہے۔ میں نے سوچا کہ آپ کو پہلے ہی بتا دوں میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ اب تو میں آپ کا نوکر ہوں۔آپ جو چاہیں کریں۔تو مجھے نہ خطابات کی حرص بھی۔اور نہ میں اس کو کوئی بڑی قربانی سمجھتا ہوں کہ اگر ملا ہوا ہے۔تو اسے واپس کرو۔ یہ چُھٹ پن کی بات ہے۔ نہ مجھے شوق ہے استعمال کرنے کا۔ یہ لوگ میرے نام کے ساتھ استعمال کر لیتے ہیں پھر جس موقع کا آپ ذکر کر رہے ہیں کہ قائداعظمؒ نے خطابات کی واپسی کا مطالبہ کیا۔اس وقت میں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کا جج تھا۔ سیاسیات میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ خطاب رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔س:۔حسین شہید سہروردیؒ کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ ج:۔ میں ان کو 37ء سے جانتا تھا۔ جب میاں صاحب کی جگہ عارضی طور پر مرکزی وزیر بنا تھا۔تو اُس وقت کمیونل ایوارڈ کے سلسلے میں وہاں گیا تھا۔اس وقت ایوارڈ شائع ہونے والا تھا۔شہید سہروری نے مجھے متاثر کیا تھا۔ اور واپسی پر میں نے وائسرائے سے بات بھی کی کہ ہائی کورٹ کی جج شپ کے لیے شہید سہروردی بہت موزوں ہیں۔لیکن شہید سہروردی کو سیاست مرغوب تھی۔اس لیے بات آگے چلی نہیں۔ جب میں پاکستان کا وزیر خارجہ تھا۔قائداعظمؒ نے مجھے حکم دیا کہ 4 جنوری (1948ء) کو برما کے جشن آزادی پر وہاں میں پاکستان کی نمائندگی کروں۔ اس زمانے میں رنگون پہنچنے کے لیے کلکتہ میں میں چودھری بشیر احمد صاحب کے

صاحبزادے انور احمد کے ہاں ٹھہرا۔ وہاں شہید سہروردی مجھے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے بہت حد تک مسلمانوں کو قتلِ عام سے بچایا تھا۔ ٹہلتے رہے اور بات کرتے رہے۔ ساتھ ڈکار پر ڈکار مارے چلے جا رہے تھے۔ پھر بیمار پڑ جاتے تھے۔ پھر جب یہ پرائم منسٹر ہو گئے، تو ایک بار میں انہیں ملنے گیا۔ تو بیمار پڑے تھے۔ میں نے از راہِ تفنن کہا: یہاں اپنے سامنے ایک پھٹی پر لکھوا کے لٹکا دیں کہ اگر میں اپنی بُھوک پر کنٹرول نہیں کر سکتا، تو میں ایک ملک پر حکومت کیسے کر سکتا ہوں۔

س: ۔ پُرخوری کے ذکر سے یاد آیا کہ اس ضمن میں تو خواجہ ناظم الدین کا مشہور تھا کہ بہت کھاتے تھے۔ ج: ۔ کھاتے وہ بھی بہت تھے۔ جب یہ بنگال (مشرقی پاکستان) میں چیف منسٹر تھے۔ تو ان کے اس وقت کے سیکرٹری نے مجھے سنایا کہ ایک دفعہ کسی نے دعوت کی تو مان لیا آٹھ بجے آئیں گے۔ دو تین دن بعد اسی دن کی دعوت کسی اور نے دیدی تو انہوں نے کہا اچھی بات سات بجے آ جائیں گے اور دو تین دن بعد کسی اور نے بھی اسی دن کی دعوت دے دی۔ کہا۔ اچھی بات آپ کے ہاں نو بجے آ جائیں گے۔ ایک دن میں تین دعوتیں مان لیں۔ سات بجے، آٹھ بجے، نو بجے، سات بجے والی سے خوب اچھی طرح سے کھایا۔ وہاں سے آٹھ بجے والی میں پہنچے۔ ابھی درمیان میں ہی تھے کہ طبیعت خراب ہو گئی، گھر تشریف لے آئے، ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر کو معلوم ہوتا تھا۔ وہ تیار ہو کے آتا تھا، صبح کو سیکرٹری حاضر ہوا تو اسے کہا ''ارے میاں وہ ٹیلی فون کرو تیسری جگہ'' سیکرٹری نے کہا، جی وہ تو رات کو ہی کر دیا تھا۔ طبیعت خراب ہو گئی تشریف نہیں لا سکتے۔'' کہنے لگے۔ نہیں، نہیں وہاں سے دریافت کروانہوں نے پکایا کیا تھا۔ جب سیکرٹری نے مجھے یہ واقعہ سنایا تو میں نے اس پر یہ شعر عائد کیا تھا۔

یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

اور ان کے ہاں کھانا اتنا لذیز ہوتا تھا میں نے کہیں اور نہیں دیکھا EXCELLENT ان کے ہاں بھی اور خواجہ شہاب الدین کے ہاں بھی۔ س: ۔ ایوب خان جب صدر ہوئے تو انہوں نے اپنی صدارت کے زمانے میں ان پر الزام لگایا کہ جب میں کمانڈر انچیف تھا، تو جب بھی ان کے پاس جاتا تو یہ فائلوں کے پیچھے سو رہے ہوتے تھے۔ ج: ۔ خیر، وہ الگ بات ہے۔ نیند کا آ جانا کام کے درمیان۔ س: ۔ خواجہ صاحب نے اس کا جواب دیا کہ وہ فائلیں ان کی ملازمت میں توسیع کے متعلق ہوتی تھیں۔ ج: ۔ خواجہ صاحب ذاتی اور انفرادی طور پر بڑے نیک آدمی تھے۔ اور بڑے متواضع، بڑے خلیق۔ لیکن قوتِ فیصلہ بہت کمزور تھی۔ س: ۔ گورنر جنرل ہی رہتے تو زیادہ موزوں تھا۔ ج: ۔ ہاں نہایت موزوں تھے۔ گورنر جنرل تھے تو اپنی مُرغیوں وُرغیوں میں لگے رہتے تھے۔ کوئی دخل نہیں دیتے تھے اور ان کے بعد جو صاحب آئے وہ طاقت برتنے کے اس قدر متمنی تھے۔ بلکہ ایک دفعہ پرائم منسٹر نئے نئے ہوئے تھے، خواجہ صاحب۔ کیبنٹ میٹنگ ہو رہی تھی کہنے لگے ارے بھائی کیبنٹ کے فیصلوں کے کاغذات بھیج دیا کرو۔ گورنر جنرل صاحب کہتے ہیں کہ سب کاغذات ان کے پاس آنے چاہئیں، ہمیں تو کوئی بھیجتا نہیں تھا۔ س: ۔ وہ غلطی نہیں ہوئی جو ملک غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔ ج: ۔ یہ اسی قسم کا سوال ہے جو پہلے میں کہہ چکا ہوں۔ ان باتوں میں جانے کا کیا فائدہ؟ اوّل تو ہمارے پاس تھے ہی کتنے۔ س: ۔ ملک صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ گالیاں بہت دیتے تھے۔ ج: ۔ ہاں! دیتے تھے بہت دیتے تھے۔ ان کا اپنا قول ہے۔ مجھ سے کہا تھا کہ میاں شریفوں کے ساتھ شریف ہوں اور بدمعاشوں کے ساتھ ان سے بڑھ کر بدمعاش ہوں۔ س: ۔ ملک غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑی۔ مولوی تمیز الدین خاں مرحوم نے چیلنج کیا۔ سندھ چیف کورٹ سے وہ جیت گئے۔ سپریم کورٹ میں آ کر وہ ہار گئے۔ جسٹس منیر پر سارا الزام آتا ہے۔ ج: ۔ میں نے نہ اس مسئلے پر غور کیا ہے نہ اس فیصلے کو اچھی طرح سے پڑھا ہے میری طبیعت میں یہ تاثر

ہے۔اگر وہی فیصلہ آپ کی مراد ہے۔نظریہ ضرورت والا تو قانونی لحاظ سے زیادہ صحیح فیصلہ ہے۔یہ جو ہماری سپریم کورٹ کی کوشش ہے یا بعض اور عناصر کی بھی کوشش ہے کہ نظریہ ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ جتنی ضرورت ہے۔اس کے مطابق جو گورنمنٹ قائم ہو چکی ہے۔اس کے اختیارات کی حد بندی ہو سکتی ہے۔یہ نظریہ خالص قانونی نقطہ نگاہ سے بالکل غلط ہے۔میں اس وقت تنقید نہیں کر رہا۔لیکن نظریہ ضرورت یہ ہے کہ جب ایک حکومت قائم ہو جائے خواہ کسی طور طو پر قائم ہو جائے، وہ ذرائع آئینی ہوں یا غیر آئینی ہوں لیکن جب ایک بار قائم ہو جائے۔تو پھر نظریہ ضرورت یہ ہے کہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کے جاری کردہ احکام وغیرہ کا نفاذ ہو گا۔اور ان کو اختیار ہے، اس پر کوئی عدالت یا کوئی اور جو دعویدار ہو اس کی حد بندی کا وہ کوئی حد بندی نہیں کر سکتا۔کیونکہ مثلاً اگر کوئی عدالت حد بندی کر سکتی ہو کہ ہم قرار دیتے ہیں کہ اتنے سے زائد اختیار ضروری نہیں، میں نے تو کہا ہے کہ یہ نظریہ ہے غلط اگر وہ یہ قرار دیں جو اس وقت صاحبِ اقتدار فرد یا ادارہ ہو، وہ عدالت کو بھی منسوخ کر سکتا ہے کہ جاؤ سلام علیکم،نظریہ ضرورت کی تعریف تو وہی ہے کہ جب قائم ہو جائے ایک حکومت۔خواہ آئینی طور پر ہوئی یا غیر آئینی طور پر ہوئی۔اس کے قیام کے بعد اسے تسلیم کرنا پڑے گا وہ جو خود حد بندی کرے گی اس کی وہ پابند ہے کسی اور کی حد بندی کی پابند نہیں۔

س:۔قائداعظمؒ کے متعلق آپ نے کہا کہ اس وقت کے گمبھیر مسائل کے باعث آئین سازی کا کام سبقت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔لیکن لیاقت علی خاں کو تو وقت مل گیا تھا۔ج:۔ہاں وقت بھی تھا۔لیکن توجہ زیادہ ان امور کی طرف تھی جن کا اثر روز کی زندگی پر پڑتا کچھ عرصہ تو سب کے لیے مہاجرین کا معاملہ پیشِ نظر رہا۔میں نے کسی غیر پاکستانی سے سنا کہ ہم قائل ہو گئے کہ پاکستان نے اپنی ہستی کو پورے طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اتنے بڑے امتحان میں سے بچ نکلے ورنہ مہاجرین والا ہی اتنا بڑا معاملہ تھا کہ اس پر سی ٹوٹ جاتا۔س:۔آپ کا مطلب ہے کہ حالات ہی ایسے تھے۔آئین بنانے نہ بنانے میں کسی کی بدنیتی شامل نہیں تھی۔ج:۔کسی کی بھی بدنیتی شامل نہیں تھی۔س:۔تبادلۂ خیال تو پھر بھی ہوتا ہو گا۔ج:۔ہاں، نقطۂ نظر میں کچھ اختلافات بھی سامنے آئے۔س:۔مثلاً۔ج:۔مثلاً بعض امور میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ملک غلام محمد صاحب کے نقطۂ نظر میں اختلاف ہوتا تھا۔س:۔اختلافی نکات کیا ہوتے تھے۔ج:۔مولانا اسلامی نقطۂ نگاہ وغیرہ کے لحاظ سے غالباً زیادہ سیف گارڈز چاہتے تھے۔ملک غلام محمد صاحب جو اس وقت وزیر خزانہ تھے۔ان کا نقطۂ نظر زیادہ لبرل تھا۔س:۔مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔

ج:۔ہاں، ہمارے ساتھ تھے دستور ساز اسمبلی میں۔س:۔انہوں نے کبھی آپ کے عقیدے کو گفتگو کا موضوع بنایا؟ ج:نہیں،عقیدے پر کبھی گفتگو نہیں ہوئی، وہ عام ملّاں کی طرح نہیں تھے۔سینس ایبل (معقول) آدمی تھے۔مولانا بھی قراردادِ مقاصد والی کمیٹی میں تھے اور میں بھی تھا۔مجھے اقبال شیدائی نے کہا کہ مولانا کہتے ہیں جسے ہم کافر سمجھتے ہیں۔وہ تو دین کی بات کر دیتا ہے۔لیکن سب ایسے نہیں۔دراصل ان کی ملک غلام محمد صاحب سے رہتی تھی۔ملک صاحب سخت انٹی ملّاں تھے۔جب وہ گورنر جنرل ہوئے اور وزارت کی از سرِ نو تنظیم کا مرحلہ آیا تو مجھے بلایا ہوا تھا۔چوہدری محمد علی صاحب بھی تھے۔یہ طے پا رہا تھا کہ کون ہو اور کون نہ ہو، میں نے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کا نام لیا۔ملک صاحب نے کہا چوہدری صاحب ملّاں ہے ملّاں۔میں نے کہا، کوئی بات نہیں۔اس پر ملک صاحب نے کہا، اچھا اگر آپ کہتے ہیں تو انہیں رہنے دیتے ہیں۔س:۔آپ پر ایک اعتراض اکثر ہوتا ہے کہ آپ نے قائداعظمؒ کا جنازہ نہیں پڑھا۔ج:۔ہاں یہ ٹھیک بات ہے۔میں نے نہیں پڑھا، یعنی قائداعظمؒ کا جنازہ پڑھتا تو اعتراض کی بات تھی کہ یہ شخص منافق ہے، یہ تو غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے اور اس نے تو پڑھ لیا، تب تو میرے کیریکٹر کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ منافق ہے۔اس کا عقیدہ کچھ ہے، عمل کچھ کرتا ہے۔اس نے ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی خاطر قائداعظمؒ کا تو

پڑھ لیا تھا۔میرے عقیدے کو وہ جانتے ہیں۔میرے عقیدے کو انہوں نے ناٹ مسلم قرار دیا ہے تو اگر میں آئینی اور قانونی اعتبار سے ناٹ مسلم ہوں تو ایک ناٹ مسلم پر کیسے واجب ہے کہ مسلمان کا جنازہ پڑھے۔ان کی اپنی کرتوت تو سامنے ہونی چاہیئے، نہ پڑھنے پر کیا اعتراض ہے، سارے جہان کو معلوم ہے کہ ہم نہیں پڑھتے غیر احمدی کا جنازہ۔ورنہ ان کا اعتراض بنتا۔ہمیشہ اعتراض کرتے اور بڑی مضبوطی سے کرتے کہ بڑا بے ایمان ہے۔قائداعظمؒ میں کون سا فرق تھا۔جو اس نے پڑھ لیا۔

جہاں تک احترام کا تعلق ہے میں نے پورا احترام کیا۔میں گیا۔ساتھ موجود رہا۔میری تو بعض تصاویر بھی چھپی تھیں۔ان سے ظاہر ہے کہ میں کسی قدر غم کی حالت میں بیٹھا ہوں۔اگر میں یونہی ہوتا اس تصویر سے ظاہر ہو جاتا۔مجھے تو نہیں پتہ تھا کہ میری تصویر لے لیں گے۔س:۔اس کا مطلب ہے کہ آپ دوسروں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ج:۔جنازہ ایک شرعی عمل ہے۔تو جن لوگوں نے شروع سے ہی ہم پر فتویٰ لکھ کر نہیں اسلام سے خارج کر دیا اور ہمارے پیچھے نماز پڑھنا اور ہمارے جنازے پڑھنا سب بند کر دیئے۔اور جب شروع شروع میں ہم نے کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھا تو ہمارے اس آدمی کو مارا پیٹا گیا، کہ کافر ہو کر مسلمان کا جنازہ پڑھتا ہے تو ان کے متعلق بانیٔ سلسلہ کا موقف یہ تھا کہ اگر یہ لوگ اعلانیہ طور پر ان لوگوں کو ملزم قرار دیں جنہوں نے ہم پر فتوے لگائے کہ وہ ایسا فتویٰ لگانے میں غلط تھے،اس کے بغیر ہم دوسروں کے جنازے نہیں پڑھتے۔ہماری جماعت میں تنظیم ہے۔ہمارا ایک امام ہے،ہم اس کی بات مانتے ہیں۔ہمیں فرداً فرداً اجازت نہیں کہ ہر ایک اپنا اپنا فیصلہ بھی کرے اور تنظیم کے ماتحت بھی رہے۔س:۔اور دعائے مغفرت۔ج:۔وہ ہمیشہ ہم کرتے ہیں۔اب بھی کرتے ہیں، یہ ہمیں منع نہیں۔س:۔قرآن خوانی۔

ج:۔قرآن خوانی وغیرہ کو ہم رسم سمجھتے ہیں۔ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت ایسا ہوا ہو۔اور کسی بھی بدعت میں ہم حصہ نہیں لیتے لیکن یہ کہ قبر پر جانے کا اتفاق ہو تو مغفرت کے لیے دعا کریں۔یہ جائز ہے۔س:۔قائداعظمؒ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا۔ج:۔ممکن ہے ہوا ہو۔ذہن میں نہیں آرہا۔س:۔وزارت کے زمانے میں ہوتا ہوگا۔ج:۔وہ ہوتا ہوگا لازم نہیں تھا،لیکن میرے ذہن میں ہے کہ اس طور پر ہے قبر۔بلکہ یہ بھی کہ تھوڑے فاصلے پر لیاقت علی خاں کی قبر بھی ہے۔گیا ہوں گا میں ضرور کسی وقت۔ایک بار تو کم از کم ضرور گیا ہوں گا لیاقت علی صاحب کی شہادت کے بعد۔س:۔لیاقت علی کے قتل کا سراغ کیوں نہیں لگ سکا۔ج:۔مجھے کیا معلوم کیوں نہیں لگ سکا۔کمیٹی مقرر ہوئی تھی۔سب کچھ ہوا۔ایک پاگل آدمی تھا۔اس کے ذہن میں آ گیا۔کر دیا اس نے۔کون بتائے کہ یہ ضرور یا افغانستان نے کروایا ہے یا انگریزوں نے کروایا ہے یا خواجہ ناظم الدین نے کروایا ہے یا خواجہ شہاب الدین نے کروایا ہے۔س:۔الزام لگانے والے تو دولتانہ پر بھی لگاتے ہیں۔گورمانی اور غلام محمد کا کچھ زیادہ ہی ذکر آتا ہے۔اس بات کا بھی تذکرہ آتا ہے کہ وہ 16 اکتوبر (51ء) والی تقریر میں جو اہم اعلان کرنے والے تھے اس میں چودھری ظفر اللہ خاں کی برطرفی بھی تھی۔ج:۔اگر وہ تقریر میں اعلان کرنے والے تھے تو مجھے انہوں نے اس کی اطلاع دے دی ہوئی ہوتی ضرور کہ وہاں سے بس کرو۔واپس آؤ۔میں نے تمہیں الگ کر دیا ہے۔یہ میں نے پہلی بار سُنا ہے آپ سے۔س:۔اُس طرح ان سے آپ کے اچھے تعلقات رہے۔ج:۔ہاں،آخر وقت تک ہمیشہ اچھے تعلقات رہے۔س:۔ان پر کسی نے پریشر ڈالا کہ ظفر اللہ خان کو ہٹاؤ۔ج:۔اس وقت تو یہ مسئلہ ہی نہیں تھا۔اس وقت تو میں واپس آیا کرتا تھا کراچی ائرپورٹ پر تل دھرنے کے لیے جگہ نہیں ہوتی تھی۔اتنے لوگ مجھے ویلکم کرنے کے لیے آیا کرتے تھے۔عوام کا کیا ہوتا ہے۔آج اِدھر ہیں کل اُدھر ہیں۔س:۔سردار عبدالربّ نشترؔ مرحوم کے متعلق آپ کی رائے؟ ج:۔اصولی آدمی تھے۔مثلاً دینی عقائد کے لحاظ سے وہ بالکل ہمارے مخالف تھے۔لیکن جن دنوں وہ پنجاب کے گورنر تھے۔انہوں نے ہمارے ساتھ

کسی قسم کی زیادتی یا ناانصافی نہیں برتی۔ اس وقت ہمارا قادیان والا کالج ضلع کچہری میں ڈی اے دی کالج کی بلڈنگ میں تھا۔ علماء ایک ڈیلیگیشن لے کے لئے کہ انہیں وہ عمارت اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) کی توسیع کے لیے چاہیے۔ نشتر صاحب نے کہا اچھی بات، وہ عمارت متروکہ ہے۔ ویسی یا اس سے بہتر عمارت مجھے بتادیں، وہ میں انہیں دے دوں گا۔ اور آپ کو وہ عمارت (ڈی اے دی کالج والی) دیدوں گا۔ یعنی نشتر صاحب کو ہمارے عقائد سے اختلاف ضرور تھا لیکن تعصّب نہیں تھا۔ اگرچہ بعد میں ہم کالج کو چنیوٹ لے گئے اور پھر ربوہ۔

س:۔ سیاسی لیڈر کے طور پر وہ کیسے تھے؟ ج:۔ عبدالرّب نشتر بہت مضبوط کردار کے مالک تھے۔ جب گورنر جنرل ملک غلام محمد صاحب نے خواجہ ناظم الدین صاحب کی وزارت برطرف کی تو گورنر جنرل نے مجھے کہا کہ نشتر صاحب اگر پسند کریں تو انہیں سفیر بنا کے بھیج دیا جائے۔ میں انہیں ملا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ صرف اس لیے کہ اصول کا مسئلہ تھا کہ یہاں جوان کے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ گزرے گی۔ انہیں بھی وہ حالات برداشت کرنے چاہئیں۔ انہیں چھوڑ کے کیسے جائیں۔ اس طرح انہوں نے سفارت قبول نہ کی لیکن ملک کے اندر رہتے ہوئے۔ کوئی شرارت یا فساد وغیرہ بھی نہیں کیا۔ س:۔ کہتے ہیں ان کی قوتِ فیصلہ کمزور تھی۔ اگر ان میں یہ خامی نہ ہوتی تو وہ خواجہ ناظم الدین کی جگہ وزیراعظم ہوتے۔ ج:۔ میرے خیال میں وہ بہت مضبوط قوت فیصلہ کے مالک تھے۔ اس وقت مغربی پاکستان کا پرائم منسٹر ہو نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ گورنر جنرل اُدھر کا تھا۔ پھر تو شور مچ جاتا۔ خواجہ صاحب تو گورنر جنرل بھی مشرقی پاکستان کی وجہ سے ہوئے تھے۔ قائداعظمؒ کے سلسلے میں بات اور تھی وہ تو بابائے قومؒ تھے۔ نشتر صاحب کو خدا تعالیٰ نے شخصی وجاہت بھی دی ہوئی تھی۔ جن دنوں یہ بیمار تھے میں کراچی آیا۔ شیخ اعجاز احمد صاحب نے بتایا کہ نشتر صاحب بیمار ہیں۔ میں جناح ہسپتال پہنچا۔ بتاتے رہے، کس طرح طبیعت بگڑی۔ میں اٹھنے لگا تو میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں رکھ کے کہا۔ چودھری صاحب میرے لیے دُعا کرنا۔ چودھری صاحب میرے لیے دُعا کرنا۔ چودھری صاحب میرے لیے دُعا کرنا۔ مطلب یہ کہ اختلافِ عقائد کے باوجود ان کا یہ روّیہ ہوتا تھا اور وہ اپنے عقیدے پر بہت سخت تھے۔ عقیدے کے معاملے میں سمجھوتے والی بھی کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن متعصب نہیں تھے۔ س:۔ ایسے انسانوں میں آخر کچھ خوبیاں ہوتی ہیں کہ لوگ ان کا احترام کرتے ہیں۔ میں نے تو دیکھا کہ لیاقت علی خاں پر لوگ اعتراض کر جاتے ہیں، غلط کرتے ہیں، یا صحیح، یہ الگ بات ہے لیکن نشتر صاحب کی بڑی عزّت ہے۔ ج:۔ مجھے کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی کہ سردار عبدالرّب نشتر کی کیوں نہ عزّت کی جائے، جہاں تک لیاقت علی کا تعلق ہے۔ ایک لحاظ سے وہ اتنے پاپولر نہیں تھے۔ جتنے کہ نشتر تھے۔ ایک بات تو یہ کہ وزیراعظم کو فرصت بہت کم ہوتی تھی۔ کام بہت تھا۔ محتاط بہت تھے۔ جلد باز نہیں تھے۔ جہاں جلد بازی کی ضرورت ہوتی وہاں بھی سوچ سمجھ کے چلتے۔ اس لیے عوام کے ساتھ ان کا رابطہ کم تھا۔ نشتر صاحب کا زیادہ تھا۔ دوسرے بیگم رعنا لیاقت علی خاں کے خلاف تعصّب بہت تھا۔ پہلے ہندو خاندان کی تھیں۔ پھر عیسائی ہوئیں۔ نواب صاحب سے شادی کے وقت مسلمان ہو گئیں۔ علماء ان کے بہت خلاف تھے۔ لیکن لیاقت علی صاحب کی وفات کے بعد بیگم صاحبہ میں بہت تبدیلی آئی، انہیں میں 37ء سے جانتا تھا جب ٹریڈ ڈیلیگیشن انگلستان گیا تو لیاقت علی صاحب میرے ایڈوائزر تھے، یہ بھی ساتھ تھیں۔ میں نے اس وقت بھی ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی جسے قابلِ اعتراض کہا جا سکے۔ ٹھیک ہے لباس فیشن ایبل ہوتا تھا لیکن جب لیاقت علی صاحب والا واقعۂ فاجعہ ہوا تو یہ سارا سارا دن گھر پر رہتی تھیں۔ قرآنِ کریم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ بچوں کو بھی قرآن کریم لے کے دیئے۔ جس طرح غم میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے لگیں۔ مجھے خدشہ ہوا کہیں انہیں ذہنی دھچکا نہ لگے۔ چنانچہ میں نے انہیں آمادہ کیا کہ آپ ہالینڈ میں پاکستان کی سفیر بن جائیں۔ اس کے بعد میں نے وزیراعظم (محمد علی بوگرہ) اور گورنر

جنرل (ملک غلام محمد) سے ان کے تقرر کی منظوری لی۔ وہ ہالینڈ میں ڈپلو میٹک کور کی پہلی ڈین بنیں۔ستمبر 54ء سے ستمبر 61ء تک وہاں رہیں۔ وہاں اس قدر تندہی اور خلوص نیت سے سفارتی خدمات انجام دیں کہ ہر دلعزیزی میں ملکہ جولیانہ کے بعد ان کا نام آنے لگا۔

اسلام سے شیفتگی کا حال یہ تھا کہ ملکہ کو انہوں نے اسلام پر ایک انگریزی کتاب ''انٹر پریٹیشن آف اسلام'' بھی پیش کی۔ دیکھئے وہ ہندو گھرانے میں پیدا ہوئیں، جوان ہوئیں تو عیسائی تھیں۔نوابزادہ صاحب سے شادی ہوئی تو مسلمان ہوگئیں۔لیکن اسلامی غیرت کا یہ حال تھا، میں عالمی عدالت انصاف میں جج تھا، ایک دو پہر مجھے ایک دو ورقہ دیا جو انگریزی میں ٹائپ تھا وہ ہیگ کے ایک روزنامے کا افتتاحیہ تھا جس میں انڈونیشیا والوں پر طنز کی گئی تھی کہ وہ ہر خامی کا الزام ہالینڈ کے سر نہ تھونپیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ لوگ اسلام جیسے دقیانوسی مذہب سے چمٹے رہیں گے تو ترقی نہیں کر سکیں گے۔ بیگم صاحبہ نے مجھے کہا کہ اس کا جواب کل تک تیار ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ وہ جواب اسی روزنامے میں چھپا۔اور اس کا پرچہ بیگم رعنا لیاقت علی نے ہیگ میں موجود تمام سفیروں کو بھجوا دیا۔ایک روز پھر مجھے ان کا فون آیا۔ میں پہنچا تو بڑی مضطرب تھیں۔فرمایا: ہمارا پاکستانی ملازم جو ہمارے گھر میں پلا بڑھا۔جس کی وہاں کراچی میں شادی بھی ہو چکی ہے۔ یہاں آ کے کسی عیسائی لڑکی کی زلف کا اسیر ہو چکا ہے اور اس لڑکی کی خاطر عیسائی مذہب اختیار کرنے پر تیار ہے اور ایک پادری کی شاگردی میں گرجا کی رسوم وغیرہ سیکھ رہا ہے۔بیگم صاحبہ بڑی برا فروختہ تھیں کہ سورج غروب ہونے سے پہلے اسے ہوائی جہاز پر بٹھا دیا جائے۔ میں نہیں برداشت کر سکتی کہ لیاقت علی کے گھر میں پلا ہوا شخص عیسائی ہو جائے۔ چنانچہ جب بیگم صاحبہ کو بتایا گیا کہ اس لڑکے کو جہاز میں سوار کر دیا گیا ہے۔تو ان کی جان میں جان آئی۔س:۔آپ نے ذکر کیا کہ لیاقت علی خاں جلد باز نہیں تھے۔سوچ سمجھ کے چلتے تھے۔ یہ تو خوبی ہوئی؟ ج:۔ ہاں، فیصلے کرتے وقت جلد بازی سے کام نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ایک روز پرائم منسٹر کے گھر کوئی استقبالیہ تھا۔ڈنر تھا۔ میں ان کی پیٹھ پیچھے کھڑا تھا۔انہیں نہیں پتہ تھا کہ قریب ہی کھڑا ہوں، شائد میں بیگم لیاقت علی کے ساتھ بات کر رہا تھا۔تو وہ کسی ایمبیسیڈر سے کہہ رہے تھے۔ وہ مجھے فارن منسٹر نہیں بلکہ مائی فارن منسٹر کہا کرتے تھے۔تو وہ اس سے کہہ رہے تھے۔جیسا کہ میرا وزیر خارجہ کہتا ہے میں تو ایک پوسٹ آفس کی مانند ہوں چٹھی ڈال جاؤ۔ دیر سے پہنچے جواب لیکن پہنچ جاتا ہے۔شاید میں نے انہی سے پوچھا یا بیگم لیاقت علی سے کہ ان تک بات کیسے پہنچی کیوں کہ میں نے کہی ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگیں پہنچ گئی ہوگی کسی طرح۔تو لیاقت علی خاں فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے سوچتے تھے پھر فیصلہ کرتے تھے۔

س:۔ یہ تو خوبی ہے۔ج: ہاں۔س:۔ دیانتداری اور راست روی بہت تھی۔ ج:۔ دیانتداری کا قطعاً کوئی شک نہیں تھا اس وقت یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ ہم میں سے وہ خط جو شاہ فیصل نے 5 مئی 1948ء کو سر ظفر اللہ خان کو لکھا۔

SAUDI ARABIAN DELEGATION UNITED NATIONS

NEW YORK 9 East 62 Street, May 5, 1948

His Excellency Sir Mohammed Zafrullah Khan Minister of Foreign Affairs Dominion of Pakistan

My dear friend: Al salamu alaikum wa rahmat Allah.

It is with great regret that I learned of your departure on Friday and wish to take this opportunity to express to you our heartfelt thanks for your close cooperation and the noble stand which Your Excellency has taken, not only during this meeting, but since the question of Palestine has been put

before the United Nations.Allow me to state that your high principles have created a desire on the part of all righteous persons to identify themselves with the efforts of Your Ex-clemency, not only on behalf of all the Arabs, but Moslems all over the world as well.In keeping with this sentiment, I wish you in your forthcoming trip, a safe journey home and may God Almighty help you in the development of your be-loved Country. Yours most sincerely, Faisal al Saud

کسی پر بھی شک نہیں تھا کہ کوئی رشوت یا ذاتی اغراض میں گھرا ہوا ہو۔مثلاً ایسٹ پاکستان سے فضل الرحمٰن تھے۔کوئی اتنے قابل نہیں تھے۔لیکن وہ دیانتداری کا مرقع تھے۔کوئی کسی قسم کی رشوت نہیں، بڑے اختلاف ان سے ہوتے تھے۔وہ الگ بات ہے۔اب تو بے چارہ فوت ہوگیا ہے۔چودھری نذیر احمد خاں، لیاقت علی خاں نے ایک وزیر کی اپوائنٹمنٹ کرنی تھی تو ان کے ذہن میں کوئی پروفیسر تھا۔میرے ساتھ انہوں نے مشورہ کیا اور شاید ملک غلام محمد سے بھی کیا یا چودھری محمد علی سے کیا۔میرے علاوہ بھی ایک اور سے مشورہ کیا۔ہم دونوں نے کہا۔نذیر احمد بہتر رہے گا۔چنانچہ انہوں نے نذیر احمد کو لے لیا۔بعد میں نذیر احمد کے متعلق شکوے شکایات آنے لگیں تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ بھی چرچل کی طرح سگار ان کے منہ میں ہوتا تھا۔کہنے لگے۔آپ ہی نے مجھ سے کہا تھا۔میں نے کہا ٹھیک ہے۔مجھے کیا پتہ تھا یہ عادت ہے اس کی۔پھر جب لیاقت علی صاحب والا واقعہ ہوگیا اور خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم ہوئے تو فضل الرحمٰن تھا کامرس منسٹر اور یہ تھا انڈسٹریز منسٹر۔ایک دفعہ کیبنٹ میں فضل الرحمٰن کے کسی فیصلے پر کوئی نکتہ چینی ہوئی تو اس نے کہا کہ مجھے تو انڈسٹریز کے منسٹر نے کہا تھا۔کوئی رعایت انہوں نے (نذیر احمد) کی تھی باٹا کے ساتھ۔یہ باٹا کے لیگل ایڈوائزر رہ چکے تھے، اس وجہ سے۔جب فضل الرحمٰن کو حقیقت معلوم ہوئی۔بات تو چھوٹی تھی، پھر فضل الرحمٰن اوپر سے چیچی وڈّے، خواجہ صاحب سے کہے کہ بے ایمان ہے اسے نکالو۔خواجہ صاحب نے اسے نکال دیا۔

س:۔چودھری صاحب، جن دنوں آپ اقوام متحدہ میں تھے۔انہی دنوں شاہ فیصل سعودی عرب کی نمائندگی کے لیے وہاں تھے۔ان سے ملاقات تو رہتی ہوگی۔

ج:۔شاہ فیصل کے ساتھ میرا بڑا دوستانہ تھا۔بغیر عربوں میں اکیلا میں ہی تھا عرب ممالک کی جب کوئی میٹنگ ہوتی تھی، یونائیٹڈ نیشنز وغیرہ میں تو امیر فیصل، اس وقت تو وزیر خارجہ تھے۔بادشاہ نہیں ہوئے تھے۔اس لیے امیر فیصل کہلاتے تھے۔تو جب کوئی یو این او میں میٹنگ ہوتی تو امیر فیصل مجھے بلاتے تھے۔ساتھ بٹھاتے تھے۔اس طرح میرا ہاتھ پکڑ کر سہلاتے رہتے۔مسکرا کر کہتے۔

THIS IS MY GREATEST ENEMY.

(یہ میرا سب سے بڑا دشمن ہے۔)

مذاق سے کہتے، محبت کے اظہار میں، پھر ایک کلاک انہوں نے مجھے دیا۔بڑی دیر تک یہاں رہا۔تو جب یہ فارن منسٹر تھے، ہر سال ملاقات ہو جاتی تھی۔یونائیٹڈ نیشنز میں۔پھر جب بادشاہ ہوگئے۔ملاقات کا سلسلہ بند ہوگیا۔کیونکہ بادشاہ تو جاتا نہیں یو این او میں ان کے نمائندے جمیل بارودی تھے بڑا عرصہ رہے۔وہ بھی عجیب ہستی تھے۔شام کے عیسائی تھے۔اس بات کا سوائے عربوں کے بہت کم لوگوں کو علم تھا۔وہ کوئی اظہار بھی اس بات کا نہیں کرتے تھے، ان کی شادی امریکی عورت سے ہوئی تھی لیکن ان کی بیوی کبھی اقوام متحدہ میں نہیں آئی تھی میں نے

کبھی نہیں دیکھی۔ جب تقریر کرتے تو بالکل اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ بڑا مخلص مسلمان تقریر کر رہا ہے۔

WE HAVE A CULTURE WHICH OUR NOBLE PROPHET HAS LEFT US AS HIS .LEGACY

(ہمارا کلچر وہ ہے جو ہمارے پیغمبر میراث کے طور پر چھوڑ گئے ہیں۔) امیر فیصل کے ساتھ ان کا بڑا ذاتی تعلق تھا۔ کسی نے ان سے نام پوچھا، تو انہوں نے کہا جمیل بارودی۔

SO YOU MAY . BAROOD MEANS GUNPOWDER.JAMIL MEANS BEAUTIFUL .CALL ME THE BEAUTIFUL SON OF A GUN

(جمیل کے معنی ہیں خوبصورت، بارود کے معنی بارود، تو میں بندوق کا خوبصورت بیٹا ہوں) یوں شکل وصورت کے لحاظ سے سادہ تھے، بہر حال۔

س:۔شاہ فیصل مرحوم کی شخصیت کے متعلق آپ کیا کہیں گے۔ خاص طور پر 73ء کے حوالے سے جب وہ عالمی افق پر ایک مدبّر کے طور پر ابھرتے ہیں۔

ج:۔ان کی بادشاہ عبدالعزیز کے سارے بیٹوں میں بڑی ممتاز شخصیت تھی۔ ایک تو انہوں نے ساری عمر ایک شادی رکھی۔ بڑے اعلیٰ کیریکٹر کے تھے۔ کوئی سکینڈل نہیں تھا کسی قسم کا بھی۔ چال چلن بڑا اچھا تھا۔ ان کی طرف کسی قسم کی کوئی ناواجب بات کبھی منسوب نہیں ہوئی۔ ایک لمبا عرصہ فارن منسٹر رہے تھے۔ اس لیے باہر سے تعلقات بھی بہت اچھے تھے۔ مدبّر بھی تھے۔ طبیعت بڑی منکسر تھی۔

س:۔کوئی شاہانہ رعونت نہیں۔

ج:۔ناں، یہ ان میں سے کسی میں بھی نہیں۔ سعودیوں میں کسی میں بھی نہیں۔ چَوڑ چَپٹ کوئی نئیں۔ ابھی یہ فارن منسٹر تھے۔ میں نے کہا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں حج کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا، حج ابھی گرمیوں کی شدّت میں آتا ہے۔ ہم جو انتظام اپنے لیے کرتے ہیں۔ وہی تیرے لئے بھی کر دیں گے۔ ائرکنڈیشنڈ کوچ بھی دے دیں گے اور ساری باتیں کریں گے۔ لیکن وہ گرمی ہمارے سے بھی برداشت نہیں ہوتی۔ چند سال رک جا۔ موسم ٹھیک ہو لینے دے۔ پھر بعد میں جب میں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں تھا۔ یہ بادشاہ ہو چکے تھے۔ میں نے جمیل بارودی سے کہا، اس نے تار دیا۔ بادشاہ نے بھی بذریعہ تار جواب دیا۔ اس میں لکھا تھا۔ اسے کہو میں کون ہوں اجازت دینے والا۔ وہ فیصلہ کر لے اور آ جائے۔ البتہ ہمارے سفیر کو کراچی میں اطلاع کر دے تاکہ ہم اس کے مطابق انتظامات کر دیں۔

س:۔آپ کے عقائد کا انہیں علم تھا۔ ج:۔میرے عقائد کا کسے علم نہیں۔ س:۔اس کے باوجود ان کا رویّہ یہ تھا۔ ج: ہاں۔ س:۔آپ کس سال حج کے لیے گئے۔ ج:۔ 1967ء میں، اور میں ان کا مہمان تھا۔ س:۔ملاقات ہوئی۔ ج: ہوئی۔ بلکہ جس دن منیٰ کے لیے چلنا ہوتا ہے اس سے پہلی شام بادشاہ کی طرف سے ایک شاندار عشائیہ دیا جاتا ہے۔ اس میں مجھے بھی بلایا ہوا تھا۔ چوہدری بشیر احمد صاحب کا بڑا صاحبزادہ انور احمد بھی میرے ساتھ تھا۔ شامیانے میں جس جگہ مجھے بٹھایا میری کرسی بادشاہ سے دو کرسی چھوڑ کر تھی، وہ بھی درمیان میں دو شہزادے تھے جو وزراء بھی تھے۔ ان کے دائیں طرف تھی۔ جب شاہ فیصل تشریف لائے تو پہلے میرے پاس آ کر مجھے خوش آمدید کہا۔ مصافحہ کیا۔ پھر اپنی نشست پر جا کے

بیٹھے، بہت احترام کرتے تھے۔ یہ جب بعد میں انہوں نے ہمارا حج بند کیا۔اس وقت میں نے انہیں چٹھی تھی۔انہوں نے مجھے اس چھٹی کا جواب بھیجا۔.......................اوراس جواب میں انہوں نے لکھا۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ ، پھرآخر میں والسلام بھی لکھا۔اس میں انہوں نے لکھا کہ تمہاری چٹھی آئی تھی۔میں تو مسائل زیادہ نہیں جانتا۔ میں نے وہ علماء کو پیش کردی تھی۔ان کے تاثرات بھیج رہا ہوں،ان کا کہنا ہے کہ تمہارے عقائد تواتر کے خلاف ہیں۔اس پر مجھے ہنسی بھی آئی۔یہ خود حنبلی ہیں۔حنفیوں نے ان کا حج بھی بند کیے رکھا تھا کہ ان کے عقائد تواتر کے خلاف تھے۔خیر میں نے یہ بات تو نہ لکھی۔ بہرصورت، بڑے احترام کے ساتھ انہوں نے لکھا۔انہیں تو یہ کہہ کے بدظن کیا گیا تھا کہ احمدی اسرائیلیوں کے جاسوس ہیں۔اس بات پر عرب اور خاص طور پر سعودی بڑے حسّاس ہیں۔اس وقت میرا ان سے رابطہ نہیں رہا تھا۔ورنہ میں ان سے بات کرتا۔س:۔لیکن یہ بات عام ہے کہ آپ لوگ اسرائیل کے جاسوس ہیں۔ج:۔کوئی دلیل۔س:۔آپ کا وہاں مشن موجود ہے۔ج:۔ہاں، ہے ہمارا وہاں مشن،لیکن وہ اسرائیل کے قائم ہونے سے مدتوں پہلے سے ہے۔اسرائیل کی ریاست کے قیام کے وقت اسرائیل کی حدود کے اندر ایک خاص تعداد مسلمان اور عیسائی عربوں کی تھی جن میں سے بعض تو اپنا وطن ترک کر کے ساتھ کے عرب ممالک میں منتقل ہو گئے اور بعض وہیں مقیم رہے۔ہماری جماعت میں سے بھی بعض اسرائیل کی حدود سے باہر چلے گئے اور بعض وہیں مقیم رہے تو بجائے اس کے کہ یہ دیکھیں کہ یہ اسرائیل میں بیٹھ کر بھی اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔عقائد میں بعض فرق سہی لیکن بہرصورت لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہی پڑھاتے ہیں ہم بھی۔کہتے ہیں جی اسرائیل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔اور یہاں سے چندے لے کر روپے وہاں پہنچاتے ہیں۔اور یہ کہ ہم اسرائیل کی جاسوسی کرتے ہیں۔کسی ایک کو پکڑ کر آج تک ظاہر میں نہیں لائے۔اسرائیل کے قیام کے خلاف سب سے زیادہ موثر تقریریں کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا کی تھی۔سارا عرب مانتا ہے اس بات کو کہ فلسطین کے مسئلے پر یونائیٹڈ نیشنز میں سب سے مضبوط آواز اس شخص نے بلند کی۔عجیب بات ہے کہ ہم ان کے ایجنٹ بھی ہیں۔اوران کے خلاف تقریریں بھی کرتے ہیں۔میں اس کتاب کا نام بھول رہا ہوں،اسرائیل کی ریاست کے قیام کے متعلق کسی یہودی نے لکھی تھی اور ایک یہودی نے ہی مجھے دکھائی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ باقی سب کی دلیلوں کا ہم جواب دے لیتے تھے، پاکستان کے وزیر خارجہ کے دلائل کا ہمارے پاس جواب نہیں تھا۔

شاہ فیصل نے تحریری طور پر میری ان خدمات کو سراہا ہے۔مئی 1948ء میں انہوں نے ایک خط میں لکھا کہ جب سے یونائیٹڈ نیشنز میں فلسطین کا مسئلہ پیش ہوا ہے،آپ نے جس بھرپور تعاون اور خلوصِ نیت سے ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔اس کے لیے ہمارے دل ممنونیت کے جذبات سے بھرے پڑے ہیں۔

حسن اصفہانی امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے۔قائداعظمؒ کے ساتھ اس کی خط و کتابت اب تو چھپ چکی ہے۔14 اکتوبر 1947ء کو انہوں نے قائداعظمؒ کو ایک خط لکھا۔اس وقت میں یونائیٹڈ نیشنز میں فلسطین کے مسئلے پر پاکستان کی نمائندگی کر رہا تھا۔اصفہانی لکھتے ہیں۔

I can briefly tell you that Pakistan Delegation to the United Nations has acquitted itself more than well. Sir Zafarullah delivered one of the finest speeches heard, in the United Nations on the Palestine question. We are working as a perfect team and without boasting, have created an excellent impression. Pakistan is right on the map.

(میں اس بات کا مختصر ذکر کروں گا کہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد نے توقع سے بڑھ کر کارکردگی دکھائی ہے۔فلسطین کے مسئلہ پر سرظفراللہ نے جو تقریر کی۔وہ اقوام متحدہ میں اس مسئلے پر ہونے والی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے۔ہم باتیں بنانے کی بجائے یہاں ایک مکمل ٹیم کی طرح کام کررہے ہیں،جس نے عمدہ تاثر پیدا کیا ہے۔پاکستان نے اپنا آپ منوالیا ہے۔)

قائداعظمؒ نے نام ایک اور خط میں 15اکتوبر 1947ء کو اصفہانی لکھتے ہیں۔

Sir Zafarullah has made a big hit over the Palestine case and has put Pakistan in the front row. He is wanted back to represent Pakistan before the Assets and liabilities Tribunal. He shall have to leave long before the U.N. session ends. His work has just begun. We shall miss his company and his guidance.

(سرظفراللہ نے فلسطین کے مسئلہ پر اقوام متحدہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔اس طرح وہ پاکستان کو صف اوّل میں لے آئے ہیں، اثاثوں اور کفالتوں کے ٹریبونل میں پاکستان کی نمائندگی کے لیے انہیں واپس بلایا جارہا ہے۔اس طرح انہیں اقوام متحدہ کا سیشن ختم ہونے سے بہت پہلے واپس جانا پڑے گا،جبکہ ان کا کام ابھی تو شروع ہوا ہے۔وہ چلے گئے تو یہاں ہم ان کی رفاقت اور رہنمائی سے محروم رہ جائیں گے؟)

22اکتوبر 1947ء کو قائداعظمؒ نے ان دونوں خطوط کے جواب میں حسن اصفہانی کو لکھا:

As regards Zafrullah, we do not mean that he should leave his work so long as it is necessary for him to stay there, and I think he has already been informed to that effect, but naturally we are very short here of capable men, and especially of his caliber, and every now and then our eyes naturally turn to him for various problems that we have to solve.

(جہاں تک ظفراللہ کا تعلق ہے ہم نہیں چاہتے کہ وہ اس وقت وہاں (اقوام متحدہ) اپنا کام چھوڑ کے واپس آجائیں جب کہ ان کا وہاں قیام ضروری ہو میرا خیال ہے کہ انہیں اس امر کی اطلاع دیدی گئی ہے۔لیکن یہ ایک قدرتی بات ہے کہ یہاں ہمارے پاس اہل خاص طور پر ان جیسی صلاحیتوں کے حامل افراد کی کمی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل کے حل کے لیے ہماری نگاہیں بار باران کی طرف اُٹھتی ہیں۔)

میں جب 1973ء میں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کی صدارت سے ریٹائر ہوا تو بھٹو صاحب نے تار دیا،جس میں بڑی تعریف کی تھی۔ انہوں نے لکھا: آپ نے کئی دہائیوں تک پاکستان کے عوام اور بین الاقوامی برادری کی بے لوث خدمت کی ہے۔برّصغیر میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن حاصل کرنے والی تحریک میں آپ نے لیڈنگ ممبر کے طور پر کام کیا۔1931ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہے۔اس طرح قیام پاکستان کے سلسلے میں آپ نے اہم رول ادا کیا اور وزیرخارجہ کی حیثیت سے پاکستان کے ابتدائی سات سالوں کے دوران ملک کے لیے بہت کام کیا۔جس سے بیرونی دنیا میں پاکستان کے ابتدائی سات سالوں کے دوران ملک کے لیے بہت کام کیا۔جس سے بیرونی دُنیا میں پاکستان کا وقار بڑھا اور بین الاقوامی فورم پر اس کی آواز میں وزن پیدا ہوا۔آپ کی خدمات یہیں ختم نہیں ہوجاتیں آپ نے یو این او کی جنرل اسمبلی کے صدر اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے جج کی حیثیت سے صرف بین الاقوامی برادری کی ہی خدمت نہیں کی بلکہ پاکستان کے وقار میں اضافہ کیا ہے۔''

مراکش کی آزادی کے سلسلے میں میں نے جو کچھ کیا آج تک مراکش کے شاہ حسن اس بات کے معترف ہیں۔انہوں نے مجھے ابھی پچھلے سال (1980ء)اپنے ہاں مدعو کیا۔اور فرمایا۔ مجھے آپ کا وہ رول اچھی طرح سے یاد ہے۔ بھلا وہ میں کیسے بھول سکتا ہوں۔اگر ہم اسرائیل کے لیے اپنے ملک کی جاسوسی کرتے ہیں تو اس سے ہمیں حاصل کیا ہوسکتا ہے۔س:۔الزام لگانے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ عالمِ اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیے۔ج:۔ ہم ان کے کہنے پر عالمِ اسلام کو نقصان پہنچائیں گے تو اسرائیل والے دوسرے مسلمانوں کی جگہ ہمیں کھڑا کردیں گے۔یعنی ایک قدم بھی آگے نہیں سوچتے کہ یہ لوگ اگر یہاں بیٹھ کے جاسوسی کرتے ہیں تو اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ پھر اس سے انہیں حاصل کیا ہوجائے گا۔کیا اس سے ہماری جماعت کو ترقی ہوجائے گی۔حالانکہ یہ واضح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں سب سے زیادہ کامیابی اب تک مسلمانوں میں سے ہوئی ہے اور مسلمانوں میں سے ہوگی۔ جو ہمارے شانہ بشانہ ہیں۔اسلام کے لیے قربانی کرنے والے تو یہ لوگ ہیں یا اسرائیلی آ کے کریں گے۔سوچتے نہیں جو مُنہ میں آیا کہہ ڈالتے ہیں۔س:۔دوسری تبلیغی جماعتوں کے اسرائیل میں مشن ہیں۔ج:۔ میں نہیں جانتا۔س:۔اسرائیل گورنمنٹ آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالتی۔ج:۔نہیں،کوئی خاص رکاوٹ نہیں۔ہم سیاست میں کوئی دخل نہیں دیتے۔وہ جانتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ کوئی مشکل پیدا نہیں کرتے۔س:۔کسی حد تک وہاں کامیابی ہوئی۔کسی یہودی کو بھی کنورٹ کیا۔ج:۔کامیابی اس لحاظ سے تو نہیں ہوئی کہ یہودیوں میں سے مسلمان ہوگئے ہوں۔لیکن بعض عربوں میں سے جو جو علاقے عربوں کے ان کے اندر آگئے اور پہلے سے بھی جو عربوں کے علاقے ہیں۔ان میں کامیابی ہوئی ہے۔دو تین جامع الازہر(مصر) کے سند یافتہ علماء بھی احمدی ہیں۔اچھی خاصی جماعت ہے جس کے افراد تمام تر عرب ہیں۔تو ایک گڑھ ہمارا اسرائیل کے سینے میں قائم ہے۔اس طرف توجہ نہیں دیتے۔یہی کہیں گے کہ ان کا وہاں مشن ہے۔یہ ضرور ان کے جاسوس ہیں۔س:۔وہ یہ عتراض بھی کرتے ہیں کہ جب دوسرے لوگوں کو وہاں مشن قائم کرنے کی اجازت نہیں تو پھر آپ لوگوں کو کیوں خاص طور پر اس کی اجازت دی گئی یا اجازت برقرار رکھی گئی۔ج:۔کون کہتا ہے کہ ان کو اجازت نہیں،کون ہے جس نے کوشش کی ہو اور اسے اجازت نہ ملی ہو اور ہمیں مل گئی۔ہم تو وہاں اسرائیل کے قیام سے پہلے تھے،اس لیے ہمیں تو کسی کی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔اگر ضرورت ہوتی تو وہ روکتے تو نہیں تھے اور ہمارے تمام اراکین وہاں پہلے سے بسے ہوئے عرب ہیں۔ بیشک ہمارے پاسپورٹوں پر ہوتا ہے۔ EXCEPT ISRAEL (ماسوائے اسرائیل) ہم نے کبھی اعتراض نہیں کیا کہ ہمیں کیوں نہیں جانے دیتے،نہ ہمیں کوئی خاص شوق ہے کہ ہم جائیں۔س:۔آپ کبھی اسرائیل گئے۔ج:۔میں اسرائیل قائم ہونے سے پہلے 1945ء میں وہاں گیا تھا۔ کبابیر بھی گیا تھا۔ جہاں ہمارا مشن ہے۔حیفہ جو شہر ہے۔اس کے اوپر پہاڑی ہے۔اب تو کبابیر بھی حیفہ کی میونسپل حدود میں آگیا ہے۔س:۔ ہیں وہ بھی آپ کے ربوہ مرکز کے انڈر ہی۔ج:۔مرکز ربوہ کے تحت اس لحاظ سے کہ سارے جتنے افراد جماعت ہیں،ان سب نے ہمارے امام جماعت کی بیعت کی ہوئی ہے اور جو ادارے قائم ہوتے ہیں،وہ اُن کی ہدایت کے مطابق برسرِ عمل ہوتے ہیں۔لیکن ہماری طرف سے کبھی کسی قسم کی کوئی خفیہ کارروائی نہیں ہوئی۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں علی الاعلان کرتے ہیں۔اس کا اخباروں میں چھپتا ہے اور جیسے میں نے کہا ہے کہ اسرائیل میں ہماری جماعت کے تمام افراد عرب ہیں جو شروع سے وہیں آباد ہیں۔ابتداء میں ہماری طرف سے وہاں مبلغ گئے اور انہی کے ذریعے سے جماعت قائم ہوئی،لیکن اسرائیل کی ریاست قائم ہوجانے کے بعد پاکستان سے یا کہیں اور جگہ سے ہماری طرف سے کوئی مبلغ وہاں نہیں گیا۔ وہ لوگ خود اپنا انتظام کرتے ہیں اور جماعت کی تبلیغ بھی کرتے ہیں تو مشن سے ہماری مراد کوئی سیاسی مشن نہ کبھی تھا نہ ہے۔ہم مشن کا لفظ جماعت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

اس کا مفہوم کسی دوسرے کے ذہن میں کچھ اور ہو تو ہو ہمارے ذہن میں اس سے زیادہ اس کا مفہوم نہیں ہوتا۔س:۔ یہ جو الزام ہے کہ ''یہ پودا انگریز کا لگایا ہوا ہے''۔ج:۔انہیں سمجھ نہیں آتی کہ وہ شخص جس نے وفات مسیح کا مسئلہ قرآن کریم سے لیا۔اور تاریخی طور پر ثابت کیا کہ حضرت مسیح صلیب سے بچ کر ایران سے اور افغانستان سے ہوتے ہوئے کشمیر پہنچے، وہیں وفات پائی۔ وہیں ان کا مقبرہ ہے۔ یہ ایک ایسی ضرب بھی عیسائیت پر کہ اس پر ایک تو سینٹ پال کی شہادت ہے کہ اگر مسیح کو صلیب پر نہیں فوت ہوئے تو ہمارا عقیدہ بے معنی ہے۔دوسرے امریکہ کے بڑے پادری ایس ڈبلیوز ویمر جو ہارٹ فرٹ کُنیٹی کیٹ (HART FART CONNECTICUT) سٹیٹ میں پادریوں کی تعلیم و تربیت کے ادارے ہارٹ فرٹ سیمیزی (GEMINARY) کے ڈائریکٹر تھے۔انہوں نے لکھا کہ اگر حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تو ہمارا دین ایک فریب ہے۔

عیسائیت کو تو ہمارے ساتھ دشمنی ہونی چاہیئے چہ جائیکہ وہ ہماری تائید کریں۔س:۔اس ضمن میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ انگریز نے آپ کے عقیدے کی اس لیے تائید کی اور اس کے پھلنے پھولنے کے سامان کیے کہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو۔ج:۔مسلمانوں میں اگر انتشار پیدا ہو جاتا اس سے انہیں کیا حاصل ہو جاتا۔اوّل تو جتنا انتشار مسلمانوں میں ہے اس سے بڑھ کر مزید انتشار کی کیا ضرورت تھی۔س:۔بقول آپ کے آپ نے عیسائیت پر ضرب لگائی، اس وقت یہاں انگریز کی حکومت تھی۔ انہوں نے کبھی کوئی رکاوٹ ڈالی؟ج:۔ ان کے ایک گورنر پنجاب سر ہربرٹ ایمرسن کو یہ خیال پیدا ہوا۔خلافت ثانیہ کے دوران کہ خلیفہ ہے۔اس کے آگے سیکرٹری ہیں۔ یہ ہے، وہ ہے، یہ تو حکومت کے اندر ایک حکومت ہے، تو وہ ہمارے خلاف ہو گئے۔ چنانچہ 1934ء میں احرار نے قادیان سے دو تین میل کے فاصلے پر جو کانفرنس کی۔اس کی اجازت انہوں نے ہی دی۔ بعد میں انہوں نے تسلیم بھی کیا کہ احرار نے اس کانفرنس کی اجازت دیئے جانے کا بے جا فائدہ اٹھایا۔اور سوائے سلسلۂ احمدیہ کے خلاف گالی گلوچ کے کوئی اور کارروائی نہیں کی۔س:۔اس کانفرنس کا انتظام وغیرہ انگریز گورنمنٹ نے کیا؟ج:۔ انتظام وغیرہ گورنمنٹ نے نہیں کیا۔ احرار نے ہی کیا۔لیکن اس وقت گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر کوئی جلسہ وغیرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ان کو اجازت دیدی تھی۔اُدھر ہمارے اس وقت کے امام پر نوٹس جاری کر دیا تھا کہ ان دنوں میں کسی احمدی کو نہ قادیان بلایا جائے اور اگر کوئی احمدی وہاں آ جائے تو اس کے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام بھی نہ کیا جائے۔کیسی بیہودہ بات ہے کہ جو ہمارا مرکز ہے، جہاں جانے کا ہمیں ہر وقت حق ہے۔وہاں جانے سے تو ہمیں روک دیا اور ان کی کانفرنس جو ہمیں گالی دینے کے لیے بلائی گئی تھی۔اس کی اجازت دیدی گئی۔خیر وقت گزر گیا۔لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بھی دیتا ہے، اور اس توفیق میں برکت بھی ڈالتا ہے۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔اس سے اندازہ کر لیں، جب ہمارے اس وقت کے امام نے کشمیریوں پر کیے جانے والے مظالم کے پیش نظر شملہ میں ایک میٹنگ بلائی اور ان بارہ سرکردہ مسلمانوں کو جمع کیا۔ جو تھے تو کشمیری لیکن اب اِدھر رہتے تھے۔مثلاً ڈاکٹر اقبال، خواجہ حسن نظامی، خواجہ رحیم بخش وغیرہ۔ڈاکٹر اقبال صاحب نے کہا بھی کہ مرزا صاحب کیا کریں۔کہ والیان ریاست کے اوپر تو حکومت برطانیہ کی چھتری ہے۔ہم اس کے مقابلے میں کیا کر سکتے ہیں۔حضرت صاحب نے فرمایا کچھ کر سکتے ہیں یا نہیں لیکن کچھ آواز تو ہماری طرف سے اٹھنی چاہیئے تا کہ مسلمانانِ کشمیر کو اتنا اطمینان تو ہو کہ ان کے ساتھ ہمدردی رکھنے والا باہر بھی کوئی عنصر موجود ہے۔اس سے ان کی ہمت بڑھے گی۔علّامہ اقبال نے کہا، اچھی بات۔ پھر آپ اس کمیٹی کی صدارت کریں۔آپ کے پاس کارکن بھی ہیں، پیسہ بھی ہے۔ہمیں تو ساری آرگنائزیشن بنانی پڑے گی۔حضرت صاحب

نے کہا اچھی بات۔ایک سال کے لیے میں صدر بن جاتا ہوں،اس طرح کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔اور ایک سال میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمیٹی کو اچھی خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ قانون کی بھی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی تھی۔کہیں حکومت کا ہاتھ بھی نہیں پڑتا تھا۔ دوسرے سال پھر علامہ اقبالؒ نے اصرار کیا کہ اچھا خاصا کام ہورہا ہے۔آپ ہی صدر رہیں۔تو جب احرار نے دیکھا تو وہ بھی کود پڑے اور خلاف آئین کارروائیاں شروع کر دیں۔ بلکہ جب کشمیر کمیٹی بنی تھی۔اس وقت حضرت صاحب نے احرار کو پیغام بھیجا تھا کہ آپ بھی اپنے دو نمائندے کشمیر کمیٹی کے اراکین کے طور پر نامزد کریں۔انہوں نے انکار کر دیا تھا۔حضرت صاحب نے پیغام بھیجا اگر آپ اس لیے کشمیر کمیٹی میں نمائندگی نہیں چاہتے کہ میں اس کا صدر ہوں۔تو میں صدارت سے علیحدہ ہوجاتا ہوں۔لیکن مسلمانوں کا متحد ہونا ضروری ہے۔احرار والوں نے کہا ہم اپنی کوشش علیحدہ کریں گے۔اس طرح جب احرار والے درمیان میں کُود پڑے تو انہوں نے یہ پروپیگنڈا بھی کیا کہ یہ مرزائیوں نے ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔اس طرح وہ اپنی تبلیغ کررہے ہیں۔یوں دوسرے سال کے آخر میں حضرت صاحب نے صدارت چھوڑ دی۔لیکن یہ کہا کہ جو مدد ممکن ہوگی وہ ہم کرتے رہیں گے،ہم پر ایک سیس لگی ہوئی تھی،مثلاً جو چندہ جماعت کے لیے دیا جاتا تھا۔اس کے ساتھ زائد کچھ رقم کشمیر کمیٹی کی سرگرمیوں کے لیے بھی ادا کی جاتی تھی،تو حضرت صاحب نے کہا کہ ہم سے جو ہوسکی مالی مدد بھی کرتے رہیں گے۔اس وقت سردار سکندر حیات خاں صاحب نے کوشش کی کہ احرار اور کشمیر کمیٹی کے درمیان کوئی مفاہمت ہوجائے۔حضرت صاحب کو بلایا۔اور چودھری افضل حق صاحب کو بھی بلایا۔اس گفتگو کے دوران چوہدری صاحب نے حضرت صاحب سے کہا کہ پچھلے جو صوبائی انتخابات ہوئے ہیں۔ان میں آپ کی جماعت نے میری مخالفت کی اور ہم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے،احرار نے کہ ہمارا اوّلین مقصد اب جماعت احمدیہ کی بربادی ہوگا۔حضرت صاحب نے کہا کہ چودھری صاحب ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ ہے۔اس دعویٰ میں یا ہم سچے ہیں یا ہم جھوٹے ہیں۔اگر ہم اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں تو آپ کو کسی قسم کے تردّد کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالیٰ خود ہمیں تباہ کردے گا۔لیکن اگر ہم اس دعویٰ میں سچے ہیں تو احرار کیا چیز ہے۔دُنیا کی ساری انجمنیں اور ساری حکومتیں مل کر بھی ہمیں تباہ کرنے کی کوشش کریں۔وہ کامیاب نہیں ہوسکتیں''۔

ہمیں تو صرف اور صرف ایک فکر ہے وہ یہ کہ ہم اپنی کسی سُستی یا غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے اپنے تئیں محروم نہ کر دیئے جائیں۔اس کے لیے ہم دعائیں ضرور کرتے ہیں۔ باقی ہم نہ کبھی کسی کے لیے بددعا کرتے ہیں،اور تو اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ رُوحانیت بخشی ہوئی تھی۔ان کا ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہوں۔سیالکوٹ میں ڈسکہ کلاں ہمارا گاؤں ہے۔میرے والد صاحب کی وفات کے بعد وہ اکثر میرے پاس رہتی تھیں۔لیکن کچھ وقت کے لیے گاؤں بھی چلی جاتی تھیں۔ایک روز ایک غیر احمدی نے کسی ہندو ساہوکار کا قرضہ دینا تھا۔اس نے اس کی وچھی قرق کرلی۔بچوں کو جانوروں سے پیار ہوتا ہے،جب وہ (ہندو) ساہوکار وچھی لینے آیا تو (مسلمان) بچے نے اس کے گلے میں ہاتھ ڈالا ہوا تھا۔ساہوکار نے بچے کا ہاتھ جھٹک دیا۔والدہ نے یہ سین دیکھ لیا۔حاجی جُمّاں ہماری زمینوں کی دیکھ بھال پر مامور تھا۔اسے کہا کہ ساہوکار کو بلا کر لائے،وہ آیا۔والدہ نے اسے کہا کہ سود کو چھوڑ دے اور اصل روپے پر فیصلہ کرلے۔ویسے بھی تو بچھڑی لے جائے گا۔تو تجھے کیا حاصل ہوگا۔ساہوکار کو پیسے دے دیئے اور اس غریب مسلمان کے بچے سے کہا پتّر باگ پکڑ کے لے جا۔یہ اب تیری ہے۔

س:۔پھر وہ شخص آپ کا ہم عقیدہ ہوگیا۔ج:۔نہیں۔والدہ کا یہ طریق نہیں تھا کہ کسی پر احسان کرکے اسے ہم عقیدہ بنایا جائے۔احسان

کے ضمن میں وہ دشمن اور دوست کی تمیز نہیں رکھتی تھیں۔گاؤں کا ہی واقعہ ہے کہ وہ وہاں تشریف رکھتی تھیں کہ ایک دن حاجی جُمّاں جب گھر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ بچوں کے کپڑے بنا رہی ہیں۔انہوں نے پوچھا یہ کس کے لیے ہیں۔والدہ نے کہا۔یہ ملّاں کے پوتوں پوتیوں کے لیے ہیں۔مولوی فرزند علی تھا ان کا نام۔حاجی جُمّاں نے کہا۔مُلّاں تو ہمارا دشمن ہے۔دن رات ہماری دشمنی کرتا ہے۔والدہ نے کہا میرا کوئی دشمن نہیں، جس کا خدا دوست ہو اس کا کون دشمن ہے۔اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے گاؤں میں ہوتے ہوئے مُلّاں کے بچے ننگے پھریں، اور تمہاری یہ سزا ہے کہ میں جب یہ کپڑے بنالوں تو تم ان کے پاس لے کے جانا، لیکن رات کو جانا تا کہ دوسرے لوگ ان کو طعنہ نہ دیں۔اُدھر تو اِن کی مخالفت کرتے ہو۔پھر ان سے جو یہ دیتے ہیں لے بھی لیتے ہو۔تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو یہ توفیق بھی عطا کی ہوئی ہے۔یہ حوصلہ بھی دیا ہوا ہے۔س:۔ گاؤں کے وہ مولانا صاحب آپ کی عقیدے کے اعتبار سے مخالفت بھی کرتے تھے۔ج:۔سخت مخالفت کرتے تھے۔س:۔کپڑے بھی لے لیتے تھے۔ج:۔ہاں ہاں، لے لیتے تھے۔ملّاں بیچاروں کا کیا ہے۔س:۔قومی سطح پر جو علماء آپ کی مخالفت میں پیش پیش رہتے تھے۔ جب ویسے ملاقات کی کوئی صورت ہوتی تو اس وقت ان کا رویّہ کیا ہوتا تھا مخالفت کا یا..................ج:۔وہ رویّہ مخالفت کا ہی ہوتا تھا۔ایک دفعہ مولوی ثناءاللہ صاحب (امرتسری) سے ملاقات یوں ہوئی تھی۔یہ 1917ء کی بات ہے۔امرتسر میں ایسا ہوا کہ ایک شخص احمدی ہو گیا۔اس کی بیوی سے مختار نامہ لے کر مولوی ثناءاللہ صاحب نے دعویٰ کر دیا کہ میرا خاوند احمدی ہو جانے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے۔اس لیے میرا نکاح فسخ ہو گیا ہے۔قرار دیا جائے کہ میرا نکاح فسخ ہو گیا ہے۔اس میں وکیل تو انہوں نے کیا۔ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو۔لیکن مولوی صاحب بھی ساتھ موجود رہتے تھے۔میری شروع شروع کی پریکٹس تھی۔مجھے حکم ہوا، اس لیے میں پیروی کے لیے لاہور سے امرتسر جاتا تھا۔مسٹر سیمور ایک اینگلو انڈین سب جج بھی تھے۔اس میں ہم نے دو قسم کے گواہ پیش کیے، ایک تو ہمارے اپنے علماء جو یہ شہادت دیں کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے۔دوسرے چند غیر احمدی جن میں کوئی تعصب نہیں تھا۔جن کی شہادت یہ تھی کہ ہم ان کو دیکھتے ہیں۔نمازیں پڑھتے ہیں۔روزے رکھتے ہیں۔سارے احکام بجالاتے ہیں۔جب وہ فہرست ختم ہو گئی۔جو ہم نے گواہوں کی دی ہوئی تھی تو جج نے کہا، اچھا اب ختم۔اب بحث کے لیے تاریخ مقرّر ہوئی۔میں نے کہا نہیں ہمارا ایک گواہ باقی ہے۔یوں بھی چار بج چکے تھے، جج نے کہا، میرے پاس جو فہرست ہے۔اس میں تو کوئی اور نام نہیں۔میں نے کہا آپ کے پاس نہیں، لیکن عدالت میں موجود ہے۔پوچھا، کون؟ میں نے کہا مولوی ثناءاللہ صاحب، مولوی صاحب نے فوراً کہا ''میں'' ''میں!'' میں نے کہا ''جی آپ'' انہوں نے کہا، مجھے تو کوئی سمن وغیرہ نہیں گیا۔میں نے کہا۔سمن کی کیا ضرورت ہے۔آپ موجود ہیں عدالت میں۔انہوں نے کہا مجھے کوئی خرچ خوراک نہیں ملا۔میں نے کہا۔خرچ خوراک کی بھی ضرورت نہیں۔آپ تو عدالت میں موجود ہیں۔خرچ خوراک تو اس کو دیا جاتا ہے جو باہر سے آئے۔میں نے سوچا کہ جج بھی تھکا ہوا ہے۔ویسے بھی چار بج گئے ہیں۔میری جیب میں تین روپے تھے۔وہ میں نے نکال کے مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے، یہ لیجئے خرچ خوراک اور آیئے حلف لیجئے۔خیر، میری جیب میں ان کے پرچہ ''اہل حدیث'' کا ایک شمارہ تھا۔وہ میں نے نکالا اور پوچھا ''اہل حدیث'' کے آپ ایڈیٹر ہیں، فرمایا، ''ہاں'' ''یہ نوٹ آپ کا ہے''۔ فرمایا ''ہاں میرا ہے'' تو جب سن چودہ (1914ء) میں ہماری جماعت میں اختلاف ہوا تھا۔اور لاہور والا سیکشن جسے ہم غیر مبایعین کہتے ہیں۔الگ ہو گیا تھا۔مولوی ثناءاللہ صاحب (امرتسری) نے ان کے ساتھ مل کر ایک ادارہ اشاعت اسلام کے لیے قائم کیا تھا، تو مولوی صاحب کو کسی نے خط لکھا کہ آپ نے لاہوری

مرزائیوں کے ساتھ مل کے جو یہ ادارہ قائم کیا ہے۔ اگر اس کی کوششوں کے نتیجے میں کوئی شخص مثلاً ہندو سے لاہوری مرزائی ہو جائے تو آیا وہ مسلمان ہوا یا نہیں۔اس پر مولوی صاحب نے لکھا تھا۔مسلمان ہونا دو لحاظ سے ہے۔ایک اُخروی نجات کے لحاظ سے۔اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔دوسرا عُرفِ عام کے لحاظ سے،عرفِ عام کے لحاظ سے جو شخص کہتا ہے کہ میں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر ایمان لاتا ہوں۔ہم اس کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ یہ واقعہ ان کے ''اہل حدیث'' میں چھپا تھا۔باہر نکلے تو مولوی صاحب وہ تین روپے ہاتھ میں یوں ہلا رہے تھے۔اور ساتھ فرما رہے تھے۔''ہمیں کچھ نہ کچھ مرزا صاحب سے ہمیشہ مل ہی جاتا ہے''۔یوں بعض دفعہ میں نے انہیں جلسوں میں بھی دیکھا، 1921ء میں قادیان میں جلسہ تھا۔سوائے اہل تشیع کے باقی سب علماء جمع ہو گئے تھے۔صبح کو جلسہ شروع ہوتا تھا۔آدھی رات تک جاری رہتا تھا۔ ان دنوں ایسٹر کی تعطیلات تھیں اور مجھے حضرت صاحب نے قادیان طلب فرما لیا ہوا تھا۔اور میری ڈیوٹی ان کے جلسے میں لگائی تھی۔ ہمارے باقی لوگوں کو وہاں جانے سے منع کر دیا گیا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جوش میں آ ئے کوئی تصادم ہو جائے۔ چند صحافی جاتے تھے۔ میں ہوتا تھا۔تو اس وقت مولوی ثناءاللہ صاحب نے بھی تقریر کی۔اس وقت بھی میں نے ان کے مُنہ سے سنا اور میں نے سنا ہے کہ اور بھی مقامات پر بانی سلسلہ احمدیہ کے اشعار قرآن کریم کی تعریف میں پڑھتے تھے۔

س:۔اچھا! ج:۔ہاں۔بڑی مشہور نظم ہے۔س:۔کس کے نام سے وہ اشعار منسوب کیے۔ج:۔یہ کہہ کر یہ مرزا صاحب کے ہیں۔لوگ بھی سارے جانتے ہیں۔بڑی مشہور نظم ہے۔؎

جمال وحسنِ قرآن نُورِ جانِ ہر مسلمان ہے قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

جس وقت خلافت کی تاریخ زوروں پر تھی،کلکتہ میں ایک جلسہ قائم کیا گیا۔جس کے لیے ہمارے اس وقت کے امام نے ایک تائیدی مضمون لکھا کہ گو ہم ترکی سلطان کو دینی لحاظ سے خلیفۃ المسلمین تو تسلیم نہیں کرتے لیکن ہم انہیں شوکت اسلام کا ایک نشان ضرور سمجھتے ہیں۔اس لیے ترکی حکومت کی تائید اور مضبوطی کے لیے جو بھی اقدام کیا جائے۔ہم اس میں پورے طور پر شریک ہونے کو تیار ہیں۔ پہلے اجلاس کے اختتام پر ہمارے چند نوجوان وہ مضمون تقسیم کر رہے تھے۔میں بھی اس وقت موجود تھا۔میں نے دیکھا کہ ہمارے ایک نوجوان نے جس کی داڑھی منڈھی ہوئی تھی۔وہ مضمون مولوی ثناءاللہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا،مولوی صاحب نے جب دیکھا کہ وہ مضمون امام جماعت احمدیہ کی طرف سے ہے تو انہوں نے تقسیم کرنے والے نوجوان کی طرف نگاہ کر کے اس کی ٹھوڑی کے نیچے اپنی انگلیاں رکھ کر اس کی ٹھوڑی کو ذرا اونچا کیا اور نہایت شفقت سے کہا۔''میاں یہ چہرہ تو مرزا صاحب کو پسند نہیں تھا۔'' جس سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کے دل میں بانی سلسلہ احمدیہ کا احترام تھا۔مولوی ثناءاللہ صاحب میں ایک شرافت تھی۔وہ مخالفت کرتے تھے۔شدید مخالف تھے سلسلے کے لیکن دلائل پر۔ایک دفعہ انہوں نے بھی ایسی بات تھوڑی سی کی۔انہوں نے کہا، میں تو ایک معمولی خادم اسلام ہوں۔مرزا محمود احمد صاحب ایک نبی کے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، میں ایک آسان طریق فیصلے کا پیش کرتا ہوں کہ ہم دونوں امرتسر سے کلکتہ ریل پر سوار ہو جائیں۔اور کلکتے تک اکٹھے سفر کریں۔دورانِ سفر جس پر پھول برسیں وہ سچا اور جس پر پتھر پڑیں وہ جھوٹا۔اس کے جواب میں حضرت صاحب نے اعلان فرمایا کہ مولوی صاحب کو کلکتہ تک سفر کی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر اس اعلان کے بعد ہم اکٹھے سفر کریں تو مولوی صاحب پر پھول برسیں گے۔اور مجھ پر پتھر پڑیں

گے۔لیکن میں مولوی صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں پھول کس پر پڑتے تھے، اور پتھر کس پر برستے تھے۔

خواجہ حسن نظامی نے بھی ایک دفعہ اسی طرح کیا، انہیں خیال ہوگا کہ ہمارے (اس وقت کے) امام بھی پیروں کی طرح ہیں، انہوں نے خط لکھا کہ میں تو ایک بزرگ (حضرت نظام الدین اولیاؒ) کے مقبرے کا جاروب کش ہوں۔ اور مرزا محمود آپ ایک نبی کے خلیفہ ہونے کے دعویدار ہیں۔ میں فیصلے کی ایک آسان ترکیب پیش کرتا ہوں کہ میں اور آپ دونوں قطب مینار پر چڑھتے ہیں اور وہاں سے چھلانگ لگاتے ہیں، جو بچ رہے وہ سچا جو مر جائے وہ جھوٹا۔ حضرت صاحب نے لکھا میں تو ایسی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ میں اسے خودکشی سمجھتا ہوں۔ اور خودکشی اسلام میں جائز نہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح طریق ہے تو آپ اکیلے چڑھ جائیں، چھلانگ لگائیں، بچ جائیں گے تو ہم سمجھیں گے کہ آپ بڑے بزرگ ہیں۔ ساتھ حضرت صاحب نے لکھا کہ اسلام نے جو طریق مقرر کیا ہے وہ مباہلہ ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ آپ کے لاکھوں مرید ہیں۔ ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ ہوں۔ اور ایک ہزار میرے ساتھ ہوں۔ میں دعویٰ (بانی سلسلہ کا) اور اس کے دلائل بیان کروں گا۔ آپ اس کی تردید کریں۔ اس کے بعد دونوں طرف سے جو یہ کہے کہ وہ مباہلے میں شامل نہیں ہونا چاہتا وہ چلا جائے۔ پھر ہم مباہلے والی دعا جو قرآن کریم میں ہے وہ کریں گے۔ ایک سال انتظار کریں گے۔ جو اللہ تعالیٰ کا فعل صادر ہو، ساتھ ہی حضرت صاحب نے اعلان کر دیا کہ اگر خواجہ صاحب مان گئے تو جن لوگوں نے حصّہ لینا ہو وہ نام بھیج دیں۔ میں نے بھی اپنا نام بھیجا تھا۔ لیکن یہ مباہلہ نہ ہوا۔ بعد میں خواجہ صاحب کے حضرت صاحب کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔ بلایا۔ دعوت بھی کی۔ ہمارے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔ س:۔ مولانا ظفر علی خانؒ سے تو ملاقات کے خاصے مواقع رہے ہونگے۔ ج:۔ مولانا ظفر علی خانؒ بڑے جذباتی آدمی تھے۔ جس وقت جو طبیعت میں آتا تھا وہ کہہ دیتے تھے۔ مثلاً احرار کے بڑے مخالف تھے تو ایک دفعہ احرار کے خلاف لکھا: تم ہو کون۔ تمہاری حیثیت کیا ہے۔ تم کرتے ہو مرزا محمود کا مقابلہ۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ مرزا محمود کے پاس تو قرآن ہے۔ مرزا محمود کے پاس تو ایک جماعت ہے جو اس پر اپنا تن من دھن قربان کرتی ہے۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ ایک دفعہ مولانا انڈین سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر تھے۔ اور اس وقت اسمبلی میں کچھ اس قسم کی بحث چل پڑی۔ میں لیڈر آف دی ہاؤس تھا۔ تو میں نے بعض باتوں کے لیے زیادہ استدلال قرآنِ کریم سے کیا کہ ان ان باتوں پر ہمیں اتفاق ہے باقی پر نہیں۔ میری تقریر ختم ہوئی تو اپنی سیٹ پر سے اٹھ کے آئے۔ ''واللہ آج آپ نے تبلیغ کا پورا حق ادا کر دیا۔'' راجپال کا آپ نے سنا ہوگا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتاب لکھی تھی۔ حکومت کی طرف سے اس پر فوجداری مقدمہ چلا۔ اسے قید کی سزا ہوئی لیکن ہائی کورٹ کی نگرانی کی درخواست پر جسٹس دلیپ سنگھ نے یہ قرار دے کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین قانون کی زد میں نہیں آتی، ملزم کو بری کر دیا۔ جسٹس دلیپ سنگھ کے اس فیصلے کے خلاف لاہور سے شائع ہونے والے ایک انگریزی روزنامے ''مسلم آؤٹ لُک'' نے ایک بڑا تیز اداریہ لکھا جس پر ہائی کورٹ نے اخبار کے مالک مولوی نور الحق صاحب اور پرنٹر سیّد دلاور شاہ صاحب کے نام توہینِ عدالت کے نوٹس جاری کر دیئے۔ اس پر سر میاں محمد شفیع صاحب کے دفتر میں وکلاء کو بلایا گیا کہ کون بحث کرے تو سب کی رائے تھی کہ سر میاں محمد شفیع صاحب کریں۔ انہوں نے کہا کہ لیڈی شفیع سولن ہیں۔ مجھے اطلاع آئی ہے کہ ان کی طبیعت علیل ہے۔ تو مجھے لازماً کل سولن جانا ہے، پھر رائے ہوئی کہ شیخ عبدالقادر صاحب کریں۔ وہ مولوی نور الحق صاحب کو الگ لے گئے۔ اور انہیں بتایا کہ ان کا گورنر کی ایگزیکٹو کونسل میں عارضی تقرر کا فیصلہ ہو چکا ہے اس لیے اس کیس میں ان کا پیش ہونا مناسب نہیں ہے۔ پھر خیال ہوا

کہ کون کرے تو سر محمد شفیع صاحب نے۔ وہ ہمیشہ میرا نام جب لیتے تھے تو میرے والد کا نام لیتے تھے۔ان کو جانتے تھے میرے والد بھی وکیل تھے۔اس وقت تک فوت ہو چکے تھے۔ کہنے لگے۔ میرے دوست نصر اللہ خاں اس کے لیے بہت موزوں ہیں۔تو ساری نگاہیں میری طرف اٹھیں۔میں نے کہا۔اچھی بات ہے۔میں حاضر ہوں جو کچھ ہوسکا کروں گا۔ مالک اخبار اور پرنٹر دونوں کی طرف سے ہدایت تھی کہ وہ معافی نہیں مانگیں گے۔جیل میں انہیں چھ مہینے کے لیے بھیجنے کا اختیار ہے۔بھیج دیں۔ بحث کے آخر میں میں نے عدالت سے کہا کہ آپ قرار دیں کہ اس اداریے سے اگر متعلقہ جج کی توہین ہوتی ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کی سعی میں اگر ہائی کورٹ کے ایک جج کی توہین لازم ہوگئی۔تو یہ امر ناگزیر تھا۔جس کی پوری ذمہ داری مسئول علیہم تسلیم کرتے ہیں۔جب میں نے بحث ختم کی۔ پانچوں جج لنچ کے لیے اُٹھے۔تو مولانا ظفر علی خانؒ کٹہرے کو ہٹا کر میری طرف بڑھے۔میرے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔اور بلند آواز میں کہا۔'' آج آپ نے مُنہ کالا کر دیا ہے۔ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں قابل وکیل نہیں۔'' تو وقت پر میں مسلمان بھی تھا۔ان کی طبیعت اس طرح کی تھی۔

مولانا جب بیمار تھے۔اس وقت میں پاکستان کا فارن منسٹر تھا۔ان کے پوتے منصور علی خان مجھے ملنے کے لیے آئے۔اس وقت ان کے والد مولانا اختر علی خاں قید میں تھے۔اور کہا میرے دادا (مولانا ظفر علی خاں) کوہ مری میں بیمار ہیں۔ان کی بڑی خواہش ہے کہ میرے والد (مولانا اختر علی خاں) ان سے ملیں۔اگر آپ گورنر سے کہہ کر اتنی اجازت لے دیں کہ وہ جا کر مل لیں۔گورنر جنرل ملک غلام محمد صاحب تھے میں نے ان سے کہا انہوں نے کہا بہت اچھا۔ان کے ساتھ اس وقت گورمانی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔وہ ہوم منسٹر تھے۔تھوڑی دیر بعد ملک صاحب نے مجھے ٹیلی فون کیا کہ گورمانی صاحب کہتے ہیں کہ اگر اختر علی خاں کو ایک بار جانے کی اجازت دیدی تو جب تک مولانا (ظفر علی خان) زندہ ہیں۔اس وقت تک آپ اختر علی کو واپس نہیں لا سکتے۔یہ رِسک لینا ہو تو کر لیجئے۔ہوا یا نہ ہوا یہ مجھے یاد ہے کہ منصور علی پھر مجھے ملنے کے لیے آئے اور کہا۔جب میں نے اپنے دادا سے یہ بات کہی، لیٹے ہوئے تھے۔اُٹھ کے بیٹھ گئے۔اور کہا۔''مرحبا ظفر اللہ خاں، مرحبا ظفر اللہ خاں مرحبا ظفر اللہ خاں'' مجھے اس لحاظ سے بھی جانتے تھے کہ میرے ماموں کے سسرال کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ تھا۔س:۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے کبھی ملاقات ہوئی۔ج:۔نہیں کبھی نہیں۔س:۔شورش کاشمیری سے۔ج:۔نہیں۔انہیں جب فروغ ہوا تو میں جا چکا تھا۔س:۔سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا اس روز آپ نے ایک واقعہ سنایا تھا۔ج:۔لیکن وہ واقعہ آپ چھاپیں گے نہیں۔س:۔ وہ تو چونکا دینے والا واقعہ ہے۔ج:۔ بیشک۔س:۔ وہ واقعہ تاریخ ہے، اسے ریکارڈ پر آنا چاہیئے۔ج:۔نہیں، نہیں۔ ہمارا یہ اصول ہے کہ ہم پھر تشہیر نہیں کرتے۔س:۔علامہ اقبالؒ سے آپ کے تعلق کی ابتدا کب ہوئی۔ج:۔میں نے 1909ء میں ایف اے کا امتحان گورنمنٹ کالج سے پاس کیا۔اور بی اے کی جماعت میں داخل ہوا تو اس وقت گورنمنٹ کالج میں یہ طریق تھا کہ ایک تو انگریزی کے پروفیسر اس وقت پرنسپل صاحب بھی تھے۔سمویئل، رالبسن اور ہسٹری کے جو پروفیسر تھے۔وہ بھی انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔اور فلاسفی کے پروفیسر جی ایس بریٹ علاوہ اپنے مضمون فلسفہ کے انگریزی بھی پڑھایا کرتے تھے۔لیکن انہی دنوں ٹورنٹو یونیورسٹی میں پروفیسری مل جانے کے باعث وہ وہاں چلے گئے۔اس وقت کالج میں کوئی صاحب ان کی صفات والے موجود نہیں تھے۔جو بیک وقت فلاسفی اور انگریزی کے پروفیسر ہوتے۔ڈاکٹر اقبال بیرسٹری کر کے اور فلسفے کی بڑی بڑی سندیں حاصل کر کے یورپ سے واپس آ چکے تھے۔ان کے ساتھ یہ انتظام ہوا کہ وہ اپنی پریکٹس جاری رکھتے ہوئے بریٹ صاحب کی جگہ فلاسفی اور

انگریزی پڑھایا کریں گے۔تو دوسال کے عرصے میں 1909ء سے لیکر 1911ء تک میری جو بی اے کی جماعت تھی۔اس کو انگریزی بھی پڑھاتے رہے۔فلاسفی میرا مضمون نہیں تھا۔اس لیے فلاسفی میں مجھے ان کی شاگردی کا شرف حاصل نہیں ہوا۔وہ ہمیں انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ان کے بارے میں اس وقت کا میرا تاثر اب تک قائم ہے،اور بعد میں جب بھی بیرسٹر ہوگیا اور پریکٹس میں ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔میں نے دیکھا کہ جس بات کو لیتے تھے۔اس میں تیاری بڑی محنت سے کرتے تھے۔چنانچہ انہوں نے ہمیں پڑھایا بھی بڑی خوبی کے ساتھ۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شیلے کی وہ پوئم بڑی مشکل سمجھی جاتی تھی۔غالباً ADONAIS تھی۔وہ ہمیں پڑھائی۔بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھادی۔ہمارے لیے بڑی آسان ہوگئی۔تو دوسال تک مجھے ڈاکٹر صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل رہا۔اس لیے اس کو ملاقات تو کہہ نہیں سکتے۔جماعت میں میں بھی ایک طالب علم تھا۔اس وقت ذاتی معاملات کا ان کے ساتھ کوئی موقع نہیں ہوا۔میں پڑھائی کے لیے سن گیارہ (1911ء) میں انگلستان چلا گیا۔اور چودہ (1914ء) میں واپس آ گیا۔اور پندرہ کے شروع میں میں نے سیالکوٹ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ پریکٹس شروع کردی۔اور سن سولہ کے اگست کے آخر میں لاہور آ گیا۔اور آہستہ آہستہ پھر میری پریکٹس جب ہائی کورٹ میں بڑھنی شروع ہوئی۔اس وقت تو چیف کورٹ تھا۔اس وقت مواقع ہوتے رہے۔پھر مجھے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع بھی ملا اور مقابلے پر بھی موقع ملا۔دونوں حیثیتوں میں میں نے دیکھا کہ وہ بڑی محنت سے کام کرتے تھے۔اور یہ میرا پختہ یقین ہے اور اس وقت بھی میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر یہ اپنی پریکٹس کی طرف پوری توجہ دیں تو بہت جلد ہائی کورٹ کے جج ہوجائیں۔لیکن ان کی طبیعت میں قناعت بہت تھی۔منشی طاہر دین ان کے منشی تھے۔بعد میں جنہوں نے دل روز کے نام سے ایک دوائی بنانا بھی شروع کی تھی۔جب میری پریکٹس وریکٹس کچھ بڑھنی شروع ہوئی تو بعض دفعہ وہ میرے پاس کیس لے آتے تھے۔میں کہتا کہ ڈاکٹر صاحب نے کیوں نہیں لیا۔وہ بتاتے۔ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں۔اس مہینے میں اور کام نہیں لوں گا۔یعنی شروع مہینے جب کوئی تین چار مقدمات آجاتے تو طاہر دین سے کہتے۔میں نے اس مہینے میں کوئی اور کام نہیں لینا۔یہ بھی بڑی ہمّت کی بات ہے۔ہر شخص کے لیے آسان نہیں۔یوں تو جس کا پیشہ وکالت ہو وہ تو پیچھے بھاگتا ہے کہ اس کو کہیں سے کچھ مل جائے۔

پھر بار روم میں گفتگو وغیرہ کے کئی مواقع ہوتے تھے۔چنانچہ مجھے یاد ہے انہوں نے ایک بار کہا چوہدری صاحب اب مریخ تک پہنچنے کے امکانات پیدا ہوگئے ہیں۔تو مجھے بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ اگر وہاں ایسی مخلوق پائی گئی جو انسانوں جیسے اعضا اور قویٰ رکھتی ہو تو پھر ختم نبوت کا کیا ہوگا۔میں نے کہا ڈاکٹر صاحب جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کرکے بھیجا تھا وہ خوب جانتا ہے کہ کہاں کہاں ضرورت ہے اور کیا ہونا چاہیئے۔جو اس کے علم میں ہے وہ کردے گا۔آپ کو اور مجھ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قدر والہانہ طور پر ڈاکٹر صاحب کو عقیدت اور محبت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر اکثر وہ آبدیدہ ہوجاتے تھے۔طبیعت کے بڑے خاکسار تھے۔کوئی تفاخر وغیرہ نہیں تھا۔اور قناعت کا میں نے ذکر کر ہی دیا۔یہ بڑی تین خوبیاں ان میں تھیں۔لیکن جسمانی طور پر پرلے درجے کے سُست تھے۔اگر بغیر ہلنے کے کوئی کام ہو سکے تو ذرا سی حرکت سے بھی پرہیز کریں گے۔لباس میں بھی مجبوری سے جب باہر جانا ہوتا تو سوٹ ساٹ پہن لیتے تھے۔گھر پر بڑا سادہ لباس رکھتے تھے۔ایک تہبند اور ایک بنیان۔عام طور پر اسی میں گزارا کرتے تھے۔س:۔پنجاب پراونشل کونسل (اسمبلی) کے ممبر بھی تھے۔ج:۔ہاں کونسل کے ممبر تھے تو میاں فضل حسین پانچ سال وزیر رہ کر صوبے کی حکومت میں ہی ایگزیکٹو ممبر بن

چکے تھے۔ پھر بھی یونینسٹ پارٹی کے عملا لیڈر وہی تھے۔ اگر چہ کونسل کے لحاظ سے تو سر چھوٹو رام لیڈر تھے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ میاں صاحب بھی ہر بات پر بڑی تفصیلی کی نگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب سن چھبیس کے الیکشن ہوئے میں بھی منتخب ہوگیا۔ اورڈاکٹر صاحب بھی ہو گئے تو ہماری نشستیں میاں صاحب نے مقرر کیں تو میری نشست رکھی مولوی رحیم بخش صاحب اور علامہ ڈاکٹر اقبالؒ صاحب کے درمیان۔ اور مجھے کہا کہ ان دونوں صاحبان کی حاضری، موجودگی اور جس طور پر ووٹ دینا ہو۔ اس کے تم ذمہ دار ہو۔ مولوی سر رحیم بخش صاحب کے سلسلے میں مجھے کسی قسم کی کوئی دقّت پیش نہیں آئی۔ شروع میں آکر تشریف رکھتے تھے۔ صرف نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کے جاتے تھے۔ باقی سارا وقت موجود رہتے۔ ڈاکٹر صاحب اوّل تو آتے ہی گھنٹہ دیر سے تھے۔ وہ تو کوئی ہرج کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ وہ گھنٹہ سوال جواب کا ہوتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کبھی آدھ گھنٹہ، کبھی گھنٹہ، زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھتے تھے۔ اور کہتے چوہدری صاحب میری طبیعت یوں ہے۔ میں جاتا ہوں میں بعض دفعہ کہتا۔ ڈاکٹر صاحب اس معاملے پر بحث ختم ہونے والی ہے۔ ابھی اس پر رائے شماری ہوگی۔ آپ کی ضرورت ہوگی۔ فرماتے ''ایک میری رائے سے کیا فرق پڑ جائے گا'' چلے جاتے۔ دوسرے دن پوچھتے اُس معاملے میں کیا ہوا۔ میں بتایا وہ تو ہوگیا۔ کہتے ''میں نے کہا نہیں تھا کہ میری ایک رائے سے کیا فرق پڑے گا'' اور اس کی دراصل وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو دماغ دیا ہوا تھا۔ وہ فلسفے اور شاعری کی بلندیوں کے لیے ہی موزوں تھا۔ س:۔ گول میز کانفرنس میں بھی آپ ان کے ساتھ تھے۔ ج:۔ دوسری گول میز کانفرنس میں وہ میرے ساتھ تھے۔ لندن میں ان سے ملنے کے لیے جو طالب علم آجاتے، جو تقریب وغیرہ وہ کرتے۔ اس میں کام وام کرتے رہے۔ لیکن کانفرنس میں تقریر نہیں کی۔ پھر تیسری کانفرنس میں گورنمنٹ انہیں بھیج نہیں رہی تھی۔ نہ قائداعظمؒ صاحب کو سرانہیں۔ قائداعظمؒ پہلی دو کانفرنسوں میں شریک تھے۔ پہلی کانفرنس میں میں پنجاب سے بھیجا گیا تھا۔ قائداعظمؒ مسلمان وفد کے ممتاز رکن تھے۔ ان کے علاوہ سر آغا خان، سر محمد شفیع، سر سلطان احمد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے علاوہ دوسرے صوبوں کے بھی بہت سے سرکردہ مسلمان تھے۔ اچھی بات۔ تیسری گول میز کانفرنس کے لیے جب ڈاکٹر صاحب کا نام گیا تو وائسرائے نے مجھے بتایا کہ پچھلی کانفرنس میں انہوں نے کوئی کنٹری بیوشن نہیں کی۔ نہ دلچسپی لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دلچسپی تو وہ اب بھی نہیں لیں گئے۔ نہ میں گارنٹی دے سکتا ہوں کہ وہ تقریر کریں گے۔ لارڈ ولنگڈن میرے ساتھ بے تکلف تھے۔ انہوں نے کہا۔ MY DEAR THEN WHY DO YOU INSIST.

میں نے کہا میں اس لیے کہتا ہوں کہ ہمارے نوجوان طبقے میں ڈاکٹر صاحب کا بڑا احترام ہے۔ اگر یہ چلے جائیں تو وہ سمجھیں گے کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں کوئی کام کی بات ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہو گئے ہوئے ہیں۔ میں تو اس پر یسٹیج کے لیے چاہتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے تار میں لکھ دیا ہوگا۔ کیونکہ سیکرٹری آف سٹیٹ مان گئے۔ میں اس وقت میاں صاحب کی جگہ عارضی طور پر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں تھا۔ ورنہ تو میرا کوئی واسطہ ان باتوں سے نہ ہوتا۔ مجھے ڈاکٹر صاحب نے پہلے ہی کہہ دیا کہ اگر طے ہو گیا ہو کہ میں نے ہی جانا ہے۔ مجھے پہلے ہی اطلاع کر دینا۔ کیونکہ مجھے بڈاپسٹ سے وہاں کی یونیورسٹی یا کسی اور ادارے کا انہوں نے نام لیا۔ وہاں سے تقریر کرنے کی دعوت آئی ہوئی ہے۔ تو پھر میں قبول کرلوں گا۔ وہ کام بھی کرتے چلیں گے۔ میں نے کہا اچھی بات۔ جب ان کا جانا طے ہو گیا پیشتر اس کے کہ نام شائع ہوں۔ میں نے سیّد امجد علی صاحب سے کہہ دیا، شائد میں نے خود بھی عرض کر دیا ہو کہ ڈاکٹر صاحب سے کہہ دیں کہ تیار ہو جائیں اور تم ساتھ جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب پتہ نہیں اکیلے سفر کریں کہ نہ کریں۔ تم ساتھ جاؤ اور ان کو بڈاپسٹ بھی لے جانا۔ وہاں سے پھر لندن آجانا، انہوں نے

کہا اچھی بات۔ چنانچہ انہوں نے انتظام بھی یہی کیا کہ وہ وینس جا کے جہاز سے اُتریں گے۔ میں جب لندن پہنچا تو سیّد امجد علی صاحب مجھے سٹیشن پر ملے اور کہا ابھی چلو ڈاکٹر صاحب کے پاس۔ میں نے کہا کیوں، جلدی کیوں ہے۔ انہوں نے کہا ''ڈاکٹر صاحب کو یہاں (ناک کے اندر) ایک پھنسی ہوگئ ہے۔ میں نے کہا کسی ہندوستانی ڈاکٹر کا انتظام کرنا تھا۔ انہوں نے کہا وہ تو دو تین ہر وقت پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نوکِ نشتر سے ذرا سا نہیں نہیں چھید نہیں کرنے دوں گا۔ اور آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو بلاؤ میں نے کہا۔ بھئی دیکھو میں مارسیلز سے 24 گھنٹے ریل کا سفر کر کے آرہا ہوں سخت تھکا ہوا ہوں۔ میں کل صبح ہی صبح سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ انہوں نے کہا اچھی بات ہے، میں کہہ دوں گا۔ اگلی صبح میں پہنچا کوئین ایمز مینشن میں ان کا اپارٹمنٹ تھا۔ کمرہ اتنا گرم رکھا ہوا کہ قریب قریب BOILING POINT (نقطۂ ابال) پر، اور خود رات کا لباس جیکٹ اور پاجامہ سوٹ پہنے ہوئے پلنگ کے اُوپر یعنی بستر کے کپڑوں کے اندر نہیں بلکہ ان کے اُوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں داخل ہوا تو کہا۔ ''چوہدری صاحب آپ آ گئے ہیں۔ آیئے آیئے، میری واپسی کا انتظام کر دیں۔'' میں نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب یہ تو کوئی ایسی بڑی مشکل کی بات نہیں۔ اس میں ذرا سا چھید کرالیں۔ انہوں نے کہا۔ بس وہی آپ نے بات کر دی۔ یہاں مرجاؤں تو میرا تو کوئی جنازہ بھی پڑھنے والا نہیں ہوگا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ان کے پاس ایک یا دو ڈاکٹر بیٹھے تھے۔ ان ڈاکٹروں نے کہا۔ انہیں یوں بھی ایک دو دن میں آرام آجائے گا۔ لگا دی ہے پٹی، فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں نے کہا ابھی تو آپ آئے ہیں۔ اس لیے آپ کی واپسی کا انتظام نہیں ہونا چاہیئے۔ اس پر فرمایا۔ اچھا پھر تار دے دیں مختار کو کہ میری بیوی کو لے کے آجائے۔ مختار شیخ اعجاز صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں یعنی ڈاکٹر صاحب کے بھتیجے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب یہاں سے تار جائے گا کہ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ آئیں۔ آپ کی بیوی بیچاری پردہ نشین ہے۔ اس کی طبیعت پر کیا گزرے گی۔ آپ کیوں اتنا گھبراتے ہیں۔ ایک دو دن میں آرام آجائے گا۔ تو خیر پھر رُک گئے۔ پھر بدقسمتی سے ان کو ملیریا ہوگیا۔ ملیریا تو کیئوں کو ہوجاتا ہے۔ خیر کانفرنس کی کارروائی شروع ہونے تک یا اس کے ایک دو دن بعد آرام آ گیا۔ غالباً اسی کانفرنس سے واپسی پر مولانا غلام رسول مہر کے ساتھ سپین بھی گئے تھے اور قرطبہ کی مسجد میں نماز بھی پڑھی تھی۔

س:۔ آپ کی باتوں سے یہ بات صحیح ثابت ہوئی جو انہوں نے اپنے متعلق کہی تھی کہ گفتار کا غازی بن گیا۔ لیکن کردار کا غازی بن نہ سکا۔ ج:۔ یہ ان کا اپنا ESTIMATE (اندازہ) تھا۔ وہ جانیں۔ س:۔ علامہ صاحب کے نوجوانوں میں پاپولر ہونے کی کیا وجہ تھی۔ ج:۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو استعدادیں اور قابلیتیں دی ہوئی تھیں۔ بڑی اعلیٰ درجہ کی تھیں۔ اور اس وقت تک ان کے کلام کی برابری ہمارے ملک میں تو پیدا نہیں ہوسکی۔ ان کے اشعار کی جہاں ضرورت پڑتی ہے۔ مجھے بھی تھوڑے بہت یاد ہیں۔ وقت پر وہی کام آجاتے ہیں۔ ان کا بہترین کلام فارسی میں ہے۔ اور باقی یہ ہے کہ وہ جرأت کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے بھی وہ شکوہ کر لیتے تھے۔ ایسی شاعری اقبال جیسا شاعر ہی کر سکتا ہے، دوسرا کوئی کرتا تو کفر کے فتوے لگ جاتے دھڑا دھڑ۔ س:۔ کفر کے فتوے تو ان پر بھی لگے۔ ج:۔ ہاں۔ س:۔ اور یہ رقص و سرور اور مے نوشی۔ ج:۔ شاعروں کے استعاروں یا تشبیہوں پر تو کوئی اعتراض ہو نہیں سکتا، سارے شاعر ان سے کام لیتے ہیں۔ س:۔ عملاً۔ ج:۔ باقی عملاً۔ یہ میری مجال نہیں کہ میں ان پر تنقید کروں۔ میرے اُستاد بھی تھے اور اعلیٰ پایے کے انسان تھے۔ میں کون ہوں۔ س:۔ جب وہ آپ کے ساتھ انگلستان گئے۔ ج:۔ انگلستان میں جب تھے میری موجودگی میں کوئی نہ لفظ ان کے مُنہ سے نہ کوئی حرکت ان سے سرزد ہوئی۔ جس پر کوئی اعتراض کر سکتا ہو۔ س:۔ کوئی مے نوشی والی یا دوسری۔ ج:۔ ناں، کوئی نہیں۔ س:۔ آخری عُمر میں بھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ج:۔ مُلاقات کا موقعہ ہوتا

ہی رہا۔ ہوتی رہتی تھیں۔س:۔کوئی خاص واقعہ یادنہیں۔ج:۔میں کوئی یادکرنے کی کوشش بھی نہیں کررہا۔میں اگلے سوال کے انتظار میں ہوں۔ ہاں ایک واقعہ وہ توخیران کی وفات سے کوئی پندرہ سولہ سال قبل کا ہے۔ابھی وہ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں تھے۔غالباً سن بائیس کا واقعہ ہے۔ حضرت صاحب لاہورتشریف لائے ہوئے تھے۔میرے پاس ہی ٹھہرتے تھے۔نسبت روڈ پردیال سنگھ کالج سے متعلق کوٹھی ہوا کرتی تھی۔کُرسی اس کی اُونچی تھی۔وہاں تواب نئی عمارتیں بن گئی ہوں گی۔توحضرت صاحب کومعلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب بیمار ہیں۔گردے کا دردتھا۔وہ ہوتا بڑا ظالم ہے۔ڈاکٹر صاحب توناک کی پھنسی کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ان کی طبیعت ہی ایسی تھی۔ڈاکٹر سے بہت گھبراتے تھے۔حضرت صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کی عیادت کے لیے چلیں گے۔میں نے کہا اچھی بات ہے۔چوہدری بشیر احمد جا کے پہلے پوچھ آئے تھے کہ حضرت صاحب آپ کی تیمارداری کے لیے آرہے ہیں۔جب ہم گئےتو ڈاکٹر صاحب بستر پراوندھے پڑے ہوئے تھے۔حضرت صاحب بیٹھ گئے۔مزاج پرسی کی۔یہ بات مجھے یادہے۔باربار یہی کہتے تھے۔مرزاصاحب میرے لیے دُعا کرنا۔مرزاصاحب میرے لیے دُعا کرنا۔مرزا صاحب میرے لیے دُعا کرنا۔ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی شیخ عطامحمد صاحب تواحمدی تھے۔

س:۔علّامہ صاحب بھی کسی زمانے میں رہے؟ج:۔نہیں۔س:۔ایک کتابچہ ان کا لکھا ہوا ہے آپ کے عقیدے کے متعلق ''ٹریٹرزآف اسلام''۔انگریزی زبان میں۔ج:۔آخر میں ان پرزیادہ اثران کے حاشیہ نشینوں کا ہوگیا تھا۔جن میں زیادہ ان کے پاس بیٹھنے والے اورانہیں ان امور پراکسانے والے تھے۔چوہدری محمد حسین پہاڑنگی۔پہاڑنگ ضلع سیالکوٹ میں ایک گاؤں ہے۔وہاں کے تھے۔بعد میں شائد پریس برانچ کے انچارج ہوگئے،ان کے تعلقات والوں میں سے تھے۔وہ اس سلسلے کے بڑے سخت مخالف تھے۔ان کے ساتھ ایک دواورآدمی بھی تھے۔لیکن شروع شروع میں ڈاکٹر صاحب کی بانی سلسلہ اور جماعت کے متعلق رائے بڑی اچھی تھی۔شائد علی گڑھ میں تقریر کی تھی کہ اس زمانے ہیں اگر ٹھیٹھ اسلامی سیرت کانمونہ دیکھنا ہوتواحمدیہ جماعت کو دیکھو۔سعداللہ لدھیانوی بانئ سلسلہ کے سخت مخالف تھے۔اس پرڈاکٹر صاحب نے نظم لکھی۔اسے CONDEMN کیا۔اس وقت ڈاکٹر صاحب کالج میں پڑھتے تھے۔س:۔جن سرسلطان احمد کا آپ نے پہلی گول میز کانفرنس کے حوالے سے ذکرکیا ہے۔یہ وہی ہیں۔چنائے۔ج:۔یہ وہ نہیں۔سلطان چنائے توبمبئی کے تھے۔جبکہ سرسلطان احمد بہار کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ان کا سیکرٹری بتایا کرتا تھا کہ سلطان احمد صاحب کی یہ شرط ہوتی تھی کہ میں کھانے پرتب بیٹھوں گا۔جب میز پُر ہو۔اگردوتین جگہیں خالی ہوتیں تومجھے سڑک پرجاکرکسی راہگیر کولاناپڑتا کہ آؤ بھئی،آپ کوکھانا کھلائیں۔کم سے کم چالیس افراد کے بغیر کھانانہیں کھاتے تھے۔ س:۔ چوہدری صاحب، آپ کی سوانعمری پڑھ کر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ نہرو اور گاندھی قلابازیاں بہت کھاتے تھے۔جھوٹ بہت بولتے تھے۔ج:۔ بیشک جھوٹے تھے۔لیکن دینوی لحاظ سے ان کی عظمت سے بھی انکارنہیں ہوسکتا۔آخروہ کوئی دینی پیشواتونہیں تھے۔گاندھی کلّم کلاّ تے ننگم ننگا جیسا کہ چرچل انہیں نیم برہنہ فقیر کہا کرتے تھے۔اپنے زمانے کی سب سے طاقتورحکومت کا مقابلہ کرتے رہےاوراس میں کامیاب ہوئے۔یہ ٹھیک ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ظاہری اسباب اورہوتے ہیں۔یہ کہ اللہ تعالیٰ کی منشابھی یہی تھی کہ آزادی کا انتظام ہوجائے لیکن جہاں تک انسان کی کوشش ہے۔ایک ننگافقیراپنے وقت کی طاقتورحکومت کی مخالفت کرتارہااورجیت گیا۔اس بات سےتوان کانہیں ہوسکتا۔ HE WAS A GREAT MAN۔ باقی یہ کہ گاندھی بات اس قسم کی کرجاتے تھے۔پلٹاجاتے تھے۔یہ کرتے تھے۔وہ کرتے تھے،اورہتھیار

ان کے پاس تھا کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ہمارے لوگوں میں سادہ لوح بڑے ہوتے ہیں۔ایک دفعہ گاندھی نے کہا کہ میں مسلمانوں کے سارے مطالبات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ بشرطیکہ یہ سودیشی قلم کے ساتھ لکھ دیں۔ راجہ شیر محمد نے کہا جی فیصلہ ہوگیا۔ہم سودیشی قلم کے ساتھ لکھ دیتے ہیں۔میں نے کہا بھلے مانس قلم سے مراد وہ قلم نہیں،اس کا مطلب ہے وہ قلم ہو جس میں ہندوستان کے حقوق وغیرہ کا ذکر ہو۔میں نے سن اڑتیس (1938ء) کے آخر میں اپنی والدہ پر چھوٹی سی کتاب لکھی تھی۔''میری والدہ''۔ مجھے سروجنی نائیڈو نے کہا۔ میں نے وہ پڑھی ہے اور مکی ماؤس (MICKEY MOUSE) کو پڑھنے کے واسطے دی تھی۔وہ گاندھی کو مکی ماؤس کہا کرتی تھیں۔اور کہا مکی ماؤس نے وہ بڑی پسند کی ہے۔ آپ انہیں ایک کاپی بھیج دیں۔میں نے بھیج دی۔اس کا انہوں نے شکریہ کا خط لکھا۔اپنے ہاتھ سے۔دو چار سطریں ہی ہیں۔اُردو میں۔اس وقت وہ اُردو سیکھ رہے تھے۔اسی طرح نہرو، وہ ایک بڑے ملک کے وزیراعظم تھے۔کرجایا کرتے تھے۔بات میرا ایک امریکی خاندان کے ساتھ بڑا دوستانہ ہوگیا۔اب تک ہے۔ان کی بیٹی اَیمی اس وقت چھوٹی تھی۔ میں ان کے ہاں گیا ہوا تھا۔ایک روز اس نے کہا۔میری ایک امریکی ہم جماعت نے کہا ہے کہ تمہارے دوست، فارن منسٹر آف پاکستان کے متعلق نہرو نے کہا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ایمی کہتی ہے کہ میں نے کہا، ہو سکتا ہے۔نہرو جھوٹ بول رہا ہو کہ پاکستان کے وزیرخارجہ نے جھوٹ بولا ہے۔وہ بات یہ تھی کہ کشمیر پر بحث کے دوران فروری 1948ء میں میں نے کہا کہ ہماری ریگولر فوج وہاں نہیں لڑ رہی۔ ہندوستان والوں نے لارڈ مونٹ بیٹن کا اثر وغیرہ ڈلوا کے ریزولیشن رکوا لیا۔اور ہندوستان نے ارادہ کر رکھا تھا کہ یو این او میں تو بات روک لی ہے۔ہم کشمیر پر جتنا قبضہ کر سکتے ہیں کر لینا چاہیئے۔ مجھے اس بات کا پختہ خیال ہوگیا کہ کشمیر کا فیصلہ یہاں نہیں ہوگا۔کشمیر میں ہوگا۔ میں نے نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب کو تار دیا بلکہ چودھری محمد علی صاحب بڑا ڈر رہے تھے کہ بات باہر نکل جائے گی۔میں نے کہا بیشک نکل جائے۔لیکن یہ موقع ایسا ہے اس پر ہمیں احتیاط کرنی چاہیے۔چنانچہ میں نے وہ تار دیا کہ کشمیر کے معاملہ کا اقوام متحدہ میں نہیں کشمیر میں فیصلہ ہوگا۔

اس واسطے اگر وہ فوجی تیاری کر رہے ہیں اور انہیں روکنے کے لیے ہمیں اپنی فوج بھیجنی پڑے تو بھیج دینی چاہیئے۔اس وقت تھا اپریل کا اخیر یا مئی کا شروع جب ہماری ریگولر فوج کشمیر کے محاذ پر چلی گئی۔نہرو نے بعد میں کہا کہ پاکستان کے وزیرخارجہ نے وہاں یونائیٹڈ نیشنز میں تو کہا تھا کہ ہماری فوج نہیں لڑ رہی اور ہمیں مئی کے شروع میں ثبوت مل گیا تھا کہ لڑ رہی ہے۔نہرو نے بلنگڑا پایا ناں۔ میں نے تو فروری میں کہا تھا کہ ہماری فوج نہیں لڑ رہی۔جبکہ انہوں نے مئی کے شروع کی بات کی۔ میں نے تو خود اپنے وزیراعظم سے کہا تھا کہ ہمیں وہاں ریگولر آرمی بھیج دینی چاہیئے۔ نہرو نے یہ کہنا شروع کیا کہ پاکستان کے وزیرخارجہ نے بین الاقوامی حلقوں میں میرا منہ کالا کر دیا ہے۔میں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر ان کا مُنہ کالا ہوا ہے تو ان کی اپنی کرتوتوں سے کالا ہوا ہے۔انہوں نے اس امر کا تہیہ کر لیا تھا کہ کشمیر میں استصوابِ رائے نہیں ہونے دیں گے۔زبانی کہے جاتے تھے لیکن عملاً الٹ چلتے تھے۔کرشنا مینن اس کے یونائیٹڈ نیشنز میں نمائندہ تھے۔اس نے میری موجودگی میں کہا کہ میرے وزیراعظم نے کشمیر کے تعلق میں کبھی استصوابِ رائے کے الفاظ استعمال نہیں کئے۔میری جواب دینے کی باری آئی تو میں نے سیکورٹی کونسل کے ریکارڈ سے دس مثالیں دیں۔جس میں انہوں نے کشمیر میں استصوابِ رائے کی آمادگی ظاہر کی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ اس ریکارڈ کی روشنی میں ہندوستان کے فاضل نمائندہ اس بات کے قائل ہو گئے ہوں گے کہ ان کے وزیراعظم نے کم ازکم دس مرتبہ تو استصوابِ رائے کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔کہا

توانہوں نے اس سے بھی زیادہ تھا۔ جب میں نے یہ کہا تو کرشنا مینن نے کہا کہ میں پھر دہراتا ہوں کہ میرے پرائم منسٹر نے نہیں کہا۔

س:۔ ان کے مقابلے میں قائداعظمؒ نے تو سچائی کی دھاک بٹھا دی۔ج:۔ ہاں ٹھیک ہے۔ HE WAS A SOUL OF INTEGRITY INELTINCH.(وہ مجسّم دیانت تھے) جس چیز کو یا موقف کو وہ صحیح سمجھتے ہوں کوئی بات، کوئی لالچ کوئی حرص کوئی غرض اس پر سے انہیں ہٹا نہیں سکتی تھی۔اس وقت کے باقی لیڈروں میں تو یہ بات نہ تھی اور یہی زیادہ ان کی کامیابی کا راز تھا۔(مئی 1981ء)

حضرت سر چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کا آخری انٹرویو

محترم عبدالحی شاہ صاحب مدیر انصاراللہ ربوہ تحریر کرتے ہیں کہ ''یہ انٹرویو محترم ملک صلاح الدین صاحب مؤلف اصحاب احمد نے لاہور میں 6/جنوری 1983ء کو حاصل کیا تھا۔ یہ انٹرویو حضرت چوہدری صاحب نے بعد تحریر خود ملاحظہ فرمایا اور بعض ترامیم فرمائیں۔ یہ انٹرویو ادارہ انصاراللہ نے پہلی دفعہ شائع کیا۔ غالباً یہ حضرت چوہدری صاحب مرحوم کا آخری انٹرویو بھی ہے......(اس شمارے میں) تکرار سے بچنے کے لئے انٹرویو کے بعض حصے حذف کر دیئے گئے ہیں۔'' سوال: خاندانی حالات کے بارے میں کچھ تذکرہ فرمائیں۔

جواب: ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میرے وطن میں آباد ہماری ساری برادری ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد ہے جس میں سے ایک حصہ سکھ ہو گیا اور ایک حصہ حسب سابق ہندو ہی رہا۔ برادری کے اس ہندو حصہ میں سے ہمارے کسی بزرگ نے بھی دس بارہ پشت پہلے اسلام قبول کر لیا۔ معلوم نہیں قبول اسلام کس کی تبلیغ سے یا کس طرح ہوا اس کی تفصیل کسی کو معلوم نہیں میرے ہوش کے وقت ابھی ایک دو خاندان ہندو موجود تھے۔ سوال: آپ کے خاندان کا دینی ماحول کیسا تھا۔ جواب: میرے دادا جان اور میرے والد صاحب دونوں وہابی تھے۔ پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ سو شرک و بدعت کا ہمارے ہاں کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ سوال: آپ کا نام ظفراللہ خان کس کی طرف سے رکھا گیا تھا۔ جواب: میرے والدین کے ہاں مجھ سے پہلے تین چار بچے چھوٹی عمر میں وفات پا چکے تھے سو غالباً بطور تفاؤل میرا نام نہ معلوم کس نے ''اللہ رکھا'' رکھا لیکن میرا حقیقی نام شروع سے ہی ظفراللہ خان ہے جو والدین نے نہیں بلکہ ممکن ہے کہ میرے دادا جان نے رکھا ہو۔ سوال: بچپن میں آپ نے کس کس سکول میں تعلیم پائی۔ جواب: میں سیالکوٹ میں ڈسٹرکٹ بورڈ سکول میں تعلیم پا رہا تھا۔ جب والد صاحب نے احمدیت قبول کر لی تو اس وقت امریکی مشن سکول کے ایک احمدی ٹیچر کی تحریک پر والد صاحب نے اس سکول میں مجھے داخل کرا دیا۔ اس مشن سکول میں پانچ چھ اساتذہ احمدی تھے مثلاً منشی کرم دین صاحب، سید امیر علی صاحب، سید نواب شاہ صاحب، ماسٹر غلام محمد صاحب اور عزیز دین صاحب۔ ماسٹر غلام محمد صاحب احمدیہ جماعت کے نائب صدر تھے۔ وہ کئی مضامین پڑھاتے تھے اور میری طرف بہت توجہ دیتے تھے۔ ان کے بیٹے عبدالحمید صاحب میرے ہم جماعت تھے۔ بعد میں ڈائریکٹر آف ہیلتھ کی حیثیت سے قادیان بھی دورہ پر آتے رہے تھے اور حضرت فضل عمرؓ سے رابطہ رکھتے تھے اور ملاقات کرتے تھے اور میرے ساتھ بھی تعلقات رکھتے تھے اور شملہ آنے پر میرے ہاں ہی ان کا قیام ہوتا تھا۔ ماسٹر غلام محمد صاحب بعد میں غیر مبائع ہو گئے تھے۔ عزیز دین صاحب مرحوم بعد میں ملازمت ترک کر کے مرکز کی طرف سے انگلستان میں تجارت کے سلسلہ میں کام کرتے رہے اور اب 1982ء کے اواخر میں ان کے بیٹے عبدالعزیز دین صاحب نے وفات پائی ہے جو انگلستان کے نیشنل پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ رہے ہیں۔

سوال: آپ کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے آپ کے والد ماجد نے کیا انتظام کیا۔جواب: جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں قرآن مجید ناظرہ پڑھانے کا آپ نے اہتمام کیا مجھے بھی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی چنانچہ موسمی تعطیلات میں اپنے ننھیال چلا گیا اور ساتھ ہی اپنے ہم سبق لڑکوں کے سپارے بھی لے گیا جو کہ وہ میرے جزدان میں ہی رکھ دیتے تھے۔میں ساتھ اس لئے لے گیا تا کہ وہ میری غیر حاضری میں آگے سبق نہ پڑھ لیں۔والد ماجد اس بات کو سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی تعلیم سے واقفیت کی کتنی اہمیت ہے۔احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ نے مولوی فیض الدین صاحب امام [مسجد] کبوتراں والی سے قرآن مجید باترجمہ میرے پڑھنے کا انتظام کیا۔مولوی صاحب نے بھی والد صاحب کی طرح حضور کے 1904ء میں سیالکوٹ تشریف لانے کے موقع پر ہی بیعت کی تھی۔چونکہ میری آنکھوں میں کُکرے ہوگئے اور موسم گرما میں آنکھوں میں تکلیف کی شدت کی وجہ سے مجھے اندھیرے کمرے میں وقت گزارنا پڑتا تھا اس لئے ترجمہ قرآن مجید پڑھنے کی رفتار بھی بہت کم ہوتی تھی۔میٹرک کے امتحان میں چھ ماہ باقی تھے کہ والد صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کتنا ترجمہ پڑھ لیا ہے۔میں نے عرض کی کہ ساڑھے سات پارے۔فرمایا کہ امتحان تک تو زیادہ سے زیادہ تم نو پارے پڑھ سکو گے۔میری خواہش ہے کہ تم اس امتحان سے پہلے سارے ترجمہ سے گذر جاؤ سوتم مترجم قرآن مجید سے خود ترجمہ پڑھ لیا کرو اور شام کو غیر مترجم قرآن مجید سے مجھے سنا دیا کرو۔شام کو آپ گھر ہوتے تھے۔سوصبح دو رکوع کے قریب ترجمہ دیکھ لیتا تھا شام کو آپ کو سنا دیتا تھا۔سو میں نے سارا ترجمہ پڑھ لیا۔یہ آپ کا مجھ پر بڑا بھاری احسان ہے۔اس طرح مجھے قرآن مجید سے محبت ہوگئی جو کلام الٰہی ہے اور اسلام کی بنیاد ہے۔مجھے بھی دینی بہتری میں شامل رکھنے کے لئے والد صاحب 1904ء میں اپنے ساتھ لاہور لے گئے تھے جہاں حضرت بانی سلسلہ کی تقریر ہونا تھی۔والد صاحب نے ابھی احمدیت قبول نہ کی تھی اور میری عمر ابھی صرف ساڑھے گیارہ سال کی تھی۔

سوال: حضرت بانئ سلسلہ کا ذکر آپ نے کتنی عمر میں اور کیسے سنا۔جواب: میں مدرسہ میں زیر تعلیم تھا اور بچہ ہی تھا کہ وہاں حضور کے بارے میں علم ہوا۔میری عمر سات آٹھ سال کی ہوگی کہ ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول سیالکوٹ کے ایک مدرس مولوی عبدالکریم یا عبدالحکیم صاحب سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کا انتظام والد صاحب کی طرف سے کیا گیا۔وہ احمدی نہیں تھے۔عمر کے لحاظ سے بزرگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے مجھ سے احمدیت کا کیا ذکر کرنا تھا لیکن وہ تین چار لڑکے جو میرے ساتھ اس سبق میں شامل ہوگئے تھے مذاق وغیرہ کے رنگ میں حضور کا ذکر مجھ سے کرتے رہتے تھے۔ان میں سے ایک نے مجھے کہا کہ تمہارے والد مرزائی ہوگئے ہیں یا ہونے والے ہیں تمہارا کیا خیال ہے۔چونکہ مولوی صاحب موصوف دینی لحاظ سے میرے استاد تھے یعنی قرآن مجید پڑھانے والے تھے اس لئے میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی مذہبی رائے صائب ہوگی یہ جواب دیا کہ دینی معاملہ میں مولوی صاحب کی بات میں قبول کروں گا لیکن حضرت بانی سلسلہ کی اولین زیارت کے بعد میرا تعلق حضور سے ہمیشہ کے لئے قائم ہوگیا۔سوال: حضرت بانی سلسلہ کی اولین زیارت کا شرف آپ کو کب اور کہاں حاصل ہوا اور اس کا کیا اثر آپ نے محسوس کیا۔جواب: لاہور میں حضرت بانی سلسلہ کی تقریر جو 3 ستمبر 1904ء کو ہوئی تھی اس کے سننے کے لئے والد صاحب مجھے بھی اپنے ساتھ سیالکوٹ سے لے گئے تھے۔سوال: آپ کی والدہ ماجدہ کی بیعت کی کیا تفصیل ہے۔جواب: والدہ صاحبہ بالکل اَن پڑھ تھیں۔اللہ تعالیٰ نے احمدیت قبول کرنے سے پہلے ان کی روحانی تربیت کا سامان رؤیاہائے صالحہ کے ذریعہ کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے آپ نے شرک بکلی ترک کر دیا اور آپ کا ایمان اللہ تعالیٰ پر قوی ہوگیا۔حضرت بانئ سلسلہ کے بارے آپ رؤیا دیکھ چکی تھیں۔حضور 1904ء میں لاہور سے سیالکوٹ تشریف

لائے آپ زیارت کے لئے جانے لگیں تو والد صاحب چونکہ بیعت کرنے کے بارے غور کر رہے تھے آپ نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ میرے فیصلہ سے پہلے بیعت نہ کریں لیکن والدہ صاحبہ اس محکم یقین پر قائم تھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کی رہبری کرتا ہے۔اس لئے کہنے لگیں کہ اگر مرزا صاحب وہی ہیں جو مجھے رؤیا میں دکھائے گئے ہیں پھر میں نہیں رکوں گی۔ چنانچہ حضور کو رؤیا والا پایا کر آپ نے بیعت کے لئے عرض کیا اور حضور نے بیعت قبول فرمائی اور والد صاحب کو آ کر بیعت کر لینے کا بتایا اس پر والد صاحب ناراض ہوئے۔سوال: آپ کے والد ماجد [مسجد] کبوتر اں والی کے مقدمہ میں مولوی مبارک علی صاحب کے وکیل تھے اور اس میں جماعت احمدیہ کے دفاع کے لئے آپ حضرت بانیٔ سلسلہ کی کتب کا مطالعہ کر چکے تھے اور حضور سے متاثر تھے اور پھر کرم دین والے مقدمہ میں حضور کی طرف سے گواہ صفائی کے طور پر پیش ہوئے تھے اور حضور کی وہاں ملاقات سے اور حضور کو قریب سے دیکھنے پر حضور کی صداقت کے آپ قائل ہو چکے تھے ان حالات میں انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کو بیعت سے اپنے فیصلہ تک رکے رہنے کے لئے کیوں کہا تھا؟ جواب: میں نے اس بارے میں غور کیا ہے بے شک والد صاحب حضور کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے لیکن اس وقت شدید مخالفت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی اَور شخص بھی ان کے دوستوں میں سے احمدیت قبول کر لے تا کہ ایک ساتھی میسر آ جائے۔ چنانچہ حضور کے سیالکوٹ تشریف لانے پر خواجہ محمد امین صاحب وکیل کو بھی حضور کی ملاقات کے لئے آپ لے گئے اور پھر پوچھا تو خواجہ صاحب نے بیعت کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور آپ سے کہا کہ نماز فجر کے لئے مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔ میں بھی ساتھ ہی تھا۔ راستہ میں خواجہ صاحب کو اطلاع دی کہ وہ ساتھ چلیں لیکن انہوں نے معذرت کر دی۔اس پر والد صاحب نے اپنے عزم کے مطابق بیعت کر لی مزید انتظار کرنے سے احتراز کیا۔خواجہ صاحب موصوف گو عمر بھر احمدیت کے مداح رہے۔لیکن انہوں نے احمدیت قبول نہ کی۔ان کی اکلوتی بیٹی محترمہ احمد اللہ بیگم صاحبہ ہیں جو چوہدری بشیر احمد صاحب کاہلوں کی اہلیہ ہیں اور عرصہ دراز تک وہ لاہور میں صدر لجنہ اماء اللہ رہیں۔سیالکوٹ میں عام طور پر بھی احمدیت کی مخالفت تھی اور مخالفانہ وعظ ہوتے رہتے تھے لیکن حضور کی 1904ء میں سیالکوٹ میں تشریف آوری پر مخالفت کا شدید جوش تھا جس کا اس سے علم ہوتا ہے کہ حضور کی آمد پر حنفی مولویوں نے فتوی دیا کہ جو کوئی (حضرت) مرزا صاحب کو دیکھنے بھی گیا تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے چونکہ حضور کو دیکھا اس لئے انہوں نے دوبارہ اپنے نکاح پڑھوائے۔ یہ عجیب بات ہوئی کہ حنفیوں کی مخالفت کی وجہ سے وہابی علماء نے یہ فتوی دیا کہ جنہوں نے دوبارہ نکاح پڑھوائے ہیں ان کے نکاح دوبارہ نکاح پڑھوانے کی وجہ سے ٹوٹ گئے ہیں۔ایک مولوی عبدالحکیم نامی کسی سرکاری محکمہ میں ناظر تھے ان کے متعلق کسی نے حضرت بانی سلسلہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی صاحب موصوف نے بیان کیا ہے کہ مجھے آواز آئی ہے کہ ''زلزلہ کا دھکا مرزا سچا'' حضور نے دریافت فرمایا آیا ان مولوی صاحب نے مجھے قبول کر لیا ہے۔ تو عرض کیا تھا کہ اس نے قبول نہیں کیا۔حضور نے یہ سن کر فرمایا کہ وہ شقی ازلی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنے واضح طور پر بتایا گیا پھر بھی وہ قبول نہیں کرتا۔

سوال: آپ نے کب بیعت کی اور کیا منصب سمجھ کر بیعت کی تھی۔ جواب: میں نے 3رستمبر 1904ء کو جب حضرت بانیٔ سلسلہ کو دیکھا تو اسی وقت ایمان لے آیا اور مجھے حضور کی صداقت کے بارے بفضلہٖ تعالیٰ کبھی تذبذب نہیں ہوا چنانچہ میں والدہ صاحبہ سے کہا کرتا تھا کہ میں آپ سے پہلے ایمان لے آیا تھا۔ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ حضور کی صداقت کے بارے مجھے خوابیں اس سے پہلے آ چکی تھیں اور میں اس وقت ہی ایمان لے

آئی تھی۔حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے 1907ء میں والد صاحب کوتحریر فرمایا کہ ظفراللہ خاں کو اب بیعت کر لینی چاہیئے۔میں نے یہ خط پڑھا اور جب تعطیلات موسمِ گرما ہوئیں تو والد صاحب کے ساتھ قادیان آ گیا اور حضرت بانیٔ سلسلہ کی دستی بیعت (مسجد) المبارک میں کر لی۔ میں شروع سے ہی حضور کو صادق اور مامور من اللہ یقین کرتا تھا اور حضور کے تمام دعاوی پر ایمان رکھتا تھا۔سوال: ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے استاد شمس العلماء میر حسن صاحب کے تاثرات حضرت بانیٔ سلسلہ کے بارے میں کیا تھے۔جواب: میں ان کو بچپن میں جانتا تھا۔میر حامد شاہ والی مسجد میں وہ نماز ادا کیا کرتے تھے اور ان کے قریبی رشتہ دار تھے حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے جب اپنی جوانی میں سیالکوٹ میں ملازمت کی تھی تو اسی محلہ میں قیام تھا جس میں میر حسن صاحب رہائش رکھتے تھے اور اس زمانہ سے حضور سے متاثر تھے اور حضورؑ کا بہت ادب کرتے تھے۔سوال: ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اور ان کے والد صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی کے متعلق اپنی کچھ معلومات مہربانی کر کے بیان فرمائیں۔جواب: ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے والد صاحب کو میں بچپن میں ہی جانتا تھا۔وہ ٹوپی دوزی کا کام کرتے تھے۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت بانی سلسلہؑ کی مدافعت میں سعداللہ لدھیانوی کے خلاف نظم لکھی تھی اور ایک نکاح کے بارے میں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے فتویٰ حاصل کیا تھا۔اپنی پہلی بیوی کے بیٹے آفتاب اقبال کو قادیان میں تعلیم دلوائی تھی جو چند سال پہلے اپنے ایک بیٹے کو مسجد فضل لندن میں میرے پاس لائے تھے کہ اسے احمدی بنالیں۔میں نے بتایا کہ پہلے اسے تعلیم احمدیت سے واقف ہونا چاہیے احمدیت کا قبول کرنا کسی ایسوسی ایشن کی ممبری قبول کرنا نہیں۔ڈاکٹر صاحب کو ولایت میں تعلیم ان کے بڑے بھائی نے دلائی تھی اور ڈاکٹر صاحب ان کے ممنون اور قدردان تھے۔ بھائی احمدیت میں پختہ تھے۔ڈاکٹر صاحب جس وقت اپنے بھائی کے گھر میں رہائش رکھتے تھے تو ڈاکٹر صاحب کے بعض ساتھیوں نے احمدیت کے خلاف کسی موقع پر نامناسب بات کہی تو آپ کے بھائی نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو گھر سے نکال دوں گا۔ڈاکٹر صاحب نے معذرت خواہی کے رنگ میں کہا کہ میں نے تو (حضرت) مرزا صاحب کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کہی۔ بھائی نے کہا کہ آپ سے میل جول والے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب کے بھائی نے قدرت ثانیہ کے مظہر ثانی کی بیعت نہیں کی تھی۔پھر ایک دن میں سیالکوٹ گیا اور ان کو آمادہ کیا تو انہوں نے حضرت فضلِ عمر کی بیعت کرتے وقت عرض کیا کہ میں نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور میں ہمیشہ اس پر قائم رہا ہوں میں اب آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ان کے بیٹے شیخ اعجاز احمد صاحب نے غالباً 1936ء میں حضور کی بیعت کی تھی اور ہمیشہ جلسہ سالانہ پر قادیان میرے ساتھ جاتے تھے۔گو ڈاکٹر صاحب اور خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہت اصرار کے ساتھ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تشکیل میں اس کی صدارت حضرت فضل عمرؓ کو دلائی تھی اور پھر دوسرے سال بھی۔لیکن احمدیت کا ایک شدید معاند ڈاکٹر صاحب کا ہم جلیس تھا اس کے احمدیت کے خلاف متواتر کان بھرنے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب بالآخر مخالف ہو گئے تھے۔ڈاکٹر صاحب نے اپنے بچوں کا گارڈین اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب کو مقرر کرنا چاہا لیکن پھر بتایا کہ علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک کافر کسی مسلمان کا گارڈین نہیں بن سکتا۔لیکن پھر اپنی وصیت میں جو تین گارڈین افراد کی کمیٹی مقرر کی ان میں شیخ صاحب کا بھی نام تھا۔شیخ صاحب نے حضرت فضلِ عمر کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تین میں سے ایک ہوں باقی دو میں سے ایک شدید مخالفِ احمدیت ہے۔ طے تو وہی ہوا کرے گا جو باقی دو چاہیں گے میرا تو یونہی نام ہوگا۔کیا میں مستعفی ہو جاؤں؟ حضور نے مشورہ دیا کہ آپ کے چچا کے آپ پر بہت احسان ہیں اور آپ اب ان کی یہی خدمت کر سکتے ہیں کہ آپ مشورہ کے وقت نیک

نیتی سے اپنی رائے دے دیا کریں چنانچہ انہوں نے استعفیٰ نہیں دیا اور عملاً اس کمیٹی میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کے بھائی چندہ دینے میں وسیع حوصلہ تھے ایک عید کے موقع پر بعض احباب نے آٹھ آٹھ آنے کے قریب عید فنڈ ادا کیا جو کہ ایک روپیہ ہوتا ہے تو بھائی صاحب نے عہدہ دار سے کہا کہ ان سب کی کمی مجھ سے لے لیں۔سوال: قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل کی آپ سے شفقت وغیرہ کے بارے میں مہربانی کر کے کچھ بیان فرمائیں۔جواب: حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے چہرہ پر زخم آنے سے بیمار تھے۔جب میں بی۔اے کا امتحان دے کر قادیان چلا گیا سارا دن حضور کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔آپ کی ایسی حالت میں عیادت کرنے کے لئے احباب آتے تھے۔آپ قرآن مجید کا درس بھی دیتے تھے۔مریضوں کو بھی دیکھ لیتے تھے اور صدر انجمن احمدیہ کے کاغذات آنے پر انہیں بھی ملاحظہ فرماتے اور پھر درس و وعظ جاری رہتا۔ایک دفعہ اذان ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ سب دوست خانۂ خدا میں جائیں۔میں بھی جانے لگا تو مجھے آپ نے روک لیا۔وہیں چھ سات افراد کی معیّت میں آپ نماز ادا فرما لیتے تھے اور چارپائی پر ہی کعبہ رخ ہو جاتے اور شیخ محمد تیمور صاحب امامت کراتے تھے۔ایک روز غالباً نماز عصر کے وقت شیخ صاحب موجود نہ تھے تو شفقت سے حضور نے مجھے فرمایا: میاں تم نے بھی تو قرآن مجید پڑھ لیا ہوا ہے تم نماز پڑھاؤ۔میں نے شکر کیا کہ یہ نماز جہری قراءت والی نہیں اور تعمیل ارشاد میں نماز پڑھائی۔عصر کے وقت صحن میں سایہ ہو جانے پر حضور صحن میں چلے جاتے تھے اور مغرب تک وہاں ٹھہرتے تھے۔چونکہ عصر کے بعد مدرسہ کے طلباء کھیل کے لئے جاتے تھے۔ایک روز حضور نے مجھ سے پوچھا تم کھیل کے لئے نہیں جاتے۔میں نے عرض کیا کہ میں جہاں ہوں اچھا ہوں۔ایک دن ایندھن کی لکڑیاں آئیں آپ کے شاگردوں نے ڈیوڑھی سے اندر پہنچانی شروع کیں اس وقت میں بہت کمزور تھا میں نے بھی ایک لکڑی اٹھائی لیکن حضور نے مجھے روک دیا اور فرمایا چھوڑ دیں یہ آپ کا کام نہیں۔دریافت کرنے پر میں نے عرض کیا کہ میرے امتحان کے پرچے اچھے ہو گئے ہیں۔مبارک اسمٰعیل صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں تو اسی وقت میں حضور کی خدمت میں واپس گیا اور یہ خط دکھایا۔آپ بہت خوش ہوئے۔اس کے بعد جو بھی اس روز آپ کے پاس آیا آپ اس سے ذکر کرتے کہ ہمیں آج بہت خوشی ہے ظفراللہ خاں کامیاب ہو گیا ہے اور ان کو پہلے ہی پاس ہو جانے کی امید تھی۔

سوال: کیا کبھی آپ نے کوئی کھیل تعلیمی زندگی میں کھیلی ہے؟ جواب: میٹرک تک مجھے کئی سال تک آشوبِ چشم کی تکلیف رہی اس لئے مجھے موسم گرما میں اندھیرے کمرے میں رہنا پڑتا تھا اور میں پڑھائی ان دنوں بہت کم کرتا تھا۔ایف اے کی تعلیم کے وقت میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر میں اس میں کامیاب نہ ہوا تو تعلیم ترک کر دوں گا۔میرے مضامین بھی زیادہ محنت والے تھے یعنی سائنس، عربی اور انگریزی۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے آرام آ گیا اور میں روزانہ بارہ گھنٹے پڑھائی کرتا تھا اور پھر اب تک آنکھوں کی کوئی تکلیف مجھے نہیں ہوئی۔سوال: کیا قدرت ثانیہ کے مظہرِ اوّل حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے آپ کو قانون کی تعلیم پانے کے لئے ولایت جانے کی اجازت دی تھی۔جواب: والد صاحب کا ایک خط حضور کی خدمت میں کئی باتوں کے بارے میں مَیں نے پیش کیا۔حضور مختصر گو اور مختصر نویس تھے ہر ایک بات کا جواب آپ نے حاشیہ پر دیا۔ولایت جانے کے بارے میں تحریر فرمایا کہ والد صاحب اور میں دونوں استخارہ کریں اگر اطمینان ہو تو اجازت ہے۔ایک خاص بات یہ تھی کہ کئی طلباء نے اس دفعہ ولایت جانے کی اجازت چاہی تھی لیکن آپ نے ان کو اجازت نہیں دی تھی۔

سوال: مہربانی کر کے حضرت فضلِ عمرؓ کی قبولیت دعا کے ایک دو واقعات بیان فرمائیں۔ جواب: (1) میں نے دیکھا ہے کہ دعا کے لئے عرض کرنے پر بعض دفعہ حضرت فضل عمر ایسی طرز سے جواب دیتے تھے کہ میں دعا کروں گا کہ میں سمجھتا تھا کہ یہ دعا قبول ہوجائے گی۔ مثلاً شیخ اعجاز احمد صاحب برادر ادہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کی خواہش پر 1924ء میں مَیں نے حضور کی خدمت میں لندن میں ان کے لئے دعا کی درخواست کی۔ غالباً سب ججی کا معاملہ تھا حضور کے جواب کی طرز سے ہی میں نے سمجھ لیا کہ یہ دعا قبول ہوگی۔ بعدازاں وہ اس ملازمت کے حصول میں کامیاب ہو گئے تھے۔ (2) گوجرانوالہ کے شیخ صاحب دین صاحب اوران کے ملازم پر جعلی نوٹ بنانے کے الزام میں سرکاری طور پر الگ الگ فوجداری مقدمات دائر ہوئے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر لاہور کے عم زاد شیخ عبدالرحمٰن صاحب مجسٹریٹ نے ملازم کا بیان اس کے مقدمہ میں قلمبند کیا تھا۔ چونکہ الزام کے بارے میں اَور تو کوئی شہادت نہ تھی اس ملازم کی گواہی پر بنیاد رکھ کر شیخ صاحب دین صاحب کو پانچ سال قید کی سزا دی گئی۔ یہ دعا عجیب رنگ اور غیر معمولی حالات میں پوری ہوئی۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کے بارے میں قانوناً براہ راست ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ جرم شدید نوعیت کا تھا۔ حضرت فضل عمر کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا گیا۔ حضور نے فرمایا کہ میں دعا کروں گا اور یہ دعا عجیب رنگ میں غیر معمولی حالات میں پوری ہوئی۔ اپیل میں شیخ صاحب دین صاحب کے وکیل نے یہ نکتہ پیش کیا کہ دوسرے ملزم کا بیان بطور ثبوت شیخ صاحب کے خلاف قبول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہائی کورٹ کے جج نے اس نکتہ کو قبول کرتے ہوئے اپیل منظور کر لی اور عدالت ماتحت کا فیصلہ کالعدم کر دیا اور شیخ صاحب بری ہو گئے۔ بعد میں ایک اور مقدمہ میں اس نکتہ کے بارے میں شیخ صاحب والے مقدمہ کا فیصلہ ایک اَور جج ہائی کورٹ کے سامنے پیش کیا گیا اس نے فل بنچ سے اس کا فیصلہ کروانا چاہا جس نے اس نکتہ کو ردّ کر دیا۔ لیکن شیخ صاحب تو بَری ہو چکے تھے۔ گویا جو کھڑکی شیخ صاحب کی بریت کی کھلی تھی وہ حضور کی دعا کا غیر معمولی نتیجہ تھی ورنہ یہ کھڑکی دوسروں کے لئے ہمیشہ کے لئے بند کر دی گئی۔ سوال: حضرت فضل عمرؓ کا آپ سے جو مشفقانہ سلوک سوال رہا اس کا مختصراً ذکر فرمائیں۔ جواب: ولایت سے تعلیم حاصل کر کے میں واپس آیا تو جنوری تا اگست 1915ء والد صاحب کے ساتھ سیالکوٹ میں پریکٹس کی اور کام سیکھا لیکن میں اس عرصہ میں اس کام سے اُکتا گیا تھا۔ پھر میں لاہور چلا آیا اور رسالہ انڈین کیسز (Indian Cases) کے نائب ایڈیٹر کے طور پر کام کرنے لگا۔ 1916ء میں (مسجد) احمدیہ مونگیر کے مقدمہ کی پیروی کے لئے حضرت فضل عمر نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں اس کی پیروی کروں حالانکہ میں نے لاہور میں ہائی کورٹ اور ماتحت عدالتوں میں اس عرصہ میں ایک کیس بھی نہیں لیا تھا۔ میرے لئے اس مقدمہ کی پیروی ایک انوکھی چیز تھی کیونکہ میں اس کے حالات سے بالکل ناواقف اور خالی الذہن تھا۔ میں پٹنہ پہنچا تو سیّد وزارت حسین صاحب مرحوم نے فقہی لحاظ سے مطلوبہ تمام حوالہ جات مہیا کر رکھے تھے میں نے یہ مقدمہ کے حالات کے مطابق قانونی کام ایک ہی روز میں کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مقدمہ میں کامیابی ہوئی۔ یہ کامیابی محض حضرت فضل عمر کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ اپریل 1915ء میں دہلی میں جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ منعقد ہونا تھا اوراس میں اردو اور انگریزی میں تقریریں ہونی تھیں مجھے حضور کی طرف سے ارشاد ہوا کہ NEED OF RELIGION (ضرورت مذہب) کے موضوع پر انگریزی میں اس جلسہ میں تقریر کروں۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے پبلک سپیکنگ (عوامی تقریر) کا ذرہ بھر تجربہ نہیں۔ فرمایا میں نوٹ لکھوا دیتا ہوں چنانچہ ان نوٹوں کو میں نے پھیلایا۔ پھر ہمیشہ یہی طریق رہا کہ جب بھی ضرورت پیش آتی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کر کے نوٹ لے لیتا اور مضمون تیار کر

لیتا تھااور آپ کی برکات،توجہ اور دعاؤں سے کامیابی ہوتی تھی۔

1917ء میں ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے لئے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو (Edwin Samuel Montagu) ہندوستان آئے تو جماعت احمدیہ کا ایک وفد بھی ان سے ملا۔وفد کے لیڈر حضرت نواب محمد علی خاں صاحب تھے۔ایڈریس میں نے پڑھا تھا۔پھر مسٹر مانٹیگو سے حضرت فضل عمر کی ملاقات ہوئی۔اس ملاقات میں حضرت فضل عمر کا میں ترجمان تھا حضور کے منشاء کے مطابق میں نے ایک ایک فقرہ کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ آپ نے ساری بات اردو میں کر لی تو اس کا ترجمہ کیا۔اس میں مشکل یہ تھی کہ ترتیب بھی وہی قائم رکھنی ہوتی تھی اور مفہوم بھی۔پھر حضور خود بھی انگریزی پوری طرح سمجھتے تھے۔گویا کہ ساتھ ہی نگرانی ہو رہی ہوتی تھی کہ صحیح ترجمانی ہوئی ہے یا نہیں۔میں حسب ضرورت اپنی طرف سے آپ کے منشاء کی وضاحت بھی کر دیتا تھا آپ میری ترجمانی سے خوش ہوئے۔حضرت فضل عمرؓ سے میرا تعارف 1904ء میں ہوا تھا جبکہ حضرت بانیٔ سلسلہ سیالکوٹ تشریف لائے تھے۔آپ 1914ء میں امام جماعت احمدیہ بنے۔1915ء سے ہی آپ کی مشفقانہ توجہ مجھ پر ہوئی جو ہمیشہ بڑھتی رہی اور وہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر مرحلہ پر میرے لئے برکات کا موجب بنی ورنہ من آنم کہ من دانم۔سوال: حضرت فضل عمرؓ کا کوئی ارشاد خاص طور پر قابل توجہ ہو اور صرف آپ ہی کو اس کا علم ہو مہربانی کر کے بیان فرمائیں۔جواب: جب میں نے حضرت فضل عمر کی خدمت میں آپ کی پچیس سالہ خلافت جوبلی منانے کی تجویز پیش کی تو فرمایا کہ اپنے بارے میں جوبلی منانے میں مجھے انقباض ہے۔البتہ چونکہ سلسلہ احمدیہ کے قیام پر پچاس سال پورے ہوئے ہیں اس وجہ سے میں جوبلی منانے کی اجازت دیتا ہوں لیکن ساتھ ہی تاکید فرمائی کہ سلسلہ احمدیہ کی صد سالہ جوبلی بڑی شان سے منانا۔استفسار پر میں نے یہ بات قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی خدمت میں بیان کر دی تھی۔سوال: حضرت اماں جانؓ کی شفقت کا کوئی واقعہ آپ بیان فرما سکتے ہیں؟ جواب: میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے میرے والد صاحب اور میرے ماموں چوہدری عبداللہ خاں صاحب مجھے لے کر قادیان حاضر ہوئے۔خاندانی اراضیات کے منتظم میاں جُمّاں بھی ساتھ تھے تو حضرت اماں جان نے از راہ شفقت غالباً دوپہر کے کھانے کے لئے ہمیں بلایا۔یہ کھانا آپ نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا۔والدہ صاحبہ کا حضرت اماں جان سے بہت جوڑ تھا۔سوال: بعض بزرگوں کے متعلق آپ کچھ بتا سکیں تو میں ممنون ہوں گا۔(1) حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ فخر بخشا کہ ان کو حضرت سیدہ ام طاہر صاحبہ جیسا وجود عطا کیا۔ان کو حضرت بانیٔ سلسلہ نے جب کہ وہ گود میں تھیں، بہو کے طور پر منتخب کیا لیکن محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات جلد ہی ہو گئی۔پھر اسی تعلق کی بناء پر حضرت فضل عمر نے انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا اور ہر دو کے اکلوتے فرزند کو اللہ تعالیٰ نے قدرت ثانیہ کا مظہر رابع بنایا ہے۔ان الفضل بیداللہ یؤتیہ من تشاء۔

(2) حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ: حضرت بانیٔ سلسلہ نے ایک لڑکی کا رشتہ تجویز کیا تو لڑکی کے والد نے تجویز منظور نہ کی۔یہ سن کر حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے فرمایا کہ حضرت صاحب مجھے اپنی بیٹی امۃ الحیٔ کے متعلق فرمائیں کہ اس کا رشتہ متابی چوڑھی کے لڑکے سے کر دو تو کر دوں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس جذبہ کو قبول کیا اور حضرت فضل عمر جیسے وجود کی زوجیت ان کو میسر فرمائی۔(خاکسار انٹرویو لینے والے کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو یہ یقین کامل تھا کہ ان کی یہ بیٹی ایسی سعادتمند ہے کہ حضرت بانی سلسلہ کی طرف سے ایسی تجویز ہونے پر اسے قبول کر لیں گی اور قبول نہ کر کے اپنے والد کے لئے تکلیف کا موجب نہ بنیں گی حضرت چوہدری صاحب کو اس نظریہ سے اتفاق

ہے۔)(3) حضرت بانی سلسلہ کی ولادت 1835ء میں ہوئی 1982ء میں آپ کی دختر حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ زندہ ہیں گویا تقریباً ڈیڑھ سوسال کا طویل رابطہ حضرت بانی سلسلہ کے وجود سے قائم ہے۔سوال: بزرگوں کے ادب کی برکات اور بے ادبی کے برے نتائج کے بارے میں اپنا تجربہ بیان فرمائیں۔جواب: شیخ محمد تیمور صاحب کے والد شیخ عبدالوہاب صاحب جموں میں وکیل تھے۔ان کا وطن پسرور ضلع سیالکوٹ تھا۔وہ دہریہ تھے۔ان کے بیٹے شیخ تیمور صاحب کو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے اپنی نگرانی اور تربیت میں لے لیا تھا۔ انہوں نے علی گڑھ میں تعلیم پائی۔اپنی علالت میں قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے خلافت کے بارے میں جو مختصر وصیت فرمائی تھی وہ شیخ محمد تیمور صاحب کے پاس ہی رکھوائی تھی۔اس وقت حضور کی ایسی حالت تھی کہ زیادہ لکھنے کا وقت نہیں تھا اس میں صرف ''محمود'' لکھا تھا۔کچھ صحت یاب ہونے پر حضور نے اسے تلف فرما دیا تھا۔میرے ولایت تعلیم کے لئے جانے سے پہلے میں قادیان میں ٹھہرا تو شیخ صاحب بھی وہاں تھے۔ہمارا باہمی میل جول بہت زیادہ تھا۔ان کو فٹ بال کھیلنے کا بہت شوق تھا۔میں بیت المبارک میں مغرب کی نماز کے لئے ان کے لئے جگہ رکھتا تھا اور وہ نماز میں شریک ہوتے تھے۔

اس قیام کے دوران سید بشارت احمد صاحب وکیل اور میر محمد سعید صاحب حیدرآباد دکن سے آئے ہوئے تھے۔سید صاحب سناتے تھے کہ مجھے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے فرمایا تھا کہ میں ان کے ساتھ کھانا کھایا کروں۔ایک روز کھانا آیا تو حضور نے فرمایا کہ شیخ صاحب آئیں تو ہم کھانا شروع کریں۔لیکن میں نے کہا کہ آپ ان کا انتظار کرلیں ہم تو کھانا کھاتے ہیں سعید صاحب نے کہا کہ مجھ پر حقیقت کھل چکی تھی کہ شیخ صاحب آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں۔شیخ صاحب کا واقعہ انہی ایام کا ہے کہ ان کو قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ بخاری شریف پڑھا رہے تھے اور انہوں نے سبق کے دوران کئی بار کوئی بات ایک حدیث کے بارے میں کی ہوگی جس کا جواب حضور نے غالباً نہ سننے کی وجہ سے نہ دیا۔وہ آگے بڑھنے لگے تو حضور کی توجہ اس حدیث کی طرف ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اس کے متعلق بات بتاتی تھی تو شیخ صاحب نے کہا کہ میں نے تو کئی بار پوچھا تھا آپ نے جواب نہ دیا تو میں آگے پڑھنے لگا۔حضور نے یہ سن کر فرمایا کہ شیخ آج ناراض ہوگیا ہے۔گویا حضور تو ہر طرح دلداری سے پیش آتے تھے لیکن شیخ صاحب میں کبر کی کوئی رمق تھی۔اس وقت شیخ محمد تیمور صاحب کا یہ حال تھا کہ بظاہر ان میں کوئی خرابی معلوم نہ ہوتی تھی اور وہ حضرت فضل عمر سے محبت رکھنے والوں میں تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ابھی آپ (حضرت فضل عمر) کی بیعت کرنے کو تیار ہوں تو حضرت فضل عمر نے فرمایا تھا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے لیکن جب خلافت ثانیہ پر حضور کا انتخاب ہوا تو جماعت مبائعین سے الگ ہی ہوگئے بلکہ دہریہ ہوگئے۔میں جب 1914ء میں قانون کی تعلیم پا کر سیالکوٹ وہیں آیا تو میں مسجد سے باہر نکلا تو وہ سامنے سے گذر رہے تھے تو میں نے ان کی اس دینی حالت کے مدنظر دوسری طرف منہ پھیر کر مصافحہ کیا تو انہوں نے میرے بارے میں کسی سے شکوہ کیا کہ اتنا گہرا دوستانہ رہا ہے اور اب ایسی بے رخی دکھائی ہے۔تقسیم ملک کے بعد ان سے ایک پرانے دوست نے ان کے اکلوتے بیٹے کے بارے دریافت کیا جو انگلستان میں مقیم تھا تو کہنے لگے کہ میں اسے ہستی باری تعالیٰ کے دلائل تحریر کرتا رہتا ہوں۔وزیر اعلیٰ فرنیٹر عبدالقیوم خاں نے شیخ صاحب کو پشاور یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کرنا چاہا تو لیاقت علی صاحب وزیر اعظم کو اپنی سفارش میں لکھا کہ اس منصب کے لئے یہ بہترین شخص ہیں اور میرے متعلق لکھا کہ ان سے بھی دریافت کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ لیاقت علی صاحب نے مجھے

یہ سفارش دکھائی اور میں نے اس کی تصدیق کی۔اس پر وہ وائس چانسلر مقرر کر دیئے گئے۔

سوال: آپ کے پیغامات مطلوب ہیں:

☆......احمدی بچوں کے لئے۔ ☆......احمدی نوجوانوں کے لئے۔ ☆......احمدی خواتین کے لئے۔

جواب: ہمارے بچوں کو یوروپین رسوم واقدار کی پیروی بلاوجہ کرنے سے محترز رہنا چاہیے۔ہماری اپنی دینی اقدار ہیں جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں ہمیں ان پر قائم رہنا چاہیئے میں ہمیشہ اس امر کی تلقین کرتا ہوں محض اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے۔حضرت بانی سلسلہ سے وابستگی کی وجہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ غلبہ دین حق کا باعث بنانے والا ہے۔سو بچوں کو جن پر کل سارا بوجھ پڑنے والا ہے۔قرآن مجید کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہوسکیں۔اگر ہم پوری توجہ دیں تو ہر ملک کے حتیٰ کہ یورپ وامریکہ کے احمدی بچے بھی تربیت پا کر معیاری احمدی بن سکتے ہیں۔مثال کے طور پر یٹی ایک نوجوان کا ذکر کرتا ہوں وہ انگلستان میں رہائش پذیر ہے۔اس کی بیوی انگریز ہے۔اس نوجوان کو دعوت الی اللہ کا بہت شوق ہے۔چھ سات انگریز اس کے ذریعہ احمدیت قبول کر چکے ہیں۔اس خاندان کی تربیت کا یہ حال ہے کہ میں نے اس نوجوان کو حضرت بانی سلسلہ کی وہ دعائیں پڑھائیں جو آپ نے جلسہ سالانہ پر آنے والوں کے لئے کی ہیں اور کہا کہ جلسہ سالانہ پر اس دفعہ کم ازکم دو بچوں کو ربوہ بھجوادیں۔پاسپورٹ اکٹھا تھا الگ الگ کرانے میں دقّت تھی۔وقت صَرف ہوتا عزم کر لینے پر مشکل بھی جلد حل ہوگئی۔پھر اس دفعہ فلائٹ ساری پُر تھیں یہ مشکل بھی حل ہوگئی۔21 ردسمبر کو ایک سپیشل فلائٹ کا انتظام ہوا۔یہ خاندان ہمارے ہاں ٹھہرا۔تیرہ اور چودہ سال کے یہ بچے نماز تہجد کے لئے اٹھتے تھے اور میرے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ (مسجد) المبارک کی باجماعت نماز تہجد میں شریک ہوتے ہیں۔ان میں سے ایک جب دس سال کا تھا تو امتحان میں اپنی جماعت میں اوّل آیا۔اس نے اپنے خط میں لکھا کہ استاد نے میرے اوّل آنے پر تعجب کا اظہار کیا ہے لیکن وہ دعاؤں کی قوت سے ناواقف ہے۔ایسی مثالیں ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے لئے نمونہ ہیں اور قابل تقلید ہیں۔میں ہمیشہ بچوں اور نوجوانوں کو محبت سے ان کی تربیت کی خاطر دینی باتیں سمجھاتا ہوں۔

احمدی نوجوانوں کے لئے پیغام۔پیدروآباد (سپین) کی اوّلین مسجد یعنی بیت بشارت کی افتتاحی تقریب میں میں نے اپنی تقریر میں دو بڑی نعمتوں کا ذکر کیا تھا۔جو امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی ہیں۔وہ ہیں ایک سلسلۂ مجدد دین اور ایک نظام قدرت ثانیہ۔اس صدی کا مجدد اور خلیفہ ایک ہی وجود میں موجود ہیں اور یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جو جماعت احمدیہ کو حاصل ہے جس سے دوسرے محروم ہیں۔ **امام جماعت کی اپنی اپنی خصوصیت ہے**۔قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ استحکام خلافت ہوا۔حضرت فضل عمرؓ کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت بانی سلسلہ کا الہام ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔'' توسیع پیغام احمدیت کے رنگ میں پورا ہوا۔

قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے خصائص نصرت جہاں سکیم، فضل عمر فاؤنڈیشن اور صد سالہ جوبلی منصوبہ ہیں جو اشاعت دین میں بھاری توسیع کا موجب ہوئے اور ہوں گے۔قدرت ثانیہ کے مظہر رابع حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کا انتخاب ہی بہت بڑا نشان ہے۔آجکل تو میونسپل کمیٹی کا انتخاب بغیر جوت پیزار کے نہیں ہوتا۔جماعت احمدیہ جو تمام دنیا میں پھیل چکی ہے اس کے چوتھے امام

جماعت کا انتخاب چالیس منٹ میں ہوگیا۔یہ فعلی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اسی جماعت پر ہے۔اے احمدی نونہالو اور پیارے نوجوانو! نظام قدرتِ ثانیہ ایک عظیم نعمت ہے اس کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔اس نعمت کی قدر کرو۔تمام دینی و دنیوی نعماء اس کی برکت سے پاؤ گے اور اپنی نسلوں کی ایسی تربیت کرتے چلے جاؤ کہ ان کے دل نظام قدرت ثانیہ کی محبت سے معمور ہوں اور وہ ہمیشہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ......الخ کی شرائط ایمان اور عمل صالح کو پورا کرتے رہیں اور اس بارے میں ہمیشہ دعائیں بھی کرتے رہو۔

احمدی خواتین کے لئے پیغام۔ حضرت بانیٔ سلسلہ کے مبعوث ہونے کی غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کے الہام میں یہ بتائی ہے يُحْيِ الدِّيْنَ وَيُقِيْمُ الشَّرِيْعَةَ کہ آپ دین حق کا احیاء کریں گے اور شریعت کو قائم کریں گے۔ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ کی زوجہ محترمہ حضرت اماں جانؓ سختی سے پردہ کی پابند تھیں۔گو وہ گھر سے باہر بھی تشریف لے جاتی تھیں اور بعض افراد کو بلوا کر کام کے لئے بھی کہتی تھیں۔سو آپ کی تقلید میں احمدی خواتین بھی پردہ کی پوری پابندی کریں۔عدمِ پابندی کے شدید نقصانات کے بارے حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ امام جماعت احمدیہ نے جماعت کو متنبہ فرما دیا ہے۔

عام جماعت کے لئے پیغام۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ارشاد خداوندی سے انحراف کی وجہ سے مسلمان روبہ انحطاط ہوئے۔اب جماعت احمدیہ کا فرض ہے کہ وہ اس فریضہ کو ادا کرے اور وہ ادا کر رہی ہے اور یہ مثمر ثمراتِ حسنہ ہو رہا ہے۔میرا پیغام یہی ہے کہ حضرت بانی سلسلہ اور جماعت احمدیہ کے ائمہ کے ارشاد کے تتبع میں ہمیں اس طرف پوری توجہ کرنی چاہیے تا کہ دوسری صدی کامل غلبۂ دین حق کی صدی بنے۔احباب کو یہ امر مستحضر رہے کہ ہمارا کام احسن طریق سے پیغام حق پہنچانا ہے ہمیں تو علم نہیں ہوتا کہ سننے والوں میں سے کون اس سے نیک اثر لے گا لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ سعید روحیں اثر لیتی ہیں۔میں نے دہلی میں ایک دفعہ اسلام کے بارے میں لیکچر دیا۔سامعین میں سے ایک ہندو طالب علم نے موٹر کے پاس آ کر مجھے کہا کہ میں آپ سے پھر ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔میں نے کہا جب چاہیں آپ آ جائیں۔وہ جب آئے تو میرے سیکرٹری نے پوچھا کہ کیا آپ کا یہ نام ہے۔انہوں نے تصدیق کی۔ملاقات میں انہوں نے پوچھا کہ آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوگیا۔میں نے کہا کہ سٹوڈنٹس یونین کا پریذیڈنٹ مجھے واپس چھوڑنے جارہا تھا اس سے میں نے معلوم کرلیا تھا۔انہوں نے مجھے دعا کے لئے کہا۔میں نے کہا کہ ہندو مذہب میں تو دعا کی گنجائش نہیں۔اس میں تو کرم کی فلاسفی ہے۔انہوں نے کہا کہ میں صرف پیدائشی ہندو ہوں مذہباً نہیں۔سو انہوں نے مجھ سے رابطہ رکھا۔قرآن مجید و ریاض الصالحین منگوائیں۔جوانی سے ہی وہ بہت متاثر ہوئے۔ایک دفعہ ان کی ڈیوٹی بمبئی ڈاک پر تھی۔ایک دن رات کو ان کو تاخیر ہوگئی اور وہ پریشان تھے کہ کیسے واپس پہنچیں۔اتنے میں ایک انگریز موٹر میں جارہے تھے کہ آپ کے پاس موٹر لے آئے۔بشپ آف بمبئی تھے۔پوچھنے پر بتایا کہ میں پیدائش کے لحاظ سے ہندو ہوں۔قابل قبول مذہب اسلام ہے اور قرآن مجید کی رو سے عیسیٰ میرے نزدیک صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔تو بشپ صاحب نے کہا کہ THIS IS AN OLD HEARESAY (یہ پرانی باتیں ہیں)۔ایک دفعہ ان کے مسلمان افسر سے انہوں نے ذکر کیا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف توحید پر اس قدر پختہ تھا اور آپ نے اس کی اس قدر تاکید کی تھی کہ اگرچہ مسلمان قبر پرستی وغیرہ بدعتوں میں ملوث ہوگئے تاہم وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہیں اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ان سے دعا مانگتے نہیں۔اس ہندو دوست نے تو صحیح بات کہی لیکن وہ مسلمان اسلامی تعلیم سے ایسا غافل تھا کہ کہنے لگا کہ ہم حضور سے

دعا مانگتے ہیں۔کون کہتا ہے کہ نہیں مانگتے۔اس نوجوان نے مجھ سے رابطہ رکھا اور اسلامی کتب کا مطالعہ کرتے رہے۔وہ مسلمانوں سے محبت رکھتے تھے تقسیم ملک کے وقت وہ ایک بڑے عہدہ پر تھے اور انہوں نے اپنا نام پاکستان میں ملازمت میں رہنے کے لئے دے دیا تھا لیکن ان کے مسلمان احباب نے ان سے کہا کہ یہاں حالات خراب ہیں ہم آپ کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے او ہمدردی سے ان کو مجبور کر کے ہندوستان بھجوا دیا۔پھر وہ ایک بہت بڑے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ملازمت میں تقسیم ملک کے بعد انہوں نے امریکہ میں اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی۔جب ان کی شادی ہوگئی تو انہوں نے کہا کہ دنیوی لحاظ سے میرا سسرال خوشحال اور اچھا ہے لیکن دینی لحاظ سے میں نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری ہے اب میں اس ماحول میں اس وجہ سے جکڑا گیا ہوں۔انہوں نے قرآن مجید اور ریاض الصالحین منگوائیں۔ان کا بیٹا ان کی ہدایت پر بیرون ملک آنے پر مجھے ملا۔دعوت الی اللہ کے بارے میں یہ بات قابل توجہ ہے۔اب زیادہ گھبرا جانے کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت صداقت احمدیت کے بارے میں ایک قطعی دلیل ہے جو نا قابل تردید ہے۔مثلاً غیر مبائعین کے سامنے یہ بات بیان کی جائے کہ بشیر اوّل کی وفات ہوگئی۔بشیر ثانی کی وفات سے پہلے حضرت بانی سلسلہ کو یہ بتایا گیا کہ وہ اپنی والدہ کو کہہ رہا ہے لا أفارقك بسرعةٍ کہ میں آپ سے جلدی جدا نہ ہوں گا۔اس میں دونوں کی مشترکہ لمبی عمر ہونے کی بشارت ہے چنانچہ 1889ء میں حضرت فضل عمرؓ کی ولادت ہوئی اور 1952ء میں حضرت اماں جانؓ کی وفات ہوئی۔گویا چونسٹھ سال کا طویل عرصہ دونوں کا مشترکہ گذرا۔پھر الہام ”میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا“ اس کا مفہوم ظاہر ہے کہ زمین کے کناروں تک صحیح پیغام احمدیت پہنچے گا۔دیکھ لو مبائعین وغیر مبائعین کس فریق کے ذریعہ یہ الہام پورا ہوا۔وہی فریق صادق ہے۔پھر ایک بنیادی بات یہ ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ کا جو مقام آپ کے الہامات میں بیان ہوا ہے ہمیں اس پر ایمان لانا چاہیئے۔اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔صداقت احمدیت کے بارے میں زیادہ پیچیدہ باتیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں بعض بنیادی باتیں پیش کی جانی چاہئیں۔ایک دفعہ کراچی میں ہائی کورٹ کے کئی جج مدعو تھے۔میں نے ان سے ذکر کیا کہ آیت لوتقول علینا بعض الاقاویلمیں ایک مفتری علی اللہ کے بارے میں ہلاکت کا معیار بیان کیا گیا ہے کہ اسے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جتنی مہلت نہیں ملتی لیکن حضرت بانیٔ سلسلہ کو اتنی مہلت دعویٰ الہام کے بعد ملی جوان کی صداقت کی دلیل ہے۔ایک جج کہنے لگا یہ آیت نبی کریمؐ کے بارے میں ہے میں نے کہا پھر اس سے آنحضرتؐ کی صداقت ثابت نہیں ہوسکتی۔(بحوالہ نومبر، دسمبر 1985ء صفحہ 15 تا 25 انصار اللہ پاکستان 1985ء حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان نمبر)
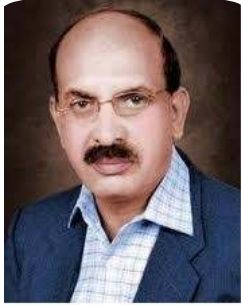
سر ظفر اللہ خان: جنرل اسمبلی کے صدر، عالمی عدالت انصاف کے سربراہ واحد پاکستانی جنھیں ان کے عقائد کی وجہ سے عہدے سے ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا

عقیل عباس جعفری محقق ومورخ، کراچی

اقوام متحدہ میں سیکریٹری جنرل کے عہدے کے بعد اہم ترین عہدہ جنرل اسمبلی کے صدر کا عہدہ ہے۔

پاکستان گذشتہ 74 برس سے اقوام متحدہ کا رکن ہے مگر جنرل اسمبلی کا یہ عہدہ صدارت صرف ایک مرتبہ پاکستان کے حصے میں آیا ہے اور سر ظفر اللہ

خان نے ستمبر 1962 سے ستمبر 1963 تک اس عہدے پر خدمات سرانجام دی ہیں۔سنہ 1961 میں جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی صدارت پر تیونس کے مونجے سلیم منتخب ہوئے تو اسی وقت سے یہ بات گردش میں تھی کہ آئندہ سال یہ منصب ایشیا کے کسی سفارتکار کو ملنا چاہیے۔چوہدری ظفراللہ خان نے پروفیسر وِلاکس اور پروفیسر ایمبری کو دیے گئے انٹرویو میں جو 'سرظفراللہ خان کی یادداشتیں' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوا بتایا کہ 'مجھے اس تجویز پر تحفظات تھے اور میرا موٴقف یہ تھا کہ افریقن صدر کے فوراً بعد کسی ایشیائی کا یہ منصب سنبھالنا مناسب نہیں۔میرا خیال تھا کہ افریقی اور ایشیائی ممالک کی تعداد میں اضافہ ہونے سے یہ خدشہ بڑھ رہا ہے کہ یہ ممالک اقوام متحدہ کے اندر معاملات کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا شروع کر دیں گے۔میں سمجھتا تھا کہ اگر ہمیں (یعنی افرو ایشیائی ممالک کو) ہر تیسرے برس صدارت ملتی رہے تو بہت ہے۔' انھوں نے مزید بتایا کہ 'میری تجویز تھی کہ اس سال اقوام متحدہ میں ارجنٹائن کے مندوب رامادو کو میدان میں اترنے دینا چاہیے اور اب کی بار صدارت لاطینی امریکا کو دے دینی چاہیے مگر اسی دوران ارجنٹائن میں سیاسی انقلاب آ گیا اور رامادو مستعفی ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔' 'اسی اثنا میں بعض ایشیائی ممالک نے اپنے امیدواروں کے نام کا ذکر کرنا شروع کیا اور اقوام متحدہ میں سیلون (موجودہ سری لنکا) کے مندوب پروفیسر ملالاسیکرا نے اپنے لئے لابنگ شروع کر دی۔افرو ایشیائی گروپ کے چیئرمین اُردن کے مندوب رفاعی تھے۔انھوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور پوچھا کہ کیا میں اس عہدے کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکتا ہوں؟'' میں نے کہا کہ اگرچہ ارجنٹائن کے رامادو اپنے وطن واپس جا چکے ہیں مگر میں اب بھی اس عہدے کے لئے لاطینی امریکا کے کسی ملک کے امیدوار کو زیادہ مناسب سمجھتا ہوں مگر رفاعی مصر رہے کہ ان کی اور ان کے احباب کی نظر میں اس عہدے کے لئے میں مناسب ترین آدمی ہوں' سرظفراللہ خان نے رفاعی کو ٹالنے کے لئے کہا کہ 'میں اس سلسلے میں اپنے ملک سے مشورہ کروں گا اگر مجھے میرے ملک نے اجازت دی تو پھر میں آپ کی اس تجویز پر غور کر سکوں گا۔میں نے حکومت پاکستان سے مشورہ طلب کیا، جواب آیا کہ اگر حالات سازگار ہیں تو اپنے نام کا اعلان کر دیں، میں نے حکومت کے ارشاد کی تعمیل کی۔اب میدان میں دو امیدوار تھے۔ملالاسیکرا اور میں' اٹھارہ ستمبر 1962ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا سترہواں سالانہ اجلاس شروع ہوا تو پہلا مرحلہ جنرل اسمبلی کی صدارت کا انتخاب تھا۔

اس عہدے کے لئے اقوام متحدہ میں سرظفراللہ خان اور سیلون (موجودہ سری لنکا) کے مستقل مندوب پروفیسر ملالاسیکرا کے درمیان مقابلہ ہوا۔ایک سوتین ممالک کے نمائندوں نے اس انتخاب ووٹ ڈالا جس میں سرظفراللہ خان نے 72 اور پروفیسر ملالاسیکرا نے 27 ووٹ حاصل کیے، جبکہ چار ووٹ امیدوار کا نام لکھنے کے بجائے اس کے ملک کا نام لکھنے کی وجہ سے ضائع ہو گئے (یہ چاروں ووٹ بھی سرظفراللہ خان کو دیے گئے تھے مگر ان کے نام کے بجائے پاکستان لکھا تھا)۔یوں اس عہدے پر سرظفراللہ خان منتخب قرار دے دیے گئے۔سرظفراللہ خان اس منصب پر فائز ہونے والے پہلے اور تادم تحریر واحد پاکستانی ہیں۔سرظفراللہ خان کے عہد صدارت میں جنرل اسمبلی کے سترہویں سالانہ اجلاس میں اقوام متحدہ کی رکنیت میں چھ اراکین کا اضافہ ہوا۔ان اراکین میں سب سے اہم ملک الجزائر تھا۔اس اجلاس کی ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ اس اجلاس سے پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل ایوب خان نے بھی خطاب کیا۔

اقوام متحدہ سے سرظفراللہ خان کی وابستگی۔اقوام متحدہ میں پاکستان کا جو پہلا وفد بھیجا گیا اس کے سربراہ بھی سرظفراللہ خان ہی تھے۔وفد

کے دیگر ارکان میں مرزا ابوالحسن اصفہانی، پیرزادہ عبدالستار، میر لائق علی اور بیگم سلمیٰ تصدق حسین شامل تھے۔ پاکستان 30 ستمبر 1947 کو اقوام متحدہ کا رکن بنا تھا، اسی دن شمالی یمن بھی اقوام متحدہ میں شامل ہوا۔ پاکستان اس ادارے کی رکنیت حاصل کرنے والا دنیا کا 56 واں ملک تھا۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کو رکن بنانے کی تجویز اقوام متحدہ میں انگلستان کے مندوب مسٹر ہیکٹر میک نیل نے پیش کی تھی جس کی تائید میں انڈیا، مصر، امریکا، ایران، عراق، ترکی، لبنان اور برازیل کے نمائندوں نے تقاریر کیں۔

اس کے بعد رائے شماری ہوئی جس میں اجلاس میں موجود 54 ممالک میں سے 53 ممالک نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ افغانستان واحد ملک تھا جس نے پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی۔ رکنیت ملنے کے بعد سر ظفر اللہ خان نے جوابی تقریر کی اور کہا 'میں اپنی حکومت کی جانب سے اقوام متحدہ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان ہر امکانی قوت کے ساتھ اس امر کی کوشش کرے گا کہ قوموں کے درمیان بہتر تعلقات پیدا ہوں، نیز دنیا میں پائیدار امن و امان قائم رکھنے کے لئے وہ اپنی انتہائی کوششیں صرف کرے گا' سر ظفر اللہ خان اپنی خود نوشت 'تحدیث نعمت' میں لکھتے ہیں کہ 'پاکستان جس اجلاس میں اقوام متحدہ کا رکن بنا اس میں جو مسئلہ زیر بحث تھا وہ فلسطین کا مسئلہ تھا اور اقوام متحدہ کے فلسطین کمیشن نے فلسطین کی تقسیم کی سفارش کی تھی۔ جب پاکستان کی طرف سے میں نے اس مسئلے پر تقریر کا آغاز کیا تو عرب نمائندگان کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میری تقریر کا رخ کس طرف ہوگا۔ پاکستان ایک دو دن قبل ہی اقوام متحدہ کا رکن منتخب ہوا تھا۔ عرب ممالک کے مندوبین ہمیں خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے اور ہماری طرف سے بالکل بے نیاز تھے۔' پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان (دائیں) 1953 میں سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے بعد واپسی پر لندن میں رکے۔ سر ظفر اللہ خان نے مزید لکھا کہ 'جب میں نے فلسطین کی تقسیم کے منصوبے کا تجزیہ شروع کیا تو اس کے ہر حصے کی ناانصافی کی وضاحت شروع کی تو عرب نمائندگان نے میری تقریر کو توجہ سے سُننا شروع کیا۔ تقریر کے اختتام پر ان کے چہرے خوشی اور طمانیت سے چمک رہے تھے، اس کے بعد اس معاملے میں عرب مؤقف کا دفاع زیادہ تر پاکستان کا فرض قرار دے دیا گیا۔' سر ظفر اللہ خان کی اس تقریر کی تعریف مخالف کیمپ کے نمائندوں نے بھی کی، جن میں نیوزی لینڈ کے سر کارل بیرنڈسن سرفہرست تھے، تاہم امریکی دباؤ کے باعث فلسطین کی تقسیم کی تجویز اکثریت رائے سے منظور کر لی گئی۔ اجلاس کے خاتمے کے بعد سر ظفر اللہ خان پاکستان واپس لوٹ آئے۔ قیام پاکستان سے قبل سر ظفر اللہ خان ریاست بھوپال کے نواب سر حمید اللہ خان کے مشیر تھے۔ انھوں نے واپس بھوپال جانا چاہا مگر وزیرِ اعظم لیاقت علی خان نے انھیں مطلع کیا کہ بانی پاکستان محمد علی جناح ان کی خدمات پاکستان کے لئے حاصل کرنا اور انھیں وزیر خارجہ کے منصب پر فائز کرنا چاہتے ہیں چنانچہ 27 دسمبر 1947 کو انھوں نے اس منصب کا حلف اٹھالیا۔ وہ 30 جون 1954 تک اس عہدے پر فائز رہے۔ جنوری 1948 میں انڈیا نے مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں پیش کر دیا، جہاں 15 جنوری 1948 کو اس مسئلے پر بحث کا آغاز ہوا۔ اس اجلاس میں شرکت کے لئے حکومت پاکستان نے جو وفد نامزد کیا وہ حسب ذیل افراد پر مشتمل تھا: سر ظفر اللہ خان (نمائندہ)، ابوالحسن اصفہانی (متبادل نمائندہ)، مسٹر وسیم ایڈووکیٹ جنرل پاکستان (مشیر)، مسٹر افتخار حسین ڈپٹی سیکریٹری وزارت خارجہ اور کرنل مجید ملک (رکن)۔

سر ظفر اللہ خان اپنی خود نوشت 'تحدیث نعمت' میں رقم طراز ہیں کہ 'ہندوستانی وفد کے سربراہ سر گوپالا سوامی آئینگر تھے جو برسوں ریاست کشمیر کے وزیر اعظم رہ چکے تھے اور ان دنوں انڈیا کی مرکزی حکومت میں وزیر تھے، اُن کے معاون سر گرجا شنکر باجپائی اور مسٹر ایم ایل سیتلواڈ

تھے۔ ان دنوں سلامتی کونسل کے اراکین ارجنٹائن، بیلجیئم، چین، کینیڈا، کولمبیا، فرانس، شام، روس، برطانیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکا اور یوگوسلاویہ تھے، ان میں سے چین، فرانس، روس برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکا تو مستقل اراکین تھے اور باقی چھ میعادی اراکین۔‘ہندوستان کی طرف سے سرگوپالا سوامی آئینگر نے 15 جنوری کو سہ پہر کے اجلاس میں تقریر کی: خلاصہ اس کا یہ تھا مہاراجہ کشمیر نے ریاست جموں وکشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ برضا ورغبت کیا ہے، اِس کے خلاف پاکستان کے اکسانے پر اوراس کی مدد کے ساتھ قبائلیوں نے ریاست پر حملہ کر کے بہت فساد اور خون خرابہ کیا، قبائلیوں کی روک تھام کے لئے ہندوستان کو اپنی فوج بھیجنی پڑی جو جنگ کا رنگ اختیار کر گئی ہے۔ ان کی تقریر کے بعد اجلاس دو دن کے لئے ملتوی ہو گیا۔’دوسرے اجلاس میں، میں نے جوابی تقریر میں کہا کہ ہندوستان کے نمائندے نے اپنی تقریر میں عمداً اس قضیے کی پیچیدگیوں کو پس پردہ رہنے دیا ہے اورصرف پاکستان کے خلاف الزامی پہلو پر زور دیا ہے۔ ہماری طرف سے اس اہم اور پیچیدہ قضیے کے پس پردہ حالات کو ظاہر کرنا اور ہندوستان کو مجرم کی حیثیت میں دکھانا ضروری ہے اس لئے لازماً بہت سے امور کی وضاحت ناگزیر ہے جن کا بیان ہندوستان کی طرف سے اس لئے نہیں کیا گیا کہ وہ ان کے خلاف جاتے ہیں۔‘’ان تمام واقعات کا مختصر بیان بھی وقت چاہتا تھا اور سلامتی کونسل کے ایک اجلاس میں تقریر کے لئے صرف سوا دو گھنٹے میسر آتے تھے اس لئے تقریر تین اجلاسوں میں مکمل ہوئی۔‘

’چند سال بعد کولمبیا کے نمائندے نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کشمیر کے معاملے میں ہندوستانی نمائندے کی پہلی تقریر سننے کے بعد سلامتی کونسل کے اراکین کی کثرت کا یہ تاثر تھا کہ پاکستان نے آزادی حاصل کرتے ہی فساد کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور دنیا کے امن کے لئے ایک خطرے کی صورت پیدا کر دی ہے، لیکن جب جواب میں تمہاری طرف سے اصل حقیقت کے رُخ سے پردہ ہٹایا گیا تو ہم سب نے سمجھ لیا کہ ہندوستان مکاری اور عیاری سے کام لے رہا ہے اور کشمیر کی رعایا پر ظلم ہو رہا ہے اور ہمارا یہ تاثر بعد میں کسی وقت بھی زائل نہیں ہوا۔‘

اقوام متحدہ۔ 20 جنوری 1948 کو اقوام متحدہ نے کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے کشمیر کمیشن کے قیام کی قرارداد منظور کر لی۔ یہ قرارداد بیلجیئم نے پیش کی تھی۔ اس کمیشن کا پورا نام یونائیٹڈ نیشنز کمیشن آن انڈیا اینڈ پاکستان (UNCIP) تھا لیکن عرف عام میں یہ ’کشمیر کمیشن‘ کے نام سے ہی مشہور ہوا۔ کمیشن کے ارکان کی تعداد پانچ تھی۔ طے پایا کہ اس کمیشن میں دو ارکان سلامتی کونسل نامزد کرے اور وہ دونوں ارکان ایک تیسرا رکن نامزد کریں۔ ان کے علاوہ ایک رکن پاکستان اور ایک انڈیا نامزد کرے۔ سلامتی کونسل نے بیلجیئم اور کولمبیا کو نامزد کیا اور دونوں نے امریکا کو نامزد کیا۔ پاکستان نے ارجنٹائن کو اور بھارت نے چیکوسلواکیہ کو نامزد کیا۔ سرظفراللہ خان نے ’تحدیث نعمت‘ میں لکھا ہے کہ ’کمیشن کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ نہایت ہی اہم اور بہت ذمہ داری کا تھا لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ متعلقہ حکومتوں نے اس کام کی اہمیت کو مناسب وقعت نہ دی اور اپنے نمائندوں کے انتخاب میں نہایت سہل انگاری سے کام لیا۔‘’کمیشن کے اراکین بلاشبہ شرفا تھے لیکن سیاسی سوجھ بوجھ، ہمت اور حوصلے کے لحاظ سے اس درجہ تک نہیں پہنچے تھے جو ان کے فرائض کی کماحقہ ادائیگی کے لئے ضروری تھا۔ ان میں سے صرف ایک رکن ان خوبیوں کے مناسب حد تک حامل ثابت ہوئے جو ان کے فرائض کی کامیاب ادائی کے لئے لازم تھیں، وہ چیکوسلواکیہ کے نمائندے ڈاکٹر جوزف کوربیل تھے جنھوں نے کمیشن سے علیحدگی کے بعد کمیشن کی سرگرمیوں کے متعلق ایک کتاب Danger in Kashmir شائع کی۔‘’بیلجیئم کے پہلے نمائندے ایک عمر رسیدہ نواب تھے جنھیں صرف کھانے پینے اور سونے سے سروکار تھا اگر کسی وقت کمیشن کے کام کی طرف توجہ فرماتے تو یہ دیکھنے

کے لئے کہ کمیشن کا کوئی اقدام پنڈت جواہر لال نہرو کی طبع نازک پر گراں تو نہیں ہوگا۔‘ ریاست ہائے متحدہ امریکا کے نمائندے کچھ توجہ فرماتے تھے لیکن ان کی شرافت ان کی ہمت پر غالب تھی۔ کولمبیا کے نمائندے ڈاکٹر کوربیل سے دوسرے درجے پر تھے اور انھوں نے اپنی زندگی کا کچھ ثبوت دیا لیکن ان کے لئے بڑی مشکل تھی کہ ان کی انگریزی زبان کی واقفیت بہت محدود تھی۔ ڈاکٹر کوربیل 1949 کے شروع میں کمیشن سے علیحدہ ہو گئے ان کی علیحدگی کے بعد کمیشن نیم مردہ ہو گیا اور تھوڑے عرصے بعد اس نے دم توڑ دیا۔‘ سنہ 1953 میں جب احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ملک گیر تحریک چلی تو اس تحریک کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ سر ظفر اللہ خان کو ان کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے اور احمدیوں سے تمام کلیدی عہدے چھین لئے جائیں۔ سر ظفر اللہ خان پر الزام تھا کہ انھوں نے باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا مؤقف درست طریقے سے پیش نہیں کیا جس کی وجہ سے گورداس پور کا علاقہ ہندوستان میں شامل ہو گیا، مگر اس تحریک کے معاملات کا جائزہ لینے کے لئے جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی کی صدارت میں جو کمیشن قائم کیا گیا اس میں جسٹس محمد منیر نے اس الزام کو مسترد کر دیا۔ نومبر 1953 میں عالمی عدالت انصاف کے ایک جج سر بی این راؤ، جن کا تعلق انڈیا سے تھا، وفات پا گئے۔ ان کی جگہ پوری کرنے کے لئے اقوام متحدہ نے مختلف ممالک سے کہا کہ وہ موزوں امیدواروں کے نام اقوام متحدہ کو بھیج دیں۔ پاکستان نے اس سلسلے میں سر ظفر اللہ خان کو اور انڈیا نے مسٹر جسٹس پال کو اپنا نمائندہ نامزد کیا۔ سات اکتوبر 1954 کو سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں پولنگ ہوئی۔ نتیجہ سر ظفر اللہ خان کے حق میں نکلا۔ سلامتی کونسل میں ان کے حق میں پانچ کے مقابلے میں چھ ووٹ اور جنرل اسمبلی میں 29 کے مقابلے میں 33 ووٹ آئے اور یوں وہ عالمی عدالت کے جج منتخب ہو گئے۔ سر ظفر اللہ خان اس سے قبل 30 جون 1954 کو پاکستان کی وزارت خارجہ سے مستعفی ہو چکے تھے اور عالمی عدالت میں اپنے انتخاب کے وقت اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ سنہ 1958 میں وہ اس عالمی عدالت کے نائب صدر منتخب ہوئے، سنہ 1961 میں جب وہ اس عہدے سے سبکدوش ہوئے تو انھیں ایک مرتبہ پھر اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقبل مندوب مقرر کر دیا گیا جہاں 18 ستمبر 1962 کو وہ جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے۔ سر ظفر اللہ خان اس عہدے پر ستمبر 1963 تک فائز رہے۔ اس کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر عالمی عدالت کے جج منتخب ہوئے بعد ازاں وہ 1970 سے 1973 تک اس عدالت کی صدارت پر بھی فائز رہے۔ ان کی سبکدوشی کے بعد پاکستان کے اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے انھیں ایک شاندار تہنیتی پیغام ارسال کیا جو 18 مارچ 1973 کو پاکستان بھر کے اخبارات میں شائع ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ ’جنرل اسمبلی کے صدر اور بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج کی حیثیت میں آپ نے پوری انسانیت کی ہی خدمت نہیں کی بلکہ پاکستان کے وقار کو بھی بلند و بالا کیا۔ آپ کو مختلف حیثیتوں میں عالمی برادری اور اقوام متحدہ میں جو تکریم ملی ہے اس پر ہم سب کو فخر ہے۔‘ سر ظفر اللہ خان چھ فروری 1893 کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے وہ وائسرائے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے تھے۔ وہ واحد پاکستانی شخصیت ہیں جو نہ صرف جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے بلکہ عالمی عدالت انصاف کے سربراہ بھی رہے۔ سر ظفر اللہ خان کی وفات یکم ستمبر 1985 کو لاہور میں ہوا اور وہ ربوہ ضلع جھنگ میں آسودہ خاک ہوئے۔ ان کی وفات کی خبر ملتے ہی اقوام متحدہ کا سیکریٹریٹ بند کر دیا گیا اور تین ستمبر 1985 کو اقوام متحدہ کا پرچم سرنگوں رہا۔ ان کی وفات پر نہ صرف صدر مملکت جنرل ضیاالحق اور وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے بلکہ عالم اسلام کے کئی سربراہان مملکت، اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل جے ویر پیریز دی کوئیار اور عالمی عدالت انصاف کے صدر نجند رسنگھ نے بھی تعزیتی

پیغامات ارسال کیے۔سرظفراللہ خان کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں ان کی خودنوشت سوانح عمری 'تحدیث نعمت' کا نام سرفہرست ہے۔

(بحوالہ بی بی سی اُردو پاکستان 18 ستمبر 2021ء)

حضرت سر چوہدری محمد ظفراللہ خان رضی اللہ عنہ
خلافتِ احمدیہ کے فدائی، جاں نثار عاشق، کلمۃ اللہ
(چوہدری حمیداللہ ظفر۔جرمنی)

یہ 3ر ستمبر 1904ء کا دن تھا۔آپ کی نشست حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے قدموں کے قریب تھی اور سارا وقت حضرت چوہدری ظفر اللہ خانؓ حضور علیہ السلام کے مبارک چہرے پر ٹکٹکی لگائے دیکھتے رہے حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان رضی اللہ عنہ کو حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ السلام کے صحابہ میں شامل ہونے کا شرفِ عظیم نصیب ہوا۔آپ کی والدہ صاحبِ رویاء وکشوف تھیں۔اللہ تعالیٰ انہیں سچی خوابوں اور بشارتوں سے نوازتا تھا۔انہوں نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی بیعت بھی اپنی خوابوں کی بنا پر اپنے خاوند سے پہلے کی۔والدصاحب مائل تو ہو چکے تھے مگر ابھی حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی بیعت نہیں کی تھی۔کچھ عرصہ بعد وہ بھی بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔چوہدری ظفراللہ خانؓ اپنی والدہ کی بیعت کے وقت بھی ان کے ہمراہ تھے اور محترم والد صاحبؓ کی بیعت کے وقت بھی موجود تھے۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ کو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی پہلی زیارت اس وقت نصیب ہوئی جب آپ کے والد صاحبؓ لاہور میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی موجودگی میں میلا رام کے منڈوے میں گئے جہاں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے آپؑ کا لیکچر پڑھ کر سنایا۔یہ 3ر ستمبر 1904ء کا دن تھا۔آپ کی نشست حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے قدموں کے قریب تھی اور سارا وقت حضرت چوہدری ظفراللہ خانؓ حضورعلیہ السلام کے مبارک چہرے پر ٹکٹکی لگائے دیکھتے رہے۔سیالکوٹ میں حضورعلیہ السلام کے قیام کے دوران متعدد بار آپ کو حضور کی زیارت نصیب ہوتی رہی اور انہی دنوں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محموداحمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیارت بھی پہلی دفعہ نصیب ہوئی۔گرمیوں کی چھٹیوں میں حضرت حکیم مولوی نورالدینؓ کا ایک خط چوہدری صاحب کے والدمحترم کو موصول ہوا جس کا مضمون فقط یہ تھا کہ اب آپ اپنے بیٹے کی بیعت کروادیں۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ کے والدمحترم ایک چوٹی کے وکیل تھے اور ستمبر میں عدالتوں میں چھٹیاں ہوتی تھیں اس لئے ہر سال ستمبر میں وہ قادیان جاتے تھے اور چوہدری صاحب کو بھی ساتھ لے جاتے۔1907ء میں جب قادیان گئے تو چوہدری صاحب نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ میں مولوی صاحبؓ کے ارشاد کی تعمیل میں بیعت کرلیتا ہوں۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام ظہر اور عصر کی نماز کے بعد کچھ دیر مسجد مبارک میں تشریف فرما رہتے تھے اور اس وقت بیعت بھی ہوجاتی تھی۔چنانچہ 16ر ستمبر 1907ء کو بعد نماز ظہر مسجد مبارک میں حضورعلیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میری بیعت قبول فرمائی جائے۔حضورعلیہ السلام نے اجازت بخشی اور حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت پائی۔وایں سعادت بزوربازو نیست

آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولوی نورالدینؓ کے بے شمار احسانات میں سے جن پر وہ مَوردہوتے رہے ایک بہت بڑا احسان یہ تھا کہ

آپ نے حضورؓ کی تحریک پر حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ستمبر 1904ء سے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی وفات تک آپ کوکئی مرتبہ ستمبر میں اور پھر جلسہ سالانہ کے ایام میں اپنے والدمحترم کے ساتھ حضورعلیہ السلام کی مجالس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔حضورعلیہ السلام جب سیر کے لئے جاتے تو اِن خدام میں بھی حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ کوشامل ہونے کی سعادت ملتی۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی شفقت کا ایک واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ مسجد مبارک میں خاکسار اور حضرت سید حامدشاہ صاحبؓ، ڈاکٹر مرزایعقوب بیگ صاحبؓ اور میرے والدمحترم کھانا کھارہے تھے۔میں اس دروازہ کے قریب تھا جہاں سے حضورعلیہ السلام مسجد مبارک میں تشریف لایا کرتے تھے۔دروازہ کھٹکا تو میں نے کھولا تو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام دستِ مبارک میں ایک طشتری لئے کھڑے تھے جس میں گوشت کی بریاں ران رکھی تھی۔حضورعلیہ السلام نے السلام علیکم کہہ کر وہ مجھے دے دی اور واپس تشریف لے گئے۔فرمایا کرتے تھے جب بھی اس واقعہ کی یاد آتی ہے تو اس بریاں گوشت کی لذت ایسے محسوس ہوتی ہے جیسے یہ کل کا واقعہ ہو۔26رمئی 1908ء کو حضورعلیہ السلام کی وفات پر آپؓ لاہور میں تھے اور حضورعلیہ السلام کی میت کے ساتھ اس قافلے میں شامل ہوکر قادیان پہنچے۔بعدازمشورہ طے پایا کہ حضرت مولوی نورالدینؓ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے خلیفہ ہوں۔حضرت مولوی صاحبؓ نے یہ منظور فرمایا۔مختصر تقریر فرمائی پھر بیعت لی۔آپؓ اس میں شامل ہوئے اور تدفین بہشتی مقبرہ میں عمل میں آئی۔27رمئی 1908ء کی رات قادیان ٹھہر کر 28رمئی کو لاہور واپسی ہوئی۔**خلافتِ احمدیہ کا عاشق**۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ کی زندگی کی ابتدا جہاں امام الزمان مہدی موعود اور مسیح موعودعلیہ السلام سے محبت، اطاعت، عشق اور وفا سے گندھی ہوئی تھی وہاں خلافتِ احمدیہ کے ساتھ بھی ایسا بےنظیر اور قابل رشک تعلق اور اطاعت کا باکمال نمونہ ساری زندگی پر حاوی رہا۔دینی معاملات ہوں یا دنیاوی اُمور کی انجام دہی اگر کہیں مشکل آئی، کہیں مشورہ لینا ناگزیر ہوا تو بلاجھجک دربارِخلافت کا رُخ کیا اور پھر اس مشورہ پر کماحقہ عمل پیرا ہوئے۔آپؓ نے اپنی 93 سالہ زندگی کا جو نچوڑ خود نکالا وہ اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے۔ایک مرتبہ ایک معروف احمدی بزرگ جناب نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے جو ایک کامیاب زندگی گزاری اس کا کیا راز ہے؟ محترم چوہدری صاحبؓ نے برجستہ جو جواب دیا۔قارئین کرام کی خدمت میں وہ گفتگو لذت اور ازدیادِ ایمان کی خاطر من وعن عرض ہے۔

I will conclude with a story narrated by Mostapha Thabit sahib who asked Chaudhry Muhammad Zafrulla Khan(ra''(Chaudhry Sahib, throughout all your life you have been very successful and Allah has blessed you so much. Would you tell me why''Without any hesitation to think about and answer, he said: ''Because through all my life, I was obedient to Khilafat''.

اللہ تعالیٰ نے آپ کو 93 سالہ کامیاب وکامران زندگی عطافرمائی اور انجام بخیر فرمایا۔آپ اس اعزاز سے سرفراز فرمائے گئے کہ آپ کو آخری آرام گاہ قطعہ خاص بہشتی مقبرہ ربوہ میں دوخلفائے کرام یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نیز حضرت اماں جانؓ اور دیگر بزرگ افرادخاندان حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کے قدموں میں نصیب ہوئی۔آپ کو چار خلفائے احمدیت کا زمانہ نصیب ہوا اور ہر خلیفۃ المسیح کے ساتھ اطاعت، محبت، وفا اور جاں نثاری کا بےنظیر نمونہ قابلِ رشک ہے۔آج کے اس مضمون میں چاروں خلفاء کے ساتھ گذرے عہدوفا

کی داستان کے کچھ واقعات اس دعا کی التجا کے ساتھ پیش ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی خلافتِ احمدیہ کے ساتھ چمٹے رہنے، اطاعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنے اور عشق کی حد تک خلیفۃ المسیح کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔ **خلافت اولیٰ**۔ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کی بیعت کی سعادت اس وقت پائی جب آپ کی عمر 15 سال تھی۔ عمر کے اس حصے میں انسانی سوچ اور شعور میں پختگی کی بجائے لااُبالی پن غالب ہوتا ہے لیکن حضرت چوہدری صاحب ؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو فراست عطا فرمائی وہ بھی خلافت کی ہی برکت اور عطا تھی۔ آپ ؓ اپنے والدِ گرامی کے ہمراہ اکثر قادیان جاتے تو ان کی خلافت سے محبت، فدائیت اور اطاعت انہیں مجبور کرتی کہ آپ اپنے قیام کا اکثر حصہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں گزاریں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ؓ بھی آپ سے ازحد شفقت ومحبت اور احسان کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں امتحانات ہوتے تو حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کرتے اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرماتا تو بڑی خوشی سے جا کر حضور کی خدمت میں اطلاع کرتے اور آپ ؓ سے مزید دعائیں حاصل کرتے۔ عموماً طالب علم اپنے امتحانات کے لئے خلیفۃ المسیح کی خدمت اقدس میں دعا کی درخواستیں تو کرتے رہتے ہیں لیکن کم طالب علم ایسے ہوتے ہیں جو کامیابی حاصل ہونے پر اطلاع بھی کریں۔ آپ کو بی اے کے امتحان میں کامیابی کی اطلاع شیخ مبارک اسماعیل صاحب نے لاہور سے بذریعہ خط ارسال کی کہ آپ درجہ اوّل میں پاس ہو گئے ہیں۔ خط پڑھتے ہی بلاتوقف حضور ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر خط پیش کر دیا۔ حضور ؓ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دعا دی۔ اسی روز سہ پہر کو مجلس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''آج ہم بہت خوش ہیں کہ یہ امتحان میں پاس ہو گئے ہیں اور تعجب ہے کہ انہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ پاس ہو جائیں گے۔'' ایک روز حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ اپنے صحن میں رونق افروز تھے کہ باہر سے ایندھن کے لئے لکڑیاں آئیں۔ کچھ شاگردوں نے یہ لکڑیاں اٹھا کر باورچی خانے میں پہنچانی شروع کر دیں۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان ؓ کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر لکڑیاں اٹھا کر باورچی خانہ میں لے جا رہا تھا۔ جب حضور اقدس ؓ نے دیکھا تو فرمایا ''میاں یہ تمہارا کام نہیں تم چھوڑ دو۔'' آپ کی خلافت سے محبت، عشق، اطاعت اور قربت کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ آپ حضور ؓ کو اپنی گزارشات بیان کر دیتے۔ حضور ؓ ایک اعلیٰ درجہ کے طبیب تھے لیکن ایک روز فرمایا ہمیں پیاس کی تکلیف رہتی ہے۔ حضور ؓ کی مجلس میں اطباء، ڈاکٹروں کی کمی نہ تھی۔ چوہدری صاحب ؓ نے وفورِ اخلاص سے سادگی سے عرض کی حضور ؓ چائے میں الائچی اور دارچینی استعمال فرماویں تو ممکن ہے افاقہ ہو۔ اس پر حضور نے مسکرا کر فرمایا ''میاں میں اگر دودھ یا دودھ ملی ہوئی کسی شئے کا استعمال کروں تو مجھے تکلیف ہو جاتی ہے۔'' اور ساتھ ہی خادم کو ارشاد فرمایا ''اندر کہہ دو ہمارے لئے چائے بنا کر بھیج دیں جس میں الائچی اور دارچینی ہو۔'' آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، بیٹھے رہتے تھے۔ جب کھیل کود کا وقت ہوتا تو سب لڑکے کھیل کود کے لئے چلے جاتے لیکن آپ حضور ؓ کی خدمت میں بیٹھنا پسند فرماتے۔ ایک دن مغرب کے وقت حضور ؓ نے فرمایا ''میاں تم تمام دن یہاں بیٹھے رہتے ہو شام کے وقت سب لڑکے کھیل اور ورزش کے لئے باہر میدان میں چلے جاتے ہیں تمہارا دل کھیلنے کو نہیں چاہتا''۔ یہ سن کر حضرت چوہدری صاحب ؓ نے عرض کیا ''حضور مجھے کھیل کود کا شوق نہیں''۔ خلافت کی محبت آپ کے دل میں ایسی رَچ بس گئی تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح ؓ سے ہر معاملہ میں رہنمائی کی درخواست کرتے۔ قادیان آتے اور واپس جانے کے لئے بھی حضور ؓ سے اجازت طلب کرتے اور اجازت ملنے پر واپس سیالکوٹ چلے جاتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کو 1911ء میں گھوڑے سے گرنے کا

واقعہ پیش آیا جس سے آپؓ کی دائیں کنپٹی پر زخم ہوگیا جو بعد میں ناسور کی شکل اختیار کر گیا۔اس سے آپ کی طبیعت بہت کمزور ہوگئی۔ان ایام میں آپ کا زیادہ تر وقت رہائشی مکان کے مردانہ دالان میں گزرتا تھا۔وہیں درس وتدریس اور تمام امور کی انجام دہی کا سلسلہ جاری رہتا۔حضورؓ ظہر وعصر کی نمازیں وہیں ادا فرماتے۔عموماً شیخ محمد تیمور کو ارشاد فرماتے کہ نمازیں پڑھائیں اگر وہ نہ ہوتے تو کسی اَور شاگرد کو ارشاد فرماتے کہ نماز پڑھائیں۔ایک روز ظہر کی اذان ہوئی تو حاضرین کو ارشاد فرمایا ''جائیں نماز پڑھیں''۔چوہدری صاحبؓ کہتے ہیں کہ میں بھی ارشاد کی تعمیل میں اُٹھ کھڑا ہوا۔آپ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا ''میاں تم یہیں نماز پڑھ لیا کرو''۔چنانچہ میں ظہر وعصر کی نمازیں وہیں ادا کرتا اور آپؓ کے پلنگ کے دائیں طرف کھڑا ہو کر ادا کرتا اور آپ مجھے ازراہِ شفقت اپنے قریب کھڑا کرلیا کرتے تھے۔آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی محبت،شفقت اور احسان کا اس واقعہ سے اندازہ لگائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت چوہدری صاحبؓ کو نصیب فرمائی کہ ایک روز نماز عصر کے وقت شیخ محمد تیمورؓ حاضر نہ تھے۔آپؓ نے نظر اٹھا کر حاضرین کا جائزہ لیا اور پھر چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کو ارشاد فرمایا ''میاں تم نے قرآن پڑھا ہے تم نماز پڑھاؤ''۔حضورؓ کی بیماری کے ایام میں جب ڈاکٹر مرہم پٹی کر کے چلے جاتے تو کوئی نہ کوئی شاگرد پلنگ پر بیٹھ کر آپ کو آہستہ آہستہ دباتا۔ایک روز ڈاکٹروں کے جانے کے بعد چوہدری صاحبؓ اکیلے ہی حضورؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔اس سے قبل کبھی بدن دبانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا۔آخر جرأت کر کے حصول ثواب کی خاطر حضورؓ کا بدن دبانا شروع کیا۔چند منٹوں بعد خیال آیا شاید حضورؓ کی آنکھ لگ گئی ہے اور میرا بدن دبانا حضورؓ کے آرام میں مخل نہ ہو اس لئے دبانا چھوڑ دیا۔ابھی پلنگ سے ہٹنے کی حرکت نہ کی تھی کہ چوہدری صاحب کہتے ہیں حضورؓ نے کروٹ پر لیٹے لیٹے ہی اپنا بازو اٹھا کر خاکسار کے چہرے کو اپنے مبارک چہرے کے قریب کرلیا اور دو تین منٹ تک اسی حالت میں رکھا اور پھر اپنا بازو ہٹالیا اور فرمایا ''میاں ہم نے تمہارے لئے بہت دعائیں کی ہیں''۔آپ کے والد صاحب چاہتے تھے کہ آپ انگلستان جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اس لئے آپ نے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کو خط لکھا کہ تم خود حضورؓ کی خدمت میں دعا اور رہ نمائی کے لئے خط لکھو اور اگر حضورؓ اجازت عطا فرمائیں تو مزید تعلیم کے لئے تمہیں انگلستان بھیج دیں۔آپ نے یہ خط لکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔آپ نے اس کے متعلق فرمایا ''آپ بھی اور آپ کے والد صاحب بھی استخارہ کریں پھر اگر اطمینان ہو تو اجازت ہے۔''جب اللہ کے فضل سے اطمینان ہوگیا تو سفر کی تیاری شروع کر دی اور پھر روانگی کے وقت پہلے قادیان حضورؓ کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔اس موقع پر حضورؓ نے ہدایات دیں جو پیش ہیں۔

1۔اس دعا کا ورد رکھنا اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ جَلِیْساً صَالِحًا۔ 2۔جب کسی سفر کے آخر میں منزل مقصود کے قریب پہنچو اور شہر یا بستی کی آبادی نظر آنا شروع ہو تو یہ دعا کیا کرو۔اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْأَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنَ وَمَا أَضْلَلْنَ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ أَھْلِھَا وَ خَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَ شَرَّ اَھْلِھَا وَ شَرَّ مَا فِیْھَا۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حبَاھَا وَاَعِذْنَا مِنْ وَبَاھَا اللّٰھُمَّ حَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِھَا وَ حَبِّبْ صَالِحِی اَھْلِھَا اِلَیْنَا۔یعنی اے اللہ! جو رب ہے ساتوں آسمانوں کا اور اس کا بھی جو کچھ ان کے سائے میں ہے۔اور رب ہے ساتوں زمینوں کا اور ہر اس چیز کا جو ان پر قائم ہے اور رب ہے ہواؤں کا اور ہر اس چیز کا جسے وہ لئے پھرتی ہیں۔اور رب ہے سب سرکشوں کا اور ان کا

جنہیں وہ گمراہ کرتے ہیں۔ میں طالب ہوں تجھ سے اس آبادی کی ہر بھلائی کا اور اس میں رہنے والوں کی طرف سے ہر بھلائی کا۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی طرف سے ہر بھلائی کا۔ اور تیری حفاظت کا طالب ہوں اس بستی کے ہر شر سے اور اس میں رہنے والوں کے ہر شر سے اور جو کچھ بھی اس کے اندر ہے اس کے ہر شر سے۔ یا اللہ! تو اس کی ہر خوشگوار چیز ہمیں عطا فرما۔ اور اس کی ہر ضرر رساں چیز سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! تو اس میں رہنے والوں کے دلوں میں ہماری محبت ڈال دے اور اس میں رہنے والوں میں سے نیک بندوں کی محبت ہمارے دل میں ڈال دے۔ 3۔ کہا جاتا ہے کہ انگلستان چونکہ ایک سرد ملک ہے اس لئے وہاں سردی کے دفاع کے لئے شراب کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم طبیب ہیں اور ہم جانتے ہیں یہ بات بالکل غلط ہے۔ اگر تمہیں سردی کی مدافعت کی ضرورت محسوس ہو تو کوکو استعمال کرنا۔ اس میں خوراکیت بھی ہے اور سردی کے اثر کو بھی زائل کرتی ہے۔ 4۔ ہمیں خط لکھتے رہنا۔ ہم تمہارے لئے دعا کریں گے۔ 5۔ انگلستان میں ہندوستانی طلباء سے زیادہ میل جول نہ بڑھانا۔ وہاں کے شریف طبقہ سے میل جول رکھنا۔ محترم چوہدری صاحبؓ کہتے ہیں۔ خاکسار نے حتّی الامکان آپ کی فرمودہ ہدایات کی پابندی کی اور بفضل اللہ ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔ انگلستان کے قیام کے دوران بھی خلافت سے محبت، فدائیت، جاں نثاری، اطاعت کے جذبہ سے سرشار رہے۔ حضورؓ کی خدمت میں بذریعہ خط حاضری کا شرف حاصل کرتے اور آپؓ کی دعائیں حاصل کرتے رہتے۔ اس ماحول میں آپ کے دل میں حضورؓ کے بارے میں کیا جذبات تھے کہ ہمیشہ آپ کے دل میں خلافت کی محبت کو بیدار رکھتے تھے یہ واقعہ اس پر بین شہادت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ایک دوست مسٹر آسکر نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اپنی معاشرت کا تمہاری معاشرت سے موازنہ کرنا چاہتا ہوں اس لئے تم بھی اپنے ذہن میں ایک کسی ایسی زندہ شخصیت کا نام رکھ لو جو تمہارے خیال میں مثالی شخصیت ہو اور میں بھی اپنے ذہن میں رکھ لیتا ہوں۔ میں سوال کروں گا کہ فلاں حالات میں تمہاری تجویز کردہ شخصیت کا کیا طرزِ عمل ہوگا۔ تم بتانا تمہارے جواب سے میں اندازہ کروں گا کہ اس شخصیت کا معیار کتنا بلند ہے۔ انہوں نے سوال کیا اگر ان صاحب کو کوئی شخص ملنے آئے تو وہ انہیں ملنا نہ چاہیں تو اطلاع ہونے پر وہ کیا جواب کہلا بھیجیں گے؟ میں نے کہا اوّل تو اطلاع کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان کا دربار عام ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی سے نہ ملنا چاہیں تو صاف کہہ دیں گے ہم آپ سے نہیں ملنا چاہتے۔ اس پر مسٹر آسکر نے کہا پھر وہ جیتے۔ میں نے کہا وہ کیسے۔ کہنے لگے اس لئے کہ جو شخصیت میرے ذہن میں ہے وہ صاحب اطلاع ہونے پر کہلوا دیں گے کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اور یہ لفظاً صحیح نہیں ہوگا۔ مسٹر آسکر نے مجھ سے پوچھا تمہارے ذہن میں کون صاحب تھے؟ میں نے کہا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ۔ میں نے مسٹر آسکر صاحب سے پوچھا تمہارے ذہن میں کون صاحب تھے؟ کہنے لگے میرے والد صاحب۔ لندن سے واپسی سے پہلے ہی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا وصال ہوگیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق خلافت ثانیہ کا دور شروع ہوا۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی جو مشفقانہ و محبانہ عنایات حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اس کا ذکر محترم چوہدری صاحبؓ کے اپنے الفاظ میں ہی بیان کرنا مناسب ہوگا۔ آپ نے اپنی خود نوشت تحدیث نعمت کے صفحہ 109 میں اس کا نقشہ پیش کیا ہے:

''**حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی مشفقانہ عنایات**۔ لندن کے قیام کے دوران میرے لئے یہ احساس بہت تسکین اور اطمینان کا موجب رہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اور میرے والدین میری حفاظت اور ترقی کے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ میرے ہر عریضے کا

جواب اپنے مبارک قلم سے لکھتے اور اس میں بڑی شفقت کا اظہار فرماتے۔ خاکسار بھی اپنی ہر دلچسپی کا اظہار حضور کی خدمت میں بلا تکلف گذارش کر دیتا۔ ایک دفعہ میرے عزیز دوست مسٹر آسکر برنلر نے ذکر کیا کہ میرے اعصاب پر کچھ بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے میں پوری توجہ سے مطالعہ نہیں کرسکتا اور نیند بھی اچھی طرح نہیں آتی۔ میں نے حضورؓ کی خدمت میں گذارش کر دیا۔ حضور نے کمال شفقت سے ان کے لئے کچھ ہدایات تحریر فرمائیں جو میں نے انہیں بتادیں۔ جن میں سے ایک جو مجھے یاد رہ گئی ہے وہ یہ تھی کہ پڑھتے وقت روشنی کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھیں بلکہ ایسے طور پر بیٹھیں کہ روشنی بائیں کندھے کے اوپر سے کتاب یا کاغذ پر پڑے۔ شاید یہ بھی تحریر فرمایا کہ رات کو نہ تو پیٹ بھر کر کھائیں نہ ہی خالی پیٹ سوئیں۔ لیکن پختہ یاد نہیں کہ یہ ہدایت ان کے لئے لکھی یا کسی اَور تعلق میں خاکسار نے حضورؓ سے سنی یا تحریر فرمائی۔ اس کے بعد خاکسار سے کوتاہی ہوگئی کہ آسکر کے متعلق حضورؓ کی خدمت میں اطلاع نہ بھیجی تو حضورؓ نے خود کمال شفقت سے اپنے والا نامے میں دریافت فرمایا کہ آپ کے وہ جرمن دوست کیا ہوئے؟ میں جب بھی انگلستان سے باہر سفر پر جاتا تو حضورؓ سے اجازت حاصل کر کے جاتا۔ حضورؓ کا خاکسار کے نام آخری شفقت نامہ وصال سے صرف چند دن پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ میں ایک نادان نوجوان تھا 1907ء میں تو ابھی میری عمر بھی چودہ سال ہی تھی۔ آپ نے اس وقت کمال شفقت اور ذرہ نوازی سے میرے والد صاحب کو توجہ دلائی کہ مجھے اب بیعت کرنی چاہیے اور اس دن سے حضورؓ کے وصال تک یہ عاجز آپ کے پیہم شفقت اور عنایات کا مورد رہا۔ **فجزاہ اللہ احسنَ الجزاء وَجَعَلَ اللہُ الجَنَّۃَ العُلْیَا مَثْوَاہُ**۔ اور میری کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ آپؓ کے فیض کا چشمہ ہر ایک کے لئے یکساں بہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے آپ کو شاہانہ مرتبہ عطا فرمایا تھا اور نہایت پُرشوکت اور بارعب شخصیت عطا فرمائی تھی لیکن آپ کا دربار ہر کس و ناکس کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ہر کہ خواہد گو بیاد ہر کہ خواہد گو برو گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست'' (تحدیث نعمت، صفحہ 109 تا 110) چوہدری انور کاہلوں صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کی ایک خوبی کا ذکر کیا۔ اس پر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ خصوصی طور پر اپنی دعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ خلافت کی اطاعت کا بے مثال نمونہ تھے۔ یورپ میں حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں کسی جگہ جانے کی ضرورت پیش آنے پر سفر پر روانہ ہونے سے قبل بذریعہ خط حضورؓ سے اجازت حاصل کرتے اور پھر سفر پر روانہ ہوتے۔ اور ساری زندگی یہ طریق رہا۔ چنانچہ فروری 1914ء کو حسبِ دستور حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی خدمت میں ایسٹر کی چھٹیوں میں فرانس، بیلجیم، ہالینڈ اور جرمنی جانے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر سفر کی تیاری کر لی۔ شیخ نور احمد صاحب نے ایک خواب دیکھا جو چوہدری فتح محمد سیالؓ کو بتایا۔ شیخ صاحب نے اپنے خواب کی تعبیر بیان کی کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی وفات کا وقت قریب ہے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ دو چار دن بعد ہی حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے وصال کی خبر بذریعہ تار موصول ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خلافتِ ثانیہ۔ سفر سے واپس لندن آئے تو کافی ڈاک جمع تھی۔ اسی دن ہندوستان کو ڈاک روانہ ہونی تھی والدہ صاحبہ نے لکھوایا کہ میں نے اپنی بیعت اور تمہارے بہن بھائیوں کی بیعت کا خط لکھوا دیا ہے تم بھی اس خط کے ملنے پر فوراً بیعت کا خط لکھ دو۔ چنانچہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت کا خط اور والد، والدہ صاحبہ کے خط کا جواب فوراً لکھ کر ڈاک میں بھجوا دیے۔ اس کے بعد اطمینان ہوگیا کہ جو فیصلہ کیا درست ہے

اور خلافت کے ساتھ وابستگی لازم ہے۔ وطن واپسی کے لئے لندن سے روانہ ہوئے۔ بمبئی پہنچے اور پھر وہاں سے لاہور اور لاہور سے سیدھے قادیان پہنچ کر بہشتی مقبرہ میں دعا کی۔ مسجد مبارک میں شکرانے کے نفل ادا کر کے دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔اس زمانے میں جو طالب علم انگلستان سے اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے واپس آتے ان کا شاندار استقبال کیا جاتا اور پھر دھوم دھام سے وہ اپنے گاؤں پہنچتے تھے لیکن خلافت کے اس فدائی اور جاں نثار کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنے ماں باپ، عزیزوں رشتہ داروں کو آنے کی مکمل اطلاع ہی نہ دی صرف اتنا لکھا کہ میں جلد پہنچ جاؤں گا اور پھر سیدھے دربار خلافت میں جا حاضر ہوئے اور سب سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دستی بیعت کر کے ایک دن قادیان میں گزار کر اپنے گاؤں روانہ ہوئے۔ اور سیدھے اپنے گھر چلے گئے۔ 1917ء میں جب وزیر ہند ہندوستان آئے تو مختلف انجمنوں، پارٹیوں اور مجالس کے نمائندوں نے اپنے وزیر ہند اور وائسرائے سے ملاقاتیں کیں اور تجاویز اور مشورے دیے۔ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے بھی وفد پیش ہوا اور اپنا ایڈریس پیش کیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی اس غرض کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔حضورؓ نے چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کو ارشاد فرمایا کہ وہ ترجمانی کے فرائض ادا کریں۔ چنانچہ وزیر ہند اور وائسرائے سے ملاقات میں آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح کی ترجمانی کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے چونکہ قانونی علوم میں مہارت حاصل کرنے پر وکالت کا شعبہ اختیار کیا تھا اس لئے آپ نے سیالکوٹ اور پھر لاہور میں وکالت کی۔اسی طرح جماعتی مقدمات میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔شہزادہ ویلز جب ہندوستان اور لاہور آئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اسلام کی حقانیت اور زندہ مذہب ہونے کے بارے میں ایک قابل قدر کتاب تحفہ کی شکل میں تیار کی۔حضورؓ نے یہ کتاب اردو میں تیار کی اور ارشاد فرمایا کہ ظفر اللہ خان اس کا انگریزی میں ترجمہ کریں۔آپ نے حضورؓ کے ارشاد پر یہ ذمہ داری حضورؓ کی مقررہ میعاد کے اندر پوری کر دی۔ پھر اس کی نظر ثانی کے موقع پر آپ حضورؓ کے ساتھ دن رات کام میں مصروف رہے۔ پھر اس کتاب کی خاص جلد چاندی کے بکس میں شہزادہ ویلز کو پیش کی گئی۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو حضورؓ نے 1918ء میں، جب آپ لاہور منتقل ہو چکے تھے، جماعتِ احمدیہ لاہور کا امیر مقرر فرمایا۔اس سے قبل جماعت میں امارت کا عہدہ نہیں ہوتا تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دو امارتیں مقرر فرمائیں۔ فیروز پور میں خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کو اور لاہور میں حضرت چوہدری صاحبؓ کو امیر مقرر فرمایا۔اس بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے لاہور کے افراد سے مشورہ طلب فرمایا کہ کس کو امیر مقرر کیا جائے۔محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ اس موقع پر موجود نہ تھے۔آپ کے والد صاحبؓ اور آپ کے ماموں چوہدری عبداللہ خانؓ امیر جماعتِ احمدیہ داتہ زید کا اس مجلس میں موجود تھے۔آپ کے والد صاحبؓ نے کسی قدر شکوہ سے کہا کہ آج تم حضور کی مجلس میں موجود نہ تھے۔آپ کے ماموںؓ نے جلدی سے کہہ دیا کہ حضورؓ نے تمہیں لاہور کا امیر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مبارک ہو اور والد صاحبؓ نے بتایا لیکن تمہارے حق میں صرف ایک رائے تھی۔الحمدللہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو حضرت چوہدری ظفر اللہ خانؓ پر کس قدر اعتماد تھا کہ صرف ایک رائے حق میں تھی اور حضورؓ نے آپ کو امیر مقرر فرما دیا بلکہ ایک دفعہ 1927ء کی مجلس مشاورت کے موقع پر حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ امیر جماعت لاہور کے متعلق فرمایا: ''......اِس کا امیر بھی ایک ایسا شخص ہے جس سے مجھے تین وجہ سے محبت ہے۔ان کے والد کی وجہ سے جو نہایت مخلص احمدی تھے۔ میں نے دیکھا ہے انہوں نے دین کی محبت میں اپنی نفسانیت اور ''میں'' کو بالکل ذبح کر دیا تھا اور ان کا اپنا

قطعاً کچھ نہ رہا تھا سوائے اس کے کہ خدا راضی ہو جائے۔ایسے مخلص انسان کی اولاد سے مجھے خاص محبت ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں ذاتی طور پر اخلاص ہے اور آثار وقرائن سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین کی خاطر ہر وقت قربانی کے لئے تیار رکھتے ہیں۔تیسری وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں علم،عقل اور ہوشیاری دی ہے اور وہ زیادہ ترقی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' (خطابات شوریٰ جلد 1 صفحہ 226)

اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی ایک خواب کا بھی ذکر فرمایا جس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نزدیک آپ کو اللہ تعالیٰ کی بہت تائید ونصرت حاصل تھی۔فرمایا سالہا سال کی بات ہے میں نے ایک خواب دیکھی تھی۔میں نے دیکھا کہ میں کرسی پر بیٹھا ہوں اور سامنے بڑا قالین ہے اور اس قالین پر عزیزم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب،عزیزم چوہدری عبداللہ خان صاحب اور عزیزم چوہدری اسد اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔سر ان کے میری طرف ہیں اور پاؤں دوسری طرف ہیں اور سینہ کے بل لیٹے ہوئے ہیں اور میں دل میں کہتا ہوں کہ یہ تینوں میرے بیٹے ہیں۔عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ساری عمر دین کی خدمت میں لگائی ہے اور اس طرح میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا (میری بیماری کے موقع پر تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا) بلکہ میرے لئے فرشتہ رحمت بنا دیا۔وہ میری محبت میں یورپ سے چل کر کراچی آئے اور میرے ساتھ چلنے اور میری صحت کا خیال رکھنے کے ارادہ سے آئے۔چنانچہ ان کی وجہ سے سفر بہت اچھی طرح کٹا اور بہت سی باتوں میں آرام رہا۔حضرت مصلح موعودؓ کا یہ ارشاد کہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں اور ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی کہ'' وہ اپنے آپ کو دین کی خاطر ہر وقت قربانی کے لئے تیار رکھتے ہیں۔'' اور پھر اپنی خواب کے بارہ میں بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔'' عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ساری عمر دین کی خدمت میں لگائی ہے۔'' یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ جب حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو افغانستان میں ظالمانہ فیصلہ کر کے سنگسار کر دیا گیا۔حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؓ نے 4رستمبر 1924ء کو احباب جماعت کو اپنے ایک پیغام میں افغانستان جا کر تبلیغ کے کام کو جاری رکھنے کی تلقین فرمائی اور احباب نے اپنے نام حضورؓ کی خدمت میں پیش کیے۔اس موقع پر خدمت دین کا یہ شیدائی محمد ظفر اللہ خانؓ کس قدر تڑپا اور بارگاہِ رب العزت میں اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حضور لکھا: ''حضور انور میں کمزور ہوں، آرام طلب ہوں۔لیکن غور کے بعد میرے نفس نے یہی جواب دیا کہ میں نمائش کے لئے نہیں، فوری شہادت کے لئے نہیں، دنیا کے افکار سے نجات کے لئے نہیں بلکہ اپنے گناہوں کے لئے توبہ کو موقع میسّر کرنے کے لئے اپنے تئیں اس خدمت کے لئے پیش کرتا ہوں۔اگر مجھ نابکار گنہ گار سے اللہ تعالیٰ یہ خدمت لے اور مجھے یہ توفیق عطا فرمائے کہ میں اپنی زندگی کے بقیہ ایام اس کی رضا کے حصول میں صَرف کر دوں تو اس سے بڑھ کر میں کسی نعمت اور کسی خوشی کا طلبگار نہیں۔'' لیکن یہ درخواست اس طرح منظور نہ ہوئی۔

1924ء میں لندن میں ویمبلی کانفرنس ہوئی جس میں شمولیت کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ لندن تشریف لائے۔آپؓ نے اس کانفرنس کے لئے ایک مضمون تحریر فرمایا جس کا عنوان'' احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' تھا حضورؓ نے چوہدری صاحبؓ کو اس کا انگریزی ترجمہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔آپ نے نہ صرف اس کی سعادت پائی بلکہ حضورؓ جس تقریب میں بھی شمولیت فرماتے وہاں حضورؓ کی ترجمانی کرنے کی سعادت ہمیشہ خلافت کے اس فدائی حضرت محمد ظفر اللہ خانؓ کو نصیب ہوتی رہی۔حضورؓ نے اپنے اس مضمون کو اس کانفرنس میں پڑھنے کے لئے مختلف احباب کو بلایا تا کہ وہ مضمون کا کچھ حصہ پڑھ کر سنائیں تا کہ فیصلہ کیا جائے کہ کون اس مضمون کو پڑھنے کی سعادت حاصل کرے۔بالآخر حضرت

خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فیصلہ فرمایا کہ کانفرنس میں یہ مضمون چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ پڑھ کر سنائیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مضمون ہر لحاظ سے کامیاب رہا اور بالاتفاق کانفرنس میں پڑھے جانے والے مضامین میں سب سے اعلیٰ شمار کیا گیا۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ہر قدم پر حضورؓ کی رہ نمائی حاصل کرتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی حضورؓ سے مشورہ لیتے اور پھر اس کے مطابق عمل کرتے۔ایک دفعہ آپ چونکہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے وائسرائے نے بتایا جب ممبر کو 2 سال ہوجائیں تو اُسے ''سر'' کا خطاب دیا جاتا ہے اور آپ کو دو سال ہونے والے ہیں اس لئے آپ سر محمد ظفر اللہ خان ہوجائیں گے۔یہ سن کر کہنے لگے مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے پوچھ لینے دیں اور پھر حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کر دیا حضورؓ نے فرمایا جب ان کا یہ دستور اور طریق کار ہے تو پھر سر کا خطاب لینے میں کوئی ہرج نہیں۔اس طرح پھر آپ نے سر کے خطاب کو قبول کرلیا اور محمد ظفر اللہ خان'' سر محمد ظفر اللہ خان'' ہوگئے۔حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو مجلس مشاورت میں مجلس شوریٰ کا سیکرٹری 17 رمرتبہ مقرر فرمایا۔خلافت جوبلی 1939ء کے موقع پر جماعت کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں تین لاکھ روپیہ کی رقم بطور نذرانہ پیش کرنے کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی۔اس رقم میں سے دس ہزار روپے کا نذرانہ آپ نے خود ادا کیا تھا۔یورپ میں سامان اٹھانے کے لئے قلی نہیں ہوتے۔جب حضرت فضل عمرؓ یورپ کے سفر پر گئے تو تمام وقت حضور کے ساتھ ساتھ رہے۔حضورؓ کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔حضورؓ کا سامان خود اُٹھاتے تھے۔حضرت چوہدری صاحبؓ اپنے حبیب حضرت مصلح موعودؓ کے عشق و محبت میں اپنی ذات سے بے نیاز ہوکر سب کام کرتے تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ کہتی ہیں ایک دفعہ حضورؓ سندھ تشریف لے گئے تھے اور چوہدری صاحب بھی ساتھ تھے۔حضورؓ آم کی کاشیں چکھ کر چوہدری صاحبؓ کی پلیٹ میں رکھتے جاتے تھے۔پھر آپ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت مصلح موعودؓ اور چوہدری صاحبؓ کو ایک پلیٹ میں کھاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔اس کا میری طبیعت پر گہرا اثر ہوا کہ حضورؓ کو چوہدری صاحبؓ سے کس قدر محبت ہے۔مجھے کئی بار حضورؓ اور چوہدری صاحب کو کھانا کھلانے کا موقع ملا۔اکثر حضورؓ فرمایا کرتے کہ آج چوہدری صاحبؓ کھانے پر آئیں گے۔مجھے ہدایت فرماتے کہ کھانا میں پیش کروں۔جب حضورؓ لندن میں تھے تو فرمایا میں اب بھاری کپڑے پہن نہیں سکتا اور چوہدری صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ امۃ الجمیل کو ساتھ لے جائیں اور میرے لئے ہلکا سا سویٹر اور اوور کوٹ خرید لائیں۔چوہدری صاحبؓ نے حضور سے عرض کی ''حضور ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں''۔فرمایا جی چوہدری صاحب کہیے۔چوہدری صاحبؓ نے اپنا سویٹر اتارا اور عرض کی کہ حضورؓ یہ سویٹر بہت ہلکا ہے آپ پسند فرمائیں تو اسے استعمال کریں۔حضور مصلح موعودؓ نے فوراً وہ سویٹر پہن لیا۔چوہدری صاحب کی خوشی الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔پھر عرض کی کہ حضور جب آپ یہ سویٹر کسی کو دینا چاہیں تو مجھے دے دیجیے گا۔غالباً حضور نے پھر اس سویٹر کو استعمال کے بعد چوہدری صاحب کو ہی دے دیا۔حضرت مصلح موعودؓ کے 52 سالہ بابرکت دورِ خلافت میں ایسے لگتا ہے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے آپ کی بابرکت گود میں بیٹھ کر مثل طفل شیر خوار مادرِ مہربان یعنی خلافت کی محبت، توجہ، رہ نمائی، الفت، دعائیں، نظر کرم حاصل کرنے کی سعادت پائی۔اس موقعے پر حضورؓ کی ایک دعا کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کے بارہ میں فرمایا: '' خدا تعالیٰ ان کی خدمت کو بغیر

معاوضہ کے نہیں چھوڑے گا اور ان کی محبت کو قبول کرے گا اور اس دنیا اور اگلی دنیا میں اس کا ایسا معاوضہ دے گا کہ پچھلے ہزار سال کے بڑے آدمی رشک کریں گے۔ کیونکہ وہ خدا شکور ہے اور کسی کا احسان نہیں اٹھاتا۔ اس نے ایک عاجز بندہ کی محبت کا اظہار کیا اور اس کا بوجھ خود اٹھانے کا وعدہ کیا۔ اب یقیناً جو اس کی خدمت کرے گا خدا تعالیٰ اس کی خدمت کو قبول کرے گا اور دین و دنیا میں اس کو ترقی دے گا۔ وہ صادق الوعد ہے اور رحمان ورحیم بھی''۔(تاریخ احمدیت لاہور صفحہ 502 تا 503)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات کے وقت جزائر فجی کے دورے پر تھے۔ ربوہ سے بذریعہ تار حضورؓ کی تشویشناک صورت حال کی اطلاع ملی۔ آپ ایک ایئر لائن کے دفتر گئے تو پتہ چلا کہ ربوہ پہنچنے کے لئے 3 دن درکار ہوں گے۔ یہ معلوم کر کے احمدیہ مشن ہاؤس گئے تو وہاں حضورؓ کے وصال کی اطلاع آ چکی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جنازے پر پہنچنا ناممکن تھا۔ وہ رات آپ کے لئے بڑی کربناک تھی۔ رات کے پچھلے پہر خواب دیکھا جس کی واضح تعبیر یہ تھی کہ خلیفہ کا انتخاب ہو گیا ہے اور نئے منتخب ہونے والے خلیفہ کی عمر 56 سال ہے۔ صبح ہونے پر احباب سے ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ انتخاب کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی عمر پورے 56 سال تھی۔(تحدیث نعمت ص 717) پھر وہاں سے روانگی ہوئی اور جب جہاز میں بیٹھ گئے تو آپ بیان کرتے ہیں کہ دل مچلا گویا جذبات نے اعلان کر دیا کہ اب تو ہمیں ضبط کی زنجیر میں جکڑے رکھنا مصلحت کا مطالبہ تھا لیکن اب اگر ہمیں رخصت نہ دی گئی تو ہمیں طوفان کی شکل میں خروج کرنا ہوگا۔ اب ضروری ہو گیا کہ دل اور آنکھوں کو خاموش اظہار کی اجازت دی جائے۔ یہ چار گھنٹے کا سفر پچھلے گذرے برسوں کی تصویر بن کر آہستہ آہستہ نظروں سے گذرتا گیا، واقعات در واقعات چلتے گئے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات اور خلافت ثالثہ کے انتخاب کے وقت ربوہ نہ پہنچ سکے۔ اس کے بعد آپ حسب معمول دسمبر کے ماہ میں جلسہ سالانہ پر تشریف لائے۔ جلسہ کے اختتام کے بعد مسجد مبارک ربوہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں بالخصوص حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ نے حضرت مصلح موعودؓ کی یادوں پر مشتمل تقریر کرنا تھی۔ راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ میں اس جلسہ میں شامل تھا۔ تلاوت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نظم ''نونہالانِ جماعت سے خطاب'' پڑھی گئی۔ محترم چوہدری صاحبؓ جذبات سمیٹے بیٹھے تھے۔ جب خطاب شروع ہوا تو آنکھیں پُرنم آواز دل گداز۔ مغموم لہجے میں تقریر کی۔ یادوں کے ذکر کے ساتھ سوگواری کا عالم بھی نمایاں تھا۔ پیشگوئی مصلح موعود کے الفاظ پڑھے۔ پھر بتایا کہ میری پہلی زیارت آپ سے اس وقت ہوئی جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ تشریف لائے اور میں اپنی والدہ کے ہمراہ گیا تھا۔ یہ آخر ستمبر 1904ء تھا۔ اس وقت کی آپ کی شکل و شباہت وہ مقام جہاں آپ کھڑے تھے دل پر اس طرح نقش ہے کہ گویا کل کی بات ہو۔ میں اس وقت گیارہ سال کا بچہ تھا اور مجھ میں اتنی جرأت اور حوصلہ نہ تھا کہ آپ سے ملاقات کرتا۔ جب انگلستان تعلیم کی غرض سے جانے لگا اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ملاقات کے لئے قادیان گیا تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تحریک پر دعا کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دعاؤں سے نوازا اور فرمایا کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرنا۔ میں طالب علمی میں آپ کو انگلستان سے خط لکھتا تھا اور آپ جواب سے بھی نوازا کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی وفات کے بعد انگلستان سے واپسی پر سیدھا قادیان آیا اور دستی بیعت سے مشرف ہو کر اپنے والدین کے پاس سیالکوٹ چلا گیا۔ چوہدری

صاحب نے بتایا کہ میں نے 5رنومبر 1914ء کو بعد نماز عصر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دستی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ چوہدری صاحبؓ نے بتایا کہ پھر وہاں سے ذاتی تعلق شروع ہوا اور 51 سالہ رفاقت کے دوران حضورؓ کی طرف سے شفقت، محبت، الفت، ذرہ نوازی اور توجہ کا مَورد رہا۔ اختصار سے بھی بیان کیا جائے تو ایک پوری کتاب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس وقت سے حضورؓ نے میری ہر پہلو کی تربیت اپنے ہاتھ لے لی۔ اور اس نصف صدی کے عرصہ میں انفرادی طور پر اور جماعتی طور پر آپؓ کی مجھ پر توجہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت اور فضل تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ہی مجھے حضورؓ کا ارشاد ملا کہ دہلی میں ایک جلسہ کیا جائے کیونکہ دہلی کے لوگ سمجھتے ہیں جماعتِ احمدیہ بے علم اور جاہلوں کی جماعت ہے اس لئے اردو، عربی اور انگریزی میں تقاریر ہوں اور پھر بعد میں سوال و جواب بھی اسی زبان میں ہوں جس زبان میں تقریر ہو۔ مجھے انگریزی میں تقریر کرنے کا ارشاد ہوا جب کہ ابھی تک مجھے کوئی تقریر کرنے کا موقع بھی نہ ملا تھا اور نہ مجھے اتنی دینی معلومات تھیں۔ میری تقریر کا عنوان ''ضرورت مذہب'' تھا۔ حضورؓ نے فرمایا ہم نوٹ لکھوا دیں گے پھر اپنی بساط کے مطابق اُسے پھیلا لینا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھے رنگ میں اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ طریق دستور کے مطابق قائم ہو گیا اور حضورؓ چوہدری صاحبؓ کو نوٹ املا کروا دیتے اور آپ مضمون کو پھیلا لیا کرتے۔ اس تقریر میں بعض مقدمات کا بھی تفصیلی ذکر تھا۔ مضمون چونکہ لمبا ہو رہا ہے ایک مقدمہ کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ چوہدری صاحبؓ نے بتایا کہ میں انڈین کیسز کا نائب مدیر تھا۔ نہ ہائی کورٹ بار کا ممبر بنا، نہ وکالت شروع کی نہ کسی جج سے واقفیت تھی کہ حضورؓ کا ارشاد ملا کہ پٹنہ ہائی کورٹ میں جماعت مونگھیر کا مقدمہ ہے اس پر جا کر بحث کرو۔ میں جانتا تھا کہ میں کچھ نہیں ہوں تعمیل ارشاد میں حاضر ہوا کہ حضورؓ دعا کرتے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سمجھا دے گا۔ ڈاک بنگلہ میں میری رہائش تھی وہاں ایک احمدی سید ولایت شاہ صاحب نے جو ایک زمیندار کے اہلکار تھے تفصیل کے ساتھ مقدمہ تیار کر رکھا تھا میں اس کے نوٹ لیتا رہا اور ایک ہی دن میں تیاری مکمل کر لی۔ میں عدالت میں پیش ہوا بحث کی۔ الحمدللہ مقدمہ کا فیصلہ جماعت کے حق میں ہوا۔ چیف جسٹس نے میری تعریف کی۔ جب لاہور واپس آیا تو چونکہ مجھے کوئی جانتا نہ تھا تو لوگ کہتے تھے کہ کون یہ ظفر اللہ خان ہے جو گیا اور مقدمہ جیت کر آ گیا۔ مقدمہ جات اور ترجمانی کے واقعات کے علاوہ آپ نے ان رؤیا و کشوف کا ذکر کیا جو حضرت مصلح موعودؓ کو آپ کے متعلق ہوئے۔

ایک رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حضورؓ نے رؤیا میں دیکھا کہ میرے مکان کا دروازہ بہت بلند ہے۔ اتنا بلند ہے کہ میں نے کسی کا کبھی نہیں دیکھا اور اس کے اندر اتنی روشنی ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ پھر آپ نے ایک اَور رؤیا دیکھی کہ نیویارک کے ریڈیو سے خبر آئی ہے کہ ظفر اللہ خان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ اعلیٰ کامیابی عطا کرے گا۔ لیکن ظاہر طور پر احتیاط بھی کرنی ہے اور صدقہ بھی دے دیں۔ 1954ء میں حضورؓ نے خواب میں دیکھا کہ میرا خط حضور کے نام آیا ہے کہ میرا جہاز جو مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا تھا گر کر تباہ ہو گیا ہے۔ اور حضورؓ خواب میں ہی سمجھتے ہیں کہ یہ خط لکھا رہا ہے اس لئے بچ گیا ہے۔ ڈرائیور کا نام محمد آتا ہے۔ غلام محمد ہے۔ صدقہ دے دو اور پھر ریل کا حادثہ ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر جان بخشی کر دی۔ حضورؓ کو احساس ہوا کہ میں نے وکالت کی پریکٹس کی طرف توجہ کر لی ہے لیکن پبلک زندگی میں آنے سے گھبراتا ہوں۔ حضورؓ نے 1921ء میں مولانا ذوالفقار علی گوہر والد مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب مرحوم جو

اس وقت ناظر امور عامہ تھے کو بھجوا کہ حضورؓ کو اس بات کا احساس ہے اس لئے بطور تعزیر تمہارے لئے (چوہدری صاحب کے لئے) سزا تجویز کی ہے تم 4 اضلاع میں اسمبلی کا الیکشن لڑو گے۔ اس میں تو آپ کامیاب نہ ہو سکے لیکن بعد میں پنجاب اسمبلی کا الیکشن لڑ کر کامیاب ہوئے۔

خلافت ثالثہ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ 1965ء سے 1982ء تک خلافت کے مقام پر فائز رہے اور اس عرصہ میں بھی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ کی اطاعت، محبت خلافت کے لئے فدائیت، جاں نثاری کا جذبہ موجزن رہا۔ جلسہ سالانہ 1965ء پر آپ تشریف لائے تو ''فضل عمر فاؤنڈیشن'' (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اس فاؤنڈیشن کا اعلان کرنے کا بھی آپ کو ارشاد فرمایا) کا قیام عمل میں آیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ازراہِ شفقت آپ کو اس کا صدر مقرر فرمایا اور تاحیات آپ اس کے صدر رہے۔ عبدالمالک صاحب آف لاہور نمائندہ الفضل ربوہ نے بتایا کہ ایک دفعہ حضور رحمہ اللہ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے کہ ایک ملاقات میں مَیں نے دیکھا کہ چوہدری صاحبؓ حضورؒ کے سامنے اس طرح ادب و احترام کے ساتھ کھڑے ہیں جیسے کوئی چیز بے حس و حرکت ہے۔ ایک مرتبہ لندن میں چوہدری صاحبؓ بالائی منزل میں تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ آپ سے کوئی مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ امام بشیر احمد خان رفیق مرحوم نے چوہدری صاحب کو بتایا کہ حضور رحمہ اللہ کسی مشورہ کے لئے اوپر آپ کے پاس آرہے ہیں۔ آپ نے یک دم اپنے اُسی لباس میں جلدی سے گاؤن پہنا اور جوتی پہن کر اس سے قبل کہ حضور رحمہ اللہ آپ کے پاس آئیں خود آپ حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ فوٹو بھی موجود ہے جس میں آپ بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ حضور رحمہ اللہ کے پاس کھڑے ہیں۔ محترم چوہدری ظفر اللہ خانؓ ہمیشہ ہر خلیفۃ المسیح سے اپنے ذاتی اور نجی معاملات میں بھی مشورہ لیتے اور ہر ہدایت کی کماحقہ تعمیل کیا کرتے تھے۔ 1981ء کی بات ہے کہ تیونس کے سفیر ملنے آئے اور پیغام دیا کہ ہمارے ملک کے براکوبا کی خواہش ہے کہ آپ ہمارے ملک تشریف لائیں۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ ٹھیک ہے میں بتاؤں گا۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں ربوہ حاضر ہوئے۔ اور اجازت کی درخواست کی کہ مجھے وہ اپنے ملک بلا رہے ہیں حضورؒ اجازت دیں میں چلا جاؤں حضور رحمہ اللہ نے ازراہِ شفقت اجازت مرحمت فرمائی۔ اس ملاقات میں چوہدری بشیر احمد صاحب اور ان کے بڑے صاحبزادے اور کاہلوں صاحب بھی موجود تھے۔ چوہدری بشیر احمد صاحب مرحوم نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ حضور ان کی عمر 90 سال ہے۔ انہیں اکیلے نہیں جانا چاہیے کوئی ساتھ ہونا چاہیے۔ چوہدری صاحبؓ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور بشیر کہتا ہے میرے بیٹے کو ساتھ لے جاؤ۔ چنانچہ اجازت ملنے پر انور کاہلوں صاحب آپ کے ساتھ تیونس گئے۔ اگلے سال مراکو کے بادشاہ نے بھی آپ کو اپنے ملک مدعو کیا۔ حضور رحمہ اللہ سے اجازت ملنے پر تشریف لے گئے۔ لیکن اس مرتبہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مرحوم آپ کے ساتھ تھے۔ ایک کوٹ ایک دھاری دار پتلون ساتھ لے کر گئے اور ایک ہفتہ وہاں قیام کیا۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خانؓ کی سادگی کی داستان اتنی طویل ہے کہ اس کے لئے الگ ایک لمبے مضمون کی ضرورت ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ساتھ اکثر شریک طعام ہونے کی سعادت ملتی رہی۔ حضور رحمہ اللہ بھی آپ کی ذیابیطس کی بیماری کی وجہ سے آپ کا خیال رکھتے تھے کہ آپ کو ایسا کھانا میسر آئے جو آپ کی بیماری کے لئے مناسب ہو۔ 1970ء میں حضور نے سفر یورپ میں بھی چوہدری صاحب کو ساتھ رکھا۔ برٹش پارلیمنٹ کے رکن ٹام کاکس نے جب پارلیمنٹ ہاؤس میں حضور رحمہ اللہ

کے اعزاز میں استقبالیہ دیا تو حضور رحمہ اللہ کی بہت قربت نصیب رہی۔ 1978ء میں کسرِ صلیب کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی۔اس پروگرام میں حضور رحمہ اللہ کی قربت میسر رہی۔تقریر کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔اس کی پوری تفصیل تو ایک وڈیو ڈاکومنٹری میں دیکھی جاسکتی ہے۔خلافت ثالثہ کے دوران جلسہ ہائے سالانہ پر آپ کی آمد اور حضورؒ سے ملاقاتوں میں قربتوں کے بے شمار واقعات ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ 8/اور 9/جون 1982ء کی درمیانی شب اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔آپ کی وفات اسلام آباد پاکستان میں ہوئی۔انتخاب خلافت سے قبل محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ پاکستان تشریف لے آئے اور انتخاب خلافت کے اجلاس میں شامل ہونے اور حضور رحمہ اللہ کا آخری دیدار کرنے کا موقع ملا۔

خلافت رابعہ۔ خلافت رابعہ کا سب سے پہلا اعزاز آپ کو اس طرح نصیب ہوا کہ انتخاب خلافت کے بعد پہلی بیعت کے موقعے پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے آپ کا ہاتھ تھا۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے چار خلفائے احمدیت کی صحبت، محبت، الفت، توجہ اور قربت کے مواقع نصیب فرمائے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ کشف حضرت چوہدری صاحبؓ کے بارے میں بتایا۔حضور رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 6/ستمبر 1985ء میں فرمایا:''ان کے ساتھ مجھے خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تعلق عطا ہوا تھا۔جب خلافت کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھے پہلا کشف دکھایا ہے تو تعجب کی بات نہیں کہ پہلے کشف میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہی دکھائے گئے اور وہ بھی ایک عجیب کشف تھا۔میں حیران رہ گیا کیونکہ اس قسم کی باتوں کی طرف انسان کا ذہن عموماً جا ہی نہیں سکتا۔ایک دن یا دو دن خلافت کو گزرے تھے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کو خلیفہ بننے کے بعد کوئی الہام کوئی کشف وغیرہ ہوا ہے۔میں نے کہا مجھے ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔بس میں گزر رہا ہوں جس طرح بھی خدا تعالیٰ سلوک فرما رہا ہے،ٹھیک ہے۔تو اس کے چند دن کے بعد ہی میں نے صبح کی نماز کے بعد کشفاً بڑے واضح طور پر ایک نظارہ دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں اور میں وہ باتیں سُن رہا ہوں اور فاصلہ بھی ہے۔ مجھے یہ علم ہے کہ لیٹے لندن میں ہوئے ہیں لیکن جس طرح فلموں میں دکھایا جاتا ہے قریب کہ ٹیلیفون کہیں دور سے ہو رہے ہیں اور سُن رہا ہے گویا کہ اس قسم کے مزے کیمرہ ٹرِک سے ہو جاتے ہیں۔تو کشفاً یہ دیکھ رہا تھا کہ چوہدری صاحبؓ اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کچھ باتیں کر رہے ہیں اور میں سُن بھی رہا ہوں اور اس کے ساتھ ایک ذہنی تبصرہ بھی ہو رہا ہے لیکن گویا میری آواز وہاں نہیں پہنچ رہی۔اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب سے یہ پوچھا کہ آپ کا کتنا کام باقی رہ گیا ہے تو چوہدری صاحب نے عرض کیا کہ کام تو چار سال کا ہے لیکن اگر آپ ایک سال بھی عطا فرما دیں تو کافی ہے۔ یہ سُن کر مجھے بہت سخت دھکا سا لگا اور میں چوہدری صاحب کو یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ چار سال مانگیں خدا تعالیٰ سے یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ایک سال بھی عطا ہو جائے تو کافی ہے۔ مانگ رہے ہیں خدا سے اور کام چار سال کا بیان کر رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ایک سال ہی کافی ہے مجھے اس سے بے چینی پیدا ہوئی لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس نظارے میں مَیں اپنی بات پہنچا نہیں سکتا تھا صرف سن رہا تھا کہ یہ گفتگو ہو رہی ہے۔''(خطبہ جمعہ فرمودہ 6/ستمبر 1985ء مطبوعہ خطبات طاہر جلد 4 صفحہ 765 تا 766) حضور رحمہ اللہ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے تھوڑا عرصہ بعد ہی سپین کی مسجد بشارت کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے۔اس افتتاحی تقریب میں

آپ بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ شریک تھے۔ جماعتِ احمدیہ لاہور نے مسجد بشارت سپین کے افتتاح کے بعد حضور رحمہ اللہ کی پاکستان واپسی پر لاہور کے ہلٹن ہوٹل میں حضور رحمہ اللہ کے اعزاز میں استقبالیہ پیش کیا تو اس تقریب میں بھی چوہدری صاحب ؓ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آپ حضور رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ خلافتِ احمدیہ کے اس فدائی، جاں نثار کو ہمیشہ خلیفۃ المسیح کے قدموں میں جگہ نصیب ہوئی۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ؓ کے زمانہ میں کیمرہ کی سہولت سے فوٹو میسر آسکتیں تو یقیناً وہ بھی آج کاغذی صفحوں میں ہمارے لئے محفوظ ہوسکتیں لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے زمانے کی تصاویر اس بات کی گواہ ہیں کہ خلافتِ احمدیہ کے اس ادنیٰ خادم کو اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی قربت اور ان کی قدم بوسی کی عظیم دولت سے مالا مال کیا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآء۔

ایک دفعہ مکرم شمشاد احمد قمر (پرنسپل جامعہ احمدیہ جرمنی) نے بیان کیا کہ حضرت چوہدری صاحب ؓ نے انہیں فرمایا: ''میں تو کچھ چیز نہ تھا جو کچھ بھی مجھے مرتبہ ملا محض خدا کے فضل اور حضور کی شفقت اور میری والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔'' خاکسار راقم الحروف سے یہ واقعہ محترم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور نے بیان کیا کہ جب آپ لندن سے شفٹ ہوکر لاہور مستقل آگئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے آپ کی ملاقات کا دن اور وقت طے ہوا۔ گاڑی پر لاہور سے روانہ ہوئے تو خانقاہ ڈوگراں کے قریب گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوگیا اور گاڑی کو قریبی ورکشاپ لے گئے تاکہ اس کی مرمت کر کے جلدی ربوہ پہنچ جائیں۔ حضرت چوہدری صاحب کو حضور سے ملاقات کی اتنی تڑپ تھی اور فکر تھا کہ کہیں میں لیٹ نہ ہو جاؤں کہ آپ بتائے بغیر لاری اڈہ کی طرف چل پڑے کہ میں بس پر سوار ہوکر اپنے امام کی خدمت میں بروقت پہنچ جاؤں۔ جب دیکھا کہ چوہدری صاحب کہاں گئے ہیں تو نظر آیا کہ وہ تو لاری اڈہ کی طرف بے تابی سے جارہے ہیں۔ جا کر وہاں سے انہیں واپس لائے اور گزارش کی کہ آپ تسلی رکھیں گاڑی کا ٹائر تبدیل کر کے ہم جلد ہی اور بس سے پہلے ربوہ پہنچ جائیں گے اور انشاء اللہ آپ بروقت حضور رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے پہنچ جائیں گے۔ تب اطمینان ہوا اور واپس آ گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے آپ کی وفات (یکم ستمبر 1985ء) کے بعد 6رستمبر 1985ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا: ''مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جن کا وصال یکم ستمبر کو ہوا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات میں سے ایک کلمہ تھے اور ایک عظیم الشان مقام خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تقویٰ کا نصیب ہوا۔'' (خطبہ جمعہ فرمودہ 6رستمبر 1985ء مطبوعہ خطبات طاہر جلد 4 صفحہ 749) اسی خطبہ جمعہ میں حضورؒ نے فرمایا کہ ''......آپ پر یہ احساس غالب رہا کہ میں نے ایک اللہ کے مامور کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دیا ہے اور جہاں تک میرا بس ہے، جہاں تک میرے اندر خدا کی طرف سے توفیق عطا ہوئی ہے میں اس کے تقاضے پورے کرتا رہوں گا اور خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ نہایت ہی اہلیت کے ساتھ ان تقاضوں کو پورا کیا اور آپ کے حق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو بار بار اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ......فرماتے ہیں: ''......میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنے سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔ ......'' (خطبہ جمعہ فرمودہ 6رستمبر 1985ء مطبوعہ خطبات طاہر جلد 4 صفحہ 751 تا 751) آپ پر اپنی بیماری کے ایام میں بعض اوقات غنودگی

طاری ہوتی تھی اور ہوش آنے پر بعض باتیں کہتے تھے۔ایک دفعہ یہ کہتے سناHeaven۔ پھر یہ کہتے سنا مبارک ہو مبارک ہو۔زندگی کے آخری لمحات میں جب انسان اپنی اولاد اور عزیزوں کو یاد کرتا ہے خلافت کا یہ فدائی عاشق اور خادم بے ہوشی کی حالت ختم ہونے پر پوچھتا ہے’’حضور کہاں ہیں؟‘‘ بتایا گیا لندن میں۔پھر پوچھا ہم کہاں ہیں بتایا گیا لاہور میں۔گویا آخری دنوں میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ملنے کی خواہش بے تاب کرتی تھی۔ایک دن آپ نے فرمایا’’جب میرا وقتِ آخر آئے میرا خدا مجھ سے راضی ہو اور اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوں۔‘‘اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے۔اور آپ جیسے بے شمار فدائی مخلص اور باوفا خدام خلافتِ احمدیہ کو عطا فرماتا چلا جائے۔آمین۔

دین خدا کی آبرو تھی مقصدِ حیات پہنچا جہاں بھی پیار کا دریا بہا گیا
تھی اس کی ذات مشعلِ انوار آگہی جینے کا زندگی کو قرینہ سکھا گیا

(ثاقب زیروی)(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 27 مئی 2020ء)

تاریخ پاکستان کا ایک چونکا دینے والا باب
مَیں نے اور مسلم لیگ دونوں نے رحمت علی کے نظریہ پاکستان کو مسترد کر دیا تھا
محمد ظفراللہ خان صاحب کا ایک اہم اور تاریخی حیثیت کا حامل بیان

1981، 1982 میں ملک بھر میں یہ بحث چل پڑی کہ محترم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کا تحریک پاکستان میں کیا کردار ہے؟ بحث کا آغاز جناب عبدالولی خان کے ایک انٹرویو سے ہوا تھا اور اس کے بعد جواب در جواب سے معاملہ سلجھنے کے بجائے الجھتا گیا۔فضل چوہدری صاحب موصوف نے اس بحث میں اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے ایک مضمون پاکستان ٹائمز لاہور کی 13 فروری 1982 کی اشاعت میں لکھا۔یہ صرف ایک مضمون نہیں بلکہ تحریک پاکستان کا ایک چونکا دینے والا باب ہے۔ اس تاریخی دستاویز کا ترجمہ قارئین کی ضیافت تبع کے لئے پیش ہے۔بیشتر ذیلی عنوان مترجم نے لگائے ہیں۔

ظفراللہ کا خط۔ پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر نے اس مضمون کے ساتھ یہ نوٹ دیا سر محمد ظفراللہ نے بڑی کاوش سے اس پس منظر اور حالات کا ذکر کیا ہے جن میں انہوں نے لارڈ لنلتھگو کو فروری 1940 کے آخر میں ایک نوٹ ارسال کیا تھا۔مسٹر ولی خان نے ایک اردو رسالے کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنے الزامات کی بنیاد نوٹ پر رکھی ہے۔ انہوں نے بہت سے متنازعہ نقاط اٹھائے ہیں جن کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ (ایڈیٹر) لنلتھگو کے نام لکھے گئے نوٹ کے بارے میں چوہدری ظفراللہ خان وضاحت کرتے ہیں حال ہی میں تصور پاکستان کے پس منظر کے بارے میں نمایاں دلچسپی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے۔اس ضمن میں پاکستان ٹائمز 23 جنوری اور 29 جنوری کے شماروں میں وہ اہم مضامین شائع ہوئے ہیں۔ان میں سے پہلے مضمون یعنی ایڈیٹوریل میں اور دوسرے مضمون میں بعض ایسی باتیں کہی گئی ہیں جو پوری طرح صحیح نہیں ہے اور اس کے نتیجے میں غلط فہمیاں اور غلط توجیہات ٹائم کرنے کا دروازہ کھول سکتا ہے۔**کامیابی کا سہرا صرف قائداعظم کے سر ہے۔** میں زبانی اور تحریری طور

پرمسلسل یہ بات کہتا رہا ہوں کہ جہاں تک انسانی کوششوں کاتعلق ہے پاکستان کا قیام واحد یعنی قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے مخلصانہ کوششوں کا رہین ایک موثر اور متحرک سیاسی تنظیم میں بدل دیا۔اس راہ میں حائل نہ قابل عبور مشکلات پر قابو پا کر انہوں نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا جس سے آپ نے خود ہی اپنے لئے متعین کیا تھا۔اگر چہ اس کام میں کیا صحابہ نے اخلاص اور فرمانبرداری سے آپ کا ہاتھ بٹایا، لیکن کامیابی کا سہرا صرف اور صرف جناب محمد علی جناح کے سر بند تھا ہے اس بارے میں کسی طرح سے کوئی ادنی ساشبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ **تصور۔** جہاں تک پاکستان کا تصورا بھرنے کا تعلق ہے اس کا جائزہ اس کے پس منظر میں لیا جانا ضروری ہے۔لفظ پاکستان کی اپنی ایک تاریخ ہے جو کہ آج کل اچھی طرح سے ذہن میں نہیں رکھی جاتی نتیجے میں غلط خیالات جنم لیتے ہیں۔یہ اصطلاح پاکستان چوہدری رحمت علی نے ایجاد کی۔اس وقت وہ کیمبرج میں پڑھ رہے تھے اور اس کی جو عملی سکین انہوں نے پیش کیں اسے پاکستان کہا جاتا رہا اگر چہ اس ٹیم کا پاکستان کے اس تصور سے بہت کم تعلق تھا جو مسلم لیگ کی 23 مارچ 1940 والی کی قرارداد کے تحت قائم ہوا۔چوہدری رحمت علی جس پاکستان کا تصور پیش کیا بنیادی نقطہ ہندو پاکستان میں بسنے والی مسلم اور غیر مسلم آبادی کا مکمل تبادلہ تھا۔اس کے مطابق ہندو پاک میں بسنے والی تمام کی تمام مسلم آبادی کو برصغیر کے شمال مغربی علاقے میں منتقل ہونا تھا جگہ بسنے والے تمام کے تمام غیر مسلم آبادی کو برصغیر کے باقی بڑے حصے میں چلا جانا تھا۔یہ ایک مکمل طور پر نا قابل عمل سکیم تھی۔ جس پر اگر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تو متحد صوبہ اور شمال مغربی علاقے کے علاوہ مسلمان ریاستوں کی آبادی کو نا قابل بیان مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔درحقیقت چوہدری رحمت علی صاحب کو اس صورتحال کا احساس ہو گیا تھا۔اس لئے انہوں نے بنگستان عثمانستان وغیرہ ناموں کے تحت ستانوں کا ایک مجموعہ تجویز کیا۔اس سکیم کا پاکستان کی اصل سکین سے سوائے اس کے نام کے اور کوئی دور کا بھی تعلق نہ تھا۔اور وہ اصلی سکیم آخر کار قائداعظم کی قیادت میں ابھر کر سامنے آئی۔یہ بھی حقیقت ہے کہ جب پاکستان تو چوہدری رحمت علی نے بڑے سخت الفاظ میں اس کی مذمت کی اور قائداعظم کی ذات کے بارے میں بڑے گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔جہاں پر میں ایک اہم بات عرض کرتا چلوں جو کہ اس ساری بات کو سمجھنے کے لئے بڑی ضروری ہے۔قائداعظم اور میں مجھے یہ فخر اور اعزاز حاصل ہے کہ میں قائداعظم کے آخری 18 سالوں میں بڑی عاجزی کے ساتھ ان کے ساتھ وابستہ رہا۔میں گول میز کانفرنس 1930 اور 1932 کے دوران مسلم وفد کا ایک رکن رہا جن میں سے پہلی دو کانفرنسوں میں قائداعظم بطور ایک سینئر رکن کے ساتھ شامل رہے۔گول میز کانفرنسوں میں شریک ہونے والے ہندوستان کے مسلمان نمائندے ہز ہائے نیس آغا خان کی سرکاردینے ایک ٹیم کے طور پر کام کرتے رہے نمائندگان کی انفرادی کارکردگی اس پالیسی کے تابع ہوتی تھی جو مسلم وفات کے مشترکہ میٹنگ میں طے کی جاتی تھی۔میں یہ کہنے کی ضرورت کروں گا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قائداعظم کے ساتھ میرا تعلق بے تکلفی میں بدلتا گیا اور میں ان کا اعتماد اور اعتبار حاصل کرتا چلا گیا۔ہمارے تعلقات کا یہ پہلو میں میرے گورنر جنرل ایگزیکٹیو کونسل کے رکن ہونے کے عرصے 1935 سے 1941 کے دوران گہرا اور مضبوط ہوتا گیا اس وقت قائداعظم انڈین اسمبلی میں پہلے انڈی پینڈنٹ پارٹی کے اور بعد میں مسلم لیگ کے لیڈر رہے تھے۔خصوصاً 1935 نے جب کہ میں نے بطور وزیر تجارت نام نہاد اٹاوا ٹریڈ ایگریمنٹ کو ختم کرنے کے لئے برطانیہ سے مذاکرات کیے۔ قائداعظم نے نئے معاہدے کو پرانے معاہدے کی نسبت زیادہ اچھا۔کہیں زیادہ بہتر قرار دیا اور مجھے اپنا سیاسی بیٹا قرار دیا۔یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد سارے عرصے میں ہمارے تعلقات میں کوئی ایک ہی موقع ایسے نہیں آیا جب کہ ہمارے درمیان

کسی بات پر اختلاف رائے پیدا ہوا ہو اور اس طرح میں ان کے مکمل اور بھرپور اعتماد کا حامل رہا یقینی طور پر یہاں ان کے اس طرز عمل کا ذکر بے محل نہ ہوگا جو انہوں نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے کیا انہوں نے خود کو اس کا اہل نہیں سمجھا۔ جب 3 جون 1947 کو تقسیم ملک کے منصوبہ کا حتمی طور پر اعلان ہوا تم میں نے جج فیڈرل کورٹ کے آپ نے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا جواب ہندوستان کی سپریم کورٹ بن رہا تھا اور جس کا میں سب سے سینیئر جج تھا وہاں سے فارغ ہو کر والی بھوپال ہز ہائی نس حمیداللہ خان کے پاس بطور ائینی مشیر چلا آیا۔ تین ہفتے سے بھی کم عرصے میں قائداعظم نے مجھے دلی بلا بھیجا کہا کہ میں پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کروں جو عنقریب شروع ہونے والا تھا۔ لاہور میں قابل اور تجربہ کار مسلمانوں کلاس کی کمی نہ تھی، لیکن قائداعظم نے یہ بھاری ذمہ داری اٹھانے کے لئے میرا انتخاب کیا اور مجھے بھوپال سے بلا لیا۔ قائداعظم نے میرے سے پر جو کام کیا اس کو میں نے جس طرح سے ادا کیا اس کے بارے میں وہ کتنے مطمئن تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے یہ دوسری بار انہوں نے پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے مجھے کراچی بلایا ہدایت کی کہ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستانی وفد کی قیادت کروں۔ اس وقت کے ایک رکن مسٹر حسن اصفہانی تھے جو اس وقت میں پاکستان کے سفیر تھے۔ جنرل اسمبلی کے اس سیشن کے درمیان میں جب انہیں مسٹر اصفہانی کو اطلاع ملی کہ مجھے واجبات اور اثاثوں کے ٹریبونل میں پاکستان کی طرف سے پیش ہونے کے لئے ہندوستان جانا پڑے گا انہوں نے قائداعظم کو لکھا کہ اس سارے سیشن کے دوران نیویارک میں میری موجودگی انتہائی ضروری ہے۔ قائداعظم نے مسٹر اصفہانی کو جواب میں لکھا جہاں تک ظفراللہ کا تعلق ہے، ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑے اور جب تک اس کی ضرورت ہے اسے وہاں رہنا چاہیے میرا خیال ہے کہ اس سے یہ بات پہلے سے بتا دی گئی ہے، لیکن ہمارے پاس قابل آدمیوں کی بڑی کمی ہے۔ اور خصوصا اس جیسی قابلیت کے لوگوں کی اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی ہمیں یہاں مختلف مسائل حل کرنے ہوتے ہیں تو لامحالہ ہماری نظریں اسی کی طرف اٹھتی ہیں۔ اقوام متحدہ سے میری واپسی پر قائداعظم نے مجھے ہدایت کی بھوپال سے کراچی آجاؤ پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ مجھے فخر ہے کہ میں اس عہدے پر سات سال تک قائم رہا۔ قائداعظم کا یہ عزم تھا کہ سینیارٹی کے لحاظ سے مجھے وزیراعظم کے بعد پہلا مرتبہ دیا جائے۔

اقبال اور جناح۔ پاکستان ٹائمز کے ادارے میں 23 جنوری کے شمارے کے صفحہ نمبر 5 کہ کالم نمبر 1 میں یہ کہا گیا ہے کہ قائداعظم نے مسلم لیگ کے الہ آباد سیشن 1930 میں علامہ اقبال کو صدر بنانے میں مدد کی۔ کہ وہ اس بات کے لئے مضطرب تھے کہ گول میز کانفرنس 1941 سے پہلے پہلے علامہ اقبال کو ایک مسلم لیگ کے قیام کے بارے میں اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع مل سکے اتفاق سے علامہ اقبال کے بعد مسلم لیگ کا صدر میں تھا کیا میں اس نکتے کی طرف توجہ دلا نا سکتا ہوں ماثر محمد اقبال دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس 1931 اور 1932 میں بطور ایک رکن کے شامل تھے اور ان کانفرنسوں میں انہوں نے ایک مسلم ریاست کے قیام کے بارے میں کسی بھی مرحلے پر کسی بھی صورت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا!! اس کے علاوہ قائداعظم پہلی اور دوسری گول میز کانفرنس 1930 اور 1931 میں بطور ایک رکن کے شریک تھے اور انہوں نے بھی براہ راست سر کسی بھی طور پر ایک مسلم ریاست قائم کرنے کے بارے میں کوئی معمولی سا بھی اشارہ نہیں کیا۔ اسی ادارتی نوٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ گول کانفرنس کے دوران ایک مسلم ریاست کے قیام کے نظریے کا ذکر ہوا اور میں نے اسے بے بنیاد اور نا قابل عمل قرار دیا۔ قائداعظم خود اس مسلم وفد کے ایک رکن تھے جو گول میز کانفرنس میں شریک تھا۔ اور انہوں نے چوہدری رحمت علی کے پاکستان کے بارے میں میرے خیالات

سنے تھے کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ادارتی نوٹ میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ چوہدری رحمت علی نے برصغیر کوکئی حصوں میں تقسیم کرنے کی ایک تجویز بھی پیش کی تھی۔۔ یہ بات پھر سے کسی قدر گمراہ کن ہے۔رحمت علی کی قیمت صرف وہی تھی جس کو اگر چہ عام طور پر پاکستان ہی کہا جاتا ہے اور انہوں نے اپنی یہی تجویز گول میز کانفرنس میں پیش کی تھی اور مسلم وفد کا نقطہ نظر اس بارے میں میں نے بیان کیا تھا تجویز کامکمل طور پر نا قابل عمل ہے۔اب میں اپنی اس نوٹ کی کچھ وضاحت کرتا ہوں جس کا ذکر لارڈ لنلتھگو کو کے 12 مارچ 1940 کو لارڈ زٹلینڈ لکھے گئے خط میں آتا ہے۔ یہ نوٹ فروری 1940 کے مہینے کے آخری نصف میں لکھا گیا۔اور یہ بروقت لارڈ لنلتھگو والے 12 مارچ کے نوٹ کے تھیلے سے پہلے جانا تھا۔اس خط کے مطالعہ یہ نوٹ کے احتیاط کے ساتھ مطالعہ سے یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے واضح ہوجاتی ہے کہ یہ نوٹ میں نے ذاتی طور پر سمجھ کر کے لکھا تھا اس کے تمام مندرجہ ذیل آیات میں اکیلا ذمہ دار تھا لارڈ لنلتھگو کا یہ نوٹ لکھوانے میں کوئی کردار نہیں تھا۔

رحمت علی کا نظریہ مسلم لیگ نے بھی مسترد کردیا تھا۔ادارتی نوٹ میں یہ لکھا گیا ہے کہ اس نوٹ میں پاکستان کے نظریہ گئی اسکیم ان دونوں نظریات کو مسترد کرتے ہوئے ایک آل انڈیا پریشن کے قیام کے نظریے کو یہ پڑھایا گیا تھا ایک طور پر یہ کہا جاسکتا ہے یہ نوٹ اس زونل سکیم سے ملتا جلتا تھا پینٹ مشین نے 1942 میں پیش کی تھی یہ بات کی پہلو سے گمراہ کن ہے۔اس نظریہ پاکستان سے کیا مراد ہے ووٹ میں مسترد کیا گیا ہے؟اس نوٹ کی تاریخ تک لفظ پاکستان سے مراد جو سکیم تھی وہ وہی تھی جو چوہدری رحمت علی نے پیش کی تھی۔جس کی بنیاد آبادی کے بہت بڑے پیانے پر منطبق تھی۔اس نوٹ میں یقینا اس مخصوص گیم کو مسترد کیا گیا تھا۔اسی طرح سے جس طرح سے 23 مارچ 1940 کی مسلم لیگ کی قرارداد نے بھی اسے مسترد کیا تھا علیحدگی کی جس نوٹ میں ذکر ہے،یقینی طور پر اسے میں نے مسترد نہیں کیا تھا۔جیسا کہ ابھی واضح ہوجائے گا میں نے اسے آئینی مسائل کا واحد تسلی بخش اور قابل قبول حل قرار دیا تھا۔ جہاں تک علیحدگی کی سکیم کا تعلق ہے،اس بات کا اقرار بادل ناخواستہ کیا گیا ہے کہ یہ اس زونل سکیم کے مشابہ معلوم ہوتی ہے جو 1942 میں کیبنٹ مشن نے پیش کی تھی۔ایڈیٹوریل نوٹ میں اس بات کا ذکر حذف کر کے سارے منظر پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔عدالتی تبصرے میں پہلے لکھا ہے پاکستان کا مطالبہ قومیت کے نظریے کہ ایک آزاد اور خودمختار مملکت میں خوداختیاری کے حق کے حامل باہم مربوط نظریات پر مشتمل ہے۔ میں یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ میرے نوٹ میں بنیادی طور پر اور پورے زور کے ساتھ بالکل انہی نظریات کو پیش کیا گیا تھا۔**دوقومیں۔**مسلم قومیت کا تصور پاکستان ٹائمز کے 23 جنوری کے شمارے کے نوٹ میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس کا خلاصہ صفحہ نمبر 5 کال نمبر 7 میں اس طرح دیا گیا ہے۔مختصر یہ کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں ہمیشہ ایک ایسا مشترکہ کردار پیش کیا ہے جو ایک علیحدہ قوم کی تشکیل کرتا ہے اور بمشکل ان میں سے کوئی بات ایسی ہے جو ہندو سے ملتی ہے۔ چنانچہ جب مسلمان یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ معمولی انداز میں ایک اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک علیحدہ قوم تشکیل دیتے ہیں،تو یہ کوئی زبانی جمع خرچ کی بات نہیں کر رہے، بلکہ ایک حقیقت کا اظہار کررہے ہیں اور جتنی جلد اس حقیقت ہندو مسلم تنازع طے کرنے کی بنیاد کے طور پر تسلیم کرلیا جائے۔جلدی یہ ممکن ہوسکے گا کہ ایک قابل قبول اور قابل عمل حل تک پہنچا جاسکے۔اس سے اگلے کالم میں یہ لکھا ہے۔ ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ کئی ملکوں کا ایک مجموعہ ہے اور ہندوستان کی آبادی کسی ایک قوم پر مشتمل نہیں ہے بلکہ کم از کم دوقوموں پر مشتمل ہے اور اس پریشان حال ملک میں امن قائم کرنے کا حقیقی حل ان حقائق کو تسلیم کر لینے میں مضمر ہے۔اس کے بعد میرے نوٹ میں لکھا ہے حال ہی میں جس قوم نے بڑی تعداد میں مسلمانوں کی حمایت حاصل کی ہے وہ، وہ سکیم ہے جسے ہم

علیحدگی کی سکیم کہتے ہیں نہ کہ پاکستان کی سکیم،ان دوسکیموں میں سب سے بڑافرق یہ ہے یہ پاکستان کی سکیم میں ضروری حصہ آبادیوں کا تبادلہ ہے جبکہ علیٰحدگی سکیم میں ایسا کوئی ناممکن اور ناقابل عمل عنصر شامل ہیں۔مختصر طور پر یہ کہ علیحدگی کی سکیم یہ ہے کہ ایک شمال مشرقی فیڈریشن بنائی جائے جس میں بنگال اور آسام کے موجودہ صوبے شامل ہوں اور ایک شمال مغربی فیڈریشن بنائی جائے جس میں پنجاب، سندھ شمال مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سرحدی قبائلی علاقہ شامل ہو۔کسی جاہل ترین شخص کو بھی یہ واضح طور پر نظر آجاتا ہے پاکستان سکیم جس کا یہاں پر ذکر کیا گیا ہے اور رحمت علی کی سکیم ہے جس کو اگر چہ ابھی تک پاکستان کا نام دیا جارہا ہے۔آیئے اب ہم مسلم لیگ کی 23 مارچ 1940 کی کردار پر ایک نظر ڈالیں۔ اس قرارداد کے اہم ترین پیراگراف میں یہ کہا گیا ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ اس وقت تک اس ملک میں قابل عمل نہیں ہوسکتا اور مسلمانوں کو قبول نہیں ہوسکتا جب تک اس کو اس اصول پر نامرتب کیا جائے کہ وہ علاقے جن میں مسلمان عددی طور پر اکثریت میں ہیں، جیسے کہ ہندوستان کی شمال مغربی اور شمال مشرقی دونوں میں، ان کو آزاد ریاستوں کی شکل میں اکٹھا کردیا جائے۔یہ بات نوٹ کی جائے کہ اس پیراگراف میں یا درحقیقت قرارداد کے باقی تمام پیراگرافوں میں کہیں بھی پاکستان کا لفظ استعمال نہیں ہوا اور جو حصہ اوپر درج کیا گیا ہے وہ بالکل وہی سکیم پیش کرتا ہے جس کا خاکہ میرے نوٹ میں علیحدگی کی سکیم کے تحت کھینچا گیا ہے اس سکیم کو سرکاری طور پر مسلم لیگ میں پاکستان کا نام آپ نے 9اپریل 1942 کے کنونشن میں دیا جس کو قرارداد دہلی کہا جاتا ہے جس میں قطعی طور پر یہ طے کیا گیا کہ زون جس میں ہندوستان کے شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب شمال مغربی سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان جن کا نام پاکستان زون ہے، جہاں مسلمان واضح اکثریت میں ہیں ان علاقوں کو ایک آزاد اور خودمختار ریاست کی شکل دی جائے اور اس بات کی قطعی ضمانت دی جائے کہ پاکستان کے قیام پر بغیر کسی تاخیر کے عمل کیا جائے گا۔دوزونوں کا تعین بالکل اسی طرح سے کیا گیا ہے جس طرح میرے نوٹ میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ کسی وجہ سے سرحدی قبائلی علاقے شمال مغربی زون میں شامل کرنے سے رہ گئے ہیں۔ادارتی تبصرے کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی علیحدگی کی سکیم کے ساتھ ہی چوہدری رحمت علی کی آبادی کے مکمل تبادلہ کی مکمل طور پر ناقابل عمل سکیم کو بھی مسترد کردیا، یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اس ادارتی تبصرے میں میرے تمام نوٹ کو احتیاط سے نہیں پڑھا گیا۔23 جنوری کے پاکستان ٹائمز کے صفحہ نمبر 6 کالم نمبر 1 ممیں درج میرے نوٹ میں لکھا ہے کہ ''ہم ہندوستان میں موجود اپنی ساتھی قوموں سے اور حکومت برطانیہ سے پورے زور کے ساتھ اپیل کرتے ہیں کہ وہ سارے مسئلے کا ان بنیادوں پر ہمدردی سے جائزہ لیں اور باہمی اتفاق رائے سے ایسی سکیم وضع جس کے ذریعہ سے ان ضروری باتوں کا تحفظ ہوسکے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی مسلم رائے عامہ اس تجویز پر صاد کرے گی اور امید ہے کہ اس ذریعہ سے اس انتہائی مشکل سوال کا واحد تسلی بخش جواب سامنے آجائے گا۔'' یہ پیراگراف اس طرح ختم ہوتا ہے۔ہمیں امید ہے کہ صاحب فراست طرز سیاست کے حامل افراد حالات کے حقائق کو تسلیم کریں گے اور ان بنیادوں پر ہندوستان کے مستقبل کی تعمیر کرنے کی کوشش کریں گے اور ریت کے جھوٹے محل بنا کر اس کو مضبوط سمجھنے کی غلطی نہیں کریں گے۔اس سے اگلے پیراگراف کے اخیر میں یہ لکھا گیا ہے کہ میرے خیال میں مسلمانوں کا ایسے کسی سکیم پر راضی ہونا انتہائی ناممکن ہے جس میں شمال مشرقی اور شمال مغربی پر مشتمل ڈویژن کا قیام شامل نہ ہو۔یہ صحیح ہے کہ شمال مشرقی اور شمال مغربی زبانوں پر مشتمل فیڈریشن کے قیام کی تجویز کو پورے زور اور قوت سے پیش کرنے اور اس تجویز کو مسلمانوں کے لئے واحد قابل قبول حل قرار دینے کے بعد نوٹ میں آگے چل کر ایک

کمزرو اور غیر تسلی بخش متبادل تجویز کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تجویز اور انڈیا فیڈریشن کے قیام کی تھی اس میں ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ 1935 کے ایکٹ میں جو فیڈریل سکیم موجود ہے اس میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے قبل اس کے کہ اس تجویز پر بات چیت کی بھی کوئی بنیاد ڈھونڈی جائے۔ نمایاں انقلابی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر اور قبول کئے بغیر یہ بات بالکل بے کار ہوگی کہ اس سکیم پر کوئی بات بھی کی جائے یا اس میں کوئی ترمیمات تجویز کرنی شروع کر دی جائیں۔'' اس کے بعد نوٹ میں بڑی باریکی اور تفصیل کے ساتھ 1935 کے ایکٹ میں موجود فیڈرل دفعات اور ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ان خطرات وخدشات کا ذکر کیا گیا جو مسلمانوں کو ایسی صورت میں پیش آ سکتے تھے اگر 1935 کے ایکٹ کی بنیاد پر ان کے لئے کوئی آئین بن جاتا۔ پھر وسیع پیمانے پر تحفظات تجویز کیے گئے گو انکو بھی حقیقی اور موثر ضمانت کی بجائے محض تسلی دلانے والے اقدامات قرار دیا گیا۔ تاہم اس کی وضاحت کے لئے یہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ ان باتوں کا کوئی ذکر کیا جائے یا ان کا تجزیہ کیا جائے۔ جیسا کہ لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ 1940 کہ خط بنام وزیر ہند میں واضح طور پر لکھا ہے، میرے نوٹ کی ایک کاپی پہلے ہی قائداعظم کو بھیج دی گئی تھی۔ 29 جنوری کے پاکستان ٹائمز کے صفحہ نمبر 7 کالم نمبر 2 میں زیر عنوان '' مجھے وہی کچھ ظاہر کرو جو میں ہوں۔'' لکھا ہے۔'' جبکہ مطالبہ پاکستان کی بنیاد مسلم ریاست کے قیام کے لئے کی حقِ خود اختیاری کے تصوّر پر تھی۔ ظفراللہ ایک آل انڈیا فیڈریشن کے قیام کا نظریہ پیش کرر ہے تھے۔ پاکستان کا مطالبہ دو ریاستوں کا قیام ہو چکا تھا اور ظفراللہ ایک ہندوستانی ریاست اکھنڈ بھارت چاہتے تھے۔'' اس کالم میں یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان کا نظریہ برطانوی مفادات سے ٹکراتا تھا اور وہ اس کو بھاری اکثریت میں مقبول ہو جانے سے پہلے پہلے روکنا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ منصوبہ بنایا گیا کہ ظفراللہ کو مسلمانوں کے حامی کے طور پر استعمال کیا جائے، کیونکہ یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے وہ ایک خالص اسلامی ریاست کے قیام کے حامی نہیں ہو سکتے۔ جیسا کے میں نے واضح کیا ہے۔ میں پورے اعتماد سے قطعی طور پر کہتا ہوں کہ میرا نوٹ جس کا ذکر لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ 1940 کے ختم ہے اس حقیقت کو ظاہر کر رہا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان واضح طور پر علیحدہ قوم ہیں، اور یہ کہ ان کے لئے واحد تسلی بخش قابل قبول آئینی مسائل کا حل یہ ہے کہ شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشن قائم کی جائیں اور یہ قطعی طور پر وہی مطالبہ تھا جو کہ چند ہی دنوں کے بعد مسلم لیگ کی 23 مارچ 1940 کی قرارداد میں پیش کیا گیا دوقومی نظریہ اور شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنوں کے قیام کا نظریہ جس تفصیل اور جس وضاحت سے میرے نوٹ میں پیش کیا گیا یہ بات میرے ہم عصروں یا مجھ سے پہلے آنے والوں کی کسی دستاویز یا بیان میں قطع موجود نہیں تھا۔ یہ الزام کہ میرا یہ نوٹ لارڈ لنلتھگو کی تجویز پر تیار کرایا گیا تھا اور یہ نوٹ اس نے اس لئے بھیجا تھا تاکہ پاکستان کے نظریے کی مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی مقبولیت کو نقصان پہنچایا جائے۔ یہ الزام میں افسوس سے کہتا ہوں کہ قطعاً جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ لارڈ لنلتھگو اگر کسی قسم کا دخل میرے نوٹ کی تیاری میں یا اس کے مندرجات میں نہیں تھا، اس کی ساری ذمہ داری صرف مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ آخر میں مَیں اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ اس حقیقت کے باوجود کے میں نے شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنوں کے قیام کی تجویز اپنے نوٹ میں پیش کی تھی۔ اس سے ذرہ بھر بھی قیام پاکستان کے لئے قائداعظم کو دیے جانے والے کریڈٹ کو نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قائداعظم اکیلے ہی تھے جن پر قیام پاکستان کا سہرا بن سکتا ہے۔

(پاکستان ٹائمز لاہور 13 فروری 1982 صفحہ 4،5 بحوالہ ماہنامہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 57 تا 62)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے
جناب ثاقب زیروی اور دیگر احباب لاہور کا انٹرویو

جماعت احمدیہ لاہور کے بعض احباب نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی وفات سے چند سال قبل آپ سے ایک انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو تحریک احمدیت لاہور کمیٹی نے لیا جس کے چیئرمین جناب ثاقب زیروی اور اراکین میں مکرم راجہ غالب احمد صاحب، المکرم مبارک محمود پانی پتی صاحب شامل تھے۔ یہ انٹرویو امیر جماعت لاہور محترم چوہدری نصر اللہ خان صاحب کی موجودگی میں لاہور میں لیا گیا۔ مکرم عبدالمالک صاحب بھی اس موقع پر موجود تھے۔ جناب ثاقب زیروی ملک کے کہنہ مشق صحافی ہیں اور تنہا نگار صحافت کی آخری نشانی ہے طناز ادیب اور مشہور ومعروف شاعر ہیں۔ آپ نے اپنی مخصوص صحافتی مہارت اور چابکدستی سے حضرت چوہدری صاحب سے بہت سے اہم سوال پوچھے جنہوں نے اس انٹرویو کو ایک یادگار بنادیا۔ یہ انٹرویو پہلی بار شائع کرنے کی سعادت ادارہ ''انصاراللہ'' حاصل کررہا ہے۔ ہم محترم چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع لاہور کے ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ انٹرویو اشاعت کے لئے ہمیں عطا کیا۔ اس انٹرویو میں سے بعض حصے تکرار کی وجہ سے حذف کردیئے گئے ہیں کیونکہ وہ باتیں اسی رسالے میں دوسرے انٹرویوز میں موجود ہیں۔ (ایڈیٹر)

گفتگو کا آغاز جناب ثاقب زیروی صاحب نے کیا آپ نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے پہلا سوال یوں کیا: براہ کرم حضرت بانی سلسلہ سے اپنے تعلق کے واقعات ارشاد فرمائیں۔ حضرت چوہدری صاحب: میں نے حضرت بانی سلسلہ کے کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور یہ مجھ پر احسان ہوا تھا قدرت ثانیہ کے مظہر اول حضرت مولوی نورالدین صاحب کا۔ آپ نے جولائی 1907ء میں میرے والد صاحب کو کارڈ لکھا۔ آپ بہت مختصر نویسی تھے مختصر گو بھی تھے۔" اب آپ اپنے بچے کی بات کروادیں۔" میں تو پہلے دن سے جس دن مجھے حضرت بانی سلسلہ کی زیارت نصیب ہوئی تھی، لاہور کے لیکچر کے دوران 31 ستمبر 1904ء کو، اس وقت سے آپ کو مسیح موعود سمجھتا تھا اور جب اسی سال اکتوبر کے آخر میں میری والدہ صاحبہ اور پھر والد صاحب نے بیعت کی تھی اسی وقت سے میں سمجھتا تھا کہ میں احمدی ہوں اور میری بیعت ہے۔ لیکن حضرت مولوی نورالدین صاحب کے اس کارڈ سے مجھے یہ احساس ہوا کہ میرا خود بات کرنا بھی لازم ہے۔ میرا خیال تھا کہ ستمبر کی چھٹیوں میں جب والد صاحب قادیان تشریف لے چلیں گے، مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے، تو جب آپ فرمائیں گے، کارڈ تو ان کے نام تھا نا! تم میں بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ ہم چلے گئے۔ ستمبر کا نصف آ گیا۔ والد صاحب نے کچھ کہا نہیں۔ 16 ستمبر کو میں نے خود ہی ظہر کی نماز کے بعد، جب حضور خانہ خدا میں تشریف رکھتے تھے، عرض کیا کہ میں بیعت کرنی چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس طرح سے میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ میں اپنی والدہ صاحبہ کی بیعت کے وقت بھی موجود تھا اور والد صاحب کی بیعت کے وقت بھی موجود تھا۔ میری والدہ صاحبہ نے تین دفعہ خواب میں حضرت بانی سلسلہ کی زیارت کی تھی اور جب حضور سیالکوٹ تشریف لائے تو انہیں دیکھنے گئی کہ آیا یہی وہ بزرگ ہیں جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا یا کوئی اور ہے اور آپ کو دیکھتے ہیں میری والدہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور کہا کہ حضور میں بیعت کرنا چاہتی ہوں۔ حضور نے فرمایا اچھی بات۔ میں

جوالفاظ کہوں میرے ساتھ کہتی جاؤ۔اس کے بعد میں نے دیکھا ہے اپنے سامنے، قادیان میں اگر خصوصا کوئی وجاہت والاشخص یا سرکاری عہدے دار بیعت کے لئے کہتا تو ہمیشہ تونہیں لیکن بعض دفعہ آپ فرمادیا کرتے تھے کہ یہ بڑااہم اور مشکل مرحلہ ہے اب مزید سوچ لیں اورغور کر لیں لیکن یہاں ایک ایسی عورت تھی جن کے خاوند کے متعلق حضور کو علم تھا کہ انہوں نے ابھی بیعت نہیں کی۔انہوں نے کہا کہ میں بیعت کرنی چاہتی ہوں تو آپ نے کوئی پس وپیش نہ فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ ایک روحانی تعلق جوخوابوں کے ذریعے بھی اللہ تعالی نے قائم فرمادیا تھا پہلے سے موجود تھا۔میری والدہ صاحبہ کی بیعت کے کوئی ایک ہفتے بعد میرے والد صاحب نے بیعت کی اس وقت بھی میں موجود تھا۔فجر کی نماز کے بعد حضرت میر حامد شاہ صاحب کے مکان پر جہاں سیالکوٹ میں حضور کا قیام تھا ہم گئے اور والد صاحب نے بیعت کر لی۔۔۔!میں نے خود بیعت کی تو سب سے پہلے کام یہ کیا کہ میرے ایک ہم مدرسہ تھے ہم جماعت تو ہم نہیں تھے۔شاید وہ مجھ سے چندسال پیچھے تھے لیکن امی مجھ سے بڑے تھے اور میرے ساتھ محبانہ شفقت رکھتے تھے۔میں بہت کمزور سا ہوا کرتا تھا تو وہ ایک قسم کی میری حفاظت بھی کیا کرتے تھے۔انہوں نے مجھے کہا ہوا تھا کہ اگر تم نے بیعت کر لی تم میری تمہاری دوستی باقی نہیں رہے گی۔میں نے بیعت کے فورا بعد ڈاکخانہ میں جا کر ان صاحب کو ایک خط لکھ دیا کہ میں نے بیعت کر لی ہے اب میری تمہاری دوستی باقی نہیں رہی۔تاہم چندسال کے بعد انہوں نے بھی بیعت کر لی۔تو سب سے پہلا واقعہ جو میری ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یہ تھا۔لیکن درحقیقت حضرت بانی سلسلہ کی پہلی زیارت کا واقعہ میری زندگی کی اُصل چیز ہے۔جب حضرت بانی سلسلہ کا لیکچر لاہور میں ہونا تھا تو والد صاحب بھی لیکچر سننے گئے مجھے بھی ساتھ لے گئے۔والد صاحب کے تعلقات جماعت احمدیہ کے افراد سے پہلے سے اچھے تھے سیالکوٹ چھاؤنی کے خانہ خدا کے مقدمے میں مولوی مبارک علی صاحب کے ساتھ انھیں کام کرنے کا موقع ملا تھا۔یہ مقدمہ والد صاحب نے لڑا تھا۔اگرچہ وہ اس وقت احمدی تونہیں تھے لیکن سیالکوٹ میں اور کوئی احمدی وکیل اس وقت موجود نہیں تھا۔اس مقدمے میں میرے والد صاحب کو جماعت احمدیہ کے سب عقائد کا مطالعہ کرنا پڑا تو فرمایا کرتے تھے کہ تو اسی وقت میری طبیعت نے فیصلہ کرلیا کہ میں احمدی ہوجاؤ گو آخری فیصلہ کرنے کے لئے میں دعائیں کرتا رہا اور پھر بیعت کی۔والد صاحب نے ایک بات اس مقدمہ کے متعلق بیان کی اور فرمایا کہ جس بات کا مجھ پر بہت اُثر ہوا وہ یہ تھا کہ میں نے دیکھا کہ شہادت دیتے ہوئے غیر احمدی گواہ جب کسی سوال کا صحیح جواب دیتے ہوئے یہ محسوس کرتے تھے کہ یہ جواب ان کے مقدمے کو نقصان پہنچائے گا تو وہ فوراً جھوٹ بولتے تھے لیکن احمدی ایسا نہیں کرتے تھے وہ ہمیشہ سچ بولتے تھے چاہے ان کا صحیح جواب ان کی مخالفت ہی میں جاتا ہوں۔والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کا مجھ پر گہرا اثر پڑا کہ جس شخص کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے وہ شخص یقینا سچا ہوگا۔

تو خیر! ہم لاہور پہنچے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شیخ مولا بخش صاحب سیالکوٹ کی جماعت کے امیر تھے وہ جاتے ہی ملے اور فوراً ہمیں اپنے ساتھ لے گئے اور ڈائس کے پاس اسٹیج پر والد صاحب کو بڑی عزت سے بٹھایا۔حضور تشریف لا چکے تھے۔میں ٹانگیں نیچے لٹکا کر سٹیج پر بیٹھ گیا اور میں نے حضور کے چہرے پر ٹکٹکی باندھی ہوئی تھی۔اس پہلی زیارت کے بعد مجھے کسی وقت بھی یہ خیال نہیں ہوا کہ آپ اپنے دعوے میں سچے نہیں۔یوں سمجھیے کہ اسی وقت سے میں نے یہ یقین کرلیا کہ یہ شخص صادق ہے۔میں تقریر سنتا رہا۔بعد میں وہ تقریر چھپ گئی اور اس میں بیان کردہ بعض الہامات بھی مجھے یاد رہے تھے۔لیکن اس پہلی نگاہ کے بعد ہی سے میں پختہ طور پر احمدیت پر قائم ہوگیا۔الحمدللہ۔ثاقب زیروی:

حضرت فضل عمر کی قبولیت دعا کا کوئی واقعہ بیان فرمائیں جس سے آپ کا براہ رأست تعلق ہو۔ حضرت چوہدری صاحب: بڑے واقعات ہیں۔ مثلاً سب سے پہلا تو یہی لے لیں کہ میں نے وکالت کا پیشہ اپنے والد صاحب کے جونیئر کے طور پر سیالکوٹ میں ان کی نگرانی میں شروع کیا۔ ان کے شاگرد کے ہی طور پر۔ اور کوئی بیس مہینے وہاں پریکٹس کرنے کے بعد میں لاہور آ گیا تھا۔ میری طبیعت قانون کی پریکٹس کے ہی تابع رہی اور میں انڈین کیسز کی اسسٹنٹ ایڈیٹری قبول کر کے نقل مکانی کر کے لاہور آ گیا۔ اگست کے اخیر میں مَیں لاہور آیا اور نومبر میں جب کہ نہ ابھی میں نے چیف کورٹ کا منہ دیکھا نہ میں نے بار ایسوسی ایشن میں آنا جانا شروع کیا کہ مجھے حضرت حضرت فضل عمر کا ارشاد پہنچا کہ پٹنہ جاؤ اور وہاں ہائی کورٹ میں اپیل ہے اس کی پیروی کرو۔ تعمیل ارشاد میں چل پڑا اور مَیں بالکل خالی تھا۔ یعنی میں یہ عرض کرتا ہوں کہ قانون کا علم مجھے تھا ہی نہیں یہ تو دور کی بات ہے مجھے تو اس وقت یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ہائی کورٹ کا چیف کورٹ میں طرز خطاب کیا ہوتی ہے۔ میں دعائیں کرتا ہوا چلا گیا۔ سید انعام الحق شاہ صاحب میرے ساتھ تھے۔ ہم ہفتے کی شام کو وہاں پہنچے۔ اس اسٹیشن پر سید وزارت حسین شاہ صاحب مرحوم ہمیں ملے۔ وہ وکیل نہیں تھے زمیندار تھے اور کسی بڑی سٹیٹ کے مینیجر تھے لیکن اس مقدمے کے دوران پہلی عدالت میں بھی اور عدالت اپیل میں بھی شامل رہے تھے انہوں نے مقدمہ کی پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ قانون کی کتابیں اور دیگر سب کتابیں جن کا تعلق تھا انہوں نے ڈاک بنگلہ کے اس کمرے میں جہاں میرے قیام کا انتظام کیا گیا تھا، جمع کی ہوئی تھیں۔ دوسرے دن اتوار کو سارا دن بیٹھ کر میں نے تیاری کی اور شام تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ میں یقینی طور پر سمجھتا ہوں اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ حضرت فضل عمر کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ پھر اللہ نے مجھے توفیق دی کہ عدالت کے آخری مرحلے پر چیف جسٹس نے میری بڑی تعریف کی جو دوسرے دن اخباروں میں چھپ بھی گئی۔ میں تو اسی رات وہاں سے چل پڑا۔ جب میں واپس لاہور پہنچا تو میں نے یہاں بعد میں سنا لوگ کہتے تھے۔ کون ہے یہ۔ چوہدری ظفر اللہ خان کون ہے یہ۔ لاہور کی بات کا تو نہیں۔ یہ پہلا واقعہ ہے قبولیت دعا کا۔ یہ فوری طور پر شاید اس لئے ذہن میں آ گیا ہے کہ یہ میرے پیشے سے تعلق رکھتا ہے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ بڑے واقعات ہیں۔ پھر مدراس ہائی کورٹ میں ہمارا کیس پیش ہوا۔ اس میں بھی یہی سوال تھا جیسے پٹنہ میں تھا ہندی مسلمان ہیں یا نہیں۔ اس کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا۔ وہاں یہ کہ اس طرح پیشوا کے مالابار کا علاقے میں موپلا مسلمان قوم بستی ہے ان میں خاندان کی سربراہ عورت ہوتی ہے اور عورت ہی مرد کو بیاہ کر لاتی ہے۔ اس علاقے میں ایک شخص احمدی ہو گیا۔ اس کی بیوی کے بھائیوں نے مدراس کے قاضی سے یہ فتویٰ لیا کہ یہ مرتد ہو گیا ہے اس لئے یہ نکاح فسخ ہو گیا ہے اور اس کے بعد اس کا نکاح کسی اور کے ساتھ کر دیا۔ اس نے بجائے اس کے کہ وہ مرکز میں جا کر مشورہ خود ہی ایک مقامی وکیل سے مشورہ کر کے نکاح پر نکاح کرنے کا فوجداری کیس دائر کر دیا۔ اگر وہ شخص مرکز سے مشورہ مانگتا اور مجھ سے پوچھا جاتا تو میں یہی عرض کرتا ہوں کہ دیوانی دعویٰ کرنا چاہیے کہ جماعت احمدیہ میں داخل ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ یہ کیس سیشن جج کے سامنے گیا جو براہمن تھا۔ اس کے سامنے حضرت مولوی شیر علی صاحب کا لکھا ہوا ایک چھوٹا سا پمفلٹ پیش کیا گیا اس کا عنوان تھا ''امتیاز مابین احمدیاں وغیر احمدیاں'' اس کا انگریزی ترجمہ اور قاضی مدراس کا فتویٰ عدالت میں پیش کیا گیا۔ عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ جو مواد پیش کیا گیا ہے پتا ہے کہ احمدیوں کے عقائد غیر احمدیوں سے کتنے مختلف ہیں اس لئے یہ لوگ مسلمان تو نہیں رہے اس لئے میں یہ نکاح فسخ کر دیتا ہوں۔ دوسرے اگر میری یہ رائے غلط بھی ہو تو چونکہ انہوں نے قاضی سے فتویٰ لیا ہے اور نیک نیتی سے اس فتوے پر عمل کیا ہے اس

لئے یہ جرم نہیں۔اس طرح انہیں بری کر دیا گیا۔اس پر ہمارے لوگوں نے مدراس کی حکومت کو درخواست دی کہ بریت کے اس حکم کے خلاف اپیل کی جائے کیونکہ فوجداری مقدمے میں بریت کے حکم کے خلاف اپیل صرف حکومت کر سکتی ہے کوئی فریق نہیں کر سکتا۔حکومت نے کہا کہ اس میں مذہبی سوال درپیش ہے اس لئے ہم مداخلت نہیں کرتے۔اب ایک راستہ رہ گیا تھا کہ نگرانی کی درخواست دائر کی جائے۔حضرت صاحب نے حکم دیا کہ نگرانی داخل کر دی جائے چنانچہ نگرانی داخل کر دی گئی۔حضرت صاحب نے مجھے حکم دیا کہ تم جا کر پیروی کرو۔میں نے اس کی تیاری کی۔ اس میں جو یہ سوال تھا کہ احمدی مسلمان ہیں یا نہیں اس کی تیاری تو میں پٹنہ کیس میں کر چکا تھا اور اس کے بعد چار پانچ سال پریکٹس بھی کر چکا تھا لیکن جب میں نے تیاری شروع کی تو اس میں ایک ایسی روک نظر آئی جس کا اس وقت دور کرنا میری تو سمجھ میں نہیں آتا تھا۔بات یہ تھی کہ مدراس ہائی کورٹ کے سات ججوں کا فیصلہ تھا،یعنی فل بینچ 3 ججوں کو بھی کہہ دیا جاتا ہے پانچ کو بھی کہہ دیتے ہیں لیکن یہ عدالت کے سارے جج تو نہیں لیکن سپیشل فل کورٹ کا فیصلہ تھا کہ ہم بریت کے حکم کے خلاف نگرانی نہیں سنیں گے۔تم میں یہ سمجھتا تھا کہ جب میں کھڑا ہوں گا تو مخالف وکیل فوراً یہ اعتراض کر کے کہے گا یہ درخواستیں تو قابلِ ہی نہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی احساس تھا کہ حضرت صاحب دعا کر رہے ہیں خیر عدالت کا وقت آیا ایک طرف ہم کرتے تھے دوسری طرف ان کا وکیل تھا ان کا وکیل بھی بڑا قابل شخص تھا. اس کا نام تھا سی مدھون نائر اور سر شنکر نائر جو وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے رکن رہے تھے۔ان کا داماد تھا۔اس وقت ہائیکورٹ میں گورنمنٹ پلیڈر تھا بعد میں گورنمنٹ کا ایڈووکیٹ جنرل ہوا۔ہائی کورٹ کا جج ہوا اور پھر پریوی کونسل کا جج مقرر ہوا۔

پبلک پراسیکیوٹر تھے مسٹر ایڈمس۔دو جج تھے ان میں سے ایک برہمن تھا مالابار کا۔اور مالابار میں جب کچھ عرصہ پہلے موپلوں کی گڑبڑ ہوئی تھی بہت سے ہندوؤں کو انہوں نے مارا تھا۔اس وقت ہماری جماعت کے بعض لوگوں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر بعض ہندوؤں کو وہاں سے نکالا تھا۔اس بات کا اس کو علم بھی تھا کچھ اس لحاظ سے بھی اس کی ہمدردی ہمارے ساتھ تھی۔سینئر جج انگریز تھا اس نے سرکاری وکیل سے سوال کیا کہ تمہارا موقف کیا ہے۔اس نے کہا کہ غیر جانبدار رہنے کی ہدایت ہے۔جج نے پوچھا ایک قانونی نکتہ بھی اس میں ہے کہ اگر نیت نیک ہو تو کیا پھر بھی فعل کو جُرم قرار دیا جا سکے گا۔اس نے کہا کہ اس پر بھی میں مزید جانبدار رہوں گا۔جج نے کہا کہ پھر تمہاری یہاں موجودگی کی کیا ضرورت ہے گھر جاؤ۔چنانچہ وہ اپنے فائل اٹھا کر رخصت ہو گیا۔جج نے مجھے ہدایت کی کہ شروع کرو۔میں کھڑا ہوا۔اندر سے میرا دل کانپ رہا تھا کہ ابھی مخالف وکیل اعتراض کر دے گا اور میں ناچار ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔لیکن حیرانی کی بات ہوئی مخالف وکیل نے کچھ بھی نہ کہا۔میں نے بحث کی اس نے جواب دیا۔فاضل جج میری بحث سنتے رہے حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔آخر میں انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر ہم شادی کہ فیصلہ غلط ہے تو ہم بریت کے حکم کے خلاف خود سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ اس کی دوبارہ سماعت کی جائے کیا تم اس پر اصرار کرو گے کہ یہ مقدمہ دوبارہ چلایا جائے۔میں نے کہا نہیں۔ہمیں صرف اپنے حقوق کی حفاظت کرنی ہے وہ حفاظت ہمیں حاصل ہو جائے تو کسی کو سزا دلانا ہمارا مقصد نہیں ہے۔اور اگر یہ قرار دے دیا جائے کہ ہمارا موکل اس عورت کا ابھی تک خاوند ہے اور اس کی بیوی کی دوسری شادی کی گئی ہے وہ درست نہیں یہ ہمارے لئے کافی ہے۔چنانچہ یہ فیصلہ جو ہمارے حق میں ہوا یہ بھی حضرت عمر کی دعاؤں کا غیر معمولی نتیجہ تھا۔یہ واقعات کافی نہ ہو تو ایک اور واقعہ بھی سنا دیتا ہوں۔ثاقب زیروی: جی ہاں! مقصد تو زیادہ سے زیادہ واقعات معلوم کرنا ہے۔حضرت چوہدری صاحب: حضرت بانی

سلسلہ کی جدّی جائیداد میں سے صرف تین گاؤں باقی رہ گئے تھے۔قادیان کے علاوہ دو اور گاؤں تھے۔ایک کا نام احمد آباد تھا جو حضرت بانی سلسلہ کے نام پر تھا۔دوسرا قادر آباد تھا جو حضور کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر کے نام پر تھا۔قانونی طور پر یہ اس گاؤں کے مالک نہیں بلکہ مالکِ اعلیٰ تھے اور مالک اعلیٰ کا یہ حق ہوتا تھا کہ جو معاملہ یا لگان حکومت کو دیا جاتا ہے اس میں کوئی فیصد شرح مقرر ہوتی ہے جو مالک اعلیٰ حاصل کرسکتا ہے۔اس میں ایسی قانونی الجھن پیدا ہوگی کہ ان دیہاتوں کی ملکیت خطرے میں پڑ گئی۔مقدمہ کیا گیا مگر ابتدائی عدالتوں سے یہ مقدمہ ہمارے خلاف ہوگیا۔یہ 152 ایکڑ زمین تھی اور دراصل بعد میں یہ علاقے قادیان میں ہی مدغم ہوگئے تھے اور یہاں پر ہمارے احمدیوں نے مکان وغیرہ بھی بنا لئے تھے۔مخالفوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ اس کے قابض اور مالک ہیں۔اب قانون یہ تھا کہ اگر ایسا سوال پیدا ہو تو واقعات کے مطابق سوال کا تصفیہ کیا جاتا تھا۔دو واقعاتی سوال تھے دونوں پر ماتحت عدالتوں نے ہمارے خلاف فیصلہ دے دیا۔اس مرحلے پر مجھے حضرت صاحب کی طرف سے حکم آیا کے اس کی اپیل ہائی کورٹ میں کرنی ہے جو اس وقت چیف کورٹ کہلاتی تھی۔میں نے قانون کا جائزہ لیا اور عرض کیا کہ زیر تصفیہ دو واقعاتی سوال ہیں کوئی قانونی نکتہ زیر تصفیہ نہیں ہے۔تو واقعاتی سوال پر سیکنڈ اپیل نہیں ہوسکتی اور عدالتوں نے یہ نظیر قائم کی ہے کہ شہادت میں کسی بھی قسم کی پیش رفت کیوں نہ ہو جائے اپیل نہیں ہوسکتی۔حضور نے فرمایا ہم نے اور بھی دو تین وکیلوں سے مشورہ کیا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں لیکن میاں شریف احمد صاحب نے ایک خواب میں دیکھا ہے کہ ہم نے اپیل کی ہے اور یہ اپیل منظور ہوگئی ہے۔لہذا آپ اپیل دائر کردیں۔چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد میں اپیل دائر کردی۔میں سمجھتا تھا کہ پہلی پیشی پر ہی یہ مقدمہ ختم ہو جائے گا۔لیکن پھر وہی ہوا۔میں دلائل دینے کے لئے کھڑا ہی ہوا تھا کہ جج نے میری طرف دیکھا اور کہا ADMITTED یعنی اپیل سماعت کے لئے منظور ہے۔حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ یہ بہت بڑا رقبہ ہے اور جماعت کے بہت سے لوگوں کا مسئلہ اس میں شامل ہے اور ہم سب کو اس کی بڑی فکر ہے۔ہمارے مخالفین اگر اس پر قابض ہو جائیں تو ہمارے لئے بڑی مشکلات پیدا ہوں گی۔تو مجھے کہا گیا ہے کہ مسٹر ٹپسمین یا سر محمد شفیع میں سے کسی زیادہ ماہر شخص کو وکیل کرلیا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ جو بات اخلاص اور محبت کرسکتی ہے محض لیاقت نہیں کرسکتی اس لئے تمہیں اس کی پیروی کرو۔(نوٹ:تحدیث نعمت ایڈیشن دوم صفحہ 719 میں حضرت چوہدری صاحب نے درج کیا ہے کہ اس مقدمے کی پیروی کے وقت میری عمر 25 سال سے بھی کم تھی۔اس طرح سے یہ لگ بھگ 1910ء کا وقت بنتا ہے۔مرتب)تو اس کیس کی پیروی میں نے کی۔مخالف میں جو وکیل تھا وہ اچھا قابل شخص تھا۔اس کی ضلع میں بھی پریکٹس تھی،ہائی کورٹ میں بھی پریکٹس تھی۔ہندو تھا۔لیکن اس نے یہ سوال ہی نہیں اٹھایا کہ یہ تو دونوں واقعات سوال ہیں ان پر اس مرحلے پر بحث ہی نہیں ہوسکتی۔اس طرح سے یہ کیس بھی ہم نے خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ جیت لیا۔یہ بھی حضرت فضل عمر کی دعاؤں کی بدولت تھا ورنہ یہ کیس تو دائر کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔۔۔۔تو بہت واقعات ہیں۔۔۔۔۔!

ثاقب زیروی:صد سالہ احمدیہ جوبلی کے بارے میں حضرت عمر نے آپ کو کوئی خاص ہدایت عطا فرمائی ہو؟ حضرت چوہدری صاحب:میں جب خلافت جوبلی (1939ء) کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ مجھے 25 سالہ خلافت جوبلی کے بارے میں تو شرح صدر نہیں لیکن چونکہ جماعت کے پچاس سال بھی پورے ہوتے ہیں اس لئے میں اجازت دے دیتا ہوں لیکن جماعت کی صد سالہ جوبلی شان سے یا فرمایا بڑی شان سے منانا۔اس قسم کے الفاظ تھے۔ثاقب زیروی:آپ سے گزارش ہے کہ نوجوانوں کے لئے کوئی نصیحت بیان فرمائیں۔حضرت چوہدری

صاحب: نوجوانوں کے لئے یہی نصیحت ہے کہ قرآن کریم پڑھیں۔اس میں تدبر کریں۔فکر کریں اور عمل کریں۔ میں ان دنوں قدرت ثانیہ کے مظہر اوّل حضرت مولوی نورالدین صاحب کے سوانح تیار کر رہا ہوں۔ایک جگہ آپ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کے قرآن پڑھو اور یہ سمجھو کہ سارا خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم پڑھو دیکھو کہ میں اس پر عمل کرتا ہوں یا نہیں کرتا جو ''نہیں'' ہیں ان سے بچتا ہو یا نہیں بچتا۔آدم اور ابلیس کا قصہ پڑھو تو آپ نے تین سوال کروآیا میں آدم ہوں یا ابلیس ہوں۔آپ نے یہی لفظ استعمال کیا ہے اور جو مشکل مقامات ہیں وہ سمجھ میں نہ آئے تو ان کو نوٹ کرتے جاؤ دوسری بار اپنی بیوی بچوں کو شامل کرو اور ان کو سمجھانے میں اور بتانے میں اللہ کے فضل سے وہ اکثر مشکل مقامات خود ہی حل ہو جائیں گے۔تیسری بار خاص حلقہ احباب کو شامل کرو اور چوتھی بار پھر عام لوگوں میں بیان کروں۔ثاقب زیروی: جزاکم اللہ .آپ نے کس سن میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور کب تک یہاں پڑھے۔

حضرت چوہدری صاحب: مَیں گورنمنٹ کالج لاہور میں اپریل یا میں 1907ء میں داخل ہوا۔16 ستمبر 1907ء میں جیسے میں بیان کر چکا ہوں میں نے بیعت کی۔اپریل 1911ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا رہا۔پھر بی۔اے کا امتحان وہاں سے پاس کیا اور ستمبر 1911ء میں انگلستان میں قانون کی تعلیم کے لئے چلا گیا۔ثاقب زیروی: بیعت کے بعد ظاہر ہے آپ کا تعلق جماعت کے ساتھ بہت گہرا ہو گیا ہوگا۔اس زمانہ میں لاہور کی جماعت کی کیا کیفیت تھی۔کتنے احمدی تھے۔نماز وغیرہ کہاں پڑھتے تھے۔جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ اس وقت کیا تھا۔حضرت چوہدری صاحب: جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں نے لاہور میں رہائش اختیار کی یہ اگست 1916ء کے آخیر کی بات ہے۔اور یہ بھی مجھے پوری طرح یاد ہے کہ میں جمعہ پر باقاعدگی سے جایا کرتا تھا۔میں بازار جج محمد لطیف میں رہا کرتا تھا۔دلی دروازے کے باہر حضرت میاں چراغ دین صاحب کے مکان میں نمازیں ہوا کرتی تھیں وہاں میں جایا کرتا تھا۔اس وقت جو شخصیت لاہور کی جماعت میں معروف تھی ان میں حضرت میاں چراغ دین صاحب بڑے بزرگ تھے اور حضرت بانی سلسلہ کے پرانے رفقا میں سے تھے۔ایک حکیم محمد حسین قریشی صاحب تھے۔سید دلاور شاہ صاحب سیکرٹری تبلیغ تھے لیکن یہ یادنہیں کہ جماعت کا پریزیڈنٹ کون تھا۔ثاقب زیروی: ان دنوں جمعہ کی نماز کہاں ہوتی تھی۔حضرت چوہدری صاحب: جب خانہ خدا تعمیر ہو گیا تو پھر تو وہی ہوا کرتی تھی لیکن اختلاف کے بعد ہماری نمازیں جیسا میں نے عرض کیا ہے میاں چراغ دین صاحب کے گھر پر ہوا کرتی تھیں۔وہاں کا بھی ایک واقعہ ہے۔میرے لئے بڑا مقام ہے اس کا۔جماعت میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ اپنی بیت الذکر بنائی جائے۔اور بہت سا حصہ جماعت کا وہ تھا جو کہتے تھے کہ کہیں باہر فراخ جگہ پر زمین لے کر بیت الذکر بنائی جائے اور میاں چراغ دین صاحب اور ان کے افراد خاندان کی خواہش تھی کہ ان کے گھر کے قریب بنے۔میاں چراغ الدین صاحب کی بیٹھک میں نماز وغیرہ ہوا کرتی تھیں۔میٹنگ بھی ہوتی تھی میاں چراغ الدین صاحب کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ہمیشہ جس تکیے پر بیٹھے تھے مجھے ساتھ بٹھا لیتے تھے۔جماعت میں نئ بیت الذکر کے بارے میں مشورہ ہوا۔جماعت کی آراء طلب کی گئیں تو کثرت اسی طرف تھی کہ باہر بنائی جائے تو میں نے میاں صاحب کی طرف دیکھا۔میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی کہ جیسے جماعت کہتی ہے ویسے ہی ہوگا۔یعنی بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ آپ نے قبول کیا۔لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کی پہلی خدمات ایسی بھائیں کہ ہزار کوشش ہوئی لیکن بیت الذکر وہیں بنی جہاں میاں چراغ دین چاہتے تھے۔ثاقب زیروی: حضرت فضلِ عمر لاہور میں پہلی دفعہ کب تشریف لائے؟ حضرت چوہدری صاحب: لاہور میں پہلی دفعہ کب آئے؟ آنا تو کئی بار کا مجھے یاد

ہےلیکن پہلی بار کا یادنہیں۔ثاقب زیروی: قیام آپ ہی کے ہاں ہوتا تھا؟ حضرت چوہدری صاحب:نہیں! شروع میں نہیں۔جب میرا اپنا مکان مہیا ہوگیا پھر آتے تھے۔ پہلے تو میں شہر کے اندر رہتا تھا۔ثاقب زیروی: لاہور میں آپ کے قیام کے دوران حضرت فضل عمر کا کوئی قابل ذکر واقعہ بیان فرمائیں؟ حضرت چوہدری صاحب: ایک بار جب تجویز ہوئی کہ ملک غلام فرید صاحب کو بطور نائب امام انگلستان بھیجا جائے تو کسی نے ملک صاحب کی شکایت کی کہ وہ اوران کے ہم جولی نامناسب قسم کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ اس کی تحقیق کر کے رپورٹ دو۔میں نے عرض کیا حضور یہ کام اگر کسی اور کے سپرد کردیں تو بہتر ہوگا۔فرمایا کیوں؟ میں نے کہا مجھے ان میں سے بعض کے متعلق بات کرنے میں قبض ہے۔فرمایا دیکھو میں انسان ہوں میری طبیعت میں بھی کبھی کسی بات کے متعلق قبض ہوتا ہےلیکن سلسلہ کی مجبوریوں کی وجہ سے بات کرنی پڑتی ہے۔تم بھی اس بات کو ذہن میں رکھواور پوری دیانت داری سے اپنی رائے مجھ تک پہنچاؤ۔تو اس کے بعد میں نے جو رپورٹ پیش کی وہ یہی تھی کہ مجھے تو ان کے خلاف کوئی بات نہیں مل سکی۔ثاقب زیروی: اس دوران کی کوئی خاص بات! حضرت چوہدری صاحب: میری خاص بات پوچھنے کا سوال ہی نہیں۔میری ساری تربیت ہی آپ نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔میں نے جیسا کہ عرض کیا ہے میں نومبر کے شروع میں 1914ء میں انگلستان سے واپس پہنچا اور لاہور سے میں سیدھا قادیان پہنچا تھا اور پھر سیالکوٹ گیا اپریل 1915ء میں حضور نے مجھے طلب فرمایا کہ دلی میں قرار پایا ہے وہاں کے بارے میں میں نے یہ تجویز کیا ہے تقریریں اردو، انگریزی اور عربی میں بھی ہوں اور جس زبان میں تقریریں ہو اسی زبان میں سوال کئے جائیں اور جواب دیئے جائیں۔انگریزی میں تمہاری تقریر ہوگی۔تم NEED OF RELEGION پر تقریر کرو۔عرض کیا نام مجھے مذہب کا زیادہ علم ہے نہ مجھے پبلک میں تقریر کرنے کی مشق ہے۔آپ نے فرمایا میں نوٹ لکھادیتا ہوں ان کو پھیلا لینا اور تقریر کر لینا میں دعا کروں گا۔میں نے اس طرح تقریر کی۔اس کے بعد یہ تحریک ہی ہوگیا کہ یا تو آپ اس خود مجھے تقریر یہ مضمون لکھواتے اور یا اگر مجھے ضرورت پڑتی تو میں عرض کر دیتا تھا ان نوٹ لکھوالیتا۔

اسی طرح 1924ء میں انگلستان میں آپ کی تقدیر تھی مذاہب کانفرنس میں۔اس کے لئے آپ نے جو تقریر لکھی اس کا انگریزی ترجمہ میں نے ہی کیا تھا۔اسی وقت وہ کتاب لکھی گئی تھی احمدیت ٹرو اسلام۔جب دوسرے دن پروگرام کے لحاظ سے کانفرنس میں آپ کی تقریر پڑھی جانی تھی تو ایک دن پہلے شام کو آپ نے مجھے طلب فرمایا۔ ہمارے دوست شام کو جمع ہوکر قادیان کی یاد میں نظمیں بھی پڑھا کرتے تھے۔خیر! ماسٹر محمد دین صاحب نے فرمایا کہ حضرت صاحب بلاتے ہیں۔میں گیا۔فرمایا کہ کل میرا جو پرچہ پڑھا جانا ہے تو اس کے بارے میں بعض لوگوں کا تو خیال ہے کہ میں خود پڑھوں۔بعض اور بھی نام ہیں۔تم کو اس لئے بلایا ہے کہ تم سے بھی مشورہ کروں۔میں نے عرض کیا میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ خود نہ پڑھیں کیونکہ آپ کو تلفظ وغیرہ کے سلسلے میں مشق نہیں ہے اس لئے مجھے اس بارے میں تامل ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو بات سمجھ نہ آئے اور ان کو بھی اور ہم کو بھی پریشانی ہو اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ کی جگہ کوئی اور ہو اور اگر آپ میری رائے پوچھیں تو میں کہوں گا کہ مجھے پڑھنا چاہیے میں نے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے۔میں محسوس کرتا ہوں کہ اچھی طرح پڑھ سکوں گا۔حضور نے فرمایا اچھی بات ہے لیکن پہلے امتحان ہوگا۔وہ تین چار منزلہ وسیع مکان تھا جس میں حضور ٹھہرے ہوئے تھے آپ نے کچھ آدمی اوپر اور کچھ نیچے بھیج دیے اور کہا کہ دیکھو اس کی آواز صاف سنائی دیتی ہے یا نہیں۔اس کام میں کون کون سے احباب شامل تھے یہ مجھے معلوم نہیں شاید ماسٹر محمد دین صاحب بھی تھے۔ان سننے والوں میں سے ایک

میاں شریف احمد صاحب بھی تھے۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس کی آواز بھی اچھی ہے۔ سنا بھی پوری طرح جاتا تھا اور صاف سمجھ بھی آتی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے گلے میں کچھ خراش ہے۔ تو حضور نے فرمایا اچھی بات ہے یہ پڑے گا ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو کہا کہ آپ اس کے گلے کا علاج کریں۔ انہوں نے ایک بڑی سی چیز پر ٹنکچر وغیرہ دوائی لگا کر میرے گلے کا علاج شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ اس علاج سے تو میری آواز جو ہے وہ بھی جاتی رہے گی۔ خیر وہاں گئے۔ جب مضمون پڑھنے کا وقت آیا تو جہاں میں کھڑا تھا حضور ساتھ ہی تشریف فرما تھے۔ میں مضمون پڑھنے لگا تو میری طرف جھک کر بڑی شفقت سے فرمایا ''گھبرانا نہیں! میں دعا کر رہا ہوں''۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ بڑی عمدگی سے وہ ادا ہو گیا اور وہیں اس کا ثبوت مجھے مل گیا۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، پوری طرح، تل دھرنے کو جگہ نہ تھی بلکہ سیڑھیوں پر بھی لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میں جب مضمون پڑھنے کے دوران نظر اوپر اٹھاتا تھا تو سامنے دور ایک شخص مجھے کھڑا نظر آتا تھا۔ وہ سوٹ کے اوپر اور کوٹ کی بجائے کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ داڑھی بھی تھی، قد لمبا تھا اس کا۔ جب مضمون ختم ہوا تو بالکل ایسے ہوا کہ جیسے کسی سمندر کا بند ٹوٹ جاتا ہے، لوگوں نے فوراً ادھا وابولا اسٹیج کی طرف۔ لوگ حضور سے مصافحہ کرنے لگے۔ وہ شخص جس کو میں دیکھ رہا تھا وہ بھی آیا۔ اس کے آتے آتے سٹیج پر جگہ نہیں رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو میری طرف چلا آیا کہ یہ پڑھنے والا تھا اسی سے بات کر لیتے ہیں۔

مجھے اونچی سے کہنے لگا: I WAS STANDING WAY BACK (میں بڑی دور کھڑا تھا) میں نے کہا: YES, SIR I KNOW IT (جی جناب میں جانتا ہوں) اس انہوں نے پھر بڑی اونچی آواز میں کہا: I AM HARD OF HEARING (میں اونچا سنتا ہوں) دراصل جو اونچا سنتے ہیں بولتے بھی اسی طرح اونچی آواز سے ہیں۔ خیر میں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: SORRY TO HEAR THAT (مجھے یہ سن کر افسوس ہوا) وہ بولا: I HEARD EVERY WORD CLEARLY AND DISTINCTLY (میں نے ایک ایک لفظ صاف اور واضح طور پر سنا) میں نے کہا: THANK YOU, SIR (آپ کا شکریہ جناب!) وہ پھر بولا: SOLID EIGHTEENTH CENTURY ENGLISH. AND COULD AID NO MODERN DAMN NONSENCE AOUT IT)

میں نے 18 ویں صدی کی بہترین زبان سنی جس میں کوئی جدید فضول لفظ شامل نہیں تھا) یہ سب حضرت صاحب کی دعا ہی کا نتیجہ تھا۔ تو آپ کی دعاؤں کی قبولیت کے واقعات تو بہت ہیں۔۔۔۔۔! انگلینڈ میں اس قیام کے دوران حضور بہت کم کہیں آتے جاتے تھے اس لئے کہ لوگ آتے تھے اور آپ کو ملتے تھے۔ عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ ہفتہ اور اتوار کے روز جب لوگوں کو نسبتاً فراغت ہوتی تھی تو لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تھے اور پھر بعض اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ جو کچھ اس دن دوپہر کے کھانے پر پکا ہوتا تھا سب ان کو کھلا دیا جاتا تھا اور ہم لوگ ڈبل روٹی وغیرہ پر گزارہ کر لیتے تھے۔ یہ بڑی خوشی کا موقع تھا۔ ایک دن آپ نے کہا کہ کچھ وقت ہے کہیں سیر کو چلیں۔ ہائیڈ پارک کے قریب ہی تھا۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال بھی ساتھ تھے کسی نے کہا کہ چوہدری فتح محمد صاحب انگلستان میں اتنا عرصہ گزار چکے ہیں لیکن ان کو یہاں کے رستوں وغیرہ کا کچھ علم نہیں۔ انہوں نے جواب دیا، نہیں! میں سب جانتا ہوں! حضرت صاحب نے فرمایا یہ تو کوئی بحث کی بات نہیں۔ آپ نے مجھ سے مشورہ کر کے فرمایا کہ ہمیں فلاں جگہ پر لے چلیں۔ چنانچہ امتحان شروع ہو گیا۔ ہم ان کی رہنمائی میں چل کھڑے ہوئے۔ ہائیڈ پارک سے باہر نکلے۔ ایک پل کر اس

کیا۔ایک اور چوک میں آ گئے وہاں پر ایک سڑک سے ان کو مڑنا چاہیے تھا مگر چوہدری فتح محمد صاحب نے تھوڑا سا تامل کیا۔میں نے اس مرحلے پر حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ اگر یہ غلطی کرنے لگیں تو ان کو بتانا ہے یا نہیں۔فرمایا نہیں! بتانا بالکل نہیں! چنانچہ ہم آگے گئے۔چوہدری صاحب نے درست طور پر موڑ لیا اور اس مقررہ جگہ پر آرام سے پہنچ گئے۔جب وہاں پہنچ گئے تو حضرت صاحب نے مجھے فرمایا ''آپ نے کیوں کہا تھا؟'' میں نے عرض کیا ''جی! میں نے کیا کہا تھا؟ میں نے تو یہی کہا تھا کہ غلطی کرنے لگے تو بتانا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں بتانا۔تم میں نے بتایا تو کچھ نہیں۔۔۔!! حضور نے فرمایا ہاں کہا تو یہی تھا مگر یہ تو تمہاری وکیلانہ منطق ہے۔تم نے یہ بات کہہ کر ان کے دل میں ڈال دیا کہ یہ غلطی کرنے لگے ہیں۔یہ کہہ کر حضور مسکرا دیئے۔میں بھی دبی سی ہنسی ہنس دیا۔

تو آپ مذاق کی باتیں بھی کر لیتے تھے۔قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے بارے میں ایک بار ان کی تعلیم کے متعلق فرمایا کہ ایک تو خیال آتا ہے کہ ان کو دمشق یا بیروت بھیج دیں تا کہ عربی میں اچھی استعداد حاصل کر لیں اور چاہیں تو وہاں پر شادی بھی کر لیں۔پھر خیال آتا ہے کہ شادی کے لحاظ سے تو ہمارے اپنے خاندان میں بڑی اچھی اچھی لڑکیاں ہیں۔میں نے ہنستے ہوئے کہا،حضور! تو یہاں بھی کر لے وہاں بھی کر لیں۔مثال تو موجود ہے۔حضور میری بات کو فوراً سمجھ گئے کہ میں حضور ہی کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ثاقب زیروی: حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔حضرت چوہدری صاحب: حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ساتھ میرا دوستانہ اسوقت سے ہی شروع ہو گیا تھا جب آپ حصول تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں تشریف لائے۔اس کے بعد جب بھی میں قادیان جاتا آپ ہی ہاں ل ٹھہرتا تھا پھر حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے ہاں بھی ٹھہرا کرتا تھا۔مگر ہمارے دوستانہ اور اعتماد میں کبھی فرق نہیں آیا۔بڑے بلند اخلاق کے انسان تھے۔بڑی مثالی زندگی تھی۔کالج میں سارا وقت غیر ایم ڈی طلباء بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ثاقب زیروی: اس زمانہ کا کوئی واقعہ یاد ہے آپ کو! حضرت چوہدری صاحب: کوئی خاص بات تو یاد نہیں۔یہ یاد ہے کہ جب میں ان کے گھر جایا کرتا تھا تو حضرت بانی سلسلہ کے پوتے موتیوں میں سے صرف احمد سلام ہیں حضور کی زندگی میں پیدا ہوئی تھیں ان کو اپنی گود میں کھلایا کرتا تھا۔ثاقب زیروی: آپ لاہور کے امیر کب بنے؟ حضرت چوہدری صاحب: یہ پورا یاد نہیں ہیں لیکن غالباً 1918ء میں۔ثاقب زیروی: آپ کی عمارت کا کوئی اہم واقعہ کسی خاص شخصیت کا کوئی ذکر؟ حضرت چوہدری صاحب: انتخاب کے متعلق سنا دیتا ہوں۔حضور لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور ایمپریس روڈ پر احمدیہ ہاسٹل میں ٹھہرے۔میرے والد صاحب اس وقت اپنی پریکٹس بند کر کے قادیان تشریف لے جا چکے تھے اور ناظر اعلی تھے انجمن کے۔اس کے علاوہ بہشتی مقبرہ کی نظارت بھی آپ کے پاس تھی۔ساتھ ہی آپ نے حضرت بانی سلسلہ کی کتب کے انڈیکس بھی بنانا شروع کر دیئے تھے۔یہ بھی ساتھ ہی تشریف لائے ہوئے تھے۔لوگ شام کے وقت ملنے جاتے تھے۔میں اس دن جس دن کا یہ واقعہ ہے نہیں گیا تھا۔وجہ شاید یہی ہوگی کہ میرا اس دن کا کام ختم نہیں ہوا ہوگا یا کوئی اور بات ہوگی۔بہرحال جب یہ لوگ واپس آئے۔تم میرے والد صاحب کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی بات پر مجھ سے آزردہ پہلے تو مجھے" آپ" آج نہیں گئے! لیکن حضرت صاحب نے آپ کے امیر ہونے کے بارے میں مشورہ کیا تھا"۔نظام امارت شروع ہونے کے بعد پہلا امیر حضور نے حضرت مولوی فرزند علی صاحب کو فیروز پور کی جماعت احمدیہ کا بنایا تھا دوسرا امیر میں مقرر ہوا۔

پھر جب والد صاحب نے مجھے" آپ" کہہ کر مخاطب کیا تو میرے ماموں صاحب والد صاحب کی ناراضگی بھانپ گئے وہ فوراً میری دلداری کا خیال کر کے بیچ میں بول پڑے" لیکن حضرت صاحب نے تمہیں امیر مقرر کر دیا ہے"۔حضرت والد صاحب بھی ساتھ ہی بولے" ہاں! لیکن آپ کے حق میں صرف ایک ووٹ آیا ہے"۔تو پتہ چلا کہ حضرت صاحب نے احباب جماعت سے مشورہ کیا تو میرے حق میں صرف ایک رائے تھی۔اس کی وجہ یہی تھی کہ جماعت مجھے جانتی تک نہ تھی۔ جماعت میں اس وقت پرانے بزرگ رفقاء حضرت بانی سلسلہ موجود تھے۔ان میں حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی تھے۔سید دلاور شاہ صاحب تھے۔بابو عبدالحمید اڈیٹر تھے۔سب بڑے نیک لوگ تھے اور پرانے رفقاء میں سے تھے لیکن حضرت صاحب نے مجھے مقرر فرمایا۔بعد میں جب اور جگہوں پر بھی امیر مقرر ہونے شروع ہوئے تو حضور سے استصواب کیا گیا کہ امرا کے اختیارات کیا ہونے چاہیئں حضور نے فرمایا جو پہلے دو امیر مقرر ہوئے تھے ان دونوں کو میں نے ہدایات لکھ کر دی تھی ان سے منگواؤ کہ میں نے کیا ہدایات دی تھیں۔محترم خان صاحب فرزند علی خان صاحب نے بعد میں فرمایا کہ ان کے خط پر تو حضور نے لکھا تھا کہ جو اختیارات خان صاحب نے لکھے ہیں اور جو یہ چاہتے ہیں وہی امیر کے اختیارات ہوں گے اور ظفر اللہ خان کو جو میں نے لکھ کر بھیجو آئے تھے وہ اختیارات ہوں گے۔ثاقب زیروی: وہ خط آپ کے پاس ہیں۔حضرت چوہدری صاحب: جی نہیں! وہ اب موجود نہیں! تقسیم کے وقت وہ چیزیں لوٹی گئیں تھیں۔اس میں قدرت ثانیہ کے مظہر اول حضرت مولوی نورالدین صاحب کے بھی بعض قیمتی خطوط وغیرہ تھے وہ بھی لوٹے گئے۔ثاقب زیروی: جماعت احمدیہ کا تنظیمی ڈھانچہ قدرت ثانیہ کے مظہر اول حضرت مولوی نورالدین صاحب کے وقت کیا تھا؟ حضرت چوہدری صاحب: تنظیمی ڈھانچہ؟ کیا مراد ہے آپ کی؟ ثاقب زیروی: جس طرح اس وقت جماعت اُنصار، خدام، لجنات، اطفال، ناصرات وغیرہ میں تقسیم ہے اس وقت کیا صورت تھی؟ حضرت چوہدری صاحب: نہیں نہیں یہ نہیں تھا اس وقت۔یہ ساری باتیں تو خلافت ثانیہ کے وقت آئی ہیں۔ثاقب زیروی: لاہور میں آپ نے احمدی نوجوانوں کی کوئی علیحدہ تنظیم بھی بنائی تھی؟ حضرت چوہدری صاحب: ہم نے طالبعلموں میں ایک انجمن بنائی تھی۔ہم چند ہی احمدی طالب علم تھے۔کوئی درجن بھر ہوں گے۔ثاقب زیروی: ایک روایت کے مطابق سر شہاب الدین، علامہ سر محمد اقبال اور سر میاں فضل حسین نے جماعت احمدیہ کے بانی یا بعد میں کسی امام جماعت احمدیہ کی بیعت کی تھی۔کیا یہ بات درست ہے؟ حضرت چوہدری صاحب: سر شہاب الدین نے بیعت کی تھی وہ اس کا اقرار بھی کیا کرتے تھے۔ان کا ایک واقعہ بھی سناتا ہوں۔سر میاں فضل حسین نے یقیناً کبھی بیعت نہیں کی تھی لیکن وہ مخالف بھی نہیں تھے۔ان کا بھی ایک واقعہ سناؤں گا۔ڈاکٹر اقبال نے جہاں تک میرا علم ہے بیعت نہیں کی۔ان کے والد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شاید انہوں نے بیعت کی تھی۔تاہم ان کے بڑے بھائی نے بیعت کی تھی۔

چوہدری سر شہاب الدین کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت فضل عمر لاہور تشریف لائے۔آپ کا قیام تو احمدی ہوسٹل میں دیال سنگھ کالج کے قریب کوئی جگہ تھی، وہاں تھا۔میں تو اس وقت شہر میں رہتا تھا چوہدری سر شہاب الدین کے مکان میں۔چوہدری شہاب الدین صاحب نے مجھے کہا کہ میں نے حضرت صاحب سے ملنا ہے مجھے ٹائم لے دیں۔میں نے وقت لے دیا۔جب گئے اور چوہدری شہاب الدین صاحب کو بلایا گیا تو میں نے خیال کیا کہ میں باہر ہی بیٹھا رہوں نامعلوم انہوں نے کیا بات کرنی ہے۔چنانچہ میں نہ اٹھا۔چوہدری صاحب نے مجھے دیکھا تو کہا تم بھی ساتھ چلو میں نے کوئی راز کی بات تو کرنی نہیں۔چنانچہ میں بھی ساتھ چلا گیا۔چوہدری شہاب الدین صاحب نے حضرت فضل عمر سے عرض

کیا کہ آپ کو علم ہے یا نہیں میں نے بڑے مرزا صاحب کی بیعت کی تھی میں آپ کی بیعت کرنے کو بھی تیار ہوبشرطیکہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں روحانی طور پر لولا لنگڑا، اندھا اور اپاہج آدمی ہو اور اگر آپ یہ وعدہ کریں کہ آپ مجھے گود میں اٹھا کر بہشت میں داخل کرادیں گے تم میں آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں۔حضرت صاحب نے فرمایا نہ میرا یہ دعویٰ ہے اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص دیانتداری سے یہ دعویٰ کرسکتا ہے البتہ میں یہ کرسکتا ہوں کہ میں آپ کو بتا تا جاؤں کہ آپ یہ کریں اور یہ نہ کریں تو اگر آپ یہ سب کرتے جائیں تو بینائی بھی آجائے گی شنوائی بھی آجائے گی چلنا پھرنا بھی آجائے گا۔ساری روحانی طاقتیں آجائیں گے اور آپ خود چل کر جنت میں داخل ہوجائیں گے۔لیکن چوہدری سر شہاب الدین کو شاید یہ سب کچھ منظور نہ تھا ویسے وہ خط وکتابت جاری رکھتے تھے۔الیکشن وغیرہ میں ان سے رابطہ بھی قائم تھا۔نکالے ہوئے نہیں تھے نکلے ہوئے تھے۔سر میاں فضل حسین کے بارے میں یہ ہے کہ ایک دفعہ جب آپ پہلی بار ولایت سے تشریف لائے، بیرسٹری کرکے، تو ابھی انہوں نے پریکٹس شروع نہیں کی تھی کہ ان کے والد صاحب نے انہیں قادیان بھیجا۔ان کے شہر بٹالہ میں بعض احمدی خاندانوں سے ان کے تعلقات تھے ان کو ساتھ لے کر یہ قادیان آئے میں اتفاق سے وہی تھا۔میں ان دنوں طالبعلم تھا۔خاصی دیر ان کی ملقات حضرت بانی سلسلہ سے ہوئی۔ایک بات مجھے یاد ہے۔میاں صاحب نے کچھ پریشانی کا اظہار کیا کہ آریہ بہت بڑھتے چلے جارہے ہیں ان کے بارے میں تشویش ہے۔تو حضرت بانی سلسلہ نے فرمایا" میاں صاحب ان لوگوں کی بنیاد ماہیت پر نہیں ہے اس لئے یہ زیادہ عرصہ نہیں چلیں گے۔اللہ تعالیٰ آپ کو عمر دے یہ فرمایا لمبی عمر دے آپ دیکھیں گے کہ یہ ختم ہوجائیں گے۔''

ایک یہ واقعہ یاد ہے۔میاں صاحب کا لباس بھی یاد ہے سر پر ترکی ٹوپی تھی۔اچھی صحت والے تھے۔اور پھر ایک بار میں موجود نہیں تھا میاں صاحب حضرت بانی سلسلہ سے اکیلے بھی ملے تھے۔یہ حضور کا آخری سفر لاہور تھا۔مئی 1908 کی بات ہے پھر روساء جو دعوت کی گئی تھی حضرت صاحب کی اجازت سے اور اس میں حضور نے خطاب بھی فرمایا تھا، اس میں بھی شامل ہوئے تھے۔لیکن جو واقعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ 1934ء میں جب میں ولایت میں تھا اس وقت یہاں یہ بڑا شہرہ ہورہا تھا کہ میاں صاحب کی جگہ پر آئندہ اپریل میں کون سا شخص ہو۔میرے پاس چند علما وفد لے کرآئے اور مجھے کہا کہ یہ کرو، یہ کرو اور احمدیوں کو آگے نہ آنے دو۔میں نے کہا کہ تم کو کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مسلمان کی جگہ ہے اور ظفر اللہ خان مسلمان نہیں۔میاں صاحب نے فرمایا اگر وہ مسلمان نہیں اور اس نے مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں سے بڑھ کر تمہاری خدمت کی ہے تو تم کو اور کیا چاہیے۔انہوں نے کہا نہیں پھر بھی ہم برداشت نہیں کرسکتے کہ یہ سیٹ جو مسلمانوں کی ہے اس پر غیر مسلم کا قبضہ کرلیں۔میاں صاحب نے کہا آپ کیوں ان کو غیر مسلم سمجھتے ہیں۔انہوں نے حضرت بانی سلسلہ کے عقائد کے بارے میں بعض باتیں کہی کہ وہ فلاں فلاں عقیدہ رکھتے ہیں۔میاں صاحب نے کہا کہ میں زیادہ مسئلے مسائل نہیں سمجھتا۔۔۔۔۔خود انہوں نے مجھے بعد میں بتایا کہ میرے پاس درثمین فارسی تھی میں اٹھا اور دوسرے کمرے سے جاکر وہ کتاب اٹھا لایا اور ان کو دی اور کہا کہ یہ لے جاؤ، اس کا اچھی طرح مطالعہ کرو اگر اس کتاب کے مصنف سے زیادہ کسی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہیں پتا ہو تم مجھے آکر بتانا۔ان کے بڑے بیٹے نے بیعت کی آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔تو وہ احمدی تو نہیں تھے لیکن حضرت بانی سلسلہ کو مفتری نہیں سمجھتے تھے۔مجھے انہوں نے اپنی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں بڑا زور لگا کر رکن بنوایا حالاکے ملک فیروز خان نون تم مجھ سے زیادہ تجربہ تھا۔وہ صوبے میں وزیر بھی رہ چکے تھے اور ان کا بھائی

میاں فضل حسین صاحب کا داماد بھی تھا۔اور بھی تھے میاں صاحب کے تعلقات والے احمد یار خان، سکندر حیات وغیرہ۔ثاقب زیروی: علامہ اقبال کا جماعت احمدیہ کے متعلق منفی رویہ کس طرح شروع ہوا۔ٹرننگ پوائنٹ کیا تھا؟ حضرت چوہدری صاحب: میرے خیال ہے کہ جب اہل ادب نے یہ شور مچانا شروع کیا کہ کشمیر کمیٹی کو اس کے صدر نے اپنی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اس سے یہ روشروع ہوئی بنا جب حضرت صاحب نے پہلی میٹنگ میں یہ کہا تھا کہ مجھے صدر نہ بناؤ ڈاکٹر اقبال نے اسرار سے یہ کہا تھا کہ مرزا صاحب ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کو حقوق ملیں اور ہمارے کرنے سے تو کچھ ہونا نہیں۔حضرت صاحب نے فرمایا جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے وہ ہمارا فرض ہے ہم کو یہ حقوق دلانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ پھر آپ صدارت سنبھالیں۔آپ کے پاس تنظیم ہیں، افراد ہیں۔اس طرح سے اقبال نے اسرار کر کے آپ کو بنوایا پھر جب ایک سال مکمل ہو گیا تو حضرت صاحب نے کہا کہ اب کام اچھا ہو گیا ہے اب کسی اور کو مقرر کیا جائے تو پھر اقبال نے اسرار کر کے آپ کو دوبارہ مقرر کروایا۔اس وقت تک تو ان کی طرف سے کوئی مخالفت نہیں ہوئی اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رویہ بدل گیا۔یہ تو ہے ایک بات۔دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر اقبال اپنے ہمجولیوں سے بڑا اثر قبول کرتے تھے۔ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں میں ایک صاحب چوہدری محمد حسین پہاڑنگی تھے۔جماعت احمدیہ کے مخالف تھے دوسرے رانا محمد اُحسن یا محمد حسن۔ایک دفعہ جب کہ ابھی کشمیر کمیٹی نہیں بنی تھی تو حضرت صاحب لاہور تشریف لائے۔پتہ چلا کہ ڈاکٹر اقبال بیمار ہیں ان کو کوئی سخت درد وغیرہ تھی۔حضرت صاحب نے کہا چلو عیادت کے واسطے چلیں۔ان کے کمرے میں گئے۔ان کا گھر کا لباس بنیان اور تہمد ہی ہوتا تھا باہر جانے کے لئے سوٹ وغیرہ پہنتے تھے۔تو وہ اسی لباس میں تھے۔ان کو بیماری کی تکلیف بہت تھی وہ ملاقات میں سارا وقت یہی کہتے رہے مرزا صاحب میرے لئے دعا کرنا، مرزا صاحب میرے لئے دعا کرنا، مرزا صاحب میرے لئے دعا کرنا۔تو جو شخص کسی کو کافر سمجھتا ہوں اس کو دعا کے لئے تو نہیں کہتا۔ثاقب زیروی: مولوی ظفر علی خان صاحب سے آپ کو کوئی تعلق رہا۔حضرت چوہدری صاحب:"مسلم آؤٹ لک" کے توہین عدالت کے کیس میں جب اجلاس دوپہر کے کھانے کے لئے برخاست ہوا تو مولوی ظفر علی خان پبلک میں بیٹھے تھے میرے دلائل ختم کرتے ہیں آئے اور کہا ''آج آپ نے ان لوگوں کا منہ کالا کر دیا ہے جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں قابل وکیل نہیں ملتے۔'' ثاقب زیروی:" ورتمان" رسالہ کے مضمون کے بارے میں حضرت عمر نے ایک اشتہار لکھا تھا کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرنے والے کیا اب بھی بیدار نہ ہوں گے"۔اس بارے میں جماعت احمدیہ لاہور کی مساعی کیا تھی؟

حضرت چوہدری صاحب: اس میں جماعت احمدیہ لاہور کی مساعی یہی تھی کے راتوں رات یہ اشتہار شہر کی دیواروں پر بڑے نمایاں طور پر لگا دیا گیا تھا۔ثاقب زیروی: کشمیر کمیٹی کے معاملات میں آپ کی خدمات کیا تھی؟ نظر چوہدری صاحب: حضرت صاحب نے مجھے ایک دو اپیلیں بحث کرنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا۔میں گیا تھا۔لیکن کشمیر کمیٹی کی سرگرمیوں سے میرا کوئی زیادہ تعلق نہیں تھا۔ثاقب زیروی: اور شدھی تحریک۔۔۔۔! حضرت چوہدری صاحب: شدھی تحریک میں نے بھی اپنا نام پیش کیا تھا۔حضور نے فرمایا تمہارا نام میرے ذہن میں ہے اگر کوئی خاص ضرورت پڑی اور خاص کام پڑا تو میں تمہیں استعمال کروں گا۔ثاقب زیروی: 1953ء کے حالات میں جب ہنگامہ شروع ہوا تو آپ بیرون ملک تھے۔باہر کے لوگوں میں آپ کے ملنے جلنے والوں کا کیا تاثر تھا اس صورتحال کے بارے میں؟ حضرت چوہدری صاحب: ان لوگوں کو ان باتوں سے دلچسپی نہیں ہوتی وہ سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ متعصب ہوتے ہیں یہ مسلمان آپس میں لگے ہوئے ہیں لگے رہیں۔ثاقب زیروی:

شاہ فیصل سے آپ کی کوئی خط و کتابت بھی ہوئی۔حضرت چوہدری صاحب: جب احمدیوں پر حج بند کیا گیا تو میں نے شاہ فیصل کو خط لکھا اس نے بڑے احترام سے جواب دیا ساتھ یہ کہا کہ میں نے آپ کا خط علماء کو دے دیا ہے انہوں نے جو جواب دیا ہے وہ میں آپ کو بھیج دیتا ہوں۔ثاقب زیروی: گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال کے کردار کے بارے میں روشنی ڈالیں۔حضرت چوہدری صاحب: گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال نے کوئی تقریر نہیں کی نہ دوسری میں اور نہ تیسری میں۔ثاقب زیروی: پنجاب اسمبلی میں ان کا کردار کیا تھا۔حضرت چوہدری صاحب: پنجاب اسمبلی میں بھی انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی اسمبلی کی باتوں میں۔ پنجاب اسمبلی کے بارے میں یہ بات ہے کہ اگر چہ سرمیاں فضل حسین پنجاب کے وزیر نہیں تھے بلکہ وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر تھے لیکن عمل اسمبلی میں نشستوں کی ترتیب وغیرہ وہی مقرر کرتے تھے۔میری نشست انہوں نے مقرر کی تھی مولوی سر رحیم بخش اس سر محمد اقبال کے درمیان کہ تم ان دونوں کے بارے میں ذمہ داری لو کہ یہ وقت پر آئی غربت پر جائیں۔مولوی صاحب کے بارے میں تو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ سارا وقت تشریف رکھتے تھے صرف نماز پڑھنے کے لئے جاتے تھے پھر واپس آجاتے تھے۔ڈاکٹر صاحب اول تو آتے ہی دیر سے تھے۔وہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی کیونکہ شروع میں سوالات کا وقفہ وغیرہ ہوتا تھا مگر پھر جلدی اٹھ کر چلے جاتے تھے ان کو بار بار روکنا پڑتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب رک جائیں فلاں رائے شماری ہونے والی ہے تو آپ اکثر نا رکتے اور کہتے کیا ہو جائے گا میری ایک رائے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔دراصل وہ اپنے فلسفہ اور شاعری کے جس میدان میں پرواز کرتے تھے سیاست اس سے بہت نیچے تھی۔عام سیاسی باتوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔بہت جلد اکتا جاتے تھے ان باتوں سے۔لیکن بعد میں قائداعظم سے ان کی خط و کتابت بھی رہی سیاسی مسائل پر۔تاہم کونسل کے کام میں ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ثاقب زیروی: پنجاب کے وزیراعظم سردار خضر حیات کو استعفیٰ دلانے کے لئے آپ نے کیا دلیل دی تھی؟حضرت چوہدری صاحب: میں نے جو خط انہیں لکھا اس میں میں نے دلیل یہ دی تھی کہ آپ اب تک یہ فرض کرتے رہے ہیں کہ پاکستان مرکزی سوال ہے اور جہاں تک لوکل حکومت کی تشکیل وغیرہ کا تعلق ہے اس میں اس بات کا کوئی سوال نہیں۔اب یہ جو تقریر کی ہے وزیراعظم ایٹلی نے اس میں کہا ہے کہ مرکزی حکومت کو یا جہاں ضرورت ہوئی ہم صوبائی حکومت کو اختیار دے دیں گے۔اب آپ کا موقف جائز نہیں رہا اور مسلمانوں کے مفاد کا تقاضہ ہے کہ آپ حکومت سے استعفیٰ دے دیں۔اور مسلم لیگ والے اگر حکومت بنا سکتے ہیں تو بنا لیں۔اس پر انہوں نے مجھے ٹیلی فون کیا کہ تمہاری چٹھی آئی ہے۔مجھے تم سے اتفاق ہے زیادہ بعد میں ٹیلی فون پر نہیں کر سکتا تم یہاں آجاؤ تمہیں بات کروں گا۔چنانچہ میں چلا گیا اور اس طرح سے سردار خضر حیات کی وزارت نے استعفیٰ دے دیا۔(پاکستان ٹائمز لاہور 13 فروری 1982 صفحہ 5،4 بحوالہ ماہنامہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 91 تا 103)
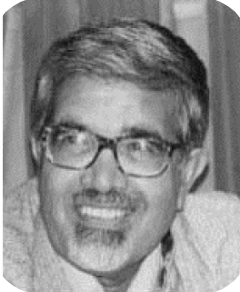
سر ظفر اللہ کی یادداشتیں انٹرویو پروفیسر ولکاکس اور پروفیسر ایمبری

ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی

سوال: آپ دوسری گول میز کانفرنس میں چلے گئے تھے۔کانفرنس میں کیا کچھ ہوا؟

سر ظفر اللہ خان: دوسری گول میز کانفرنس 1931 کے موسم خزاں میں ہوئی۔اس کانفرنس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ وائسرائے لارڈ ارون (جو

بعد میں اپنے والد کی وفات کے بعد لارڈ ہیلیفیکس کے طور پر ان کے جانشین ہوئے) نے کانگریس کو اس کانفرنس میں شمولیت کے لئے راضی کر لیا۔اس سلسلہ میں گاندھی اور وائسرائے میں جو معاہدہ ہوا وہ گاندھی ارون پیکٹ کہلاتا ہے۔اس معاہدہ کے نتیجے میں گاندھی جی نے کانگریس سے یہ اختیار حاصل کرلیا کہ وہ دوسری گول میز کانفرنس میں کانگریس کے واحد نمائندہ ہوں گے۔اس طرح کانفرنس کا افتتاح ہوا تو گاندھی جی لندن میں موجود تھے اور اس طرح تمام فریق اس کانفرنس میں شریک تھے۔کانفرنس میں گاندھی جی کی شمولیت سے بڑی امیدیں وابستہ ہوگئی تھیں کہ شاید دو بڑے فریقوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے گی اسی طرح ہندوستان اور برطانیہ کے مابین آزادی اور خود مختاری کے مسائل کا کوئی حل تلاش کرلیا جائے گا۔مسز سروجنی نائیڈو نے جو دونوں جانب بڑی احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں اور مسٹر گاندھی کی ذاتی دوست بھی تھیں، یہ کوشش بھی شروع کی کہ گاندھی اور مسلم وفد کے درمیان ملاقات ہوجائے۔چنانچہ ہز ہائی نس آغا خان کے رٹز ہوٹل پکاڈلی کے کمرہ میں ملاقات طے ہوئی۔مسٹر گاندھی تشریف لائے تو ہم سب نے احتراماً اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ہم سب لوگ بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ہز ہائی نس آغا خان اور دوسروں نے انہیں کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کی مگر گاندھی جی نے مسکرا کر کہا کہ نہیں وہ فرش پر بیٹھنا پسند کریں گے۔سب کے اصرار کے باوجود کہ وہ صوفہ پر یا آرام کرسی پر تشریف رکھیں مگر انہوں نے فرش پر بیٹھنے کو ترجیح دی اور کہا کہ انہیں اسی طرح آرام ملتا ہے۔چنانچہ وہ فرش پر بیٹھ گئے اور ہم میں سے کچھ لوگ بھی ان کے احترام میں فرش پر بیٹھ گئے۔ان کے ہاتھ میں ساگوان کا خوب صورت سا بکس تھا لوگوں نے سمجھا کہ ان کے ہاتھ میں ریڈیو سیٹ ہے مگر ریڈیو سیٹ تک نظر نہیں جاتی تھی۔سب لوگوں کے سلام وآداب کا جواب دے چکنے کے بعد گاندھی جی نے وہ بکس کھولا۔اس میں سے ایک چھوٹا سا تہ کیا ہوا پیتل کا چرخہ نکلا۔آپ نے بڑے اہتمام سے اسے کھولا۔سب لوگ انہیں بڑی توجہ سے دیکھتے رہے۔امید بندھی کہ شاید اس چرخہ سے ہی ہندو مسلم مفاہمت کا کوئی دھاگہ نکل آئے۔آپ نے چرخہ کاتنا شروع کیا اور ایک دو تار کاتنے کے بعد عندیہ دیا کہ آپ گفتگو کے لئے تیار ہیں۔آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے مسلمان بھائی بندوں سے مفاہمت کرنے کے لئے بڑے مشتاق اور بے چین ہیں اور مستقبل کے آئین اور ملک کی آزادی کے لئے وہ انہیں ہر ممکن تحفظ کی ضمانت دینے کو تیار ہیں مگر اس میں دقت یہ ہے کہ روانہ ہونے سے قبل وہ کانگریس کے نمایاں ترین مسلمان رکن ڈاکٹر انصاری سے یہ وعدہ کر کے آئے ہیں کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں ان معاملات پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔اس لئے وہ پیش آمدہ مسئلہ پر ڈاکٹر انصاری کے صلاح مشورہ کے محتاج ہیں، آپ نے یہ حل تجویز کیا کہ گول میز کانفرنس میں شامل ہونے والا مسلمان وفد وزیر ہند سے درخواست کرے کہ وہ ڈاکٹر انصاری کو کانفرنس میں بہ طور مندوب مدعو کریں۔یہ ٹیڑھا سوال تھا۔لارڈ ارون اور گاندھی جی میں جب سمجھوتہ ہوگیا کہ کانگریس گول میز کانفرنس میں شریک ہوگی تو کانگریس نے گاندھی جی کو پورے اختیارات کے ساتھ اپنا واحد نمائندہ مقرر کردیا۔اس وقت غالباً کانگریس کی جانب سے یہ کوشش کی گئی تھی کہ ڈاکٹر انصاری کو بھی، جو بڑے نامور کانگریسی رہنما اور بڑی محترم شخصیت ہیں، بہ طور مسلم مندوب مدعو کیا جائے۔اس پر بعض مسلمان رہنماؤں کو جو پہلی گول میز کانفرنس میں شریک ہو چکے تھے اور اب دوسری کانفرنس میں مدعو تھے، بڑا سخت اعتراض تھا۔انہیں ڈاکٹر انصاری کے خلاف کوئی شکایت نہیں تھی نہ انہیں دوسرے کانگریسی مسلمانوں کے مدعو کئے جانے پر کوئی اعتراض تھا۔اعتراض تھا تو یہ کہ وہ کانفرنس میں کانگریس کے نمائندہ کی حیثیت سے بے شک شرکت کریں۔مگر انہیں کانگریس کا نمائندہ ہی سمجھا جائے عام مسلمانوں کا نمائندہ تصور نہ کیا جائے۔ان لوگوں کو یہ خدشہ تھا کہ اگر ڈاکٹر انصاری کو بہ طور

مسلمان نمائندہ مدعو کیا گیا تو اس وجہ سے بعض اہم معاملات میں مسلمانوں کے موقف کو نقصان پہنچے گا اور وہ یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔اس طرح ڈاکٹر انصاری کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ جو لوگ ڈاکٹر انصاری کی مخالفت کر رہے تھے ان کا علی الاعلان یہ موقف تھا کہ اگر کانگریس چاہے تو اپنے سو نمائندوں میں سے ننانوے کانگریسی مسلمانوں کو اپنا نمائندہ بنالے تو بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں مگر کسی کانگریسی مسلمان کو عام مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر مدعو کئے جانے کا کوئی حق نہیں۔اس لئے اب گاندھی جی نے اسی مشکل کو ذرا نئے انداز میں پیش کر کے مسلم وفد کے لئے بڑی مشکل پیدا کر دی کہ ایک بار ڈاکٹر انصاری کی شرکت کے خلاف اعتراض کرنے اور اسے رکوانے کے بعد وہ اب کیسے وزیر ہند سے کہیں کہ وہ ڈاکٹر انصاری کو کانفرنس میں مدعو کریں؟ یہ سلسلہ کوئی آدھ گھنٹے تک جاری رہا، گاندھی جی اصرار کرتے رہے کہ وہ ڈاکٹر انصاری کی عدم موجودگی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ انہوں نے ان سے ایسا وعدہ کر رکھا ہے۔اور مسلم وفد یہ کہتا رہا کہ ان کے لئے اب ایسا کرنا ممکن نہیں۔اس موقعہ پر میں نے بحث میں شامل ہونے کا سوچا۔ میں بڑا ناتجربہ کار سا کارکن تھا مگر ایک بات مجھے سوجھی۔میں نے گاندھی جی سے کہا کہ کیا میں کچھ عرض کر سکتا ہوں؟ گاندھی جی نے بڑی فراخدلی سے اجازت دی تو میں نے کہا کہ ''کیوں نہ ہم گفتگو جاری رکھیں اور جب ہم کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں تو اس وقت ہم سب یعنی گاندھی جی اور مسلم وفد کے اراکین مل کر ڈاکٹر انصاری کو مدعو کریں کہ وہ آ کر گفتگو میں شامل ہو جائیں اور سمجھوتہ کو آخری شکل دے دیں۔میں نے یہ بھی کہا کہ اس طرح مدعو کیا جانا ڈاکٹر انصاری کے لئے بھی کہیں زیادہ عزت افزائی کا موجب ہوگا بجائے اس کے کہ وہ اس حکومت کی جانب سے مدعو کئے جائیں جسے گاندھی جی کئی بار علی الاعلان شیطانی حکومت کہہ چکے ہیں۔'' گاندھی جی مسکرائے اور گفت وشنید جاری رکھنے پر راضی ہو گئے۔یہ گفت وشنید کوئی دو تین اجلاسوں تک جاری رہی خلاصہ یہ تھا کہ جو نکات ان دنوں جناح کے چودہ نکات کے نام سے جانے جاتے تھے ان میں سے تیرہ پر اتفاق ہو گیا۔مسٹر جناح بھی اس گفت وشنید میں شریک تھے اور بحث میں باقاعدہ حصہ لے رہے تھے۔گاندھی کو تیرہ نکات سے کوئی اختلاف نہیں تھا جس نکتہ سے اختلاف تھا وہ جداگانہ نیابت کا جاری رہنا یعنی ہندوستان کی اسمبلیوں کے انتخابات میں اقلیتی فرقوں کی نشستیں مخصوص کی جائیں اور ان کو ان کے اپنے ووٹروں کے ووٹ سے منتخب ہونے والے نمائندوں سے پر کیا جائے۔گاندھی جی کو یہ بات مشکل نظر آتی تھی اور وہ اسے مضرت رساں سمجھتے تھے کیونکہ اس طرح دونوں فریق جدا جدا رہتے تھے اور دیگر قباحتیں پیدا ہوتی تھیں۔اگر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اسی طریق سے ان کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکتا ہے اور بہ فرض محال گاندھی جی اس سے متفق بھی ہوں تو بھی ڈاکٹر انصاری کے بغیر اس مسئلہ پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔تو کیا کیا جائے؟ میں نے پھر بولنے کی اجازت چاہئے اور گاندھی جی سے کہا کہ میں اس بات کو صاف طور پر سمجھنے کے لئے ایک دو وضاحتی سوال کرنا چاہتا ہوں۔انہوں نے از راہ کرم اجازت دی اور میں نے پوچھا جناب فرض کریں کہ ہم سب ڈاکٹر انصاری سے درخواست کریں کہ وہ یہاں آئیں اور وہ ہماری درخواست مان کر یہیں تشریف لے آئیں اور آپ ان سے کہیں کہ آپ وسیع تر مفاد میں سمجھوتہ کی خاطر ان نکات کو ماننے پر آمادہ ہیں، اس لئے وہ بھی انہیں ماننے پر آمادہ ہو جائیں، اور فرض کریں ڈاکٹر انصاری جواب میں کہیں کہ' جناب میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں اور آپ کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں، مگر یہ مسئلہ انفرادی نہیں، قومی مسئلہ ہے جس کو میں دیانت داری سے ملک کے اور مسلمانوں کے مفاد میں نہیں سمجھتا، جن میں سے میں بھی ایک ہوں، اس لئے میں دیانت داری سے اس

کے حق میں نہیں ہوں تو آپ کا رویہ کیا ہوگا؟ گاندھی جی نے فرمایا اس صورت میں مَیں ڈاکٹر انصاری کے موقف کی حمایت کروں گا۔ میں نے سوال کیا' فرض کیجئے اس دوران کانگریسی مسلمان اپنی رائے تبدیل کرلیں اور آپ کو تار دے کر مطلع کریں کہ ہم مفاہمت کی خاطر اس نکتہ پر اتفاق کرتے ہیں مگر ڈاکٹر انصاری اپنے موقف پر مصر رہیں تو آپ کا کیا رویہ ہوگا؟' گاندھی جی کہنے لگے میں پھر بھی ڈاکٹر انصاری کا ساتھ دوں گا۔ میں نے تیسرا سوال کیا' جناب فرض کیجئے کہ صورت حال بالکل الٹ جائے ڈاکٹر انصاری آپ کے اور ہمارے کہنے سننے کے نتیجے میں ہمارے ساتھ اتفاق کرنے لگیں اور کہیں کہ وہ مفاہمت کی خاطر اسے تسلیم کرتے ہیں، مگر ہندوستان کے کانگریسی مسلمان آپ کو فوری پیغام بھیجیں کہ وہ ہرگز اس نکتہ پر مفاہمت نہیں کرسکتے تو آپ کس کا ساتھ دیں گے؟ گاندھی جی فرمانے لگے ڈاکٹر انصاری کا! اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخری فیصلہ گاندھی جی کو نہیں ڈاکٹر انصاری کو کرنا ہے اور گاندھی جی ڈاکٹر انصاری کو قائل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

ہم نے اس مسئلہ کو ایک طرف رکھ کر باقی تحفظات کے بارہ میں بات چیت جاری رکھی۔ انہیں کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا اگرچہ انہیں بعض معاملات کے بارہ میں شبہ تھا کہ وہ درست نہیں مگر اس کے باوجود وہ پیش رفت پر راضی تھے۔ دو تین اجلاسوں کے بعد ہم اس مفاہمت پر پہنچے تو مسلمان وفد نے کہا کہ اب وہ ارشاد فرمائیں کہ مشترکہ معاملات میں مسلمان وفد کو اب کیا کرنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی تجویز بعد میں بھیج دیں گے۔ تین یا چار روز بعد آپ نے کاغذ کے ایک پرزہ پر پنسل سے دونوں طرف لکھا ہوا خط بھیجا جس کے بارہ میں کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کا موضوع کیا ہے۔ اس کے پہلے پیراگراف میں لکھا تھا کہ کانگریس کا مطالبہ آزادی کا ہے جس میں فوج اور مالی امور پر مکمل اختیار شامل ہے، اس میں وضاحت کی گئی تھی کہ آزادی میں کوئی لگی لپٹی شامل نہ ہو۔ ہم نے سوچا کہ اگر ہمیں مناسب تحفظات مل جائیں تو ہمیں وضاحت کردہ صورت میں اس مطالبہ کی حمایت کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہئے۔ مسلم وفد کو آخری تجویز نے بہت پریشان کیا جو یہ تھی کہ اگر آئین میں اچھوت اقوام کو کوئی تحفظات دئے جائیں تو مسلم وفد اس کی تائید نہ کرے بلکہ ان کی مخالفت کرے۔ ہم نے آپس میں اس پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ بات قبول کرنا ہمارے بنیادی موقف کے خلاف ہوگا۔ یہ بات ٹھیک تھی کہ مسلمان صنعت، تجارت، تعلیم، تربیت اور ہر دوسرے میدان میں ہندوؤں سے کمزور تھے مگر اچھوتوں کے مقابلہ میں تعداد میں زیادہ تھے، تعلیم میں بہتر تھے، رہن سہن میں بھی ان سے بدرجہا اچھے تھے، تجارت میں بھی ہمارا کچھ حصہ تھا، اگر ہمیں اپنے لئے بعض تحفظات پر اصرار تھا تو ہم کانگریس کے نمائندے گاندھی جی کے موقف کی کس طرح حمایت کرسکتے تھے کہ اس طبقہ کو تحفظات کی ضرورت نہیں جو ہم سے کہیں کمزور حیثیت رکھتا ہے؟ اس تجویز پر ردوقدح کے بعد ہم نے گاندھی جی کو یہ جواب بھیج دیا کہ ہمارے مطالبات قبول کرلئے جانے کی صورت میں ہمارا موقف یہ ہوگا کہ اچھوتوں کے حقوق کا مسئلہ ہندو سوسائٹی کا اندرونی مسئلہ ہے اس لئے وہ جو فیصلہ بھی کریں گے مسلم وفد اس کی حمایت کرے گا مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اچھوتوں کو تحفظات کی ضرورت نہیں! آخر وہ بھی ایک علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں اس حیثیت سے متعلقہ معاملات میں سیاسی نمائیندگی بھی حاصل ہے۔ ہم یہ موقف کیسے اختیار کرسکتے ہیں کہ انہیں ہندو سوسائٹی کا رکن ہی سمجھا جائے اور ان کے معاملات پر علیحدہ طور پر غور نہ کیا جائے؟ یہاں بات چیت میں تعطل پیدا ہوگیا۔ گاندھی جی اچھوتوں کی علیحدہ حیثیت تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھے۔ یاد رہے کہ جولائی یا اگست 1932 میں جب فرقہ وارانہ فیصلہ یعنی کمیونل ایوارڈ شائع کیا

گیا تو گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا۔اس خوف سے کہ کہیں گاندھی جی سرگباش ہی نہ ہوجائیں،اچھوت پونا میں، جہاں وہ برت رکھے ہوئے تھے،جمع ہوئے اور وہاں آپس میں افہام وتفہیم ہوگئی اور اس طرح اچھوتوں کا مسئلہ حل ہوگیا۔گاندھی جی اس معاملہ میں بڑے حساس تھے اس لئے ہمارے مابین کوئی مفاہمت نہ ہوسکی۔وہ ہمارے مطالبات کے خلاف نہیں تھے(کم ازکم وہ کہتے یہی تھے انہیں ان سے کوئی اختلاف نہیں اور وہ کانگریس کو ہمارے مطالبات تسلیم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش بھی کریں گے)،مگر مفاہمت محض اس لئے نہ ہوسکی کہ انہیں اچھوتوں کو علیحدہ نمائیندگی دینے اور ان کے لئے خاص انتظامات کرنا کسی صورت میں قبول نہیں تھا۔

(بحوالہ www.humsub.com.pk ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی،صفحہ 44 تا 49

(بحوالہ کاغذی پیرہن ناشر جے پرنٹرز لاہور 72 بیڈن روڈ لاہور اشاعت اوّل جنوری 2004ء)

حضرت چوہدری صاحب کا ادبی ذوق۔ایک ہشت پہلو شخصیت کا ایک گمنام پہلو

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ایک ہشت پہلو MULTIDIMENTIONAL شخصیت تھے۔قانون،تقریر،سفارت،سیاست وغیرہ تو ایسے پہلو ہیں جو دنیا پر پورے زور کے ساتھ عیاں ہوئے مگر ظفر چوہدری صاحب کی زندگی کا ایک پہلو ایسا بھی تھا جو آپ کی بے پناہ مصروف اور متحرک زندگی میں دب کر رہ گیا۔ یہ آپ کی زندگی کا ادبی پہلو ہے۔

حضرت چوہدری صاحب کی ادبی زندگی کا قدیم ترین سراغ ہندوستان میں ادب کے میدان میں ایک مشہور جریدے مخزن میں ملتا ہے اس میں آپ کی نثر پارے شائع ہوتے رہے جن میں کم ازکم ایک افسانہ بھی شامل ہے۔مکرم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب نے انگریزی ناول وائف آف مارٹن گیٹر کے ترجمہ بعنوان حقیقت یا فریب کے حلقے اول میں لکھا ہے:۔

''کچھ عرصہ ہوا میں ایک تحقیقی مضمون کے سلسلے میں رسالہ''مخزن'' کہ وہ شمارے گھنگال رہا تھا جو شیخ سر عبدالقادر مرحوم کے زیر ادارت شائع ہوئے۔اس ورق گردانی کے دوران کئی بار میری نظر اُصل مقصد سے ہٹ کر کہیں کہیں کسی مضمون پر تھک جاتی رہی اور میں اسے پڑھ ڈالتا رہا۔اسی طرح ایک افسانے پر بھی میری نظر کی جو اتنا دلچسپ اور ٹیکنیک کے لحاظ سے اتنا مکمل تھا کہ قلت کے باوجود میں اسے شروع سے اخیر تک بڑے شوق سے پڑھنے پر مجبور ہوگیا وہ بلند پایہ مضامین نثر اور افسانہ محترم ڈاکٹر چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے رشحات قلم کا نتیجہ تھے۔ممکن ہے اس زمانے میں محترم چوہدری صاحب نے کچھ اور مضامین اور افسانے بھی لکھے ہوں جن کا مجھے علم نہیں لیکن ان کے جو مضامین اور افسانہ میں نے رسالہ مخزن میں پڑھے ان کی غیر معمولی اٹھان،دلکش اسلوب بیان اور مغز مطالب کے پیش نظر میرا فوری تاثر یہ تھا کہ اگر محترم چودری صاحب اپنی تمام توجہ ادب کی تخلیق پر مرتکز رکھتے اور محض ایک ادیب بن کر زندگی بسر کرنا پسند کرتے تو آج دنیائے ادب میں بھی آپ کا وہی مقام ہوتا جو آپ کو عالمی سطح پر سیاست،عدالت،ثقافت میں میسر ہے اور ادب اردو کا دامن بھی اس کے موجودہ دامن سے وسیع تر ہوتا۔''(حقیقت یا فریب)

آپ کی معلوم زندگی میں آپ کے ادبی پہلو کا بھرپور اظہار اشعار کے بارے میں آپ کے اعلیٰ ترین ذوق سے ہوتا ہے۔اردو اور فارسی

کے بلامبالغہ ہزاروں اشعار آپ کو یاد تھے جن کو آپ موقع محل کے مطابق اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال فرماتے تھے۔خصوصا حافظ شیرازی اور مولانا رومی کے اشعار کے تو گویا آپ حافظ تھے۔ نامور ادیبوں سے آپ کی ملاقاتوں میں آپ کی جناب احسان دانش سے ملاقات (ملاحظہ فرمایئے اسی رسالے میں جناب ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب کا مضمون) اور جناب صوفی غلام مصطفی تبسم صاحب سے آپ کی ملاقات (ملاحظہ فرمایئے اسی رسالے میں جناب سید بابر علی صاحب کا انٹرویو) کا علم ہم ریکارڈ پر لا رہے ہیں تاہم یہ موضوع بھی تشنہ ہے۔حضرت چوہدری صاحب کی دو ادبی تحریریں ہم ذیل میں شائع کر رہے ہیں ایک آپ کی جناب ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب کی شاعری مجموعہ انقلاب نو کی رونمائی کے موقع پر کی گئی تقریر ہے اور دوسری" وائف آف مارٹن گیٹر" نامی انگریزی ناول کے اردو ترجمے کے پیش لفظ کے طور پر شائع ہونے والی تحریر ہے۔" انقلاب نو" کی رونمائی میں آپ نے جو تقریر کی وہ اپنی جگہ ایک ادب پارہ ہونے کے علاوہ یہ بھی بتاتی ہے کہ آپ کو کتنے زیادہ شعرا کے اشعار یاد تھے۔ یہ پہلو اپنی جگہ ایک حیرت کدہ ہے۔ہم یہ دونوں تحریری جناب ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب کے شکریے کے ساتھ ذیل میں درج کر رہے ہیں۔(ایڈیٹر)

جناب ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب کے مجموعہ کلام
''انقلاب نو'' کی رونمائی کے موقع پر حضرت چوہدری صاحب کا خطاب

میں قوم کا جاٹ، میرا پیشہ وکالت اور موجودہ منصب ججی ہے شاعری سے میرا کیا واسطہ ہے؟ آپ حیران ہوں گے اور میں خود بھی حیرت زدہ ہوں کہ اس ادبی محفل میں کیسے چلا آیا۔ بہر حال اب جب کہ میں یہاں آ گیا ہوں کچھ نہ کچھ ضرور کہوں گا۔

اس وقت ملک کے انقلابی شاعر عبدالرشید تبسم کا تازہ مجموعہ شاعری ''انقلاب نو'' میرے سامنے ہے۔اچھی شاعری کا ایک بڑا وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے پڑھتے وقت افکار و خیالات کی ایک تو چل نکلتی ہے۔اس سے جہاں مختلف شعرا کے ملتے جلتے مطالب والے اشعار انسان کے ذہن میں آتے ہیں وہاں ان اساتذہ فن کا تقابلی مطالعہ بھی ہو جاتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ فن شاعری میں کسی شاعر کا کیا مقام ہے۔ چنانچہ میں نے" انقلاب نو" کا مطالعہ کیا تو تبسم کے بعض اشعار پڑھتے وقت بعض دوسرے اساتذہ کے ایسے اشعار بھی مجھے یاد آ گئے جن کا مفہوم تبسم کے اشعار سے کچھ ملتا جلتا تھا۔مثلاً تبسم کا شعر ہے۔

کسی کی آمد کا سن کر چرچا یہ حال ہے میرا لب پہ جاں کا	سنبھل سنبھل کر نکل رہی ہے نکل نکل کر سنبھل رہی ہے

حافظ شیرازی نے کہا ہے۔

غزنی دیدار تو دار دجان پر لب آمدہ	باز گرد بیا برآمد جب چسیت فرمان شما؟

فارسی زبان کی اپنی شیرینی ہے۔ پھر حافظ کا دوسرا مصرع استفہامیہ ہے۔اس انداز استفہام نے شعر میں مزید دلکشی پیدا کر دی ہے۔تبسم کے شعر میں سکون ہے اور حرکت بھی۔اور حرکت کا انداز ڈرامائی ہے۔ یوں کہیے کہ تبسم کا یہ شعر ایک طرف پورا ڈرامہ ہے تو دوسری طرف مکمل

محاکات۔اس سے تبسم کی غیر معمولی چابکدستی واضح ہوتی ہیں۔اپنی مشکل پسندیدگی کے متعلق تبسم کہتا ہے۔

اگر ہوتلووں میں آبلے کچھ عجب ہے لکھتے برہنہ پائی	یہ ہیں بہرے نشاط ہم نے سفر میں خودخال زار پیدا

اسی مضمون پر غالب کے دوشعر ہیں۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں	جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر
کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب	ایک آبلہ پا وادی پرخار میں آئے

تصوف کی شاعری میں منصور کے حوالے سے ''دار'' کم ازکم بہت خصوصیات رکھتا ہے۔جلال الدین رومی کا ایک شعر ہے۔

سو بار مریں رہ میں تو آتا ہے درے یار	اس کوچے میں ہر گام پر اک دار گڑھی ہے

اور یہ کہ۔

جس میں نہ صلیب اور نہ ہی دار ہی کوئی	وہ کوچہ جاناں نہیں، ہیں راہ گزر اور

عاشق دونوں جہان لے کر بھی مطمئن نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا اصل مقصودنظر محبوب حقیقی ہوتا ہے۔تبسم نے یہ مضمون یوں باندھا ہے۔

وہ دے چکے دوجہان مجھ کو بڑا ہی مردے حریص ہوں میں	اب ان کو لینے کی آرزوکل مضطرب میں مچل رہی ہے

پھر تبسم نے یہی مطلب زیادہ واشگاف الفاظ میں ادا کیا ہے۔

یہی رضا ہے تو دنیا کی دولتیں بھی سہی	وگرنہ تم ہو فقط میرا مدعائے نظر

غالب۔

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا	یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

میرے آقا ومرشد کا ایک شعر ہے۔

عاشقان روئے خود را ہر دو عالم میں وہی	ہر دو عالم ہیچ پیش دیداہ غلمان تو

تبسم نے اپنے ایک شعر میں ایک سوال کیا ہے۔

بن کہے ہی میری ہرایک بات ہے جب اس پہ عیاں	اس سے میں حرف وحکایات کروں یا نہ کروں؟

حافظ بھی اسی مخمصے سے میں رہا۔

خداوند کے حافظ را غرض نیست	علم اللہ حسبی من سوالی

اس سوال کا جواب قرآن پاک نے دیا ہے:

وقال ربکم ادعونی استجب لکم (سورہ المومن آیت 61)''اورتمہارا رب کہتا ہے مجھ کو پکارو میں تمہاری دعا سنوں گا۔''

بس یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالی سے مانگا جائے سے اللہ تعالی اورانسان کے درمیان محبت بڑھتی ہے۔

تبسم نے دور حاضر کے صورتحال کی متعلق کہا ہے۔

خوداہل دانش نے کرلئے ہیں جہاں کے بربادیوں کے ساماں	خدا کو حاجت نہیں کہ بھیجے وہ آسمان سے عذاب کوئی

اس شعر سے مجھے یاد آیا کہ اللہ تعالی کو واقعی کسی شئے کی حاجت نہیں ہوتی۔اگر وہ تباہی لانا چاہے اسے یہ بھی ضرورت نہیں کہ اس کام کے لئے فرشتوں کی فوجی بھیجے۔ہوا کا صرف ایک جھونکا آیا اور قوم کی قوم تباہ ہوگئی۔(سورہ الاحقاف آیت 25)

تبسم کا ایک اور شعر ہے۔

بجلی گری چمن کے مگر اس طرح ندیم!	شمشاد دو سر بچ رہے خاشاک جل گیا

اللہ تعالی قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ ہم نے مومنوں کو بچا لینے کا ذمہ لے رکھا ہے۔(سورہ یونس آیت 104)

خاص بندوں سے اللہ تعالی کا معاملہ خاص ہوتا ہے۔

تبسم۔

ساری دنیا تھی خفا مجھ سے بندہ مجبور سے	ساری دنیا سے خفا ہے اب خدا میرے لئے

محمد علی جوہر۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے	یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

تبسم نے سفرِ زندگی میں عقل کے بجائے جنون کو اپنا رہنما بنایا ہے عقل کی نظر محدود ہوتی ہے۔وہ بعض حدود سے آگے نہیں جاسکتی۔ان حدود سے آگے صرف جنون ہی رہنمائی کرتا ہے۔تبسم کہتا ہے اور صحیح کہتا ہے۔

میں رہ کے دانشوروں کی صحبت میں بات اتنی سمجھ سکا ہوں	جنوں کی ہی کچھ مقامات ایسے خرد جن کو خبر نہیں ہے

فلسفہ عقل کی پیداوار ہے وہ منزل مقصود تک رہنمائی نہیں کرسکتا۔

میرے آقا و مرشد کا ارشاد ہے۔

اے سرو جان ودل بحر زرہ اما قربان تو	بر دلم بکشاز رحمت ہر در عرفان تو
فلسفی کز عقل میں جوئد ترا دیوانہ ہست	دورتر ہست از خرد ہا آں رہ پہچان تو

اقبال نے جنوں ہی کو اپنا رہنما بنایا۔اس نے جنوں کی مدد سے منزل کو پانا چاہی۔وہ جنوں کی وسعت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

درد شدت جنونی من جبریل زبوں صیدے	یزواں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ!

تبسم۔

دے کے دستک مرے دروازے پر بولا یہ جنوں	تم کہو گل تو بدل دوں میں جہاں کا انداز

جنوں ہی کے متعلق تبسم کا ایک اور شعر سنئے۔

ہوا ہے یوں بھی مرے جنوں کی رضا وہ خود پوچھنے کو آئے	ہوا ہے محسوس مجھ کو اکثر کے میری مرضی اٹل رہی ہے

اقبال۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے	خدا بندے سے یہ پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اقبال کے ہاں انتظار ہے کہ خدا بندے سے پوچھے۔تبسم کے یہاں انتظار نہیں بلکہ بندے کی رضا کی تکمیل ہو چکی۔تبسم کے مطلب اور اقبال کے مفہوم میں بہت لطیف فرق ہے۔

تبسم کا ایک اور شعر اپنے اندر بڑے وسیع معنی رکھتا ہے یہ جنون کا ایک رخ ہے۔

ایک نئے صحرا میں ہر شب تیرے دیوانے ملے	ہر سحر ان کے لئے تیار زنجیریں ہوئیں

ایک ایسا جنون بھی ہے خرد کو جنم دیتا ہے۔

تانہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم	اے جنون! گرد تو گردم کہ چہ احسان کردی

تبسم کا کہنا ہے۔

بن گئی ان سے تبسم !عشق کی ایک داستان　　تیری رسوائی کا باعث میری ہوئیں

غالب۔

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ　　شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

بعض دفعہ شاعر اپنے شعر میں ایک ایسی حقیقت بیان کر جاتا ہے جو عمومی نوعیت کی ہوتی ہے اور دوسروں پر اس کا اطلاق زیادہ ہوتا ہے۔تبسم کا یہ شعر بھی ایسا ہی ہے۔حال ہی میں بعض لوگوں نے کتنے بڑے بڑے دعوے کئے تھے۔ہم یہ کہتے ہیں گے ہم وہ کر دیں گے۔ہمارا اثر رسوخ اتنا ہے۔ہماری مقبولیت کی کوئی حد نہیں۔انہوں نے اخبارات میں کئی کئی کالموں پر مشتمل بیانات شائع کرائے جن میں ان دعاوی کو بار بار دہرایا گیا۔یہ بیانات ان کی روزمرہ کی سرگرمیاں بن کر رہ گئے تھے۔پھر 8 دسمبر کو میں نے ایک اخبار میں لکھا دیکھا کہ سارے بڑے بڑے برج الٹ گئے اور بلند بانگ دعوی کو بار بار دہرانے والوں کی پوزیشن تہس نہس ہو کر رہ گئی معلوم ہوا کہ انسان کو ایسے بڑے بڑے دعوے نہیں کرنے چاہیے جو آخر رسوائی کا باعث بنے اور ان سے دردوغم کی داستان مرتب ہوں۔

اس وقت تک میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں میں نے تبسم کے بعض ایسے اشعار کی نشاندہی کی ہے جن کے مطالب سے ملتے جلتے اشعار دوسرے اساتذہ رومی،اقبال اور غالب وغیرہ کے یہاں بھی ملتے ہیں۔آپ اسے میرا تقابلی مطالعہ کہہ سکتے ہیں۔

تبسم کے بعض دوسرے اشعار بھی مجھے بہت پسند آئے ہیں۔یہاں جہاں ایک بہت بڑے عالم گیر انقلاب کی نشاندہی کرتے ہیں وہ حالیہ ملکی صورتحال کے کامیاب عکاس بھی ہیں۔اس لحاظ سے تبسم کے انقلابی کلام کے دو بطن ہوئے۔کتاب ''انقلاب نو'' حالیہ واقعات کے رونما ہونے سے خاصہ عرصہ پہلے چھپ چکی تھی۔گویا رونما ہونے سے پہلے یہ واقعات شاعر کے دل پر منقش ہوئے۔

اڑ رہے ہیں ریزہ ریزہ ہو کے کچھ کوہ گراں	کس طرح آخر دگر گوں ان کی تقدیریں ہوئیں
کس قدر نازک ہے یا رب حشر کا یہ مرحلہ	روبرو ہر شخص کے خود اس کی تصویریں ہوئیں
میں دیکھتا ہوں کہ راہگزاروں پہ رقص کرتے ہیں کچھ بگولے	وہ پاؤں اپنے جما سکیں جس سے، ایسا کوئی ہنر نہیں ہے

سروس سے کچھ تاج گر رہے ہیں الٹ رہے ہیں سریر شاہی	وہ دیکھ اک زلزلہ سا آیا، سنبھل سنبھل قصر خسروانہ
ایک تازہ ان کے لاگ آخر بپا ہو کر رہا	جس سے ڈرتا تھا جہاں وہ ماجرا ہو کر رہا
ہر شکاری خود پھنسا بیٹھا ہے اپنے جال میں	آہوؤ! دیکھو تمھارے بن میں کیا ہو کر رہا

میں اپنی تقریر کو تبسم کے ان دواشعار پر ختم کرتا ہوں یہ اشعار کسی تشریح وتعریف سے مستغنی ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کے آسمان پر نئے ستارے ابھر رہے ہیں کیا ہے اپنی جبیں کے افشاں کا اس نے پھر انتخاب کوئی

یہ شرط ہے رات کے اندھیروں سے اک نیا آفتاب ابھرے فقط ستاروں کا ڈوب جانا ہی کچھ دلیل سحر نہیں ہے

میں سمجھتا ہوں "انقلاب نو" دنیا کے شعری ادب میں ایک منفرد اضافہ ہے۔

(ماہنامہ کتاب جولائی، اگست 1971ء)

''وائف آف مارٹن گیئر'' ترجمہ حقیقت یا فریب کا پیش لفظ

(چوہدری محمد ظفراللہ خان پریذیڈنٹ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس۔ ہیگ)

ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ بعض دفعہ ایک حقیقی واقعات فسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ اگر یہ ضرب المثل صحیح ہے تو جو واقعہ اس کتاب ''حقیقت یا فریب'' میں بیان کیا گیا ہے اس پر سو فیصد صادق آتی ہے اس لئے کہ دراصل یہ ایک واقعہ ہے طبعزاد افسانہ یا ناول نہیں۔

وہ واقعہ یہ ہے کے سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں فرانس کی ایک ہی بستی کے دو زمیندار گھرانوں کی بعض معاشرتی اور معاشی مصلحتوں نے انہیں ایک دوسرے کا زیادہ قرب حاصل کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ ان مخصوص حالات میں اس کی بہترین صورت یہ سمجھیں گی کہ ان میں سے ایک گھرانے کی لڑکی دوسرے گھرانے کے لڑکے سے بیاہ دی جائے۔ اس وقت لڑکی اور لڑکا دونوں صغرسن تھے مگر ان کی شادی کی رسم ادا کر دی گئی۔ اس رسم کے بعد ان کی صغرسنی کا زمانہ اچھا گزر گیا اور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تاہم جب ان کی زندگی کا وہ حصہ شروع ہوا جس میں جذبات کی شدت اختیار کرتے ہیں اور بھر پور جوانی انگڑائی لیتی ہے تو ایک خاص صورت حال میں مواخذہ سے بچنے کے لئے لڑکا اپنے باپ کے سخت ضابطہ زندگی سے گھبرا کر ایک دن گھر سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد واقعات نے عجیب صورت اختیار کی اور وہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے گئے۔ فرار کے دس گیارہ سال بعد آخر یہ معاملہ ایک غیر معمولی زاویے سے مقدمے کی صورت میں عدالت کے سپرد ہوا۔ عدالت نے ڈیڑھ سو گواہوں کی شہادت سن کر مقدمے کا فیصلہ کر دیا۔ اس فیصلے کے خلاف عدالت عالمی، جسے ہم آج کی زبان میں ہائیکورٹ کہہ سکتے ہیں اپیل دائر کی گئی۔ عدالت عالیہ نے تمام پرانے گواہوں کی شہادتیں از سر نو سنیں اور پچاس نئے گواہ طلب کئے۔ جب بڑے غور وخوض کے بعد عدالت اپنا فیصلہ کرنے کو تھی تو وہ فیصلہ بے معنی ہو کر رہ گیا۔

یہ واقعہ فرانس میں رونما ہوا۔ فرانسیسی میں مقدمہ چلا اور فرانسیسی زبان ہی میں اس مقدمے کا فیصلہ لکھا گیا مگر چند سال ہوئے شہرہ آفاق

امریکی مصنفہ کینٹ لیویس اس واقعہ کے تمام اجزاء اور مقدمے کی کارروائی کے سارے نقاد کو برقرار رکھتے ہوئے ''دی وائس آف مارٹن گیئر'' کے نام سے ایک انگریزی ناول مرتب کر کے شائع کرادیا جس کی تلخیص مشہور ریڈرز ڈائجسٹ کی فرانسیسی ملخصات میں شائع ہو چکی ہے۔اس واقعے کے ابتدائی اجزاء اور مقدمے کی کارروائی کے نکات محض ایک مواد کی حیثیت رکھتے تھے۔فاضل امریکی مصنفہ نے کرداروں کو اجاگر کیا۔واقعات کو ترتیب دیا اور تسلسل بخشا۔ساتھ ہی اسے فضا مہیا کی اور ناول کی زبان کا لباس پہنایا۔اس سے جہاں انسانی زندگی کا ایک گوشہ خاص بے نقاب ہوا وہاں فطرت انسانی کی کمزوریاں اور اُس کی خوبیاں بھی سامنے آ گئی۔مختصر یہ کہ جینٹس لیویس نے اس مواد کو بڑی چابکدستی سے ناول کی تکنیک میں ڈھال دیا۔میرے نزدیک یہ ناول کی لحاظ سے بہت دلچسپ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ عام قارئین کو دلچسپی کا سامان مہیا کرنے کے علاوہ ہمارے اردو کے ناول نگاروں کے لئے بھی خیال انگیز ہوسکتا ہے۔تمام بنی نوع انسان کی فطرت یکساں ہے، جذبات یکساں ہیں، اس سے عناصر قدرت کا سلوک یکساں ہے۔یہی وجہ ہے کہ بنی نوع انسان کے بیسویں قسم کے مسائل ہر جگہ وہی ہیں پھر جذبات سے تعلق رکھنے والے مسائل تو بالخصوص تمام انسانوں میں مشترک ہیں۔غم،خوشی، محبت،نفرت،رحم غصہ کے جذبات ہر انسان میں موجود ہیں ان جذبات میں سے کوئی نہ کوئی جذبہ بعض اوقات ہر انسان کیلئے ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔مارٹن گیئر کی بیوی برتراندوی رول کے ساتھ بھی یہی ہوا۔اسے اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تھی۔اب ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا بلند جذبہ ہے مگر خود مارٹن کی کج خیالی کی وجہ سے نظرانداز کیا یہ بلند جذبہ ہی انجام کار اس کی بربادی کا سامان بن گیا۔حقیقت یہ ہے کہ مارٹن گیئر اور برتراندوی رول کا واقعہ اپنے اندر کی سبق رکھتا ہے۔مارٹن گیپٹل ڈیرہ انداز فکر رکھنے والے کئی لوگ ہمارے معاشرے میں بھی موجود ہیں ہمارے یہاں کی عورتیں بعض دوسرے نبیوں سے بدنصیب برتراند کی ہم قسمت ہیں۔مجھے اردو زبان سے طبعا محبت ہے اس لئے قدرتی بات ہے کہ جو غیر ملکی زبانیں میں جانتا ہوں ان میں کوئی زیادہ اچھی کتاب میرے مطالعہ میں آئے تو میرا دل چاہتا ہے وہ اردو میں منتقل ہوجائے تاکہ ایک طرف جو اردو دان لوگ اس غیر ملکی زبان سے ناواقف ہوں وہ اس سے مستفید ہوسکیں اور دوسری طرف اس سے اردو ادب میں اضافہ ہو چنانچہ میں نے انگریزی ناول دی وائس آف مارٹن گیئر'' پڑھا تو مجھے بہت پسند آیا۔اس پر میری خواہش ہوئی کہ میں کسی ایسے ادیب کو اس کا ترجمہ اردو میں کرنے کی تحریک کروں جو نہ صرف اردو، انگریزی پر کامل عبور رکھتا ہو بلکہ خود بھی ایک اچھا افسانہ نگار ہو۔اس سلسلے میں بعض ادباء کے نام بھی میرے ذہن میں آئے۔مجھے خوشی ہے کہ میری تحریک پر محترم عبدالرشید تبسم نے اس انگریزی ناول کا ترجمہ اردو میں کردیا۔تبسم صاحب ایک بلند پایہ شاعر، کامیاب مترجم اور بہترین افسانہ نگار ہیں۔آپ کے طبعزاد افسانوں کا ایک مجموعہ ''دوست اور دشمن'' کے نام سے چھپ کر قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکا ہے۔میں نے یہ ترجمہ شروع سے لے کر آخر تک توجہ سے پڑھا ہے اور بعض مقامات پر اس لفظ انگریزی متن اور ترجمہ کا مقابلہ بھی کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تبسم صاحب نے اس ترجمہ پر بڑی محنت کی ہے اور وہ اپنے ترجمے میں اصل متن کا زور اور گرفت برقرار رکھنے میں قابل ستائش حد تک کامیاب رہے ہیں۔اس پر میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔مجھے یقین ہے کہ اردو دان حضرات اس کتاب کی قدر کریں گے اور اسے بڑے شوق سے پڑھیں گے۔(حقیقت یا فریب صفحہ 6 تا 8)

حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے چند خطوط

دوستوں،عزیزوں اوراورآپ سے محبت کرنے والوں کے نام

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ نے خطوط کے جواب بہت پابندی سے اور جلد تر دیا کرتے تھے۔اُردو میں لکھے گئے بے شمار خطوط آپ نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائے جب کہ انگریزی کے بیشتر خطوط ٹائپ ہوتے تھے۔یہ خطوط حضرت چوہدری صاحب کی انمول یادوں کا ایک گراں قدر سرمایہ ہیں۔اس عظیم خزانے میں سے بعض خطوط میں سے اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش خدمت ہے۔ (ایڈیٹر انصاراللہ ربوہ)

جناب سید محمد شاہ کے نام (انگریزی سے ترجمہ) دی ری ٹریٹ شملہ 8 جولائی 1941ء ممبر آف کونسل سپلائی میرے پیارے محمد شاہ

آپ کے 4 تاریخ کے لکھے گئے خط اور نیک جذبات کا بہت بہت شکریہ۔اگرچہ ہوگا وہی جو ہز ایکسی لینسی (مراد وائسرائے ہند۔ناقل)، چاہیں گے تاہم میں یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ یہ معاملہ صرف اور صرف میرے لئے ذاتی طور پر بڑی شکرگزاری کا موجب نہیں ہے۔اس وقت میرا پروگرام بڑا غیر یقینی ہے کیونکہ مجھے ابھی تک یہ معین طور پر نہیں بتایا گیا کہ میں اپنی موجودہ ذمہ داریوں کا چارج کب دوں گا۔میرے اِس جگہ کو چھوڑنے اور دوسری قانونی ذمہ داریوں کوسنبھالنے کے عرصے میں یقیناً ایک موزوں وقفہ ضرور ہوگا۔مجھے امید ہے کہ آئندہ ماہ میں کسی وقت لاہور سے گزروں گا اور شاید یہ ممکن ہو سکے کہ میں آپ سے مل سکوں۔تاہم اگر یہ نہ ہو سکا تو یقیناً آپ کے لئے یہ بات مشکل نہ ہوگی کہ میری نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد کسی دن آپ دہلی تشریف لے آئیں۔نیک تمناؤں کے ساتھ۔

آپ کا مخلص (دستخط) ظفراللہ خان

خان صاحب سید محمد شاہ منا ایڈووکیٹ پاکپتن (ضلع منٹگمری)

نوٹ: مندرجہ بالا خط ہمیں سید محمد شاہ صاحب کے صاحبزادے جناب سید افضل حیدر صاحب ایڈووکیٹ نے عطا فرمایا ہے اور یہ ان دنوں کا ہے جبکہ حضرت چوہدری صاحب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن کا عہدہ چھوڑ کر فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج کا عہدہ سنبھالنے والے تھے۔

نوٹ: ذیل کا خط حضرت چوہدری صاحب نے جناب سید محمد شاہ صاحب کو انگریزی میں تحریر فرمایا۔اس خط کی فراہمی کے لئے ہم جناب افضل حیدر کے ممنون ہیں۔اس میں جناب پھر اس بخاری صاحب کے بارے میں جس مضمون کا ذکر ہے وہ بھی جناب افضل حیدر صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ترجمہ پیش ہے۔یہ خط ٹائپ میں نہیں تھا بلکہ حضرت چوہدری صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔بسم اللہ اور السّلام علیکم کے الفاظ عربی میں لکھے گئے ہیں۔(ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم عالمی عدالت انصاف ہیگ میرے پیارے محمد شاہ **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

لاہور کے ایک اُردو رسالے نے مجھے کہا ہے کہ مَیں ان کیلئے اے۔ایس بخاری کے بارے میں ایک تحریر لکھوں۔مَیں اس کی ایک کاپی اس خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔شاید آپ کو اس سے دلچسپی ہو۔مجھے امید ہے کہ آپ کی صحت اچھی ہوگی اور آپ اپنا خیال رکھتے ہوں گے نہیں نے

چنددن قبل ایک پریشان کن خواب دیکھا ہے جس کا آپ سے بھی تعلق ہوسکتا ہے۔اگرچہ مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوں گا۔نیک تمناؤں کے ساتھ۔

آپ کا مخلص (دستخط) ظفراللہ خان

نوٹ: جناب افضل حیدر صاحب نے بتایا کہ اس خط کے جواب میں اُن کے والد محترم نے حضرت چوہدری صاحب کو لکھا کہ تھوڑا عرصہ قبل اُن کو دل کی تکلیف ہوئی تھی۔

جناب عباس حیدر کے نام۔نوٹ: ذیل کا خط حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے اپنے دوست سید محمد شاہ صاحب ایڈوکیٹ کے بڑے صاحبزارے سید عباس حیدر کے نام لکھا۔ان دنوں حضرت چوہدری صاحب فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج کے عہدے سے مستعفیٰ ہوکر والئی بھوپال نواب حمیداللہ خاں کے آئینی مشیر کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔یہ خط ہمیں جناب افضل حیدر صاحب نے فراہم کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 2 ستمبر 1947ء حمید منزل۔بھوپال پیارے عباس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ 3 اگست کا لکھا ہوا مجھے، 17 اگست کو ملا تھا کیونکہ میں 4 اگست سے لے کر 17 اگست تک سفر میں تھا اور میری ڈاک میری غیر حاضری میں یہیں جمع ہوتی رہی۔اُسی دن میں نے آپ کی خدمت میں جواب لکھ دیا تھا (انگریزی میں) جو امید ہے آپ کو مل چکا ہوگا۔آج آپ کا محبت نامہ 19 اگست کا لکھا ہوا ملا کیلئے ہے جو آج ہی کی ڈاک میں آیا ہے۔اتنا عرصہ تو لاہور کی طرف سے ڈاک بھی بند رہی ہے کل سے آنی شروع ہوئی ہے لیکن سب خط شاید آپ کو اس دیر کے لکھے ہوئے ہیں عموماً 20 / 19 اگست کے۔آپ کی خیریت معلوم کر کے اطمینان ہوا۔ جن حالات میں سے لاہور گزر رہا ہے اُن میں آپ پڑھائی کی طرف تو بہت کم توجہ کر سکے ہوں گے۔گو اگر انسان اپنی طبیعت کی تربیت پوری طرح کرلے تو پریشانی میں بھی توجہ کے ساتھ کام کر سکتا ہے۔جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے مثل گوہر دار تہہِ دریا نشستن میتوان

بونڈری کمیشن کے فیصلہ سے بے شک مجھے بہت صدمہ ہوا خصوصاً اس وجہ سے کہ قادیان مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی تبلیغ کے رستہ میں بہت سی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔لیکن اس میں ضرور اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے جو اس وقت ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔اور اپنے وقت پر ظاہر ہوگی۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنے فرائض کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور دین کی خدمت میں کسی قسم کی سستی نہ کریں اور پہلے سے بڑھ کر قربانیوں پر آمادہ ہو جائیں اور آپ لوگوں کو بھی جو ابھی زندگی کے آغاز میں ہیں یہ تہیہ کر لینا چاہیئے کہ آپ دین کی خدمت کو باقی سب باتوں پر ترجیح دیں گے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی اور سستی نہیں کریں گے تا کہ جو غفلت اور کوتاہی پچھلی چند صدیوں میں ہمارے بزرگوں سے صادر ہوتی رہی اُس کا ازالہ ہو کر اسلام کا قدم پھر ترقی کے زینہ پر پختہ ہو جائے مسلمانوں کے لئے اس کے سوائے اور کوئی ذریعہ ترقی کا بلکہ اپنی ہستی کو قائم رکھنے کا نہیں ہے۔ مجھے بہت سا وقت سفر میں رہنا پڑتا ہے کل پھر دہلی اور وہاں سے پرسوں کراچی جا رہا ہوں ابھی آئندہ پروگرام کا علم نہیں۔ یہاں موسم بہت خوشگوار ہے برسات کا سماں بھی بہت بھلا ہوتا ہے اور جب موسم کھل جاتا ہے تو اس وقت کی بہار بھی بہت دل لبھانے والی ہوتی ہے لیکن مجھے تو یہاں زیادہ ٹھہرنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے اگر سردیوں میں کبھی موقع ہو تو آپ ضرور یہاں آئیں۔ہم سب یہاں بفضل اللہ بخیریت ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔آمین

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

جنابِ افضل حیدر کے نام۔ذیل کا خط حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے اپنے عزیز دوست سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کی وفات پر ان کے صاحبزادے جناب سید افضل حیدر کی اظہارِتعزیت کے لئے لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لندن 24 مئی 1967ء عزیزم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی آپ کا غم نامہ ہیگ سے ہوکر مجھے یہاں ملا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہت ہی پیارا وجود تھا۔جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہم سے جُدا ہو گیا۔اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل سے اسے اپنی رحمت کے آغوش میں جگہ دے۔آمین۔میری طرف سے اپنی والدہ محترمہ،اپنے بھائیوں،چچوں اور دیگر افراد خاندان کی خدمت میں مخلصانہ ہمدردی کا پیغام گذارش کردیں۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے آپ سب کو اور ہمیں اس عارضی مفارقت پر صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔دعا ہے کہ وہ ارحم الراحمین خود آپ سب کا مونس وغم خوار اور وارث وکفیل ہو اور ہر پریشانی سے محفوظ رکھے اور ہر مرحلے پر ناصر ہو۔آمین۔سید محمد شاہ ہم سے سبقت لے گئے لیکن ہم سب بھی اپنے اپنے وقت پر ان کے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔مجھے تو ہرگز توقع نہیں تھی کہ وہ آگے نکل جائیں گے لیکن یہ جدائی عارضی ہے اور میرے لئے تو نہایت مختصر ہے پھر بھی اِس وقت دل پر مفارقت کا اثر غالب ہے۔دل اور دل کے جذبات بھی اسی کے عطا کردہ ہیں جس نے موت وحیات کا سلسلہ اپنی کامل حکمت کے ماتحت جاری فرمایا ہے۔اس کی حکمت اور اس کی رضا کو قبول کرنا اور اُس کے آگے سرِتسلیم خم کرنا ہی سلامتی کا راستہ ہے۔غفر اللہ لہ ورحمہ

دل بدرد آید و ہجر این چنیں یکرنگ دوست لیک خوشنودیم بر فعل خداوند کریم

میں ایک ہفتہ ہوا ہیگ سے یہاں آ گیا تھا بقیہ موسم گرما کا اکثر حصہ انگلستان میں گزرے گا۔پتہ یہی مناسب ہوگا جو دوسری طرف درج ہے۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس دی ہیگ 8 اپریل 1970ء میرے پیارے افضل، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

براہ کرم میری طرف سے اپنے خط محررہ 2 اپریل کے بارے میں مخلصانہ شکریہ قبول کریں جس میں آپ نے میرے انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا صدر منتخب ہونے پر نیک تمناؤں کا اظہار کیا ہے۔مَیں آپ کے جذبات کی گہری قدر کرتا ہوں۔مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپ نے کامیابی سے حج کرلیا ہے۔میری دعا ہے کہ ربِّ کعبہ اسے پوری طرح سے قبول فرمائے۔ براہ کرم اپنے خاندان کے تمام افراد کو میری طرف سے مخلصانہ جذبات پہنچا دیں۔

آپ کا مخلص ظفراللہ

(انگریزی سے ترجمہ) جناب ایس ایم ظفر کے نام

ذیل کے خط میں حضرت چوہدری صاحب نے اپنی جس طویل گفت گو کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے کہ جناب ہیں۔ایم۔ظفر اقوام متحدہ میں کشمیر کا کیس پیش کرنے گئے تھے۔حضرت چوہدری صاحب نے جناب ظفر کو بڑی تفصیل سے اس کیس کے بارے میں بتایا۔حضرت چوہدری صاحب کا بیان اتنا طویل اور مسلسل اور اکمل تھا کہ جناب ایس ایم ظفر کو کچھ بولنے کی ضرورت نہ پڑی خط میں اسی ملاقات کا ذکر ہے۔یہ خط انگریزی میں لکھا گیا ہے ترجمہ پیش خدمت ہے۔(ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم پاکستان مشن ٹو دی یونائیٹڈ نیشنز پاکستان ہاؤس

8ایسٹ۔6577سٹریٹ نیو یارک N.Y.21-23 ستمبر 1965ء

پیارے ظفر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے امید ہے کہ واپسی پر تمہارا سفر آرام سے گزرا ہوگا۔ مجھے احساس ہے کہ میں انتہائی طور پر خودغرض ثابت ہوا تھا کیونکہ سارا وقت میں نے اپنی اجارہ داری قائم رکھی تھی لیکن دراصل بات یہ ہے کہ اس کیس میں اتنا کچھ کہے جانے کی گنجائش ہے اور کچھ کہنے کے لئے اتنا کم وقت میسر تھا اس لئے ابھی بہت سی باتیں جو کہنی چاہیے تھیں۔ مَیں نے آپ کی اندازہ لگانے کی صلاحیت پر چھوڑ دیں اور یہی میرے جھاگ اڑاتی آبشار کی طرح محض طاقت بیانی مظاہرہ کا مقصد تھا۔

مَیں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں اور یہاں تک کہتا ہوں کہ اس کی شدت کو کم کرنے کا بھی خواہاں نہیں ہوں سوائے اسکے کہ

دانم کہ ادب بضبط راز است در پردہ خامشی نیاز است

الا چہ کنم کہ مئے تولی تنداست بروں فتر زمینا

اللہ کی رحمتوں اور دعاؤں کے ساتھ انتہائی مخلص

(دستخط) ظفر اللہ خاں

جناب اسعد کے نام۔ایک صاحب نے حضرت چوہدری صاحب سے انسان کے مقصد پیدائش اور اس کے حصول کے ذریعے کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے خط لکھا۔حضرت چوہدری صاحب نے اس کو جو جواب دیا وہ حکمت ومعرفت کا ایک زرّیں باب ہے۔اس خط کی فوٹوسٹیٹ پر مقام درج نہیں اور تاریخ بھی کسی حد تک اندازے سے پڑھی گئی ہے۔اس خط کی فراہمی کے لئے ہم محترم ائر مارشل (ریٹائرڈ) ظفر چوہدری صاحب کے ممنونِ احسان ہیں۔(ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم جولائی 1981ء پیارے اسعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ 14، جولائی کا لکھا ہوا ملا۔**جزاکم اللہ**۔آپ نے جو سوال لکھا ہے اس کے جواب میں جو فہم اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کا اظہار انگریزی کے مقابلے پر اردو میں نسبتاً آسان ہے اس لئے خلاف معمول اُردو میں جواب لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔آمین۔اگر آپ کو کوئی مشکل کا پیش آئے تو شیخ صاحب سے مدد لے لیں۔

جہاں تک آپ کے الفاظ سے مَیں سمجھ سکا ہوں میرا اندازہ ہے کہ آپ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** (51-57) کے مفہوم کی وضاحت چاہتے ہیں۔اس آیت کے لفظی معنے تو یہ ہیں۔''میں نے چھوٹے اور بڑے سب انسانوں کو اس لئے اس پیدا کیا ہے کہ وہ میری پرستش کریں، لیکن''**یعبدون** کے مفہوم کے سمجھنے میں کچھ آسانی ہوجاتی ہے اگر ہم اس کے یوں معنی کریں کہ وہ میرے سے عبد بنیں۔یعنی میری صفات کا عکس بنیں۔''

لیکن **لیعبدون** کا جو مفہوم بھی لیا جائے''میری عبادت ہی کریں''''میرے عبد بنیں''''میری صفات کا عکس بنیں۔''اس مفہوم کے حاصل کرنے کا کیا طریق اختیار کیا جائے۔قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اپنے عباد(**عباد الرحمن۔ مومنون۔ محسنون**) کی صفات بیان فرمائی ہیں۔مثلاً 24:17 تا 40۔23:2 تا 12۔25:62 تا 78، ان کا مطالعہ کریں غور کریں۔عمل کریں۔اس تمام جدوجہد میں ایک زرّین اصول اگر ہر وقت بطور بار

کسوٹی کے مدنظر رہے تو عملاً حصولِ مقصد میں بہت ممد ہوسکتا ہے اور وہ اصول بھی دراصل لیعبدون ہی کی تفسیر ہے۔وہ اصول یہ ہے کہ ہر بات میں بڑی سے بڑی ہو یا چھوٹی سے چھوٹی مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو۔مثلاً اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی توجہ محنت، دیانتداری، تندھی سے کی جائے نہ اس لئے کہ افسران بالا خوش ہوں۔ترقی سے تنخواہ بڑھے بلکہ خالصتاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک ہو نہ اس لئے کہ بیوی خوش ہو محبت بڑھے گھر کا ماحول خوشگوار ہو بلکہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو۔اسی طرح اولاد کی تربیت، دوستوں کے حقوق کی ادائیگی، مہمان نوازی، خوش خلقی، سب نیکیاں ہیں لیکن اگر ان سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو تو یہ سب نہایت اعلیٰ درجے کی نیکیاں بن جاتی ہیں اور آڑے وقت میں اور آزمائش کے مواقع پر انسان کو تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر قائم رکھنے میں ممد ہوتی ہیں جس شخص کا مقصد بیوی کے ساتھ حسن سلوک میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہوگا وہ بیوی کو خوش کرنے کے لئے رشوت نہیں لے گا تا کہ بیوی کو اس کے حسب پسند قیمتی تحفہ پیش کر سکے۔یہ اصل تقویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا یقینی ذریعہ ہے۔ہر بات چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدا تعالے کی خوشنودی کی خاطر ہو۔شیطان کا حملہ مومن پر اس رنگ میں بھی ہوتا ہے کہ وہ کے مومن کو چھوٹی نیکی کی رغبت دلا کر بڑی نیکی سے محروم کر دیتا ہے۔اس پہلو سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ الا لیعبدون کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔عبادت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کو ہر بات پر ترجیح دو۔دین کو دُنیا پر مقدّم کرنے سے بھی یہی مراد ہے لا الہ الا اللہ کا بھی یہی مطلب ہے۔اللہ اکبر کا بھی یہی مفہوم ہے۔اسلام کا یہی خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

جب کسی بات کا فیصلہ کرنا ہو کہ یوں کریں یا یوں کریں تو معیار یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ان میں سے کونسی بات ہوگی۔پھر اس پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں اور قائم رہنے کے لئے دعا کرتے رہیں۔یہ ہے استقامت جس کے متعلق کہا گیا ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔31:41-36 کا بار بار اور غور سے مطالعہ کریں۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور ہر لحظہ حافظ و ناصر ہو۔آمین

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کے نام۔محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کو حضرت چوہدری صاحب سے ایک لمبا تعلق رہا ہے اور آپ کے پاس حضرت چوہدری صاحب کے نادر خطوط کا ایک قیمتی ذخیرہ موجود ہے اس میں سے بعض خطوط کے اقتباسات بغرض اشاعت ماہنامہ ''انصاراللہ'' کو دینے کے لئے ہم محترم مولانا کے ممنون ہیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔(ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہیگ 27 جون 1958 مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۔۔۔۔آپ ازراہ نوازش صاحبزادہ صاحب (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مراد ہیں۔ناقل) کی خدمت میں حاضر ہو کر خاکسار کی طرف سے عیادت کریں اور خاکسار کو ان کی صحت کے متعلق اطلاع بخشیں۔ممنون ہوں گا۔اور یہ خواب بھی ان کی خدمت میں گذارش کر دیں۔کل صبح فجر کی نماز کے بعد خواب میں دیکھا کہ مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہوں ان کے ہاتھ میں ایک مسودہ ہے۔مجھے احساس ہوا کہ یہ خاکسار کی تقریر کا مسودہ ہے جو شکاگو کانگریس کے لئے تیار کی ہے۔صاحبزادہ صاحب نے کچھ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا ''سیکیورٹی کونسل (مجلس امن) کا کیا فرض ہے؟'' میں نے گذارش کی'' دنیا کے امن کا قیام'' اور ساتھ ہی احساس ہوا کہ صاحبزادہ صاحب کی طرف سے گویا اشارہ ہے کہ تقریر میں یہ مضمون بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔بیداری ہونے پر اس احساس سے بے چینی ہوئی کہ تقریر کے مسودہ میں کچھ فروگذاشت ہوئی ہے۔دفتر آئے پھر ایک تار امریکہ سے ملا کہ بوسٹن میں ایک کانفرنس میں تمہاری شمولیت کی خواہش ہے جو یکم اور 2 اگست کو ہوگی اور جس کا موضوع ہوگا ''مذاہب عالم کا امن عالم کے ساتھ تعلق'' THE RELATION

OF WORLD RELIGIONS TO WORLD PEACE خاکسار کا پہلا تاثر تو یہ تھا کہ خاکسار شامل نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کانفرنس میں شمولیت کے نتیجہ میں ہیگ سے غیر حاضری کا عرصہ دس دن کی بجائے 14 دن ہوجائے گا اور ترجمہ کے کام کے لحاظ سے (ترجمہ قرآن کریم مراد ہے۔ ناقل) اور اس لحاظ سے کہ میری غیر حاضری میں میرے گھر سے یہاں اکیلے ہوں گے دقت ہوگی لیکن یہ جواب لکھوانے کو تھا کہ اسی صبح کا خواب یاد آ گیا اور میں نے محسوس کیا کہ صاحبزادہ صاحب کا خواب میں اشارہ اس دوسری کانفرنس کی طرف تھا جس کا موضوع براہ راست امن عالم سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب..... آپ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں گزارش کریں کہ اگر اس موضوع پر وہ خاکسار کی راہنمائی کرسکیں تو ممنون ہوں گا.... ممکن ہے اس دوسری کانفرنس میں شمولیت کا موقع پیش آئے اس کے پیش نظر حضور سے راہنمائی کی درخواست ہے جو نوٹ حضور ارشاد فرمائیں وہ خاکسار کو بھجوا دیں۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تین چار دن ہوئے خواب میں دیکھا کسی دوست کو ایک سلسلہ نئے مکانات کا دکھا رہا ہوں جو زیر تعمیر، فراخ اور خوبصورت ہیں۔ سمجھتا ہوں کہ یہ سب میرے مکان ہیں۔کل چار مکان ہیں۔ایک کے متعلق دل میں خیال ہے کہ یہ والد صاحب مرحوم نے شروع کرایا تھا لیکن ابھی زیر تعمیر ہے۔ ہر مکان کے آگے سڑک کی طرف ایک عمدہ مسجد بھی بنوائی جا رہی ہے جو گویا مکان کا حصہ بھی ہے اور باہر سے بھی لوگ براہ راست اس میں داخل ہوسکتے ہیں۔اس سے چند دن قبل بھی ایک نیا زیر تعمیر مکان دیکھا تھا جو ان سب سے بہت زیادہ فراخ تھا اور دل میں خیال تھا کہ اوپر کی بہت کھلی اور فراخ منزل میں ایک حصہ میں والدہ صاحبہ مرحومہ مقیم ہیں یا وہ حصہ ان کے لئے ہے۔ پرسوں رات نواب محمد دین صاحب مرحوم کو دیکھا تفصیل یاد نہیں رہی لیکن خواب مبشر تھا۔کل رات دیکھا کہ چند مہمانوں کو ایک شہر دکھا رہا ہوں گھوڑا گاڑی میں لیکن گاڑی خاصی لمبی ہے اور احساس یہ ہے کہ موٹر ہے ایک حصہ سڑک میں گہرا پانی اور کیچڑ تھا لیکن اگرچہ گاڑی لمبی تھی اور ہم چند آدمی تھے اور ایک ہی گھوڑا تھا لیکن گھوڑا خوب تیزی سے گاڑی کو لے نکلا۔ نہ صرف گاڑی رکی نہیں بلکہ اس مقام سے معمول سے زیادہ تیزی سے نکل گئی اور کوئی چھینٹا وغیرہ نہیں پڑا۔ پھر ساتھ ہی آگے گویا مقام مقصود ہے جہاں جماعت کے لوگ جمع ہیں اور نماز ظہر کی تیاری ہے۔کھلا میدان ہے جس میں مکانات بھی ہیں لیکن نئے تعمیر شدہ۔ بھائی عبدالرحیم صاحب مرحوم آگے بڑھ کر ملے اور فرمایا نماز کی تیاری کرلو پھر نماز پڑھیں۔خواب تو سب بظاہر مبشر ہیں اور پھر جنت کی خوشبو لئے ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہیگ 10 اکتوبر 1985ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آخری جز کا ترجمہ ارسال خدمت ہے۔ الحمدللہ کہ یہ مرحلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم اور اس کی عطا کردہ توفیق سے تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ باقی مراحل بھی بخیر و خوبی تکمیل تک پہنچا دے۔ آمین۔ نظر ثانی کے متعلق مختصر طور پر مکرم جناب صاحبزادہ صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مراد ہیں۔ ناقل) کی خدمت میں پچھلے ہفتے گزارش کر چکا ہوں..... والسلام خاکسار ظفراللہ خان

(نوٹ: خط مذکور میں ترجمے سے مراد قرآن کریم کا ترجمہ ہے۔ اس سے پہلے کے خطوط میں درج ہے کہ فلاں فلاں سورۃ کا ترجمہ بھجوا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چوہدری صاحب نے قرآن کریم کا ترجمہ اکتوبر 1958 میں ختم کرلیا تھا۔ ناقل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہیگ 17 اکتوبر 1985ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(1) مکرم جناب نائب ناظر صاحب اصلاح وارشاد کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ (حضرت فضل عمر۔ناقل) نے خاکسار کی جلسہ سالانہ کی تقریر کا مضمون ''احمدی تعلیم کا اثر دوسرے مسلمانوں'' پر تجویز فرمایا ہے۔

(2) مناسب موقع پانے پر جب حضور کی طبیعت پر گراں نہ گذرے استصواب فرمالیں کہ عقائد علم کلام عمل وغیرہ کے کن شعبوں کی طرف اشارہ کرنا یا تقریر میں ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ جزاکم اللہ.....خاکسار غالباً جلسہ کے عین پہلے حاضر ہوسکے گا۔ ان ایام میں حضور ایدہ اللہ کی طبیعت پر بوجھ بھی ہوتا ہے اور وقت بھی کم میسر ہوتا ہے۔ اس لئے قریب کی فراغت میں استصواب فرمالیں۔ اور خاکسار کو مطلع فرمادیں تا کہ پھر اس سارے مضمون پر غور کرلیا جائے۔

والسلام　خاکسار　ظفراللہ خان

نوٹ: کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ قرآن مجید نے جو فرمایا ہے **فیھا تحیون فیھا تموتون ومنھا تخرجون** اس زمین میں ہی تم لوگ زندہ رہو گے اور اسی میں مرد گئے اور اسی سے دوبارہ نکالے جاؤ گے تو مرنے کے بعد انسانی جسم تو ختم ہوجاتا ہے اور روح باقی رہتی ہے جو قبر میں نہیں ہوتی تو اس زمین سے دوبارہ نکالے جانے کا کیا مطلب ہے۔ یہ سوال چوہدری صاحب کی خدمت میں تحریر کیا گیا۔ جواباً آپ نے فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم　لاہور 4 فروری 1960ء　مکرم مولانا　**السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

.....ملفوف کا جواب آپ بھیج دیں۔ قبر کے ساتھ بیشک کچھ تعلق تو ہے۔ ایک انسان دس منٹ ایک کمرے میں ٹھہر جائے تو وہاں اثر باقی رہتا ہے جس جسم میں عمر بھر روح زندگی کرتی رہی اس کے ساتھ یقیناً تعلق رہتا ہے۔ **فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون** کوئی مشکل پیش نہیں کرتا۔ منھا تخرجون فرمایا ہے یہ تو نہیں فرمایا کہ پھر اسی جہان میں قیام ہوگا۔ تبدل الارض غیر الارض بھی فرمایا ہے بقادر علی ان یخلق مثلھن بھی فرمایا ہے۔ غرض آپ میری نسبت بہتر جانتے ہیں.....زمین سے انسان پیدا ہوا وہی رُوح جو زمین سے پیدا ہوئی اُسی سے نکلی آئندہ زندگی میں جسم بنے گی منھا تخرجون ہی ہے.....والسلام　خاکسار　ظفراللہ خان

ہیگ　28 مارچ 1960ء　مکرم مولانا　**السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

.....حضرت صاحبزادہ صاحب (مراد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ناقل) تیسویں سپارے کی نظر ثانی (انگریزی ترجمہ ہے قرآن مراد ہے۔ناقل) فرمادیں تو یہ بھی غنیمت ہے لیکن بقیہ حصے کی کوئی نہ کوئی نظر ثانی ضروری ہے۔ ایک شخص کی ذمہ داری پر چھپنا مناسب نہیں مکرمی جناب ملک غلام فرید صاحب سے دریافت کرلیں اگر ان کی نگاہ میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہو تو اس پر صاحبزادہ صاحب غور فرمالیں......

مکرر.....صاحبزادہ صاحب نے جو نظر ثانی ترجمہ کی فرمائی ہے وہ مسودہ مجھے بھیجنے کی ضرورت نہیں اُن کی نظر ثانی کے مطابق تبدیلی کرلی جائے۔

خاکسار　ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم　ہیگ 23 مئی 1960ء　مکرم مولانا　**السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

.....الحمدللہ تفسیر صغیر کے انگریزی ترجمے کی طباعت زیر نظر ہے پہلے انگریزی ترجمے کے ختم ہوجانے کی وجہ سے بہت وقت ہورہی ہے۔ مانگ متواتر ہے اور اسے پورا نہ کرسکنے کی وجہ سے ندامت اُٹھانی پڑتی ہے...مکرمی عبدالسلام میڈسن "A.S MADSEN" ڈنمارک میں قرآن کریم کا وہاں کی زبان میں ترجمہ کررہے ہیں۔ مجھ سے انہوں نے تفسیر صغیر والے ترجمہ کا مسودہ طلب فرمایا تھا۔ شروع کے پاروں کا ترجمہ تو ربوہ میں ہی کیا گیا تھا وہ میرے پاس نہیں تھا باقی ہو 22/1.2 سپاروں کا ترجمہ انہیں بھیج دیا گیا تھا، انہوں نے انڈیکس کے متعلق بھی دریافت کیا تھا۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 4جولائی1960ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.....میرے عہدے کی موجودہ میعاد شروع فروری میں ختم ہوجائے گالیکن اس اثناء میں آخر ستمبر یا شروع اکتوبر میں دوبارہ انتخاب ہوگا۔خود بھی دعا فرمائیں اور خاص دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں بھی دعا کے لئے گزارش کرتے رہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے اعلیٰ کامیابی عطا فرمائے۔آمین

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

(نوٹ:موجودہ عہدے سے مراد عالمی عدالتِ انصاف کے جج کے عہدے پر آپ کی پہلی دفعہ تقرری ہے۔ناقل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہیگ 8اگست1960ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.....انتخاب کے سلسلے میں کچھ سیاسی مقاصد کام کرتے نظر آتے ہیں۔ابھی کوئی صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔جیسے مَیں نے لکھا ہوگا ہندوستانی اور جاپانی امیدواروں کی تائید میں ان کی حکومتیں بہت زور سے کام کررہی ہیں۔ہماری حکومت بھی مناسب کوشش کررہی ہے۔صدر حکومت بھی بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔نتیجہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔حالات بہت دعاؤں کے متقاضی ہیں اور یہ بات خود موجب برکت ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم کی اور ذرّہ نوازی سے کامیابی عطا فرمائے۔آمین مکرر:اوپر کی سطریں لکھنے کے بعد ایک اطلاع یہ بھی ملی ہے کہ جاپانی امیدوار رومن کیتھولک ہےاس لئے رومن کیتھولک حکومتوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشیش کی جارہی ہے۔والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 12ستمبر:1960ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

...انتخاب کے متعلق ابھی کوئی پختہ اندازہ تونہیں ہوسکتا لیکن بظاہر حالات امید افزا ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے کامیابی عطا فرمائے۔آمین قرآن کریم کے انگریزی ترجمے کی طباعت کا معاملہ کس مرحلے پر ہے؟ مجھ سے احباب دریافت فرماتے رہتے ہیں لیکن انہیں مرکز کا حوالہ دے دیتا ہوں...

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہیگ 10اکتوبر1960ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ مورخہ 5۔اکتوبر شرف صدور لایا۔جزاکم اللہ۔الفضل میں پے درپے چند افسوسناک خبریں پڑھیں جن سے بہت قلق ہوا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ان میں سے تین نہایت مفید وجودوں کی وفات کی خبریں ہیں جن کی مفارقت سے ایسے دل غم سے پر ہوئے اور ایسی آنکھیں اشکبار ہوئیں جو مجھے بہت ہی پیارے ہیں جن کا غم میرا غم اور جن کے آنسو میرے آنسو ہیں۔کاش میں خود موجود ہوتا اور اپنی ہمدردی اور ان کے غم واندوہ میں اپنی شرکت کا خود ان کی خدمت میں اظہار کرسکتا گوشاید زبان تو کچھ بیان نہ کرسکتی۔دردمندیم وخبر مید ہد از سوز دروں دہن خشک ولب تشنہ وچشم تیر ما سے وہ میرے دل کی کیفیت کا اندازہ کر لیتے۔اب آپ سے ملتجی ہوں کہ ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوکر اس دور افتادہ کی طرف سے ہمدردی اورغم کا اظہار کردیں۔اللہ تعالیٰ انکے دلوں کو تسکین بخشتے اور اپنے کمال فضل ورحم سے ان کے جدا ہونے والے پیاروں کو اپنی رحمت کے سائے میں علیین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین (1) مکرمی جناب ماسٹر فقیر اللہ صاحب جن کی صالح اور سچی اور حقیقی رفیقہ حیات اُن سے جُدا ہوئیں جس جُدائی سے ان کی زندگی میں ایک گہرا خلا پیدا ہوگیا۔(2) مکرمی مولانا جلال الدین شمس صاحب جن کی بزرگ والدہ ماجدہ کا سایہ ان کے سر سے اُٹھ گیا اور وہ گویا آج آغوش مادر کی شفقت۔حفاظت خبر گیری سے محروم ہوگئے اور ماں کی محبت بھری دردمندانہ دعاؤں کا سلسلہ مشیت ایزدی اور حکمت الٰہی کے ماتحت بند ہو

گیا۔ ماں سے جدائی کا غم میرا دل خوب اندازہ کرسکتا ہے۔اپنی شفیق... ماں کا جنازہ پڑھاتے وقت شمس صاحب کے دل کی کیا کیفیت ہوگی ۔(3)محترمی مولانا ابوالعطاء صاحب جنہیں اپنی لختِ جگر کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔وہ وجود بھی کیسا صالحہ مفید بابرکت وجود تھا۔اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں جانے والوں اور پیچھے رہنے والوں پر ہوں وہ اپنے مولا کے بلانے پر اُس کے حضور حاضر ہو گئے اور پیچھے رہنے والوں نے اپنے مالک کی رضا کو صبر جمیل کے ساتھ قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی عبودیت اور محبت کے تعلق کو مضبوط تو کرلیا۔ بلائے کہ حبیب آمد ہزارش مرحبا گفتم ۔سید داؤد احمد صاحب کا والا نامہ تو نہیں ملا۔ بیشک اس رقم کی تحریک میرے ذمے ڈالی گئی تھی۔ میں نے کچھ کوشش چند ایام میں جو مجھے میسر آئے کی تھی ۔ یہاں سے بھی تحریک کرتا رہا ہوں۔انشاءاللہ اب واپسی پر پھر کوشش کروں گا۔ چوہدری بشیر احمد صاحب اور برادران کی خدمت میں پانچ ہزار کی تحریک کی تھی۔کرنیل عطاءاللہ صاحب اور برادران کی خدمت میں پانچ ہزار کی۔ شیخ اعجاز احمد صاحب (ایک ہزار) عزیزم چوہدری اسد اللہ خان صاحب ایک ہزار اور خاکسار کی طرف سے (تین ہزار) پانچ ہزار کا وعدہ بھجوا چکا ہوں (ادائیگی کی واپسی پر بفضل اللہ امید رکھتا ہوں۔ وباللہ التوفیق) مکرمی جناب کرم الٰہی صاحب کوئٹہ نے سب سے پہلے ایک ہزار کا وعدہ کیا اور غالباً ادائیگی بھی کردی۔ جماعت کراچی میں بیس ہزار کی تحریک کی تھی ۔ چند وعدے میری موجودگی میں ہوئے بھی تھے۔ امیر صاحب کراچی سے دریافت کیا جائے۔امیر صاحب لاہور کو بھی تحریک کی تھی ان سے بھی دریافت کیا جائے ۔ چوہدری انور حسین صاحب شیخو پورہ ۔خواجہ عبدالرحمن صاحب سے شیخ بشیر احمد صاحب لاہور وغیرہ وغیرہ لیکن مرکز کی طرف سے بھی تو تحریک ہوتی رہنی چاہیے تا یہ نہایت اہم کام احباب کی توجہ کو جذب کرے۔ ہاں ملک صاحب خان صاحب سے بھی گزارش کی تھی ۔ملفوف تراشہ سید داؤد احمد صاحب کی خدمت میں پہنچا دیں۔اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔آمین

مکرر: محمد سلیم صاحب بی۔اسے معرفت مکرمی غلام محمد صاب دفتر الوصیت کو پیغام بھجوا دیں کہ وہ لاہور عزیزم چوہدری اسد اللہ خان صاحب سے مل لیں۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم کیمبرج 10 اگست 1961ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

...کل انشاءاللہ شام یہاں سے روانہ ہو کر رات نیو یارک پہنچ جاؤں گا (تقرر کے متعلق اندازہ سے بڑھ کر مخالفت تھی نہ میری بے شمار خامیوں کی وجہ سے بلکہ حسب معمول میرے عقیدے کی وجہ سے) (حاشیہ: صرف آپ کی اطلاع کے لئے) اس لئے بہت دعاؤں کا محتاج ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم اور ذرہ نوازی سے کما حقا عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرماتا جائے۔ ہر مرحلہ پر ہادی و ناصر ہو اور اعلیٰ کامیابی اور سرخروئی عطا فرمائے اور اندرون اور بیرون کے مخالفین اور حاسدین کے شر سے محفوظ رکھے۔آمین ۔خود بھی دعا فرماتے رہیں اور بزرگان اور احباء کی خدمت میں بھی تحریک کرتے رہیں۔خصوصاً حضرت مولوی غلام رسول صاحب فاضل راجیکی۔سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری۔مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری۔مولوی جلال الدین شمس صاحب۔مولوی ابوالعطاء صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب، ماسٹر فقیر اللہ صاحب۔ ماسٹر محمد دین صاحب۔ یہ بھی اشارہ ہوا ہے کہ اس رنگ میں بھی دعائیں کی جائیں مبادا ان تنزل قدم بعد ثبوتها واللہ المستعان وما توفیقی إلا باللہ العلی العظیم

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیو یارک 61-9-18 مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۔۔۔۔(1) یہاں پہنچنے کے بعد مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے اوا احباب کی کرم فرمائی بصورت ارسال خطوط میں بھی بہت اضافہ ہوگیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی

عنایت ہے کہ دلوں میں اس قدرتوجہ ہے اور دعاؤں کا موجب بھی ہے فالحمدللہ علیٰ ذٰلک لیکن مجھے اردو دان اور اردونویس احباب کے خطوط کے جواب کے لئے وقت نہیں ملتا۔معذور ہوں۔اس لئے مندرجہ ذیل مفہوم کا اعلان مناسب الفاظ میں الفضل میں شائع کروادیں۔جزاکم اللہ

مَیں احباب کا نہایت ممنون ہوں کہ وہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ایسی حالت میں کہ میں دعاؤں کا نہایت محتاج ہوں اور اپنے والا ناموں سے بھی نوازتے رہتے ہیں۔فجزاہم اللہ احسن الجزاء لیکن مَیں بوجہ شدّت مصروفیت تمام احباب کے والا ناموں کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس کی معافی چاہتا ہوں۔جو احباب اپنے حُسنِ ظن کی وجہ سے خاکسار کو دعا کے لئے لکھتے ہیں ان کیلئے ضرور دعا کرتا ہوں جو کسی اور امر کے متعلق لکھتے ہیں اگر انکی خدمت میں میرا جواب نہ پہنچے تو سمجھ لیں کہ ان کے ارشاد کی تعمیل میرے اختیار میں نہیں.....

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 3دسمبر 1961ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۔۔۔۔31دسمبر کو عزیز حمید نصراللہ خان بیت الظفر کا قبضہ صدر انجمن احمدیہ کے حوالے کردیں گے...یکم جنوری سے تمام انتظام کی ذمہ دار صدر انجمن احمدیہ ہوگی۔محترمی مکرمی جناب صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں خاکسار کا عاجزانہ اسلام اور درخواست دعا گذارش کردیں۔اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ وناصر ہو۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 6مئی 1962ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.......(5)بچوں کے نام پیغام بسم اللہ الرحمن الرحیم

مذہبی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ موافق ومخالف ہر بات کو غور اور منکر کے بعد تسلیم یا ردّ کیا جائے۔جو بات صحیح نظر آئے اسے قبول کرنے اور جو غلط نظر آئے اُسے رد کرنے میں ضد یا جنبہ داری کا دخل نہ ہو بلکہ خالصتاً حق کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی مدنظر ہو۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل ورحم سے اس کی توفیق بخشے۔آمین خاکسار والسلام ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 11جولائی 1962ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.....مَیں یہ عریضہ ہسپتال سے لکھ رہا ہوں۔کل سہ پہر مَیں یہاں داخل ہوا۔آج بائیں آنکھ کا نزول الماء کا آپریشن انشاء اللہ ہوگا۔خاص احباب کی خدمت میں دعا کے لئے گذارش خاکسار کی طرف سے کرکے ممنون فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے اپریشن کو ہر لحاظ سے کامیاب فرمائے اور کامل طور پر فائدہ مند بنائے۔آمین۔اخبار میں اعلان مناسب نہیں۔ہفتہ بھر ہسپتال میں ٹھہرنا ہوگا اس کے بعد بھی آٹھ دس دن لکھنے پڑھنے کی احتیاط لازم ہوگی۔۔۔۔۔خاکسار کے لئے دعا فرماتے رہیں۔اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ وناصر ہو۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 28جولائی 1962ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والا نامے باقاعدہ ملتے رہے۔جزاکم اللہ۔خاکسار 10 جولائی کو ہسپتال میں داخل ہوا 11 کو آپریشن ہوا۔19 کو ہسپتال سے واپس آیا۔24 کو پھر ڈاکٹر صاحب نے آنکھ کا معائنہ کیا۔ہر مرحلے پر بفضلِ تعالیٰ انہوں نے پورے اطمینان کا اظہار کیا۔الحمد للہ علی ذلك۔صاحبزادہ میرزا

بشیر احمد صاحب کی خدمت میں اور جن احباب کی خدمت میں آپ نے دعا کے لئے گزارش کی تھی یہ اطلاع بھی پہنچا دیں اور خاکسار کی طرف سے دلی اور عاجزانہ شکریہ بھی کہ ان سب نے کمال شفقت سے اس دور افتادہ عاجز بھائی کو اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد رکھا۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔ آئندہ معائنہ پرسوں ہوگا۔ امید ہے پرسوں نئی عینک کا نمبر بھی مل سکے گا۔ ابھی لکھنے پڑھنے پر پابندی ہے۔ اُمید ہے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ہفتہ عشرہ تک یہ پابندی رفع ہو سکے گی۔ دعا جاری رکھیں اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

(نوٹ: اس خط میں صرف والسلام خاکسار ظفراللہ خان کے الفاظ اپنی قلم سے لکھے معلوم ہوتے ہیں۔ ناقل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم خرطوم سوڈان 21 جنوری 1963ء مکرم مولانا **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

مَیں بفضل تعالیٰ بخیریت ہوں کل صبح انشاء اللہ تعالیٰ قاہرہ جاؤں گا۔ لیبیا، روم، تونس، الجزائر، مراکش ہوتا ہوا انشاداللہ 7 فروری کو لندن پہنچوں گا۔ 11 کو نیویارک۔ لندن میں پتہ

c/o IFTIKHAR AL ESQ. DEPUTY HIGH COMMISSIONER 35 LONDON SG, LONDON S.W.i

نچلا رقعہ رمضان کے فدیہ کے لئے ہے۔ کسی ایسے صاحب کی خدمت میں یہ رقم پیش کر دیں جو منہ سے مانگنے والوں کے زمرے میں نہ ہوں۔ جزاکم اللہ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔ ظفراللہ خان والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہیگ 8 ستمبر 1964ء مکرم مولانا **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

.....ایک تو الفضل میں اپنی طرف سے میری اطلاع کی بناء پر اعلان کروا دیں کہ میں بوجہ متواتر سفر کے پاکستان پہنچنے تک احباب کی خدمت میں عریضہ ارسال نہ کر سکوں گا اور 10 ستمبر کے بعد کے ڈاک میں ڈالے ہوئے خط اس عرصے میں مجھے نہ مل سکیں گے۔ میری طرف سے مناسب الفاظ میں معذرت کر دیں۔ (غرض یہ ہے کہ احباب اس عرصے میں خط لکھنے اور ڈاک پر وقت اور روپیہ صرف کرنے کی زحمت سے بچ جائیں)۔ بکرمی جناب صاحبزادہ میرزا طاہر احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر خاکسار کی طرف سے سلام اور درخواست دعا گذارش کریں۔ سفر کا مندرجہ بالا پروگرام گذارش کر دیں اور لندن اور نیویارک کے پتے عرض کر دیں کہ اگر ضرورت پیش آئے یا التفات خاطر ہو تو تواریخ مندرجہ کے مطابق والا نامہ ان پتوں پر خاکسار کو پہنچ سکتا ہے......والسلام خاکسار ظفراللہ خان

(حضرت چوہدری صاحب بے شمار مستحقین کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ ایک خط میں اپنے مستحقین کی فہرست درج کرنے کے بعد تحریر فرمایا۔ یہ خط لندن سے 7 اپریل 1965ء کو لکھا گیا)....سب قابل امداد معلوم ہوتے ہیں اور مجھ ناچیز عاصی نابکار سے بہت بڑھ کر مستحق۔ جناب افسر خزانہ صاحب کے ساتھ مشورہ کر کے (اگر ضرورت ہو تو وہ سائلان کے مزید حالات معلوم کر لیں) خاکسار کو اطلاع دیں کہ کس قدر مدد مناسب ہوگی۔ اتنے میں مَیں غور بھی کروں گا اور دعا بھی کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے کوئی رستہ کھول دے۔ **ھو المستعان ھو علی کل شیءٍ قدیر**

صاحبزادہ میرزا طاہر احمد صاحب کی خدمت میں بعد سلام مسنون گزارش کریں کہ ان کے والا نامے کے لئے چشم براہ ہوں لیکن اصرار بھی نہیں کہ ان پر بوجھ نہ ہو...خاکسار والسلام ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم 4 جولائی 1965ء مکرم مولانا **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

......انشورنس کے بارے میں خاکسار کسی مشورے میں شامل نہیں ہوا اور نہ اس کے متعلق کوئی معلومات ہیں۔ البتہ (حضرت فضلِ عمر۔ناقل) کے مندرجہ ذیل ارشادات خوب یاد ہیں:۔

(1) حکومت کی طرف سے جو انشورنس قانوناً لازم قرار دے دیا جائے وہ جائز ہے۔(2) ایسا نظام انشورنس جو باہمی تعاون کی صورت میں ہو اور جس کے نفع نقصان کی ذمہ داری کلیۃً انہی افراد پر ہو جو اس میں شامل ہوں جائز ہے۔(3) ایسا نظام انشورنس جس میں بیمہ کرنے والا ادارہ جس خطرے کا بیمہ کیا جائے اُس خطرے کے امکانات کو کم کرنے کے طریق اختیار کرنے جائز ہے۔ مثلاً زندگی کا بیمہ ہو تو وقتاً فوقتاً طبی معائنے کا انتظام یا حتیّ مدد کا انتظام، آگ سے نقصان کا بیمہ ہو تو آگ کے متعلق احتیاط کا انتظام، آگ لگ جانے پر جلد بجھا دینے کا انتظام خواہ یہ انتظام بیمہ کرنے والے ادارے کی طرف سے ہوں خواہ بیمہ کی شرائط کا حصہ ہوں اور ان کی ذمہ داری بیمہ کرنے والے پر ہو جائز ہے۔

4۔ایسا بیمہ جس کے نتیجے میں بیمہ کرنے والا ادارہ اپنے عام فرائض سے بڑھ کر ذمہ داری اُٹھائے مثلاً بیمہ شدہ اشیاء کا ڈاک سے بھیجنا جن کے متعلق ڈاک کا محکمہ زائد ذمہ داری لیتا ہے جائز ہے۔ صاحبزادہ میرزا طاہر احمد صاحب کی خدمت میں خاکسار کا سلام پہنچا دیں اور گزارش کردیں کہ خاکسار امریکہ کے سفر سے واپس آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین والسلام خاکسار ظفراللہ خان

محترم بشیر احمد خان رفیق صاحب کے نام برطانیہ کے سابق مربی انچارج اور امام بیت الفضل لندن کو قریباً دس سال کا عرصہ حضرت چوہدری صاحب کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ بھی لمبا عرصہ برطانیہ میں مربی انچارج رہنے کی وجہ سے محترم خان صاحب کا حضرت چوہدری صاحب سے تعلق رہا۔ محترم خان صاحب کے پاس بھی حضرت چوہدری صاحب کے خطوط کا ایک نادر ذخیرہ موجود ہے اس میں سے چند خطوط کے اقتباسات برائے اشاعت ''انصار اللہ'' کو عطا فرمانے پر ہم موصوف کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔(ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہیگ 02 اپریل 1971ء برادرم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ مرقومہ 23 مارچ کل شرف صدور لایا۔

جزاکم اللہ۔۔۔۔۔ترجمہ قرآن کریم کے رستے میں ڈاک خانہ کی ہڑتال عارض ہوگئی۔ اب ایک خط مسٹر سٹینڈش کا آیا ہے کہ اس مہینے کے آخر تک پہلی قسط (خانۂ خدا) میں پہنچنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ 09،10 اپریل کو لندن میں جماعت ہائے برطانیہ کے صدر اور سیکریٹری صاحبان جماعتی امور کے متعلق مشورے کے لئے جمع ہوں گے۔ حضرت (امام جماعت احمدیہ، ناقل) کی خدمتِ اقدس میں دعا کے لئے عرض کریں اور خود بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین والسلام خاکسار ظفراللہ خان

مکرر۔ جناب وکیل المال صاحب تحریک جدید کی خدمت میں گزارش کردیں کہ 70-1969 اور 71-1970 میں خاکسار کی آمد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ دونوں سالوں میں آمد ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ سے کم تھی۔ والسلام خاکسار ظفراللہ خان موصی نمبر 1687

بسم اللہ الرحمن الرحیم پیس پیلس دی ہیگ 13 اپریل 1971ء برادرم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارہ میں کوئی صحیح تاثر قائم کرنا بہت مشکل ہے لیکن جو صورتِ حال معلوم ہوئی ہے اس کی روشنی میں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسٹر بھٹو کے آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے انکار اور صدر پاکستان کی طرف سے اسمبلی کے اجلاس کا التواء دونوں

اقدامات درست نہیں ہیں۔ یہ ایک غیر آئینی اقدام ہے جس کا مقصد اکثریتی پارٹی پر یہ دباؤ ڈالنا ہے کہ وہ کسی ایسی مفاہمت پر راضی ہوجائے جو مغربی پاکستان کو قابل قبول ہو۔اس سے اکثریتی پارٹی کو یہ جائز شکایت پیدا ہوئی ہے کہ صدر نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔اگر یہ بات یقینی بھی ہوتی کہ اکثریت اسمبلی میں اپنی تعداد کے بل پر ایسا آئین منظور کروالے گی جو مغربی پاکستان کو امکانی طور پر قابل قبول نہ ہوتا تو اس سے اس وقت نبٹا جانا چاہیے تھا جب ایسی صورت حال سامنے آجاتی۔اس وقت بھی مفاہمت حاصل کرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔اس وقت کی جانے والی کوششوں کے بارے میں میرا اندازہ ہے کہ یہ کامیاب نہ ہوسکیں گی اور ملک کو ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا جب کہ دونوں حصوں کی علیحدگی ہی صورت حال کا واحد حل ہوگی یہ ایک انتہائی افسوسناک صورت حال ہوگی چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ممکن کوشش بروئے کار لائی جائے اور دانشمندانہ سیاست کی ہر صلاحیت استعمال کی جائے تاکہ پاکستان کی یکجہتی کو قائم رکھا جاسکے۔آخر میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اکثریت کی واضح طور پر ظاہر کی گئی خواہشات کو روبہ عمل لایا جائے ورنہ اس کے سوا اور کوئی حل ملک کو تباہی سے نہیں بچاسکتا۔

اگر صورت حال کے بارہ میں درست حقائق کا علم ہوسکے تو ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے میں کسی قدر تبدیلی لاسکے لیکن اس صورت کو کبھی بھی کوئی تسلیم نہیں کرسکتا کہ ملک کے ایک حصہ یا دوسرے حصے کو آئین یا طرز حکومت کے بارے میں کسی ایسی بات کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے جس کو وہ صحیح یا غلط طور پر اپنے مفادات کے لئے نقصان دہ بلکہ تباہ کن سمجھتا ہو۔یہ وہ المیہ ہے جو موجودہ صورت حال کی تہہ میں موجود ہے تاہم جیسا کہ میں نے کہا ہے حقائق کا صحیح علم نہ ہونے کی صورت میں کسی قسم کی قیاس آرائی میرے خیال میں بے فائدہ ہے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ	آپ کا مخلص	ظفراللہ خان

(انگریزی سے ترجمہ) **بسم اللہ الرحمن الرحیم** ہیگ 16 جون 1971ء برادرم مکرم **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

آپ کے والا نامے 26 اور 28 مئی کے لکھے ہوئے اپنے وقت پر مل گئے تھے۔جزاکم اللہ۔خاکسار نے انگریزی ترجمے (قرآن کریم، ناقل) کا ایک نسخہ خاص جلد میں مجلد حضرت (امام جماعت احمدیہ۔ناقل) کی خدمت اقدس میں معرفت عزیز مکرم میرزا مظفر احمد صاحب ارسال کردیا تھا۔امید ہے کہ حضور کی خدمت میں پہنچ چکا ہوا۔آپ کی غیر حاضری میں لندن جانا کچھ خوشی کا موجب نہیں۔خدا کرے کہ آپ کے خواب کے سب حصے ظہور میں آئیں۔خواب کا اول حصہ تو بفضل اللہ بہت مبشر ہے گو خاکسار کا دامن تو تقصیروں ہی سے پر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے عفو کا سمندر بیکراں ہے اور اس کے فضل کی حد نہیں۔۔۔۔۔آپ ''قریب'' ہیں خاکسار کے لئے دعا کی یاددہانی کرتے رہیں جزاکم اللہ اور خود بھی دعا کرتے رہیں۔**یوفقکم اللہ**

والسلام	خاکسار	ظفراللہ خان

نوٹ: حضرت چوہدری صاحب نے اوپر والے خط کے آخری حصے میں جو لکھا ہے آپ ''قریب'' ہیں اس میں جناب خان بشیر احمد رفیق صاحب کے حضور رحمہ اللہ کے پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ناقل

بسم اللہ الرحمن الرحیم پیس پیلس دی ہیگ 12 نومبر 1971ء پیارے امام صاحب! **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**

آپ نے 5 نومبر کے لکھے ہوئے دو خطوط کا بہت بہت شکریہ۔مجھے اندیشہ ہے کہ میں نے آپ کو جلالۃ الملک شاہ فیصل کو لکھے جانے والے خط کے بارے میں پوری طرح وضاحت نہیں کی۔اس کا حج پر جانے کی میری ذاتی خواہش سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میں نے اس میں ایسی کوئی بات لکھی ہے۔اس خط کا مضمون سعودی عرب کے سفارتی مشنوں کے احمدیوں کو حج پر جانے کے ویزے نہ دینے کے بارے میں ہے۔میں نے جلالۃ الملک کو یہ خط لکھنے

کے بارے میں حضرت صاحب سے اجازت حاصل کی تھی اور یہ اجازت مل جانے پر میں نے شاہ فیصل کو یہ خط لکھا جس میں وہ سطور بھی شامل تھیں جن کے بارے میں حضرت صاحب نے مجھے از راہ نوازش ہدایت فرمائی تھی۔ جب تک اس خط کا کوئی مثبت جواب نہ آئے اس وقت تک میرے حج پر جانے کا معاملہ التوا میں ہی رہے گا۔قرآن مجید کے ترجمے کے آئندہ ایڈیشن کے بارے میں آپ نے جو ہدایات ارسال فرمائی ہیں ان پر انشاء اللہ عمل درآمد کیا جائے گا مجھے امید ہے کہ اس ضمن میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی تاہم طبعی طور پر مجھے معاہدہ کرنا ہوگا اور پریس کا تعاون حاصل کرنا ہوگا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام ہوجائے گا اور ہم اس سلسلے میں درست طور پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ براہ کرم دعا کریں کہ یہ سارا معاملہ بسہولت طے ہوجائے۔

آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی بتا تا چلوں کہ میں نے حضرت صاحب کے نام اپنے خط میں پہلے ایڈیشن کی اضافی چھپائی کے بارے میں ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ اس مقصد کے لئے تمام بلاک وغیرہ محفوظ کر کے رکھے ہوئے ہیں اور ان کا جائزہ وغیرہ لے لیا ہے لیکن مسٹر سٹینڈش نے مجھے کہا ہے کہ دوسرے ایڈیشن کی تیاری کے لئے میں ان کی مدد کروں اور ہم اس معاملے پر غور کے لئے دسمبر کے وسط میں ملاقات کریں گے۔دوسرے ایڈیشن کے بارے میں یہ بھی شرط عائد کی گئی ہے کہ یہ حضرت صاحب کی خواہش اور بتائے ہوئے طریق پر چھپے گا۔ہم سب کو بھارت کے مقابل پر پاکستان کی درپیش صورت حال پر بہت تشویش ہے چنانچہ طبعی طور پر میں اس مسئلے کے بارے میں زیادہ دعائیں کررہا ہوں۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسا حل نکال دے جو اس کی عظمت وشان کا اظہار کرنے والا ہو۔ سلمیٰ مبارکہ نے مجھے دعا کرنے کے لئے لکھا ہے کیونکہ حامد اللہ خان کی والدہ نے ایک خواب دیکھا ہے۔کہ میری دعائیں ان کے حق میں قبول ہوں گی۔اس کے ساتھ ہی میں نے ایک ہی قسم کے دو خطوط بھائیوں کو ارسال کئے۔(یہ دونوں بھائی آپس میں ناراض تھے۔ناقل) اس میں ان کو تلقین کی گئی تھی کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔ چنانچہ ان دونوں کے درمیان اب صلح اور خوشی اور مسرت بحال ہوگئی ہے۔بہترین تمناؤں کے ساتھ آپ کا مخلص ظفر اللہ خان

(انگریزی سے ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم ہیگ 14 مارچ 1972ء

برادرم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مارچ کا وسط آن پہنچا ہے اور آپ کی آمد کے متعلق کوئی پختہ اطلاع نہیں۔امید ہے کہ یہ عرضیہ آپ کو روانگی سے قبل مل جائے گا۔آپ کی آمد کی اس وجہ سے بھی انتظار رہے کہ خاکسار کے عرضیہ متعلقہ حج کا جواب تو آیا ہوا ہے لیکن خدمت اقدس میں پہنچانے کی کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آئی۔۔۔۔آپ کے غالباً علم میں ہوگا کہ۔۔۔۔یہاں تعلیم حاصل کررہے ہیں اور (خانۂ خدا) میں مقیم ہیں۔انہوں نے بھی یورپ کے نئے مکروہ فیشن کی پیروی میں سر کے بال عورتوں کی نسبت لمبے کرلئے ہیں۔ایک روز (خانۂ خدا) سے گزرتے وقت ہمارے رجسٹرار صاحب نے بھی انہیں دیکھا اور ان کی ہیئت کذائی پر متعجب ہوئے۔اب تین چار روز ہوئے محترم جناب بشیر الدین عبید اللہ صاحب کی۔۔۔تشریف آوری پر خاکسار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی یہ ذکر فرمایا اور اپنی شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا خصوصاً اس جہت سے کہ (خانۂ خدا) میں رہتے ہوئے ایسا نمونہ پیش کیا جائے۔خاکسار نے گزارش کی آپ سمجھائیں نہیں۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے بہت سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ ماننے کی طرف نہیں آتے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ محترم جناب مولوی ابوبکر محمد ایوب صاحب دق ہیں۔۔۔خاکسار گزارش کرتا ہے کہ آپ

۔۔۔۔کو اگر مناسب سمجھیں تو یہ مشورہ دیں کہ وہ اپنے بھائی کو ہدایت دیں کہ یا تو پوری اصلاح کریں اور یا اپنے قیام کا کہیں اور بندوبست کریں ۔ایسا نہ ہو کہ یہ معاملہ حضرت (امام جماعت احمدیہ۔ناقل) کے علم میں آئے اور حضور ایدہ اللہ کے رنج کا باعث ہو۔ایسے معاملے میں ۔۔۔۔ٹال مٹول قابل قبول نہیں ہونا چاہیے۔یہ طرز یورپ میں اوباشی کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہے۔(خانۂ خدا) میں مقیم نوجوان کا اسے اختیار کرنا اوروں کے لئے موجب ابتلاء ہو سکتا ہے اور سلسلہ کے لئے باعث شامت ۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے محفوظ رکھے۔آمین

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ ناصر ہو۔　والسلام　خاکسار　ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس پیس پیلس ۔دی ہیگ۔نیدرلینڈ 04 اکتوبر 1972

پیارے امام صاحب　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

۔۔۔۔۔ہمدرد کے حکیم محمد سعید صاحب نے مجھے خط لکھا ہے کہ ان کا فاؤنڈیشن Islam: its meaning for modern man دوبارہ شائع کرنا چاہتا ہے۔آپ نے بھی اس کو دوبارہ شائع کرنے کی بات کی تھی اور میں نے عرض کیا تھا کہ اس بارے میں اوٹلج اور کاگن پال کے مسٹر نارمن سے پوچھ لیا جائے کہ ان کو اس پر کوئی اعتراض تو نہیں۔شاید آپ اس ضمن میں ان سے بات کر سکیں۔یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ تازہ ایڈیشن ہمدرد شائع کرے یا کوئی اور بشرطیکہ یہ معقول قیمت پر ادا ہو جائے۔کیونکہ فوری طور پر کتاب کی کوئی ایسی مانگ نہیں ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ ہار پر اینڈ ریو،(نیو یارک) اور اوٹلج اینڈ کاگن پال (لندن) دوبارہ اشاعت کی اجازت میں روک نہیں بنیں گے۔۔آپ کا مخلص　ظفراللہ خان

(انگریزی سے ترجمہ)(نوٹ از ناقل) اس خط میں جن مسٹر نارمن کا ذکر ہے ان کا پورا نام مسٹر نارمن فرینکلن ہے۔جو مشہور برطانوی پبلشنگ فرم کے چیئرمین ہیں۔انہوں نے حضرت چوہدری صاحب کی کتاب Seal of The Prophets بھی شائع کی ہے۔ان خطوط میں مسٹر سٹینڈش کا ذکر بار بار آیا ہے۔یہ صاحب ایک پبلشنگ کمپنی کرزن پریس کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں اور حضرت چوہدری صاحب کے انگریزی ترجمہ کے ناشر ہیں۔ ایک خط میں حضرت چوہدری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ انگریزی ترجمہ قرآن ''حضرت صاحب کی خواہش اور بتائے ہوئے طریق پر چھپے گا'' حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ قرآن کریم انگریزی ترجمہ کے ساتھ جب بھی شائع ہو تو یہ عربی انداز میں دائیں سے بائیں جانب شائع ہو اور انگریزی ترجمہ بھی اسی ترتیب سے اس کے ساتھ شائع ہو یعنی انگریزی ترجمہ عربی متن کے انداز پر یعنی دائیں سے بائیں چھپنا چاہیے۔ چنانچہ پہلے ایڈیشن کے بعد کے ایڈیشن حضور کی خواہش کی تعمیل میں دائیں سے بائیں چھپے۔(بشیر احمد رفیق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم لاہور چھاؤنی 27 نومبر 1972ء　برادرم مکرم　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ مرقومہ 22 نومبر شرف صدور لایا۔جزاکم اللہ۔خاکسار بفضل اللہ بخیرت مطابق پروگرام یہاں پہنچ گیا تھا۔فالحمد للہ۔

میرے لئے اب کہیں '' settle'' ہونے کا تو موقع نہیں۔جرس فریاد میدہ ردکہ بربند ید محملہا۔یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم ہے کہ سفر آخرت کی آخری منزلیں آرام میں بسر ہو رہی ہیں اور اس ارحم الراحمین کی طرف سے عفو اور خطا پوشی کا سلوک جاری ہے۔سجدت له، روحی وجنانی۔

حضرت (امام جماعت احمدیہ۔ناقل) کی خدمت اقدس میں حاضری کے وقت آپ سب کی طرف سے سلام اور درخواست دعا کی گزارش کر دی تھی۔ حضور نے آپ کی صحت کے متعلق دریافت فرمایا اور اس سلسلہ میں فرمایا انہوں نے اپنے والدین کو تو بہت پریشان کیا اور رلایا۔۔۔۔

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے نمائندہ متعینہ کراچی سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا اگر آپ ''اسلام'' دوبارہ چھپوانا چاہیں تو اس میں ہم روک نہیں

ہونگے۔اب واپسی پر آپ سے مشورہ ہوگا۔جملہ احباب کی خدمت میں سلام گزارش کردیں اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ ناصر ہو۔آمین

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم لندن 11 جون 1980ء برادرم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ مرقومہ 7 جون ابھی ابھی ملا ہے۔جزاکم اللہ۔۔۔۔آپ نے جس امر کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اس کی تعمیل خاکسار ذاتی طور پر کرنے سے تو قاصر ہے آپ کو معلوم ہے کہ خاکسار کی آمد قریب قریب تمام کی تمام بعض پہلے سے قائم کردہ مدوں میں منتقل ہوجاتی ہے۔ ذاتی اخراجات کے لئے جو کچھ اپنے لئے بچتا ہے اس میں سے 50۔100 پونڈ کی گنجائش تو نکالی جاسکتی ہے لیکن بیک وقت اس سے زیادہ کا انتظام نہیں ہوسکتا۔عین اس وقت قادیان میں فدیہ رمضان بھیجنے کی فکر میں ہوں۔مکرم ڈار صاحب کا ایک سلسلے میں 650 پونڈ کا قرضہ ہوگیا تھا۔ 50 پونڈ فی سہ ماہی کرکے 150 پونڈ ادا ہوا ہے یکصد پونڈ ابھی باقی ہے۔پچھلے آٹھ ماہ کے دوران دو دوستوں کی شادی پر ایک ایک سو پونڈ تحفہ کے طور پر دینے کا انتظام اسی محدود ذاتی صیغے سے کرنا پڑا۔اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ محتاج نہیں ہوں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میری آمد کن صیغوں میں جاتی ہے۔South Fields Trust بند ہوکر اس کی جگہ احمدیہ فاؤنڈیشن نے لی۔بے شک کسی حد تک نگرانی میں کرتا ہوں لیکن تمام تر ذمہ داری اب عزیزان انور احمد (نائب صدر) اور فیاض احمد (آنریری سیکرٹری) پر ہے۔میں دخل نہیں دیتا لیکن سفارش کرسکتا ہوں۔اس میں۔۔ دقتیں ہیں۔۔مجھے علم ہے کہ غیر ملکی طلباء کی فیسوں میں بھاری اضافہ ہوجانے اور ان کے دیگر اخراجات کے بڑھ جانے سے فونڈیشن کو مشکل پیش آرہی ہے۔پھر کراچی میں Fazal Benevolent ASSCTN ہے جس کے نگران شیخ اعجاز احمد صاحب ہیں انہیں احمدیہ فونڈیشن سے ہر سہ ماہی ایک ہزار پونڈ گرانٹ ملتی تھی فونڈیشن نے حال میں اپنی مشکلات کے پیش نظر وہ گرانٹ بند کردی ہے۔والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بنام حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ (ایک بار حضرت چوہدری صاحب کے نام یہ غلط بیانی منسوب کی گئی کہ نعوذ باللہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین یقین نہیں کرتے۔آپ نے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے نام ایک تفصیلی خط میں اس کا جواب دیا۔آخر میں آپ نے قسم کھا کر اپنے عقیدہ کا اظہار کیا۔خط سے متعلقہ حصہ پیش خدمت ہے۔ایڈیٹر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 18 نومبر 1962ء محترم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۔۔۔۔میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر صدق دل سے بیان کرتا ہوں کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین اور خاتم المرسلین یقین کرتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کے انکار کو قرآن اور قرآن کریم کے نازل کرنے والی ہستی کا جو عالم الغیب اور علیٰ کل شیء قدیر ہے انکار سمجھتا ہوں۔۔۔۔ والسلام خاکسار ظفراللہ خان

ذیل کا خط انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیویارک 14 نومبر 1963ء پیارے مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کے والا نامے محررہ 15 اکتوبر کا بہت ممنون ہوں اس کا جواب میں اب تک اس لئے نہ دے سکا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے ہاتھ سے اس کا جواب لکھوں لیکن چونکہ ایسا ابھی تک ممکن نہیں ہوسکا اور وقت گزرتا جارہا ہے اس لئے میں مجبور ہوکر آپ کو ٹائپ شدہ خط ارسال کررہا ہوں۔ مجھے

امید ہے کہ آپ برانہیں مانیں گے۔۔۔۔عالمی عدالت انصاف کے جج کے لئے انتخاب میں کامیابی کے لئے آپ کی دعاؤں کا میں از حد ممنون ہوں۔ یہ انتخابات 21 اکتوبر کو منعقد ہوئے اور میں محض اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل ورحم سے ایک خالی آسامی کے لئے منتخب ہو گیا ہوں جس طرح سے ووٹ ڈالے گئے اس سے یہ بات واضح طور پر پتہ چل جاتی ہے کہ میرا یہ انتخاب خاص اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تحت عمل میں آیا ہے۔اس کی تفاصیل ذرا پیچیدہ ہیں لیکن بات کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ میرا اصل مقابلہ لبنانی امیدوار سے تھا۔کسی امیدوار کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو سلامتی کونسل میں کم سے کم چھ ووٹ اور جنرل اسمبلی میں کم سے کم 58 ووٹ حاصل ہوں۔پہلی رائے شماری میں میرے مخالف نے سلامتی کونسل کے سات اور جنرل اسمبلی کے 62 ووٹ حاصل کئے اور اس کے باوجود میں منتخب ہو گیا ہوں حالانکہ میں نے سلامتی کونسل میں چھ ووٹ اور جنرل اسمبلی میں 58 ووٹ حاصل کئے ہیں۔سلامتی کونسل یا جنرل اسمبلی میں اگر میرا ایک بھی ووٹ کم ہوتا تو میں اس عہدہ کے لئے منتخب نہ ہوسکتا۔انتخاب کے آخری چند دن مقابلہ بہت دلچسپ ہو گیا تھا اور ووٹ ڈالے جانے سے نصف گھنٹہ قبل یہ افواہ اُڑائی گئی کہ میں نے اپنا نام واپس لے لیا ہے۔ہمارے پاس اس افواہ کے ازالہ کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم فضل ورحم کے ذریعہ ایسی صورت حال پیدا فرما دی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مجھے کامیاب قرار دے دیا گیا حالانکہ شروع میں میں نے اپنے حریف کی نسبت کم ووٹ حاصل کئے تھے۔آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنے پہلے خطوط میں سے کسی میں کہا تھا کہ عدالت میں میرا انتخاب ہوجانے کی صورت میں میں ایک پراجیکٹ شروع کرنا چاہتا ہوں جو میرے ذہن میں تھا اور جو اگر خدا تعالیٰ کے فضل ورحم سے پوری طرح مکمل ہو گیا تو اس سے موازنۂ مذاہب کے میدان میں بہت اہم فوائد حاصل ہوسکیں گے مجھے احساس ہے کہ ایک وقت میں آپ کے ذہن میں یہ منصوبہ تھا اور مجھے امید ہے کہ اب تک ہوگا کہ سینٹ میتھیوز کی کہانیوں کو اکٹھا کیا جائے۔جو منصوبہ میرے ذہن میں ہے وہ اس سے بہت بڑا منصوبہ ہے اس کی کچھ وضاحت میں اس خط میں کر دیتا ہوں اور جب ہماری ملاقات ہوگی تو ہم زیادہ تفاصیل کے ساتھ اس پر غور کرلیں گے۔میرے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ میں وضاحت کروں کیونکہ آپ مجھ سے بہت بہتر طور پر جانتے ہیں کہ قرآن کریم اور بائیبل کے درمیان کون کون سے امور متنازعہ ہیں۔میری یہ خواہش ہے کہ ہم اس موضوع پر ایک گہری عالمانہ تحقیق کریں کہ جس میں تمام ایسے متنازعہ نکات کو زیر بحث لایا جائے جن میں قرآن کریم کا بیان بائیبل کے بیان سے مختلف ہے اور ایک ایک نکتے پر اندرونی اور بیرونی متن کے لحاظ سے، تاریخی، ارضیاتی وغیرہ شہادتوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن کا بیان درست ہے۔یہ کام اگر مضبوط بنیادوں پر پوری ہمت سے کیا جائے تو اس سے اس مسئلہ پر واضح ترین ثبوت حاصل ہوسکتا ہے کہ قرآن جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے درحقیقت خدا کا کلام ہے اور بائیبل جہاں جہاں قرآن سے اختلاف کرتی ہے وہاں پر حقیقت سے دور ہوجاتی ہے۔یقینی طور پر آپ کو اس قسم کی ریسرچ میں پیش آنے والی مشکلات اور دیگر ضروری امور کا بخوبی علم ہوگا۔اس کام کا ایک بڑا حصہ تفسیر کبیر میں کیا گیا ہے لیکن کافی کام ابھی کرنا باقی ہے۔

میں تجویز کرتا ہوں کہ ہم آپس میں گفت وشنید کے بعد اس کام کے لئے ایک بورڈ مقرر کرتے ہیں جو بطور مثال مندرجہ ذیل لوگوں پر مشتمل ہو:۔

1۔آپ خود۔بحیثیت چیئرمین۔ 2۔مولوی ابوالعطاء صاحب 3۔مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب

4۔دفتر تبشیر کے توسط سے ایک عالم یا جامعہ کے پروفیسروں میں سے کوئی صاحب۔5۔شیخ عبدالقادر صاحب اکاؤنٹنٹ کالونی ملز، بطور ماہر برائے بائیبل اور اس کے ماخذ۔سب سے پہلا کام اس ضمن میں یہ ہونا چاہیے کہ متوازی کالموں میں وہ متعلقہ نکات درج کئے جائیں جو بائیبل اور قرآن دونوں میں بیان ہوئے ہیں۔اس کے بعد ایک تفصیلی فہرست مرتب کی جائے جس میں دونوں کتب کے مابین اختلافی امور کو نوٹ کیا جائے۔اس سے اگلا مرحلہ یہ

ہوگا کہ دونوں کتب کے درمیان اختلافی امور کو علیحدہ علیحدہ گروپوں میں تقسیم کر کے وہ سارا مواد درج کیا جائے جو قرآن کریم کی صداقت کو واضح کر دیتا ہو۔تیسرا مرحلہ یہ ہو کہ اس مواد کو تحریری طور پر مرتب کرلیا جائے۔چوتھے مرحلہ پر اس کو ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے جو میری رائے میں اردو اور انگریزی دونوں میں ہونا چاہیے۔میں اس ضمن میں ہر ایسی خدمت کے لئے تیار ہوں جو مجھ سے ہو سکے اس میں مالی تعاون بھی شامل ہے جو میں بڑی عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ جس قدر بھی ضروری ہوگا میں فراہم کروں گا۔تاہم میرا اصل کام یہ ہوگا کہ میں اس تحقیق کے آخری مسودے کو انگریزی میں ڈھال سکوں گا۔اگر چہ میں جب بھی پاکستان آؤں گا تو اس خدمت کے علاوہ جو بھی صلاح ومشورہ ہوگا اس میں بھی شامل ہوتا رہوں گا۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس منصوبے کے امکانات کا جائزہ لیں گے اور اس ضمن میں جس جس سے ضروری سمجھیں گے مشورہ کریں گے جو ان نکات پر مشتمل ہو سکتا ہے۔اول: اس منصوبے کی ضرورت، دوم: اس کی افادیت اور سوم اس کی تیاری کا طریق اور آخری یہ کہ اس کو کس انداز میں پیش کیا جائے جب تک میں آپ سے ملنے کے لئے ربوہ آسکوں اس سے پہلے پہلے امید ہے کہ آپ یہ کام کر سکیں گے اور میری حاضری پر ہم سب مل کر اس بارے میں کوئی لائحہ عمل طے کر سکیں گے۔مخلصانہ جذبات کے ساتھ آپ کا مخلص ظفراللہ خان

مکرم محمود مجیب اصغر صاحب کے نام۔مکرم محمود مجیب اصغر صاحب انجینئر نے اپنے خط میں حضرت چوہدری صاحب سے سوال کیا کہ کامیاب زندگی کا گر کیا ہے اس کے جواب میں حضرت چوہدری نے مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم لندن 10جولائی 1977ء مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ مرقومہ 2جولائی شرف صدور لایا۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔خاکسار کی تحریر پر طبی پابندی ہے مختصر جواب گذارش ہے۔آپ کے حسب ارشاد متعدد بار دعا کی بفضل اللہ توفیق ملی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے قبول فرمائے۔آمین

کامیابی کا گر اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کرنا ہے۔اسلام کے بھی یہی معنی ہیں۔اللہ اکبر کا بھی یہی مفہوم ہے۔لا الہ الا اللہ بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔تمام راز اسلمت لرب العالمین میں ہے۔لیکن لفظی وظیفہ کافی نہیں عمل درکار ہے کہ ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کیا جائے یہاں تک کہ یہ طریق جز وفطرت بن جائے۔یہ حالت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔اس کے حصول کا گر جو خود اللہ تعالیٰ نے ہی سکھایا ہے ایاك نعبد وایا نستعین ہے۔عبادات خصوصاً نماز میں توجہ اور خشوع ہو قرآن کریم پر پورا عمل ہو جس کا طریق یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھتے وقت نفس کا محاسبہ جاری رہے کہ کیا ہر حکم ہر ہدایت ہر نصیحت پر عمل ہے یا نہیں اور پوری تعمیل کی دردمندانہ رنگ میں توفیق طلب ہوتی رہے۔چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور خفیف سے خفیف نافرمانی سے پرہیز ہو۔ذکر اللہ اور صلاۃ علی الرسول پر مداومت ہو بندگان خدا کی ہمدردی اور خدمت شعار ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے آپ سب کا حافظ وناصر ہو۔آمین

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

مکرم رانا مبارک احمد صاحب کے نام۔مکرم رانا مبارک احمد صاحب علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کے صدر حلقہ ہیں اس سے قبل بہاولپور میں بڑی دیر تک جنرل سیکرٹری اور سیکرٹری مال رہے ہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم لندن 29اکتوبر 1976ء مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ مورخہ 31 ستمبر اپنے وقت پر مل گیا تھا۔مومن کے لئے ہر نوع کی ہدایت کا خزانہ قرآن کریم ہے اللہ تعالیٰ آپ کو توجہ

کرنے اورعمل کی توفیق عطافرمائے۔آمین والسلام خاکسار ظفراللہ خان

حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب کے نام۔(نوٹ:حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی حضرت بانی سلسلہ کے رفیق تھے اور نیکی،تقوی اور تعلق باللہ میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے۔آپ کے الہامات رؤیا اور کشوف کئی کتب میں شائع شدہ موجود ہیں۔۔۔۔ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم کراچی03اگست1954ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ جناب کا شرف صدور لایا۔جزاکم اللہ۔آپ کے الہامات جو آپ نے پہلے خاکسار کوتحریر فرمادیئے تھے اور جو کشفی نظارہ آپ نے اس آخری مملکت نامہ میں تحریر فرمایا ہے تینوں بہت مبشر ہیں۔دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے ان تمام بشارتوں کو بوجہ احسن ظہور میں لے آئے اور خاکسار کو ان کا اہل بننے اور ان کے پورے شکر کی توفیق بخشے آمین۔امید ہے آپ فضل اللہ ہر لحاظ سے بخیر وعافیت ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ وناصر ہو۔آمین آپ نے اپنے الہامات اور کشفی نظارہ تو حضرت فضل عمر کی خدمت اقدس میں تحریر فرمادیئے ہوں گے تاحضور کی مبارک دعاؤں کی سعادت بھی حاصل ہوسکے۔ والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک۔ملک امریکہ 28 ستمبر 1954ء مکرم مولانا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار منیلا کانفرنس سے فارغ ہوکر جاپان کے براستہ امریکہ آیا۔ٹوکیو سے روانہ ہوتے وقت زکام اور نزلہ کی شکایت تھی۔لمبے ہوائی سفر کی وجہ سے یہ اس قدر شدت اختیار کرگئی کہ کان بھی بند ہوگئے۔سفر میں جہاں جہاں قیام ہوا ڈاکٹروں کو دکھایا اور علاج ہوتا رہا۔اب دو ہفتہ کے بعد بفضل اللہ صحت ہوئی ہے۔الحمدللہ۔خفیف سا اثر کانوں پر اور آواز پر باقی ہے آہستہ آہستہ اصلاح ہورہی ہے۔کامل صحت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔خاکسار بین الاقوامی عدالت کی ججی کے لئے ہندوستانی امیدوار کے مقابل انتخاب میں امیدوار ہے۔پہلے جب اس قسم کا موقع پیدا ہوتا رہا تو حضرت (امام جماعت احمدیہ) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو پسند نہیں تھا حضور موجودہ مقام کو خدمت کا بہت موقع خیال فرماتے تھے۔سال کے دوران بعض ایسے حالات نمودار ہوئے کہ حضور نے اس انتخاب میں اپنے تئیں پیش کرنے کی خاکسار کو اجازت بخش دی۔یہ انتخاب غالباً06،07،08اکتوبر یا ان تاریخوں کے قریب کسی موقع پر یہاں اقوام متحدہ کی مجلس امن اور مجلس عامہ میں ہوگا۔کامیابی کے لئے دونوں مجالس میں کثرت آراء کی تائید لازم ہے۔مجلس امن کے گیارہ اراکین ہیں۔ان میں سے اب تک بفضل اللہ چھ ہم سے تائید کا وعدہ کرچکے ہیں۔امید ہے کہ انشاءاللہ ایک یا دو اور کی تائید بھی حاصل ہوجائیگی عام قیاس یہی ہے کہ جس امیدوار کو مجلس امن میں کثرت کی تائید حاصل ہوجائے مجلس عامہ بھی دوسری یا تیسری رائے شماری میں اس کی تائید کردیتی ہے لیکن ہماری کوشش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے دونوں مجالس میں ہی پہلی رائے شماری پر ہی کامیابی عطافرمائے۔مجلس عامہ میں کل 64 آراء اس انتخاب میں حصہ لینے والی ہیں۔کثرت حاصل کرنے کے لئے 33 آراء کی تائید درکار ہے۔25 ممالک اب تک ہم سے وعدہ کرچکے ہیں۔ 15۔20 ممالک نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔کوشش جاری ہے۔آپ کی خدمت میں درخواست ہے کہ آپ خود بھی دعا فرمائیں اور خاص خاص دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں بھی دعا کی تحریک فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے کامیابی اور سرخروئی عطافرمائے۔

آمین۔حضرت (امام جماعت احمدیہ) کی خدمت میں بھی خاکسار نے دعا کے متعلق یاددہانی کا عریضہ لکھا ہے۔امید ہے آپ فضل اللہ بہم وجوہ بخیریت ہوں گے۔والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 23 اکتوبر 1954ء مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دوگرامی نامے 9 اور 10 اکتوبر کے لکھے ہوئے ملے۔جزاکم اللہ۔آپ کی مبارکباد اور دعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔اس انتخاب میں کامیابی محض بزرگوں اور احباب کی دعاؤں کی طفیل اللہ تعالیٰ کے احسان اور ذرّہ نوازی کا کرشمہ ہے۔فالحمد اللہ علیٰ ذالک۔اس عہدہ کی میعاد 9 سال ہوتی ہے۔لیکن اگر میعاد پوری کرنے سے قبل کوئی جج فوت ہوجائے یا استعفیٰ داخل کردے تو بقیہ میعاد کے لئے نیا انتخاب ہوتا ہے۔یہ جگہ ہندوستانی جج کی وفات سے پچھلے سال خالی ہوئی۔ابھی میعاد میں سے 6.1/4 سال باقی ہیں۔اب تک قاعدہ یہی رہا ہے کہ اگر کوئی جگہ میعاد کے درمیان خالی ہوجائے تو بقیہ عرصہ میعاد کے لئے اسی ملک کا امیدوار منتخب کیا جاتا ہے جس ملک کے جج کے فوت ہونے یا مستعفیٰ ہونے سے جگہ خالی ہوئی تھی۔اس لئے اس جگہ کے متعلق بہت سے ممالک کا رجحان اسی طرف تھا کہ یہ جگہ ہندوستانی امیدوار کو ملنی چاہیے۔علاوہ اس کے ہندوستان کی طرف سے چھ ماہ قبل کوشش شروع کر دی گئی تھی اور ہم نے تھوڑا عرصہ ہوا کوشش شروع کی تھی۔بہت سے ممالک ہندوستان کی تائید کا وعدہ کر چکے تھے۔ان حالات میں کامیابی بظاہر مشکل تھی لیکن ''ہمیں باشد دلیل آں کہ ہست ازخلق پنہانے'' میں آپ کی دعاؤں کا نہایت ممنون ہوں۔جزاکم اللہ احسن الجزاء

میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے اللھم انی اعوذبك من جھد البلاء ودرك الشقاء و سوء القضاء وشماتة الاعداء کا ورد اس وقت اس وقت سے رکھتا ہوں جب سے آپ نے دعا کی تحریک فرمائی اور ان ایام میں جب انتخاب قریب تھا یہ دعا اور بعض اور دعائیں ورد اور وظیفہ رہیں۔نمازوں میں اکثر اور سونے سے قبل آعوذ تین پڑھ لیتا ہوں۔سوتے وقت درود، آیۃ الکرسی اور اخلاص، فلق اور الناس اور ان کے بعد سونے کی دعا خاکسار کا معمول ہے۔آپ ہدایت فرماتے رہتے ہیں تو ان امور میں سستی نہیں ہوتی۔جزاکم اللہ

ججی پر منتخب ہونے پر میں نے اپنا استعفیٰ یہاں وزیراعظم صاحب کی خدمت میں پیش کردیا تھا اور انہوں نے ناچار منظور بھی فرمالیا تھا۔غالباً اس عریضہ کے آپ کی خدمت میں پہنچنے تک اس کا اعلان بھی ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ وناصر ہو۔آمین والسلام خاکسار ظفراللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 25 نومبر 1963 مکرم مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیز محترم برکات احمد کی اچانک وفات کی خبر سے بہت رنج اور صدمہ ہوا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ عزیز کے ساتھ وافر رحمت کا سلوک روا فرمائے اور اپنے کمال فضل ورحمت سے عزیز کو علیین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین یا ارحم الراحمین۔آپ کے لئے اور جماعت اور جملہ متعلقین کے لئے یہ صدمہ دل دہلا دینے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے سوائے صبر ورضا کے اور کوئی چارہ نہیں۔آپ جیسا عارف ان رموز کو اس خاکسار عاجز پُرخطا وعصیان سے بہت بہتر پہچانتا ہے اس لئے اس بارے میں مزید گذارش گستاخی شمار ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے آپ سب کے دکھی دلوں کی ڈھارس ہو اور خود غمخواری فرمائے اور مونس ورفیق ووارث ہو۔آمین۔

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

(نوٹ: محترم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔اے واقف زندگی حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کے لائق اور ذہین فرزند تھے۔

قادیان میں 1947ء سے لے کر 1963ء تک ناظرامورعامہ، ناظردعوۃ وتبلیغ اور ناظر بیت المال وغیرہ اہم مناصب پر فائز رہے۔ بدرقادیان کے ایڈیٹر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔صرف 45 سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے۔(ایڈیٹر)

محترم مولوی عزیزاحمد صاحب راجیکی کے نام بسم اللہ الرحمن الرحیم نیویارک 21دسمبر 1963ء عزیز مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیز اسداللہ خان کا آخری خط آپ کے نہایت واجب الاحترام والد بزرگوار اور میرے محسن اور استاد اور سلسلہ احمدیہ کے مونس و غمخوار کی وفات کی اندوہناک خبر لایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ صدمہ صرف آپ کے اور آپ کے عزیزوں ہی کے لئے زلزلہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ تمام جماعت کے لئے مصیبت کا درجہ رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے سرتسلیم ہی ہر مومن کا مقام ہے۔فصبرٌ جمیلٌ۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے ہمارے پیارے محترم بزرگ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کا اور ہمارا مونس وغمخوار اور وارث ہو۔آمین اس عاجز کی طرف سے اپنے تمام عزیزوں کی خدمت میں افسوس اور ہمدردی کا پیغام پہنچا کر ممنون فرمائیں اور مجھے اپنے غم میں شریک شمار کرلیں۔

اس عریضہ کے جواب کی ہرگز زحمت نہ فرمائیں۔اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ وناصر ہو۔آمین

والسلام خاکسار ظفراللہ خان

مکرم ہدایت اللہ چوہدری صاحب راولپنڈی کے نام۔موصوف نے مارچ 1970ء میں حضرت چوہدری صاحب کو ان کے عالمی عدالت انصاف کا صدر مقرر ہونے پر مبارکباد کا خط لکھا جس کے جواب میں خط کا شکریہ ادا کرنے کے بعد حضرت چوہدری صاحب نے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم عالمی عدالت انصاف۔دی ہیگ۔دی پریذیڈنٹ

19 مارچ 1970ء جناب محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کی جانفشانی اور سخت مشکل حالات کے باوجود آپ کے خوشگوار رویے کو سراہتا ہوں۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے آپ کی پہلے سے بھی رہنمائی کی ہے اور اب تک آپ کی کوششوں کو اپنے فضلوں سے نوازا ہے آئندہ بھی آپ کو اپنے رحم اور برکات سے نوازے، آپ سے راضی ہو، اور آپ کی مزید شاندار ترقیات کے دروازے کھولے۔نیک تمناؤں کے ساتھ آپ کا مخلص ظفراللہ خان

(انگریزی سے ترجمہ) مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب لندن کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم 19 ہائی سیٹ کیمرج۔ 11.8/61 مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والانامہ ابھی ملا ہے تصویر کا اور آپ کی دعاؤں کا نہایت ممنون ہوں۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔میں آج ہی نیویارک جارہا ہوں۔میرے لئے دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے نئی ذمہ داریوں کے کماحقّہا ادائیگی کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ہر مرحلہ پر ہادی وناصر ہو اور اعلیٰ کامیابی اور سرخروئی عطا فرمائے۔آمین واللہ المستعان وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ وناصر ہو۔آمین والسلام خاکسار ظفراللہ خان

(انصاراللہ ربوہ نومبر، دسمبر 1985ء صفحہ 116 تا 137)

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی عظیم الشان علمی وسیاسی خدمات

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں

1940ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک اہم تقریب منعقد ہو رہی تھی۔جس میں تقسیم انعامات کے لئے آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔اور آپ 9مارچ 1940ء کو دہلی سے بذریعہ کار کلکتہ میل سوا نو بجے وارد علی گڑھ ہوئے۔ریلوے اسٹیشن پر معززین نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا جن میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

1۔آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی وجج فیڈرل کورٹ دہلی۔2۔مسٹر اے۔بی۔اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔3۔مسٹر اے۔ٹی نقوی آئی سی ایس کلکٹر ضلع علی گڑھ۔4۔ڈاکٹر ہادی حسن صاحب صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی۔

5۔کپٹن حیدر خانصاحب صدر شعبہ کیمسٹری مسلم یونیورسٹی۔6۔ڈاکٹر طاہر رضوی صاحب صدر شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی۔7۔خاں بہادر شیخ محمد عبداللہ صاحب۔8۔مسٹر عبداللہ بٹ لیکچرر مسلم یونیورسٹی۔آنریبل چوہدری صاحب اسٹیشن سے بذریعہ کار مسلم یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوئے جہاں وکٹوریہ گیٹ پر یونیورسٹی کے رائڈنگ سکواڈ (RIDINGSQUAD) نے آپ کو سلامی دی۔پھر آنریبل چوہدری صاحب نے آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب کے ہمراہ تمام یونیورسٹی کا چکر لگایا اور قریباً ہر شعبہ کا معائنہ فرمایا۔ساڑھے چار بجے بعد دوپہر آپ کے اعزاز میں یونیورسٹی کی طرف سے دعوت چائے دی گئی۔اس کے بعد کھیلوں کے جلسہ تقسیم انعامات میں جناب چوہدری صاحب نے انعامات تقسیم فرمائے۔اختتام پر مسٹر اے بی اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے آپ کا انگریزی میں شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ہم آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے نہایت شکر گزار ہیں۔جو اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنے کام کا حرج کر کے یہاں تشریف لائے نیز آپ کی غیر معمولی قابلیت اعلیٰ پایہ کے مدبر سیاستدان اور پارلیمنٹرین ہونے کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا۔اس کے جواب میں چوہدری صاحب نے سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد اردو میں تقریر کی جس میں فرمایا کہ میں آپ لوگوں کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی تواضع کروں۔آپ حیران ہوں گے۔کیونکہ آپ کا خیال ہوگا کہ میں انگریزی میں تقریر کروں گا لیکن میں آج چونکہ ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کے لئے اردو زبان زیادہ موزوں ہے۔اس لئے میں اسی سے کام لوں گا۔آپ نے بارہا سیاست اور دیگر مسائل پر عالمانہ تقریریں سنی ہوں گی لیکن آج میں ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک سب سے اہم ہے آپ نے حدیث انما الاعمال بالنیات کی تشریح وتفسیر نہایت پر اثر اور لطیف پیرایہ میں کی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور دیگر بزرگوں کے حالات بیان کئے۔آپ نے فرمایا جو کام کیا جائے اس کے لئے نیت نیک ہونی چاہئے اور وہ کام خدا ہی کے لئے

ہونا چاہئے۔تمہارا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے ہونا چاہئے۔اور ہر کام کرتے وقت تمہاری نیت نیک ہونی چاہئے۔اگر کھیلوں کے میدان میں کھیلو تو اس میں بھی خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشی کو مدنظر رکھ کر کھیلو۔اس موقعہ پر آپ نے حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا کہ آپ جب دریائے اٹک پر پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں ایک غیر مسلم ہے جو بہت بڑا تیراک ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس پر آپ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہاں سے آگے بڑھیں۔ وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔اور تیرنا شروع کردیا۔آخر اتنی مشق کر لی کہ اس غیر مسلم کو چیلنج دے کر شکست دی۔ ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ ہر کام میں اسلام کی برتری ترقی اور بہبودی کی کوشش کریں۔ یہ مختصر ذکر ہے اس تقریر کا جو آنریبل چوہدری صاحب نے کی۔ سامعین پر اس کا بے حد اثر ہوا۔طلباء نے دوران تقریر کئی مرتبہ خوشی کے اظہار کے لئے چیئر کیا۔ جلسہ کے اختتام پر طلباء نے جناب چوہدری صاحب کو تین دفعہ چیئر کیا اس کے بعد آپ ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو مسلم یونیورسٹی کے خاکساروں نے سلامی دی اور آپ نے ان کا معائنہ کیا۔سوا سات بجے شام کی گاڑی کلکتہ میل سے آپ واپس دہلی تشریف لے گئے۔(بحوالہ الفضل قادیان 16 مارچ 1940ء صفحہ 6)

قرارداد لاہور 1940ء اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب۔

پروفیسر راجا نصر اللہ خان

قائداعظم کی قیادت میں الگ وطن کا مطالبہ پروان چڑھنے لگا۔جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں انگریزوں کے دور حکومت کے دوران آزادی ہند کی تحریک ایک لمبے عرصہ تک جاری رہی اور اس میں ہندوستان کی تمام اہم قوموں یعنی ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے مل جل کر حصہ لیا یہاں تک کہ مسلمانوں کے عظیم اور ممتاز لیڈر محمد علی جناح ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کہلاتے تھے اور انہوں نے پورے عزم اور خلوص سے بھرپور کوشش کی کہ ہندو لیڈر بشمول گاندھی اور نہرو مسلمانان ہند کی بھی بہتری اور حقوق کا خیال کریں تاکہ آزادی ہند کی تحریک کو مل جل کر کامیاب بنایا جاسکے لیکن جیسا کہ مختلف واقعات اور حالات سے ثابت ہوتا رہا ہندوؤں کی تنگ نظری، مسلم دشمنی، خود غرضی اور بعض اپنوں کی بیگانگی نے بھی محمد علی جناح اور مسلمانوں کو یہاں تک مایوس کیا کہ آخرکار عظیم مسلمان لیڈر محمد علی جناح ہندوستان چھوڑ کر انگلینڈ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مصلح موعود کے دردمند دل کی خواہش اور پُرحکمت کاوش کا نتیجہ تھا کہ محمد علی جناح ہندوستان واپس آنے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح 1934ء میں مسلمانان ہند کو پھر سے ان کا عظیم لیڈر یعنی قائداعظم میسر آ گیا۔ **ہندو کی عیاری آخر مسلمانوں کی بیداری کا باعث بن گئی۔**سابق سول سرونٹ اور معروف قلمکار اور مصنف شوکت علی شاہ اپنے کالم حرمت حروف میں تحریر کرتے ہیں:۔''جب یہ بات واضح ہوگئی کہ انگریز کا جانا ٹھہر گیا ہے۔صبح گیا کہ شام گیا تو مسلمانوں نے مقدور بھر کوشش کی کہ ملک تقسیم نہ ہو۔انہیں آئینی تحفظات درکار تھے جس پر ہندو کسی طور راضی نہ ہوئے۔وہ انہیں عددی اکثریت کے بل بوتے پر سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ چالاک بنئے کے ذہن کو پڑھتے ہوئے اور اس کی چالوں کو سمجھتے ہوئے جب مسلمانوں نے الگ ملک کا مطالبہ کیا تو ہندوؤں نے اس کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا۔اس کو مجذوب کی بڑ اور دیوانے کا

خواب کہا گیا۔غیرتوغیراپنے بھی کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کی وجہ سے مخالفت پراتر آئے ان میں مولانا ابوالکلام آزاداورحسین احمد مدنی پیش پیش تھے مولانا آزاد بہت بڑے عالم تھے لیکن ان کی سیاسی سوچ علمی بصیرت کا ساتھ نہ دے پائی۔''(ازمضمون مطبوعہ نوائے وقت مؤرخہ 8/اگست 2012ء)

23مارچ 1940ء کی فیصلہ کن قراردادلاہور۔ قائداعظم محمد علی جناح 1934ء میں انگلستان سے واپس ہندوستان تشریف لے آئے اس کے بعد قائداعظم اوران کے مخلص ساتھیوں نے بڑے زورشور سے مسلمانان ہند کومسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنا شروع کردیااور ہندوستان بھر کے مسلمان اپنی مرضی سے کندھے سے کندھا ملاکرمسلم لیگ کی حمایت میں جمع ہوتے گئےاورایک فعال قوت کی شکل اختیارکرتے گئے۔آخر 23 مارچ 1940ء کافیصلہ کن دن آپہنچا جب قائداعظم کی صدارت میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کے خدوخال واضح کرنے کے لئے قرارداد لاہور(جسے بعد میں بجاطور پرقرارداد پاکستان کا نام دیا گیا) پیش کی گئی۔قرارداد پاکستان کے ذریعہ گویاوطن عزیز پاکستان کی بنیادرکھ دی گئی۔

قرارداد پاکستان کی بنیادی اہمیت اورملی فوائد۔ یہ قراردادکس طرح پاکستان کی بنیاداورمسلمانان ہند کے لئے بے بہافوائداور برکات کا باعث بنی اس کے لئے اہل علم وقلم کے کچھ اہم حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔متذکرہ قرارداد کا نتیجہ پاکستان معرض وجود میں آیا۔معروف علمی و ادبی اور کہنہ مشق قلمکار ڈاکٹر محمد اجمل نیازی کے کالم بے نیازیاں کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں:''مارچ کی 23 تاریخ بہت اہم ہے۔میرے خیال میں 23مارچ 14/اگست سے بھی زیادہ اہم ہے۔23مارچ 1940ء کوقرارداد پاکستان پیش کی گئی اورسات سال کے اندر 14/اگست کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔تحریک پاکستان،تحریک آزادی بھی تھی۔''(نوائے وقت مؤرخہ 9مئی 2012ء)معروف اورقابل صحافی احسان اللہ ثاقب اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں:۔''قراردادلاہور کی تاریخی اہمیت مسلمہ ہے۔یہ قرارداد 23 مارچ 1940ء کولاہور کے منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں لاکھوں فرزندان اسلام نے منظورکی۔اس قرارداد کی تاریخی اہمیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے مسلمانان ہند کے لئے ایک الگ۔آزادخودمختارمسلم ریاست کا نصب العین متعین کیا جس کے نتیجے میں صرف سات سال اور 5 ماہ کے قلیل عرصہ میں توحیدورسالت کے پروانوں کوخودمختاروطن عزیز حاصل ہوگیا۔یہ قراردادمسلمانوں کے سچے جذبات اوراحساسات کی آئینہ دارتھی اس کا جادوسر چڑھ کر بولا۔ جذبوں کی سچائی کاایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگرچہ اس قرارداد میں پاکستان کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں کیا گیا مگراس کے باوجوداسے قراردادلاہورکی بجائے زیادہ ترقرارداد پاکستان کا نام دیا جاتا ہے۔'' آگے چل کرمضمون نگاررقمطراز ہیں:۔''قراردادلاہورکی منظوری کے بعد پشاور سے لے کر چاٹگام تک مسلم قوم آزادی حاصل کرنے کے لئے دشمن کے سامنے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔شہرشہرگاؤں گاؤں ہرزبان پر یہ نعرے تھے ''آزادی کا مطلب کیا۔لا الہ الا اللہ۔بن کے رہے گا پاکستان۔لے کے رہیں گے پاکستان۔'' دوسری جانب قراردادلاہور نے ہندوقیادت کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کردیا۔مثال کے طور پرگاندھی نے مسلمانوں کے الگ وطن کے مطالبےاورتقسیم ہند کی تجویز کوناقابل عمل قراردیا......مگرقائد اعظم نے ہندوراہنماؤں کے اعتراضات کوردکرتے ہوئے کہا:۔''قدرت نے پہلے ہی ہندوستان کوتقسیم کررکھا ہےاوراس کے حصے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ہندوستان کے نقشے پرمسلم ہندوستان اور ہندوہندوستان پہلے ہی موجود ہیں۔'' بالآخر 14/اگست 1947ء کوقراردادلاہور نے اپنا تاریخی رنگ دکھایا جب اسلامی ریاست پاکستان آزاددنیا کے نقشہ پرابھری۔''(نوائے وقت مؤرخہ 24مارچ 2012ء)

پہلی بار علیحدہ وطن کا مطالبہ اور ہندو پریس کا فائدہ مند پروپیگنڈا۔معروف مصنف اور اہل علم ونظر مضمون نگار جناب قیوم نظامی اپنے مضمون 23 مارچ 1940ء کی قرارداد کے پس منظر میں لکھتے ہیں:۔''23 مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران بھارت کے مسلمانوں نے پہلی بار اس قرارداد کے ذریعے ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک ہی وطن میں ہندوؤں کی بالادستی میں رہنا مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے۔1940ء کی قرارداد چونکہ پہلی قرارداد تھی جس میں مسلمانوں کی منزل کی نشاندہی کی گئی تھی اور جسے تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل باڈی کونسل کے اجلاس میں قائداعظم کی صدارت میں پُرجوش انداز میں منظور کیا گیا تھا لہٰذا ہر سال اس تاریخی قرارداد کی یاد منائی جاتی ہے۔1940ء کی قرارداد پریس میں شائع ہوئی تو اس پر پورے بھارت میں تبصرے ہوئے بیانات جاری ہوئے،کالم لکھے گئے۔بھارت کے ہندو لیڈروں نے قرارداد لاہور کو قرارداد پاکستان کا نام دیا جسے مسلمانوں نے قبول کرلیا۔''(نوائے وقت مؤرخہ 23 مارچ 2012ء)اس وقت مسلمان ایک قوم تھے۔معروف مضمون نگار مصباح کوکب اپنے مضمون بعنوان 23 مارچ میں تحریر کرتی ہیں:۔''23 مارچ ایک تاریخ ساز دن ہے۔آج سے 72 برس قبل 1940ء کو منٹو پارک لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ کنونشن ہوا تھا جس کی صدارت قائداعظم نے کی تھی۔اس وقت مسلمان ایک قوم تھے ان میں جذبہ تھا، سچی لگن تھی،عزم و ارادہ تھا،سب کی زبان پر تھا کہ لے کے رہیں گے پاکستان۔بن کے رہے گا پاکستان اور پاکستان کا مطلب کیا لا الہٰ الا اللہ۔اس وقت مسلمان پنجابی،سندھی،سرحدی،بلوچی،بنگالی یا پٹھان ہرگز نہ تھے اور نہ ہی کوئی شیعہ تھا اور نہ ہی سنی بلکہ صرف مسلمان تھے اور سب ایک تھے اور قائداعظم نے بھی مسلمانوں کو جمہوریت کے تین راہنما اصول ایمان (Faith)،اتحاد (Unity) اور نظم وضبط (Discipline) سے روشناس کردیا تھا اور پھر انہی راہنما اصولوں پر عمل کرتے ہوئے۔مسلمانوں نے ایک منظم اور متحد قوم بن کر 1940ء سے 1947ء تک جدوجہد کرتے ہوئے سات سال کے مختصر عرصہ میں علیحدہ وطن حاصل کرلیا۔لیکن جونہی اس ملک کو بنانے والے اللہ کو پیارے ہوگئے تو ابن الوقت مصلحت آمیز اقتدار پرست وڈیرہ شاہی اور جاگیردارانہ ذہنیت نے اجارہ داری قائم کرلی۔وہ لوگ جو شریک سفر نہ تھے انہیں نوازا گیا اور ساتھ ہی لوٹ کھسوٹ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔''(نوائے وقت مؤرخہ 23 مارچ 2012ء) جناب مجید نظامی کچھ تاریخی حقائق بیان کرتے ہیں:۔''قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد سات سال کے مختصر عرصہ میں انگریزوں،ہندوؤں اور سکھوں کی مخالفت کے باوجود پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔پاکستان کے مخالفین میں مسلمان بھی تھے جن میں کانگریسی مسلمان،احراری مسلمان اور خاکسار مسلمان شامل تھے......دوقومی نظریہ پاکستان کی بنیاد ہے یعنی ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قوم تھے اور ہیں۔''(نوائے وقت 24 مارچ 2012ء صفحہ 6 کالم 6) صاحب علم وفکر مصنف اور مضمون نگار جناب قیوم نظامی کے ماضی قریب میں شائع ہونے والے مضمون ''پنجاب میں مسلم لیگ کے ابتدائی سال'' سے یہ اقتباس پڑھتے ہیں۔''23 مارچ 1940ء کو مینار پاکستان لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجتماع ہوا جس میں قرارداد لاہور منظور ہوئی جسے بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے پکارا گیا۔یہ قرارداد مسلمانوں کی تمناؤں،آرزوؤں اور تصورات کی آئینہ دار تھی جس نے ہندوستانی تاریخ کو متاثر کیا۔اس تاریخی قرارداد نے بھارت کے مسلمانوں کو علیحدہ شناخت اور نصب العین دیا۔''(نوائے وقت مؤرخہ 14 جولائی 2014ء ادارتی صفحہ)

تاریخ ساز قرارداد پاکستان کا مسودہ کس نے تیار کیا۔ قارئین کرام نے قرارداد لاہور کی بنیادی اہمیت اور مسلمانان ہند کے اتحاد اور ولولہ میں

اس قرارداد کا مرکزی کردار جس کے نتیجہ میں آزاد وطن پاکستان کی بنیاد اور اٹھان اور عظیم عمارت استوار ہوئی کے متعلق ٹھوس حقائق پر مبنی حوالے پڑھ لئے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ ایسی زبردست اور بے بہا دستاویز کس عالی دماغ اور مخلص خادم ملت کا نتیجہ فکر اور قلمی شاہکار تھا۔شائد یہ راز کبھی بھی پوری طرح آشکار نہ ہو پاتا اگر عوامی نیشنل پارٹی کے لیڈر ولی خان اپنی کتاب Facts are Facts میں ایک اہم تاریخی دستاویز کا انکشاف نہ کرتے جو انہوں نے برطانیہ کی انڈیا آفس لائبریری میں دیکھی اور اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا لیکن خود ہی یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ پاکستان گویا قائداعظم اور مسلم لیگ نے نہیں بنایا تھا بلکہ اس میں انگریزوں کا ہاتھ تھا۔ولی خان کے اس بیان سے ملک میں کافی ہلچل مچ گئی۔اس صورتحال پر فرزند پاکستان اور قائداعظم کے معتمد خاص اور سابق وزیر خارجہ پاکستان چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے اس زمانہ کے مشہور انگریزی اخبار پاکستان ٹائمز لاہور کی 13 فروری 1982ء کی اشاعت میں ایک مفصل واضح اور محنت طلب مضمون تحریر کیا۔ایڈیٹر صاحب پاکستان ٹائمز نے اس مضمون کو چوہدری ظفر اللہ خان وضاحت کرتے ہیں کے عنوان سے ایک خصوصی نوٹ کے ساتھ شائع کیا جس میں بتایا گیا کہ (ترجمہ) ''سر محمد ظفر اللہ نے فروری 1940ء کے آخر نصف میں (وائسرائے ہند) لارڈ لنلتھگو کو جو نوٹ بھیجا تھا اس کا پس منظر اور اس وقت کے حالات کی تفصیل بیان کرنے کے لئے چوہدری صاحب نے بہت محنت اور کاوش سے کام لیا ہے۔ولی خان نے ایک اردو مجلّہ کے ساتھ انٹرویو میں اس نوٹ پر اپنے الزامات کی بنیاد رکھی تھی۔'' قارئین کرام جملہ معترضہ کے طور پر یاد آیا کہ اس حقیقت کا ڈاکٹر صفدر محمود نے بھی اپنے مخالفانہ مضمون مطبوعہ روزنامہ جنگ میں اعتراف کیا ہے کہ:۔''تاریخ بتاتی ہے کہ جب ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے 20 مارچ 1939ء کو یہ اعلان کیا کہ ہندوستان کو جلد ڈومینین کا درجہ دیا جائے گا یعنی آزادی دے دی جائے گی تو اس اعلان کے حوالے سے سر ظفر اللہ خان نے وائسرائے کے لئے نوٹ تیار کیا جس میں مسلم لیگ اور کانگرس کے مطالبات کا تجزیہ کیا گیا تھا۔'' نیز ڈاکٹر صفدر محمود کم از کم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں: کہ ''اس نوٹ میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے چوہدری رحمت علی کی سکیم اور مشرق اور مغرب میں دو مسلمان مملکتوں کے قیام کا جائزہ لیا تھا۔'' (روزنامہ جنگ مؤرخہ 27 نومبر 2011ء) اب چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کے متذکرہ مضمون مطبوعہ پاکستان ٹائمز (13 فروری 1982ء) کے کچھ اہم اور متعلقہ حصوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ **چوہدری رحمت علی کا تجویز کردہ پاکستان۔**''چوہدری رحمت علی نے جس پاکستان کی تجویز پیش کی اس کا بنیادی نکتہ برصغیر پاک و ہند کی مسلم اور غیر مسلم آبادی کا مکمل تبادلہ تھا تا کہ اس کی ساری کی ساری مسلم آبادی برصغیر کے شمال مغربی علاقہ میں منتقل ہو جائے اور اس علاقہ کی غیر مسلم آبادی برصغیر کے نسبتاً بڑے علاقے میں منتقل ہو جائے یہ مکمل طور پر ناقابل عمل سکیم تھی جس پر اگر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تو یہ اس مسلم آبادی کے لئے ناقابل بیان مصائب اور تکالیف کا موجب ہوتا جو متحدہ صوبہ جات، بہار، بنگال، آسام، اڑیسہ، وسطی صوبہ جات، مدراس، بمبئی اور شمال مغربی علاقہ سے باہر واقع ہندوستانی ریاستوں میں بس رہی تھی۔'' **سر محمد ظفر اللہ خان کے تحریر کردہ نوٹ میں لارڈ لنلتھگو کو کوئی دخل نہیں تھا۔** سر محمد ظفر اللہ خان تحریر کرتے ہیں:۔''میں اپنے اس نوٹ کی کچھ وضاحت کرتا ہوں جس کا ذکر لارڈ لنلتھگو نے 12 مارچ 1940ء کو لارڈ زٹ لینڈ (Lord Zetland) کے نام اپنے خط میں کیا تھا۔یہ نوٹ ماہ فروری 1940ء کے آخر نصف میں تیار کیا گیا تھا اور اسے لارڈ لنلتھگو کو بروقت پہنچا دیا گیا تھا تا کہ اسے اس سرکاری (ڈاک والے) تھیلے میں شامل کر لیا جائے جو لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ والے خط سے پہلے جانا تھا۔اس خط اور (میرے) نوٹ کے بغور مطالعے سے یہ بات کسی شک وشبہ کے بغیر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نوٹ میں نے ذاتی طور

پر پہل کر کے خود تیار کیا تھا اور میں اس کے مندرجات کے ہر حصے کا اکیلا ذمہ دار تھا۔ لارڈ لنلتھگو کا یہ نوٹ لکھوانے سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔'' **پاکستان سکیم اور علیحدگی کی تقسیم کا واضح فرق۔** ''حال ہی میں جس سکیم کو بھاری تعداد میں مسلمانوں کی حمایت حاصل ہوئی ہے وہ (چوہدری رحمت علی کی) پاکستان کی سکیم نہیں بلکہ وہ سکیم ہے جسے ہم ''علیحدگی کی سکیم'' کا نام دے سکتے ہیں ان دونوں سکیموں میں سب سے اہم فرق یہ ہے کہ پاکستان سکیم کا ایک لازمی جزو آبادیوں کا تبادلہ ہے جبکہ علیحدگی کی سکیم میں اس قسم کا کوئی ناممکن اور ناقابل عمل عنصر شامل نہیں۔ مختصر طور پر علیحدگی کی تقسیم یہ ہے کہ ایک شمال مشرقی فیڈریشن بنائی جائے جو بنگال اور آسام کے موجودہ صوبوں پر مشتمل ہو اور ایک شمال مغربی فیڈریشن بنائی جائے۔ جو پنجاب، سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سرحدی قبائلی علاقہ جات پر مشتمل ہو۔ یہ بات کم سے کم عقل والے شخص پر بھی واضح ہو جائے گی کہ جس پاکستان سکیم کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ رحمت علی والی سکیم ہے۔ جس کو اب تک پاکستان کا نام دیا جاتا ہے۔'' محترم چوہدری صاحب نے اپنے تفصیلی نوٹ میں کئی حقائق بیان کرتے ہوئے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ''جیسا کہ لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ 1940ء کے مکتوب بنام سیکرٹری آف سٹیٹ برائے انڈیا میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ میرے نوٹ کی ایک کاپی پہلے ہی قائداعظم کو بھیج دی گئی تھی۔''

نوٹ کی اہمیت اور انفرادیت۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان مزید واضح کرتے ہیں:۔ ''جیسا کہ میں نے واضح کیا ہے کہ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ لارڈ لنلتھگو کے 12 مارچ 1940ء کے خط میں میرے جس نوٹ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس حقیقت پر مبنی تھا کہ ہندوستان میں مسلمان ایک واضح طور پر علیحدہ قوم ہیں اور یہ کہ آئینی مسئلے کا واحد تسلی بخش اور قابل قبول حل یہ ہے کہ شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں پر مشتمل فیڈریشن قائم کی جائے اور یہ بالکل وہی مطالبہ تھا جو کچھ دنوں بعد 23 مارچ 1940ء کی مسلم لیگ کی قرارداد میں پیش کیا گیا۔ دوقومی نظریہ اور شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنز کے قیام کی سکیم میرے نوٹ میں اتنی تفصیل اور وضاحت سے پیش کی گئی ہے جو میرے ہمعصروں یا مجھ سے پہلے لوگوں میں سے کسی کی دستاویز یا بیان میں قطعاً نہیں ملتی۔''

کامیابی کا سہرا اول و آخر قائداعظم کے سر ہے۔ محترم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان اپنے متذکرہ مضمون مطبوعہ پاکستان ٹائمز کے آخری حصہ میں حصول پاکستان کے سلسلہ میں قائداعظم کو زبردست خراج تحسین اور کریڈٹ پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔ ''آخر میں اپنی بات یہاں پر ختم کرتا ہوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے اپنے نوٹ میں واضح طور پر شمال مشرقی اور شمال مغربی Federations کی سکیم پیش کی تھی لیکن بہرحال اس سے اس تمکنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی کہ پاکستان کے حصول اور کامیابی کا کریڈٹ صرف اور صرف قائداعظم کو جاتا ہے۔'' (پاکستان ٹائمز مؤرخہ 13 فروری 1982ء صفحہ 4-5)

قرارداد میں کیسا زبردست تصور پیش کیا گیا تھا۔ اب ایک نیا اور اہم حوالہ ڈاکٹر مجید نظامی کے ماضی قریب کے مضمون ''3 جون 1947ء یوم نوید آزادی'' (مطبوعہ نوائے وقت) سے پڑھ لیجئے۔ جناب مجید نظامی متذکرہ مضمون کے آخری کالم میں قرارداد لاہور کی خصوصی اہمیت اور وسعت یوں اجاگر کرتے ہیں۔ ''23 مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور میں تو یہ تصور پیش کیا گیا تھا کہ برصغیر کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلم اکثریتی علاقے مسلمانوں کی نئی آزاد مملکت کا حصہ ہوں گے اس کے تحت مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے تمام علاقوں کے علاوہ مشرقی پنجاب ہندوستان کے مغرب میں واقع موجودہ اتر پردیش کا سہارنپور ڈویژن پورے کا پورا بنگال اور آسام بشمول ہندوستان کی

ریاست بہار کا ضلع پرنیا اور کشمیر بھی پاکستان کا حصہ ہونا چاہئے تھا......الختصر ماؤنٹ بیٹن جب متحدہ ہندوستان کے مشن کو پورا کرنے میں ناکام رہا تو اس کا انتقام اس نے قائداعظم اور مسلمانوں کو ایک کٹا پھٹا پاکستان دے کرلیا۔اس کی اس تاریخی بددیانتی کا خمیازہ پاکستان آج بھی بھگت رہا ہے۔''(نوائے وقت مؤرخہ 3جون2014ء اداراتی صفحہ)

قراردادلاہور کے مصنف کے طور پرایک ہی نام نمایاں رہا ہے۔ اگر ہم مارچ1940ء کے بعد مختلف ادوار کا جائزہ لیں تو کبھی سینہ بہ سینہ اور کبھی اہل علم وخبر کے حوالوں سے قرارداد لاہور (بعد میں ہمیشہ کے لئے قرارداد پاکستان) کے مصنف کے طور پر چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحب کا نام ہی نمایاں نظر آتا ہے۔اب اس سلسلہ میں بعض معروف اہل علم وقلم کے اہم اور واضح حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

نئی نسل کو یہ یاددلوانا ضروری ہے۔ معروف علمی وادبی شخصیت اور کالم نگار محترمہ زاہدہ حنا اپنے کالم زرم گرم میں تحریر کرتی ہیں:۔

''یہاں نئی نسل کو یہ یاددلوانا ضروری ہے کہ یہ وہی ظفراللہ خان تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قرارداد پاکستان کی عبارت کو تحریر کرنے والوں میں سے تھے۔بانی پاکستان نے ان کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا اور باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کے وکیل کے طور پر پیش ہوئے۔سلامتی کونسل میں پاکستان کی طرف سے کشمیر کا مقدمہ بھی انہوں نے لڑا تھا۔''(روزنامہ ایکسپریس2جون2010ء)

چوہدری صاحب نے ہی قرارداد پاکستان کا مسودہ تیار کیا۔ دی نیوز انگریزی مؤرخہ 20نومبر 2011ء کی اشاعت میں جرأتمند خاتون صحافی اور اینکر پرسن ثنا بچہ اپنے مضمون اقلیتی رپورٹ کے کالم نمبر2 میں تحریر کرتی ہیں (ترجمہ)''مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو بھلا دیا ہے جنہوں نے اس قرارداد کا مسودہ تیار کرنے میں مدد کی جس کے نتیجے میں ہمیں پاکستان حاصل ہوا۔محمد ظفراللہ خان ایک احمدی تھے لیکن انہوں نے ہی قرارداد پاکستان کا مسودہ تیار کیا اور جب پاکستان اور ہندوستان کے درمیان آئندہ کی حدبندی کا فیصلہ کرنے کا موقع آیا تو انہوں نے ہی مسلم لیگ کا نقطہ نظر (حدبندی کمیشن کے سامنے۔مترجم) پیش کیا۔انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیرخارجہ کی حیثیت سے بھی وطن عزیز کی خدمات انجام دیں محمد علی جناح اپنے روشن خیالات اور کشادہ دلی کے باعث اپنے ملک کی نمائندگی اور خدمت کے لئے استحقاق اور اہلیت کی بنا پر لوگوں کا انتخاب کیا کرتے تھے نہ کہ مذہب، ذات یا عقیدہ کی وجہ سے۔''(دی نیوز مؤرخہ 20نومبر2011ء)

قراردادلاہور کے مصنف سرظفراللہ خان ہی تھے۔ اسلام آباد کی معروف نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (NUST) کے لیکچرار جناب حسین احمد اپنے مضمون مطبوعہ Daily Times (22دسمبر2012ء) میں تحریر کرتے ہیں:۔(ترجمہ) یہ سرظفراللہ خان ہی تھے جنہوں نے قراردادلاہور کا بھی مسودہ تیار کیا تھا۔جس میں پہلی دفعہ پاکستان کا تصور پیش کیا گیا۔سرظفراللہ خان کا تعلق بہرحال......احمدیہ فرقہ سے تھا۔اس لئے اس سلسلہ میں ان کے کردار کو سالہا سال تک صیغہ راز میں رکھا گیا۔یہاں تک کہ حال ہی میں لارڈ لنلتھگو کی تحریر کردہ دستاویزات اور خطوط نے سرظفراللہ خان کے کردار کی مرکزی حیثیت کو منکشف کر دیا ہے۔ (ڈیلی ٹائمز (انگریزی) مؤرخہ 22دسمبر2012ء)

ایک نقطہ پر جمع ہونے کی بنیادی دستاویز۔وقیع و بے باک صحافی جناب محمد احمد اپنے تفصیلی مضمون The Forgotten Hero Mohammad Zafrullah Khan مطبوعہ ڈیلی ٹائمز (مؤرخہ یکم ستمبر 2013ء) میں رقمطراز ہیں:۔سرظفراللہ خان کی مسلمانان ہند کی تحریک آزادی کے لئے سب سے بڑی خدمت قراردادلاہور (قرارداد پاکستان) کی تیاری ہے جو ہماری قومیت کے ایک نقطہ پر جمع ہونے کی

بنیادی دستاویز ہے۔قرارداد لاہور ایک وسیع البنیاد حل تھا جس میں کئی ایک Solutions کی گنجائش موجود تھی جن کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور پاسبانی کرنا تھا۔(ڈیلی ٹائمز مؤرخہ یکم ستمبر 2013ء)انگریزی روزنامہ Dawn 18)۔6۔2017) کا سپیشل۔صفحہ 4۔تاریخی حوالہ روزنامہ ''ڈان'' نے اپنی 18 جون کی اشاعت کا پورا صفحہ نمبر 4 مطالبۂ پاکستان کی تاریخی ''قرارداد لاہور'' (پاکستان)23 مارچ 1940ء سے معنون کیا ہے۔اس صفحہ پر سب سے اوپر والی لائن میں قائداعظم کی نمایاں تصویر دی گئی ہے۔جس کے متعلق تحریر کیا گیا ہے کہ وہ 22 مارچ 1940ء کومنٹو پارک لاہور (موجودہ اقبال پارک) میں ایک جم غفیر سے مخاطب ہیں......درمیان والی لائن کی بائیں جانب پہلے نمبر پر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کی تصویر ہے جس کے متعلق صفحہ کے آخری حصے میں یہ الفاظ درج ہیں۔(ترجمہ):''سر ظفر اللہ خان (فوٹو۔درمیان والی لائن بائیں جانب پہلے نمبر پر) کو''قرارداد'' (پاکستان) کا اولین وبنیادی مسودہ تیار کرنے کا کریڈٹ حاصل ہے۔بعد میں اس کے اہم نکات ایک میمورنڈم (یادداشت) کی شکل میں دہلی میں وائسرائے لارڈ لنلتھگو کو پیش کئے گئے اس کے بعد لاہور میں (مسلم لیگ کی۔مترجم) ورکنگ کمیٹی نے اسے مزید سنوارا (اور آخری شکل دی)۔''(ڈان (انگریزی) مورخہ 18 جون 2017ء صفحہ 4 سپیشل)

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے کہ 23 مارچ 1940ء کی قرارداد پاکستان کے صرف سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے قائداعظم اور ان کے مخلص ساتھیوں کی انتھک اور بے لوث کوششوں اور کاوشوں کے نتیجہ میں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جانے والے مسلمانان ہند کی مدد فرمائی اور 14 اگست 1947ء کو بفضل اللہ تعالیٰ پیارا پاکستان دنیا کے نقشے پر سورج کی مانند طلوع ہوا۔اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرمائے اور وطن عزیز کو ہمیشہ سلامت وسرفراز رکھے۔آمین

یہ دیس ہمارا ہے اسے ہم نے سنوارا ہے　　　اس کا ہر اک ذرہ ہمیں جان سے پیارا ہے

رنگ اس کو دیئے ہم نے اسے ہم نے نکھارا ہے

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا لنڈن کی کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں آزادی کا پرجوش کلمہ حق

احمدیت کے بطل جلیل حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی عالم اسلام کے لئے کی گئی عظیم الشان خدمات اتنی اہم اور بنیادی ہیں کہ مستقبل کا کوئی انصاف پسند مؤرخ ان سے آنکھیں بند کر کے نہیں گذر سکتا۔آپ کی چند اہم خدمات تاریخ احمدیت کے حوالہ سے درج کی جاتی ہیں۔

مورخ احمدیت مولانا دوست محمد شاہد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''1945ء کا سال ہندوستان کے سیاسی مطلع پر ایک نہایت مایوس کن ماحول میں طلوع ہوا۔آزادی ہند کے تعلق میں کرپس مشن 1 کی ناکامی کے بعد ہندوستان اور انگلستان کے درمیان زبردست تعطل پیدا ہو چکا تھا اور باہمی سمجھوتہ کے امکانات بظاہر ختم ہو چکے تھے اور اس کے لئے ہندوستانی اور انگریز دونوں ہی کوئی نیا قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے بلکہ اس زمانہ قریب کے عرصہ میں برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی سے متعلق سوالات کے جو بھی جوابات دیئے گئے وہ حد درجہ مایوس کن تھے اور عام طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ ہندوستان کو آزاد کرنے کا سوال ایک عملی سیاست کے طور پر انگلستان کے سیاسی مدبروں کے سامنے نہیں آ سکتا۔علاوہ ازیں لارڈ ویول جو کرپس مشن کی آمد کے وقت ہندوستان کی فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے اور اب وائسرائے ہند کے عہدہ پر تھے۔ہندوستانی حقوق آزادی کے عموماً اور تحریک پاکستان کے خصوصاً بہت مخالف سمجھے جاتے تھے۔چنانچہ وہ 14۔دسمبر 1944ء کو ایسوسی ایٹڈ

چیمبر آف کامرس کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے یہاں تک کہہ چکے تھے کہ۔''اگر ہندوستان سیاسی اختلافات کے بخار میں مبتلا رہا اور اس کے سیاسی ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ اس کے جسم پر بڑا آپریشن ہونا چاہئے جیسا کہ پاکستان۔تو ہندوستان ایک بہترین موقعہ کھودے گا اور یہ عظیم ملک خوشحالی اور فلاح کی جنگ میں ناکامیاب رہے گا۔(قائداعظم اوراُن کا عہد صفحہ 344 از رئیس احمد جعفری ندوی ناشر مقبول اکیڈمی لاہور)

ان مخدوش اور سراسر ناموافق حالات میں جبکہ کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ نے ''اسیروں کے رستگار'' حضرت سیدنا المصلح الموعود کو تحریک فرمائی کہ انگلستان اور ہندوستان کو سمجھوتہ کی دعوت دیں اور انہیں توجہ دلائیں کہ انہیں آپس میں صلح کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اس آسمانی دعوت کو جو مختلف الہاموں اور کشوف اور رؤیا کے نتیجہ میں تھی۔اگر ہندوستان کی آزادی کا روحانی پس منظر قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ اس کے بعد نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان کی ملکی سیاسیات میں یکا یک غیر معمولی تغیرات و انقلابات پیدا ہو گئے بلکہ صرف ڈھائی سال کے نہایت قلیل عرصہ میں ہندوستان غیر ملکی تسلط سے آزاد ہوگیا اور پاکستان جیسی عظیم اسلامی مملکت معرض وجود میں آ گئی۔**حضرت مصلح موعود کا پیغام صلح**۔چنانچہ حضرت مصلح موعود نے 12 جنوری 1945ء کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر ایک انقلاب انگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انگلستان اور ہندوستان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔''وقت آ گیا ہے کہ انگلستان برٹش ایمپائر کے دوسرے ممالک بالخصوص ہندوستان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ میل جول رکھے اور اس کے ساتھ صلح کرنے کے لئے پرانے جھگڑوں کو بھلا دے۔اور دونوں مل کر دنیا میں آئندہ ترقیات اور امن کی بنیادوں کو مضبوط کریں۔۔۔۔۔اے انگلستان تیرا فائدہ ہندوستان سے صلح کرنے میں ہے۔۔۔۔۔۔دوسری طرف میں ہندوستان کو یہی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بھی انگلستان کے ساتھ اپنے پرانے اختلافات کو بھلا دے۔''نیز فرمایا۔''میں اپنی طرف سے دنیا کو صلح کا پیغام دیتا ہوں۔میں انگلستان کو دعوت دیتا ہوں کہ آؤ! اور ہندوستان سے صلح کرلو اور میں ہندوستان کو دعوت دیتا ہوں کہ جاؤ! اور انگلستان سے صلح کرلو اور میں ہندوستان کی ہر قوم کو دعوت دیتا ہوں اور پورے ادب واحترام کے ساتھ دعوت دیتا ہوں بلکہ لجاجت اور خوشامد سے ہر ایک کو دعوت دیتا ہوں کہ آپس میں صلح کرلو اور میں ہر قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک دینوی تعاون کا تعلق ہے ہم ان کی باہمی صلح اور محبت کے لئے تعاون کرنے کو تیار ہیں اور میں دنیا کی ہر قوم کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم کسی کے دشمن نہیں۔ہم کانگرس کے بھی دشمن نہیں ہم ہندومہاسبھا والوں کے بھی دشمن نہیں مسلم لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں اور زمیندارہ لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں۔اور خاکساروں کے بھی دشمن نہیں۔اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم تو احراریوں کے بھی دشمن نہیں۔ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اور ہم صرف ان کی ان باتوں کو برا مناتے ہیں جو دین میں دخل اندازی کرنے والی ہوتی ہیں۔ورنہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں اور ہم سب سے کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو کہ ہم خدا تعالیٰ کی اور اس کی مخلوق کی خدمت کریں۔ساری دنیا سیاسیات میں الجھی ہوئی ہے۔اگر ہم چندلوگ اس سے علیحدہ رہیں اور مذہب کی تبلیغ کا کام کریں تو دنیا کا کیا نقصان ہوجائے گا۔''(الفضل 17 جنوری 1945ء صفحہ 5 کالم 3) حضرت امیر المومنین ؓ نے انگلستان وہندوستان کے نام صلح کا پیغام دینے کے ساتھ ہی یہ خبر دی کہ اگرچہ آپ کی دعوت مصالحت کا سیاسی دنیا پر بظاہر کوئی اثر نہیں ہوسکتا مگر خدا تعالیٰ قادر ہے کہ وہ آپ کی آواز کو بلند کرنے اور موثر بنانے کا انتظام فرما دے۔چنانچہ حضور نے فرمایا۔''اس میں شبہ نہیں کہ میرا ایسی نصیحت کرنا اس زمانہ میں جبکہ ہماری جماعت ایک نہایت قلیل جماعت ہے بالکل ایک بے معنی سی چیز نظر آتی ہے۔میری آواز کا نہ ہندوستان پر

اثر ہوسکتا ہے اور نہ انگلستان پر اثر ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔میں انگلستان کو نصیحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں خواہ میری یہ نصیحت ہوا میں ہی اڑ جائے اوراب تو ہوا میں اڑنے والی آواز کو بھی پکڑنے کے سامان بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ ریڈیو ہوا میں سے ہی آواز کو پکڑنے کا آلہ ہے۔پس مجھے اس صورت میں اپنی آواز کے ہوا میں اڑ جانے کا بھی کیا خوف ہوسکا ہے جبکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ہوا میں اڑنے والی آواز کو بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچادے۔''(الفضل 17 جنوری 1945ء صفحہ 1۔2)

کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کا حریت پرور خطاب

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی زبان کو بسا اوقات اپنی زبان بنالیتا ہے۔یہی صورت یہاں ہوئی۔ حضرت امیرالمومنین کے خطبہ کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سامان پیدا کر دیئے کہ حکومت ہند نے احمدیت کے مایہ ناز فرزند چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کو) جوان دنوں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج تھے(کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان بھجوایا۔ 17۔فروری 1945ء کو(Chatham House) میں کانفرنس کا افتتاح ہوا جس میں آپ کو بھی بتاریخ 19۔فروری(خطاب کرنے کا موقعہ دیا گیا۔باوجود یہ کہ آپ اس وقت سرکاری نمائندہ تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص سے آپ کو یہ توفیق بخشی کہ آپ نے حضرت مصلح موعود کے خطبہ کے بیان کردہ مطالب کو نہایت عمدگی اور کمال خوبی سے اپنی زبان میں انگلستان کے سامنے رکھا اور برطانیہ سے ہندوستان کے لئے مکمل درجہ نوآبادیات دیئے جانے کا مطالبہ ایسے پرزور اثر انگیز اور پرقوت وشوکت الفاظ میں پیش فرمایا کہ پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ انگلستان کے سربرآوردہ اخبارات میں بڑے بڑے لیڈروں نے چوہدری صاحب کی تقریر کے خلاف یا اس کی تائید میں مضامین لکھے۔انگلستان سے امریکہ کے نمائندوں نے تاروں کے ذریعہ اس آواز کو امریکہ میں پھیلایا اور رائٹر کے نمائندہ نے اسے ہندوستان میں پہنچایا۔اور پھر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔اس طرح تھوڑے دنوں کے اندر اندر حضرت مصلح موعود کی آواز سے ہندوستان انگلستان اور امریکہ گونج اٹھے۔(الفضل 23 جون 1945ء صفحہ 2 کالم 2) محترم چوہدری صاحب نے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں جو معرکتہ الاراء تقریر کی اس نے تاریخ آزادی ہند میں ایک نئے اور سنہری باب کا اضافہ کیا۔آپ نے فرمایا۔

''ہندوستان کو اپنے حصول مقصد سے زیادہ دیر تک روکا نہیں جاسکتا۔ ہندوستان نے برطانوی قوموں کی آبادی کی حفاظت کے لئے پچیس لاکھ فوج میدان میں بھیجی ہے مگر وہ اپنی آزادی کے لئے دوسروں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ ہندوستان کی حالت اب بدل چکی ہے۔ جنگ نے اسے اپنی اہمیت کا پورا احساس کرادیا ہے۔اس کے صنعتی ذرائع منظم ہو چکے ہیں اور آج وہ اتحادیوں کے لئے اسلحہ کے گودام کا کام دے رہا ہے۔ اتحادی چین کو بڑی چار طاقتوں میں شمار کرنے لگے ہیں۔مگر ہندوستان کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ ہندوستان کئی پہلوؤں سے چین سے آگے ہے۔ چین صرف آبادی اور رقبہ کے مقابلے میں آگے ہے ورنہ صنعت،قوت،ساخت،اعلیٰ تعلیم،آرٹ،سائنس،رسل ورسائل،صحت،قیام امن و آئین اور دیگر تمام معاملات میں ہندوستان کا درجہ بلند ہے۔ ہندوستان کے اندرونی اختلافات کچھ بھی ہوں مگر وہ چینیوں کے باہمی تفاوت سے زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہوسکتے۔ ہندوستان پر کئی بار حملے ہوئے ہیں مگر ہندوستان نے کبھی بھی کسی پر حملہ نہیں کیا۔ ہندوستان کب تک انتظار

کرسکتا ہے۔ وہ آزادی کی طرف پیش قدمی کر چکا ہے۔ اب اسے امداد دیں اور اس کے راستہ میں مزاحم نہ ہوں اسے کوئی روک نہیں سکے گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو وہ کامن ویلتھ کے اندر رہ کر ہی آزادی حاصل کرے گا۔'' ہندوستان کی جنگی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔'' جنگ سے پہلے ہندوستان مقروض تھا مگر دوران جنگ اس نے اتنی مالی امداد دی ہے کہ اب وہ قرض خواہ بن گیا ہے۔ اس نے رضا کارانہ طور پر 25 لاکھ فوج دی ہے۔ آئندہ امن کے قیام میں ہندوستان کی جنگی کوششوں کو خاص اہمیت حاصل ہوگی۔'' (الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 1۔2)

چوہدری محمد ظفراللہ صاحب کی تقریر کی اخباروں میں دھوم۔ چونکہ برطانوی ہند کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ حکومت کے ایک سر برآوردہ نمائندہ نے ہندوستانیوں کے سیاسی اور ملکی جذبات کی وضاحت و ترجمانی کا فرض اس جرات اور بے باکی سے ادا کیا ہو۔ اس لئے ہندوستان کے سب سیاسی حلقوں نے اس نعرہ آزادی کے بلند کرنے پر چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کو زبردست خراج تحسین ادا کیا اور ملک کے مقتدر ہندو اور مسلم پریس نے بکثرت تعریفی مضامین لکھے جن میں سے بعض بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

1۔**اخبار انقلاب** اخبار انقلاب مورخہ 22۔فروری 1945ء نے ''سر ظفراللہ خاں کی صاف گوئی'' کے عنوان سے حسب ذیل ایڈیٹوریل لکھا۔'' چوہدری سر ظفراللہ خاں نے کامن ویلتھ کی کانفرنس) منعقدہ لنڈن (میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے لئے دلی توجہ کی مستحق ہے۔ کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیتہ اقوام برطانیہ کی آزادی کے محفوظ رکھنے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے! یہ الفاظ کسی غیر ذمہ دار مقرر کی زبان سے نہیں نکلے جس نے مجمع عام میں عوام سے نعرے لگوانے کے لئے یہ طریق بیان اختیار کیا ہو بلکہ ایک ذمہ دار ہندوستانی وفد کے قائد و رہنما کے الفاظ ہیں اور کوئی شخص ان کی سچائی اور درستی میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں کرسکتا۔ گزشتہ ساڑھے پانچ برس میں ایک موقع بھی نہیں آیا کہ ہندوستان نے بحیثیت مجموعی اور بہ اعتبار عمومی جنگ کے سلسلے میں اپنے واجبات و فرائض کی بجاآوری کا بہتر سے بہتر ثبوت نہ دیا ہو۔ جن جماعتوں نے جنگی مساعی میں پورا اور سرگرم حصہ نہ لیا یا جن کی طرف سے ان کی مخالفت ہوئی ان کا عذر بھی اس کے سوا کیا تھا کہ ہندوستان کو آزادی نہیں ملی اور آزادی مل جائے تو اس وسیع سرزمین کے لامتناہی وسائل کو اس پیمانے پر جنگ کے لئے حرکت میں لایا جاسکتا ہے کہ دنیا حیران رہ جائے۔ ان جماعتوں کے طریق و تدابیر سے اور بعض حالتوں میں مقاصد سے بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے اور خود ہم نے بھی ان کی تنقید میں کبھی تامل نہیں کیا۔ لیکن کیا یہ حقیقت حد درجہ رنجیدہ نہیں کہ جن جماعتوں نے ہر سعی کو حصول آزادی پر موقوف و ملتوی رکھا ان کے طرز عمل سے اختلاف کیا گیا۔ لیکن جن جماعتوں اور گروہوں نے کسی شرط یا عہد و پیمان کے بغیر ہر قسم کی قربانیوں کو آزادی جمہوریت کی حمایت کے خیال سے نیز ہندوستان کی حفاظت کے خیال سے ضروری قرار دیا۔ وہ بھی اس وقت تک منزل آزادی سے قریب تر نہیں ہوئے۔ بلاشبہ ہندوستان میں اختلافات موجود ہیں اور ان اختلافات کا فیصلہ خود ہندوستانیوں کو کرنا چاہئے اس لئے بھی کہ وہی فیصلہ کے حقدار ہیں اور اس لئے بھی کہ انہی کا فیصلہ پائدار ہوگا۔ چوہدری سر ظفراللہ خاں نے اس سلسلہ میں چین کی مثال پیش کی کہ وہاں بھی کمیونسٹوں اور مارشل چیانگ کائی شیک کی قومی پارٹی) کومنٹانگ (میں اختلافات ہیں۔ ہم اس مثال کو ہر لحاظ سے اپنے حالات کے مطابق نہیں سمجھتے۔ تاہم کیا حکومت برطانیہ کے لئے یہ زیبا ہے کہ ہمارے اختلافات کی وجہ سے سارے سلسلہ کاروبار کو معطل کئے بیٹھی رہے اور چپ چاپ یہ دیکھتی رہے کہ کب ہمارے اختلافات مٹتے ہیں اور کب اسے آزادی ہند کے مسئلے پر سنجیدگی کے

ساتھ توجہ کا موقع ملتا ہے۔''(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 4)

2۔اخباراحسان اخباراحسان نے 22۔فروری 1945ء کی اشاعت میں لکھا۔''سرظفراللہ خاں نے لندن میں ایک اورتقریر کی جس میں ایک سرکاری ممبر ہونے کے باوجود آپ نے صاف گوئی سے کام لیا ہے۔آپ نے برطانوی مدبروں سے کہا ہے کہ ان نازک لمحات میں برطانیہ کو جوفتوحات ہوئی ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔امریکہ سے برطانیہ نے معاملہ کیا تواس میں برطانیہ کو کامیابی ہوئی۔روس سے بات چیت ہوئی تواس میں بھی برطانیہ کو فتح ہوئی آگے بڑھنے کے لئے جس طرف بھی قدم اٹھے تو برطانیہ کو ناکامی نہ ہوئی۔لیکن اس لمبی چوڑی دنیا میں کیا برطانیہ صرف ہندوستان کے معاملے میں ہی شکست تسلیم کرنا چاہتا ہے؟ معلوم نہیں برطانیہ کے مدبروں نے سرظفراللہ کی ان باتوں کو کن جذبات کے ماتحت سنا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کا احساس آج سرظفراللہ جیسے انسان کو بھی ہورہا ہے اور کس قدرافسوسناک واقعہ ہوگا۔اگر برطانوی مدبروں کے دل میں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہندوستان آزاد ہونا چاہتا ہے خواہ اسے کامن ویلتھ)دول متحدہ(سے باہر ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ہندوستان دول متحدہ میں بھی شریک ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی قسمت کا آپ مالک ہواور باہر سے کوئی دباؤ اس پرنہ پڑے اور دوسری شرط یہ ہے کہ درجہ نوآبادیات میں وہ نسلی امتیاز کا شکار نہ ہو اور اس کا درجہ بالکل مساوی ہو۔ یہ باتیں بالکل صاف ہیں۔''(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 7 کالم 1)

اخبار پیام 3۔حیدرآباد دکن کے روزانہ اخبار پیام (مورخہ 8۔ربیع الاول 1324ھ مطابق 22۔فروری 1945ء) نے''ایک اجنبی کی آواز'' کے عنوان سے لکھا۔''بہت عرصہ ہوا کہ سرظفراللہ خاں قومی زندگی سے بیگانہ ہوچکے ہیں۔ان کی دنیا لال وردیوں والے چوبداروں اور سرخ قالینوں والے حکومت کے ایوانوں کی دنیا ہے اس لئے حیرت ہوئی ایک خوشگوار حیرت کہ تعلقات دولت مشترکہ کی کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے اپنی تقریر میں یہ کیسی عجیب عجیب باتیں فرمادیں کیا وہ کوئی عصبی ہیجان کا لمحہ تھا جب وہ کہہ بیٹھے کہ۔

''دولت مشترکہ کے مدبرو! کیا تم اس عجیب طنز کو محسوس نہیں کرتے کہ ہندوستان کے 30 لاکھ سپاہی میدان جنگ میں دولت مشترکہ کی اقوام کی آزادیوں کو محفوظ کرنے کی جدوجہد کررہے ہوں اور پھر خود اپنی آزادی کی بھیک مانگتے رہیں؟''اور پھر یہ کہ''کب تک تمہارے خیال میں ہندوستان انتظار کرتا رہے گا؟ ہندوستان کا قافلہ اب جادہ پیما ہے خواہ تم اس کی مدد کرو یا اس کا راستہ روکو اس کو اب کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ ہندوستان آزاد ہوکر رہے گا مگر وہ دولت مشترکہ کے اندر رہے گا اگر تم اس کو اندر رہنے دوگے اور اس کو وہ مرتبہ دوگے جو اس کا حق ہے مگر وہ اس حلقہ سے باہر بھی چلا جائے گا اگر تم اس کے لئے کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہ رکھوگے''اور پھر''اپنی سیاسی آزادی کے لئے برطانیہ کی دست نگری کرنے سے اب ہندوستان اکتا گیا ہے۔سیاسی میدان میں اپنی مایوسی اور ناکامی کا احساس اب اس اندیشہ سے بڑھتا جاتا ہے کہ کہیں ان مابعد جنگ انتظامات میں جن میں سے بعض پر اس کانفرنس میں بحث ہوگی وہ کسی ذلیل بے چارگی کی حالت میں نہ دھکیل دیا جائے۔''سرظفراللہ کی شخصیت ہمارے ملک کی ایک بہت شاندار شخصیت رہی ہے جب تک وہ دہلی اور شملہ کے سرکاری خلوت خانوں کی آسائشوں سے مانوس نہ ہوئی تھی موصوف کی ذہنی اور دماغی قابلیت کا لوہا سب مانتے ہیں۔اس قابلیت کے نقوش آج بھی ہماری قومی زندگی میں موجود ہیں۔مگر یہ آواز جو ہم نے آج لندن کے ایک ایوان میں سنی اب تو ایک اجنبی کی آواز معلوم ہوتی ہے تاہم حقائق کی قوت اس سے ظاہر ہے۔یعنی یہ حقیقت ظاہر ہے کہ

وطن کی اولاد اگر اس سے جدا کسی دوسری دنیا میں بھی آباد ہو۔تب بھی اس کی زندگی میں ایسے لمحے آتے ہیں کہ وہ اسی ایوان کے فرش پر جس کے اندر اس کی قدرتی صلاحیتیں محفوظ کر لی گئی ہیں ایک کلمہ حق کہہ سکتی ہے۔سرظفراللہ کی اس آواز میں ایک گرج ہے ایک دھما کا ہے جس کو ہم نظرانداز نہیں کر سکتے لیکن کیا وہ بھی نظرانداز نہ کر سکیں گے دولت مشترکہ کے مدبرین! جن کو سرظفراللہ نے مخاطب کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ کیا ہندوستان کی حالت چین سے بھی بدتر ہے۔کیا ہندوستان کے اندرونی اختلافات چینی کونٹانگ اور چینی اشتراکیوں کے اختلافات سے بھی زیادہ ہیں؟ پھر یہ کیا بات ہے کہ آج چین کو چار بڑے اکابر میں شمار کیا جاتا ہے مگر ہندوستان کا مقام کہیں بھی نہیں؟

بہت مشکل ہے اس بات کا سمجھنا اور بتانا کہ سرظفراللہ کی زبان سے یہ سب کچھ کن حالات میں کہا گیا اور آیا یہ کہ ان کا کہا ہوا 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ تک بھی پہنچ سکے گا یا نہیں۔لیکن یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کے اس نام نہاد وفد کی قیادت کا فرض انجام دیا اس سے آگے ہم نہیں کہہ سکتے کہ پھر بھی وہ کچھ کہیں گے یا نہیں اور ان کے شرکاء کار بھی کچھ کہیں گے یا نہیں یا یہ ایک آواز یورپ کی بین الاقوامی سیاست کے صحرائے لق ودق میں صرف ایک ہی دفعہ بلند ہو کر گم ہو جائے گی!'' (الفضل 8 مارچ 1945ء صفحہ 9 کالم 1 سے 3)

اخبار پربھات 4۔روزنامہ''پربھات''20۔فروری 1945ء نے یہ نوٹ شائع کیا۔''ہندوستان کی طرف سے سرظفراللہ بطور نمائندہ اس کانفرنس میں تشریف لے گئے ہیں۔ان کی پہلی تقریر بہت زوردار ہے اور دل خوشکن بھی۔کیونکہ انہیں نے کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں کو صاف الفاظ میں بتایا کہ بیس پچیس لاکھ سپاہی مہیا کرنے والا ملک اگر آزادی سے محروم رہا تو جنگ کے بعد بھی دنیا میں امن نہیں ہوسکتا۔ایک ایک ہندوستانی کو سرظفراللہ کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق کی بات کہہ دی۔''(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 2۔3) **اخبار ویر بھارت** 5۔''اخبار ویر بھارت''20۔فروری 1945ء نے ایک طویل مضمون میں یہ تبصرہ لکھا۔''سر ظفراللہ نے کامن ویلتھ کانفرنس میں بجاطور پر یہ سوال کیا کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ سپاہی دنیا کو آزاد کرانے کے لئے لڑ رہے ہیں کیا اس کا بدستور غلام رہنا باعث شرم نہیں ہے؟''(الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 2۔3) **اخبار پرتاپ** 6۔''اخبار پرتاپ''مورخہ 22۔فروری 1945ء نے چوہدری صاحب کی معرکتہ الاراء تقریر کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا۔''ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سرمحمد ظفراللہ آج کل لنڈن گئے ہوئے ہیں۔آپ کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلی گیشن کے لیڈر ہیں۔لنڈن میں آپ نے جو تقریریں کی ہیں ان سے ہندوستان تو کیا ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے۔کوئی امید نہ کرسکتا تھا کہ سرظفراللہ جیسا شخص بھی برطانیہ کی مذمت ایسے الفاظ میں کرسکتا ہے۔چند دن ہوئے آپ نے ایک تقریر کی جسے سن کر یو۔پی کے سابق گورنر سرمیلکم ہیلی جو اس وقت لارڈ ہیلی آف سرگودھا ہیں آگ بگولہ ہو گئے اور میٹنگ سے اٹھ کر چلے گئے۔آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سنائیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی ایک تقریر نے پانی پھیر دیا۔عام سوال یہ کیا جارہا ہے کہ یہ کیسے ہوا کہ ایسے ایسے لوگ بھی جو برطانیہ کی بدولت ان ممتاز عہدوں پر پہنچے ہیں آج اس کے خلاف ہو رہے ہیں۔جواب صاف ہے۔برطانوی حکومت ہر ایک کو چکمہ دینا چاہتی ہے اور جن لوگوں میں ابھی تک ضمیر باقی ہے وہ ان حالات کو برداشت نہیں کرسکتے۔'' (الفضل 24 فروری 1945ء صفحہ 6 کالم 4) **اخبار''ریاست''** 7۔''اخبار ریاست''26۔فروری 1945ء نے''برطانیہ کے مخلص دوستوں کی آواز''کے عنوان سے حسب ذیل

نوٹ شائع کیا۔ ''چوہدری سرمحمد ظفراللہ خاں جج فیڈرل کورٹ ایک بلند کیریکٹر شخصیت ہیں اور آپ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ آپ کے دل اور زبان میں فرق ہو۔ چنانچہ چوہدری صاحب چونکہ برطانیہ کے مخلص دوست ہیں۔ آپ نے اپنے ان اصلی جذبات کو کبھی چھپانے کی کوشش نہ کی اور جب کبھی آپ کو برطانوی پالیسی اور برطانوی مدبروں سے اختلاف ہوا تو آپ نے اس اختلاف کو بھی کھلے طور پر بیان کر دیا۔ چوہدری سر ظفر اللہ نے برطانیہ کے مخلص دوست ہوتے ہوئے حال میں جو بیان دیا ہے وہ برطانوی مدبروں کی آنکھیں کھولنے کا باعث ہونا چاہئے۔ آپ نے برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ہندوستان کی آزادی کی خواہش کو اب نہیں دبایا جاسکتا۔ کاروان آزادی اب تیزی سے منزل کی طرف رواں ہے۔ تم اس کی مدد کر دیا نہ کرو۔ آزادی کی منزل میں اس کے قدم اب متزلزل نہیں ہو سکتے۔ 25 لاکھ ہندوستانی میدان جنگ میں اقوام دولت مشترکہ کی آزادی قائم رکھنے کے لئے جنگ کر رہے ہیں لیکن وہ خود اپنی آزادی سے محروم ہیں۔'' گاندھی اور کانگرسی لیڈروں کو تو خیر برطانیہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور ان کی تحریکوں اور مطالبات کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر سر ظفر اللہ تو برطانیہ کے دشمن نہیں اور برطانیہ کے نامزد ہو کر کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں شامل ہوئے۔ برطانوی قوم اگر اپنے ان مخلص دوستوں کی رائے پر بھی توجہ نہ کرے تو اس قوم کی بدنصیبی پر کیا شک ہے۔ اے کاش! برطانیہ کے مدبر سر ظفر اللہ کے اس بیان کو آنکھیں کھول کر پڑھیں اور ہندوستان کو آزادی دی جائے۔ (الفضل 8 مارچ 1945ء صفحہ 6 کالم 3) **رسالہ ''پریت لڑی''** 8۔ سکھوں کے مشہور گورمکھی رسالہ: پریت لڑی نے اپنے مارچ 1945ء کے پرچہ میں ''سرظفراللہ'' کے زیر عنوان لکھا۔ ''لنڈن میں ڈومینینز کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ سر ظفر اللہ ہندوستان کے نمائندے ہیں اور جو زوردار بے خوف اور بے لاگ تقریریں انہوں نے کی ہیں انگریز سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ سر ظفر اللہ نے تنبیہہ کی ہے کہ اگر ہندوستان سے انصاف نہ کیا گیا اور مکمل آزادی کی تاریخ مقرر نہ کی گئی تو انگریز ہندوستان کی دوستی ہمیشہ کے لئے گنوا لیں گے۔ ان کی تقریروں کا تمام دنیا میں چرچا ہو رہا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے شکر گزار ہیں۔ مدت سے ہم نے یہ امید کرنا چھوڑ دیا ہے کہ سرکاری طور پر بھیجا ہوا ہمارا نمائندہ کبھی ہماری بھی ترجمانی کرے گا۔ ہم نے کبھی دلچسپی سے پڑھا ہی نہیں کہ یہ نمائندے وہاں جا کر کیا کہتے ہیں لیکن سر ظفر اللہ کی دلیری پر ہم فخر کرتے ہیں۔'' (ترجمہ پریت لڑی مارچ 1945ء)

چوہدری صاحب کی لنڈن ریڈیو سے اہم تقریر۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے 17۔ فروری 1945ء کو صرف کامن ویلتھ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ہی نعرہ آزادی بلند نہیں کیا بلکہ اس روز عشائیہ کی ایک خصوصی سرکاری تقریب میں بھی اپنے موقف کی تائید میں موثر تقریر فرمائی۔ ازاں بعد اپنے قیام انگلستان کے دوران ایک تقریر لنڈن ریڈیو سے براڈ کاسٹ کی جس میں ہندوستان کی سیاسی مشکلات کا حل پیش فرمایا اور بتایا کہ میں نے حکومت برطانیہ کے سامنے تجویز رکھی ہے کہ اس کی طرف سے اعلان کیا جائے کہ جنگ عظیم کے خاتمہ کے ایک سال بعد تک اگر ہندوستانی جماعتوں میں کوئی سمجھوتہ ہو گیا تو برطانیہ اسے تسلیم کرے گا۔ اگر سمجھوتہ نہ ہو سکا تو ہندوستان میں ایک عبوری آئین کا نفاذ کر کے ملک کو درجہ نوآبادیات دے دے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ میں نے جب سے انگلستان میں قدم رکھا ہے مجھ سے ہندوستان کی آئینی الجھنوں کے بارے میں بہت سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ مثلاً ہندوستان کا سیاسی قضیہ کیوں حل نہیں ہوتا؟ ہندو اور مسلمان کیوں مفاہمت نہیں کرتے؟ ہندوستان کو کب آزادی ملے گی؟ ہندوستان آزاد ہو کر کامن ویلتھ میں شامل رہے گا یا نہیں؟ ان سوالات کا جواب دینا آسان کام نہیں۔ کیونکہ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے وہ کہہ چکا ہے کہ ہندوستانی آپس میں کوئی سمجھوتہ کر کے کوئی آئین بنا لیں برطانیہ اسے منظور کرے گا۔

دوسری طرف ہندوستانی آپس میں سمجھوتہ نہیں کرتے اور یہ مسئلہ ایک الجھن سی بن کر رہ گیا ہے۔تین سال پیشتر سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان گئے تھے۔اس وقت سے آج تک ہندوستان میں الجھن سلجھانے کی بڑی کوششیں ہوئیں مگر ناکام رہیں۔۔۔۔اس وقت محاذ جنگ پر 25 لاکھ ہندوستانی سپاہی دنیا کی آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کررہے ہیں۔ہندوستان کی طرف سے اس قدر سامان جنگ فراہم کیا گیا ہے کہ آج ہندوستان جیسا مقروض ملک قرض خواہ بن گیا ہے۔صنعت وحرفت بہت زیادہ ترقی کرگئی ہے مگر اس کے سیاسی مستقبل کا کوئی حل پیدا نہیں ہوا۔ اوراس کے بغیر سب ترقیاں فضول ہیں۔میں نے برطانوی مدبروں کے سامنے یہ تجویز رکھی ہے کہ ان کی طرف سے یہ اعلان ہونا چاہئے کہ اگر ہندوستان کے لوگ جنگ جاپان کے اختتام کے ایک سال بعد تک کوئی سمجھوتہ پیش کریں تو برطانیہ اسے تسلیم کرے گا۔اگر سمجھوتہ نہ کرسکیں تو برطانیہ اپنی طرف سے آئین تیار کرکے پارلیمنٹ میں پیش کردے گا۔اس کی شکل یہی ہوگی کہ ہندوستان کو آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینیڈا اور جنوبی افریقہ کا سا درجہ دیا جائے گا۔ہندوستان کی اسمبلی کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہوگا تاکہ بعد میں ہندوستانی آپس میں اتحاد کرکے آئین کو اپنے ڈھب کے مطابق لاسکیں۔بہرحال حکومت کو ایسا اعلان کردینا چاہئے جس سے دسمبر 1947ء تک ہندوستان کی آئین سازی کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہو۔۔۔۔میں نے حکومت برطانیہ سے یہ درخواست کی ہے کہ اگر ہندوستان کی کوئی سیاسی جماعت اس آئین سے علیحدہ رہنے کی خواہش رکھتی ہو تو اس کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش رکھی جائے۔دوسری گنجائشیں بھی رکھی جائیں۔۔۔۔اس وقت ہندوستان میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو مرکزی آئین سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کی کوشش کررہی ہے لہذا برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے جو آئین منظور ہو اس میں اس امر کی گنجائش ضرور رکھنی چاہئے۔بعض برطانوی مدبر کہتے ہیں کہ ہندوستان کے آئین کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد نہیں ہونا چاہئے۔لیکن ان کا یہ بہانہ بالکل عذر لنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سیاسی الجھن کا حل برطانیہ کو دنیا بھر میں سرخرو کردے گا۔اگر وہ اس کام میں عہدہ برآ ہوگیا تو دنیا میں اس کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ناکام رہا تو اس کے وقار کو بٹہ لگ جائے گا۔۔۔۔اس نے یونان یوگوسلاویہ اور پولینڈ جیسے ملکوں کے ناقابل حل سوالات کو حل کردکھایا ہے۔کیا ہندوستان کا حق برطانیہ پر اس قدر بھی نہیں جتنا یوگوسلاویہ پولینڈ اور یونان کا ہے۔اگر برطانیہ ہندوستان کا مسئلہ حل کردے تو اس سے بہت سی الجھنیں حل ہوجائیں گی۔خود انگلستان کی بہبود کا تقاضا بھی یہی ہے۔''(بحوالہ اخبار الفضل 12 مارچ 1945ء) مکرم چوہدری صاحب نے اپنی یہی تجویز اخبار سپیکٹیٹر SPECTATOR کے ایک مضمون میں بھی نہایت وضاحت سے بیان فرمائی اور آخر میں لکھا کہ برطانوی حکومت کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسئلہ کے حل پر دنیا کے امن اور تہذیب کے مستقبل کا دارومدار ہے اور اس کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ بعض حلقوں کو اس کا احساس نہیں۔(بحوالہ اخبار الفضل 12 مارچ 1945ء)

مکرم چوہدری صاحب کا ''ہندوستان سٹینڈرڈ'' کے نمائندہ سے انٹرویو۔ مکرم چوہدری صاحب نے 22۔فروری 1945ء کو ''ہندوستان سٹینڈرڈ'' کے نمائندہ سے ایک انٹرویو میں کہا کہ میری سرکردگی میں جو وفد یہاں آیا ہے وہ دو سوالات کا قطعی فیصلہ کرانے کے بعد ہندوستان واپس جائے گا۔پہلا سوال یہ ہے کہ ہم جنوبی افریقہ کے ڈیلیگیشن کا اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ ہندوستانیوں کو شہریت کے مساوی حقوق دینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔اگر اس نے ہمارا یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اسے ہندوستان کی طرف سے پوری پوری انتقامی کارروائی کے لئے تیار

ہو جانا چاہئے دوسرا سوال ہندوستان کی آزادی ہے خواہ ہندوستان برطانوی کامن ویلتھ کے اندر رہنا منظور کرے یا باہر ہو جائے۔(الفضل 24 فروری 1945 صفحہ 8 کالم 2) **برطانوی مدبرین کے خیالات میں زلزلہ۔** آزادی ہند سے متعلق چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی تجویز نے برطانوی مدبرین کے خیالات میں ایک زبردست زلزلہ برپا کر دیا۔لنڈن کے بااثر اور مشہور روزنامہ لنڈن ٹائمز (LONDON TIMES) کے کالموں میں متعدد انگریزوں کے اس تجویز کی نسبت مراسلات شائع ہوئے اور ''لنڈن ٹائمز''20۔مارچ 1945ء نے اپنے اداریہ میں ان خطوط کا خلاصہ شائع کر کے ان کی بناء پر دو نکتے پیش کئے۔ایک یہ کہ برطانیہ کو خود اس کارروائی کے اختیار کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہئے جو ہندوستان کے متعلق اس کی اعلان کی ہوئی پالیسی کو موثر طور پر نافذ کرنے کا یقین حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔دوسرا یہ کہ موجودہ حالت میں محض کرپس مشن کی پیشکش پر یہ کہہ کر انحصار کرنا کہ اسے قبول کرلو یا رد کر دو اب کافی نہیں رہا۔نیز لکھا۔''یہ حقیقت میں جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد بھی ہندوستانی برطانوی تعاون کے لئے خطرناک ہے۔''(الفضل 22 مارچ 1945ء صفحہ 8 کالم 2)''لنڈن ٹائمز'' کی اسی اشاعت میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا ایک مضمون بھی چھپا جس پر اخبار نے اپنے لیڈنگ آرٹیکل میں یہ تبصرہ کیا کہ۔''آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی وہ سکیم جو انہوں نے اپنے اس آرٹیکل میں بیان کی ہے جو دوسری جگہ اسی صفحہ پر درج ہے گو وہ مسلم نقطہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔لیکن بلاشبہ مدبرانہ نقطہ نگاہ کی مظہر ہے اور سر موصوف کے وسیع تجربہ پر) جو انہیں اپنے ملک کی خدمت کے سلسلہ میں انتظامی ڈپلومیٹک اور جوڈیشل امور میں حاصل ہے(دال ہے۔اس سے دوسرے نقطہ ہائے نگاہ کے کماحقہ بیان و تفہیم کے لئے یکساں رستہ کھل جاتا ہے۔اس طرح یہ آرٹیکل ہندوستان کے مسئلہ پر فرقہ وارانہ جھگڑوں اور کشمکش کی بجائے محققانہ اور پر از معلومات مفید بحث کا موقعہ پیدا کرتا ہے۔''(الفضل 26 مارچ 1945ء صفحہ 8)اخبار'' گلاسگو ہیرلڈ'' نے 15۔مارچ 1945ء کی اشاعت میں چوہدری صاحب کی سکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس قسم کے ہر اقدام کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔گو ممکن ہے ابتداء میں مسٹر گاندھی اور جناح اس سے متفق نہ ہوں۔**وائسرائے ہند کو لندن آنے کی ہدایت۔** چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی حریت پرور اور انقلاب انگیز تقریروں کا اثر برطانیہ کے عوامی اور صحافتی حلقوں سے بڑھ کر خود برطانوی حکومت پر ہوا اور اس نے چوہدری صاحب کی نئی سکیم کے پیش نظر لارڈ ویول وائسرائے ہند کو انتقال اقتدار کا نیا فارمولا تجویز کرنے اور ہندوستان کو مصالحت کی پیشکش کرنے کے لئے لندن طلب کر لیا۔

وائسرائے کے دورہ انگلستان کی نسبت ممبران پارلیمنٹ کے تاثرات۔ برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران نے لارڈ ویول کے انگلستان میں آنے کی تجویز کا پر جوش خیر مقدم کیا۔چنانچہ مسٹر پیتھک لارنس لیبر ممبر نے ایک بیان میں کہا کہ یورپ کی جنگ کا خاتمہ نزدیک نظر آ رہا ہے اور اس موقعہ پر لارڈ ویول کا لنڈن آنا ہندوستانی مسئلہ کے حل کی طرف اہم پیش قدمی کا باعث ہو سکتا ہے۔بلاشبہ سر محمد ظفر اللہ خاں کی تازہ تجویز زیر غور آئے گی۔علاوہ ازیں سپرو مصالحتی کمیٹی کی تجاویز کا بھی بے تابی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ان کو بھی بھاری اہمیت حاصل ہے مسٹر ایمونل شنویل نے کہا۔ڈیڈ لاک ختم کرنے اور مسئلہ کے حل کے لئے یہ نہایت موزوں موقعہ ہے اور لارڈ ویول اس وقت ہندوستانی صورت حالات کے متعلق تازہ ترین واقفیت اور اپنے سیاسی تاثرات سے آگاہ کر سکیں گے میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ دنوں مسٹر ایمری نے ہندوستان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ بھی پر امید ہیں۔ان سب چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھوتہ کا کافی امکان ہے۔برطانیہ اس کا خیر مقدم کرے گا۔روس اور امریکہ کا

اس سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسے بے حد پسند کریں گے۔مسٹر آرتھر گرین وڈ لیڈر آف نیشنل اپوزیشن نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ لارڈ ویول کا دورہ ضرور کامیاب رہے گا۔ پارلیمنٹ میں بھی اور پارلیمنٹ کے باہر بھی گزشتہ ہفتوں سے ایسے آثار نمایاں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسئلہ کے متعلق فضاء سازگار ہورہی ہے۔ برطانیہ میں بے شمار لوگ اس کے حل کا بے تابی سے انتظار کررہے ہیں۔لارڈ ویول نہ صرف مشرق بعید کی جنگ کے سلسلے میں صلاح ومشورہ کریں گے بلکہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ بھی زیر غور آئے گا۔ پروفیسر جارج کاٹلن نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ موجودہ بات چیت سے تعطل ختم ہوکر کوئی تعمیری پروگرام سامنے آئے گا۔(الفضل 24 مارچ 1945ء صفحہ 8 کالم 4)

انگلستان میں آزادی ہند سے متعلق سرگرمیوں کی تفصیل چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کے قلم سے

چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب اپنی خودنوشت سوانح میں کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس کی تقریب پر اپنی تقاریر اوران کے ردعمل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ’’1945ء کی فروری میں Chatham_House میں Royal Institute of International Affairs کی سرپرستی میں COMMON WEALTH کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کی INSTITUTE کی طرف سے بھی ایک وفد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ وفد کے اراکین میں جناب کنورسر مہاراج سنگھ، جناب میر مقبول محمود، جناب MEHTA ۔C۔L۔ جناب خواجہ سرور حسن اور خاکسار شامل تھے۔ افتتاحی اجلاس میں ہر وفد کے قائد سے پانچ پانچ منٹ کی تقریر میں اختصاراً اپنے اپنے ملک کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے کی استدعا کی گئی۔ ہندوستان کی باری آنے پر میں نے تین منٹ تو ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے میں صرف کئے اور بتایا کہ پچیس لاکھ ہندوستانی کسی نہ کسی حیثیت میں جنگ کے مختلف محاذوں پر برطانوی اوراتحادی آزادی اور سالمیت کی حفاظت اور دفاع میں مختلف انواع کی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں اور جسم وجان کی قربانی پیش کرنے میں ان کی طرف سے دریغ نہیں ہوا۔علاوہ فوجی اور براہ راست جنگی امداد کے سامان حرب اور ذخائر خوراک مہیا کرنے میں بھی ہندوستان نے نمایاں خدمت کی ہے اور قابل قدر نمونہ قائم کیا ہے۔اس سلسلے میں چیدہ تفاصیل کا ذکر کرنے کے بعد میں نے کہا۔سیاست دانایان مملکت! کیا یہ امر آپ کے لئے باعث حیرت نہیں کہ ہندوستان کے پچیس لاکھ فرزند میدان جنگ میں مملکت کی آزادی کی حفاظت کے لئے ہتھیار بند اور کمربستہ ہوں اور ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کا منتظر اوراس کے لئے ملتجی ہو؟ شاید ایک مثال اس کیفیت کو واضح کرنے میں مد ہوسکے۔چین کی آبادی اور رقبہ ہندوستان کی آبادی اور رقبے سے بے شک فزوں تر ہیں۔لیکن وسعت اور آبادی کے علاوہ چین باقی ہر لحاظ سے آج ہندوستان سے کوسوں پیچھے ہے۔تعلیم صنعت حرفت وسائل آمدورفت غرض خوشحالی کے تمام عناصر کے لحاظ سے ہندوستان چین کی نسبت کہیں آگے نظر آتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ چین تو آج دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا ہے اور ہندوستان کسی گنتی میں نہیں؟ کیا اس کی صرف یہی وجہ نہیں کہ چین آزاد ہے اور ہندوستان غیر آزاد؟ لیکن یہ حالت اب دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہوکر رہے گا۔ مملکت کے اندر رہ کر اگر آپ سب کو یہ منظور ہو اور مملکت کو ترک کرکے اگر آپ اس کے لئے اور کوئی رستہ نہ چھوڑیں! یہ اجلاس سہ پہر کو ہوا تھا۔ اجلاس کے ختم ہونے پر جب ہم HOUSE ۔CHATHAM سے نکلے تو شام کے اخبار STAR میں میری تقریر کا یہ حصہ لفظ بلفظ موٹے حروف میں چھپا ہوا تھا اور لوگ اس پرچے کو بڑے شوق سے خرید رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جناب آصف علی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ جب لندن میں تم نے یہ تقریر کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور

کانگرس کے چند سرکردہ اراکین جن میں میں بھی شامل تھا اورنگ آباد دکن کے قلعے میں نظر بند تھے اور کانفرنس کے اس اجلاس کی کارروائی کو ریڈیو پر سن رہے تھے۔ جب تم نے سیاست دانایان مملکت کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے تمہاری تقریر سننے لگے۔ پنڈت نہرو نے تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب کر دیا۔ جب تم نے تقریر ختم کی تو انہوں نے کہا یہ شخص تو ہم سے بھی بڑھ کر صفائی سے انہیں متنبہ کرتا ہے۔

اسی شام حکومت کی طرف سے کانفرنس کے اعزاز میں HOTEL CLARIDGES۔ میں شام کے کھانے کی دعوت تھی۔حکومت کی طرف سے Lord Cranbourne جو اس وقت SEAL PRIVY LORD تھے اور بعد میں اپنے والد کی وفات پر Marquiss of Salisbury ہوئے میزبانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔لیکن وزیراعظم مسٹر چرچل کے سوائے حکومت کے تمام اراکین بشمول نائب وزیراعظم مسٹر اٹیلی اور لارڈ چانسلر لارڈ سائمن دعوت میں موجود تھے اور کھانے میں شامل تھے۔ لارڈ کرنبیورن نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے Commonwealth کی اہمیت کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی۔ مہمانوں کی طرف سے میزبان کی تقریر کا نیم مزاحیہ جواب تو ایک کینیڈین مندوب مسٹر سٹینفورڈ نے دیا۔اور وہ ایک اخبار کے ایڈیٹر ہونے کے لحاظ سے اس کے اہل بھی تھے اور سنجیدہ جواب دینے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی۔ میری سہ پہر کی تقریر کا بہت چرچا ہو چکا تھا اور توقع کی جاتی تھی کہ میں ہندوستان کی آزادی کے موضوع پر مزید کچھ کہوں۔ دعوت میں جانے سے پہلے میں یہ بھی سن چکا تھا کہ ہندوستان کی آزادی میں تاخیر کی ذمہ داری تمام تر حکومت برطانیہ پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ کیونکہ ہندو مسلمان اختلاف کے پیش نظر حکومت برطانیہ بہت حد تک معذور گردانی جاسکتی ہے۔ میں نے اپنی تقریر کے دوران میں آزادی کے موضوع پر کہا کہ حکومت برطانیہ ہندو مسلمان اختلاف کا عذر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے گریز نہیں کرسکتی۔ جنگ کے دوران برطانیہ بہت سی مشکلات کا حل دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔کیا ہندوستان کی آزادی ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل دریافت کرنے سے برطانیہ عاجز ہے؟ بے شک یہ مسئلہ مشکل ہے لیکن برطانیہ کی تدبیر اس کا حل تجویز کرنے سے عاجز نہیں آنی چاہئے۔اگر ہندو مسلمان اختلاف ہی اس مسئلے کا حل تجویز کرنے کے رستے میں سب سے بڑی روک ہے تو برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس طور پر پیش کرسکتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ واضح اعلان کر دیا جائے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندو مسلمان اختلافات کا حل متفقہ طور پر تجویز نہ ہوا تو برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف حل تجویز کر کے اس کی بناء پر ہندوستان کے لئے ایک ایسا آئین وضع کر دے گا جس کی رو سے ہندوستان کو دیگر نوآبادیات کا درجہ حاصل ہو جائے اور اس آئین کو جاری کر دیا جائے گا۔لیکن یہ آئین عارضی ہوگا۔ جونہی مستقل آئین پر فرقہ وارانہ اختلافات رفع ہو کر اتفاق ہو جائے گا پارلیمنٹ متفقہ آئین دستور کے مطابق وضع کر دے گی اور اسے رائج کر دیا جائے گا۔اس اعلان کے نتیجے میں ہندوستان بلکہ تمام دنیا برطانیہ کے حسن نیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی۔ دعوت کے اختتام پر بہت سے وزراء نے میری تجویز کے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ لارڈ سائمن نے کہا۔تم جلد کسی دن House of Lords میں لارڈ چانسلر کے فلیٹ میں دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ میں تمہاری تجویز کے متعلق تم سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ تین چار دن کے اندر میں ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔لیکن اس سے قبل میری ان تقریروں کے دو دن بعد ہی سہ پہر کے اجلاس کے لئے اپنے ہوٹل سے چھ Chatham House جا رہا تھا۔ راستے میں لبرل پارٹی کے لیڈر MR۔DAVIES CLEMENT مل گئے۔ وہ بھی کانفرنس کے اجلاس کے لئے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہا۔ مبارک ہو۔ابھی یہ خبر بصیغہ راز ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔تمہاری تقریروں کے نتیجے میں

کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرائے ہندلارڈ ویول کومشورے کے لئے لندن بلایا گیا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی کہ اس نے اس عاجز کی حقیر کوشش کونوازااوراسے پراثر بنایا۔ چنانچہ لارڈویول لندن تشریف لائے اور ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہوگیا۔'' (تحدیث نعمت بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 239 تا 258 مطبوعہ قادیان سن اشاعت 2007ء)

مسئلہ فلسطین اور جماعت احمدیہ نیز حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی عظیم خدمات

احمدیت کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی عالم اسلام کو دینی روحانی اور حتی کہ سیاسی اعتبار سے مشکلات پیش آئیں تو انکے دفاع کے لئے اور انکی راہنمائی کے لئے جو پہلی آواز اٹھی وہ یا تو امام جماعت احمدیہ کی آواز تھی یا آپ کی ہدایت کے مطابق افراد جماعت کی آواز تھی۔اور جب کبھی خطرات لاحق ہوئے تو پہلی آواز جس دردمند دل سے نکلی وہ جماعت احمدیہ کی آواز تھی۔ جہاں احمدیت نے عرب اور اسلامی ملکوں کی آزادی کے حصول میں گرانقدر اور بے لوث خدمات سرانجام دیں وہاں مسئلہ فلسطین اور اسکے حل میں بھی سب سے زیادہ حصہ ڈالا۔ بلکہ اسے سیاسی ہی نہیں ایک دینی مسئلہ قرار دے کر اس کے حل کے لئے ایسی سرتوڑ کوششیں کیں جیسی کہ جماعت احمدیہ اسلام کے دفاع میں کوششیں کرتی رہی ہے اور جو جماعت احمدیہ کا خاصا رہی ہیں۔مسئلہ فلسطین میں جماعتی کوششوں کے تذکرہ سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی آگاہی کے لئے اس مسئلہ کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔

مسئلہ فلسطین کا پس منظر۔ فلسطین کو یہودیت کا مرکز بنانے کی تحریک انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی جب عالمی صہیونی انجمن کی بنیاد ڈالی گئی۔اور ''بیل'' کے مقام پر طے پایا کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن بنایا جائے۔صہیونی تحریک کے لیڈروں نے پہلے تو سلطان ترکی کو اس بات پر آمادہ کرنیکی کوشش کی کہ یہودی وطن کے قیام کی اجازت دی جائے۔مگر ترکی حکومت نے انکار کر دیا۔ 1903ء میں حکومت برطانیہ نے تجویز پیش کی کہ یہودی کینیا کو اپنا وطن بنالیں۔لیکن یہودی رضامند نہ ہوئے۔ 1914ء میں جب پہلی عالمی جنگ چھڑی تو یہودیوں نے جرمنی اور برطانیہ دونوں سے جوڑتوڑ شروع کر دیئے جنگ عظیم کے دوران حالات نے پلٹا کھایا۔ترک جنگ میں اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دے رہے تھے ادھر برطانیہ کو عربوں کی (جو اسوقت ترکی حکومت سے مطمئن نہ تھے) ضرورت محسوس ہوئی۔انگریزوں نے حسین شریف مکہ کو پیغام بھیجا کہ اگر فلسطین کے عربوں نے جنگ میں انکا ساتھ نہ دیا تو ترکوں کے عربی مقبوضات آزاد کر دیئے جائیں گے۔ان مقبوضات میں فلسطین بھی شامل تھا۔عرب برطانیہ کے داؤ میں آ گئے اور انہوں نے اسے منظور کر لیا۔اور جنگ میں ترکوں کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔کرنل ''لارنس'' کی زیر ہدایت اور عربوں کی مدد سے جنرل ''ایلن بی'' نے 1917ء میں ترکوں کو شکست دے کر یروشلم پر قبضہ کر لیا۔صہیونی تحریک کے لیڈر بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے۔فلسطین کو اپنا قومی گھر بنانے کی پرانی خواہش از سرنو تازہ ہوگئی۔ادھر جنگ کے مصارف کی وجہ سے انگریزوں کو یہودی سرمایہ کی سخت ضرورت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اسی سال برطانوی وزیر امور خارجہ لارڈ ''بلفور'' اور یہودی لیڈر لارڈ ''روسچائلڈ'' کے مابین ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے ذریعہ طے پایا کہ یہودی جنگ میں برطانیہ کی مدد کریں اسکے عوض برطانیہ اختتام جنگ پر فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنادے

گا۔ یہ معاہدہ 1923ء یعنی اختتامِ جنگ کے ایک سال بعد تک خفیہ رکھا گیا۔ جنگ کے بعد تھوڑے عرصہ تک سکون رہا۔ 1920ء میں فلسطین کی باگ ڈور مجلس اقوام کی زیر نگرانی برطانیہ کے سپرد ہوئی۔ عربوں کو کامل یقین تھا کہ عنقریب فلسطین ایک آزاد ملک انکے سپرد کر دیا جائے گا۔ مگر 1920ء میں پہلی بار محسوس ہوا کہ برطانیہ کسی صورت میں انکو فلسطین کا اقتدار سونپنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ اس عرصہ میں یہودی لوگ کافی تعداد میں فلسطین پہنچ چکے تھے۔ اوراس وقت سے ہی علاقہ میں گڑبڑ شروع ہوگئی تھی۔ یہودی اعلانیہ طور پر فلسطین کو اپنا ملک بنانے پر مصر تھے۔ عرب جو پہلے ہی مضطرب بیٹھے تھے مزید بھڑک اٹھے۔ یہودیوں کی بڑھتی ہوئی درآمد نے انکی آنکھیں کھول دیں۔ اور ملک میں فسادات کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ 1924ء میں حالات انتہائی نازک حالت تک پہنچ گئے۔ بغاوت فرو کرنے کے لئے انگریز فوجیں منگائی گئیں اور وقتی طور پر ہنگاموں پر قابو پالیا گیا۔ مگر 1933ء اور 1936ء میں دوبارہ شدید فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہت کچھ مالی وجانی نقصان ہوا۔ برطانوی مدبرین کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد عرب اور یہودی شیر وشکر ہو جائیں گے لیکن اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ 15 سال کے کشت وخون کے بعد جب حالات قابو سے باہر نظر آنے لگے تو برطانیہ نے نومبر 1936ء میں لارڈ ''پیل'' کی صدارت میں ایک شاہی کمیشن نامزد کر دیا۔ جس نے حالات کا مطالعہ کر کے جولائی 1937ء میں اپنی رپورٹ اور اپنی سفارشات پیش کر دیں۔ ''پیل'' کمیشن نے اعتراف کیا کہ عرب اور یہودی دونوں سے وعدہ خلافی اور ناانصافی کی گئی ہے۔ جس کا حل اس نے یہ پیش کیا کہ ملک کے حصے بخرے کر دیئے جائیں۔ ایک علاقہ جو سب سے زرخیز اور تجارتی مرکز تھا اور جس میں وہاں کی صرف ایک ہی کارآمد بندرگاہ حیفا بھی شامل تھی یہودیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اور فلسطین کا بیشتر حصہ جو عموماً ریتلا، صحرا اور بنجر ہے عربوں کو دے دیا جائے۔ نیز سفارش کی کہ باقی مقامات مقدسہ یروشلم اور درمیانی علاقہ پر انگریزی حکومت کی عملداری رہے۔ عرب اور یہود دونوں نے اس تجویز کی سخت مذمت کی اور فلسطین میں یکایک فریقین کی طرف سے ملک گیر اور منظم فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔ عربوں کا نشانہ پہلے تو یہودی ہوا کرتے تھے۔ مگر پھر انگریزی فوجوں پر یورش شروع کر دی گئی۔ متعدد برطانوی فوجی بیڑے حیفا اور جافا پہنچ گئے۔ اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ حریت پسند عرب لیڈر گرفتار کئے گئے۔ مجلسیں توڑ دی گئیں اور عرب دیہات نہ صرف تعزیری چوکیوں سے زیر بار کر دیئے گئے بلکہ ہوائی جہازوں سے ان پر گولہ باری کی گئی۔ ان حالات نے صورتحال بدل دی، ملک کے حصے بخرے کرنے کی سکیمیں وقتی طور پر معرضِ التواء میں پڑ گئیں۔ اور پیل کمیشن کی رپورٹ پر غور کرنے کیلئے ایک اور کمیشن ''ووڈہڈ'' کمیشن مقرر ہوا۔ مگر عرب نہ مطمئن ہو سکتے تھے نہ ہوئے۔ اب برطانوی حکومت نے مفاہمت کے لئے ایک نئی تجویز سوچی اور وہ یہ کہ لندن میں عربوں اور یہودیوں کی ایک مشترکہ کانفرنس کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ کانفرنس فروری 1939ء میں بمقام لندن منعقد ہوئی جس میں سعودی عرب، مصر اور عراق کے مندوبین نے شرکت کی۔ مگر یہ بھی ناکام ہوگئی۔ (ملخص از تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 553 تا 555)

عرب زعماء مسجد فضل لندن میں۔ فروری 1939ء کی یہی کانفرنس تھی جس میں شریک ہونے والے عرب نمائندگان جن میں مکّہ مکرمہ کے وائسرائے اور فلسطین، عراق اور یمن کے نمائندوں کے اعزاز میں مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ لندن نے ایک پارٹی دی۔ جس میں شہزادہ فیصل، شیخ ابراہیم سلمان رئیس النیابۃ العامۃ، شیخ حافظ وہبہ، عونی بیک الہادی، القاضی علی العمری اور القاضی محمد الشامی وغیرہ مندوبین کانفرنس نے شرکت کی۔ اس موقعہ پر امیر فیصل اور دوسرے عرب نمائندگان کے نام بذریعہ تار برقی جو پیغام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارسال

فرمایا وہ اگرچہ پہلے مولانا جلال الدین صاحب شمس کی مساعی کے تذکرہ کے دوران درج ہو چکا ہے تاہم یہاں پر مضمون کے تسلسل اور قارئین کی یاددہانی کے لئے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے۔حضورؓ نے فرمایا:''میری طرف سے ہز رائل نس امیر فیصل اور فلسطین کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں کو خوش آمدید کہیں۔اوران کو بتادیں کہ جماعت احمدیہ کامل طور پران کے ساتھ ہے۔اوردعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو کامیابی عطا کرے۔اورتمام عرب ممالک کو کامیابی کی راہ پر چلائے۔اوران کو مسلم ورڈ کی لیڈرشپ عطا کرے۔وہ لیڈرشپ جوان کو اسلام کی پہلی صدیوں میں حاصل تھی۔''(از تاریخ احمدیت جلد7 صفحہ 557۔556)

مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی تقریر۔ یوں تو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے مسئلہ فلسطین پر بہت سے انٹرویوز اور لیکچرز دیئے، لاتعداد بیانات اور مشورے دیئے لیکن ہم ذیل میں دو تقاریر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا نے''مسئلہ فلسطین'' کے مضمون پر وائی ایم سی اے ہال لاہور میں 27 جنوری 1946ء کو ایک نہایت اہم اور معلومات افزا تقریر فرمائی۔جلسہ کا اہتمام نوجوانان احمدیت کی بین الکلیاتی تنظیم''احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن'' نے کیا اور صدارت کے فرائض جناب ڈاکٹر ای۔ڈی لوکس وائس پرنسپل ایف سی کالج لاہور نے انجام دیئے۔

اخبار''انقلاب''(لاہور) نے اس تقریر کا ملخص حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا۔''برطانیہ اور امریکہ یہودی سرمایہ کے اثر کے باعث آزادانہ طور پر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔سیاسی حلقہ میں بھی یہودیوں کا اثر کم نہیں ہے۔موجودہ پارلیمنٹ کے دارالعوام میں 25 یہودی ممبر ہیں۔دو یہودی وزیر اور ایک یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ،اسی طرح امریکہ میں بھی وہ ملک کی سیاسی مشین پر اثر انداز ہیں۔ یہ سوال کہ کیا فلسطین ان ملکوں میں شامل تھا جن کے بارے میں گزشتہ جنگ کے آغاز میں حکومت برطانیہ نے عربوں کو آزادی کا یقین دلایا تھا،آج تیس سال کے بعد بھی حل نہیں ہوسکا۔فلسطین میں گزشتہ 21 سال کی بدامنی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود حکومت برطانیہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔پہلی عالمگیر جنگ سے موجودہ وقت تک فلسطین کی سیاسیات کا جائزہ لینے کے بعد سرمحمد ظفر اللہ خان صاحب نے کہا کہ فلسطین کے عرب حسب ذیل چار وعدوں کی بناء پر جو کہ حکومت برطانیہ نے ان سے کئے تھے۔فلسطین میں ایک عرب ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں۔اول: پہلی عالمگیر جنگ کے شروع میں برطانیہ نے جن عرب ممالک سے آزادی کا وعدہ کیا تھا فلسطین بھی ان میں شامل تھا۔دوئم: حکومت برطانیہ نے اپنے پہلے وعدے کو اس اعلان سے مضبوط کیا کہ جنگ کے بعد عرب ممالک میں وہاں کے لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی حکومت قائم نہیں کی جائیگی۔سوئم: ''بالفور''اعلان کا یہ مفہوم نہیں تھا جو یہودی اخذ کرتے ہیں کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائے گی۔چہارم: عربوں کا مطالبہ ہے کہ 1939ء کا قرطاس ابیض ایک قسم کا آخری فیصلہ تھا اور یہودی اس کی مخالفت میں حق بجانب نہیں ہیں۔سرمحمد ظفر اللہ خان نے شریف مکہ اور مصر میں برطانوی ہائی کمشنر کے مابین عرب ممالک کی آزادی کے بارے میں خط وکتابت کا بتفصیل ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شریف مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر عرب ممالک کو آزاد کیا جائے اور کہا تھا کہ عربوں کا یہ مطالبہ ان کی زندگی کا جزو اعظم بن چکا ہے۔اوراس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوسکتا۔حکومت برطانیہ نے ہائی کمشنر کی معرفت اس مطالبہ کو پورا کرنے کا یقین دلایا تھا۔آج عرب اسی خط وکتابت کی بناء پر فلسطین کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین بھی ان ممالک میں شامل تھا جن کے بارے میں شریف مکہ نے حکومت برطانیہ سے

ضمانت مانگی تھی۔ فلسطین میں یہودیوں کے قیام کے متعلق دیگر عرب ممالک کے ردّعمل کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عرب یہودیوں کے نام سے متنفر ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر فلسطین میں یہودیوں کی ریاست قائم ہوگئی تو پھر وہ ہمسایہ عرب ممالک سے بھی مزید علاقوں کا مطالبہ کرینگے اور نئی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اگرچہ یہودی اس امر کا یقین دلائیں بھی کہ وہ عربوں کے مفاد کی حفاظت کرینگے پھر بھی باہمی فساد کا جذبہ اب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ کسی مفاہمت کی کوئی امید نہیں۔ یہودی اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اگر ممکن ہو سکے تو طاقت کے استعمال سے یہودی ریاست قائم کریں گے۔ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کہا کہ فلسطین کی 17 لاکھ پچاس ہزار کی کل آبادی میں چھ لاکھ اور پچاس ہزار یہودی ہیں اور وہ ملک کی اقتصادی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں اور اگر یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ بند بھی کر دیا گیا تو وہ سیاسی اور اقتصادی طور پر عربوں کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بنا رہے ہیں۔ ہم صورت حال سے بخوبی آگاہ ہیں اور اس خطرہ کو مٹانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ الفضل 31 صلح 1325 ہش بمطابق 31 جنوری 1946ء صفحہ 6 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 10 صفحہ 568 تا 570)

چوہدری صاحب کی دوسری فاضلانہ تقریر۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب 9 دسمبر 1947ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک فاضلانہ خطاب فرمایا جس میں مسئلہ تقسیم فلسطین کی سازش پر مفصل روشنی ڈالی۔ اس تقریر کا ملخص اخبار ''نوائے وقت'' نے درج ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔ لاہور۔ 9 دسمبر۔ ادارہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے قائد چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں نے آج مسئلہ فلسطین کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقسیم فلسطین کے فیصلہ کو سخت نا منصفانہ قرار دیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے سر ظفر اللہ نے سخت افسوس ظاہر کیا کہ امریکی حکومت نے چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے نمائندگان پر ناجائز دباؤ ڈال کر تقسیم فلسطین کے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ سر ظفر اللہ نے کہا کہ امریکہ کی انتخابی سیاسیات نے فلسطین کو ایک مہرہ بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ سرزمین فلسطین کی مجوزہ یہودی ریاست میں نہ صرف ایک مضبوط عرب اقلیت ہمیشہ کے لئے یہودیوں کی غلام بن جائے گی بلکہ ملک کی اقتصادیات پر بین الاقوامی کنٹرول قائم ہو جائے گا جو قطعاً غیر قانونی حرکت ہے۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ نے بتایا کہ کس طرح امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہودی اثر کے ماتحت چھوٹی چھوٹی اقوام پر ناجائز دباؤ ڈالا اور دو تین فیصلہ کن ووٹ حاصل کر لئے جس کے مطابق ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کی تقسیم کا نا منصفانہ فیصلہ ہوا۔ سر ظفر اللہ نے بتایا کہ 26 نومبر کو ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور مخالف فریق کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تھا لیکن عین آخری وقت رائے شماری بلا وجہ 28 نومبر پر ملتوی کر دی گئی تا کہ دوسرے ممالک پر دباؤ ڈال کر فلسطین کے متعلق ان کا رویہ تبدیل کیا جا سکے۔ چنانچہ جب ہیٹی کے مندوب نے رائے شماری کے بعد مجھ سے ملاقات کی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس نے افسوس ظاہر کیا کہ اسے آزادی کے ساتھ ووٹ دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اکثر ایسے مندوبین نے جنہوں نے تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے نہایت مجبوری کے عالم میں تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے اور اسی میرٹ میں تقسیم فلسطین کا فیصلہ ہوا۔'' ''سر ظفر اللہ نے بتایا کہ جنرل اسمبلی میں کس طرح شروع میں عربوں کو تقسیم فلسطین کی سکیم کے استرداد کا یقین تھا لیکن بعد ازاں زبردست سازشیں کی گئیں کہ عربوں کی حامی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ صدر اسمبلی نے رائے شماری کو 26 نومبر سے 28 نومبر پر ملتوی کر دیا۔ دریں اثناء امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بعض مندوبین پر ان کی حکومتوں کی مدد سے دباؤ ڈالا اور عربوں کے حامی 17 مندوبین میں سے 4 مندوب دوسرے فریق سے

جا ملے۔لائبیریا کے نمائندے نے اعتراف کیا کہ واشنگٹن میں ان کے سفیر نے انہیں تقسیم فلسطین کی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ہیٹی کے نمائندے نے ہمیں افسوس کے ساتھ بتایا کہ وہ اپنی حکومت کی تازہ ہدایات کے ماتحت اب تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔اس طرح بالآخر تقسیم فلسطین کے حق میں امریکی اور یہودی سازش کامیاب ہوگئی اور فلسطین کا فیصلہ کر دیا گیا۔''(نوائے وقت 11 دسمبر 1947ء صفحہ 6)

اقوام متحدہ میں چوہدری صاحب کا مؤثر دفاع۔ان واقعات میں سے ایک اہم اور قابل ذکر واقعہ احمدیت کے مایۂ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین سے متعلق وہ پُرشوکت تقریر ہے جو آپ نے پاکستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے فرمائی۔چوہدری صاحب نے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ کس مؤثر رنگ میں پیش کیا اس کا اندازہ لگانے کے لئے اخبار ''نوائے وقت'' میں شائع شدہ دو خبروں کا مطالعہ کافی ہوگا:۔(پہلی خبر)''سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔امریکہ، روس اور برطانیہ کی زبانیں گُنگ ہوگئیں۔لیک سس:۔10 اکتوبر۔رائٹر کا خاص نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی کل پاکستانی مندوب سر ظفر اللہ کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطل پیدا ہو چکا ہے اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبانیں کھولنے کے لئے تیار نہیں۔امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا اس وقت تک بولنے کے لئے آمادہ نہیں جب تک کہ صدر ٹرومین وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش نہ کرلیں۔کمیٹی میں کل کی بحث میں کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایوات (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا جب بحث مقررہ وقت سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے زبان سی دی ہو۔اقوام متحدہ کے تمام اجلاس میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔

پاکستانی مندوب نے ایک لفظ میں دوسرے مندوبین کے وارداتِ قلب کا اظہار کر دیا جب اس نے اُکتا کر یہ مشورہ دیا کہ چونکہ بعض سرکردہ مندوبین تقریر کرنے سے واضح طور پر ہچکچا رہے ہیں اس لئے فلسطین پر عام بحث فوراً بند کر دی جائے۔امریکن وفد دو دن سے اس بحث میں مبتلا ہے کہ اسے کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے لیکن ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔وفد کے ایک رکن نے دریافت کرنے پر بتانے سے گریز کیا کہ امریکن صدر مقام میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔مندوبین جس طرح اس مسئلہ پر اب تک اظہار خیال کرتے رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کافی وجوہات ہیں کہ مندوبین میں نہ صرف عرب اور یہودی مطالبات اور دلائل کی صحت اور حقانیت کے بارہ میں ہی عارضی اختلافات ہیں بلکہ بعض مندوبین کو اس امر کا بھی احساس ہے کہ روس سے متعلق امریکہ کہ موجودہ حکمت عملی کے لئے عربوں کی حمایت اور ہمدردی انتہائی اور فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔روس نے بھی ابھی تک اس مسئلہ پر اپنی روش کا اظہار نہیں کیا ہے۔امریکہ کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ روس کو اپنی خاموشی سے تھکا کر بولنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور خود سب سے آخر میں تقریر کرنا چاہتا ہے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ فلسطینی مسئلہ اب بری طرح روس اور امریکہ کی باہمی کشمکش میں الجھ جائے گا۔(رائٹر) (نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 1)

دوسری خبر۔''فلسطین کے متعلق سر ظفر اللہ کی تقریر سے دھوم مچ گئی۔عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں کو خراج تحسین

نیویارک۔10 اکتوبر مجلس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سر محمد ظفر اللہ خاں رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی

۔آپ تقریباً 115 منٹ بولتے رہے۔اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔آج تک میں نے ایسی شاندار تقریر نہیں سنی۔سر محمد ظفر اللہ خاں نے اپنی تقریر میں زیادہ زور تقسیم فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صرف کیا۔جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت وابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اٹھے۔تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ایک انگریز مندوب نے سر ظفر اللہ کو پیغام بھیجا کہ آپ کی تقریر نہایت شاندار تھی مجھے اس کی نقل بھیجیئے میں انہماک سے اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔(نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 2 کالم 2) چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے اس تاریخی خطاب نے اقوام عالم کے سامنے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ حقیقی خدوخال کے ساتھ نمایاں کر دیا اور متعدد ممالک نے تقسیم فلسطین کے خلاف رائے دینے کا فیصلہ کرلیا لیکن بعد میں انہوں نے دنیا کی بعض بڑی طاقتوں کی طرف سے دباؤ میں آکر اپنی رائے بدل لی اور 30 نومبر 1947ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عرب اور یہودی دوعلاقوں میں تقسیم کرنے کی امریکی روسی قرارداد پاس کردی۔

چوہدری صاحب کے خطاب کی پذیرائی۔مسٹر''الفرڈ لنتھل'' نے اپنی کتاب ''What price Israel''میں جو''ہنری ویگزی'' کمپنی شکاگو نے شائع کی لکھا ہے کہ'' پاکستان کے مندوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے زبردست جنگ لڑی۔انہوں نے کہا فلسطین کے بارہ لاکھ عربوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا حق چارٹر میں دیا گیا ہے ادارہ اقوام متحدہ صرف ایسی مؤثر شرائط پیش کرسکتا ہے جس سے فلسطین کی آزاد مملکت میں یہودیوں کو مکمل مذہبی،لسانی،تعلیمی اور معاشرتی آزدی حاصل ہو۔اس کے لئے عربوں پر کوئی اور فیصلہ مسلط نہیں ہو سکتا(صفحہ 17) نیز لکھا''جنرل اسمبلی میں پاکستانی نمائندے کی خطابت جاری رہی''مغربی طاقتوں کو یادرکھنا چاہئے کہ کل انہیں مشرق وسطی میں، دوستوں کی ضرورت بھی پڑسکتی ہے میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ملکوں میں اپنی عزت اور وقار تباہ نہ کریں۔جولوگ لسانی دوستی کے زبانی دعوے کرتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اپنے دروازے بے گھر یہودیوں پر بند کئے ہوئے ہیں اور انہیں اصرار ہے کہ عرب فلسطین میں یہودیوں کو نہ صرف پناہ دیں بلکہ ان کی ایک ایسی ریاست بھی بننے دیں جو عربوں پر حکومت کرے''۔(ص 18۔19) (بحوالہ الفضل انٹر نیشنل 30 جنوری 2009 صفحہ 3 تا 5) چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی مسئلہ فلسطین سے متعلق خدمات کا ذکر پاکستانی پریس میں۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس زمانہ میں مسلمانان فلسطین کی حمایت میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ان کی دھوم سارے عالم اسلام میں مچی ہوئی تھی۔اس تعلق میں پاکستانی پریس کی چند خبریں بطور نمونہ یہاں درج کی جاتی ہیں۔(1) لندن یکم جون (اسٹار) لبنانی سفیر ڈاکٹر وکٹر خوری نے لیک سیکس سے واپسی پر مجلس اقوام میں عرب مقاصد سے پاکستان کی ہم آہنگی پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔اور کہا: چوہدری ظفر اللہ خاں ایک بیش قیمت اور قابل ساتھی ہیں۔(''انقلاب'' لاہور 13ر جولائی 1949ء صفحہ 4) (2) پیرس سٹار نیوز ایجنسی 20 ستمبر: پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کا نام یہاں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کے لئے بہت زوردار طریقے سے لیا جارہا ہے۔انہوں نے اقوام متحدہ کے حالیہ اجلاس میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے کہ ان کا درجہ دنیا کے بہترین پارلیمنٹری سیاست دانوں میں قائم ہوگیا ہے۔لیگ آف نیشن میں ان کے تجربے کا بھی بہت سے لوگوں کو احساس ہے۔ان کے سب سے زیادہ حامی عرب اقوام کے وفود ہیں۔

وہ ان کے لئے اپنے تمام ووٹ دینے کے لئے تیار ہیں۔اس کے علاوہ وہ دیگر ممالک کے ووٹ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔خاص طور پر لاطینی امریکہ کے ممالک کے ووٹ حاصل کئے جائیں گے۔(''انقلاب'' لاہور 22ستمبر 1948ء صفحہ 6 کالم 3 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 122۔121)

جسٹس سرچوہدری محمد ظفر اللہ صاحب ارض مقدّس میں (1945ء) فلسطین کو یہودی تسلط سے بچانے کی مساعی پر عرب اخبارات کے تبصرے۔محترم چوہدری محمد شریف صاحب سابق مربی بلاعربیہ

دوسری جنگ عظیم کے وقت عالم اسلام کے سامنے جو بہت بڑے اور گھمبیر مسائل تھے اُن میں سے ایک ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ تھا اور دوسرا فلسطین کا جسٹس محمد ظفر اللہ خان نے ان دونوں مسائل میں اعلیٰ قابلیت کے ساتھ تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔جسٹس سرمحمد ظفر اللہ خان کو ہندوستانیوں کے حقوق کے متعلق سب حالات کا گہرا علم تھا لیکن ارض مقدس فلسطین کے متعلق آپ کو زیادہ گہری معلومات کی ضرورت تھی۔اس لئے آپ نے اکتوبر 1945ء میں امریکہ وانگلستان میں اپنے مفوضہ فرائض ادا کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ آپ ارض مقدسہ میں خود تشریف لائے اور قریب سے نہایت ضروری جملہ معلومات حاصل کریں۔اس لئے آپ برطانیہ سے بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ (مصر) پہنچے اور مصر سے سیدھے بذریعہ ہوائی جہاز شام کے دارالسلطنت دمشق میں پہنچے اور وہاں سے بیروت (لبنان) تشریف لے گئے۔بیروت کے قریبی ہی ایک مشہور قصبہ (برجا) میں ہمارے ایک نہایت ہی مخلص احمدی بزرگ دوست (الشیخ ابوسلیم عبدالرحمٰن السّعیفان) نے آپ کی پُرتکلف دعوت کی اور اس میں معززین قصبہ کو بھی مدعو کیا۔جس سے آپ بہت محظوظ ہوئے۔پھر وہاں سے دمشق اور دمشق سے بذریعہ کار جماعت احمدیہ کے مرکزیہ مشن ہیڈ کواٹر کبابیر واقع حیفا میں بتاریخ یکم اکتوبر 1945ء کو تشریف لائے اور جماعت احمدیہ ارض مقدسہ کو آپ کی زیارت ،رفاقت وضیافت کی توفیق خدا تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوئی اور اس کا مختصر تذکرہ آپ کی سوانح حیات (تحدیث نعمت) میں بھی درج ہے۔ارض مقدسہ میں آپ کے شب وروز کیسے گزرے اس کی رپورٹ فلسطین کے اخبارات سے پیش کی جاتی ہے۔فلسطین میں ان ایام میں تین روزانہ اخبارات (دو عربی الدفان (ایڈیٹر مسلمان عرب) فلسطین (ایڈیٹر عرب عیسائی) اور یروشلم پوسٹ (انگریزی اخبار یہودیوں کا) شائع ہوتے تھے۔ان تینوں میں آپ کے متعلق روزانہ خبریں شائع ہوتی تھیں۔اور مڈل ایسٹ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن (واقع فلسطین) سے بھی روزانہ (صبح،دوپہر،اور رات) آپ کا تذکرہ نشر ہوتا تھا۔یہاں ہم ارض مقدسہ کے تین اخبارات میں سے صرف ایک ایک رپورٹ بطور نمونہ ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں۔

(1) ہندوستانی لیڈر فلسطین کے متعلق کہتے ہیں۔ روزنامہ''الدفاع (یافا) نے مندرجہ بالہ سرخی کے تحت لکھا کہ''حیفا۔نامہ نگار خصوصی الدفاع حیفا نے ہندوستانی لیڈر سرظفر اللہ خان احمدی جنہوں نے 1937ء میں برطانیہ کے ہاؤس آف لارڈز میں اپنے مشہور خطاب میں بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا کہ''فلسطین کو تقسیم کرنا ساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ایسا زخم لگائے گا جو کبھی مندمل نہیں ہوگا''اور آپ اس

ہندوستانی وفد کے لیڈر رہیں، جو برطانیہ کی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے لندن بھیجا گیا۔۔۔۔۔یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں آپ سے ملاقات کا موقع دیا گیا ہے تاکہ ہم آپ سے ان کوششوں کے متعلق معلومات حاصل کرسکیں جو مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لئے جاری ہیں۔ آپ نے ہماری درخواست کو منظور فرمالیا اور ہمارے سوالوں کے جواب میں بتلایا کہ:''مَیں لندن میں چار ماہ ٹھہرا ہوں وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز دمشق پہنچا۔ چند دن وہاں ٹھہرا اور وہاں کے بعض چیدہ چیدہ عرب لیڈروں سے ملاقات ہوئی۔ حیفا میں دو دن جماعت احمدیہ کا مہمان رہا ہوں پھر بیت المقدس جاؤں گا اور وہاں چند دن ٹھہروں گا تا فلسطین کی حالت خود دیکھ سکوں اور صیہونی جو پراپیگنڈہ انگلستان میں کررہے ہیں اس کی حقیقت بھی معلوم کرسکوں۔ اس کے بعد مَیں بیت المقدس سے بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ جاؤں گا اور وہاں سے اپنے ہیڈ کواٹر دہلی (ہندوستان)۔'' سوال: کیا آپ نے قیامِ لندن کے ایام میں عرب اور یہودی مشہور اشخاص سے فلسطین سے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں؟ جواب: لندن میں عرب آفس کے نمائندہ مکرم ناور النشاشیبی مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے اور فلسطین کے متعلق انہوں نے مجھے بہت کچھ بتلایا اور مجھے یہودی لیڈر بھی وہاں ملنے کے لئے آئے تھے اور آبادکاری کا وہ کام جو یہودی فلسطین میں کررہے ہیں اس کا بھی انہوں نے ذکر کیا اور کہا کہ عالمِ اسلام ہمارے اس کام کو اور یہودیوں کے فلسطین میں آنے کو کیوں ناپسند کررہا ہے؟'''' میری فلسطین میں یہ آمد اپنی نوعیت کی پہلی آمد ہے مَیں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ فلسطین کی حالت کو خود دیکھ سکوں اور ملاحظہ کروں اور یہودیوں کے دعویٰ کی تحقیق کروں۔''۔۔۔۔ پھر مَیں نے آپ سے یہ سوال پوچھا ''ہندوستان کے دولت مند مسلمان ارض مقدسہ میں واقعہ زمینیں کیوں نہیں خرید لیتے جیسے امریکہ اور یورپ کے دولتمند یہودی یہاں خریدرہے ہیں؟'' آپ نے جواب دیا کہ'' مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ اگر یہاں سے فلسطینی مسلمانوں پر مشتمل ایک مشن ہندوستان میں بھیجا جائے اور وہ ہندستان میں جاکر دولت مند مسلمانوں کو تحریک کریں۔ تو اسے بہت مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوگی اور ہر جگہ حوصلہ افزائی ہوگی اور مَیں بلحاظ ایک ہندوستانی مسلمان ہونے کے اپنے ذمہ واجب کو ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہوں گا۔ لیکن ایک مشن کو مسلمانانِ ہندوستان کے لئے بھیجنا نہایت ضروری ہے اور مسلمانانِ ہندوستان ارضِ مقدسہ کے حالات جاننے کے بہت شائق ہیں۔

آپ سے حیفا کے سرکردہ احباب کے ایک وفد نے بھی ملاقات کی۔ جس میں جناب فرید السعد، کامل عبدالرحمٰن، یوسف صیہونی، حنّا نقارہ، فواد الطّباع اور الحاج حسین القزق بھی شامل تھے۔''(روزنامہ الدفاع (یافا) 3 اکتوبر 1945ء)

(2) سر ظفر اللہ خان صاحب کے فلسطین میں پروگرام کا نمونہ۔ بیت المقدس 6 اپریل 1945ء از نامہ نگار خصوصی روزنامہ فلسطین آج صبح سر محمد ظفر اللہ صاحب عرب نیشنل بنک میں تشریف لائے۔ یہاں آپ کو استقبال جناب محمد عبدہ حلمی صاحب نے کیا۔ پھر آپ حرم شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کے لئے خلیل تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آنے پر اسلامی مجلس اعلیٰ اور عرب کالج میں تشریف لے گئے اور دوپہر کا کھانا آپ نے ہزایکسلنسی کمشنر فلسطین کے ساتھ تناول فرمایا۔ ظہر کے بعد نمائندگانِ پریس نے آپ سے ملاقات کی پھر آپ جناب سید محمد یونس الحسینی صاحب کے دعوت چائے میں جو انہوں نے آپ کے اعزاز میں دی شریک ہوئے اور اس میں وکلاء اور ادباء کی جماعت بھی شریک ہوئی۔ شام کے وقت آپ سے جناب ڈاکٹر خلیل بُریدی عبدالحمید یاسین اور سامی وفاء الدّ جانی نے ملاقات کی۔ ان سب ملاقاتوں میں محترم سید سیف الدین الکیلانی (اردو میں الجیلانی۔ مترجم) صاحب سیکریٹری عرب نیشنل بنک جناب احمد حلمی پاشا کے ارشد پر آپ کے ہمراہ

رہے۔''(روزنامہ ''فلسطین''(یافا)7اکتوبر1945ء)

3۔اخبار الوحید العربیہ(بیت المقدس) سفر بیت المقدس کے متعلق ممتاز جریدہ الوحدۃ العربیہ نے اس تاریخی سفر کی مفصل رپورٹ سپرد اشاعت کی۔ جسے اس اخبار کے خصوصی وقائع نگار ''الکیلانی'' نے مرتب کیا تھا جو چوہدری صاحب کے قیام فلسطین کے دوران آپ کے رفیق سفر تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے پریس رپورٹ!۔۔۔ہندوستانی لیڈر کے ساتھ'' عنوان کے تحت لکھا کہ ''میں اور جناب مولوی صبری عابدین صاحب جناب مینجر صاحب عرب بینک و پریذیڈنٹ عرب نیشنل فنڈ کے حکم پر ان کی طرف سے ہندوستان کے لیڈر سر ظفر اللہ خان صاحب جنہوں نے 1937ء میں برطانوی ہاؤس آف لارڈز میں اپنی مشہور تقریر میں فلسطین کے عربوں کی مدد اور نصرت پر بہت زور دیا تھا کی خدمت میں سلام وخوش آمدید کہنے کے لئے گئے۔ وہاں اچانک ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ہم قانون کے ایک علامہ کے سامنے ہیں جو یوروپین سوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ گندمی رنگ عمر کے پانچویں دہا کہ میں اور چمکدار آنکھیں جن سے ذہانت کی چمک نظر آرہی تھی۔ انگریزوں کی سی روانی کے ساتھ انگریزی بولتے ہیں اور فصیح عربی زبان، قرآن شریف کی عربی پر بھی خوب عبور حاصل ہے اس وقت وہاں ان کے پاس بڑے بڑے سرکردہ احباب کی ایک جماعت موجود تھی جو ہماری طرح انہیں اسلام وخوش آمدید کہنے کے لئے آئی تھی۔ چونکہ موصوف کا قیام فلسطین میں بہت تھوڑے عرصے کے لئے ہوگا اس لئے آپ نے اپنے ملاقاتیوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک اس قیام کے دوران ان کا رفیق بن جائے اور عربوں کی سکیمیں دیکھنے۔ان کا جائزہ لینے اور ان سے متعلقین کے ساتھ ملاقات وغیرہ کے پروگرام مرتب کردے۔اس پر تمام بھائیوں نے از راہ نوازش واعتماد یہ خدمت میرے سپرد کی جسے میں نے بطیب خاطر قبول کرلیا۔ کیونکہ مَیں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ ایک سوال کے جواب میں، جو اُن سے کہا گیا تھا کہ: مجھے فلسطین کو دیکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا، تا میں خود جائزہ لے سکوں اور یہودیوں کا یہ دعویٰ کے ہم فلسطین کو آباد کررہے ہیں اور فلسطین کو ترقی دے رہے ہیں اور خوبصورت بنا رہے رہیں۔۔۔کہاں تک درست ہے۔ مجھے پتہ لگا کہ میرا یہ کام بہت مشکل ہوگا کہ میں ان تھوڑے سے ایام میں جو ہندستانی لیڈر صاحب فلسطین میں گزاریں زیادہ سے زیادہ وقت ان کے وقت میں سے لے سکوں۔ تا آپ فلسطین کے مسئلہ میں عربوں کے نقطہ نظر سے اچھی طرح اطلاع پاسکیں۔۔۔میرے لئے یہ کام اس لئے بھی بہت مشکل ہے کہ دوسری طرف میرے مقابلہ میں باقاعدہ ایک جیوئش ایجنسی ہے۔جس کے متعلق سب کو معلوم ہے اور سب خوب جانتے ہیں کہ اس ایجنسی کے پاس ایسے مواقع کے لئے باقاعدہ ماہوار تنخواہ دار ملازم ہیں۔ جو صیہونیت کی مصلحتوں کے مطابق ہر قسم کے فرضی اعداد وشمار اور محرف معلومات مہیا کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور عربوں کے پاس ایسا کوئی انتظام نہیں کہ بیرونی زائرین کے سامنے جامع ومانع شکل میں اپنے جائز سچے اور حقیقت پر مبنی دعوے کو بھی پیش کیا جاسکے۔اور صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے عرب آفس)لنڈن (میں بھی ایسا کوئی اہتمام نہیں۔حالانکہ ایسا عرب آفس آج سے کئی سال قبل ہی قائم ہوجانا چاہئے تھا۔جس میں ہر وقت اس مسئلہ سے متعلق تمام حقائق مستند اعداد وشمار اور دیگر امور مسائل کی تشریحات) جو عربوں کے بہترین اغراض ومقاصد کی آئینہ دار ہوں(کتابچوں اور پمفلٹوں کی شکل میں موجود ہوں۔

میں نے مہمان عزیز (ہندوستانی رہنما) سے برسبیل تذکرہ عرض کیا آپ کے خیال میں ان تمام سکیموں اور منصوبوں سے جو بینہ طور پر یہودیوں نے عربوں کی فلاح وبہبود کے لئے تیار کی ہیں (مثلاً بحیرہ مردار۔ پوٹاس کمپنی۔ تجربہ گاہ ویران اور یہودی بستیاں وغیرہ (ان سے عربوں

کو بھی فائدہ حاصل ہوا ہے؟ تو آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔'' میں نے یہودیوں کو بتلا دیا تھا کہ میں نے تمہاری ان سکیموں میں ایک عرب بھی نہیں دیکھا جوان میں تمہارے ساتھ شریک ہوا اور ان سے اسے فائدہ پہنچ رہا ہو۔تمہاری یہ تمام ترقی اور آبادکاری صرف اپنے ہی فائدہ کے لئے ہے اور مجھے یقین ہے کہ عرب اس زمین کے لئے آباد رہنے کو ترجیح دیں گے بجائے اس کے کہ تم اسے عالمگیر صیہونی فنڈ سے خرید کر آباد کرو اور رفتہ رفتہ ان کے ملک میں اپنا ایک قومی وطن تعمیر کرلو۔۔اور علامہ احمد سامع الخالدی کی طرف سے ویر عمرو میں یتیموں کے لئے قائم کردہ زرعی فارم کو دیکھنے کی دعوت مہمان عزیز نے قبول فرمائی اور اس خوب صورت منصوبے کے معائنہ کے بعد مجھ سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔لاریب علامہ خالدی صاحب انسائیکلو پیڈیا ہیں اور یہ فارم اس امر کی شہادت ہے کہ اگر میرے عرب بھائی متحدہ طور پر محکم مساعی فرمائیں تو مغربی فلسطین کے پہاڑوں اور ٹیلوں سے یہاں دوسرا سوئٹزرلینڈ بنایا جاسکتا ہے۔دوسرے دن میں آپ کے ہمراہ حرم شریف کی زیارت کے لئے گیا جہاں مولانا ضیاء الدین خطیب نے آپ کا خیر مقدم کیا۔آپ کو اس امر سے از حد مسرت ہوئی کہ آپ اور مولانا دونوں ہی ایک ہی درس گاہ (عظیم الشان لنڈن یونیورسٹی (کے فارغ التحصیل ہیں۔یہاں آپ نے مولانا صاحب سے صخرۃ المشرفہ،مسجد اقصیٰ اورحرم شریف سے متعلق ضروری معلومات حاصل کیں۔اورنماز کے بعد آپ مولانا محمد علی اور شاہ حسین مرحوم ومغفور کی قبروں پر گئے۔اور اصحاب النبی شداد بن اوسؓ اورعبادۃ بن الصامت کی قبروں پر دعا کرنے کے بعد دیوار براق وگریہ دیکھنے لگے اس وقت وہاں بعض یہودی علماء کھڑے گریہ و زاری کررہے تھے۔۔۔۔یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ'' یہ کیوں رورہے ہیں؟ بتلایا گیا۔۔۔۔کہ یہ ہیکل سلیمان ہے جس کے کھنڈارت پر مسجد اقصیٰ بنی ہوئی ہے یہ یہودی علماء اس کے لئے رورہے ہیں اور اس کے دوبارہ بننے کے لئے عاجزانہ دعائیں کررہے ہیں۔اوران کا یہ رونا ان کا لالچ اورخواہیں اسلامی ورثہ کے لئے ایک پنہاں خطرہ کا حکم رکھتی ہیں۔یہ سن کر آپ نے فرمایا۔نعوذ باللہ۔

اس دعوت چائے میں جو آپ کے اعزاز میں جناب عوفی عبدالہادی نے دی ہنری کتن ۔محمد یونس الحسنی ۔حجاج نوبھض ۔عادل جبر اورمحمد کمال نامی وکلاء سے آپ کی ملاقات ہوئی۔جناب ہنری کتن نے اپنے رفیق وکلاء کی مدد سے قضیہ فلسطین پر یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت اور اراضی فلسطین کی خرید وفروخت دونوں پہلوؤں سے روشنی ڈالی آپ نے یہ بحث سننے کے بعد فرمایا. یہاں پہلی دفعہ آنے سے قبل میرا یہ خیال نہیں تھا کہ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہے۔اب مجھے محسوس ہوا ہے کہ اصل مسئلہ جو میں نے خیال کیا تھا یہ نہیں کہ ملک میں کس قدر یہودی مزید آسکتے ہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس سرزمین کی اصل اور قدیم قوم کو فنا کیا جارہا ہے اور ایک اجنبی قوم کو زندہ کیا جارہا ہے۔کہ وہ ان کی جگہ وہاں رہے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عرب اداروں کو چاہئے کہ وہ فلسطین کے اصل حالات سے اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد جناب محمد علی جناح کے ذریعہ پیشکریں کیوں کہ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اس بارے میں انہیں کچھ علم نہیں ہے انہیں تو فقط یہی علم ہے کہ فلسطین خطرے میں ہے! کیوں خطرے میں ہے؟ اور کیسے خطرے میں ہے؟ اس بارے میں انہیں کچھ بھی آگاہی نہیں روز میری ہوٹل کی طرف سے واپس آتے ہوئے جہاں سے میں نے آپ کو عدن ہوٹل میں منتقل کیا تھا مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔۔۔۔میں اپنے اس عرب بھائی سے اتفاق کرتا ہوں جس نے کہا تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کے ہجرت کرنے کی مثال اس موٹر کار کے مشابہ ہے۔جس میں چھ آدمی بیٹھ سکتے ہوں اگر اس میں تین یا چار آدمی اور بھی ایسے بھر لئے جائیں۔جن کا اس موٹرکار سے کوئی تعلق نہ ہو تو اس کا سوائے اس کے کوئی مطلب نہ ہوگا کہ کار کے اصل

سواروں کوتنگ اور بے آرام کیا جائے جوقانون اور منطق کے بھی خلاف اور ناروا ہے۔ڈاکٹر خالدی نے آپ سے مل کر مسئلہ فلسطین کی سیاست بالا پر روشنی ڈالی اور حکومت برطانیہ کی طرف سے جو کمیشن اور کمیٹیاں آتی رہیں ان کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کیا اوقرطاس ابیض 1929ء کی بڑے دلچسپ پیرائے میں تشریح ووضاحت کی۔جب آپ حرم جدالانبیاء خلیل اللہ کی زیارت کے لئے گئے تو وہاں آپ کی ملاقات صدر ٹاؤن کمیٹی خلیل مولوی محمد علی الجیری سے ہوئی آپ نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ فلسطین کے مسلمانوں کو اپنی موجودہ مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ دین حنیف اسلام کی طرف رجوع کریں اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں آپ نے یہ جواب سن کر اس سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا۔مجھے اس بارے میں آپ سے اتفاق ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مڈل ایسٹ (شرق اوسط) کے مسلمان اس گمان میں مبتلا ہیں کہ مغرب کا تمدن اختیار کرنے ہی میں ان کی ترقی کا راز ہے اور وہ اسی میں غرق ہیں حالانکہ مشرق کی نجات اپنی پہلی روحانیت کی طرف لوٹ آنے میں ہے۔

اور اسلامی مجلس اعلیٰ کی طرف سے مکرم امین الہادی نے آپ سے ملاقات کی اور جناب مولوی ضیاء الدین صاحب خطیب نے دونوں اصحاب کے درمیان ترجمہ کے فرائض اپنی اعلیٰ تعلیمی مہارت کے ساتھ ادا کئے اور جب مکرم امین عبدالہادی صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ مسلمانانِ ہندوستان اپنے مسلمان عرب فلسطینی بھائیوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں تو آنجناب نے جواب دیا کہ ’’آپ کے ہندوستانی بھائیوں کو یہ علم نہیں کہ آپ کے پاس وہ کون سے عملی منصوبے ہیں، جن سے آپ یہودیوں کے ہاتھوں سے اپنی زمینوں کو بچا سکتے ہیں؟ اور جب وہ آپ کے ملک کے قوانین کی وجہ سے فلسطین کی عرب اراضی بعض معیّن علاقوں میں خرید نہیں سکتے تو میرے نزدیک یہ بات بعید نہیں کہ ہندوستان کے دولتمند مسلمان آپ کے قومی فنڈ میں چندہ دے دیں اور صرف یہی ایک عملی منصوبہ ہے جس کے ذریعہ آپ اپنی اراضی کو بچا سکتے ہیں اور چھڑا سکتے ہیں اگر اس نیشنل فنڈ کے ایڈمنسٹریٹر اپنا ایک مشن ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف بھیجیں اور وہ اراضی مقدسہ کی موجودہ پوزیشن ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ پیش کریں اور جو خطرات اس وقت ان زمینوں کو لاحق ہیں ان تک پہنچائیں یا ان سے خط و کتابت کریں اور ان کو اس نیک عمل پر ابھاریں۔کیونکہ عالم اسلام میں ایک مسلمان بھی پسند نہیں کرے گا کہ یہ ابدی اسلامی میراث ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور ان کی مسجدیں اور ان کے اولیاء شہداء اور پیغمبروں کی قبریں مٹا دی جائیں اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہے۔‘‘ اور اس چائے کی دعوت میں جو آپ کے اعزاز میں سید محمد یونس الحسینی پیڈر صاحب نے دی اس میں وہ تمام وکلاء اور احباب شامل ہوئے جن کا ذکر قبل ازیں عونی صاحب کے دعوت چائے میں ہوا ہے اور ان کے علاوہ سید رجائی الحسینی، نصیب البیکاریوس، اور فواد النشاشیبی بھی شامل ہوئے۔اُس دعوت میں جناب لیڈر صاحب نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جو آپ نے آنجناب عونی صاحب کی دعوت چائے کے موقعہ پر کہی تھی پنجاب (ہندوستان) سے انتقالی اراضی کا ایک نسخہ منگوایا جائے یا وہ دھندلیاں جو ایک شخص کے نام انتقال اراضی میں ہوتی ہیں وہ یہاں بھی نہ ہوسکیں اور عرب ادارے اور جماعتیں اسے یہاں بھی رائج کروائیں کہ کوئی قطع زمین کسی اجنبی کے نام منتقل نہیں ہوگا۔اور اگر یہاں کی حکومت اس کے مطابق عمل کرے اور فلسطین میں بھی یہی قانون لاگو کردے، تو موجودہ سخت ترین صورت کا یہی ایک علاج کافی و شافی ہوگا۔اور آنجناب سے ملاقات کے لئے ڈاکٹر خلیل بُدَیری بھی تشریف لائے اور فلسطین کے عرب اور آزاد وعقلمند نوجوانوں کا نقطہ نظر

آنجناب کے خدمت میں پیش کیا اور پھر اس تفاوت وفرق کا بھی ذکر کیا جو عرب مزدوروں اور یہودی مزدوروں کی اجرت میں ایک ہی کام میں برابر ہونے کے باوجود اجرتوں میں گورنمنٹ فلسطین کے محکمہ جات میں روا رکھا جاتا ہے۔ جناب لیڈر صاحب نے اسے عرب اور یہودی مزدوروں میں جانب داری اور طرف داری قرار دیا۔۔۔۔اس بات چیت کے درمیان میں نے جناب لیڈر صاحب سے دریافت کیا کہ آج کل برطانیہ میں مزدوروں (لیبر پارٹی) کی حکومت ہے اس حکومت کا ہمارے قضیہ فلسطین کے متعلق کیا رویہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ لیبر حکومت عنقریب فلسطین کی مشکلات کا گہرا مطالعہ کرے گی اور اب جب کہ وہ حکومت سے باہر تھی وہ غیر ذمہ دار تھی عمل کی پابند نہ ہوگی۔'' اس طرح سید رجائی الحسینی، عبدالحمید یاسین اور سامی وفاء الدّ جانی آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور آپ کو بیت المقدس میں تشریف لانے پر خوش آمدید کہا اور مکرم حسینی صاحب اور مکرم عبدالحمید صاحب نے لندن میں ''عرب آفس'' کے کام اور ان کوششوں کے متعلق آپ سے ذکر کیا جو یہ آفس فلسطین کی آواز مغربی دنیا میں پہچانے میں کر رہا ہے۔اس پر آنجناب نے تجویز کیا کہ ''عرب آفس ایسے پمفلٹ اور رسائل اور رپورٹ تیار کرے جو فلسطین کے متعلق پوری معلومات پر مشتمل اور صحیح ومکمل اعداد وشمار پر مبنی ہوں اور فلسطینی عربوں کے ثابت شدہ حقوق کا بھی ان میں ذکر ہو۔ پھر یہ برطانوی پارلیمنٹ اور امریکہ کی کانگریس کے ممبروں اور مغربی ممالک کے ممبروں اور مغربی ممالک کے اخبارات کو عرب نقطۂ نگاہ واضح کرنے کے لئے ارسال کئے جائیں۔

اخبارات کا بھی جناب لیڈر صاحب کے وقت میں حصہ تھا اس لئے مقامی اور غیر ملکی اخبارات کے نمائندگان نے بھی آپ سے ملاقات کی اور آپ نے ان کے سوالات کے جو جواب دئے تھے اس کا ہر ایک کلمہ وزن کر کے دیتے تھے اور بعض ایسی باتیں بھی بتلائیں جن کے متعلق آپ سے اُمید کی کہ وہ ان کو شائع نہ کریں اور جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ اپنے فلسطین کے عرب بھائیوں کو کیا نصیحت کرتے ہیں تو آپ نے پوری صراحت سے جواب دیا کہ 1۔ وطن کے تمام امور میں افراد اور قائدین تمام کوششیں متحد ہو کر کریں۔ 2۔اقتصادی تنظیم قائم کریں اور صنعت وآبادکاری کے منصوبے درست اور مضبوط بنیادوں پر قائم کریں۔ 3 عرب قوم کے مقاصد پورے کرنے کے لئے متواتر کوشش اور مسلسل کام کریں۔'' اور جب میں نے چوتھے دن آنجناب کے قاہرہ جانے کے لئے سفر پر روانہ ہونے سے چند منٹ پہلے آپ کو الوداع کہنے کے لئے حاضر ہوا تو میں نے آپ سے پوچھا ''کیا آپ دوبارہ فلسطین آنا پسند کریں گے اور کیا آپ یہ خیال نہیں کرتے کہ جس قدر وقت آپ نے یہاں گزارا ہے قضیہ فلسطین کو ہر لحاظ سے حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔؟'' اس پر ہنستے ہوئے جواب دیا میں اپنی آئندہ رخصت کے ایام میں شام دیکھنے کے بعد یہاں واپس آؤں گا اور میں امید کرتا ہوں کہ اس وقت تک میرے فلسطین اور عرب بھائیوں نے اپنے قومی اغراض ومقاصد کو حاصل کر لیا ہوگا۔ بے شک میرے یہاں ٹھہرنے کے ایام تھوڑے تھے لیکن قضیہ فلسطین کی صورت جو میرے ذہن میں نقش ہوئی ہے وہ باوجود یہ کہ فلسطین میں بہت تھوڑے دن ٹھہرا ہوں۔ وہ بہت واضح اور ظاہر ہے۔'' اور جب میں نے آپ کو الوداع کہتے ہوئے آپ سے مصافحہ کیا تو میں نے یہ کہا کہ ''میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے معزز انگریز دوستوں کو جو ہندوستان اور انگلستان میں ہیں جو کچھ آپ نے سنا (کہ ہمارا کیس (قضیہ) عدل وانصاف پر مبنی ہے) بتلا دیں گے تا وہ حصول انصاف میں عربوں کی مدد کریں اور ان کے مطالبات کی تائید کریں۔'' اس پر آپ نے میرے ہاتھ کو گرم جوشی سے دباتے ہوئے جواب میں کہا کہ ''میں نے جو کچھ اپنے فلسطین عرب بھائیوں سے ان کا نقطۂ نگاہ سُنا ہے اور اپنے نفس

میں محسوس کیا ہے میں اسے امانت اور دیانتداری سے پہنچادوں گا اور اگر چہ میں اپنے نفس میں محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ مطالبات کئے جاتے ہیں میرا اثر ایک فی صد یا ایک ہزار فیصد سے زیادہ نہ ہو لیکن اللہ فرماتا ہے **لا تقنطوا من رحمة الله۔**

''میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ کا مددگار رہوں گا اور بلحاظ ایک جج ہونے کے میں یقین رکھتا ہوں کہ اس لحاظ سے میں (نصیر الحق) حق کی مدد کرنے والا ہوں گا۔۔۔اور آخر میں اے میرے دوست آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ **الکیلانی**

(جریدۃ الوحدۃ بیت المقدس 13 اکتوبر 1945ء)(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 155 تا 162)

شاہ حسین اوران کی حکومت کی طرف سے حضرت چوہدری صاحب کو دعوت

حضرت چوہدری صاحب نے 1953ء میں ایشیا کے بعض ممالک کا دورہ کیا اس دوران اُردن جانے کا بھی اتفاق ہوا اس کے بارہ میں آپ اپنی خودنوشت ''تحدیث نعمت'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''تہران میں اُردن کے سفیر تشریف لائے اور فرمایا میری حکومت کی طرف سے مجھے ہدایت موصول ہوئی ہے کہ مَیں اس کی طرف سے آپ کو یہاں سے دمشق واپس جانے پر عمان آنے کی دعوت دوں۔ مَیں نے عذر کیا کہ مجھے اب جلد کراچی پہنچنا ہے۔ دوسرے دن وہ پھر تشریف لائے اور فرمایا مَیں نے تمہارا عذر عمان پہنچا دیا تھا وہاں سے مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ مَیں تمہیں جلالۃ الملک کا ذاتی پیغام پہنچاؤں کہ ان کی خواہش ہے کہ تم اس موقع پر عمان ضرور آؤ۔ مَیں نے عرض کیا کہ اب تو سوائے تعمیلِ ارشاد کے کوئی چارہ نہیں مَیں ضرور حاضر ہوں گا۔'' ''جلالۃ الملک حسین ابن طلال بن عبداللہ بڑی محبت اور احترام سے پیش آئے۔فرمایا ہم سب تہ دل سے تمہارے ممنون ہیں کہ تم نے قضیہ فلسطین کی ابتدا سے نہایت جرأت اور دانشمندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے اور جب حال ہی میں اسرائیلیوں نے سخت ظلم اور تعدی سے قبیبہ کا عرب گاؤں ہماری حدود کے اندر بیجا مداخلت کر کے برباد کر دیا تو تم نے خود مجلسِ امن میں پیش ہو کر اسرائیلیوں کی مکّاریوں اور فریب کاریوں کا پردہ فاش کیا۔ مَیں نے عرض کیا پاکستان قضیہ فلسطین کو اپنا اور سارے عالم اسلام کا قضیہ سمجھتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جو مدد اور خدمت اس بارے میں ہمارے امکان میں ہو اس سے دریغ نہ کریں۔ جب قبیبہ پر اسرائیلی یورش کا مسئلہ مجلسِ امن میں زیر بحث آیا تو پاکستان کا فرض تھا کہ حق اور انصاف کی پوری حمایت کرے۔ بے شک مجلس امن کی روایت ہے کہ عموماً ہر رکن کا مقرر کردہ مستقل نمائندہ ہی اس کی طرف سے مجلس امن میں تقریر کرتا ہے۔لیکن امور خارجہ میں ہر ملک کا اصل نمائندہ تو وزیر خارجہ ہی ہے۔ مَیں نے قرینِ مصلحت سمجھا کہ اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر مَیں خود پاکستان کی طرف سے مجلس میں نمائندگی کروں۔ جلالۃ الملک سے میری تین ملاقاتیں ہوئیں۔ ہر دفعہ بڑی محبت سے پیش آئے۔ایک ملاقات میں تو صرف مَیں حاضر خدمت تھا، بلا تکلف عرب اور عالم اسلام کے اہم مسائل پر گھنٹہ بھر سے زائد گفتگو رہی۔ دوسرے دن شام کے کھانے پر وزراء اور سفراء اور کثیر تعداد شرفاء کی مدعو تھی۔ کھانے کے بعد جلالۃ الملک نے کمال شفقت سے ''ستارۂ اردن'' کا سب سے اعلیٰ نشان مجھے مرحمت فرمایا۔'' (تحدیث نعمت صفحہ 610 تا 612)

حسن اتفاق سے وہ اردن کے بادشاہ ہیں۔ دوسری مرتبہ جب حضرت چوہدری صاحب اُردن تشریف لے گئے تو شام اور اُردن کی سرحد پر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ وہاں پر پریس کے لوکل نمائندہ نے چوہدری صاحب سے سوال کیا کہ آپ عمان کس غرض کیلئے جا رہے ہیں؟ چوہدری

صاحب نے جواباً فرمایا: ایک دوست کی ملاقات کے لئے۔اس نے پوچھا: کیا جلالۃ الملک کی خدمت میں بھی حاضری کا موقع ہوگا؟ چوہدری صاحب نے فرمایا: یہاں جو میرے دوست ہیں ان کا نام حسین بن طلال ہے۔حسن اتفاق سے وہ اردن کے بادشاہ بھی ہیں۔لیکن میری غرض دوست سے ملاقات ہے۔دوست کو بادشاہ پر سبقت ہے۔ (تحدیث نعمت صفحہ 610 تا 612)

لیبیا کی آزادی میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کا کردار

1912ء کی جنگ میں اٹلی نے بآسانی ترکی افواج کو شکست دے کر لیبیا پر قبضہ کر لیا تھا۔لیکن اس کے بعد عرب آبادی کو زیر اقتدار لانے میں اٹلی کو بہت مشکل کا سامنا ہوا۔اس مہم کے سر کرنے کی ذمہ داری مارشل بڈوگلیو پر ڈالی گئی جس نے مزعومہ قیام امن کے لئے نہایت ہولناک طریق اختیار کئے۔مثلاً بڑے بڑے قائدین جو اطالوی اقتدار کے سامنے سرخم نہیں کرتے تھے کو جبراً ہوائی جہاز میں کئی ہزار فٹ کی بلندی پر لے جا کر جہاز سے نیچے گرا دیا جاتا۔یا اگر کسی بستی یا علاقے کے لوگوں کی طرف سے اٹھ کھڑے ہونے کا خدشہ ہوتا تو اس کا توپوں اور ٹینکوں سے محاصرہ کر کے اس علاقے کے پانیوں میں زہر ملا دیا جاتا جس سے اکثریت تو زہریلا پانی پینے سے مر جاتی تھی لیکن جو اس علاقے سے باہر بھاگنے کی کوشش کرتا وہ توپوں اور گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا۔

1949ء میں بڑی طاقتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ لیبیا کو تین حصوں میں تقسیم کر کے گویا تین ملک بنا دیئے جائیں۔چنانچہ طرابلس کو اٹلی کی نگرانی میں، برقہ کو برطانیہ کی جبکہ فزان فرانس کی نگرانی میں مزید دس سال تک رکھنے کا فیصلہ ہوا،جس کے بعد لیبیا کے ان تین حصوں کو آزادی دینے کی تجویز تھی۔13رمئی 1949ء کو یہ قرارداد ووٹنگ کے لئے جنرل اسمبلی میں پیش ہوئی۔لیکن یہ تجویز منظور نہ ہوسکی کیونکہ اس کو مطلوبہ ووٹ نہ مل سکے۔چنانچہ جنرل اسمبلی کو 21رنومبر 1949ء کو لیبیا کی آزادی کا فیصلہ کرنا پڑا۔اور تقسیم کے بغیر متحدہ لیبیا ایک ملک کی حیثیت سے آزاد ہوگیا۔یہ وہ تاریخ ہے جو ہر تاریخ کی کتاب میں مل جائے گی لیکن ہم تاریخ کے اس پہلو کو بیان کرتے ہیں جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔اور وہ یہ ہے کہ لیبیا کی تقسیم کا فیصلہ ہوگیا تھا۔تین بڑی طاقتیں اس پر متفق تھیں اور یہ اس زمانے کی بات ہے جس میں یہ بات کافی حد تک ناقابل یقین سمجھی جاتی تھی کہ ایک بات پر یہ تین بڑی طاقتیں متفق ہوں اور پھر ایسی بات پر مشتمل قرارداد ناکام رہے۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ہی وہ تاریخی شخصیت تھے جو لیبیا کی تقسیم کے سب سے زیادہ خلاف تھے اور آپ ہی تھے جنہوں نے خداداد قانونی صلاحیتوں اور ذہانت سے اس قرارداد کو ناکام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔اسکی تفصیل کا خلاصہ حضرت چوہدری صاحب کی خودنوشت ''تحدیث نعمت'' سے پیش ہے:''اس وقت اقوام متحدہ کے ممبران ملکوں کی تعداد ساٹھ سے کم تھی اور قواعد کے مطابق کسی بھی قرارداد کی منظوری کے لئے دو تہائی اکثریت کے ووٹ درکار ہوتے تھے جبکہ اس کو ناکام کرنے کے لئے ایک تہائی سے زیادہ ووٹ مطلوب ہوتے تھے۔حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں: مغربی طاقتوں نے تو سمجھا ہوگا کہ جو تجویز وہ کریں گے اسمبلی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے گی۔میرا خیال تھا کہ اگر ہم اس تجویز کو رد کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو لیبیا کے جلد آزاد ہونے کی صورت پیدا ہوجائے گی اور اگر لیبیا آزاد ہوجائے تو شمال مغربی افریقہ کے تینوں عرب ممالک یعنی تونس، الجزائر اور مراکش کی آزادی کا راستہ کھل جائے گا۔اس لئے میری نگہ میں مجوزہ قرارداد کا رد کیا جانا ازبس ضروری تھا۔مغربی طاقتوں نے ٹریپولی

(طرابلس) کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز سے لاطینی امریکن ریاستوں کی تائید حاصل کر لی تھی......اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کے بعد بھی ہمیں قرارداد کے خلاف صرف 15 آراء ملنے کا یقین تھا۔عرب ریاستیں تو قرارداد کے خلاف تھیں لیکن اس وقت صرف چھ عرب ریاستیں اقوام متحدہ کی رکن تھیں۔ان میں سے مصر کے وزیر خارجہ خشابا پاشا بھی پوری جدوجہد کر رہے تھے اور ہم دونوں آپس میں مشورے کرتے رہتے تھے۔

بحث کا آخری دن اور مضطربانہ دعا

بحث کا آخری دن آ پہنچا اور قرارداد کے خلاف 15 آراء سے زیادہ کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔میری طبیعت میں سخت اضطراب تھا۔اسی اضطراب کی حالت میں مَیں نے نماز ظہر میں نہایت عجز وانکسار سے ربّ العالمین کی درگاہ میں زاری کی کہ إلہ العالمین۔۔تو اپنے فضل ورحم سے ہمیں وہ رستہ دکھا جس پر چل کر ہم تیرے مظلوم بندوں کی رہائی اور مخلصی کی تدبیر کر سکیں۔تیسری رکعت کے پہلے سجدے میں جاتے ہوئے دفعتہً اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور رحم سے ایک ترکیب کی تفہیم فرمادی۔فالحمدللہ۔

مصر کے وزیر خارجہ سے گفتگو

جونہی مَیں نے نماز ختم کی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔اقوام متحدہ میں مصر کے مستقل نمائندے محمود فوزی صاحب نے فرمایا میرے وزیر خارجہ دریافت کرتے ہیں 'تم کب تک آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ وہ چاہتے ہیں کہ جلد آجاؤ تو سہ پہر کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے کچھ مزید غور کر لیں'۔ مَیں وزیر خارجہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔انہوں نے پوچھا، کچھ مزید غور کیا ہے اور کوئی تجویز ذہن میں آئی ہے؟ مَیں نے کہا ہاں آئی ہے یا یوں کہئے ذہن میں ڈالی گئی ہے۔اب تک ہم اس کوشش میں رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے پوری قرارداد کے خلاف آراء حاصل کی جائیں۔اس کوشش کے نتیجہ میں تو ہمیں صرف 15 مخالف آراء حاصل ہو سکی ہیں جو قرارداد کے ردّ کرنے کے لئے کافی نہیں......اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جو ممالک برطانیہ یا فرانس کی خوشنودی کی خاطر برطانیہ کو Cyrenaica (برقہ) اور فرانس کو فیضان (فوزان) کی نگرانی سپرد کرنے کے لئے مؤید ہیں ان میں سے تین چار کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اس قرارداد میں برطانوی اور فرانسیسی نگرانی والی شقوں کی تائید میں رائے دینے کے بعد تیسری شق جس میں ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز ہے کے مخالف رائے دیں۔

خشابا پاشا: اگر ایسا ہو بھی جائے تو کیا حاصل ہوگا؟ ظفر اللہ خان: حاصل یہ ہوگا کہ تیسری شق قرارداد سے خارج ہو جائے گی۔خشابا پاشا: لیکن ملک تو پھر بھی تقسیم ہو جائے گا۔برطانیہ اور فرانس کو مجوزہ علاقوں کی نگرانی سپرد کر دی جائے گی۔تم خود اب تک مصر رہے ہو کہ لیبیا کی تقسیم نہیں ہونی چاہئے۔اب تم نے یکا یک اپنی رائے کیوں بدل لی ہے؟ ظفر اللہ خان: مَیں نے رائے نہیں بدلی۔مَیں اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ لیبیا کی تقسیم ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔اگر میری بیان کردہ ترکیب سے تیسری شق قرارداد سے خارج ہوگئ تو کوئی تقسیم نہیں ہوگی۔ خشابا پاشا: وہ کیسے؟ ظفر اللہ خان: اگر ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہ ہوئی تو لاطینی امریکن ریاستیں بقیہ قرارداد کو قبول نہیں کریں گی اور تینوں شقوں پر رائے شماری کے بعد جب مجموعی طور پر ساری قرارد پر رائے شماری ہوگی تو لاطینی امریکن ریاستیں اس کے خلاف رائے دیں گی۔خشابا پاشا: (خوشی سے اچھل کر) خوب تجویز ہے۔میرے ذہن میں بالکل نہیں آئی۔پھر اب کیسے کیا جائے؟ وقت بہت تھوڑا ہے۔آج شام رائے شماری ہو جائے

گی۔ظفر اللہ خان: لاطینی امریکن ممالک میں ہائیٹی (Haiti) ایک ایسا ملک ہے جس کا اٹلی سے کوئی تعلق نہیں۔ایک تو ان کے ساتھ کوشش ہونی چاہئے۔انکی زبان فرانسیسی ہے،آپ کے وفد میں سے کوئی صاحب ان کے ساتھ بات چیت کریں۔سر بی این راؤ ہندوستانی نمائندے کے ساتھ مَیں بات کرتا ہوں۔'' دونوں ملکوں نے تیسری شق کے خلاف رائے دینا منظور کر لیا۔مغربی ریاستیں مطمئن نظر آتی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں قرارداد کے منظور ہونے کا پورا یقین ہے۔رائے شماری شروع ہوئی۔پہلی شق منظور ہوگئی، دوسری شق منظور ہوگئی، تیسری شق پر رائے شماری ہوئی تو حاضر 58، اراکین میں سے 8 نے رائے دینے سے اجتناب کیا، باقی 50 اراکین نے رائے دی۔منظوری کے لئے کم از کم 34 آراء کی ضرورت تھی لیکن اسکے حق میں صرف 33 اور اسے خلاف 17 آراء آئیں۔کامیابی کے لئے مزید ایک رائے ان کو نہ مل سکی۔اور یوں صاحب صدر کو چارو ناچار اس شق کے نامنظور ہونے کے باعث قرارداد سے خارج ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔

''مغربی طاقتوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں۔''

حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں: ہماری طرف سے خوشی کا اظہار تو لازم تھا ہی لیکن معلوم ہوتا ہے میرے اعصاب پر پہلے چند دنوں کی پریشانی اور اضطراب کا بوجھ تھا۔میری طبیعت قابو میں نہ رہی اور میں جوش سے اپنے سامنے کے ڈیسک کو زور زور سے متواتر پیٹنے لگا۔کرنل عبد الرحیم (اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے) نے آہستہ سے مجھے کہا: چوہدری صاحب کیا کر رہے ہیں؟ مَیں نے کہا:''مغربی طاقتوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں۔''......کئی دن تک میرے دونوں ہاتھ اس ڈیسک کوبی کی وجہ سے متورّم رہے۔''اس طرح طرابلس کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہ ہوسکنے کی وجہ سے لاطینی امریکن ریاستوں کی طرف سے قرارداد کی بقیہ شقوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ساری قرارداد ردّ ہوگئی۔

لیبیا کی آزادی کا پروانہ

حضرت چوہدری صاحب تحریر فرماتے ہیں:''اجلاس ختم ہونے پر مَیں کراچی واپس آ گیا۔کچھ دنوں بعد اطالوی سفیر متعینہ پاکستان مجھ سے ملنے آئے اور اپنے وزیر خارجہ (کونٹ سفورزا) کا ایک خصوصی پیغام میرے نام لائے۔کونٹ سفورزا نے کہلا بھیجا ہمیں قرارداد کے ردّ ہو جانے پر کوئی رنج نہیں۔ہم عرب ممالک کی دوستی اور خوشنودی کے خواہاں ہیں۔اور اسمبلی کے آنے والے اجلاس میں لیبیا کی فوری آزادی کی تائید کرنے کے لئے تیار ہیں۔چنانچہ 1949ء کے سالانہ اجلاس اسمبلی میں یہ قرارداد منظور ہوگئی کہ یکم جنوری 1951ء سے لیبیا آزاد ہوگا۔اس قرارداد کے نفاذ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے اراکین میں مصر اور پاکستان دونوں شامل تھے۔چنانچہ قرارداد کے مطابق یکم جنوری 1951ء کو لیبیا کی آزاد حکومت قائم ہوگئی۔فالحمدللہ۔''(ماخوذ از تحدیث نعمت صفحہ 567 تا 573)

حضرت چوہدری صاحب کا دورۂ مصر

حضرت چوہدری صاحب 1952ء میں ایک دفعہ مصر گئے تو وہاں کے اخبار''المصور'' نے نہ صرف آپ کے بارہ میں آرٹیکل لکھے بلکہ آپ کا انٹرویو بھی کیا اور اسے اپنے تبصروں کے ساتھ شائع کیا۔ذیل میں اس کے چند اقتباسات اور ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ظفر الله خان مجاهد هندی قدیم، يخطب بالإنجليزية، كأعاظم خطباء الإنجليز فى أخطر المجامع وأخطر المسائل، يخطب ارتجالا.... وشهد الذين سمعوه يخطب، أنه من أخطب خطباء العالم... إنه يقدس الصدق، ويحذر دائما أن يزيد شيئا على الحقيقة

المجردة من كل مبالغة، ويعرف متى يتحتم الكلام، ومتى يتحتم الصمت۔

(المصور المصرية، العدد الصادر في 29 فبرایر 1952م صفحه 34)

ظفراللہ خان صاحب پرانے انڈین مجاہد ہیں، آپ انگریزی زبان میں عظیم انگریز مقرروں کی طرح دنیا کے اعلیٰ ترین اور خطرناک ترین ایوانوں میں اور خطرناک مسائل کے بارہ میں فی البدیہہ تقریر کا ملکہ رکھتے ہیں......جنہوں نے آپ کو تقریر کرتے ہوئے سنا ہے ان کی گواہی ہے کہ آپ دنیا کے عظیم مقررین میں سے ایک ہیں۔آپ سچائی کو مقدس سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اصل حقیقت پر کسی قسم کی مبالغہ آمیزی کا اضافہ نہ ہو۔آپ بخوبی جانتے ہیں کہ کہاں بولنا ضروری ہے اور کہاں خاموشی اختیار کرنا لازم ہے۔

الرجل الذی یمسك بیده غصن الزیتون ویطیر به بین أطباق السحاب۔۔۔إنه رجل خیر، تبرع بأكثر من ثلث دخله الخاص للإنفاق على الجمعیات الخیریة فی الباكستان، وشهد له أعضاء هیئة الأمم بحرصه على أداء فروض الصلاة بانتظام وفی مواعیدها، حتى لقد حدث أن أزف وقت الصلاة مرة ولم یتمكن من الذهاب إلى منزله لأدائها بسبب استمرار اجتماع الهیئة، فدخل "كشك التلیفون" ووقف یقیم الصلاة۔۔!

وقد عُرف "ظفر الله خان" بأنه لا یباری فی عرض الحجج والبراهین وسرد الحقائق، وإذا تكلم أو خطب ارتجالا بلغ الذروة، وقد ضرب الرقم القیاسی فی الخطابة بمجلس الأمن إذا استمر یخطب ست ساعات كاملة دون توقف!۔۔۔۔

(المصور المصرية، العدد الصادر في 29 فبرایر 1952م ص 10 نقلا عن مجلة البشری المجلد 18 نیسان أیار 1952م ص 56 إلی 59)

آپ ہی وہ شخصیت ہیں جو پیام امن لے کر بادلوں کے درمیان اڑتی پھرتی ہے۔......آپ ایک نیک اور ہمدرد آدمی ہیں، آپ نے اپنی تنخواہ کا تیسرا حصہ پاکستان میں انسانی بھلائی کی تنظیموں کے لئے وقف کر رکھا ہے۔اور اقوام متحدہ کے ممبران اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ اپنی فرض نمازیں ان کے اوقات پر ادا کرنے کے پابند ہیں۔یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک اجلاس کے جاری رہنے کی وجہ سے آپ گھر میں جا کر نماز ادا نہ کر سکے چنانچہ آپ نے قریبی ٹیلیفون کے بوتھ میں داخل ہو کر کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کر لی۔ ظفراللہ خان کے بارہ میں مشہور ہے کہ دلائل وبراہین کے بیان اور حقائق کے تذکرہ میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔جب بھی آپ بولتے ہیں یا زبانی خطاب فرماتے ہیں تو آپ کی گفتگو نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔آپ نے سلامتی کونسل میں سات گھنٹے مسلسل خطاب کرنے کا ریکارڈ بھی قائم کیا ہے۔

اقوام متحدہ میں مصری نمائندہ کی شہادت

ولعل صاحبنا السید محمد ظفر الله خان هو الشخص الوحید من الشخصیات السیاسیة البارزة فی العالم بالوقت الحاضر الذی لا یفارقه القرآن المجید أبدا۔ ویصلی خمس صلوات مستقبلا إلى القبلة الشریفة تحت كل سماء وفوق كل أرض وفی جو السماء حین تحمله الطائرات من الشرق إلى الغرب ومن الشمال إلى الجنوب۔ ولا یتأخر عن بیان فضائل الإسلام ومحاسنه بالقلم واللسان والعمل بأحكامه حتى فی قاعات هیئة الأمم المتحدة۔ (جریدة الأخبار عدد 23 یونیو 1952م نقلا عن مجلة البشری المجلد 18 أغسطس 1952م ص 114)

شاید ہمارے دوست مکرم محمد ظفراللہ خان صاحب ہی اس وقت کی مشہور عالمی شخصیات میں سے وہ واحد شخصیت ہیں جو ہر وقت قرآن کریم اپنے پاس رکھتے ہیں۔اور ہر آسمان اور ہر زمین حتی کہ آسمان کی فضاؤں میں بھی جبکہ وہ جہازوں میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی سمت محو سفر ہوتے ہیں پانچوں نمازیں قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے ادا کرتے ہیں، اور قلم وزبان سے اسلام کے فضائل ومحاسن کے بیان سے تھکتے نہیں اور اقوام متحدہ میں بھی اسلامی احکام پر عمل کرنے سے پیچھے نہیں رہتے۔(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 9 اپریل 2010ء)

حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو شاہ مراکش کا خراج تحسین

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اہل مراکش کے لئے جو شاندار خدمات سرانجام دیں مراکش کے شاہ حسن نے اپریل 1963ء میں حضرت چوہدری صاحب کو زبردست خراج تحسین ادا کیا۔

اس ضمن میں اخبار ''پاکستان ٹائمز'' (The Pakistan Times) کے خصوصی نامہ نگار مقیم نیو یارک نے حسب ذیل خبر دی:

"United Nations, April 4:Morocco's king Hassan spent most of his day at the United Nations today. In the morning after a short private conference with U Thant on the 28th floor, he came down to the second floor for the inauguration of the mosaic panel, a gift from Morocco to the U.N.Short speeches were made right under the panel, while photographers and cameramen crowded on the steps of the escalator which faced the panel and had been immobilised for the occasion.The King then descended to the first basement where conference room IV is located - the large room where the Political Committee usually holds its session.Chaudhri Mohammad Zafrullah Khan, this month's Chairman of the Afro-Asian Group, greeted the King at the door. He said he was glad to greet "not only the exalted King but also a friend." It was a happy coincidence, he added, that it should be Pakistan's turn to preside over the Group's meeting. The meeting was held as usual behind closed doors.The King said in reply that his father as well as the Moroccan people owed a debt of gratitude to Chaudhri Zafrullah for ever because at the time when Morocco had very few friends, it was Chaudhri Zafrullah who was fighting for her cause. He said the fact that there is an Asian Secretary-General and that Chaudhri Zafrullah is also Assembly President shows what place of eminence the Afro-Asian Group has come to achieve today in the United Nations. In answer, Chaudhri Zafrullah thanked him and said that King Hassan's work is an inspiration to the entire Group. The King was the chief guest in the evening at a dinner arranged by U Thant."18

یونائیٹڈ نیشنز۔شاہ مراکش حسن ثانی جو آجکل امریکہ کے سرکاری دورہ پر ہیں۔جب اقوام متحدہ کا صدر دفتر دیکھنے گئے اور یو این او عمارت میں داخل ہوئے تو چوہدری محمد ظفر اللہ خان جو افریقی ایشیائی گروپ کے ماہ رواں کے صدر ہیں نے شاہ موصوف کا استقبال کیا۔آپ نے فرمایا کہ میں ایک شاہِ ذی شان کا ہی نہیں بلکہ اپنے ایک دوست کا بھی خیر مقدم کر رہا ہوں۔آپ نے مزید فرمایا یہ عجیب حسن اتفاق ہے ایسے خوشگوار موقعہ پر جبکہ شاہ مراکش یہاں تشریف لائے ہیں باری کے لحاظ سے افریقی ایشیائی گروپ کے اجلاس میں صدارت کے فرائض کی انجام دہی پاکستان کے حصہ میں آئی ہے۔شاہ حسن صاحب نے جوابی تقریر میں فرمایا کہ:۔''میرے والد محترم کی طرح اہل مراکش محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے ہمیشہ ممنون احسان رہیں گے کیونکہ ایسے وقت میں کہ جب چند ایک کے سوا مراکش کا کوئی دوست نہ تھا۔یہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان ہی تھے کہ جنہوں نے مراکش کی حمایت میں آواز بلند کی اور اس کے مفاد کے لئے سینہ سپر ہوئے۔''نیز شاہ نے کہا کہ یو این او کے سیکرٹری جنرل اور

جنرل اسمبلی کے صدر دونوں ایشیاء سے تعلق رکھتے ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ افریقی ایشیائی گروپ کو یواین او میں کتنا نمایاں اور بلند مقام حاصل ہو چکا ہے۔آخر میں جناب چوہدری ظفر اللہ خان نے شاہ مراکش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ حسن کا کام افریشیائی گروپ کے لئے حوصلہ افزائی کا سبب ہے۔(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 22 صفحہ 18 تا 20)

''آپ کا نام عربوں کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا جائے گا''(عرب پریس)
شیخ نُور احمد منیر (سابق مبلغ بلادِ عربیہ کے قلم سے)

ہم آپ کی ''اسلام کے لئے بیش بہا خدمات کے لئے ممنون ہیں۔'' مفتی اعظم (فلسطین) لبیا میں نوزائیدہ بچوں کے نام چوہدری صاحب کے نام پر رکھے گئے۔اردن۔شام۔مراکش اور صومالیہ کی حکومتوں کی طرف سے اعزازی نشان''

ظفراللہ خاں اور العالم العربی۔ مملکت خداداد پاکستان کے قیام پر اقوامِ متحدہ کے لئے جو وفد تشکیل پایا بہ ارشاد قائداعظم اس کے قائد چوہدری محمد ظفراللہ خاں تھے۔چنانچہ 26رستمبر 1947ء کو پہلی مرتبہ اقوامِ متحدہ میں چوہدری صاحب کی زبانی پاکستان کی آواز سنی گئی۔ایجنڈے پر سب سے اہم مسئلہ فلسطین کا تھا۔بحث کا آغاز ہونے پر دو سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ایک کے سپُرد فلسطین کی تقسیم کی صورت میں اس کی تفاصیل اور اہم مسائل پر رپورٹ پیش کرنا تھا۔ اور دوسری سب کمیٹی کا فرض منصبی یہ تھا کہ فلسطین کی وحدت ہی کو قائم رکھا جائے اور فریقین (عربوں اور یہود کے حقوق اور دیگر متعلقہ اُمور کی حفاظت کے بارے میں رپورٹ کرے۔مسئلہ فلسطین مغربی استعمار کا پیدا کردہ ہے۔اس لئے بحث کے اعتبار سے پیچیدہ بھی تھا۔ہر بلاک اور اس کے لئے اپنے اپنے معاونین مؤقف کو تسلیم کرانے کے لئے ہر حربہ استعمال کر رہے تھے نتیجہ انجام کار یہ ہوا کہ کمیٹی نے تقسیم فلسطین کے حق میں تجویز کو منظور کر لیا۔پاکستان ابھی دو دن قبل ہی اقوامِ متحدہ کا ممبر منتخب ہوا تھا۔ چوہدری صاحب نے اپنی تقریر کو تاریخی واقعاتی مذہبی اور قانونی اور اقتصادی حقائق وشواہد کے مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے بڑے مدلل انداز میں ایوان پر واضح کیا کہ تقسیم فلسطین کا منصوبہ اس علاقے کے خرمن امن پر مستقل اور دائمی چنگاری ثابت ہوگا۔عربوں اور یہود کے درمیان تعلقات ناگفتہ بہ ہو جائیں گے۔اور مستقبل میں یہ مسئلہ امنِ عالم پر بڑا گہرا اور مسموم اثر ڈالے گا۔۔ایسا کرنا ملک کی اکثریت سے خطرناک ناانصافی بلکہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔آپ کی تقریر کے دوران میں عرب مندوبین کے چہرے فرطِ اطمینان ومسرت سے تمتما اُٹھے۔کہ اُن کے حق میں بھی ایک آواز اُٹھی ہے۔جو ٹھوس اور مؤثر ہونے کے اعتبار سے ہر جہت سے مدلل بھی ہے۔تمام عرب جرائد ومجلّات نے اس تقریر کے اقتباسات شائع کئے اور مندوب اعلیٰ پاکستان چوہدری محمد ظفراللہ خاں کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کیا۔چنانچہ دمشق کے وقیع ترین اخبار ''الایّام'' نے اپنے اداریئے میں لکھا۔''ظفراللہ خاں وہ شخصیت ہے جس نے عرب ممالک کی ترجمانی پر اپنا انتہائی زور صرف کر دیا اُن کا نام عربوں کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے آبِ زَر سے لکھا جائیگا۔'' پاکستان کے مندُوب اعلیٰ نے مسئلہ فلسطین پر جس انداز سے بحث کی۔اس کے متعلق رائٹر کے نامہ نگار نے لکھا۔لیک سیکس۔10راکتوبر اقوامِ متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی۔کل پاکستان کے مندُوب سر ظفراللہ خاں کی تقریر کے بعد ایک پریشان کُن تعطل پیدا کر چکا ہے اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین

اپنی زبان کھولنے کے لئے تیار نہیں۔امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا۔اُس وقت تک بولنے پر آمادہ نہیں جب کہ صدر ٹرومین اور وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش نہ کرلیں کمیٹی میں کل کی بحث میں صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایورٹ (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا۔جب بحث وقت مقررسے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی۔اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھارہا، گویا کسی نے زبان سی دی ہو اقوامِ متحدہ کے تمام اجلاس میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔ (نوائے وقت۔11/اکتوبر 1947ء ص نمبر1)

افضل و اعلیٰ تقریر۔ اسی طرح 12/اکتوبر 1947ء کے نوائے وقت میں اس تقریر کا ذکر خیر ان الفاظ میں شائع ہو۔نیویارک 10/اکتوبر مجلس اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سر محمد ظفر اللہ خاں رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی آپ تقریباً 115 منٹ بولتے رہے۔اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ تقریر کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔آج تک میں نے ایسی شاندار تقریر نہیں سنی۔سر ظفر اللہ خاں نے اپنی تقریر میں زیادہ زور تقسیم فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صرف کیا جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت و ابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اُٹھے تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارک باد پیش کی۔" (نوائے وقت 12/اکتوبر 1947ء صفحہ 2 کالم2)

شامی پریس میں سے اس تاریخی اور پُرشوکت تقریر کے متعلق "الف باء" الایّام ۔القبس ۔الکتاح ۔النصر۔المنار۔الفجال اورالحفارۃ نامی جرائد و مجلّات نے اپنے کالموں میں پاکستان کے مندُوب اعلیٰ "چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو خراجِ تحسین پیش کیا۔"

فلسطین کی آزاد مملکت مسٹر ایلفر ڈ ایم لنتھل نے اپنی کتاب "WHAT PRICE ISRAEL" میں لکھا کہ "پاکستان کے مندُوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے "زبردست جنگ" لڑی۔انہوں نے کہا فلسطین کے بارہ لاکھ عربوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا حق چارٹر میں دیا گیا ہے۔ادارہ اقوامِ متحدہ صرف ایسی مؤثر شرائط پیش کر سکتا ہے جن سے فلسطین کی آزاد مملکت میں یہودیوں کو مکمل مذہبی۔لسانی۔تعلیمی اور معاشرتی آزادی حاصل ہو اس کے علاوہ عربوں پر کوئی اور فیصلہ مسلط نہیں ہوسکتا۔(صفحہ 17) نیز لکھا "جنرل اسمبلی میں پاکستانی نمائندے کی خطابت جاری رہی۔۔۔مغربی طاقتوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کل انہیں مشرقِ وسطیٰ میں دوستوں کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ملکوں میں اپنی عزت اور وقار تباہ نہ کریں۔جو لوگ انسانی دوستی کے زبانی دعوے کرتے ہیں۔اُن کا حال یہ ہے کہ اپنے دروازے بے گھر یہودیوں پر بند کئے ہوئے ہیں۔اور انہیں اصرار ہے کہ عرب فلسطین میں یہودیوں کو نہ صرف پناہ دیں بلکہ اُن کی ایسی ریاست بھی بننے دیں جو عربوں پر حکومت کرے۔(ص18،19)

نشانِ منزل روزنامہ نوائے وقت" کے بانی ایڈیٹر جناب "حمید نظامی" اپنے خطُوط و قوعہ 1954ء بعنوان "نشانِ منزل" صفحہ 49 میں بیان کرتے ہیں کہ "جب وہ عالمی صحافی کانفرنس میں شرکت کے لئے وی آنا گئے تو اُن کے جہاز میں ایک یہودی عالم اور ایک یہودی ایڈیٹر بھی سوار تھے۔چوہدری صاحب کی سخت مذمت کرتے اور آپ کو بُرا کہہ رہے تھے۔۔۔۔۔" یہودی حلقے آپ کی شخصیت سے اتنا بغض و عناد کیوں رکھتے ہیں؟ مندرجہ بالا تاریخی خطاب کی روشنی میں اس کی

وجہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔چوہدری صاحب کی اس تقریر سے مغربی استعمار اس قدر بوکھلا یا کہ اس نے جوڑ توڑ کے بعد فلسطین کو عرب اور یہودی دوعلاقوں میں تقسیم کرنے کی امریکی وروسی قرارداد پاس کردی۔رائے شماری کرتے وقت زبردست دباؤ ڈالا گیا عربوں کی حامی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کردیا گیا امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہودی اثر ورسوخ اور دباؤ کے تحت چھوٹی چھوٹی اقوام پر دباؤ ڈالا گیا اور یوں دو تین فیصلہ کن ووٹ حاصل کرلئے گئے۔ **شامی یونیورسٹی میں** اقوامِ متحدہ میں بحث کے بعد چوہدری صاحب نے شامی یونیورسٹی میں صیہونیت کے خطرے کا کیسے مقابلہ کیا جائے'' کے موضوع پر ایک مبسوط تقریر فرمائی تقریر کے وقت حاضرین کی تعداد بے پناہ تھی۔یہ تقریر انتہائی توجہ اور انہماک سے سُنی گئی جس کے بعد عرب زعماء نے فرطِ عقیدت سے آپ کے ہاتھوں کو چُوما اور عرب پریس نے لکھا کہ ''ظفراللہ خاں عربوں کا مُحسن ہے'' **سیدامجد علی** اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے اور قائداعظم کے رفیق قدیم سید امجد علی ایک انٹرویو میں بیان کرتے ہیں۔نمائندگی کے لحاظ سے پاکستان کے وزیرخارجہ چوہدری محمد ظفراللہ خاں ایک مثالی وزیرخارجہ تھے کشمیر کے مسئلہ کو جس چابک دستی سے انہوں نے پیش کیا۔۔۔شاید کوئی وزیرخارجہ آج تک نہیں کرسکا۔۔۔فلسطین کے مسئلہ پر انہوں نے بہت محنت سے عربوں کی مدد کی۔الجیریا۔تونس،مراکو اور دیگر اسلامی ممالک کے مسائل پر پاکستان کی طرف سے مکمل حمایت کی اور سفارتی سطح پر اُن کے لئے پُرزور جنگ لڑی۔''(ہفت روزہ زندگی 9رستمبر 1970ء) **اعزازات وتمغات** پاکستان کے فرزند جلیل چوہدری ظفراللہ خاں کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ عربوں کے حقوق کے لئے مخلصانہ اندازِ وکالت سے خوش ہوکر بعض عرب ملکوں نے آپ کی خدمت میں اپنے ملک کے اعلیٰ ترین اعزازات پیش کئے گئے مثلاً حکومت شام نے آپ کو''وسام اُمیّہ'' نامی نشان پیش کیا جو ملک شام کا سب سے بڑا اعزازی نشان ہے اور جو عام طور پر صرف سربراہانِ ممالک ہی کو پیش کیا جاتا ہے۔جلالتہ الملک حسین بن طلال نے آپ کو ستارۂ اُردن کے اعزازی نشان سے نوازتے ہوئے''ہم سب تہ دل سے آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے قضیۂ فلسطین میں ابتداہی سے نہایت جرأت اور دانش مندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے'' شاہ مراکش حسن نے فرمایا:۔''ظفراللہ خاں!آپ نے جو خدمت مراکش اور میرے خاندان کی انجام دی ہے اس کا بدلہ تو ہم کسی صورت میں نہیں دے سکتے لیکن مجھے خوشی ہوگی۔اگر آپ مراکش کا اعلیٰ ترین نشان میری خوشنودی اور دوستی کی یادگار کے طور پر قبول کرلیں۔صدرمملکت صومالیہ نے آپ کو اپنے ملک کی عظیم خدمات انجام دینے پر صومالیہ کا اعلیٰ ترین نشان بطورِ اعزاز کے عطا فرمایا:لیبیا کی آزادی اور خودمختاری کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمات سرانجام دیں۔اور جس جرأت مندی سے اس کی آزادی کے لئے وکالت کی اور اپنے حقوق و مفادات کی اس بہترین ترجمانی سے حکومت لبیا اور اہل لبیا کو جو مسرت نصیب ہوئی اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ لبیا کے نمائندہ نے آکر کراچی میں اعلان کیا۔''ظفراللہ خاں ہمیں اتنے محبوب ہیں کہ ہمارے ملک کے نوزائیدہ بچوں کے نام نیک تفاول کے طور پر چوہدری صاحب کے نام پر رکھے جارہے ہیں'' (رفتارِ زمانہ اگست 1951ء)

مفتیٔ اعظم فلسطین۔ پاکستان کے پہلے وزیرخارجہ چوہدری محمد ظفراللہ خاں نے شمالی افریقہ کے چار عرب ملکوں(الجزائر،لیبیا،تونس۔مراکو) کی آزادی اور قومی مفادات کے تحفظ کے لئے اقوامِ متحدہ کے ایوانوں میں جس خلوص اور جرأت مندی سے ترجمانی اور وکالت کی اُس کا اُن ملکوں میں بے پناہ نیک تمناؤں سے خیرمقدم کیا گیا۔چنانچہ چوہدری صاحب کے نام ایک مکتوب میں مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی نے تحریر فرمایا

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کی اسلام کے لئے بیش بہا خدمات کے لئے تہ دل سے ممنون ہیں۔دُعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کی مساعی جمیلہ کو کامیابی کا تاج پہنائے'' (ہفت روزہ''لاہور 19/اگست 1979ء)

شاہ فیصل مرحوم۔ اسی طرح اپنے اس مکتوب میں جو 5/مئی 1948ء کو نیو یارک کے دفتر سعودی عرب سے چوہدری صاحب کے نام تحریر فرمایا: شاہ فیصل مرحوم و مغفور نے لکھا:۔''میرے عزیز دوست! آپ نے جس تن دہی اور خلوص سے نہ صرف اس میٹنگ میں بلکہ جب سے مسئلہ فلسطین اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا ہے۔اعلیٰ تعاون اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے۔میں اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ کی اعلیٰ اقدار نے نہ صرف عربوں کے دلوں میں بلکہ اقصائے عالم کے تمام راستباز انسانوں کے دلوں میں یہ خواہش پیدا کردی ہے کہ وہ آپ کی مساعیٔ جمیلہ کی دل سے قدر کریں۔''(بحوالہ ہفت روزہ''لاہور''19/اگست 1979ء)(لاہور 28/ستمبر 1985ءصفحہ 9۔10۔11)

چوہدری ظفر اللہ خان بنام گاندھی جی انگلستان میں مسلم مطالبات پیش ہونے کا پہلا موقع۔شیخ عبدالماجد۔لاہور

جداگانہ انتخاب کے سلسلہ میں انگلستان میں مہم چلانے کی شدید ضرورت تھی۔اس ضمن میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے قابل ستائش جدوجہد کی اور ایک طویل عرصہ تک کام کرتے رہے۔ان کی جملہ مساعی کا احاطہ تو نہیں کیا جاسکتا نمونۃً ایک معرکہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

گول میز کانفرنس انگلستان کے ایام میں مدیر انقلاب''مولانا غلام رسول صاحب مہر'' کے مکتوبات''انقلاب'' کے علاوہ ملک کے دیگر جرائد و رسائل میں بھی شائع ہوتے رہے۔موصوف کا ایک اہم تاریخی مکتوب''فاروق'' قادیان 7/دسمبر 1931ء سے نقل کیا جاتا ہے۔مولانا مہر لکھتے ہیں:

گاندھی جی کو دعوت۔''اس ہفتے (انگلستان میں۔ناقل) بہت سی تقریبات پیش آئیں جن کا ذکر ضروری تھا لیکن کس کس کو تفصیل سے لکھوں۔قومی نقطہ نگاہ سے آکسفورڈ کی ایک تقریب کا ذکر ضروری ہے......آکسفورڈ میں ایک انجمن ہے جس کا نام''ریلے سوسائٹی'' ہے اور جسے عام طور پر انگریزی نوآبادیوں یا جو بہ اصطلاح مشہور''مستعمرات'' کے مسائل سے متعلق ہے۔مسٹر کوپ لینڈ (مصنف ہندوستانی سیات 1936ء تا 1942ء انگریزی۔ناقل) جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ مستعمرات کے پروفیسر ہیں،اس کے پریذیڈنٹ ہیں۔گول میز کانفرنس کی وجہ سے آج کل عام انگریز،ہندوستان پر بھی بطور خاص متوجہ ہیں۔چنانچہ ریلے سوسائٹی نے پچھلے ہفتے گاندھی جی کو دعوت دی کہ وہ ان کے روبرو ہندوستان کے مسائل کے متعلق تقریر کریں۔...... گاندھی جی گئے۔انہوں نے تقریر کی اور یہاں کے عام طریق کے مطابق تقریر کے بعد حاضرین نے متعدد سوالات کئے۔بتایا جاتا ہے کہ اس تقریر کا عام رجحان مسلمانوں کے حق میں نہیں تھا۔

چوہدری ظفر اللہ خان کو دعوت۔گاندھی جی کی تقریر کے بعد بعض ممبروں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اب کسی مسلمان کو تقریر کے لئے بلانا چاہئے تاکہ مسلمانوں کا زاویہ نگاہ بھی معلوم ہو سکے۔اس خیال کو سوسائٹی کے عام ممبروں نے پسند کیا اور چوہدری ظفر اللہ خان کو بلایا گیا۔چوہدری صاحب کا بہت اچھا استقبال ہوا۔صدر سوسائٹی نے لنچ میں متعدد اربابِ علم و فضل کو بلایا۔ان میں ڈاکٹر ایڈورڈ تھامسن بھی شامل تھے۔......شام

کوایک گھنٹہ تک چوہدری صاحب نے تقریر کی......جس میں ہندوستان کے اندر اقوام کے کلچر،تمدن،طرز بود و باش،طریق فکر ونظر،مشغولیات، مصروفیات زندگی بلکہ اسماء تک کے اختلافات کوانتہائی وضاحت کے ساتھ پیش کیا اوراس طرح وہ تمام بنیادیں سامعین کے روبرو پیش کردیں جن پر مسلمانوں کے ''مطالبات تحفظ'' مبنی ہیں۔چوہدری صاحب نے بتایا کہ اونچی جاتیوں کے ہندو،اچھوتوں اور دوسرے غیر ہندوؤں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ان کے کلچر اور مسلمانوں کے کلچر میں کیا فرق ہے۔ہندو گائے کی پرستش کرتے ہیں۔مسلمانوں کے نزدیک یہ ایک حلال طیب جانور ہے۔ہندو،سود کا کاروبار کرتی ہیں،مسلمانوں کے مذہب میں سود لینا اور دینا ممنوع ہے۔مسلمان،عموماً زمیندار اور کاشت کار ہیں۔ہندو زیادہ تر بینکر اور تاجر ہیں۔اس اختلاف کی وجہ سے دونوں قوموں کے مقاصد میں ہر وقت تصادم کا اندیشہ رہتا ہے۔طریق انتخاب پر بحث کرتے ہوئے چوہدری صاحب نے فرمایا کہ یہاں انگلستان میں عام لوگوں کے ناموں سے ہرگز ظاہر نہیں ہوسکتا کہ کون ''رومن کیتھولک'' ہے اور کون ''پراٹسٹنٹ''۔لیکن ہندوستان میں ہندوؤں،سکھوں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ فہرست میرے سامنے یا کسی بھی ہندوستانی کے سامنے رکھ دیں تو وہ بیک نظر بتادے گا کہ......ہندو کون ہے اور مسلمان کون اور سکھ کون......ان حالات میں ہمارے ہاں مخلوط انتخاب رائج ہو تو اس کی کیفیت یہاں کے پراٹسٹنٹ اور کیتھولک رقیب امیدواروں سے بالکل مختلف ہوگی۔یہاں کے ووٹر محض ناموں سے معلوم نہیں کرسکتے۔ہمارے ہاں حالت بالکل مختلف ہے لہذا جن اختلافات کا میں اوپر ذکر کرچکا ہوں وہ پانچ سال کے بعد ایک مرتبہ ووٹ اکٹھے دینے سے دور نہیں ہوسکیں گے۔غرض چوہدری صاحب نے نہایت وضاحت کے ساتھ ''اسلامی مطالبات'' کے اصول ومبادی،حاضرین کے سامنے پیش کئے جس سے سب بے حد متاثر ہوئے۔

مسلم مطالبات پیش ہونے کا پہلا موقع

تقریر کے بعد سوا گھنٹے تک سوالات کا سلسلہ جاری رہا اور چوہدری صاحب جوابات دیتے رہے۔آخر میں مسٹر کوپ لینڈ نے فرمایا کہ یہاں کے لوگوں کے سامنے مسلمانوں کے مطالبات پیش ہونے کا یہ پہلا موقع ہے۔گاندھی جی سے جتنے سوالات کئے گئے تھے۔ان کے جوابات کی نسبت حاضرین کا احساس یہ تھا کہ وہ مبہم تھے لیکن چوہدری صاحب کے تمام جوابات واضح ہیں اور غیر مبہم ہیں۔

(الفضل انٹرنیشنل 10 ستمبر 1999ء صفحہ 10)

مسلم آؤٹ لک کے مقدمہ کے متعلق ہائی کورٹ پنجاب میں بحث

ڈیفنس کی طرف سے جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب احمدی بیرسٹر ایٹ لاء کی پُرزور تقریر

مقدمہ کی کاروائی کی نہایت مفصل رپورٹ

الفضل کے خاص نامہ نگار بھائی عبدالرحمٰن صاحب کے قلم سے

اخبار مسلم اوٹ لک کے مشہور مقدمہ میں جو کارروائی عدالت عالیہ لاہور میں ہوئی۔اس کی رپورٹ متعدد اردو انگریزی روزانہ اخبارات میں شائع ہوچکی ہے۔لیکن ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔کہ الفضل کے خاص نامہ نگار بھائی عبدالرحمن صاحب نے جو خود عدالت عالیہ میں موجود

تھے۔جس تفصیل اور عمدگی کے ساتھ مقدمہ کی رپورٹ قلم بند کر کے بھیجی ہے۔اور جو درج ذیل ہے۔ایسی کسی اخبار نے بھی شائع نہیں کی۔ان تفصیلی حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔کہ جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب احمدی بیرسٹرایٹ لاء نے کیسی اعلیٰ قابلیت اور کتنی بڑی خوبی کے ساتھ مقدمہ کو پیش کیا۔اور کیسی زبردست گفتگو کی۔جس طرح اس مقدمہ کا فیصلہ اپنی تلخی کے لحاظ سے مسلمانان ہند کے لئے ہمیشہ باعث رنج والم رہے گا۔اسی طرح جناب چوہدری صاحب موصوف کا اس مقدمہ میں ایسی جرأت کے ساتھ پیش ہونا اور اس قدر پرزور اور زبردست بحث کرنا بھی یادگار رہے گا۔ہماری دعا ہے۔کہ خدا تعالیٰ جناب چوہدری صاحب کی صحت وعمر میں برکت ڈالے۔اور ان سے خدمت اسلام کے اور بھی بڑے بڑے کام لے۔(ایڈیٹر)

ہائی کورٹ کے اختیارات سماعت مقدمہ پر بحث

چوہدری ظفر اللہ خاں:۔پیشتر اس کے کہ واقعات مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوں۔مَیں ایک تمہیدی عذر پیش کرنا چاہتا ہوں۔اور وہ عذر یہ ہے۔کہ اس عدالت کو اپنی توہین کے متعلق سرسری کارروائی کر کے سزا دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔اس مقدمہ سے پیشتر اسی نوع کا مقدمہ یعنی ایک ایسا مقدمہ جو اس حد تک موجودہ مقدمہ سے مشابہ تھا۔کہ اس میں بھی ہتک عدالت کا سوال تھا۔اس ہائی کورٹ سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ میری مراد سید حبیب ایڈیٹر ریاست کا مقدمہ ہے۔جس کے فیصلہ کی رپورٹ 6 لاہور صفحہ 528 پر موجود ہے۔اس فیصلہ میں یہ امر درج ہے۔کہ عدالت کو ایسے امور میں اختیار سماعت حاصل ہے۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔کہ ملزم نے اختیارات سماعت کا سوال اس مقدمہ میں نہیں اٹھایا۔عدالت نے خود بخود اس مسئلہ پر غور کیا۔اور عدالت اس نتیجہ پر پہنچی۔کہ اسے اختیار سماعت حاصل ہے۔اس نتیجہ پر پہونچنے کی تائید میں دو حوالجات اس فیصلہ میں درج کئے گئے ہیں۔

10 کلکتہ صفحہ 109 اور 29 الہ آباد صفحہ 95

مَیں اپنی تقریر کے دوران میں ان حوالجات کو عدالت کے روبرو پیش کردوں گا۔اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔کہ ان حوالجات سے یہ نتیجہ لازم نہیں آتا۔کہ لاہور ہائی کورٹ کو ایسے امور میں سرسری کارروائی کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

رزیڈنسی ہائی کورٹس کے علاوہ سید حبیب صاحب والا فیصلہ ہی صرف ایک فیصلہ ہے۔جو میری تلاش پر اس قلیل وقت میں مجھے مل سکا جس میں یہ قرار دیا گیا ہے۔کہ عدالت کو ایسے امور میں اختیار سماعت حاصل ہے۔لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ کہ اس فیصلہ میں عدالت صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچی۔اور وہ فیصلہ بوجہ تین ججوں کے فیصلہ ہونے کے اس اجلاس پر جو پانچ ججوں پر مشتمل ہے قابل پابندی نہیں۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔48 الہ آباد میں الہ آباد ہائیکوٹ۔نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے۔کہ انہیں اختیار سماعت حاصل ہے۔چوہدری ظفر اللہ خاں: یہ فیصلہ میری نظر سے نہیں گزرا۔میں نے ابھی یہ فیصلہ منگوا بھیجا ہے۔اور اس کے متعلق بھی میں اپنی بحث کے دوران میں اپنے اعتراضات پیش کروں گیا ہے۔مسٹر جسٹس ٹیک چند: 48 الہ آباد کی بجائے 97 انڈین کیسر میں اس فیصلہ کی زیادہ مفصل رپورٹ درج ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں: اس مسئلہ کے متعلق میرے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے۔کہ توہین عدالت کے متعلق سرسری کارروائی کر کے سزا دنیا خالص انگلستان کے کامن لاء کا مسئلہ ہے۔اور ان عدالتوں کو جنہیں کامن لاء کے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔یہ اختیار نہیں پہنچتا۔کہ وہ اپنی توہین کے

متعلق سرسری کارروائی کر کے ملزم کو سزا دے سکیں۔ پریزیڈنسی ہائی کورٹوں کے متعلق یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ انہیں یہ اختیارات حاصل ہیں۔لیکن اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ ہائی کورٹ سپریم کورٹوں کی جانشین ہے۔اور سپریم کورٹوں کو کامن لاء کے اختیارات ان کے چارٹر کے ماتحت حاصل تھے۔اور وہی اختیارات پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کو بوجہ سپریم کورٹوں کے جانشین ہونے کے حاصل ہیں۔ یہ امر تو مَیں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ لاہور ہائی کورٹ بھی کورٹ آف ریکارڈ ہے۔لیکن لاہور ہائی کورٹ کو کامن لا کے قطعاً کوئی اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ایسی صورت میں اس ہائی کورٹ کو یہ اختیار نہیں کہ محض اس وجہ سے کہ وہ کورٹ آف ریکارڈ ہے۔اپنے متعلق ایسے اختیارات تجویز کرے جو حقیقت میں اسے حاصل نہیں ہیں۔اب مَیں پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کے متعلق اپنی پوزیشن کو واضح کرتا ہوں سب سے اوّل ملاحظہ ہو چارٹر سپریم کورٹ کے 1774ءفقرہ نمبر 4 اس فقرہ میں صاف طور پر درج ہے۔کہ سپریم کورٹ کے ججوں کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے۔جو کنگز بنچ کے ججوں کو انگلستان میں حاصل ہیں۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو دفعہ 19 انڈین ہائی کورٹ ایکٹ 1868ء اس ایکٹ کے رو سے ملکہ وکٹوریہ کو اختیار دیا گیا تھا۔کہ وہ پریذیڈنسی صدر مقاموں میں ہائی کوٹ میں قائم کریں۔اور ان ہائی کورٹوں کے اختیارات کے حدود قائم کریں۔اور دفعہ 9 میں یہ تشریح کی گئی ہے۔کہ کن عدالتوں کے ججوں کو وہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ جو عدالت ہائے ماسبق کے ججوں کو حاصل تھے۔تو یہ امر واضح ہوگیا۔کہ پریزیڈنسی ہائی کورٹوں کے ججوں کو وہی اختیارات حاصل ہیں۔ جو سپریم کورٹوں کے ججوں کو تھے۔اور جیسا میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔سپریم کورٹ کے ججوں کو صریح طور پر کنگز بنچ کے ججوں کے اختیارات دیئے گئے تھے۔ چنانچہ پریزیڈنسی ہائی کورٹوں کے لیٹر پیٹنٹ میں بھی ان اختیارات کی تشریح کر دی گئی ہے۔اس عدالت کے اختیارات کی تشریح بھی اس کے لیٹرز پیٹنٹ میں کی گئی ہے۔لیکن لیٹرز پٹینٹ میں کوئی بھی ایسا فقرہ نہیں ہے۔جس کے یہ معنی نکالے جاسکیں۔ کہ اس عدالت کو کامن لاء کے اختیارات حاصل ہیں۔ یا وہی اختیارات حاصل ہیں۔ جو پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کو حاصل ہیں۔مسٹر جسٹس ٹیک چند:: چھوٹی چھوٹی نوآبادیوں کی ہائی کورٹوں نے ان اختیارات کو استعمال کیا ہے۔اور پریوی کونسل نے اسے جائز قرار دیا ہے۔تو کیا ہمیں وہ بھی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ جو ان چھوٹی سی عدالتوں کو حاصل ہیں؟ چوہدری ظفر اللہ خاں:۔کسی ملک کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا سوال اس مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔سوال تو یہ ہے۔کہ آیا ان عدالتوں کو جنہوں نے ان اختیارات کو استعمال کیا ہے۔ کامن لاء کے اختیارات حاصل تھے۔ یا نہیں۔ اگر انہیں ایسے اختیارات حاصل تھے۔تو انہیں اپنی توہین کے متعلق سرسری طور پر سزا دینے کا اختیار بھی حاصل تھا۔مسٹر جسٹس ٹیک چند:۔اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ انہیں کامن لاء کے اختیارات حاصل تھے؟

چوہدری ظفر اللہ خان: جب تک ان عدالتوں کے چارٹر آپ کے سامنے نہ ہوں۔آپ یہ بھی تو نہیں کر سکتے کہ ان عدالتوں کو کام لاء کے اختیارات حاصل نہیں تھے۔اور اگر قیاسات پر بھی اندازہ کرنا ہو۔تو قیاس تو یہ ہوگا۔کہ ان عدالتوں کو کامن لاء کے اختیارات حاصل تھے۔آپ نے فرمایا ہے۔کہ وہ چھوٹی چھوٹی نوآبادیوں کی عدالتیں ہیں۔اور میں یہ کہتا ہوں۔کہ یہی خود ایک وجہ ہے۔کہ کیوں انہیں کامن لاء کے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔اوّل تو نوآبادیوں میں لازمی طور پر قانون انگریزی کا غلبہ ہوگا۔دوسر جب تک بذریعہ ایکٹ ہائے وقواعد قانون کی مفصل تشریح نہ ہو جائے۔اور ضوابط تیار نہ ہو جائیں۔انگریزی حکومت کے ماتحت اور خصوصیت سے نوآبادیوں میں کامن لاء ہی رائج ہوگا۔اسی ملک میں آپ دیکھ لیں کہ ابتدا میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری تھی۔اور سپریم کورٹوں کے اختیارات کا حلقہ ایک ایک ضلع کے

برابر بھی نہیں تھا۔اس وقت سپریم کورٹوں کو کامن لاء کے اختیارات دئے گئے۔اس وقت کلکتہ کے سپریم کورٹ کے کل چار جج تھے۔اور اس لحاظ سے وہ بالکل چھوٹی سی عدالت تھی۔آج آپ کی عدالت ایک بہت بڑے صوبہ پر اختیارات حاصل ہیں۔اور تیرہ جج اس عدالت میں شامل ہیں لیکن آپ کو کامن لاء کے اختیارات نہیں دئے گئے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ابتدا میں قانون واضح نہ تھا۔اور ہر مسئلہ کے متعلق فوری قانون بنانا مشکل تھا۔اس لئے ابتداء میں جو عدالتیں قائم ہوئیں۔ان کو کامن لاء کے اختیارات دئے گئے۔تاکہ جن امور کے متعلق ہندوستان کا اپنا صریح قانون موجود نہ ہو۔وہ مطابق انگلستان کے کامن لاء کے فیصلہ کئے جائیں لیکن جوں جوں قانون کی وضاحت ہوتی گئی۔اور ہندوستان کا اپنا قانون مکمل ہوتا گیا۔یہ ضرورت کم ہوگئی۔اور بعد کی قائم کردہ ہائیکورٹوں کو ایسے اختیارات دینے کی ضرورت نہ رہی۔مسٹر جسٹس براڈوے:لیکن ہم بھی ملک معظم کی قائم کردہ عدالت ہیں اور ہمارے اختیارات بھی ملک معظم سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔چوہدری ظفر اللہ خان:۔اس امر کو تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہیں لیکن سوال تو یہ ہے کہ آپ کو کیا اختیارات حاصل ہیں؟ میں ایک فاضل جج کے سوال کے جواب میں یہ بیان کر رہا تھا کہ کامن لاء کے اختیارات کا حاصل ہونا یا نہ ہونا کسی ملک یا صوبہ کی وسعت پر منحصر نہیں ہے۔اور قیاس یہی ہے کہ نوآبادیوں کی ہائیکورٹوں کا کامن لاء کے اختیارات حاصل ہیں۔چنانچہ 41 کلکتہ صفحہ 173 میں صاف درج ہے کہ صوبہ وکٹوریا کی سپریم کورٹ کو ابتدا سے کامن لاء کے اختیارات حاصل ہیں۔اور میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک قیاس کا تعلق ہے دیگر نوآبادیوں کی ہائی کورٹوں کو بھی ایسے ہی اختیارات ضرور حاصل ہوں گے۔میں تو عرض کر ہی چکا ہوں کہ اس عدالت کی لیٹرز پیٹینٹ (فرمان شاہی) میں ایسے اختیارات درج نہیں ہیں۔باقی رہا یہ امر کہ آیا اس عدالت کو ہندوستان کے عام قانون کے ماتحت ایسے اختیارات حاصل ہیں یا کہ نہیں۔اور تو ہندوستان میں کوئی ایسا قانون جسے قانون عام یا کامل لاء سے تعبیر کیا جائے رائج ہی نہیں۔اور اگر کوئی ایسا قانون ہو بھی تو اس میں توہین عدالت کا مسئلہ کبھی سننے میں نہیں آیا۔وراثتی اختیارات کی یہ حالت ہے۔کہ اس عدالت کی ماسبق عدالت چیف کورٹ پنجاب تھی۔اور وہ عدالت کورٹ آف ریکارڈز ہی نہ تھی۔نہ ہی اسے توہین عدالت کے متعلق کوئی سرسری اختیارات حاصل تھے۔تو میں یہ عرض کروں گا۔کہ نہ ہی لیٹر پیٹینٹ (فرمان شاہی) کے ماتحت نہ ہی وراثتی طور پر اور نہ ہی کسی عام قانون کے ماتحت اس عدالت کو موجودہ کارروائی کے کرنے کا اختیار حاصل ہے۔مسٹر جسٹس براڈوے:سید حبیب کے مقدمہ کے علاوہ ایک اور مقدمہ میں بھی اس عدالت نے قرار دیا ہے۔کہ ہمیں اختیارات حاصل ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خاں: وہ فیصلہ رپورٹ نہیں ہوا۔مسٹر جسٹس براڈوے:رپورٹ نہ ہوا ہوگا لیکن قرار تو دیا گیا ہے۔

چوہدری ظفر اللہ خان:اب میں عدالت کی توجہ ان فیصلہ جات کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں جن کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے۔کہ اس عدالت کو یہ اختیارات حاصل ہیں۔اوّل تو 10 کلکتہ صفحہ 9۔10 پریوی کونسل کا فیصلہ ہے۔یہ فیصلہ کلکتہ ہائیکورٹ کے متعلق ہے۔جو کہ پریذیڈنسی ہائی کورٹ ہے۔اور جسے کامن لاء کے اختیارات حاصل ہیں۔چنانچہ پریوی کونسل نے اپنے فیصلہ میں صریح طور پہ کہا ہے۔کہ توہین عدالت کے تعلق جو اختیارات کلکتہ ہائیکورٹ کو حاصل ہیں۔وہ اس عدالت کو سپریم کورٹ سے جس کی کہ وہ جانشین ہے۔وراثتاً ملے ہیں۔اور یہ اختیارات ہندوستان کے کسی قانون سے ماخوذ نہیں۔بلکہ محض کامن لاء کی بناء پر استعمال کئے جاتے ہیں۔اس فیصلہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔کہ توہین عدالت سے متعلقہ اختیارات کامن لاء اور صرف کامن لاء ہی سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔دوسرا فیصلہ 21 الہ آباد صفحہ 95۔یہ بھی پریوی کونسل کا

فیصلہ ہے۔اسکے واقعات یہ ہیں۔کہ مٹرساسی بھوشی سربدی کاری جوکہ الہ آباد ہائیکورٹ کے ایڈووکیٹ تھے۔عدالت میں کسی مقدمہ میں پیش ہوئے۔اورعدالت نے انہیں کسی بات پرٹوکا اس پرانہیں رنج ہوا۔اورانہوں نے ایک مضمون اس واقعہ کےمتعلق ایک اخبار میں لکھا۔جس اخبار کے وہ ایڈیٹربھی تھے۔مسٹرجسٹس براڈوے:۔کیااس مضمون کی تفاصیل میں جانے کی کوئی ضرورت ہے؟ چوہدری ظفراللہ خان: میں نے عمداً اس مضمون کی تفصیل کو بیان نہیں گیالیکن اس فیصلہ کی تشریح کیلئے اوراسکے واقعات کوسمجھنے کیلئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ تمام قضیہ اس مضمون سے برپا ہوا۔جومسٹرسربدھی کاری نے اخبار میں شائع کیا۔اس مضمون میں جوالفاظ استعمال کئے گئے۔وہ صریح اورمسلمہ طور پرہتک آمیز تھے لیکن عدالت عالیہ الہ آباد نے اس مضمون کےمتعلق توہین عدالت کی کاروائی نہیں بلکہ مسٹرسربدی کاری کے خلاف بطورایڈوکیٹ عدالت کے کاروائی کی گئی اوراس کےنتیجہ میں چارسال کے لئے لائسنس ضبط کرلیا گیااس سے یہ مترشح ہوتا ہوہے کہ الہ آباد ہائیکورٹ کا خیال تھا کہ انہیں توہین عدالت کےمتعلق کارروائی کرنے کے اختیارحاصل نہیں ہیں۔ورنہ وہ کیوں نہ ایک ایسی کاروائی اختیارکرتے جوبمقابلہ اس کارروائی کے جوکی گئی زیادہ سہل اورصریح الاثرتھی۔مسٹرجسٹس براڈوے:ممکن ہے کہ ہائی کورٹ الہ آباد کےججوں کا یہ خیال ہوکہ ایک ایڈوکیٹ کالائسنس کا چا سال کے لئے ضبط کرلینا اس کے لئے زیادہ سخت سزا ہے۔بہ نسبت اس کے کہ توہین عدالت میں اس کو چھ ماہ کے لئے جیل میں بھیج دیا جائے۔چوہدری ظفراللہ خان: یہ قیاس اسی مدت میں پیدا ہوگا۔جب یہ فرض کرلیا جائے۔کہ اجلاس میں بیٹھنے اورملزم کےعذرات سننے سےقبل ہی عدالت نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ ملزم کوفلاں سزادی جائے گی۔مسٹرحسبن براڈوے: یہ قیاس لازمی نہیں۔چوہدری ظفراللہ خان: الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کا اپیل پریوی کونسل میں کیا گیااورمقدمہ کے واقعات بیان کرنے دوران میں بجان پریوی کونسل نے یہ فقرہ کہا کہ مسٹرسربدی کاری کا مضمون ایسا تھا کہ اس کےمتعلق توہین عدالت کی کاروائی بھی ہوسکتی تھی۔مسٹرحسبن براڈوے: یہ قیاس لازم نہیں۔چوہدری ظفراللہ خان: مَیں آپ کواصل فقرہ پڑھ کرسنانے ہی والا تھا۔جواس طرح ہرہے کہ"عدالت عالیہ کواختیارتھا کہ وہ توہین عدالت کی کاروائی کرکےملزم کو قیداورجرمانہ کی سزادیتی۔"اب یہ فقرہ بطورکسی مسئلہ کےفیصلہ نہیں۔واقعات کے بیان کےدوران میں کہا گیاہے۔یہ امرتوواضح ہے کہ جوکچھ مسٹر سربدی کاری نےلکھا وہ توہین عدالت کی حدتک پہنچتا تھا۔اور پریوکونسل نے کہہ دیا۔کہ اس پرتوہین عدالت کی کاروائی ہوسکتی تھی۔لیکن یہ مسئلہ اس وقت پریوی کونسل کے سامنےنہیں تھا کہ آیاالہ آباد ہائی کورٹ کوتوہین عدالت کی کاروائی کرنے کے اختیاراسے حاصل ہیں یانہیں۔اس لئے اس فقرہ کوپریوی کونسل کا فیصلہ نہیں کہا جاسکتا۔مسٹرجسٹس براڈوے۔: ہم بہرصورت پریوی کونسل کے اظہاررائے کے پابند ہیں۔چوہدری ظفر اللہ خان: مَیں عرض کروں گا۔کہ جب تک کوئی مسئلہ بطورنزاع کے پریوی کونسل میں پیش ہوکہ فیصلہ نہ ہو۔آپ پریوی کونسل کی رائےکواحترام کی نظرسےتودیکھ سکتے ہیں لیکن اس کے پابندنہیں۔حال ہی میں پریوی کونسل کاایک فیصلہ ایسا ہوا ہے۔کہ جس میں انہوں نے اس عدالت عالیہ کے ایک فیصلہ کوایک ایسے ایکٹ کی بناپرمنسوخ کردیا۔جوپنجاب میں رائج ہی نہیں ہے۔اب ہرایک شخص جانتاہے۔کہ اس ایکٹ کااطلاق اس صوبہ میں نہیں۔اور پریوی کونسل نے اس کا اطلاق کردیا۔تواس سے یہ نتیجہ لازم نہیں آئے گا۔کہ اس ایکٹ کوآئندہ کے لئے اس صوبہ کےتعلق سمجھا جائے۔مسٹرجسٹس براڈوے۔:مجلس واضع قوانین نے اس نقص کی اصلاح کردی ہے۔چوہدری ظفراللہ خان۔بے شک اصلاح توہوگئی۔لیکن اصلاح ہونے کے پیشتراس عدالت کے ایک فاضل جج نے پریوی کونسل کے اس فیصلہ کی متابعت کرنے سے اس بناء پرانکارکردیا تھا کہ پریوی کو

نسل کو اس معاملہ میں صریح غلط فہمی ہوئی ہے۔مسٹرجسٹس براڈوے: بہرصورت نے اس فیصلہ کا تعلق اس مقدمہ سے نہیں ہے۔چوہدری ظفر اللہ خاں ۔واقعات کے لحاظ سے تو بیشک دونوں فیصلے جدا جدا ہیں۔میری غرض اس فیصلہ کی طرف اشارہ کرنے سے صرف یہ تھی کہ بعض دفعہ جب پیریوی کونسل ایک امر کا فیصلہ کرنے بیٹھتی ہے۔تو اس سے ایک فاش غلطی صادر ہوسکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ پریوی کونسل کا فیصلہ قابل پابندی نہ رہے۔اور 29 الہ آباد ہیں تو جو ریمارک کیا گیا ہے۔وہ بطور فیصلہ کے بھی نہ تھا۔محض ضمناً واقعات کے بیان کرتے میں ایک ریمارک کر دیا گیا تھا۔تیسرا فیصلہ۔48 الہ آباد صفحہ 711 ہے۔اس فیصلہ میں 29 الہ آباد صفحہ 95 کے ضمنی ریمارک کا تتبع کیا گیا ہے۔اوراس مسئلہ پر اس پہلو سے بحث نہیں کی گئی۔کہ الہ آباد ہائی کورٹ کو کامن لاء کے اختیارات حاصل نہیں۔مسٹرجسٹس براڈوے۔مسٹرجسٹس بوائز کے فیصلہ میں ایسے کہ ریمارک موجود ہیں۔جن سے یہ ترشح ہوتا ہے۔کہ اس مسئلہ پر اس پہلو سے بحث کی گئی تھی۔چوہدری ظفر اللہ خان۔بہرصورت 148 لہ آباد اور 6 لاہور کے فیصلہ جات ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔اوران دونوں کے متعلق میں اپنے اعتراضات پیش کر چکا ہوں۔آخر میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے اختیارات کا استعمال اپنے اندر فوجداری رنگ رکھتا ہے۔اور جب تک صریح طور پر یہ اختیارات حاصل نہ ہوں۔عدالت کو خود بخود نہیں اختیارہ کرنے میں تامل کرنا چاہیئے۔مسٹرجسٹس براڈوے۔یہ کارروائی فوجداری اختیارات کے ماتحت نہیں کی گئی۔چوہدری ظفر اللہ خان۔ 41 کلکتہ صفحہ 73 میں ایسی کارروائی فوجداری کارروائی قرار دیا گیا ہے۔بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے۔کہ ایسے اختیارات کا استعمال ایک نئے جرم کے پیدا کرنے کے مترادف ہے۔اورعدالت کو نئے جرائم پیدا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔جب تک صریح طور پر اسے ایسے اختیارات حاصل نہ ہوں۔یہ مسلمہ عمر ہے۔کہ اس عدالت کو کامن لاء کے اختیارات حاصل نہیں۔پھر کیوں صرف ایک ایسے مسئلہ کا جو خصوصیت سے کامن لاء کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔انتخاب کرلیا جائے۔اور یہ کہا جائے کہ اگرچہ باقی اختیارات تو ہمیں حاصل نہیں ہیں۔لیکن یہ اختیار ہمیں ضرور حاصل ہے۔ بعض فیصلہ جات میں اور خصوصیت سے انگریزی فیصلہ جات میں اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔کہ ہر کورٹ آف ریکارڈ کو توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہے۔لیکن ان فیصلہ جات میں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ ہر کورٹ آف ریکارڈ کو کامن لاء کے اختیارات حاصل ہیں۔جہاں کامن لاء کے اختیارات مفقود ہونگے۔وہاں یہ دلیل بھی غیر متعلق ہوجائے گی۔بعض جگہ یہ بھی کہا گیا ہے۔کہ جیسے بغیر جج کے عدالت عدالت نہیں کہلا سکتی۔اسی طرح بغیر ایسے اختیارات کے عدالت قائم نہیں رہ سکتی۔یہ مسئلہ انگلستان میں رائج ہوتو ہو ہندوستان میں تو مسلمہ طور پر رائج نہیں ہے۔چنانچہ 1866ء سے لیکر 1919ء تک پنجاب ہیں چیف کورٹ قائم کررہی۔اور بغیر ایسے اختیارات کے قائم رہی۔چیف کورٹ صوبہ کی سب سے اعلیٰ عدالت تھی۔اوراسے اعلیٰ سے اعلیٰ دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل تھے۔موجودہ ہائی کورٹ کو بہت کم زائدہ اختیارات چیف کورٹ پر دیئے گئے ہیں۔اور جو اختیارات دیئے گئے ہیں۔ان کا ذکر صراحت کے ساتھ فرمان شاہی میں کر دیا گیا ہے۔تو یہ کہنا جائزہ نہ ہوگا۔کہ بغیر توہین عدالت کے متعلقہ اختیارات کے عدالت عدالت نہیں رہ سکتی۔یا عدالت کی عزت برقرار نہیں رہ سکتی۔اسی طرح آج تک ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ایسی عدالت ہائے عالیہ قائم ہیں جن کے سپرد اعلیٰ سے اعلیٰ اختیارات کئے گئے ہیں۔لیکن انہیں مسلمہ طور پہ توہین عدات کے متعلق سرسری کارروائی کا اختیار نہیں۔ باوجود اس کے وہ عدالتیں قائم ہیں۔اوران کے رُعب اور غربت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس لئے مَیں عرض کردوں گا۔کہ محض کسی صوبہ کی اعلیٰ عدالت ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا۔کہ اس عدالت کو ایسے اختیارات بھی حاصل

ہوں۔ان تمام وجوہات کی بناء پر مَیں یہ عرض کرتا ہوں۔کہ اس عدالت کو اپنی توہین کے متعلق سرسری کارروائی کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اورموجودہ کارروائی کو یہ بلااختیار ہونے کے ناجائز ہے۔اوراس کو یہیں روک دینا چاہئے۔

سرکاری وکیل کا جواب۔ مسٹر کارڈن نوڈ گورنمنٹ ایڈوکیٹ: توہین عدالت کی مختلف اقسام ہیں۔جن کو سول اور کرمنل سے تعبیر کیا گیا ہے۔سول توہین تو یہ ہے کہ عدالت کے کسی حکم کی نافرمانی کے بدلہ میں عدالت کوئی سزا تجویز کرے کرمنل توہین کی مختلف صورتیں ہیں۔ایک صورت تو یہ ہے کہ عدالت کے اجلاس کے دوران میں عدالت کے روبروایسی کاروائی کی جائے۔جس سے عدالت کی توہین ہوتی ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ دوران مقدمہ میں عدالت سے باہر مقدمہ کے متعلق ایسی باتیں کہی یا لکھی جائیں۔جوتوہین عدالت کا درجہ رکھتی ہوں اورتیسری صورت یہ ہے کہ مقدمہ کے فیصلہ ہوجانے کے بعد عدالت کے متعلق ایسی باتیں کہی یا لکھی جائیں۔جن سے عدالت کی توہین مقصود ہو۔موجودہ کارروائی اس تیسری قسم کی توہین کے متعلق ہے۔میرے فاضل دوست نے اپنی بحث کے دوران میں ان مختلف اقسام توہین کے درمیان تمیز نہیں کی۔اگر عدالت کو دیگراقسام توہین کے متعلق سزادینے کے اختیارات حاصل ہیں۔تو یقیناً اس آخری قسم کی توہین کے متعلق بھی وہی اختیارات حاصل ہونگے۔یہ اختیارات انگلستان میں زمانہ قدیم سے استعمال ہوتے چلے آئے ہیں۔اور کوئی نئے اختیارات نہیں ہیں۔یہ اختیارات ہر کورٹ آف ریکارڈ کے ساتھ لازمی طور پر متعلق ہیں۔اورکورٹ آف ریکارڈ کوان اختیارات کا حاصل ہوناایک لازم ملزوم امر ہے۔یہ مسلمہ ہے ۔کہ عدالت عالیہ لاہور کورٹ آف ریکارڈ ہے۔اس لئے اسے لازماً یہ اختیارات حاصل ہیں۔میرے فاضل دوست نے پریذیڈنسی ہائی کورٹوں اوردیگر ہائی کورٹوں کے درمیان تمیز کی ہے۔لیکن 29 الہ آباد صفحہ 95 میں صاف طور پر یہ درج ہے۔کہ الہ آباد ہائی کورٹ کو یہ اختیارات حاصل ہیں۔حالانکہ الہ آباد ہائی کورٹ پریذیڈنسی ہائی کورٹ نہیں۔یہ فیصلہ پریوی کونسل کا فیصلہ ہے۔اوراس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا۔کہ یہ ایک ضمنی ریمارک ہے۔پریوی کونسل کے فیصلوں میں جو کچھ بھی درج ہو۔وہ ہندوستان کی عدالتوں پر قابل پابندی ہے۔دیگر فیصلہ جات جن پر میں انحصار رکھتا ہوں۔وہ میرے فاضل دوست نے آپ کے سامنے پیش کردیئے ہیں۔چنانچہ 6 لاہوراور 48 الہ آباد میں بھی یہی قرار دیا گیا ہے۔کہ غیر پریذیڈنسی ہائی کورٹوں کو بھی یہ اختیارت حاصل نہیں ہیں۔اسی ضمن میں مَیں آپ کی توجہ ایکٹ 12 سن 1929ء جو عدالت ہائے ماتحت کی توہین کی نسبت پاس کیا گیا ہے کے اغراض ومقاصد کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں:۔مسٹر جیٹش براڈوے:۔کسی ایکٹ کے اغراض ومقاصد اس کی تعبیر کے لئے متعلق نہیں قرار دیئے جاسکتے۔مسٹرنوڈ: میں آپ سے یہ درخواست نہیں کرتا کہ آپ اس کی کی تعبیر کریں۔مَیں صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔کہ اس ایکٹ کے پاس کرنے میں مجلس واضع توائین کے ذہن میں یہ بات تھی۔کہ تمام ہائی کورٹوں کو توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنے کے اختیارات پہلے ہی سے حاصل نہیں۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔اس غرض کے لئے بھی ہم اغراض ومقاصد کا معائنہ نہیں کرسکتے ۔مسٹرنوڈ:۔تو مَیں ان کا نام اغراض ومقاصد نہیں رکھتا۔اپنی بحث کے ایک نوٹ کے طور پر آپ کی خدمت میں ان کو پڑھ کرسنا دیتا ہوں۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔جب یہی عرض خود ایکٹ کی دفعات کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتی ہے۔تو اغراض ومقاصد کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ مسٹرنوٹ:۔بہرصورت اس ایکٹ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہے کہ مجلس واضع قوانین کے خیال میں یہ اختیارات اس ہائی کورٹ کو پہلے سے حاصل ہیں۔ورنہ یہ توایک مضحکہ انگیز بات ہوجاتی ہے۔کہ یہ عدالت اپنی ماتحت عدالتوں کی حفاظت کرنے کا اختیار تو رکھتی ہے۔لیکن

اسے اپنی حفاظت کرنے کا اختیار ہی حاصل نہیں۔اسی ضمن میں مَیں آپ کی توجہ میکسویل کی کتاب تعبیر قوانین طبع پنجم صفحہ 57 کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔جس میں یہ روح ہے۔کہ ایک بعد کے وضع شدہ قانون سے ایک پہلے کے وضع شدہ قانون کی تعبیر میں مدد لی جاسکتی ہے۔میرے فاضل دوست نے یہ جو بحث کی ہے کہ فیصلہ جات پیش کردہ میں اس پہلو سے اس مسئلہ پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔جوانہوں نے آج عدالت کے سامنے پیش کیا ہے۔یہ قابل تسلیم نہیں۔آپ خوب جانتے ہیں۔کہ مقدمات کی رپورٹوں میں وکلاء کی بحث پورے طور پر درج نہیں کی جاتی۔اس لئے یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔کہ ان مقدمات میں جن کے فیصلے پیش کئے گئے ہیں۔اس پہلو سے بحث نہیں کی گئی تھی جس کو میرے فاضل دوست نے آج اٹھایا ہے۔اور نہ ہی میرے فاضل دوست کی بحث کو وہ جدت حاصل ہے۔جس کا انہوں نے ادعا کیا ہے۔چیف کورٹ پنجاب کے متعلق بھی مجھے یہ تسلیم نہیں ہے کہ اسے توہین عدالت کے متعلق کارروائی کرنے کا اختیار نہیں تھا۔یہ مسئلہ کبھی چیف کورٹ کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ورنہ وہاں بھی غالباً یہی قرار دیا جاتا۔کہ چیف کورٹ کو ایسے اختیارات حاصل ہیں۔

جواب الجواب از چوہدری ظفراللہ خاں صاحب۔ چوہدری ظفراللہ خاں :۔میرے فاضل دوست نے توہین کی مختلف اقسام بیان کر کے یہ قاعدہ پیش کیا ہے۔کہ جب بعض اقسام کی توہین کے متعلق سزا دینے کے اختیارات حاصل ہیں۔تو بقیہ اقسام کے متعلق بھی لازماً وہ اختیارات حاصل ہونے چاہئیں یہ دلیل قطعاً قابل پذیرائی نہیں ہے۔عدالت کے احکام کی نافرمانی کے متعلق جو اختیارات ہیں۔وہ قانون کی دفعات کے عطاء کئے ہوئے ہیں۔اس لئے ان کے متعلق کوئی تردد پیدا نہیں ہوسکتا۔اسی طرح عدالت کے اجلاس کے دوران میں عدالت کے روبرو کوئی ایسی کارروائی کرنا جس سے عدالت کی کارروائی میں خلل واقع ہو۔یا جس سے عدالت کی ہتک ہو۔تعزیرات ہند کی رو سے جرم ہے۔اور قابل سزا ہے اور یہی تمیز میں عدالت کے روبرو پیش کرنا چاہتا ہوں۔کہ جن اقسام توہین کے متعلق صریح طور پر قانون نے عدالت کو اختیار نہیں دیا۔ان کے متعلق یہی قیاس ہونا چاہیے کہ عمداً ان اختیارات سے عدالت کو محروم کیا گیا ہے۔ورنہ کیا وجہ تھی کو بعض اقسام توہین کو تو صراحتاً قابل سزا قرار دیا گیا۔اور دیگر اقسام کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا گیا۔دوسرا امر جو میرے فاضل دوست نے پیش کیا ہے۔وہ یہ ہے۔کہ انگلستان میں ایسے اختیارات قدیم زمانہ سے استعمال ہوتے چلے آئے ہیں۔اس کے متعلق میں یہی عرض کروں گا کہ مقدمہ کے فیصلہ ہوجانے کے بعد عدالت کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا یا لکھنا جسے توہین قرار دیا جائے مقابلۃً ایک نئی بات ہے۔انگلستان میں سب سے پہلی کاروائی اس نوع کی 1730ء میں عمل میں آئی ۔مسٹر جسٹس براڈوے: ممکن ہے۔کہ 1730ء سے پیشتر کوئی ایسا واقعہ ہی توہین کا پیش نہ آیا ہو؟

چوہدری ظفراللہ خاں: اور یہ بھی ممکن ہے۔کون 1730ء سے پیشتر اس قسم کے واقعات کو توہین ہی نہ سمجھا گیا ہو یا بغیر توہین عدالت کی کارروائی کے عدالت کی عزت کو کافی طور پر محفوظ سمجھا گیا ہو۔تیسرا امر میرے فاضل دوست نے یہ پیش کیا ہے کہ یہ عدالت (29) الہ آباد صفحہ (95) میں جو ریمارکس پریوی کونسل نے کیا ہے۔اس کی پابند ہے۔اس کے متعلق میں پیشتر وضاحت سے عرض کو چکا ہوں یہ صرف ایک ریمارک ہے فیصلہ نہیں۔نہ ہی یہ امر پریوی کونسل کے سامنے فیصلہ طلب تھا۔اسلئے یہ عدالت اس ریمارک کی پابند نہیں۔میرے فاضل دوست نے ایکٹ 12 سن 1922ء کا حوالہ دیکر یہ بحث کی ہے کہ واضعان (وضع) قوانین نے یہ فرض کیا ہے۔کہ اس عدالت کو توہین عدالت کے متعلق کاروائی کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔کہ اس ایکٹ ہیں ایسا فرض کیا گیا ہے؟
چوہدری ظفراللہ خاں: یہ صحیح ہے لیکن مجلس واضع قوانین کے مفروضات کے آپ پابند نہیں۔ہم دیکھتے ہیں۔کہ ہرروز عدالتہائے عالیہ سے ایسے

فیصلے صادر ہوتے رہتے ہیں۔جن میں یہ قرار دیا جاتا ہے۔کہ فلاں ایکٹ یا فلاں دفعہ کے پاس کرنے میں غرض تو یہ تھی۔لیکن وہ غرض پوری نہیں ہوئی۔اور ایسے فیصلہ جات کی بناء پر آئے دن قوانین میں ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے۔اور ترمیم ہوتی رہتی ہے۔چنانچہ حکومت نے ایک محکمہ اس غرض کے لئے قائم کر رکھا ہے۔کہ ایسے فیصلہ جات کے نتیجہ میں جو ترمیمیں قانون میں ضروری ہوں ان کے متعلق مسودے تیار کرتا ہے۔اس لئے مَیں یہ عرض کروں گا۔کہ واضعان توانین کا کسی بات کو فرض کر لینا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ قانون وہی ہے۔جو فرض کیا گیا ہے۔اور یہ بات ہر روز کے مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے۔میرے فاضل دوست نے میکسویل کی کتاب کے صفحہ 57 کا حوالہ دیا ہے۔لیکن آپ کے سامنے کسی ایکٹ کی تعبیر کا سوال پیش نہیں ہے۔اس لئے مَیں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔کہ یہ حوالہ کیسے متعلق ہوسکتا ہے۔میرے فاضل دوست نے خود ہی یہ دعویٰ میرے ذمہ لگایا ہے کہ میں نے اپنی بحث کے متعلق جدت کا ادعا کیا ہے۔اور خود ہی اس کی تردید کی ہے۔کہ اس بحث میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔حالانکہ مجھے قطعاً یہ دعوی نہیں کہ مَیں نے کوئی اچنبھے کی بات نکالی۔میری رائے میں جو مسئلہ مَیں نے پیش کیا ہے۔وہ یقیناً قابل بحث ہے۔اور اس کامل اجلاس کا انعقاد ایک ایسا موقع تھا۔جس میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔اس لئے میں نے یہ مسئلہ پیش کر دیا کسی قسم کی جدت کا ادعا میں نے نہیں کیا۔مسٹر جیٹس براڈوے۔اس امر کے اعادہ کی حقیقتہً کیا ضرورت ہے؟ چوہدھری ظفر اللہ خان: کوئی ضرورت نہیں محض اسی لئے اس کا اعادہ کرنا پڑا۔کہ میرے فاضل دوست نے خواہ مخواہ ایک بات میرے ذمے تھوپ دی۔میرے فاضل دوست نے آخر میں یہ بھی بحث کی کہ انہیں یہ تسلیم نہیں ہے۔کہ چیف کورٹ پنجاب کو توہین عدالت کے متعلق اختیارات حاصل نہیں تھے مَیں یہ کہتا ہوں۔کہ اگر انہیں ایسے اختیارات حاصل تھے۔تو 54 سال کے عرصہ میں ان اختیارات کے استعمال کی کوئی نظیر ہمیں ملنی چاہیے تھی۔مسٹر جسٹس براڈوے۔ممکن ہے کہ اس عرصہ میں ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔چوہدری ظفر اللہ خان۔بہرصورت یہ مسلمہ ہے۔کہ یہ اختیارات صرف کورٹ آف ریکارڈ کو حاصل ہیں۔اور چیف کورٹ کورٹ آف ریکارڈ یہ نہیں تھی۔اس لئے چیف کورٹ کو یہ اختیارات حاصل نہیں تھے۔اس مرحلہ پر مسٹر جیٹس براڈوے نے اپنے شریک ججوں کو اشارۃً ان کا مفہوم حاصل کر کے یہ الفاظ کہے۔ہم قرار دیتے ہیں۔کہ ہمیں اس معاملہ میں اختیارات حاصل ہیں۔اگر ضرورت ہوئی تو اس قرارداد کے وجوہات ہم اپنے فیصلہ میں بیان کر دیں گے۔اس کے بعد اصل مسئلہ کے متعلق کارروائی شروع ہوئی۔اور مسٹر کارڈن نوڈ کیل سرکار نے اپنی تقریر شروع کی۔

مقدمہ توہین عدالت پر وکیل سرکار کی تقریر۔مسٹر نوڈ: یہ کارروائی اخبار مسلم آوٹ کے 14 جون کے پرچہ میں صفحہ 3 پر جو مضمون ''مستعفی ہو جاؤ'' کی سرخی کے ماتحت چھپا ہے۔اس کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔ملزمان نے ایک تحریری بیان اس عدالت میں پیش کیا ہے۔لیکن یہ بیان ان الزامات کا ازالہ نہیں کرتا۔جو ملزمان پر مضمون زیر بحث کے نتیجہ میں عائد ہوتے ہیں۔جہاں تک واقعات کا تعلق ہے۔ملزمان نے اپنے تحریری بیان میں انہیں درست طور پر بیان کیا ہے۔

مختصر واقعہ یوں ہے۔کہ رنگیلا رسول کی نگرانی کا فیصلہ کرتے ہوئے مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ نے اس کتاب کے مصنف سے کھلے طور پر نفرت کا اظہار کیا ہے۔انہوں نے صاف طور پر قرار دیا ہے۔کہ یہ کتاب گندی اور دل آزار ہے۔اور پیغمبر اسلام کی ذات پر اس میں سفاقانہ اور باغیانہ حملے کئے گئے ہیں۔انہوں نے قرار دیا ہے۔کہ یہ کتاب کینہ دری سے لکھی گئی ہے۔لیکن دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کے الفاظ کی تعبیر کرتے ہیں وہ قانوناً اس امر پر مجبور کیوں ہوئے ہیں۔کہ وہ قرار دیں۔کہ یہ کتاب دفعہ مذکور کی زد میں نہیں آتی۔اس فیصلہ پر پہنچنے میں انہوں نے اپنی

معذوری کا اظہار کیا ہے۔ اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ تعزیرات ہند کی دفعات میں ایسی ترمیم ضروری ہے۔ جس کے نتیجہ میں رنگیلا رسول جیسی کتابوں کے لکھنے اور شائع کرنے والے قانون کے شکنجہ میں لائے جاسکیں۔ مسلم اوٹ لک کا مضمون جو نہ پر بحث ہے۔ مسٹر جسٹس کے اس فیصلہ پر تنقید کرتا ہے۔ لیکن اس مضمون میں اس فیصلہ کے متعلق ایسے ریمارکس کئے گئے ہیں۔ اور ایسے کنایہ موجود ہیں۔ جن کے متعلق ایک پڑھنے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ کے فیصلہ کے متعلق ایسی باتیں کیونکر منسوب کی گئیں۔ مضمون کے پہلے فقرہ میں دو مطالبات کئے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ ہائی کورٹ کی ججی سے استعفٰی دیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس امر کے متعلق تحقیقات کی جائے کہ یہ غیر معمولی فیصلہ کن غیر معمولی حالات کے ماتحت لکھا گیا۔ میں درمیانی حصہ مضمون کو ترک کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ کم وبیش تنقید کا رنگ رکھتا ہے۔ اور اس حصہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ کا فیصلہ غلط ہے۔ مَیں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی فیصلہ کو غلط یا خلاف قانون قرار دے۔ چنانچہ ہم لوگ جو قانون پیشہ ہیں۔ ہر روزہ مختلف عدالتوں کے فیصلہ جات کے متعلق یہ بحث کرتے رہتے ہیں۔ کہ فلاں فیصلہ غلط ہے۔ یا خلاف قانون ہے اس امر پہ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ لیکن مضمون زیر بحث کے آخری سے پہلے فقرہ میں فاضل جج سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ کہ پیشتر اس کے کہ حکومت انہیں ججی سے علیحدہ کر دے۔ انہیں خود بخود اس رسوائی سے بچنے کے لئے استعفٰی دے دینا چاہیے۔ مَیں یہ عرض کر دوں گا کہ اس فقرہ میں خود فاضل کی تو کوئی توہین ہو یا نہ ہو لیکن اس عدالت کی بحیثیت مجموعی ضرور توہین ہے۔ اس امر کا فیصلہ میں عدالت ہی پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن اس مضمون کا آخری فقرہ عدالت کی سخت توہین کرتا ہے۔ اس فقرہ کے ابتدائی جملے تو میں سمجھ نہیں سکا۔ لیکن آخری جملے یہ ہیں ''ہمیں نیک نیتی سے یقین ہے۔ کہ فاضل جج کی اس غیر معمولی لغزش کے کوئی غیر معمولی اسباب ہیں۔ اگر ایسا ہے۔ تو ان اسباب کو روزہ روشن میں لانا ایک پبلک فرض ہے۔'' گویا اس فقرہ میں یہ مفہوم مرکوز ہے۔ کہ یہ فیصلہ دیانت داری سے جوڈیشنل وجوہات کی بناء پہ صادر نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کی وجوہات غیر جوڈیشنل ہیں۔ لکھنے والے کی مراد صرف یہی نہیں۔ کہ فیصلہ غلط ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک یہ فیصلہ ایسے صریح اور فاش طور پر غلط ہے کہ اس کو اس فیصلہ کے پیچھے غیر جوڈیشنل اسباب کی جھلک نظر آرہی ہے۔ اس کی رائے میں اس فیصلہ کی تہ میں قومی یا مذہبی اختلات یا اس قسم کی اور وجوہ جھلک دکھارہی ہیں۔ ایک جج کے متعلق اس طور پر اشارہ کرنا کہ ایک فیصلہ کرنے میں اس نے دیانت داری سے کام نہیں لیا۔ اور بیرونی یا غیر متعلق اسباب سے متاثر ہو کر اس نے فیصلہ صادر کیا ہے۔ عدالت کی صریح توہین ہے چنانچہ 6 لاہور صفحہ 528ء میں عدالت قرار دے چکی ہے کہ کسی جج کے متعلق ایسا اتہام لگانا توہین عدالت۔ اس مقدمہ کے واقعات پر اس فیصلہ کا صاف طور پر اطلاق ہوتا ہے۔ یہ توہمیں ایک با اثر انگریزی اخبار میں کی گئی ہے۔ جس کے بہت سے پڑھنے والے ہیں۔ اس لئے اس کا اثر بہت وسیع حلقوں میں پڑنے کا احتمال ہے۔ یہ مضمون 14 جون کو شائع ہوا۔ اور اس کے بعد بھی اس مسئلہ کے متعلق اس اخبار میں مضامین شائع ہوتے رہے۔ لیکن بعد کے پرچوں میں سے کسی میں بھی اس مضمون کے متعلق اظہار افسوس نہیں کیا گیا۔ مسٹر جٹس براڈوے۔ بعد کے پرچوں کا تو کیا ذکر ہے۔ ملزمان نے تو اپنے تحریری بیان میں بھی کسی قسم کا اظہار افسوس نہیں کیا۔ مسٹر نوڈ۔ نہ ہی صرف یہ بلکہ انہوں نے فخر کا اظہار کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو شاباش دیتے ہیں۔ ایڈیٹر کی ذمہ داری تو اس مضمون کے متعلق ظاہر ہی ہے۔ قانوناً ناشر و طابع کی ذمہ داری بھی ویسی ہی ہے۔ جیسی کہ ایڈیٹر کی۔ خصوصاً جب ایڈیٹر نے پوری ذمہ داری تسلیم نہیں کی۔ سیّد حبیب کے مقدمہ میں باوجود سید حبیب کے معافی مانگنے اور شرمندگی کا اظہار کرنے کے اور اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ سید حبیب کے

معاملہ اس نوع کا پہلا معاملہ تھا۔عدالت نے سید حبیب کو ایک ماہ قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی تھی۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔بصورت جرم کے قائم کئے جانے کے سزا کا معاملہ کامل طور پر عدالت کے اختیار میں ہے۔اس کے متعلق کچھ مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔مسٹر نوڈ: سزا کے معاملہ کو میں عدالت ہی کے اختیار میں چھوڑتا ہوں (اس مرحلہ پر لنچ کیلئے عدالت کا اجلاس برخاست ہوا)

چوہدری ظفراللہ خان کی جوابی تقریر۔ چوہدری ظفراللہ خان:۔میرے موکل کے نام جو نوٹس اس عدالت سے جاری ہوا تھا۔اس میں 14 جون کے سارے کے سارے مضمون کے متعلق جواب طلبی کی گئی تھی۔اب جو درخواست فاضل گورنمنٹ ایڈوکیٹ نے اس عدالت میں موجود کارروائی جاری کرنے کے لئے بھی تھی۔اس میں بھی سارے مضمون کے خلاف شکایت کی گئی تھی۔اس لئے میرے موکل نے تمام مضمون کے متعلق مفصل تحریری بیان داخل کیا ہے۔آج فاضل گورنمنٹ ایڈوکیٹ نے الزامات کو مضمون کے پہلے اور آخری دو فقروں تک محدود کر دیا ہے۔اگر نوٹس میں بھی یہ حد بندی کر دی جاتی تو اس قدر مفصل بیان کی ضرورت نہ پڑتی۔بہرصورت میرے فاضل دوست سے یہ تسلیم کیا ہے کہ کسی فیصلہ کے متعلق یہ کہنا کہ یہ غلط اور غیر منصفانہ ہے۔توہین عدالت نہیں۔مسٹر جسٹس براڈوے: گورنمنٹ ایڈوکیٹ نے غیر منصفانہ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔بلکہ لفظ خلاف قانون استعمال کیا ہے۔چوہدری ظفراللہ خان:۔یہی سہی۔بہرحال میرے فاضل دوست کو مضمون کے درمیانی حصہ کے متعلق کوئی اعتراض نہیں۔انہوں نے دو باتوں پر اعتراض کیا ہے ایک تو یہ کہ فاضل جج سے مستعفی ہو جانے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور دوسرے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔کہ ایک کمیشن بٹھایا جائے۔جو اس غیر معمولی فیصلہ کے غیر معمولی وجوہات کی تحقیق کرے۔پہلے مطالبہ کے متعلق میرے فاضل دوست نے کہا ہے۔کہ اس میں فاضل جج کی تو کوئی ایسی توہین نہیں۔البتہ اس عدالت کی ضرور توہین ہے۔توہین عدالت کے متعلق ہم نے تو یہی سنا ہے۔کہ وہی چیز توہین قرار دی جاتی ہے۔جو عدالت کی توہین ہو۔اس لئے میرے فاضل دوست نے یہ جو تمیز جج کی توہین اور عدالت کی توہین میں کرنی چاہی ہے اسکی غایت کو میں نہیں سمجھ سکا۔سوال یہی ہے کہ آیا کسی جج کے متعلق یہ مطالبہ کرنا کے کہ چونکہ اس نے ایک فیصلہ دینے میں فاش غلطی کی ہے۔اور اس غلطی سے خطرناک نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے۔اس لئے اس جج کو چاہیے۔کہ وہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائے توہین عدالت ہے۔یا نہیں؟ مَیں عرض کروں گا۔کہ ایسا مطالبہ کرنے سے عدالت کی قطعاً کوئی توہین نہیں ہوتی۔آپ ایک لحظہ کے لئے یہ فرض کریں کہ عدالت عالیہ کا ایک فاضل جج پے در پے غلط فیصلہ جات صادر کرتا ہے۔اور وہ فیصلہ جات اپیل میں متواتر منسوخ ہوتے چلے جاتے ہیں۔اس پر ایک اخبار نویس یہ مطالبہ کرتا ہے۔کہ ایسے جج کو مستعفیٰ ہو جانا چاہیئے۔تو مَیں کہوں کہ یہ مطالبہ بالکل جائز ہوگا۔اور اس میں نہ جج کی توہین ہوگی نہ عدالت کی تو استعفیٰ کا مطالبہ کرنا اپنے اندر کوئی توہین نہیں رکھتا ہے۔یہ ہوسکتا ہے۔کہ جن وجوہ کی بناء پر استعفیٰ کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ وجوہات صحیح نہ ہوں یا ناکافی ہوں۔اور استعفیٰ کا مطالبہ ناواجب ہو لیکن اس صورت میں بھی عدالت کی کوئی ہتک نہیں۔بعض دفعہ فاضل ججوں نے خود دیہ امر تسلیم کیا ہے۔کہ بعض حالات میں ایسا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔اور اگر چہ وہ مطالبہ کسی حد تک ناجائز بھی ہو جج کو چاہیئے۔کہ ایسے مطالبہ کو تسلیم کرے۔چنانچہ سر بارنس پیکاک چیف جسٹس کلکتہ ہائیکورٹ جو بعد میں پریوی کونسل کے جج بھی ہوئے۔اور ہندوستان کے قابل ترین ججوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔اپنے ایک فیصلہ میں جو 144 انڈین کیسز صفحہ 930 پر چھپا ہے۔فرماتے ہیں۔''مَیں پبلک کے ایک خادم ہوں۔اور پبلک کی رائے کا احترام کرتا ہوں۔اگر پبلک یہ یقین کرتی ہے۔کہ میں نے ان اعلیٰ اختیارات کا جو میرے سپرد کئے گئے ہیں۔خودسرانہ جابرانہ یا ظالمانہ استعمال کیا ہے۔یا یہ کہ مَیں نے ان اختیارات کو خلاف ضابطہ طور پر برتا ہے۔تو ملک کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے کسی ایسے طریق سے ظاہر کر

دے جس کے متعلق غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے۔تو اس صورت میں میں ان کے فیصلہ کے سامنے اپنا سرخم کر دونگا لیکن میں اخبارات کے اظہارہ رائے کو رائے عام کے اظہاری کا مترادف قرار دینے کو تیار نہیں۔اگر کسی وقت بدقسمتی سے میں پبلک کے اعتماد کو کھو دوں۔خواہ اس میں میرا قصور ہو یا نہ ہو۔تو میں ان اختیارات سے فوراً علیحدہ ہو جانے کیلئے تیار ہو جاؤنگا۔جن کا استعمال پبلک کے اعتماد کے بغیر میں پبلک کے فایدہ کیلئے نہیں کر سکتا ہے۔''

اس حوالہ سے صریح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔کہ ایسے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں۔جب ایک فاضل جج سے بھی اس امر کا مطالبہ کیا جا سکے کہ وہ اپنے عہدہ سے الگ ہو جائے۔آپ ایک لحظہ کے لئے فرض کر لیں۔کہ سر بارنس پیکاک کے متذکرہ بالا اعلان کے بعد کوئی اخبار یہ اعلان شائع کرتا۔کہ ہمیں سر بارنس پیکاک پر اعتماد نہیں رہا۔اس لئے وہ اپنے عہدہ سے مستعفیٰ ہو جائیں۔تو کیا یہ ایک مضحکہ انگیز بات نہ ہوتی۔اگر بارنس پیکاک اس کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی جاری کر دیتے۔اس لئے میں یہ عرض کروں گا۔کہ یہ مطالبہ واجب ہو یا ناواجب اپنی ذات میں یہ توہین عدالت نہیں ہے۔دوسرا مطالبہ جس کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔کہ وہ توہین کی حد تک پہنچتا ہے۔وہ یہ ہے۔کہ اس غیر معمولی لغزش کے غیر معمولی اسباب دریافت کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے۔مسٹر جسٹس براڈوے: کیا اس سے صریح طور پر یہ مراد نہیں ہے۔کہ فاضل جج نے یہ فیصلہ ایسے اسباب سے متاثر ہو کہ کیا ہے۔جو بیرونی یا غیر جوڈیشل اسباب ہیں؟ چودسری ظفر اللہ خان: اس فقرہ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں۔لیکن ایسے معانی بھی ہو سکتے ہیں۔جن میں عدالت کی کوئی توہین نہ ہو۔اور اگر یہ فقرہ ایسا ہے۔کہ اس کے دونوں قسم کے معافی ہو سکتے ہیں۔تو عدالت کو چاہئے۔کہ وہ معانی اختیار کرے۔جو قابل اعتراض نہ ہوں۔کیونکہ عدالت کو ہر شخص کی نیت کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے۔خصو صاً حب خود مصنف نے یہ بیان کیا ہے۔کہ ان الفاظ سے جج پر کوئی ذاتی حملہ کرنا مقصود نہیں تھا۔مسٹر جسٹس براوڈے: اگر اس کے وہ معنی نہیں جو بیان کئے گئے ہیں۔تو تمہارے نزدیک اسکے کیا معنی ہیں؟ چوہدری ظفر اللہ خان: مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ رنگیلا رسول کتاب کے فیصلہ نے مسلمانوں میں ایک تہلکہ مچا دیا اور سراسیمگی کی حالت پیدا کر دی۔ساتھ ہی یہ کہ مصنف مضمون کے خیال میں دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کے الفاظ اس قدر سادہ اور واضح ہیں۔کہ رنگیلا رسول جیسی کتاب یقیناً اس دفعہ کی زد میں آتی ہے۔ایسی سورت میں وہ بیان کرتا ہے۔کہ اس فیصلہ نے اسے حیرت اور استعجاب میں ڈال دیا۔اور اس حیرت اور استعجاب کی حالت میں وہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ کوئی کمیشن بٹھاؤ۔جو اس فیصلہ کی وجوہات معلوم کر کے ہمارا اطمینان کرے کہ ایسی فاش غلطی فاضل جج سے کیسے سرزد ہوئی۔مسٹر جسٹس براڈوے۔ایسا کمیشن کیسے قائم ہو سکتا ہے۔اور وہ کونسی وجوہات معلوم کر سکتا ہے؟ چوہدری ظفر اللہ خان:۔ایسے سوالات کا جواب دینے میں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔کہ مَیں ایک قانون دان کے نقطہ نظر کو عدالت کے سامنے پیش نہیں کر رہا ہوں۔بلکہ ایک عام شہری کے نقطہ نظر کو پیش کرتا ہوں۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔اس مضمون سے تو ظاہر ہے۔کہ اس کا مصنف اپنے تئیں قانون دان خیال کرتا ہے۔چوہدری ظفر اللہ خان:۔اور اسی مضمون سے اس کی قانونی لیاقت کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔مثلاً وہ کہتا ہے۔کہ فاضل جج کو واقعاتی امور میں اور ماتحت عدالتوں کی تجاویز سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے تھا۔حالانکہ مقدمہ کے واقعات مسلمہ ہیں۔اور واقعاتی تجاویز کے ساتھ فاضل جج نے اپنا اتفاق ظاہر کیا ہے اختلاف صرف قانون کی تعبیر کے متعلق ہے۔بہر حال مضمون کا مصنف قانون دان نہیں ہے۔اس لئے مجھے اس کے خیالات یا اس کے ذہنی نقشہ کو عدالت میں پیش کرتے وقت اس کی حیثیت کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔اور ساتھ ہی ایک ایسی فرضی حالت کے متعلق بحث کرنی پڑے گی۔جو واقع میں ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔یعنی یہ کہ

تحقیقاتی کمیشن کیسے بیٹھتا۔اور وہ کن امور کی تحقیقات کرتا۔قانونی طور پر تو ہم جانتے ہیں کہ ہائی کورٹوں کے فیصلوں پر تحقیقاتی کمیشن نہیں بیٹھا کرتے اس لئے میں اس ضابطہ کی تشریح تونہیں کرسکتا۔جس کے مطابق کمیشن بٹھایا جائے۔نہ یہ بتا سکتا ہوں۔کہ کس طور پر ایک کمیشن تحقیقات کرتا۔البتہ یہ کوشش کرسکتا ہوں۔کہ یہ بیان کروں۔کہ ایک عام شہری کے ایسے مطالبہ سے کیا مراد ہوسکتی ہے۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔میں ایسی تعبیر سننے کا مشتاق ہوں جس سے یہ یقین ہوسکے۔کہ مصنف کی مراد اس جملہ سے جج کی نیت پر حملہ کرنا نہیں تھی۔اگرضرورت ہو۔تو میں کھینچ تان کر بھی ایسی تعبیر کا فائدہ ملزمان کو دینے کے لئے تیار ہوں۔بشرطیکہ تعبیر معقول ہو۔اور) تعبیر کے عام اصولوں کے مطابق ہو۔

چوہدری ظفر اللہ خان: مصنف کی یہ مراد ہوسکتی ہے۔کہ اگر تحقیقات کی جائے۔تو ممکن ہے۔کوئی ایسے وجوہات ظاہر ہوں۔جیسے یہ کہ سرکار کی طرف سے جسٹس دلیپ سنگھ کے سامنے رنگیلا رسول کتاب والے مقدمہ میں پورے طور پر بحث نہیں کی گئی۔اور فاضل جج کی تشفی نہیں کی گئی۔کہ جو تعبیر دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کی وہ کرنا چاہتے ہیں۔وہ غلط ہے مسٹر جسٹس براوڈے:۔کیا یہ معقول تعبیر اس فقرہ کی ہوسکتی ہے؟ اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس فقرہ سے یہی مرادہ تھی۔چوہدری ظفر اللہ خان: مَیں یہ کہ سکتا ہوں کہ اس فقرہ کی یہ بھی تعبیر ہوسکتی ہے۔اوراس سے یہ بھی مراد لی جاسکتی ہے۔جیسے میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ہوسکتا ہے۔کہ ایک فقرہ کی مختلف تعبیریں کی جاسکیں۔جن میں سے بعض قابل اعتراض ہوں۔اور بعض پر کوئی اعتراض نہ ہوسکے۔یہی حالت فقرہ زیر غور کی ہے۔ایسی صورت میں عدالت کے لئے لازم ہے۔کہ وہ قابل اعتراض تعبیر کو اختیار نہ کرے۔مڑ جسٹس براڈوے:۔جب آپ نے یہ مضمون پڑھا۔تو اس سے کیا مراد لی تھی؟ چوہدری ظفر اللہ خان: جب میں نے یہ مضمون پڑھا۔تو نہ تو میری طبیعت میں یہ بات آئی کہ اس فقرہ سے مراد یہ ہے کہ جج نے کسی بیرونی اثر کے ماتحت یہ فیصلہ لکھا ہے۔اور نہ یہ بات میرے ذہن میں آئی۔کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ممکن ہے۔مقدمہ کی بحث میں کوئی کجی رہ گئی ہو۔میں نے سرسری طور پر اس مضمون کو پڑھا۔میں جانتا تھا۔کہ فیصلوں پر تحقیقاتی کمیشن نہیں بیٹھا کرتے۔اس لئے میں لئے میں نے اس فقرہ کو بے معنی تصور کیا۔پھر اس سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے۔کہ فاضل جج نے وکلا کی بحث کو پورے طور نہیں سمجھا۔یا یہ بھی مراد ہوسکتی ہے۔کہ فاضل جج کی غلطی اس امر میں یہ تھی کہ جب انہوں نے قرار دیا کہ کتاب رنگیلا رسول ایک دل آزار اور گندی کتاب ہے جس میں پیغمبر اسلام (ﷺ) کی زندگی پر بوجہ کینہ دشمنی حملے کئے گئے ہیں۔اور اس امر کا بھی اقرار کیا کہ وہ بوجہ اس تعبیر کے جوان کے نزدیک دفعہ 10 الف تعزیرات ہند کی ہیچ تعبیر ہے۔اس فیصلہ پر پہنچنے پر خوشی سے نہیں۔بلکہ بادل ناخواستہ مجبور ہیں۔اور وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے۔جیسا کہ انہیں محسوس کرنا چاہیئے تھا۔کہ اس فیصلہ کے بہت ہیں اور خطرناک نتائج ہوں گے۔تو انہیں چاہیئے تھا۔کہ اس فیصلہ کی ذمہ داری وہ اکیلے اپنے کندھوں پر نہ اُٹھاتے۔بلکہ اس مقدمہ کو دو ججوں کے پاس فیصلہ کے لئے بھیج دیتے۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔اس تعبیر سے تو اور بھی کام خراب ہوتا ہے۔چودہری ظفر اللہ خان:۔اس سے مراد جج کی نیت پر کوئی حملہ نہیں۔ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ معمولی معمولی قانونی مسائل کے پیدا ہونے پر مقدمات دو ججوں کے پاس فیصلہ کے لئے بھیج دئے جاتے۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔یہاں یہ سوال نہیں یہاں تو سوال یہ ہے مگر مصنف مضمون یہ کہتا ہے۔کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔کہ یہ فیصلہ ہوا کیسے؟ اس کے پیچھے ضرور کوئی بات ہوگی۔اس کو معلوم کرنا چاہیے۔چوہدری ظفر اللہ خان:۔یہ بات کہ یہ فیصلہ ہوا کیسے یہ تو کئی دفعہ فاضل ججوں کے منہ سے بھی سننے میں آجاتی ہے۔بعض دفعہ ہم دیکھتے ہیں۔کہ کسی درمیانی مرحلہ پر ایک فاضل جج ایک حکم صادر کرتا ہے۔اور بعد کے کسی مرحلہ پر جب وہ یہ سمجھتا ہے۔کہ درمیانی حکم جاری نہ ہونا چاہیے تھا۔تو وہ یہ کہہ

دیتا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مَیں نے یہ حکم کیسے دے دیا۔مسٹر جسٹس براڈوے:۔ یہاں جج کے الفاظ کی تعبیر درکار نہیں۔ بلکہ ایک اخبار نو یس کے الفاظ کی تعبیر درکار ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خان: بے شک جج کے الفاظ کی تعبیر درکار نہیں۔لیکن میری مراد یہ ہے۔ کہ ایسے الفاظ کا استعمال جائز طور پر بھی ہوسکتا ہے۔اور لازم نہیں ہے۔ کہ کوئی قابل اعتراض مفہوم ہی ان میں پنہاں ہو۔اسی طرح دریافت وجوہات کا مطالبہ بھی بغیر جج کی نیت پر حملہ کئے ہوسکتا ہے۔ آخر آجا کہ بات تو یہیں آن ٹھہرتی ہے کہ آیا فقرہ زیر بحث سے کوئی مراد ایسی بھی ہوسکتی ہے۔ جو قابل اعتراض نہ ہو۔اور اگر یہی مراد ہوسکتی ہے۔تو پھر یہ فقرہ قابل گرفت نہیں ہے۔ باقی حصہ مضمون کے متعلق میرے فاضل دوست کو کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ وہ حصہ تنقید کی مد سے تجاوز نہیں کرتا۔اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ وہ صحیح ہوں۔ یا غلط بجا ہوں یا بے جا۔ایک اخبار نویس کو یہ حق ہے۔ کہ وہ اس رنگ میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ ایک معنی میں تو کسی فیصلہ کے متعلق یہ بھی کہہ دینا کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ یا خلاف قانون ہے، عدالت کی ہتک ہے۔ کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جو جج غلط فیصلے کرتے ہیں۔ وہ نالائق ہیں لیکن یہ مسلم ہے۔ کہ غلط فیصلے بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور غلط فیصلہ کو غلط کہنا اور صحیح فیصلہ کے ساتھ اختلاف کر کے اسے خلاف قانون قرار دینا توہین عدالت نہیں ہے۔ اسی طرح جج کی لیاقت یا قانون دانی پر صرف رکھنا گو ناجائز طور پر ایسا کیا جائے۔توہین عدالت شمار نہیں کیا جاسکتا

پس ایسی صورت میں جب کہ اکثر حصہ مضمون قابل گرفت نہیں۔تو ایک آدھ فقرہ کو اس میں سے انتخاب کر کے یہ کہنا کہ چونکہ اس فقرہ سے ایسی مراد لی جاسکتی ہے۔ جو توہین عدالت تک پہنچتی ہو۔اس لئے اس مضمون کا مصنف قابل سزا ہے۔ جائز نہ ہوگا۔ انگریزی اور ہندوستان عدالتوں میں بار بار یہ اقرار دیا گیا ہے کہ توہین عدالت کی کاروائی نہایت واضح اور نہایت فاش توہین کی صورت میں ہونی چاہیے۔اور جہاں ذرا بھی معاملہ مشکوک ہو۔ وہاں یہ تعزیزی کاروائی نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ مقدمہ ملکہ بنام گرے 1900ء دو کوئیز بینچ صفحہ 36 میں اقرار دیا گیا ہے کہ یہ پبلک کو بہت وسیع اختیارات عدالتوں کی کاروائی پر تنقید و نکتہ چینی کرنے کے ہیں۔اور توہین عدالت کے متعلق اختیارات کا استعمال بہت ہی شاذ حالات اور صرف خاص صورتوں میں ہونا چاہیے۔

23 انڈین کیسز صفحہ 661 میں پریوی کونسل نے یہ اقرار دیا ہے کہ یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ عدالتوں یا ججوں کو کوئی خاص حفاظت تنقید اور نکتہ چینی سے حاصل ہے۔ ججوں کے پبلک افعال بھی ایسے تنقید کے ماتحت ہیں جیسے اور لوگوں کے۔ 41 کلکتہ صفحہ 173 میں فاضل جج صاحبان نے بہت سے حوالے انگریزی فیصلہ جات کے دئے ہیں۔ جن میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ چونکہ توہین عدالت کے متعلقہ اختیارات نہایت وسیع اور غیر محدود ہیں۔ اور سزا کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ نہ ہی اپیل کا حق حاصل ہے۔ اور عدالت خود ایک ایسے معاملہ میں منصف بنتی ہے۔ جو اس کے اپنے وقار کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے ان وسیع اختیارات کا استعمال نہایت احتیاط کے ساتھ بہت شاذ موقعوں پر ہونا چاہیے۔ایک انگریز جج نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ میں اصرار واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا توہین عدالت کے معاملہ کے متعلق پاگل ہوگئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ توہین عدالت کی کاروائی کو عمل میں لانا اکثر دفعہ اپنے مقصد کو خود ہی ناکام کر دیا ہے۔ آخر میں مَیں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے فاضل دوست نے پوری ذمہ داری اپنے سر پر نہیں لی۔'' یہ صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے میرے فاضل دوستے نے میرے موکل کے تحریری بیان کا وہ حصہ نہ پڑھا ہو۔ جس میں انہوں نے اس ذمہ داری کا اظہار کیا ہے۔ اور پرنٹر پبلشر کی ذمہ داری کو اصطلاحی قرار دیا ہے۔ چونکہ تحریری بیان کسی قدر لمبا ہے اور یہ فقرہ اس کے اختتام کے قریب ہے۔ اس لئے میرے فاضل دوستے کی نظر سے اوجھل رہا ہے۔ مسٹر جسٹس

براڈوے: آپ پرنٹر پبلشر کی طرف سے وکیل نہیں ہیں ۔اس لئے اس کے متعلق آپ کی طرف سے بحث ضروری نہیں۔چوہدری ظفر اللہ خان:: میں پرنٹراور پبلشر کی طرف سے بحث نہیں کرنا چاہتا لیکن اس امر کو ضرور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا موکل مضمون زیر بحث کی کامل ذمہ داری اپنے سر پر لیتا ہے۔ان وجوہات کی بنار پر جو مَیں نے دوران بحث میں پیش کئے ہیں۔میں یہ عرض کروں گا۔کہ اس رُول کو ڈسچارج کر دیا جائے اگر عدالت کی رائے ہیں ملزمان کا فعل توہین عدالت کی حد تک پہنچتا ہے۔تو ایسی صورت میں مَیں سزا کے متعلق اس لئے کچھ نہیں کہوں گا۔کہ۔میرے فاضل دوست کو بھی عدالت نے اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہنے سے ٹوک دیا تھا لیکن میں اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ چونکہ مسلم اوٹ لک انگریزی کا اخبار ہے۔اور تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاتھوں میں جاتا ہے۔ایسے لوگ جو بقول سر بارنس پبلک سوچنے اور سمجھنے کے عادی ہیں۔اس لئے اس مضمون سے کوئی برے اثرات پیدا ہونے کا چنداں احتمال نہیں ہے۔میرے فاضل دوست نے یہ بھی کہا ہے۔کہ ملزمان نے اپنے بیان میں فخر اور تعلّی سے کام لیا ہے۔فخر اور تعلّی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ملزمان یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔وہ دائرہ تنقید کی حدود کے اندر آتا ہے۔اوراس لئے قابل گرفت نہیں ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔اوراس میں کسی افسوس یا کسی فخر کا کوئی موقع نہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب کی طرف سے شیخ نیاز محمد صاحب ایڈوکیٹ ہائی کورٹ نے یہ بات پیش کی کہ مضمون کی ذمہ داری اولاً ایڈیٹر کے ذمہ ہوتی ہے۔اور پرنٹر وپبلیشر کی ذمہ داری اسی صورت میں اصل ذمہ داری قرار دی جاسکتی ہے۔جبکہ ایڈیٹر یا مصنف کا نام ظاہر نہ کیا جائے۔اس مقدمہ میں چونکہ ایڈیٹر نے پوری ذمہ داری اپنے سرلے لی ہے۔لہذا پرنٹر وپبلیشر کی ذمہ داری محض ایک اصطلاحی ذمہ داری رہ جاتی ہے۔چنانچہ مختلف فیصلہ جات میں اس تمیز کو تسلیم کیا گیا ہے۔اور یا تو پنٹرڑو پبلشر کے خلاف کارروائی ہی نہیں کی گئی۔اور یا کارروائی کرنے کی صورت میں اسے ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔یا بہت خفیف سزا پر اکتفاء کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔10 کلکتہ صفحہ 109 ـ45انڈین کیسز صفحہ 113،45 کلکتہ صفحہ 169 اور48الہ آباد صفحہ 711

مسٹر جسٹس براڈوے۔یہ صورت توان مقدمات میں ہوتی ہے۔جہاں پرنٹر پبلیشر مضمون کے متعلق اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔اوراظہار افسوس کرتا ہے۔لیکن اس مقدمہ میں تو نہ ہی صرف ایسا نہیں کیا۔بلکہ وہ اپنے تئیں مصنف کے ساتھ شامل کرتا ہے۔کیا اب بھی وہ اظہار افسوس کہنے کو تیار ہے؟اس مرحلہ پر مولوی نورالحق صاحب پرنٹر وپبلیشر نے کھڑے ہوکر بیان کیا کہ یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔میں اس مضمون کی پوری ذمہ داری اپنے سر پر لیتا ہوں۔خواہ وہ ذمہ داری قانوناً مجھ پر عاید ہوتی ہو یا نہ۔مسٹر جسٹس براڈوے۔:پرنٹرو پبلیشر تو اب بھی اظہار افسوس کو تیار نہیں ہے۔بلکہ اس کی طرف سے جو بحث کی گئی ہے۔اس کی تائید سے بھی پرہیز کرتا ہے۔مسٹرنوڈ وکیل سرکار: مَیں صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ملزمان کی طرف سے جو مفہوم فقرہ زیر بحث کا بیان کیا گیا ہے۔وہ قابل قبول نہیں۔اوراس فقرہ سے صاف تو ہین عدالت مقصود ہے۔اس کے بعد مسٹر جسٹس براڈوے نے شریک ججوں سے مشورہ کے بعد فیصلہ سُنادیا۔

(الفضل قادیان یکم جولائی 1927ء صفحہ 9 تا16)

سرظفراللہ کی مسئلہ فلسطین پر جنرل اسمبلی میں تقریراوروزیرخارجہ شاہ محمود قریشی کا چیلنج،(بی بی سی اردو)

فلسطین کی تقسیم اوراسرائیلی ریاست کے قیام سے قبل،اُس وقت کے پاکستانی وفد کے سربراہ، سرمحمد ظفراللہ خان نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک پلینیری کمیٹی میں خطے کی تقسیم کی تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے یہودیوں اور فلسطینیوں کی ایک وفاقی ریاست بنانے کی تجویز دی تھی۔مسئلہ فلسطین کے بارے میں 28نومبر، 1947ءکوسرظفراللہ خان کا جنرل اسمبلی سے خطاب اس موضوع پر تاریخ کی بہترین تقاریر میں سے ایک قرار دیا جاتا ہے۔اس موقع پر انہوں نے سوا گھنٹے تقریر کی تھی جسے ایک عرب نمائندے نے عالمِ عرب کے مقدمے کی بہترین ترجمانی کہا تھا۔سرظفراللہ نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ اقوام متحدہ خطہ فلسطین اور فلسطینی عوام کے ساتھ وہ کام کرنے جارہا ہے جس کا اُسے اختیار ہی نہیں ہے۔یہ انہیں ایک ایسی سمت کی جانب دھکیل رہا ہے'جس کے بعد دشمنیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہر حل کا راستہ روکے گا۔''ہمیں بتایا جائے کہ اقوام متحدہ فلسطینیوں کی زمین پر ان کا اپنا ملک قائم کیے بغیر یہودیوں کا ملک کیسے قائم کرے گا؟ اقوام متحدہ کے پاس ایسا کرنے کا کیا اختیار ہے؟ آزاد ریاست کو ہمیشہ کے لئے اقوام متحدہ کی انتظامیہ کے تابع بنانے کے لئے قانونی اتھارٹی کیا ہے،کونسا قانونی اختیار ہے؟''ہم پہلے فلسطین کی لاش کو یہودی ریاست کے تین حصوں اور ایک عرب ریاست کے تین حصوں میں کاٹ دیں گے۔اس کے بعد ہمارے پاس جافا انکلیو ہوگا۔اور فلسطین کا دل، یروشلم، ہمیشہ کے لئے ایک بین الاقوامی شہر رہے گا۔یہ مسئلہ فلسطین کی ابتدائی شکل ہے۔'اس کے بعد انہوں نے کہا کہ'اس طرح فلسطین کو کاٹ ڈالنے کے بعد ہم اس کے جسم کو بہتے ہوئے خون کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ایک صلیب پر لٹکا دیں گے۔یہ عارضی کام نہیں ہوگا۔یہ مستقلاً ہوگا۔فلسطین کبھی بھی اپنے عوام کا نہیں ہوسکے گا۔اسے ہمیشہ صلیب پر کھینچا جائے گا۔'

اسرائیل کے پاکستان سے تاریخی خطرات۔ایک اسرائیلی ریسرچر موشے یگر، اسرائیل کی خفیہ دستاویزات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ 1947ء سے لے کر 1949ء کے دوران اسرائیل کے قیام کے لئے جاری خانہ جنگی کے دوران واشنگٹن میں اسرائیلی سفارتی مشن کو یہ اطلاع ملی تھی کہ پاکستان عربوں کو فوجی مدد بھیجنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔'یہاں تک کہ یہ بھی اطلاعات موصول ہوئی تھیں کہ پاکستان عربوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لئے ایک بٹالین فوج بھی بھیج رہا ہے۔پاکستان نے چیکوسلاواکیہ میں عربوں کو سپلائی کرنے کے لئے ڈھائی لاکھ رائفلیں بھی خریدی ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پاکستان نے مصر کی فضائیہ کے لئے تین طیارے بھی خریدے ہیں۔'

جناح کی فلسطین پالیسی۔فلسطین کے لئے زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنا جناح کے سیاسی منشور کے مطابق فلسطینی مسلمانوں کے فطری حق آزادی کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کے جذبے کی عکاس تھی اور یہ اس وقت کی ایک آواز تھی۔اپنی جماعت کے محدود وسائل اور بین الاقوامی سیاست میں مخالف حالات کے باوجود جناح نے ممکنہ طور پر فلسطین کی حمایت کے لئے بھرپور کوشش کی۔مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے انہوں نے اسے ایک اہم ایشو کے طور پر لیگ کے ہر سالانہ اجلاس کے تقریباً ہر ایجنڈے پر موجود رکھا۔نومولود ریاست کے گورنر جنرل جناح

نے فلسطین کے لئے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تا کہ اقوام متحدہ اسرائیل کے قیام کے لئے ووٹ نہ دے۔ اس کوشش میں ایک مضبوط سفارتی لابی بنانے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ سر ظفر اللہ کی تقریر بھی انہی کی پالیسی کا مظہر تھی۔ وہ نا کام ہوئے مگر فلسطین کے لئے جناح کی کاوشیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ پاکستان کے بانی محمد علی جناح نے پہلی مرتبہ یوم فلسطین منانے کا اعلان کیا تھا جب سرزمینِ فلسطین پر اسرائیلی ریاست قائم نہیں ہوئی تھی۔ نکولس مینسرگ کی تدوین شدہ جلدیں 'ٹرانسفر آف پاور' کا حوالہ دیتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے ریسرچر شہزاد قیصر لکھتے ہیں کہ جناح نے فلسطین کی حمایت کے لئے لندن میں فلسطینی مسئلے کے لئے بلائی گئی ایک گول میز کانفرنس میں چوہدری خلیق الزمان کی قیادت میں ایک وفد بھی بھیجا تھا۔ محمد افضل کی تدوین کردہ جناح کی تقاریر پر ایک کتاب کے مطابق، فلسطین کی تقسیم پر جناح نے کہا تھا کہ اس کا نتیجہ بدترین تباہی کی صورت میں نکلے گا اور اتھارٹی کی عربوں سے ایسی جنگ شروع ہوگی جس کا کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا...... تمام مسلمان اس منصوبے کے خلاف بغاوت کر دیں گے، اور پاکستان کے پاس عربوں کی حمایت کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوگا۔ پاکستان 2021ء میں اب پاکستان کے 26ویں وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے مطالبہ کیا کہ 'اسرائیل کی جانب سے شیخ جرح میں فلسطینیوں کی جبری اور غیر قانونی بے دخلی کی مذمت کی جائے، اور اسرائیل کے 'انسانیت کے خلاف جرائم کو احتساب سے نہیں بچنا چاہئے۔' مسئلہ فلسطین کی اہمیت پاکستان کی مختلف حکومتوں میں مختلف درجوں پر رہی ہے۔ تاہم ہر حکومت نے فلسطینیوں کے حمایتی موقف میں تبدیلی نہیں کی۔ لیکن سب سے زیادہ اہم پالیسی ساز کردار تین ادوار میں دیکھا گیا ہے: جناح، ایوب اور بھٹو۔ محمد علی جناح کی زندگی میں ان کے پہلے وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ کے زمانے میں، پھر صدر ایوب کے زمانے میں جب ان کے وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو تھے اور تیسری مرتبہ اس وقت جب خود ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر بنے اور وزیرِ اعظم منتخب ہوئے تھے۔ سر محمد ظفر اللہ خان کا اقوامِ متحدہ کی پلینیری کمیٹی سے خطاب دراصل جناح کی فلسطین پالیسی کا تسلسل تھا جو بعد میں بھی حسین شہید سہروردی کے زمانے تک جاری رہا۔ سہروردی نے فلسطین کے بارے میں موقف تو بدلا نہیں تھا، تاہم انہوں نے نہر سویز پر عرب۔ اسرائیل جنگ کے دوران عرب ممالک کو 'صفروں کا مجموعہ صفر' کہہ کر ناراض کیا تھا۔ عرب۔ اسرائیل جنگ 1967ء جنرل ایوب خان کے دور میں پاکستان عمومی طور پر فلسطین کے بارے میں زیادہ فعال نظر نہیں آیا تھا، البتہ اس دور تک جب بھی اسرائیلی نمائندوں یا اسرائیلی لابی کے لوگوں نے پاکستان سے تعلقات بہتر کرنے کا کہا تو پاکستان ہمیشہ پہلے مسئلہ فلسطین کو حل کرنے پر اصرار کرتا تھا۔ لیکن جب سنہ 1967ء میں اسرائیل اور عربوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں اسرائیل نے عرب ممالک کے مختلف حصوں پر قبضہ کیا اور القدس (یروشلم) اور غزہ سمیت غرب اردن پر بھی قبضہ کیا تھا تو پاکستانیوں نے شام اور مصر کی فوجی امداد کی تھی۔ عملی اور سرکاری طور پر پاکستان کے اُس وقت کے وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے عالمی سیاسی بساط پر عالمِ عرب کا کھل کر ساتھ دیا تھا۔ 17ر جولائی سنہ 1967ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب آغا شاہی نے افغانستان، ایران، ترکی، گنی، مالی اور صومالیہ کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف ایک قرارداد منظور کروانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ لیکن سنہ 1970۔71ء میں پاکستان کے فوجی افسر بریگیڈیر ضیاالحق نے، (جنرل ضیا) جو اس دور میں اردن کی فوج کو تربیت دینے عمان میں مقیم تھے، اردن کے بادشاہ شاہ حسین کے کہنے پر اس وقت کے فلسطینی مہاجرین اور اردنی فوج کے درمیان لڑائی میں اردن کی فوج کی جانب سے ایک بڑی فوجی کارروائی کی تھی۔ سی آئی اے کے ایک سابق اہلکار بروس ریڈل اپنی ایک کتاب 'واٹ وی ون' میں حوالے دے کر لکھا

ہے کہ بریگیڈیر ضیاالحق نے اس فوجی آپریشن کی خود قیادت کی تھی۔ اس کارروائی میں ہزاروں فلسطینی ہلاک ہوئے تھے۔اس سے قبل سنہ 1969ء میں اسرائیلی یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی جسے عرب ممالک نے مسجد کو شہید کرنے کی جسارت قرار دیا اور پھر آرگنائیزیشن آف اسلامک کانفرنس کی پہلی سربراہی کانفرنس رباط میں ہوئی تھی۔صدر جنرل آغا یحیٰ خان نے خود اس اجلاس میں پاکستان کی نمائندگی کی تھی۔

پاکستان بنا فلسطینی کاز کا چیمپیئن۔سنہ 1972ء میں بھٹو پاکستان کے صدر بنے تو انہوں نے فلسطینی کاز کو اپنی خارجہ پالیسی کا اہم اور فعال حصہ بنایا تھا۔سنہ 1973ء میں عرب۔اسرائیل جنگ کے دوران پاکستان نے عربوں کا کھل کے ساتھ دیا تھا اور غیر اعلانیہ فوجی امداد بھی دی تھی۔ اسی جنگ میں عربوں نے تیل کو ہتھیار کے طور پر پہلی مرتبہ استعمال کیا تھا۔سنہ 1974ء میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی تھی جس میں فلسطینی رہنما یاسر عرفات اور اُن کی 'تنظیم آزادئ فلسطین' کو فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم تسلیم کیا گیا۔ یاسر عرفات اور ان کی تحریک کو پہلی مرتبہ یہ سفارتی کامیابی حاصل ہوئی بعد میں انہیں اقوامِ متحدہ میں بھی مبصر کی نشست دی گئی۔

پاکستان کا فلسطین پر ایک ہی موقف رہا ہے۔سینیٹر مشاہد حسین کہتے ہیں کہ فلسطینیوں کی حمایت کرنا پاکستان کے ڈی این اے کا حصہ ہے کیونکہ فلسطینیوں کے حق آزادی کی حمایت پاکستان کے بانی قائدِ اعظم محمد علی جناح نے سنہ چالیس کی دہائی کے دور سے ہی زوردار طریقے سے کی تھی، اور پھر بعد میں گورنر جنرل کی حیثیت میں انھوں نے امریکی صدر ٹرومین اور برطانوی وزیر اعظم ایٹلی کو اسی بارے خطوط بھی لکھے تھے۔اس بات پر کے بعد میں آنے والی پاکستان کی کوئی حکومت اس پالیسی کو تبدیل نہیں کر سکی، وہ کہتے ہیں کہ جنرل مشرف نے اسرائیل سے تعلقات کو معمول پر لانے کے خیال سے چھیڑ خانی کی تھی، لیکن ملک کے اندرونی نظام اور عوامی رائے عامہ میں ماحمت کی وجہ سے پالیس میں تبدیلی نہیں آئی۔سینیٹر مشاہد حسین کے مطابق جنرل مشرف کے زمانے میں سنہ 2006ء میں حماس کے وزیر خارجہ محمود زہر کو پاکستان میں مہمان کے طور پر بلایا گیا تھا، اور حکومت نے غزہ میں قائم ہونے والی حماس کی نئی حکومت کو تیس لاکھ ڈالر کی امداد بھی دی تھی۔ جنرل مشرف ہی کے دور میں اسلام آباد میں فلسطینی سفارت خانے کی تعمیر میں پاکستان نے مالی امداد بھی دی تھی۔اس سوال پر کہ کیا بیگم عابدہ حسین نے نواز شریف کے دور میں امریکہ میں پاکستان کے سفیر کی حیثیت سے اسرائیل سے معمول پر تعلقات لانے کی جو بات کہی تھی، سینیٹر مشاہد نے کہا کہ بیگم عابدہ نے اس بارے میں ایک بیان میں کہا تھا کہ انڈین صحافی نے ان کے بیان کو مسخ کر کے پیش کیا تھا۔مشاہد حسین کا کہنا تھا کہ جنرل مشرف کے بعد جو تین حکومتیں بنیں، یعنی پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن اور پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومتیں، انہوں نے فلسطینیوں کی سیاسی، سفارتی سطح پر ایک ہی انداز میں ماضی کی حکومتوں کی روایات کے مطابق تسلسل کے ساتھ مدد کی کیونکہ فلسطینی معاملہ ایسا ہے جس پر حکومت اور اپوزیشن کی تمام جماعتوں میں اتفاقِ رائے ہے۔موجودہ حکومت نے بھی غزہ کے محصور عوام کے لئے امداد کا اعلان کیا ہے جو کہ فلسطینیوں کے ساتھ یکجہتی کے اظہار کے مناسب اقدام ہیں۔

سر محمد ظفر اللہ خان کی تقریر کے اقتباسات۔ پاکستان جو کبھی عالمِ عرب میں بھی ایک قائدانہ کردار ادا کرنے پوزیشن میں تھا، ایک ایٹمی طاقت بننے کے بعد اب زیادہ موثر کردار ادا کرتا ہوا نظر نہیں آتا ہے۔ ایران اور ترکی اس کاز کے زیادہ فعال کردار نظر آتے ہیں۔آج اگر سر

ظفر اللہ کی تقریر کو دیکھا جائے تو بہت کچھ بدل چکا ہے۔لیکن جن معاملات اور سوالات کو سر ظفر اللہ نے اُٹھایا تھا وہ آج بھی عالمی سیاسی بساط پر جوابات تلاش کررہے ہیں۔ فلسطینی اور یہودی آج بھی اُس خطے میں بقائے باہمی کے کسی قابلِ عمل کلیئے کی تلاش میں ابھی تک ناکام ہیں۔اور غزہ اور اسرائیل کی موجودہ جنگ نے حالات مزید نازک بنادیے ہیں۔سر ظفر اللہ خان کی پیشن گوئیوں اور ان کی سیاسی زیرکی کا اندازہ ان کی تقریر پڑھ کر ہوتا ہے۔ یہاں ان کی تقریر کے چند اقتباسات جو فلسطینی اور یہودی آبادی، صنعتی اور زراعتی، سیاسی اور انتظامی، معاشی اور ترقیاتی معاملات پر بحث کر کے فلسطین کی تقسیم کے حل کی سکیم کو مسترد کرنے کے بعد کے کچھ حصے ہیں درج ہیں: ’اب ہم اس سوال پر پہنچتے ہیں کہ آیا عمومی طور پر یہ منصوبہ قابل عمل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ میں نے کہا ہے، امریکہ کے نمائندے نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ آس پاس کی عرب ریاستوں اور فلسطین کے عوام کی حمایت ہو تو اس سکیم پر عملدرآمد کیا جاسکتا ہے۔‘‘آس پاس کے عرب ممالک یقینی طور پر اس تجربے کی حمایت نہیں کریں گے۔ان سے جو بھی توقع کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت ریاستیں، وہ ایسا کچھ نہیں کریں گے جو چارٹر کے تحت ان کی ذمہ داریوں کے منافی ہو۔ لیکن فلسطین کے عربوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ تعاون نہیں کریں گے۔‘’اور ممبران اسمبلی کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ منصوبہ کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ عبوری کمیٹی کے حوالے سے تجربے کی طرح نہیں ہے جو ایک سال کے لئے تشکیل دیا جارہا ہے۔اگر یہ ناکام ہوتا ہے تو کیا اس کو ختم کیا جاسکتا ہے اور جنرل اسمبلی پھر سے کوئی اور سکیم اپنا سکتی ہے؟‘اس کے برعکس یہ منصوبہ مستقل حل کے طور پر تجویز کیا گیا ہے۔اگر یہ ناکام ہوتا ہے تو یہ اقوام متحدہ کی ناکامی ہوگی۔ یہ ایک مستقل نظام ہے اس سے اقوام متحدہ کی ساکھ، اُس کا اعزاز متاثر ہوگا۔لہٰذا ہم اس مرحلے پر بہتر طور پر توجہ دیں جس کہ اس کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو رہن رکھوا رہے ہیں۔کیا جنرل اسمبلی ایسا جوا کھیلنے کے لئے تیار ہے؟‘’آیئے ہم اقوام متحدہ کو کسی ایسے راستے پر گامزن کریں اور اُس سکیم پر عملدرآمد کا وعدہ کریں جس میں اخلاقی جواز کا فقدان ہے، جو اقوام متحدہ کے قانونی اور عدالتی اختیار سے بالاتر ہے، اور اس کا حصول ناممکن ہے۔‘’اس فضول کام کو ناکام بنانے میں آپ نے فلسطین کے چھیاسٹھ فیصد عوام کی خواہشات کو بے بنیاد قرار دے دیا ہے۔آپ آس پاس کے اور پڑوسی ریاستوں کے اعتماد کو ختم کررہے ہیں اور اقوام متحدہ کو منصفانہ نفاست اور غیر جانبداری سے محروم کررہے ہیں ......‘’شمالی افریقہ کے بحراوقیانوس کے ساحل سے لے کر وسطی ایشیا تک کے تمام ممالک کی آبادی کے دلوں میں آپ مغربی طاقتوں کے عزائم اور مقاصد پر شکوک وشبہات کا بیج ڈال رہے ہیں۔آپ مشرق اور مغرب کے مابین حقیقی تعاون کے کسی بھی امکان کو ختم کر کے، خرابی کا سنگین خطرہ مول لے رہے ہیں۔‘’کیا اقوام متحدہ نے اب تک عربوں اور یہودیوں کو ایک جگہ بٹھا کر کوئی درمیانی راستہ تلاش کرنے کی کوئی کوشش کی ہے جس پر دونوں قومیں مل کر کام کر کے اسے کامیاب بنانے کی کوشش کریں ...... جو ایسا واحد حل ہو جس میں کامیابی کے ساتھ کام کرنے کا کوئی امکان موجود ہو؟‘

تقسیم کا حل ٹھونسا جارہا تھا۔’اب ہمیں بتایا گیا ہے آپ کو تقسیم کی سکیم قبول نہیں کرنی ہوگی ورنہ کوئی حل نہیں ہوگا۔لیکن کیا ایسا ہے؟ کیا یہ واحد انتخاب ہے؟ کیا تقسیم کی اسکیم کو اتنی حقیقی حمایت ملی ہے؟ ایڈہاک کمیٹی میں اسے پچیس وفود کی حمایت حاصل تھی۔‘’ان پچیس وفود میں سے کچھ نے کہا کہ انہوں نے بھاری دل سے تقسیم کے منصوبے کی حمایت کی۔ دوسروں نے کہا کہ انہوں نے ہچکچاہٹ کے ساتھ اس کی حمایت کی۔ کیوں؟ کیونکہ وہاں اور کوئی تجویز نہیں ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر جنرل اسمبلی کم ازکم اس نام نہاد حل سے خوش نہیں ہے۔‘’کہا جاتا ہے کہ

اگر تقسیم قبول نہیں کی گئی تو حل کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔اس کے برعکس اگر تقسیم قبول کی گئی تو یہ خطے کے لئے ایک مہلک اقدام ہوگا۔ عرب اور یہودی دونوں اس حل سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلیں گے اور پھرانہیں کبھی اکٹھا کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔‘’اس کے بعد دشمنیوں کا ایک لا متناہی سلسلہ ہر حل کا راستہ روکے گا۔‘’اگر آپ تاخیر کرتے ہیں اور کوئی مہلک اقدام کرنے سے گریز کرتے ہیں تو پھر بھی آپ عربوں اور یہودیوں کے لئے صلح کے حل کا موقع رہنے دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ شاید آئندہ آپس میں مل کر کام کرسکیں۔‘’اس کے مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر آپ آج کوئی حتمی فیصلہ نہیں لیتے ہیں تو کسی بھی شے کا فیصلہ کرنے کے آپ مجاز نہیں رہیں گے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں حلوں میں سے کوئی بھی قابل قبول نہیں ہے اور یہ کہ کچھ اور تلاش کرنا ضروری ہے جو ذمہ داری آپ کے پاس باقی رہتی ہے۔‘’اس موقع کو ضائع مت کریں۔ایسا دروازہ بند نہ کریں جو دوبارہ نہ کھولا جاسکے۔اقوام متحدہ کو ایک ایسا حل تلاش کرنا ہوگا جو نہ صرف عادلانہ اور منصفانہ ہو، بلکہ فلسطین میں یہودیوں اور عربوں کی سب سے بڑی تعداد کے لئے اس میں کامیابی کے بہترین مواقع موجود ہوں۔‘’آج ہمارا ووٹ اگر تقسیم کی حمایت نہیں کرتا ہے تو یہ دوسرے حل کو مسترد بھی نہیں کرتا ہے۔اگر ہمارا ووٹ تقسیم کی حمایت کرتا ہے تو تمام پرامن حل کے راستے مفقود ہوجائیں گے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ کون اس ذمہ داری کو نبھائے گا۔‘’میری آپ سے اپیل ہے کہ اس امکان کو بند نہ کریں۔اقوام متحدہ کو تقسیم کرنے اور لوگوں کو الگ کرنے کے بجائے انہیں متحد ہونے اور اکٹھا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔‘ **سرظفراللہ کا امریکہ پر طنز۔** سرظفراللہ نے اپنی تقریر میں مشرقِ وسطیٰ میں ارضِ فلسطین کی تقسیم کے منصوبے پر یہودی ریاست کے حامی مغربی ممالک کی اس دلیل کا طنزیہ انداز میں جواب دیا کہ ’دنیا کے بے گھر اور بے وطن یہودیوں کا ایک اپنا وطن ہونا چاہیے۔‘سرظفراللہ نے سوال کیا کہ امریکہ اور کینیڈا اتنے چھوٹے ملک ہیں کہ یہودیوں کو فلسطین جیسے بڑے ملک میں آباد کیا جائے!سرظفراللہ خان نے جب یہ سوال اٹھایا کہ کیا ان بے وطن یہودیوں کو انہی مغربی ممالک بھیج دیا جائے گا جہاں سے وہ آرہے ہیں تو انہوں نے اس کا خود ہی یوں جواب دیا:’ آسٹریلیا کا کہنا ہے کہ نہیں، کینیڈا کا کہنا ہے کہ نہیں، امریکہ کا کہنا ہے کہ نہیں۔یہ ایک لحاظ سے بہت حوصلہ افزا بات تھی۔‘’کیا انہیں (بے وطن یہودیوں کو) ممبر ممالک میں ایک تناسب میں آباد کردیا جائے گا؟ آسٹریلیا، جو زیادہ آبادی والا ایک چھوٹا سا ملک ہے جس میں گنجان علاقے ہیں، کہتا ہے نہیں، نہیں، نہیں۔کینیڈا، اتنا ہی گنجان اور زیادہ آبادی والا ہے، کہتا ہے نہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، ایک عظیم انسان دوست ملک، ایک چھوٹا سا علاقہ، جس میں کم وسائل ہیں، وہ بھی کہتا ہے کہ نہیں۔‘’ان ممالک کا انسانیت کے اس اہم مسئلے پر یہ کردار ہے (کہ یہ بے گھر یہودیوں کو ان ممالک میں بھی واپس لینے کے لئے تیار نہیں جہاں سے ان کا تعلق رہا ہے)۔لیکن انہی ممالک کا اصرار ہے کہ انہیں (بے گھر یہودیوں کو) فلسطین میں بھیج دو، جہاں وسیع وعریض سرزمین ہے، ایک بڑی معیشت ہے اور کوئی پریشانی نہیں ہے۔وہ وہاں آسانی سے جاسکتے ہیں (اور آباد ہوسکتے ہیں)۔‘

https://www.bbc.com/urdu/pakistan-57120649

چوہدری محمد ظفراللہ خاں۔مشاہر عالم اور مؤقر عالمی جرائد کی نظر میں

منادی دہلی خواجہ حسن نظامیؔ رقمطراز ہیں۔’’۔چوہدری ظفراللہ خاں نے باوجود قادیانی ہونے کے پاکستان بننے کے بعد سے آج تک یورپؔ اور امریکہؔ اور اسلامیؔ دُنیا میں جو خدمات پاکستان کی انجام دی ہیں۔وہ بے مثل ہیں۔اگر پاکستان کی تخت گاہ کراچی میں مُسلمان اُن کی

مخالفت کریں گےتو امریکہ اور یوروپ اوراسلامی ملکوں کے دِلوں سے پاکستان کا وقار جاتا رہے گا۔''(اخبار مُنادی دہلی)'''سندھ آبزرور''(کراچی) ''**الحیاۃ**''**(لبنان)**''۔۔۔۔۔ظفراللہ خاں وہ مضبوط ترین آواز ہے۔جو بین الاقوامی مجالس میں عربوں کی خاطر گونجی قضیۂ فلسطین۔اور تونس ومراکش وغیرہ کے معاملات میں ظفراللہ خاں کے شاندار اور دلیرانہ دفاع کی وجہ سے ظالم مستعمرین بالکل دنگ رہ گئے۔

ظفراللہ خاں وہ عظیم و بہادر شہسوار ہے جو عالمی کشمکش کے میدان میں عربوں کی آزادی اور اُن کے حقوق کی حفاظت کے لئے متواتر لڑتا رہا۔وہ شخص جو اپنی اخلاقی بلندی اولوالعزمی۔قوت ایمانی اور بلاغت وسحر بیانی کے لحاظ سے پوری قوم کے برابر تھا۔ وہ شخص جو عربوں کے معاملات میں اپنے جوش وخروش کے لحاظ سے آٹھ کروڑ پاکستانیوں بلکہ تمام عالمِ اسلام کا خلاصہ ہے۔ **نوائے وقت (لاہور)**مشہور مصری لیڈر مصطفیٰ مومن نے ایک اخباری بیان میں فرمایا ''۔۔۔چوہدری ظفراللہ خاں اگرچہ پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں۔ لیکن تمام دُنیا اسلام میں انہیں ایک قابلِ رشک پوزیشن حاصل ہے وہ مشرقِ وسطیٰ میں بالعموم اور مصر اور دیگر عرب ممالک میں بالخصوص چوٹی کے سیاستدان تسلیم کئے جاتے ہیں۔انہوں نے اقوامِ متحدہ میں تونس۔مراکش۔ایران اور مصر کی پُرزور حمایت کر کے اسلام کی وہ خدمت سرانجام دی ہے جو دوسرے بڑے بڑے اکابرین سے بن نہ پڑی۔جو شخص چوہدری صاحب موصوف کو مُلتزم کرتا اور آپ کی ذات والاصفات کو حرف ملامت بناتا ہے وہ دراصل ساری دنیائے اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے۔'' (25رمئی1952ء) **جریدہ''الجدید'' قاہرہ**۔عرب ممالک کے مسلمہ رہنما محترم عزام پاشا (سیکریٹری عرب لیگ) نے لکھا کہ''ہم اچھی طرح جانتے ہیں ظفراللہ خاں روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت میں جو مؤقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کا طرّہ امتیاز رہا۔اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قُلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو گئے۔آپ اُن قابل ترین قائدین میں سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔(22رجون1952ء) **جریدہ الزمان قاہرہ**۔ازہر یونیورسٹی کے ڈائریکٹر خوشابہ پاشا لکھتے ہیں۔''چوہدری محمد ظفراللہ خان نے اسلامی مفادات کے تحفظ کی خاطر ہمیشہ ہی دلیری اور جرأت سے کام کیا ہے میں اس عظیم شخص کا بے حد ممنونِ احسان ہوں کیوں کہ اُس نے میرے ملک کی بے حد خدمت سرانجام دی ہے۔ (25رجون 1952ء) **اخبار المصر (قاہرہ)** اخبار المصر قاہرہ نے لکھا''تمام مصری لیڈروں کا اعتماد ظفراللہ خاں کو حاصل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔''نیز''تیونس کے وزیر وں نے ایک مشترکہ بیان مین چوہدری ظفراللہ خاں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔تیونس کی تاریخ میں چوہدری ظفراللہ خاں کا نام ہمیشہ سنہری لفظوں میں لکھا جائے گا۔(رفتار زمانہ 3رمئی54ء) **اخبار المصری (قاہرہ)1952**ء میں جب مفتیٔ مصر نے چوہدری ظفراللہ خان کے خلاف فتویٰ شائع کیا تو تمام عرب پریس نے اُس کی سخت مذمت کی۔مصر کی حکمران پارٹی (وفد) کے مؤقر ''ترجمان المصری'' نے اپنی 26رجون 1952ء کی اشاعت میں لکھا:ظفراللہ خاں ہماری ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں۔کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب بھی اسلامی مفادات کی حفاظت کی خاطر اسی طرح سینہ سپر رہیں گے اور مصر کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے رہیں گے مفتی نے ظفراللہ کو کافر و بے دین قرار دیا ہے۔آؤ ہم سب مل کر چوہدری محمد ظفراللہ خاں پر سلام بھیجیں۔ظفراللہ خاں کافر کے کیا کہنے۔ان جیسے اور بڑے بڑے بیسوں کافروں کی

ہمیں ضرورت ہے۔‘‘

قضیۂ فلسطین اور سر محمد ظفر اللہ خان۔محمد اشرف ناصر

پانچ دریاؤں کی سرزمین کی کوکھ سے جنم لینے والا دلیر اور نڈر قانون دان اور عالم اسلام کا بلند حوصلہ فرزند قائد اعظم کا قریبی ساتھی اور مسلم لیگ کے صدر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب یکم ستمبر 1985ء کو لاہور میں 93 سال کی عمر میں اس عالم فانی کو خیر باد کہہ کر اپنے رب کے حضور پہنچ گئے جن کے خلوص نیت پر مبنی بے لوث و باوقار خدمات جو خاص طور پر انہوں نے عرب ممالک کی آزادی اور قضیۂ فلسطین کو نپٹانے میں سر انجام دیں۔آئندہ نسلوں کے لئے ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیں گی۔مملکت خداداد پاکستان کے قیام پر اقوام متحدہ کے لئے 1947ء میں جو وفد تشکیل پایا حضرت قائداعظم کے ارشاد کے مطابق اس کے سربراہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب تھے۔اقوامِ متحدہ کے اس اجلاس کے ایجنڈے پر سب سے اہم مسئلہ فلسطین کا تھا بحث کا آغاز ہونے پر دو سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ایک کے سپرد فلسطین کی تقسیم کی صورت میں اس کی تفاصیل اور اہم مسائل پر رپورٹ پیش کرنا تھا اور دوسری سب کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ فریقین (عربوں اور یہودیوں) کے حقوق اور دیگر متعلقہ امور کی حفاظت کے بارے میں رپورٹ کرے کمیٹی نے تقسیم فلسطین کے حق میں تجویز کو منظور کر لیا۔پاکستان جو ابھی دو دن پہلے اقوامِ متحدہ کا ممبر منتخب ہوا تھا اس موقع پر چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے تقسیم فلسطین کے مسئلہ پر جو تقریر فرمائی اس کو انہوں نے تاریخی۔واقعاتی، مذہبی اور قانونی اور اقتصادی حقائق وشواہد کے مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے بڑے اعلیٰ انداز میں ایوان پر واضح کیا کہ تقسیم فلسطین کا منصوبہ اس علاقے کے خرمن امن پر مستقل اور دائمی چنگاری ثابت ہوگا عربوں اور یہود کے درمیان تعلقات ناگفتہ بہ ہو جائیں گے اور مستقبل میں یہ مسئلہ امن عالم پر بڑا گہرا اور مسموم اثر ڈالے گا ایسا کرنا ملک کی اکثریت سے خطرناک ناانصافی بلکہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔آپ کی تقریر کے دوران عرب مندوبین کے چہرے فرطِ اطمینان ومسرت سے تمتما اُٹھے کہ اُن کے حق میں بھی ایک آواز اُٹھی ہے جو ٹھوس اور مؤثر ہونے کے اعتبار سے ہر جہت سے مدلل بھی ہے۔تمام عرب جرائد و رسائل نے اس تقریر کے اقتباسات شائع کئے اور مندوب اعلیٰ پاکستان چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کیا چنانچہ شام کے جریدہ ’’الایام‘‘ نے اپنے اداریے میں لکھا۔’’ظفر اللہ خان وہ شخصیت ہے جس نے عرب ممالک کی ترجمانی کرنے میں اپنا انتہائی زور صرف کر دیا۔ان کا نام عربوں کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے آبِ زر سے لکھا جائے گا۔مفتی اعظم فلسطین نے اپنے ایک مکتوب بنام چوہدری صاحب میں لکھا۔’’میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کی اسلام کے لئے بیش بہا خدمات کے لئے تہ دل سے ممنون ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کی مساعی جمیلہ کو کامیابی کا تاج پہنائے‘‘(ہفت روزہ لاہور 19/اگست 1979ء)

روزنامہ نوائے وقت نے لکھا کہ جس عزت کی نگاہ سے پاکستان کے وزیر خارجہ کو عرب وفود یہاں دیکھتے ہیں اس کا مظاہرہ یہاں اس طرح ہوا کہ تمام کے تمام عرب وفود سر ظفر اللہ خان کو الوداع کہنے کے لئے لاگارڈیا (La Guardia) کے ہوائی مستقر پر پہنچے یہ محض تواضع نہیں تھی بلکہ اپنے محسن کے لئے یہ شکرانہ تھا‘‘(نوائے وقت لاہور 11/مئی 1948ء) جب چوہدری صاحب اقوامِ متحدہ کے اس سیشن سے فارغ ہو کر واپس پاکستان آئے تو جس طرح ان کو عربوں نے الوداع کیا اس کے متعلق آپ نے نوائے وقت کی دوپہر والی خبر کو پڑھ دیا ہے گورنمنٹ کالج

لاہور نے آپ کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا اس کے متعلق مؤقر روزنامہ نوائے وقت رقم تراز ہے کہ۔آج گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل مسٹر بخاری نے کالج میں سرظفراللہ خان کا خیر مقدم کرتے ہوئے بتایا کہ سرظفراللہ خاں نے اقوامِ متحدہ میں عرب فلسطین کے لئے جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں حکومت شام نے ان کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو ملک کے سب سے بڑے اعزازی خطاب سے نوازا ہے۔ (نوائے وقت لاہور 11ر دسمبر 1947ء(جلالۃ الملک حسین بن طلال بن عبداللہ چوہدری صاحب سے بڑی محبت اوراکرم سے پیش آئے۔فرمایا ہم سب تہ دل سے آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے قضیۂ فلسطین کی ابتدا سے نہایت جرأت اور دانشمندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے۔ایک ملاقات میں کمال شفقت سے مکرم چوہدری صاحب کو’’ستارہ اردن‘‘ کا سب سے بڑا نشان مرحمت فرمایا۔محافظ حرمین شریفین شاہ فیصل جب وہ مملکت سعودی عربیہ کے وزیر خارجہ تھے چوہدری صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں۔میرے عزیز دوست! آپ نے جس تندہی اور خلوص سے نہ صرف اس میٹنگ میں بلکہ جب سے مسئلہ فلسطین اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا ہے اعلیٰ تعاون اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ کی اعلیٰ اقدار نے نہ صرف عربوں کے دلوں میں بلکہ اقصائے عالم کے تمام راستباز لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش پیدا کردی ہے کہ وہ آپ کی مساعی جمیلہ کی دل سے قدر کریں۔دستخط شاہ فیصل (ہفت روزہ لاہور 9ر اگست 1976ء)اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب اور قائداعظم کے معمر ترین رفیق سید امجد علی صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں فرمایا کہ فلسطین کے مسئلہ پر،ظفراللہ نے بہت محنت سے عربوں کی مدد کی۔الجیریا، تیونس، مراکو اور دیگر اسلامی ممالک کے مسائل پر پاکستان کی طرف سے مکمل حمایت کی اور سفارتی سطح پر ان کے لئے پرزور جنگ لڑی (ہفت روزہ زندگی 6ر ستمبر 1970ء عربوں میں آپ کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ آپ اس تحریر سے لگا سکتے ہیں ایک اخبار لکھتا ہے۔تیونس کے وزیر نے ایک مشترکہ بیان میں چوہدری ظفراللہ خان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ تیونس کی تاریخ میں چوہدری ظفراللہ کا نام ہمیشہ سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا، لیبیا کے نمائندہ نے کراچی آکر اعلان کیا کہ ظفراللہ خان ہمیں اتنے محبوب ہیں کہ ہمارے ملک کے نوزائیدہ بچوں کے نام نیک تفاول کے طور پر چوہدری صاحب کے نام پر رکھے جارہے ہیں۔ (رفتارِ زمانہ اگست 1961ء) مسٹر ایلفر ڈ ایم منتھل نے اپنی کتاب میں لکھا پاکستان کے مندوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے’’زبردست جنگ لڑی۔‘‘(what price Israel page 17)

عرب ممالک کے مسلمہ رہنما توم حزام پاشا سیکریٹری عرب لیگ نے چوہدری صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفراللہ خاں روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں کامیاب رہے ہیں اور اسلام کی مدافعت میں جو مؤقف اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ چوہدری ظفراللہ صاحب کا طرہ امتیاز رہا اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو گئے۔آپ ان قابل ترین قائدین میں سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے(اخبار الحدید قاہرہ 22ر جون 1952ء)مشہور مصری لیڈر مصطفی مومن نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا چوہدری ظفراللہ خاں اگرچہ پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں لیکن تمام دنیائے اسلام میں انہیں ایک قابل رشک پوزیشن حاصل ہے۔وہ مشرقِ وسطیٰ میں بالعموم اور مصر اور عرب ممالک میں بالخصوص چوٹی کے سیاستدان تسلیم کئے جاتے ہیں انہوں نے اقوامِ متحدہ میں تونس، مراکش، ایران

اور مصر کی پر زور حمایت کر کے اسلام کی وہ خدمت سرانجام دی ہے جو دوسرے بڑے بڑے اکابرین سے بن نہ پڑی جو شخص چوہدری صاحب موصوف کو ملتزم کرتا اور آپ کی ذات والاصفات کو حرفِ علامت بناتا ہے وہ دراصل ساری دنیائے اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے۔(نوائے وقت 25رمئی 1952ء) غرضیکہ مسئلہ فلسطین کے متعلق جس رنگ میں چوہدری صاحب نے دلائل پیش کئے اس پر ہر طاقتوں کے مندوب دم بخود رہ گئے گویا کہ کسی نے ان کی زبانیں سی دی ہوں چنانچہ رائٹر نے اس پر تبصرہ کیا۔لیک سیکس 10 راکتوبر اقوامِ متحدہ کی کمیٹی نے جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی۔کل پاکستانی مندوب ظفر اللہ خان کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطل پیدا کر چکا ہے۔اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبان کھولنے کے لئے تیار نہیں امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا۔اس وقت تک بولنے کے لئے آمادہ نہیں جب کہ صدر ٹرومین اور وزیر خارجہ مسٹر جارج شل متفقہ حل تلاش نہ کر لیں کمیٹی میں کل کی بحث میں صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایورٹ (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا، جب بحث وقت مقررہ سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے زبان سی دی ہو اقوامِ متحدہ کے تمام اجلاسوں میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔

(نوائے وقت لاہور 11راکتوبر 1947ء)

غرض کہ آپ کی ذات کا ایک ایک لمحہ قوم کے لئے اور ملت کے لئے وقت اور یہی آپ کی زندگی کا نچوڑ ہے جو بے لوث خدمات آپ نے سرانجام دیں وہ رہتی دنیا تک یاد رہیں گی۔ظفر اللہ خاں قائداعظم کا دستِ راست بنتا ہوا فریب جہاں پہ گزر گیا

1952ء میں جب مفتی مصر نے چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف فتویٰ کفر شائع کیا تو تمام عرب پریس نے اس کی سخت مذمت کی مشہور اخبار المصری نے اپنے اخبار میں لکھا۔ظفر اللہ خاں ہماری ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب بھی اسلامی مفادات کی حفاظت کی خاطر اسی طرح سینہ سپر رہیں گے اور مصر کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے رہیں گے۔مفتی نے ظفر اللہ خاں کو کافر بے دین قرار دیا ہے۔آؤ مل کر چوہدری محمد ظفر اللہ خان پر سلام بھیجیں ظفر اللہ خان کافر کے کیا کہنے ان جیسے اور بڑے بڑے بیسیوں کافروں کی ہمیں ضرورت ہے ۔

(اخبار المصری 26رجون 1952ء)(روزنامہ انقلاب کراچی 14اکتوبر 1985ء صفحہ 30 تا 33)

مسئلہ کشمیر اور حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خدمات

عرفان احمد خان۔جرمنی

کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ تسلّط کو ستر سال گزر گئے ۔ بھارت میں جو سیاسی جماعتیں برسر اقتدار آئیں انہوں نے کشمیر میں اپنے ہم خیال تلاش کر کے کشمیر کی تحریکِ آزادی کو مسلمانوں کے ہاتھوں ہی دبانے کی کوشش کی ہے۔لیکن آزادی کی آواز کو دبایا نہ جاسکا۔ بھارتی جنتا پارٹی کی موجودہ قیادت تو بظاہر کشمیریوں سے بدلے لینے پر اتر آئی ہے۔ ایک طرف وادیٔ کشمیر کو کرفیو کے حوالے کر کے روزمرہ کی زندگی کو مفلوج کر دیا گیا ہے اور دوسری طرف مرکز نے بھارتی آئین میں تبدیلیاں کر کے کشمیر کی جداگانہ حیثیت کو ختم کر دیا ہے۔اس موجودہ سیاسی کشمکش میں اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کا بار بار ذکر آرہا ہے

جن کی بدولت کشمیر کو جداگانہ حیثیت حاصل ہوئی۔ان قراردادوں کو اقوام متحدہ میں پیش کرنے اور منظور کروانے کا سہرا حضرت سر چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔ جب تک چوہدری صاحب کے ہم عصر زندہ رہے پاکستان میں چوہدری صاحب کی خدمات کا تذکرہ بڑے فخر سے کیا جاتا تھا۔لیکن 80 کی دہائی میں جب ملک ضیاء الحق جیسے تنگ نظر حکمرانوں کے حوالے ہوگیا تو ملک وقوم کے لئے چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی خدمات پر بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے منفی تبصروں کے ساتھ میدان میں اتر آئے۔ اور یہ سلسلہ گذشتہ 30 سال سے جاری ہے۔اب تاریخ نے اپنے آپ کو دہراتے ہوئے ایک ایسا موقع پیدا کیا ہے کہ اہل وطن کو چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ کی خدماتِ جلیلہ کا ذکر کرنا مجبوری بن گیا ہے۔دنیا کو اپنے ہمنوا بنانے اور بھارتی آئین میں کی جانے والی ترمیم کو مسترد کروانے کے لئے چوہدری صاحب کی ان تقاریر کا حوالہ بار بار دیا جانا وقت کی ضرورت بن گیا ہے جن پر ملک میں زرد صحافت کو فروغ دینے والے مجیب الرحمٰن شامی، اور یا مقبول جان اور ان کا قبیلہ چوہدری صاحب محترم کو موردِ الزام ٹھہراتا آرہا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ زرد قبیلے کی طرف سے محض مذہبی تعصب کی بنا پر چوہدری صاحب پر دو الزام لگائے جاتے رہے ہیں۔اول یہ کہ چوہدری صاحب نے باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی طرف سے پیش ہونے پر لاکھوں روپے فیس وصول کی اور دوم اقوام متحدہ میں لمبی لمبی تقریریں کر کے مسئلہ کشمیر کے بارے میں ممبران میں اکتاہٹ پیدا کردی۔گذشتہ دنوں ایک ٹی وی مذاکرہ میں زرد صحافی مجیب الرحمٰن شامی نے باؤنڈری کمیشن میں کیس کی فیس کا تذکرہ کرنے کی کوشش کی تو معروف دانشور، نیک نام وکیل اور شریعت کورٹ کے سابق جج سید افضل حیدر نے (جن کے والد سید محمد شاہ، چوہدری صاحب کے ساتھ وکلاء پینل میں شامل تھے) مجیب الرحمٰن شامی کی طرف سے ماضی میں لگائے جانے والے الزام کو آج ردّ کردیا۔سید افضل حیدر نے شامی کی طرف سے پوچھے جانے والے سوال کے جواب میں کہا کہ جب 31/جولائی کو لاہور ہائی کورٹ میں چیف جسٹس کے ساتھ والے کمرے میں بحث ختم ہوئی تو سب وکلاء باہر آگئے۔ تھکے ہوئے برآمدے میں کھڑے تھے۔اس دوران سیپک بام جو بعد میں انڈیا کے اٹارنی جنرل بنے نے آکر چوہدری ظفراللہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا سر محمد آپ کو مبارک ہو آپ نے بہت اچھا مقدمہ لڑا ہے اور پھر مسکرا کر ساتھی وکلاء صاحبزادہ نوازش علی، آباجی (سید محمد شاہ) شیخ نثار کو پوچھا کہ آپ نے بڑی فیس لی ہوگی۔ان وکلاء نے جواباً کہا کہ ہم نے تو اپنے پاس سے پیسے خرچ کیے ہیں، کوئی فیس نہیں لی۔ کانگرس کے وکیل سیپک بام کا جواب سنیے۔Then I must return 7 lakh to National Congress اگر آپ لوگوں نے فیس نہیں لی تو مجھے بھی نہیں لینی چاہیے۔شیخ نثار نے ان کو پھر کہا کہ ہم نے کوئی فیس نہیں لی۔

چوہدری صاحب پر ایک دوسرا الزام تقاریر کی طوالت کے اعتبار سے لگایا جاتا رہا ہے۔یہی بات سینئر صحافی ایڈیٹر آتش فشاں منیر احمد منیر نے چوہدری صاحب سے 80 کی دھائی میں لئے جانے والے ایک طویل انٹرویو میں پوچھی تھی جس کو انہوں نے 1985ء میں سیاسی اتار چڑھاؤ کے عنوان سے کتاب میں شامل کیا۔منیر احمد منیر کا سوال اور چوہدری صاحب کا جواب حاصل مطالعہ کے تحت یہاں نقل کر رہا ہوں۔اس سے کشمیر کے معاملے میں برطانوی چالوں اور چوہدری صاحب کو کیسے حالات میں یہ سیاسی جنگ لڑنا پڑی اس سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی خدماتِ ملک وقوم کے آگے سر تسلیم خم کیے بغیر چارہ ممکن نہیں۔

سینئر صحافی اور آتش فشاں کے ایڈیٹر منیر احمد منیر نے چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب سے سوال پوچھا۔کشمیر کے مسئلے پر آپ نے بہت

طویل تقریریں کیں۔اس کی توجیح اے کے بروئی نے اس طرح کی کہ یہ ایک طریقہ تھا معاملے کولٹکائے رکھنے کا۔اتنی طویل تقریروں کے دوران اکثر مندوب اکتاہٹ کے باعث اٹھ کر چلے جاتے تھے یا پھر اونگھنے لگتے تھے۔حضرت چوہدری صاحب ؒ نے جواب میں فرمایا۔بروئی صاحب کا یہ اندازہ غلط ہے۔اقوام متحدہ میں ہندوستان کا یہ موقف بڑا مؤثر ہوسکتا تھا کہ مہاراجہ کشمیر نے ان کے ساتھ الحاق کیا ہوا ہے۔اور یہ پاکستانی خوامخواہ بیچ میں آن پڑے ہیں۔ان کی گوشمالی کرنی چاہیے۔انہیں کہا جائے کہ یہ دخل دینا بند کردیں۔ایسے میں میرے لئے لازم تھا کہ قیام پاکستان کے وقت جو جو مصائب مسلمانوں پر گزرے اور جو کچھ کشمیر میں ہوا اور جو سازشیں وغیرہ ہوئیں۔ان کی پوری حقیقت سیکیورٹی کونسل کے آگے ظاہر کردیتا۔چنانچہ مجھے بعد میں کولمبیا کے ڈیلیگیشن نے کہا کہ ہم نے جب ہندوستان کے نمائندے کی تقریر سنی تو ہم میں سے اکثر کا خیال تھا کہ پاکستان کشمیر میں مداخلت کرکے دنیا کے امن میں خلل ڈال رہا ہے۔آپ کی تقریر سننے کے بعد محکم طور پر ہماری یہ رائے بن گئی ہے کہ زیادتی ہندوستان کی طرف سے ہورہی ہے چنانچہ میری ان تقریروں وغیرہ سے جو عملی اور مثبت نتیجہ نکلا اس کے مطابق پہلے مرحلے میں جو ریزولیوشن پیش کیا گیا وہ تمام تر ہمارے حق میں تھا۔یہ کہ کشمیر میں غیر جانبدار حکومت قائم ہوجائے گی۔کشمیریوں کی رائے شماری کرائی جائے جس کے مطابق وہ فیصلہ کریں گے کہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر برطانیہ نے اپنے وزیر برائے دولت مشترکہ مسٹر فلپ نویال بیکر کو وہاں بھیجا ہوا تھا۔وہ بڑی مستعدی کے ساتھ کوشش کررہے تھے کہ یہیں نیویارک میں کوئی معاہدہ ایسا ہوجائے جس کا صرف اجرا ہونا باقی رہ جائے۔تبھی تصفیہ ہوسکے گا۔چنانچہ جب سیکیورٹی کونسل کے سات ممبرز اظہار رائے کرچکے بلکہ اس سے بھی زیادہ،آخر تبادلہ خیال کے بعد مذکورہ قرارداد پر رائے شماری کا مرحلہ آیا۔اس وقت تک جتنے اراکین نے اظہار خیال کیا تھا اس سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ قرارداد کو گیارہ میں سے دس کی تائید تو ضرور حاصل ہوجائے گی۔روس کے غیر جانبدار رہنے کا امکان تھا تو ہندوستان والوں کو خدشہ ہوا کہ اب تو یہ ریزولیوشن پاس ہوکر رہے گا۔تو ان کے مندوب نے کہا کہ انہیں اپنی حکومت سے ہدایت ملی ہے کہ مشورے کے لئے دہلی واپس آؤ۔اس لئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہماری واپسی تک اجلاس ملتوی رکھا جائے۔ہندوستانی مندوب سے یہ سن کر سیکیورٹی کونسل والے بڑے دق ہوئے۔چنانچہ ایک رکن نے صدر کو مخاطب کرکے یہ بھی کہا کہ چند ہی دن ہوئے ہیں جب ہندوستان کے نمائندے نے اپنی بے صبری کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا''کشمیر جل رہا ہے اور سیکیورٹی کونسل بانسری بجارہی ہے''۔ہندوستانی وفد کا یہ جملہ دُہراتے ہوئے اس رکن نے کہا میں باادب ہندوستان کے نمائندے سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کشمیر میں جو آگ بھڑک رہی تھی وہ بجھادی گئی ہے؟اگر نہیں تو اب کون بانسری بجارہا ہے؟ بہرحال ہندوستانی مندوب ہندوستان واپس چلا گیا۔

اجلاس کے التوا کی مدت بڑھتی چلی گئی تو چوہدری محمد علی اور میں نے فیصلہ کیا کہ لندن جائیں اور وہاں معاملے کا کھوج لگائیں۔چوہدری محمد علی صاحب کی رائے تھی کہ اس وقت معاملہ لندن اور دہلی میں زیرِ بحث ہے۔لندن میں ہم نے برطانوی وزیر خارجہ مسٹر ارنسٹ بیون سے ملاقات کی۔اتفاق ایسا تھا کہ جس روز میں گیارہ بجے وزیر خارجہ سے مل رہا تھا اسی دن میری وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی سے اپائنٹمنٹ تھی۔وزیر خارجہ ہماری بات سننے کے بعد کہنے لگے مجھے آپ سے اتفاق ہے اور ہمدردی بھی۔لیکن ہندوستان کے معاملات میں وزیراعظم پر کرپس کا بڑا اثر ہے۔اور وہ اس معاملے میں وزیراعظم کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی کے متعلق مجھے یاد تھا کہ انہوں نے جب قانون آزادی

ہند کا مسودہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا تو اپنی تقریر میں قائداعظم کے متعلق شکوہ کیا تھا کہ انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل منظور نہیں کیا۔مسٹر ایٹلی سے جب میں ملا تو پینتالیس منٹ کی اس ملاقات کے دوران انہوں نے میرے ساتھ ایک بار بھی نظر ملا کے بات نہ کی۔کبھی ادھر جھانکتے کبھی اُدھر جھانکتے۔یہی کہتے رہے کہ فکر نہ کرو ہندوستانی وفد جلد ہی نیو یارک واپس پہنچ جائے گا۔میری ہر دلیل ان پر رائیگاں گئی۔بلکہ مجھے انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم اس قرارداد پر کیوں مصر ہو؟ اور طریقے سے بھی مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔بہرحال میں ناکام واپس لوٹا اور چوہدری محمد علی صاحب کو تفصیل بتادی۔ادھر وزیراعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان کو بھی رپورٹ بھیج دی۔اس طرح لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو وزیراعظم ایٹلی کا چہیتا تھا اس کے ذریعہ کرپس مسٹر ایٹلی پر اثر انداز ہوتا رہا اور برطانیہ کا موقف اس حد تک تبدیل کرا دیا کہ اگر کوئی ریزولیوشن پاس ہو تو وہ ہندوستان کے موقف کے مطابق ہو۔امریکی نمائندے سینیٹر وارن آسٹن بھی اس معاملے پر بڑے سرگرم رہے تھے۔لیکن امریکہ کی یہ پرابلم تھی کہ وہ کامن ویلتھ کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بہت حد تک برطانیہ کے مشورے پر چلتا تھا۔سیکیورٹی کونسل کے باقی آٹھ ارکان اگرچہ اپنی اپنی رائے رکھتے تھے لیکن وہ برطانیہ اور امریکہ کی رائے کو محترم سمجھتے تھے۔گیارہواں رکن روس اس وقت غیر جانبدار تھا۔اگرچہ فلپ نویال بیکر نے کوششیں ترک نہ کیں۔لیکن مسٹر ایٹلی پر ماؤنٹ بیٹن اور سر سیوفرڈ کرپس کا اثر نفوذ کر چکا تھا۔1951ء میں یونائیٹڈ نیشنز کا اجلاس پیرس میں ہو رہا تھا۔مسٹر نویال بیکر کا پیرس سے گزر ہوا تو وہ مجھے ملنے آئے۔کشمیر کا ذکر چھڑا تو کہنے لگے میں نے ہندوستانی وفد کے سربراہ سرگوپالا سوامی اور ان کے معاون سرگرجا شنکر واجپائی کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ نہرو کو قرارداد منظور کرنے پر رضامند کریں۔انہوں نے وعدہ کیا بلکہ یقین دلایا کہ ان کی کوششیں بارآور ہوں گی کہ اتنے میں مجھے ایٹلی کا وہ منحوس تار ملا جس نے سارے معاملے کو بگاڑ دیا۔اور مجھے اس کی یہ سزا ملی کہ ایٹلی نے کامن ویلتھ کی وزارت سے ہٹا کر بجلی اور ایندھن کا وزیر بنا دیا اور بعد میں وہاں سے بھی چلتا کیا۔یہ ٹھیک ہے کہ یواین او میں مجھے کشمیر کے حالات بیان کرنے میں بہت سارا وقت صرف کرنا پڑتا تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان کی طرف سے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی تھی۔لیکن یہ بات غلط ہے کہ بعض ممبران اس دوران سو جاتے تھے۔سوال: یا اٹھ کر چلے جاتے تھے؟ جواب: یا اٹھ کے چلے جاتے تھے۔یہ بات غلط ہی نہیں بلکہ بروئی صاحب بھی جانتے ہیں کہ یہی غلط ہے۔سوال: انہوں نے پھر یہ قصداً کہا؟ جواب: ہاں ظاہر ہے وقت کے لحاظ سے انہوں نے چلنا ہوتا ہے۔سوال: وہ کیسے جانتے ہیں کہ بات غلط ہے۔چوہدری صاحب کا جواب ہے بعد میں میرے کولیگ رہے ہیں اب بھی ملتے ہیں تو منہ پر میری آسمان تک تعریف کریں گے۔پیچھے سے یہ کہتے ہیں۔ابھی ائیر پورٹ پر ان سے ملاقات ہوئی کہنے لگے میری جان! اتنے عرصے سے آپ کہاں تھے؟ (بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 27 اگست 2019ء)

چوہدری ظفراللہ خان صاحب کا بحیثیت وزیر خارجہ تقرر۔ایک سازش؟

ڈاکٹر مرزا سلطان احمد

مورخہ 10 اکتوبر 2017 کو کیپٹن (ریٹائرڈ) صفدر صاحب نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں ایک تقریر کی۔موجودہ حالات کے دباؤ کی وجہ سے غالباً وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھے کیونکہ بے ربط ہونے کے علاوہ اس تقریر

میں وہ کئی ایسی باتیں بھی کہہ گئے، جن کے متعلق وہ خود بھی محسوس کر رہے ہوں گے کہ وہ نہ ہی کہتے تو بہتر تھا۔ بہر حال یہ تقریر قومی اسمبلی میں کی گئی تھی اور پورے ملک کے الیکٹرانک میڈیا نے اسے نشر کیا تھا، اس لئے اس کے کئی حصوں پر تبصرہ کرنا اور حقائق پیش کرنا ضروری ہے۔اس تحریر میں ان کے اس حصے پر تبصرہ کیا جا رہا ہے، جس میں انہوں نے کہا

"سازشیوں نے مل کر سر ظفر اللہ آف سیالکوٹ کو فارن منسٹر بنایا۔"

خدا جانے صفدر صاحب کس رو میں یہ عجیب الخلقت بیان دے بیٹھے۔کیا وہ نہیں جانتے کہ اس وقت ملک کے گورنر جنرل اور مسلم لیگ کے صدر بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے اور وزیرِ اعظم لیاقت علی خان صاحب تھے۔ظاہر ہے کہ کابینہ میں کس کو کس عہدے پر مقرر کرنا ہے اس کا فیصلہ ان دونوں قائدین نے ہی کرنا تھا۔کیا کیپٹن (ر) صفدر صاحب ان دونوں کو سازشی قرار دے رہے ہیں۔اس بات پر حیرانی ہوتی ہے کہ اس قسم کی تقریر سن کر ممبران اسمبلی ڈیسک بجا بجا کر داد دے رہے تھے۔ویسے تو کوئی بھی معقول شخص اس لغو دعوے کی تائید نہیں کر سکتا لیکن کیا صفدر صاحب یہ نہیں جانتے کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد قائدِ اعظم نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے بھجوایا تھا۔اور اس وقت فلسطین کا اہم مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش ہو رہا تھا اور جب اقوام متحدہ میں پاکستان کے سفارتکار اصفہانی صاحب نے قائدِ اعظم سے درخواست کی کہ ابھی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو وہاں سے واپس نہ بلایا جائے تو قائدِ اعظم نے انہیں لکھا

"As regards Zafrullah, we do not mean that he should leave his work so long as it is necessary for him to stay there….but naturally we are very short here of capable men, and especially of his calibre, and every now and then our eyes naturally turn to him for various problems that we have to solve."

(Jinnah Papers vol 6,p 165)

ترجمہ: جہاں تک ظفر اللہ کا تعلق ہے تو ہمارا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اُس وقت اپنا کام چھوڑ کر آ جائے جب اس کا وہاں ٹھہرنا ضروری ہو۔۔مگر قدرتی بات ہے کہ یہاں ہمارے پاس خاص طور پر اس کے پائے کے قابل آدمیوں کی شدید کمی ہے۔اور جب بھی ہمیں کسی مسئلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے حل کرنے کے لئے ہماری نظریں قدرتی طور پر اُس کی طرف اُٹھتی ہیں۔

جب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اقوامِ متحدہ سے واپس پاکستان پہنچے تو قائدِ اعظم نے تفصیلی طور پر اُن سے ملاقاتیں کیں اور ان کی کارکردگی کا جائزہ لیا اور اصفہانی صاحب کو لکھا

"Zafrullah is back and I had long talks with him.Yes he has done well."(Jinnah Papers Vol 6,p403)

ترجمہ: ظفر اللہ واپس آ گئے ہیں۔میں نے ان سے طویل ملاقاتیں کی ہیں۔ہاں! اس نے اچھا کام کیا ہے۔یہ خط 11 ستمبر 1947 کو لکھا گیا تھا۔اور اس کے دو ہفتہ کے بعد قائدِ اعظم نے خود چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے وزارتِ خارجہ کا حلف لیا۔تو صفدر صاحب غور فرمائیں کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو وزیر خارجہ بنانے کا پس منظر تو یہ تھا کہ قائدِ اعظم کے نزدیک پاکستان میں ان کی قابلیت کے آدمیوں کی شدید کمی تھی اور جب بھی پاکستان کو کوئی مسئلہ پڑتا تھا تو اس کو حل کرنے کے لئے نظریں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی طرف اُٹھتی تھیں۔حقیقت تو یہ

ہے کہ صفدر صاحب قائدِاعظم پر پاکستان کے خلاف سازش کرنے کا الزام لگا رہے ہیں۔اور قائدِاعظم ایک طویل عرصہ سے چوہدری ظفراللہ خان صاحب سے بخوبی واقف تھے۔1939 میں جب چوہدری ظفراللہ خان صاحب وائسرائے کونسل میں وزیر تھے تو قائداعظم نے مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے آپ کے متعلق فرمایا تھا۔

▪ اس موضوع پر مزید کچھ کہنے سے قبل میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر ظفراللہ خان کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہیے کہ میں گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں۔مختلف حلقوں نے اُن کو جو مبارک باد دی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ امکانی حد تک ہوسکتا تھا انہوں نے اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔''

(ہماری قومی جدوجہد جنوری 1939 سے دسمبر 1939 تک،مصنفہ عاشق حسین صاحب بٹالوی،پاکستان ٹائمز پریس لاہور۔ص76)

ہماری صفدر صاحب سے گذارش ہے کہ ذرا روشنی ڈالیں کہ یہ کس کی سازش تھی؟

حضرت چوہدری صاحبؓ کی اوّلیت

(1) پہلے احمدی اور ہندوستانی جس نے ''لنکز اِن'' سے ایل ایل بی کے امتحان میں یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔(2) جماعت احمدیہ لاہور کے امیر۔(3) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ مسلسل سات سال تک اس عہدہ کے فرائض سرانجام دینا بھی ایک ریکارڈ ہے۔(4) اقوام متحدہ میں پہلے پاکستانی وفد کے قائد (5) پہلے فرد جنہوں نے اقوام متحدہ میں مسلسل سات گھنٹہ تقریر کا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔(6) اردن کا اعلیٰ ترین اعزاز'' ستارہ اردن'' حاصل کرنے والے پہلے پاکستانی (7) عالمی عدالت انصاف کے پہلے پاکستانی جج نائب صدر اور صدر (8) اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پہلے پاکستانی صدر (9) پہلے فرد جنہوں نے اقوامِ متحدہ اور عالمی عدالتِ انصاف دونوں کی سربراہی کا اعزاز حاصل کیا۔ (10) عالمی عدالت انصاف کے پہلے ایشائی صدر (11) اقوامِ متحدہ کے پہلے صدر جن کے دور میں سالانہ اجلاس کا ایجنڈا بروقت ختم ہوگیا۔(12) قدرتِ ثانیہ مظہر رابع کی پہلی بیعت کرتے وقت سب سے پہلا ہاتھ جو حضور کے ہاتھوں میں آیا۔وہ حضرت چوہدری صاحب کا تھا۔(13) پہلے احمدی جو ظاہری لحاظ سے خاندان سلسلہ احمدیہ میں نہ ہونے کے باوجود بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں دفن ہیں۔(14) حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے واحد صحابی جنہوں نے یہ تمام اعزازات حاصل کئے۔(بحوالہ رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء)

اعترافِ حقیقت۔ظفراللہ خان کی خدمات پر غیروں کی گواہیاں

(1) یہودی اکابر سر محمد ظفراللہ خان کی اعلی قابلیت سے مرعوب تھے۔نوائے وقت کے ایڈیٹر جناب حمید نظامی نے 1954ء میں اپنے غیر ملکی سفر کی ڈائری لکھی جو نوائے وقت ونڈے میگزین 2001ء میں ''خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔آیئے اس کا ایک وقت پڑھتے ہیں۔جناب حمید نظامی 11 مئی 1954ء کے دن کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''صبح آٹھ بجے ہوائی جہاز پیرس سے اڑا اور پونے دو بجے میونخ پہنچا۔ایک یہودی اس جہاز میں وی آنا جا رہا تھا۔اُس شخص نے بتایا کہ میں 16 برس پہلے نازیوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ویانا بھاگا تھا۔۔۔۔۔مذکورہ بالا یہودی کوئی عالم تھا اور سیاسی آدمی۔چوہدری ظفراللہ خان کی سخت مذمت کرتا تھا مگر اُن کی قابلیت کا بے حد

مدّاح تھا۔وی آنا پریس اسمبلی میں ایک اسرائیلی اخبار کا ایڈیٹر بھی آیا ہوا تھا۔یہ شخص بھی چوہدری ظفراللہ خان کو بُرا بھلا کہتا تھا مگر یہ بھی کہتا تھا کہ یواین او کے ممبر عرب ملکوں میں قابلیت کے لحاظ سے کوئی شخص چوہدری ظفراللہ خان کا پاسنگ نہیں۔‘‘(نوائے وقت سنڈے میگزین 25 فروری 2001ء صفحہ 4) **(2) بھارت کے مشہور غیر مسلم صحافی سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون کا بیان۔** چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کے حالات اور ان کے کیریکٹر سے جولوگ واقف ہیں وہ اقرار کریں گے کہ جہاں تک مذہبی خیالات کا سوال ہے پاکستان کی وزارت تو کیا دنیا کے تمام ممالک کی وزارتیں بھی ان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ اپنے خیالات کو چھوڑ دیں۔(اخبار ریاست دہلی (26 مئی 1952ء) **(3) مصری لیڈر السید مصطفیٰ مومن کا بیان۔** مصر کی وفد پارٹی کے ایک راہنما اور شعوب المسلمین کے مندوب السید مصطفیٰ مومن نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ چوہدری ظفراللہ خان کی خدمات صرف پاکستان کے وزیر خارجہ کی نہیں بلکہ آپ مشرق وسطی اور بالخصوص مصر اور عرب دنیا کے بھی وزیر خارجہ ہیں۔وہ بہت بڑے مدبر ہیں انہوں نے اقوام متحدہ میں تیونس، مراکش، ایران اور مصر کی حمایت کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔چوہدری صاحب پر حملہ پوری اسلامی دنیا پر حملہ ہوگا۔**(4) چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان کا بیان۔** چوہدری محمد ظفراللہ خان کے عہدہ وزارت کی خارجہ پالیسی کی نسبت چوہدری محمد علی صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان کا بیان ہے کہ:۔عالم اسلام کی آزادی استحکام،خوشحالی اور اتحاد کیلئے کوشاں رہنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک مستقل مقصد ہے۔حکومت پاکستان کا ایک اولین اقدام یہ تھا کہ مشرق وسطیٰ کے ملکون میں ایک خیر سگالی وفد بھیجا گیا۔پاکستان نے فلسطین میں عربوں کے حقوق کو اپنا مسئلہ سمجھا اور اقوام متحدہ میں پاکستان کے وزیر خارجہ ظفراللہ خاں اس کے فصیح ترین ترجمان تھے۔علاوہ ازیں انڈونیشیاء ملایا،سوڈان، لیبیاء تونس،مراکش، نائیجیریا اور الجزائر کی آزادی کی مکمل حمایت کی گئی۔مغربی ایریان کے مسئلے پر پاکستان نے انڈونیشیا کا پورا ساتھ دیا۔کئی مسلم ملکوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے گئے اور ثقافتی ارتباط کا انتظام کیا گیا ہے۔موتمر عالم اسلامی کی تنظیم عمل میں لائی گئی۔1949ء میں کراچی میں بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں 18 مسلم ملکوں کے نمائندے شامل ہوئے تھے۔کانفرنس نے اتفاق رائے سے اسلامی ایوان ہائے صنعت وتجارت کا بین الاقوامی وفاق قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔(ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی صاحب مترجمہ بشیر احمد صاحب ارشد۔ناشر مکتب کارواں کچہری روڈ لاہور طبع ثانی 1972ء مسعود پرنٹرز لاہور صفحہ 445)اسی کتاب میں انہوں نے چوہدری محمد ظفراللہ خاں کی خدمات کشمیر کا تذکرہ بایں الفاظ کیا ہے:۔سلامتی کونسل نے 15 جنوری 1948ء کو ہندوستان کی شکایت اور پاکستان کے جواب کی سماعت شروع کی۔ظفراللہ خاں نے مقدمہ کی ایسی اعلیٰ وکالت کی کہ سلامتی کونسل کو یقین آ گیا کہ مسئلہ محض کشمیر سے نام نہاد حملہ آوروں کو نکال دینے کا نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان کا نمائندہ اسے باور کرانا چاہتا تھا بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے تعلقات کو منصفانہ اور پرامن اساس پر استوار کیا جائے اور تنازع کشمیر کو ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے۔‘‘(ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی صاحب مترجمہ بشیر احمد صاحب ارشد۔ناشر مکتب کارواں کچہری روڈ لاہور طبع ثانی 1972ء مسعود پرنٹرز لاہور صفحہ 630)

(5) اخبار زمیندار لاہور (29 فروری 1952ء) کا بیان۔ قاہرہ 27 فروری۔سر محمد ظفراللہ وزیر خارجہ پاکستان نے کل علی ماہر پاشا

وزیراعظم مصر سے ملاقات کی۔ وزیراعظم مصر سے وزیرخارجہ پاکستان کی دوسری ملاقات تھی۔ سرظفراللہ خان حکومت مصر کے مہمان کی حیثیت سے قاہرہ میں مقیم ہیں۔آپ خیرسگالی کے دورہ پر مصر آئے ہیں۔ سلامتی کونسل میں پاکستان کے متبادل نمائندے محمد اسد نے الگ تیس 30 منٹ تک وزیراعظم سے ملاقات کی۔ سرظفراللہ خاں نے عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل غازی عبدالرحمان عظام پاشا کے ساتھ لنچ کھایا اور بعد دوپہر آپ نے پاکستانیوں کے اجتماع میں شرکت کی۔ عربی کے بہترین مصنف شیخ محمد ابراہیم نے ایک دستی لکھا ہوا قرآن مجید سرظفراللہ خاں کو پیش کیا۔ سرظفراللہ خاں جمعرات کو قاہرہ سے بذریعہ طیارہ کراچی روانہ ہوجائیں گے۔(اخبار وزمیندار لاہور(29 فروری 1952ء)

عراق کے نائب سفیر کی طرف سے حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ کی خدمات کا اعتراف۔عراق کے نائب سفیر متعینہ پاکستان السید عبدالمہدی العثیر نے پاکستان کے یوم آزادی کے موقع پر 14 راگست 1953ء کو ریڈیو پاکستان سے اہل پاکستان کے نام ایک پیغام نشر کرتے ہوئے فرمایا کہ عراق پاکستان کی اس جدوجہد کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا جو اس نے اقوام متحدہ میں متعدد عرب مسائل کی تائید میں کی ہے۔ موصوف نے کہا کہ پاکستان کے وزیرخارجہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے اس سلسلے میں وہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ جس نے اہل عراق کے دل موہ لئے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں انہیں ایک سچا اور حقیقی دوست ملا ہے۔آپ نے بے مثال جذبے اور کمال دلیری سے ان کے قومی مفاد کی حفاظت کی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام عراقیوں کی قومی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔انہوں نے مزید فرمایا کہ پاکستان اور عراق کے درمیان گہرے اور مستحکم تعلقات قائم ہیں۔ دونوں نے بین الاقوامی حلقوں میں عالمی امن کی سلامتی اور غلام ممالک کے باشندوں کی تحریک آزادی میں ایک دوسرے سے گہرا تعاون کیا ہے۔

(مارننگ نیوز''Morning News'' کراچی 16 راگست 1953ء بحوالہ روزنامہ المصلح کراچی 18 راگست 1953ء صفحہ 3)

پاکستان کے پہلے وزیرخارجہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب۔باؤنڈری کمیشن میں جماعت احمدیہ کے عظیم سپوت حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب نے جو عظیم الشان خدمات سرانجام دیں ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظم نے آپ کو U.N.O. میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کیا اور پھر 25 دسمبر 1947ء کو پاکستان کے پہلے وزیرخارجہ کا قلمدان آپ کے سپرد کیا۔ چنانچہ نوائے وقت لکھتا ہے:۔''قائداعظم نے خوش ہوکر آپ (چوہدری ظفراللہ خان صاحب) کو U.N.O. میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کردیا۔۔۔۔آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں پاکستان کے اس عہدہ پر فائز کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔''(نوائے وقت 24 اگست 1948ء) **عظیم قانون دان سرظفراللہ خان**۔روزنامہ معراج کراچی کے چیف ایڈیٹر محمد ساجد صدیقی صاحب جلد 1 جمعرات 3 محرم الحرام 1406ھ بمطابق 19 ستمبر 1985ء شمارہ 254 میں تحریر کرتے ہیں کہ مسلم لیگ کی صدارت:۔آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے اور 1931ء میں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مقرر ہوئے۔مسلم لیگ کا اجلاس دہلی 26 دسمبر 1931ء کو مسجد فتح پوری کے جیون بخش ہال میں زیرصدارت سرمحمد ظفراللہ خان منعقد ہونا قرار پایا تھا۔لیکن کئی روز سے احراریوں اور کانگریسی علماء نے جلسہ میں رکاوٹ ڈالنے اور چوہدری کو محض احمدی ہونے کی وجہ سے بدنام کرنے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کردیں۔اور آپ کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔اور بالآخر ہال پر قبضہ کرلیا۔جس پر مُسلم لیگ کے ایک سومندوبین خانصاحب نواب علی صاحب کی کوٹھی واقعہ

کیلنگ روڈ نئی دہلی میں جمع ہوئے خان صاحب ایس ایم عبداللہ صدر مجلس استقبالیہ کے خطبہ کے بعد سر مولوی محمد یعقوب صاحب سیکریٹری مسلم لیگ نے لیگ کونسل کے انتخاب کے مطابق چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب سے فرائض صدارت ادا کرنے کی درخواست کی۔اور چوہدری صاحب کرسی صدارت پر بیٹھ گئے۔اور ایک مضبوط اور فاضلانہ خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا۔اس خطبہ میں آپ نے مسلم نقطہ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ملک کے تمام پیچیدہ اور لاینحل مسائل مثلاً وفاق، وفاقی مجالس قانون، مالیات وفاق، حق رائے دہندگی، عدالت وفاق، صوبہ جاتی خود مختاری مسلمانوں کے اساسی حقوق، وغیرہ پر سیر حاصل روشنی ڈالی، اور نہایت صاف اور واضح لفظوں میں مسلمانوں کے مؤقف کی معقولیت مہر نیم روز کی طرح روشن کر دکھائی۔ یہ خطبہ صدارت مسلم لیگ کی تاریخ میں نہایت درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ جسے اسلامی پریس نے بے حد سراہا چنانچہ چند مسلم اخبارت کی آراء درجِ ذیل ہے۔

روزنامہ انقلاب روزنامہ انقلاب اخبار یکم جنوری 1932ء کے پرچہ میں خطبہ صدارت درج کرتے ہوئے لکھا۔

''چوہدری ظفراللہ خان صاحب آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا۔اس میں سیاسیات ہند اور سیاسیات اسلامی کے تمام مسائل پر نہایت سیاست سادگی اور سنجیدگی سے اظہار خیالات فرمایا''۔ **اخبار الامان دہلی** اخبار الامان دہلی 30/دسمبر 1931ء نے لکھا ''جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تجاویز اور اس کے خطبہ صدارت کا تعلق ہے اس میں پوری پوری مسلمانانِ ہند کی ترجمانی کی گئی ہے۔اور اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بروقت مسلمانانِ ہند کی صحیح ترجمانی کرنے میں یہ اجلاس گزشتہ جلسوں سے زیادہ کامیاب رہا۔ وزیر اعظم کے اس تاریخی اعلان پر جو اس نے 2/دسمبر کو گول میز کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا مایوسی کا اظہار یا افسوس کیا گیا ہے۔اور یہ بتایا گیا کہ جب تک وہ مسلمانوں کے فلاں فلاں مطالبات نہ منظور کریں۔اس وقت تک مسلمان محض اعلان سے ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتے۔اس طرح ایک اہم تجویز آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کو متحد کرنے لئے منظور کی گئی جس پر مسلمانوں حتیٰ کہ اہل انگلستان کا لوہا مانے ہوئے ہیں۔ **اخبار انقلاب لاہور** اخبار انقلاب لاہور۔ 13/جولائی 1941ء لکھتا ہے ''سر سموئیل ہور وزیر ہند نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میز کانفرنسوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا انہیں حل کرنے لئے قیمتی اور نتیجہ خیز خدمات سر محمد ظفراللہ خان نے انجام دیں۔ **اخبار سیاست لاہور**۔ جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار سیاست لاہور (19/اکتوبر 1934ء) نے لکھا ہے۔ چوہدری صاحب بارہا مسلمانوں کی طرف سے پنجاب کونسل میں نمائندہ بن کر آئے۔ ایک دفعہ اُن کو اعزاز بلا مقابلہ نصیب ہوا۔کونسل کے اندر مسلمانوں کے عام مفاد کی نمائندگی کرتے رہے۔سائمن کمیشن میں انہوں نے مسلم نمائندہ کی حیثیت سے کام کیا۔مسٹر فضل حسین کی جگہ عارضی طور پر وزیر مقرر ہوئے اور گول میز کانفرنس میں مسلم نمائندہ کی حیثیت سے لئے گئے۔ چوہدری صاحب نے جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی خدمت کی وہاں ہمیشہ مفاد ملت کا خیال رکھا کسی بھی موقع پر ان کے کسی بدترین دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ انہوں نے قادیانیت کو مفادِ اسلام پر ترجیح دی۔ انہوں نے لندن میں اپنا اور مسلمانوں کا نام روشن کیا۔مسٹر آغا خان اور دوسرے مسلمان ان کی قابلیت، محنت، جانفشانی، اور مفادِ اسلام کے لئے ان کی عرق ریزی کے مداح رہے۔ **اخبار مسلم آواز کراچی** اخبار مسلم آواز کراچی جون 1952ء لکھتا ہے کہ

''سرظفراللہ خاں کے متعلق قائداعظم محمد علی جناح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''ظفراللہ خاں کا دماغ خداوند کریم زبردست انعام ہے''۔

اخبار''شہباز''لاہور۔اخبار''شہباز''لاہور 6رجولائی 1941ء نے لکھا۔''1930ء میں ہندوستانی اصلاحات کے سلسلے میں لندن میں گول میز کانفرس کے اجلاس شروع ہوئے سرمحمد ظفراللہ خاں تینوں گول میز کانفرنسوں اور ہندوستانی اصلاحات سے متعلق دونوں ہی ایوانوں کی مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے مندوب تھے ان کانفرنسوں اور کمیٹی میں آپ نے جو شاندار خدمات سرانجام دیں اُن سے ہندوستان میں اور ہندوستان سے دلچسپی رکھنے والے برطانوی حلقوں میں آپ کی شہرت میں بہت اضافہ ہوگیا۔مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے سپر مین لارڈ لینلیتھگو تھے۔اس کمیٹی میں سرظفراللہ خان نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے انہیں بے حد مقبولیت ہوئی اور انہوں نے برطانیہ کے صفِ اول کے بعض ممتاز ترین مثلاً چمپرلین اور مارکوئیس آف سالبری کے رشتۂ دوستی سے منسلک کردیا۔سرظفراللہ خاں نے انگلستان کے ہوشیار ترین مباحث اور سیاست دان چرچل پر زبردست جرح کی۔مسٹر چرچل کمیٹی کے سامنے شہادت دے کر فارغ ہوئے تو سرظفراللہ خاں سے ازراہ مزاح کہنے لگے آپ نے کمیٹی کے سامنے مجھے دو گھنٹے بہت بری طرح رگیدا ہے۔ بااین ہمہ جب سلطنت برطانیہ بلکہ تمام مہذب دنیا کو شدید خطرہ لاحق ہونے کے پیش نظر سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھنا پڑا تو ان دونوں کے باہم بہترین دوست بن جانے میں سرمحمد ظفراللہ خاں کی جرح کے قائل نہ ہوسکی۔ کی سیاسی موت وحیات کا دارومدار ہے اسی طرح بعض اور مفید ضروری تجاویز منظور ہوئیں اسی طرح خطبہ صدارت میں جس دلیری اور بیبا کی کے ساتھ حکومت کے رویہ کی مذمت کی اور حقوق مسلمین کی وکالت کا حق ادا کیا گیا ہے۔وہ بھی اس اجلاس کی ایک تاریخی خصوصیت ہے۔''

الخیل۔دہلی ۔الخیل دہلی نے اپنے یکم جنوری 1932ء کے پرچہ میں لکھا '' کہ چوہدری ظفراللہ خاں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں جو خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا وہ اپنی نوعیت اور سودمندی کے اعتبار سے وقت کا ایک اہم خطبہ ہے۔اور اس میں مسلم جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے،ہم چوہدری صاحب کے ممنون ہیں کہ آپ نے مسلم جذبات کی سچی وکالت کی اور حکومت اور دنیا کو ایک دفعہ اور متنبہ کردیا کہ اگر مسلمانوں کے حقیقی مطالبات منظور نہ کئے گئے اور انتخاب جداگانہ کے قیام میں پنجاب و بنگال میں مسلم اکثریت کے تحفظ،سندھ کی غیر مشروط علیحدگی اور سرحد کو حقیقی اصلاحات عطا کرنے کی طرف مستورانہ اقدام نہ اٹھایا گیا تو یہاں کوئی آئین کامیاب نہ ہوگا،اور مسلمان ہرگز مطمئن نہ ہوں گے مسلم حقوق کی وکالت کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ بہت درست تھا۔تمام خطبہ آپ کی فاضلانہ اور دلیرانہ جذبات کی ترجمانی ہے ۔آپ نے اس خطبۂ صدارت میں جن گراں قدر خیالات کا اظہار کیا ہے۔حقیقت میں وہی مسلمانوں کے خیالات ہیں اس خطبہ کو پڑھ کر مخالفین کو یقیناً اپنے احتجاجی فعل وعمل پر افسوس ہوا ہوگا اور ہونا بھی چاہئے۔'' الغرض آپ قائداعظم کے ایسے معتمد خاص تھے کہ قائداعظم انہیں اپنا سیاسی فرزند قرار دیتے تھے اور جب کبھی آپ سفارتی فرائض ادا کرنے کے بعد واپس لوٹتے تو قائداعظم ان سے معانقہ فرماتے اور یہ اعزاز کسی اور کو نہیں ملا۔بلاشبہ آپ بہترین وکیل بہترین جج بہترین فلاسفر،بہترین مدبر،اور بہترین مصنف تھے۔آپ اس قدر بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے ۔جن کا احاطہ ممکن نہیں یہ گوہر نایاب وجود ایک بھرپور کامیاب زندگی بسر کرنے کے بعد ہزاروں من مٹی کے نیچے محو استراحت ہے۔جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔مدتوں برسوں۔

بابرکت انتخاب ۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے بطور وزیر خارجہ تقرر کا خیر مقدم

مرزا خلیل احمد قمر

قیام پاکستان کے فوراً بعد 12رستمبر 1947ءکو قائداعظمؒ کے ارشاد پر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں پاکستان وفد کے قائد کی حیثیت سے اقوامِ متحدہ کے اجلاسوں میں شرکت کے لئے نیو یارک تشریف لے گئے جہاں ان دنوں مسئلہ فلسطین زیرِ بحث تھا۔آپ نے عربوں کے کیس کی ایسی ٹھوس اور مؤثر و مدلل وکالت کی ۔کہ عرب مُلکوں کے دل میں پاکستان کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک وقیع مقام مختص ہوگیا۔۔۔۔۔اسی دوران میں انہیں اثاثوں اور کفالتوں کے ٹریبونل میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے واپسی کا پیغام ملا۔توسفیر پاکستان برائے امریکہ جناب حسن اصفہانی نے اپنے 15را کتوبر 1947ء کے خط میں قائداعظمؒ کی خدمت میں لکھا۔سرظفر اللہ خاں نے فلسطین کے مسئلہ پر اقوامِ متحدہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اس طرح وہ پاکستان کو صفِ اوّل میں لے آئے ہیں۔۔۔وہ چلے گئے تو یہاں ہم اُن کی رفاقت اور رہنمائی سے محروم ہوجائیں گے۔

اس خط کے جواب میں بانئ پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے 22را کتوبر 1947ءکو جناب اصفہانی کو لکھا۔''۔۔۔۔جہاں تک ظفر اللہ کا تعلق ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر آجائیں اور جہاں اُن کی ضرورت ہے۔اس کام کو ادھورا چھوڑ دیں اور مجھے یقین ہے انہوں نے یہ بات آپ تک پہنچادی ہوگی۔لیکن بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اہل افراد کی بہت کمی ہے۔اور خصوصاً ان ایسے مرتبہ ومقام کے آدمیوں کی تو بہت ہی کمی ہے۔اس لئے ہوتا یہی ہے کہ جب بھی کوئی اہم مسئلہ حل کرنا ہوتا ہے تو ہماری نظریں لامحالہ اُن کی طرف اُٹھتی ہیں۔''

آپ عہدوں کے بھوکے نہیں۔ اقوامِ متحدہ سے چوہدری صاحب 8ردسمبر 1947ءکو واپس کراچی پہنچے قائداعظمؒ کی خدمت میں اقوامِ متحدہ کے اجلاس کی رپورٹ پیش کی۔اس کے بعد جب آپ نے اپنے واپس بھوپال جانے کا ذکر کیا۔(کہ اُن دنوں موصوف نواب آف بھُوپال سرحمید اللہ کے آئینی مشیر تھے)تو قائداعظمؒ نے فرمایا:''آپ کا ان جھمیلوں سے کب چھٹکارا ہوگا آپ کو علم نہیں کہ مجھے پاکستان کے لئے آپ کی خدمات کی ضرورت ہے۔''اس پر آپ نے جواب دیا کہ۔''اگر آپ کو میری قابلیت اور دیانت وامانت پر پُورا اعتماد ہے تو میں وزارت کے علاوہ کسی بھی اور صُورت میں پاکستان کی خدمت کرنے کو تیار ہوں''اس پر قائد اعظمؒ نے آپ کو یہ تاریخی جواب دیا۔آپ پہلے آدمی ہیں جس نے مجھ سے ایسے جذبات کا اظہار کیا ہے۔مجھے خوب علم ہے کہ آپ عہدوں کے بھُوکے نہیں۔''(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور)

تقرر بطور وزیر خارجہ۔ حسبِ ارشاد چوہدری صاحب قائداعظمؒ سے رُخصت ہوکر لاہور میں وزیر اعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان سے ملے تو انہوں نے آپ کو تین عہدوں (پاکستان کی سپریم کورٹ کی چیف''جسٹس شپ''۔۔۔(۔2)پنجاب کی وزارت علیاء''(3) مرکز میں وزارت دفاع وامورِخارجہ''کا قلمدان)کی پیش کش کی۔۔۔۔نوابزادہ صاحب سے ملاقات کے بعد آپ بھوپال تشریف لے گئے اور وہاں نواب صاحب کے ساری صورت حال گوش گزار کی۔نواب صاحب نے نہ کمال مروّت پاکستان کی ضرورت اور بہبود کو اپنی خوشی اور ضرورت پر ترجیح دیتے ہوئے نہ صرف آپ کو کراچی جانے کی اجازت دے دی۔آپ کے سفر کا بھی شایانِ شان اہتمام فرمایا۔اور آپ 25ردسمبر کو

کراچی پہنچ گئے ۔ جہاں قائداعظمؒ کے یومِ پیدائش کے سلسلہ میں ایک استقبالیہ تقریب تھی اور تمام وزراء پریذیڈنسی میں جمع تھے چوہدری صاحب بھی اس تقریب میں پہنچ گئے ۔اس وقت تک آپ کو اپنے متعلق قائداعظمؒ کے کسی فیصلہ کا علم نہ تھا۔البتہ وزیر اعظم نے اتنا ضرور کہا کہ آج تمہیں حلف لینا ہوگا۔اور پھر قائداعظم کے تقریب میں ورود سے پہلے آپ کو اپنے بائیں طرف بیٹھنے کو کہا۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ آپ دوسرے تمام وزراء سے سینیئر ہوں گے۔اتنے میں قائداعظمؒ وارد ہوئے اور انہوں نے اپنی نشست پر متمکن ہوتے ہی فرمایا۔''اب ظفراللہ خاں وزیر خارجہ کے منصب کا حلف لے گا۔'' چنانچہ: آپ نے قائداعظمؒ کے ارشاد پر 25/دسمبر 1947ء کو پریذیڈنسی میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کے منصب کا حلف اُٹھایا۔

انتخاب کا خیر مقدم۔ پاکستان کے جرائدورسائل نے چوہدری صاحب کی قیامِ پاکستان''باؤنڈری کمیشن''اور''مسئلہ فلسطین'' کے سلسلہ میں ۔۔۔۔تاریخی اور یادگار خدمات کے پیشِ نظر قائداعظمؒ کے اس ''انتخابِ لاجواب'' کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔

نہایت پسندیدہ انتخاب۔ انگریزی روزنامہ''ڈان'' کراچی نے اپنی 30/دسمبر 1947ء کی اشاعت میں لکھا''۔۔۔۔یہ انتخاب نہایت پسندیدہ ہے اسے عالم گیر تائید حاصل ہوگی۔اس سے وزارت کی ذہانت اور حکومت کرنے کی اہلیت میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔'' **بہت بڑی ضمانت۔** روزنامہ''احسان''(لاہور) نے اپنی 30/دسمبر 1947ء کی اشاعت میں لکھا''۔۔۔۔چوہدری صاحب کو معاملات خارجہ اور ریاستی تعلقات کا محکمہ سونپا گیا ہے۔۔۔۔پچھلے دنوں یو۔این۔او میں رئیس وفد کی حیثیت سے انہوں نے جو کام کیا ہے وہ اس کام کی بہت بڑی ضمانت ہے کہ معاملات خارجہ کی اہم اور نازک ذمہ داری کو سنبھالنے کی صلاحیت اُن میں پوری طرح موجود ہے۔ **آئینی قابلیت اور سیاسی تدبّر۔** اخبار ''طاقت'' لاہور نے لکھا۔۔۔۔۔۔۔''اتحادی قوموں کی اسمبلی کے اجلاس میں پچھلے دنوں چوہدری ظفراللہ خاں نے پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے اپنی آئینی قابلیت اور سیاسی تدبّر کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔اس کو دیکھتے ہوئے موصوف کو پاکستان کا وزیر خارجہ بنائے جانا چنداں باعث تعجب نہیں ۔واقعہ یہ ہے کہ چوہدری ظفراللہ نے فلسطین کے مسئلہ پر اتحادی قوموں کے اجلاس میں جو معرکتہ الآرا تقریریں کیں ان کی گونج ساری دنیا میں پھیلی اور خاص طور پر عرب دنیا نے چوہدری ظفراللہ خاں کی ان تقریروں پر اتنی داد دی اور وہاں کے اخبارات نے ان پر اتنا لکھا کہ آج موصوف کا نام ہر عربی بولنے والے کی زبان پر ہے اور یوں بھی چوہدری ظفراللہ کی قانونی دانی کا اُن کا سخت سے سخت دشمن بھی معترف ہے اور سفارتی کاموں کا ان کو کافی تجربہ ہے۔چنانچہ انگریزی راج کے زمانہ میں وہ بعض ایسی ہی اہم سیاسی مہموں پر بھیجے گئے۔اور ہمارا خیال ہے کہ اُن کو بین الاقوامی سیاسیات کے نشیب و فراز سے کافی واقفیت ہے۔ ''(لاہور 19/اکتوبر 1985ء صفحہ 6) **دلی خیر مقدم۔** روزنامہ''سفینہ'' لاہور نے قائداعظمؒ کے اس انتخاب کا دلی خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا؛ چوہدری سر ظفراللہ خان کو پاکستان وزارت میں لے لیا گیا اور ان کے سپُرد امورِ خارجہ اور دولتِ مشترکہ کے تعلقات کے محکمے کر دیئے گئے ہم چوہدری صاحب موصوف کی وزارت پاکستان میں شمولیت کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔اُن کی سیاسی فراست اور معاملہ فہمی اس عہدے کے لئے ہر لحاظ سے مناسب ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ادائے فرض میں ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر ثابت ہوں گے چوہدری صاحب بیرونی سیاست کے فہم میں ناقابلِ تردید مرتبہ رکھتے ہیں۔آپ کی قانونی قابلیت مُلک کے داخلہ و خارجہ اُمور میں ہمیشہ قابلِ اعتماد رہی ہے۔ہم حکومتِ پاکستان کو اس صحیح انتخاب پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اور ہمیں توقع ہے کہ وہ مجوزہ نئے وزراء کے انتخاب میں بھی اسی طرح مردم شناسی کا ثبوت دے گی۔ (سفینہ 30 دسمبر 1947ء)

بابرکت انتخاب اور روز نامہ '' انقلاب'' لاہور نے '' چوہدری ظفراللہ خاں کا نیا عہدہ'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل شذرہ سپرد قلم کیا:''

۔۔۔۔۔حکومت پاکستان نے چوہدری ظفراللہ خاں کو وزارت خارجہ پر مامور کر کے حقیقت میں اپنی مردم شناسی کا ثبوت دیا اور تمام حلقوں میں اس تقرر کی تعریف وتحسین کی گئی ہے۔آج پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اس کو بیرونی خطرات اور فساد علائق سے محفوظ کر دیا جائے تا کہ ہمارا ملک امن واطمینان کے ساتھ ترقی وخوشحالی کی منزلیں طے کر سکے۔'' چوہدری ظفراللہ خان کی قابلیت اُن کا تجربہ اور ان کے وسیع تعلقات ہمارے امور خارجہ کے لئے نہایت قیمتی اثاث ثابت ہوں گے۔۔۔۔۔ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ چوہدری صاحب بہت جلد صحیح اصول پر کام شروع کر دیں گے۔اوران کا عہد وزارت پاکستان کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوگا'' (روزنامہ انقلاب لاہور)

عالمی عدالت انصاف کی ججی کے لئے چوہدری محمد ظفراللہ خاں کا انتخاب

پاکستانی پریس کا خراج تحسین

ترتیب: مرزا خلیل احمد قمر

1954ء میں عالمی عدالت انصاف (ہیگ) کے ایک ہندوستانی جج مسٹر بی این راؤ کی وفات سے عدالت مذکورہ میں جونشست خالی ہوئی۔اُسے پُر کرنے کے لئے مختلف ملکوں کیطرف سے جو نام بھجوائے گئے ان میں پاکستان کے فرزند جلیل چوہدری محمد ظفراللہ خاں کا نام نامی بھی شامل تھا۔اُن کا اصل مقابلہ ہندوستان کے نامزد امیدوار مسٹر جسٹس پال سے تھا ۔ہندوستان اس نشست کے لئے سیکورٹی کونسل کے گیارہ ارکان میں سے پانچ کی رائے اپنے حق میں حاصل کر چکا تھا اور اسمبلی کے انتخاب میں دیگر ملکوں سے بھی اپنے نمائندے کے حق میں وعدے حاصل کر چکا تھا اور اس کی طرف سے اس نشست کو جیتنے کے لئے سرتوڑ ہمہ جہتی کوششیں ہو رہی تھیں۔دوسری طرف چوہدری صاحب تمام پاکستانی سفارت خانوں کو یہ ہدایت بھجوائی کہ جو ممالک ہندوستان کے نمائندے کی حمایت کا وعدہ کر چکے ہیں انہیں اپنی رائے بدلنے پر مجبور نہ کیا جائے آخر 7 اکتوبر 1954ء کو انتخاب عمل میں آیا۔چوہدری صاحب کے حق میں سیکورٹی کونسل کے چھ (6) اور اسمبلی کے 33 ارکان نے رائے دی جبکہ مسٹر جسٹس پال کو کونسل کے پانچ (5) اور اسمبلی کے 29 ووٹ حاصل ہوئے۔اور یوں چوہدری صاحب موصوف اس اعزاز کے لئے منتخب قرار پائے چوہدری صاحب کے اس انتخاب واعزاز کا پاکستانی پریس نے جس فراخ دلی اور گرم جوشی سے خیر مقدم کیا آج اس کی ایک اچٹتی سی جھلک (قارئین ''لاہور'' کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے پیش کی جارہی ہے۔

روزنامہ ''جنگ'' (کراچی) پاکستان کے کثیرالاشاعت اُردو روزنامہ ''جنگ'' نے چوہدری صاحب کی کامیابی کا اپنے اداریہ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا:''۔۔۔۔۔بین الاقوامی عدالت کے ایک جج کی جو جگہ سر بنگل راؤ کے انتقال کی وجہ سے خالی ہوئی تھی،اُس پر پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خاں کا انتخاب ہوگیا۔اور اس طرح بھارت کو ایک زبردست شکست اور پاکستان کو ایک شاندار کامیابی حاصل ہوئی بھارت نے اس نشست کو برقرار رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اور اپنے پورے ذرائع سے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی دونوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ کیا اور اس طرح ایک پاکستانی کو وہ اعزاز حاصل ہوسکا جو بلاشبہ قابلِ ناز ہے۔۔۔۔۔ہر چند پاکستانی وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی بین الاقوامی عدالت کی رُکنیت میں کامیابی کسی نہ کسی درجہ میں اُن کی ذاتی کامیابی ہی ہے۔کہ پاکستان نے اس انتخاب کے لئے کوئی بڑی کوشش نہ کی تھی۔۔۔۔۔۔یہ انتخاب جہاں وزیر خارجہ کی صلاحیت کا اعتراف ہے۔پاکستان کی بین الاقوامی ساکھ کے اقرار کی حیثیت بھی رکھتا ہے اور اس لئے اس انتخاب کے نتیجہ کو پاکستان بھر میں دل چسپی اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا اور اس کامیابی پر ہر حلقہ میں اظہار اطمینان کیا جائے گا۔(روزنامہ ''جنگ'' کراچی 10/اکتوبر 1954ء)

روزنامہ مغربی پاکستان لاہور ''اداریہ'' ۔''یہ خبر انتہائی مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے جج منتخب کر لئے گئے ہیں یہ انتخاب ہر لحاظ سے انتہائی مبارک اور مسعود ہے۔سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس انتخاب نے ضمناً یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان کو بین الاقوامی شہرت،عزت اور مقبولیت حاصل ہے اور اس چھوٹے رقبے کی نوزائیدہ سلطنت کو دنیا میں خاصی اہمیت دی جا رہی ہے۔حفاظتی کونسل نے پاکستانی مندوب کو چھ(6) اور بھارت کے مسٹر پال کو پانچ(5) ووٹ دے کر یہ ظاہر کر دیا کہ اقوام عالم میں بھارتی خارجہ پالیسی کو دنیا میں قیام امن اور قیام انصاف کے لئے زیادہ مؤثر نہیں سمجھا جاتا ہے۔اب اس بین الاقوامی عہدے پر فائز ہونے کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ محترم نمائندگی کے ان فرائض سے سبکدوش کر دیئے جائیں گے۔گو یہ اُمید موہوم سی ہے کہ کیونکہ مرکزی حکومت یہ بھی سوچ سکتی ہے کہ''۔چوہدری صاحب ان دونوں عہدوں کا کام کر سکنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔''(روزنامہ ''مغربی پاکستان'' لاہور 10/اکتوبر 1954ء صفحہ 3)

جریدہ ''پاکستان سٹینڈرڈ'' پاکستان مسلم لیگ کے ترجمان جریدہ ''پاکستان سٹینڈرڈ'' نے اپنی 19/اکتوبر 54ء کی اشاعت کے اداریہ میں لکھا۔''۔۔۔۔۔۔ہیگ کی بین الاقوامی عدالت میں جج کے عہدے کے لئے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا انتخاب ہو جانا کوئی ایسی خوش آئند خبر نہیں ہے یہ بات کہ پاکستان نے ایک نہایت مرصع عہدہ ہندوستان کے مقابلہ میں جیت لیا ہے۔ہمارے لئے خوشی منانے کی کافی وجہ قرار نہیں دی جاسکتی پاکستان کو۔۔۔۔۔۔ایسے موقع پر چوہدری محمد ظفر اللہ کاں کے جانے سے جو نقصان ہوا ہے بعض مفاد پرست حلقوں کے نزدیک باعث مسرت ہوسکتا ہے لیکن پورے ملک اور تمام اسلامی دنیا میں اسے شدت سے محسوس کیا جائے گا۔'' اس میں شک نہیں کہ آپ کا انتخاب خود بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے لئے بہت بڑے فائدے کا موجب ہے۔البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چوہدری محمد ظفر الہ خاں بھی اپنی شبانہ روز محنت کی بناء پر آرام کے مستحق تھے آپ کے بعد یقینا کوئی قابل آدمی ہی اس عہدے پر مقرر کیا جائے گا۔۔مگر اُن کا بدل ایک طویل عرصے تک میسر نہیں آسکے گا اور یقینا اُس وقت تک آپ کے بدل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک کوئی شخص آگے نہ آئے جو ان کی طرح ہی بیک وقت ایک بڑا سیاستدان، نامور وکیل عظیم الشان ذہن کا مالک نیز اخلاق کے اعلیٰ اصولوں اور روحانی طاقت اور سیاسی بصیرت کا حامل ہو۔۔۔'' آج جب کہ ہم آپ کی خوش قسمتی کے لئے دعا گو ہیں یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آج کا دن پاکستان کے لئے ایک غمناک دن ہے۔''

اخبار ''مسلمان'' کراچی ۔نے اپنی 9/اکتوبر 1954ء کی اشاعت میں لکھا:''۔۔۔۔۔۔بین الاقوامی عدالت کے سابق جج ''بی۔این۔راؤ'' کی وفات سے عدالت مذکور میں جو جگہ خالی ہوئی تھی اُس کے لئے پاکستان اور بھارت کے اُمیدواروں کے درمیان پچھلے چند ہفتوں سے زبردست رسہ کشی جاری تھی۔یہاں یہ کہہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بھارت اپنے اُمیدوار کی کامیابی پر بہت مطمئن بھی تھا لیکن بھارت کی

ساری خوش گوار توقعات اور سیاسی جوڑ توڑ ناکام ہو کر رہ گئے۔جبکہ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں خفیہ رائے شماری کے ذریعہ زیر بحث جج کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔اور پاکستان کے وزیر خارجہ اپنے حریف کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے اگرچہ پاکستانی نمائندہ چوہدری ظفراللہ خان کا انتخاب سخت کش مکش کے بعد عمل میں آیا۔لیکن یہ ایک ایسی کامیابی ہے جس کے پس منظر میں بھارت اور پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔آج بین الاقوامی رائے عامہ میں پاکستان نے کافی اہمیت حاصل کر لی ہے اور بتدریج ایک ممتاز مقام کا حامل بھی بن چکا ہے۔ بین الاقوامی عدالت کے لئے پاکستانی نمائندہ چوہدری ظفراللہ خان انتخاب براہِ راست چند اہم سیاسی نتائج کا علمبردار ہوگا۔یہ سیاسی نتائج مستقبل قریب میں اہم اور نتیجہ خیز ثابت ہوں گے۔چوہدری ظفراللہ خاں کی کامیابی بلاشبہ پاکستان کے عالمی وقار اور امن پسند حکمت عملی کی کھلی ہوئی ضمانت ہے۔ہمیں خوشی ہے کہ بین الاقوامی انتخاب کے دشوار گزار مرحلوں میں پاکستان کو شاندار کامیابی حاصل ہوگئی۔اور اس طرح پاکستان نے عالمی رائے عامہ میں اپنی سیاسی انفرادیت کو زبردست عددی اکثریت کے ساتھ پھر ایک بار منوالیا۔بین الاقوامی عدالت کے جج کا انتخاب دراصل ایک ایسا اعزاز ہے جس کے پس منظر میں منتخب ہونے والے نمائندے کے عظیم وطن کی سیاسی اہمیت۔انسانیت کی رواداری اور امن پسندی کے عناصر جھلکتے ہیں۔جہاں اس انتخاب پر ہمیں خوشی ہے وہیں اس بات کا افسوس بھی ہے کہ۔۔۔۔پاکستان ایک بہترین سیاست دان اور بین الاقوامی عظیم شخصیت کے تدبر اور اس کی خدمات جلیلہ سے محروم ہو رہا ہے۔چوہدری ظفراللہ خاں سے اُن کی وزارت کے دوران بعض مسائل کے ضمن میں اختلاف رونما ہوتے رہے ہیں اور بعض انتہا پسند مذہبی جماعتوں نے چوہدری صاحب موصوف کو وزارتِ خارجہ سے ہٹا دینے کا مطالبہ بھی کیا تھا لیکن ہم شخصی اور مذہبی تصورات اور رجحانات کی اساس پر کسی وزیر کی علیحدگی کے قائل نہیں ہیں اگر پاکستان اس حکمت عملی پر کاربند ہو جاتا تو بلاد اسلامیہ اور اقوامِ عالم میں پاکستان کے عوام کے اندازِ فکر کی کوتاہی اور پاکستان کی متعصّبانہ روش خود اس ملک کے وقار اور نیک نامی کو تباہ کر دینے کا موجب بن جاتی۔ایسے نازک مرحلہ پر پاکستان کی قیادتِ اعلیٰ نے حالات کی روک تھام کی اور چوہدری صاحب کو برسرِ اقتدار رکھا۔اس حقیقت سے انکار نہیں کرنا چاہئے کہ۔۔۔۔۔۔ایک تجربہ کار عملی سیاست دان کی حیثیت سے اقوامِ متحدہ کے ایوان میں کشمیر اور فلسطین کے متعلقہ کیس میں چوہدری صاحب نے جو غیر معمولی ذہانت خداداد اور زورِ خطابت دکھایا ہے وہ اقوامِ متحدہ کی تاریخ میں ناقابلِ فراموش باب ہے۔کہا جا رہا ہے کہ چوہدری ظفراللہ خان نے امورِ خارجہ اور بین الاقوامی معاملات میں پاکستان کی کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی لیکن یہ ایک مبالغہ آمیز جھوٹ ہے۔آج پاکستان امن پسند اور آزاد دنیا کا ایک اہم اور بنیادی ملک بن چکا ہے ظاہر ہے پاکستان کا یہ مؤقف اس خارجہ حکمت عملی ہی کا رہین منت ہے جس کا ہیولہ چوہدری ظفراللہ خاں نے تیار کیا تھا۔ **ماہنامہ ''ریاض''**۔پاکستان کے مشہور مؤرخ مولانا رئیس احمد جعفری نے جو دوسو (200) سے زائد کتب کے مصنف ہیں نے اپنے رسالہ ماہنامہ ''ریاض'' میں ''بین الاقوامی عدالتِ عالیہ کی جج'' کے زیرِ عنوان لکھا۔۔۔۔۔چوہدری ظفراللہ خاں سر بنگل راؤ کی جگہ بین الاقوامی عدالتِ عالیہ کے جج منتخب ہو گئے ہیں۔یہ انتخاب ہر اعتبار سے مسرت افزاء ہے۔ہم اس اعزاز پر چوہدری صاحب کو دلی مبارک باد دیتے ہیں۔وہ اس منصب پر پہنچ گئے جو ہر اعتبار سے ان کے شایانِ شان ہے۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے چوہدری صاحب نے پاکستان کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔بڑے کٹھن اور نازک مواقع پر انہوں نے اپنی خطابت۔قوت استدلال اور قانونی موشگافیوں کے ایسے جوہر دکھائے ہیں کہ مخالفین بھی عش عش کر اُٹھے ہیں اور داد دینے پر مجبور ہو گئے۔چوہدری صاحب ذاتی اعتبار سے بھی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ہمارے جو اربابِ کار اسلامی آئین کا نعرہ بلند کرتے رہتے ہیں۔وہ ابھی تک وضع

اسلامی بھی نہیں اختیار کر سکے ہیں۔اس کے برعکس چوہدری صاحب اُس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جسے عام طور پر گمراہ بلکہ کافر کہا جاتا ہے لیکن یہ گمراہ اور کافر شخص بغیر شرمائے ہوئے داڑھی رکھتا ہے اور اقوامِ متحدہ کے جلسوں میں علی الاعلان نماز پڑھتا ہے۔جھمپیر کا قیامت خیز ریلوے حادثہ جب رونما ہوا تو یہ شخص اپنے سیلون میں نماز پڑھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ہم چوہدری صاحب کی کامیابی کے لئے دل سے متمنی ہیں۔ہماری دعا ہے کہ وہ اس شاندار منصب کی روایات میں شاندار اضافہ کا موجب ہوں۔اور ہمیں یقین ہے کہ ضرور ایسا ہی ہوگا۔''(ماہنامہ ''ریاض نومبر 1954ء)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا قلمی خاکہ۔خواجہ حسن نظامی دہلی

رسالہ ''منادی'' (دہلی) کے مالک ومُدیر برِّصغیر کے ممتاز انشاء پرداز خواجہ حسن نظامی 1934ء میں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا خاکہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ' دراز قد اور بھاری جسم۔عمر چالیس سال سے زیادہ۔گندمی رنگ۔چوڑا چکلا چہرہ ۔فراخ چشم۔فراخ عقل،فراخ علم۔قوم مسلمان عقیدہ قادیانی۔۔چُپ رہتے ہیں،اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر اور بہت احتیاط کے ساتھ پُورا تول کر بولتے ہیں۔سیاسی عقل ہندوستان ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔وزیر اعظم۔وزیر ہند اور وائسرائے اور سب انگریز اُن کی قابلیت کے مدّاح ہیں۔اور ہندو لیڈر بھی بادلِ نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے۔مگر بڑا ہی دانشمند حریف ہے اور بڑا ہی کارگر حریف ہے۔۔گول میز کانفرنس میں ہر ہندو۔ہر مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ۔۔۔''مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے۔جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا۔اور نئے زمانے کے پیچیدہ پالٹیکس کو سمجھتا ہے۔تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے۔ظفر اللہ خاں ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے۔''

(منادی۔دہلی 24/اکتوبر 1934ء بحوالہ ہفتہ وار لاہور ایڈیٹر ثاقب زیروی جلد 34 نمبر 37 مورخہ 14 ستمبر 1985ء)

حضرت چوہدری صاحب کے آخری لمحات

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ذاتی معالج ڈاکٹر وسیم احمد صاحب سے انٹرویو

چار پانچ سال پہلے کی بات ہے ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر میں نے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو دیکھا تھے اور ان کے واقعات میرا ان سے باتیں کر رہے تھے،مصافحہ کر رہے تھے۔یہ نظارہ دیکھ کر میرے دل میں بڑی شدّت اور حسرت سے خیال پیدا ہوا اتنے عظیم آدمی اور اتنے بڑے بزرگ کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں کاش میں بھی کبھی ان سے مل سکتی ہوں ساتھ بیٹھ سکوں۔اور پھر یہ خواہش عجیب رنگ میں پوری ہوئی سال کے لگ بھگ مجھے حضرت چوہدری صاحب کا ذاتی معالج رہنے کی سعادت حاصل ہوئی تقریباً روزانہ ہی حضرت چوہدری صاحب سے ملاقات کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور آپ کے ساتھ باتیں کرتا کچھ وقت گزارتا۔

یہ الفاظ ہیں مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب کے جن کو حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی آخری بیماری میں دو سال تک ذاتی معالج رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔اور جن کی محنت کا جوس اور حضرت چوہدری صاحب کے علاج میں والہانہ توجہ کے وہ سب لوگ شاید ہیں جو حضرت

چوہدری صاحب کے آخری ایام میں آپ کے ساتھ رہے۔کئی کئی راتیں آپ نے جا کر مادری اور علاج میں گزاریں اور رات ہو یا دن کوئی وقت ہو آپ کوفون کیا جاتا اور ڈاکٹر وسیم صاحب فوراً حاضر ہوجاتے۔ڈاکٹر وسیم احمد صاحب فیصل آباد کے رہنے والے ہیں ان کے والد محترم کا نام ڈاکٹر ممتاز احمد ہے۔ان کے داد حضرت بانی سلسلہ کے رفیق تھے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم فیصل آباد میں حاصل کی اور ایم بی بی ایس 1970 میں ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی سے کیا اور 1979 میں انگلینڈ سے سرجری کی اعلی ڈگری ایف آر سی ایس حاصل کی۔انگلینڈ میں بعض مقامات پر سرجری کی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر سرجری تعینات ہوئے وہی اور ایسوسی ایٹ پروفیسر سجر کام کررہے ہیں۔ڈاکٹر وسیم صاحب نے بتایا کہ جب حضرت چوہدری صاحب انگلستان سے مستقل قیام کی غرض سے پاکستان آئے تو پہلے دن سے ہی بیمار تھے ائیر پورٹ پر اترتے وقت آپ کوفون اور سینے میں درد کی تکلیف تھی۔آپ کی آمد کے ایک دن بعد مکرم شریف جنجوعہ صاحب کے توسط سے مجھ حضرت چوہدری صاحب کے ذاتی فیشن کے طور پر خدمات بجالانے کی سعادت ملی۔ایک سال دس ماہ قبل یعنی نومبر 1983 میں مجھے حضرت چوہدری صاحب کو پہلی دفعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا آپ کو بخار الصلوۃ تھا جس ایسے چھاتی میں درد تھا میں نے ان کا ای سی جی بھی کروایا یہ کے مطابق تھا۔یعنی ان کو دل کی تکلیف نہیں تھی۔چوہدری صاحب ہمیشہ مجھے کہا کرتے تھے کہ میرا دل بہت مضبوط ہے۔میں نے بھی کبھی ان کے دل میں کوئی بیماری محسوس نہیں کی۔حضرت چوہدری صاحب نے لندن سے ساتھ لائے ہوئے کاغذات اپنے طبی امور کے بارے میں ہائے سے بھی اور میرے ذاتی مشاہدہ کی رو سے جو معلوم ہوا وہ یہیں تھا کہ ان میں خون کی بڑی کمی تھی۔چنانچہ میں نے دو سال کے عرصے میں ان کوخون کے 50 یا 60 بوتلیں لگوائیں اس ضمن میں لاہور کی مجلس خدام الاحمدیہ نے شاندار خدمات انجام دیں۔خدا میں بڑے ذوق وشوق سے اپنی جماعت کے اس قیمتی وجود کے لئے خون دینے آئے اور بعض ایسے بھی ایک بات تھے جنہوں نے ایک سے زائد بارفون پیش کیا۔مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے دیگر انتظامات اور ڈیوٹیاں جو حضرت چوہدری صاحب کی صحت ایک بال کے لئے انہوں نے دی یہ سارے انتظامات نے قابل اور اعلیٰ تھے کہ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔۔

ڈاکٹر وسیم صاحب نے بتایا کہ حضرت حاجی صاحب کوخون کی کمی کے علاوہ پرانی شعبے کی تکلیف تھی جس کی وجہ سے فیل تھا جو آخر کار ختم ہوکر رہ گیا۔ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ دو سال کے عرصے میں دو تین بار صاحب بڑے سنگین طور پر بیمار ہوئے مگر ہر بار اللہ نے فضل کیا اور صحت عطا فرمائی۔ایک مرتبہ ایرکان ہوگیا۔ایک بار گردوں نے بالکل کام چھوڑ دیا۔ایک دفعہ گردوں کی یہ کیفیت ہوئی کہ انتہائی کثرت سے پیشاب آنے لگا جس کی وجہ سے جسم میں پانی کی کمی ہوگی صحت یاب ہوگئے۔حضرت چوہدری صاحب کی آخری بیماری کے بارے میں وسیم صاحب نے بتایا 24 لائیں تو چوہدری صاحب پر برانکل نمونیا کا حملہ ہوا علاج جاری تھا کہ بلڈ پریشر بہت کم ہوگیا کمزوری کی وجہ سے حضرت چوہدری صاحب پر بے ہوشی طاری ہوگئی اس دوران ایک روز حالت اتنی خراب ہوگئی کہ معلوم ہوتا تھا آخری وقت ہے لیکن پھر ہوش میں آگئے اور حالات رفتہ رفتہ بہتر ہوتی ہے تا کہ مجھے امید تھی دن میں حالات معمول پر آجائے گی۔اس کے بعد نیم بے ہوشی اور خود فراموشی کی کیفیت جاری رہی خراک مسلسل نالی کے ذریعے پہنچائی جاتی رہی اچانک کمزور ہوگیا۔جس کی وجہ سے پیشاب بہت آنے لگ گیا ہفتہ کے ایک دن میں 8 لیٹر تک پیشاب آتا رہا۔وفات سے پہلی رات تقریباً بجے کے قریب پیشاب کی مقدار میں زبردست کمی واقع ہوگی۔پیشاب نہ آنے کے برابر ہوگیا۔

نصف گھنٹے کے بعد بلڈ پریشر 70 بٹا40 رہ گیا۔اعلان سے بلڈ پریشر معمولی بڑا پھرا چانک ہی سفر ہو گیا اور نبض ڈوب گئی۔تقریباساڑھے آٹھ بجے حضرت چوہدری صاحب نے لمبا سانس لیا۔ایسے لگتا یہ آخری سانس ہے مزید تک سانس آتا رہا پونے نو بجے وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ڈاکٹر سے تعاون کیسا تھا؟اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ان کا ڈاکٹر سے تعاون ہمیشہ بے مثال تھا اگر کوئی ان سے جھوٹے منہ سے بھی یہ کہہ دیتا کہ یہ بات ڈاکٹر صاحب نے کہیں ہے تو وہ بلا چون و چرا عمل کرتے چنانچہ بعض اوقات یہ کوئی بات منوانا چاہتے تو اسے ڈاکٹر کی طرف منسوب کر دیتے۔نہ صرف دوائی کھانے میں بہت ہی باقاعدہ تھے بلکہ جو پرہیز بتایا جاتا اس پر سختی سے عمل کرتے اس لحاظ سے ان کی زندگی ترتیب اور نظم وضبط کا ایک قابل سدرشک مثالی نمونہ تھی۔ڈاکٹر صاحب! حضرت چوہدری صاحب آپ کے ساتھ عموماً کس قسم کی گفتگو فرماتے تھے؟اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا، کہ پہلے تو میں ان کی طبیعت پوچھتا طبی معائنہ کرتا۔اور طبی امور پر کوئی ہدایت دینی ہوتی تو اسے بیان کرتا۔اس کے بعد ان سے باتیں ہوتی۔عموماً مذہبی اور دینی موضوعات پر گفتگو فرماتے اس کے علاوہ جو موضوع حضرت چوہدری صاحب کو سب سے زیادہ محبوب تھا ان کی والدہ کی باتیں تھیں۔حضرت چوہدری صاحب نے اپنی دا کی بیعت، تعلق اور عشق کی حد تک پہنچی ہوئی محبت باتیں اتنی دفعہ بیان کی کہ مجھے ساری باتیں ازبر ہیں۔ملنے جلنے والوں کو ہمیشہ جانے کی تلقین کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی ہماری طرح بے صبر انہیں ہے۔وہ یقیناً اپنے وقت پر بہتری کا سامان کرے گا۔یہ چند دن گزر ہی جائیں گے جناب ثاقب صاحب کے ایک واقعہ بھی اس ضمن میں ذکر کیا کرتے تھے 1977 کے شروع میں جب حضرت چوہدری صاحب پاکستان سے انگلستان جانے لگے جناب ثاقب زیروی صاحب نے دوران گفتگو حالات حاضرہ کے حوالے سے اپنا مدعا ایک شعر کی صورت میں ادا کیا اور کہا

خدائی کر رہا ہے ابن آدم خدا جانے خدا خاموش کیوں ہے

حضرت چوہدری صاحب نے کہا خدا تمہاری طرح اور میری طرح نہیں یہ کہہ کر حضرت ادریس صاحب لندن روانہ ہو گئے۔سال کے آخر میں جب واپس آئے تو بھٹو کی حکومت کا تختہ لٹ چکا تھا۔ائیر پورٹ پر جناب ثاقب زیروی حضرت چوہدری صاحب کا استقبال کرنے کے لئے موجود تھے۔مجھے چوہدری صاحب نے ثاقب صاحب کو دیکھتے ہی کہا ثاقب صاحب اللہ بولا ہے کہ نہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے حضرت چوہدری صاحب کی آخری بیماری کے دو اہم باتیں بیان کی۔ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جب حضرت چوہدری صاحب پہلی مرتبہ بے ہوشی سے نکلے تو میں آپ کے دائیں طرف کھڑا تھا میں نے السلام علیکم کہا۔آپ نے مجھے پہچانا۔تھوڑی دیر کے بعد قہقہہ مار کر ہنسے ایسی آواز میں جس میں بہت کم اور پھر کہا جنت شاید حضرت چوہدری صاحب خدا تعالی نے جنت کا کوئی نظارہ دکھایا تھا۔یا کوئی اور بات تھی۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔اسی طرح ایک اور دن میں آپ کے بائیں طرف کھڑا تھا میں نے آپ کو السلام علیکم کہا۔کچھ لمحے بات کہنے لگے پھر کہنے لگے ایک ہوں میں نے جھک کر پوچھا جی جس نے مبارکباد۔اس کے بعد ایسے کچھ فرمایا جو سمجھ میں نہیں آیا۔آپ کو کبھی بزرگانہ نصیحت بھی کرتے تھے؟اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ رب کل شی خادمک ارب لفظ نے ون فور ہم نے کی تو آپ بار بار پڑھنے کو کہا کرتے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ قریباً چھ ماہ قبل خواب میں حضرت چوہدری صاحب کو دیکھا۔میں نے چوہدری صاحب کو بتایا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دیکھنا بڑا بابرکت ہے۔حضرت چوہدری صاحب کو جلسہ سالانہ پر جانے کا شدید اشتیاق تھا۔اگرچہ 1983 کے جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ کی صحت بہت کمزور تھی

کے افراد خانہ آپ کی صحت کے پیش نظر آپ کو جلسے پر جانے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہے تھے مگر میں نے حضرت چوہدری صاحب کے حد سے زیادہ اشتیاق کے پیش نظر یہی سمجھا کہ جلسہ سالانہ پرآپ کا جانا آپ کی صحت کے لئے ٹانک ہوگا اور یہی ہوا کہ جلسہ سالانہ جانے کے باوجود آپ کے لئے جلسہ سالانہ پر جانا آپ کی صحت کے لئے بہتر ہوا۔اس کے علاوہ یہ بھی تھا،حضرت چوہدری صاحب کا انداز ایسا تھا بڑی امید سے یہی سمجھتے تھے کہ میں ان کے جلسے سالانہ پر جانے کے حق میں رائے دوں گا۔حضرت چوہدری صاحب کی جس بات سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ ان کی سادگی اور انکساری تھی۔ڈاکٹر وسیم صاحب نے نہایت جذب وتاثر کے رنگ میں اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا کہ جب بھی میں آپ کے مقام ومرتبہ کے ضمن میں کوئی بات کہی تو آپ نے نہایت انکساری اور خاکساری کے ساتھ کہتے

میں تو بڑا حقیر انسان ہوں۔درحقیقت ان میں تکبر کی ذرہ بھر بھی جھلک نہیں تھی۔معمولی سے معمولی انسان کو بھی میں بلاتے اور گفتگو کرتے وہ بڑے سے بڑے آدمی سے مخاطب ہوتے۔ایک اور اہم بات یہ تھی کہ ان کو اللہ پر بڑا توکل تھا۔جب بھی میں علاج پر زیادہ توجہ اور سرگرمی کا مظاہرہ کرتا کیا کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر بھی کچھ تھوڑا کرو۔ساری باتیں اپنی ہی کوشش سے نہیں ہوتی۔(انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء)

جن کو خدمت کی سعادت ملی

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تجہیز وتکفین کے بارے میں جن احباب کو خصوصی خدمت انجام دینے کی سعادت ملی ان میں سے بازمندرجہ ذیل ہیں:۔1۔جب حضرت چوہدری صاحب کا انتقال ہوا تو برف پہلی دفعہ مکرم مجیب الرحمن صاحب درد لے کر آئے اس کے بعد مکرم شیخ رحمت علی صاحب سابق قائد دہلی گیٹ لینے گئے اور پھر یہ سلسلہ متواتر جاری رہا۔

2۔پولو گراؤنڈ میں جہاں آپ کا جنازہ پڑھا گیا وہاں جماعتی لاہور کے مخلص اور فدائی مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحب مالک چوہدری ٹریڈرز ہال روڈ لاہور(جو سالہا سال سے عیدین پر لاؤڈ سپیکر کا انتخاب کرتے ہیں)نے حسب سابق لاؤڈ سپیکر کا انتظام اپنی ماہرانہ صلاحیت کے مطابق کیا۔جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔3۔تمام قافلہ کی لاہور سے ربوہ تک کی ٹرانسپورٹ کے انچارج مکرم کرنل بشارت احمد صاحب تھے۔ان کے ہمراہ مکرم محمد اسعد صاحب اور مکرم منیر احمد صاحب جاوید تھے۔4۔کفن کا مکمل سامان مقدم شیخ رحمت علی صاحب سابق صدر حلقہ دہلی گیٹ نے خریدا اور لے کر آئے۔اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے آمین۔(انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 103)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی وفات پر تاثرات

خراج تحسین

سربراہان مملکت اور اہم شخصیات کے پیغام تعزیت جلالتہ الملک شاہ حسین۔۔۔شاہ اردن

مجھے اپنے پیارے دوست سر ظفر اللہ خان کی وفات کی خبر سن کر گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ان کو عالم انسانیت کی خدمت دنیا بھر کے عوام کے جائز

اور اصولی موقف کی تائید، خصوصاً فلسطینیوں کے بارے میں عظیم خدمات کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

یقیناً وہ عرب مفادات کی تائید کے چیمپئین تھے۔ چاہے مسلمان ہوں یا غیر جانبدار ممالک یا عالمی عدالت انصاف ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی جدوجہد ایک عظیم آدمی کی زندگی کی تابناک مثالیں ہیں جو ہمارے عقیدے اور تہذیب کے اعلیٰ اصولوں کی پاسداری کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہا۔ براہ کرم میری طرف سے مخلصانہ جذبات تعزیت قبول کیجئے اللہ تعالیٰ انکی روح پر رحمت کی نظر کرے اور ابدی سکون سے نوازے (آمین)

اردن کے سفیر، پاکستان میں اردن کے سفیر نے تعزیتی کتاب میں تحریر کیا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین

ازطرف ہز میجسٹی شاہ حسین بن طلال فرمانروائے مملکت ہاشمی اردن و ہنر ہائی نیس ولی عہد معظم وحکومت مملکت ہاشمی اردن، میں غم سے چھلکتے ہوئے جذبات تعزیت یہ دعا کرتے ہوئے پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس (مرحوم ہستی) کو اپنی رحمت و رضامندی کی چادر سے ڈھانپ لے۔۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔۔(عربی سے ترجمہ) 85-9-2 سفیر اردن متعیّنہ پاکستان۔۔۔۔جنرل ماجد الحاج الحسن

شام کے صدر حافظ الاسد شامی۔ پیغامات تعزیت۔شام کے صدر حافظ الاسد شامی سفارت خانہ کے چارج ڈی افیئرز نے تعزیتی کتاب میں تحریر کیا:۔

ازطرف جناب صدر حافظ الاسد صدر جمہوریہ عربیہ شام میں اس وفات یافتہ عظیم شخصیت کے تمام خاندان کے افراد کی خدمت میں غم سے چھلکتے ہوئے جذبات تعزیت پیش کرتا ہوں جس کی وفات تمام اُمت مسلمہ کے لئے ایک عظیم ترین نقصان کی حیثیت رکھتی ہے اور خاص طور پر اس شام کے ملک کے لئے یہ صدمہ انتہائی شدید ہے جو کہ مرحوم کے ان کارہائے نمایاں کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو انہوں نے عربوں کے حقوق سے متعلق معاملات کا دفاع کرتے ہوئے اور خصوصاً قضیہ فلسطین کی حمایت کرتے ہوئے سرانجام دیئے، ہاں وہ قضیہ فلسطین جس کا دفاع کرتے ہوئے مرحوم عظیم شخصیت نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ وقف کئے رکھا اللہ تعالیٰ اس عظیم مرحوم محمد ظفر اللہ خان کو اپنی خاص رحمت کے زیر سایہ رکھے اور اپنی فراخ جنتوں میں مقام عطا فرمائے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون** (چارج ڈی -افیئرز -سفارتخانہ شام اسلام آباد(۔۔۔عربی سے ترجمہ۔

مصر کے صدر جناب حُسنی مبارک۔ میں نے محمد ظفر اللہ خان صاحب کی وفات کی المناک خبر گہرے دکھ اور غم سے سنی۔انہوں نے اپنی زندگی اپنے ملک اور عوام کی خدمت کیلئے وقف رکھی۔مرحوم کے اہل خاندان سے تعزیزت اور گہری ہمدردی کے جذبات عرض کرتے ہوئے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ابدی سکون سے نوازے اور آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

لیبیا کے صدر جناب معمر القذافی۔ ہم برادر کرنل معمر قذافی کی طرف سے سر ظفر اللہ خان کی المناک وفات پر دلی تعزیزت کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ بلاشک وشبہ وہ عربوں کی زبردست تائید وحمایت اور متعدد دیگر بین الاقوامی معاملات پر مظبوط اور مستحکم مؤقف اختیار کرنے کی وجہ سے زبردست تعریف کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ اور دیگر اہل خانہ کو انکی وفات کا عظیم صدمہ برداشت کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔آمین

گہرے مخلصانہ جذابات کے ساتھ۔آپ کا **مخلص** فراج آئی ناس۔رکن کمیٹی برائے ثقافتی امور۔برطانیہ کی ملکہ ایلزبتھ ثانی۔میں نے سر ظفر اللہ خان کی وفات کی خبر گہرے دکھ سے سنی۔آپ کے اس عظیم نقصان پر میری گہری ہمدردی آپ کے اور آپ کے افراد خانہ کے ساتھ ہے۔ہالینڈ کی ملکہ بیٹرکس۔پاکستان کے سابق وزیر خارجہ،صدر (ریٹائرڈ) انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سر محمد ظفر اللہ خان کی وفات پر میری طرف سے تعزیت اور دلی ہمدردی کے جذبات قبول فرمائیں۔نائب وزیر اردن۔اُردن کے نائب وزیر اعظم کو چوہدری صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کے لئے بطورِ خاص شاہ حسین نے لاہور بھیجا۔امھوں نے تعزیتی کتاب میں لکھا۔ازطرف ہز میجسٹی شاہ حسین شاہ حسین وہز ہائی نیس ولی عہد شہزادہ حسن اور حکومتِ اُردن، میں تما عالم اِسلام کو اپنی موت سے صدمہ پہنچانے والے مسلمانوں کے نہائت ہی ممتاز اور بلند پایہ لیڈر کی وفات پر غم سے چھلکتے ہوئے تعزیت کے جذبات پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں وسیع رحمت کے زیر سایہ جگہ دے اور اپنی نہائت فراخ جنتوں میں قیام سے نوازے۔نائب وزیر اعظمو وزیر تربیت وتعلیم (عربی سے ترجمہ 85-9-4) **اسماعیلی فرقے کے سربراہ جناب آغا خان۔محترمہ بیگم** صاحبہ چوہدری حمید نصر اللہ خان صاحب کے نام اپنے برقیئے میں اسماعیلی فرقے کے روحانی پیشوا جناب محترم آغا خان صاحب نے فرمایا: آپ کے والد محترم سر محمد ظفر اللہ خان کی وفات کی خبر میں نے گہرے دکھ سے سنی۔قیام پاکستان اور ملک کے لئے مرحوم کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ان کی وفات سے پاکستان ایک ممتاز سیاسی مفکر سے محروم ہوگیا ہے۔مجھے اپنے دادا اور والد محترم کے ساتھ ایک نمایاں مسلم لیگی کے طور پر سر ظفر اللہ کا قریبی تعلق یاد ہے۔مجھے یہ بہت خوشی حاصل ہوتی رہی ہے کہ میں پاکستان کے بعض دوروں پر مرحوم سے ملاقات کرتا رہا ہوں۔میری دعائیں اور جذبات اس صدمہ کے موقع پر آپکے اور آپکے اہل خانہ کے ساتھ ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سے جدا ہونے والے کی روح کو ابدی سکون سے نوازے۔آمین۔مخلص، آغا خان **پرتگال کے سفیر اوئے جی ڈی بریٹو کنسہا**۔میں نے سر ظفر اللہ خان کی وفات کی خبر گہرے دکھ سے سنی۔میں اپنے سفارتی کیریر کے آغاز میں ان سے اس وقت متعارف ہوا جب وہ جنرل اسمبلی کے صدر تھے۔وہ عالمی عدالت انصاف کے جج ہونے کے دوران ایک دفعہ پرتگال آئے میرے گھر میں ابھی تک انکی میرے ساتھ تصویر آویزاں ہے۔ یہ تصویر ان کے ایک دورے کے دوران کھینچی گئی۔میری خواہش تھی کہ میں لاہور حاضر ہوتا مگر بدقسمتی سے میں ایسا نہیں کرسکا۔براہ کرم میری طرف سے تمام اہل خانہ کو دلی تعزیت کا اظہار کردیں وہ ایک لائق اور ذہین مگر سادہ آدمی تھے۔انہوں نے اپنی شخصیت کی چھاپ ساری عالمی برادری پر لگادی۔**پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا ایک خط** ٹریسٹے۔اٹلی 19 ستمبر 1985 میرے پیارے حمید نصر اللہ خانجھے امید ہے کہ آپکو میری 2، ستمبر کی نصف شب ارسال کی گئی ٹیلیگرام مل گئی ہوگی۔جو میں! حضرت چوہدری صاحب کی وفات کی خبر ملنے پر ارسال کی تھی۔اس وقت استنبول میں تھا اور اردن کے ولی عہد بھی وہیں موجود تھے ان کو شاہ حسین نے ہدایت کی کہ اگر ممکن ہوسکے تو فوری طور پر لاہور جائیں۔چنانچہ میں پرنس کے ہمراہ عمان پہنچا۔بدقسمتی سے شہزادے کا طیّارہ ایران کے اوپر سے پرواز نہیں کرسکتا تھا لہذا ہم جنازے پر بر وقت نہیں پہنچ سکتے۔میں اس خط کے ساتھ جناب آئی۔جی۔پٹیل کے خط کی ایک کاپی منسلک کررہا ہوں جو ماضی میں انڈیا ریزرو بنک کے گورنر رہے ہیں اور آجکل لندن سکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹیکل سائنس کے ڈائیریکٹر ہیں۔بہترین خواہشات کے ساتھ، آپ کا **مخلص** محمد عبدالسلام۔

لندن سکول آف اکنامکس کے ڈائریکٹر کا خط۔لندن سکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹیکل سائنس (یونیورسٹی آف لندن) 6 ستمبر 1985

پیارے پروفیسر سلام، اس ماہ کے شروع میں ہم نے سرمحمد ظفراللہ خان کی وفات کی خبر انتہائی دکھ سے سنی۔ چونکہ مجھے علم تھا کہ آپ خصوصی طور پران کے بہت قریب تھے۔ میں نے محسوس کیا میں آپکو انکی وفات پر سکوں کا اظہار غم پہنچادوں۔ جب میں گزشتہ سال لندن سکول آف اکنامکس کے ڈائیریکٹر کی حیثیت سے یہاں آیا تھا مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب کا نام سکول کے اعزازی فیلوز کی فہرست میں موجود تھا اور اس عہدے پر 1973 میں منتخب ہوئے تھے اس سکول کو اپنے آنریری فیلوز کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہوتا ہے۔اور چوہدری صاحب کو نہ صرف انکی بین الاقوامی سطح کی غیر معمولی کامیابیوں کی بناء پر بھی انکی وجہ سے فیلوشپ کی عزت وشہرت اور وقار میں اضافہ ہوگیا تھا، ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔میں آپکو چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کے پرانے دوست ہونی کی حیثیت میں انتہائی مخلصانہ ہمدردی کے جذبات پہنچاتا ہوں۔آپ کا مخلص آئی جی۔پٹیل (انصاراللہ ربوہ نومبر۔دسمبر 1985ء صفحہ 7تا9)

چوہدری محمد ظفراللہ خاں۔ محمدؐ احمد مظہر امیر جماعت ہائے فیصل آباد

خاکسار کا مخدومی سرمحمد ظفراللہ خاں صاحب مرحوم کے ساتھ خادمانہ تعلق 1918ء سے 1985ء میں اُن کی وفات تک رہا 36۔1935ء میں خاکسار نے ایک سیاسی شورش کے خلاف مسدّس لکھی تھی جو اُس زمانہ میں قسط وار چھپتی رہی۔اُس کے پچاس کے قریب بند تھے اُس میں سے اشعار ذیل مخدوم موصوف سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ وہ وائسرائے ہند کی کونسل میں وزیر قانون مقرر ہوئے تھے۔ان اشعار میں خاکسار کے مخاطب موصوف نہ تھے بلکہ اُن کے ناقدرشناس مخاطب تھے۔جیسا کہ بند دوم سے ظاہر ہے بعد میں مخدوم موصوف

رسیدند بجائے کہ رسیدند دور تاریخ عالم زندہ جاوید شدند

ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاءُ واللہ ذو الفضل العظیم۔فتدبر خاکسار محمدؐ احمد مظہرؔ (فیصل آباد)

بہ نیروئے بخشندہ جانم ہے	بہ نیروئے بخشندہ جانم ہے
ہر آنستِ طبع روانم ہے	کہ باغِ سُخن را نشانم ہے
گُلے تازۂ بشگفانم ہے	برو باردا، پہر گُلش کُنم
خس وخار را نذر گُلخن کُنم	سُخنِ ناپسند آید ت، یا پسند
مرا ہست مقصُود ارجمند	بہ شیب و فراز و بہ پست و بلند
نہ ہرزہ ، جلو دادہ ام ایں سمند	پہ تحقیر دُشمن بہ تحسین ِ دوست
مُراد یست مُضمر کہ معنی ہموست	یہ فصیح البیانان معنی گرائے
طلیق اللسان ِ طبع آزمائے	بہ قانون سازی ،چو آرند رائے
بہ دیوانِ دانش ، بجویند جائے	زبہر ِ ظفرؔ ، فتح پاپش کنند
بہ خدمت گری ، انجاپش کنند	پناہِ عدُو، خیر خواہ ِ خلیل

کہ شانش ، رفیع است وقدر ش جلیل	بہ بُرہان و حُجت بہ بحث و دلیل
کُند خصم را پست و خوار و ذلیل	بہ تقریر و تحریر ِ خود، بے دریغ
چو بارند ہ میغ و، چُو بِرندہ تیغ	بردمند نخلے ، گراں سایۂ
زِ ایثارِ اِسلامیاں آسیئہ	گرامی جیسے گراں مائیہ
گرامی کُن ِ منصب و پائیہ	نہ از منصبِ ، اُو سربلندی گرفت
کہ منصب، ازد ارجمندی گرفت	حقائق پژہے ، زباں آدرے
دقائق شناسے ، ہُنر پردرے	بخدمت ِ گزاری ، سرد سردرے
بہ نصفتِ شعاری ، خورد خادرے	تواضعگزیں ، پیکر ِ انکسار
بہ ذکرِ خُداوند ، شب زِندہ دار	بہ چندیں فضائل ِ، چوممتاز شُد
در کامگاری ، برد باز شُد	ز پا یہ بہ پایہ ، سرا فر ا ز شُد
بہ ایوانِ عالی ، نوا ساز شُد	چو منشور ِ منصب ، پرخواندہ شُد
سرِ بد سگا لا ں ، فردِ ماندہ شُد	حساپش ،نہاں برمُحاسِب نبُود
کہ حقدار ِ حق بُودد، غاصب نبُو د	طلب گار ِ ، جاہ و مناصِب نبُود
ولے رَدِّ خدمتِ مُناسِب نبُود	بسا عہدہ ، با مُزدِ با زو ئے اُو
نہ سنجد بسے ، در ترا د زُئے اُو	بہ تحقیق حق چُوں بلندی میاں
ہمہ پَے بری ، نماسۂ نامیاں	بجوئی اگر، درد ِ اسلامیاں
تعصّب نیاری ، مگر درمیاں	عدیلش نیا پی ، دریں چارِ سُو
بیانِ حقیقت نباشد غُلُو	دُعا ہائے مظہرؔ برد مند باد
ظفرؔ باد، و تابا خُورسند باد	نکومحضر و ، نیک پیوند ِ باد
بہ اخلاق نیکو ، عدُو بند باد	

نگہ دارد ش حق ، زعَین الکمال نبابدر ہے، درکمالش زوال

(لاہور 14 ر دسمبر 1985ء صفحہ 5)

ظفراللہ خاں۔قیسؔ مینائی (نجیب آبادی)

نام محمد ؐ ظفراللہ خاں !	کام تھا دِل سے خدمتِ انساں
رب کا ایک ولی ُ کامل	حق کا ماہر عِلم و عرفاں

مُنصف و عادل رحم مجسّم	باغِ عدل اک سرو چراغاں
فیڈرل کورٹ کا سابق جسٹس	" کورٹ آف ورلڈ " کا صدر نمایاں
" یو۔ این ۔ او" کا صدرِ یکتا!	شاہ شہانِ شعلہ بیاناں
پُشتِ پناہ ِ فوجِ یتامی	ایک عصائے پیر وضعیفاں!
لبیاؔ۔ تیونسؔ۔ مصرؔ ومرکشؔ	صدہا ممالک زیرِ احساں
چرخِ وکالت پر اِک شاہیں	مدِّ مقابل طیرِ پر افشاں !
فلسفہ دانِ سرِّ شریعت	ماہر ِ ِ رازو رموزِ قرآں!
اندر باہر دونوں روشن	ظاہر و باطن دونوں یکساں
فہم و فراست ، گھر کی لونڈی	عقل و تدبّر حور و غِلماں
عشق ِ الٰہی عشقِ محمدؐ	آپ کا پختہ ِ دین و ایماں
قول و فعل میں یکسانیت	دین و ایماں یکساں یکساں
آئینۂ دل جوہر ِ قابل	ایک فرشتہ صُورت انساں
نجم فلاحِ انسانیت	مطلعِ عالم پر تھا رخشاں
سقف فلک سے ٹُوٹ گرا وہ	نجمِ منور ۔ ماہِ تاباں
موتِ عالمِ ۔ موتُ العالم	علم کی دُنیا چشمِ گریاں
آدمیت پر غم کا عالم	انسانیت سر بہ گریباں
دُنیا بھرمین شورِ قیامت	غم کدہ سارا عالمِ انساں
بہر استقبال تھے حاضر	خُلد ِ بریں میں حُور و غِلماں
آپ کی رِحلت غم کی " ظلمت "	دل کا داغ صریحاً نقصاں!
کیا کرے شاعر بے چارہ بھی	ہوش و حواس ہوں جس کے پرّاں

شدتِ رنج وغم کے اثر سے　شاعری بھُولا قیسؔ غزلخواں

❁❁❁❁❁

چوہدری صاحب کا سفر آخرت۔عبدالمنان ناہیدؔ

خُوب ہے تُو نے کیا اپنا سفر سوئے معاد	زندہ باد و زندہ باد و زندہ با د و زندہ باد
آج تجھ پر عالمِ انسانیت ہے نوحہ خواں	تونے چھوڑے ہیں یہاں بےلوث خدمت کے نشاں

گھومتی ہے جب نظر برسوں کے صُبح و شام میں	دیکھتا ہُوں میں تجھے آئینۂ ایّام میں
سُن رہا ہوں میٹھی میٹھی تان تیرے ساز کی	گُونج ہے اطرافِ عالم میں تِری آواز کی
سُن رہا ہوں بزمِ کامن ویلتھ میں تیرا بیان	اور تیرا نعرۂ آزادئ ہندوستان
طرزِ استدلال تیری ۔ تیرا اندازِ بیاں	یاد کرتا ہے تجھے ایوانِ اقوامِ جہاں
سربراہ مجلسِ اقوامِ عالم! تجھ سے ہوئی	آشنا یہ بزم بھی آیاتِ قرآں سے ہوئی
تیری قسمت میں تھی مسند عالمی انصاف کی	یا حق گوئی کی تیری یہ بھی اک تصدیق تھی
ذکر سے تیرے مزیّن ہیں حرُوفِ آب زَر	عالم ِ اسلام کی تاریخ کے صفحات پَر
وارث شان و شوکت وعظمت شاہاں بھی تُو	نکساری میں غلامِ مہدئِ دوران بھی تُو
آنکھ میں آنسو ہیں دِل کا درد سے پیوند ہے	زندگی ناہیدؔ ماہ و سال کی پابند ہے

گو بظاہر موت کی نیند سوتے ہیں یہ لوگزِندہ و پائندہ و تابندہ ہوتے ہیں یہ لوگ

(لاہور 21ستمبر 1985ءصفحہ 13)

بیاد۔حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان۔مکرم مرزا محمود احمد صاحب دارلصدر غربی ربوہ

صفا وصدق کا آئینہ دار ظفراللہ	خلوص وعشق اوفا کا انکار۔ ظفراللہ
دماغ اس کا عطا کی تھی خدائے برتر کی	برائے خلقت پروردگار۔ ظفراللہ
وکالت اور کتاب تھی اس کی مانی ہوئی	تھا ان صفات میں بھی نامدار۔ ظفراللہ
تھا اس پہ قائد اُعظم کو اعتماد اور نماز	تھا ان کا درخور صد اعتبار۔ ظفراللہ
وزیر خارجہ اس کو بنایا قائد نے	یہ پا کے آیا تھا باقاعدہ دو وقار۔ ظفراللہ
وطن کے واسطے ہر لمحہ جان بہ کف تھا وہ	وطن کا مخلصوں خدمت میں گزار۔ ظفراللہ
وطن کی عزت وحرمت دل عزیز اسے	وطن کی آن پے جان سے نثار۔ ظفراللہ
بہ ہرمحاذ مقدر تھا اس کا فتح اور ظفر	قدم قدم پے رہا کامگار۔ ظفراللہ
بہ گام گام ظفر کے قدم ظفر نے لئے	تھا خود ظفر کے لئے افتخار۔ ظفراللہ
فلاح ملت وقوم وطن کے واسطے تھا	حضور دوست بہ ہر شب پکار۔ ظفراللہ

وہ رفعتوں کا تھا پیکر وہ عظمتوں کا نقیب	عظیم تو کا تھا ایک شاہکار۔ ظفراللہ
وہ شفقتوں کا تھا مظہر نوار مشوں کی دلیل	کہ سر بسر تھا خلوص اور پیار۔ ظفراللہ
ذہانتوں کی علامت بصیرتوں کا امیں	بہ ہر لحاظ تھا عالی تبار۔ ظفراللہ
وہ غمزدوں کے لئے تھا سکون کا پیغام	عالم رسیدوں کو وجہ ہے قرار۔ ظفراللہ
ہزاروں لوگ عطاؤں پہ اس کی جیتے تھے	غریب وبے کس وبے بس کا یار۔ ظفراللہ
بہ ایں بلندی منصب بہ ایں علو مقام	سراپا عجز تھا اور انکسار۔ ظفراللہ
حضور دوست تضرع کےتعہد تھا	سفر میں بھی تھا تہجد گزار۔ ظفراللہ
بہ عشق احمد مختار ومیرزا سرشار	رموز عشق کا تھا رازدار۔ ظفراللہ
بہ جان کلب فدا تھا وہ احمدیت پر	بہ جانو کل تھا دین پر نثار۔ ظفراللہ
بہ قربان احمد مختار ومیرزا۔بہ جناں	ضرور پائے گا پیارو کرار۔ ظفراللہ
بلایا یار ازل نے۔ گیا۔ بہ لب لبیک	رہ حیات کا تھا شاہ سوار۔ ظفراللہ
وجاہتوں تو کا مرصع چمن تھا وہ محمود	سراپا عفومجسم پیار۔ ظفراللہ

(انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 46)

تُو ہمالہ تھا

مکرم میر مبشر احمد صاحب طاہر آف پسرور

خدا کے فضل سے رتبہ بلند و بالا تھا	لگے ہے ایسے کہ سورج بھی تیرا ہالہ تھا
مہک تھی جس کی زمانے میں چار سو پھیلی	وہ عطر بیز وہ خوش رو حسین لالہ تھا
عدو بھی ہوگیا قائل ترے دلائل سے	طریق بحث عجب تھا ترا نرالا تھا
ہر ایک لفظ جو نکلا زبان سے تیری	پھر اس کے بعد وہ تاریخ کا حوالہ تھا
حریف تیرے بھی گرچہ بلند قامت تھے	قسم خدا کی مگر ان میں تو ہمالہ تھا
بلند رتبے تھے نازاں کہ تو ہے مسند پر	عظیم ماں کی دعاؤں نے تجھ کو پالا تھا
ملی غلاموں کو آزادیاں اسی راہ سے	وہ راستہ کہ تری سوچ نے نکالا تھا

بیاں میں اس کا کروں بھی تو کیا کروں طاہر
وہ عند لیب کہ جس کوگلوں نے پالا تھا

(انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 146)

یہ ایک جھلک تھی

مکرم طاہر عارف صاحب۔سرگودھا

وہ تھا تو ایک، عمل بے شمار جتنا تھا	عجیب شخص تھا عمریں ہزار جیتا تھا
زبان شیریں، بیان خو، خوب تر چہرہ	وسیم سیال لباس بشیر میں سجدہ تھا
خدائے پاک کا کلمہ تھا ایک۔ ظفراللہ	بنایا عشق الٰہی، وفات کا پتلا تھا
خود اس سے ملنے کو ہر ایک راہ گزر آئی	بعجز خاص درے مصطفی ﷺ پہ بیٹھا تھا
یہ ایک جھلک تھی، وہ نورے مہہ چہار دہم	وہ اپنے دور کا موسیٰ یہ دستے بیزار تھا
لہر لہر ہے سمندر کی بے کراں لیکن	مثال بوند صدف میں وہ دریکتا تھا
عظیم تھا وہ زمانے نے یک زبان کہا	عظیم تر تھی وہ ماں جس کا ایسا بیٹا تھا
کمال شوق میں میں بے حجاب کہتا گیا	کہ ایک عمر میں طرز بیان کو مدرسہ تھا

(انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 56)

چوہدری محمد ظفراللہ خان

مکرم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ ڈی

عالم تکوین میں تیرا وجود باصفا	اک کرامت ، ایک الہام جلی ، اک معجزہ
تو وہ گل ہے باغ میں جس سے بڑھا حسن بہار	ہر نفس تیرا چمن میں ایک موج بو ہوا
جانے کتنے مضطرب طوفان تیرے دل میں ہیں	تو کہ ہے تجھ کو لئے پھرتا جنوں مثیل صبا
گرمیٔ فیض دم عیسیٰ تری گفتار میں	کلک سلطان القلم سے ہے قلم تیرا بنا
آخر شب تیرے نالوں سے ہے لرزاں کائنات	اور چرچا دن کو تیری گرمیٔ گفتار کا
ہوگئی پیوست تیری جان زلف یار سے	یار کے محراب ابرو میں ادا سجدہ کیا
تو فنا کو ڈھونڈتا پھرتا ہے کوئے یار میں	ڈھونڈتی پھرتی ہے ہر اقلیم میں تجھ کو بقا
حسن نے وا کر دیئے بند قبا تیرے لئے	اب ہے تیری جرأت عشق اور حسن خود نما
تیری نظروں پر ہیں اسرار حقیقت آشکار	جانتا ہے تو کہ ہے کیوں چاک ہر گل کی قبا
تو بتا سکتا ہے شبنم رات بھر روتی ہے کیوں	تو سنا کرتا ہے گل کے ٹوٹے دل کی صدا

کر رہی ہے مصلحت بیں عقل ابھی ہر سو فساد	بار ہے اس پر ابھی تیرے جنوں کا سلسلہ
تو نے دیکھا نہ خداؤں کو خدا بنتے ہوئے	تو نے دیکھے غرق ہوتے سارے مصنوئی خدا
تو نے دیکھی ہے براہیموں سے نمرودوں کی جنگ	تو نے دیکھا آگ کو گلزار بنتے بارہا
کتنے تودے ریت کے سمجھا کئے خود کو پہاڑ	ہو کے سرکش ، رقص ہے کتنے بگولوں نے کیا
کشتیوں پر کشتیاں ڈوبی ہیں ساحل کے قریب	اک سفینہ عین منجھداروں میں بچ جاتا رہا
تو نے دیکھے ریزہ ریزہ ہوتے کچھ کوہ گراں	آج ٹھکراتی ہے ان ریزوں کو ہر موج ہوا
ہو رہی ہے آج پھر تعمیر اک دنیا نئی	اس کے معماروں کے تجھ معمار کا فن ہے جدا
تو عجم کی آبرو ، تو دور حاضر کا وقار	تیرے دم سے مرتبہ اقوام عالم کا بڑھا
عارفان رہ کا منزل کو چلا جب کارواں	سارے سالاروں سے نکلا تو نہایت تیز پا
سینچتا آیا ہے تو اپنے پسینے سے چمن	اپنے خوں سے رنگ تو نے تازہ پھولوں میں بھرا
سن کے تیرا نام ادب سے سرسرائیں گے شجر	ذکر جب بھی ا س بہار نو کا گلشن میں ہوا
دیکھ اپنا آپ تو آئینہ ایام میں	حسن دل آویز تیرا ، نقش تیرے دلربا
گنگ بیٹھا ہے تبسمؔ جلوہ گاہ ِیار میں	کم نظر، کم علم، کم روح، کم ہنر ،کم حوصلہ

(یہ نظم حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی زندگی میں لکھی گئی۔08 نومبر 1982ء)(انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 138)

اُس کی یاد میں راجہ غالب

ٹُوٹ کے پیار کیا اُس سے اور تھک کر چُور ہوئے	جتنا اُس کے قُرب میں ڈوبے ، اُتنا دُور ہوئے
وہ تو اپنے نُور کی چادر تان کے سویا تھا	ہم نے دو باتیں کرنی تھیں ہم مجبور ہوئے
جانے والا یاد رہے گا یُوں تو ہزاروں سال	کیوں ہم نے اس سے کم سیکھا اب مہجور ہوئے
’’سورج چاند‘‘ کا رشتہ کیا ہے’’ تارے‘‘ جانتے تھے	دید اُمید سے ہم خالی شکبو ضرور ہوئے
’’ رات گزرنے والی ہے‘‘ پیغام یہ تھا اُس کا	’’ صبح کا تارا‘‘ جانے لگا تو ہم رنجور ہوئے
اپنی ایک جھلک سے اُس نے کتنا کام کیا	اک عالم کی کایا پلٹی سب مشکور ہوئے
’’عشق و وفا کے کھیت کبھی خوں سینچے بغیر نہیں پنپے‘‘	عشق کے گیت گانے والے گو مشہور ہوئے

(ہفت روزہ لاہور 28 ستمبر 1985ء)

خط کے القاب؟

مکرم محمد انیس الرحمان صاحب مربی سلسلہ گلگشت کالونی ملتان کی روایت۔

ایک انگریز دوست مسٹر جان وارنز میرے ذریعہ احمدی ہوئے آپ نے چوہدری صاحب کو دعا کے لئے خط لکھا جس میں احتراماً بڑے لمبے چوڑے القاب لکھے۔حضرت چوہدری صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ''آپ مجھے صرف my dear Zafar لکھیں۔''اس شخص پر آپ کی عاجزی اور انکساری کا گہرا اثر پڑا۔(ماہنامہ انصاراللہ ربوہ نومبر دسمبر 1985ء صفحہ 155)

قرارداد تعزیت۔لجنہ اماء اللہ لنڈن بروفات چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب

ہم ممبرات لجنہ اماء اللہ (لنڈن) حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں کی وفاتِ حسرت آیات پر نہایت رنج وغم کا اظہار کرتی ہیں۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔خدا تعالیٰ اُن کے مبارک وجود اور باصفا رُوح کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال کرے اور جنت الفردوس میں نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔(آمین)

مکرم ومحترم چوہدری صاحب کا نام دُنیا اور احمدیت کی تاریخ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں کس قدر خوش قسمت تھے وہ کہ نہ صرف اپنی زندگی کا مقصد پانے میں کامیاب ہوئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی افادیت کا موجب ہوئے لاریب ایسے نافع الناس وجود بار بار پیدا نہیں ہوتے۔حضرت چوہدری صاحب کا وجود اپنے اندر بہت سے نادر خواص رکھتا تھا۔جو یکجا کسی اور وجود میں کم ہی ملیں گے۔آپ جہاں اسلامی دُنیا کے جلیل القدر مجاہد تھے۔ذہین اور طباع ڈپلومیٹ تھے۔فصیح البیان مقرر اور قابل فخر بین الاقوامی شخصیت تھے۔روحانی لحاظ سے بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے رفیق اور آپ کے چاروں نائبین کے جید ساتھی اور اُن پر دل وجان سے نثار۔آپ کی ذات کا ایک ایک لمحہ دین کے لئے۔قوم کے لئے اور ملت کے لئے وقف تھا اور یہ آپ کی زندگی کا نچوڑ ہے۔آپ نے پاکستان کے قیام کے لئے قائداعظم کے ساتھ مل کر شانہ بشانہ کوشش کی۔اور پھر سالہا سال تک اس کو مستحکم کرنے کی کوشش میں مصروف رہے دنیا نے اسلام کے مفاد اور یو۔این۔او کے صدر کی حیثیت سے اور پھر انٹرنیشنل جج کی حیثیت سے ساری دُنیا کی اقوام کے لئے ایسی بےلوث خدمات سرانجام دیں۔جو رہتی دُنیا تک یاد رہیں گی۔آج ہمارے دل اُس کی جدائی پر سوگوار ہیں اور آنکھیں پُرنم۔مگر اس فانی دُنیا میں جو آیا ہے۔اُس کا جانا بھی مقدر ہے۔ہم سب اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قلب حزین کے ساتھ دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نافع الناس وجود اور اُس کی رُوح کو اپنی برکتوں اور فضلوں سے نوازے اور جنت میں اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔خصوصاً آپ کی پیاری بیٹی محترمہ امۃ الحیٔ صاحبہ کو جن کے لئے جدائی کا یہ صدمہ ناقابل برداشت حد تک مشکل ہوگا اسی طرح آپ کے داماد مکرم چوہدری حمید نصراللہ صاحب کے لئے بھی ہم سب دُعا گو ہیں کہ خُدا اُنہیں تسکین قلب اور صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین (ممبرات لجنہ اماء اللہ لنڈن)(ہفت روزہ لاہور 28 ستمبر 1985ء)

(انگریزی نظم کا آزاد اُردو ترجمہ)

(ہماری برطانیوی نژاد احمدی بہن محترمہ سلمیٰ مبارک صاحبہ بیگم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب آف یارک شائر انگلستان سے لاہور اور پھر ربوہ

پہنچ کر لجنہ اماء اللہ انگلستان کی نمائندہ کی حیثیت سے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب کے جنازہ میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ہوئیں۔ انہوں نے جنازہ میں شرکت کے بعد 3 ستمبر 1985ء کو ایک انگریزی نظم میں اپنے جذبات محبت وعقیدت کا اظہار کیا۔ ان کی انگریزی نظم کا اُردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

میری زبان گُنگ ہے، اُس پر نہ نالہ شیون ہے اور نہ آہ و بُکا۔ مگر شدّتِ غم کے زیر اثر آنکھوں سے ایک سیلِ اشک رواں ہے۔ وہ اب وہاں جا پہنچے ہیں جہاں جانے کے وہ متمنی تھے اور جس کے لئے وہ دعا گو رہتے تھے، یعنی ابدالآباد میں اپنے خالق ومالک کے حضور ان کی میّت پر پہلی نظر پڑی دیکھا وہ کتنے حسین نظر آرہے ہیں۔ بایں ہمہ جذبات غم کی شدّت نے میرا گلا پکڑا ہوا ہے۔ اُن کی وفات پانے کے بعد نظروں میں ان کی قدر ومنزلت اور بھی بڑھ گئی ہے اور وہ کندن کی طرح دمک رہے ہیں۔ اُن کے گلابی رُخسار کتنے دلکش ہیں اور خود کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔ کلمہ طیبہ بڑے فخر سے سینہ میں اب بھی آویزاں ہے۔ خدا کا یہ بندہ ہر امتحان میں پورا اترا ہے۔ کمرہ اُن کا برف کی سِلوں سے یخ بستہ ہے سُرخ گلاب کی شاداب پتیاں ان کے وجود کی برکت سے اور بھی زیادہ شاداب نظر آرہی ہیں، اس ذاتی احساس کے زیر اثر کہ ان کی روح ابھی یہیں موجود ہے اور اِدھر اُدھر اُدھر سے اِدھر حرکت کررہی ہے، اس خوف کے زیر اثر کہ کہیں میری کوئی حرکت میرے محبّ کو ناگوار نہ گزرے،

میں اپنے خیالات اور جذبات کو مجتمع اور منضبط رکھنے پر مجبور ہوں، اور سرتاپا دعا بنی ہوئی ہوں کیونکہ ایسے موقعوں کے لئے یہی تو تعلیم دی گئی ہے، بڑی ہی حسین اور پیاری یادیں رہ رہ کر اُفقِ ذہن پر اُبھر رہی ہیں، یعنی یہ کہ وہ ملاقات کرنے والوں سے کیسی باتیں کیا کرتے تھے، کس طرح باتوں میں لاجواب کردیا کرتے تھے اور پھر خود ہی حوصلہ افزائی کرتے تھے، وہ باتیں کرتے تھے اور اپنے مرحوم والد بزرگوار اور بھائی کی، اور علی الخصوص اپنی والدہ مرحومہ سے اگلے جہان میں متوقع ملاقات کی جس کے انتظار میں وہ عرصہ دراز سے گن گن کر دن گزار رہے تھے، سالہا سال سے وہ مجھے اپنی وفات کا صدمہ برداشت کرنے کے لئے تیار کررہے تھے، اور اُنہوں نے مجھے پہلے ہی بتادیا تھا کہ وہ توقع رکھتے ہیں کہ اگلے جہان میں اُن کے لئے دائمی خوشی مقدر ہے، باوجود اس کے گھنٹوں ان سے اس موضوع پر باتیں ہوئی تھیں، پھر بھی میں نہیں چاہتی کہ مَیں یہ دن دیکھوں، مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ان کا انجام بخیر ہوا اور انہوں نے اپنی مراد کو پالیا، لیکن وہ دَور پورا ہونے کے بعد ہم پیچھے رہ گئے ہیں، لیکن سب نے ہی محسوس کیا کہ جو روشنی ان کے دم سے وابستہ تھی وہ اب مدھم پڑ گئ ہے، لیکن جہاں تک ان کی اپنی ذات کا تعلق ہے جنت کی دائمی خوشیاں ان کے لئے مقدر ہیں، جُدائی کی گھڑی ہمیشہ ہی بھاری ہوتی ہے لیکن جُدائی کی یہ گھڑی تو بہت ہی بوجھل ہے۔ مجھے دل گرفتہ خیالات کو دل سے جھڑک دینا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے، بُھلا دینا چاہئے مجھے اپنے ذاتی دُکھ اور صدمہ کو کیونکہ میرے خدا نے مجھے استفادہ کا خوب موقعہ دیا، مجھے گلہ شکوہ زیب نہیں دیتا۔ اٹھارہ سال سے مجھے ان کے ساتھ تعلقِ خاطر تھا محض اسلئے کہ وہ وفات پاگئے ہیں یہ تعلق ختم نہیں ہوسکتا، محبت اور دعائیں کبھی ختم نہیں ہوا کرتیں ان کا سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے اُس بیش بہا خزانہ کی طرح جو سدا بڑھتا چلا جاتا ہے مجھے جنازہ کے لئے موٹر کار میں پولو گراؤنڈ میں لے جایا گیا، مَیں کار میں بیٹھی رہی کیونکہ وہاں خواتین نہیں تھیں، لوگ بہت بڑی تعداد میں وہاں جمع تھے جن میں خاموشی طاری تھی نماز جنازہ ادا کی گئی اور ہم وہاں سے روانہ ہوگئے انکا تابوت ہمارے پیچھے تھا اور ہم ٹریفک میں سے گزرتے ہوئے اپنا رستہ بنا رہے ہیں، راستہ بھر پولیس کا ایک دستہ تابوت کے آگے چلتا رہا، دن کی گرمی میں ہم ربوہ جا پہنچے، اس طرح ربوہ کی جانب ان کا آخری سفر اختتام کو پہنچا، یہ میری

خوش نصیبی ہے کہ مجھے اس موقع پر یہاں آنے کی سعادت حاصل ہوئی، تا کہ مَیں ان کے سفرآخرت کےآخری منازل میں شریک ہوسکوں جو بہت خیروخوبی سے ہوئے۔ مَیں نے دیکھا کہ قطاروں میں کھڑے ہوئے بے شمار لوگ اُنہیں سلام اور الوداع کہنے آئے ہوئے ہیں، اُن سے لوگوں کو کس قدر محبت ہے یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ بہت آسان ہے کیونکہ انسانوں کے اجتماعِ عظیم سے یہ ازخود عیاں ہے۔ سات بجے شام کے وقت نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مَیں چہرہ پرنقاب ڈالے کار میں بیٹھی رہی۔ اسکے بعد انسانوں کے جمّ غفیر کے ہمراہ جنازہ بہشتی مقبرہ میں روانہ ہوا۔ یہ خاموش گواہی اُس محبت کو آشکار کر رہی ہے جولوگوں کے دلوں میں اُن کے لئے جاگزیں ہے۔ بہشتی مقبرہ میں رات ہو جاتی ہے۔ وہاں انسانوں کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے۔ خاموشی کے عالم میں جنازہ انسانوں کے اس سیلاب میں سے گزرتا ہوا اپنی منزل پر پہنچتا ہے عقل حیران ہے کہ یہ حقیقت ہے یا خواب یہ کیسی خوش نصیبی ہے ان کے جسدِ خاکی کو چار دیواری کے اندر دفنایا جاتا ہے وفات یافتہ ائمہ سلسلہ اور صحابہ کے پہلو میں۔ قبر پر اینٹیں نصب کرنے اور بڑی صفائی سے اُنہیں مربوط کرنے کی ساری کاروائی میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتی ہوں۔ کنکریٹ کی تہہ جمائی جاتی ہے اور اُس پر پلاسٹک کی بڑی چادر بچھائی جاتی ہے۔ بعض پرانے صحابہ اپنے ہاتھوں سے قبر کو مٹی دیتے ہیں۔ پھر جلد ہی مٹی کے ایک بڑی ڈھیر کی شکل میں قبر تیار ہوئی۔ ہم سب نے خاموشی سے قبر پر دعا کی اور لوگوں کا جمِّ غفیر چھٹنا شروع ہوا۔ ان کے افرادِ خاندان میری خاطر مدارات میں مصروف ہوگئے وہ سارا ہی دن میری دیکھ بھال میں لگے رہے تھے۔ مَیں مہمان خانہ میں واپس لوٹی اور بارے مجھے وہاں تنہائی نصیب ہوئی اپنے آپ کو اکیلا پا کر مَیں سسکیاں پا کر رونے لگی اسی حال میں تین دن گزر گئے۔ ان کی روح اب مادی جسم کی جکڑ بندی سے آزاد ہو چکی ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو اب بھی بہتے ہیں اور بہتے چلے جاتے ہیں لیکن انجام بخیر پر دل بلآخر تسلی پا جاتا ہے۔ اے پیارے وجود تیری جُدائی شاق گزرتی ہے۔ اور آئندہ بھی گزرے گی مَیں پہلے کی طرح اب بھی تجھ سے محبت رکھتی ہوں۔ مَیں تیرے لئے دعا کرتی رہوں گی۔ اور اگلے جہان میں تجھ سے آملوں گی۔ (رسالہ خالد دسمبر 1985ء جنوری 1986ء صفحہ 114)

ملکی وغیرملکی اخبارت میں۔ چوہدری سرمحمد ظفراللہ خاں صاحب کی وفات کی خبریں

حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحب کا مقام ومرتبہ جہاں جماعت احمدیہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عظیم الشان صحابی ہونے کی وجہ سے بہت بلند و بالا تھا وہاں آپ کا ملکی خدمات اور بنی نوع انسان کے لئے کئے گئے کاموں کی وجہ سے بیسویں صدی کی اہم شخصیات میں ایک نمایاں مقام ہے۔ ہندو و پاک کی تاریخ آپ کے تذکرہ کے بغیر ادھوری ہے۔ انصاف پسند مؤرخین کو آج نہیں تو کل اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ آپ نے بنی نوع انسان اور خصوصاً عالم اسلام کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی وفات کے بعد ساری دنیا کے اخبارات اور سرکردہ ہستیوں کے طرف سے پیغام تعزیت موصول ہوئے۔ ان تمام اخبارات کے مضامین اور خبروں کو جمع کرنے سے اپنی ذات میں ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔ لہذا ایک دو اخبارات کے اداریہ اور خبریں شامل کر کے باقی کی سرخیاں شامل کتاب کی جارہی ہیں۔

اخبارنوائے وقت۔ چوہدری سرظفراللہ خان صاحب کی وفات پر اخبارنوائے وقت کا اداریہ

"سر محمد ظفر اللہ خان طویل علالت کے بعد 93 برس کی عمر میں وفات پا گئے ہیں اور انہیں آج ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا جائے گا۔قطع نظر اس بات کے کہ اُن کا تعلق قادیانی جماعت سے تھا اپنی طویل زندگی میں اُن کی ترقی وعروج اور خدمات و کارکردگی کے اظہار واعتراف میں تامّل و بخل سے کام لینا مناسب نہیں ہوگا۔انگریزوں کے زمانہ میں وہ پنجاب اسمبلی، وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل اور وفاقی عدالت کے رکن رہے اور قیامِ پاکستان کے بعد قریباً سات برس تک وزیرِ خارجہ رہے۔اور اس دوران میں انہوں نے اقوامِ متحدہ میں بھی پاکستان کے مندوبِ اعلیٰ کے طور پر فرائض ادا کئے۔وہاں جنرل اسمبلی کی صدارت کا اعزاز بھی حاصل کیا۔انہوں نے مسئلہ کشمیر کے علاوہ فلسطین اور کئی عرب ملکوں (مراکش، تیونس، لیبیا وغیرہ) کے حق آزادی وخودمختاری کی وکالت میں پاکستان کا نقطہ ءنظر جس انداز میں پیش کیا اُسے عرب ملکوں میں اب تک سراہا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صدرِ محترم کے علاوہ سعودی سفیر بھی اُن کی عیادت کے لئے گئے تھے۔وزارتِ خارجہ کی سربراہی سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ عالمی عدالتِ انصاف کے رکن بن گئے اور دوسری میعاد کے لئے منتخب ہونے کے بعد اُس کے صدر بھی رہے۔اس دوران میں وہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر بھی منتخب ہوئے۔قادیانی ہونے کی نسبت سے پاکستان میں اُن کے خلاف اعتراض واحتجاج کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا لیکن قاعداعظم اور پھر لیاقت علی خاں مرحوم نے انہیں بہت اہم ذمہ داریاں سپرد کیں۔۔۔۔1953ء کی اینٹی قادیانی تحریک سے قبل اسلامیانِ ہند کے قومی معاملات میں سر آغا خان کی طرح، سر محمد ظفر اللہ خاں کا حصہ وکردار بھی بہت نمایاں رہا تھا۔1930ء میں وہ مسلم لیگ کے صدر بھی بنائے گئے تھے اور 1931ء میں اور بعد کی گول میز کانفرنسوں میں وہ علامہ اقبال، قائداعظم اور دوسرے اکابر کے ساتھ مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر شامل ہوتے رہے۔" (اداریہ نوائے وقت 3 ستمبر 1985ء)

اخبار مشرق۔پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ عالمی عدالت کے جج محمد ظفر اللہ خان انتقال کر گئے۔

ملک ممتاز شہری سے محروم ہو گیا۔صدر ضیاء الحق

راولپنڈی یکم ستمبر (اپ پ) صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا ہے۔چوہدری محمد سر ظفر اللہ خاں کی بیٹی کے نام اپنے پیغام میں صدر نے کہا" آپ کے والد کی وفات کی خبر سن کر مجھے دلی رنج ہوا ہے، وہ ایک پرانے اور ممتاز سیاستدان تھے انہوں نے ایک وکیل کی حیثیت سے شہرت کی بلندیوں پر قدم رکھا اور اپنی قانونی مہارت کی وجہ سے بھی پہچانے جاتے تھے۔آزادی سے قبل انہوں نے پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کی وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رُکن اور فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے۔پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے انہوں نے اقوامِ متحدہ اور متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں انتہائی کامیابی سے ملک کی نمائندگی کی، انہیں اقوامِ متحدہ کے اجلاسوں میں اہم کردار ادا کرنے پر اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا کہ انہیں جنرل اسمبلی کے صدر کی حیثیت منتخب کیا گیا تھا۔اُن کی وفات سے ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہو گیا۔اللہ تعالیٰ آپ کو اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا ہے۔اُن کی بیٹی کے نام اپنے پیغام میں وزیر اعظم نے کہا، آپ کے والد کی وفات کی خبر سن کر مجھے انتہائی افسوس ہوا، وہ ایک مشہور قانون دان تھے قیام پاکستان سے قبل وہ اہم عہدوں پر فائز رہے اور قیام پاکستان کے بعد وہ

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے 7 سال تک پاکستان کی خدمت کی اور مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔

ربوہ میں سپر دِخاک کیا جائے گا۔لاہور یکم ستمبر (پ پ ا) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سرمحمد ظفر اللہ خان آج صبح انتقال کر گئے ان کی عمر 93 سال تھی انتقال کے وقت وہ اپنی بیٹی اور داماد حمید نصر اللہ خان کے گھر واقع لاہور کینٹ میں مقیم تھے چوہدری ظفر اللہ خان 6 فروری 1893ء کو ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، 1911ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کیا 37۔1936ء تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔41۔1935ء، تک گورنر جنرلز ایگزیکٹیو بھارت کے رکن رہے۔47۔1941ء، تک بھارتی فیڈرل کورٹ کے جج رہے چوہدری ظفر اللہ خان کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ 54۔1947ء، تک قائداعظم نے ذاتی طور پر انہیں پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ نامزد کیا 1954ء سے 1961ء تک انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے جج رہے اور 1958ء سے 1961ء تک اسی عدالت کے نائب صدر اور 73۔1970ء تک صدر رہے وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے خصوصی نمائندہ رہے اور 63۔1962ء کے اجلاس کے دوران جنرل اسمبلی کے صدر رہے۔ان کا شمار آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں ہے۔1930ء میں وہ مسلم لیگ کے صدر رہے انہوں نے 18 کتابیں تحریر کیں جو زیادہ تر انگلستان اور امریکہ میں شائع ہوئیں۔وہ احمدی جماعت کے اہم رکن تھے ان کا شمار احمدیہ فرقہ کے بانیوں میں ہوتا تھا۔چوہدری ظفر اللہ خان نے پسماندگان میں ایک بیٹی اور بھتیجا داماد چوہدری حمید نصر اللہ خان چھوڑے ہیں جو لاہور میں احمدیہ جماعت کے سربراہ ہیں ان کی نماز جنازہ صبح 9 بجے 93 خورشید عالم روڈ لاہور کینٹ میں پڑھائی جائے گی جب کہ دوپہر کو ان کا جنازہ ربوہ لے جایا جائے گا جہاں ان کی تدفین ہوگی۔(بحوالہ مشرق 2 ستمبر 1985ء صفحہ 1)

روزنامہ امن کراچی۔وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں انتقال کر گئے

کراچی سے مکرم افضل صدیقی زیر اہتمام جرنلسٹ پبلی کیشنز لمیٹڈ۔ایڈیٹر پبلشر کے زیر اہتمام روزنامہ امن کراچی شائع ہوتا تھا۔حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی وفات پر اخبار مذکور نے تحریر کیا کہ

لاہور یکم ستمبر (پ پ ا) ممتاز قانون دان اور پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری سرظفر اللہ خاں آج صبح انتقال کر گئے۔وہ طویل عرصے سے علیل چلے آرہے تھے ان کا انتقال آج صبح 8 بج کر 45 منٹ پر اپنی بیٹی مسز حمید نصر اللہ خاں کی رہائش گاہ پر ہوا چوہدری ظفر اللہ خاں کو منگل 3 ر ستمبر کی دوپہر ربوہ میں سپر دِخاک کیا جائے گا۔چوہدری ظفر اللہ خان جن کی عمر 93 سال تھی 6 ر فروری 1893ء کو ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے انہوں نے 18 سال کی عمر میں گورنمنٹ کالج لاہور سے 1911ء میں گریجویشن اور 1914ء میں لنکن ان سے بیرسٹرایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی وہ 1926ء سے 1935ء تک پنجاب کی قانون ساز کونسل اور بعد میں 1935ء سے 1941ء تک ہندوستان کے گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کے رکن رہے۔1941ء میں انہیں ہندوستان کی وفاقی عدالت کا سینئر جج مقرر کیا گیا، 1947ء تک وہ اس عہدے پر خدمات انجام دیتے رہے۔قیام پاکستان کے بعد بانیٔ قوم قائداعظم محمد علی جناح نے سر ظفر اللہ کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا، 1954ء تک وہ اس حیثیت میں ملک کی خدمت کرتے رہے۔وہ 1954ء سے 1973ء تک مختلف حیثیتوں میں عالمی عدالت انصاف سے منسلک رہے سرظفر اللہ 1954ء میں عالمی عدالت انصاف کے جج منتخب ہوئے 1958ء سے 1961ء تک عالمی عدالت کے نائب صدر اور پھر 1970ء سے 1973ء تک صدر بھی رہے وہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مندوب اعلیٰ بھی

رہے اورانہوں نے 63۔1962ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کا صدر منتخب ہوکر ملک کے لئے امتیاز حاصل کیا وہ پہلے شخص تھے جنہیں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی اور عالمی عدالت انصاف کا صدر بننے کا اعزاز حاصل ہوا چوہدری ظفر اللہ خان آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں سے ایک تھے وہ 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر بھی رہ چکے تھے وہ 1925ء سے 1947ء تک 2 قائداعظم، قائد ملت لیاقت علی خان اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں کے قریبی رفیق رہے یہ برصغیر کی تاریخ کا وہ اہم دور ہے جس میں مسلمانوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد کی 1947ء میں قائداعظم نے اقوامِ متحدہ میں فلسطینی قضیہ کی حمایت کے لئے چوہدری ظفر اللہ خان کو خصوصی طور پر پاکستان کی نمائندگی کا فریضہ سونپا تھا عربوں نے ان کی کوششوں کو زبردست سراہا تھا اوران کی خدمات کے اعتراف میں اُردن کے شاہ حسین نے سر ظفر اللہ کو اردن کا اعلیٰ ترین سول اعزاز ستارہ اردن عطا کیا تھا۔ تیونس، الجزائر۔ لیبیا اور شام نے بھی انہیں اپنے اعلیٰ ترین سول اعزازات دیئے تھے۔ افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے مما لک کی آزادی کے لئے چوہدری ظفر اللہ کی کوششوں کو بین الاقوامی سفارتی حلقوں میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ سیاست بین الاقوامی قانون اور مذہب سمیت مختلف موضوعات پر متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے انگریزی اردو میں اپنی سوانحعمری بھی تحریر کی انہوں نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا چوہدری ظفر اللہ خان احمدیہ برادری کے ایک ممتاز رکن اور احمدیہ برادری کے بانی کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے چوہدری ظفر اللہ خان کی وفات سے ملک کے اندر اور باہر لوگوں کے ایک بہت بڑے حلقے میں شدید رنج وغم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیٹی بیگم چوہدری حمید نصر اللہ خان کو سوگوار چھوڑا ہے جن کی شادی مرحوم کے بھتیجے چوہدری حمید نصر اللہ خان سے ہوئی جو لاہور میں احمدیہ برادری کے سربراہ بھی ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ کی نماز جنازہ منگل 3 ستمبر کو صبح نو بجے 93۔ خورشید عالم روڈ لاہور کینٹ میں ادا کی جائے گی اور انہیں اسی روز دوپہر ربوہ میں سپردِ خاک کیا جائے گا۔

ظفر اللہ خان کو صدر کا خراجِ عقیدت۔ راولپنڈی یکم ستمبر (اپ پ) صدر جنرل ضیاء الحق نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے انتقال پر انکی بیٹی کے نام اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مجھے آپ کے والد کے انتقال کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا۔ صدر نے ان کی قومی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سر ظفر اللہ خاں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں اور اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نہایت مؤثر طور پر نمائندگی کی انکے انتقال سے ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہوگیا ہے۔ اللہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور سوگوار اراکین خاندان کو یہ نقصان برداشت کرنے کی ہمت وتوفیق دے۔ وزیراعظم محمد خان جونیجو نے چوہدری محمد ظفر اللہ کی صاحبزادی کے نام ایک تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مجھے آپ کے والد کے انتقال کی خبر سن کر شدید صدمہ ہوا وہ ایک ممتاز قانون دان تھے۔ قیام پاکستان سے قبل وہ کئی اہم عہدوں پر فائز رہے۔ آزادی کے بعد انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے سات سال تک خدمات انجام دیں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر اور عالمی عدالت انصاف کے صدر کے عہدوں پر ان کا انتخاب ان کی صلاحیتوں کا عالمی سطح پر اعتراف تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور سوگوار خاندان کو صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔ گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان نے بھی چوہدری ظفر اللہ کی صاحبزادی کو ایک تعزیتی پیغام بھیجا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کی موت سے ملک دنیا بھر میں مشہور ایک قانون دان اور سفارتکار سے محروم ہوگیا۔ وہ مسلم لیگ کے بانی ارکان میں سے ایک تھے اور مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ انہوں نے آزادی کے لئے جدوجہد کی۔ اپوا کی بانی صدر بیگم رعنا لیاقت علی خان نے بھی سر ظفر اللہ خان کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کیا ہے ایک تعزیتی پیغام میں انہوں نے کہا کہ مرحوم عظیم

صلاحیتوں کے مالک تھے۔جنہوں نے پاکستان کی خدمت کے لئے استعمال کیا۔ان کی موت پاکستان کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے انہیں پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ باعزت مقام حاصل رہے گا فیڈریشن آف بزنس اینڈ پروفیشنل ویمن کی صدر بیگم سلمیٰ احمد نے کہا ہے کہ سرظفراللہ خاں پاکستان کے ایک عظیم فرزند تھے عالمی نظام قانون اور انصاف کے لئے ان کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ان کی موت دُنیا کا ایک عظیم نقصان ہے۔''(بحوالہ روزنامہ امن کراچی 2 ستمبر 1985ء)

چوہدری ظفراللہ خان کوسپردِخاک کردیا گیا

ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہوگیا۔گورنر سندھ کا اظہار تعزیت

روزنامہ معراج کراچی کے چیف ایڈیٹر ساجد صدیقی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

لاہور(نمائندہ معراج) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خاں کو آج صبح ربوہ میں سپردِخاک کردیا گیا۔یادرہے کہ چوہدری صاحب گردے کی بیماری میں مبتلا تھے تاہم 20رجولائی کوشدید نمونیہ کی وجہ سے ان کی حالت انتہائی بگڑگئی اور 25رجولائی سے 30رجولائی تک بے ہوشی کی حالت میں بہرحال اس کے بعدان کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی لیکن ہفتہ کو پھران کی حالت تشویشناک ہوگئی جس کے نتیجے میں اُن کا انتقال ہوگیا۔دریں اثنالندن میں احمدیوں نیز چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے پاکستانی اور برطانوی احباب اور مداحوں نے بڑی تعداد میں احمدیہ مسجد میں جاکراپنے تعزیتی پیغامات میں اپنے اپنے تاثرات درج کئے۔جماعت احمدیہ نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خاں کے حالات زندگی سے متعلق تفصیلی پمفلٹ جاری کیا ہے جس میں مسلم لیگ اور قائداعظم سے چوہدری صاحب کی وابستگی اور قیام پاکستان سے قبل مسلمانانِ ہند کی سیاست میں ان کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔احمدیہ فرقہ کے سربراہ مرزا طاہر احمد جمعہ کولندن میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔گورنر سندلیفٹیننٹ جنرل جہانداد خان نے سرچوہدری ظفراللہ خاں کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے جواتوار کولاہور میں انتقال کرگئے تھے۔سرظفراللہ خاں کی صاحبزادی بیگم حمید نصراللہ کے نام ایک ٹیلیگرام میں گورنر نے کہا ہے کہ ''مجھے آپ کے والد سرظفراللہ خاں کی وفات پر گہرا صدمہ پہنچا ہے وہ ایک بلند پایا انسان،نامور دانشور،اور بین الاقوامی سطح کے قانون دان تھے ان کی وفات سے ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جوارِرحمت میں جگہ دے اور متعلقین کوحوصلہ عطافرمائے۔

محمد ظفراللہ خاں کی وفات پر جہانداد خاں کا اظہار تعزیت۔کراچی 2رستمبر(نمائندہ خصوصی) گورنر سندلیفٹیننٹ جنرل جہانداد خان نے سر چوہدری ظفراللہ خاں کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے سرظفراللہ خاں کی صاحبزادی بیگم عائشہ حمید نصراللہ کے نام ایک تعزیتی پیغام میں گورنر نے کہا مجھے آپ کے والد سرظفراللہ خاں کی وفات پر گہرا صدمہ پہنچا ہے وہ ایک بلند پایا انسان،نامور دانشور،اور بین الاقوامی سطح کے قانون دان تھے ان کی وفات سے ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جوارِرحمت میں جگہ دے اور متعلقین کوحوصلہ عطافرمائے۔(روزنامہ معراج کراچی جلد 1 منگل 18رذی الحجہ مطابق 3رستمبر 1985ء)

روزنامہ جنگ لاہور

پاکستان کے پہلے وزیرِ خارجہ سرظفراللہ خان انتقال کر گئے

لاہور (رپورٹنگ ڈیسک) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خاں گذشتہ صبح لاہور میں انتقال کر گئے ان کی عمر 93 سال تھی وہ قادیانی جماعت کے رکن اوراس سلسلے کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کے قریبی ساتھی تھے۔وہ گذشتہ کئی ماہ سے علیل تھے اور لاہور میں اپنے داماد کے ہاں مقیم تھے سر چوہدری محمد ظفراللہ خاں ڈسکہ میں 6رفروری 1893ء میں پیدا ہوئے۔1911ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے انہوں نے گریجویشن کیا لندن یونیورسٹی سے ایل ایل بی اور لنکنز ان'' سے 1914ء میں بارایٹ لاء کیا 35-1926ء کے لئے وہ پنجاب لیجسلیٹیو کونسل کے رکن ہوئے وہ گورنر جنرل ایگزیکٹو کونسل آف انڈیا کے 41-1935ء میں رکن رہے۔47-1941ء میں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج رہے۔ 1947ء میں انہوں نے قائداعظم کی جانب سے باؤنڈری کمیشن کے روبرو پاکستان کا کیس پیش کیا۔54-1947ء میں پاکستان کے وزیر خارجہ رہے انہیں اس عہدے پر قائداعظم نے نامزد کیا تھا۔61-1954ء میں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے منتخب جج رہے۔61-1958ء میں وہ اس ادارے کے نائب صدر رہے۔63-1962ء کے دوران وہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے۔وہ 73-1964ء کے دوران دوبارہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے جج منتخب ہوئے اور 73-1970ء تک وہ اس ادارے کے صدر رہے۔اعلامیہ کے مطابق وہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے واحد منتخب صدر تھے۔وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے بنیادی رکن تھے۔1930ء میں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے وہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں قائداعظم اور قائد ملت کے قریبی ساتھی تھے۔1947ء کے شروع میں قائداعظم نے انہیں اقوامِ متحدہ میں نمائندگی کے لئے بھیجا اور انہوں نے اقوامِ متحدہ میں کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں کا مسئلہ پیش کیا اس سلسلہ میں اردن کے شاہ حسین نے انہیں ''ستارہ اردن'' کا تمغہ دیا جو اردن کا اعلیٰ ترین سول اعزاز ہے اسی سلسلہ میں انہیں تنزانیہ مرکش الجیریا لیبیا اور شام کی جانب سے بھی اعلیٰ ترین اعزاز دیئے گئے۔اعلامیہ کے مطابق ان کی کوششوں نے لیبیا الجیریا اور تیونس کی آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے سیاست' بین الاقوامی قانون اور مذہب کے موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں ان کی 18 میں سے اکثر کتابیں امریکہ اور برطانیہ میں شائع ہوئیں۔ انہوں نے اردو اور انگریزی میں اپنی سوانح عمری تحریر کی۔انہوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔دی ایگنی آف پاکستان اور سرونٹ آف گاڈ ان کی معروف کتابوں میں سے ہیں۔چوہدری ظفراللہ خان کی میت کا دیدار رات گئے تک جاری رہا۔سینکڑوں افراد نے ان کے چہرے کا دیدار کیا جس میں خود ان کے خاندان کے لوگ اور دوست واحباب شامل تھے۔

چوہدری محمد ظفراللہ خاں کے انتقال پر صدر ضیاء الحق وزیراعظم جونیجو اور گورنر پنجاب کا اظہار تعزیت۔راولپنڈی (پ پ ا) صدر ضیاء الحق 'وزیراعظم محمد خان جونیجو اور گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خاں نے اپنے الگ الگ تعزیتی پیغامات میں چوہدری محمد ظفراللہ خاں کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔اپنے تعزیتی پیغامات میں صدر جنرل ضیاء الحق' وزیراعلیٰ محمد خاں جونیجو اور گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خاں نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ جنرل اسمبلی اور عالمی عدالت انصاف کے صدر کی حیثیت سے خدمات کا ذکر کیا۔پیغامات میں مرحوم کی روح کو اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں جگہ دینے اور مرحوم کے پس ماندگان کے لئے صبر جمیل کے لئے دعا کی گئی۔ **لندن میں سرظفراللہ خاں کی غائبانہ نمازِ جنازہ**۔لندن (زیڈ یو خان نمائندہ جنگ) لندن میں قادیانیوں کی بڑی تعداد نے ان کی عبادت گاہ میں جا کر

سرظفراللہ خان کی موت پر رکھے گئے تعزیتی رجسٹر میں دستخط کئے۔ دریں اثناء قادیانی جماعت نے اعلان کیا ہے کہ جمعہ کے روز سرظفراللہ خان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے گی ۔ **انہیں جب بھی ہوش آیا انہوں نے نماز کے وقت کے بارے میں پوچھا**۔ لاہور (رپورٹنگ ڈیسک) سرظفراللہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ دو روز پہلے تک بولتے چالتے رہے جب بھی انہیں ہوش آتی تو وہ پوچھتے کونسی نماز کا وقت ہے اور اس کے بعد اپنے اہل خانہ کے بارے میں دریافت کرتے کہ وہ کس حال میں ہیں۔ ان کے قریبی ذرائع کے مطابق جب انہیں مراکش کے شاہ کے پیغام کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اس کے جواب میں شکریئے کا خط بھیجنے کے لئے کہا اس کے علاوہ ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے جن حضرات کے پیغامات آتے رہے' ان میں سے بیشتر پیغام انہیں پڑھ کر سنائے جاتے رہے۔ **سرظفراللہ خاں نے مختلف حیثیتوں میں شاندار خدمات سرانجام دیں: یحییٰ بختیار**۔ کوئٹہ (نمائندہ جنگ) پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما یحییٰ بختیار نے چوہدری ظفراللہ خاں کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے ایک تعزیتی بیان میں انہوں نے کہا کہ چوہدری صاحب نے مختلف حیثیتوں میں ملک کی شاندار خدمات انجام دیں اور دنیا بھر میں پاکستان کا نام روشن کیا قائداعظمؒ نے قابلیت اور بین الاقوامی شہرت کی بنیاد پر ظفراللہ خان کو ملک کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا انہوں نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں پاکستان کی نہایت مؤثر نمائندگی کی مسئلہ کشمیر اور مسئلہ فلسطین کے ضمن میں تاریخی کارنامہ انجام دیا وہ پاکستان کے نمائندے کے طور پر 1962ء میں جنرل اسمبلی کے صدر مقرر ہوئے جو کہ پاکستان کے لئے اعزاز تھا انہوں نے سوگوار خاندان سے دلی ہمدردی اظہار کیا اور کہا کہ وہ ایک بڑے پاکستانی تھے۔

سرظفراللہ خاں بذاتِ خود ایک تاریخ تھے۔ نفیر احمد ملک۔ لاہور (رپورٹنگ ڈسک) ایف سی کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی کنوینگ باڈی کے رکن مسٹر نفیر احمد ملک اور اثمار اے شیخ ایڈووکیٹ نے ایک تعزیتی بیان میں کہا کہ سرظفراللہ خان کی موت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پُر کرنا بہت مشکل ہے ان کی ذات بذاتِ خود ایک تاریخ تھی۔ (روزنامہ جنگ لاہور۔ پیر 16/ ذوالحجہ 1405ھ ' 2/ ستمبر 1985ء)

گرے سوٹ ساتھ چھوڑ گیا تحریر سید افضل حیدر

قائداعظم چوہدری سرظفراللہ کو اپنا سیاسی فرزند کہہ کر پکارتے تھے،

سرظفراللہ نے وکالت بھاٹی گیٹ میں میرے نانا کے مکان پر شروع کی تھی

دو دن کی تیاری کے بعد کشمیر کے مسئلہ پر 7 گھنٹے مسلسل تقریر کر کے عالمی ریکارڈ قائم کیا

چوہدری ظفراللہ خاں کے ذمہ پاکستانی امور کی نگرانی کا کام سپُرد کرنے سے قائداعظمؒ کے سیکولر اندازِ فکر کی عکاسی ہوتی ہے

باؤنڈری کمیشن کے مقدمہ کے دوران کسی نے سرظفراللہ کو چائے تک کے لئے نہ پوچھا

عالمی اداروں میں بار بار منتخب ہونا ان کی قانونی، ملکی وعالمی سیاست اور مدبرانہ صلاحیتوں کے اعتراف کا واضح ثبوت ہے۔

تو نے یہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے۔

چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان اپنی ذات میں انجمن اور ان کی شخصیت ایک عہد تھی۔ تیسری دنیا میں اس صدی کے عظیم شخصیات کی درخشاں

فہرست (رول کال آف آنرز) میں چوہدری صاحب کا نام تاریخ کے سپرد ہو چکا ہے۔اس برصغیر میں کتنے لوگ ہوں گے جنہوں نے اندرونِ ملک اور بیرونی دنیا میں بھرپور زندگی گزاری ہو۔دنیا بھر میں چوہدری ظفراللہ خان مختلف ناموں سے معروف ہیں۔

چوہدری صاحب کی علمی، ادبی، سیاسی قانونی اور سوشل زندگی پون صدی پر محیط ہے۔جس کا احاطہ کرنا نہ تو راقم کے بس میں ہے اور نہ ہی ایک مضمون ان عنادین کا احاطہ کرسکتا ہے۔جو زندگی کا خوبصورت حصہ تھے۔چوہدری سر محمد ظفراللہ خان نے لاہور میں وکالت بھاٹی گیٹ بازار حکیماں راقم الحروف کے نانا حکیم امین الدین بیرسٹر مرحوم کے مکان پر شروع کی تھی۔اور اسی مکان کے وراثت کے مقدمہ کی پیروی بھی چوہدری صاحب نے ہی کی۔یہ وہی مکان تھا جہاں سر محمد اقبال نے شاعری کی ابتداء اپنے مشہور شعر

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

سے کی تھی۔انہی دنوں 1915ء کے لگ بھگ چوہدری صاحب نے راقم کے والد سید محمد شاہ مرحوم کو اپنے مستقبل کے متعلق ایک تحریر لکھ کر دی اور کہا کہ محمد شاہ انشاءاللہ میں زندگی میں یہ سب مقام حاصل کروں گا۔چوہدری صاحب کے عزم کی اس سے بڑی کیا دلیل ہوگی کہ انہوں نے 65 سال قبل تحریر کردہ مقامات سے بہت زیادہ مقام اور عزت حاصل کی۔چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے علاوہ دنیا کے کسی بھی شخص کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا کہ وہ عالمی عدالت انصاف کا ممبر، نائب صدر اور پھر (1973ء-1970ء) میں صدر منتخب ہوا۔اور جنرل اسمبلی کا سال (1963ء-1962ء) میں صدر بھی منتخب ہوا ہو۔عالمی اداروں میں چوہدری صاحب نے 1943ء سے 1973ء تک جو خدمات سرانجام دیں ان کی وجہ سے پاکستان کی عزت افزائی ہوئی۔عالمی اداروں میں بار بار منتخب ہونا ان کی قانونی، سیاسی، بین الاقوامی سیاست اور مدبرانہ صلاحیتوں کا واضح اعتراف ہے۔چوہدری صاحب نے عربوں کے حق خودارادیت کے لئے عالمی اداروں میں بھرپور کوشش کی۔لیبیا، الجیریا، اور تیونس کی آزادی کے لئے انکا ناقابل فراموش کردار اسمبلی کے ریکارڈ میں موجود ہے۔اسی طرح فلسطین کے مسئلہ پر چوہدری صاحب نے تمام عرب اکابرین سے خراجِ تحسین حاسل کیا۔مجبور اور محکوم قوموں کے لئے انہوں نے سفارتی سطح پر اور عالمی اداروں میں بھرپور حصہ لیا۔چوہدری سرظفراللہ کا قانونی پس منظر عربی، انگریزی، اور فارسی زبان پر عبور، تحریک آزادی ہند میں مختلف اوقات پر اس کا عمل تحمل، مدلل تقریر کا فن، دنیا بھر کے اکابرین سے ذاتی مراسم اور تاریخ پر مہارت ان کے مخصوص ہتھیار تھے۔اس پس منظر میں مشرقِ وسطیٰ اور مسلم افریقی ممالک کی آزادی کے لئے ان کی صلاحیتیں اس طرا بھرتی رہیں جس طرح انہوں نے کشمیر کے مسئلہ پر قائداعظمؒ کے معتمد کی حیثیت سے جاں فشانی سے کام لیا۔کشمیر کے مسئلہ پر چوہدری صاحب نے سات گھنٹے مسلسل تقریر کر کے عالمی ریکارڈ قائم کیا۔راقم نے ایک بار جب ان سے اتنی لمبی تقریر کی وجہ پوچھی تو چوہدری صاحب نے کہا کہ تقسیم ہندو پاک کے بعد اکثر مندوبین چوہدری صاحب کو ہندوانہ طریقہ پر ہاتھ جوڑ کر سلام کیا کرتے تھے۔پاکستان کے علیحدہ وجود کا احساس دلانے کے لئے انہوں نے کشمیر کے مسئلہ پر عالمی ادارے میں نہایت مدلل تقریر کر ڈالی۔

کشمیر کے مقدمہ کی تیاری کا مرحلہ نامساعد حالات میں ہوا۔چوہدری صاحب کو اطلاع دی گئی کہ بھارت نے کشمیر کا مسئلہ عالمی ادارہ میں پیش کر دیا ہے۔صرف دو دن کی مہلت ملی۔حکومت پاکستان کے پاس افراتفری کے عالم میں ریکارڈ موجود نہ تھا جو بھی میسر آیا انہیں بوریوں میں بند کر کے چوہدری محمد علی اور دیگر احباب کے ساتھ نیویارک روانہ ہوئے۔اتفاق سے لندن میں جہاز کی خرابی کے باعث ایک دن کی تاخیر ہوگئی

۔اور چوہدری صاحب نے اس مہلت کوغنیمت جان کر مقدمہ کی تیاری کی۔اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب کو مدلل تقریر کی بے پناہ صلاحیت دی تھی۔میں نے اپنی زندگی میں چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خاں اور سید حسین شہید سہروردی سے بہتر قانونی مؤقف پیش کرنے والانہیں دیکھا۔اس بے سروسامانی کے باوجود چوہدری صاحب نے پاکستان کے مؤقف کی تاریخی نمائندگی کی۔چوہدری صاحب کو یہ خصوصی اعزاز حاصل تھا کہ وہ جب بھی سفارتی فرائض کے بعد پاکستان لوٹتے اور قائداعظمؒ کے پاس حاضری دیتے تو قائداعظمؒ ان کے ساتھ معانقہ فرماتے۔یہ اعزاز کسی اور شخص کو نہیں ملا۔قائداعظمؒ نے جس طرح چوہدری صاحب کے ذمہ پاکستانی امور کی دیکھ بھال لگائی تھی۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ قائداعظمؒ ملکی سطح پر سیاسی ناطے سیکولر انداز فکر کو ترویج دینا چاہتے تھے جس کی دلیل میں آئین ساز اسمبلی میں 1947ء والی مشہور تقریر کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

قائداعظمؒ چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خان پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے۔ اور چوہدری صاحب کو اپنا سیاسی فرزند کہہ کر پکارتے تھے۔مسلم لیگ کی طرف سے جو وکلاء باؤنڈری کمیشن میں پیش ہوئے ان کی سربراہی قائداعظمؒ کی خواہش کے مطابق چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خان کررہے تھے ۔جن کی معاونت میرے والد سید محمد شاہ ایڈووکیٹ پاک پتن، صاحب زادہ نوازش علی اور شیخ نثار احمد ایڈووکیٹ کررہے تھے۔راقم الحروف اس وقت میٹرک کا طالب علم تھا اور چند دن اس مقدمہ کی پیروی کا شاہد ہے۔راقم کے پاس آج بھی باؤنڈری کمیشن مقدمہ کی تیاری والی فائل کے جزوی حصے موجود ہیں جس میں چوہدری صاحب اور دیگر وکلاء کی محنت کا ثبوت ملتا ہے۔ان دنوں کا ایک تلخ واقعہ مجھے یاد ہے۔پاکستان کے حصول کے مقدمہ کے پہلے روز جب قبل از سہ پہر باؤنڈری کمیشن میں چائے کا وقفہ ہوا تو چوہدری صاحب اور دوسرے وکلاء کو کسی نے چائے تک کے لئے نہ پوچھا۔یہ چھوٹا سا قافلہ مال روڈ سے ہوتا ہوا انارکلی کے بازار میں پہنچا جہاں چائے کی پیالی کے ساتھ انہوں نے نان کباب سے گزارا کیا۔ دوسرے دن چوہدری اسد اللہ خان صاحب ایڈووکیٹ نے اپنے گھر بندوبست کیا اور پھر مرحوم سید مراتب علی شاہ نے وکلاء کی ٹیم کو اپنے گھر ''نشیمن''، منتقل کیا جہاں ناشتہ، دوپہر کا کھانا، شام کی چائے اور رات کا کھانا کم از کم پچاس/سو آدمی کے لئے تیار ہوتا تھا۔شیخ خورشید مرحوم ڈاکٹر ضیاء الاسلام اور کرمانی صاحب سرگرم نوجوان نظر آیا کرتے تھے۔اس مقدمہ کی تیاری کے لئے چوہدری صاحب نے مختلف ٹیمیں بنا دی تھیں۔جو لائبریری سے تاریخی مواد حاصل کر سکیں۔وہ تمام کتب جو اس مقدمہ کی تیاری میں مددگار ثابت ہو سکتی تھیں ہندوؤں نے کئی ماہ قبل پبلک لائبریری سے حاصل کر لی تھیں۔چوہدری صاحب نے نہایت کم وقت اور کم مواد کی مدد سے پاکستان کا مقدمہ تیار کیا تھا۔

چوہدری ظفر اللہ خان میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔اعلیٰ سیاسی عدالتی اور سفارتی عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود اُن کے اندر کا انسان ہمیشہ زندہ رہا اور انہوں نے لوگوں سے اپنا ناطہ قائم رکھا۔چھوٹوں سے شفقت ان کی شخصیت کا حصہ تھا۔ عالمی عدالت کے منصف کی حیثیت سے بھی ان کی تنخواہ بہت تھی لیکن اپنی ذات کے لئے مناسب رقم رکھ کر باقی اداروں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ذیابیطس کے دیرینہ مرض کے باعث انہوں نے اپنی زندگی کو سختی سے منظم کر لیا تھا۔نہایت تیز رفتاری سے پیدل چلا کرتے تھے۔اچھی صاف خوراک استعمال کرتے تھے۔حافظہ بلا کا تھا۔بلکہ فوٹوگرافک میموری کے مالک تھے۔چالیس پچاس سال قبل کے واقعات کو اس طرح بیان کرتے تھے جیسے ابھی ان کے سامنے واقع ہوئے ہوں۔فضول خرچی سے پرہیز کرتے تھے۔ایک روز ہم ان کے ساتھ کہیں

جانے والے تھے کہ ان کی دختر نے کوٹ استری کر کے ان کے پاس بھجوایا لیکن اس ''گرے'' کوٹ کے بازو پر استری کا نشان پڑ گیا تھا۔ والد مرحوم کی طرف دیکھ کر کہا محمد شاہ یاد ہے بمبئی کلاتھ ہاؤس سے تم نے نیلا اور میں نے گرے سوٹ سلوایا تھا آج یہ کوٹ ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس سوٹ کی عمر بھی 35 / 40 سال کے لگ بھگ ہوگی۔ (روزنامہ معراج کراچی چیف ایڈیٹر ساجد صدیقی جلد 1 منگل 18 ر ذی الحجہ مطابق 3 ر ستمبر 1985ء)

تعزیتی برقیہ

وفاقی وزیر میر ظفر اللہ خاں جمالی کا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی وفات پر تعزیتی برقیہ

x1550 SC 35 ISLAMABAD SECTT2 95/88

MR. SAQIB ZEERVI D+EDITOR LAHORE WEEKLY 113-B BELVANT MANSION ROAD LAHORE

DEEPLY GRIEVED TO LEARN SAD DEMISE OF CH. SIR MOHAMMAD ZAFARULLAH KHAN (.) HE WAS AN EMINENT JURIST(.) KINDLY ACCEPT HEARTFELT SYMPATHIES AND CONDOLENCE IN THIS HOUR OF BEREAVEMENT (.) HIS SERVICES AS FOREIGN MINISTER OF PAKISTAN CAN NEVER BE FORGTTON AND HIS INTERNATIONAL STATURE WOULD ALWAYS BE REMEMBERED IN HIGHEST ESTEEM(.) MAY HIS SOUL REST IN ETERNAL PEACE AND GIVE YOU COURAGE TO BEAR THIS LOSS(.) ZAFARULLLAH JAMALI. POWER

ترجمہ: چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کی وفات کا سُن کر گہرا رنج اور افسوس ہوا۔ موصوف ایک ممتاز قانون دان تھے۔ براہِ کرم اس سوگوار موقع پر میری طرف سے دلی ہمدردی اور تعزیت قبول فرمائیے۔ اُن کی پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں اور اُن کے بین الاقوامی مقام و مرتبہ کو ہمیشہ عزت و وقار کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا۔ اللہ اُن کی روح کو دائمی سکون عطا فرمائے اور آپ کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ۔ اور ہمت عطا فرمائے۔ ظفر اللہ خاں جمالی (وزیر برق و آب) (بحوالہ لاہور 14 ر ستمبر 1985ء صفحہ 4)

اخبارات کی سرخیاں

(1) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ انتقال کر گئے۔'' روزنامہ جنگ کراچی (پیر 16 ر ذی الحجہ 1405ھ، 2 ر دسمبر 1985ء)　(3) پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ کا انتقال ہوگیا۔ وہ قادیانیوں کے اہم راہنما تھے۔

(روزنامہ جسارت کراچی 2 ر ستمبر 1985ء صفحہ 10 بحوالہ لاہور 30 ر نومبر 1985ء صفحہ 13)

(4) چوہدری ظفر اللہ خاں کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ (روزنامہ معراج کراچی بحوالہ لاہور 26 ر اکتوبر 1985ء صفحہ 7)

(5) گرے سوٹ ساتھ چھوڑ گیا۔ تحریر سید افضل حیدر (روزنامہ معراج کراچی 3 ر ستمبر 1985ء صفحہ 14)

(6) ظفر اللہ خان کو ربوہ کے بہشتی مقبرہ میں سپردِ خاک کیا جائے گا۔ گورنر سندھ، وفاقی محتسب اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی طرف سے خراج عقیدت (روزنامہ امن کراچی مورخہ 3 ستمبر 1985ء صفحہ 16) سر ظفر اللہ کے انتقال سے پاکستان ایک ممتاز شہری سے محروم ہوگیا۔ (روزنامہ انقلاب کراچی بروز منگل مؤرخہ 3 ر ستمبر 1985ء صفحہ 18) سر ظفر اللہ کی خدمات یاد رکھی جائیں گی۔ چیف جسٹس حلیم، گورنر جہانداد اور فخر امام کی تعزیت (روزنامہ کراچی 3 ر ستمبر 1985ء صفحہ 19) تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی جمعہ خاں کے قلم سے

مرحوم ظفراللہ مسلم لیگ کے بانیوں میں تھے اور صدر بھی رہے ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ظفراللہ خان کو مرزا بشیر محمود (صاحب) کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔(روزمانہ امن کراچی مورخہ 4 ستمبر 1985ء صفحہ 4)

ظفراللہ خان کا سوگ اقوامِ متحدہ کا پرچم سرنگوں رہا (بحوالہ روزنامہ امن کراچی 5 ستمبر 1985ء صفحہ 27)

ظفراللہ خاں بھی پاکستان کے معمار تھے۔حنیف رامے (روزنامہ جنگ لاہور 4/ستمبر 1985ء صفحہ 26)

بیگم طلعت منیر کا اظہار تعزیت (روزنامہ نوائے وقت کراچی منگل 3/ستمبر 1985ء صفحہ 15)

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب

تحدیثِ نعمت کے متروکات (قسط اوّل)

ادب میں خودنوشت سوانح عمری کو کسی شخص کے ذاتی احوال وافکار کی سب سے زیادہ مستند دستاویز سمجھا جاتا ہے اس لئے خودنوشت سوانح عمری لکھنے والا اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ اس کے احوال تمام وکمال دوسروں تک پہنچ جائیں تا کہ تاریخ میں اس کے کردار کے بارہ میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔سیاسی مدبرین خاص طور سے اس بات کے بارہ میں حساس رہے ہیں۔ہمارے مدبرین میں سے کچھ لوگوں نے اپنی سوانح لکھوائیں،کچھ نے لکھیں مگر اس بات کا خیال رکھا کہ ان کے احوال کے بیان میں دوسروں کا قلم شامل نہ ہو۔سر ظفراللہ خاں نے بھی اپنی خودنوشت لکھی،اردو میں اس کا نام تحدیث نعمت رکھا اور چوہدری صاحب کے مزاج کے آدمی کی خودنوشت کا اس سے بہتر عنوان نہیں ہوسکتا تھا۔پھر چوہدری صاحب کی ایک خودنوشت انگریزی میں بھی ہے جس کا عنوان ہے سرونٹ آف گاڈ۔بادی النظر میں یہ تحدیثِ نعمت کا انگریزی ترجمہ ہے مگر بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اردو کی تحدیث نعمت میں موجود نہیں اب میں چوہدری صاحب کی ایک اور خودنوشت پر کام کر رہا ہوں جو چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں نے کولمبیا یونیورسٹی کے دو اساتذہ کو خود لکھوائی تھی۔اس کی مائیکروفش کولمبیا یونیورسٹی نے جاری کر دی ہے۔تینوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ واضح ہوا کہ اگر چہ بنیادی حقائق ہر جگہ ایک ہیں یا ایک جیسے ہیں مگر ہر کتاب میں ان کا سیاق وسباق مختلف ہے۔تحدیث نعمت کے مرتبین یعنی بزرگوارم چوہدری بشیر احمد اور شیخ اعجاز احمد،(علامہ اقبال کے بھتیجے ڈاکٹر جاوید اقبال کے گارڈین اور کتاب مظلوم اقبال کے مصنف) نے معروضات کے عنوان سے لکھا ہے کہ

اشاعت کے لئے چوہدری صاحب نے یہ پابندی عائد کی تھی کہ کتاب صرف ایک جلد تک محدود رہے۔اس ارشاد کی تعمیل میں مسودہ کا معتدبہ حصہ حذف کرنا پڑا۔اس کانٹ چھانٹ کی وجہ سے ممکن ہے چوہدری صاحب کے اسلوب بیان اور اس کی روانی میں کہیں کچھ فرق محسوس ہو اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

یہ درست ہے کہ تحدیث نعمت میں سے بہت سی باتیں محض اس لئے حذف کر دی گئی ہیں کہ کتاب کا حجم نہ بڑھ جائے مگر یہ خیال نہ رکھا گیا کہ حذف شدہ مواد کو بعد کے مورخین کے استفادہ کے لئے سنبھال کر محفوظ کر دیا جائے۔کانٹ چھانٹ کے اس عمل کے وقت ان کے پیش نظر پاکستان کے حالات تھے کہ کوئی ایسی بات نہ چھپ جائے جو اردودانوں کی طبع نازک پر گراں گزرے۔اردودانوں کا کثیر طبقہ تو پاکستان سے باہر

آباد ہے اس لئے یہ کانٹ چھانٹ ان پر گراں گزری ہے مگر اب کیا ہوسکتا ہے؟ اے کاش مولفین نے حذف شدہ مواد محفوظ کر دیا ہوتا! اب تو تحدیث نعمت کو مکمل کرنے کا صرف ایک طریق ہے کہ دوسری خودنوشتوں میں جو مواد موجود ہے اسے تحدیث نعمت میں شامل کر کے اسے مکمل کر دیا جائے۔

کولمبیا یونیورسٹی والی یادداشتیں سیاسی امور سے متعلق ہیں اور تحدیث نعمت میں چوہدری صاحب کے سیاسی افکار کو خاص طور سے حذف کر دیا گیا ہے۔ بعض ایسی باتیں بھی محذوف ہیں جو ان کی زندگی کے بعض معمولی پہلوؤں کی نشاندہی کرتی ہیں مثلاً تحدیث نعمت کا اقتباس ہے کہ مجھے آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا اور یہ تکلیف اتنی بڑھ گئی .... مگر سرونٹ آف گاڈ میں لکھا ہے بدقسمتی سے مجھے گیارہ سال کی عمر میں آشوب چشم کا عارضہ .... عمر کی تعیین سے نہ صرف اس بات میں زیادہ وثوق پیدا ہو گیا بلکہ بعد کے مورخین کے لئے اسے استناد کا درجہ بھی مل گیا۔ مزید لکھا ہے جیسا بھی علاج میسر تھا کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اوپر کی پلکوں کے نیچے بال اگ آتے تھے۔ حتیٰ کہ اوپر کی پلکوں کا ایک حصہ کاٹ دینا پڑتا تھا اور اس انتہائی عمل سے بھی تکلیف میں کمی نہیں آتی تھی۔ اور یہ عارضہ پانچ سال تک ممتد ہے۔ اس کی وجہ سے طبیعت خلوت پسند ہو گئی اور سوچنے کی خصلت بیدار ہو گئی اور آزادانہ سوچ کی عادت پختہ ہو گئی۔ یہ باتیں دیکھنے میں معمولی ہیں مگر انسان کی شخصیت کو سمجھنے میں مد ثابت ہوتی ہیں۔

اسی طرح ان کی والدہ محترمہ کے قبول حق کا واقعہ بھی انگریزی میں تفصیل سے بیان ہوا ہے تحدیث نعمت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے کہ والدہ کے (سلسلہ احمدیہ کے بانی کی) بیعت کرنے کے چند دن بعد انہوں نے (والد صاحب) نے بھی بیعت کر لی۔ سرونٹ آف گاڈ میں بیعت کا واقعہ بڑی تفصیل سے تقریباً دو صفحات میں بیان ہوا ہے کہ کس طرح والدہ صاحبہ نے حضرت بانی سلسلہ کو دیکھا تو دیکھتے ہی ان سے بیعت قبول کرنے کی درخواست کی اور والد صاحب عدالت سے واپس آئے تو ناراض ہوئے کہ اتنی عجلت کیوں ہوئی؟ آگے: آپ نے نوکر سے کہا میری چارپائی دوسرے کمرے میں ڈال دو۔ والدہ صاحبہ نے کہا دوسرے کمرے میں نہیں مردانہ مہمان خانہ میں ڈالو۔ والد صاحب نے پوچھا کیوں؟ والدہ صاحبہ نے جواب دیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے روشنی دیکھنے کی توفیق دے دی ہے اور آپ ابھی تک اندھیرے میں ہیں اس پر والد صاحب نے نوکر کو باہر بھیج دیا اور کہا بیگم صاحبہ آخر جیت گئیں۔ ہوسکتا ہے تحدیث نعمت سے یہ باتیں اس لئے حذف ہوئیں کہ ان کا ذکر سلسلہ کے لٹریچر میں کئی جگہ ہوا ہے اور شاید کتاب میری والدہ میں بھی اس کا ذکر ہے مگر مولفین نے یہ بات فرض کر لی کہ یہ واقعات ہر شخص کے علم میں ہیں اس لئے ان کو سوانح عمری سے حذف کر دینا چاہئے۔ تحدیث نعمت صرف احمدیوں کے لئے لکھی گئی کتاب نہیں ہے اس کا مخاطب ہر اردو دان ہے اور میں اپنی تحقیق کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ خودنوشت اردو کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں سے ایک ہے۔

یہ تو محض ایک مثال ہے۔ آگے چل کر جہاں چوہدری صاحب کی سیر و سیاحت کا ذکر ہے وہاں بھی بہت سی باتیں حذف کر دی گئی ہیں جو میں درج کرتا ہوں تحدیث نعمت میں سویڈن کے سفر کا ذکر ہے وہاں سے آپ فن لینڈ گئے تھے۔ اس سفر نے چوہدری صاحب پر جو اثر چھوڑا اس کی ایک جھلک چوہدری صاحب کی اس تقریر میں موجود ہے جو آپ نے لیگ آف نیشنز کے آخری اجلاس منعقدہ میں کی تھی۔ اس اجلاس میں چوہدری سر ظفر اللہ خاں ہندوستان میں وزیر تھے اور لیگ آف نیشنز کے اجلاس میں ہندوستانی وفد کے سربراہ تھے۔ (اس تقریر کا راقم الحروف کا کیا ہوا تر

جمہ لاہور کے رسالہ ہفت روزہ لاہور میں چھپ چکا ہے) تحدیث نعمت سے حذف شدہ حصہ یوں ہے: جہاز کے روانہ ہونے سے تھوڑی دیر بعد ایک جاننے والے نے ایک نوجوان خاتون کا تعارف ان سے کروایا۔ یہ خاتون فن لینڈ کی تھی اور فن، سویڈش، روسی، جرمن، فرانسیسی، انگریزی اور لاطینی زبانیں جانتی تھی۔ اور ہیلسنگفورس یونیورسٹی میں آثار قدیمہ کی طالب علم تھی۔ اس کا نام آنا لنڈ النڈلوف تھا۔ وہ قطب شمالی کی سیر کے بعد اپنے وطن واپس جارہی تھی۔ وہ ایک ہندوستانی طالب علم سے مل کر بہت حیران ہوئی جو انگلستان میں قانون کی تعلیم حاصل کررہا تھا اور جس کا تعارف ایک روسی باشندے نے ایک سویڈش جہاز کے عرشہ پر اس سے کروایا تھا جو فن لینڈ کے شہر میل ہیلسنگفورس جارہا تھا اور صرف انگریزی زبان میں گفتگو کرسکتا تھا۔ اگلے روز موسم بہت خوشگوار تھا سب لوگ عرشے پر آ گئے تھے۔ ان دونوں نے بھی دو کرسیاں عرشے پر بچھالیں اور ایک دوسرے کے قریب قریب بیٹھ گئے۔ اس کے بائیں جانب ایک موٹے تازے، بھورے بالوں والے روسی صاحب دراز تھے ۔ بعد میں معلوم ہوا ان کا نام نکولائی وسالیوچ ڈیکلنگ ہے اور وہ سینٹ پیٹرز برگ میں جواہرات کے تاجر ہیں اور سینٹ پیٹرز برگ میں 26 نویسکی پروسپیکٹ میں رہتے ہیں۔

ان کی ساری توجہ ایک موٹے سے سگار پر مرتکز تھی۔ کبھی کبھار وہ ان دونوں پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال لیتے اور پسندیدگی میں سر ہلاتے تھے۔ ان دونوں کے پاس باتیں کرنے کو بہت سے موضوعات تھے۔ ہندوستان، انگلستان، فن لینڈ، روس، زبان، کلچر، اور مذہب۔ فن لینڈ خودمختار تھا مگر اس وقت روس کے زیرانتظام تھا اور فن لینڈ کے آئین کے مطابق ایک روسی گورنر جنرل کے ماتحت تھا۔ فن لینڈ کی پارلیمنٹ میں اس وقت انیس خواتین ارکان تھیں۔ ملک میں خواندگی کی شرح سو فیصد تھی اور یہ بڑے سادہ طریق سے حاصل کی گئی تھی۔ یعنی شادی کے خواہش مند ہر جوڑے کے لئے لازم تھا کہ وہ خواندگی کا امتحان پاس کرے۔

مسٹر ڈیکلنگ مسلسل اپنی کرسی میں دراز رہے اور سوائے کھانے کے لئے کیبن میں جانے کے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوئے جب کہ وہ دونوں وقتاً فوقتاً ادھر ادھر گھوم کر واپس اپنی کرسیوں پر آتے جاتے رہے۔ جب سفر اختتام کے قریب پہنچا تو مسٹر ڈیکلنگ نے بڑی کوشش سے سگار کو اپنے منہ سے جدا کیا اور فرمایا تم نہ پیتے ہو، نہ سگریٹ نوشی کرتے ہو نہ لاف کرتے ہو۔ خدا حافظ!۔ اس نے حیران ہو کر اپنی ساتھی سے پوچھا کہ میں تو سارا وقت ہنستا رہا ہوں یہ صاحب یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ تم لاف نہیں کرتے ہو؟۔ اس نے جواب دیا ان کا مطلب یہ تھا کہ تم لَو love نہیں کرتے ہو یعنی خواتین سے پیار محبت کی باتیں نہیں کرتے .... اور وہ .... وہ، تو تم نہیں کرتے ہو! اس کے بعد کا حصہ مسٹر ڈیکلنگ کی جانب سے سینٹ پیٹرز برگ آنے کی دعوت کا ہے۔ (حیرت کی بات ہے کہ چوہدری صاحب کو نصف صدی بعد بھی سارے نام اور پتے یاد تھے۔ بلکہ یو این او کے صدر کی حیثیت سے روس کے سرکاری دورے پر گئے تو بھی مسٹر ڈیکلنگ کے سینٹ پیٹرز برگ کے پتے پر پہنچے اور اپنے میزبانوں کو حیران کردیا)۔

یہ حصہ بھی محذوف ہے: ایک سہ پہر کو وہ (یعنی وہ اور سردار محمد اکبر صاحب) ریل کے ذریعہ پیٹر ہوف کا شاہی محل دیکھنے گئے جو خلیج فن لینڈ پر واقع ہے اور اس کے باغوں میں چہل قدمی کرتے پھرے۔ دونوں میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ رومانوف خاندان جو اپنی تین سوسالہ برسی منا رہا ہے (1613ء سے 1913ء)، تیزی سے اپنے رسوا کن انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس انجام کی ایک پیش خبری اللہ تعالٰی نے اپنے ایک

بندے کو دی ہوئی تھی کہ دنیا میں ایسی تباہی آنے والی ہے کہ زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حالِ زار!

فن لینڈ کے لوگوں کے بارہ میں چوہدری صاحب کی یہ رائے بھی درج نہیں ہوئی کہ فن لینڈ کے لوگ سادہ، مہربان اور مہمان نواز ہیں۔ نسلاً منگولوں کے قریب تر ہیں۔ ان کی تاریخ سویڈن یا روس کے بیرونی اقتدار کے خلاف جدوجہد سے بھری پڑی ہے۔ ثقافتی لحاظ سے یہ لوگ سویڈن سے قریب ہیں اور انہوں نے روس سے فاصلہ ہی رکھا ہے۔ ان کے اوپر کے طبقہ میں سویڈش خون کی بہت آمیزش ہے۔ اس لئے اس طبقہ میں فن لینڈ کی ثقافت کی بجائے سویڈش ثقافت زیادہ مقبول ہے۔ لوگ طبعاً جھگڑالو نہیں دوست پرور ہیں۔

یہ تو پہلے کی باتیں ہیں جب ابھی چوہدری صاحب کا سیاسی کیریر شروع نہیں ہوا تھا۔ جب پہلی بار وہ سر فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی کونسل کے عارضی طور پر رکن بنے تب کا ایک واقعہ ان کے مزاج کو سمجھنے میں بہت ممد ثابت ہوسکتا ہے جو حذف کر دیا گیا ہے۔ وہ یوں ہے: وائسرائے کی کونسل کے ایک عارضی رکن مالیات سر ایلن پارسن تھے جو ضابطوں کے فیل پا میں مبتلا تھے اور ان کے محکمے والے انہیں بادشاہ کہتے اور ان سے خوف کھاتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اختلاف رائے کرنے والے کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک بار محکمہ تعلیم کی ایک فائل ان کے سامنے پیش ہوئی تو آپ نے محکمہ تعلیم کے سیکرٹری کو جی بھر کے سخت سست کہا اور فائل پر بڑا کڑا نوٹ لکھا۔ سیکرٹری اپنے وزیر (یعنی سر ظفراللہ کے پاس) روتا دھوتا آیا اور ان سے کہا کہ وہ وزیر خزانہ کے ان درشت الفاظ کو ملائم بنانے کے لئے کچھ کریں۔ موقع بڑا نازک تھا۔ وزیر تعلیم نے وزیر خزانہ کے ان الفاظ کو اپنے لئے چیلنج سمجھا کیونکہ مستقبل کے سارے تعلقات کا انحصار ان کے ردعمل پر منحصر تھا۔ (چوہدری صاحب نے) قائمقام وزیر خزانہ کے نام فوراً ایک خط لکھوایا جس میں ان کے ناملائم الفاظ کا بڑے زوردار لفظوں میں شکوہ کیا اور اپنی جانب سے ایک مناسب ڈرافٹ ان کی خدمت میں پیش کیا کہ وزیر خزانہ اس کے مطابق اپنے الفاظ میں ترمیم کر دیں ورنہ وہ ان کے ناملائم الفاظ کے بارہ میں فائل پر زوردار نوٹ لکھیں گے جو تمام لوگوں کی نگاہ سے گزرے گا۔ یہ جواب بڑا سخت تھا اور ان کے پرسنل اسٹنٹ (ڈنشا نادرشاہ کو بھی جو مدت مدید سے وزرا کے ساتھ کام کررہے تھے) نامناسب معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا بھی کہ یہ معاملہ باہمی بات چیت کے ذریعہ چائے کی ایک پیالی پر طے کیا جاسکتا ہے مگر (چوہدری صاحب نے) ان سے کہا کہ آپ یہ جواب ٹائپ کرنے میں حیل وحجت نہ کریں۔ چنانچہ وہ جواب ٹائپ ہوا اور دستخطوں کے بعد بھیج دیا گیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر وزیر خزانہ کا ترمیم شدہ جواب آگیا۔ اس کے باوجود دونوں اراکین کے تعلقات باقی کے عرصہ میں بڑے خوش گوار رہے۔ اس بات سے چوہدری صاحب کی اصول پرستی واضح ہوتی ہے اور یہ بات بھی کہ وہ اپنے ماتحتوں کی صحیح بات کے دفاع میں کہاں تک جاسکتے تھے۔

بادشاہ جارج ششم یعنی موجود ملکہ الزبتھ کے والد کی تاجپوشی کا جشن 1937ء میں ہوا، اس میں چوہدری صاحب برطانوی ہند کے نمائندہ کے طور پر شریک ہوئے۔ تحدیث نعمت میں صرف اتنا لکھا ہے

کہ مئی 1937ء میں شاہ جارج ششم کی تاج پوشی کی تقریب قرار پائی........... انگریزی کتاب سرونٹ آف گاڈ میں 12 مئی کی تاریخ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ مگر تیسری خودنوشت یعنی کولمبیا یونیورسٹی والی یادداشتوں میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ تحدیث نعمت سے یہ واقعہ حذف کر دیا گیا تھا۔ تفصیل یوں ہے: میں تاجپوشی کی تقریب کی طرف واپس لوٹتا ہوں جو کسی طور سے بھی سیاسی نہیں تھی

۔ یہ بڑا مسرت انگیز تجربہ تھا جس میں شاہی خاندان کی مہمانداری اور فراخدلی پیش پیش رہی۔ ہم جو مختلف ملکوں کی نمائندگی کر رہے تھے تین دن تک یعنی تاجپوشی کے دن، اور اس کے بعد کے دو دن تک برطانوی حکومت کے نہیں بلکہ بادشاہ کے ذاتی مہمان تھے۔ اگر چہ ہم ہوٹلوں میں ٹھہرائے گئے تھے کیونکہ بکنگھم پیلس میں ہم سب کی گنجائش نہیں ہوسکتی تھی لیکن ہم ہر روز دوپہر اور شام کا کھانا شاہی محل میں کھاتے تھے اس طرح بادشاہ اور شاہی خاندان کے ساتھ بے تکلفی کے ماحول میں ملنے جلنے کا موقعہ ملتا تھا۔ دونوں شہزادیاں بہت چھوٹی تھیں ملکہ الزبتھ (موجود ملکہ الزبتھ کی والدہ جو مادر ملکہ کہلاتی ہیں اور ابھی پچھلے دنوں ایک سو برس سے زیادہ عمر پا کر فوت ہوئی ہیں)

بڑی پُروقار شخصیت کی مالک تھیں اور ہر ایک سے بڑی محبت سے پیش آتی تھیں، ان سے مل کر بڑی مسرت ہوتی تھی۔ اسی طرح بادشاہ سے بھی بے تکلفی سے ملاقات ہوتی تھی۔ ان کی زبان میں لکنت تھی اور وہ ابھی تک اس کمزوری پر قابو نہیں پا سکے تھے۔ مجھے یاد ہے سینٹ سٹیفن ہال میں ایمپائر پارلیمینٹری ایسوسی ایشن نے بادشاہ کے اعزاز میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ عام طور سے بادشاہ کا جام صحت تجویز تو کیا جاتا ہے مگر بادشاہ جواب نہیں دیتا۔ یہ تو خاص موقعہ تھا بادشاہ جواب دینے کو کھڑے ہو گئے۔ اور کوئی دو منٹ تک وہ اپنے الفاظ مجتمع نہ کر سکے۔ اپنے کاندھوں پر اتنی بڑی سلطنت کا بوجھ اٹھائے، اس کے نمائندوں اور معزز لوگوں کے سامنے وہ بے حس وحرکت خاموش کھڑے تھے، اور سب لوگ ان کے الفاظ کے منتظر تھے مگر یکا یک تالیوں کا شور اٹھا، انہوں نے ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر پانچ منٹ تک تالیاں بجتی رہیں، بجتی رہیں حتیٰ کہ ہمارے ہاتھ شل ہو گئے۔ شاید ان کے ارشادات پر اتنی تالیاں نہ بجھتیں مگر بجیں اس سے ان کو حوصلہ ہوا اور انہوں نے اپنی تقریر مکمل کی یہ بڑا پر اثر منظر تھا۔

تاجپوشی کی تقریب تو ایک لمبا معاملہ تھا۔ ہمیں صبح آٹھ بجے اس جگہ جمع ہونا تھا جہاں سے وزراء اعظم کا جلوس شروع ہونا تھا۔ ہم گھوڑا گاڑیوں میں تھے۔ آگے آگے وزیر اعظم مسٹر اور مسٹر بالڈون تھے، ان کے بعد ڈومینینز کے یعنی کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کے وزراء اعظم کے کوچ تھے، پھر انڈیا کی باری تھی۔ میرے ساتھ میری بیوی نہیں تھیں اس لئے برما کے ڈاکٹر باءماء کو میرے ساتھ کوچ میں بٹھایا گیا تھا۔ میں وائسرائے کے وزیر کے سرکاری لباس میں تھا یعنی سنہری کلاہ پر سفید پگڑی سونے سے لپا ہوا کوٹ، سفید برجس اور پہلو میں لٹکی ہوئی تلوار! اس تلوار کی وجہ سے مجھے تن کر بیٹھنا پڑتا تھا کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی سے تلوار کہیں اٹک جاتی یا وردی کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ڈاکٹر باءماء بڑے صاف رنگ کے آدمی تھے اس پر مستزاد کہ ان کا چہرہ صفاچٹ تھا، وہ بھی اپنے قومی لباس میں تھے یعنی ریشمی بلاؤز، ریشمی سکرٹ اور سر پر منڈھا ہوا ریشمی رومال۔ وہ میرے ساتھ کوچ میں بیٹھے تھے۔ ایک موقعہ پر کوچوں کو ٹریفک کی وجہ سے رکنا پڑا تو تماشائیوں میں سے کسی نے آواز لگائی حضور! ذرا پیچھے ہو کر بیٹھیں، اپنی خاتون کے درشن تو کرنے دیں!

تاج پوشی کی اس تقریب میں مہاراجہ بڑودہ کا تفصیل سے ذکر ہے اور بھی بہت سی باتوں کا مگر میں تفصیل کے خیال سے اس کو چھوڑتا ہوں۔ اصل مقصد اس مضمون کا صرف یہ بیان کرنا ہے کہ تحدیث نعمت میں سے جو چیزیں حذف کر دی گئی تھیں وہ اپنی ذات میں بڑی دلچسپ اور اہم تھیں اور ان سے ممدوح کی ذات کے بہت سے لطیف تر پہلو بھی اجاگر ہوتے تھے۔ اسی طرح بعض شخصیتوں کے بارہ میں چوہدری صاحب کی آراء جو بوجوہ درج گزٹ نہ ہوسکیں وہ بھی درج کرتا ہوں۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان برصغیر کے وہ مدبر تھے جنہیں تقسیم ملک سے قبل اور بعد

نمایاں سیاسی خدمات کا موقع ملتا رہا اس لئے ان کی خودنوشت میں دنیا کی اہم شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے جو اردو کی کسی اور خودنوشت میں نہیں ملتا۔ برطانوی مدبرین کا ذکر تو ناگزیر تھا کہ اس وقت ملک انگریزوں کے زیرنگیں تھا مگر اقوام متحدہ کے ساتھ لمبی وابستگی نے چوہدری صاحب کے ملاقاتیوں اور شناساؤں میں تنوع اور بین الاقوامیت پیدا کردی تھی اس لئے ان میں امریکی یورپی ایشیائی اور افریقی مدبرین سب ہی شامل ہیں۔ تحدیث نعمت میں بعض کے بارہ میں چوہدری صاحب کی آراء ریکارڈ ہوگئیں۔ کچھ ایسی آرا تھیں جو سرونٹ آف گاڈ میں ریکارڈ میں آئیں اور کچھ کولمبیا یونیورسٹی والی یادداشتوں میں۔ پاکستان کے سیاست دانوں کے بارہ میں وہ غیر مندرج آراء بھی درج کرتا ہوں۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ جو پنجاب کے بڑے زمیندار اور جدی پشتی سیاست دان تھے قیام پاکستان کے وقت پنجاب مسلم لیگ کے عہدیدار تھے۔ صدارت کا بوجھ نواب افتخار حسین ممدوٹ کے سر پر تھا مگر وہ اپنی روایتی تواضع اور انکسار کی وجہ سے خود کسی معاملہ پر فیصلہ فرماتے ہی نہیں تھے اور چونکہ ہر امر میں اپنے قریبی مشیران کی رائے کو قبول فرماتے تھے اس لئے تفاصیل پر غور کرنے بلکہ تفاصیل کا علم حاصل کرنے سے بھی پرہیز فرماتے تھے۔ اس زمانہ میں ان کے قریب ترین مشیران میاں ممتاز محمد خان دولتانہ صاحب اور سردار شوکت حیات خان صاحب تھے۔ دولتانہ صاحب کے بارہ میں چوہدری صاحب سرونٹ آف گاڈ میں لکھتے ہیں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ ایک اچھے پڑھے لکھے دولتمند زمیندار تھے وہ آکسفورڈ کے گریجوایٹ اور قابل اور پیشہ ور سیاست دان تھے اور جوڑ توڑ میں فرد۔ یہ رجحان انہوں نے اپنے باپ سے ورثہ میں پایا مگر انہوں نے اسے انتہا تک پہنچا دیا اور یہ چیز ان کے مزاج کا حصہ بن گئی (انگریزی محاورہ کے مطابق یہ چیز ان کے نتھنوں میں سانس کی طرح چلتی تھی)۔ اگر یہ خرابی ان میں نہ ہوتی تو وقت آنے پر وہ پاکستان کے وزیراعظم بن گئے ہوتے اور عوام کی خدمت کرنے کا موقع پاتے۔ ملک میں ایسے لوگ کوئی زیادہ نہیں تھے جن میں ان کی سی خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہوں۔

1953ء میں پنجاب کے گورنر ابراہیم اسماعیل چندریگر کی واحد قابلیت یہ تھی کہ وہ قائداعظم کے وفادار ساتھیوں میں سے تھے۔ بمبئی کے تاجر طبقہ سے ان کا تعلق تھا۔ انتظامی امور کا انہیں کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مرکز میں کچھ عرصہ تک وزیر تجارت رہے مگر ان کا کام ناقص رہا۔ لاہور میں تو ان کا تقرر بالکل بے موقع تھا۔ انہیں صوبہ کی زبان آتی تھی نہ

خواجہ ناظم الدین سابق وزیراعظم اور گورنر جنرل پاکستان کا تعلق نواب آف ڈھاکہ کے معزز خاندان سے تھا اور ان کی زندگی کا لمبا عرصہ سیاست میں گزرا تھا۔ قیام پاکستان سے قبل وہ متحدہ بنگال کے چیف منسٹر رہے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں مشرقی پاکستان کا گورنر بنایا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان کی ناوقت وفات کی وجہ سے انہیں پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ یہ مثالی گورنر جنرل ثابت ہوئے کیونکہ پارلیمانی طرز حکومت میں ساری انتظامی ذمہ داری وزیراعظم پر ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب کو ذمہ داری کی خواہش ہی نہیں تھی اس لئے ان کے اور وزیراعظم کے مابین کبھی کوئی اختلاف پیدا ہی نہیں ہوا۔ خواجہ صاحب بڑے نیک آدمی تھے اس لئے اپنی عبادات ومشاغل میں بڑے مگن اور خوش تھے۔ ان کے مشاغل میں اچھا کھانا بھی شامل تھا۔ مرغیاں بھی انہوں نے پال رکھی تھیں۔ دعوتیں کرنے کا بھی انہیں شوق تھا .... وہ بڑے اچھے نیک نیت اور نیک طبع آدمی تھے مگر ان میں قوت فیصلہ کا فقدان تھا گومگو کا شکار تھے اور کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے اور ذمہ داری قبول کرنے سے گھبراتے تھے۔ وہ ہر اچھا کام کرنے کے آرزومند تھے مگر عملی قدم اٹھانا ان کے بس میں نہیں تھا نہ ہی وہ نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے

کو تیار ہوتے تھے۔انہیں کسی نہ کسی پر انحصار کرنا ہوتا تھا۔اور اس کام کے لئے ان کے چھوٹے بھائی خواجہ شہاب الدین موجود تھے۔یہاں جملہ معترضہ کے طور پر اردشیر کاؤس جی کے ایک کالم کا ذکر کردوں تو بے محل نہ ہوگا۔لکھتے ہیں کہ ایک بار گورنر جنرل کا سرکاری جلوس پورے طمطراق سے کراچی کی سڑکوں سے گزرتا ہوا حیوانوں کے ایک ڈاکٹر کے مطب کی طرف جارہا تھا۔گورنر جنرل اپنے چہیتے مرغے کو گود میں لئے بیٹھے تھے جس کی طبیعت ناساز تھی۔صحافیوں کو اس کی بھنک پڑ گئی انہوں نے خواجہ صاحب کو سوالوں کی زد پر رکھ لیا۔خواجہ صاحب بڑے تحمل سے جواب دیتے رہے اور آخر میں فرمایا آپ میرے بارے میں جو چاہیں لکھیں لیکن خدا کیلئے میرے مرغے کو بخش دیں۔

تحدیث نعمت کے نام کے بارہ میں میرے علم میں ایک نئی بات آئی ہے پہلے اس کا ذکر۔ثاقب زیروی نے اپنی زندگی کے حالات کے بیان میں لکھا ہے کہ جب 1970ء میں انہیں لندن کی کسی بزم نے اپنے ہاں مدعو کیا تو چوہدری صاحب نے از خود ثاقب صاحب کو پیشکش کی کہ وہ دی ہیگ سے آکر انہیں انگلستان کے بڑے بڑے شہروں کی سیر کروانا چاہتے ہیں۔چنانچہ چوہدری صاحب اپنے مستقر دی ہیگ سے لندن تشریف لائے اور پھر ثاقب صاحب کو انگلستان کے بڑے بڑے شہروں کی سیر کروائی۔اس سلسلہ میں ثاقب صاحب لکھتے ہیں: لندن سے ہڈرزفیلڈ روانہ ہونے سے قبل میں نے آپ سے دریافت کیا حضرت سنا تھا آپ اپنی زندگی کے حالات اور یادداشتیں مرتب کر رہے ہیں یہ ترتیب کس مرحلہ میں ہے؟ فرمایا میں نے اپنی طرف سے مسودہ مکمل کر کے شیخ اعجاز احمد اور چوہدری بشیر احمد صاحبان کو بھجوا دیا ہے کتاب کی کتابت اور طباعت تو پاکستان ہی میں ہوگی۔کتاب کا نام کیا تجویز ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا۔فرمایا بے کم وکاست۔بے کم وکاست؟ میرے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہی میرے چہرے پر ایک مایوس کن حیرت بکھر گئی۔فرمایا نام سن کر آپ خاموش ہو گئے۔بڑے تامل کے بعد عرض کیا اس لئے کہ اہل ادب کے ایک طبقے کے نزدیک بے کم وکاست گفتنی ناگفتنی اور رطب و یابس کا مترادف بھی ہے۔میرا یہ گستاخانہ جواب سن کر اب کے چوہدری صاحب خاموش ہو گئے .... کھانے کے بعد ہم اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔کوئی ساڑھے نو بجے کے قریب حضرت میرے کمرے میں وارد ہوئے اور فرمایا آپ کے پاس پڑھنے کے لئے اردو کی کوئی کتاب ہے؟ عرض کیا میرے پاس شہاب ثاقب کا ایک نسخہ ہے اور آپ ہی کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہے۔میں نے وہ نسخہ نکالا اور اس پر انتساب کی چند سطور لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔صبح ناشتہ پر اکٹھے ہوئے تو میں نے حضرت چوہدری صاحب کے چہرے پر ایک خاص قسم کی پرسکون بشاشت محسوس کی۔ناشتے کے بعد فرمایا شہاب ثاقب میں جو ابتدائیہ دیباچہ یا پیش لفظ آپ نے لکھا ہے جس میں آپ نے نیاز محمد خاں (این ایم خاں) عبداللہ خاں اور عبدالمجید سالک صاحب کی اپنے ساتھ مروتوں اور محبتوں کا تذکرہ کیا ہے مجھے اس کا عنوان بہت پسند آیا ہے۔کیا آپ کی مراد تحدیث نعمت کے عنوان سے ہے؟ میں نے عرض کیا۔فرمایا ہاں .... پھر عرض کیا حضرت یہ سچ ہے کہ آپ کی زندگی جو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں افضال واکرام کا مجموعہ ہے اس کے تذکرے کے لئے اس سے بہتر نام اور کوئی نہیں ہوسکتا۔فرمایا اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ نام رکھ لوں؟ عرض کیا میں گزارش کروں گا کہ ضرور یہی نام رکھیں اور یوں آپ کی خودنوشت سوانح حیات کا نام حتمی طور پر تحدیث نعمت طے پا گیا (ہفت روزہ لاہور لاہور مورخہ 17 جنوری 2004ء) حیرت اس بات پر ہے کہ چوہدری صاحب نے اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ کے ہر فضل اور ہر کرم کا تذکرہ کرتے ہوئے سو سو بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے اور بار بار اس کی تمجید بیان کی ہے انہیں اپنی خودنوشت کے لئے یہ نام خود نہیں سوجھا۔بے کم وکاست کا نام بھی کوئی ایسا بے

محل نام نہ ہوتا۔ثاقب صاحب نے جس خدشہ کا اظہار کیا ہے وہ محض ذوقی بات ہے۔اس کی کوئی علمی بنیاد نہیں۔بے کم وکاست کے لفظ میں تفصیل کے ساتھ ساتھ حق گوئی وبے باکی کا تصور ذہن میں آتا ہے رطب ویابس یا گفتنی ناگفتنی کا تصور ذہن میں نہیں آتا۔لغوی لحاظ سے بھی بے کم وکاست کے معنی ہیں: فارسی اسم صفت ہے۔بغیر گھٹائے بڑھائے ٹھیک ٹھیک جوں کا توں صحیح صحیح (فرہنگ آصفیہ) اور صاحب نوراللغات نے اس پر یہ معنی زائد کئے ہیں بے کھٹکے، بےخوف وخطر۔بہرحال یہ ایک ذوقی معاملہ تھا اور تحدیث نعمت کا نام چوہدری صاحب کو مناسب معلوم ہوا تو انہوں نے اسے قبول کرلیا کیونکہ کتاب کا اسلوب اسی عنوان کا متقاضی تھا۔واللہ اعلم بالصواب۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل 26 ستمبر 2014ء صفحہ 3 تا5)

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب تحدیثِ نعمت کے متروکات (قسط دوم آخر)

متروکات تحدیث نعمت کے بارہ میں کچھ باتیں پہلے لکھ چکا ہوں انہی کے تسلسل میں کچھ مزید باتیں۔سرظفراللہ وزیرتجارت کی حیثیت میں لندن گئے اور برطانوی حکومت سے نئے تجارتی معاہدہ کی بابت گفت وشنید کرتے رہے۔کرنل آلیور سٹینلے برطانیہ کے وزیرتجارت تھے اور مسٹر براؤن محکمہ کے سیکرٹری۔کرنل سٹینلے سخت رویہ اختیار کئے ہوئے تھے اور کسی طور مفاہمت پر آمادہ نہ تھے۔تحدیث نعمت میں لکھا ہے میں لارڈ ڈاربی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کہ وہ اپنے فرزند کو سمجھائیں۔کولمبیا یونیورسٹی والی یادداشتوں میں لکھا ہے میں لارڈ ڈاربی کے پاس گیا جنہیں میں گول میز کانفرنسوں کے زمانہ سے اچھی طرح جانتا تھا۔پہلی جنگ عظیم کے ابتدائی زمانے میں لارڈ ڈاربی وزیر جنگ تھے اور انہوں نے جنگ میں بھرتی کی زبردست مہم شروع کی تھی۔جس کمرہ میں میں انتظار کر رہا تھا اس کے مینٹل پیس پر ایک کارٹون رکھا ہوا تھا۔اس میں ایک عورت اپنے بچے سے کہہ رہی تھی اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو میں تمہیں لارڈ ڈاربی کے آگے ڈال دوں گی۔لارڈ ڈاربی کمرہ میں آئے اور آداب و سلام کے بعد کہنے لگے ظفراللہ میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟ میں نے کہا جناب والا میں آلیور کو ڈاربی کے سامنے ڈالنے کے لئے آیا ہوں۔

کامن ویلتھ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس کا ذکر تحدیث نعمت میں ہے کہ کانفرنس کے دوران میں ہی مسٹر بالڈون برطانیہ کی وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہوگئے اور مسٹر نیوائل چیمبرلین نے ان کی جگہ لی۔اس کے بعد کا جو حصہ حذف کیا گیا ہے وہ یوں ہے: جس روز نیوائیل چیمبرلین نے کانفرنس میں اپنی جگہ سنبھالی ہم سب نے انہیں خوش آمدید کہا۔وہ کانفرنس میں پہلے چانسلر آف ایکس چیکر یعنی وزیرخزانہ کی حیثیت میں موجود ہوتے تھے مگر صدارت وزیراعظم کیا کرتے تھے۔اب نیوائیل چیمبرلین نے صدارت سنبھالی۔دوسروں نے جو کچھ بھی کہا میں نے بھی دو چار لفظ اس پر ایزاد کئے۔معلوم ہوتا ہے ان کے خلوص سے وہ متاثر ہوئے کیونکہ اجلاس کے اختتام پر جب وہ گزر رہے تھے تو انہوں نے میرے ساتھ ہاتھ ملایا اور کہا آپ نے میرے بارہ میں جو کچھ کہا ہے میں اس سے خاص طور سے متاثر ہوا ہوں۔لگتا ہے یہ محض رسمی بات نہیں تھی کیونکہ بعد میں ٹریڈ اگریمنٹ کے دوران انہوں نے میری بڑی مدد کی۔37۔1938ء میں ہم سوشل تقریبات میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہے۔ 1938ء میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا۔ہمارے ہائی کمشنر سرفیروز خان نون تھے اور میں ان کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔وہ بیٹنی ہل کے اوپر رہتے تھے ہم ان کی کار میں سینٹ جیمز پارک تک آتے موسم اچھا ہوتا تو پارک کا ایک چکر لگاتے اور پھر کوئی میٹنگ وغیرہ ہوتی تو میں بورڈ آف ٹریڈ چلا جاتا یا ہم انڈیا ہاؤس میں چلے جاتے۔ایک روز ہم جھیل کے ساتھ سینٹ جیمز پارک میں پیدل جارہے تھے کہ سامنے سے وزیراعظم اور مسز چیمبر

لین آتے دکھائی دیئے۔سر فیروز خان نون نے خاصی اونچی آواز میں سرگوشی کی وزیراعظم آرہے ہیں۔ہم ایک دوسرے کے قریب سے گزرے تو ایک دوسرے کو ہیٹ اتار کر سلام کیا۔میں نے سنا مسز چیمبر لین وزیراعظم سے کہہ رہی ہیں یہ سر ظفراللہ تھے۔وزیراعظم نے کہا ہاں میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ہائی کمشنر صاحب جنہوں نے مجھے وزیراعظم کی جانب اشارہ کرکے بتایا تھا ان کا کوئی ذکراذکار ہی نہیں تھا۔ہائی کمشنر صاحب نے سمجھا ہوگا میں اور وزیراعظم ایک دوسرے کو نہیں جانتے مگر وزیراعظم کو چہرے یادرکھنے میں بڑا مہارت تھی۔

چیمبر لین خاندان اپنے موحد ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ایک بار جب میں ان سے ملاقات کے لئے گیا تو میں نے کہا ان کے موحد ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے میں بہت آسانی رہے گی کیونکہ اسلام بھی خدا کی توحید اور انسان کی یکجہتی اور اتفاق پر بڑا زور دیتا ہے۔ایسی باتیں بعض اوقات انسان کو ایک دوسرے کو سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہیں۔مگر بعد میں جب انہیں ہٹلر کے ساتھ معاملہ کرنا پڑا تو یہ کہنا مشکل ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ درست تھا غلط لیکن میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ لوگوں نے انہیں سمجھنے میں غلطی کی ہے۔جب انہوں نے ہاؤس آف کامنز میں اعلان کیا کہ ہٹلر نے انہیں میونخ آنے کی دعوت دی ہے تو لوگوں نے اچھل اچھل کر اور چیخ چیخ کر کہا خدا کے لئے جاؤ خدا کا واسطہ جاؤ مگر یہی لوگ تھے جو بعدازاں ان کے خلاف ہو گئے۔اس وقت وہ بے تاب تھے کہ سروں پر منڈلاتا ہوا جنگ کی خطرہ کسی طرح ٹل جائے۔انگلستان کسی صورت میں جرمنی کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھا۔بعد میں لوگ کہنے۔کہ انہوں نے میونخ جاکر غلطی کی ہے۔میری نگاہ میں غلطی وہاں ہوئی جہاں اس طرح حاصل کئے ہوئے وقت سے مناسب اور پورا پورا فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ہر شخص کو یقین ہو جانا چاہئے تھا کہ ہٹلر جنگ پر تلا بیٹھا ہے اس لئے انہیں مقابلہ کی تیاریوں میں لگ جانا چاہئے۔یہ تاریخ کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ بڑے بھائی آسٹن چیمبر لین جنہیں سیاسی مناصب کے لئے تعلیم دی گئی تھی اور تیار کیا گیا تھا وزارت خارجہ سے آگے نہ بڑھ سکے اور وزارت عظمیٰ تک نہ پہنچ سکے جو ان کا منتہائے مقصود تھا۔نیوائیل چیمبر لین جن کی ساری تربیت تجارت اور میونسپل امور کے اس پہلو تک محدود تھی کہ وہ برمنگھم کے لارڈ میئر بن جائیں بالآخر وزیراعظم بن گئے اور ان کا انجام بھی زیادہ خوش گوار نہ ہوا۔

متروکات کے پہلے حصہ میں جارج ششم کی تاجپوشی کا مختصر سا ذکر ہو چکا ہے۔مزید یوں ہے کہ تاج پوشی کا موقعہ ایسا تھا کہ روایتی رسوم ورواج کو کسی کونسی حد تک بالائے طاق بھی رکھنا پڑا۔جو لوگ بطور مہمان شرکت کر رہے تھے انہیں دوپہر کا کھانا ذرا دیر سے ہاؤس آف لارڈز میں کھانا تھا اور ہم لوگوں کو بادشاہ اور ملکہ سمیت بغیر دوپہر کے کھانے کے ہی گزارا کرنا تھا ہمارے لئے چرچ کے ایک حصہ میں شامیانے لگا کر بقے کا عارضی انتظام کیا گیا تھا جس میں صرف سینڈوچ اور کافی دی گئی اس کے بعد بعد ہمیں واپس محل کی طرف روانہ ہونا تھا۔تاج پوشی کی یہ لمبی تقریب برطانوی پابندی وقت کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی کیونکہ جس تقریب میں شاہی مہمان شرکت کر رہے ہوں وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔چرچ کے اندر میں وزرااعظم کی قطار میں تھا۔مسٹر بالڈون سے کوئی چھٹے یا ساتویں نمبر سے نہ ہز ہائی نس مہاراجہ گائیکواڑ آف بڑودہ جو راجوں مہاراجوں کے نمائندے تھے میرے عین اوپر کی سیٹ پر بیٹھے تھے۔وہ خاصے عمر رسیدہ تھے اور انہیں تقریب کے دوران اپنی ناک صاف کرنے کے رومال پر قابو نہیں تھا۔مزید برآں کارروائی اور دعاؤں کی جو خوب صورت چھپی ہوئی کتاب انہیں دی گئی تھی وہ بھی ان کے ہاتھوں سے بار بار نیچے گر جاتی تھی۔سیٹیں خاصی تنگ تھیں سارا وقت ان کا رومال اور کتابچہ بار بار نیچے گرتا رہا اور مجھے ہر بار جھک کر یہ چیزیں ان کو اٹھا کر دینی پڑیں۔یہ خاصا

مشکل کام تھا کیونکہ مجھے اپنے سارے جسم کو بیک وقت جھکانا ہوتا تھا۔میں ایک چیز اٹھا کر انہیں دے چکتا تو دوسری چیز فرش پر آ رہتی۔

ساری تقریب کا تقدس عبادت بادشاہ کی تاجپوشی اور شاہی بپتسمہ اردگرد کی چمک دمک پر وقار ماحول۔جلوس خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے تماشائی یہ سب کچھ ہی یادگار تھا۔واپسی پر ڈاکٹر باء ماء مجھ سے کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ ہر دس پندرہ سال بعد تاج پوشی کی ایک ایسی ہی تقریب کرتے رہیں تو لوگ مطمئن اور خوش رہیں گے اور بھی حکومت کو اقتدار سے باہر نہیں کریں گے۔برطانوی لوگ شان وشوکت اور طمطراق کو پسند کرتے ہیں۔

جب سرظفراللہ پہلی بار وائسرائے کی کاؤنسل کے رکن بنے تو اس کا ذکر تحدیث نعمت میں صرف اتنا سا ہے اسی شام میں لاہور سے شملے روانہ ہو گیا۔میاں صاحب کے پرسنل اسٹینٹ خان بہادر ڈنشا نادرشاہ میرے ہمراہ تھے کالکا سے ہم کرایہ کی موٹر پر شملہ گئے۔جب پہاڑ کا سفر شروع ہوا تو میں نے خان بہادر صاحب سے کہا کہ آپ کام جانتے ہیں مجھے اس کام کا تجربہ نہیں اور میں شملہ اور دلی کے ارباب حل وعقد سے بھی شناسا نہیں آپ جہاں تک ہو سکے مجھے کام کرنے کے طریق اور حکام سے میل جول کے آداب سے مطلع کردیں انہوں نے کچھ ضروری باتیں اس وقت بتلا دیں۔کولمبیا والی یادداشتوں میں ان ضروری باتوں کی دلچسپ تفصیل موجود ہے جو تحدیث نعمت سے طوالت کے خوف سے اغلباً حذف کردی گئی ہے۔لکھتے ہیں میں نے نادرشاہ سے پوچھا کہ وہ مجھے بتائیں کہ سرکاری کام کیسے ہوتا ہے؟ انہوں نے کام کی تکنیک مجھے بتائی کہ کسی طرح فائلیں آتی ہیں کسی طرح واپس بھیجی جاتی ہیں۔یہاں تک بھی بتایا کہ میں کوئی حکم لکھواؤں یا لکھوں تو اس پر تاریخ اور مہینے کے ساتھ مختصر دستخط کر دینا ہی کافی ہوگا۔پورے دستخط صرف اہم سرکاری کاغذات پر کرنے ہوں گے یا اہم ترین مراسلوں پر یا تنخواہ کے بلوں پر۔بس آپ دستخط کرلیں کام ہوجایا کرے گا۔بعد میں جب مجھ سے کوئی پوچھتا کہ وائسرائے کی کاؤنسل کا رکن ہونے کے لئے کس قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے تو میں کہتا تھا بس تاریخ اور مہینہ یاد رکھنا اور تنخواہ کے بلوں پر پورے دستخط کرنے کے قابل ہوتا۔

تحدیث نعمت میں سے شملہ میں میری رہائش ری ٹریٹ میں تھی۔کولمبیا والی یادداشتوں میں کچھ مزید بیان موجود ہے ری ٹریٹ مال روڈ اور شملہ کے سب سے بڑے ہوٹل سیسل ہوٹل کے بالمقابل بڑی اچھی جگہ پر واقع تھی اور رہائش کے لئے بڑی آرام دہ تھی۔تمام اراکین کاونسل کی رہائش گاہیں بڑی دیدہ زیب اور بے حد خوش ذوقی سے سجائی گئی تھیں۔جونہی ہم شملہ پہنچے میں نے نادرشاہ سے کہا کہ وہ مسٹر رام چندرا کو ٹیلیفون کر کے کوٹھی پر بلالیں۔میں مسٹر رام چندرا کو جانتا تھا وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے ایم اے تھے اور کچھ عرصہ کے لئے حساب کے اسٹنٹ پروفیسر بھی رہے تھے۔میں اس وقت انٹرمیڈیٹ کی کلاسوں میں تھا اور میرے مضامین میں حساب بھی شامل تھا اس لئے مجھے چند ہفتوں کے لئے ان کے قدموں میں بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔اس کے بعد وہ سرکاری وظیفہ پر انگلستان چلے گئے تھے اور وہیں سے آئی سی ایس میں شامل ہوئے تھے۔اور اب محکمہ کے جوائنٹ سیکرٹری تھے۔اس وزارت کے دفاتر گھر سے زیادہ دور نہیں تھے صرف پانچ منٹ کا پیدل کا رستہ تھا وہ تشریف لائے تو آداب وسلام کے بعد میں نے کہا مسٹر رام چندرا پہلے آپ نے مجھے صرف حساب mathematics پڑھایا تھا اب آپ کو مجھے اس جگہ کا پورا حساب کتاب arithmatic پڑھانا پڑے گا سو انہوں نے مجھے طریق کار کے بارہ میں مزید معلومات بہم پہنچائیں۔میں یہ بھی بتادوں کہ وائسرائے کی کاونسل کے اراکین وائسرائے کے اردگرد کہکشاں کی طرح سمجھے جاتے تھے کیونکہ وائسرائے ہندوستان کے آسمان کا روشن ستارہ

تھا ان کو اور ان کے اراکین کا ؤنسل بشمول کمانڈر انچیف (سوائے وزیر ہند کے جو لندن میں تھے) کو ہندوستان۔موجودہ پاکستان اور برما کے تمام علاقوں پر لامحدود اختیار حاصل تھا۔کونسل کے تینوں ہندوستانی اراکین کا بھی یوروپین اراکین کی طرح پرانے روایتی طور طریقہ سے عزت واحترام ملحوظ رکھا جاتا تھا۔اچانک ایسی اعلیٰ حیثیت حاصل ہو جانے کے بعد میری انا کو بھی پھول جانے کا موقع ملا رہا تھا مگر میں نے ہمت کی اور ثابت قدمی دکھائی مسٹر ریڈ نے آکر ملنے کی خواہش کی تھی سر ظفر اللہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں خود گارٹن کاسل اپنے دفتر آؤں گا اور وہیں سب لوگوں سے ملاقات کروں گا جب نادر شاہ صاحب نے ان سے کہا کہ آپ کہتے ہیں تو ایسا کہہ دیتا ہوں مگر یہاں کا دستور یہ نہیں۔اس پر سر ظفر اللہ نے کہا یہ میرے اختیار میں ہے یا نہیں؟ کہنے لگے اختیار تو ہے۔میں نے کہا تو یہ میرا فیصلہ ہے۔روایت کی دیوار میں پہلا شگاف میں نے ڈال دیا۔

ایک اور بات اگر چہ معمولی سی ہے مگر کہہ ہی دوں۔اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ سارا نظام کتنا الگ تھلگ اور ضابطوں میں جکڑا ہوا تھا۔ شملہ پہاڑی مقام تھا یوں لگتا تھا پہاڑی سے چمٹا ہوا شہر ہے۔سڑکیں تنگ بل کھاتی ہوئی اور بعض مقامات پر عمودی تھیں۔ان سڑکوں پر صرف وائسرائے کمانڈر انچیف گورنر پنجاب (کیونکہ شملہ حکومت پنجاب کا گرمائی ہیڈ کوارٹر تھا) اور ایک آدھ اور نمایاں افسروں کی کاریں آ جا سکتی تھیں ان کی رفتار بھی نہایت کم ہوتی تھی کہ سڑکیں تنگ تھیں اور پیدل چلنے والوں کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔لوگ انہی سڑکوں پر چلتے تھے۔در حقیقت یہ سڑکیں پیدل چلنے والوں کے لئے بنائی گئی تھیں۔ان سڑکوں پر سفر کا دوسرا ذریعہ گھوڑے تھے یا رکشے جنہیں انسان کھینچتے تھے۔سیر سپاٹے کے لئے آنے والے رکشوں کو ٹیکسیوں کی طرح کرائے پر لے لیتے تھے۔مستقل رہائشی لوگوں کے پاس اپنے ذاتی رکشے ہوتے تھے جنہیں کھینچنے یا دھکیلنے کے لئے چار یا چھ آدمی ملازم رکھے جاتے تھے۔آگے والے کھینچتے تھے پیچھے والے دھکیلتے تھے۔یہ اچھی خاصی آرام دہ سواری تھی اور تربیت یافتہ قلی (رکشا کھینچنے والوں کو قلی کہا جاتا تھا) مسافر کو تیز رفتاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا سکتے تھے۔خاص طور سے جب وہ نشیب میں جا رہے ہوتے تو ان کی رفتار خاصی تیز ہوتی تھی۔ذاتی رکشا کھینچنے والے قلی وردی پہنتے تھے۔پنڈلیوں پر پٹیاں لمبے بوٹ گھٹنوں تک لمبے کوٹ اور کمر میں بندھی ہوئی چوڑی پیٹی اور سینے پر مالک کے امتیازی حروف اور سروں پر پگڑیاں۔مجھے یاد ہے میرے قلیوں کا کوٹ عنابی رنگ کا تھا اور ان کے سینے پر سنہرے رنگ کا حرف زیڈ لگا ہوا تھا۔لوگ کہتے تھے کہ جب رکشا تیزی سے جا رہا ہو اور قلیوں کے جسم اوپر نیچے حرکت کر رہے ہوں تو عنابی پس منظر میں سنہرا حرف یوں چمکتا ہے جیسے بجلی کا کوندا لپک رہا ہو۔جب مجھے جلدی نہ ہوتی اور فاصلہ بھی زیادہ نہ ہوتا تو میں پیدل چلنے کو ترجیح دیتا۔اس وقت بھی لوگ کہتے تھے تم روایتوں کو پامال کر رہے ہو۔کاؤنسل کے کسی رکن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ پیدل چلے اگر اسے پیدل چلنا ہی ہے تو اس کے رکشے کو پیچھے پیچھے ہونا چاہئے۔گو یا رکشہ رکن کا امتیازی نشان تھا۔مگر میں ان باتوں کی پروا کرنے والا نہیں تھا۔ایک روز میں اپنے گھر سے دفتر کی طرف پیدل جا رہا تھا کہ سر لانسیلاٹ گراہم جو اس وقت قانون کے محکمہ کے سیکرٹری تھے اور بعد کو گورنر سندھ بنے اپنے گھوڑے پر سوار میرے پاس سے گزرے۔فرمانے لگے تم ایک روایت کو توڑ رہے ہو۔میں نے کہا سر لانسیلاٹ کون سی روایت؟ کہنے لگے کہ یہی کہ تم پیدل جا رہے ہو اور رکشا تمہارے پیچھے پیچھے نہیں۔میں نے کہا آپ کا کیا خیال ہے اللہ میاں نے مجھے دو ٹانگیں کس غرض سے دے رکھی ہیں؟ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔اب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ میں نے اپنی سیاسی اقتدار کی تہیں سالہ زندگی کے ان چار مہینوں میں اپنے قلم کو جس قوت سے برتا وہ بعد میں میسر نہیں آیا۔شاید اس وجہ سے بھی ہو کہ میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ میں موقع محل کے مطابق اپنے

نکتہ نظر کوضرور بیان کروں گا اور جس قدر قوت اور پختگی کے ساتھ گا اور ممکن ہوسکا اس کا برملا اظہار بھی کروں گا۔

پنجاب باؤنڈری کمشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے قائداعظم نے سرظفراللہ خان کا انتخاب کیا تھا۔فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج کی حیثیت سے مستعفی ہونے کے بعد آپ ہزہائی نس نواب بھوپال کے آئینی مشیر اور دیوان تھے۔نواب صاحب نے سرظفراللہ کو اس غرض سے انگلستان جانے کا حکم دیا کہ وہ آزادی ہند کے مسودہ کے پارلیمنٹ میں پیش ہونے کے وقت وہاں موجود رہیں اور اگر والیان ریاست کے مفاد کا کوئی موقع ہوتو اس سے فائدہ اٹھائیں۔سرظفراللہ تحدیث نعمت میں لکھتے ہیں بحث کے دوران لارڈ ٹیمپل وڈ (سرسیموئل ہور) نے سوال کیا کیا والیان ریاست کے متعلق جو شق اس مسودہ میں ہے اس سے یہ مراد ہے کہ آزادی کے بعد ایک والی ریاست کو اختیار ہوگا کہ ریاست کی طرف سے ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے یا پاکستان کے ساتھ اور اگر پسند کرے تو دونوں میں سے کسی سے الحاق نہ کرے۔ بلکہ آزاد رہے ایوانِ امرا میں مسودے کی نگہداشت نائب وزیر ہند لارڈ لسٹویل کے سپرد تھی انہیں اس سوال کی توقع بھی نہیں تھی اور سوال ان کے لئے پریشان کن بھی تھا۔وزیراعظم بہت محتاط تھے کہ پارلیمنٹ میں مسودے کے زیر بحث آنے پر والیان ریاست کے متعلق ایسی بات پر زور نہ دیا جائے جس پر کانگریس بگڑ بیٹھے۔شق متعلقہ کے الفاظ واضح تھے اور ان کی صحیح تعبیر وہی تھی جو لارڈ ٹیمپل وڈ نے اپنے سوال میں پیش کی لیکن لارڈ لسٹویل صاف الفاظ میں اسے تسلیم کرنے سے جی چراتے تھے چنانچہ انہوں نے جواباً صرف اپنے سر کو اثباتی جنبش دی جس پر لارڈ ٹیمپل وڈ نے فوراً یہ کہہ کر ان کی جنبش سر کو ریکارڈ کروا دیا۔.I take it that noble Lord's nod confirms my assumption

(میں سمجھتا ہوں کہ معزز لارڈ نے سر ہلا کر میری تعبیر کی تصدیق کی ہے)

اس سے آگے کا حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔تاریخ احمدیت جلد دہم میں تحدیث نعمت کے غیر مطبوعہ نسخے کا حوالہ درج ہے اس میں محذوف حصہ یوں ہے جناب نواب صاحب نے بعض نجی امور کے متعلق مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے ہزہائی نس جناب آغا خاں کی رائے دریافت کروں۔لندن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہزہائی نس پیرس میں ہیں۔ میں نے وہاں ان کی خدمت میں گزارش ارسال کی کہ خاکسار شرف ملاقات کا متمنی ہے ان کا تار آیا کل شام مجھے رٹز میں ملو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔دوسرے دن جب میں رٹز پہنچا اور concierge سے اطلاع کرنے کو کہا تو جارج نے مجھ سے کہا کہ ہزہائی نس ابھی پہنچے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کے دل میں تمہاری بہت قدر ہے کیونکہ آج پیرس کے گھوڑ دوڑ کے میدان میں long champs میں پرنس علی خاں کا گھوڑا grand prize میں اول آیا ہے اور اس وقت جوڈنر پرنس علی خاں کے اعزاز میں دیا جارہا ہے اس میں شمولیت دونوں باپ بیٹوں کے لئے ہے کے بہت خوشی اور فخر کا موجب ہوتی لیکن ہزہائی نس تمہیں ملنے کے لئے یہاں چلے آئے ہیں مگر ہیں بہت خوش۔تم اوپر جاتے ہی سب سے پہلے اس جیت کی مبارکباد دینا۔(جارج سترہ سال سے مجھے جانتا تھا اسے معلوم تھا کہ ہنر ہائی نس میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے ہیں۔جارج اور رٹز ایک قسم کے توام تھے بڑا لمبا عرصہ ان کا جوڑ رہا۔جارج کی سرگزشت جو ایک لحاظ سے رٹز اور رٹز میں ٹھہرنے والوں کی کے George of the Ritz سرگزشت ہے نام سے چھپ چکی ہے۔

ہزہائی نس خاکسار کے ساتھ اسی شفقت کے ساتھ پیش آئے جو آپ کا خاصہ تھی۔امور مشورہ طلب کے تعلق میں اپنی رائے کا اظہار فرماتے رہے لیکن یہ گفتگو ایک مجلس میں ختم نہ ہوسکی فرمایا کل دوپہر مجھے واپس پیرس جاتا ہے یہاں سے روانہ ہوکر Bankcoutts جاؤں گا اگر تم دس

بجے صبح مجھے وہاں مل جاؤ تو میں بقیہ امور کے متعلق وہاں تمہیں نوٹ لکھوا دوں گا۔Coutt's Bank پرائیویٹ بنگ ہے بڑی مدت سے قائم ہے اور نہایت قابل اعتماد ہے شاہی خاندان کے حسابات بھی اسی بنک کے ساتھ ہیں۔ میں وقت مقررہ پر strand میں بنگ کے دفتر میں حاضر ہو گیا۔ الگ بیٹھ کر ہز ہائی نس نے بقیہ امور کے متعلق بھی اپنا مشورہ نوٹ کروا دیا اور وہیں سے پیرس روانہ ہو گئے۔(تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ 455-456)

سر سیرل ریڈ کلف کے تقرر کے باب میں بھی تحدیث نعمت میں بہت سا حصہ ترک کر دیا گیا ہے یا مصنف نے اسے تبدیل کر دیا ہے۔تحدیث نعمت میں یہ مذکور ہے میں ابھی لندن میں ہی تھا کہ سر سیرل ریڈ کلف کے حد بندی کمشن کے ایمپائر ہونے کا اعلان ہو گیا۔محذوف یا مبدل حصہ یوں ہے مجھے پال مال کا وہ مقام خوب یاد ہے جہاں میں نے یہ اعلان اخبار میں دیکھا اور یہ بھی خوب یاد ہے کہ میری طبیعت اس خیال سے بہت پریشان ہوئی کہ جناب قائداعظم نے ایک پریکٹس کرتے ہوئے بیرسٹر کو جو پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں کیسے امپائر تسلیم کر لیا ان پر تو کوئی قسم کا اثر ڈالا جانے کا امکان ہو سکتا ہے۔ پھر خیال آیا کہ محض قیاس کی بنا پر پریشان ہونا بیکار ہے کیوں نہ ان سے مل کر ان کے متعلق رائے قائم کی جائے۔ میں نے حاضر خدمت ہونے کی اجازت چاہی۔انہوں نے اپنے مکان ہائی گیٹس پر ملنے کا وقت عطا فرمایا اس سے مجھے اطمینان ہوا کہ سفر کی تیاری میں مصروف ہونے کے باوجود عدم فرصت کی بنا پر عذر نہیں کیا پھر اپنے دفتر یا ایوان عام میں طلب نہیں فرمایا جس سے ترشح ہوتا کہ رسمی علیک سلیک کے سوائے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ تو نہ میری نیت تھی نہ مناسب تھا کہ میں ان سے ان کے فرائض منصبی کے متعلق کوئی ایسی بات چیت کرتا جو ان کی رائے یا فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی۔لیکن وہ مجھے جانتے نہیں تھے اس لئے میری نیت یا ارادے کے متعلق کوئی قیاس نہیں کر سکتے تھے پھر بھی ان کا مجھے ملاقات کے لئے وقت دے دینا کم سے کم یہ ظاہر کرتا تھا کہ انہیں اپنے اوپر ضرور اعتماد ہے جو میرے لئے باعث اطمینان تھا۔ چنانچہ میں حاضر خدمت ہوا گفتگو بالکل سرسری تھی اپنے پروگرام کے متعلق اتنا فرمایا میں جلد روانہ ہونے والا ہوں لیکن جہانتک میں اندازہ کر سکا ان کی طبیعت پر ان کے فرائض کی اہمیت اور ان کے سرانجام دینے کے متعلق کسی قسم کے شوق یا جوش کا تاثر نہیں تھا۔ میں ان کی ملاقات کے لئے پریشان لیکن کچھ اطمینان حاصل کرنے کی توقع میں گیا تھا اور پریشان تر واپس آیا۔(تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ 456-457)

لاہور پہنچے بہت سے احباب ان کے استقبال کے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔نواب ممدوٹ نے ان سے کہا کہ آپ کا قیام میرے ہاں ہی ہوگا اس کے جواب میں سر ظفر اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے گزارش کی میں اپنے دیرینہ کرمفرما سر سید مراتب علی کے ہاں ٹھہرنے کا انتظام کر چکا ہوں اگلے فقرے حذف ہیں ان کا مکان آپ کے دولت کدے سے بہت قریب ہی ہے۔اس گفتگو کے دوران ہم سٹیشن سے باہر نکل رہے تھے جناب نواب صاحب میری بائیں جانب تھے اور جناب ملک سر فیروز خان نون صاحب میرے دائیں ہاتھ پر تھے جناب ملک صاحب نے جناب نواب صاحب کا آخری جملہ سنتے ہی جھک کر میرے کان میں کہا ان کے ہاں نہ ٹھہرنا ان کا مکان تو ریلوے جنکشن کی طرح ہر وقت پر ہجوم رہتا ہے تمہیں کام کی طرف توجہ کرنا دشوار ہوگا اور بالکل یکسوئی حاصل نہیں ہوگی۔ میں نے جو گزارش نواب صاحب کی خدمت میں کی تھی جناب ملک صاحب سے دہرا دی۔ ان کا اطمینان ہو گیا۔ پھر نواب صاحب نے فرمایا میرے پاس دو کاریں ہیں بڑی کار میں تمہارے استعمال کے لئے تمہاری جائے قیام پر بھجوا دوں گا۔ میں نے گزارش کی نواب صاحب میں یہاں کام کرنے کے لئے آیا تشہ ہوں سیر کرنے نہیں آیا اپنے

کام کے متعلق جو آنا جانا ہوگا اس کے لئے سواری کی بیشک ضرورت ہوگی اس کا جو بھی مناسب انتظام ہو آپ فرمادیں۔اس ہو کے علاوہ مجھے کسی سواری کی ضرورت نہیں۔(تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ 458)

اس سے آگے کا حصہ حد بندی کمشن کے لئے کیس کی تیاری کے بیان پر مشتمل ہے اس میں کہ صرف ایک فقرہ محذوف ہے کہ جمعرات کی سہ پہر مع کو جناب کرنیل محمد ایوب خان صاحب تشریف کے لائے اور حالات حاضرہ پر اپنے تبصرے سے یہی خاکسار کو مستفید فرمایا (صفحہ 467) اسی طرح جسٹس دین محمد صاحب کی ملاقات کی تفصیل میں میں یہ بات ایزاد کی گئی ہے کہ سر سیرل ریڈ کلف جہاز میں علاقہ کا معائنہ کرنے جا رہے تھے مگر موسم کی لے خرابی کی وجہ سے پرواز منسوخ کر دی گئی۔پرواز کی میں جو ہدایات پائیلٹ کو دی گئی تھیں وہ جسٹس منیر نے دیکھیں اور کاغذ کا وہ پرزہ ساتھ لیتے آئے۔ریڈ کلف کے ساتھ جوج معائنہ کے لئے اس پرواز میں ساتھ جانے والے تھے وہ بھی جسٹس منیر اور جسٹس تیجا سنگھ تھے۔تحدیث نعمت میں یہ نام درج نہیں ہیں اور نہ ہی اس نقشہ کی تفصیلات۔اسی طرح کمشن کے روبرو دلائل پیش ہو چکنے کے بعد بخشی ٹیک چند کا یہ قول درج ہے کہ اگر حد بندی کا فیصلہ دلائل اور بحث ہی کی بنا پر ہوا تو تم لوگ بازی لے گئے۔ (صفحہ 468)

جسٹس دین محمد دہلی گئے اور قائداعظم سے ساری صورت حال کہی مگر قائداعظم نے جسٹس دین محمد اور جسٹس منیر کو کمشن سے مستعفی ہونے کی اجازت نہ دی۔ملاقات سے قبل جسٹس دین محمد نے سر ظفر اللہ سے جن خدشات کا اظہار کیا وہ یوں ہیں میں اس کاغذ کو دیکھنے کے وقت سے نہایت پریشان ہوں مجھے یقین ہے کہ جو لائن اس کاغذ میں درج ہے وہی حد بندی لائن ہے اور یہ طے شدہ بات ہے۔جب تم اپنا بیان داخل کرو گے اور اجلاس عام میں بحث بھی کرو گے تمہارا موقف واضح ہوگا اور ہر شخص اس کا اندازہ کر لے گا ہمارا کام پس پردہ ہوگا اجب حد بندی کا اعلان ہوگا تو مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوگا اور وہ منیر کو اور مجھے ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور مورد الزام کریں گے چنانچہ ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ منیر اور میں کمشن سے مستعفی ہو جائیں اس کے بعد قائداعظم جیسے بن پڑے اس تھی کو سلجھالیں۔(ایضاً صفحہ 466)

(روزنامہ الفضل 27 ستمبر 2014 صفحہ 3 تا 5)

حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کی یاد میں

پروفیسر نصیر احمد صاحب چٹھی مسیح۔لندن

زندگی کے دس سال پورے ہونے تک کی عمر کے دوران کبھی یاد نہیں پڑتا کہ حضرت چوہدری صاحب کا نام کبھی سنا ہو۔میں دس سال کا تھا اور میرا چھوٹا بھائی عزیز مرزا ظفر احمد مرحوم سات برس کا جبکہ ہم اپنے گاؤں تر گڑی ضلع گوجرانوالہ سے نقل مکانی کر کے ربوہ آ گئے۔ہمارے والدین کے بے شمار احسانات میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ بھی تھا کہ پارٹیشن کی وجہ سے قادیان سے نکلنے کے بعد (جبکہ خاکسار ابھی صرف چھ سال کا تھا) ہم لوگ ابتدا میں تو تین چار سال اپنے مذکورہ آبائی گاؤں میں رہنے پر مجبور ہوئے مگر پھر ہمارے والدین 1951 میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل کر کے ہمیں لیکر ربوہ منتقل ہو گئے اور قادیان والی فضا ہمیں پھر سے نصیب ہوگئی۔مرکز سلسلہ سے وابستگی اور بے شمار بزرگان سلسلہ کی
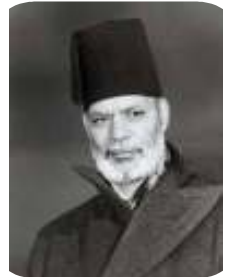
زیارت اور ان سے کسی نہ کسی رنگ میں فیض حاصل ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔محترم حضرت چوہدری صاحب کے نام سے اور ذات سے شناسائی ربوہ آکر ہی شروع ہوئی۔اس وقت حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور دیگر افراد خاندان حضرت اقدس علیہ السلام کی رہائش کچے یعنی مٹی کی اینٹوں اور گارے سے بنے ہوئے مکانات میں تھی۔وہاں سے قریب ہی ریلوے سٹیشن تھا۔جہاں ہم دیکھتے تھے کہ سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت چوہدری صاحب جو ان دنوں وزیر خارجہ تھے کا سیلون ریلوے سٹیشن کی سائیڈنگ پر کھڑا ہوتا تھا۔اور ہم سنتے تھے کہ یہ ڈبہ حضرت چوہدری صاحب کیلئے ہے اندر جھانکنے کی تو ہم کو کبھی ہمت نہ تھی۔اور نہ ہی وہ شاید کھلا ہوتا ہوگا۔حضرت چوہدری صاحب کا مقام اور مرتبہ تو اس عمر میں ہم کو معلوم نہ ہوسکتا تھا لیکن شہرت ضرور سنی تھی۔اور زیارت بھی ہو جاتی تھی۔اسی دوران 1953 آ گیا اور حضرت چوہدری صاحب کا نام اور بھی زیادہ گونجنے لگا۔مجھے یاد پڑتا ہے 1953 یا 54 میں جبکہ پاکستان کے دشمن عناصر جو پاکستان کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے وہ پاکستان کو اوج ثریا تک پہنچنے سے باز رکھنے کیلئے آپ کو کافر قرار دیکر آپ کو وزارت خارجہ سے الگ کرنے کیلئے چوٹی سے ایڑی تک کا زور لگا رہے تھے ان دنوں مصر کے کسی اخبار کا اعلان پاکستان میں اغلباً الفضل میں شائع ہوا تھا کہ ”اگر ظفر اللہ خان کافر ہے تو ہمیں ایسے بڑے بڑے کافروں کی ضرورت ہے“۔

آہستہ آہستہ چوہدری صاحب کی ذات عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ نمایاں ہونے لگی اور ایک مرتبہ حضرت چوہدری صاحب ہمارے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بھی تشریف لائے اور کسی موضوع پر تقریر بھی فرمائی۔جس کے بعد سوالات بھی پوچھنے کی اجازت تھی بعض سینئر طلبہ نے سوالات بھی پوچھے اور حضرت چوہدری صاحب نے اپنے وکیلانہ انداز میں جواب بھی دئے۔ہمارے والد مرحوم چونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے اور حضرت چوہدری صاحب کو خوب جانتے تھے گھر میں کبھی کبھی حضرت چوہدری صاحب کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ہماری والدہ مرحومہ نے بھی حضرت چوہدری صاحب کی والدہ مرحومہ کو دیکھا ہوا تھا وہ بھی ان کو کبھی کبھی یاد کیا کرتی تھیں (ہماری والدہ صاحبہ اپنے وطن افغانستان سے ہجرت کر کے قادیان میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں رہ رہی تھیں) اور چونکہ حضرت چوہدری صاحب کی والدہ مرحومہ حضرت اماں جان سے اکثر ملنے آتی تھیں تو ہماری والدہ صاحبہ سے بھی ان کی شناسائی تھی اور کسی موقع پر انہوں نے ہماری والدہ مرحومہ کو ایک دوپٹہ بھی تحفظ مرحمت فرمایا تھا پھر ایک موقع پر حضرت چوہدری صاحب کی ایک تقریر جو آپ نے یونائیٹڈ نیشنز کے کسی اجلاس میں کی تھی وہ ریڈیو پاکستان سے (غالباً ریکارڈنگ ہوگی) نشر ہو رہی تھی اس وقت میں لاہور میں ملازمت کر رہا تھا اور ایک جگہ سے گزرتے ہوئے آپ کا ایک فقرہ مرے کانوں میں پڑا مضمون نہ معلوم کیا تھا مگر فقرہ یاد رہ گیا اور وہ یہ تھا:"India Has Never Accepted It"
یہ 1961 کی بات ہوگی۔

1964ء میں خاکسار جامعہ میں داخل ہو گیا اور محترم حضرت چوہدری صاحب کو متعدد بار جامعہ میں تقریر کیلئے مدعو کیا جاتا رہا۔اور نسبتاً قریب سے چوہدری صاحب کو دیکھنے کا موقع ملا۔انہی سالوں میں جبکہ استاذی المکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر خدام الاحمدیہ بھی تھے آپ کی صدارت میں ایک مرتبہ اغلباً 65-1964 میں مجلس مقامی ربوہ جس کے مہتمم مکرم چوہدری عبدالعزیز ڈوگر صاحب تھے نے ایک تبلیغی اجلاس تحریک جدید کے جنوبی لان میں جہاں اب سرائے فضل عمر تعمیر شدہ ہے منعقد کیا جس میں ربوہ کے گردونواح کے بعض معزز غیر احمدی افراد کو دعوت

دی گئی تھی اس میں حضرت چوہدری صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کے الہام کہ" میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا " کو مدنظر رکھتے ہوئے حاضرین کے سامنے حضور علیہ السلام کی صداقت کے دلائل بیان فرمائے اور اگر میری یادداشت غلطی نہیں کرتی تو آپ نے گھانا کا ذکر فرمایا کہ وہ سمندر کے کنارے پر ہے اور ہزاروں میل کے فاصلے پر زمین کا ایک کنارہ ہے وہاں بھی آپ کا نام اور پیغام پہنچا۔اب کہاں گھانا اور کہاں قادیان مگر چونکہ خدا کا کلام تھا اس لئے اس خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔الغرض بہت ہی بصیرت افروز تقریر تھی۔ مجھے یاد ہے کہ بعد میں اپنے صدارتی ریمارکس میں محترم صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ محترم چوہدری صاحب نے آج تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔

جامعہ میں تعلیم کے دوران علاوہ دیگر نصابی کتب کے جماعتی لٹریچر کا وہ حصہ جس میں جماعت کی بے شمار ملی خدمات کا کثرت سے ذکر تھا بھی نظر سے گزرا۔اسلئے حضرت چوہدری صاحب کی شخصیت کو اور زیادہ گہرائی سے دیکھنے کا موقع ملا خصوصا 1970ء کے لگ بھگ جب آپ کی خود نوشت" تحدیث نعمت" شائع ہوئی تو اس کو پڑھنے سے نہ صرف ملک وملت کے بلکہ جماعتی تاریخ کے بھی بے شمار چھپے گوشے سامنے آگئے اور اس لحاظ سے محترم چوہدری صاحب کی یہ عظیم خدمت تھی جو آپ نے آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے انجام دی۔حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے جب انسان اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو یہ دیکھ کر عجیب لطف محسوس ہوتا ہے کس طرح حضور علیہ السلام کی خاک پا کا ایک ذرہ دنیا میں یوں آفتاب بن کر چمکا (حال ہی میں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مکرم کنور اور میں صاحب نے کیا ہے جو شائع ہو گیا ہے اور یہ ترجمہ بھی ہماری انگریزی خواں نسل پر بہت بڑا احسان ہے۔ **فجزاہ اللہ خیرا**۔

انہی سالوں میں یہ بھی سنا کہ صدر ایوب خان صاحب نے انہیں اپنا سیاسی مشیر اعلیٰ مقرر کیا ہوا ہے۔قومی سطح پر حضرت قائداعظم کے بعد اگر کسی سربراہ مملکت نے کسی احمدی بطل جلیل پر اعتماد کیا تو میرے خیال میں یہ صدر ایوب خان صاحب ہی تھے۔جنہوں نے چوہدری صاحب کے علاوہ دو دیگر احمدی لعل و جواھر کو بھی اپنا اقتصادی اور سائنسی مشیر اعلیٰ مقرر کیا ہوا تھا یعنی محترم حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب رحمہ اللہ و محترم ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام صاحب اور یہ بات جہاں صدر ایوب خان صاحب کی بصیرت پر دلالت کرتی ہے وہاں ان کی قدردانی اور جرآت پر بھی۔

مذکورہ تصنیف" تحدیث نعمت" پہلی بار 1971ء میں شائع ہوئی اور خاکسار نے بہت دلچسپی سے اس کے بعض حصے پڑھے اس کے بعد بھی اسے متعدد بار دیکھا ہے بظاہر یہ حضرت چوہدری صاحب کی داستان حیات ہے مگر انڈو پاکستان کی حالیہ تاریخ اور جماعت کے بعض اہم اور پوشیدہ تاریخی گوشوں کی تفصیل کا یہ ایک بہت بڑا Manual ہے اس کا بالاستیعاب مطالعہ بالخصوص ہمارے نوجوانوں کیلئے تو اس کتاب کا مطالعہ نہایت ہی مفید اور بے حد ضروری ہے۔احمدیت کے ثمرات اور خلافت کی برکات کا اگر مشاہدہ کرنا ہو تو اس کتاب کے مطالعہ سے یہ دونوں حقیقتیں خوب ابھر کر سامنے آجاتی ہیں اور حضرت چوہدری صاحب کی ذات کے ذریعہ سے اھل اسلام کی جو بعض بیش بہا اور کلیۃً بے لوث خدمات سرانجام پا گئیں اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ تاریخ احمدیت کا بھی ایک نہایت روشن باب ہیں مگر افسوس کہ اسلام اور پاکستان اور ملت اسلامیہ کے ازلی دشمنوں نے مذھب کا لبادہ اوڑھ کر ہر ممکن کوشش کر ڈالی کہ آپ پر کفر کے فتوے لگا کر اہل پاکستان کو انکی نحوستوں کی دلدل سے باہر نہ نکلنے دیں پاکستان میں تو پاکستان دشمن ملاؤں کی یہ کوششیں اثر دکھا کر رہیں تاہم بعض دیگر عرب ممالک چوہدری صاحب کی برکات سے ضرور متمتع ہوئے اور یہی وہ وجہ تھی کہ مصر کے کسی اخبار نے لکھا تھا کہ" اگر ظفر اللہ خان کافر ہے تو ہمیں ایسے بڑے بڑے کافروں کی ضرورت

ہے“۔ان سطور میں اس کتاب کا ریویو مقصد نہیں ہے:”مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید“
جو بھی اس کتاب کو پڑھ لے گا وہ مجبور ہوگا کہ اس کے مطالعہ کی دوسروں کو بھی تلقین کرے۔
1971ء میں ہی محترم حضرت چوہدری صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن بھی منصۂ شہود پر آ گیا اس وقت تو اس سے زیادہ استفادہ کا موقع نہیں مل سکا۔ 1972ء میں خاکسار کی تقرری گھانا میں احمدیہ مشنری ٹریننگ کالج (سالٹ پانڈ) میں ہوگئی اور وہاں طلبہ کو تین سال معلمی نصاب پڑھانے کا موقع ملا تو اس ترجمہ کی خوبیوں پر بھی اطلاع ہوئی اور پتہ چلا کہ دراصل یہ تفسیر صغیر کا ترجمہ ہے۔کسی زمانہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے محترم چوہدری صاحب سے اس خواہش کا ذکر فرمایا تھا کہ تفسیر صغیر کا ترجمہ انگریزی میں ہوجانا چاہئے چنانچہ حضور کی ہی منظوری سے محترم چوہدری صاحب نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولوی محمد الدین صاحب کے ساتھ مل کر قرآن کا انگریزی ترجمہ تفسیر صغیر کے اسلوب پر مکمل طور پر فرمادیا۔ کچھ سالوں بعد جب اس کی اشاعت کی ضرورت پیش آئی تو وہ ترجمہ مفقود تھا چنانچہ محترم چوہدری صاحب نے دوبارہ اس کام کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ایما پر بیڑہ اٹھایا اور نئے سرے سے آغاز فرما کر پورا ترجمہ اکیلے ہی پھر دوبارہ کر ڈالا۔تفسیر صغیر کے اسلوب پر انگریزی ترجمہ قرآن کے ذریعہ محترم چوہدری صاحب کی یہ خدمت بھی بہت عظیم الشان خدمت ہے۔
محترم چوہدری صاحب کی تصنیفی خدمات اور بھی بہت ہیں تاہم ایک کا یہاں پر خصوصی طور پر ذکر کرتا چلوں اور یہ آپ کا ریاض الصالحین کا انگریزی ترجمہ ہے جو حضرت امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف نووی (78-1233) نے احادیث نبوی ﷺ کا مجموعہ تیار فرمایا تھا۔ یہ ترجمہ 75-1974 میں شائع ہوا تھا اور اس کا انتخاب اگر چہ صحاح ستہ کی جملہ کتب میں سے ہے تاہم زیادہ تر حصہ صحیحین میں سے لیا گیا ہے۔
خاکسار کو اس سے 90ء کی دہائی میں جبکہ خاکسار بطور مبلغ سلسلہ مانچسٹر میں متعین تھا اس سے استفادہ کا موقع ملا۔اس کا پیش لفظ انگریزی ترجمہ میں جب میں نے ملاحظہ کیا تو اتفاق ایسا ہوا کہ پیش لفظ مانچسٹر یونیورسٹی کے ہی ایک پروفیسر جناب C.E.BOSWORTH کا لکھا ہوا تھا جس میں انہوں نے اس بات کا ادعا کیا تھا کہ یہ مجموعہ احادیث:

"NEVER BEFORE TRANSLATED INTO A WESTERN LANGUAGE"

اس سے پہلے یہ کبھی کسی مغربی زبان میں ترجمہ نہیں کیا گیا“
جب خاکسار نے یہ بات دیکھی تو بہت اشتیاق پیدا ہوا کہ ان سے خود مل کر اس بات کی تصدیق کروں چنانچہ ان سے وقت لیا اور ان سے ملنے کیلئے مانچسٹر کی قدیمی یونیورسٹی جسے وکٹوریہ یونیورسٹی بھی کہا جاتا ہے میں واقع شعبہ عربی میں گیا اور ان سے ملاقات کی اور ان سے استفسار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ خود ان کی کبھی حضرت چوہدری صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی صرف خط وکتابت ہی رہی ہے اور چونکہ انہوں نے اس ترجمہ کو بہت دلچسپی سے دیکھا تھا انہوں نے اس کا پیش لفظ لکھا اور اپنے تجربہ اور علم کی روشنی میں اس میں بڑے وثوق سے لکھا کہ اگر چہ امام نووی کی اربعین“ تو مغرب کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوئی ہے مگر ان کی ریاض الصالحین اس سے پہلے کبھی کسی مغربی زبان میں ترجمہ نہیں ہوئی پس یہ شرف پہلی بار حضرت چوہدری صاحب کو حاصل ہوا کہ آپ نے انگریزی میں ”ریاض الصالحین“ کا ایک مستند ترجمہ اہل مغرب کے ہاتھ میں دے دیا۔ پروفیسر باسورتھ صاحب کی ریٹائرمنٹ کے کافی سالوں کے بعد ایک مرتبہ پھر دوبارہ ان سے مجھے ملاقات کا موقع ملا اور یہ اغلبا

1999ء کی بات ہے خاکساران دنوں سری لنکا سے مانچسٹر آیا ہوا تھا اور خیال تھا کہ اگر پروفیسر ہاسورتھ صاحب کو گزشتہ آٹھ سالوں کے دوران کسی تحقیق کے نتیجے میں یہ امر منکشف ہوا ہو کہ " ریاض الصالحین" کا ترجمہ کسی شخص نے حضرت چوہدری صاحب سے بھی پہلے کسی مغربی زبان میں کیا تھا تو معلوم کر لیا جائے چنانچہ ان سے پھر دوبارہ رابطہ کیا اور ہمارے ایک احمدی دوست مکرم میر عبید اللہ صاحب کے ریستوران دربار میں پروفیسر صاحب موصوف کو تشریف لانے کی زحمت دی۔ وہ تشریف لائے اور انہوں نے اپنے اس دعوی کی پورے وثوق کے ساتھ تصدیق کی کہ یہ پہلا موقع ہے جو حضرت چوہدری صاحب کا انگریزی ترجمہ "ریاض الصالحین" کا اہل مغرب کے سامنے آیا ہے۔ (فجز اہ اللہ خیراً فی الدارین) امام نووی نے ریاض الصالحین کا جو دیباچہ تحریر فرمایا تھا حضرت چوہدری صاحب نے اس کا بھی ترجمہ اس میں شامل فرمایا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ حضرت چوہدری صاحب سے ابتک کا تعارف کچھ تو آپ کی تصانیف کے ذریعہ سے تھا اور پھر جامعہ کی تعلیم کے دوران ان کی صرف زیارت کی حد تک تھا اور یا پھر پبلک لائف میں شائع ہونے والی خبروں وغیرہ کے ذریعہ ان کی خدمات ملی وقومی معلوم ہوتی تھیں جلسہ سالانہ وغیرہ پر ان کی ربوہ میں موجودگی اور بعض تقاریر سے بھی ان کی شخصیت کا تعارف ہوتا تھا۔ سیدنا حضرت مصلح موعود کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جلسہ سالانہ 1965ء کے موقع پر "فضل عمر فاؤنڈیشن کا اعلان فرمایا اور احباب جماعت کو اس فنڈ میں حصہ لینے کی تحریک فرمائی یہ بھی حضرت چوہدری صاحب ہی کی تجویز پر معرض وجود میں آیا۔ الغرض حضرت چوہدری صاحب کو کبھی قریب سے دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا اتنی فراست اور جرآت خود کو ویسے ہی حاصل نہ تھی کہ کبھی اشتیاق سے حضرت چوہدری صاحب سے ذاتی ملاقات کا موقع پیدا کر لیتا۔ تاہم اللہ تعالی نے 1973ء میں جبکہ خاکسار گھانا میں خدمت کا موقع پا رہا تھا حضرت چوہدری صاحب کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق محض اور محض اپنے فضل وکرم سے پیدا فرما دیا اور دو تین دن چوہدری صاحب کی پاکیزہ اور ایمان افروز معیت میں گزارنا نصیب ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اس کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ اگست 1973ء میں مغربی افریقہ کے ملک IVORY COAST میں دنیا کے بعض قانون دانوں نے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں حضرت چوہدری صاحب بھی مدعو کئے گئے۔ خاکسار اسوقت گھانا میں احمدیہ مشنری ٹریننگ کالج واقع سالٹ پانڈ میں خدمت بجالا رہا تھا۔ لندن مشن کی طرف سے محترم حضرت مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب مرحوم امیر ومشنری انچارج جماعت ہائے احمدیہ گھانا کو اطلاع موصول ہوئی کہ محترم چوہدری صاحب کی خواہش ہے کہ وہ گھانا بھی تشریف لانا چاہتے ہیں۔ قبل ازیں چوہدری صاحب جنگ عظیم دوم کے دوران 1943ء میں بھی مغربی افریقہ سے گزر چکے تھے اب اس کے پورے تیس برس بعد جبکہ جماعت بفضلہ تعالیٰ بہت ترقی کر چکی تھی اور مجلس نصرت جہاں کے تحت بھی جماعتی کاموں اور اداروں میں ایک عظیم الشان وسعت پیدا ہو چکی تھی محترم چوہدری صاحب کو طبعاً اس بات کی خواہش تھی کہ جماعت کی موجودہ ترقیات کا ایک مرتبہ پھر مشاہدہ کر کے ایمان میں اضافہ کریں۔ چنانچہ اس اطلاع کے ساتھ خود حضرت چوہدری صاحب کا بھی پیغام ملا کہ جو بھی پروگرام چوہدری صاحب کے اس دورہ کا وضع کیا جائے اس میں ان کی صحت اور عمر کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔ محترم چوہدری صاحب اس وقت پورے اسی برس کے ہو چکے تھے اور شوگر کا عارضہ آپ کا بہت پرانا تھا۔ لہذا آپ کا پروگرام وضع کرنا بہرحال بہت زیادہ احتیاط کا متقاضی تھا۔ خاکسار کو بھی دل کی گہرائیوں میں شدید تمنا پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا یہ سفر ہر لحاظ سے کامیاب اور خوشگوار ثابت کرے۔ میرے لئے ایک خوشی کا بھی موقع تھا کہ چوہدری صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع انشاء اللہ پیدا ہو گا۔ چنانچہ خاکسار نے محترم مولانا

کلیم صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو محترم چوہدری صاحب کے ساتھ سفر کے دوران ایک اردلی کی تو بہرحال ضرورت ہوگی۔فرمانے لگے کیا کہنا چاہتے ہو۔میں نے عرض کیا کہ اس سفر کے دوران آپ کو خدمت کیلئے کسی خادم کی ضرورت ہوگی تو آپ مجھے موقع عنایت فرمادیں کہ کار میں آگے ڈرائیور کے ساتھ خاکسار بیٹھ جائے۔فرمانے لگے کہ اکرہ سے کماسی اور کماسی سے واپس اکرہ تو میں چوہدری صاحب کو BY AIR لے کر جارہا ہوں اس کا خرچ برداشت کرسکتے ہو تو چلے چلو۔اس وقت اس دوطرفہ سفر کا کرایا میں سٹڈیز (CEDIS) تھا چنانچہ خاکسار نے یہ رقم پیشگی مشن میں جمع کرادی اور گویا یوں اس سفر میں محترم چوہدری صاحب کی صحبت کا فیض حاصل کرنے کیلئے میری بلنگ" ہوگئی۔

استقبال کی تیاری

محترم چوہدری صاحب کی آمد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی غرض سے 18 اگست کو منعقدہ ایڈوائزری کمیٹی میں آپ کے گھانا میں قیام کا تفصیلی پروگرام وضع کیا گیا۔اس موقع پر آپ کے مختصر حالات پر مشتمل ایک ہینڈ آؤٹ شائع کیا گیا اور حسب پروگرام جماعتوں کو تفصیلی ہدایات پہنچادی گئیں۔محترم چوہدری صاحب کی اہم بین الاقوامی نیز جماعتی شخصیت کے پیش نظر وزارت خارجہ کی وساطت سے محترم امیر صاحب نے محترم چوہدری صاحب کی سربراہ مملکت سے ملاقات نیز اٹارنی جنرل، چیف جسٹس اور کمشنر (وزیر) برائے امور خارجہ سے ملاقات اسی طرح پریس کانفرنس سے خطاب کا پروگرام بھی وضع کرلیا۔اس کے علاوہ ملک کی تمام خبررساں ایجنسیوں، اخبارات اور اہم شخصیتوں کو بھی محترم چوہدری صاحب کی آمد سے مطلع کردیا گیا۔ائیرپورٹ پر محترم چوہدری صاحب کی شایان شان استقبال کے تمام انتظامات بھی کئے گئے۔

آبی جان سے مؤرخہ 29 اگست کو موصول ہونے والی اطلاع کے مطابق محترم چوہدری صاحب 30 اگست بروز جمعرات شام 6 بجے تشریف لانے والے تھے مگر مین چند گھنٹے پیشتر گھانا ائرویز کی وہ پرواز جس پر محترم چوہدری صاحب اکرہ تشریف لارہے تھے جہاز کی خرابی کی وجہ سے منسوخ کردی گئی۔چنانچہ جو احباب جماعت استقبال کے لئے ائیرپورٹ تشریف لے گئے تھے وہ سخت پریشانی سے دوچار ہوئے اور ہماری استقبال کی حسرت دل میں ہی رہ گئی۔اب ہمیں توقع تھی کہ شاید دوسرے روز صبح ۱۰ بجے والی پرواز پر آپ تشریف لائیں گے مگر معلوم ہوا کہ چونکہ وہی ایک ہی جہاز دوسرے روز بھی استعمال کیا جانا تھا اسلئے دوسری پرواز بھی منسوخ شدہ ہے۔چونکہ جمعہ کا روز تھا اسلئے احباب نے جمعہ کی ادائیگی کی تیاری شروع کردی۔دریں اثنا بارہ بجکر دس منٹ پر ائیرپورٹ سے اچانک اطلاع موصول ہوئی کہ آبی جان سے ایک چارٹرڈ ہوائی جہاز آرہا ہے گو یہ یقینی امر نہ تھا کہ محترم چوہدری صاحب اس میں تشریف لارہے ہونگے تاہم مولانا کلیم صاحب مع مولوی عبدالشکور صاحب، چوہدری محمد اشرف صاحب، ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب اور خاکسار جلد جلد مطار پر پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ محترم چوہدری صاحب تشریف لے آئے ہیں بے حد مسرت ہوئی۔فالحمدللہ جمعہ کی نماز کا وقت چونکہ قریب تھا اسلئے مطار کی رسوم سے فارغ ہونے کے بعد محترم چوہدری صاحب احباب جماعت کی معیت میں اکرہ مشن ہاؤس کیلئے روانہ ہوئے دیگر احباب تو اپنی گاڑیوں میں بیٹھ گئے اور خاکسار اپنی "ملنگ" کے مطابق مشن کی کار میں جو کہ مولانا کلیم صاحب نے حال ہی میں بالکل نئی خریدی تھی میں بیٹھ گیا اس وقت گھانا میں انگلستان کی طرز پر LEFT HAND DRIVING تھی اسلئے میں ڈرائیور کے بائیں طرف تھا اور پیچھے محترم چوہدری صاحب اور مولانا کلیم صاحب تھے۔راستہ میں محترم چوہدری صاحب نے دوران گفتگو مولانا کلیم صاحب کا ایک امتحان بھی لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی ایسا الہام بتاؤ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں

آپ کوبھی ساری دنیا کیلئے امام الزمان تسلیم کیا جاسکے۔ چنانچہ مولانا کلیم صاحب نے فرمایا" جری اللہ فی حلل الانبیاء۔فرمانے لگے بالکل درست ہے۔پھر پوچھا کہ اگلا پروگرام کیا ہے چنانچہ محترم مولانا صاحب نے اختصار کے ساتھ اس روز کا پروگرام بھی بیان فرمایااور اگلے روز کماسی کا BY AIR سفر کا بھی بتادیا۔آپ نے پوچھا کہ اس سے پہلے یعنی کماسی کے راستہ میں کوئی بڑی جماعت وغیرہ موجود ہے جس کو دیکھا جاسکے تو مولانا صاحب فرمانے لگے کہ راستہ میں کماسی سے 20،25 میل پہلے ہماری ایک جماعت اسوکورے ہے جہاں ہماراایک سیکنڈری سکول بھی ہے اور ایک ہسپتال بھی کام کررہا ہے۔آپ نے فرمایا کہ تو پھر بہتر ہے کہ کار کے ذریعہ ہی سفر کیا جائے۔لہذا اب اپنی بلنگ کار میں تو چکی ہی تھی۔ BY AIR والے ہمارے پیسے بھی بعد میں واپس ہوگئے۔اسی دوران ہم لوگ اکرہ مشن ہاؤس میں پہنچ گئے جہاں دوردنزدیک سے تشریف لائے ہوئے تقریباً اڑھائی سو احباب وخواتین نے آپ کا استقبال نعرہ ہائے تکبیر اور اھلا وسھلا ومرحبا سے کیا۔جمعہ کی نماز آپ نے احباب کے ہمراہ مشن ہاؤس میں ادافرمائی خطبہ جمعہ میں محترم مولانا کلیم صاحب نے ایک مرتبہ پھر محترم چوہدری صاحب کا مختصر تعارف کروایا اور فرمایا کہ آپ کو علاوہ دنیوی مقام کے حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے نیز آپ نے خطبہ میں ہی دوستوں کو یہ تحریک بھی فرمائی کہ وہ محترم چوہدری صاحب کی صحت وتندرستی والی لمبی زندگی کے لئے دعا کریں۔نماز جمعہ کے بعد محترم چوہدری صاحب نے تمام احباب سے مصافحہ کیا۔کھانے کے بعد محترم مولانا کلیم صاحب کی معیت میں ایک مقامی نومسلم دوست الحاج بشیر کووسوانزی صاحب کی محترم چوہدری صاحب سے ملاقات طےتھی۔مکرم الحاج بشیر کووسوانزی صاحب سابق صدر مملکت کھانا کوامی نکرومہ کے زمانہ میں وزیرانصاف اوراٹارنی جنرل تھے۔حکومت بدلنے پر جیل میں ڈال دیئے گئے۔جیل میں ہی انہوں نے ہماری جماعت کا لٹریچر طلب کیا۔چنانچہ جماعت نے انکو" اسلامی اصول کی فلاسفی بھجوائی جس کے مطالعہ پر مرحوم اسلام میں داخل ہوگئے اور گوابھی ہماری جماعت میں داخل نہیں ہوئے تھے تاہم وہ اپنے اسلام پر بڑی پختگی اوراستقلال سے قائم تھے۔اسلام لانے کے بعد انہوں نے شراب سے قطعی پرہیز اختیار کرلیا۔اپنی پہلی عیسائی بیوی کو طلاق دے دی۔اس روز شام 6 بجے کے بعد چونکہ محترم چوہدری صاحب نے آکر مشن ہاؤس میں خطاب بھی کرنا تھا اسلئے حاجی صاحب موصوف کو 5 بجے کا وقت ملاقات کے لئے دیا گیا۔چنانچہ انکو اطلاع دے دی گئی اور شام 5 بجے وہ محترم چوہدری صاحب سے ملاقات کے لئے ہوٹل میں ہی تشریف لے آئے۔محترم مولانا کلیم صاحب،مولوی عبدالشکور صاحب اور خاکسار بھی موجود تھے۔تقریبا گھنٹہ بھر یہ ملاقات رہی محترم چوہدری صاحب نے مختلف دینی مسائل پر گفتگو کی اوران کو تبلیغ کرتے رہے۔آخر 6 بجے کے قریب الحاج موصوف رخصت ہوئے اور بہت ہی اچھا اثر لے کر گئے۔نماز مغرب وعشاء کی ادائیگی کے بعد محترم چوہدری صاحب نے مشن ہاؤس میں جماعت کے دوستوں سے خطاب فرمایا جس کا ترجمہ ساتھ ساتھ مقامی زبان میں ہمارے ایک مخلص نوجوان دوست عباس صاحب کرتے جاتے تھے جو مشن میں سیکرٹری بھی ہیں آپ کا یہ خطاب گھنٹہ بھر جاری رہا جو احباب نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے سنا۔

کماسی کیلئے روانگی

اگلے روز یعنی یکم ستمبر بروز ہفتہ صبح سات بجکر پچاس منٹ پر آپ بذریعہ کار کماسی کے لئے روانہ ہوئے۔کار میں محترم چوہدری صاحب کے علاوہ مولانا کلیم صاحب اور خاکسار بھی تھے اور کار ہمارے ایک مقامی احمدی نوجوان مکرم آدم صاحب ڈرائیو کررہے تھے جو بہت پرانے اور

تجربہ کار ڈرائیور تھے۔محترم امیر صاحب کے ارشاد پر مجلس نصرت جہاں کے تحت کام کرنے والے ایک استادمکرم چوہدری محمد اشرف صاحب ایم ایس سی (مع اپنی اہلیہ کے) بھی اپنی کار پر ہمارے ہمراہ تھے۔مکرم اشرف صاحبہمارے احمد یہ سیکنڈری سکول Salaga واقعہ شمالی ریجن گھانا کے ہیڈ ماسٹر تھے اور مع اپنی بیگم صاحبہ کے گھانا کے اس دور دراز علاقہ میں خدمت اسلام میں مصروف تھے (اسی سکول میں کچھ سالوں بعد ہمارے پیارے آقا ہمارے موجودہ امام ایدہ اللہ تعالیٰ بھی مع حضرت بیگم صاحبہ مدظلہا بطورھیڈ ماسٹر خدمات بجالاتے رہے) ان کو ہدایت تھی کہ اپنی کار اس سارے سفر کے دوران ہمارے ساتھ رکھیں تا کسی ایمرجنسی کی صورت میں سفر کا متبادل انتظام موجود ہو (گو کہ بفضلہٖ تعالی ایسی ایمرجنسی کبھی پیش نہ آئی۔

اسوکورے میں قیام

راستہ میں اسوکورے کے مقام پر نصرت جہاں سکیم کے تحت قائم شدہ ہسپتال کے انچارج محترم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب مرحوم کی درخواست پر آپ نے کچھ دیر قیام فرمایا اور کھانا بھی وہیں تناول فرمایا،اسوکورے کے مقام پر آپ کے استقبال کے لئے مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب کے علاوہ ریجنل مشنری مکرم برادرم عبدالرشید صاحب تبسم،محترم بر گیڈ یر ڈاکٹر غلام احمد صاحب اور ہمارے اساتذہ کرام مکرم کمال الدین خان صاحب مرحوم ہیڈ ماسٹر احمد یہ سیکنڈری سکول FOMENA اور مکرم مبارک احمد صاحب ایم ایس سی ہیڈ ماسٹر احمد یہ سیکنڈری سکول اسوکورے گاؤں سے دو تین فرلانگ باہر تشریف لائے ہوئے تھے۔اسوکورے میں قیام کے دوران علاقہ کے پیراماؤنٹ چیف کی طرف سے جوان دنوں کہیں سفر پر گئے ہوئے تھے۔ایک نمائندہ وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس وفد نے جماعت احمد یہ کی خدمات کو سراہا اور کہا کہ جماعت اس علاقہ میں ہسپتال اور سکول کے ذریعہ سے مقامی عوام کی قابل قدر خدمات سرانجام دے رہی ہے اور اس ہسپتال اور سکول کی وجہ سے اسوکورے بھی مغربی افریقہ کے بعد دوسرے ملکوں میں مشہور ہو چکا ہے۔مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب یہاں بڑی تندھی سے مریضوں کی خدمت کر رہے ہیں۔وفد نے اپیل کی کہ چونکہ محترم ڈاکٹر صاحب کا عرصہ قیام اب ختم ہو رہا ہے اس لئے ان کی درخواست ہے کہ انکا عرصہ قیام بڑھایا جائے۔محترم چوہدری صاحب نے جواب میں انکی آمد کا شکریہ ادا فرمایا اور فرمایا جماعت کی خدمات کے اعتراف کیلئے آپ کا ممنون ہوں۔ہمارے ہسپتالوں اور سکولوں کے قیام کا مقصد افریقین عوام کی خدمت ہی ہے۔ڈاکٹر صاحب کے عرصہ قیام کو بڑھانا ہمارے امام حضرت سید نا خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کے اختیار میں ہے۔میں آپ کی اس اپیل کو حضور کی خدمت میں پیش کروں گا۔اس کے بعد اراکین وفد تشریف لے گئے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی درخواست پر محترم چوہدری صاحب نے زیر تعمیر ہسپتال اور سکول اور احمد یہ مسجد کا معائنہ فرمایا۔ہسپتال کی عمارت ماہ مارچ میں تعمیر ہونا شروع ہوئی تھی۔جو تین بلاکوں پر مشتمل تھا۔ہسپتال میں اس وقت 24 بستروں کی گنجائش تھی اور ضرورت پڑنے پر 12 بستروں کا اضافہ بھی کیا جا سکتا تھا۔تعمیر ہسپتال کا اندازہ خرچ 50 ہزار CEDIS یعنی تقریباً 4 لاکھ روپے تھا۔محترم ڈاکٹر صاحب اپنی ذاتی نگرانی میں اس کی تعمیر کروا رہے تھے اور انتہائی محنت اور جانفشانی سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ابھی تک ہسپتال کا کام کرایہ کی پرانی عمارت میں ہو رہا تھا۔جلد ایک دو ماہ بعد اس نئے ہسپتال کی تعمیر مکمل ہونے پر کام اس میں منتقل کر دیا گیا۔

محترم چوہدری صاحب نے ہسپتال کا معائنہ تفصیل سے فرمایا۔بعد ازاں آپ مسجد دیکھنے تشریف لے گئے سکول چونکہ ذرا فاصلہ پر تھا اس

لئے وہاں آپ تشریف نہ لے جاسکے۔اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ مسجد بھی محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کی ذاتی توجہ سے تعمیر ہوئی تھی چنانچہ ہسپتال مسجد کی نئی عمارت اور احمدیہ سیکنڈری سکول کی موجودگی سے اسوکورے کو ایک خصوصیت حاصل ہوگئی۔مسجد کے احاطہ میں اسوکورے جماعت کے تمام احباب وخواتین محترم چوہدری صاحب کے استقبال کے لئے جمع تھے۔جونہی محترم چوہدری صاحب کی گاڑی مسجد کے احاطہ میں پہنچی احباب نے نعرہ ہائے تکبیر سے آپ کو خوش آمدید کہا۔یہاں پر محترم چوہدری صاحب نے تمام احباب کو شرف مصافحہ بھی بخشا۔یہاں کے احباب سے رخصت ہوکر تین بجے تمام قافلہ کماسی پہنچا۔سب سے پہلے محترم چوہدری صاحب city ہوٹل تشریف لے گئے۔سامان وغیرہ وہاں رکھنے کے بعد احمدیہ سیکنڈری سکول کماسی میں تشریف لے گئے۔جہاں برونگ اہافو اور اشانٹی ریجنز کی اکثر جماعتیں آئی ہوئی تھیں اور برونگ اضافو کے علاوہ شمالی ریجن کے مرکز ٹمالے (Tamale) سے محترم مولوی ناصر احمد صاحب بی اے ریجنل مشنری مع احباب جماعت نیز وا (WA) یعنی اپر ریجن سے مکرم امام خالد صاحب مرحوم مع دوسرے احباب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔سکول میں اس وقت کم وبیش دو ہزار افراد کا اجتماع تھا۔جوسب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔خواتین کے لئے الگ برآمدے میں بیٹھنے کا انتظام تھا جیسے ہی محترم چوہدری صاحب کار سے اترے احباب نے نہایت زوردار نعرہ ہائے تکبیر سے آپ کا استقبال کیا جس سے فضا گونج اٹھی۔نعروں کے درمیان ہی آپ نے جماعت کے تمام عہدیداروں اور سربرآوردہ شخصیتوں سے مصافحہ کیا۔ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد جو سکول کے ایک حصہ میں ہی ادا کی گئیں۔پھر آپ سٹیج پر تشریف لے گئے۔

تلاوت قرآن کریم کے بعد جماعت ہائے احمدیہ اشانٹی ریجین کے ریجنل چیئرمین الحاج الحسن عطاء صاحب نے محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس کا ترجمہ مقامی زبان میں احمدیہ سیکنڈری سکول کماسی کے ایک مقامی استاد محترم اسماعیل بی کے ایڈو صاحب (جو بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی اردو کلاس والے بڑا بچہ کے طور پر مشہور ہوئے) نے کیا۔

محترم چوہدری صاحب کا خطاب

اس کے بعد ایڈریس کے جواب میں محترم چوہدری صاحب نے فرمایا کہ گھانا میں آپ کا یہ پہلا ورود نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی 1943ء میں جب کہ جنگ عظیم دوم کا زمانہ تھا امریکہ جاتے ہوئے آپ نے ایک دوروز اکرہ میں اس وقت کے گورنر این برنز (Allen Bums) کے ہاں قیام کیا تھا۔

آپ نے فرمایا ہم سب ایک ہی روحانی رشتہ اخوت میں بندھے ہوئے ہیں اور سچی اخوت تعلق باللہ کے نتیجہ میں ہی قائم ہوسکتی ہے گو بعض اور بھی امور اخوت قائم کرنے والے ہوتے ہیں مثلاً ملک،قوم اور برادری۔مگر یہ رشتے عارضی ہوتے ہیں اور ٹوٹ سکتے ہیں۔اصل اور حقیقی اخوت وہی ہوتی ہے جو تعلق باللہ کے نتیجہ میں قائم ہوتی ہے۔بدقسمتی سے موجودہ زمانے کا انسان سائنسی ترقیات کے نتیجہ میں خدا سے اس قدر دور ہوگیا ہے کہ اس نے کہنا شروع کردیا ہے کہ خدا کی ہمیں کوئی ضرورت ہی نہیں۔چنانچہ امریکہ میں پادریوں کے ایک مخصوص طبقے نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ خدا مر چکا ہے (نعوذ باللہ) مگر ہمارے لئے خدا تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے کہ:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

فَأَصۡبَحۡتُم بِنِعۡمَتِهِۦٓ إِخۡوَٰنٗا وَكُنتُمۡ عَلَىٰ شَفَا حُفۡرَةٖ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنۡهَا ۗ

1400 سال پہلے آگ کے کنارہ پر کھڑا ہونا ایک استعارہ تھا مگر اب انسانیت واقعی طور پر اس ظاہری آگ کے کنارہ پر کھڑی ہے اور اگر خدا کا فضل نہ ہوا تو صرف ایک بٹن کے دبانے سے یہ پورا کرہ ارض دوزخ کا لقمہ بن جائے گا۔ پس اب صرف خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہی انسان کو اس آگ سے بچا سکتا ہے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنا ہی انسان کو ان تمام تباہیوں سے بچا سکتا ہے۔ جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے تیار کی ہیں اور یہ صرف اس لئے ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو روحانی رابطہ اور جو دین انسان کی بھلائی کے لئے بھیجا انسان نے اس کو لازم نہیں پکڑا اور آج یہ ذمہ داری جماعت احمدیہ پر ڈالی گئی ہے کہ وہ دنیا کو خدا تعالیٰ کی طرف واپس لائے۔ آپ نے فرمایا میں آج اسی نکتہ پر زور دوں گا۔

شاہ اشانٹی سے ملاقات

پروگرام کے مطابق اس وقت چونکہ اشانٹی ریجن کے شاہ سے ملاقات مقرر تھی اس لئے آپ نے اپنا خطاب درمیان میں روک دیا اور فرمایا کہ میں ابھی اشانٹی کے چیف سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں دریں اثناء میری تقریر کا ترجمہ آپ کو سنا دیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ اشانٹی کے چیف سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے اس کے ساتھ ہی موسلا دھار ضرورت تھی کہ وہ مصلح بھی پیدا ہو جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان بھی ہے جس کے تحت وہ ضرورت پیدا ہونے سے پہلے ہی چیز مہیا کرتا ہے۔ پس رحمانیت کی صفت کے تحت یہ ضروری تھا کہ جیسے ہی انسانیت اخلاقی اور روحانی لحاظ سے گرے وہ موعود مصلح بھی پیدا ہو جائے۔ پس ضرورت تو بہت پہلے سے پیدا ہو چکی ہے اور اسلئے مصلح کو مبعوث کرنے کا وعدہ بھی پورا ہونا چاہئے ورنہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا مر گیا ہے بچے ٹھہریں گے۔ مگر جہاں اللہ تعالیٰ کے اور ہزاروں وعدے پورے ہوتے آئے وہاں یہ وعدہ بھی پورا ہو۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اس آسمانی مصلح کو تلاش کریں۔ پس وہ مصلح حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام ہیں جو 1835ء میں پیدا ہوئے اور 1908ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس صدی میں جو ختم ہو رہی ہے کوئی دوسرا ایسا شخص نہیں ہے جس نے ایسا دعویٰ کیا ہو۔ جہاں تک آپ کے دعویٰ کی سچائی کا تعلق ہے میں صرف ایک دلیل پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا ہے کہ آپ 37 سال زندہ رہے اور یہ دعویٰ آپ نے 19 ویں صدی کے اختتام پر کیا۔ گو الہامات کا سلسلہ اس سے بہت پہلے جاری تھا۔ جب آپ نے دعویٰ کیا تو اس زمانہ کے تمام بڑوں نے اور علماء نے بھی آپ کو جھٹلایا تمام اپنوں اور بیگانوں نے آپ کو کافر قرار دیا مگر ان میں سے ایک بھی آپ کی زندگی پر کوئی حرف نہ اٹھا سکا۔ ان دنوں میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ گو آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر اس زمانہ میں اس خاندان کی وقعت بہت کم ہو گئی تھی اور پھر تمام لیڈروں نے مخالفت شروع کر دی تھی ایسے حالات میں خدا تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا مگر آج اس وقت یہاں پر آپ میں سے ہر شخص اور اسی طرح مغربی افریقہ کا ہر احمدی اس بات کی سچائی کا گواہ ہے کہ وہ دعویٰ پورا ہوا پس خدا نے ہی یہ وعدہ کیا اور پھر خود ہی پورا کیا اور ہر روز اس وعدہ کی سچائی نمایاں ہوتی جا رہی ہے اور جو مخالفت کر رہے ہیں وہ مٹتے جا رہے ہیں یہ ایک عظیم الشان نشان ہے آپ کی سچائی کا۔ پس نجات کا ذریعہ آ گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ہدایت کا ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے احمدی بھائیوں اور بہنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پیارے معزز بھائیو اور بہنو آپ کو کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کرے کہ آپ کو جو احمدیت نصیب ہوئی ہے وہ آپ کے کسی کمال کی وجہ سے ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے صرف آلہ کے

طور پر چنا ہے پس انکساری اختیار کریں۔انسانیت سے ہمدردی کریں اور ایسا نمونہ پیش کریں کہ لوگ کہہ اٹھیں کہ ان لوگوں میں کوئی ایسی چیز ہے جو ہم میں نہیں ہے۔پس خدا کے حضور ہر وقت سجدہ ریز رہیں کہ وہ ہمیں طاقت دے کہ ہم اس کی خدمت کریں۔اسکے لئے نہیں بلکہ محض اپنے لئے ۔کیونکہ خدا ہماری خدمت کا محتاج نہیں ہے۔آپ میں سے کسی کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ میں نے کچھ کیا ہے میں نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے لوگ دیکھے جو ایک وقت میں آسمان روحانیت کے ستارے نظر آئے مگر پھر وہ گر گئے اور جل کر راکھ ہو گئے پس اپنے آپ کو سمجھاؤ کہ ظاہری عبادات خدا کی رضا کو طلب نہیں کر سکتیں جب تک ان کے پیچھے اطاعت کی روح نہ ہو۔پس کسی لمحہ میں تمہارے دلوں میں "میں کا خیال نہ آئے جب بھی ایسا خیال آئے تو سمجھو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔پس ہماری روح خدا کے حضور گری رہنی چاہئے۔تب فرشتے اسکو اٹھائیں گے۔محترم چوہدری صاحب کا یہ خطاب 6 بجکر 25 منٹ تک جاری رہا بعد میں اس کا ترجمہ مکرم اسماعیل بی کے ایڈوصاحب نے پڑھ کر احباب کو سنایا۔دریں اثنا احباب وخواتین نے ایک گیت بھی گایا جس میں ایک شعر کی تکرار تھی کہ" وہ مہدی جس نے آنا تھا وہ آچکا ہے۔"

اجلاس کے آخر میں اشانٹی جماعت کی طرف سے محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں بطور یادگار ایک سٹول جو چیف کا تخت سمجھا جاتا ہے نیز ایک جوڑا جوتوں کا جو چیف استعمال کرتے ہیں پیش کیا جس کا محترم چوہدری صاحب نے شکریہ ادا فرمایا۔مسجد احمدیہ میں مغرب وعشاء کی نمازیں ادا کرنے کے بعد محترم مولانا کلیم صاحب کی درخواست پر آپ نے پھر دوبارہ مقامی جماعت سے خطاب فرمایا۔اپنے اس خطاب میں محترم چوہدری صاحب نے خلافت کی ضرورت اس کی اہمیت اور برکات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اس آسمانی انعام کی صحیح قدر صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ ہم اطاعت ، سچی اطاعت کے جذبہ سے سرشار ہوں اور ہر حال میں امام کی پوری پوری اطاعت کریں خطاب کے بعد واپس جانے والے دوستوں نے آپ سے ملاقات کی۔

سالٹ پانڈ کیلئے روانگی

دوسرے روز یعنی 2 ستمبر بروز اتوار بوقت نو بجے محترم حضرت چوہدری صاحب،محترم مولانا کلیم صاحب کی معیت میں سالٹ پانڈ کے لئے روانہ ہوئے۔CITY ہوٹل سے آپ کو الوداع کہنے کیلئے بھی کافی تعداد میں احباب تشریف لائے ہوئے تھے جن میں مکرم ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب (مہر سنگھ) بھی تھے۔چوہدری صاحب ان سے بڑی محبت سے ملے اور شکریہ ادا فرمایا۔محترم ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ وہ شام کو اکرہ پہنچ کر بھی محترم چوہدری صاحب سے دوبارہ ملاقات کریں گے مگر ان کی عمر کے پیش نظر چوہدری صاحب نے انہیں روک دیا۔چنانچہ اس کے بعد ہماری دونوں کاروں کا قافلہ سالٹ پانڈ کیلئے روانہ ہو گیا۔گزشتہ روز کے سفر کے دوران جو اکرہ سے کماسی تک کا تھا حضرت چوہدری صاحب نے سفر کا آغاز ہونے پر بلکہ کار شہر سے بڑی شاہراہ پر ہولی تو چوہدری صاحب نے اشراق کے نوافل شروع کر دئے اور بہت دیر تک نوافل ادا کرتے رہے اور اس دوران کار میں بہت دیر تک خاموشی رہی۔آج بھی جب سفر کا آغاز ہوا تو چونکہ صبح کا ہی وقت تھا چوہدری صاحب نے نوافل شروع کر دئے اور بہت دیر نوافل ادا کرتے رہے۔جب آپ فارغ ہوئے تو اغلتنا کار FOMENA میں سے گزر رہی تھی۔چوہدری صاحب نے مولانا کلیم صاحب سے دریافت فرمایا کہ کیا یہاں کسی جگہ کار روک کر پیشاب کیا جا سکتا ہے۔اتفاق ایسا ہوا کہ مولانا صاحب کو یاد آیا کہ قریب ہی کچھ فاصلہ پر مکرم محترم مولانا عبدالوہاب آدم صاحب مرحوم کی ہمشیرہ کا گھر تھا چنانچہ آپ نے وہاں کار رکوائی اور گھر کے اندر چلے گئے اور پردہ

وغیرہ کا انتظام کرا کے واپس تشریف لائے اور چوہدری صاحب کو اندر لے گئے ۔ہم لوگ بھی تھوڑی دیر وہاں بیٹھے۔محترم چوہدری صاحب نے بعد از فراغت مکرم وہاب صاحب کی ہمشیرہ کا شکریہ ادا کیا، انہیں دعا دی اور ہم لوگ پھر روانہ ہو گئے ۔نصف سے زائد راستہ طے ہو چکا تھا کہ خاکسار کی سفری متلی کی تکلیف عود کر آئی اور میں نے آدم صاحب ڈرائیور کو اشارہ کیا انہیں میری اس بیماری کا علم تھا لہٰذا انہوں نے کار روکی اور میں نیچے اترا۔ چوہدری صاحب نے مولانا کلیم صاحب سے پوچھا کیا بات ہوگئی ہے فرمانے لگے ہمارے ساتھ ایک مریض بھی ہے۔استفراغ کے بعد میں واپس آیا اور کار پھر روانہ ہوگئی۔سالٹ پانڈ تک پہنچنے کے سفر کے دوران چوہدری صاحب نے ہمیں اپنی خودنوشت ”تحدیث نعمت“ کے بےشمار واقعات زبانی سناڈالے چنانچہ اس سفر کے دوران محترم چوہدری صاحب نے خلافت اولیٰ کے متعدد واقعات ،منکرین خلافت کے طرز عمل نیز بعض اور جماعتی نشانات اور خود اپنے بعض حالات بھی نہایت ہی دلچسپ انداز میں سنائے اور اس طرح تحدیث نعمت کا ایک حصہ ہم لوگوں کو خود چوہدری صاحب کی اپنی زبان مبارک سے سننے کا شرف حاصل ہوگیا۔

سالٹ پانڈ میں ورود

12 بج کر 45 منٹ پر ہم سالٹ پانڈ پہنچے جہاں سنٹرل اور ویسٹرن ریجن کے ہزاروں احباب، مرد، عورتیں اور بچے آپ کے استقبال کے لئے جمع تھے۔شہر کے باہر سے لے کر مشن ہاؤس تک نصف میل کے فاصلہ میں احباب سڑک کے دونوں کناروں پر استقبال کے لئے کھڑے تھے۔جیسے ہی کاروں کا قافلہ لوگوں کو نظر آیا۔انہوں نے نہایت ہی پر جوش آواز میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔فرط محبت سے خدام محترم چوہدری صاحب کی کار کی معیت میں دونوں طرف کار کے ساتھ ساتھ جو اس وقت نہایت آہستہ چل رہی تھی بھاگتے جارہے تھے۔دونوں اطراف سے احباب کے نعروں سے فضا گونجے جارہی تھی۔عجیب کیف انگیز نظارہ تھا جس سے محترم چوہدری صاحب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ آپ نے اس امر کا ذکر اپنی تقریر میں بھی خصوصی طور پر فرمایا۔مشن ہاؤس ابھی پہنچے نہیں تھے تو چوہدری صاحب چونکہ میری سفری متلی اور قے کی تکلیف دیکھ چکے تھے فرمانے لگے کہ اب تم یہاں نیچے اتر کر ذرا کھلی ہوا میں گھومو پھرو تا طبیعت بحال ہوجائے۔اس موقع پر خاکسار نے آپ سے دعا کی درخواست کی تا اس تکلیف سے نجات ہو چنانچہ آپ نے دعا کا وعدہ فرمایا۔معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قبولیت کی گھڑی تھی شاید کہ اس کے بعد مجھے پھر بفضلہٖ تعالیٰ یہ تکلیف کبھی نہیں ہوئی بلکہ ایک لمبا عرصہ تو مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ مجھے کسی زمانہ میں یہ تکلیف رہ چکی ہے اس سے پہلے تو یہ جس قدر شدت سے مجھے تکلیف پہنچاتی تھی وہ نا قابل برداشت ہوتی تھی مگر آپ کی دعا کے بعد ہمیشہ اللہ کا فضل رہا۔ایک آدھ بار کسی بد پرہیزی کے نتیجہ میں تو شاید مجھے سفر کے دوران تکلیف ہوئی ورنہ گزشتہ 45،46 سالوں کے دوران سفر میں کبھی بھی اس تکلیف کا سامنا نہیں ہوا۔فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

جماعت سے خطاب

مشن ہاؤس پہنچنے پر چونکہ کھانا تیار تھا سب سے پہلے حضرت چوہدری صاحب نے کھانا تناول فرمایا۔کھانے کا اہتمام مولانا کلیم صاحب کی اہلیہ مرحومہ جنہیں ہم سب خالہ جان کہا کرتے تھے نے مشن ہاؤس کی دوسری منزل پر اپنی رہائش گاہ کی بالکونی پر کیا تھا جہاں سے جنوب کی طرف سمندر کا نظارہ بھی کیا جا سکتا تھا۔کھانے کے دوران اس بات کا ذکر ہوا کہ 1921ء میں جب حضرت مولانا عبدالرحیم نیر صاحب مرحوم رضی اللہ

عنہ پہلی بار گھانا جو اس وقت گولڈ کوسٹ کہلاتا تھا میں اسی مقام یعنی سالٹ پانڈ کی بندرگاہ پر ہی وارد ہوئے تھے۔ اور اس وقت یہ ایک بہت بڑی بندرگاہ تھی۔ محترم چوہدری صاحب نے پوچھا کہ اب بندرگاہ کہاں ہے۔ تو مولانا صاحب نے عرض کیا کہ اب بندرگاہ یہاں سے منتقل ہو کر اکرہ سے جانب مشرق واقع شہر ٹیا (TEMA) میں قائم ہوگئی ہے۔ چوہدری صاحب نے پھر دریافت فرمایا کہ اس نقل مکانی کی کیا وجہ ہوئی تو مولانا صاحب فرمانے لگے کہ ایک تو یہاں کے تاجروں نے بددیانتی شروع کر دی تھی دوسرے یہاں کا SEA،RECEDE کر گیا" یعنی سمندر کا پانی کچھ پیچھے ہٹ گیا چوہدری صاحب نے مولانا کے یہی الفاظ کہ SEA RECEDE کر گیا! دھرا کر فرمایا یہ کونسی زبان ہے؟ مولانا کچھ جھینپ گئے اور چوہدری صاحب نے محفل کو خوشگوار بنانے کیلئے اسی نوع کے کچھ لطائف بھی سنا دیئے الغرض کھانا بھی ایک دلچسپ مجلس تھی۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب مکرم چوہدری صاحب ڈرائنگ روم میں سے گزر کر نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھے تو مولانا کلیم صاحب کی بیگم صاحبہ محترمہ نے چوہدری صاحب کو سلام عرض کیا مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہ میری اہلیہ ہیں اور ان کا تعلق داتہ زید کا (محترم چوہدری صاحب کا ننھیال) سے ہے چوہدری صاحب کے چہرہ پر ایک عجیب رنگ ظاہر ہوا آپ عقیدت سے (ظاہر ہے کہ اپنی والدہ مرحومہ کی یاد آ گئی ہوگی) کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ اب ان کو خالہ کہا جائے یا بہن کہا جائے۔ بہر حال بڑی محبت کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد آپ سیڑھیوں سے اترے اور نیچے برآمدہ میں خاکسار نے مشنری ٹریننگ کالج کے طلبہ کو پہلے سے ALERT کر دیا ہوا تھا وہ چوہدری صاحب کے ساتھ تصویر کھنچوانے کیلئے پوری فارمیشن میں کھڑے منتظر تھے چنانچہ چوہدری صاحب نے ہم سب کے ساتھ بڑی شفقت کے ساتھ تصویر کھنچوائی۔ جو ہم سب کیلئے بہت قیمتی یادگار بن گئی۔

ایک ضروری بات پیچھے ذکر ہونے سے رہ گئی وہ یہاں درج کر دیتا ہوں کہ گھانا میں چونکہ موسم گرم اور مرطوب ہوتا ہے جو کہ استوائی ممالک کا خاصہ ہے اسلئے محترم مولانا کلیم صاحب نے چوہدری صاحب کیلئے اپنی اہلیہ صاحبہ سے لٹھے کی شلوار اور ململ (ویل) کا کرتہ سلوا لیا تھا جو چوہدری صاحب کیلئے اس موسم میں بہت ہی آرام دہ ثابت ہوا اور مسلسل دو روز آپ وہی لباس پہنے رہے۔ مذکورہ تصویر میں بھی چوہدری صاحب اسی لباس میں نظر آرہے ہیں۔

بہر حال اس کے بعد محترم چوہدری صاحب، محترم امیر صاحب مولانا کلیم صاحب کی معیت میں جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ جو بحر اوقیانوس کے ساحل پر ناریل کے درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کے نیچے کافی عرصہ سے اس مقصد کے لئے استعمال ہوتی رہی تھی۔ احباب نے جو آپ سے ملاقات اور آپ کے خطاب سننے کے لئے وہاں جمع تھے۔ پرجوش نعروں سے اور اھلاً وسھلاً ومرحبا سے آپ کا استقبال کیا۔ سب سے پہلے ظہر وعصر کی نمازیں احباب نے محترم مولانا کلیم صاحب کی اقتداء میں ادا کیں ازاں بعد محترم چوہدی صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی سب سے پہلے تلاوت قرآن کریم ہوئی جو احمدیہ مشنری ٹریننگ کالج کے ایک طالب علم عزیزم یوسف بن صالح نے کی جس میں اس نے سورۃ الحجرات کی آخری آیات کی تلاوت کی اور پھر ان کا ترجمہ سنایا۔ اس کے بعد سالٹ پانڈ کی تعلیم القرآن کلاس کے چند بچے جن کی انچارج محترم مولانا کلیم صاحب کی بیگم صاحبہ محترمہ تھیں سٹیج پر آئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی نظم در مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اشعار ترنم سے پڑھ کر سنائے۔ بعد میں محترم مولانا کلیم صاحب کے ارشاد پر جماعت کے پریذیڈنٹ مکرم الحاج ممتاز

بیگ صاحب آرتھر نے ایڈریس پڑھا جس کا ترجمہ مقامی فانٹی زبان میں جماعت گھانا کے جنرل سیکرٹری مکرم مسعود جمال جانسٹن صاحب نے کیا ازاں بعد محترم چوہدری صاحب نے اپنا خطاب شروع فرمایا۔آپ نے فرمایا:"سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے محض اپنے فضل وکرم سے چند لمحے اپنی زندگی کے آپ بھائیوں کے درمیان گزارنے کی توفیق بخشی۔جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے شرسار ہیں اور محض خدا کی رضا کے حصول میں مگن ہیں۔میرے یہی جذبات تشکر تھے جس کی بنا پر میں نے ابتدا میں تین بار الحمدللہ کہا اور میں اس خداوند کا بہت ہی شکر گزار ہوں جس نے مجھے آپ سب سے اس مقدس مقام پر ملاقات کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔میں نے مقدس کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ پچاس سال قبل اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم نشان اس جگہ پورا ہوا۔وہ نشان یہ تھا کہ آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر اللہ تعالیٰ نے ایک دور دراز کے ملک میں اپنے ایک بندے کو مبعوث کیا اور اس سے جہاں اور بے شمار وعدے کئے وہاں یہ بھی وعدہ کیا کہ:

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔"

اور یہ زمین کا ایک کنارہ ہے۔ہمیں کسی اٹلس پر یا کسی نقشہ پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔آپ کے دائیں طرف بحر اوقیانوس اس امر کا گواہ ہے۔

محترم چوہدری صاحب جب اس نکتہ پر پہنچے تو مجھے چند سال پہلے والی وہ تقریر جو آپ نے تحریک جدید کے لان میں فرمائی تھی بے اختیار یاد آ گئی اور ایک عجیب لطف آیا کہ دنیا کے جس کنارہ کا چوہدری صاحب نے آج سے 8،9 سال پہلے ذکر فرمایا تھا اور اس مجلس میں خاکسار بھی موجود تھا اس وقت میرے ذھن کے کسی گوشہ میں بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ آج سے کچھ سال بعد عین اسی بحر اوقیانوس کے کنارہ پر ہی بیٹھ کر اس آسمانی نشان کے پورا ہونے کا ذکر میں خود بھی دوبارہ سنوں گا اور اسی زبان سے سنوں گا جس سے آج سن رہا ہوں۔فالحمدللہ علی ذالک

اللہ تعالیٰ نے بیشمار علاقوں میں اسجگہ کو بھی اپنے نشان کے اظہار کے لئے منتخب کیا۔سب سے پہلے وہ آسمانی پیغام مغربی افریقہ کے اس خطے پر پہنچا اور یہاں سے اطراف میں پھیلنا شروع ہوا پس میرے لئے یہ انتہائی شکریہ کا مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے میری زندگی میں ہی اس جگہ کی زیارت کرنے کی توفیق بخشی۔آپ نے فرمایا کہ وقت اجازت نہیں دیتا تاہم میں ایک دو پیغام آپ کے لئے چھوڑ جانا چاہتا ہوں۔پہلا یہ ہے کہ اسلام جس کا احیاء اس زمانہ میں احمدیت کے ذریعہ سے مقدر ہو چکا ہے عدل وانصاف اور امن کا علمبردار مذہب ہے۔

یہ مذہب ہے عدل ومساوات کا کیونکہ اسلام میں انسان اور انسان میں کوئی تفریق رنگ ونسل کی بناء پر نہیں ہے۔قرآن کریم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کسی رنگ یا نسل یا قبیلہ کی بناء پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔انسانی حقوق کے لحاظ سے تمام انسان برابر ہیں البتہ فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے۔اسی طرح اسلام انصاف کا مذہب ہے

کیونکہ خدا تعالیٰ انصاف کرنے والا خدا ہے اور ساتھ ہی وہ غفور الرحیم بھی ہے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص غلطی کرے اور پھر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے اور اپنے گناہوں پر اصرار کرے تو اسکو صرف اتنی ہی سزا ملے گی جس قدر اس کا گناہ ہوگا۔ان معنوں سے وہ انصاف کرنے والا خدا ہے۔پھر میں نے کہا تھا کہ اسلام مذہب ہے امن کا۔یہ مذہب ہے خدمت اور بہبودی کا۔پس ہمیں یہ خدمت صرف اپنوں تک ہی محدود نہیں رکھنی چاہیے بلکہ ساری انسانیت کی خدمت کرنی چاہئے اور یکساں طور پر تمام بنی نوع

انسان کو فائدہ پہنچانے میں مصروف ہونا چاہیئے ۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی نسبت فرمایا ہے۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

یعنی (اے مومنو) تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول کر ہو کر آیا ہے تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمہارے لئے خیر کا بہت بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا اور بہت کرم کرنے والا ہے۔

پس ہم جو آنحضرت ﷺ کے غلام ہیں ہمیں اسی طرح انسانیت کے لئے ہمدردی ظاہر کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس۔ کہ تم بہترین قوم ہو کیونکہ تمہیں تمام انسانیت کی خدمت کے لئے مبعوث کیا گیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسانیت کی خدمت پر بہت زور دیا ہے چنانچہ آپ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں: منہ از بہر ما کرسی کہ ماموریم خدمت را

پس اسی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر ہمیں مخلوق خدا کی خدمت کرنی چاہیئے۔صرف اسی صورت میں ہم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتے ہیں اور اسی طریقہ سے ہماری باتیں موثر ہو سکتی ہیں۔ پس لوگوں کے لئے ہمارے دلوں میں محبت، ہمدردی، نرمی موجزن ہونی چاہیئے کیونکہ اسی طریق سے ہم احمدیت کا پیغام لوگوں کے دلوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ یاد رکھیں لفاظی اور مقرری ہماری تبلیغ کو کامیاب نہیں کر سکتی بلکہ صرف اور صرف انسانیت کی سچی محبت اور ہمدردی سے ہی ہم اس کے دل جیت سکتے ہیں۔"

آپ کے خطاب کا ترجمہ مکرم مسعود جمال جانسٹن صاحب (جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ گھانا) نے ساتھ ساتھ احباب کو پڑھ کر سنایا۔

سویڈرو کے لئے روانگی

خطاب اور دوستوں سے الوداعی ملاقات کے بعد محترم چوہدری صاحب مع محترم امیر صاحب اور ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب اور دیگر رفقاء قافلہ کے سویڈرو کے لئے روانہ ہوئے جو سالٹ پانڈ اور اکرہ روڈ پر سالٹ پانڈ سے تقریباً 47 میل کے فاصلہ پر اور بڑی سڑک سے 12 میل کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے۔ روانگی سے پہلے مکرم ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب جو کہ اب چند لمحوں بعد میزبان بننے والے تھے مجھے کہنے لگے کہ یہاں سالٹ پانڈ سے آگونا سویڈرو تک (جہاں ان کا ہسپتال تھا) اگر تمہاری اجازت ہو تو کار میں میں چوہدری صاحب کے ساتھ سفر کر لوں چنانچہ بڑی خوشی کے ساتھ خاکسار نے انہیں موقع دیدیا اور ہم سویڈرو پہنچے۔ یہاں ہمارا ایک بڑا ہسپتال ہے جو مجلس نصرت جہان پروگرام کے تحت بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ ہسپتال کے انچارج مکرم ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب ایک بہت باہمت اور مستعد جواں سال ڈاکٹر تھے۔ یہ ہسپتال اپریل 1971ء میں شروع ہوا۔ شروع میں ایک کرایہ کی دو منزلہ عمارت حاصل کی گئی جس میں نیچے ہسپتال تھا اور اوپر دوسری منزل پر مکرم ڈاکٹر صاحب مع اپنی بیگم صاحبہ کے رہائش پذیر ہوئے۔ قریباً اڑھائی سال تک ہسپتال اسی عمارت میں رہا۔ اس دوران کئی مشکلات پیش آئیں ایک دفعہ تو بعض عیسائیوں نے شرارت کر کے اور حکومت کے بعض افسروں کو ورغلا کر ہمارا یہ ہسپتال بند کرا دیا اور دس ماہ تک مسلسل یہ ہسپتال بند رہا یہ عرصہ محترم ڈاکٹر صاحب جیسے باعمل اور فعال انسان کے لئے ذہنی لحاظ سے بہت پریشانی اور ابتلاء کا عرصہ تھا۔ مگر آپ ہمت اور مستقل مزاجی سے اس عزم پر قائم رہے کہ اس ہسپتال کو کامیاب کر کے دم لیں گے۔ آخر حکومت کو فیصلہ بدلنا پڑا اور ہسپتال کھولنے کی اجازت دیدی اور چند ہی ماہ کی کوشش سے مکرم ڈاکٹر صاحب نے بفضل اللہ تعالیٰ ہسپتال کو پھر نہ صرف اسی معیار تک پہنچا دیا بلکہ پہلے سے بڑھ کر ترقیات بھی حاصل ہوئیں۔

جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہسپتال کے لئے سویڈ رو میں ہی ایک اور بہت بڑی عظیم الشان عمارت مہیا کر دی۔ یہ عمارت بھی دو منزلہ ہے۔ نیچے کی منزل میں بعض مزید تبدیلیاں کر کے اس میں ہسپتال شروع کر دیا گیا

جس میں indoor مریضوں کے لئے 25 بستروں کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ دو پرائیویٹ وارڈ بھی ہیں۔ ہسپتال میں بجلی اور پانی کی سہولتیں بھی موجود ہیں۔ مریضوں کی تیمارداری کے فرائض سرانجام دینے والے لوگوں کے لئے ایک الگ بلاک بطور باورچی خانہ ریزرو رکھا گیا۔ جس میں بیک وقت کئی خاندان اپنا کھانا تیار کر سکتے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگوں کے لئے یہ ہسپتال اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مکرم ڈاکٹر صاحب ہسپتال کی اوپر والی منزل پر رہائش پذیر تھے اور مریضوں کے لئے وقت کی کوئی بندش نہیں تھی دن ہو یا رات مریض کبھی بھی ڈاکٹر صاحب کی توجہ سے محروم نہیں رہتے تھے۔ اتوار کو رخصت کا دن ہوتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب یہ دن بھی ہسپتال میں ہی اپریشنوں میں گزار دیتے تھے۔ مریض ڈاکٹر صاحب کی اس نرمی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے اور ہسپتال کو اپنا گھر سمجھ کر وہاں آتے اور علاج حاصل کرتے تھے۔

سویڈ رو میں آمد

سویڈ رو پہنچنے پر پہلے محترم حضرت چوہدری صاحب نے پرانی عمارت کا ملاحظہ کیا جہاں فی الوقت ہسپتال کام کر رہا تھا (گو اس کے بعد جلد ہی ہسپتال نئی عمارت میں منتقل کر دیا گیا) اس کے بعد نئی عمارت (جو اب جماعت کی اپنی ملکیت ہے) میں تشریف لے گئے جہاں سینکڑوں احباب محترم چوہدری صاحب کے استقبال کے لئے چشم براہ تھے۔ جیسے ہی محترم چوہدری صاحب کی کار ہسپتال کی وسیع وعریض کمپاونڈ میں داخل ہوئی احباب کے نعرہ ہائے تکبیر سے فضا گونج اٹھی۔ پہلے تو محترم چوہدری صاحب نے عمارت کا ملاحظہ فرمایا۔ اسکے بعد آپ بالائی منزل پر تشریف لے گئے۔ جہاں ڈائننگ ہال میں مکرم ڈاکٹر صاحب نے آپ کیلئے چائے کا انتظام کیا ہوا تھا چائے کی میز پر بیٹھنے سے پہلے محترم چوہدری صاحب ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگے کہ آپ کے خطوط مجھے ملتے رہتے ہیں اور میں آپ کے لئے برابر دعا بھی کرتا رہتا ہوں مگر آپ اپنے خط کے آخر میں صرف "آفتاب" لکھ دیتے ہیں حالانکہ آپ کا پورا نام تو آفتاب احمد ہے پس آپ پورا نام آفتاب احمد لکھا کریں۔ احمد کے بغیر آفتاب کی کیا حیثیت ہے اس کی ساری روشنی تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکت سے ہے۔ پس احمد کے بغیر آفتاب، آفتاب کیسے بن سکتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی پیارا نکتہ تھا جو محترم چوہدری صاحب نے وہاں موجود ہم تمام خدام کو بہت ہی حکیمانہ انداز میں سمجھا دیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی بہت محظوظ ہوئے۔

اس کے بعد ہم سب مختلف نعمتوں سے سجے ہوئے اس ڈائننگ ٹیبل کے گرد ہو گئے جس پر بے شمار پکوان حاضرین کو چیلنج دے رہے تھے۔ محترم چوہدری صاحب فرمانے لگے (اس وقت شام ہو رہی تھی) کہ یہ تو محض چائے نہیں پورا ڈنر کا سامان ہے اور صرف ایک پھلکے کی کسر ہے اور مجھے تو اگر صرف ایک پھلکا مل جائے تو میرا تو یہی ڈنر بن جائے گا اور اس کے بعد مجھے کسی ڈنر کی ضرورت نہ ہوگی۔ مکرم ڈاکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ ساتھ ہی ملحقہ کچن میں یہ سن رہی تھیں انہوں نے پلک جھپکتے میں تازہ پھلکا تیار کر دیا اور محترم چوہدری صاحب نے اپنا ڈنر پورا کر لیا۔ بہر حال چائے وغیرہ پی کر پھر آپ نیچے تشریف لے آئے۔ اس موقع پر مقامی جماعت کی طرف سے آپ کی خدمت میں ایک چھتری جو چھڑی کا بھی کام دے سکتی ہے پیش کی گئی جس کا آپ نے شکریہ ادا فرمایا۔ بعد ازاں محترم کلیم صاحب نے محترم حضرت چوہدری صاحب کے متعلق چند تعارفی جملے کہے اور فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ینصرك رجال نوحی الیھم من السماء۔ چنانچہ محترم چوہدری صاحب کی

حضرت والدہ صاحبہ مرحومہ رضی اللہ عنہا بھی ایسے ہی وجودوں میں سے تھیں اور محترم چوہدری صاحب کا عالمی عدالت کی صدارت پر متمکن ہونا بھی آپ کی والدہ صاحبہ مرحومہ کے ایک مبشر خواب کی بناء پر تھا اس کے بعد محترم چوہدری صاحب نے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ میں اس وقت خصوصا اپنی احمدی بہنوں سے مخاطب ہونا چاہتا ہوں اس کے بعد آپ نے اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کے ایک رؤیا کا ذکر کیا اور فرمایا کہ رؤیا میں آپ نے حضرت مسیح موعود کی زیارت کی۔ حالانکہ ابھی آپ کو حضور کا علم بھی نہ تھا بعد میں جب حضرت مسیح موعود ایک دفعہ سیالکوٹ تشریف لائے تو میری والدہ صاحبہ مرحومہ والد صاحب سے اجازت لے کر حضور کی زیارت کے لئے آپ کی جائے قیام پر تشریف لے گئیں حضور اس وقت مصروف تھے جب نماز کے لئے تشریف لے جانے لگے تو آپ وہاں سے گزرے جہاں والدہ صاحبہ حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر تھیں حضور چند لمحوں کے لئے وہاں تشریف فرما ہوئے اور والدہ صاحبہ نے آپ کو دیکھتے ہی بلا تامل بیعت کی درخواست کی جو حضور نے فوراً ہی منظور فرمالی اور اسی وقت بیعت لے لی۔ اس وقت میں بھی والدہ صاحبہ محترمہ کے ہمراہ تھا۔ بیعت کے بعد جب آپ گھر تشریف لائیں تو چونکہ والد صاحب نے صبح اجازت دیتے وقت فرمایا تھا کہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کرنا اسلئے جب ان کے استفسار پر والدہ صاحبہ نے بتایا کہ انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ تو والد صاحب بہت پریشان ہوئے اور نوکر کو بلا کر کہنے لگے کہ میری چارپائی ان کی چارپائی کے پاس سے اٹھا کر دوسرے والے کمرے میں لے جاؤ مگر والدہ صاحبہ نے نوکر کو کہا کہ ساتھ والے کمرے میں نہیں بلکہ باہر مردانہ حصہ میں لے جاؤ۔ والد صاحب نے پوچھا کیوں؟ فرمانے لگیں کہ اسلئے میں نے نور کو قبول کر لیا ہے اور آپ اندھیرے میں ہیں۔ والد صاحب نے یہ سن کر نوکر کو بھیج دیا اور والدہ صاحبہ سے فرمانے لگے کہ تم جیت جاؤ گی۔ چنانچہ ایک ہفتہ بعد ہی والد صاحب نے بھی بیعت کر لی اور میں اس وقت بھی ہمراہ تھا۔

اکرہ کیلئے روانگی

خطاب کے بعد محترم چوہدری صاحب نے احباب سے اجازت حاصل کی اور مع دیگر رفقائے قافلہ اکرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہاں سے دوبارہ خاکسار محترم چوہدری صاحب کی کار میں ڈرائیور کے ہمراہ بیٹھ گیا۔ جب ہم اکرہ میں داخل ہو رہے تھے تو نہ معلوم چوہدری صاحب کو اچانک کیسے خیال آ گیا اور آپ نے محترم ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب مرحوم (مبر سنگھ) کا ذکر فرمانا شروع کر دیا جن کو آپ نے اسی روز صبح کماسی سے (ان کی صحت اور عمر کی وجہ سے) سفر کرنے سے روک دیا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو منع تو کر دیا تھا مگر وہ بڑی محبت کرنے والے وجود ہیں اور ان سے نہیں رہا گیا ہوگا اسلئے دیکھ لینا کہ جب ہم اکرہ پہنچیں گے تو وہ آگے پہلے سے موجود ہوں گے اور فی الواقعہ ہوا بھی ایسے ہی۔ چنانچہ جیسے ہی ہماری کار اکرہ کے مشن ہاؤس میں داخل ہوئی مکرم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب سامنے کھڑے تھے انہوں نے چوہدری صاحب کی دوبارہ ملاقات کے شوق میں اپنی تھکاوٹ وغیرہ کا قطعاً کوئی خیال نہ کیا اور وہ پونے دوسو میل کا سفر کر کے اپنی کار بھگا کر اکرہ پہنچ گئے۔ بہر حال ساڑھے آٹھ بجے ہم لوگ اکرہ مشن ہاؤس پہنچے جہاں سب سے پہلے عشاء کی نمازیں باجماعت ادا کی گئیں۔ اس کے بعد احباب بڑے ہال میں تشریف لائے۔

احباب کو قیمتی نصائح

سب سے پہلے محترم چوہدری صاحب نے کیپٹن ڈازی صاحب کو یاد فرمایا۔ کیپٹن ڈازی سے محترم چوہدری صاحب کی دیرینہ ملاقات تھی اور

دو روز قبل جب آپ نے مشن ہاؤس میں ہی دوستوں کو خطاب فرمایا تھا تو آپ نے کیپٹن صاحب موصوف کا ذکر بھی فرمایا کہ یہ عیسائیت سے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور گھانا نیوی میں ملازم ہیں اگر ممکن ہو تو ان کو تلاش کر کے اطلاع دی جائے۔ چنانچہ گزشتہ دو دنوں کے دوران ہمارے اکرہ کے ریجنل مشنری مکرم برادرم عبدالشکور صاحب جو اس سلسلہ میں بہت ہی مستعد ہیں نے ان کو تلاش کر لیا اور آج جب محترم چوہدری صاحب خطاب کے لئے تشریف فرما ہوئے تو کیپٹن صاحب موصوف پہلے سے موجود تھے محترم چوہدری صاحب نے ان سے معانقہ کیا اور پھر محترم کلیم صاحب سے ان کا تعارف کراتے ہوئے ان کو نصیحت فرمائی کہ ان سے ملتے رہا کرو اس کے بعد آپ نے دوستوں سے خطاب فرمایا اور گزشتہ دو دنوں میں اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان فرمائے کماسی اور سالٹ پانڈ میں دوستوں کے جذبہ محبت کی تعریف کی اور فرمایا کہ میرے دل پر ان سب کی ملاقات نے گہرا اثر ڈالا ہے۔

آپ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتہ اخوت میں باندھ دیا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اگر تو ساری دنیا کے خزانے بھی ان میں تقسیم کر دیتا تب بھی یہ محبت ان دلوں میں پیدا نہ کر سکتا اور درحقیقت وہی نظارہ صحابہ کی اخوت والا آج ہمیں پھر نظر آ رہا ہے کہ دنیا کی مختلف قوموں کے افراد احمدیت کے رشتہ محبت میں بندھے ہوئے نظر آ رہے ہیں یہ صرف ایک معجزہ ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھتے رہیں کہ ہماری گرفت حبل اللہ پر جس نے ہمیں باندھا ہوا ہے کمزور نہ پڑے اور ہماری تمام تر کوشش خدا تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے میں رہے۔ بعد ازاں مجلس خدام الاحمدیہ اکرہ نے محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں ایک قیمتی تحفہ مقامی لباس کی شکل میں پیش کیا۔

سربراہ مملکت اور چیف آف ڈیفنس سٹاف سے ملاقات

اگلے روز یعنی مؤرخہ 3 ستمبر کو سب سے پہلے صبح 9 بجے بریگیڈیر ایشلے لیسن (Ashlay Lassen) سے ملاقات تھی۔ جو چیف آف ڈیفنس سٹاف تھے اور کمشنر برائے انصاف و امور خارجہ کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام بھی تھے۔ یہ ملاقات صرف 15 منٹ رہی۔ اس کے بعد ملک کے سربراہ کرنل آئی کے اچمپانگ ۔Acheam Pong.Col.L.K (بعد میں وہ جنرل اچمپانگ کہلائے) جو فوجی حکومت کے چیئرمین بھی تھے سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر بریگیڈیر ایشلے لیسن چیف آف ڈیفنس سٹاف کے علاوہ چیف پروٹوکول آفیسر بھی موجود تھے۔ ملاقات میں جنوبی افریقہ کی موجودہ صورت حال اور عالمی عدالت کے طریق کار کے مسائل زیر گفتگو رہے اس موقعہ پر چیئرمین نے ہماری جماعتی خدمات کو بھی سراہا اور مولانا کلیم صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ میں نے ایک کام بھی ان کے سپرد کیا ہوا ہے۔ چوہدری صاحب فرمانے لگے کہ وہ کام ہم بھی سب مل کر رہے ہیں۔

چیف جسٹس کیطرف سے ظہرانہ

دوپہر کو قائمقام چیف جسٹس مسٹر اپالو (Appaloo.Mr) کی طرف سے محترم چوہدری صاحب کے اعزاز میں ایک ظہرانہ دیا گیا جس میں پچاس کے قریب دیگر مہمان بھی موجود تھے جو ججز اور سینیئر وکلاء پر مشتمل تھے۔ محترم مولانا کلیم صاحب کے علاوہ گھانا جماعت کے پریذیڈنٹ الحاج ممتاز بیگ آرتھر صاحب سیکرٹری مکرم مسعود جمال صاحب جانسٹن اور اشانٹی جماعت کے چیئرمین حاجی حسن عطاء صاحب بھی اس دعوت میں شامل تھے۔ قائمقام چیف جسٹس صاحب نے اس موقعہ پر ایک ایڈریس بھی محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ جس

میں محترم چوہدری صاحب کی عالمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انکو بہت سراہا۔ایڈریس کے جواب میں محترم چوہدری صاحب نے شکریہ ادا کیا نیز مختصر طور پر عالمی عدالت کے طریق کار کا تعارف کرایا۔مولانا کلیم صاحب نے بعد میں بتایا کہ مکرم چیف جسٹس صاحب نے اس موقع پر ایک بڑی دلچسپ خواہش کا اظہار فرمایا اور وہ چونکہ کسی زمانہ میں گھانا کے کسی مشن کی نمائندگی یو این او میں کر چکے تھے اور مکرم چوہدری صاحب کو ذاتی طور پر جانتے تھے اسلئے گھانا میں اپنی قانون دان برادری کو چوہدری صاحب کی قوت استدلال دکھانے کے متمنی تھے چنانچہ انہوں نے کہا کہ افسوس ہے کہ ہماری عدالتیں آج کل تعطیلات کی وجہ سے بند ہیں ورنہ میں ایک مقدمہ محترم چوہدری صاحب کے سپرد کرتا اور ہماری عدالت میں اس مقدمہ کی سماعت ہوتی اور میرے وکلا دیکھتے کہ چوہدری صاحب کس طرح کوئی کیس تیار کرتے اور اسے عدالت میں کس طرح FIGHT کرتے ہیں گویا یہ ان کی طرف سے چوہدری صاحب کی قابلیت کے اعتراف کا ایک اظہار تھا۔

پریس کانفرنس

شام 4 بجے ہوٹل Ambassador میں ہی ایک پریس کانفرنس کا انتظام کیا گیا تھا جس میں وزارت اطلاعات اور پریس کے نمائندگان نے شرکت کی۔"ڈیلی گرافک" اور "گھانین ٹائمز" کے نمائندگان بھی شامل تھے اس موقعہ پر جنوبی افریقہ اور عالمی عدالت کے طریق کار پر بھی تفصیلی گفتگو ہوئی احمدیت کا تعارف بھی کرایا گیا۔محترم چوہدری صاحب نے اس موقعہ پر اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ موجودہ زمانہ میں جو انسان سائنسی ترقیات کے نتیجہ میں اپنے خدا سے دور ہو کر تباہی اور آگ کے گڑھے کے کنارہ پر پہنچ گیا ہے اس کا علاج اب صرف اسلام میں ہی ہے اور صرف اسلام ہی انسانیت کو موجودہ تباہی سے بچا سکتا ہے۔نیز اس موقعہ پر آپ نے اسلام کے اقتصادی نظام کو بھی شرح وبسط سے واضح فرمایا۔ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اس امر پر گواہ ہے بلکہ اسلام روحانی طاقت کی بناء پر پھیلا۔ایک صاحب نے سوال کیا کہ مسیح کا آپ کے نزدیک کیا مقام ہے۔آپ نے جواباً فرمایا کہ ہم اسے خدا کا ایک برگزیدہ نبی تسلیم کرتے ہیں اور جہاں تک ان کے لئے ابن اللہ کے لفظ کے استعمال کا تعلق ہے سو یہ ایک محض محاورہ ہے جس کا بائیبل میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔کانفرنس کی تقریب کے اختتام پر مہمانوں کی تواضع بھی کی گئی۔

جماعت کی طرف سے استقبالیہ

شام 4 بجے جماعت کی طرف سے محترم چوہدری صاحب کی خدمت میں ایک استقبالیہ ہوٹل ایمبیسیڈر میں ہی پیش کیا گیا جس میں حکومت کے بعض نمائندے نیز یورپ اور امریکہ اور مسلمان ملکوں کے سفراء بھی مدعو تھے یہ استقبالیہ بہت ہی کامیاب رہا اور اکثر مہمانوں کو محترم چوہدری صاحب سے بالمشافہ گفتگو کا شرف بھی حاصل ہوا۔

عشائیہ

رات ۸ بجے رائل ڈینیش گورنمنٹ کی سفیرہ متعینہ اکرہ مسز وھائٹ White.Mrs کی طرف سے محترم چوہدری صاحب کے اعزاز میں ایک عشائیہ کا انتظام تھا۔مسز وہائیٹ کسی وقت میں ڈنمارک کی طرف سے یو این او میں نمائندگی بھی کرتی رہی تھیں۔اس عشائیہ میں جرمنی، فرانس، جاپان، کوریا، برطانیہ اور بعض اور ملکوں کے سفراء کرام کے علاوہ کمشنر (وزیر) برائے تجارت کمشنر برائے زراعت، یو این او کے اقتصادی

کمیشن برائے افریقہ کے سیکرٹری مسٹر گارڈنر بھی شریک تھے۔تقریب میں بے تکلفی کا ماحول تھا اور اس نے کوئی رسمی شکل اختیار نہیں کی۔ جماعت کی طرف سے اس موقعہ پر محترم چوہدری صاحب کے ہمراہ مولانا کلیم صاحب بھی تشریف فرما تھے۔

ٹیلی ویژن پر انٹرویو

مؤرخہ 4 ستمبر بروز منگل محترم چوہدری صاحب کی سیرالیون کے لئے روانگی کا دن تھا اس روز باوجود وقت کی تنگی کے ہمارے ایک مقامی احمدی بھائی مکرم عبدالرشید صاحب گورمن کی کوششوں سے ایک ٹیلی ویژن پروگرام بھی ترتیب پا گیا۔ساڑھے آٹھ بجے ٹیلی ویژن سٹیشن پر پہنچے جہاں ایک مقامی وکیل نے آپ سے ٹیلی ویژن پر نصف گھنٹہ تک انٹرویو لیا۔اس میں جماعت کا تعارف بھی ہوا اور بعض دیگر بین الاقوامی مسائل بھی زیر بحث آئے۔یہ پروگرام مؤرخہ 12 ستمبر کو رات 8 بجے ٹیلیویژن پر نشر ہوا جو بہت ہی کامیاب رہا۔

سیرالیون کیلئے روانگی

ٹیلیویژن پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد محترم چوہدری صاحب احباب کی معیت میں اکرہ ائیر پورٹ پہنچے ائیر پورٹ سے باہر جب آپ کار سے اترے تو آپ نے ہمارے احمدی بھائی آدم اے پانگ صاحب جو گزشتہ چار پانچ دن سے آپ کی کار ڈرائیو کر رہے تھے کا خصوصی شکریہ ادا فرمایا اور مولانا کلیم صاحب کو فرمانے لگے کہ PETENTDRIVERHEIS A VERY COM آپ کا یہ جملہ آدم صاحب کے حق میں ایک بہت بڑی شاباش تھی اس کے بعد آپ ائیر پورٹ کے اندر تشریف لے گئے۔ جہاں اور متعدد احباب آپ کو الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔تمام احباب کا ایک اجتماعی فوٹو ائیر پورٹ پر لیا گیا چونکہ جہاز کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی اسلئے بقیہ وقت محترم چوہدری صاحب نے دوستوں کے ساتھ لاؤنج میں گزارا۔اور متعدد احباب نے باری باری اپنی انفرادی تصاویر چوہدری صاحب کے ساتھ اتروائیں۔ 10 بجکر پچیس منٹ پر جہاز کی روانگی مقرر تھی۔محترم کلیم صاحب مع پریذیڈنٹ جماعت کھانا محترم ممتاز بیگ صاحب آرتھر محترم چوہدری صاحب کو الوداع کہنے کے لئے وی آئی پی (VIP) کی کار پر جہاز کی سیڑھیوں تک تشریف لے گئے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان تھا کہ محترم چوہدری صاحب کا یہ سفر جہاں ہمارے لئے برکت کا باعث ہوا وہاں محترم چوہدری صاحب کی صحت بھی اس تمام سفر میں جو کم و بیش پانچ سو میل پر مشتمل تھا اچھی رہی اور کسی بھی موقعہ پر کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں ہوا۔فالحمدللہ علی ذالک۔

ان پانچ دنوں میں یعنی 31 اگست سے 4 ستمبر تک محترم چوہدری صاحب ہمہ وقت مصروف رہے بہت کم وقت آرام کا ملا اور باوجود اس کے کہ آپ اس سال 80 اسی برس کے ہو چکے تھے اور پھر شوگر کا عارضہ بھی سالہا سال سے آپ کو لاحق تھا اور کچھ عرصہ قبل آپ کو SCIATICA کی تکلیف بھی رہ چکی تھی پھر بھی آپ نے کسی وقت بھی کسی قسم کی تھکن کا اظہار نہیں ہونے دیا بالخصوص آخری روز یعنی 3 ستمبر کا دن تو بے حد مصروف گزرا۔سربراہ مملکت سے اور پھر چیف آف ڈیفنس سے ملاقات چیف جسٹس کا ظہرانہ۔پھر پریس کانفرنس پھر جماعت کی طرف سے استقبالیہ پھر ڈینش سفیرہ صاحبہ کی طرف سے عشائیہ الغرض ایک ہی دن میں اتنے پر ہجوم پروگراموں میں پوری بشاشت کے ساتھ آپ نے شرکت فرمائی اور ہمہ وقت عشاش بشاش رہے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ چوہدری صاحب شدید قسم کی مشقتوں کے عادی ہیں اور اگر اس بڑھاپے کے باوجود آپ کا یہ حال رہا تھا تو جوانی میں نہ معلوم کتنے معمور الاوقات رہے ہوں گے۔پس آپ کا یہ دورہ ہم سب کیلئے ازدیاد ایمان کا موجب تھا۔غیروں میں

جماعت کی حد درجہ نیک نامی کا باعث تھا اور جماعت کے بیشتر مردوں عورتوں اور بچوں نے آپ کی زیارت کی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے آپ کی دعائیں لیں آپ کی نصائح سنیں ایک صحابی کی زیارت کرنے کے ناتے جماعت کے بے شمار لوگ تابعین میں شمار ہو سکتے ہیں۔ الغرض غیروں میں تبلیغ اور اپنوں کی تربیت کا ایک بہترین موقع میسر آیا۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

آغاز مضمون میں خاکسار نے کہیں ذکر کیا تھا کہ ہمارے والد محترم حضرت مرزا محمد حسین صاحب چٹھی مسیح گھر میں کبھی کبھی حضرت چوہدری صاحب کا ایک واقعہ گوجرانوالہ آنے کا بیان فرمایا کرتے تھے۔

خاکسار جس روز 1971ء میں جامعہ سے فارغ ہوا تو اگلے روز ہی والد صاحب وفات پا گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ والد صاحب کی عادت تھی کہ خاندان کے بعض پرانے کاغذات و دستاویزات وغیرہ ہمیشہ بستوں کی شکل میں باندھ کر اپنے سرہانے کی طرف رکھا کرتے تھے تکیے کی دونوں اطراف دائیں اور بائیں چارپائی کا خالی حصہ ان بستوں سے بھرا رہتا تھا آپ کی وفات سے کچھ ایام قبل ہمارے بڑے بھائی مرزا طاہر احمد صاحب لاہور سے آپ کی ملاقات کیلئے آئے تو انہوں نے بھی یہ صورتحال دیکھ کر سوچا کہ اس طرح والد صاحب کو سوتے وقت الجھن ہوتی ہو گی اور کہنے لگے کہ ابا جی! میں یہ کاغذات ذرا سنبھال کر کہیں رکھ دوں تو فرمایا ابھی رہنے دو کچھ دن بعد خود ہی سنبھالے جائیں گے۔ بھائی صاحب کو شاید اس میں کوئی مطلب محسوس نہ ہوا اور بات آئی گئی ہو گئی کچھ دنوں بعد آپ کی وفات ہو گئی تو تب مطلب سمجھ آیا۔ بھائی صاحب نے بعد از وفات مجھے بتایا کہ اس طرح والد صاحب نے فرمایا تھا۔ بہر حال آپ کی وفات کے معا بعد خاکسار کی تعیناتی بطور مربی سلسلہ ایک دیہاتی جماعت میں ہو گئی چند ماہ بعد واپس تبادلہ ربوہ میں ہو گیا اور حکم موصول ہوا کہ مجاہد فورس میں رپورٹ کر دیں۔ چند ماہ وہیں گزر گئے تو 1972ء میں خاکسار کو گھانا جانے کا ارشاد ہوا۔ سات سال بعد 1979ء میں واپس آیا تو گھر میں موجود حضرت والد صاحب کے لیئے جو ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ نے محفوظ رکھے ہوئے تھے ان کو دیکھنے کا موقع ملا اور ان میں سے حضرت والد صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر موصول ہوئی جو آپ نے اغلباً حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ کی وفات پر لکھی تھی۔ بظاہر اس کا تعلق حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ کی دعا کی قبولیت سے تھا مگر اس میں اس واقعہ کا بھی ذکر تھا جس میں ہمارے آبائی گاؤں ترگڑی ضلع گوجرانوالہ کی جماعت کو محترم حضرت چوہدری صاحب کی وکالت کی ضرورت پیش آئی تھی۔ یہ مسئلہ یوں تھا کہ ہمارے گاؤں ترگڑی میں جب جماعت بڑھنا شروع ہوئی تو چونکہ مسجد احمدیوں اور غیر احمدیوں میں مشترکہ طور پر استعمال ہو رہی تھی کبھی احمدی پہلے نماز پڑھ لیتے اور غیر احمدی بعد میں اور کبھی غیر احمدی پہلے پڑھ لیتے اور احمدی بعد میں۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز جب میں مسجد میں آیا اور نماز کی تیاری کیلئے صفیں وغیرہ بچھائیں اذان دی اور وضو کیلئے کنوئیں میں سے پانی نکال رہے تھا کہ اتنے میں غیر احمدی امام آ گیا اور اس نے سلسلہ کو گالیاں دینا شروع کر دیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے مولوی کو ایک تھپڑ رسید کر دیا آپ اس وقت جوان تھے مولوی آپ کا تھپڑ کھا کر نیچے جا گرا۔ اس کا شور سن کر اس کا بیٹا آ گیا اور ہاتھا پائی ہو گئی۔ والد صاحب نے اسے بھی ایک تھپڑ رسید کر دیا اور وہ بھی اپنے باپ پر جا گرا اتنے میں لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے مل کر اس معاملہ کو آگے نہ بڑھنے دیا مگر بعد میں غیر احمدیوں نے گوجرانوالہ شہر جا کر فوجداری مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ سخت تھا اور اس کیلئے قابل وکیل درکار تھا۔ چنانچہ جماعت نے والد صاحب کو لاہور بھیجا تا وہ محترم حضرت چوہدری صاحب کو مقدمہ کی پیروی کیلئے بلا لائیں۔ والد صاحب لاہور پہنچے اور چوہدری

صاحب سے ملےمگر چوہدری صاحب (جن کی وکالت کا ابھی آغاز تھا) نے عدیم الفرصتی کا عذر پیش کیا۔اس پر والد صاحب حضرت مولانا راجیکی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا معاملہ عرض کیا اس پر حضرت مولوی صاحب نے چوہدری صاحب کو رقعہ لکھا کہ آپ اس مقدمہ کی پیروی کیلئے گوجرانوالہ چلے جائیں بعید نہیں کہ آپ کے جانے سے مقدمہ میں جماعت کو فتح ہو جائے۔ چنانچہ چوہدری صاحب گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور اغلبا موقعہ واردات دیکھنے کیلئے ٹانگہ پر گاؤں بھی والد صاحب مرحوم کے ہمراہ گئے۔ کیونکہ والد صاحب فرماتے تھے کہ جب ہم ٹانگہ پر جارہے تھے تو میں نے سارا واقعہ چوہدری صاحب کو من وعن بیان کر دیا۔اس پر حضرت چوہدری صاحب نے اپنا بھی ایک واقعہ اسی نوعیت کا بیان فرمایا اور والد صاحب سے کہنے لگے کہ مرزا صاحب! ہمیشہ "ملاں گیری" ہی کام نہیں آتی کبھی کبھار "جٹ جٹالی" بھی کرنی پڑ جاتی ہے۔ بہر حال واپس گوجرانوالہ آ کر آپ عدالت میں مجسٹریٹ کے سامنے مقدمہ کی پیروی کیلئے پیش ہوئے اور بفضلہٖ تعالیٰ مقدمہ کا فیصلہ جماعت کے حق میں ہو گیا تاہم مولوی کو چونکہ مار پڑی تھی اس لئے اس کی دلجوئی کیلئے چوہدری صاحب نے عدالت میں ہی مولوی کو 50 روپے اپنی جیب سے ادا کر دئے۔

1979ء میں خاکسار کی واپسی گھانا سے پاکستان ہوئی 1982ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی وفات پر انتخاب خلافت کمیٹی میں خاکسار کا بھی نام شامل تھا ظہر کی نماز کے بعد ممبران مسجد مبارک میں جمع ہوئے حضرت چوہدری صاحب بھی اس میں شامل تھے اور مسجد کے شمالی حصہ میں ایک کرسی پر تشریف رکھتے تھے انتخاب عمل میں آیا اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اس کے بعد بیعت ہوئی تھی حضور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بیعت کے وقت میری خواہش ہے کہ کسی صحابی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو لہذا چوہدری صاحب محراب میں تشریف لائیں چنانچہ آپ کی کرسی لائی گئی اور محراب جس میں حضور تشریف فرما تھے میں حضور کے سامنے بچھائی گئی اور حضور کے ارشاد پر چوہدری صاحب اس کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور بیعت شروع ہوئی چوہدری صاحب کے کندھے پر مکرم محمود احمد صاحب بنگالی جو اس وقت صدر خدام الاحمدیہ تھے کا ہاتھ تھا اور مکرم محمود صاحب کے کندھے پر خاکسار کا ہاتھ تھا۔ اس روز گرمی شدید قہر کی پڑ رہی تھی اور اندر مسجد میں سوائے پنکھوں کے اور کوئی سہولت AC وغیرہ کی نہ تھی اور پھر مسجد اندر سے LOCKED تھی جس کی وجہ سے ہوا کا گزر بھی نہ تھا مگر اس شدید گرمی میں ہمارے تمام بزرگان معمر حضرات بھی بڑے سکون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے آج بھی یہ موقع یاد آتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ خود چوہدری صاحب نے وہ گرمی کیسے برداشت کی ہو گی۔آپ کی عمر اس وقت 90 برس رہی ہو گی لیکن آپ ایک صحت مند انسان کی طرح بڑے سکون سے اس مبارک مجلس میں موجود رہے۔

اسی سال خاکسار کی تقرری بطور مربی سلسلہ انگلستان میں ہوگئی اور خاکسار نومبر 1982ء میں انگلستان آ گیا اور یہاں محترم چوہدری صاحب کی متعدد بار زیارت کا موقع پیدا ہو گیا۔اس وقت چوہدری صاحب کی رہائش کنگسٹن میں کسی جگہ ایک فلیٹ میں تھی جہاں قریب ہی مکرم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب بھی رہائش پذیر تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر جبکہ ہم چند مبلغین مسجد فضل میں جمع تھے ہم نے پروگرام بنایا کہ حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ملاقات اور آپ کی دعا حاصل کی جائے۔محترم چوہدری صاحب نے کمال شفقت فرماتے ہوئے وقت دیا اور مکرم مولانا مبارک احمد ساقی صاحب مرحوم، مکرم محمد عیسی صاحب مرحوم، مکرم چوہدری ہادی علی صاحب اور خاکسار محترم چوہدری

صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے سب کا تعارف ہوا ان دنوں محترم چوہدری صاحب تفسیر کبیر کے انگریزی ترجمہ میں مصروف تھے۔ کمرہ کے درمیان میں ایک چھوٹا سا ڈیسک جس پر غالباً تفسیر کبیر کی کوئی جلد تھی اور اس کے علاوہ صرف سفید کاغذ جس پر چوہدری صاحب ارتجالاً ترجمہ لکھتے جاتے تھے فرمایا میرا یہی طریق ہے تفسیر کبیر کو دیکھ کر ساتھ ہی ساتھ ترجمہ ضبط تحریر میں لاتا رہتا ہوں۔ بہر حال چند منٹ ہم لوگ بیٹھے اور ایک آدھ تصویر کی بھی آپ نے اجازت مرحمت فرما دی اور پھر ہم لوگ واپس آگئے۔ کچھ عرصہ بعد محترم چوہدری صاحب ایک مرتبہ لندن مشن میں تشریف لائے اور واپسی پر آپ مکرم چوہدری انور احمد کاہلوں صاحب کی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے کہ خاکسار بھی موقع پر پہنچ گیا مکرم کاہلوں صاحب سے عرض کیا کہ محترم چوہدری صاحب سے سلام اور دعا کیلئے عرض کردیں چنانچہ انہوں نے چوہدری صاحب سے" بابا جی کہہ کر میرا نام اور سلام پہنچا دیا اور دعا کی درخواست کر دی۔ اس روز پتہ چلا کہ چوہدری صاحب کو ان کے خاندان میں قریبی لوگ" بابا جی کہہ کر پکارتے ہیں۔

1983ء میں خاکسار کی تعیناتی برمنگھم میں تھی۔ وہاں تقریباً سب دوستوں سے خوب تعارف حاصل ہو چکا تھا اور بعض احباب سے بہت بے تکلفی بھی پیدا ہو چکی تھی انہی میں ایک مکرم الحاج فضل الٰہی صاحب بھی تھے جن کا تعلق دوالمیال سے ہے۔ ایک روز مکرم حاجی صاحب نے (انہوں نے اس وقت تک ابھی حج نہیں کیا تھا) مشن ہاؤس برمنگھم میں نماز ادا کی اور اس کے بعد ہم باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ان دنوں لندن میں TOLWORTH کے علاقہ کے کسی سکول میں مجلس خدام الاحمدیہ کا اجتماع ہو رہا تھا اور اس روز غالباً اختتامی اجلاس ہونا تھا جس کے متعلق پتہ چلا تھا کہ آج اختتامی خطاب حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا ہوگا برسبیل تذکرہ یہ بات آئی اور میں نے مکرم فضل الٰہی صاحب سے کہا کہ کیا خیال ہے موڈ ہو تو چل کر یہ اجلاس ATTEND کر لیں اور چوہدری صاحب سے بھی مل لیں؟ حاجی صاحب فوراً مان گئے اور ہم بغیر کسی تیاری کے اسی وقت حاجی صاحب کی کار پر لندن کیلئے روانہ ہو گئے اور دو گھنٹے میں متذکرہ سکول میں پہنچ گئے جہاں یہ تقریب جاری تھی لیکن ہمارے پہنچتے پہنچتے یہ تقریب ختم ہو چکی تھی۔ تاہم محترم چوہدری صاحب ابھی وہیں تھے اور واپسی کیلئے نکل رہے تھے۔ ہم حاضر خدمت ہوئے اور چوہدری صاحب سے ملاقات کی مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ مکرم حاجی صاحب نے بھی مصافحہ کیا مگر چوہدری صاحب کے ہاتھ ابھی چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھے بلکہ انہیں تھامے رہے اور ان کے ہاتھوں پر بوسہ دینے کی کوشش کی مگر چوہدری صاحب نے ہاتھ کھینچ کر انہیں بوسہ نہ لینے دیا تاہم حاجی صاحب نے ہاتھ پھر بھی نہ چھوڑے اور کہنے لگے کہ چوہدری صاحب مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ نے ان ہاتھوں سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک نہیں چھوئے اور مصافحہ نہیں کیا؟ فرمانے لگے کہ درست ہے مصافحہ تو کیا تھا۔ حاجی صاحب کہنے لگے کہ پھر آپ مجھے ان ہاتھوں پر بوسہ دینے سے نہیں روکیں اور ساتھ ہی ان کے ہاتھ چوم لئے اور ساتھ ہی دعا کی درخواست کر دی کہ میرا ارادہ حج کرنے کا ہے اس سے پہلے میں نے کبھی حج نہیں کیا اسلئے ذرا گھبراہٹ ہے پہلی بار جانا ہوگا۔ محترم چوہدری صاحب نے فرمایا کہ ضرور جائیں مگر حکمت کا دامن نہ چھوڑیں شور مچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ چوہدری صاحب کی دعائیں لیکر ہم لوٹے اور اس کے جلد بعد ہی حاجی صاحب کو حج کی سعادت حاصل ہو گئی بلکہ اس کے بعد تو انکو حج کا ایسا چسکا لگا کہ وہ سالہا سال ہر سال باقاعدگی سے حج کیلئے جاتے رہے مگر آج کل ضعیف العمر اور لاچار ہیں۔ صاحب فراش ہیں اللہ تعالیٰ انہیں صحت وتندرستی والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ محترم چوہدری صاحب سے بس یہی آخری ملاقات تھی اس

کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ اپنے بعض رؤیا کی بناء پر 1983ء میں ہمیشہ کیلئے انگلستان کو خیر باد کہہ کر واپس پاکستان تشریف لے گئے اور یکم ستمبر 1985ء کو اپنے مولیٰ کریم کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تبصرہ۔ بر کتاب ''سپوتِ ایشیا'' مصنف: راناعبدالرزاق خان

پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالدؔ صاحب لاہور

محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب ایک ایسی علم دوست اور ادب نواز شخصیت کا نام ہے جس کے ساتھ میرے لڑکپن اور جوانی کا بیشتر حصہّ جڑا ہوا ہے۔ میں نے سکول اور کالج کی تعلیم کے دوران انہیں بہت قریب سے دیکھا اور انہیں ایک باصلاحیت، مستعد اور حسنِ خلق کا پیکر مشاہدہ کیا۔ ایک جوانِ رعنا کی صورت ان کی شکل خوبصورت اور طرز ادا دلفریب تھی۔ جن لوگوں نے انہیں اس زمانے میں دیکھ رکھا ہے وہ میری اس بات پر صاد کریں گے۔ تب یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اصلاً اور نسلاً راجپوت ہیں۔ لیکن دھیرے دھیرے جب انہوں نے عملی میدان میں قدم رکھنا شروع کیا تو راجپوت قوم کے اثرات بھی اپنا رنگ دکھانے لگے۔ زندگی کے شدائد کا مقابلہ بڑی ہمت اور جواں مردی سے کیا۔ پاکستان اور بحرین میں رہ کر بہت سے کام کئے۔ نوے کی دہائی میں ان کی قلمی کاوشوں کا آغاز ہوا اور مختلف اخبارات ورسائل میں شخصی تعارفوں پر مشتمل مضامین لکھنے لگے۔

2005 میں وہ لندن میں وارد ہوئے اور پھر تو گویا دبستان کھل گیا۔ لندن میں آمد کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ ادبی سطح پر متحرک ہوئے اور شعری ذوق کی تسکین کے لئے ''بزمِ شعروسخن'' کی تشکیل عمل میں لائے۔ اس بزم کے تحت انہوں نے مشاعروں کی بنیاد رکھی اور اس عظیم الشان روایت کو زندہ کیا جو برِصغیر پاک وہند کی علمی اور ادبی فضا کا اہم حصہ تھی۔ اس سلسلے کا پہلا مشاعرہ 2009 میں منعقد ہوا جس میں ممتاز شعراء نے شرکت کی۔ اس ابتدائی مشاعرے کو 13 برس بیت گئے ہیں۔ ان تیرہ برسوں میں انہوں نے سوشل میڈیا کا حربہ استعمال کر کے زوم کے ذریعے عالمی مشاعروں کا آغاز کیا جس میں گلوبل وِلج سے بڑھ کر گلوبل سیٹ کی اصطلاح کو سچ ثابت کیا۔ ان مشاعروں میں دنیا بھر سے نام ور سخنور شرکت کرتے اور شاعری کے نت نئے ذائقوں سے آشنائی بخشتے ہیں۔ خاکسار کو بھی کئی مرتبہ ان مشاعروں میں شرکت کا موقع مل چکا ہے۔ اور رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی شاعری سننے کے ساتھ ساتھ ان کی نظامت اور حسنِ انتظام کی داد دینے کا سامان بہم ہوا ہے۔ اردو زبان وادب کی ایسی شاندار خدمت بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے جو دیارِ غیر میں رہ کر بھی محدود وسائل کے باوجود یہ کام کئے جاتے ہیں۔ قدرت نے ان کی طبیعت میں یہ وصف ودیعت کر رکھا ہے کہ وہ جس کام کا ارادہ کریں وہ کر کے رہتے ہیں۔ اسی پر بات ختم نہیں ہو جاتی بلکہ مسلسل محنت اور عزم وعمل سے اس کام میں مداومت اختیار کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر انہوں نے 2013 میں ایک اہم علمی اور ادبی کام کا بیڑا اٹھایا اور ''قندیلِ ادب انٹرنیشنل'' کے نام سے آن لائن میگزین نکالنا شروع کیا۔ ان کے ساتھ اور بھی کئی لوگوں نے بیرونِ ملک سے اسی نوع کے کام شروع کئے لیکن آج ان کی کوئی خبر نہیں جبکہ رانا صاحب اس میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ہر ماہ باقاعدگی سے ''قندیلِ ادب'' کا خوبصورت شمارہ لئے موجود ہوتے ہیں۔ جودیدہ زیب لے آؤٹ کے

ساتھ نو بہ نو موضوعات پر شاندار مضامین نظم ونثر اپنے دامن میں لئے ہوئے قارئین کے ذوقِ نظر کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ یہ میگزین دنیا بھر کے لاکھوں قارئین تک ای میل اور ویب سایٹ کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔اور اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی مضمون نویسی کا وہ سلسلہ بھی ہنوز قائم ہے جو پاکستانی اخبارات سے شروع ہوا تھا۔آج وسعت اختیار کر کے امریکہ، آسٹریلیا اور بھارت کے اخبارات تک محیط ہو چکا ہے۔مزید یہ کہ قندیل ادب کے عالمی مشاعروں نے دنیا بھر میں دُھوم مچا رکھی ہے۔ان سب پر اضافہ ان کا وہ واٹس ایپ چینل ہے جس پر رونق افروز ہو کر وہ عالمی خصوصا پاکستانی سیاست اور یہاں کے حالات کو زیر بحث لاتے اور اپنے سننے والوں کو مفید معلومات سے نوازتے ہیں۔ حیرت کی بات رانا عبدالرزاق خاں صاحب یہ سارے کام تن تنہا انجام دیتے ہیں اور لندن کی طلسماتی تفریحات میں دل لگانے کی بجائے قلم سے راز و نیاز کرتے ہیں۔رانا صاحب کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ الگ ہے جس میں وہ اپنی کئی قیمتی کتب شائع کر چکے ہیں۔ان کتابوں پر اہل علم اور ادب پرور شخصیات نے نہایت شاندار تبصرے کئے ہیں اور رانا صاحب کی مرتبہ بصیرت افروز تصنیفات پر کھلے دل سے داد دی ہے۔ان کتابوں کا تحسین آمیز پہلو یہ ہے کہ علم و ادب کے بنیادی مراکز سے دُور بیٹھ کر لکھی گئی ہیں جہاں ضروری مواد کی فراہمی اور ماخذات تک رسائی ایک اہم مسئلہ ہے لیکن رانا صاحب کی جُستجو اور تلاش نے نہ صرف اس مسئلے کو حل کر دیا اور مجھ ایسے کئی لکھنے والوں کو آئینہ بھی دکھا دیا جو بڑے بڑے منصوبے باندھ کر اس گٹھڑی کو بغل میں دابے پھرتے ہیں۔اور قیل و قال تک محدود رہتے ہیں۔اس وقت مَیں رانا عبدالرزاق خان کی نادر و نایاب کتاب ''سپوتِ ایشیا'' پر نظریں جمائے بیٹھا ہوں جو دیکھنے میں اپنی چھ سو صفحات کی ضخامت سے متوجہ کرتی ہے اور اس کے بعد دنیائے اسلام اور عالمی سیاست کے ایک روشن اور تابندہ کردار چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی انتہائی فعال اور متحرک زندگی کے در و بست نگاہوں میں لاتی ہے۔چوہدری صاحب کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں لیکن جب وہ اس دنیا میں آتی ہیں تو ساری دنیا کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں اور اپنی جدو جہد، محنت اور سعی پیہم سے وہ مقام حاصل کر لیتی ہیں کہ دلوں پر ان کا نام نقش ہو جاتا ہے۔ان کی راہوں پر پھول ہی نہیں برستے، لوگ دیدہ دل فرشِ راہ کرتے ہیں اور ایک خلقت آنکھیں بچھاتی ہے۔ان کا حسنِ عمل ان کی شخصیت پر نگران ٹھہرتا ہے اور ان کا ہر اٹھتا ہوا قدم زمین نہیں، آسمان پر پڑتا ہے۔چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان اس نادر و نایاب ہستی کا نام ہے، جس جیسا پوری صدی میں دوسرا پیدا نہیں ہوا۔بقولِ غالب ؎

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان ''سپوت ایشیا'' ہی نہیں بلکہ سپوتِ عالم کہلانے کے حق دار ہیں کہ انہوں نے محض ایشیائی اقوام کے حق میں ہی نہیں اواز بلند کی، بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں ظلم، ناانصافی اور انسانوں پر جبر و تعدّی کے آثار پیدا ہوئے وہاں سر محمد ظفر اللہ خان مجبور و مقہور لوگوں کی آواز بن کر سلامتی کونسل کے ایوانوں میں آوازِ حق بلند کرتے نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی صاحبِ بصیرت سیاست دان، مدبر، دانش ور اور انصاف پسند شخص ایسا نہیں ہے جس نے چوہدری صاحب مرحوم کے حق میں کلمۂ تحسین ادا نہ کیا ہو اور آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نہ ہوا ہو۔ اہلِ عالم کے یہ کلماتِ تحسین اور اہلِ دانش و بینش کی آراء دنیا بھر کے اخبارات و رسائل میں بکھری پڑی تھی۔ جنہیں رانا عبدالرزاق خان صاحب نے سلیقے سے ترتیب دے کر ایک خوبصورت کتاب کی صورت پیدا کی۔اس پر رانا صاحب کی قلمی کاوش کی

جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ان کی محنت اور کدو کاوش کتاب کے ہر صفحے سے جھلکتی ہے۔چوہدری صاحب کی ذات والا صفات اور شخصیت کے محاسن پر اظہارِ خیال کرنے والوں میں ہر طبقے اور شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شامل ہیں۔ان لوگوں نے محض تکلفاً اپنی رائے نہیں دی بلکہ ان تمام آراء کا ایک ایک لفظ دِل کی گہرائیوں سے نکلا ہے اور حق وصداقت پر مبنی ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ جتنی بڑی شخصیت سامنے ہے اس کے مقابلے میں الفاظ کا دامن تنگ نظر آتا ہے۔آپ کے فضائل اور خصائل دیکھ کر خامہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ اور بلند ترین منصب پر فائز ہوکر آپ عاجزی اور انکساری کا مرقع نظر آتے ہیں اور دنیاوی حیلوں اور ہتھکنڈوں سے بےخوف ہوکر اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک ابدی سلک میں منسلک دکھائی دیتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ آوازِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو تو اس حوالے سے یہ کتاب دنیا بھر سے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کے حق میں اُٹھنے والی آوازوں کا مجموعہ ہے۔یہ وہ گواہی ہے جو بلاتمیز مذہب و نسل اہلِ عالم نے آپ کے حق میں ثبت کی۔یہ وہ نقارہ ء خدا ہے جو ڈنکے کی چوٹ پر آج بھی بج رہا ہے اور رہتی دنیا تک بجتا رہے گا۔رانا عبدالرزاق خان کا یہ ذوق، تصنیف وتالیف ''سپوتِ ایشیا'' کے علاوہ ان کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔اللہ ان کے ذوق کو جلا بخشے اور مستقبل میں انہیں ایسے قیمتی گوہر اُچھالنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔میں ان کی صحت وسلامتی کی دعا کرتا ہوں۔اللہ اس کارِ ہنر منداں کو سلامت رکھے آمین

حضرت مصلح موعودؓ ۔ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ۔ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب ۔ مولانا بی اے رفیق صاحب امام مسجد فضل لندن ۔ چوہدری حمید نصر اللہ صاحب امیر ضلع لاہور

چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب اور مولانا جلال الدین شمس صاحب فلسطین میں احباب جماعت کے ساتھ
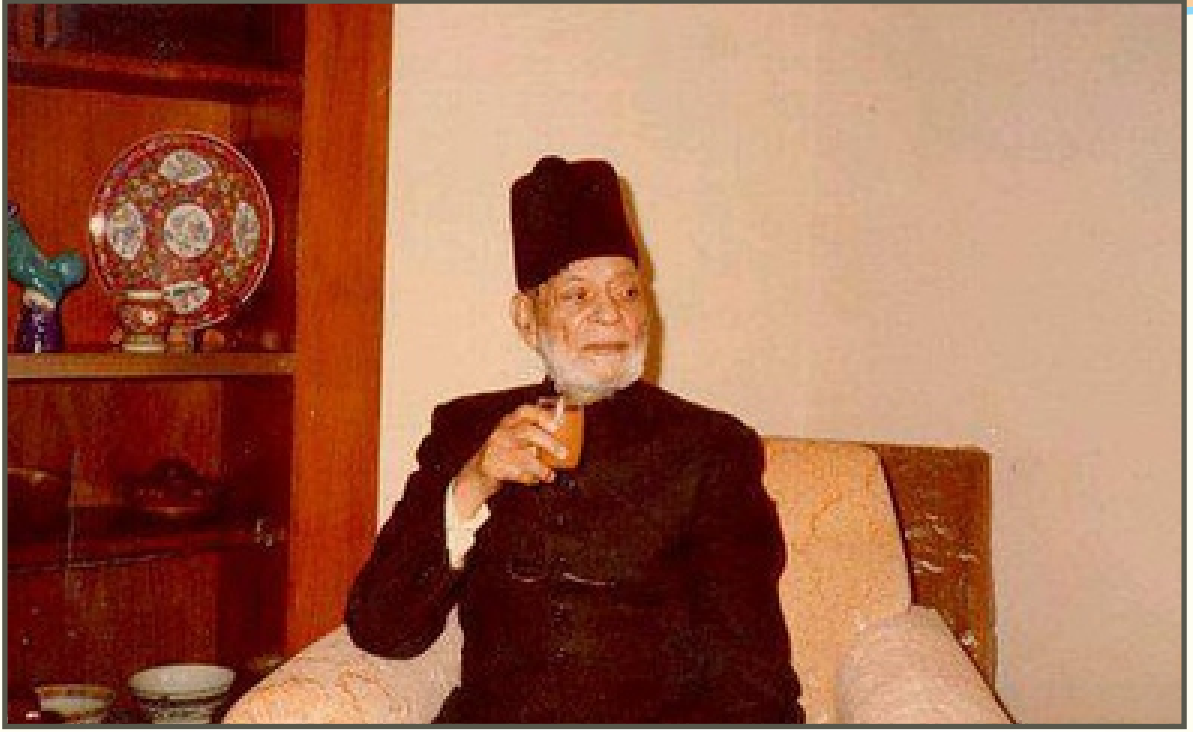
حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

صدر کنیڈی کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے

شاہ فیصل کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

شاہ فیصل آف سعودی عرب کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

والئی اردن شاہ حسین کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے

حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب
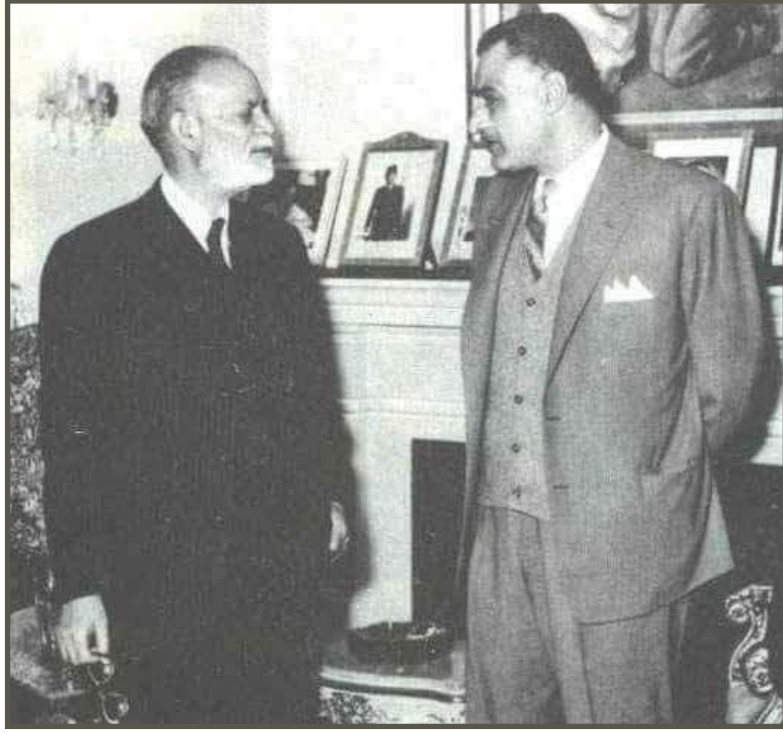
جمال عبدالناصر آف مصر کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب
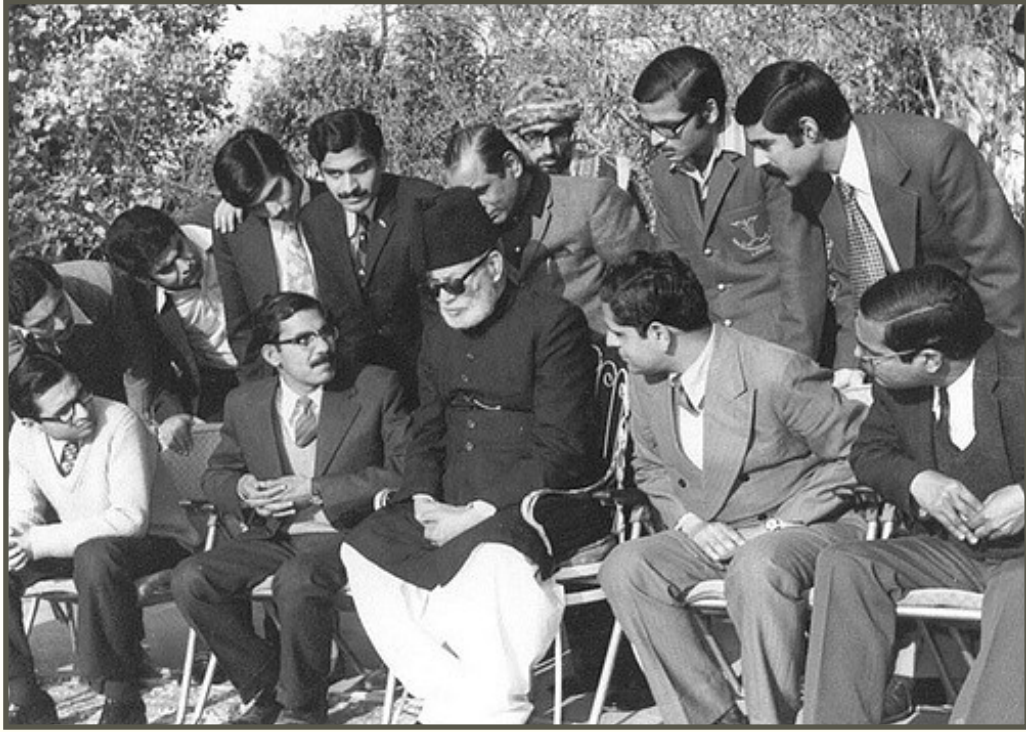
طلباء کے ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

پہلا جلسہ سالانہ ۱۹۶۴ یو کے۔مولانا بی اے رفیق صاحب اور چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

جامعہ احمدیہ ربوہ کے احباب واساتذہ کے ساتھ

مراکش کے صدر کے ساتھ
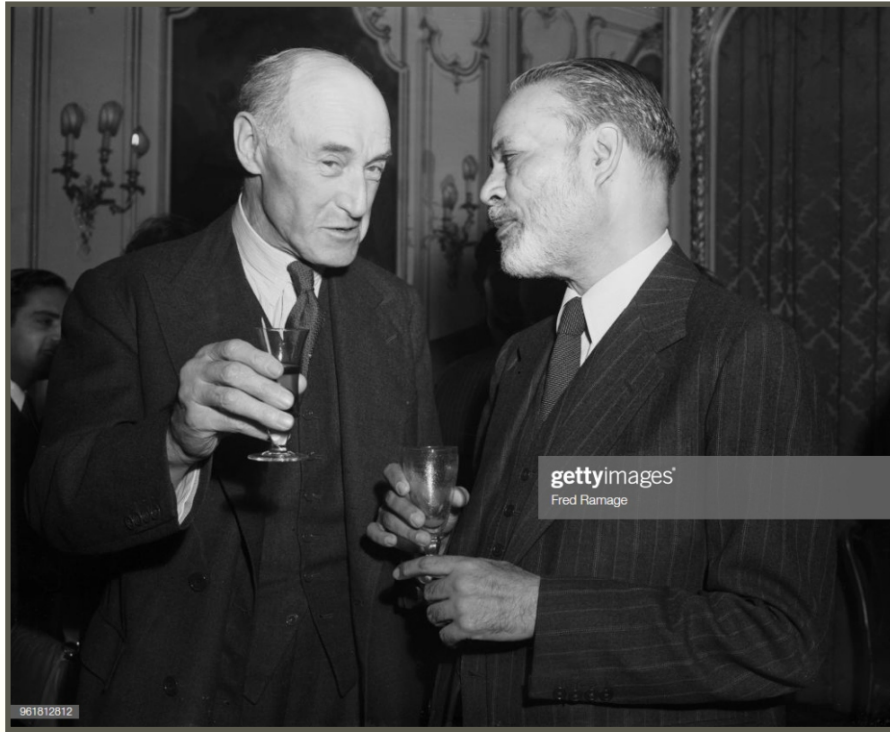
ممبر جنرل اسمبلی کے ساتھ محوِ گفتگو

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور سینئر احباب کے ساتھ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کے ہمراہ

حضرت چوہدری صاحب ؓ کی روانگی برائے پاکستان ۔ 19 نومبر 1983ء

ہیتھروائیرپورٹ پر عطاء المجیب صاحب راشد امام مسجد فضل لندن معانقہ کرتے ہوئے

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہمراہ

حضرت چوہدری سرمحمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

کھڑے: ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۔ مولانا عطاء المجیب راشد صاحب ۔ مولانا بشیر احمد رفیق صاحب ۔ سفیر گیمبیا
چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب ۔ مکرم عبد الوہاب آدم صاحب ۔ (درمیان میں) مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب آف کراچی

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور امام بشیر رفیق صاحب کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ اور امام بشیر رفیق صاحب کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

صدر کنیڈی امریکہ کے ساتھ

حضرت مصلح موعودؓ اور صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ساتھ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ہمراہ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ۔ چوہدری صاحب اور احباب کے ساتھ
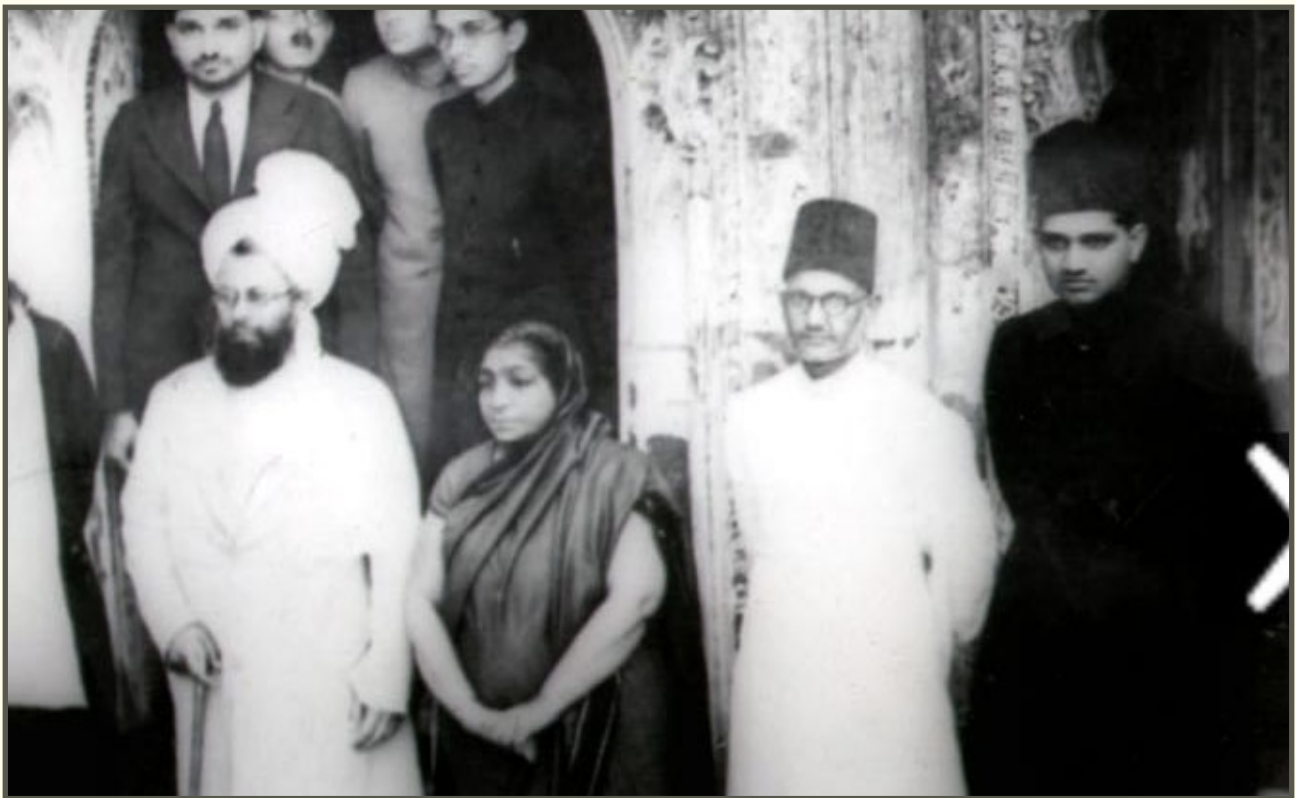
مشہور انڈین لیڈر مس سروجنی نائیڈو صاحبہ کے ساتھ

جناب ایم ایم احمد صاحب ۱۹۳۵ میں زمانہ طالب علمی میں لندن میں

چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب اور مرزا ناصر احمد صاحب
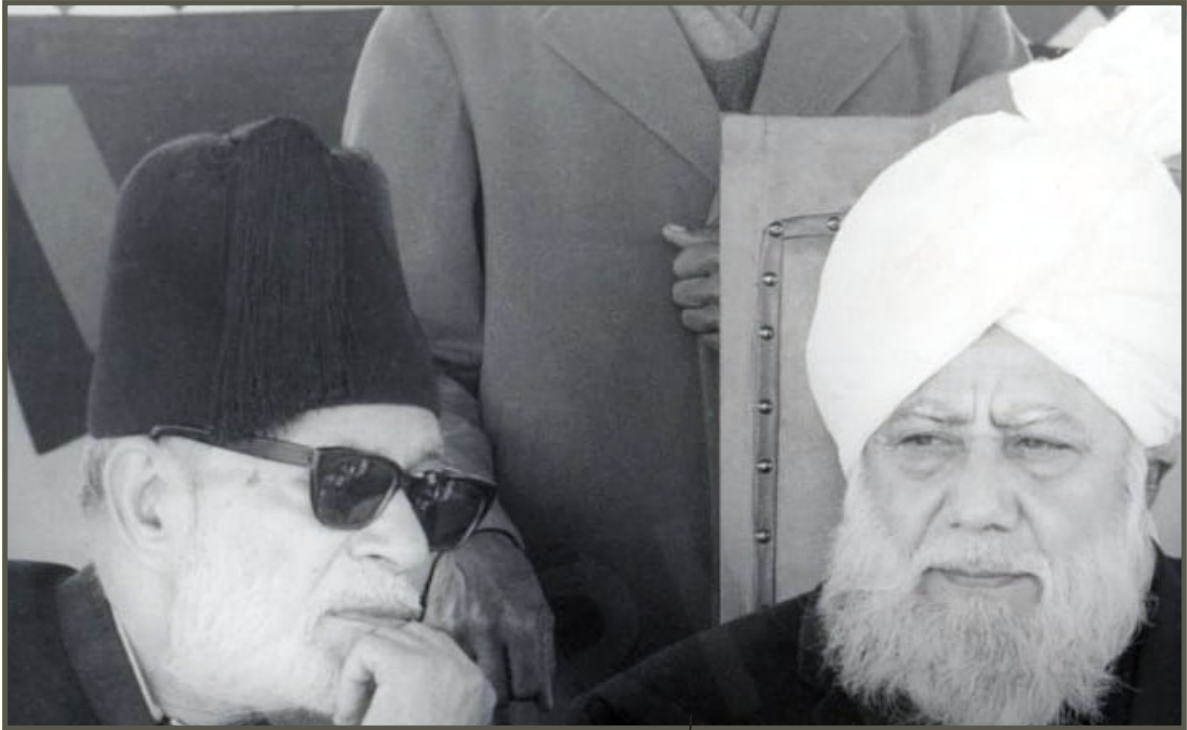
حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ لندن میں

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ہمراہ

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ہمراہ

حضرت مصلح موعودؓ ۔چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب اور احباب کے ساتھ

مسجد بشارت سپین کے افتتاح کے دن کی تصویر: ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ۔چوہدری صاحب

پیچھے کھڑے ہوئے: مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب ۔میر محمود احمد ناصر صاحب ۔چوہدری حمید اللہ صاحب ۔افسر حفاظت ناصر احمد صاحب ۔بہادر شیر صاحب

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

ڈاکٹر پروفیسر محمد عبدالسلام صاحب

مولانا عطاء المجیب راشد صاحب زمانہ طالب علمی میں
چوہدری صاحب کے ساتھ

مولانا ابوالعطاء صاحب ۔ چوہدری صاحب
مولانا عطاء المجیب راشد صاحب
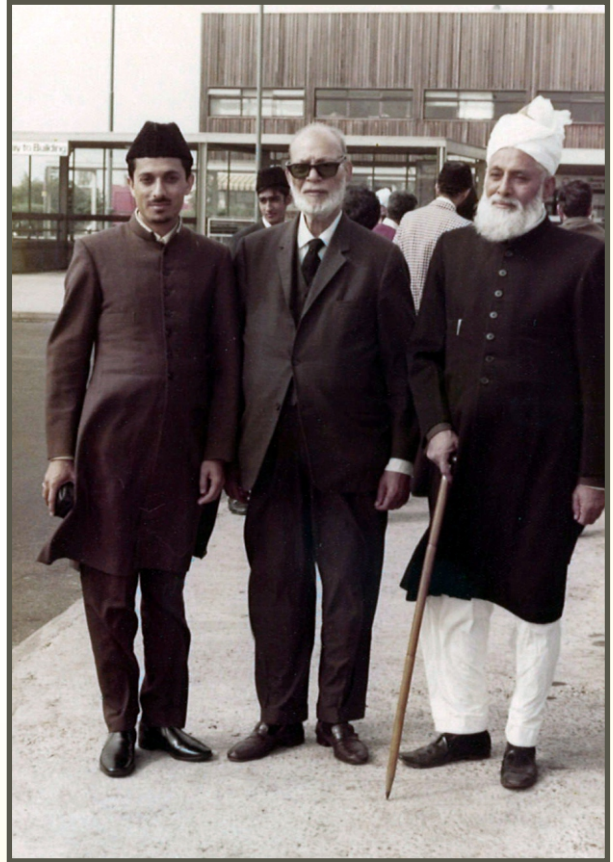
حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

مولانا عطاء المجیب راشد صاحب چوہدری صاحب کے ہمراہ
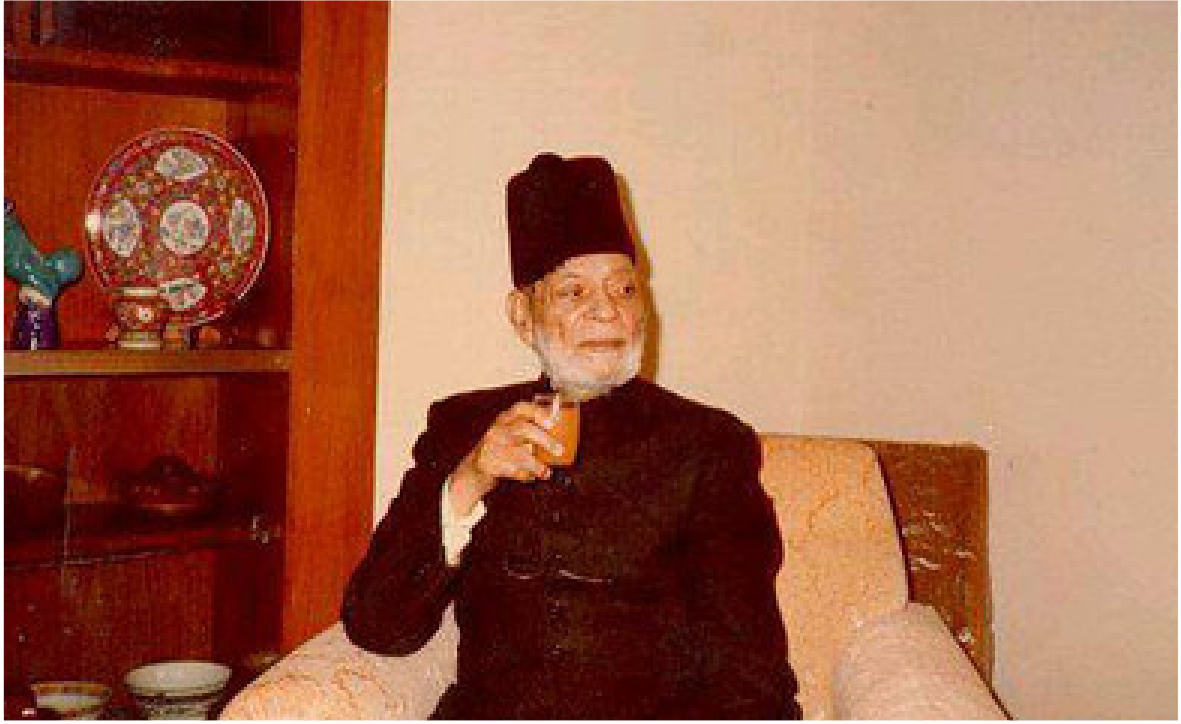
حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحبؓ

صدر کنیڈی کے ساتھ چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب

تعارف مصنّف

رانا عبدالرزاق خان

پیدائش۔ 13 اپریل 1951۔ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

تعلیم۔میٹرک، ایف اے تعلیم الاسلام سکول و کالج ربوہ۔۔ بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور

1972. ملازمت۔۔سپروائزر۔پیکیجز بورڈ ملز لاہور۔زعیم۔خدام الاحمدیہ حلقہ جنرل ہسپتال قیادت ماڈل ٹاؤن لاہور

1975 بحرین عربین گلف روانگی بطور ایگریکلچر اسسٹنٹ بحرین۔ وہاں نو سال سیکٹری مال جماعت کام کی توفیق ملی۔

شادی 28 نومبر 1977 ربوہ۔۔سسر چچا جان ناصر احمد بہادر شیر افسر حفاظت خاص۔۔شمولیت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

1984 میں والد صاحب کی وفات پر تقرری نمبردار چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

1985 قائد خدام الاحمدیہ ضلع خوشاب۔1989 صدر جماعت احمدیہ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب مسلسل 2005 تک صدر رہے۔16 سال۔

1995۔ناظم مجلس انصاراللہ ضلع خوشاب و شمولیت ممبر شوریٰ مرکزیہ۔سیکٹری دعوت الی اللہ ضلع خوشاب 1997۔۔ذیابیطس کی بیماری لگی۔

2001۔انتخاب بطور امیر ضلع خوشاب۔ 2005۔روانگی لندن۔رضا کارانہ خدمت شعبہ عمومی مجلس انصاراللہ مرکزیہ عرصہ دس سال۔

2009 مجلس شعر و سخن کا قیام بوساطت محترم مبارک صدیقی صاحب

2010۔کالم نگاری یوکے ٹائمز۔۔۔ایڈیٹر گوشہ ادب یوکے ٹائمز۔۔۔اخبار احمدیہ یوکے کے ادارتی بورڈ میں شمولیت۔ جو کہ آج تک ہے۔

2012۔ معاون صدر TICOSA UK 2013۔قندیل ادب انٹرنیشنل کا اجرا جنوری سے شروع۔

2014۔سیکرٹری تجنید TICOSA UK ساری تجنید مرتب کی۔رسالہ قندیل حق کا جنوری 2018 میں اجرا کیا۔

2015۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK مشاعرے اور دورہ جات کروائے۔

2017۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK۔دو کتب کی اشاعت۔قندیل حق 500 صفحات۔قندیل علم۔506 صفحات

2018۔تیسری کتاب کی اشاعت ہوئی۔دانشکدہ عظیم 600 صفحات۔ایک دینی میگزین، قندیل حق سہ ماہی شروع کیا گیا۔

2020۔چوتھی کتاب کی اشاعت۔۔سپوت ایشیا۔630 صفحات 2022۔پانچویں کتاب۔تاریخ کاٹھگڑھ 500۔صفحات

2023۔چھٹی کتاب بہادر شیر مرحوم۔صفحات 100۔ساتویں کتاب نافلہ مہدی ایم ایم احمد صاحب۔قندیل ادب انٹرنیشنل کے دس سال مکمل۔

آٹھویں کتاب مجموعہ کلام (قندیل صحرائی) کے نام سے شائع ہونے کو تیار ہے۔

اس عرصہ میں رانا عبدالرزاق خاں نے تین صد سے زائد مشاعرے کروائے۔جس میں ہزاروں شعراء نے شمولت کی۔زوم پر بھی مشاعرے کروائے گئے۔

2023 نویں کتاب... موسیقارِ دربارِ خلافت ثاقب زیروی کی سوانح تحریر کی۔دسویں کتاب قائداعظم کا دستِ راست۔۔چوہدری سر ظفراللہ خاں کے متعلق بھی تیار کر رہے ہیں جو کہ آخری مراحل میں ہے۔۔۔نیز قندیلِ حق کے 24 رسالے نکال چکے ہیں۔

QAID-E-AZAM KA DAST-E-RAAST

Life History of
Hadrat Chaudhry Sir Muhammad Zafrullah Khan[ra]

Compiled by :

Rana Abdul Razzaq Khan, London